ولقد يسرنا القرآن للذكر ...

عمدة البيان في تفسير القرآن

المعروف

تفسير المراغي

ترجمة

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

اور بلاشبہ ہم نے آسان کر دیا ہے اس قرآن کو نصیحت کیلئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

عمدة البيان في تفسير القرآن

المعروف

تفسير المدني (الكبير)

جلد سوم

(از قلم حقیقت رقم)

شیخ التفسیر حضرت مولانا ابو طاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی

(حفظہ اللہ ورعاہ وتقبل مساعیہ وجعل اخراہ خیراً من اولاہ)

دار العلوم الاسلامیہ بکشمیر الحرۃ

پلندری، ضلع سدھنوتی

آزاد کشمیر، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

اور بلاشبہ ہم نے آسان کر دیا ہے اس قرآن کو نصیحت کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

"عُمدة البيان في تفسير القرآن"

المعروف {تفسیر المدنی (الکبیر)

ترجمہ وتفسیر

از قلمِ حقیقت رقم } شیخ التفسیر حضرت مولانا ابو طاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی

(حفظہ اللہ ورعاہ وتقبل ساعیہ وجعل أخراہ خیرا من أولاہ)

ناشر

دار العلوم الاسلامیہ بکشمیر الحرۃ

پلنڈری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان

(Palandri Dist Sudhnoty (A.J.K) Pakistan.)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

نام کتاب	:	"عُمدۃ البیان فی تفسیر القرآن"
تالیف	:	شیخ التفسیر حضرت مولانا ابو طاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی دامت برکاتہم العالیہ
باہتمام	:	پروفیسر مولانا محمد طاہر خان صاحب آل مدنی حفظہم اللہ
صفحات	:	816
تعداد اشاعت	:	گیارہ سو (۱۱۰۰)
سن اشاعت	:	رجب المرجب ۱۴۲۹ھ بمطابق جولائی ۲۰۰۸ء
مطبع	:	آر آر پرنٹرز، لاہور، پاکستان
ناشر	:	دار العلوم الاسلامیہ پلندری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان
تصحیح	:	مولانا محمد سہیل فاروق اقرا ندوۃ الفرقان، جامعہ ندوۃ العلم، لاہور، پاکستان

استدعاء

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق، کتابت، تصحیح، طباعت اور جلد سازی میں پوری احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔

مگر بشری تقاضے سے اگر اس سب کچھ کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

ناشر

دارُ العُلومِ الاسلامیہ بکشمیر الحرۃ

پلندری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان

(Palandri Dist Sudhnoty (A.J.K) Pakistan.)

اہداء و انتساب

اُس وَحدَہٗ لاشریک سُبحانہٗ وتعالیٰ کے حضور اور اسی کے نام

❁ — جس کا میں بندہ ہوں اور جس کے فضل وکرم اور رحمت وعنایت میں میرے جسم وجاں کا رواں رواں ڈوبا ہوا ہے اور جس کا شکرادا کرنا میرے بس میں نہیں۔ اور جس سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق وعنایت سے اس کی کتابِ حکیم کے ترجمہ و تفسیر کی یہ خدمت، اور عظیم الشان سعادت، نصیب ہوئی ہے۔ فَالْحَمْدُ لَهٗ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم سحر یہ تیری مہربانی ہے

❁ — پس اسی کے حضور دست بدعا اور سراپا عرض والتجا ہوں کہ وہ محض اپنی شانِ کریمی سے اس بندۂ ناچیز کی اس طالب علمانہ کوشش کو شرفِ قبولیت سے نواز کر اسے نفع عام اور راقم آثم کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ بنادے۔ وَمَا ذَالِكَ عَلَيْهِ بِعَزِيْزٍ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَلَا حَدَّ لِجُوْدِهٖ وَكَرَمِهٖ وَهُوَ بِالْاِحْسَانِ جَدِيْرٌ۔ نیز یہ کہ اس کارعظیم کے دوران جو بھی کوئی تقصیر وکوتاہی راقم آثم سے سرزد ہوئی ہو۔ خواہ اس کا تعلق نیت وارادہ سے ہو، یا عمل واداء سے، اس کو اپنی رحمت وعنایت سے معاف فرمادے کہ وہ غفور بھی ہے، اور رحیم بھی، تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

❁ — اور اس کو اپنی بارگاہِ اقدس واعلیٰ میں قبول فرماکر اسے راقم اثم کیلئے، راقم کے والدین مرحومین، اور دوسرے اعزہ و اقارب، کے لئے، راقم کی بیوی اور بچوں کے لئے، بہنوں اور بھائیوں اور دوسرے تمام رشتہ داروں کیلئے، خیر وبرکت اور دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ اور ابدالآباد تک باقی رہنے والا صدقۂ جاریہ بنادے، آمین ثم آمین۔

❁ — نیز اس کو راقم کے اساتذہ ومشائخ، اہلِ مسلک اور جملہ اہلِ حق، اور اہلِ ایمان کیلئے رحمتوں برکتوں اور دارین کی فوز و فلاح اور سعادت وکامرانی کا ذریعہ بنائے اور اس سے حق اور اہل حق کا بول بالا ہو۔ اور ان کے مقابلے میں اہلِ کفر وباطل میں سے جن کے نصیب میں ہدایت ہو ان کو ہدایت ورحمت کے نور سے نوازنے کا ذریعہ بنادے اور جن کے نصیب میں یہ نور ملنا مقدر نہ ہو ان کو خائب وخاسر اور ناکام ونامراد کردے۔ امین ثم امین یَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ، وَاِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ، وَبِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ، وَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَهُوَ عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِهٖ بِهٖ جَلَّ وَعَلَا، وَهُوَ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْهُمْ لِاَنْفُسِهِمْ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔

وانا عبده العاصي ولرحمته الرّاجي محمد اسحاق خان (عفا الله عنه وعافاه و جعل عقباه خيرا من أولىه) أحدُ طلبة العلم.

المقيم بدبي (السطوة) الامارات العربية المتحدة ١٢ صفر ١٤١٧ھ الموافق ٢٧ يونيو ١٩٩٦ء يوم الخميس،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین

والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء وسید المرسلین، نبینا محمد وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین، ومن اھتدی بھدیہ ودعا بدعوتہ الی یوم الدین. وبعد

❁ یہ بندۂ ناچیز محمد اسحاق خان ولد سردار خانولی خان، ولد سردار نواب خاں علیہم شآبیب الرحمۃ والغفران۔ جو کہ آزاد کشمیر، پاکستان کے ایک پسماندہ اور دور افتادہ مگر مردم خیزی میں امتیازی مقام اور خاص شہرت رکھنے والے خطہ "منگ" کا رہنے والا ہے۔ برادرانِ اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ قرآنِ حکیم کے ترجمہ وتفسیر کے جس عظیم الشان اور جلیل القدر کام کا آغاز ایک عرصہ قبل کیا تھا وہ ربع صدی سے بھی زیادہ عرصے کی طویل محنت اور جہدِ مسلسل کے بعد اب جا کر پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے والحمد للہ رب العالمین۔ اَلَّذِیْ لَاتَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوْفِیْقٍ مِّنْہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی

❁ اس عظیم الشان اور جلیل القدر کام کے سلسلہ میں جن امور کا التزام کیا گیا۔ اور جن خطوط پر اس سلسلہ میں محنت کی گئی ان سب کا ذکر تفصیل کے ساتھ مقدمۂ تفسیر میں کر دیا گیا جو کہ الگ ایک مستقل کتاب کی شکل میں عرصہ قبل چھپ چکا ہے۔ والحمد للہ اس لئے اس کے اعادہ وتکرار کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش اس وقت تو صرف اس عملِ جلیل کی قبولیت عند اللہ کی دعا کی اپیل ودرخواست ہے اور بس اس دوران جو بھی کوئی کوتاہی راقم اثم سے سرزد ہوگئی ہو۔ خواہ اس کا تعلق ارادہ ونیت سے ہو۔ یا عمل واداء سے اللہ تعالیٰ اس سب کی بخشش فرما کر اس قرآنی خدمت کو اپنی بارگہ اقدس میں قبول فرما لے۔ اور اس کو پوری دنیا میں نورِ حق وہدایت کی اشاعت کا ذریعہ بنا دے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا ارحم الراحمین واکرم الاکرمین۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرما کر اس کو راقم اثم اور راقم کے جملہ متعلقین کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والا ایسا صدقۂ جاریہ بنا دے۔ جس سے دنیا ساری میں نورِ توحید کا اجالا ہو جائے اور شرک وبدعت کے اندھیرے چھٹ جائیں۔ اور حق اور اہلِ حق کا بول بالا ہو آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین وانہ سبحانہ وتعالیٰ ولی ذالک والقادر علیہ جل وعلا شانہ

واناعبدہ الضعیف المفتقر الی رحمتہ جلّ وعلا فی کلِّ حین وآن وبکل حالٍ من الاحوال محمد اسحاق خان (عفا اللہ عنہ وعافاہ)

یکے از خُدّامِ علم واھلِ علم مقیم دبی ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ ۶ نومبر ۲۰۰۳ء

بروز جمعرات سات بجے شام سطوہ دبی (قُبَیْلَ اذان العشاء) والحمد للہ جلّ وعلا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

"عمدةٌ في البيان والتفسير"

من كلمات فضيلة الشيخ محمّد عبدالله احمد ناصر الموزعي من اليمن

اشرق النُّور في دروب المسير — فتجلى للباحث المستنير
و تحلي اليراع فيه سرورا — بالمعاني و أجمل التصوير
و عقود الجمان في الدهر أضحت — تتسامي بدقة التعبير
إن هذا التفسير عذب جميل — طيب النشر في رياض السطور
تتغذى منه العقول بديعًا — بالتسالي وروعة التحرير
للكتاب العزيز خير بيان — لَيس فيه شوائب من قصور
أوضح الحكم في الوقائع فقها — بيّنًا بالدليل و المأثور
وروى سيرة الأوائل فيه — قصصًا بالصحيح و المشهور
ونعيم الجنان فيه حديث — ذو شجون يزهو بريا العبير
والوعيد الشديد للنّاس إن هُم — خالفوا منهج العلي القدير
والصّفات الحسان لله والأسماء — سُبحانه عديم النظير
وحديث الإيمان بالله نُور — في الحشايا يُوحي بشرح الصُّدور
في مجال الإرشاد قد صاغ درا — يتلألأ بالنصح و التذكير
سُرّيا دهرُ في الوُجود بهاء — أبديًا بعالم نحرير
سهرت عينه الليالي فنالت — كُل فضل بجهده المشكور
فبدى للأنام فيه كتاب — قَد توشي باحرف مِن نور
حقه أن يقال فِيه لعمري — "عُمدة في البيان وَالتفسير"

ذاك الحديث العذب الرقراقُ — وَالعِلم وَالايمان و الأخلاقُ
يتناثر الإيمان من أوصافه — و الحبّ و الأنوار و الإشراقُ
لا تعجبُوا من حسن منطقه فذا — أُنس المجالس شيخنا إسحاقُ

دار العلوم الاسلامية بكشمير الحرة
پلندری، ضلع سدھنوتی،
آزاد کشمیر، پاکستان

اپنی اس تفسیر سے متعلق برادرانِ اسلام کی خدمت میں

تین اہم گزارشیں

ا اس بندۂ ناچیز نے اپنی اس تفسیر کی تحریر وتسوید کے دوران ہر مرحلے پر یہ دعاء بھی کی اور کوشش بھی کہ یہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے ہو، اور اس میں ریاء وسمعہ کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔ لیکن نفس وشیطان کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اِنَّ النَّفسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ۔ اس لئے برادرانِ اسلام سے اس بارہ اس مخلصانہ دعاء کی اپیل و درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو خالص اپنی رضا کیلئے قبول فرمالے۔ اور اس ضمن میں جو بھی تقصیر وکوتاہی اس بندۂ ناچیز سے سرزد ہوئی ہو اس کو معاف فرمادے، خواہ اس کا تعلق نیت وارادہ سے ہو، یا عمل واداء سے۔ فَاِلَیْہِ نَتَضَرَّعُ اَنْ یَّجْعَلَہٗ خَالِصًا لِوجهه الكريم. وَان یَّجْعَلَہٗ اَخْلَصَ مَایکون، وَاَحَبَّ مَایَکُوْنُ، وَانفعَ مَایکون. وَاَوْسَعَ مَایَکُوْنَ، وَاَبْقٰی مَایَکُوْنَ، اِنَّہٗ سُبْحَانَہٗ وتعالٰی سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ مُجِیْبٌ وَعلٰی مَایَشَاءُ قدیر،

ب جبکہ دوسری گزارش اس بارہ میں حضرات اہل علم سے یہ ہے کہ اس میں جو کوئی تقصیر وکوتاہی ان کی نظر سے گزرے، یا اسکی اصلاح اور بہتری سے متعلق جو بھی کوئی رائے اور تجویز ان کے سامنے آئے، اس سے آگہی بخشیں تاکہ اس سے استفادہ کیا جاسکے۔ اور آئندہ ایڈیشن میں اسکی روشنی میں اصلاح کی جاسکے۔ کیونکہ بندہ بہرحال محتاج دعاء واصلاح ہے، وَالْکَمَالُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ لاشریک لَہٗ ۔ وَھُوَ وَلِیُّ التَّوْفِیْق، لِمَایُحِبُّ ویرید، وعلی مایُحِبُّ ویرید، سبحانہ و تعالٰی، وَجَلَّ وَ عَلَا،

ج اور تیسری گزارش اس ضمن میں ہر اس شخص سے جو کہ دل درد مند رکھتا ہو، یہ ہے کہ وہ اسکی کوشش کرے۔ اور اس کوشش میں حتی المقدور حصہ لے، کہ یہ تفسیر ہر شخص کے پاس اور ہر ہر گھر میں پہنچے، تاکہ قرآن وسنت کا نورِ مبین ہر ہر گھر میں پھیلے۔ اور ہر ہر گھر اور ہر ہر دل نورِ قرآن وسنت سے منور ومعمور ہو۔ کہ یہ دین حق کا ہم پر حق بھی ہے۔ اور امتِ مسلمہ اسکی سب سے زیادہ محتاج بھی ہے۔

وباللّٰہ التوفیق لمایحب ویرید، وعلی مایحب ویرید، بِکُلِّ حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ، وھو الھادی الی سواء الصراط ١٠ ربیع الثانی ١٤٢٨ھ ٢٢ مئی ٢٠٠٥ء

وانا عبدہٗ العاصی ولرحمتہ الراجی محمد اسحٰق خان (عفا اللہ عنہ دعافاہ)
مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر۔ پاکستان
والحمدللہ رب العالمین قبل کل شئ وبعد کل شئ

فہرست عنوانات (جلد سوم)

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
قرآن حکیم کا ایک معجزہ اور پیغمبر کی حقانیت کا ثبوت،	۴۳	مسجد "ضرار" کا ذکر،	۵۴
دعویٰ کا ثبوت عمل و کردار سے نہ کہ محض زبانی جمع خرچ سے،	۴۳	مسجد ضرار کے مقاصد خبیثہ کا ذکر و بیان،	۵۵
منافق لوگ نرے پلید اور ان کا ٹھکانہ دوزخ، والعیاذ باللہ،	۴۴	پاک رہنے والوں کی تعریف و توصیف،	۵۶
ابنائے دنیا کے نزدیک اصل چیز مخلوق کی رضامندی اور بس،	۴۵	رضاءِ الٰہی کا حصول ایک اہم اور بنیادی مقصد،	۵۶
اصل چیز رضائے خداوندی کا حصول ہے،	۴۵	کفر و باطل کا انجام نارِ جہنم، والعیاذ باللہ،	۵۷
دیہاتیوں کے گنوار پن کا ذکر و بیان،	۴۵	برائی کی سزا ایک قسط اسی دنیا میں، والعیاذ باللہ،	۵۷
ان کے نفاق کے ایک ثبوت اور مظہر کا ذکر،	۴۶	اہل ایمان سے جنت کا پختہ وعدہ، والحمد للہ،	۵۸
بُری گردش منکروں اور منافقوں ہی پر، والعیاذ باللہ،	۴۶	اہل ایمان کے لئے خوشی و مسرت کا مقام،	۵۹
مخلص اور راست باز دیہاتیوں کا ذکر،	۴۷	﴿سائحون﴾ کا معنی اور اس سے مراد؟	۵۹
حضراتِ صحابہ کیلئے رضائے خداوندی کا مژدۂ جانفزا،	۴۸	اہل ایمان کیلئے خوشخبری سنانے کا حکم وارشاد،	۶۰
کچھ منافقوں کو پیغمبر علیہ السلام بھی نہیں جان سکتے،	۴۹	مشرکوں کے لئے بخشش کی دعاء مانگنے کی ممانعت،	۶۱
بعض مخلص صحابۂ کرام کی تقصیر اور ان کی توبہ کی قبولیت کا ذکر،	۴۹	تبیین حق اور اتمام حجت کی ضرورت کا ذکر و بیان،	۶۲
انہوں نے بڑی نیکیاں بھی کیں،	۵۰	زندگی و موت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں،	۶۳
اور ان سے کچھ کوتاہیاں بھی سرزد ہوگئیں،	۵۰	صدق و اخلاص رحمتِ خداوندی کو متوجہ کرنے کا اہم ذریعہ،	۶۳
اللہ بڑا ہی بخشنے والا ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۵۱	تین صحابۂ کرام کی توبہ کی قبولیت کا مژدۂ جانفزا،	۶۴
توبہ کرنے والوں کے مالوں سے صدقہ لینے کا حکم،	۵۱	مخلصین کے لئے دوہری عنایت کا ذکر و بیان،	۶۴
صدقہ دینے والوں کیلئے دعا کا حکم،	۵۱	عظیم الشان دو نکاتی انقلاب آفریں پروگرام،	۶۵
اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت و قبولیت کا حوالہ و ذکر،	۵۲	صحبتِ خیر سے محرومی باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۶۶
عمل کی تعلیم و تلقین،	۵۳	نیکوکاروں کیلئے پیغام مسرت و اطمینان،	۶۶
﴿مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ کا ذکر و بیان،	۵۴	نیک اعمال کا بدلہ بہترین شکل میں،	۶۷

عنوانات	صفحہ
اہل ایمان کو حسن انتظام سے متعلق ایک حکم وارشاد،	۶۷
قوم کو تنبیہ وتذکیر کی ضرورت کا ذکر وبیان،	۶۸
کفار سے جہاد کا حکم وارشاد،	۶۸
پرہیزگاروں کے لئے معیتِ خداوندی کا مژدۂ جانفزا،	۶۹
دل کے روگیوں پر پلیدی کا اضافہ، والعیاذ باللہ	۷۰
منافقوں کی بار بار آزمائش کا ذکر وبیان،	۷۰
منافقین دستورِ خداوندی کی زد میں، والعیاذ باللہ،	۷۱
اصل علم وہی ہے جو انسان کو حق اور حقیقت سے آگاہ کرے،	۷۱
بعثتِ نبوی کے احسانِ عظیم کا ذکر وبیان،	۷۲
پیغمبر کی رافت وشفقت کا ذکر وبیان،	۷۲
پیغمبر کی اپنی امت کیلئے حرص کا ذکر وبیان،	۷۳
پیغمبر مؤمنوں پر انتہائی شفیق اور مہربان،	۷۳
اللہ تعالیٰ کی کفایت کے اعلان کا حکم وارشاد،	۷۳
اللہ ہی پر بھروسہ کرنے کی تعلیم وتلقین،	۷۴

سورۃ یونس (۱۰)

عنوانات	صفحہ
بشریتِ پیغمبر عقل ونقل کا تقاضا،	۷۵
ایمان والوں کیلئے ایک عظیم الشان مرتبہ ومقام،	۷۶
تخلیق کائنات کے چھ دنوں سے مراد؟	۷۶
استواء علی العرش سے مقصود ومراد؟	۷۷
ہر کام کی تدبیر اللہ ہی کی طرف سے،	۷۷
مشرکانہ تصورِ شفاعت کی نفی،	۷۸
اللہ تعالیٰ کی معرفت اسکی صفات کے ذریعے،	۷۸
اللہ کا وعدہ بہرحال اٹل ہے،	۷۹
آغازِ تخلیقِ انسانی خود بعث واعادہ پر دلیل وثبوت ہے،	۷۹
وقوعِ قیامت کی ضرورت کا ذکر وبیان،	۸۰
چاند اور سورج قدرت کے دو عظیم الشان نشان،	۸۱
دن رات کے ادل بدل میں دلائل قدرت وحکمت،	۸۱
تقویٰ وسیلۂ نجات وسرفرازی،	۸۲
دنیاوی زندگی ہی کو مقصد بنالینا باعثِ ہلاکت ومحرومی،	۸۲
دوزخ اپنی کمائی کا صلہ وبدلہ، والعیاذ باللہ،	۸۳
دولتِ ایمان ویقین سرفرازئ دارین کا ذریعہ وسیلہ،	۸۳
جنتیوں کی صدائے دلنواز کہ پاک ہے تو اے اللہ،	۸۴
اہل جنت کی باہمی دعاء "سلام" ہوگی،	۸۴
عذابِ الٰہی کیلئے کفار کی جلدبازی کا جواب،	۸۵
انسان کی تنگ ظرفی کا ایک مظہر ونمونہ،	۸۶
حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے،	۸۶
مسرفین کیلئے ایک نقد سزا۔ والعیاذ باللہ،	۸۷
تاریخ سے درسِ عبرت حاصل کرنے کی تحریک وترغیب،	۸۸
دنیاوی زندگی کی مہلت وابتلاء کا پیریڈ،	۸۸
اہل باطل کا قرآن حکیم کو بدلنے کا مطالبہ،	۸۹
پیغمبر کا کام حق کی اتباع وپیروی،	۸۹
محالات کا فرض کرنا بلاغتِ کلام کا ایک خاص اسلوب،	۹۰
قرآن حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثال معجزہ،	۹۱
پیغمبر کی زندگی کی معجزانہ شان،	۹۱

عنوانات	صفحہ
اللہ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم۔ والعیاذ باللہ،	۹۲
اللہ کی آیتوں کی تکذیب بھی سب سے بڑا ظلم۔ والعیاذ باللہ،	۹۲
غیر اللہ کی پرستش و پوجا عقل کا ماتم۔ والعیاذ باللہ،	۹۳
لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی پر استدلال،	۹۳
توحید کے حق میں تاریخ کی شہادت کا ذکر و بیان،	۹۴
فیصلے کا دن قیامت ہی کا دن ہے،	۹۴
کفار کی طرف سے فرمائشی معجزے کا مطالبہ،	۹۵
علمِ غیب خاصۂ خداوندی، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۹۵
انسان کی تنگ ظرفی کا عالم،	۹۶
انسان کی بے انصافی اور ناشکری کا ایک نمونہ،	۹۷
اللہ کی چال بڑی ہی تیز اور انتہائی کارگر،	۹۷
ظالموں اور مکاروں کے لیے تنبیہ وتحذیر،	۹۸
اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت خشکی وتری دونوں میں،	۹۸
عقیدۂ توحید انسان کی فطرت میں پیوست شدہ ہے،	۹۹
انسان کی ناشکری اور احسان فراموشی کا ایک اور مظہر،	۱۰۰
انسان کی بغاوت وسرکشی کا وبال خود اسی پر،	۱۰۰
دنیاوی زندگی کی مثال کھیتی کی سی،	۱۰۱
اُخروی زندگی کو فراموش کرنا انتہائی ہولناک خسارہ۔ والعیاذ باللہ	۱۰۲
ابنائے دنیا کیلئے تنبیہ وتذکیر،	۱۰۲
غور وفکر سے کام لینے کی عظمت واہمیت،	۱۰۳
اللہ کی دعوت سلامتی کے گھر کی طرف،	۱۰۳
ہدایت اللہ کی مشیت کے تابع،	۱۰۳

عنوانات	صفحہ
بھلائی کرنے والوں کے لئے بھلائی،	۱۰۴
نیکوکاروں کیلئے کرمِ مزید کا وعدہ،	۱۰۴
نیکوکاروں کے لئے خاص انعامات کا ذکر وبیان،	۱۰۵
دوزخیوں کے حال بد کا ذکر۔ والعیاذ باللہ،	۱۰۶
مشرکوں کیلئے تحقیر وتذلیل کا ایک منظر،	۱۰۶
مشرکوں کے باہمی تعلقات کٹ جائیں گے،	۱۰۶
معبودانِ من دون اللہ کا اپنے عابدوں کی عبادت سے انکار،	۱۰۷
معبودانِ من دونِ اللہ اپنے پُجاریوں کی پوجا سے قطعی بے خبر	۱۰۷
قیامت کے روز ہر کسی کو اس کے کیے کرائے سے آگہی،	۱۰۸
سب کا رجوع اپنے مالکِ حقیقی کی طرف،	۱۰۹
سب بناوٹیں اس روز ختم ہو جائیں گی،	۱۰۹
مشرکین کے دلوں پر ایک دستک،	۱۱۰
مشرکوں کی مت ماری پر تنبیہ،	۱۱۱
تردیدِ شرک کیلئے ایک ٹھوس عقلی دلیل،	۱۱۲
مشرکین کی مت ماری اور اوندھے پن کا ذکر،	۱۱۲
جو حق کی راہنمائی نہ کر سکے وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟	۱۱۳
لوگوں کی اکثریت ظن وگمان ہی کی پیروی کرتی ہے،	۱۱۴
ظن وگمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں آ سکتا،	۱۱۴
قرآنِ حکیم کوئی من گھڑت کتاب ہو ہی نہیں سکتی،	۱۱۴
قرآنِ حکیم کی بعض اہم صفات کا ذکر وبیان،	۱۱۵
قرآنِ حکیم کا اپنے منکروں کو کھلا چیلنج	۱۱۶
جہالت باعثِ عداوت ومحرومی۔ والعیاذ باللہ،	۱۱۷

عنوانات	صفحہ
ظالموں اور ظلم کا انجام بُرا۔ والعیاذ باللہ،	۱۱۷
منکرین کے اِمہال کی وجہ کا ذکر و بیان،	۱۱۸
فسادیوں کیلئے محرومی کا ذکر و بیان،	۱۱۸
منکرین و مکذبین سے اعلانِ براءت و بیزاری،	۱۱۹
ہر کوئی اپنا ذمہ دار اور جواب دہ خود،	۱۱۹
حضور ﷺ کیلئے تسلیہ و تسکین کا سامان،	۱۲۰
اندھوں کو راستہ دکھانا کسی کے بس میں نہیں،	۱۲۰
حق سے منہ موڑنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے، والعیاذ باللہ،	۱۲۱
منکرین حق کی جلد بازی کا جواب اور انکو تنبیہ،	۱۲۱
محشر میں یہ لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہونگے،	۱۲۲
تکذیب و انکارِ آخرت سب سے بڑا خسارہ۔ والعیاذ باللہ،	۱۲۳
یومِ حساب کی تذکیر و یاد دہانی،	۱۲۴
پیغمبر کی تکذیب کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ،	۱۲۴
نفع و نقصان اللہ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں،	۱۲۵
عذاب الٰہی کیلئے جلدی مچانا نری حماقت۔ والعیاذ باللہ،	۱۲۶
دین حق سے منہ موڑنا سراسر ظلم۔ والعیاذ باللہ،	۱۲۷
پیغمبر کی قوت ایمان و یقین کا ایک نمونہ و مظہر،	۱۲۷
اللہ کی گرفت و پکڑ سے بچنا کسی کیلئے ممکن نہیں۔ والعیاذ باللہ	۱۲۸
عذابِ آخرت کی ہولناکی کا ایک مظہر و نمونہ،	۱۲۸
ظالموں کی طرف سے ندامت کو چھپانے کی ناکام کوشش،	۱۲۹
کائنات میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، سبحانہٗ و تعالیٰ	۱۲۹
اکثر لوگ جاہل۔ والعیاذ باللہ جلّ جلالہ	۱۳۰
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف سبحانہٗ و تعالیٰ،	۱۳۰
قرآن حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثال نصیحت،	۱۳۱
قرآن حکیم دلوں کی بیماریوں کی شفاء،	۱۳۱
قرآن حکیم سراسر ہدایت اور عین رحمت ہے ایمان والوں کیلئے	۱۳۲
نعمتِ ہدایت متاعِ دنیا سے کہیں بڑھ کر نعمت، والحمد للہ،	۱۳۲
تحلیل و تحریم کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے،	۱۳۳
از خود کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ پر افتراء باندھنا ہے	۱۳۳
اللہ پر افتراء باندھنے والوں کی پکڑ لازمی ہوگی،	۱۳۴
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی تذکیر و یاد دہانی،	۱۳۵
لوگوں کی اکثریت ناشکروں کی۔ والعیاذ باللہ،	۱۳۵
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر، سبحانہٗ و تعالیٰ،	۱۳۵
اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی خوف اور نہ کوئی غم و اندوہ،	۱۳۶
اللہ کے ولی کون ہوتے ہیں؟	۱۳۷
اللہ کے ولیوں کیلئے دنیا و آخرت کی خوشخبری،	۱۳۸
اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی،	۱۳۹
آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے،	۱۳۹
عزت اور غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے،	۱۳۹
اللہ ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے، سبحانہٗ و تعالیٰ،	۱۴۰
کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے،	۱۴۰
کا ہے کی پیروی کرتے ہیں یہ مشرک لوگ؟	۱۴۱
مشرکوں کی اوہام پرستی اور خود راقم کے مشاہدے کے دو قصے	۱۴۲
نظامِ کائنات میں قدرت کی عظیم الشان نشانیاں،	۱۴۳

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کی شانِ تنزیہ وتقدیس کا ذکر وبیان،	۱۴۴	کفر وباطل کے سرغنے راہِ حق وہدایت میں رکاوٹ۔ والعیاذ باللہ،	۱۵۵
غنیٰ وبے نیازی اللہ تعالیٰ ہی کی صفت وشان ہے،	۱۴۴	فرعون ملکِ مصر کا ڈکٹیٹر،	۱۵۶
کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے،	۱۴۵	فرعون حد سے نکلنے والا شخص تھا،	۱۵۶
شرک انتہائی ہولناک اور سنگین جرم، والعیاذُ باللہ،	۱۴۵	ایمان کا تقاضا کہ بھرسہ اللہ ہی پر کیا جائے،	۱۵۷
اِفتراء علی اللہ کی سنگینی اور اس کی مختلف صورتیں،	۱۴۶	حاجت روا ومشکل کُشا سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۱۵۷
افتراء پردازوں کو رجوع الی اللہ کی تذکیر ویاددہانی،	۱۴۶	اپنے گھروں کو مسجدیں بنانے کی ہدایت وتلقین،	۱۵۸
افتراء پردازوں کیلئے عذاب شدید۔ والعیاذُ باللہ،	۱۴۷	نماز ایک انقلاب آفریں عبادت،	۱۵۹
پیغمبر کا بھروسہ بھی اللہ ہی پر،	۱۴۷	ایمان والوں کیلئے خوشخبری سنانے کا حکم وارشاد،	۱۵۹
حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو کھلا چیلنج،	۱۴۸	کافروں کی دنیاوی ترقی انکی ہلاکت وتباہی	
بندے کا کام اپنے رب کے آگے سرِ تسلیم خم کردینا،	۱۴۹	میں اضافے کا باعث۔ والعیاذ باللہ،	۱۶۰
تکذیب وانکارِ حق کا نتیجہ وانجام بہت بُرا۔ والعیاذ باللہ،	۱۴۹	کفر وانکار کا نتیجہ وانجام دردناک عذاب۔ والعیاذ باللہ،	۱۶۰
حد سے بڑھنا موجب ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ،	۱۵۰	حضرت موسیٰ اور ہارون کو دعاء کی قبولیت کا مژدہ،	۱۶۱
حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بعثت کا ذکر وبیان،	۱۵۰	ثابت قدم رہنے کی تلقین وہدایت،	۱۶۱
استکبار باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۱۵۱	بے علموں کی پیروی سے ممانعت،	۱۶۲
متکبرِ فرعونیوں کے ضمیر سے سوال،	۱۵۱	فرعون کے آخری اور ہولناک انجام کا ذکر،	۱۶۲
جادوگر حق کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے،	۱۵۲	فرعون کو اسکے دعوائے ایمان کا جواب،	۱۶۳
باپ دادا کی اندھی تقلید باعثِ محرمی۔ والعیاذُ باللہ،	۱۵۲	اعتبار صرف ایمان بالغیب کا ہے،	۱۶۳
پیغمبر کی قوتِ ایمان ویقین کا ایک نمونہ ومظہر،	۱۵۳	فرعون کی لاش کی حفاظت نشان عبرت کے طور پر،	۱۶۴
باطل حق کے مقابلے میں کبھی نہیں ٹھہر سکتا،	۱۵۴	اکثر لوگ غافل ولاپرواہ۔ والعیاذ باللہ،	۱۶۵
اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ حق کو حق کر کے دکھاتا ہے،	۱۵۴	بنی اسرائیل کیلئے عمدہ ٹھکانے کی فراہمی،	۱۶۶
پھر بھی ان کی قوم کے کچھ ہی لوگ ایمان لائے،	۱۵۴	بنی اسرائیل کیلئے پاکیزہ چیزوں سے روزی کا انتظام،	۱۶۶
قوتِ شباب اور خطرات کا مقابلہ،	۱۵۵	بنی اسرائیل کا اختلاف نورِ علم سے سرفرازی کے بعد،	۱۶۶

عنوانات	صفحہ
اصل اور آخری فیصلہ قیامت ہی کے روز،	۱۶۷
خطاب پیغمبر سے، اور عتاب مکذبین پر،	۱۶۷
اللہ کی آیتوں کی تکذیب کا انجام ہولناک خسارہ، والعیاذ باللہ	۱۶۸
عناد وہٹ دھرمی کا نتیجہ وانجام دائمی محرومی، والعیاذ باللہ	۱۶۸
ہٹ دھرموں نے کبھی ایمان نہیں لانا،	۱۶۹
اعتبار ایمان بالغیب کا ہے نہ کہ ایمان بالشہود والمشاہدہ کا،	۱۶۹
قوم یونس کے استثنائی قصے کا ذکر وبیان،	۱۷۰
جبری ایمان نہ مطلوب ہے نہ مفید،	۱۷۱
پیغمبر علیہ السلام کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان،	۱۷۱
گمراہ لوگوں کی گمراہی کی ذمہ داری خود انہی پر،	۱۷۲
کائنات میں غور وفکر کی دعوت،	۱۷۲
ہٹ دھرموں کیلئے تنبیہات اور نشانیاں بے سود وبے کار،	۱۷۳
ہٹ دھرموں کی حرمان نصیبی کا ذکر وبیان،	۱۷۴
منکروں کیلئے آخری تنبیہ اور دھمکی،	۱۷۴
حضراتِ انبیاء ورسل کا نجات دہندہ اور حاجت روا ومشکل کشا بھی اللہ،	۱۷۵
ایمان ویقین ذریعۂ سلامتی ونجات،	۱۷۵
معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۱۷۶
ایمان والوں میں سے ہونے کی ہدایت وارشاد،	۱۷۶
رب کی عبادت وبندگی کیلئے یکسوئی کا حکم وارشاد،	۱۷۷
اللہ کے سوا کسی کو پکارنا ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ،	۱۷۸
نفع ونقصان کا مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے،	۱۷۸
اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے،	۱۷۸
لوگوں کیلئے ایک پرزور تنبیہ وتذکیر،	۱۷۹
پیغمبر کا کام پیغامِ حق کا پہنچا دینا اور بس،	۱۸۰
پیغمبر کا کام اتباع اور پیروی،	۱۸۰
صبر واستقامت کا حکم وارشاد،	۱۸۱
سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا اللہ ہی ہے،	۱۸۱
سورۃ ہود (۱۱)	
قرآن حکیم کی سب ہی آیتیں محکم ہیں،	۱۸۳
قرآن حکیم کی جملہ آیتوں کی تفصیل بھی اللہ کی طرف سے،	۱۸۳
کتاب حکیم کا مرکزی مضمون کہ "عبادت صرف اللہ کی"	۱۸۴
پیغمبر کا اولین کام انذار،	۱۸۴
پیغمبر کی صفت وشان تبشیر،	۱۸۴
رب سے گناہوں کی بخشش مانگنے کی تعلیم وتلقین،	۱۸۵
توبہ اور رجوع الی اللہ کا حکم وارشاد،	۱۸۶
اللہ تعالیٰ کی نوازش کی خوشخبری،	۱۸۶
اعمالِ صالحہ کا بدلہ آخرت سے پہلے دنیا میں بھی،	۱۸۶
ہر فضل والے کو اس کے فضل سے نوازا جائے گا،	۱۸۶
حق سے اعراض وروگردانی کا نتیجہ بہت بُرا۔ والعیاذ باللہ،	۱۸۷
سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف،	۱۸۷
منکرین کے اعراض واستکبار کی تصویر،	۱۸۸
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۱۸۸
اللہ سے کسی چیز کو چھپانا ممکن نہیں،	۱۸۸

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
ہر جاندار کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے،	۱۹۰	طالبانِ دنیا کے لئے صرف دنیا۔ والعیاذ باللہ،	۲۰۲
مستقر اور مستودع سے مقصود ومراد؟	۱۹۰	صرف دنیا چاہنے والوں کیلئے آخرت میں دوزخ کی آگ،	۲۰۲
تخلیق کائنات کے دنوں سے مراد؟	۱۹۱	ایسے لوگوں کا کیا کرایا سب اکارت،	۲۰۳
عرش الٰہی کے پانی پر ہونے کا مطلب؟	۱۹۲	نورِ فطرت کی دولت ایک عظیم الشان دولت،	۲۰۳
تخلیق کائنات برائے ابتلاء وآزمائش،	۱۹۳	شاہد رب سے مقصود ومراد؟	۲۰۴
بعث بعد الموت کی ضرورت،	۱۹۳	کیا مومن اور کافر باہم برابر ہو سکتے ہیں؟	۲۰۴
منکر انسان کی محرومی کا ایک مظہر،	۱۹۴	منکروں کو ٹھکانہ دوزخ،	۲۰۵
منکرین کے مذاق واستہزاء کا جواب،	۱۹۴	قرآن حکیم کی قطعی حقانیت کا ذکر وبیان،	۲۰۵
منکرین کے عناد وہٹ دھرمی کا ایک نمونہ ومظہر،	۱۹۵	اکثریت بے ایمانوں کی۔ والعیاذ باللہ،	۲۰۵
منکرین عذابِ الٰہی کی زد میں،	۱۹۵	اللہ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ،	۲۰۶
تنگ ظرف اور تھڑدلے انسان کا حال،	۱۹۶	افتراء پردازوں کی اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا ذکر وبیان،	۲۰۶
تنگ ظرف انسان کی شیخی بازی کی خصلت کا ذکر وبیان،	۱۹۶	افتراء پردازوں کے جرم کے اثبات کا ذکر وبیان،	۲۰۷
صبر کرنے والوں کی اِستثنائی شان،	۱۹۷	افتراء پردازوں پر خدا کی لعنت وپھٹکار،	۲۰۷
صبر کرنے والوں کے لئے اجرِ کبیر کی بشارت،	۱۹۷	اللہ کی راہ سے روکنا ایسے لوگوں کا دوسرا بڑا جرم،	۲۰۸
پیغمبر کیلئے تسلیہ وتسکین کا سامان،	۱۹۸	راہِ حق میں کجی تلاش کرنا ان کا تیسرا بڑا جرم۔ والعیاذ باللہ،	۲۰۸
اختیارِ کلی کی شان اللہ تعالیٰ ہی کی ہے،	۱۹۸	افتراء پردازوں کی بے بسی اور لاچارگی کا ذکر وبیان،	۲۰۹
قرآنِ حکیم کا اپنے منکروں کو کھلا چیلنج،	۱۹۹	افتراء پردازوں کے لئے دوہرے عذاب کا ذکر وبیان،	۲۰۹
چیلنج کی تاکید مزید کا ذکر وبیان،	۱۹۹	یہ اندھے اور بہرے ہیں، والعیاذ باللہ جل وعلا،	۲۱۰
قرآنِ حکیم کے معارضے اور مقابلے سے عجز کا ذکر وبیان،	۲۰۰	حق سے محرومی سب سے بڑا خسارہ۔ والعیاذ باللہ،	۲۱۰
سو قرآنِ حکیم خالص اللہ کا کلام ہے،	۲۰۰	افتراء پردازوں کے سب سہارے غائب،	۲۱۱
معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ،	۲۰۱	آخرت کا خسارہ سب سے بڑا خسارہ۔ والعیاذ باللہ العظیم،	۲۱۱
قرآنِ حکیم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی دعوت وتحریک،	۲۰۱	جنت کے سزاواروں کی نشاندہی۔ وباللہ التوفیق۔	۲۱۲

عنوانات	صفحہ
اہل کفر اور اہل ایمان کے فرق کی توضیح مثال کے ذریعے،	۲۱۲
کیا تم لوگ سبق نہیں لیتے؟	۲۱۳
تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین،	۲۱۳
پیغمبر کا کام انذار و تبلیغ،	۲۱۴
معبود برحق صرف ایک اللہ، سبحانہ وتعالیٰ۔	۲۱۴
کفر و شرک کا نتیجہ دردناک عذاب،	۲۱۵
بشریتِ انبیاء سے متعلق ایک قدیم اور مشترک غلط فہمی کا ذکر و بیان،	۲۱۵
ابنائے دنیا کے لیے متاعِ دنیا باعثِ محرومی، والعیاذ باللہ،	۲۱۷
دنیاوی مال و دولت ذریعۂ کبر و غرور، والعیاذ باللہ،	۲۱۷
مادہ پرستی باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۲۱۸
پیغمبر کی دعوت نُورٌ علیٰ نور کا مصداق،	۲۱۸
نبوت ایک عظیم الشان رحمت اور بے مثال رحمت،	۲۱۹
عناد و ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی،	۲۱۹
قبول حق کیلئے کوئی جبر و اکراہ نہیں،	۲۱۹
ہدایت سے سرفرازی طلبِ صادق پر موقوف ہے،	۲۲۰
اصل چیز ہے صدق و اخلاص،	۲۲۰
صرف مادیت کو معیارِ فضیلت قرار دینا نری جہالت۔ والعیاذ باللہ	۲۲۱
پیغمبر دنیاوی خزانوں کے دعویدار نہیں ہوتے،	۲۲۱
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام عالمِ غیب نہیں ہوتے،	۲۲۲
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نور نہیں بشر ہوتے ہیں،	۲۲۲
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر،	۲۲۳

عنوانات	صفحہ
سچے اہل ایمان کو اپنے سے دور کرنا ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ،	۲۲۳
منحوس قوم کے منحوس اطوار۔ والعیاذ باللہ،	۲۲۴
عذاب لانا اللہ ہی کے اختیار میں ہے نہ کہ پیغمبر کے اختیار میں،	۲۲۴
اللہ کے عذاب کو ٹالنا کسی کے بس میں نہیں۔ والعیاذ باللہ،	۲۲۵
سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف،	۲۲۵
انجام اخیر اور مصیر محتوم کی تذکیر و یاددہانی،	۲۲۶
منکرین کو اپنے بارے میں فکر کرنے کی ہدایت،	۲۲۶
حضرتِ نوحؑ کیلئے تسلیہ و تسکین کا سامان،	۲۲۷
قوم نوحؑ کیلئے غرقابی کے خدائی فیصلے کا اعلان،	۲۲۸
حق اور اہل حق کا مذاق اڑانا بدبختی اور ہلاکت کی نشانی،	۲۲۸
حق کا مذاق اڑانے والوں کا انجام بہت بُرا۔ والعیاذ باللہ،	۲۲۹
﴿التَّنُّوْرُ﴾ سے مقصود و مراد؟	۲۲۹
حضرتِ نوحؑ کے متعلق ایک خاص ہدایت کا ذکر بیان،	۲۳۰
﴿اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ سے مراد؟	۲۳۱
حضرت نوحؑ پر تھوڑے سے لوگ ہی ایمان لائے تھے،	۲۳۱
اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم و تلقین،	۲۳۱
نوحؑ کے اپنے بیٹے کو پکارنے کا ذکر و بیان،	۲۳۲
نوحؑ کے اپنے بیٹے کو کافروں کی معیت سے روکنے کا ذکر و بیان،	۲۳۳
پسر نوح کا اپنے باپ کو کافرانہ جواب،	۲۳۳
آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد کے پابند،	۲۳۴
قوم نوحؑ کی ہلاکت و تباہی اور اس پر لعنت و پھٹکار کا ذکر و بیان،	۲۳۴
حضرت نوحؑ کی اپنے بیٹے کیلئے دعا و درخواست کا ذکر و بیان،	۲۳۵

عنوانات	صفحہ
اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم،	۲۳۶
نبی کے اہل میں سے ہونے کا دارومدار ایمان وعقیدہ پر ہے،	۲۳۷
بغیر علم کے کسی چیز کے پیچھے لگنے کی ممانعت،	۲۳۷
پیغمبر کی شانِ تسلیم ورضا کا ایک نمونہ ومظہر،	۲۳۷
حضرت نوحؑ کی طرف سے بخشش کی دعاء ودرخواست،	۲۳۸
حضرت نوحؑ کی طرف سے رحمتِ خداوندی کی دعاء ودرخواست،	۲۳۸
توبہ واستغفار سے محرومی باعثِ خسارہ وہلاکت۔ والعیاذ باللہ،	۲۳۹
حضرت نوحؑ کو کشتی سے اترنے کا حکم وارشاد اور برکات کا وعدہ،	۲۴۰
اہل کفر وباطل کے ساتھ قدرت کے معاملے کا ذکر وبیان،	۲۴۰
اہل کفر وباطل کیلئے دردناک عذاب،	۲۴۰
پیغمبر کو غیب کی کچھ خبروں سے آگہی کا ذکر،	۲۴۱
پیغمبر کی صداقت وحقانیت کا ایک واضح ثبوت،	۲۴۱
انجام کار کامیابی، پرہیزگاری ہی کے لئے،	۲۴۲
حضرتِ ہود علیہ السلام قوم عاد کے بھائی،	۲۴۲
غیر اللہ کی بندگی محض افتراء ہے،	۲۴۳
منکروں کو عقل سے کام لینے کی دعوت وتحریک،	۲۴۳
اپنے رب سے بخشش مانگنے کی تعلیم وتلقین،	۲۴۳
رجوع الی اللہ کی تعلیم وتلقین،	۲۴۴
رجوع الی اللہ باعثِ خیرات وبرکات،	۲۴۴
رجوع الی اللہ قوت میں اضافے کا ذریعہ،	۲۴۴
دین حق سے منہ موڑنا سب سے بڑا جرم، والعیاذُ باللہ،	۲۴۵
قوم عاد کے عناد وانکار اور ان کی ہٹ دھرمی کا نمونہ،	۲۴۶
شرک اور مشرک کا ایک خاصہ غیر اللہ سے ڈرنا اور ڈرانا،	۲۴۶
مشرکوں سے اظہار براءت وبیزاری،	۲۴۷
قوتِ ایمان ویقین کا ایک مظہر ونمونہ،	۲۴۷
بندۂ مومن کی قوت کا اصل راز اعتماد علی اللہ،	۲۴۸
ہر چیز کی باگ دوڑ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۲۴۸
پیغمبر کا اصل کام تبلیغ حق ہے اور بس،	۲۴۹
اللہ کا دین کسی کا محتاج نہیں،	۲۴۹
حق سے روگردانی کا نقصان خود منکروں کو۔ والعیاذُ باللہ،	۲۵۰
رب ذوالجلال کی نگہبانی کی تذکیر ویاددہانی،	۲۵۰
پیغمبروں کا نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۲۵۰
قوم عاد اور ان کے جرائم کا ذکر،	۲۵۱
تکذیبِ رسول کے جرم کی سنگینی کا ذکر وبیان،	۲۵۱
ظالم، ظالم کے پیروکار۔ والعیاذُ باللہ،	۲۵۲
قوم عاد پر لعنت وپھٹکار۔ والعیاذُ باللہ،	۲۵۲
حضرتِ صالح علیہ السلام کی بعثت اور انکی دعوت کا ذکر وبیان،	۲۵۳
نعمت خلق ووجود میں غور وفکر کی دعوت،	۲۵۳
دنیاوی تعمیر وترقی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق وعنایت کا نتیجہ،	۲۵۴
اللہ کے حضور رسائی کیلئے خودساختہ وسیلوں کی ضرورت نہیں،	۲۵۵
ابنائے دنیا کی مادہ پرستانہ ذہنیت اور راقم آثم کا خود اپنے متعلق ایک سبق آموز قصہ،	۲۵۶
انکارِ حق کا نتیجہ واثر، خلجان واضطراب قلب۔ والعیاذُ باللہ،	۲۵۸
نبوت ورسالت ایک عظیم الشان اور جلیل القدر رحمتِ خداوندی،	۲۵۸

عنوانات	صفحہ
محال کا فرض کرنا جائز ہی نہیں بلکہ بلاغت کلام کا تقاضا ہے،	۲۵۹
حضرات انبیاء ورسل کا حاجت روا ومشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۲۶۰
حق تعالیٰ کی صفت قوت وعزت کا حوالہ وذکر،	۲۶۰
ظلم کا انجام ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ،	۲۶۱
منکروں کیلئے لعنت و پھٹکار۔ والعیاذ باللہ،	۲۶۲
حضرت ابراہیم کیلئے ایک عظیم الشان خوشخبری کا سامان،	۲۶۲
پیغمبر علیہ السلام نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل،	۲۶۲
ظالموں کی ہلاکت بھی قدرت کا ایک انعام ہے،	۲۶۳
حضرت ابراہیم کیلئے ایک خوشخبری میں کئی خوشخبریاں،	۲۶۳
بچے کی ولادت سے موانع کا ذکر وبیان،	۲۶۴
بچے کی ولادت سے متعلق اظہار تعجب کا ذکر وبیان،	۲۶۵
کسی کے اہل بیت اصل میں اس کی بیوی ہی ہوتی ہے،	۲۶۵
اللہ کے عذاب کو کوئی بھی نہیں ٹال سکتا،	۲۶۶
پیغمبر علیہ السلام نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل،	۲۶۶
قوم لوط کا عمل بد اور دور حاضر کے ایک جمہوری ملک کا حیا باختہ کردار،	۲۶۷
حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑنے والی اپیل،	۲۶۷
حضرت لوط کی طرف سے ان لوگوں کے دلوں پر ایک دستک،	۲۶۸
اخلاقی گراوٹ کی انتہا کا مظہر ونمونہ۔ والعیاذ باللہ،	۲۶۸
حضرت لوط علیہ السلام کی کمال بے بسی کا ایک مظہر ونمونہ،	۲۶۹
حضرت لوط کی بیوی، عذاب پانے والوں میں،	۲۷۰
حضرت لوط کے تسکین وتسلیہ کا سامان،	۲۷۰

عنوانات	صفحہ
قوم لوط کے عذاب کیلئے خاص نشان زدہ پتھر،	۲۷۱
حضرت شعیب کی بعثت اور ان کی دعوت کا ذکر وبیان،	۲۷۲
ناپ تول میں کمی کے ایک سنگین پہلو کا ذکر وبیان،	۲۷۲
عذاب محیط کے آجانے کا ڈر، والعیاذ باللہ،	۲۷۳
لوگوں کی چیزوں کو کم کرنے کی ممانعت،	۲۷۳
فساد فی الارض کی ممانعت،	۲۷۴
حلال کمائی باعث خیر وبرکت،	۲۷۴
ایمانداری کا تقاضا رزق حلال پر اکتفا، وباللہ التوفیق،	۲۷۵
احساس زمہ داری کا درس، وباللہ التوفیق،	۲۷۶
قوم شعیب کا حضرت شعیبؑ کو معاندانہ جواب،	۲۷۶
دین حق کے بارے میں مادہ پرستوں کا مشترکہ نقطۂ نظر،	۲۷۷
ابنائے دنیا کا دین حق کے بارے میں ایک سا رویہ،	۲۷۷
پیغمبر کا ارشاد نور علی نور کا مصداق،	۲۷۸
رزق حسن سے مقصود مراد؟	۲۷۸
پیغمبر کی دعوت قطعی بے لوث اور مخلصانہ،	۲۷۹
پیغمبر کا بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر،	۲۸۰
تاریخ سے درس عبرت لینے کی تعلیم وتلقین،	۲۸۰
اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت ومحبت کا حوالہ وذکر،	۲۸۱
منکروں کے تکبر کا ایک نمونہ ومظہر،	۲۸۱
شرک کی ایک خاصیت، خالق کی بجائے مخلوق سے ڈرنا،	۲۸۲
ڈرنے کا اصل حق صرف اللہ ہی سے،	۲۸۳
سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم وقدرت میں،	۲۸۴

عنوانات	صفحہ
منکرین ومعاندین کیلئے آخری جواب،	۲۸۴
حضراتِ انبیاء ورسل کا نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۲۸۵
قوم شعیب کے عذاب کی نوعیت؟	۲۸۵
بعثتِ موسوی کا ذکر وبیان،	۲۸۶
بعثتِ موسوی فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف،	۲۸۶
گمراہوں کی پیروی کا نتیجہ ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ،	۲۸۷
آدمی کا حشر اپنے قائد اور محبوب کے ساتھ،	۲۸۷
فرعونیوں پر لعنت وپھٹکار کا ذکر وبیان،	۲۸۸
تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین،	۲۸۸
ظلم کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ،	۲۸۹
اللہ کی پکڑ بڑی ہی سخت۔ والعیاذ باللہ،	۲۸۹
عقیدۂ آخرت اصلاح احوال کی اساس وبنیاد،	۲۹۰
یوم آخرت سب لوگوں کیلئے جمع ہونے کا دن،	۲۹۰
یوم آخرت، حضوری اور پیشی کا دن،	۲۹۱
یوم حساب کی تاجیل وتاخیر ایک مقررہ مدت تک کیلئے اور بس،	۲۹۲
مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کی تردید وتغلیظ،	۲۹۲
قیامت کے دن میں لوگوں کی تقسیم دو حصوں پر،	۲۹۲
نیک بختوں کی کامیابی کا ذکر وبیان،	۲۹۳
اللہ کی مشیت سب پر حاوی وغالب،	۲۹۳
اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جو چاہے کرے،	۲۹۴
کبھی نہ ختم ہونے والی عطاء وبخشش،	۲۹۴
خطاب پیغمبر سے، اور عتاب دوسروں پر،	۲۹۵
اہل کفر وباطل کو ان کا پورا حصہ ملنے کا ذکر وبیان،	۲۹۵
پیغمبر کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان،	۲۹۶
ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے،	۲۹۷
حق کے انکار کا نتیجہ خلجان واضطراب،	۲۹۷
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم وآگہی کا حوالہ وذکر،	۲۹۷
راہِ حق پر صبر واستقامت کا حکم وارشاد،	۲۹۸
حد سے بڑھنے کی ممانعت،	۲۹۸
ظالموں کی طرف سے جھکنے کی ممانعت،	۲۹۹
ظالموں کی طرف جھکاؤ کا نتیجہ دوزخ۔ والعیاذ باللہ،	۲۹۹
نماز قائم کرنے کا حکم وارشاد،	۳۰۰
رات کو بھی نماز قائم کرنے کا حکم وارشاد،	۳۰۰
نیکیاں تزکیہ وتطہیر کا ایک عظیم الشان ذریعہ ووسیلہ،	۳۰۱
فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت وعظمت،	۳۰۲
امر بالمعروف ذریعۂ سلامتی ونجات،	۳۰۲
نورِ حق سے محروم عیش پرستوں کا انجام بہت برا۔ والعیاذ باللہ،	۳۰۳
اِصلاح احوال کی ضرورت واہمیت،	۳۰۴
جبری ایمان نہ مفید ہے نہ مطلوب،	۳۰۴
اصل مدار انسان کے اپنے قلب وباطن پر ہے،	۳۰۵
منکرین ومعاندین قانونِ قدرت کی زد میں۔ والعیاذ باللہ،	۳۰۵
دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھرنے کا مطلب؟	۳۰۶
حضرات انبیاء ورسل کی سرگزشتیں سنانے کے اصل مقصد کی وضاحت،	۳۰۷

عنوانات	صفحہ
غیب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کا خاصہ،	۳۰۷
اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کا حکم وارشاد،	۳۰۸
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کا حوالہ وذکر،	۳۰۸
سورۃ یوسف (۱۲)	
آیات قرآنی کی عظمتِ شان کا ذکر وبیان،	۳۰۹
قرآن حکیم اپنی صداقت وحقانیت کی دلیل خود،	۳۰۹
اہل عرب پر ایک خاص انعام کا ذکر وبیان،	۳۱۰
ایک بڑے ہی عمدہ قصے کا ذکر وبیان،	۳۱۱
قرآن حکیم فیضان وحی کا ثمرہ ونتیجہ۔ والحمد للہ،	۳۱۱
پیغمبر کی صداقت حقانیت کی دلیل،	۳۱۲
قصے کا آغاز حضرت یوسفؑ کے خواب سے،	۳۱۳
حسد کی بیماری ایک مہلک بیماری،	۳۱۳
شیطان انسان کا کھلا دشمن، والعیاذ باللہ،	۳۱۴
تاویل احادیث سے مقصود ومراد؟	۳۱۴
حضرت یوسف علیہ السلام پر اتمام نعمت کا مژدہ،	۳۱۵
اللہ تعالیٰ کے کمال علم وحکمت کا ذکر، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۳۱۵
قصۂ یوسف میں موجود نشانیوں کی تذکیر ویاد دہانی،	۳۱۶
غلبۂ حق کے بارے میں سوالوں کے جواب کا انتظام،	۳۱۶
برادرانِ یوسف کا اپنے والد کے بارے میں شکوہ،	۳۱۷
برادران یوسف کا اپنے باپ کو خطا کار قرار دینا،	۳۱۷
لفظ ''صالحین'' سے یہاں مراد؟	۳۱۸
یوسف کو اندھے کنویں میں ڈالنے کی تجویز،	۳۱۹

عنوانات	صفحہ
برادرانِ یوسفؑ کا اپنے باپ سے یوسفؑ کے بارے میں اپنی خیر خواہی کا اظہار،	۳۱۹
مفید کھیل درست ومباح،	۳۱۹
ارادہ اِغوا کا، اور دعویٰ حفاظت وخیر خواہی کا،	۳۲۰
اولاد کا اپنی نظروں کے سامنے رہنا بھی ایک نعمت ہے،	۳۲۰
حضرتِ یعقوب علیہ السلام کے خدشے کا اظہار،	۳۲۰
برادرانِ یوسف کی حضرتِ یعقوب علیہ السلام کو یقین دہانی،	۳۲۱
حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی والہام کا ذکر،	۳۲۱
حضرتِ یوسف علیہ السلام کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان،	۳۲۲
جھوٹا رونا صداقت کی دلیل نہیں ہوسکتا،	۳۲۲
دل کا چور از خود زبان پر،	۳۲۳
یوسف علیہ السلام کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون،	۳۲۳
پیغمبر کا اسوۂ حسنہ صبر جمیل،	۳۲۳
پیغمبر بھی اللہ ہی کی مدد کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی،	۳۲۴
یوسف علیہ السلام تجارتی قافلے کے ہاتھ،	۳۲۵
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کا حوالہ وذکر،	۳۲۵
یوسف علیہ السلام کی فروخت ایک حقیر مول کے عوض،	۳۲۶
حضرت یوسفؑ کی بے قدری، اور قدر ناشناسی کا ایک نمونہ مظہر،	۳۲۶
خریدار یوسفؑ کی اپنی بیوی کو ہدایت،	۳۲۶
حضرت یوسفؑ کیلئے آداب حکمرانی سیکھنے کے مواقع،	۳۲۷
لوگوں کی اکثریت نور علم سے بے بہرہ۔ والعیاذ باللہ،	۳۲۷
حضرت یوسفؑ کی جوانی اور پختہ عمر کا ذکر وبیان،	۳۲۷

عنوانات	صفحہ
حکم سے یہاں پر مقصود ومراد؟	۳۲۸
حضرتِ یوسف علیہ السلام کی نوازش ایک خاص علم سے،	۳۲۸
''محسنین'' سے مقصود ومراد؟،	۳۲۸
حضرتِ یوسفؑ کی عظمتِ کردار کا ایک نادر ونایاب نمونہ،	۳۲۹
برہانِ رب سے مقصود ومراد؟	۳۳۰
حضرت یوسفؑ کی حفاظت کا انتظام قدرت کی طرف سے،	۳۳۰
دونوں کے دروازے کی طرف دوڑنے کا ذکر وبیان،	۳۳۱
یوسفؑ کیلئے دردناک سزا کا مطالبہ،	۳۳۱
ایک معقول گواہی کا ذکر وبیان،	۳۳۲
ایک فیصلہ کن قرینے کا حوالہ وذکر،	۳۳۳
عزیزِ مصر کی بے غیرتی کا ایک مظہر ونمونہ،	۳۳۳
عزیزِ مصر کی بیوی کے خلاف پروپیگنڈے کا ذکر وبیان،	۳۳۴
عزیزِ مصر کی بیوی کی ملامت وشماتت،	۳۳۴
لفظِ ''مکر'' کے استعمال سے مقصود؟	۳۳۵
حاضراتِ مجلس کو چھریاں دینے کے پیچھے اصل مقصد؟	۳۳۵
حُسنِ بے مثال کی ایک خاص تعبیر،	۳۳۵
عزیزِ مصر کی بیوی کا اپنے لئے مجبوری ومعذوری کا استدلال،	۳۳۶
عزیزِ مصر کی بیوی کی حضرتِ یوسفؑ کو دھمکی،	۳۳۶
حضرتِ یوسفؑ کی عفت وعظمتِ شان کا ایک مظہر ونمونہ،	۳۳۶
پیغمبر کی شانِ عبدیت اور رجوع الی اللہ کا ایک نمونہ ومظہر،	۳۳۷
حضرت یوسفؑ کیلئے جیل کی سزا کا ذکر وبیان،	۳۳۷
حضرتِ یوسفؑ کے جیل کے دوساتھیوں کا ذکر،	۳۳۸

عنوانات	صفحہ
عظمتِ کردار کی بلندی وتاثیر،	۳۳۸
خواب کی تعبیر اور دین کی دعوت،	۳۳۹
پیغمبرانہ علوم ومعاف کی ایک امتیازی شان،	۳۳۹
بے ایمانوں سے کنارہ کشی ونورِ علم وعرفان سے سرفرازی کا ذریعہ وسیلہ،	۳۴۰
باپ دادا کی پیروی مشروط بالحق ہے،	۳۴۰
عقیدۂ توحید عقل وفطرت کا تقاضا،	۳۴۱
عقیدۂ توحید ایک عظیم الشان فضلِ خداوندی،	۳۴۱
معبود برحق کی عبادت وبندگی سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ،	۳۴۲
خدائے واحد ہی معبود برحق ہے،	۳۴۲
معبودانِ من دون اللہ محض من گھڑت نام ہیں اور بس،	۳۴۳
فرماں روائی کا حق اللہ ہی کیلئے،	۳۴۳
اکثر لوگ علم سے محروم اور بے بہرہ،	۳۴۳
حُسنِ ادب اور لُطفِ تخاطب کا ایک عمدہ نمونہ،	۳۴۴
رہا ہونے والے ساتھی سے حضرتِ یوسفؑ کا ایک مطالبہ،	۳۴۴
﴿بضع سنین﴾ سے مراد؟	۳۴۶
﴿اضغاث﴾ کا معنی ومفہوم؟	۳۴۶
یوسفؑ سراپا صدق وصفا،	۳۴۶
تعبیرِ خواب کے اصل مقصد کی وضاحت،	۳۴۷
حضرتِ یوسفؑ کے کمال اخلاق کا ایک نمونہ ومثال،	۳۴۷
حضرت یوسفؑ کی طرف سے ایک تدبیر کی تعلیم وتلقین،	۳۴۷

عنوانات	صفحہ
سالوں کے جمع شدہ غلہ کو کھا جانے کا مطلب؟	۳۴۸
قحط کے زمانہ میں کام کا آنے والے غلے کے استثناء کا ذکر و بیان،	۳۴۸
قحط سالی کے بعد خوشحالی کے سال کی خوشخبری،	۳۴۹
حضرتِ یوسفؑ کے مکارمِ اخلاق کا ایک اور نمونہ،	۳۴۹
بادشاہ کا عورتوں سے صیغۂ جمع کے ساتھ خطاب،	۳۴۹
حضرت یوسفؑ کی عفت و پاکدامنی کا اعلان و اقرار،	۳۵۰
عزیزِ مصر کی بیوی کا اِقرارِ جرم،	۳۵۰
حق اور سچ ظاہر ہو کر رہتا ہے،	۳۵۰
یوسفؑ ہر لحاظ سے سچے،	۳۵۱
خیانت کاری چلنے والی چیز نہیں،	۳۵۱
پیغمبر کی شان عبدیت کا ایک نمونہ و مظہر،	۳۵۲
بچے گا وہی جس کو اللہ بچائے، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۳۵۲
آزمائشوں کے بعد عنایات کے دور کا آغاز،	۳۵۳
حُسنِ تخاطب سے شخصیت کا اندازہ و اظہار،	۳۵۳
اِصلاحِ نظام اور خدمتِ خلق کیلئے منصب کا مطالبہ،	۳۵۳
اقتدار دینا اور چھیننا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۳۵۴
احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا،	۳۵۴
آخرت کا اجر و ثواب کہیں بہتر و برتر ہے،	۳۵۵
برادران یوسفؑ، یوسف کو نہ پہچان سکے،	۳۵۶
یوسفؑ کا اپنے بھائی کو لانے کا مطالبہ،	۳۵۶
حضرت یوسفؑ کی طرف سے ترغیب کے بعد ترہیب سے کام لینے کا ذکر،	۳۵۶

عنوانات	صفحہ
بھائیوں کے واپس لوٹنے کیلئے ایک اور ترغیب،	۳۵۶
برادران یوسف کی اپنے والد کو پختہ یقین دہانی،	۳۵۷
حضرتِ یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں کے مطالبہ کو ماننے سے انکار،	۳۵۷
سب کا محافظ اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۳۵۸
کریمانہ روش اور اس کا تقاضا،	۳۵۸
ایک اونٹ کے بوجھ کے مزید غلے کی امید،	۳۵۹
اللہ کے نام کی قسم کا مطالبہ،	۳۵۹
پیغمبر علیہم السلام نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل،	۳۵۹
اللہ تعالیٰ کی نگرانی ونگہداشت کی تذکیر و یاددہانی،	۳۶۰
حضرتِ یعقوبؑ کی اپنے بیٹوں کو ایک خاص نصیحت،	۳۶۰
حاجت روا و مشکل کشا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا،	۳۶۱
اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین،	۳۶۱
نبی کا علم براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے،	۳۶۱
لوگوں کی اکثریت نورِ علم وہدایت سے محروم و بے بہرہ،	۳۶۲
حضرتِ یوسف کا اپنے بھائی کو تسلی دینا،	۳۶۳
برادرانِ یوسف پر چوری کے الزام کا ذکر و بیان،	۳۶۳
گمشدہ پیالہ لانے والے کیلئے انعام کا اعلان،	۳۶۳
برادرانِ یوسف کا چوری سے انکار،	۳۶۴
تمہاری کیا سزا ہوگی اگر تم جھوٹے ثابت ہوگئے؟	۳۶۴
سامان کی تلاشی کا آغاز،	۳۶۴
اسی طرح ہم نے تدبیر کی یوسف علیہ السلام کیلئے،	۳۶۵
حضرتِ یوسف کیلئے تدبیر حق تعالیٰ کی طرف سے،	۳۶۵

عنوانات	صفحہ
مشیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۳۶۶
درجات کی بلندی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۳۶۶
ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے،	۳۶۶
برادرانِ یوسف کی طرف سے حضرت یوسفؑ پر چوری کا الزام،	۳۶۷
﴿شیخا کبیراً﴾ کے دو مطلب؟	۳۶۸
برادرانِ یوسفؑ کی طرف سے احسان کی درخواست،	۳۶۸
ظلم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۳۶۸
بڑے بھائی کا فیصلہ، اور اعلان،	۳۶۹
اللہ ہی ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا،	۳۷۰
ہم وہی کچھ بیان کر رہے ہیں جو ہم نے خود دیکھا،	۳۷۰
اور ہم نہیں تھے غیب کی خبر رکھنے والے،	۳۷۰
اپنی سچائی کی تائید وتصدیق کے لئے اہتمام مزید کا ذکر،	۳۷۰
صبر جمیل ہی کو اپنانے کے عزم کا اظہار و بیان،	۳۷۱
حضرتِ یعقوبؑ کی شانِ امید ورجاء،	۳۷۱
اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم وحکمت کا حوالہ وذکر،	۳۷۲
فراقِ یوسف کے غم میں حضرتِ یعقوبؑ کی حالت زار کا ذکر وبیان،	۳۷۲
برادران یوسفؑ کی اپنے باپ کو تسلی،	۳۷۳
اللہ پاک کے حضور اپنی شکایت پیش کرنا ممنوع نہیں بلکہ محمود ومطلوب ہے،	۳۷۳
پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتیازی شان کا حوالہ وذکر،	۳۷۴
اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کی ممانعت،	۳۷۵
برادرانِ یوسف کی لجاجت والتجاء،	۳۷۵
حضرتِ یوسف کی طرف سے افشائے راز،	۳۷۶
اِحسانِ خداوندی کی تذکیر ویاد دہانی،	۳۷۶
صبر وتقویٰ وسیلۂ نجات وسرفرازی،	۳۷۷
برادرانِ یوسف کا اعتراف جرم وقصور،	۳۷۷
حضرتِ یوسف کی طرف سے بھائیوں کیلئے معافی کا اعلان،	۳۷۷
سچی توبہ ذریعۂ بخشش ومعافی،	۳۷۸
یوسف کے کُرتے کی عظمتِ شان،	۳۷۹
اللہ پاک کی شؤونِ مختلفہ کا ایک نمونہ ومظہر،	۳۷۹
برادرانِ یوسف کی بدتمیزی کا ایک اور نمونہ ومظہر،	۳۸۰
حضرتِ یعقوب کی بینائی کے لوٹ آنے کا ذکر،	۳۸۱
حضرتِ یعقوبؑ کی طرف سے ان کیلئے بخشش کی دعاء کا وعدہ،	۳۸۲
اللہ تعالیٰ کی بخشش ورحمت کا حوالہ وذکر،	۳۸۳
خاندانِ یعقوب کی رسیدگی مصر کا ذکر وبیان،	۳۸۳
خانوادۂ یوسفؑ کی تکریم وترحیب کا ذکر وبیان،	۳۸۴
حضرت یوسفؑ کے لئے سجدے سے مقصود ومراد؟	۳۸۵
حضرتِ یوسفؑ کا اپنے خواب کی تصدیق کا ذکر وبیان،	۳۸۶
رب کے بعض احسانات کا ذکر وبیان،	۳۸۷
اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم وحکمت کا حوالہ وذکر،	۳۸۸
حکومت وفرمانروائی سے نوازنا اللہ ہی کی شان اور اسی کا کام ہے،	۳۸۸

عنوانات	صفحہ
حضرت یوسف کی اللہ تعالیٰ سے اس کی کارسازی کی دعاء ودرخواست،	۳۸۹
خاتمہ بالخیر کیلئے ایک عظیم الشان دعاء،	۳۸۹
پیغمبر کی صداقت وحقانیت کا ایک کھلا ثبوت،	۳۹۰
لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں،	۳۹۰
قرآن حکیم ایک عظیم الشان نصیحت،	۳۹۱
نشانیوں کے مطالبے کا جواب،	۳۹۱
اکثر لوگ ایمان کے باوجود مشرک۔ والعیاذ باللہ،	۳۹۲
غافلوں کے لئے ایک تنبیہ وتہدید،	۳۹۳
شرک سے براءت وبیزاری کا اعلان،	۳۹۴
رسول ہمیشہ مردوں ہی سے آئے،	۳۹۵
عبرت پذیری کیلئے سفر کی ترغیب،	۳۹۶
آخرت ہی کو اصل مقصد بنانے کی ترغیب،	۳۹۶
عقل سے کام لینے کی تحریک وترغیب،	۳۹۶
منکرین کی مہلت کا ذکر وبیان،	۳۹۷
عذاب الٰہی کے بارے میں سنتِ الٰہی کا ذکر وبیان، والعیاذ باللہ	۳۹۷
اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا،	۳۹۷
سامان عبرت کیلئے تنبیہ وتذکیر،	۳۹۸
قرآنِ حکیم پہلی کتابوں کی تصدیق،	۳۹۸
قرآن حکیم میں ضرورت کی ہر چیز کی تفصیل،	۳۹۹
قرآن حکیم سراسر ہدایت ورحمت،	۳۹۹

عنوانات	صفحہ
سورۃ الرعد (۱۳)	
عظیم الشان آیات،	۴۰۰
احسان اور دھمکی کے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ،	۴۰۰
پیغمبر کیلئے تسکین وتسلیہ،	۴۰۱
ہٹ دھرمی محرومی کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ،	۴۰۱
قدرت کے بعض عظیم الشان مظاہر حکمت میں غور وفکر کی دعوت،	۴۰۲
کائنات پر حکمرانی اللہ تعالیٰ ہی کی، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۴۰۲
پھر وہ مستوی ہوا عرش پر،	۴۰۳
سورج وچاند انسان کے خادم، نہ کہ معبود ومسجود،	۴۰۳
عقیدۂ آخرت ایک انقلاب آفریں عقیدہ،	۴۰۴
زمین کے لئے عظیم الشان لنگروں کا انتظام،	۴۰۴
پھلوں اور پیداواروں میں سامان غور وفکر،	۴۰۵
رات اور دن کے نظام میں سامانِ غور وفکر،	۴۰۵
غور وفکر کی عظمت واہمیت کا ذکر،	۴۰۶
زمین سے متعلق کچھ اور نشانیوں کا ذکر وبیان،	۴۰۶
پھلوں میں بعض کو بعض پر فوقیت وفضیلت،	۴۰۷
عقل سے کام لینے کی تحریک وترغیب،	۴۰۷
کفار ومنکرین کا حال قابل تعجب،	۴۰۸
کافروں کی گردنوں میں طوق،	۴۰۸
مت ماری کا ایک نمونہ بھلائی سے پہلے برائی مانگنا،	۴۰۹
عقلمندی کا تقاضا دوسروں کے انجام سے سبق لینا،	۴۰۹
رب کی بخشش اور اس کے علم وکرم کا حوالہ وذکر،	۴۱۰

عنوانات	صفحہ
رب کی گرفت وپکڑ کی تذکیرویاد دہانی،	۴۱۰
منکرین کی طرف سے نشانی کا مطالبہ اوراس کا جواب،	۴۱۱
پیغمبر کا کام انداروتبشیر اور بس،	۴۱۱
ہرقوم کیلئے ایک ہادی ہوا ہے،	۴۱۲
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا ایک مظہر،	۴۱۲
اللہ تعالیٰ رحموں کے اندر کی کمی بیشی کوبھی پوری طرح جانتا ہے،	۴۱۳
ہر چیز ایک مقداراور خاص اندازے پر،	۴۱۳
اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کا حوالہ وذکر،	۴۱۳
اللہ سے کوئی چھپ نہیں سکتا،	۴۱۴
اللہ کے یہاں نہاں وعیاں ایک برابر ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ،	۴۱۴
نگران فرشتوں کی تذکیرویاد دہانی،	۴۱۴
نگران فرشتوں کی حفاظت کا ذکر وبیان،	۴۱۵
عذاب کے بارے میں دستورِ خداوندی کا بیان،	۴۱۶
کسی قوم کی بدعملی اسکی محرومی کا باعث۔ والعیاذ باللہ،	۴۱۶
اللہ کے عذاب کوکوئی نہیں ٹال سکتا ہے،	۴۱۷
اور وہی اٹھاتا ہے پانی سے بھرے بادلوں کو،	۴۱۸
اسی کی پاکی بیان کرتی ہے اسکی حمد کے ساتھ بادلوں کی گرج،	۴۱۸
اوراسی کے خوف اور ہیبت سے کانپتے ہیں فرشتے،	۴۱۸
اور وہی بھیجتا ہے کڑکتی ہوئی بجلیاں،	۴۱۸
اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بے پناہی کا ایک نمونہ،	۴۱۹
اللہ ہی کو پکارنا برحق ہے،	۴۱۹
معبودانِ من دُونِ اللہ کی بے حقیقتی کا ذکر،	۴۱۹
ردِ شرک کیلئے ایک واضح اور عمدہ مثال،	۴۲۰
کافروں کا پکارنا محض گمراہی اور سراسر اکارت، والعیاذ باللہ،	۴۲۰
کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز،	۴۲۱
اللہ پاک کے لئے اضطراری سجدے کا ذکر،	۴۲۱
مخلوق کے سائے بھی اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ ریز ہیں،	۴۲۱
معبودانِ باطلہ نہ کسی کے نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا،	۴۲۳
اندھا اور آنکھوں والا کبھی باہم برابر نہیں ہوسکتے،	۴۲۳
روشنی اوراندھیرا کبھی باہم برابر نہیں ہوسکتے،	۴۲۳
معبودانِ باطلہ کی نفی وتردید صفتِ خلق کے اعتبار سے،	۴۲۳
اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا،	۴۲۴
فطرت کائنات کی ایک اہم شہادت،	۴۲۴
جھاگ مٹ کر رہنے والی چیز ہے،	۴۲۴
مفید اور نفع بخش چیز باقی رہنے والی ہوتی ہے،	۴۲۵
ضرب الامثال کی اہمیت وضرورت کی وضاحت،	۴۲۵
قبول حق سعادت دارین سے سرفرازی کی اساس وبنیاد،	۴۲۶
دعوتِ حق کواپنانے والوں کے لئے نہایت عمدہ انجام کی بشارت،	۴۲۶
اللہ کے حکم سے اعراض وسرتابی باعثِ ہلاکت وتباہی،	۴۲۶
حیاتِ دنیا کی عظمت واہمیت کا ایک خاص پہلو،	۴۲۶
علمِ حق وہدایت سے محروم انسان اندھا ہوتا ہے،	۴۲۷
اولوالالباب سے مقصود ومراد؟	۴۲۷
اولوالالباب کی دوسری صفت ان روابط کو جوڑنا جن کے جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے،	۴۲۸

عنوانات	صفحہ
اولوا الالباب کی تیسری صفت، خوف وخشیت خداوندی،	۴۲۸
اولوا الالباب کی چوتھی صفت بُرے حساب سے ڈرنا،	۴۲۸
اولوا الالباب کی پانچویں صفت صبر واستقامت،	۴۲۸
اولوا الالباب کی چھٹی صفت اقامت صلوٰۃ،	۴۲۹
اولوا الالباب کی ساتویں صفت انفاق فی سبیل اللہ،	۴۳۰
اولوا الالباب کی آٹھویں صفت برائی کا بدلہ اچھائی سے،	۴۳۰
اوالالباب کے اجر وانعام کا ذکر وبیان،	۴۳۱
منکرین ومکذبین کے حال ومآل کا ذکر بیان،	۴۳۲
منکرین کے سبب انکار وتکذیب کی نشاندہی،	۴۳۲
ہدایت وگمراہی کے بارے میں سنت الٰہی کا ذکر وبیان،	۴۳۳
فائز المرام لوگوں کی نشاندہی،	۴۳۴
پیغمبر کے لئے تسلیہ وتسکین کا سامان اور منکرین کیلئے تہدید ووعید کا پیغام،	۴۳۵
منکرین کی ہٹ دھرمی اور انکے حال ومآل کا ذکر وبیان،	۴۳۶
پیغمبر کے لئے تسکین تسلیہ کا سامان اور منکرین کے لئے تہدید ووعید،	۴۳۷
شرک کی بے حقیقتی اور مشرکوں کے ہولناک انجام کا ذکر بیان،	۴۳۹
منکرین کے رویے اور قرآن کریم کی اصل حیثیت کا ذکر وبیان،	۴۳۹
منکرین کے دو اعتراضوں کا جواب،	۴۴۱
پیغمبر کے حق میں بڑی گواہی کا بیان،	۴۴۱

سورة ابراهیم (۱۴)

عنوانات	صفحہ
قرآن حکیم ایک عظیم الشان کتاب،	۴۴۲
قرآن حکیم خداوند قدوس کی نازل کردہ کتاب،	۴۴۲
کفر وباطل کے اندھیرے انتہائی مہیب وخطرناک،	۴۴۲
اندھیروں سے نکلنا رب کی توفیق ہی سے ممکن ہوسکتا ہے،	۴۴۳
اللہ سب پر غالب ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۴۴۳
اللہ ہی ہر تعریف کا حقدار ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۴۴۳
راہِ حق کی عظمتِ شان کا ذکر وبیان،	۴۴۴
دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا خساروں کا خسارہ،	۴۴۴
اللہ کی راہ سے روکنے کا جرم اور اسکی مختلف صورتیں۔ والعیاذ باللہ،	۴۴۵
اہل باطل کا ایک مشترکہ وطیرہ راہِ حق میں کجی تلاش کرنا،	۴۴۵
ہر رسول کی بعثت اُسکی اپنی قوم کی زبان میں،	۴۴۶
طلب صادق ایمان سے سرفرازی کی شرط اول،	۴۴۶
اَیّام اللہ کی تذکیر ویاددہانی کا حکم وارشاد،	۴۴۷
حضرت موسیٰ کی اپنی قوم کو اللہ کی نعمتوں کی تذکیر ویاددہانی،	۴۴۸
شکرِ نعمت اور اس کی صورتیں،	۴۴۸
کفرانِ نعمت باعثِ وبال ونکال، والعیاذ باللہ،	۴۴۹
اللہ بڑا ہی بے نیاز اور تعریفوں والا ہے،	۴۴۹
عالمِ غیب اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے،	۴۵۰
انہوں نے اپنے ہاتھ دے دیئے اُن کے مونہوں میں،	۴۵۰
دعوتِ حق سے اعراض ورُوگردانی کا نتیجہ قلق واضطراب،	۴۵۱
حق کو قبول کرنے کا فائدہ خود اسکے قبول کرنے والوں کیلئے،	۴۵۱
منکرین کا حضرات انبیاء ورسل پر اعتراض کہ تم تو ہم ہی جیسے بشر ہو،	۴۵۲

عنوانات	صفحہ
حضرات انبیاء ورسل کا اعلان کہ ہم تم ہی جیسے بشر ہیں،	۴۵۳
معجزہ نبی علیہ السلام کے اختیار میں نہیں ہوتا،	۴۵۴
ایمان کا تقاضا! کہ بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہو،	۴۵۵
حضرات انبیائے کرام کی طرف سے صبر وبرداشت کا اعلان،	۴۵۵
"یا تم واپس لوٹ آؤ ہمارے مذہب میں" کا مطلب؟	۴۵۶
کفار کی طرف سے حضرات انبیائے کرام کو ملک بدری کی دھمکی،	۴۵۶
ظلم کا نتیجہ ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ،	۴۵۷
خوف وخشیت خداوندی اصلاح احوال کی اصل اساس وبنیاد،	۴۵۷
اور انہوں نے فیصلہ چاہا،	۴۵۸
اور اس کے آگے ان کیلئے جہنم ہے، والعیاذ باللہ،	۴۵۸
منکرین کے عذاب کے بعض ہولناک پہلوؤں کا ذکر وبیان،	۴۵۹
ان کو ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی مگر وہ مرنے نہ پائیں گے، والعیاذ باللہ	۴۵۹
کفار کے اعمال کی مثال،	۴۶۰
کیا تم نے دیکھا نہیں کا مطلب؟ اور اہل بدعت کی ایک تحریف کی تردید،	۴۶۱
قیامت کے روز کفار کا باہم مکالمہ اور ان کے پیشواؤں کا اپنی گمراہی کا اقرار واعتراف،	۴۶۱
استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ محرومی وفساد کی جڑ بنیاد،	۴۶۲

عنوانات	صفحہ
منکرین کا اپنے پیروؤں کو جواب، کہ اگر ہم ہدایت پر ہوتے تو تم کو بھی ہدایت دیتے،	۴۶۲
دنیاوی زندگی کی عظمت شان کا ایک خاص پہلو،	۴۶۳
دوزخ میں شیطان کا خطاب اپنے پیروکاروں سے،	۴۶۴
اللہ کا وعدہ بہر حال سچا، سبحانہ وتعالیٰ،	۴۶۴
ابلیس کا ہر وعدہ قطعی طور پر جھوٹا، والعیاذ باللہ،	۴۶۴
ابلیس کے پیروکاروں کی ایک اور تذلیل،	۴۶۵
ابلیس کے پیروکاروں کے جرم کی نشاندہی،	۴۶۵
ابلیس کے پیروکار خود ملامت کے مستحق،	۴۶۵
ابلیس کا مشرکین کے شرک سے قطعی اور صریح طور پر انکار،	۴۶۶
مدار نجات ایمان صادق اور عمل صالح، وباللہ التوفیق،	۴۶۶
خلود ودوام جنت کی ایک خاص اور امتیازی نعمت،	۴۶۶
جنت میں اہل جنت کی باہمی دعا "سلام" ہوگی	۴۶۷
پاکیزہ کلمے کی عظیم الشان مثال کا ذکر وبیان،	۴۶۸
شجرۂ طیبہ کی عظمت شان کا ذکر وبیان،	۴۶۸
شجرۂ طیبہ کی بارآوری وپھلداری متواتر ولگاتار،	۴۶۸
شجرۂ خبیثہ کی تمثیل کا ذکر وبیان،	۴۶۹
اہل ایمان کے کیلئے دنیا میں بھی ثابت قدمی، والحمد للہ،	۴۷۰
اور ان کیلئے آخرت میں بھی ثابت قدمی، والحمد للہ،	۴۷۰
ظالموں کیلئے محرومی اور ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ،	۴۷۰
اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے، سبحانہ وتعالیٰ،	۴۷۰
کفران نعمت کے ظلم کا ذکر وبیان، والعیاذ باللہ،	۴۷۱

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
دوزخ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ والعیاذ باللہ،	۴۷۱	اللہ بڑا ہی سننے اور قبول کرنے والا ہے دعاؤں کو،	۴۸۰
مشرکوں کے شرک کا ذکر و بیان،	۴۷۱	حضرت ابراہیمؑ کی دعائے مغفرت و بخشش کا ذکر و بیان،	۴۸۰
شرک کا نتیجہ وانجام، راہِ حق و ہدایت سے محرومی۔	۴۷۲	حضرت ابراہیمؑ کی دعاء اپنے والدین اور سارے اہل ایمان کیلئے	۴۸۰
دنیاوی زندگی کے مزے محض چندروزہ اور بس،	۴۷۲	یوم حساب کی تذکیر و یاددہانی،	۴۸۱
کفر و شرک کا لازمی نتیجہ وانجام دوزخ، والعیاذ باللہ،	۴۷۳	ظالموں کی ڈھیل اور مہلت کا ذکر و بیان،	۴۸۲
ایماندار بندوں کیلئے خاص خطاب و ہدایت،	۴۷۳	یوم حساب کی بدحواسی کے منظر کا ذکر و بیان،	۴۸۲
اللہ کے خاص بندوں کی صفت انفاق کا ذکر و بیان،	۴۷۴	لوگوں کے انذار کا حکم وارشاد،	۴۸۲
آخرت کیلئے تیاری نزولِ موت سے قبل،	۴۷۴	ظالموں کی فریاد والتجاء کا ذکر و بیان،	۴۸۲
اللہ نعمتوں کا تقاضا دل وجان سے اسکے آگے جھک جانا،	۴۷۴	منکرین کی طرف سے قبول حق اور اتباع رسل کے وعدے،	۴۸۳
عبادت و بندگی اللہ تعالیٰ ہی کا حق، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۴۷۴	منکرین کی ہلاکت و تباہی کا سبب ان کی غفلت ولاپرواہی،	۴۸۳
تسخیر شمس و قمر اسی کی قدرت و حکمت کا نتیجہ، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۴۷۵	دعوتِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا ظلم۔ والعیاذ باللہ،	۴۸۳
انسان کی ہر ضرورت کی تکمیل کا سامان،	۴۷۵	تاریخ سے سبق نہ لینا باعث محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۴۸۴
حضرت ابراہیمؑ کی دعاء بت پرستی سے بچاؤ کیلئے،	۴۷۶	حق اور اہل حق کے خلاف منکرین کی چالوں کا ذکر و بیان،	۴۸۴
بت پرستی باعثِ ہلاکت و تباہی، والعیاذ باللہ،	۴۷۶	اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی اور سب پر حاوی،	۴۸۴
پیغمبر سے تعلق کی بنیاد اطاعت واتباع،	۴۷۷	منکرین کی سازشوں کی ہولناکی کا ذکر و بیان،	۴۸۵
مشرکین سے اظہار براءت و بیزاری،	۴۷۷	اللہ تعالیٰ کا وعدۂ نصرت وامداد قطعی طور پر حق اور صدق،	۴۸۵
وادیِ غیر ذی زرع کی آبادی کے مقصد کا ذکر و بیان،	۴۷۸	اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے تنبیہ و تحذیر،	۴۸۶
بیت الحرام اور اسکی حرمت کے تقاضے کا ذکر و بیان،	۴۷۸	یوم حساب کی تذکیر و یاددہانی،	۴۸۶
مقصدِ شکر کا حوالہ وذکر، وباللہ التوفیق،	۴۷۸	دوزخیوں کے لباس تارکول کے۔ والعیاذ باللہ،	۴۸۷
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۴۷۸	قیام قیامت تقاضائے عدل وانصاف،	۴۸۷
حاجت روا و مشکل کُشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے	۴۷۹	قرآن حکیم کا اولیں مقصد انذار،	۴۸۸
حضرت اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی بخشش و عطاء ہیں،	۴۷۹	قرآن حکیم کی اساسی تعلیم توحید خداوندی،	۴۸۸

عنوانات	صفحہ
درس عبرت لینا عقل خالص کا تقاضا،	۴۸۸
سورة الحجر (۱۵)	
قرانِ حکیم کی عظمت شان کا ایک اہم پہلو،	۴۹۰
قرآنِ حکیم ایک کامل کتاب، والحمدللہ،	۴۹۰
قرآنِ حکیم کی عظمت اسکی صفت مبین کے اعتبار سے،	۴۹۱
کافروں کی حسرت اوران کے افسوس کا ذکر و بیان،	۴۹۱
منکروں اور غافلوں کا معاملہ ان کے انجام کے اعتبار سے،	۴۹۲
ہرقوم اپنے مقررہ وقت پر اپنے انجام کو پہنچ کر رہی،	۴۹۲
کفار کے پیغمبروں سے مذاق واستہزاء کے ایک نمونے کا ذکر و بیان، والعیاذ باللہ،	۴۹۳
کفار نابکار کا حضرت امام الانبیاء ﷺ کو مجنون قرار دینا،	۴۹۳
منکرین کی طرف سے فرشتے لانے کا مطالبہ،	۴۹۴
فرشتوں کا آنا حق کے ساتھ،	۴۹۴
فرمائشی معجزے کے اظہار کے بعد منکرین کو مہلت نہیں ملتی،	۴۹۵
قرانِ حکیم کا محافظ خود اللہ تعالیٰ، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۴۹۵
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان،	۴۹۶
﴿نَسْلُكُهٗ﴾ کی ضمیرِ منصوب کے مرجع میں دوقول واحتمال،	۴۹۶
منکرین کی ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ ومظہر،	۴۹۷
آسمان کے بروج سے مقصود ومراد؟ ،	۴۹۸
دیکھنے والوں کے ذوق جمال کی تسکین کا سامان،	۴۹۸
بچھونہءِ ارضی میں سامان غور وفکر،	۴۹۸
زمین کے لنگروں میں سامان غور وفکر،	۴۹۹
سامانہائے زیست کے بارے میں دعوتِ غور وفکر،	۴۹۹
روزی رساں سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک،	۵۰۰
اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانے، سبحانہ وتعالیٰ،	۵۰۱
ہر چیز کی تنزیل ایک مناسب مقدار میں،	۵۰۱
پانی کی عظیم الشان نعمت میں سامانِ غور وفکر، والحمدللہ	۵۰۱
زندگی اور موت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہءِ قدرت واختیار میں،	۵۰۲
سب کچھ اللہ ہی کا اور اسی کے لئے رہ جانے والا ہے،	۵۰۲
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۵۰۲
انسان کی تخلیق کا ذکر و بیان،	۵۰۳
نفخ روح فیض الٰہی سے سرفرازی کا ذریعہ،	۵۰۴
آدم علیہ السلام کیلئے سجدہ ریزی کا حکم وارشاد،	۵۰۴
ابلیس کا سجدۂ آدم سے انکار اور ایک بدعتی مُلّاں کی ایک تحریف کارد	۵۰۵
ابلیس کے اخراج کا حکم وارشاد،	۵۰۶
ابلیس پر قیامت تک کیلئے لعنت وپھٹکار کا ذکر و بیان،	۵۰۶
ابلیس کی مہلت کا ذکر و بیان،	۵۰۷
ابلیس کی طرف سے اولادِ آدم کیخلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ،	۵۰۸
اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے استثناء کا ذکر و بیان،	۵۰۹
جہنم کے ہر دروازے کیلئے ایک حصہ مقرر ہوگا،	۵۰۹
پرہیزگاروں کے حُسنِ انجام کا ذکر و بیان،	۵۱۰
اہل جنت کے لئے دائمی امن وسلامتی کی خوشخبری،	۵۱۰

عنوانات	صفحہ
جنتیوں کے سینوں کی صفائی کا ذکر و بیان،	۵۱۰
جنت کے باسیوں کی باہمی بود و باش سچے بھائیوں کی طرح،	۵۱۱
اہل جنت کے لئے دائمی سکون و قرار کی بشارت،	۵۱۱
خوف و رجاء دونوں کی ضرورت،	۵۱۲
حضرت ابراہیمؑ کے مہمانوں کا عبرتوں بھرا قصہ سنانے کا حکم وارشاد	۵۱۲
پیغمبرؑ نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل،	۵۱۳
حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے خوشخبری در خوشخبری،	۵۱۳
اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا گمراہوں کا کام،	۵۱۴
فرشتوں کی اصل مہم کا ذکر و بیان،	۵۱۵
آل لوطؑ سے مقصود و مراد؟	۵۱۵
لوطؑ کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں، والعیاذ باللہ،	۵۱۵
پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ مختارِ کل،	۵۱۶
فرشتوں کا حضرتِ لوطؑ سے اظہار حقیقت اور افشائے راز،	۵۱۶
حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں کی ہدایت،	۵۱۷
اپنے متعلقین کے پیچھے چلنے کی ہدایت،	۵۱۷
حضرتِ لوط علیہ السلام کو خاص مقام تک چلنے کی ہدایت،	۵۱۷
قومِ لوط کے بدبختوں کے حال کا ذکر و بیان،	۵۱۸
قوم لوط کے تمرّد و سرکشی کی انتہاء اور اس کا عبرتناک انجام،	۵۱۹
﴿هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْٓ﴾ کا مطلب؟ اور حضرت لوطؑ کی بے بسی کا عالم	۵۲۰
اِتمامِ حجت اور عذابِ الٰہی کا وقوع۔ والعیاذ باللہ العظیم،	۵۲۰
بدبختوں پر نزولِ عذاب کا ذکر و بیان،	۵۲۱
فہم و فراست رکھنے والوں کیلئے بڑی بھاری نشانیاں،	۵۲۱

عنوانات	صفحہ
مُعذَّب قوموں سے درس عبرت لینے کی تحریک و ترغیب،	۵۲۲
غور و فکر کی دعوت و ترغیب،	۵۲۲
حِجر والوں کے جرم اِنکار و تکذیب کا ذکر و بیان،	۵۲۳
آیاتِ الٰہی سے اِعراض و رُوگردانی کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی،	۵۲۳
انکار و تکذیبِ حق کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی والعیاذ باللہ،	۵۲۳
محض مادی ترقی عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتی،	۵۲۴
کائنات کی تخلیق حق کے ساتھ،	۵۲۵
اللہ تعالیٰ کی صفت خلق و علم کا حوالہ و ذکر،	۵۲۵
﴿سبع مثانی﴾ سے مقصود و مراد؟	۵۲۶
نعمتِ قرآن کے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ،	۵۲۶
منکرین پر غم نہ کھانے کی ہدایت،	۵۲۶
ایمان والوں کے ساتھ رحمت و شفقت کے معاملے کی ہدایت،	۵۲۷
پیغمبر کا کام اِنذار و تبلیغ! اور بس،	۵۲۸
منکرین و مکذبین کیلئے بڑی تنبیہ، والعیاذ باللہ،	۵۲۸
﴿الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ﴾ سے مراد و مقصود؟	۵۲۹
سب کی بازپُرس کی قطعیت کا ذکر و بیان،	۵۳۰
شرک کے گھناؤنے پن اور پیغمبر کیلئے تسکین و تسلیہ کا ذکر و بیان،	۵۳۰
پیغمبر کے تسکین و تسلیہ کا سامان،	۵۳۰
رب کی تسبیح و تحمید کا حکم وارشاد،	۵۳۱
یقین سے مراد موت اور اس میں درسِ عبریت،	۵۳۱

عنوانات	صفحہ
سورۃ النحل (۱۶)	
﴿امر اللہ﴾ "اللہ کے حکم" سے مقصود ومراد؟	۵۳۲
عذاب کیلئے جلدی مچانے والوں کو تنبیہ،	۵۳۳
روح اور قلب کی زندگی وحی الٰہی سے،	۵۳۳
نبوت ورسالت محض انتخابِ خداوندی،	۵۳۴
عقیدۂ توحید کی عظمتِ شان،	۵۳۴
کائنات کی تخلیق حق کے ساتھ،	۵۳۵
انسان کی تخلیق ایک حقیر بُوند سے،	۵۳۵
ہدایت سے محروم انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ والعیاذ باللہ،	۵۳۶
چوپایوں میں درسہائے عبرت وبصیرت،	۵۳۶
چوپایوں کے ذریعے انسان کے کھانے کا انتظام،	۵۳۷
جانوروں میں ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان،	۵۳۷
جانوروں کے ذریعے باربرداری کی خدمت ونعمت کا ذکر وبیان،	۵۳۸
سواریوں کی نعمت کا ذکر وبیان،	۵۳۸
مزید طرح طرح کی سواریوں کی طرف اشارہ:،	۵۳۹
ہدایت وراہنمائی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری،	۵۴۰
ہدایتِ خداوندی کی عظمت واہمیت کا ذکر وبیان،	۵۴۰
جبری ہدایت نہ مفید ہے نہ مطلوب،	۵۴۱
نعمتِ آب رسانی کی تذکیر ویاددہانی،	۵۴۱
کھیتیوں اور پھلوں کے بارے میں دعوتِ غور وفکر،	۵۴۲
غور وفکر والوں کے لیے بڑی بھاری نشانی،	۵۴۲
نظام شمس وقمر میں دعوتِ غور فکر،	۵۴۳

عنوانات	صفحہ
عقلمندوں کیلئے بھاری نشانیاں،	۵۴۳
ہر پتہ معرفتِ کردگار کا ایک دفتر،	۵۴۴
سمندر کی تسخیر کی نعمت کا ذکر وبیان،	۵۴۴
تازہ گوشت کی نعمت کا ذکر وبیان،	۵۴۵
سامانِ زیب وزینت کی فراہمی کا انتظام،	۵۴۵
شکرِ نعمت کے تقاضے کا ذکر وبیان،	۵۴۶
زمین میں گاڑے گئے عظیم الشان لنگروں میں دعوت غور وفکر،	۵۴۶
بہتے دریاؤں اور انکی فیض رسانی میں دعوتِ غور وفکر،	۵۴۷
زمین میں پائے جانے والے راستوں میں دعوتِ غور وفکر،	۵۴۷
زمین کی مختلف علامتوں اور نشانیوں میں دعوتِ غور وفکر،	۵۴۷
ستاروں سے اہتداءً وراہنمائی کی نعمت کا ذکر وبیان،	۵۴۸
توحید خداوندی کی دلیل اس کی صفتِ خلق کے اعتبار سے،	۵۴۸
معبودانِ باطلہ کی نفی ایک لفظ سے،	۵۴۸
اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لامحدود وبے شمار،	۵۴۹
اللہ تعالیٰ کی صفتِ مغفرت وبخشش کا حوالہ وذکر،	۵۴۹
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کی شان،	۵۵۰
معبودانِ باطلہ کی بے حقیقتی کا ذکر وبیان،	۵۵۰
معبودانِ مِنْ دُوْنِ اللہ کی بے علمی اور بے خبری کا ذکر وبیان،	۵۵۱
استکبار یعنی اپنی بڑائی کا زعم اور گھمنڈ باعثِ ہلاکت وتباہی،	۵۵۲
مستکبرین کے استکبار کے ایک نمونہ اور مظہر کا ذکر وبیان،	۵۵۲
کفار ومنکرین کے ریمارکس قرآن حکیم کے بارے میں،	۵۵۳
مستکبرین ومنکرین کے ہولناک انجام کا ذکر وبیان،	۵۵۳

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
منکرین کیلئے دو ہولناک بوجھوں کا ذکر وبیان،	۵۵۳	متقیوں کے لیے جنت میں داخلے کا حکم وارشاد،	۵۶۲
مستکبرین ومتکبرین کیلئے بڑے ہی بُرے بوجھ، والعیاذ باللہ،	۵۵۴	آخر کا ہے کی انتظار میں ہیں یہ لوگ؟	۵۶۳
اہل کفر وباطل کی مکاریوں کا ذکر وبیان،	۵۵۴	حق سے منہ موڑنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ،	۵۶۳
اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت سب پر حاوی اور محیط،	۵۵۵	بُرے اَعمال کے بُرے نتیجے۔ والعیاذ باللہ،	۵۶۴
مکاروں کی مکاریاں خود انہی پر،	۵۵۵	حق اور اہلِ حق کا مذاق اڑانے والوں کا انجام بُرا،	۵۶۴
اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بے پناہی کا ذکر وبیان، والعیاذ باللہ،	۵۵۶	مشرکین کے ایک مغالطے کی تردید وتغلیط،	۵۶۵
اللہ تعالیٰ کا عذاب بے سان وگمان والعیاذ باللہ،	۵۵۶	موجودہ کفار ومشرکین اپنے پیشروں کے طریقے پر،	۵۶۵
منکروں کے لئے اصل عذاب آخرت میں، والعیاذ باللہ،	۵۵۶	پیغمبروں کے ذمے صرف پیغام رسانی اور بس،	۵۶۶
قیامت کے روز مشرکین کی رسوائی کا ایک منظر،	۵۵۷	طاغوت سے اجتناب کا حکم وارشاد،	۵۶۷
اہلِ علم کی عظمتِ شان اور قیامت کے		طلبِ صادق، باعثِ سرفرازی،	۵۶۷
روز ان کی مسرت کا سامان،	۵۵۷	عناد وہٹ دھرمی باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۵۶۷
ظالموں کی جان کنی کے وقت کا ہولناک منظر،	۵۵۸	اِنکار وتکذیبِ حق کا آخری انجام ہولناک تباہی۔ والعیاذ باللہ،	۵۶۸
اہلِ کفر وباطل کا اپنے جرم سے انکار،	۵۵۸	پیغمبر کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان،	۵۶۸
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۵۵۹	کفار کا قسمیں کھا کر آخرت کا انکار کرنا،	۵۶۹
منکروں کیلئے دوزخ میں داخلے کا حکم۔ والعیاذ باللہ،	۵۵۹	اکثر لوگ نورِ علم سے محروم والعیاذ باللہ،	۵۶۹
متکبروں کا ٹھکانہ بڑا ہی بُرا۔ والعیاذُ باللہ،	۵۵۹	اختلافات کا آخری فیصلہ قیامت کے دن ہی ہوگا،	۵۷۰
قرآن حکیم سراسر خیر وخوبی،	۵۶۰	اللہ تعالیٰ کی شان کن فیکون کا حوالہ وذکر،	۵۷۰
نیکوکاروں کیلئے دنیا وآخرت کی سعادت کی بشارت،	۵۶۰	اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کیلئے عمدہ ٹھکانے کا وعدہ	۵۷۱
اصل صلہ وبدلہ تو آخرت ہی کا ہے،	۵۶۱	علمِ حق کی عظمت واہمیت کا ایک مظہر،	۵۷۱
پرہیزگاروں کیلئے بڑا ہی عمدہ گھر،	۵۶۱	صبر واستقامت وسیلۂ سرخروئی وسعادت،	۵۷۲
اہل جنت کے کیلئے ہر خواہش کی تعمیل کی بشارت وخوشخبری،	۵۶۲	اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین،	۵۷۲
حُسنِ انجام اور خاتمہ بالخیر کی اہمیت،	۵۶۲	سب پیغمبر بشر اور مرد ہی ہوئے ہیں،	۵۷۳

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اہلِ ذکر کیطرف رجوع کرنے کی تعلیم وتلقین،	۵۷۳	منکرین کا معاملہ ان کے انجام کے حوالے،	۵۸۴
پیغمبر کا کام حق کو کھول کر بیان کر دینا اور بس،	۵۷۴	مشرکوں کی مت ماری کا ایک نمونہ ومظہر،	۵۸۴
منکرین کے مطالبۂ عذاب پر اظہار تعجب،	۵۷۵	شرک اللہ پر افتراء اور بہتان ہے، والعیاذ باللہ،	۵۸۴
عذابِ بے گماں سے تحذیر وتنبیہ،	۵۷۵	مشرکوں کو انکی جوابدہی کی تذکیر ویاد دہانی،	۵۸۵
اللہ تعالیٰ کا عذاب چلتے پھرتے والعیاذ باللہ،	۵۷۵	مشرکوں کی مت ماری کا ایک اور نمونہ ومظہر،	۵۸۵
منکرین کی بے بسی کا حوالہ وذکر وبیان،	۵۷۶	بُرے لوگوں کے بُرے فیصلے والعیاذ باللہ العظیم،	۵۸۶
اللہ کا عذاب خوف درخوف کی حالت میں۔ والعیاذ باللہ،	۵۷۶	ایمان سے محروم لوگوں کے لئے بڑی بُری مثال،	۵۸۶
اللہ تعالیٰ کی رحمت ورأفت کا حوالہ وذکر، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۵۷۷	اور اللہ ہی کیلئے ہے سب سے عمدہ مثال،	۵۸۷
خلقِ خدا کے احوال میں غور وفکر کی دعوت، وباللہ التوفیق،	۵۷۷	اللہ تعالیٰ کی شانِ عفو ودرگزر کا ایک نمونہ ومظہر،	۵۸۷
کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز، سبحانہٗ وتعالیٰ	۵۷۸	اللہ تعالیٰ کی ڈھیل ایک مقررہ وقت تک کیلئے،	۵۸۸
فرشتوں کی فروتنی اور فرمانبرداری کا ذکر وبیان،	۵۷۸	مشرکوں کی حماقت وجہالت کا ایک اور مظہر،	۵۸۸
فرشتوں کی شانِ خوف وخشیت ذکر وبیان،	۵۷۹	اہل باطل کا ایک دعوائے باطل،	۵۸۹
فرشتوں کی شانِ اطاعت وامتثال کا ذکر وبیان،	۵۷۹	منکرین ومشرکین کیلئے عذاب دوزخ لازم،	۵۸۹
معبود برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے،	۵۷۹	اہل کفر وباطل کے لئے شیطان کی تزیین وتسویل ذکر وبیان	۵۹۰
کائنات ساری اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ہے،	۵۸۰	حدیث رسول کے توسُّط کے بغیر قرآن حکیم کو سمجھنا ممکن نہیں ،	۵۹۰
اطاعت مطلقہ اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے،	۵۸۰	قرآنی ہدایت سے سرفرازی کے لیے اوّلین شرط ایمان ہے،	۵۹۱
منکرین ومنحرفین کے دلوں پر ایک دستک،	۵۸۰	وہی زندہ کرتا ہے زمین کو اسکے مرجانے کے بعد،	۵۹۲
ہر نعمت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۵۸۱	سننے والوں کے لئے بڑی بھاری نشانی،	۵۹۲
مصیبت کے وقت اللہ ہی کیطرف رجوع میں درسِ عظیم،	۵۸۲	مویشیوں میں دعوتِ غور وفکر،	۵۹۳
مشرک انسان کی احسان فراموشی اور بے انصافی کا ایک نمونہ ومظہر،	۵۸۲	دودھ کی نعمت میں دعوتِ غور وفکر،	۵۹۳
		کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں دعوت غور وفکر،	۵۹۴
منکرین کیلئے ایک تنبیہ وتذکیر،	۵۸۳	عقل سے کام لینے والوں کیلئے بڑی بھاری نشانی،	۵۹۴

عنوانات	صفحہ
شہد کی مکھی میں درس عبرت وبصیرت،	۵۹۵
شہد کی مکھی کو ہر طرح کے پھلوں سے رس چوسنے کی ہدایت،	۵۹۵
شہد کی مکھی کو اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں پر چلنے کا حکم وارشاد،	۵۹۶
شہد کے اندر سامان عبرت وبصیرت،	۵۹۶
شہد کے اندر لوگوں کیلئے شفاء،	۵۹۶
غور وفکر کرنے والوں کیلئے بھاری نشانی،	۵۹۷
خالق سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے،	۵۹۷
زندگی اور موت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۵۹۷
ارذلِ عمر کی تذکیر و یاددہانی،	۵۹۸
اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کی تذکیر و یاددہانی،	۵۹۸
رزق وروزی بھی خداوندِ قدوس ہی کا عطیہ واحسان ہے،	۵۹۹
توحید کیلئے ایک فطری دلیل کیطرف راہنمائی،	۵۹۹
منکرین ومشرکین کے دلوں پر ایک دستک،	۶۰۰
بیوی بچوں کی نعمت سے متعلق تذکیر و یاددہانی،	۶۰۰
اور اُسی نے تمہیں بیٹوں اور پوتوں سے نواز،	۶۰۱
پھر بھی اللہ کی نعمتوں کا انکار؟	۶۰۱
مشرکوں کی حماقت کا ایک اور نمونہ،	۶۰۲
معبودانِ باطلہ کے بس میں کچھ بھی نہیں،	۶۰۳
اللہ تعالیٰ کیلئے مثالیں بیان کرنے کی ممانعت،	۶۰۳
اللہ پاک اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ،	۶۰۳
ابطالِ شرک کے لئے ایک مثال کا ذکر وبیان،	۶۰۴
مشرکوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے والا سوال،	۶۰۴
سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں،	۶۰۴
جہالت باعثِ محرومی وہلاکت،	۶۰۴
ابطالِ شرک کیلئے ایک اور مثال کا ذکر وبیان،	۶۰۵
علمِ غیب خاصۂ خداوندی،	۶۰۵
قیامت کا وقوع پل بھر میں یا اس سے بھی جلدتر،	۶۰۶
دلائل انفسی میں غور وفکر کی دعوت،	۶۰۶
کانوں اور آنکھوں کی نعمت کے بارے میں غور وفکر کا سامان،	۶۰۷
نعمتِ دل کی عنایت اور اس کا تقاضا،	۶۰۷
فضاؤں میں اڑتے پھرتے پرندوں میں سامانِ عبرت وبصیرت،	۶۰۸
دولتِ ایمان ایک عظیم الشان اور بے مثال دولت ہے،	۶۰۸
تمہارے گھروں میں سامانِ غور وفکر،	۶۰۸
چوپایوں سے متعلق ایک نعمت کی تذکیر و یاددہانی،	۶۰۹
تمہارے لیے ہلکے پھلکے مکانوں کا انتظام،	۶۰۹
آثاثِ منزل میں سامانِ غور وفکر،	۶۱۰
یہ سب کچھ عارضی وفانی، والبقاءُ للہ وحدہٗ،	۶۱۰
سایوں کی نعمت کا انتظام،	۶۱۰
پہاڑی پناہ گاہوں میں سامان عبرت وبصیرت،	۶۱۰
تمہارے لباسوں میں سامان عبرت وبصیرت،	۶۱۱
تمہاری زرہوں کے اندر بھی درسِ عبرت وبصیرت ہے،	۶۱۱
عطاءِ نعمت کا تقاضا قدرِ نعمت اور شکر منعم،	۶۱۲
پیغمبر علیہ السلام کے ذمے پیغام حق پہنچا دینا ہے اور بس،	۶۱۲
جانتے بوجھتے اللہ کی نعمتوں کا انکار۔ والعیاذ باللہ،	۶۱۳

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
عوام کی اکثریت حق کی دلیل نہیں ہوسکتی،	۶۱۳	رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا حکم،	۶۲۱
روزِ قیامت کی تذکیر و یاددہانی،	۶۱۳	بے حیائی کی ممانعت کا ذکر و بیان،	۶۲۲
قیامت کے روز کسی کے لئے کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی،	۶۱۴	برائی کی ممانعت کا ذکر و بیان،	۶۲۲
		ظلم و زیادتی سے ممانعت کا ذکر و بیان،	۶۲۲
اور نہ ہی کسی سے راضی کرنے کو کہا جائے گا،	۶۱۴	اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا حکم وارشاد،	۶۲۳
ظالموں کا ہولناک انجام۔ والعیاذ باللہ،	۶۱۵	اپنی قسموں کو توڑنے کی ممانعت،	۶۲۳
ظالموں کے عذاب میں کوئی تخفیف نہ ہوگی، والعیاذ باللہ،	۶۱۵	اللہ سے اپنا معاملہ صاف رکھنے کی تعلیم و تلقین،	۶۲۴
مشرکوں کا اس روز اپنے خودساختہ شریکوں پر اظہارِ غیظ وغضب،	۶۱۶	اپنے کیے پر پانی نہیں پھیرنا،	۶۲۴
شریکوں کا ان مشرکوں کو پرلے درجے کا جھوٹا قرار دینا،	۶۱۶	عہد شکنی کے اصل محرک کی نشاندہی،	۶۲۵
اہل کفر و باطل کی تمام افتراء پردازیاں اس روز تتر بتر،	۶۱۷	اختلافِ درجات ذریعہ آزمائش و ابتلاء،	۶۲۵
لیڈرانِ کفر و شرک کی حق دشمن کاروائیاں،	۶۱۷	اصل اور آخری فیصلہ قیامت کے دن ہوگا،	۶۲۶
پیشوایانِ کفر و باطل کے لئے عذاب پر عذاب،	۶۱۷	جبر و اکراہ کا ایمان مطلوب نہیں،	۶۲۶
جرم اِفساد کی سنگینی و خطورت،	۶۱۸	انسان کے معاملے کا مدار و اِنحصار اسکی اپنی نیت و ارادہ پر،	۶۲۷
روزِ قیامت کی تذکیر مکرر اور اسکی عظمتِ شان،	۶۱۸	یوم حساب کی بازپرس کی تذکیر و یاددہانی،	۶۲۷
حضرتِ خاتم الانبیاء کی گواہی اپنی امت پر،	۶۱۸	اپنی قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کی ممانعت،	۶۲۸
کتاب الٰہی اِتمام حجت کا سب سے بڑا ذریعہ،	۶۱۹	اللہ تعالیٰ کے عہد کے بدلے میں ثمنِ قلیل کو اپنانے کی ممانعت،	۶۲۸
﴿تِبیانًا لِکُلِّ شَیءٍ﴾ کا مطلب؟	۶۱۹	اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کی عظمتِ شان کی تذکیر و یاددہانی،	۶۲۹
قرآنِ حکیم سراسر ہدایت،	۶۲۰	تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب فانی ہے،	۶۲۹
قرآنِ حکیم عین رحمت اور عظیم الشان خوشخبری،	۶۲۰	صبر و استقامت والوں کیلئے بشارت،	۶۲۹
قرآنِ حکیم سے استفادے کی اولین شرط انقیاد و تسلیم،	۶۲۰	مدارِ نجات ایمان و عمل ہے، اور بس،	۶۳۰
عدل و انصاف کا حکم وارشاد،	۶۲۱	ایمان صادق کی عظمتِ شان کا ایک اہم مظہر،	۶۳۱
احسان کا حکم وارشاد،	۶۲۱	تلاوتِ قرآن سے متعلق ایک اہم ادب،	۶۳۱

عنوانات	صفحہ
شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم وارشاد،	۶۳۱
اللہ پر بھروسہ شیطان اور اسکے شر سے بچنے کا ذریعہ،	۶۳۲
شیطان کا زور اس کے دوستوں پر،	۶۳۲
اَحکامِ شریعت کی تبدیلی پر دشمنوں کے اعتراض کا ذکر،	۶۳۲
منکرین کے اعتراض کا جواب،	۶۳۳
قرآنِ حکیم کی عظمت شان کا ذکر و بیان،	۶۳۳
قرآنِ حکیم ثابت قدمی کا ذریعہ ووسیلہ،	۶۳۴
منکرین کے ایک اور اعتراض کا جواب،	۶۳۴
بدنیتوں کیلئے محرومی ہی محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۶۳۵
جھوٹ گھڑنا بے ایمانوں کا کام۔ والعیاذ باللہ،	۶۳۶
مجبور ولاچار شخص کے استثناء کا ذکر و بیان،	۶۳۶
ارتداد کے جرم کی سنگینی اور اسکی ہولناک سزا۔ والعیاذُ باللہ،	۶۳۷
دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا محرومی وفساد کی جڑ، بنیاد۔ والعیاذ باللہ،	۶۳۸
اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا،	۶۳۸
ہٹ دھرمی باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ،	۶۳۹
غفلت ولاپرواہی محرومی کی جڑ بنیاد۔ والعیاذُ باللہ،	۶۳۹
غفلت ولاپرواہی باعثِ محرومی، والعیاذُ باللہ،	۶۳۹
اللہ تعالیٰ کی مغفرت وعنایت بے نہایت کا مژدہ جانفزا،	۶۴۰
ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر وعدۂ بخشش ورحمت،	۶۴۱
اَعمال صالحہ کی عظمتِ شان،	۶۴۱
روزِ قیامت کی ہولناکی کی تذکیر و یاددہانی،	۶۴۲
انسان کو اپنے اعمال کا پورا بدلہ قیامت کے روز ہی مل سکے گا،	۶۴۲
قیامت کے روز پورا پورا عدل وانصاف ہوگا،	۶۴۳
امن ورزق کی دو عظیم الشان نعمتوں کا ذکر و بیان،	۶۴۳
شکر کی بجائے کفرانِ نعمت کا ارتکاب، والعیاذُ باللہ،	۶۴۴
کفرانِ نعمت کا نتیجہ بھوک اور خوف کا تسلط۔ والعیاذُ باللہ،	۶۴۴
انسان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں بھی،	۶۴۵
بعثتِ رسول کی نعمتِ عظمیٰ اور اس کا تقاضا،	۶۴۵
انکار وتکذیبِ حق کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی، والعیاذُ باللہ	۶۴۶
اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے استفادے کا حکم وارشاد،	۶۴۷
شکرِ منعم کی تعلیم وتلقین، وباللہ التوفیق،	۶۴۷
تحریماتِ الٰہیہ کا ذکر و بیان،	۶۴۷
غیر اللہ کی طرف منسوب چیز کی حرمت کا ذکر و بیان،	۶۴۸
مضطر کیلئے اکلِ حرام کی مشروط اجازت،	۶۴۸
تحلیل وتحریم اللہ تعالیٰ ہی کی صفتِ وشان،	۶۴۸
افتراء پرداز کبھی فلاح نہیں پاسکتے،	۶۴۹
افتراء پردازوں کیلئے چندروز دنیا کے فائدے اور بس،	۶۵۰
یہودیوں پر بعض پاکیزہ چیزوں کی حرمت،	۶۵۰
اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت وسرکشی ظلم ہے۔ والعیاذُ باللہ،	۶۵۰
سچی توبہ باعثِ سرفرازی۔ وباللہ التوفیق،	۶۵۰
رب تعالیٰ کی عظیم الشان بخشش اور رحمت کا مژدۂ جانفزا،	۶۵۱
ابراہیمؑ ایک امت تھے،	۶۵۱
ابراہیمؑ اللہ کے فرمانبردار اور یکسو تھے،	۶۵۲
ابراہیمؑ کا مشرکوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا،	۶۵۲

عنوانات	صفحہ
ابراہیمؑ کو اللہ نے چن لیا تھا،	۶۵۳
ابراہیمؑ کے لئے دنیا میں بھی عظیم الشان انعام،	۶۵۳
اور اصل انعام تو انکو آخرت میں ملے گا،	۶۵۴
حضرت امام الانبیاء کو بھی ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم وارشاد،	۶۵۴
حکمِ سبت ملتِ ابراہیمی کا جزء نہیں تھا،	۶۵۵
اختلافات کا آخری فیصلہ قیامت کے روز،	۶۵۶
دعوتِ حق کا حکم وارشاد اور اسکے اہم آداب کی تعلیم وتلقین،	۶۵۶
اللہ اپنے بندوں کے ہر حال کو جانتا ہے،	۶۵۷
بدلہ لینے میں انصاف کی تعلیم،	۶۵۷
صبر وبرداشت سے کام لینا بہر حال بہتر ہے،	۶۵۸
صبر کی تلقین اور حصول صبر کے ذریعے کی تعلیم،	۶۵۸
معیتِ خداوندی کا مژدۂ جانفزاء اور اس سے سرفرازی کا ذریعہ،	۶۵۹
سورۃ بنی اسرآئیل (۱۷)	
اللہ تعالیٰ کی پاکی اور عظمتِ شان کا ذکر وبیان،	۶۶۰
پیغمبر کی شانِ عبدیت کا ذکر وبیان،	۶۶۰
مسجد اقصیٰ کی سرزمین کے مبارک وبابرکت ہونے کا ذکر وبیان،	۶۶۱
بیشک اللہ ہی سمیع اور بصیر ہے،	۶۶۲
حضرتِ موسیٰ کے اکرام واعزاز کا ذکر،	۶۶۲
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز بنانا ممنوع،	۶۶۳
شکر گزاری کی مؤثر اور بلیغ انداز میں تعلیم وتلقین،	۶۶۳
حضرتِ نوحؑ کی صفتِ شکر کی تعریف وتوصیف،	۶۶۴
بنی اسرائیل کو ان کے ہولناک انجام سے آگہی،	۶۶۴
بنی اسرائیل کے دو مرتبہ فساد پھیلانے کا ذکر وبیان،	۶۶۴
بنی اسرائیل کی بڑی سرکشی کا ذکر وبیان،	۶۶۵
اللہ کا وعدہ اٹل اور قطعی، سبحانہٗ وتعالیٰ،	۶۶۵
بنی اسرائیل کیلئے دوبارہ غلبہ وعطاء کا وعدہ،	۶۶۶
انسان کی اچھائی اس کے خود اپنے ہی لئے،	۶۶۷
بنی اسرائیل کی دوسری سرکشی اور عذاب کا ذکر،	۶۶۸
بنی اسرائیل سے آئندہ کیلئے رحمت کا وعدہ اور انکو حق کی دعوت،	۶۶۸
قانونِ مکافات کی تذکیر ویاددہانی،	۶۶۹
کافروں کیلئے دوزخ کا انتہائی ہولناک قید خانہ،	۶۶۹
قرآن کی راہنمائی سب سے زیادہ سیدھے راستے کی طرف،	۶۷۰
قرآن حکیم سے حقیقی استفادہ وفیضیابی کیلئے اولین شرط ایمانِ صادق،	۶۷۰
اہل ایمان کیلئے اجرِ کبیر کا مژدۂ جانفزا،	۶۷۰
ایمان سے محروم لوگوں کیلئے بڑا دردناک عذاب، والعیاذ باللہ	۶۷۱
ہدایت سے محروم انسان کی مت ماری کا ایک نمونہ،	۶۷۱
انسان کی طبعی جلد بازی کا ذکر وبیان،	۶۷۲
رات ودن کی دو عظیم نشانیوں میں سامانِ عبرت وبصیرت،	۶۷۲
رات کی نشانی میں رحمتِ خداوندی کا ایک اور خاص پہلو،	۶۷۳
دن کی نشانی کا ایک خاص اور امتیازی پہلو،	۶۷۳
روزی محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے،	۶۷۴

عنوانات	صفحہ
سلسلہ شب وروز کے ایک اور فائدہ کا ذکر وبیان،	۶۷۴
ہر انسان کا شگون خود اُس کے اپنے گلے میں،	۶۷۵
قیامت کے روز ہر انسان کا اعمال نامہ اسکے سامنے،	۶۷۵
قیامت کے روز ہر کسی کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا،	۶۷۶
سیدھی راہ کو اپنانے کا فائدہ خود انسان کے اپنے ہی لیے،	۶۷۶
ہر کسی کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا۔ والعیاذ باللہ،	۶۷۷
اتمام حجت سے متعلق دستورِ الٰہی کا ذکر وبیان،	۶۷۷
عیش پرستی ہولناک انجام کا پیش خیمہ۔ والعیاذ باللہ،	۶۷۷
اعراض وسرکشی کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ،	۶۷۸
اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم وآگہی کا حوالہ وذکر،	۶۷۸
طالبِ دنیا کے لئے صرف دنیا اور وہ بھی مقدر کے مطابق،	۶۷۹
ایسوں کیلئے آخرت میں دوزخ ہی ہوگا۔ والعیاذ باللہ،	۶۷۹
فوزِ آخرت کی سرفرازی کیلئے تین بنیادی شرطیں،	۶۸۰
اللہ تعالیٰ کی دنیاوی عطاء وبخشش سب کے لئے عام،	۶۸۰
رب کی عطاء وبخشش کسی کیلئے بند نہیں،	۶۸۱
دنیا میں لوگوں کیلئے ایک دوسرے پر فضیلت وفوقیت،	۶۸۱
اور آخرت کے درجات تو یقیناً اس سے کہیں بڑھ کر ہونگے،	۶۸۲
فوزِ آخرت سے سرفرازی کی اساس عقیدۂ توحید،	۶۸۲
عبادت وبندگی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کا حق،	۶۸۳
اللہ کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا،	۶۸۳
والدین کو اُف کہنے کی بھی اجازت نہیں،	۶۸۳
والدین کے لئے تقاضائے ادب کی رعایت اور دعائے خیر کی تعلیم وتلقین،	۶۸۴
والدین کے حقِ تربیت کی تذکیر ویاددہانی،	۶۸۵
سچی توبہ کرنے والوں کیلئے بخشش کا مژدۂ جانفزا،	۶۸۵
بے جا خرچ کرنے کی ممانعت،	۶۸۶
اہل حقوق سے نرم بات کہنے کی ہدایت،	۶۸۷
بخل اور کنجوسی سے ممانعت،	۶۸۷
فضول خرچی سے ممانعت اور توسط واعتدال کی تعلیم وتلقین،	۶۸۷
روزی کی تنگی وکشادگی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں،	۶۸۷
ہر کسی کی روزی اللہ تعالیٰ ہی کے ذمے،	۶۸۸
زنا کے قریب پھٹکنے کی بھی ممانعت،	۶۸۸
زنا کاری کھلی بے حیائی اور بہت بُری راہ ہے۔ والعیاذ باللہ،	۶۸۸
قتل ناحق کی ممانعت،	۶۸۹
اولیائے مقتول کیلئے پورا اختیار،	۶۸۹
ولیٔ مقتول کو حد سے بڑھنے کی ممانعت،	۶۸۹
مال یتیم کی حفاظت کی تعلیم وتلقین،	۶۹۰
اپنے عہد وپیمان کو پورا کرنے کا حکم،	۶۹۰
ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم وارشاد،	۶۹۱
ناپ تول کو پورا کرنے میں دنیا وآخرت کی بہتری اور بھلائی،	۶۹۱
بغیر علم کے کسی چیز کے پیچھے لگنے کی ممانعت،	۶۹۲
آخرت کی باز پُرس کی تذکیر ویاددہانی،	۶۹۳
زمین پر اکڑ کر چلنے کی ممانعت،	۶۹۳

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
یہ نصیحتیں قطعی طور پر حق اور صدق ہیں،	۶۹۳	مسلمانوں کو حُسنِ تخاطب کی تعلیم وتلقین،	۷۰۳
عقیدۂ توحید ہر خیر کی اساس وبنیاد،	۶۹۳	شیطان کے شر اور فساد سے محتاط رہنے کی ضرورت،	۷۰۴
شرک کا انجام سیدھا جہنم۔ والعیاذ باللہ،	۶۹۴	شیطان انسان کا کھلا دشمن۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم،	۷۰۴
فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے کے شرک کا ذکر وبیان،	۶۹۵	رب اگر چاہے تو تم پر رحم فرمادے،	۷۰۴
عناد وہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم	۶۹۵	اور وہ اگر چاہے تو تم کو عذاب میں ڈال دے،	۷۰۵
تردیدِ شرک کے لئے ایک ٹھوس عقلی دلیل،	۶۹۶	پیغمبر کی اصل ذمہ داری تبلیغ حق ہے اور بس،	۷۰۵
اللہ تعالیٰ کی شان تنزیہہ کا ذکر وبیان،	۶۹۶	اللہ سب کچھ جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے،	۷۰۶
ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے،	۶۹۷	حضرتِ داؤد علیہ السلام کا اصل شرف عطاءِ زبور تھا،	۷۰۶
اللہ تعالیٰ کی صفتِ حلم اور مغفرت کا حوالہ وذکر،	۶۹۷	ابطالِ شرک کیلئے مشرکوں سے خطاب،	۷۰۷
ایک عظیم الشان تسبیح کی تعلیم وتلقین،	۶۹۸	یہ پاکیزہ ہستیاں خود اللہ کا قرب ڈھونڈتی ہیں،	۷۰۸
عناد اور ہٹ دھرمی محرومی وفساد کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ،	۶۹۸	لفظِ ''وسیلہ'' کا معنی اور اس سے مراد؟	۷۰۸
ہٹ دھرموں کے کان بند، اور انکے دل ماؤف۔ والعیاذ باللہ،	۶۹۸	ان پاکیزہ ہستیوں کی شانِ عبدیت وبندگی،	۷۰۹
مشرکوں کی توحید سے نفرت ونا گواری کا ذکر وبیان،	۶۹۹	ظالموں نے اپنے ظلم کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہے،	۷۱۰
مشرکوں کے ذکرِ توحید سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا ذکر،	۷۰۰	نوشتۂ تقدیر کا حوالہ وذکر،	۷۱۰
بدنیتی کا سننا باعث محرومی والعیاذ باللہ،	۷۰۰	فرمائشی معجزوں کے مطالبہ کو پورا نہ کرنے کی حکمت اور وجہ،	۷۱۱
انکارِ حق کا نتیجہ مت ماری اور حواس باختگی والعیاذ باللہ،	۷۰۰	تنبیہی نشانیوں کے بارے میں کفارِ قریش کا رویہ،	۷۱۱
منکرین کا بعث بعد الموت پر اچنبھا،	۷۰۱	معجزۂ معراج اور منکرین کی فتنہ سامانی،	۷۱۲
تم لوگوں کو بہر حال دوبارہ اٹھنا ہے،	۷۰۱	شجرۂ ملعونہ سے مراد اور اسکی وجہ ابتلاء؟	۷۱۲
منکرینِ بعث کیلئے مختصر اور بھرپور جواب،	۷۰۲	قدرت کی طرف سے تخویف وتنبیہ کی عنایت،	۷۱۳
قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے،	۷۰۲	منکرین کی طغیانی اور سرکشی ہی میں اضافہ، والعیاذ باللہ،	۷۱۳
قیامت کے روز منکرین کا حال،	۷۰۲	قصہ آدم کی تذکیر ویاد دہانی برائے عبرت پذیری،	۷۱۴
اُس روز دنیا کی زندگی تم کو بہت تھوڑی لگے گی،	۷۰۳	ابلیس کی متکبرانہ ابلیسی منطق اور اس کا انجام،	۷۱۴

عنوانات	صفحہ
ابلیس کا چیلنج حضرتِ حق جل مجدہٗ کے حضور،	۷۱۵
شیطان کی پیروی کا انجام دوزخ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم،	۷۱۵
شیطان کو اسکے شیطانی ہتھکنڈوں کی کھلی چھوٹ،	۷۱۵
شیطانی اغواء واضلال کا ایک بڑا ہتھکنڈا مالوں میں شرک،	۷۱۶
اغوائے شیطانی کا ایک اور بڑا ہتھکنڈا اولاد میں شرک،	۷۱۶
شیطان کے وعدے دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتے،	۷۱۷
دلائلِ توحید وعظمتِ خداوندی،	۷۱۷
انسان کی فطرت میں دلیلِ توحید کا وجود،	۷۱۸
انسان کی ناشکری اور بے انصافی کا ایک نمونہ ومظہر،	۷۱۹
واقعی انسان بڑا ہی ناشکرا ہے والعیاذ باللّٰہ ،	۷۱۹
خدا کے عذاب سے کبھی بھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے،	۷۲۰
اللہ کا عذاب پتھر برسانے والی ہوا کی شکل میں بھی آسکتا ہے،	۷۲۰
اللہ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ،	۷۲۰
بنی آدم کی تکریم وتفضیل اور اس کے مقتضیٰ کی تذکیر ویاددہانی،	۷۲۱
قیامت کے روز ہر گروہ کی حاضری اس کے پیشوا کے ساتھ،	۷۲۱
اصحابِ یمین اور انکی عظمتِ شان،	۷۲۲
نورِ حق وہدایت سے منہ موڑنے والے اندھے اور اوندھے ہیں،	۷۲۳
نورِ حق وہدایت سے محروموں کیلئے دنیا وآخرت کی دائمی محرومی ہے، والعیاذُ باللہ،	۷۲۳
منکرین ومکذبین کی آخرت کی محرومی وبدحالی بدرجہا زیادہ ہوگی،	۷۲۴
پیغمبر کیلئے خاص حفاظت وحمایت خداوندی کا ذکر وبیان،	۷۲۴
کفار ومشرکین کی اصل دشمنی حق کے ساتھ،	۷۲۵
پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص کرم واحسان کا ذکر وبیان،	۷۲۶
راہِ حق سے پھرنے کا انجام بڑا ہی ہولناک، والعیاذُ باللہ،	۷۲۶
اہلِ کفر وباطل کی عداوت ودشمنی کی انتہا،	۷۲۷
پیغمبر کا وجود باعثِ رحمت وامان،	۷۲۷
اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی،	۷۲۸
اقامتِ صلوٰۃ نصرتِ خداوندی سے سرفرازی کا ذریعہ،	۷۲۸
پنجگانہ نمازوں اور اُن کے اوقات کی طرف اشارہ،	۷۲۸
نمازِ فجر کی خصوصی اہمیت اور عظمتِ شان،	۷۲۹
مقامِ محمود سے مقصود ومراد؟	۷۲۹
پیغمبر کو ایک خاص دعاء کی تعلیم وتلقین،	۷۳۰
اللہ تعالیٰ کے حضور نصرت والے غلبے کی دعا ودرخواست،	۷۳۰
اعلانِ حق کا حکم وارشاد،	۷۳۱
باطل ہے ہی مٹ کر رہنے والی چیز،	۷۳۱
قرآنِ حکیم سراسر شفاء، والحمدللہ جلّ جلالہ،	۷۳۲
ظالموں کیلئے خسارہ درخسارہ۔ والعیاذ باللّٰہ،	۷۳۲
تھڑ حوصلہ اور تنگ ظرف انسان کا حال،	۷۳۳
منکرین ومخالفین کے روح کے بارے میں سوال کرنے کا ذکر وبیان،	۷۳۴
روح کا تعلق عالم امر سے،	۷۳۴
انسان کا علم تھوڑا اور بہت تھوڑا ہے،	۷۳۵
وحی ربانی محض انعام واحسانِ خداوندی،	۷۳۵

عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کا کوئی کارساز نہیں ہوسکتا،	۷۳۶
پیغمبر پر رب کا خاص فضل وکرم،	۷۳۶
پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل،	۷۳۷
قرآن حکیم ایک زندۂ جاوید اور بے مثال معجزہ،	۷۳۷
قرآنِ مجید میں ہر عمدہ مضمون کا نہایت عمدگی سے بیان،	۷۳۸
لوگوں کی اکثریت ہمیشہ منکروں اور ناشکروں کی رہی،	۷۳۸
منکرین کے فرمائشی معجزوں کا ذکر و بیان،	۷۳۹
ایک عظیم الشان باغ کی فرمائش،	۷۳۹
باغ بھی خاص قسم کا،	۷۳۹
نہریں چلادینے کا مطالبہ،	۷۳۹
آسمان کے ٹکڑے گرادینے کا مطالبہ،	۷۴۰
اللہ اور اسکے فرشتوں کو سامنے لا کھڑا کرنے کا مطالبہ،	۷۴۰
سونے کے گھر کا مطالبہ،	۷۴۰
آسمان پر چڑھنے کا مطالبہ،	۷۴۱
آسمان سے کتاب اتار لانے کا مطالبہ،	۷۴۱
منکرین کے ان مطالبوں کا مختصر اور جامع جواب،	۷۴۱
پیغمبر کا اپنی بشریت کے بارے میں صاف وصریح اعلان،	۷۴۲
منکرین کے انکار کے سبب کی نشاندہی،	۷۴۲
بشریتِ رُسل، تقاضاءِ عقل وفطرت،	۷۴۳
اللہ کی گواہی کافی اور سب پر حاوی،	۷۴۳
ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۷۴۴
مشیت اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت ہے، سبحانہ وتعالیٰ،	۷۴۴
منکروں اور محروموں کیلئے کوئی مددگار نہیں ہوسکتا،	۷۴۵
منکرین کا حشر ان کے مونہوں کے بل، والعیاذ باللہ،	۷۴۵
منکرینِ حق اندھے بہرے اور گونگے، والعیاذ باللہ،	۷۴۵
جہنم کی آگ کبھی بجھنے نہ پائے گی، والعیاذ باللہ،	۷۴۶
انکارِ حق جرموں کا جرم، والعیاذ باللہ،	۷۴۶
آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بعث بعد الموت پر استدلال،	۷۴۷
بعث بعد الموت کیلئے ایک وقت مقرر ہے،	۷۴۷
انسان کی تنگ ظرفی کا ایک نمونہ ومظہر،	۷۴۸
ایمان وہدایت سے سرفرازی کی اصل بنیاد طلب صادق ہے،	۷۴۸
فرعون کا فرعونیت بھرا جواب،	۷۴۹
حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا خطاب فرعون سے،	۷۴۹
حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا مبنی برحق وحقیقت جواب،	۷۴۹
فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کو اکھاڑ پھینکنے کا منصوبہ،	۷۵۰
فرعون کا آخری انجام اور اسکی غرقابی،	۷۵۰
فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کیلئے انعام کا ذکر و بیان،	۷۵۱
بنی اسرائیل کیلئے دوسرے وعدے کا ذکر اور اس سے مقصود ومراد؟	۷۵۱
قرآن حکیم کو حق ہی کے ساتھ اتارا گیا،	۷۵۲
اور یہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا،	۷۵۲
قرآنِ حکیم کا نزول تدریج کے ساتھ،	۷۵۳
قرآنِ حکیم بہرحال حق اور صدق ہے،	۷۵۳
قرآنِ حکیم کی قدر وقیمت اور عظمتِ شان اہلِ ایمان کی یہاں،	۷۵۳

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
قرآنِ حکیم کا نزول عہدِ خداوندی کا ایفاء،	۷۵۴	اہلِ ایمان کیلئے ہدایت میں اضافے کا ذکر و بیان،	۷۶۴
عظمتِ قرآن کیلئے رونا ایک عظیم الشان سعادت،	۷۵۵	اصحاب کہف کیلئے قدرت کی طرف سے دلوں کی مضبوطی کا انتظام،	۷۶۴
رحمان بھی اللہ تعالیٰ ہی کا نام ہے سبحانہ وتعالیٰ،	۷۵۵	اصحابِ کہف کے اعلانِ توحید کا ذکر و بیان،	۷۶۵
نماز میں آواز کو زیادہ بلند کرنے کی ممانعت،	۷۵۵	معبود برحق اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے،	۷۶۵
زیادہ پست آواز سے پڑھنے کی بھی ممانعت،	۷۵۵	مشرکوں سے دلیل کا مطالبہ،	۷۶۵
توسط واعتدال کی تعلیم،	۷۵۶	اہلِ کفر وشرک سے علیحدگی کا اعلان،	۷۶۶
رب کی حمد وثناء اور اُسی کی تعظیم وتکبیر کی تعلیم وتلقین،	۷۵۶	اپنے دین وایمان کی حفاظت کی فکر وکوشش کا درس،	۷۶۶
سورة الكهف (۱۸)		اللہ ہی پر بھروسہ واعتماد کا درس،	۷۶۷
نعمتِ قرآن اور اُس کی عظمتِ شان،	۷۵۷	اللہ پر بھروسہ غیبی امداد سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ،	۷۶۷
قرآن حکیم میں کسی طرح کی کوئی کجی نہیں،	۷۵۸	غار میں انکی حفاظت کا خاص قدرتی انتظام،	۷۶۷
قَیِّمَ کا معنیٰ ومطلب؟	۷۵۸	ہدایت کی دولت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۷۶۸
اس کتابِ حکیم کے دو بنیادی مقصد اِنذار اور تبشیر،	۷۵۸	اللہ تعالیٰ کے کسی کو گمراہ کرنے کا مطلب؟	۷۶۸
مشرکوں کیلئے بطورِ خاص انذار،	۷۵۹	محروموں کے لئے ہدایت ممکن نہیں،	۷۶۸
نورِ علم وہدایت سے محرومی ہلاکتوں کی ہلاکت۔ والعیاذ باللہ،	۷۵۹	اصحاب کہف کی حفاظت کیلئے قدرت کی طرف سے خاص انتظام،	۷۶۹
اللہ کیلئے اولاد تجویز کرنا بڑا ہولناک جرم۔ والعیاذ باللہ،	۷۶۰	اصحابِ کہف کی کروٹیں بدلنے کا انتظام	
پیغمبر کی بے مثال شفقت ورحمت کا ایک نمونہ ومظہر،	۷۶۱	بھی قدرت کی طرف سے،	۷۶۹
متاعِ دنیا ذریعۂ آزمائش وابتلاء والعیاذ باللہ العظیم،	۷۶۱	اصحابِ کہف کی حفاظت ان کے کتے کے ذریعے،	۷۶۹
دنیا کا انجام فنا وزوال،	۷۶۲	قدرت کی طرف سے ان کے رعب وہیبت کا سامان،	۷۷۰
رقیم کا معنیٰ ومطلب؟	۷۶۲	اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا،	۷۷۰
یہ کائنات عجائب سے بھری پڑی ہے،	۷۶۲	اللہ کے ولی غیب داں نہیں ہوتے،	۷۷۱
اصحاب کہف کے قصے کا خلاصہ واجمال،	۷۶۳	پاکیزہ کھانے کی طلب وتلاش،	۷۷۱
اصحاب کہف کیلئے قدرت کی غیبی امداد کا ایک نمونہ ومنظر،	۷۶۳	ولی غیب داں نہیں ہوتے،	۷۷۱

عنوانات	صفحہ
دینِ حق سے انحراف باعثِ ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ،	۷۷۲
اصحابِ کہف کی بیداری کے متعلق خاص اہتمام کا ذکر وبیان،	۷۷۲
اللہ کے وعدے کی قطعیت کا ثبوت،	۷۷۳
وقوعِ قیامت لاریب،	۷۷۳
انقلابِ احوال کے ایک نمونے اور مظہر کا ذکر وبیان،	۷۷۳
اصحابِ کہف کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں،	۷۷۵
غیر ضروری سوالات سے ممانعت،	۷۷۶
اِن شاء اللہ کہنے کی تعلیم وتلقین،	۷۷۶
بھول جانے سے متعلق ہدایت وارشاد،	۷۷۶
اس سے ہمیشہ بہتری کی امید کی تعلیم وتلقین،	۷۷۷
غار میں بقاء کی مدت کے بارے میں ارشاد،	۷۷۷
اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت اس غار میں رہے،	۷۷۸
اسی کیلئے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا،	۷۷۸
کیا ہی خوب دیکھنے اور سننے والا ہے وہ،	۷۷۸
ان کیلئے اس کے سوا کوئی حمایتی اور کارساز نہیں،	۷۷۸
وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا،	۷۷۸
اپنے آپ کو اہل صدق وصفا کے ساتھ روکے رکھنے کی ہدایت،	۷۷۹
ذکرِ خداوندی سے محروم لوگوں کی اطاعت وفرمانبرداری سے ممانعت، اور ابناء دنیا کی دنیاپرستی کے کچھ نمونے،	۷۷۹
حق رب ہی کی طرف سے مل سکتا ہے،	۷۸۲
کافر ومنکر لوگ آتشِ دوزخ کے گھیرے میں،	۷۸۲
بڑا ہی برا ٹھکانا ہوگا دوزخیوں کا،	۷۸۳

عنوانات	صفحہ
اللہ پاک کسی نیکوکار کے اجر کو ضائع نہیں کرتا،	۷۸۳
اہلِ جنت کو ملنے والے شاہانہ انعامات میں سے کچھ کا تذکرہ،	۷۸۴
اہلِ جنت کے سکون واطمینان اور آرام وراحت کا نقشہ،	۷۸۴
کیا ہی خوب بدلہ اور کیسی عمدہ آرام گاہ ہوگی وہ؟	۷۸۵
عمدہ باغ کی تصویر،	۷۸۵
ان دونوں باغوں کی خوبیٔ مزید کا ذکر وبیان،	۷۸۶
ان باغوں کی عظمتِ شان کے کچھ مزید پہلو،	۷۸۶
ان کے درمیان نہر بھی موجود تھی،	۷۸۷
اور اس کیلئے اور مال بھی تھا،	۷۸۷
دنیادار شخص کے کبر وغرور کا حال،	۷۸۷
منکرین کے لئے انکا مال ودولت باعثِ محرومی وخرابی،	۷۸۸
انسان کا خود اپنا وجود توحید ووحدانیتِ خداوندی کا زندہ ثبوت،	۷۸۹
مومنِ صادق کا شرک سے برأت وبیزاری کا اعلان،	۷۸۹
"ماشاء اللّٰہ لاقوۃ الا باللّٰہ" کہنے کی تعلیم وتلقین،	۷۹۰
رب کی رحمت کی امید کا درس،	۷۹۱
اندیشۂ عذاب کی تذکیر ویاددہانی،	۷۹۱
منکر انسان آخرکار پنجۂ عذاب کی گرفت میں، والعیاذ باللّٰہ	۷۹۲
باغ کی تباہی کی منظر کشی،	۷۹۲
بعد از وقت کی ندامت بے فائدہ ولاحاصل،	۷۹۳
اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں چھڑا سکتا،	۷۹۳
غلبہ واختیار سب اللہ ہی کے لیے،	۷۹۳
دنیا کی مثال اسکی فنا اور بے ثباتی میں،	۷۹۴

عنوانات	صفحہ
اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے،	۷۹۴
مال واولاد محض دنیاوی زیب وزینت کا سامان،	۷۹۴
باقیاتِ صالحات کا مفہوم اور اس سے مراد؟	۷۹۵
قیامت کے روز اس زمین کا حال،	۷۹۶
سب کی اپنے رب کے حضور صف بستہ پیشی،	۷۹۶
انکارِ آخرت محرومیوں کی محرومی اور ہلاکتوں کی ہلاکت،	۷۹۷
اور تمہارا رب کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتا،	۷۹۸
غرور وتکبر کی راہ ابلیس لعین کی راہ ہے،	۷۹۸
منکرین ومشرکین کے قلب وضمیر پر ایک دستک،	۷۹۸
کیا ہی برا بدل ملا ظالموں کو؟	۷۹۹
اس وحدہ لاشریک کا کوئی بھی شریک نہیں،	۷۹۹
شرک کے ماروں کو روزِ قیامت کی تذکیر و یاددہانی،	۸۰۰
مشرکوں کی تجہیل وتذلیل کا ایک منظر،	۸۰۰
مجرم لوگوں کی آتشِ دوزخ کے سامنے بے بسی کی ایک تصویر،	۸۰۱
انسان کا جھگڑالو پن باعثِ محرومی ۔ والعیاذ باللہ العظیم	۸۰۱
نورِ حق وہدایت کے پہنچنے کے باوجود محرومی،	۸۰۲
عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ۔ والعیاذ باللہ،	۸۰۳
کفار ومنکرین کی طرف سے عذاب کا مطالبہ،	۸۰۳
کافروں کی طرف سے حق کو نیچا دکھانے کی کوشش،	۸۰۳
حق سے مذاق واستہزاء کا کافرانہ جرم ۔ والعیاذ باللہ العظیم،	۸۰۴
حق سے منہ موڑنا سب سے بڑا ظلم ۔ والعیاذ باللہ العظیم،	۸۰۴
غفلت ولاپرواہی باعثِ محرومی،	۸۰۵
ہٹ دھرموں کی آنکھوں پر پردے اور انکے کانوں میں ڈاٹ،	۸۰۵
ہٹ دھرموں کیلئے محرومی ہی محرومی ۔ والعیاذ باللہ العظیم	۸۰۶
رب تعالیٰ کی شانِ عفو ودرگزر کا نتیجہ وثمر ۔ سبحانہ وتعالیٰ،	۸۰۶
ظالموں کے لئے ڈھیل رحمتِ خداوندی کا ایک مظہر،	۸۰۷
منکرین کے عذاب کیلئے وقت مقرر ہے،	۸۰۷
پاداشِ عمل کے ثبوت کیلئے تاریخی حوالہ،	۸۰۸
ہلاک شدہ بستیوں سے درس عبرت لینے کی تعلیم وتلقین،	۸۰۸
قصۂ موسیٰ وخضر کی تذکیر و یاددہانی،	۸۰۹
"فتیٰ" کا مفہوم اور اس سے مراد؟	۸۰۹
"مجمع البحرین" سے کیا مراد؟	۸۱۰
مچھلی کو بھول جانے کا قصہ اور اس میں درسِ عبرت،	۸۱۰
حضرتِ موسیٰ کی تھکاوٹ اور صورتِ حال سے اطلاع وآگہی،	۸۱۱
حضرتِ موسیٰ کا اپنے نشاناتِ قدم پر واپس لوٹنا،	۸۱۲
حضرتِ موسیٰ کی حضرتِ خضر سے ملاقات،	۸۱۲
حضرتِ خضر کے علم کی نوعیت؟	۸۱۳
موسیٰ وخضر کی ابتدائی گفتگو کا ذکر وبیان،	۸۱۳
حضرتِ موسیٰ کی طرف سے صبر وبرداشت کا وعدہ،	۸۱۵

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا

یہ لوگ بہانے پیش کریں گے تمہارے سامنے، جب تم واپس لوٹ کر پہنچو گے ان کے پاس، تو (اس وقت ان سے

تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ

صاف) کہہ دیجئے گا، کہ بہانے مت پیش کرو، ہم کسی بھی طور تمہارا اعتبار نہیں کریں گے، اللہ نے ہمیں بتا دئے تمہارے

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى

حالات، ۱۷۸ اور اللہ دیکھ لے گا تمہارے عملوں کو، اور اس کا رسول بھی، ۱۷۹ پھر تم لوگوں کو بہر حال لوٹ کر جانا ہے اس

۱۷۸ قرآنِ حکیم کا ایک معجزہ اور پیغمبر کی حقانیت کا ثبوت:- پیغمبر سے فرمایا گیا کہ جب آپ جہاد کے اس سفر سے واپس لوٹیں تو واپسی کے اس موقع پر ان بہانے بازوں سے کہنا کہ ہم تمہارے ان حیلوں حوالوں پر اعتبار کرنے والے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے بارے میں وحی کے ذریعے خبر دے دی ہے۔ پھر ہم تمہاری ان باتوں کا اعتبار کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہ سب خبریں مستقبل کے بارے میں ہیں۔ اور جیسے قرآن نے پیشگی خبر دی تھی ویسے ہی واقع ہوئیں جو کہ قرآنِ پاک کا ایک اور کھلا ہوا معجزہ ہے۔ والحمد للہ۔ سو یہ پیغمبر کی حقانیت و صداقت کا ایک اور ثبوت اور مظہر ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے بارے میں بذاتِ خود بتا دیا ہے اور تمہارے حالات سے خبردار کر دیا ہے۔ اس لیے ہم تمہارے ان لا طائل عذرات کو باور کرنے والے نہیں ہیں۔ لہٰذا تم لوگ ہمارے سامنے خواہ مخواہ ایسی بیکار باتیں کرنے اور حیلے حوالے پیش کرنے کی کوشش نہ کرو کہ ایسی باتوں کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ تمہارے بارے میں ہمیں سب کچھ وحی کے ذریعہ بتا دیا گیا ہے۔

۱۷۹ دعویٰ کا ثبوت عمل و کردار سے، نہ کہ محض زبانی جمع خرچ سے:- یعنی آنے والے حالات و واقعات کے ذریعے تمہارے ان حیلوں اور بہانوں کی حقیقت خود بخود کھل جائے گی۔ واضح رہے کہ یہ قصہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی حیاتِ طیبہ کا ہے جیسا کہ اوپر ﴿اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ﴾ کی تصریح موجود ہے۔ نہ تو اس کا تعلق انتقال کے بعد والے مرحلے سے ہے اور نہ اس میں ایسا عموم ہے کہ یہ سب امور کو شامل ہو۔ پس اہلِ بدعت کا اس سے اپنے مذموم مقاصد اور شرکیہ عقائد کے لئے استدلال کرنا باطل و مردود ہے۔ عالمِ غیب ہونا بہرحال اللہ پاک ہی کی صفت اور اُسی کی شان ہے۔ جیسا کہ اسی کے متصل بعد ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ بہرکیف دعویٰ کی تصدیق عمل و کردار ہی سے ہو سکتی ہے نہ کہ محض زبانی جمع خرچ سے۔ اس لیے زبانی کلامی دعوے کرنے کی بجائے تم لوگ اپنے عمل اور اپنے مستقبل کی اصلاح کی فکر و کوشش کرو اور خواہ مخواہ کے عذرات، خود ساختہ بہانوں اور جھوٹی قسموں کو ڈھال بنانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اسکے بجائے تم لوگ اپنے عمل و کردار سے اپنی راست بازی اور وفاداری کا ثبوت دو۔ اللہ بھی تمہارے عمل کو دیکھ لیں گے اور اس کے رسول بھی۔ اور اس حقیقت کو بھی اپنے سامنے رکھو کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جس میں تمہاری پیشی اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے حضور ہو گی جو حاضر و غائب اور ظاہر و باطن سب کو ایک برابر جاننے والی ذاتِ اقدس و اعلیٰ ہے۔ اس وقت تمہارا کیا دھرا سب سامنے رکھ دیا جائے گا اور جس کے عمل کے اندر جتنا صدق و اخلاص یا جتنا کھوٹ ہو گا وہ سب سامنے آ جائے گا۔ سو اسکو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھو۔ وباللہ التوفیق وہو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

ذات (اقدس واعلیٰ) کی طرف، جو ایک برابر جانتی ہے نہاں وعیاں کو، پھر وہ تم کو خبر کردے گا ان تمام کاموں کی جو تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ

لوگ کرتے رہے تھے (اپنی زندگیوں میں) یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے، جب کہ تم لوٹ کر واپس

اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ

پہنچو گے ان کے پاس، تاکہ تم ان کو چھوڑ دو ان کے حال پر، سو تم چھوڑ دینا ان کو ان کے حال پر کہ یہ تو

رِجْسٌ ز وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

نرے پلید ہیں ف۱۸۰ اور ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے، ان کے ان اعمال کے بدلے میں جو یہ کماتے رہے تھے،

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ

یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ ف۱۸۱ سو اگر تم لوگ ان سے راضی ہو بھی جاؤ

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ

تو (کیا ہوا کہ) اللہ تو یقیناً راضی نہیں ہوتا ایسے بدکار لوگوں سے، ف۱۸۲ دیہاتی

اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ

کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہوتے ہیں، اور ان کے بارے میں اس بات کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں کہ وہ نہ جانیں

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ

حدود ان احکام کی، جن کو نازل فرمایا ہے اللہ نے اپنے رسول پر ف۱۸۳ اور اللہ تو سب کچھ جانتا بڑا ہی حکمت والا ہے، اور

۱۸۰ منافق لوگ نرے پلید اور ان کا ٹھکانہ دوزخ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ۔﴿انہم رجس وما واہم جہنم﴾۔ کہ یہ نرے پلید ہیں اور ان سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ سو منافق لوگ حسی، معنوی اور حکمی ہر طرح کی نجاست سے آلودہ ہیں۔ اس لیے یہ منہ لگانے کے قابل نہیں۔ اور جب ٹھکانا ان سب کا دوزخ ہے تو پھر تمہیں ان سے الجھنے اور جھگڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کہ اس آتشِ سوزاں کا دائمی عذاب

ہی ان کے لئے کافی و وافی ہے۔ پس ان سے منہ موڑ لو اور ان کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں گے اور اپنے کیے کرائے کا بھگتان انہوں نے بہرحال بھگتنا ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تمہاری واپسی پر یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرلو کہ جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا۔ اب اس کو نظر انداز کرلو۔ سو اس موقعہ پر تم ان سے صرفِ نظر اور درگزر ہی کرلینا کہ یہ لوگ نجس اور پلید ہیں۔ اور نجاست سے اِعراض اور صرفِ نظر ہی بہتر ہوتا ہے۔ اور گندگی کے اس ڈھیر کا آخری ٹھکانا بہرحال دوزخ ہی ہے جس میں ان لوگوں کو اپنے اعمال اور اپنی کمائی کی پاداش اور اپنے کیے کرائے کے نتیجے میں بہرحال داخل ہونا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۱۸۱ ابنائے دنیا کے نزدیک اصل چیز مخلوق کی رضامندی اور بس:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھا کھا کر ایسا کہیں گے تاکہ راضی ہو جائیں اور ان کو کچھ نہ کہیں۔ سو ایمان و یقین کی دولت سے محروم لوگوں کا وطیرہ وطریقہ کل کی طرح آج بھی یہی ہے، کہ ان کے پیشِ نظر مخلوق ہی کی رضامندی ہوتی ہے اور بس۔ جب کہ اہلِ ایمان کے نزدیک اصل مقصود حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی رضا و خوشنودی ہوتی ہے کہ اگر یہ سعادت نصیب ہوگئی تو سب کچھ مل گیا اور اس کے بغیر اگر سب کچھ مل بھی گیا تو بھی کچھ نہ ملا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَ عَلَا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا سے مشرف فرمائے۔ آمین۔ بہرکیف مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کرنے کی کوشش کریں گے لیکن ان کو اس بات کا خیال و احساس نہیں کہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو کیا کہ اللہ تو بہرحال ایسے لوگوں سے راضی نہیں ہوگا اور اصل مقصود اسی کی رضا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۸۲ اصل چیز رضائے خداوندی کا حصول ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بھی کیا اللہ تو یقیناً راضی نہیں ہوتا ایسے فاسق اور بدکار لوگوں سے۔ تو پھر لوگوں کو راضی کرنے کی فکر سے کیا فائدہ؟ پس اصل فکر اسی خالق اور مالکِ حقیقی کی رضا کے حصول کیلئے کرنی چاہئے کہ وہ اگر مل گئی تو سب کچھ مل گیا ورنہ کچھ بھی نہیں۔ خواہ انسان کتنی ہی خوش فہمیوں میں مبتلا کیوں نہ ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو مومنِ صادق کے نزدیک اصل چیز اُس خالق و مالک کی رضاء کا حصول ہے جسکے قبضہء قدرت و اختیار میں ہر چیز کی باگ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ یقیناً راضی نہیں ہوتا ایسے فاسق اور بدکار لوگوں سے۔ سو اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے سرفرازی کا ذریعہ سچی توبہ اور اُس کی طرف رجوع ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

۱۸۳ دیہاتیوں کے گنوارپن کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ دیہاتی زیادہ لائق ہیں اس بات کے کہ وہ دین کی حدود کو نہ جانیں۔ کیونکہ ایک طرف تو انہیں روٹی پیٹ اور تن و توش کے دھندوں سے ہی فراغت نہیں ہوتی اور دوسری طرف علم اور اہلِ علم کی مجلسوں میں بیٹھنے اور ان سے استفادہ کرنے کے مواقع بھی ان کو میسر نہیں آتے اور تیسری اور بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بادیہ نشینی اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے اپنے معروف گنوارپن کی بناء پر یہ لوگ علم اور علمی استفادہ کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ اِلّا ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ۔ سو ان لوگوں نے نہ اللہ کے رسول اور صالحین کی صحبت سے فیض اٹھایا اور نہ ہی انہوں نے کتابِ الٰہی سے حدودِ حلال وحرام سے آگاہ ہونے کی کوشش کی۔ اس لیے یہ کفر و نفاق کی بیماری کے سب سے زیادہ شکار ہوئے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ اور یہ کفر و نفاق میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ سخت ہو گئے۔ اس لیے یہ کسی نرمی اور رعایت کے مستحق نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو ان کے گنوارپن کا یہاں ذکر ان کے لیے کسی رعایت یا عذر کے لیے نہیں بلکہ ان کے روگ کے سبب کے اظہار کے لیے ہے۔

الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ

ان دیہاتیوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں، جو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں، ۱۸۴ اور وہ تمہارے

بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

بارے میں انتظار کرتے ہیں زمانے کی گردشوں کا، حالانکہ خود انہی پر مسلط ہے بری گردش ۱۸۵ اور اللہ بڑا ہی سنتا

۱۸۴ ان کے نفاق کے ایک ثبوت اور مظہر کا ذکر :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کچھ دیہاتی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں۔ سو یہ اگر کچھ دیں بھی تو انتہائی ناگواری سے اور بادلِ ناخواستہ دیتے ہیں کہ ان کے پاس نہ تو ایمان و یقین کی قوت ہوتی ہے اور نہ اجر و ثواب کی امید و یقین۔ تو پھر یہ راہِ حق میں خرچ کرنے پر آمادہ ہوں تو کس طرح اور کیونکر؟ -سبحان اللہ- ایمان و یقین کی یہ دولت کس قدر عظیم الشان دولت ہے کہ اس سے انسان کو بڑی سے بڑی قربانی، یہاں تک کہ جان کا نذرانہ پیش کر دینا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس سے محرومی کی صورت میں کسی دنیاوی مفاد کے بغیر راہِ حق و صواب میں چند ٹکوں کا خرچ کرنا بھی گراں گزرتا ہے۔ سو یہ ان کے نفاق کا ایک ثبوت اور اس کا نمونہ و مظہر ہے۔ -والعیاذ باللہ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۱۸۵ بری گردش منکروں اور منافقوں ہی پر :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بری گردش خود انہی پر ہے مگر ان کو اس کا احساس ہی نہیں۔ سو ایمان و اِخلاص کی دولت سے محروم ہر خیر سے محروم؟ کہ ایمان و اِخلاص کی دولت سے محرومی کے سبب یہ لوگ ہر خیر سے محروم ہیں۔ اور مزید یہ کہ نہ تو انہیں اپنی اس محرومی کا احساس ہے اور نہ اس کے سبب اور باعث کا کوئی خیال کہ اس کا تدارک کر سکیں اور حرمان نصیبی کے چنگل سے جان چھڑا سکیں۔ تو ایسوں کی محرومی اور بدنصیبی کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے؟ سو بری گردش اور برائی کا پھیر اور چکر برے لوگوں پر ہوتا ہے اور وہی اسکے نتیجہ و انجام سے دوچار ہوتے ہیں کہ برے انجام کو برے لوگوں سے خاص مناسبت ہوتی ہے۔ کہ مکھی گندگی ہی پر بیٹھتی ہے۔ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف ایمان و یقین کی دولت سے محرومی کے باعث یہ لوگ ہر خیر سے محروم ہو گئے اور برا نتیجہ و انجام ان کا مقدر بن گیا اور یہ لوگ محرومی اور بدبختی کے اس درجے پر پہنچ گئے کہ اپنی اس محرومی کا ان کو کوئی احساس بھی نہیں جو کہ اور بھی بڑی محرومی ہے۔ سو برائی کا دائرہ تو خود انہی پر ہے مگر یہ ہیں کہ دوسروں اور خاص کر اہلِ ایمان کے بارے میں برائی کے دائرے کی انتظار میں ہیں۔ سو یہی ثبوت ہے ان کی مت ماری کا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اللہ زیغ و ضلال کی ہر شکل سے محفوظ رکھے- اور ہمیشہ ہر حال میں راہِ حق و صواب پر مستقیم اور ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

جانتا ہے، اور کچھ دیہاتی ایسے بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اور قیامت کے

الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ

دن پر، اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس کو وہ اللہ کے یہاں قرب کا اور رسول کی دعاؤں کا

الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ

ذریعہ سمجھتے ہیں ۱۸۶ آگاہ رہو کہ بے شک ان کا خرچ کرنا ان کے لئے قرب کا ذریعہ ہے، اللہ ضرور داخل فرمائے گا ان کو

فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع وَالسّٰبِقُوْنَ

۱۲ ع ۱۰

اپنی رحمت میں، بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، اور سب سے پہلے سبقت

الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

لے جانے والے مہاجر وانصار اور وہ جنہوں نے ان کی پیروی کی اچھائی

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

(اور اخلاص) کے ساتھ، اللہ راضی ہو گیا ان سب سے، اور یہ راضی ہو گئے

۱۸۶ مخلص اور راست باز دیہاتیوں کا ذکر: ـ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کچھ دیہاتی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اللہ کی رضاء و خوشنودی اور رسول کی دعاء کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے والے کو ان کے حق میں دعاء و استغفار بھی کرنا چاہیے۔ چنانچہ نبیِ رحمت ـ علیہ الصلوٰۃ والسلام ـ ایسے مخلص لوگوں سے صدقہ لینے کے بعد ان کے لئے خیر و برکت اور بخشش و مغفرت کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ اسی ذیل میں آپ کی وہ معروف دعاء بھی ہے جو آپؐ نے آل ابی اوفیٰ کے لئے اس طرح فرمائی تھی "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِىْ اَوْفٰى" (بخاری کتاب الدعوات، مسلم، کتاب الزکوٰۃ)۔ سبحان اللہ۔ جب انسان کا دین وایمان صحیح ہو اور وہ اپنے مال کو دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق کمائے اور اُن کے مطابق خرچ کرے تو دنیا اور دنیاوی دولت بھی اس کے لئے خیر و برکت، بلکہ طرح طرح کی خیرات و برکات کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر مال کو خیر کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور جب دین کی روشنی سے محرومی ہو ـ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ـ تو پھر وہ مال عذاب اور وبالِ جان بن جاتا ہے ـ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ـ اللہ ہر قسم کے شر اور فتنہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے ـ آمین۔

عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ

اللہ سے، اور اس نے تیار فرما رکھی ہیں ان کے لئے ایسی عظیم الشان جنتیں، جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰ وَمِمَّنْ

عظیم الشان نہریں، جہاں ان کو ہمیشہ ہمیش رہنا نصیب ہوگا، یہی ہے سب سے بڑی کامیابی ف۱۸۷ اور تمہارے

حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۭۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ڀ

آس پاس کے دیہاتیوں میں بھی بہت سے منافق ہیں، اور خود اہل مدینہ میں بھی،

مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ

وہ نفاق میں ایسے طاق ہو گئے ہیں، کہ آپ بھی (اے پیغمبر) انہیں نہیں جانتے، ہم ہی جانتے ہیں ان سب کو ف۱۸۸

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝۱۰۱ۚ

ہم ان کو دوہرا عذاب دیں گے، پھر ان کو لوٹایا جائے گا ایک بڑے (ہی ہولناک) عذاب کی طرف،

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا

اور کچھ دوسرے لوگ (اہل مدینہ میں سے) ایسے ہیں ف۱۸۹ جنہوں نے اعتراف کر لیا اپنے قصوروں کا، انہوں نے ملے جلے عمل کئے

مع وقف منزل

۱۸۷ حضراتِ صحابۂ کرام کے لیے رضائے خداوندی کا مژدۂ جانفزا: ۔سو حضراتِ صحابہ کرام سب کے سب اللہ کے پیارے اور اسکی رضاء وخوشنودی سے سرفراز وسرشار ہیں۔ یہاں پر یہ فرق بھی واضح رہے کہ انصار و مہاجرین کے لئے رضائے حق کے اس مژدۂ جانفزا کو تو مطلق اور بغیر کسی شرط وقید کے ذکر فرمایا گیا ہے مگر ان کے اَتباع "پیروکاروں" کے لئے اس کو بھلائی کے ساتھ پیروی کرنے ﴿اِتَّبَاعُ بِالْاِحْسَانِ﴾ کی قید کے ساتھ مقید و مشروط کر کے ذکر فرمایا گیا ہے۔سو اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام سب کے سب اللہ کے پیارے اس کی رحمت و رضا سے سرفراز وسرشار اور جنتی ہیں۔ اور ان سے بغض وعناد رکھنے والا اور ان پر طعن وتشنیع کرنے والا اس ارشادِ ربانی کا منکر قرار پائے گا جو کہ کفر ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں اَنصار ومہاجرین اور ان کے سچے پیروکاروں سب کو اللہ پاک کی رضاء اور دخولِ جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ ابوصخر حمید بن زیاد نے حضرت محمد بن کعب القرظی سے پوچھا کہ اصحابِ رسول۔علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو اس کے جواب میں آپ نے یہی آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی۔ ابوصخر کہتے ہیں کہ اُس وقت مجھے ایسے لگا جیسے میں نے یہ آیت

اس سے پہلے پڑھی ہی نہیں تھی۔ (معالم، قرطبی، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اور اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیاتِ کریمہ اور نصوصِ حدیث موجود ہیں جن کی تفصیل اپنی مفصل تفسیر میں عرض کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ وباللہ التوفیق۔

۱۸۸ کچھ منافقوں کو پیغمبر بھی نہیں جان سکتے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں بھی بہت سے منافق ہیں اور خود اہلِ مدینہ کے اندر بھی۔ سو کچھ منافق ایسے پکے اور اس قدر منجھے ہوئے ہیں کہ ان کو آپ بھی اے پیغمبر نہیں جان سکتے بلکہ ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے کفر و نفاق اور مکاری و عیاری میں ایسے ماہر ہو گئے ہیں کہ آپ بھی اے پیغمبر۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ باوجود اپنی اعلیٰ درجے کی زیرکی و فراست اور عظیم الشان فہم و ادراک کے ان کو نہیں جان سکتے۔ ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔ (روح، صفوہ، ابنِ کثیر اور معارف وغیرہ)۔ سو اس آیتِ کریمہ سے اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی کے شرکیہ عقیدے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ والحمد للہ۔ کہ اس میں صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان منافقوں کو آپ بھی نہیں جان سکتے اے پیغمبر۔ بلکہ ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔ سو اس ارشاد میں ایک طرف تو مسلمانوں کے لیے تنبیہ ہے کہ تمہیں ان مکار دشمنوں سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے اپنے کفر و منافقت پر اسلام کا نمائشی رنگ اور بناوٹی خول اس قدر چالاکی، عیاری اور مشاقی سے چڑھا رکھا ہے کہ ان کا پہچاننا بہت مشکل ہے۔ اس لیے ان کے بارے میں تم لوگوں کو خاص طور پر محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اور دوسری طرف اس میں ان عیار منافقوں کے لیے بھی تنبیہ و تہدید ہے کہ تم لوگ اپنی اس طرح کی مکاریوں سے لوگوں سے تو چھپ سکتے ہو مگر ہم سے تمہارا چھپنا ممکن نہیں۔ اس لیے تم نے ہمارے یہاں اپنی منافقت اور اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہے۔ اپنی اس طرح کی عیاریوں اور مکاریوں سے آخر تم لوگ کب تک چھپے اور بچے رہو گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۸۹ بعض مخلص صحابہ کرام کی تقصیر اور ان کی توبہ کی قبولیت کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کچھ دوسرے لوگ اہلِ مدینہ سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اعتراف کر لیا اپنے قصوروں کا جو ہیں تو سچے مومن مگر سستی کی وجہ سے وہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ آیتِ کریمہ حضرتِ ابولبابہؓ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ تین، پانچ، سات یا آٹھ۔ یہ حضرات تھے تو پکے سچے اور مخلص مسلمان مگر یہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوۂ تبوک کے اس کڑے سفر میں آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے ساتھ شریک سفر نہ ہو سکے تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سفر سے واپس تشریف لے آئے۔ تب ان حضرات نے جھوٹے حیلے بہانوں کا سہارا لینے کی بجائے آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ پھر ان میں سے بعض نے تو اپنی سزا کے طور پر اپنے آپ کو خود مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا کہ ہم اس وقت تک اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے جب تک کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خود آ کر ہمیں نہ کھولیں۔ چنانچہ اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے خود ان حضرات کو کھولا۔ اور ان میں سے بقیہ تین حضرات جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھا تو نہیں تھا مگر انہوں نے بھی اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو حضورؐ کے حوالے کر دیا تھا۔ ان سے حضورؐ نے بائیکاٹ کا حکم دے دیا تھا جس کا مفصل قصہ آگے آ رہا ہے۔ بہر کیف یہ سب حضرات سچے اور مخلص مسلمان تھے۔ ان کا معاملہ منافقوں کے معاملہ سے یکسر مختلف تھا۔

وَاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تھے، کچھ ف۱۹۰ بھلے کچھ برے ف۱۹۱ امید ہے اللہ مہربانی فرمائے گا ان پر (ان کی توبہ قبول فرما کر) بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ

بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ف۱۹۲ آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر پاک کریں ان کو،

وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ

اور بابرکت بنادیں ان کو اسکے ذریعے ف۱۹۳ اور دعائے رحمت کریں ان کے حق میں، بے شک آپ کی دعائے رحمت ان کے لئے

لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

سکون (واطمینان) کا باعث ہے، اور اللہ سنتا ہے (ہر کسی کی) جانتا ہے (سب کچھ)، ف۱۹۴ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ وہ

هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ

اللہ ہی ہے جو توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے، اور وہ شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے ان کے صدقات کو،

۱۹۰ انہوں نے بڑی نیکیاں بھی کیں:- جیسے صوم وصلوٰۃ کی پابندی، صدقہ وخیرات کی ادائیگی۔ اور اس سے پہلے کے غزوات میں آنحضرت ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے ہمراہ شرکت کی سعادت وغیرہ۔ نیز غزوۂ تبوک میں تخلف پر ندامت جو کہ اصل میں توبہ ہے۔ اور توبہ گناہوں کی معافی اور صفائی کا سب سے بڑا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ سو ان حضرات نے ایسے نیک کام بھی کیے جو کہ ان کے صدق و اخلاص کا ثبوت اور مظہر ہے۔ سو یہ حضرات ایسے نہیں تھے کہ کہیں منافقانہ خصال پر پلے بڑھے ہوں۔ بلکہ یہ سیدھے صاف اور سچے مسلمان تھے جن سے بشری تقاضے کی بناء پر اگرچہ کچھ کوتاہیاں بھی سرزد ہوگئی تھیں لیکن انہوں نے اپنے صدقِ ایمان کی بناء پر بڑے بڑے نیک عمل بھی کیے تھے۔ اس لیے ان کا معاملہ منافق لوگوں کے طرزِ عمل سے یکسر مختلف تھا۔ اس لیے ان کی توبہ وانابت کو شرفِ قبولیت سے نوازا گیا۔ سو اصل قدر وقیمت قلب و باطن اور ارادہ ونیت کی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ اور دلوں کا حال اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔

۱۹۱ اور ان سے کچھ کوتاہیاں بھی سرزد ہوگئیں:- جیسے غزوۂ تبوک کے اس سفر میں ان کا تخلف اور بلا عذر محض سستی اور کاہلی کی بناء پر اس میں عدم شرکت وغیرہ۔ سو ایسے حضرات کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی شانِ عفو و صفح پر ہے۔ اور امید یہی ہے کہ اللہ ان کی بخشش فرما دے گا۔ اور وہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اِس آیتِ کریمہ کا نزول اگرچہ کچھ خاص افراد کیلئے اور انہی کے بارے میں ہوا لیکن اس کا حکم پوری امت کیلئے عام ہے کہ قیامت تک جو بھی لوگ ایسے ہونگے کہ انہوں نے نیک عمل بھی کیے ہونگے اور برے بھی۔ اعترافِ جرم اور توبہ واستغفار پر ان کے تمام گناہ معاف

کردیئے جائیں گے۔ اسی لیے بعض علمائے کرام نے اس آیتِ کریمہ کو امت کیلئے بڑی امید افزاء آیت قرار دیا ہے۔ (روح، ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر اور معارف القرآن وغیرہ)۔ سو ان مخلص حضرات نے نیکی کی راہ پر چلتے چلتے اگر کچھ ٹھوکریں کھائیں بھی تو اس طرح نہیں کہ گر کر پھر اٹھنے کا نام ہی نہ لیا ہو۔ بلکہ یہ اپنے صدقِ ایمان کی بناء پر گرنے کے بعد اٹھتے اور سنبھلتے بھی رہے۔ سو یہی چیز ان کے لیے اعترافِ گناہ اور توبہ کا باعث ہوئی ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ نظر انداز کیے جانے کا معاملہ نہیں ہوا بلکہ ان کو نظرِ عنایت سے نوازا گیا - والحمد للہ جل و علا - سو صدق و اخلاص ذریعۂ نجات اور وسیلۂ مغفرتِ سیئات اور رفعِ درجات ہے - وباللہ التوفیق - اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و صواب ہی پر رکھے - آمین۔

۱۹۲ اللہ بڑا ہی بخشنے والا ہے: - اتنا بڑا کہ اسکی مغفرت اور بخشش کا کوئی کنارہ نہیں۔ پس اس کی بخشش میں تو کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں البتہ شک کا محل اگر ہے تو یہ ہے کہ آیا ہماری توبہ صحیح معنوں میں توبہ ہے یا نہیں۔ اور صحیح توبہ کے لئے جیسا کہ یہاں بھی ارشادات فرمائے گئے ہیں ضروری ہے کہ ایک تو اپنے قصور کا اعتراف کیا جائے دوسرے اپنا ایمان و عقیدہ بھی صحیح ہو۔ جس کا ثبوت محض زبانی کلامی دعوؤں کی بجائے اعمالِ صالحہ سے ملتا ہو۔ اور تیسرے یہ کہ آئندہ کے لئے اِصلاح کا پختہ عزم و ارادہ ہو۔ اس کے بعد اس کے یہاں سے قبولیت کی پوری توقع اور امید رکھنی چاہئے - وباللہ التوفیق - بہرکیف ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ کے اس ارشاد سے ان کو قبولیتِ توبہ و رحمت و عنایت کی بشارت سے نوازا گیا - فالحمد للہ جل و علا - پس صدق و اخلاص ذریعۂ قبولیت اور وسیلۂ نجات ہے۔

۱۹۳ توبہ کرنے والوں کے مالوں سے صدقہ لینے کا حکم: - اور اس طرح انہیں مخلصین کے مقامِ رفیع تک پہنچا دیجئے۔ روایات میں ہے کہ جب اِن حضراتِ صحابہؓ کی توبہ قبول ہوگئی تو انہوں نے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے یہ اموال آپؐ اللہ پاک کی راہ میں صرف فرما دیں کہ انہی کی وجہ سے ہم اس غزوۂ تبوک سے اس طرح پیچھے رہ گئے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس بارے مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ تو پھر اس ارشاد کے نزول کے بعد آپؐ نے ان کے اموال کا ایک تہائی حصہ لے کر ان کے گناہوں کے کفارے کے طور پر اسے صدقہ فرما دیا۔ اور اسی سے علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ گناہوں سے توبہ کے طور پر کچھ صدقہ کرنا بھی مسنون ہے۔ بہرکیف اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے اور تو کرنے سے مغفرتِ سیآت اور رفعِ درجات کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ جو کہ قدرت کی طرف سے ملنے والی ایک عظیم الشان سعادت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل

۱۹۴ صدقہ دینے والوں کیلئے دعا کا حکم: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے حق میں دعائے رحمت بھی کیجیے کہ بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون کا باعث ہے۔ سو اسی سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صدقہ دینے والے کے لئے دعاء کرنا فرض ہے اور بعض نے کہا مستحب۔ اور بعض نے تفصیل کی ہے۔ بہرحال آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے ایسے مواقع پر زکوٰۃ اور صدقہ دینے والوں کے لئے دعا فرمانا ثابت ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت سے ابھی اوپر حاشیہ نمبر ۱۸۶ میں بھی گزرا ہے۔ اس کے فرض ہونے یا نہ ہونے میں تو اختلاف ہے (حاشیہ جامع البیان) لیکن اس کے اِستحباب میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور پیغمبر کا اسوۂ کریمہ بھی یہی تھا کہ آپؐ ایسے موقع پر صدقہ دینے والے کیلئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ پس نیک عمل اور اچھائی کرنے والوں کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى

اور یہ کہ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ۱۹۵ اور کہو (ان سے اے پیغمبر!) کہ تم لوگ کام کئے جاؤ،

اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط وَسَتُرَدُّوْنَ

اللہ خود ہی دیکھ لے گا تمہارے کام کو اور اس کا رسول بھی، اور اہلِ ایمان بھی، ۱۹۶ اور تم سب کو بہرحال لوٹنا ہے

اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

اس کی طرف، جو کہ (ایک برابر) جانتا ہے نہاں اور عیاں کو، پھر وہ خبر کردے گا تم کو ان تمام کاموں کی

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ ج وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا

جو تم کرتے رہے تھے (اپنی زندگیوں میں،) اور کچھ اور ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے ۱۹۷ خواہ

يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

وہ انہیں سزا دے اور خواہ معاف فرمادے، اور اللہ تو سب کچھ جانتا بڑا

حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا

ہی حکمت والا ہے، اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں ایک (نام نہاد) مسجد بنائی ۱۹۸ نقصان پہنچانے کے لئے (دعوتِ حق کو) اور

وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ

کفر (کو فروغ دینے) کے لئے، اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مسلمانوں کے درمیان، اور کمین گاہ مہیا کرنے کے لئے

۱۹۵ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت وقبولیت کا حوالہ وذکر:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے اور وہ شرف قبولیت سے نوازتا ہے ان کے صدقات کو اور یہ کہ بلاشبہ اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا نہایت ہی مہربان ہے، سو اس سے اللہ تعالیٰ کی شان رحمت وقبولیت کا حوالہ بھی دے دیا گیا جو کہ ہم جیسے کمزوروں اور گنہگاروں کیلئے بڑا سہارا اور ڈھارس ہے، نیز اس سے اس حقیقت کو بھی واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے صدقات کو قبول فرماتا ہے، اور کیسی عظمت شان سے قبول فرماتا ہے اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ صدقہ سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔ اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ۔ رضی اللہ عنہ۔ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے پاکیزہ مال سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے اور اللہ پاکیزہ مال ہی قبول فرماتا ہے، تو اللہ پاک اس شخص کے صدقہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے لیتا ہے اگرچہ وہ کھجور کے ایک دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اس کو وہ ایسے بڑھاتا اور پالتا جاتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا پوستا ہے۔ یہاں تک کہ وہ معمولی سا صدقہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ اور بعض روایات میں مطلق پہاڑ آیا ہے جس میں ہمالیہ جیسے بڑے

پہاڑ بھی داخل ہیں۔ تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ اتنے بڑے پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ سبحان اللّٰہ ثم سبحان اللّٰہ- کیا کہنے اس شانِ کرم اور جود وسخا کے؟ کہاں وہ ذاتِ اقدس واعلیٰ جو کہ مالک ارض وسما اور ﴿غنِیّ عَنِ الْعٰلَمِین﴾ ہے اور کہاں ہمارے یہ ٹوٹے پھوٹے صدقات جن میں خامیاں ہی خامیاں ہوتی ہیں۔ ان کو وہ ذاتِ پاک قبول فرماتی ہے اور قبولیت بھی ایسی عظمتِ شان والی جس کی دوسری کوئی نظیر ومثال ہی ممکن نہیں- فلہ الْحَمْدُ وَلَهُ الشکرُ قبلَ کل شیء و بعد کل شیء- اللہ نصیب فرمائے- آمین ثم آمین۔

۱۹۶ عمل کی تعلیم و تلقین: -''سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ عمل کیے جاؤ۔ تمہارے عمل کو اللہ بھی دیکھے گا، اس کا رسول بھی اور اہلِ ایمان بھی'' اور عمل کی روشنی سے خود واضح ہو جائے گا کہ تم کتنے پانی میں ہو اور کہاں کھڑے ہو۔ پس زبانی کلامی دعووں کی ضرورت نہیں بلکہ عمل سے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرو۔ اہلِ بدعت کے جو تحریف پسند ﴿وَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ سے اپنے شرکیہ عقائد کے لئے استدلال کرتے ہیں وہ یہاں کیا کہیں گے کہ یہاں تو ﴿وَرَسُوْلُهٗ﴾ کے ساتھ ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ کا اضافہ بھی موجود ہے۔ تو کیا وہ اپنی اس تحریفانہ منطق کی بناء پر سب اہلِ ایمان کو بھی حاضر ناظر اور عالمِ غیب مانیں گے؟ اگر ایسا مانیں گے تو پھر اس میں پیغمبر کی کیا خصوصیت ہوئی؟ -علیہ الصلوٰۃ والسلام- اور اگر نہیں تو کیوں؟ مَا الفارق بینھما فما ھو جوابکم فھو جواب اھل الحق فی مثل ھٰذہ المواقع کلھا- بہرکیف اس ارشادِ ربانی میں نیک اعمال کی کمائی کی ترغیب وتلقین ہے۔ چنانچہ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے وعید ہے کہ تمہارے اعمال قیامت کے روز اللہ، اللہ کے رسول اور اہلِ ایمان کے سامنے پیش کیے جائیں گے (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور قیامت کے روز ایسا بہرحال ہو کر رہے گا جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِیَةٌ﴾ (الحاقۃ: ۱۸)۔ نیز فرمایا گیا ﴿یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ (الطارق: ۹) اور کبھی اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال کو دنیا میں بھی ظاہر فرما دیتا ہے جیسا کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی کسی ایسی بند چٹان کے اندر بھی کام کرے جس میں نہ کوئی دروازہ ہو نہ سوراخ تو بھی اللہ تعالیٰ اسکے عمل کو ظاہر فرما دے گا۔ وہ جیسا بھی عمل ہو۔ (کما رواہ احمد عن ابی سعید مرفوعا محاسن التاویل وغیرہ)۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ قریبوں اور رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں۔ سو اگر وہ عمل اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ دوسری طرح کے ہوں تو وہ اللہ پاک کے حضور عرض کرتے ہیں کہ اللہ ان کو اس وقت تک موت نہیں دینا جب تک کہ ان کو بھی اسی طرح ہدایت سے نہ نواز دے جس طرح کہ تو نے ہمیں نوازا ہے۔ (ابنِ کثیر، ابنِ جریر، قرطبی اور محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور امام بخاری نے حضرتِ عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ ''جب تمہیں کسی مسلمان کا عمل اچھا لگے تو تم کہا کرو ﴿اِعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور صحیح احادیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس سے موت تک نیک عمل کراتا ہے''۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس سے نیک عمل کس طرح کراتا ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اسکو نیک عمل کی توفیق دیتا ہے۔ پھر اسکی جان

قبض کرتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ (رواہ احمد عن انس بن مالک) (ابن کثیر، روح المعانی وغیرہ وکما رواہ احمد عن ابی سعید مرفوعا، محاسن التاویل وغیرہ) ۔اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُسْنَ الْخِتَامِ وَاجْعَلْ خَیْرَ اَعْمَالِنَا خَوَاتِیْمَھَا۔

۱۹۷ ﴿مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ﴾ کا ذکر وبیان: ۔ یعنی جن کا معاملہ اللہ کے حکم وارشاد پر معلق رکھا گیا تھا کہ وہ ان کے بارے میں جو بھی حکم وارشاد فرمائے گا اسی پر عمل کیا جائے گا۔ سو ان سے متعلق ارشاد فرمائے گا اور کچھ اور ہیں جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے''۔ جو اپنے ایمان وعقیدے میں تو سچے تھے مگر سستی وغیرہ کی وجہ سے غزوۂ تبوک کے لئے نہ نکل سکے اور بعد میں انہوں نے حضرت ابولبابہؓ وغیرہ کی طرح اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے ستونوں سے باندھا بھی نہیں تھا بلکہ اپنا قصور تسلیم کرتے ہوئے اپنا معاملہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ تین حضرات تھے مرارہ بن ربیعؓ، کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ۔ جن کے ابتدائی حروف کا مجموعہ لفظ مکہ بنتا ہے۔ وَقَدْ کُنْتُ اِسْتَفَدْتُ ھٰذِہِ الْاِسْتِفَادَۃَ مِنْ اَحَدِ الْمَشَائِخِ فِی الْمَدِیْنَۃِ الْمُنَوَّرَۃِ اَثْنَاءَ تَعَلُّمِیْ بِالْجَامِعَۃِ الْاِسْلَامِیَّۃِ ھُنَاکَ وَکَانَ ذَالِکَ فِیْ حَوَالیْ ۱۳۹۴ھ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ بہرکیف حضورؐ نے ان تینوں حضرات سے بائیکاٹ کا حکم دے دیا تھا یہاں تک کہ کوئی پچاس دن بعد ان کی توبہ قبول ہوئی جس کا ذکر اسی سورۂ کریمہ کے خاتمے کے قریب آ رہا ہے۔ اور آثار وروایات میں ان سے متعلق بڑی عبرت آموز تفصیلات مذکور ہیں۔ سو ان تینوں حضرات نے اگرچہ نہایت سچائی کے ساتھ اپنے جرم وقصور کا اِقرار واِعتراف کر لیا لیکن ان کو ابھی تک اپنے قصور کی معافی نہیں ملی تھی۔ بلکہ ان کے معاملے کا فیصلہ آئندہ پر اٹھا رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے معاملے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم تک ملتوی رکھا جاتا ہے۔ بہرکیف یہ تینوں حضرات تھے مخلص اور سچے ایماندار۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کا معاملہ اللہ کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے خواہ وہ انہیں سزا دے یا معاف کر دے کہ اللہ بڑا ہی علم والا نہایت ہی حکمت والا ہے۔ پس وہ جو بھی حکم دے گا وہی صحیح ہوگا کہ وہ اس کے علم وحکمت پر مبنی ہوگا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

۱۹۸ مسجدِ ''ضرار'' کا ذکر: ۔ اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے یہ نام نہاد مسجد بنائی اور انہوں نے یہ مسجدِ قبا کے نزدیک اپنی انہی اَغراضِ خبیثہ کی تکمیل لئے جن کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام ہی مسجدِ ''ضرار'' مشہور ہوگیا۔ اور حضورؐ نے بذریعہ وحی حقیقتِ حال سے آگہی پانے کے بعد اس کی اینٹ سے اینٹ بجوادی اور اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ اور اسی سے علمائے کرام کا کہنا ہے کہ بدمعاشی وبرائی کے ایسے تمام اڈوں کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنا چاہیئے جو اسلام کیخلاف کارروائیوں کیلئے قائم کیے گئے ہوں۔ سو ان لوگوں نے اپنی اَغراضِ خبیثہ کی تکمیل کے لیے ڈیڑھ اینٹ کی یہ مسجد الگ بنائی تاکہ اس نام سے یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے لیے ایک اڈا قائم کریں اور اس کو نام مسجد کا دیا تاکہ اس طرح یہ لوگ اللہ کے رسول اور مسلمانوں پر اپنی دینداری کی دھونس بھی جمائیں اور اسکی آڑ میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کا سامان بھی کر سکیں۔ اور منافقوں کا یہی حال رہا، کل بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ

ایسے لوگوں کو جو اس سے پہلے لڑ چکے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے ف۱۹۹ اور یہ لوگ تو بہر حال قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم

اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ

نے بھلائی کے سوا کچھ ارادہ نہیں کیا، لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں، آپ اس

فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ

(نام نہاد مسجد) میں کبھی کھڑے بھی نہ ہوں، البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی

يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ

گئی ہے، وہ اس کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا

يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ

پسند کرتے ہیں، اور اللہ پسند کرتا ہے پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو ف۲۰۰ تو کیا جس نے

بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ

اپنی عمارت کی بنیاد، خدا کے خوف، اور اس کی رضامندی پر رکھی ہو ف۲۰۱ وہ بہتر ہے یا وہ شخص کہ

۱۹۹ مسجد ضرار کے مقاصدِ خبیثہ کا ذکر و بیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کے لیے [دعوت حق کو] اور کفر کو فروغ دینے کے لیے۔ اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی غرض سے۔ اور اس مقصد کے لیے کہ اس کے ذریعے وہ لوگ ایسی کمین گاہ مہیا کر سکیں ان لوگوں کو جو اس سے پہلے جنگ کر چکے تھے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ"۔ یعنی ابو عامر راہب اینڈ کمپنی جو کہ غزوۂ حنین تک کے ہر معرکے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کمربستہ رہے اور بالآخر یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر رہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- ابو عامر نامی یہ شخص زمانۂ جاہلیت میں نصرانی بن گیا تھا اور قبیلۂ خزرج میں اس کا بڑا مقام تھا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی زبردست فتح اور پھر احد میں بالآخر مسلمانوں کو ملنے والی کامیابی سے جل بھن کر یہ شخص قیصر روم کے پاس جا پہنچا اور مسلمانوں کیخلاف مدد مانگی جس کا اس نے اس سے وعدہ کر لیا اور اسکے قبیلے کے منافقوں کو پیغام بھیجا کہ میں اسکی مدد کرنے والا ہوں۔ لٰہذا تم اسکے لیے وہاں ایک ایسا اڈا قائم کرو جہاں سے ہو کر یہ اپنا کام کر سکے۔ تو انہوں نے اس غرض کیلئے مدینہ منورہ کے نزدیک ایک اڈا مسجد کے نام سے تعمیر کیا اور حضورؐ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ ہم نے ان کمزور اور بیمار لوگوں کیلئے ایک مسجد بنائی ہے جو مسجدِ قبا تک

نہیں جاسکتے۔ لہٰذا آپ اس میں نماز پڑھ کر اس کا افتتاح فرما دیں۔ تو آپ نے ان سے یہ وعدہ فرما لیا کہ میں غزوۂ تبوک سے واپسی پر ایسے کرونگا۔ لیکن واپسی پر جب مدینہ سے ایک دن کے فاصلے پر رہ گئے تو جبریلِ امین نے وحی کے ذریعے آپ کو اسکی اصل حقیقت سے واقف و آگاہ فرما دیا تو اسکے بعد آپ نے کچھ آدمیوں کو بھیج کر اس نام نہاد مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجوا دی۔ (ابنِ کثیر، روح المعانی اور معارف القرآن وغیرہ)۔ سو پیغمبر عالمِ غیب نہیں ہوتے۔ ان کو وہی معلوم ہوتا ہے جو وحی کے ذریعے بتایا جائے اور بس۔ سب غیبوں کو جاننا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی صفت و شان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۰۰ پاک رہنے والوں کی تعریف وتوصیف:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تقویٰ و پرہیز گاری کی بنیاد پر قائم ہونے والی اس مسجد یعنی مسجد قبا میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو"۔ یعنی جو پاک اور صاف رہتے ہیں ہر طرح کی نجاست اور گندگی سے۔ خواہ وہ حسّی ہو یا حکمی ومعنوی۔ ظاہری ہو یا باطنی۔ اور یہاں اس کے اولین مصداق کے طور پر اس سے مراد اہلِ قبا ہیں کہ وہ استنجاء بالاحجار سے بھی پاکی حاصل کرتے تھے اور اسکے بعد پانی سے بھی۔ جیسا کہ اس بارے صحیح روایات میں وارد ہے۔ مگر حکم بہر حال عام ہے۔ سو ہر ایسی مسجد جس کی بنیاد تقویٰ اور خدا پرستی پر رکھی گئی ہو آپ کو اس میں کھڑا ہونا چاہیئے وہ کوئی بھی ہو۔ اسی لئے بعض حضرات نے اس کا مصداق مسجد نبوی کو قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر تقویٰ کی بنیاد پر قائم اور کون سی مسجد ہو سکتی ہے۔ عَلٰی صَاحِبِهَا اَلْفُ اَلْفِ تَحِيَّةٍ۔ سو مسجد کا لفظ اگرچہ عام ہے اور ایسی ہر مسجد کو شامل ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں بھی ہو۔ لیکن قرینے کی دلالت سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں پر اس سے مراد مسجد قبا ہے۔ کیونکہ مسجد ضرار دراصل اسی کے قرب اور اسی کے مقابلے میں بنائی گئی تھی۔ سو منافقین نے تو اپنے کفر ونفاق کی بنا پر اس کا توڑ کرنا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اور اسکے نمازیوں کی تعریف کر کے اس کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ اس ارشادِ ربانی سے اس اہم اور عظیم الشان حقیقت کو بھی ظاہر اور واضح فرما دیا گیا کہ مسجد کی تعمیر اور اسکی بنیاد دراصل زمین پر نہیں بلکہ اسکے بانیوں کے دلوں پر قائم ہوتی ہے۔ سو اگر بانیوں کے دلوں میں تقویٰ ہو اور وہ اس تقویٰ پر مسجد کی بنیاد رکھیں تو وہ مسجد ہے اور اسکو مسجد کا تقدس اور استحکام حاصل ہوگا۔ اور اگر ان کے دلوں میں شر وفساد ہو۔ والعیاذ باللہ۔ تو وہ مسجد نہیں بت خانہ ہے جو اپنے بانیوں اور پجاریوں سمیت بالآخر جہنم میں جا گرے گا جیسا کہ اگلی آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۲۰۱ رضاءِ الٰہی کا حصول ایک اہم اور بنیادی مقصد:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضاء وخوشنودی پر رکھی ہو۔ یعنی اس نے اپنی عمارت کی بنیاد خداوندِ قدوس کی خوشنودی اور اسکی رضامندی حاصل کرنے کے لئے رکھی کہ غایۃ المامول اور نہایۃ المقصود بہر حال یہی اور صرف یہی ہے۔ فَشَرِّفْنَا اللّٰهُمَّ بِرِضَاكَ بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَ يَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ۔ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں قدر وقیمت اسی عمل کی ہے جو خالص اسکی رضاء اور خوشنودی کیلئے کیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی اور تقویٰ واخلاص پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا وہ کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک گہری کھائی کے کنارے پر رکھی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں شخص آپس میں کسی طرح بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ سو اس تمثیل سے ان دونوں قسم کے لوگوں کے درمیان پائے جانے والے فرق کو واضح فرما دیا گیا۔ اور یہ کہ اصل چیز رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ

جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی ایسی کھائی کے گرتے کنارے پر رکھی ہو، جو اسے لے کر سیدھی جا گرے

فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

دوزخ کی آگ میں؟ ۲۰۲ اور اللہ ہدایت (کی دولت) سے سرفراز نہیں فرماتا ایسے ظالم لوگوں کو،

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ

ان کی یہ عمارت جو انہوں نے (اس قدر چاہ سے) بنائی تھی ہمیشہ کے لئے (کانٹا بن کر) کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں ۲۰۳

۲۰۲ کفر و باطل کا انجام نارِ جہنم - والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا اور اس کی رضامندی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی ایسی کھائی کے کنارے پر رکھی ہو جو اس کو لے کر سیدھی جا کر دوزخ کی آگ میں گرے؟ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ اپنے اعمال کی بنیاد تقویٰ اور رضاءِ الٰہی کی بجائے کفر و باطل اور نمود و نمائش جیسی اَغراض پر رکھتے ہیں وہ دراصل اپنے کئے کرائے کی بنیاد ایک گرتی کھائی کے کنارے پر رکھتے ہیں جو ان کو لے کر دوزخ کے گڑھے میں جا گرے گی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ثبات و قرار اور اُخروی فوز و فلاح انہی لوگوں کو نصیب ہو سکتی ہے جن کا عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کے لیے ہو۔ دوسری کسی بھی غرضِ فاسد کا اس میں کوئی عمل دخل نہ ہو - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وهو الهادی الیٰ سَوَآءِ السَّبِيْلِ - بہرکیف بدنیتی سے جس عمارت کی بنیاد رکھی جائے گی اس کی ناپائیداری کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک کھائی کے گرتے کنارے پر قائم ہوتی ہے جس نے بہرحال گرنا ہے اور صرف گرنا ہی نہیں بلکہ وہ اپنے مؤسس اور بانی کو لے کر گرے گی اور اس کو جہنم میں پہنچا کر چھوڑے گی - والعیاذ باللہ العظیم -

۲۰۳ برائی کی سزا کی ایک قسط اسی دنیا میں - والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کی اپنی بنائی ہوئی عمارت ایک کانٹا بن کر ان لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ چبھتی رہے گی کہ ان کی غرضِ مقصود بھی اس سے حاصل نہ ہوئی اور ذلت و رسوائی بھی الگ اٹھانا پڑی اور ان کے اس اڈے کو ان کی نظروں کے سامنے ان کے منافقانہ عزائم و مقاصد اور ارمانوں سمیت جلا کر ڈھیر کر دیا گیا۔ سو اس طرح ان کو اپنے کیے کرائے کی سزا کی ایک قسط بطور نقد اسی دنیا میں مل گئی۔ سو اعمال کا بدلہ انسان کو آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ نیکی کا نیک اور بدی کا بد - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور ساتھ ہی اس سے اس حقیقت کو بھی آشکارا فرما دیا گیا کہ یہ نام نہاد مسجد بنا کر ان منافقین نے اپنے اندر نفاق کی جڑ اتنی مضبوط اور مستحکم کر دی کہ اب یہ ان کے دلوں سے نکلنے والی نہیں۔ اب اس کو نکالنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ان کے دل ہی پاش پاش ہو جائیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ عمل عمل کے اثرات و نتائج میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یوں تو نفاق کا ہر عمل اپنے اندر بڑے زہریلے اثرات رکھتا ہے لیکن مسجدِ ضرار جیسا فتنہ کھڑا کر دینا ایک ایسا عمل ہے جس کے نتائج و اثرات سے جان چھڑانا انسان کے اپنے بس میں نہیں رہتا اور اس کا زہریلا اثر اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہر شر و فتنہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

ع ۱۴

اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۱۱۰ اِنَّ اللّٰهَ

الا یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں ان کے دل، اور اللہ سب کچھ جانتا بڑا ہی حکمت والا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے

اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ

خرید لیا ہے ایمان والوں سے ان کی جانوں کو بھی، اور ان کے مالوں کو بھی، اس کے بدلے

لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ

کہ ان کے لئے جنت ہے، وہ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں، پھر وہ مارتے بھی ہیں، اور

یُقْتَلُوْنَ تف وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ

مرتے بھی ہیں، (اور جنت کا یہ وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات و انجیل میں بھی اور

وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا

قرآن میں بھی ۲۰۴ف اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ پس تم لوگ خوش ہو جاؤ (اے ایمان

بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

والو!) اپنے اس سودے پر، جو تم نے اس (وحدہٗ لاشریک) سے کیا ہے، ۲۰۵ف اور یہی ہے سب سے

الْعَظِیْمُ ۝۱۱۱ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ

بڑی کامیابی، وہ توبہ کرتے رہنے والے، عبادت گزار، حمد کرنے (اور شکر بجالانے) والے،

السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ

روزہ رکھنے والے، ۲۰۶ف رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیکی کی

بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ

تلقین کرنے والے، اور برائی سے روکنے والے، اور حفاظت کرنے والے

۲۰۴ اہل ایمان سے جنت کا پختہ وعدہ: ــ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ

اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو خرید لیا اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ جو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ پھر وہ مرتے بھی ہیں اور مارتے بھی ہیں۔ سو ان کے لیے اللہ کے ذمے یہ وعدہ ہے تورات وانجیل میں بھی اور قرآن میں بھی۔ یعنی ان سے یہ وعدہ ان تینوں آسمانی کتابوں میں موجود و مذکور تھا۔ تو پھر اس سے پکی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں تو یہ وعدہ اور حکمِ جہاد آج تک پوری آب وتاب کے ساتھ جوں کا توں موجود و مذکور ہے اور قیامت تک رہے گا لیکن تورات وانجیل میں بھی طرح طرح کی تحریفات کے باوجود اس کا کچھ نہ کچھ ذکر و بیان اب تک موجود ہے۔ (المراغی، محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہر کیف دولتِ ایمان سے سرفرازی انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے۔ کہ اسی کے ذریعے اور اسی کے نتیجے میں انسان اپنے خالق ومالکِ حق کو پہچانتا اور اس کی رضا وخوشنودی کے شرف سے مشرف ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید، ہوالہادی الی سواء السبیل۔

۲۰۵ اہلِ ایمان کے لیے خوشی ومسرت کا مقام: - سو ارشاد فرمایا گیا پس تم خوش ہو جاؤ اپنے اس سودے پر اے ایمان والو'' کہ یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال سودا ہے۔ اور اس پر خوشی کا حکم وارشاد اس کا ایک طبعی تقاضا اور منطقی نتیجہ ہے کہ اس سے بڑھ کر خوشی کا مقام اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہماری جانوں اور ہمارے مالوں کے خریدار حضرتِ حق - جل مجدہٗ - خود ہوں؟ اور پھر جان و مال کے اس سرمایہ کو جو کہ حقیقت میں اسی کی چیز ہے ہماری مِلک اور ہمارا مال قرار دے کر وہ اسے ہم سے خریدیں۔ اور وہ بھی جنت کی اس عظیم الشان اور دائمی نعمت کے بدلے میں جس کے مقابلے میں یہ سب کچھ نہ ہونے کے برابر ہے کہ جنت اور اس کی نعمتیں دائمی اور ابدی ہیں جبکہ ہماری جان و مال کا یہ سرمایہ بہرحال فانی ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ فَكُنِ اللّٰهُمَّ لَنَا وَاجْعَلْنَا لَكَ - اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان اور بیمثال سودے کی قدر اور عظمتِ شان کو پہچاننے اور اس کا حق ادا کرنے کی توفیق بخشے - اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر مستقیم اور ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

۲۰۶ ﴿سائحون﴾ کا معنی اور اس سے مراد؟: - یعنی اس سے مراد روزے دار ہیں اور یہ قول حضرتِ ابنِ عباسؓ اور ابنِ مسعودؓ وغیرہ کا ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ روزہ دار بھی اسی طرح طعام وشراب وغیرہ سے رکتا اور مشقت اٹھاتا ہے جس طرح کہ سیاح اور مسافر۔ اسی لئے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے بھی ایک ارشاد میں وارد ہے کہ میری امت کی سیر وسیاحت روزہ ہے'' سَيَاحَةُ أُمَّتِي الصَّوْمُ '' جب کہ بعض حضرات نے اس سے مجاہد مراد لیے ہیں اور بعض نے طلبۂ علم۔ (الجامع، الکبیر، المحاسن، المراغی وغیرہ)۔ لیکن لفظ کا عموم ان سب ہی کو شامل ہے۔ لہٰذا یہ سب ہی مراد لئے جاسکتے ہیں اور یہ سب ہی مقصود اور مہتم بالشان ہیں اور ان سب میں قدرِ مشترک مشقت وریاضت کا پایا جانا ہے جو کہ دین فطرت کے مقاصد کی تحصیل وتکمیل کے لیے ایک اہم اور بنیادی عنصر ہے۔ اور روزے، اعتکاف اور جہاد وغیرہ میں یہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ ان سب میں مشقت وریاضت کا پہلو غالب ہے۔ اس لئے اس کو یہاں پر اہلِ ایمان اور اہلِ جنت کی صفات میں بطور خاص ذکر فرمایا گیا۔

لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ

اللہ کی (مقرر کردہ) حدوں کی، اور خوشخبری سنادو ایمان والوں کو، ف۲۰۷ پیغمبر کو اور

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا

دوسرے اہلِ ایمان کو یہ روا نہیں کہ وہ بخشش کی دعاء کریں مشرکوں کے لئے اگرچہ وہ

اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ

ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اس بات کے واضح ہو جانے کے بعد کہ وہ لوگ

الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا

دوزخی ہیں، ف۲۰۸ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے معافی مانگنا تو محض ایک وعدے کی

عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ

بناء پر تھا، جو کہ وہ اس سے کر چکے تھے مگر جب ان کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ

عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اس سے تعلق توڑ دیا، حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑے ہی نرم دل، اور بردبار تھے،

ف۲۰۷ اہلِ ایمان کے لیے خوشخبری سنانے کا حکم وارشاد: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ خوشخبری سنادو ایمان والوں کو۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ دولتِ ایمان و یقین دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی دولت ہے۔ کیونکہ یہاں پر مبشر بہ کو ذکر نہیں فرمایا گیا جس سے تعمیم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ان صفات کے حامل اور ایسے ایمانداروں کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی بشارت ہے۔ سو صدقِ ایمان و یقین اور عملِ صالح کی دولت ایسی عظیم الشان دولت ہے کہ انسان کو ہر خیر سے مشرف کرتی اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے نوازتی ہے۔ بہرکیف جب یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس وحدہٗ لاشریک سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا اور کوئی ہو سکتا ہی نہیں کہ ایسا ہونا کسی کے لیے ممکن ہی نہیں۔ تو پھر تمہیں اے دولتِ ایمان رکھنے والو اپنے عظیم الشان اور بے مثال سودے پر باغ باغ ہونا چاہئے۔ اور جو کچھ اُس مالک الملک، واہبِ مطلق نے تم سے مانگا وہ اسکی طلب پر بخوشی اسکے حوالے کر دو۔ اور جو کچھ اس کے عوض ملا ہے اس پر مطمئن ہو جاؤ نیز یہاں پر اہلِ ایمان کی ان صفات کے ذکر و بیان سے یہ اہم اور بنیادی درس بھی ملتا ہے کہ جنت سے سرفرازی کا تعلق حسب ونسب جیسی غیر اختیاری چیز پر نہیں۔ کیونکہ یہاں پر معاملہ فلاں ابن فلاں ابن فلاں پر نہیں بلکہ یہاں پر سارا دار و مدار انسان

کے اپنے عقیدہ وایمان اور عمل وکردار پر ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وہوالہادی الیٰ سواء السبیل۔

۲۰۸ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعاء مانگنے کی ممانعت: - سوارشاد فرمایا گیا کہ پیغمبر اور دوسرے اہلِ ایمان کو روا نہیں کہ وہ مشرکوں کیلئے بخشش کی دعاء کریں کہ مشرک اس بات کے اہل نہیں ہیں کہ ان کے لیے بخشش کی دعا کی جائے کہ شرک کا جرم دراصل بغاوت کا جرم ہے جو کہ ناقابلِ معافی ہے - والعیاذ باللہ - صحیح بخاری ومسلم وغیرہ کی روایت کے مطابق جب آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کے چچا ابو طالب کے انتقال کا وقت آن پہنچا تو آپ اپنی عظیم الشان رحمت اور شفقت کی بناء پر ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسکو کلمۂ توحید پڑھنے اور دینِ حق کے قبول کرنے کی دعوت دی تاکہ وہ دوزخ کی آگ سے بچ سکے - تو اس موقع پر مشرکینِ مکہ کے سرداروں میں سے ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے اس کو طعن وتشنیع کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم مرتے وقت اپنے باپ دادا کے دین سے پھرنا چاہتے ہو؟ تو اس نے آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کی اس قدر خواہش اور کوشش کے باوجود دینِ حق کو قبول کرنے اور کلمۂ توحید کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا - اور وہ کفر ہی پر مر کر دوزخ کا مستحق ہوا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اسی لئے بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ اس نے دوزخ کی آگ کو تو اختیار کر لیا مگر عار کو برداشت نہ کیا "اِخْتَارَ النَّارَ عَلَی الْعَارِ" پھر بھی نبی رحمت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اپنے وفورِ رحمت کی بناء پر فرمایا چچا، اللہ کی قسم میں آپ کے لئے بخشش کی دعاء کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے؟ "وَ اللّٰہِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَا لَمْ اُنْہَ عَنْہُ" تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس سے آپ کو اس کے لئے دعائے بخشش سے روک دیا گیا - صَلَوٰتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ - قولِ مشہور کے مطابق یہی قصہ اس آیتِ کریمہ کی شانِ نزول اور سببِ ورود ہے۔ (روح، ابن جریر، ابن کثیر، مراغی، محاسن، جامع اور معارف وغیرہ وغیرہ) - سو اس سے ایک تو یہ بات واضح اور محقق ہوگئی کہ کفر اور شرک پر مرنے والے کسی انسان کے لئے نہ تو دعائے مغفرت کرنا کسی شخص کے لئے روا اور جائز ہو سکتا ہے اور نہ ہی کفر وشرک پر مرنے والے ایسے کسی شخص کو اس سے کسی طرح کا کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے خواہ وہ دعاء حضرت امام الانبیاء - صلی اللہ علیہ وسلم - کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو؟ نیز اس سے یہ امر بھی پوری طرح واضح ہو گیا کہ پیغمبر نہ تو عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ ہی مختارِ کل، جیسا کہ دورِ حاضر کے کچھ اہلِ زیغ وضلال کا کہنا اور ماننا ہے - کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو نہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - ایک ایسے شخص کے لئے جس کا انجام اس طرح طے اور مقرر ہو چکا تھا اس طرح دعاء فرماتے اور نہ ہی ابو طالب اس طرح دولتِ ایمان ویقین سے محرومی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتا - اور جب حضرت امام الانبیاء - صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ - کی شانِ عبدیت وبندگی کا یہ عالم ہے تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جس کے بارے میں اس طرح کا کوئی عقیدہ رکھا جا سکے - سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر بہکے بھٹکے اور بگڑے ہوئے ہیں وہ لوگ جو قرآن و سنت پر ایمان ویقین کے دعووں کے باوجود اور حضرت نبیِ اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - سے عشق ومحبت کے اظہار کے باوصف اس طرح کے عقائد رکھتے ہیں کہ "ساڈا عبدالقادر قادر ہے - سانوں ہور کسے دی لوڑ نہیں" - یعنی "ہمارا عبدالقادر قادر ہے اور ہمیں کسی اور کی کوئی ضرورت ہی نہیں" - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَمَا یَعْتَقِدُوْنَ وَمَا یَظُنُّوْنَ - بہرکیف اس واقعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل - بلکہ علمِ غیبِ کلی اور اختیارِ کلی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی شان اور اسی کا اختصاص ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى

اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہی میں ڈال دے کسی قوم کو، ان کو ہدایت سے نوازنے کے بعد، یہاں تک

يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ

کہ وہ بیان فرما دے ان کے لئے وہ کچھ جس سے انہیں بچنا ہے ف۲۰۹ بلاشبہ اللہ کو ہر چیز کا پورا علم ہے، بے شک

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا

اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں میں بھی، اور زمین میں بھی، وہی زندگی بخشتا ہے، اور اسی کا کام ہے موت دینا ف۲۱۰

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ

اور اس کے سوا تمہارا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار، بے شک

تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ

اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوگئیں پیغمبر پر، اور ان مہاجرین وانصار پر، جنہوں نے

اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ

ان (پیغمبر) کا ساتھ دیا، تنگی کی اس گھڑی میں، اس کے بعد کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے

قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ

دل پھرنے لگے تھے، مگر اللہ نے ان پر رحمت فرما دی، ف۲۱۱ (جس سے وہ سنبھل گئے) بے شک وہ ان پر

۲۰۹ تبیینِ حق اور اتمامِ حجت کی ضرورت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ وہ کسی قوم کو یونہی گمراہی کے حوالے کر دے یہاں تک کہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان نہ کر دے وہ سب کچھ جس سے ان کو بچنا ضروری ہوتا ہے سو اِتمامِ حجت کے لیے تبیینِ حق ضروری ہے تاکہ حق پوری طرح واضح ہو جائے۔ خواہ اس کا تعلق اقوال سے ہو یا اعمال سے۔ سو ایسے واضح بیان کے بغیر کسی قوم کو گمراہ قرار دینا اور اس پر اس کی گرفت و پکڑ کرنا نہ اُس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کی شانِ عدل و انصاف کے لائق ہے اور نہ ہی ایسا کرنا ان حکیمانہ سننِ کونیہ کے مناسب ہے جو کہ اس کی اس کائنات میں کارفرما ہیں۔ اسی لئے نہ حضرتِ ابراہیمؑ پر کوئی مؤاخذہ اور نہ حضرتِ امام الانبیاء پر۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو آپ کا استغفار منع کرنے سے پہلے تھا۔ جونہی آپ کو اس سے منع فرمایا گیا آپ اس سے رک گئے۔ سو اس ارشاد سے اس ممانعت کی تاکید فرما دی گئی جو اوپر مسلمانوں کو

مشرکین کے لیے استغفار کے بارے میں کی گئی۔ پس جن لوگوں کی حق دشمنی واضح ہوگئی ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا ذہنی اور قلبی لگاؤ نہ رکھا جائے۔ کیونکہ یہ چیز بسا اوقات آدمی کے لیے بڑے فتنے کا باعث بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے اصول وعقائد تک نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور خون ونسب کا رشتہ وتعلق تمام حقائق پر غالب آ جاتا ہے۔ آج جو لوگ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے کے باوجود " نحن ابناء الفراعنة "کا نعرہ لگاتے ہیں اور جو محمد بن قاسم کی بجائے راجہ داہر پر فخر کرتے ہیں وہ سب اسی فتنے کا شکار ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور اسی بنا پر نسلی بنیادوں پر قائم ہونے والی بعض سیاسی تنظیموں نے اپنے دینی اور ایمانی رشتوں کو پس پشت ڈال دیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

٢١٠ زندگی وموت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی زندگی بخشتا ہے اور اسی کی شان ہے موت دینا۔ پس اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی بھی زندہ یا مردہ ہستی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ مار سکتی ہے یا زندہ کر سکتی ہے، جائز نہیں۔ جیسا کہ آج کل کے بہت سے کلمہ گو مشرک کہتے ہیں کہ فلاں شخص کو فلاں بزرگ نے مار دیا، یا فلاں بزرگ نے فلاں شخص کو زندہ کر دیا۔ یہاں تک کہ اہل بدعت کے ایک معروف تحریف پسند نے بارہ برس کے ڈوبے ہوئے بیڑے کو زندہ کر کے غرقابی سے نکال باہر کرنے کے موضوع، من گھڑت اور جھوٹے قصے کو قرآن حکیم کے حواشی تک میں لکھ دیا۔ اور اس کو قرآنی تفسیر کے طور پر درج کر دیا۔ سو اس سے بڑھ کر تحریف اور ظلم اور کیا ہوگا؟ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ بہرکیف اس آیت کریمہ میں دوسری بہت سی آیتوں کی طرح اہل ایمان کو یہ درس عظیم دیا گیا ہے کہ جب زمین وآسمان کی بادشاہی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے لئے ہے اور جب زندگی وموت بھی اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے اور جب اس کے سوا تمہارا کوئی حمایتی و مددگار بھی نہیں تو پھر تمہیں کسی اور سے کوئی توقع رکھنے یا اس سے ڈرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے؟ (المراغی وغیرہ)۔ اور جب اسکی ان صفات میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ پس معبود برحق وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ اس کے سوا اور کسی کے آگے جھکنا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ۔

٢١١ صدق واخلاص رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے کا اہم ذریعہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے ان پر رحمت فرما دی ان کے اس صبر وتحمل اور صدق واخلاص کی بناء پر جس کا مظاہرہ انہوں نے سختی اور تنگی کے اس نازک موقع پر بھی کیا۔ اور اخلاص وللّٰہیت سے اور محض اللہ کی رضا کے لئے کیا کہ اللہ پاک کے یہاں اصل میں قدر وقیمت بھی اسی چیز کی ہے۔ یعنی صدق واخلاص اور ثبات واستقامت ۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِیْقَ لِذٰلِکَ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیَاۃِ ۔ سو صدق واخلاص اور صبر و استقامت اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے کا اہم ذریعہ ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس سے توبہ کی قبولیت اور اس عام بشارت کا اعلان فرمایا جا رہا ہے جو اس سورۂ کریمہ کی تنبیہات وتحذیرات کے بعد رحمت کی گھٹا بن کر ان لوگوں پر برسی جنہوں نے اپنے صدق و اخلاص سے اپنے آپ کو اس کا اہل اور مستحق ثابت کیا تھا۔ اور اس فہرست میں سرفہرست نبی اکرم ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کا ذکر فرمایا گیا ہے ۔ اس لیے کہ اس پاکیزہ اور بے مثال معاشرے کے گل سرسبد تو آپ ہی تھے۔ اور ان تمام رحمتوں کا مدار ومحور اور باعث وسبب آپ کی ذات اقدس ہی تھی ۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ اور اس سیاق وسباق میں آپ کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا گیا کہ آپ سے اس طرح کی کوئی غلطی صادر ہوگئی تھی جس طرح کی غلطیاں بعض دوسرے حضرات سے صادر ہوئی تھیں بلکہ آپ کا ذکر یہاں پر اس اعتبار سے ہوا کہ آپ اپنی رأفت ورحمت کی بنا پر منافقین کے بارے میں اب تک نرمی اور چشم پوشی سے کام لے رہے تھے جس کا ذکر ﴿ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ ﴾ وغیرہ بعض آیات میں فرمایا گیا ہے۔ ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے دامن عفو ورحمت میں جگہ دے دی ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ حَتّٰۤى

بڑا ہی شفیق، نہایت ہی مہربان ہے، اور ان تین شخصوں پر بھی (رحم فرمالیا) جن کا معاملہ التواء میں رکھ دیا گیا تھا ۲۱۲ یہاں تک کہ

اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ

جب تنگ ہوگئی ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود، اور ان پر بوجھ بننے لگیں

عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ

خود ان کی اپنی جانیں، اور ان کو یقین ہوگیا کہ کہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے

اِلَيۡهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ

(دامانِ رحمت کے،) پھر اس نے توجہ فرمائی ان (کے حال) پر ۲۱۳ (اپنی رحمت وعنایت سے،) تاکہ یہ رجوع کریں اس کی طرف،

۲۱۲ تین صحابۂ کرام کی توبہ کی قبولیت کا مژدۂ جانفزا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں پر بھی رحم فرمالیا جن کا معاملہ التواء میں رکھ دیا گیا تھا۔ سو اس ارشاد سے یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا کہ ان تین حضرات کی توبہ بھی قبول فرمائی گئی جن کا معاملہ التواء میں رکھا گیا تھا کہ انہوں نے نہ تو منافقین کی طرح جھوٹے حیلوں بہانوں سے کام لیا تھا اور نہ ہی کچھ دوسرے مخلص مسلمانوں کی طرح توبہ میں مبالغے کے طور پر اپنے آپ کو خود مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھا تھا۔ بلکہ انہوں نے اپنا معاملہ اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا تھا۔ سو ان کے صدق واخلاص کی بناء پر ان کی توبہ بھی قبول فرمائی گئی اور ان پر بھی رحمتِ خداوندی متوجہ ہوگئی۔ سو قبولیتِ توبہ کی اس عام بشارت کے بعد جس کا ذکر اوپر ہوا اب یہ ان تین حضرات کی توبہ کی قبولیت کی بشارت ہے۔ جس کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا جیسا کہ اوپر آیت نمبر ۱۰۶ میں فرمایا گیا۔ کہ ان تین حضرات پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت وعنایت فرما دی اور ان کے قصور کو بھی معاف فرما دیا گیا ان کے صدق واخلاص کی بنا پر۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۲۱۳ مخلصین کے لیے دوہری عنایت کا ذکر و بیان: سو اس سے مخلصین کے لیے اللہ تعالیٰ کی دوہری رحمت و عنایت کا ایک واضح مظہر ونمونہ سامنے آتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے توجہ فرمائی ان کے حال پر تاکہ یہ رجوع کریں اس کی طرف۔ سو یہ اللہ تعالیٰ کی اس دوہری عنایت کا ایک مظہر ونمونہ ہے جو وہ اپنے مخلصین کے لیے فرماتا ہے۔ پس ان تین پر رحمتِ خداوندی متوجہ ہوئی جس سے ان کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی اور یہ اس کی رحمت وعنایت کی طرف پھر لوٹ آئے۔ اور اس کی عنایات ان کی طرف پھر متوجہ ہوگئیں۔ معلوم ہوا کہ جب دل میں صدق واخلاص کی دولت موجود ہو تو اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کی دوہری عنایت متوجہ ہوتی ہے۔ ایک پہلے جس سے توبہ کی توفیق ملتی ہے اور دوسری اس کے بعد جس سے یہ توبہ قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت ان مخلصین کی طرف متوجہ ہوئی جس سے ان کو توبہ کی توفیق ملی جس کے نتیجے میں ان کو خاص عنایات سے نوازا گیا۔ اللہ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۲ ع ۸ ۳ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۱۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوۡنُوۡا

بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا ، انتہائی مہربان ہے، ایمان والو! ڈروتم اللہ سے اور

مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِیۡنَةِ وَ مَنۡ

ساتھ دو سچوں کا ۲۱۴ مدینہ والوں اوران کے آس پاس کے

حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ یَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ

دیہاتیوں کو یہ روا نہ تھا کہ وہ پیچھے رہتے اللہ کے رسول سے،

وَلَا یَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا

اور نہ یہ کہ وہ عزیز رکھتے اپنی جانوں کوان کی جان سے، یہ اس لئے بھی کہ راہِ حق میں

یُصِیۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِیۡ سَبِیۡلِ

انہیں جو بھی کوئی تکلیف بھوک پیاس یا جسمانی تھکاوٹ کی پہنچتی

اللّٰهِ وَلَا یَطَـُٔوۡنَ مَوۡطِئًا یَّغِیۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا یَنَالُوۡنَ

ہے، یا جو بھی کوئی ایسا راستہ یہ لوگ چلتے ہیں، جس سے کفار آتشِ غیظ میں جلتے ہیں، یا کسی بھی دشمن سے

۲۱۴ عظیم الشان دو نکاتی انقلاب آفریں پروگرام:- سبحان اللہ- کیسا عظیم الشان اور انقلاب آفرین دو نکاتی پروگرام تعلیم فرمایا گیا ہے کہ ایک تو تم خود متقی اور پرہیز گار بن جاؤ- یعنی ہر اس چیز سے بچو جو تمہارے خالق و مالک کی ناراضگی کا باعث ہو- اس طرح تم خود پاکیزہ اور قیمتی انسان بن جاؤ گے- اور اس کے بعد دوسرا کام یہ کرو کہ تم دوسرے سچے متقی اور پرہیز گار لوگوں کا ساتھ دو تا کہ اس طرح تم حق اور اہلِ حق اور سچ اور سچوں کی قوت کا ذریعہ بنو- اور اس طرح پورا معاشرہ پاکیزہ اور نمونے کا معاشرہ بن جائے- اور اس طرح ایسے سب لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہو سکیں- وَبِاللّٰهِ التَّوۡفِیۡق وَهُوَ الۡمُیَسِّرُ لِكُلِّ عَسِیۡر- بہرکیف سچوں کی معیت اور ان کا ساتھ دینے سے جہاں ایک طرف مومن دوسرے مومنوں کی تائید و تقویت کا ذریعہ و سبب بنتا ہے، وہیں دوسری طرف اس میں انسان کی خود اپنی اصلاح و ترقی کا سامان بھی ہے- کیونکہ بروں کی صحبت اور ان کی معیت سے انسان کے اندر ان کے برے اثرات اور ان کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان بگڑتے بگڑتے کہیں کا کہیں جا پہنچتا ہے- یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ انہی کے زمرے کا آدمی بن جاتا ہے- وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ- اسی لیے مسلمانوں کو دار الکفر سے نکل کر دار الاسلام میں آنے کا حکم و ارشاد فرمایا گیا تا کہ وہ ان کے اثراتِ بد سے بچ سکیں- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یحب و یرید وھو الہادی الٰی سواء السبیل-

مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ

یہ کوئی انتقام لیتے ہیں، تو ان میں سے ایک ایک بات پر ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے، و۲۱۵

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ

بے شک اللہ ضائع نہیں کرتا اجر نیکوکاروں کا، و۲۱۶ اور (اسی طرح) یہ لوگ جو بھی کچھ

نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا

خرچ کرتے ہیں، خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت، اور جو بھی کوئی وادی یہ طے کرتے ہیں، (اللہ کی راہ میں)

۲۱۵ صحبتِ خیر سے محرومی باعثِ محرومی - والعیاذُ باللہ :-سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اچھوں کی صحبت و معیت سے محرومی بڑے خسارے کا سودا ہے- والعیاذ باللہ- اس لیے مدینے والوں اور ان کے آس پاس والوں کو رسول سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے تھا کہ اول تو سچوں کے امام و پیشوا اس نبیّ معصوم کی معیت و رفاقت کا شرف بذاتِ خود مامور و مطلوب اور ایک عظیم الشان سعادت ہے اور دوسرے اس راہِ حق میں پیش آنے والی ایک ایک تکلیف و مشقت اور ایک ایک حالت و کیفیت پر نیکی اور اجر و ثواب لکھا جاتا ہے۔ تو پھر سعادت در سعادت پر مشتمل اس سفرِ مبارک سے تخلف کتنی بڑی محرومی اور کس قدر بڑا خسارہ ہے۔ تو پھر ایسا کرنا کس طرح روا ہو سکتا ہے؟ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو اس ارشاد سے اس مضمون کی تاکید مزید فرما دی گئی جو ابھی اوپر بیان ہوا ہے اور اس میں کمزور مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزائی ہے کہ وہ صادقین و مخلصین کی رفاقت و معیت کو اختیار کریں کہ اس راہ میں پیش آنے والی ہر مشکل و مصیبت اور ہر ابتلاء و آزمائش میں ان کے لیے اجر و ثواب اور عزت و عظمت کا سامان ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-

۲۱۶ نیکوکاروں کے لیے پیغامِ مسرت و اطمینان :-سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا"- "محسن" "احسان" سے بنا ہے جو کہ ماخوذ ہے "حسن" سے۔ جس کے معنیٰ اچھائی اور خوبی کے آتے ہیں۔ اور یہ ظاہری بھی ہوتی ہے اور معنوی و باطنی بھی۔ معنوی یہ کہ نیت و ارادہ درست ہو کہ جو کچھ کرے پورے صدق و اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی ہی کے لئے کرے۔ کسی دوسری غرض کا کوئی شائبہ اس میں شامل نہ ہو اور ظاہری یہ کہ وہ کام اللہ اور اس کے رسول کی تعلیماتِ مقدسہ اور ہدایات و ارشاداتِ عالیہ کے مطابق کرے۔ سو ایسے نیکوکاروں کا اجر کبھی ضائع نہیں ہوگا -جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ- سو "احسان" ایک عظیم الشان صفت ہے- اللہ نصیب فرمائے- آمین- سو جو عمل احسان و خوبی اور اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کے لیے کیا جائے گا دوسری کسی غرض کا اس میں کوئی شائبہ نہیں ہوگا وہ کبھی ضائع نہیں ہوگا- اور اس ربِ غفور و شکور کے یہاں اسکی شانِ کرم و احسان کی بناء پر ضرور شرفِ قبولیت و باریابی سے مشرف ہوگا- سو اس میں محسنین یعنی نیکوکاروں کے لیے بڑا پیغامِ مسرت و اطمینان ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وہو الہادی الیٰ سواء السبیل- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر موقع پر اپنی رضاء و خوشنودی سے سرفراز رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین۔

إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾

وہ سب ان کے لئے لکھ دیا جاتا ہے، تاکہ اللہ انہیں بہترین بدلہ دے ان کے ان کاموں کا جو یہ کرتے رہے ہیں، ٢١٧

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ

اور مومنوں کو یہ بھی نہیں چاہیئے کہ وہ سب نکل پڑیں، ٢١٨ پس انہوں نے ایسے کیوں نہ کیا

كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت چلی جاتی، تاکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کریں،

وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ

اور وہ اپنی قوم کو خبردار کریں جب کہ وہ ان کے پاس لوٹ کر آئیں، تاکہ وہ

٢١٧ نیک اعمال کا بدلہ بہترین شکل میں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ اللہ بہترین بدلہ دے ان لوگوں کو ان کے ان کاموں کا جو یہ کرتے ہیں۔ یعنی نیک اعمال کا بدلہ صرف برابر سرابر، ناپ تول کر نہیں، بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اور بہتر شکل میں دیا جائے گا۔ چنانچہ انسان کو اپنے اعمالِ صالحہ کے نتیجے میں جنت کی وہ دائمی اور ابدی نعمتیں بخشی جائیں گی جو بے مثال محدود و غیر معدود ہیں۔ اور جن کا یہاں پر تصور کرنا بھی کسی کے لیے ممکن نہیں۔ سو یہ بھی اُس ربِّ رحیم و کریم کے بے مثال اور لامتناہی کرم کا ایک نمونہ اور ثبوت ہے۔ پس جنت اور اُس کی نعمتیں عدل کی بناء پر نہیں بلکہ اُس کے فضل و کرم کے طور پر بخشی جائیں گی۔ فَسُبْحَانَهُ مَا أَعْظَمَ شَأْنَهُ وَمَا أَكْرَمَ إِنْعَامَهُ۔ سو روزِ جزاء میں ہر انسان اپنے عمل کا بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ صلہ و بدلہ پائے گا کیونکہ یہ جزاء انسان کو اُس ذاتِ اقدس واعلیٰ کی طرف سے ملے گی جس کے کرم و احسان کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہاء۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اللہ! ہم سے عدل کا نہیں فضل کا معاملہ فرمانا۔ کیونکہ عدل کے ترازو میں تلنے کے لیے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔ بس تیرے فضل و کرم کی امید اور اسی کا آسرا و سہارا ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے فضل و کرم اور انعام سے نوازنا کہ تیری تو شان ہی فضل و کرم کرنے اور انعام و احسان سے نوازنے کی شان ہے۔ تبارکت وتعالیت۔

٢١٨ اہلِ ایمان کو حسنِ انتظام سے متعلق ایک حکم و ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ مؤمنوں کو یہ نہیں چاہیئے کہ وہ سب نکل پڑیں"۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اور اپنے پیچھے کسی کو بھی نہ چھوڑیں۔ سو ایسا کرنا درست نہیں کہ یہ حسنِ انتظام کے خلاف ہے۔ روایات میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ جانے والے منافقین کے بارے میں جو سخت آیات اور تنبیہات نازل ہوئیں تو اس کی بناء پر اس کے بعد کے غزوات و سرایا میں سب ہی لوگ نکل پڑے۔ تو اُس سے روکنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (جامع البیان وغیرہ) سو اس میں تنبیہ فرمائی گئی کہ مؤمنوں کو یہ نہیں چاہیئے کہ سب ہی نکل پڑیں بلکہ حسبِ ضرورت معقول تعداد میں نکلیں بھی اور معقول تعداد کو پیچھے بھی چھوڑ جائیں۔ تاکہ ایک مستقل اور معتد بہ تعداد دین کو سیکھنے سکھانے والوں کی بھی موجود ہو جو تعلیم دین کے فریضے کو نبھانے کا انتظام کرے۔

يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ

بچ سکیں، ف۲۱۹ ایمان والو! لڑو تم ان کافروں سے

يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا

جو تمہارے آس پاس ہیں، ف۲۲۰ اور چاہیئے کہ وہ تمہارے اندر ایک سختی (اور صلابت) پائیں، اور یقین جانو

۲۱۹ قوم کو تنبیہ و تذکیر کی ضرورت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اہلِ ایمان کو اس طرح کرنا چاہیے تھا کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت چلی جاتی۔ تاکہ وہ لوگ دین میں سمجھ پیدا کریں اور وہ اپنی قوم کو خبردار کریں جب کہ وہ ان کے پاس لوٹ کر واپس آئیں۔ تاکہ وہ ان کو خبردار کریں ان چیزوں سے جن سے ان کو بچنا ضروری ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک ایسی جماعت کا مسلمانوں کے اندر موجود ہونا ضروری ہے جو خود دین سیکھ کر دوسروں کو سکھائے اور ان کی دینی راہنمائی کرے۔ ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ اسی کو فقہی اصطلاح میں "فرضِ کفایہ" کہا جاتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر و تشریح میں کئی احتمال و اقوال ہیں جنکی تفصیل انشاء اللہ ہم اپنی مفصل تفسیر میں عرض کریں گے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس ارشاد کا ایک اہم محمل و مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو دین میں تفقہ اور فہم و بصیرت حاصل کرے۔ تاکہ ایسے لوگ اپنی بقیہ قوم کو ان کے انجام سے خبردار کر سکیں اور ان کو اپنی آخرت کی اصل، حقیقی اور ابدی زندگی کے لیے تیاری کی تعلیم و تلقین کرتے رہیں کہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۲۰ کفار سے جہاد کا حکم و ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا "ایمان والو! تم لڑو ان کافروں سے جو تمہارے آس پاس ہیں کہ اقرب فالاقرب کے طبعی اور فطری اصول و ضابطہ کا تقاضا یہی ہے۔ چنانچہ اسی حکم و ارشاد کے مطابق نبیٔ اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے مدینہ میں رہنے والے یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو قریظہ، اور بنو نضیر سے جہاد فرمایا۔ اس کے بعد یہودِ خیبر سے۔ اور اس طرح آس پاس کے جہاد سے فراغت کے بعد آپؐ نے سب سے آخر میں رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے غزوۂ تبوک کا سفر فرمایا اور پھر اس کے بعد حضراتِ صحابہ کرام۔ علیہم الرحمۃ والرضوان۔ جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر مشرق و مغرب میں پھیل گئے اور انہوں نے ہر طرف اسلام کا پھریرا لہرا دیا۔ سو اس سورۂ کریمہ کے آخر میں یہ آیتِ کریمہ دراصل اس پوری سورۂ کریمہ کے اصل مضمون کا خلاصہ ہے۔ سو کفار و مشرکین پر اِتمامِ حجت ہو جانے کے بعد اول تو ان لوگوں سے اعلانِ براءت فرمایا گیا۔ اور اب یہ اسکے آخر میں ان دشمنوں کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اور یہی دینِ حنیف کا اصل مطالبہ ہے جو اہلِ ایمان کے سامنے رکھ دیا گیا تاکہ اس طرح شر و فساد کی قوتوں کا قلع قمع کیا جا سکے اور دینِ حق کی راہ میں موجود رکاوٹوں کا ازالہ کیا جا سکے تاکہ دینِ حق غالب ہو کر رہے۔ اور اس طرح خلقِ خدا کا بھلا اور فائدہ ہو سکے دنیا کی اِس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی۔ اور یہ عظیم الشان مقصد اور اس کا حصول اس دینِ حنیف کے بغیر ممکن نہیں۔

ع

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا مَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے، ۲۲۱ اور جب اتاری جاتی ہے کوئی سورت،

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ إِيْمَانًا ج فَأَمَّا

تو ان میں سے بعض (ازراہِ تمسخر دوسروں سے) کہتے ہیں کہ (کہئے صاحب!) اس سے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی ہوئی؟

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَ

سو ایمان والوں کے ایمان میں تو واقعی ہر سورت سے ترقی ہی ہوتی ہے، اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں،

أَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلٰى

رہ گئے وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے (نفاق کا) تو اس سے ان کی پلیدی میں اور

رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾ أَوَلَا يَرَوْنَ

پلیدی ہی کا اضافہ ہوتا ہے، اور وہ دم بھی توڑتے ہیں تو کفر ہی پر توڑتے ہیں ۲۲۲ کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے

أَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ

کہ ان کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے ہر سال ایک یا دو مرتبہ، پھر

لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا مَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

بھی نہ تو یہ توبہ کرتے ہیں، اور نہ ہی یہ کوئی سبق لیتے ہیں ۲۲۳ اور جب کوئی سورت اترتی

۲۲۱ پرہیزگاروں کے لیے معیتِ خداوندی کا مژدۂ جانفزا: -سو ارشاد فرمایا گیا اور ادوات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یقین جانو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے۔ یعنی وہ ان کے ساتھ ہے اپنی حمایت اور نصرت و مدد کے اعتبار سے۔ اور جب معیتِ خداوندی کا یہ شرف و اعزاز تمہیں حاصل ہے اے ایمان والو! تو پھر تمہیں اور کسی کی کیا کوئی پرواہ ہوسکتی ہے؟ پس تم تقویٰ و پرہیزگاری کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا کہ یہی تمہاری اصل قوت اور وسیلۂ فتح و ظفر ہے۔ ورنہ ظاہری اسباب و وسائل اور مادی قوت کے اعتبار سے تمہارے دشمن تم سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمانوں نے تقویٰ کے اس باطنی اسلحہ اور حقیقی قوت کو پوری طرح اور صحیح طور پر اپنایا تو فتح و ظفر نے ہمیشہ ان کے قدم چومے۔ اور اسکی تازہ مثال ہمارے سامنے جہادِ افغانستان کی ہے۔ جس سے نہ صرف یہ کہ

روس جیسی شیطانی سپر پاور نے شکست کھائی بلکہ اس کا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ اور ایسا کہ اس جہاد سے پہلے اس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ پھر اسکے بعد اسی ارضِ افغانستان میں طالبان تحریک نے تقویٰ و پرہیزگاری کے اسی اسلحہ کے بل بوتے پر جو بے مثال انقلاب برپا کیا اس نے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ سو تقویٰ و پرہیزگاری کی قوت بے مثال اور لازوال قوت ہے۔ اللہ تمام اسلامیانِ عالم کو نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۲۲۲ دل کے روگیوں پر پلیدی کا اضافہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے یعنی کفر وشرک اور انکار و نفاق کا روگ تو اس سے انکی پلیدی پر اور پلیدی کا اضافہ ہوتا ہے۔ کہ ان کا اپنا باطن پلید ہے۔ سو بارانِ رحمت تو ایک ہی ہوتی ہے مگر کہیں اس سے پھول کھلتے اور پھل نکلتے ہیں اور کہیں کانٹے اور بدبودار جھاڑیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پس فرق زمین کا ہے نہ کہ بارانِ رحمت کا کہ وہ تو بہرحال ایک ہی ہے۔ سو ایسے ہی یہاں ہے۔ کسی نئی سورت کے نازل ہونے سے اہلِ ایمان کے تو نورِ ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں کہ رحمت کی ایک گھٹا اور برسی۔ ان کا سرور دوبالا ہوتا ہے اور ان کا اجر وثواب ڈبل ہو جاتا ہے۔ مگر کفر و نفاق کے روگیوں کا روگ ہی بڑھتا ہے۔ اور اس نئی سورت کے کفر و انکار سے ان کے کفر و نفاق کی ناپاکی ونجاست ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - انکی پلیدی اور بڑھتی اور انکی نجاست پر مزید نجاست کے ردے لگتے جاتے ہیں اور ان کے کفر و نفاق کی سیاہی مزید بڑھتی اور گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مرتے ہیں تو بھی کفر ونفاق ہی کی حالت میں مرتے ہیں۔ اور اسکے نتیجے میں یہ ہمیشہ کے لیے فی النار والسقر ہو جاتے ہیں اور یہ وہ ہولناک اور سب سے بڑا خسارہ ہے جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ ہو ہی نہیں سکتا اور جس سے نکلنے اور چھٹکارا پانے کی کوئی صورت پھر ممکن ہی نہیں رہتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر موقع ومقام پر اپنی حفاظت و پناہ کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔ اور نفس وشیطان کے ہر دھوکے اور فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

۲۲۳ منافقوں کی بار بار کی آزمائش کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ دیکھتے اور سبق نہیں لیتے کہ ان کو ہر سال آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔ ایک یا دو مرتبہ۔ کبھی قحط وخشک سالی سے اور کبھی جنگ و جدال سے اور کبھی دوسرے مصائب و آلام اور آفات و بلیات سے مگر یہ لوگ ہیں کہ اس کے باوجود نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی سبق لیتے ہیں۔ سو معلوم ہوا کہ مصائب و آلام سے سبق نہ لینا دراصل دولتِ ایمان سے محروم لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو ایمان و یقین کی دولت سے محرومی کے بعد انسان خیر وصلاح کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف اللہ پاک - سبحانہٗ وتعالیٰ - چونکہ اپنی رحمتِ بے پایاں اور عنایتِ بے نہایت کی بنا پر اپنے ہر بندے پر رحمت فرمانا چاہتا ہے اس لیے اس نے اس دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ ہر شخص کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا سال میں ایک دو بار ضرور کسی نہ کسی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کر سکے اور وہ توبہ وانابت اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو سکے۔ اور اسکے نتیجے میں اسکو اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت سے سرفرازی نصیب ہو سکے۔ سو جو صاحبِ توفیق ہوتے ہیں وہ ایسی آزمائش سے سبق حاصل کرتے ہیں لیکن جو محروم اور بدنصیب ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ - وہ ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اور وہ اپنی شقاوت کی راہ پر چلتے جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ

ہے تو یہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگ جاتے ہیں ، کہ کہیں تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا، پھر

انۡصَرَفُوۡا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا

یہ چپکے سے نکل بھاگتے ہیں، اللہ نے پھیر دیا ان کے دلوں کو ۲۲۴ اس بناء پر کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں (حق اور حقیقت کو) ۲۲۵

۲۲۴ منافقین دستورِ خداوندی کی زد میں :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ پھر گئے تو اللہ نے پھیر دیا ان کے دلوں کو۔ ان کے اپنے خبثِ باطن، سوءِ اختیار اور بدنیتی کی وجہ سے۔ جس کی بناء پر یہ حق سے محروم ہو جاتے ہیں کہ جیسی نیت ویسی مراد۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ﴾ معلوم ہوا کہ حق اور اہلِ حق کی مجالس سے منہ موڑنا بڑی محرومی اور بدبختی ہے۔ اور اس سے انسان نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ سو یہ اثر و نتیجہ ہے ان لوگوں کی محرومی کا۔ یہ بدنصیب لوگ موقع پا کر مجلسِ نبوی سے اس طرح کھسک جاتے ہیں۔ آپس میں کنکھیوں سے اشارے کرتے ہوئے وہاں سے نکل بھاگتے ہیں۔ اور اس کو یہ لوگ اپنی ہوشیاری اور چالاکی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ انکی اپنی حماقت و محرومی ہے۔ بہرکیف جب یہ لوگ پھر گئے اپنے ارادہ و اختیار سے تو اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کہ اس کا قانون و دستور یہی ہے کہ جو لوگ نورِ حق وہدایت سے منہ موڑ لیتے ہیں ان کو محروم کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنے ارادہ و اختیار سے جدھر جانا اور چلنا چاہتے ہیں ان کو ادھر ہی چلتا کر دیا جاتا ہے۔ ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾۔ کے ضابطہ واصول کا تقاضا یہی ہے۔ اور یہی دستورِ خداوندی اور سنتِ الٰہی ہے۔ سو ایسے لوگ اپنی بدبختی اور سوءِ اختیار کی بنا پر دستورِ خداوندی کی زد میں ہیں۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔

۲۲۵ اصل علم وہی ہے جو انسان کو حق اور حقیقت سے آگاہ کرے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اپنی اسی بدنیتی اور خبثِ باطنی کی بنا پر یہ لوگ سمجھتے نہیں حق اور حقیقت کو اور ظاہر ہے کہ جب انکی نیت ہی صحیح نہیں اور یہ غور وفکر سے کام لیتے ہی نہیں تو پھر انہیں حق اور حقیقت سمجھ آئے ہی کس طرح؟۔ سبحان اللہ۔ قرآنِ پاک کس طرح غور وفکر سے کام لینے کی ترغیب جگہ جگہ اور طرح طرح سے دے رہا ہے مگر اس کے باوجود آج کا مسلمان ہے کہ حق وحقیقت کی طلب وتلاش سے غافل و لاپرواہ ہے اور اس حد تک کہ اس کا مقصد و مشن بطن و فرج کی شہوت پرستی کے سوا کچھ رہ ہی نہیں گیا۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اصل علم وہی ہے جو انسان کو راہِ حق وحقیقت سے آگاہ کرے ورنہ انسان سراسر اندھیرے میں ہے، خواہ کہنے کو اور ظاہر کے اعتبار سے اس نے کتنی ہی ڈگریاں کیوں نہ اٹھا رکھی ہوں۔ سو جو لوگ اپنے دل و دماغ کی صلاحیتوں سے خداوندِ قدوس کی تنبیہات کے بعد بھی کام نہیں لیتے وہ محروم کے محروم رہتے ہیں۔ ان کی صلاحیتوں کو قانونِ قدرت کے مطابق ادھر ہی موڑ دیا جاتا ہے جدھر کا رخ وہ خود کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ ہولناک انجام سے ہمیشہ ہمیش کے خسارے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا﴾ (النساء: ۱۱۵) کہ یہاں پر سودا جبر و اکراہ کا نہیں بلکہ اپنی رضاء و رغبت کا ہے۔ سو انسان کے بناؤ اور بگاڑ کا اصل تعلق خود اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔

يَفْقَهُوْنَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ

بے شک آ چکے تمہارے پاس (اے لوگو!) ایک عظیم الشان رسول خود تم ہی میں سے ف۲۲۶ جن پر بڑا گراں ہے تمہارا مشقت

عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ

(و تکلیف) میں پڑنا جو ف۲۲۷ بڑے حریص ہیں تمہاری فلاح (و بہبود) کے ف۲۲۸ انتہائی شفیق، اور بڑے مہربان ہیں ایمان والوں پر ف۲۲۹

رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

پھر بھی اگر یہ لوگ پھرے ہی رہیں (راہِ حق و ہدایت سے،) تو کہو کہ کافی ہے مجھے اللہ ف۲۳۰ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے

۲۲۶ بعثتِ نبوی کے احسانِ عظیم کا ذکر و بیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک آ چکے تمہارے پاس اے لوگو ایک عظیم الشان رسول خود تم ہی میں سے۔ یعنی تمہاری ہی جنس میں سے تاکہ تم زندگی کے ہر معاملے میں اور ہر موڑ پر ان کی پیروی کر سکو۔ چنانچہ وہ انسان و بشر ہیں اور تمہاری ہی طرح عربی، قریشی اور ہاشمی ہیں۔ مگر جنس و نوع کے اس اشتراک کے ساتھ ساتھ مرتبہ و مقام کے لحاظ سے وہ اتنے اونچے اور ان کی شان اس قدر بلند ہے کہ خدائے پاک کی ساری خدائی اور تمام مخلوق میں ان کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ کبھی ہوئی ہے نہ آئندہ کبھی ہونی ممکن ہے۔ قرآنِ پاک میں بشریتِ پیغمبر سے متعلق اس حقیقتِ صادقہ اور امرِ واقعہ کو جگہ جگہ اور طرح طرح سے آشکارا فرمایا گیا ہے مگر اس کے باوجود اہلِ بدعت کی الٹی کھوپڑیوں میں یہ سادہ اور واضح حقیقت اب تک نہیں آ رہی اور وہ اس کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اور اس ضمن میں وہ طرح طرح کی ٹامک ٹوئیوں اور تحریفات سے کام لیتے ہیں جو نتیجہ و انجام ہے بدنیتی، بدعت پرستی اور اہلِ حق سے عداوت و دشمنی کا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف یہاں پر اسی حقیقتِ صادقہ اور نعمتِ عظمیٰ کو بیان فرمایا گیا ہے کہ تمہارے پاس ایک ایسے عظیم الشان رسول آ گئے جو خود تم ہی میں سے ہیں۔ تاکہ وہ تم لوگوں کو سعادتِ دارین سے سرفرازی کی راہوں کی تعلیم دے سکیں۔

۲۲۷ پیغمبر کی رأفت و شفقت کا ذکر و بیان: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ بڑا بھاری اور گراں ہے ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا جو کہ ہم جنس ہونے کی اسی حقیقتِ صادقہ کے آثار و نتائج میں سے ہے ﴿مَا عَنِتُّمْ﴾ میں "مَا" مصدریہ ہے (جامع البیان)۔ سو معنیٰ یہ ہو گا کہ ان پر تمہارا مشقت اور تکلیف میں پڑنا بہت بھاری اور گراں ہے۔ سو ایسی ہمدرد اور مہربان ہستی کی آواز پر لبیک نہ کہنا کتنا بڑا ظلم اور کس قدر بے انصافی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو انکی رحمت و شفقت اور رأفت و عنایت کا عالم یہ ہے کہ تمہارا مشقت اور مشکل میں پڑنا ان پر سخت بھاری اور نہایت گراں ہے۔ اور ان کی ساری تگ و دو، محنت و مشقت اور دعوت و تبلیغ کا اصل مدعا و مقصود یہی ہے کہ تم لوگ دنیا و آخرت کی سعادتوں اور فائز المرامیوں سے سرفراز اور بہرہ مند ہو سکو۔ لیکن جو لوگ دنیا کی اسی عارضی اور فانی زندگی کی لذتوں اور ان کے وقتی فائدوں ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان لوگوں کو اس پیغمبر کی وہ باتیں گراں گزرتی ہیں جو ان کو اپنے وقتی مفادات اور دنیاوی فائدوں کے خلاف نظر آتی ہیں۔ سو یہ ایسے لوگوں کی اپنی تنگ نظری اور کوتاہ بینی کا نتیجہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۲۸ **پیغمبر کی اپنی امت کے لئے حرص کا ذکر و بیان:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بڑے حریص ہیں تمہاری فلاح و بہبود کے، پس پیغمبر کی دعوت کو قبول کرنے میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے اور اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ تم ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز ہو کر دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند ہو جاؤ۔ سو پیغمبر کی دعوت کو قبول کرنے میں خود تمہارا ہی بھلا اور فائدہ ہے اور اس سے منہ موڑنے میں تمہارا اپنا ہی نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پیغمبر کی اس میں اپنی کوئی غرض شامل نہیں۔ وہ ایمان و اسلام کی دعوت تمہیں خود تمہارے ہی بھلے اور فائدے کے لیے دے رہا ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ پس جو لوگ ان کی دعوت کو صدقِ دل سے اپنائیں گے وہ خود اپنی ہی سعادت و سرخروئی کا سامان کریں گے۔ اور جو اس سے منہ موڑیں گے۔ والعیاذ باللہ۔ وہ خود اپنا ہی نقصان کریں گے۔ کہ اس کا نتیجہ و انجام دارین کی ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۲۹ **پیغمبر مؤمنوں پر انتہائی شفیق اور مہربان:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ انتہائی شفیق اور بڑے ہی مہربان ہیں ایمان والوں پر نہ کہ اہلِ کفر و باطل پر کہ ایسے لوگوں نے کفر و باطل پر اصرار کرکے اپنے آپ کو اس قابل چھوڑا ہی نہیں کہ وہ آپ ﷺ کی اس شفقت و مہربانی کے مستحق بن سکیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو ایمان و یقین کی دولت ایسی عظیم الشان دولت ہے کہ اس سے انسان پیغمبر کی شفقت و رأفت کا مستحق اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایات کا مورد بنتا ہے۔ سو وہ "رؤف" و "رحیم" ہونے کی بناء پر چاہتا ہے کہ ہر شر تم سے دور ہو اور ہر خیر تمہیں نصیب ہو۔ یہاں پر یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ "رؤف" اور "رحیم" کی یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی صفات حسنیٰ میں سے ہیں اور یہی دونوں یہاں پر پیغمبر کے لیے استعمال ہوئی ہیں جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ پیغمبر خلقِ خدا کے ساتھ رحمت و رأفت کے معاملے میں صفاتِ الٰہیہ کے کامل مظہر تھے۔ صلوات اللّٰہ و سلامہ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ و صحبہ وسلم ومن اھتدی بھدیہ و دعا بدعوتہٖ الی یوم الدین۔ اللہ ہمیں ان سے صحیح اور سچی محبت اور اطاعت و اتباع کی دولت و سعادت سے نوازے۔ آمین۔

۲۳۰ **اللہ تعالیٰ کی کفایت کے اعلان کا حکم و ارشاد:-** سو پیغمبر کو خطاب کرکے حکم و ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کافی ہے مجھ کو اللہ"۔ اعانت و نصرت کے لئے۔ کسی اور کی نہ مجھے کوئی ضرورت ہے نہ پرواہ۔ لہٰذا تمہارا راستہ الگ میرا الگ ﴿لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ﴾۔ سبحان اللہ۔ نبیوں کے امام و پیشوا کو بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم دی جا رہی ہے اور آپ ﷺ بھی فرما رہے ہیں کہ مجھے اللہ ہی کافی ہے۔ اور میرا بھروسہ اسی پر ہے۔ مگر افسوس کہ اس کے باوجود آج آپ ﷺ کی امت کا کلمہ گو مشرک اللہ پاک کو چھوڑ کر اس کی عاجز مخلوق پر تکیہ کرتا اور اسی کو مدد کے لئے پکارتا ہے۔ اور وہ دھڑلے سے کہتا ہے "یا علی مدد"، "یا غوث۔ بلکہ غوث الاعظم۔ دستگیر"، "یا معین الدین چشتی پار لگا دے کشتی"، "یا بہاء الحق بیڑا دھک" وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر انہی ہستیوں کو جن کو مرے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں خوش کرنے کے لئے وہ ان کے نام کی نذریں مانتا، نیازیں دیتا، چڑھاوے چڑھاتا اور طرح طرح کے دوسرے شرکیہ اعمال و افعال کا ارتکاب کرتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ قرآن و سنت کی تعلیمات مقدسہ کیا کہتی ہیں اور ان بزرگانِ دین کے اپنے ارشادات کیا تھے اور ان جاہلوں کے طور طریقے کیا ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم والیہ المشتکی وھو المستعان فی کل حین وآن۔

هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ ع

میں نے اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے اور وہی ہے مالک عرش عظیم کا ف۲۳۱

۲۳۱ اللہ ہی پر بھروسہ کرنے کی تعلیم و تلقین :- سو ارشاد فرمایا گیا اور پیغمبر کی زبان سے کہلوایا گیا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس [وحدہٗ لاشریک] کے۔ میں نے بہرحال اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے اور وہی ہے مالک عرش عظیم کا۔ یعنی جو کہ مالک ہے اُس عرشِ عظیم کا جو کہ سب مخلوق کو محیط اور اس کے لئے بمنزلۂ چھت کے ہے۔ پس جب وہ اس عرشِ عظیم کا بھی مالک ہے تو باقی تمام مخلوق کا بھی بطریقِ اولیٰ مالک و مختار ہے کہ یہ سب اس کے نیچے اور اس کے ماتحت ہے۔ پس جس کو ایسی ذاتِ اقدس و اعلیٰ پر توکل و بھروسہ کی سعادت نصیب ہو جو کہ سب کی خالق و مالک، سب پر حاکم و متصرف اور وکیل و مختار اور سب پر حاوی و محیط ہے تو پھر اس کو اور کسی کی پرواہ ہی کیا ہوسکتی ہے؟ سو اس سورۂ کریمہ کے بالکل آخر میں اب یہ پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر اب بھی یہ لوگ تمہاری قدر نہیں کرتے اور تمہاری بات ماننے کو تیار نہیں ہوتے تو انکی پرواہ مت کرو بلکہ ان سے صاف طور پر کہہ دو کہ میرے لیے میرا اللہ کافی ہے جو کہ مالک ہے عرشِ عظیم کا۔ ایسے میں مجھے تمہاری کیا پرواہ ہوسکتی ہے؟- وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ- اَلَّذِیْ بِیَدِهٖ تَصْرِیْفُ الْاُمُوْرِ وَبِتَوْفِیْقِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتِ جلّ جلالهٗ وعمّ نوالهٗ- سبحانهٗ و تعالیٰ فاِیّاهُ نَعْبُدُ و بهٖ نستعین فی کل اٰنٍ وّحین

★★★

☆— ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ مطابق ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء بمکان خود منطقۃ ام ہریر، دبی- والحمدللہ رب العالمین-

☆— نظر ثانی ۷ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۹۷ء بروز اتوار، بوقت سوا بارہ بجے شب بمکان خود سطوہ، دبی، متحدہ عرب امارات والحمد للّٰہ رب العالمین الّذی لَا تتِمُّ الصّالِحات اِلّا بتَوفِیقٍ مّنهُ

☆— تکمیل پروف ریڈنگ ۳ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۵ جولائی ۱۹۹۹ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے بارہ بجے دن عند موعد اذان الظہر، سطوہ دبی والحمدللہ رب العالمین بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوالِ فانه ھُوا لاھل للحمد

☆— تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۳ شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۹۹ء سوا سات بجے شام عند موعد اذان العشاء سطوہ، دبی، والحمدللہ رب العالمین، الذی ھوالا ھل لِلحمد فی الاُولیٰ والاٰ خرۃ

☆— تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ۱۸ ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۳ مارچ ۲۰۰۱ء بروز منگل بوقت گیارہ بجے دن مدنی منزل، معمورہ المدنی (گہل) آزاد کشمیر پاکستان دوران رخصت والحمدللہ رب العالمین، فی کُل زمانٍ وّمکان

★— تکمیل چوتھی پروف ریڈنگ ۲۸ شوال ۱۴۲۳ مطابق یکم جنوری ۲۰۰۳ء بروز بدھ بوقت بارہ بجے دن، سطوہ، دبی۔

☆— اللمسات الاخیرۃ (Final touches) ۱۰ شوال ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۴- دسمبر ۲۰۰۳ء بروز جمعرات، بوقت ساڑھے پانچ بجے شام (عند اذان المغرب) مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان- والحمدللہ رب العالمین- قبل کُل شئی و بعد کل شئی، سبحانه و تعالیٰ

آیاتھا ۱۰۹ — ۱۰ سُوْرَۃُ یُوْنُسَ مَکِّیَّۃٌ ۵۱ — رکوعاتھا ۱۱

سورۂ یونس مکی ہے، اسکی ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ

الٓرٰ، یہ آیتیں ہیں حکمت سے لبریز اس کتاب کی کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص پر یہ

عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ

وحی کر دی کہ تم خبردار کرو لوگوں کو (ان کے انجام بد سے) ۱

۱ بشریتِ پیغمبر عقل و نقل کا تقاضا: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ لوگوں کو بشر کے ذریعے نورِ وحی سے نوازنا کرم بالائے کرم اور عقل و نقل کا تقاضا ہے۔ استفہام یہاں پر انکاری ہے کہ یہ بات تعجب کی نہیں، بلکہ عینِ حکمت اور عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ حضرتِ خالق -جل مجدہٗ- کی طرف سے اس کی مخلوق کی راہنمائی کا اس طرح انتظام فرمایا جائے۔ تاکہ وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور ہوسکیں۔ سو وحی و رسالت کا یہ سلسلہ تو ایک عظیم الشان رحمت و عنایت ہے جس سے اس واہبِ مطلق -جل وعلا- کی طرف سے اس کے بندوں کو نوازا جارہا ہے۔ اور مزید کرم بالائے کرم اور رحمت پر رحمت یہ کہ یہ وحی بھیجی بھی انہی میں سے ایک شخص کے ذریعے جارہی ہے، تاکہ وہ ان کو انہی کی زبان و بیان اور انہی کے محاورہ و کلام میں پوری طرح سمجھا اور بتا سکے۔ اور زندگی کی ہر ضرورت سے متعلق ان کو عملی نمونہ دکھا سکے۔ اور راہِ حق و ہدایت کو پوری طرح ان کے سامنے واضح کرسکے۔ سو لوگوں کو نورِ وحی سے نوازنا اور وہ بھی ایک بشر اور انہی میں سے ایک انسان کے ذریعے نوازنا حضرت حق -جل مجدہٗ- کا وہ کرم اور احسان ہے جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال ممکن نہیں۔ اور اس عظیم الشان نعمت کا حق اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ لوگ سراپا سپاس بن کر اس کو دل و جان سے اپناتے اور دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح سے سرفراز ہوتے نہ کہ تعجب و انکار کر کے اپنی محرومی کا سامان کرتے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ انسانوں کے لیے انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا تاکہ ان کے لیے زندگی کے ہر دائرے میں نمونہ عمل بھی مہیا ہو اور ان پر حجت بھی قائم ہوسکے۔ اور ان کے لیے اتباعِ پیغمبر کے سلسلے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ والحمد للہ جلَّ وعلا بکلِ حالٍ من الأحوال۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ

اور خوشخبری سنادو ان (خوش نصیبوں) کو جو مشرف ہو جائیں (دولتِ) ایمان سے، کہ ان کے لئے بڑا اونچا مرتبہ ہے،

رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

ان کے رب کے یہاں ۲ (تو کیا اسی بات پر) ان کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو قطعی طور پر ایک کھلا جادوگر ہے،

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ

بے شک رب تم سب کا (اے لوگو) وہی اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو

سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا

چھ دنوں کے اندر ۳ پھر وہ جلوہ فرما ہوا عرش پر، (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) ۴ وہی تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی ۵

۲ ایمان والوں کے لیے ایک عظیم الشان مرتبہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ پیغمبر لوگوں کو خبردار کرے اور ایمان والوں کو اس امر کی خوشخبری سنائے کہ ان کے لیے ان کے رب کے یہاں ایک عظیم الشان مرتبہ ہے۔ سو دولتِ ایمان سے سرفرازی سعادت دارین کا ذریعہ اور سب سے بڑا شرف و اعزاز ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو خوشخبری سنادو اس بات کی کہ ان کے لیے ان کے رب کے یہاں ایک بڑا اونچا مرتبہ ہے۔ یعنی قدمِ صدق کی اضافت، اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے۔ اور چونکہ یہ مرتبہ ان لوگوں کو ان کے اپنے اعمال اور اپنی محنت کے سبب ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور محنت بنیادی طور پر قدم ہی سے ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو اسی کی طرف منسوب فرما دیا گیا۔ یعنی سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا (المحاسن، المنار، الصفوۃ وغیرہ)۔ اور یہ بلاغت کا ایک مشہور و معروف اسلوب ہے جو جا بجا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ''ید'' بول کر نعمت مراد لی جاتی ہے کہ اس کے لینے دینے کا ذریعہ ہاتھ ہی ہوتا ہے۔ ''عین'' بول کر جاسوس مراد لیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ''راس''، ''سر'' بول کر اس کا ملزوم (یعنی سردار) مراد لیا جاتا ہے۔ اور یہ اسلوب ہر لغت و زبان میں مستعمل و موجود ہے۔ سو دولتِ ایمان سے سرفراز و فیضیاب ہونے والوں کا بڑا اونچا مرتبہ ہوتا ہے۔ ایسا اونچا کہ اس سے ان کو دارین کی سعادت و سرخروئی حاصل ہوگی کہ اس سے ان کو دنیا میں ''حیاتِ طیبہ'' یعنی پاکیزہ زندگی نصیب ہوگی اور آخرت میں جنت کی نعیمِ مقیم سے سرفرازی۔ سو دولتِ ایمان سب سے بڑی دولت اور اس سے سرفرازی سب سے بڑی سرفرازی اور سب سے بڑا شرف و اعزاز ہے۔ کیوں کہ یہی وہ عظیم الشان اور بے مثال دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرتی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۳ تخلیقِ کائنات کے چھ دنوں سے مراد ؟:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک تمہارا رب اے لوگو، وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین [کی اس حکمتوں بھری کائنات] کو پیدا فرمایا چھ دنوں میں''۔ یعنی

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

چھ مختلف زمانوں میں کہ ''یوم'' کا اطلاق زمانے اور مطلق وقت پر بھی ہوتا ہے۔ (المراغی، المنار وغیرہ)۔ اور یہ اطلاق ہمارے محاوروں اور روزمرہ کی عام گفتگو میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے ''خوشی کا دن''، ''غمی کا دن'' وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ایسے اطلاق میں ''دن'' سے معروف معنوں میں نپا تلا دن مراد نہیں ہوتا بلکہ مطلق وقت مراد ہوتا ہے، جو کہ معروف دن سے کم بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ بھی۔ سو آیتِ کریمہ میں ﴿ستۃ ایام﴾ ''چھ دنوں'' سے مراد معروف معنوں میں چھ دن نہیں کہ یہ دن تو بنتے ہیں سورج کے طلوع وغروب سے۔ اور زمین و آسمان کی اور اس کائنات کی تخلیق سے پہلے تو طلوع و غروب کا یہ سلسلہ سرے سے تھا ہی نہیں۔ تو پھر یہاں پر اس سے معروف معنوں میں چھ دن کیسے مراد لئے جاسکتے ہیں؟ پھر قدرت تو اس کی -﴿کُنْ فَیَکُوْنَ﴾- کی ہے کہ جو چاہا اور جب چاہا ہو گیا، مگر اپنی حکمت کی بناء پر اس نے آسمان و زمین کا یہ کارخانۂ قدرت اتنی مدت میں پیدا فرمایا اور اس کی حکمتوں کا احاطہ وہی وحدہٗ لاشریک کرسکتا ہے۔ البتہ ایک بڑا اور واضح فائدہ اس کا یہ ہے کہ اس میں تدریج وتانّی کا درس ہے کہ جلد بازی صحیح چیز نہیں ہے- والعیاذ باللہ جَلَّ وعَلَا،

۴ استواء علی العرش سے مقصود ومراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر وہ مستوی ہوا عرش پر یعنی ایسا استواء جو کہ اس کی شانِ اقدس واعلیٰ کے لائق ہے۔ جیسا کہ اَسلافِ کرام سے مروی ہے کہ استواء کا مفہوم تو واضح اور معلوم ہے مگر اس کی کیفیت ہمارے علم سے باہر ہے۔ اس لئے اس کی تحدید وتعیین کی تکلیف مالا یطاق میں پڑنے کی بجائے اس کی کیفیت کو اسی وحدہٗ لاشریک کے حوالے کر دیا جائے کہ جو اس کی شانِ اقدس واعلیٰ کے لائق ہے۔ اور یہی سلامتی کی راہ ہے۔ سو اس میں بحث وتکرار اور کھود کرید کرنا بدعت اور اس پر ایمان لانا واجب ہے - فَنُؤْمِنُ بِهٖ كَمَا يَلِيْقُ بِشَانِهٖ جَلَّ وَ عَلَا- بہر کیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد وہ کہیں الگ اور خاموش ہو کر نہیں بیٹھ گیا کہ اس کائنات کا نظم وانصرام دوسروں کے حوالے کر دیا ہو۔ نہیں بلکہ وہ خود عرشِ حکومت پر متمکن ہو گیا اور اپنی پیدا کردہ اس کائنات میں حکم وارشاد بھی اسی وحدہٗ لاشریک ہی کا چلتا ہے۔ پس جس طرح اس کائنات کی تخلیق وتکوین میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں اسی طرح اس کے حکم وتصرف میں بھی کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں۔ اس سب کا خالق ومالک بھی وہی ہے اور اس میں حاکم ومتصرف بھی وہی- اس میں کوئی بھی اس کا شریک وسہیم نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ-

۵ ہر کام کی تدبیر اللہ ہی کی طرف سے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی۔ اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق۔ اور اپنی مخلوق کی بہتری اور بھلائی کے لئے۔ سو ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کی تخلیق کے بعد وہ کہیں الگ جا کر بیٹھ گیا ہو۔ جیسا کہ بہت سے گمراہوں کا عقیدہ رہا ہے۔ پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے بلکہ اپنی اس کائنات میں تصرف بھی وہ خود فرما رہا ہے- سبحانہٗ و تعالیٰ- کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور اس میں حکم وتصرف بھی اسی کا چلتا ہے۔ اور جب اسکی اس کائنات کی تخلیق اور اسکے حکم وتصرف میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم آخر کس طرح ہوسکتا ہے؟ سو اس کائنات کی تخلیق بھی اس وحدہٗ لاشریک نے تنِ تنہا بذاتِ خود بلا شرکت غیرے فرمائی اور اس میں حکم وتصرف بھی اسی کا چلتا ہے۔ نہ اسکی تخلیق میں کوئی شریک وسہیم ہے اور نہ اسکی حکمرانی میں۔ زبور میں اسی حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ''تو نے تخت پر بیٹھ کر صداقت سے انصاف کیا''۔ (۹:۴)- جل وعلا شانہ- سبحانہٗ وتعالیٰ-

مِنْ شَفِيعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

(اس کے یہاں) کسی کو بھی سفارش کا یارا نہیں، مگر اس کے اذن کے بعد، ۶ یہی اللہ رب ہے تم سب کا،

فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۳ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ

پس تم اسی کی بندگی کرو، تو کیا تم لوگ سبق نہیں لیتے؟ ۷ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو،

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ

اللہ کا اٹل وعدہ ہے ۸ بلاشبہ وہی ہے جو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا ۹ تاکہ وہ بدلہ دے

۶ **مشرکانہ تصورِ شفاعت کی نفی**:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی جبری اور قہری سفارش کا وہاں کوئی امکان نہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کے یہاں کسی کو سفارش کا بھی یارا نہیں مگر اسی کے اذن سے سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس جبر وقہر کی کسی سفارش کا وہاں کوئی امکان نہیں۔ جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا۔ کل بھی تھا اور آج بھی ہے کہ فلاں فلاں جو ہمارے سفارشی ہیں وہ وہاں اڑ کے بیٹھ جائیں گے اور منوا کے چھوڑیں گے اور ہم نے جب ان کا لڑ پکڑ لیا تو ہمیں اور کسی کی کیا پروا؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو ایسے تمام مفروضے غلط اور بے بنیاد ہیں۔ اس طرح کی کسی سفارش کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ البتہ اس کے اذن اور منظوری کے بعد وہاں سفارش ہو سکے گی۔ اور وہ کام بھی دے گی مگر وہ اذن ومنظوری جس کو اجازت ملے گی وہی سفارش کر سکے گا۔ اور جس کے لئے ملے گی اسی کے لئے وہ سفارش کام آ سکے گی۔ جیسا کہ دوسرے کئی مقامات پر اس کی تصریح فرما دی گئی ہے۔ مثلاً ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے ﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَه قَوْلًا﴾ (طٰہٰ: ۱۰۹)۔ پس کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ خدا کے عدل و انصاف سے وہ کسی کی سعی وسفارش کے زور سے اپنے آپ کو بچا لے گا۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ وہ ایسے تمام تصورات سے پاک ہے۔ اور اس کا ہر حکم وفیصلہ عدل وانصاف اور حق وصداقت ہی پر مبنی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۷ **اللہ تعالیٰ کی معرفت اسکی صفات کے ذریعے**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اللہ رب ہے تم سب کا اے لوگو یعنی جس کی یہ اور یہ صفات ہیں۔ پس تم اسی کی بندگی کرو۔ کیا تم لوگ سبق نہیں لیتے کہ ان ٹھوس دلائل اور واضح حقائق کے باوجود تم نے طرح طرح کے دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ سو تم لوگوں نے اگر اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہے تو اس کی انہی صفات کے ذریعے اور اسکے اپنے ارشادات کے مطابق اسکو پہچانو۔ اور صدقِ دل سے اس کے ارشادات کے مطابق اس کے آگے جھک جاؤ تاکہ تم سعادتِ دارین سے سرفراز ہو سکو۔ ورنہ اس کے بغیر اس کی ذاتِ اقدس واعلیٰ کی حقیقت کو جاننا اور اس کی کنہہ کا ادراک کرنا اور اس کے حقوق واختیارات کو پہچاننا انسانِ ضعیف البنیان کی طاقت سے باہر ہے۔ جَلَّ وَ عَلَاشَانُهٗ ۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا اِيْمَانًا بِكَ وَ يَقِيْنًا۔ سو خداوند قدوس کی معرفت سے سرفرازی کا صحیح طریقہ اور ذریعہ ووسیلہ یہ ہے کہ انسان کائنات کی اس

کھلی کتاب کو دیکھے اور اس میں غور و فکر سے کام لے کہ جس نے اس حکمتوں بھری کائنات کو پیدا فرمایا ہے اور اس کو طرح طرح سے انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ وہی ہے اللہ جو اس ساری کائنات کا خالق اور اس کا مالک ہے۔ وہی معبودِ برحق ہے اور عبادت کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اور اسکی عبادت و بندگی کا طریقہ وہی ہو سکتا ہے جو اس نے اپنی وحی کے ذریعے اپنے بندوں کو سکھایا - سبحانہٗ وتعالیٰ - اس کے سوا اور کوئی صورت ممکن نہیں۔ اور محض اپنی عقل وفکر کی بناء اس کے لئے جو بھی تصور قائم کیا جائے گا وہ بہر حال غلط ہوگا۔

۸ اللہ کا وعدہ بہر حال اٹل ہے: -جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ پس اس پر یقین رکھتے ہوئے اپنے اس مصیرِ موعود اور قضائے محتوم کے لئے تیاری کرو- اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِیْقَ -سو اس کے اس اٹل وعدے کے مطابق تم میں سے ہر کسی کو اپنے وقتِ مقرر پر اسکی بارگہِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا صلہ اور بدلہ پانا ہے۔ لہٰذا ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ لے کہ وہ اس یومِ حساب کیلئے کیا تیاری کر رہا ہے۔ ﴿جمیعا﴾ کی تاکید سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ تم سب کو بہر حال اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ تم سب نے بھی اور تمہارے ساتھ ان سب نے بھی جن کو تم لوگوں نے اپنے ظن وگمان کے مطابق خدا کا شریک اور شفیع بنا رکھا ہے۔ سو تم سب کی پیشی اس وحدہ لاشریک کی بارگہ اُقدس میں ہونی ہے اور بہر حال ہونی ہے۔ وہی تم سب کا مولیٰ و مرجع ہے۔ سو بڑے ہی خسارے میں ہیں وہ لوگ جو اس کے حضور اس پیشی اور یومِ حساب کی اس پرسش سے غافل و بے خبر اور بےخبر و بےفکر ہیں۔ اور اس طرح وہ حیاتِ دنیا کی اس فرصت کو ضائع کر رہے ہیں جو پھر ملنے والی نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۹ آغازِ تخلیقِ انسانی خود بعث واعادہ پر دلیل وثبوت ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ پس تم لوگوں کو اس طرح کا کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جب ہم مرمٹ کر ختم ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ کس طرح اٹھایا جائے گا جس طرح کہ کفار کہا بھی کرتے تھے۔ اور اب بھی کہتے ہیں۔ لیکن تمہارے سامنے جب خود اپنی اس موجودہ پیدائش کا نمونہ موجود ہے کہ جب تمہارا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا تو اس نے تمہیں وجود بخشا اور نیست سے ہست کیا۔ ذرا تم خود اپنی ہستی کے بارے میں سوچو کہ کیا اپنی اس پیدائش سے سو دو سو یا ہزار دو ہزار سال پہلے تمہارا کوئی نام ونشان بھی کہیں تھا؟ جب نہیں تھا اور یقیناً نہیں تھا اور اس نے تمہیں اس طرح خلعتِ وجود سے نوازا تو پھر وہ قادرِ مطلق پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد تم لوگوں کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکے گا؟ -سبحانہٗ وتعالیٰ- جبکہ عام قاعدے کے مطابق دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ سو انسان کا اپنا وجود اس بات کا زندہ ثبوت اور واضح نشان ہے کہ اللہ پاک اسکو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ آخر جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہ دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکے گا؟ -سبحانہٗ وتعالیٰ- نیز جب انسان اور اس پوری کائنات کی تخلیق وتکوین میں اس وحدہٗ لاشریک کا کوئی شریک وسہیم نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم آخر کس طرح ہو سکتا ہے؟ سو انسان اگر خود اپنے وجود ہی کے بارے میں سوچے اور صحیح طریقے سے غور وفکر سے کام لے تو اس کو نظر آئے گا کہ اس کا خود اپنا وجود توحیدِ خداوندی اور آخرت وقیامت وغیرہ کا واضح ثبوت اور کھلی و روشن دلیل ہے۔ مگر مشکل اور مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ انسان صحیح غور وفکر کے اس گوہرِ مقصود سے محروم ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَ الَّذِیْنَ

ان کو جو ایمان لائے، اور انہوں نے (اس کے مطابق) کام بھی نیک کیے انصاف کے ساتھ ۹ اور (اس کے مقابلے میں)

كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

جو لوگ اڑے رہے اپنے کفر (و باطل) پر، ان کے پینے کے لئے کھولتا ہوا پانی ہوگا، اور ایک بڑا ہی دردناک عذاب، اس کفر کی

یَكْفُرُوْنَ ۝۴ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ

پاداش میں جو کہ وہ کرتے رہے تھے، وہ (اللہ) وہی ہے جس نے پیدا کیا سورج کو جگمگاتا، اور چاند کو

نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ

چمکتا ہوا ۱۱ اور اس نے اس کی منزلیں مقرر کر دیں، تاکہ تم لوگ معلوم کر سکو سالوں کی گنتی، اور

الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ

حساب، اللہ (تعالیٰ) نے یہ سب کچھ نہیں پیدا فرمایا مگر حق کے ساتھ، وہ کھول کر بیان کرتا ہے

الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ

اپنی نشانیوں کو ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں (حق اور حقیقت کا)، بے شک رات اور دن کے

وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ

ادلنے بدلنے میں ۱۲ اور ان سب چیزوں میں جن کو پیدا فرمایا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین (کی اس عظیم الشان کائنات)

۱۰ وقوع قیامت کی ضرورت کا ذکر و بیان :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قیامت کے یوم حساب کا وقوع ضروری ہے۔ تاکہ وہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے۔ کہ انہوں نے اپنے آپ کو شرک کے ظلم سے بچائے رکھا۔ اور وہ توحید وایمان کے عدل وانصاف سے سرشار رہے۔ تو اس کے صلہ و بدلہ میں وہ ان کو اپنے اس انعام واحسان سے نوازے گا۔ مگر یاد رہے کہ وہ اکرم الاکرمین صرف عدل سے ہی کام نہیں لے گا بلکہ اس سے بڑھ کر وہ اپنے فضل سے بھی نوازے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ نیز فرمایا گیا ﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِیَادَةٌ﴾۔ فَشَرِّفْنَا اللّٰهُمَّ بِهَا بِفَضْلِكَ الْعَمِیْمِ یَا مَنْ لَّا حَدَّ لِكَرَمِهٖ وَ لَا نِهَایَةَ لِجُوْدِهٖ وَاِحْسَانِهٖ ۔ اور جنت اور اس کی سدا بہار نعمتیں تو اس واہب مطلق کا فضل و احسان ہی ہے ورنہ محدود عمر والے اس عاجز اور ناقص بندے کا عمل ہے ہی کیا جو جنت کی ان بے مثال نعمتوں کا بدلہ بن سکے؟ یہ سب

کچھ تو اس کا کرم واحسان ہے۔سبحانہ وتعالیٰ۔سو قیامت کے اس یومِ حساب کا وقوع ضروری ہے تاکہ اس خالق و مالکِ مطلق کی شانِ عدل واحسان کا پورا ظہور ہو سکے کہ "دار الجزاء" اور "دار الاحسان" وہی ہے۔اور انسان کو اپنے کیے کرائے کا پورا صلہ و بدلہ وہیں مل سکے گا۔ جبکہ دنیا "دار الجزاء" نہیں بلکہ "دار العمل" اور "دار الامتحان" ہے۔سو قیامت کے یومِ حساب کے بغیر اس دنیا کا وجود بے کار اور بے مقصد ہو کر رہ جاتا ہے۔جو حضرتِ حق۔جل مجدہٗ۔کی شانِ عدل وحکمت کے خلاف اور اس کے معارض ہے۔والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۱ چاند اور سورج قدرت کے دو عظیم الشان نشان:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اللہ وہی ہے جس نے پیدا کیا سورج کو جگمگاتا اور چاند کو چمکتا ہوا۔یعنی ضیاء اور نور کے درمیان یہی فرق ہے۔وضع اور استعمال دونوں کے اعتبار سے چونکہ ضیاء نور کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوتی ہے کہ اس کی روشنی ذاتی ہے اور اس میں روشنی کے ساتھ تپش وتمازت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔جبکہ چاند کی روشنی اسکے برعکس ذاتی نہیں بلکہ سورج سے مستفاد ہے۔اور اس میں تپش وتمازت کی بجائے خنکی اور ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اسی لئے ضیاء کی نسبت سورج کی طرف فرمائی گئی اور نور کی چاند کی طرف (جامع البیان وغیرہ)۔تو جس ذاتِ اقدس واعلیٰ نے تمہارے لئے حسی روشنی اور جسمانی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس قدر انتظامات فرمائے ہیں کیا وہ تمہاری روحانی ضروریات اور اُخروی نجات کا کوئی انتظام نہیں فرمائے گی؟ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ جب کہ روحانی ضروریات اور ان کے تقاضے ہی اصل اور جسمانی ضروریات سے کہیں بڑھ کر اور مقدم ہیں۔سو انہی کی تکمیل کے لئے حضرتِ حق۔جل مجدہٗ۔نے وحی کا مقدس سلسلہ جاری فرمایا تاکہ تمہاری روحانی ضروریات کی تکمیل بھی ہو سکے اور اُخروی نجات کا سامان بھی اور تم لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرخرو وسرفراز ہو سکو۔سو سورج اور چاند کے یہ دو عظیم الشان کُرّے قدرت کی رحمت وعنایت، وحدانیت و یکتائی اور قدرت وحکمتِ بے نہایت کے عظیم الشان نشان ہیں جو اپنی چمک دمک، آب وتاب، آمد ورفت، طلوع وغروب اور گھٹتی بڑھتی اور ادلتی بدلتی کیفیات سے تمہیں ہر وقت اور ہر جگہ دعوتِ غور وفکر دیتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر تم لوگ اپنے رب کی معرفت سے سرشار ہو جاؤ اور اسکی وحدانیت و یکتائی کا اقرار کر کے، دل وجان سے اسکے حضور جھک جھک جاؤ۔اور اس طرح تم لوگ خود اپنی سعادت وسرخروئی اور دارین کی فوز وفلاح سے سرفرازی کا سامان کرو۔وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔جل جلالہ وعم نوالہ۔بہر کیف سورج اور چاند قدرت کے دو عظیم الشان کُرّے ہیں۔والحمد للہ جلّ وعلا۔

۱۲ دن رات کے ادل بدل میں دلائل قدرت وحکمت:۔سو دن رات کا ادلنا بدلنا قدرت کا ایک اور عظیم الشان مظہر اور نشان ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ دن رات کے ادلنے بدلنے میں بھی قدرت کی عظیم الشان نشانیاں ہیں کہ کبھی دن چھوٹے اور کبھی راتیں۔ اور کبھی اس کے برعکس۔اور کبھی سردی کبھی گرمی وغیرہ۔سو کیسی عظیم الشان قدرت اور کس قدر کامل حکمت والی ہے وہ ذاتِ اقدس واعلیٰ جو اس قدر محکم نظام اور حیرت انگیز طریقے سے اس سلسلے کو چلا رہی ہے۔سبحانہ وتعالیٰ۔اور جب اسکی ان صفات اور عنایات میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور جب دن رات کے ادلنے بدلنے کا یہ سلسلہ مسلسل اور لگاتار جاری ہے اور ہمیشہ اور ہر جگہ جاری وساری ہے تو یہ اس بات کا واضح اور کھلا ثبوت ہے کہ اس خالق و مالک اور قادرِ مطلق ربِّ ذوالجلال کی حکمرانی اور کارفرمائی اس کائنات میں ہر طرف اور ہر وقت جاری وساری ہے۔سبحانہ وتعالیٰ۔سو وہی اپنے بندوں کے کام بناتا، انکی حاجتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کا سامان کرتا اور ان کی حاجت روائی کرتا اور مشکل کشائی فرماتا ہے اور ہر وقت اور ہر حال میں ان پر رحمتیں فرماتا ہے۔سبحانہ وتعالیٰ۔سو دن رات کے اس ادلنے بدلنے میں قدرت کی عظمت وحکمت، اس کی رحمت وعنایت اور اس کی وحدانیت و یکتائی کے عظیم الشان دلائل ہیں غور کرنے والوں کے لیے۔وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

لِّقَوۡمٍ يَّتَّقُوۡنَ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوۡا

میں، بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں ؁۱۳ بے شک جو لوگ امید نہیں رکھتے ہمارے یہاں پیشی

بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِهَا وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ اٰيٰتِنَا

(وحاضری) کی، اور وہ راضی ہو گئے دنیاوی زندگی سے، اور مطمئن ہو گئے اس (کی عارضی لذتوں) سے، اور جو غافل (و

غٰفِلُوۡنَ ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰٮهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۸﴾

بے خبر) ہیں ہماری آیتوں سے ؁۱۴ ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کی اپنی اس کمائی کے بدلے میں جو یہ لوگ کرتے رہے

۱۳ تقویٰ وسیلۂ نجات و سرفرازی: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ نشانیاں انہی لوگوں کو کام دیتی ہیں جو ڈرتے ہیں اپنے رب کی ناراضگی اور اسکی نافرمانی سے کہ وہ ان آیاتِ قدرت میں صحیح طور پر غور وفکر سے کام لے کر اپنے ایمان و یقین کے رسوخ اور پختگی کا سامان کرتے اور دارین کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں جبکہ دوسرے لوگ ان نعمتوں سے طرح طرح سے مستفید ہونے کے باوجود غفلت و بے خبری بلکہ معصیت و سرکشی کی زندگی گزارتے ہیں۔ اور حق سے دور و نفور رہ کر وہ اپنی ہلاکت و تباہی کا سامان کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو تقویٰ و پرہیزگاری اور رب کی رضاء و خوشنودی فکر و کوشش دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مندی کا اہم وسیلہ و ذریعہ ہیں- کہ اسی کے ذریعے اور اسی کے نتیجے میں انسان اپنے رب کی رضا و خوشنودی سرفراز ہوتا اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید و ہو الہادی الی سواء السبیل-

۱۴ دنیاوی زندگی ہی کو مقصد بنا لینا باعثِ ہلاکت و محرومی - والعیاذُ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ دنیاوی زندگی کو اصل مقصد بنالینا بڑا ہی ہولناک خسارہ اور ہلاکت و تباہی ہے- والعیاذ باللہ- سو ابنائے دنیا اسی دنیا پر راضی اور مطمئن ہو گئے اور آخرت کے مقابلے میں وہ اسی دنیا کی چمک دمک پر فریفتہ ہو کر رہ گئے۔ اور وہ بھول گئے اپنے مآل و انجام کو اور اپنے خالق و مالک کے حقوق کو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -اور اسی دنیاوی زندگی اور اس متاعِ فانی اور حطامِ زائل کے حصول کو انہوں نے اپنا مقصد اور نصب العین بنالیا۔ اور وہ اسی کیلئے جینے اور مرنے لگے- والعیاذ باللہ- تو وہ بڑے ہی ہولناک خسارے میں پڑ گئے کہ ان سب کا آخری اور دائمی ٹھکانا دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ ہے کہ جو لوگ کائنات کی ان کھلی واضح اور چہار سو پھیلی بکھری عظیم الشان نشانیوں کے باوجود اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں وہ نہ آنکھیں کھولنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔ نہ ان کو خداوند قدوس کے یہاں حاضری و پیشی کا پاس و احساس ہے اور نہ آخرت کا کوئی خوف و اندیشہ۔ وہ دوزخ کی اسی دہکتی بھڑکتی آگ اور ایسے ہولناک انجام کے لائق ہیں- جس میں ان کو آخر کار داخل ہونا ہے اور اپنی زندگی بھر کے کئے کرائے کا خمیازہ بھگتنا ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم

تھے ۱۵ (اس کے برعکس) جو لوگ ایمان لائے اور (اس کے مطابق) انہوں نے نیک کام بھی کئے، بے شک ان کا رب ان

بِإِيمَانِهِمْ ۚ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنّٰتِ

کو نوازے گا ہدایت (کے نور) سے، ان کے ایمان (و یقین) کی بناء پر بہ رہی ہوں گی ان کے نیچے سے طرح طرح کی

النَّعِيمِ ﴿٩﴾ دَعْوٰهُمْ فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ

نہریں، نعمتوں بھری جنتوں میں ۱۶ وہاں ان کی صدا ہوگی کہ پاک ہے تو اے اللہ ۱۷ اور وہاں ان کی آپس کی دعا ہوگی سلامتی

فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوٰهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

ہو ۱۸ اور ان کی ہر بات کا خاتمہ اس پر ہوگا کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سب جہانوں کا، اور اگر

۱۵ دوزخ اپنی کمائی کا صلہ و بدلہ - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے دنیاوی زندگی ہی کو اپنا مقصد بنا لیا اور وہ اللہ کی آیتوں سے غافل و بے خبر ہیں ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ ان کی اپنی اس کمائی کی بنا پر جو یہ لوگ کرتے رہے تھے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ اپنے کئے کرائے کا بدلہ ہے جبکہ جنت اس واہبِ مطلق جل و علا کی بخشش و عطا اور اس کا فضل و احسان ہے۔ اور اسی بناء پر حضراتِ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کفار کے چھوٹے بچے دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے ایسے اعمال کے ارتکاب کی عمر ہی نہیں پائی جو کہ انسان کو دوزخ میں لے جاتے ہیں۔ سو ربِ رحمان - جل و علا شانہٗ - اپنی شانِ کرم و احسان سے اور اپنی رحمتِ بے پایاں کی بناء پر اپنے بندوں کو جنت کی دائمی و ابدی نعمتوں سے سرفراز کرنا چاہتا ہے کہ اسکی شان ہی کرم و احسان عطاء و بخشش اور نوازنا ہی نوازنا ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ناشکرے بندے خود دوڑ دوڑ کر دوزخ کے ہولناک گڑھے میں گرے جا رہے ہوں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔

۱۶ دولتِ ایمان و یقین سرفرازئ دارین کا ذریعہ و وسیلہ: - سو نورِ ایمان و یقین سے سرفرازی اصل حقیقی اور سب سے بڑی سرفرازی ہے کہ ایمان و یقین والوں کو ان کا رب ہدایت کے نور سے نوازتا ہے جس سے ان کو راہِ حق و صواب کو سمجھنا اور پہچاننا بھی سہل اور آسان ہو جاتا ہے اور اس پر چلنا بھی۔ اور ان کے لئے ان کی منزلِ حیات بھی واضح ہو جاتی ہے اور اس کے لئے صحیح راستہ اور طریق کار بھی۔ نیز ایسوں کو اس کے لئے ان کو محنت اور عمل کی توفیق بھی مل جاتی ہے - سبحان اللہ - کیسی عظیم الشان، پاکیزہ، روح پرور اور انقلاب آفرین قوت ہے یہ ایمان و یقین کی قوت جو انسان کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی راہوں کو آسان کر دیتی ہے - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ شَرَّفَنَا بِنُوْرِ الْاِيْمَانِ - فَزِدْنَا اللّٰهُمَّ اِيْمَانًا وَّ يَقِيْنًا بِکَ وَبِوَعْدِکَ وَ وَعِيْدِکَ وَحُبًّا فِيْکَ وَفِيْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ - اِنَّکَ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ

مُجِیْبٌ لِلدَّعْوَاتِ -سو یہ نورِ ایمان ویقین کے اہم اور پاکیزہ آثار وثمرات میں سے ہے کہ اس سے انسان کی زندگی اس طرح سہل پاکیزہ اور بابرکت بن جاتی ہے اور وہ اس راہِ حق وہدایت پر گامزن ہو جاتا ہے جو جنت اور اس کی نعیم مقیم سے سرفراز و بہرہ مند کرنے والی واحد راہ ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اس کے مطابق نیک عمل بھی کیے تو ان کو ان کا رب ان کے اس ایمان ویقین کی بنا پر ہدایت سے نوازے گا اور ان کو نعمتوں بھری ان جنتوں سے سرفراز فرمائے گا جن کے نیچے سے بہہ رہی ہونگی طرح طرح کی عظیم الشان نہریں- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید-

۱۷ جنتیوں کی صدائے دلنواز کہ پاک ہے تو اے اللہ: -ہر نقص وعیب سے اور ہر قسم کے شرک اور اس کے شوائب سے۔ اور حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اہلِ جنت تسبیح وتحمید اس طرح کریں گے جس طرح کہ لوگ سانس لیتے ہیں۔ اور ان کے ہر کلام کا آغاز تسبیح وتحمید سے ہوگا اور خاتمہ حمد وثنا سے۔ اور جب کسی چیز کی خواہش کریں گے تو کہیں گے، سبحان اللہ، جس پر فرشتے فوراً اس چیز کو لا کر ان کے سامنے پیش کر دیں گے (صفوہ، کبیر، جامع، ابن کثیر اور المنار وغیرہ)- سبحان اللہ- کیسی عظمتِ شان ہے ذکر و یادِ خداوندی اور تسبیح وتحمید کی۔ سو جب یہ خوش نصیب جنت کے اس بے مثال جہاں میں پہنچیں گے اور وہاں پر موجود تصور وادراک سے بالا نعمتوں اور وہاں کی نعیم مقیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور یہ اس حقیقت کو اپنے سامنے موجود پائیں گے اور دیکھ لیں گے کہ حق حق ہو کر رہا اور باطل باطل تو بے ساختہ انکی زبانوں سے- سبحانک اللّٰھم- کے یہ الفاظ نکلیں گے کہ آیاتِ الٰہی کے مشاہدے سے ہمارا جو یہ گمان تھا کہ کارخانہ قدرت کا یہ سارا نظام بے کار اور بے مقصد نہیں ہو سکتا، لازماً ایک دن اس کا حقیقی نتیجہ وانجام ظاہر ہو کر رہے گا۔ تو ہمارا یہ گمان سچا ثابت ہوا- فالحمد للہ-

۱۸ اہلِ جنت کی باہمی دعاء، سلام ہوگی: - جیسا کہ دنیا میں بھی ان کی آپس کی دعاء یہی تھی۔ پھر یہ سلام ان کو وہاں پر حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی طرف سے بھی ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ احزاب میں فرمایا گیا ﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلَامٌ﴾ (الاحزاب:۴۴) نیز سورۂ یٰسٓ میں فرمایا گیا ﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ (یٰسٓ: ۵۸)۔ اور فرشتوں کی طرف سے بھی جیسا کہ سورۂ رعد میں فرمایا گیا ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ (الرعد:۲۳-۲۴) اور آپس میں ایک دوسرے سے بھی ان کا سلام اسی طرح ہوگا جیسا کہ سورۂ مریم میں فرمایا گیا ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلَامًا﴾ (مریم :۶۲) غرضیکہ وہاں پر سلامتی ہی سلامتی کی صدائے دلنواز سننے کو ملے گی۔ کوئی بیکار و بے ہودہ یا گناہ کی بات وہاں ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ جیسا کہ فرمایا گیا ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا اِلَّا قِيْلًا سَلَامًا سَلَامًا﴾ (الواقعۃ: ۲۵-۲۶) اور جنت کا وہ گھر بھی امن وسلامتی والا گھر ''دارالسلام'' ہوگا۔ سبحان اللہ! کیسی عظمتِ شان ہے مسلمان کی کہ اس دین اور اس کے نام (اسلام) میں ہی سلامتی کا مژدہ و پیغام ہے۔ اس کی نماز سے فراغت کا طریقہ بھی سلامتی کے پیغام کے ساتھ مربوط۔ دائیں طرف بھی سلام بائیں طرف بھی سلام۔ اس کی ملاقات کا پہلا بول ہی سلامتی کا بول ہے۔ اس کی دنیا و آخرت میں سلامتی ہی کا اعلان و پیغام تو پھر کس قدر ظالم اور بے انصاف ہیں وہ لوگ جو امن وسلامتی کے امین و پاسدار اور داعی وعلمبردار اس مسلمان کو دہشت گرد اور ارہابی کہتے ہیں- جَعَلَ اللّٰهُ كَيْدَهُمْ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَاَعَاذَنَا مِنْ مَكْرِهِمْ وَشُرُوْرِهِمْ - بہرکیف دینِ حق سراسر امن وسلامتی کا دین ہے جس کے نام اسکے پیغام اور اس کے انجام اور اسکی مقدس تعلیمات سب میں سلامتی ہی سلامتی کا پیغام ہے اور یہ خصوصی اور امتیازی شان اس دینِ حنیف کے سوا پوری روئے زمین پر اور کسی بھی دین و مذہب کی پوری روئے زمین پر نہ آج تک کبھی کسی دین کی ہوئی اور نہ قیامت تک کبھی ایسا ہونا ممکن ہے- فالحمد للہ رب العالمین-

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ

کہیں اللہ (پاک) لوگوں کو برائی پہنچانے میں بھی اسی طرح جلدی سے کام لیتا، جیسا کہ یہ لوگ اپنی بھلائی چاہنے میں

بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا

جلدی مچاتے ہیں، تو یقیناً ان کی مہلتِ عمل کبھی کی ختم کردی گئی ہوتی ف۱۹ پر ہم چھوٹ دئے جا رہے ہیں ان لوگوں کو جو امید نہیں

یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ

رکھتے ہمارے یہاں پیشی (اور حاضری) کی، کہ وہ اپنی سرکشی میں (پڑے) بھٹکتے رہیں، اور انسان (کی تنگ ظرفی اور ناشکری) کا

الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ

عالم یہ ہے کہ جب چھو جاتی ہے اس کو کوئی تکلیف، تو یہ (رہ رہ کر) ہم کو پکارتا ہے، لیٹے، بیٹھے، اور کھڑے (ہر حال میں) ف۲۰ لیکن جب

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰى

ہم دور کر دیتے ہیں، اس سے اس کی تکلیف کو، تو یہ (اپنے غرور میں) ایسے چل دیتا ہے کہ گویا اس نے کبھی ہم کو پکارا ہی نہیں تھا،

ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

کسی ایسی تکلیف کے لئے جو اس کو پہنچی تھی ف۲۱ اسی طرح خوشنما بنا دئے جاتے ہیں حد سے بڑھنے والوں کے لئے ان کے وہ

۱۹ عذابِ الٰہی کے لیے کفار کی جلد بازی کا جواب: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سنتِ الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت کرنے میں تو جلدی کرتا ہے لیکن عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتا ورنہ اگر اللہ لوگوں کی جلد بازی پر معاملہ فرماتا تو انکی مدتِ مہلت کبھی کی ختم کردی گئی ہوتی کہ ان پر وہ عذاب واقع کر دیا جاتا جسکا مطالبہ یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور جو ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا مگر وہ چونکہ ارحم الراحمین ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور اتنا بڑا مہربان کہ وہ انسان پر خود اس کی اپنی جان سے بھی کہیں بڑھ کر مہربان ہے۔ اس لئے وہ ان لوگوں پر فوراً عذاب نہیں نازل فرماتا بلکہ ان کو ڈھیل پر ڈھیل دیئے جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ یہ اپنی فرصتِ حیات پوری کرلیں اور اپنے آخری انجام اور مصیرِ محتوم کو پہنچ کر رہیں۔ مگر یہ چونکہ اپنے خبثِ باطن کی بناء پر اس کی شانِ کرم وعنایت اور لطف ورحمت کو سمجھتے نہیں، اس لئے نورِ ہدایت سے محرومی کے باعث سرکشی و بے راہ روی کے اندھیروں میں ڈوبے پڑے ہیں اور اس طرح اپنی دائمی ہلاکت وتباہی کا سامان کر رہے ہیں جس سے نکلنے اور سنبھلنے بچنے کی پھر کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور عذابِ الٰہی سے بچنے کی فکر و کوشش کرنے کی بجائے یہ لوگ الٹا اس کا مطالبہ کر رہے ہیں اور ان کے اس مطالبے کا ذکر قرآنِ حکیم میں کئی جگہ فرمایا گیا ہے مثلاً

﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ (صٓ: ۱۶) اور ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾ الآیۃ (الحج: ۴۷) نیز (العنکبوت: ۵۳-۵۴) وغیرہ اور ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ﴾ الآیۃ (الانفال: ۳۲) وغیر ذالک۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا چونکہ اپنی رحمت ہی کے لیے پیدا فرمائی ہے اس لیے وہ لوگوں پر اپنی رحمت ہی نازل فرماتا ہے اور ان سے چاہتا بھی یہی ہے کہ وہ اسکی رحمت کے قدرداں اور شکر گزار بنیں تاکہ اس کے نتیجے میں لوگ نیکی اور سعادت کی راہ کو اپنا کر دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہوں۔ سو اس سنتِ الٰہی کی بناء پر وہ ان لوگوں پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتا جو اس کے آگے اکڑتے اور اسکے رسول کی تکذیب کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۰ انسان کی تنگ ظرفی کا ایک مظہر و نمونہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب اس کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو یہ لیٹے، بیٹھے اور کھڑے یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ کیونکہ انسان ان تینوں حالتوں میں سے کسی ایک حالت پر ہی ہوتا ہے، بیٹھا، کھڑا، یا لیٹا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ایسے میں تو یہ تنگ ظرف اور مادہ پرست انسان ہر حال میں اللہ کو پکارتا ہے مگر جونہی اس سے وہ تکلیف دور ہوئی اور اس کو اس سے راحت و رہائی ملی۔ یہ اور ہو گیا۔ اور اس کے انداز و اطوار بدل گئے۔ اور یہاں تک کہ وہ گویا ہماری گرفت اور پکڑ کے دائرے سے ہی ہمیشہ کیلئے نکل گیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - سو مومنِ صادق کو چاہیئے کہ وہ ہر حال میں اور خاص کر اپنی خوشحالی میں اللہ کو پکارے اور اسی کی طرف رجوع کرے کہ تنگی اور مصیبت میں تو کافر و مشرک بھی اس کو پکارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اسی لئے صحیح حدیث میں فرمایا گیا کہ تم اپنی خوشحالی میں اللہ کو یاد کرو وہ تمہیں تمہاری تنگی اور تکلیف میں یاد رکھے گا "تَعَرَّفْ اِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفُكَ فِي الشِّدَّةِ" مگر افسوس کہ آج کے کلمہ گو مشرک کا حال اس سے مختلف ہے۔ وہ تنگی اور مصیبت کے اس وقت میں بھی اللہ کو چھوڑ کر اس کی عاجز اور بے بس مخلوق میں سے ہی کسی کو پکارتا ہے۔ کہیں وہ کہتا ہے "یا علی مدد"، اور کہیں "یا غوث امداد کن" اور کہیں "یا پیر دستگیر" اور کہیں "یا خواجہ اجمیری پار لگا کشتی میری" وغیرہ وغیرہ - ﴿فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ - بہرکیف یہ تنگ ظرف انسان کی نفسیات کا ایک مظہر ہے جسکو یہاں ذکر فرمایا گیا ہے کہ یہ تنگی اور مصیبت میں اور ہوتا ہے اور خوشحالی میں اور - والعیاذ باللہ - جبکہ اللہ کی یاد ہر حال میں مطلوب ہے۔

۲۱ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم دور کر دیتے ہیں اس کی تکلیف کو کہ تکلیف دور کرنا ہمارا ہی کام ہے کہ حاجت روا و مشکل کشا ہر کسی کے اور ہر حال میں ہم ہی ہیں۔ پس اللہ - جل شانہٗ - کے سوا اور کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا جاننا ماننا شرک ہوگا۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو کہیں کا بھی ہو کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ - وحدہٗ لاشریک - ہی ہے - سبحانہ و تعالیٰ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس طرح کے متمرد و سرکش انسان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ لیٹے، بیٹھے اور کھڑے ہر حال میں ہم ہی کو پکارتا ہے۔ اور اس تکلیف و مصیبت کو دور کرنے کے لیے دعاء و درخواست کرتا ہے۔ لیکن جب ہم اسکی اس تکلیف اور مصیبت کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو اس کے طور طریقے بدل جاتے ہیں۔ اور اس میں وہی سابقہ سرکشی اور تمرد و خرمستی پھر عود کر آتی ہے۔ اور وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے ہمیں کسی ایسی تکلیف کے لیے کبھی بلایا پکارا ہی نہیں تھا جو اس کو پہنچ چکی تھی۔ اور انسان کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن اس طرح کے مواقع پر اس سے بالعموم وہی انسان مراد ہوتا ہے جو لذتِ ایمان و یقین سے محروم ہوتا ہے۔ جس کا اولین مصداق کفار قریش کے وہ سرکش لوگ تھے جو نزولِ وحی کے زمانے میں اسکے اولین مخاطب تھے۔ اور پھر قیامت تک آنے والا ہر باغی و سرکش انسان اس میں شریک و شامل ہے - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ کفر و انکار اور تمرد و سرکشی کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ

کرتوت جو وہ کررہے ہوتے ہیں ۲۲ اور کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کرچکے ہیں تم سے پہلے، جب کہ وہ لوگ اڑے رہے

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ

تھے اپنے ظلم پر، حالانکہ ان کے پاس آچکے تھے ان کے رسول کھلے دلائل لے کر ۲۳ مگر وہ (اپنے بغض وعناد کی وجہ سے)

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے، اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرم لوگوں کو، پھر ہم نے تم کو (ان کا)

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ

جانشین بنایا اس زمین میں ان (کی ہلاکت) کے بعد، تاکہ ہم دیکھیں کہ تم لوگ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ

کیسا عمل کرتے ہو، ۲۴ اور جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری (کھلی اور) صاف صاف آیتیں، تو وہ لوگ

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ

جو امید نہیں رکھتے ہمارے حضور پیشی (اور ملاقات) کی، (بگڑ اور بپھر کر) کہتے ہیں کہ لے آؤ کوئی اور قرآن اس کے سوا،

۲۲ **مسرفین کے لیے ایک نقد سزا - والعیاذ باللہ:** - کہ ان کے لیے برے اعمال اور سیاہ کرتوتوں کو خوشنما بنا دیا جاتا ہے جس کے باعث وہ ان کو چھوڑنے اور ترک کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ اور وہ ہلاکت وتباہی کے اسی راستے پر چلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ ہلاکت وتباہی کی ہولناک گڑھے میں جا گرتے ہیں اور فی النار والسقر ہو کر اپنے آخری انجام کو جا پہنچتے ہیں - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ مسرفین یعنی حد سے بڑھنے والوں کیلئے ان کے برے کرتوت ان کی نظروں میں خوشنما بنا دیئے جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان کو اپنی برائیاں بھی اچھائیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ اور اس طرح یہ لوگ اپنی دنیا اور اس کی عارضی اور فانی لذتوں میں منہمک ہو کر اپنے خالق و مالک کی اطاعت و بندگی سے منہ موڑ کر غفلت اور لاپرواہی کی زندگی گزارتے ہیں۔ اور اپنے خالق و مالک سے بغاوت و سرکشی اور راہِ حق وصواب سے انحراف کی اس ہولناک اور تباہ کن روش کو وہ اچھا سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ اور ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اس طرح وہ دائمی ہلاکت وتباہی کے کس ہاوے کی طرف بڑھ رہے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو برائیوں کو اچھائیاں سمجھنا ایک نقد اور فوری سزا ہے جو ایسے لوگوں کو قدرت کے قانونِ فطرت کے مطابق دی جاتی

ہے۔ جس کے باعث یہ برائی سے بچنے کی بجائے اس میں اور آگے بڑھتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے آخری ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔

۲۳ تاریخ سے درسِ عبرت حاصل کرنے کی تحریک وترغیب: - سو اس سے سابقہ قوموں کے انجام سے درسِ عبرت لینے کی دعوت وتحریک فرمائی گئی ہے اور اس سے واضح فرمایا گیا کہ گزشتہ قوموں کے انبیائے کرام کی بعثت وتشریف آوری ایسے کھلے اور روشن دلائلِ حق کے ساتھ ہوئی جن سے حق و باطل کا فرق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اور جن کے ذریعے انسان کو اپنی منزلِ حیات اور طریقِ نجات سے آگہی نصیب ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے باوجود کوتاہ بین، عاقبت نا اندیش اور ناشکرے انسان نے اس سے ہمیشہ منہ ہی موڑا اور اس طرح نورِ حق اور صراطِ مستقیم سے محروم ہو کر وہ اپنے لیے حرمان نصیبی کا سامان کرتا ہے اور نورِ حق کے مقابلے میں ظلماتِ جہل اور کفر وشرک کو اپناتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو ماضی کی یہ قومیں جب کفر وانکار اور بغاوت وسرکشی کی روش ہی پر چلتی رہیں تو اس کے نتیجے میں بالآخر وہ اپنے اس ہولناک انجام کو پہنچ کر رہیں جو ان کے کفر وانکار کی بنا پر ان کا مقدر بن چکا تھا۔ سو اس میں ہر دور کے کفار و منکرین کے لیے درسِ عبرت وبصیرت اور گزشتہ قوموں کی تاریخ اور ان کے انجام سے سبق لینے کے لیے دعوت وتحریک ہے - تاکہ اس طرح وہ اپنی روش کی اصلاح کر سکیں اور راہِ حق وہدایت کو اپنا کر اپنی بہتری کا سامان کر سکیں، قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی فرصت اُن سے نکل جائے۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یُحبُّ ویرید،

۲۴ دنیاوی زندگی کی مہلت ابتلاء وآزمائش کا پیریڈ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ہم نے تم لوگوں کو ان کا جانشین بنایا اس زمین میں تاکہ ہم دیکھیں کہ تم لوگ کیسا عمل کرتے ہو۔ نیک یا بد۔ اچھا یا برا۔ اپنے خالق و مالک کی رضاء وخوشنودی کا یا اس سے بغاوت وسرکشی کا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - تاکہ اسی کے مطابق تم سے معاملہ کیا جائے - پس عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود، تمہیں آزادی اور عیش پرستی کے لئے نہیں دی گئی بلکہ یہ دراصل ابتلاء و آزمائش کا ایک پیریڈ ہے، جس پر تمہاری آئندہ کی حقیقی اور دائمی وابدی زندگی کا مدار وانحصار ہے۔ سو اپنا نفع و نقصان اور بھلا برا تم لوگ خود سوچ لو- فَوَفِّقْنَا اللّٰهُمَّ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنْ قَوْلٍ وَّعَمَلٍ وَّاَخْذٍ وَّرَدٍّ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِي الْحَيَاةِ - اٰمین ثم اٰمین یا رب العالمین ویا ارحم الراحمین - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان گزشتہ قوموں کی ہلاکت کے بعد تم کو ان کا وارث اور جانشین بنایا۔ اے دورِ حاضر کے لوگو تاکہ ہم دیکھیں کہ تم لوگ کیا کرتے اور کیا بناتے ہو اور اسکے مطابق تم کس انجام اور کس طرح کی جزاء وسزا کے مستحق ہو۔ سو ہمارا جو قانون ان کے لیے تھا وہی اب تمہارے لیے ہے اور جب تم لوگ انہی کے جانشین ہو تو آخر تمہارے ساتھ ہمارا معاملہ ان سے مختلف کیوں ہوگا؟ ؟ پس تم لوگ آنکھیں کھولو اور ان کے انجام سے سبق لو اور اپنی اصلاح کر لو اور اپنے مستقبل اور انجام کے بارے میں سوچ لو قبل اس سے کہ دنیاوی زندگی کی یہ فرصتِ محدود تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے جو آج تمہیں میسر ہے۔ اور اس سے پہلے کہ تم لوگ اپنے اس انجام کو پہنچ کر رہو جس کو وہ لوگ پہنچے تھے۔ پھر تمہارے لیے اس سے گلوخلاصی کی کوئی صورت ممکن نہ ہو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین۔

أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ

یا کچھ ردو بدل کر دو اس میں، ۲۵ کہو مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں اس کو بدل دوں اپنی

نَفْسِيٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ

طرف سے، میرا کام تو بس پیروی کرنا ہے اس وحی کی جو میری طرف بھیجی جاتی ہے ۲۶ میں تو سخت ڈرتا ہوں اگر

عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ قُل لَّوْ شَآءَ

میں نافرمانی کروں اپنے رب کی، ایک بڑے ہی ہولناک دن کے عذاب سے ۲۷ کہو کہ اگر اللہ

۲۵ اہلِ باطل کا قرآنِ حکیم کو بدلنے کا مطالبہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ہمارے یہاں حاضری اور پیشی کی امید نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے پاس کوئی اور قرآن اس کے سوا یا ردو بدل کر دو اس میں۔ یعنی اس طور پر کہ اس سے ہمارے عقائد و نظریات کو ٹھیس نہ پہنچے اور ہمارے ان معبودوں اور ٹھاکروں کی اس میں توہین و تردید نہ ہو کہ یہ ہمیں برداشت نہیں۔ آخر یہ بھی تو پہنچی ہوئی ''سرکاریں'' اور ہمارے وسیلے و واسطے اور سفارشی ہیں۔ نیز اس میں اس بارے میں ردو بدل کر دو کہ جنت و دوزخ اور اُخروی عذاب و ثواب کے یہ قصے اس میں نہ ہوں۔ نیز حلال و حرام کی یہ پابندیاں بھی اس میں نہ ہوں کہ اس طرح ہماری زندگی اور اس کے عیش مکدر ہوتے ہیں۔ اور زندگی کی لطف اندوزیاں متاثر ہوتی ہیں۔ (روح، معالم، مدارک، معارف اور صفوہ وغیرہ)۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک ایسا دین اور ایسا قرآن پیش کرو جو ہماری اَہواء و اَغراض اور خواہشات کے مطابق ہو۔ سو یہی مرض اس مادہ پرست دنیا میں ہمیشہ رہا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ چنانچہ آج بھی بہت سے اہلِ زیغ و ضلال ایسے موجود ہیں اور یہاں وہاں جگہ جگہ موجود ہیں، جو دینِ حنیف کے بارے میں یہی کچھ کہتے اور اس طرح کے مطالبات کرتے ہیں اور ان کو طرح طرح سے اور نت نئے اندازوں میں پیش کرتے ہیں کہ دینِ حنیف کی فلاں اور فلاں تعلیمات کو اس اور اس طرح سے بدل دو تا کہ دینداری کا نام بھی باقی رہے اور ہماری اہواء و اغراض کے طور طریقے بھی حسبِ سابق باقی و برقرار رہیں۔ اور ہم ایسی روش اور پالیسی پر چلتے رہیں کہ شیطان بھی خوش رہے اور رحمٰن بھی ناراض نہ ہو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -مگر دینِ حنیف ایسی کسی آمیزش کی اجازت کبھی بھی نہیں دے سکتا۔ کیوں کہ حق ہر شائبۂ شرک و باطل سے پاک ہے۔ والحمدللہ۔

۲۶ پیغمبر کا کام اِتباع و پیروی: -سو پیغمبر کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ ان لوگوں کے جواب میں کہیں کہ مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں اس میں اپنی طرف سے کسی طرح کی کوئی تبدیلی کروں۔ میرا کام تو پیروی کرنا ہے اس وحی و ارشاد کی جو اللہ کی طرف سے میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ یعنی میرا کام تو صرف پیروی کرنا ہے اور بس۔ میں قانون ساز نہیں۔ قانونِ خداوندی اور ہدایت ربی کا پیروکار اور اس کا متبع ہوں۔ تو پھر میں اللہ کی طرف سے اتارے گئے دینِ حق اور اسکی بھیجی ہوئی وحیِ مقدس میں از خود کوئی تبدیلی کس طرح کر سکتا ہوں؟ سو اس ارشادِ ربانی میں اہلِ بدعت کے

اختیارِ کلی کے شرکیہ عقیدے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ نیز اس ارشادِ ربانی سے ایک اہم اور بنیادی اصول کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ اصل مدار و انحصار اتباع پر ہے۔ یعنی اس دین و ہدایت کی پیروی کرنی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے رسول -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کے ذریعہ نوازا ہے۔ سو اصل مطلوب ومقصود اتباع و پیروی ہے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا "اِتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْا" یعنی اِتباع و پیروی کرو اور ابتداع سے بچو"۔ یعنی دین میں اپنی طرف سے نئی نئی باتیں نہیں پیدا کرنا۔ کیونکہ بدعت کی راہ دین کی عمارت کو ڈھا دینے کے مترادف ہے جیسا کہ نبیٔ اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا "مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ" یعنی جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے دین کی عمارت کو ڈھا دیا۔ سو بدعت کی راہ تباہ کن راہ ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- مگر افسوس کہ اس کے باوجود آج امتِ مسلمہ کا ایک بڑا حصہ طرح طرح کی بدعات میں مصروف اور ملوث ہے اور اس حد تک اور اس طور پر کہ ایسے لوگ اپنی ان خودساختہ بدعات ہی کو اصل دین قرار دیتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ان بدعات کو اپناتے اور ان کو اپنانے پر زور دیتے ہیں اور یہاں تک کہ وہ اس کے لیے نصوصِ قرآن وسنت میں طرح طرح کی تحریفات اور تلبیسات سے کام لیتے ہیں اور اس طرح وہ جرم در جرم کا ارتکاب کرتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کی اصل حیثیت شارع اور قانون ساز کی نہیں ہوتی بلکہ وحی کے مبلغ اور اس کے پیروکار کی ہوتی ہے- علیہ الصلوٰۃ والسلام- شارع اور قانون ساز اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۷ محالات کا فرض کرنا بلاغتِ کلام کا ایک خاص اسلوب: - سو پیغمبر کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ ان لوگوں سے کہو کہ میں سخت ڈرتا ہوں ایک بڑے ہی ہولناک دن کے عذاب سے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں۔ یعنی ازخود اس کے دین میں کوئی تبدیلی کر کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محالات کا فرض کرنا نہ صرف جائز بلکہ واقع اور حسنِ کلام کا تقاضا ہے کہ اس سے معنیٔ مقصود کے لئے جو تائید و تاکید حاصل ہوتی ہے وہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے کلامِ الٰہی میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ لہٰذا اہلِ بدعت کا بعض اکابر کی عبارات میں پائے جانے والے اسی طرح کے اسالیبِ بلاغت پر اعتراض کرنا اور ان کو غلط معانی پر محمول کرنا ان لوگوں کی بدنیتی اور خود اپنی جہالت کا ثبوت ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف آیتِ کریمہ میں پیغمبر -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کو ہدایت فرمائی گئی کہ ایسے لوگوں کو بتا دو اور صاف اور صریح طور پر بتا دو کہ میرا کام صرف پیروی کرنا ہے اس وحی کی جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے نازل فرمائی جاتی ہے۔ اس میں کسی طرح کے رد و بدل کا مجھے کوئی حق و اختیار نہیں۔ اگر بالفرض میں ایسے کروں تو مجھے اپنے رب کی طرف سے بہت بڑے عذاب کا خوف اور ڈر ہے۔ تو جب حضرت امام الانبیاء -صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین- کی شانِ عبدیت و اِتباع کا یہ عالم ہے تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جو امورِ دین و شریعت میں کسی طرح کی تغیر و ترمیم کا کوئی اختیار رکھتا ہو؟ سو کس قدر گمراہ اور بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اپنے وقت کے علمائے کرام سے اس طرح کی توقعات رکھتے اور ان سے ایسے مطالبات کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے ایسے لوگوں کی طرف سے طرح طرح کی آوازیں اٹھائی جاتی ہیں۔ یہاں اور وہاں طرح طرح سے اور جگہ جگہ سے- حالانکہ دین کے احکام میں کسی طرح کے تغیر و ترمیم کا حق اللہ کے پیغمبر کو بھی نہیں، تو پھر کسی اور اس کے لئے کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے؟

اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ

چاہتا تو نہ میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر سناتا اور نہ ہی اللہ تمہیں اس کی خبر تک کرتا ۲۸ آخر میں

لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٦ فَمَنْ

تو اس سے پہلے بھی ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، تو کیا تم لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے؟ ۲۹ سو اس سے

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے، جو جھوٹ باندھے اللہ پر؟ ۳۰ یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو؟

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝١٧ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ

بے شک مجرم فلاح نہیں پا سکتے (کسی بھی قیمت پر) ۳۱ اور (اس سب کے باوجود) یہ لوگ پوجا کرتے ہیں

۲۸ قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثال معجزہ: سو پیغمبر کو ہدایت فرمائی کہ آپ ان سے کہو کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم لوگوں کو یہ قرآن کبھی پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تم کو اس کی خبر کرتا۔ کیونکہ میں تو جیسا کہ تم خود جانتے ہو ایک اُمّیٔ محض ہوں، جس نے نہ کبھی کسی کے آگے زانوئے تلمذ طے کیے ہیں اور نہ کسی سے کوئی حرف تک کبھی سیکھا پڑھا ہے۔ پھر بھی ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب جو تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں جس کی نظیر و مثال لانے سے ساری دنیا عاجز و بے بس ہے جو کہ ایک کھلا ثبوت اور واضح دلیل ہے میری صداقت و حقانیت کی۔ تو اگر اللہ کی مشیت و منظوری نہ ہوتی تو یہ کیسے اور کیونکر ممکن ہو سکتا تھا؟ سو اللہ نے چاہا کہ وہ تم لوگوں کو نورِ ہدایت سے منور و سرفراز فرمائے۔ تو اس نے یہ کتابِ عظیم مجھ پر نازل فرمائی۔ سو اللہ کو اگر ایسا منظور نہ ہوتا تو نہ میں تم لوگوں کو یہ کتاب پڑھ کر سناتا اور نہ ہی اللہ تم کو اس کی خبر کرتا۔ پس تم لوگوں کا یہ کہنا اور سمجھنا کہ میں تم لوگوں کو یہ کتاب از خود اور اپنے طور پر سناتا ہوں اور اسی طرح تم پر اپنی سیادت قائم کرنا چاہتا ہوں قطعاً غلط اور افترا ہے۔ میں تو محض اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد کی تعمیل میں اور اس کی مشیّت و مرضی کے مطابق تم لوگوں کو یہ سناتا ہوں تاکہ تمہارا بھلا ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہیں راہِ راست نصیب ہو جائے۔ پس اس پر ایمان لانے سے خود تمہارا بھلا ہے۔ ورنہ تمہارا اپنا نقصان۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اس کتابِ حکیم سے چڑنے اور اس کی وجہ سے غصہ کرنے کی بجائے تم لوگ اگر غور و فکر سے کام لو تو تمہارے سامنے میری صداقت و حقانیت اور قرآنِ حکیم کی شانِ اعجاز واضح ہو جائے کہ یہ کتابِ حکیم دینِ حق کی صداقت و حقانیت کا قطعی ثبوت اور ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک پوری آب و تاب سے چمکتا دمکتا اور دنیا کو دعوتِ غور و فکر دیتا رہے گا

۲۹ پیغمبر کی زندگی کی معجزانہ شان: کہ آپ اپنی زندگی کو منکروں کے سامنے بطورِ چیلنج پیش کرتے ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور اتنا

بھی نہیں سوچتے کہ جس شخص کی زندگی کھلی کتاب کی طرح تمہارے سامنے ہے، جس نے خود تمہاری اپنی گواہی کے مطابق آج تک نہ کبھی جھوٹ بولا، اور نہ کبھی کسی سے کوئی خیانت کی۔ جس کو تم لوگ خود اب تک صادق و امین مانتے رہے ہو۔ آخر کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اتنی عمر کے بعد اب جا کر جھوٹ بولنے لگے اور وہ بھی اپنے خالق و مالک پر؟ اگر تم لوگ اپنی عقلوں سے کام لیتے اور ان باتوں پر غور کرتے تو تم کبھی اس طرح حق کے جھٹلانے کی جرأت نہ کرتے۔ سو یہ پیغمبر کی زندگی کا ایک اعجازی پہلو ہے کہ اپنی زندگی کی طہارت و پاکیزگی کو اپنے دشمنوں کے سامنے چیلنج کے طور پر پیش فرمایا۔ تو کیا ہوسکتی ہے اسکی دوسری کوئی نظیر و مثال؟ کہ کوئی شخص اپنے دشمنوں کے سامنے اپنی زندگی کو اس طرح چیلنج کے طور پر پیش کرے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبر کی زندگی کیسی پاکیزہ اور کس قدر معجزانہ ہوتی ہے۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ وعلیٰ من تبعہٗ الیٰ یوم الدین۔

۳۵ اللہ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم - والعیاذُ باللہ:- سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ سب سے بڑا ظالم شخص وہ ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ اور کہے کہ میری طرف وحی آئی ہے حالانکہ اس کی طرف وحی نہیں آئی یا کہے کہ فلاں بات اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں۔ اور استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ تو ایسے میں میں اس طرح کے کسی ظلم کا ارتکاب کس طرح کرسکتا تھا؟ پس ظالم دراصل وہ لوگ ہیں جو اللہ کے پیغمبر کی وحی کو جھٹلاتے اور اللہ کی طرف بے بنیاد باتیں منسوب کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو میں اگر نبوت و رسالت کا جھوٹا دعوی لے کر اٹھا ہوں تو مجھ سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہوسکتا۔ اور اگر میں اپنے دعوائے نبوت و رسالت میں سچا ہوں جیسا کہ حقیقت اور واقعہ ہے تو پھر تم سے بڑھکر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ لہذا تم لوگ اپنے انجام کے بارے میں سوچ لو اور غور کرلو اور یہ حقیقت ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھو اور یقین جان لو کہ مجرم لوگ کبھی فلاح نہیں پاسکیں گے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اور جو ڈھیل ان کو قدرت کی طرف سے ملتی ہے اس سے کبھی دھوکے میں نہ پڑیں۔ کہ وہ بہر حال ایک ڈھیل ہے اور بس!۔

۳۶ اللہ کی آیتوں کی تکذیب بھی سب سے بڑا ظلم - والعیاذ باللہ:- سو اس ارشاد میں مزید فرمایا گیا کہ اسی طرح سب سے بڑا ظالم انسان وہ ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے۔ جیسا کہ تم لوگ کررہے ہو اے منکرو۔ اور استفہام دونوں جگہوں میں انکاری ہے۔ یعنی اس سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ پس منکرینِ حق کو اپنے بارے میں سوچنا اور غور کرنا چاہیئے کہ حق کا انکار کرکے وہ کس قدر سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو یہ ایک اہم اور اٹل بنیادی حقیقت ہے کہ انسان کی سعادت و سرخروئی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی تعلیم وارشاد فرمودہ راہ پر چلے۔ اسی میں اس کے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی منحصر ہے اور اسکی ہدایت و تعلیم سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ اسکی وحی ہے جو اسکے پیغمبروں کے ذریعے دنیا کے لیے بھیجی جاتی ہے۔ اور جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنا یا سچے نبی کی تعلیمات کو جھٹلانا دونوں باتیں انسانوں کو نورِ وحی سے محروم کرنے کا باعث ہیں۔ اس لیے یہ دونوں بہت بڑے ظلم اور ان کے مرتکب سب سے بڑے ظالم اور مجرم لوگ ہیں کہ انہوں نے خلقِ خدا کو نورِ حق و ہدایت سے محروم کرکے طرح طرح کے گھمبیر، ہولناک اور تباہ کن اندھیروں میں دھکیل دیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - آمین۔

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ

اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی جو نہ ان کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہیں، اور نہ کوئی نفع دے سکتی ہیں، ۳۲ اور کہتے ہیں

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا

کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے یہاں، (ان سے) کہو کہ کیا تم لوگ اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو،

لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

جس کو وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں؟ ۳۳ پاک ہے وہ ذات اور بالا و برتر،

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۸ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں، اور لوگ سب کے سب (شروع میں) ایک ہی طریقے پر تھے (یعنی عقیدۂ توحید پر)

۳۲ **غیر اللہ کی پرستش و پوجا عقل کا ماتم - والعیاذ باللہ:** -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے سوا کسی بھی اور چیز کی پوجا عقل کا ماتم ہے- والعیاذ باللہ- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ایسے ایسے کھلے دلائل اور واضح حقائق کے باوجود اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نفع دے سکے نہ نقصان ۔تو جو چیز نہ نفع دے سکے اور نہ نقصان سے بچا سکے وہ معبودِ برحق کیسے ہوسکتی ہے؟ اور اس کی پوجا کس طرح کی جاسکتی ہے؟۔ پس ایسوں کو معبود ماننا دراصل اپنی عقلوں کا ماتم کرنا ہے۔اور تم جو ان کو ازخود اپنے طور پر حاجت روا و مشکل کشا سمجھتے ہو یہ محض تمہارے اپنے مونہوں کی باتیں اور خود ساختہ و بے حقیقت اختراعات ہیں -﴿ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾-والعیاذ باللہ جل و علا- سو ایسی بے حقیقت چیزوں کو معبود قرار دینا عقل کا ماتم انسانیت کی تحقیر وتذلیل اور دارین کی ہلاکت وتباہی ہے۔مگر مت کے ماروں کی ایک دنیا کی دنیا ہے جو اس جرم کا ارتکاب کیے جا رہی ہے- اور وہ حق بات کو سننے اور ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتی۔الا ماشاءاللہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۳ **لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی پر استدلال:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ اللہ کو ایسی چیز کی خبر دینا چاہتے ہو جس کو وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں نہ زمین میں کہ ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ۔ ورنہ یہ اللہ پاک کے علم سے باہر کیسے ہوتیں؟ کہ اس کا علم تو کامل اور محیط ہے-سبحانہ وتعالیٰ- سو یہاں پر لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی مراد لی گئی ہے جو کہ بلاغت کا ایک معروف اسلوب ہے۔یعنی ایسی کوئی چیز اگر فی الواقع موجود ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ضرور ہوتی۔سو تمہارے ان خود ساختہ اور فرضی سفارشیوں کا کوئی وجود سرے سے ہے ہی نہیں ۔ یہ سب تم لوگوں کی بے سند اور فرضی اور وہمی باتیں ہیں جن کی نہ کوئی اصل ہے نہ اساس۔اور جن کے معبود ایسے فرضی اور وہمی ہونگے وہ خود کیا ہونگے؟- ﴿ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴾- یعنی طالب بھی ضعیف اور مطلوب بھی ضعیف ۔والعیاذ باللہ العظیم۔

فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

پھر وہ (مختلف اغراض و مقاصد کی بناء پر) اختلاف میں پڑ گئے ۳۴ اور اگر ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تمہارے رب کی طرف سے

بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ

تو یقیناً ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ان تمام باتوں کا جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ۳۵ اور کہتے ہیں کہ کیوں

۳۴ توحید کے حق میں تاریخ کی شہادت کا ذکر و بیان: سو توحید کے حق میں تاریخ کی شہادت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ شروع میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ یعنی توحید پر۔ پھر بعد میں انہوں نے اختلاف کیا کہ کچھ تو فطرت یعنی اسلام اور عقیدۂ توحید پر باقی و برقرار رہے اور کچھ کفر و شرک اور بت پرستی جیسی آفتوں میں مبتلا و گرفتار ہو گئے۔ اور اس کے لئے انہوں نے طرح طرح کے خودساختہ فلسفے گھڑنے شروع کر دئے۔ ورنہ شروع میں سب ہی لوگ اپنے باپ کے طریقے یعنی عقیدۂ توحید پر قائم تھے۔ اور حضرت حق -جل مجدہٗ- نے سب کو دینِ فطرت یعنی اسلام پر پیدا فرمایا، جیسا کہ حضرت نبیٔ معصوم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - نے صحیح حدیث میں اسکی تصریح فرمائی ہے کہ ہر بچہ فطرۃً مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے۔ پھر ماں باپ اسکو جیسا چاہیں بنائیں۔ یعنی وہ خود جس دین پر ہونگے یہ بھی اسی پر ہو جائے گا۔ وہ اگر یہودی ہونگے تو یہ بھی یہودی ہو گا اور وہ اگر نصرانی ہونگے تو یہ بھی نصرانی ہوگا۔ اور وہ اگر مجوسی ہونگے تو یہ بھی مجوسی ہوگا" فابواہ یھوّدانہ او ینصرانہ او یمجّسانہ" ورنہ اپنی اصل فطرت میں بچہ مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے اگرچہ وہ کافر کے گھر میں پیدا ہو۔ بہرکیف توحید فطرت کا تقاضا اور انسانی جبلت میں پیوست ہے۔ پھر حضرات انبیائے کرام میں سے ہر ایک نے اسی کی تعلیم و تلقین فرمائی اور ہمیشہ اسی کا درس دیا کہ یہی چیز اصل اور اساس ہے سارے دین کی کہ وہ خالق و مالک وحدہٗ لاشریک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ۔ مگر لوگوں نے پھر بھی شرک کیا اور کیے جا رہے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

۳۵ فیصلے کا دن قیامت ہی کا دن ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا۔ اور وہ یہ ہے کہ آخری اور عملی فیصلہ دنیا میں نہیں آخرت میں ہونا ہے، کیونکہ دنیا "دارالعمل" ہے "دارالجزاء" نہیں۔ (روح، قرطبی، معارف، وغیرہ)۔ اور یوں دنیا کے اس ظرفِ محدود و مختصر میں اتنی گنجائش بھی سرے سے نہیں کہ لوگوں کو ان کے کئے کرائے کا پورا صلہ و بدلہ یہاں دیا جا سکے۔ یہ آخرت کے اس جہان ابدی ہی میں ممکن ہو سکے گا، جیسا کہ یہ بات ہم دوسرے کئی مواقع پر بھی واضح کر چکے ہیں- والحمد للہ- سو اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا۔ سو اس سے اہلِ کفر و باطل کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے کہ اگر ہم غلط اور باطل پر ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا کیونکہ اللہ پاک نے طے فرما رکھا ہے کہ اصل اور پورا فیصلہ آخرت ہی میں ہوگا کہ "دارالجزاء" وہی ہے۔ جبکہ دنیا "دارالعمل" اور "دارالامتحان" ہے۔ یہاں پر بھی اگرچہ انسان کو اسکے اعمال کا کچھ نہ کچھ بدلہ ملتا ہے۔ اچھے کا اچھا اور برے کا برا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- لیکن وہ کچھ اور بعض ہی کے درجے میں ہوتا ہے۔ پورا بدلہ نہ یہاں ملتا ہے اور نہ مل سکتا ہے۔ وہ آخرت کے اس "دارِ ابدی" اور حقیقی جہاں ہی میں ملے گا جو کہ "دارالجزاء" ہے اور جس کی وسعتوں کا کوئی کنارہ نہیں- اللھم فوفقنا لما تحب وترضی من القول والعمل بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ- دنیا میں کسی بھی عمل کا پورا بدلہ نہ ملتا ہے نہ مل سکتا ہے- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء اور خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے- آمین۔ ثم آمین یارب العالمین

اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ

نہ اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی جانب سے، ؁۳۶ تو کہو کہ غیب تو اللہ

لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۲۰﴾ ع وَ اِذَآ

ہی کے اختیار میں ہے، پس تم لوگ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں ؁۳۷ اور لوگوں (کی ناسپاسی و سرکشی) کا یہ عالم

اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا

ہے کہ جب ہم ان کو چکھا دیں کوئی رحمت ؁۳۸ کسی ایسی تکلیف (ومصیبت) کے بعد، جو ان کو پہنچ چکی ہوتی ہے، تو یہ

۳۶ کفار کی طرف سے فرمائشی معجزے کا مطالبہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ منکر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی ان صاحب پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے ۔یعنی ان کی اقتراح وفرمائش کے مطابق ۔ ورنہ مطلق نشانیاں تو آپ کو بیشمار عطا فرمادی گئی تھیں ۔ اور اتنی کہ کسی اور کو نہیں عطا فرمائی گئیں ۔ اور آپ کا سب سے بڑا معجزہ تو قرآنِ حکیم کا یہ معجزۂ خالدہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا ۔ مگر ان ضدی وعنادی ہٹ دھرم کافروں کی خاص فرمائشیں تھیں کہ یہ اور یہ نشانیاں ہمیں دکھاؤ ۔ مثلاً ''ناقہ صالح''، ''عصائے موسیٰ'' اور یہ کہ کوہِ صفا کو سونے کا پہاڑ بنا دیا جائے وغیرہ وغیرہ ۔ (جامع البیان، محاسن التاویل، قرطبی، بیضاوی وغیرہ وغیرہ) ۔سو یہ بھی ان لوگوں کے عناد اور ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ تھا کہ پیغمبر کے اتنے معجزات دیکھنے کے باوجود وہ لوگ ایسے خاص معجزوں کی فرمائش کرتے تھے ۔ ورنہ جو عظیم الشان معجزات آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کو عطا فرمائے گئے تھے، وہ آنجناب کی صداقت وحقانیت کے ثبوت کے لیے کافی ووافی تھے ۔سو اصل چیز معجزات نہیں بلکہ اصل چیز ہے طلبِ صادق ۔ اور اس سے یہ لوگ محروم ہیں ۔ اس لیے یہ نورِ حق وہدایت سے محروم ہیں اور اس کے نتیجے میں یہ ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو کر ایسے مطالبات کرتے اور فرمائشی معجزے مانگتے ہیں ورنہ ایمان لانا ان کا مقصد ہی نہیں ۔ یہ محض ان کی حیلہ سازیاں اور بہانے بازیاں ہیں، جن سے یہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکے دے رہے ہیں، مگر ان کو اس کا شعور واحساس نہیں ۔

۳۷ علمِ غیب خاصۂ خداوندی: - سو پیغمبر کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ فرمائشی معجزوں کا مطالبہ کرنے والے ان معاندین سے کہو کہ غیب تو اللہ ہی کے اختیار میں اور اسی کے ساتھ مختص ہے ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور ''انما'' کے کلمۂ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ غیب اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ غیب سب کا سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے ۔ پس تم لوگوں کی ان فرمائشوں کا معاملہ بھی اسی کے حوالے ہے، کہ یہ بھی غیب سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں، اور غیب سب کا سب اسی وحدہٗ لاشریک کے ساتھ مختص ہے، اور پھر اس حقیقت کے بیان میں جس قدر تاکید سے کام لیا گیا وہ بھی ملاحظہ ہو کہ ایک تو ﴿انما﴾ کا کلمہ استعمال فرمایا گیا ہے جو کہ حصر وتاکید کا فائدہ دیتا ہے ۔ پھر ''لام اختصاص'' اور پھر جملۂ اسمیہ جو کہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے ۔ سو اس طرح تاکید

در تاکید کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا اور واضح فرما دیا گیا کہ غیب کا علم اللہ پاک ہی کے ساتھ مختص اور اسی کا خاصہ ہے۔ مگر اس سب کے باوجود اہلِ بدعت ہیں کہ وہ پھر بھی اللہ کی مخلوق میں سے مختلف ہستیوں کے لئے علمِ غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق یہ ایک قطعی حقیقت ہے اور یہاں پر بھی ان لوگوں کے جواب میں پیغمبران کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ غیب کی تمام خبریں اسی وحدہٗ لاشریک کے علم اور قبضہ قدرت واختیار میں ہیں۔ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کس چیز کا انجام کیسا ہے اور آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ مجھے نہ تو یہ معلوم ہے کہ میرے ہاتھ پر کون سا معجزہ ظاہر ہوگا اور نہ یہ کہ کب اور کس شکل میں ظاہر ہوگا کہ ان سب امور کا تعلق غیب سے ہے۔ اور غیب اللہ کا خاصہ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ تو پھر تم لوگ مجھ سے ایسے مطالبے کیوں کرتے اور اس طرح کی فرمائش کیوں کرتے ہو؟ جن کا میرے منصب سے کوئی تعلق ہی نہیں اور نہ ہی میں نے ایسا کوئی دعویٰ ہی کبھی کیا ہے (روح، قرطبی، مدارک، ابوالسعود، المراغی، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہرکیف کفار ومشرکین کے جواب میں نبی اکرم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی زبان سے کہلوایا گیا کہ عذاب لانا اور فرمائشی معجزے دکھانا میرا کام نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اور اس کا علم بھی اسی کے پاس ہے کہ غیبی امور سب کے سب اسی کے ساتھ مختص ہیں۔ میرا کام تو صرف خبردار کرنا ہے۔ آنے والے عذاب اور خطرات سے اور بس۔ تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے۔ آگے معاملہ اللہ کے حوالے۔ پس تم لوگ انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ جب نتیجہ وانجام سامنے آئے گا تو تم لوگوں کو خود پتہ چل جائے گا۔

۳۸ انسان کی تنگ ظرفی کا عالم: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ لوگوں کی تنگ ظرفی اور کوتاہ نظری کا عالم یہ ہے کہ اگر ہم ان کو چکھا دیں کوئی رحمت کسی ایسی تکلیف کے بعد جو ان کو پہنچ چکی ہوتی ہے تو یہ چھوٹتے ہی چالبازیاں کرنے لگتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں۔ ﴿مِنْ رَّحْمَةٍ﴾۔ میں تنکیر عموم کا فائدہ دے رہی ہے۔ یعنی کوئی بھی رحمت اور نعمت ہو۔ خواہ روپیہ پیسہ اور مال ودولت کی صورت میں ہو یا عزت واقتدار، جاہ ومرتبہ، صدارت ووزارت اور سیادت وقیادت وغیرہ وغیرہ کی کسی بھی شکل میں۔ تو یہ تنگ ظرف اور مادہ پرست انسان ایسے موقع پر خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور وہ آپے سے باہر ہوکر ناچنے کودنے اور بھنگڑا ڈالنے لگتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کل بھی اس کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے کہ ایسے تنگ ظرف لوگوں کی معراج یہی کچھ ہوتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ جبکہ مومنِ صادق کی نظر آخرت اور انجام پر ہوتی ہے۔ سو "انسان" کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہاں پر اس سے مراد وہی انسان ہے جو لذتِ ایمان ویقین سے محروم ہے۔ جس کے اولین مصداق کفارِ قریش ہیں جو کہ قرآنِ حکیم کے براہِ راست مخاطب تھے۔ اور اسکے بعد جو بھی ان کے نقشِ قدم پر ہونگے وہ سب اس میں داخل ہیں جبکہ مومنِ صادق کی صفت وشان اسکے بالکل برعکس ہے کہ اسکے نزدیک یہ دنیا پوری بھی مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ تو پھر اسکے کچھ ٹکوں کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔ تو پھر اس پر اترانے اور تکبر کرنے کا کیا سوال؟ سو اس طرح ایسے لوگ خود اپنی ہی حرمانِ نصیبی اور ہولناک خسارے کا سامان کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ

چھوٹتے ہی چالبازیاں کرنے لگتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں ۳۹ کہو کہ اللہ کی چال اس سے کہیں زیادہ تیز (اور

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝ ۲۱ هُوَ الَّذِيْ

کارگر) ہے ۴۰ بے شک ہمارے فرشتے لکھ رہے ہیں وہ سب مکاریاں جو تم لوگ کرتے ہو ۴۱ وہ (اللہ) وہی تو ہے جو تم کو

يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي

چلاتا (پھراتا) ہے خشکی میں بھی، اور تری میں بھی، ۴۲ یہاں تک کہ جب تم لوگ بیٹھے ہوتے ہو

۳۹ انسان کی بے انصافی اور ناشکری کا ایک نمونہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسا شخص چھوٹتے ہی چالبازیاں کرنے لگتا ہے ہماری آیتوں کے بارے میں۔ سو اس طرح اس کے اندر کا چھپا ہوا شر اور شرک ابل کر باہر آ جاتا ہے اور وہ ہماری آیتوں اور حق کے مقابلے میں تن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ کہیں کہتا ہے کہ یہ سب کچھ تو میری اپنی عقل و تدبیر اور چالاکی و چالبازی کا نتیجہ ہے اور کہیں کہتا ہے کہ یہ فلاں حضرت یا آستانے کی مہربانی یا فلاں بت کی کرشمہ سازی ہے اور اس کے لئے وہ نذروں، نیازوں اور چڑھاووں، چادروں کا کام شروع کر دیتا ہے۔ اور کبھی وہاں سر بھی ٹیک دیتا ہے اور جلوسوں کی شکل میں حاضری بھی دیتا ہے اور منعمِ حقیقی۔ جل جلالہٗ۔ کو نہ صرف یہ کہ وہ بھول جاتا ہے بلکہ الٹا اس کی بارگاہِ اقدس و اعلیٰ اور توحید خالص کی طرف بلانے والوں کو برا بھلا کہنے، تنگ کرنے، اور ان کی راہیں روکنے پر اتر آتا ہے۔ سو کتنا ناشکرا اور کس قدر احسان فراموش ہے یہ انسان؟۔ ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾۔ اور یہ ناشکرا انسان اپنے اس شر و فساد اور اعراض و انکار میں اس قدر آگے نکل جاتا ہے کہ اللہ کی آیات کی تکذیب اور ان کے ساتھ استہزاء کی جسارت تک کرنے لگتا ہے۔ کما قال مجاہد۔ (ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۴۰ اللہ کی چال بڑی ہی تیز اور انتہائی کارگر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں سے کہو کہ اللہ کی چال اس سے کہیں زیادہ تیز اور کارگر ہے۔ اور ایسی تیز اور اس قدر کارگر کہ تمہیں اس کا پتہ بھی نہیں چل سکتا۔ جبکہ اس کے علم ازلی میں تمہاری سزا بھی مقرر ہو چکی ہوتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ سُوْٓءٍ وَّ شَرٍّ۔ سو اس وحدہٗ لاشریک کا معاملہ دنیا والوں کی دارو گیر سے مختلف ہوتا ہے کہ دنیا والے چونکہ تنگ ظرف ہوتے ہیں۔ ان میں صبر و برداشت کا مادہ ایک محدود و مختصر حد تک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ برداشت نہیں کر سکتے۔ بلکہ فوراً ایکشن لیتے ہیں۔ جبکہ اس مالک الملک۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ کی ہر صفت کی طرح اسکی صفتِ حلم و کرم بھی لامحدود ہے۔ اس لیے وہ ایسے سرکشوں کو ڈھیل پر ڈھیل دیئے جاتا ہے۔ بلکہ انکو دنیاوی نعمتوں سے بھی نوازتا جاتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ ٹھیک ہیں (We are right) ورنہ ہماری پکڑ کیوں نہیں ہوتی اور ہمیں یہ دنیاوی مال و متاع کیوں ملتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی سرکشی میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ حق بات پر کان دھرنے اور اسکو قبول کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے جس کے نتیجے میں وہ اپنے اس آخری انجام اور ہولناک نتیجے کو پہنچ کر رہتے ہیں جو ان کیلئے طے اور مقدر ہو چکا ہوتا ہے اور ایسے دھر لیے

جاتے ہیں کہ پھر ان کے لیے اس سے نکلنے اور رہائی پانے کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں رہتی۔ سو تمہارے رب کی گرفت و پکڑ بڑی سخت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ نیز ارشاد فرمایا گیا کہ ہمارے فرشتے ان تمام چالوں کو لکھتے اور ان کا پورا ریکارڈ تیار کرتے جا رہے ہیں جو تم لوگ طرح طرح سے اور مختلف شکلوں میں کرتے ہو۔ سو اسی ریکارڈ کے مطابق وقت آنے پر تم سب سے عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق بھرپور طریقوں سے نمٹا جائے گا۔ پس تم لوگ کبھی یہ نہ سمجھنا کہ تم اپنے کیے کرائے کا پھل پانے سے بچ جاؤ گے اور تمہاری کوئی پوچھ نہیں ہوگی کہ اس خالق و مالک کے یہاں ایسی اندھیر نگری کا کوئی امکان نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ اللہ ہمیشہ اور ہر موقع پر اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور زیغ وضلال کی ہر قسم اور نفس وشیطان کے ہر دھوکے سے ہمیشہ اور ہر حال میں محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۳۱ ظالموں اور مکاروں کے لیے تنبیہ وتحذیر: سو ظالموں اور مکاروں کی تنبیہ وتحذیر کے لیے آگہی بخشی گئی کہ ان کی تمام تر چالبازیوں اور مکاریوں کا باضابطہ طور پر ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ہمارے فرشتے لکھ رہے ہیں وہ تمام مکاریاں جو تم لوگ کر رہے ہو۔ سو ہمارے فرشتے تمہارے کرتوتوں کا ریکارڈ تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں تاکہ پورا دستاویزی ثبوت موجود ہو اور عدل وانصاف کے تقاضے کامل طور پر پورے ہو سکیں۔ (المنار وغیرہ)۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم چونکہ فوراً نہیں پکڑتے تو اس سے تم دھوکے میں پڑے ہو کہ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو اللہ کی گرفت اور پکڑ سے بے فکر اور بے خوف ہونا بڑے ہی سخت خسارے کا سودا ہے ﴿فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾۔ (الاعراف: ۹۹) وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو یہ بھی اس مالک کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے پیشگی اور اس قدر صراحت ووضاحت سے بتا دیا کہ ہمارے فرشتے تمہارے تمام کرتوت لکھ رہے ہیں اور تمہارا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے۔ سو یہ سب کچھ بتا دیا تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے اور وہ کل یہ نہ کہے کہ مجھے خبر نہیں تھی۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ظالموں کی مکاریاں اللہ سے مخفی نہیں اور ان سب کا ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۳۲ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت خشکی اور تری دونوں میں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی اللہ تم لوگوں کو چلاتا ہے خشکی میں بھی اور تری میں بھی۔ سو خشکی اور تری دونوں میں اس کی رحمت وعنایت تم لوگوں پر سایہ فگن ہے۔ پس چلانے والا تمہیں حقیقت میں وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ خشکی میں بھی اور تری میں بھی۔ اس کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کے بغیر تم لوگ کہیں بھی نہیں چل سکتے۔ اور تم کچھ بھی نہیں ہو۔ فَسُبْحٰنَہٗ مَآ اَعْظَمَ شَانُہٗ وَمَآ اَجَلَّ وَاَعَمَّ اِحْسَانُہٗ۔ مگر تم لوگ ہو کہ خشکی اور تری کے اپنے ان سفروں کے دوران اس کو چھوڑ کر اور بھول کر اسکی طرح طرح کی عاجز اور بے بس مخلوق کو پکارتے اور اسی پر تکیہ اور بھروسہ کرتے ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو خشکی اور تری میں سفر کے ذرائع ووسائل خداوندِ قدوس ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ اور وہ تدبیر وحکمت بھی اسی کی الہام فرمودہ اور تعلیم کردہ ہے جس سے کام لے کر انسان خشکی اور تری کے سفر کے وسائل ایجاد کرتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ پھر سفر کے درمیان مختلف قسم کے حوادث سے بچا کر منزلِ مقصود تک پہنچا دینا بھی اسی کے فضل وکرم سے ممکن ہو سکتا ہے۔ پس تمہاری نگاہیں ان ظاہری اسباب ووسائل ہی میں اٹک کر اور پھنس کر نہیں رہ جانی چاہئیں بلکہ ان کے ذریعے تمہیں اُس ذاتِ اقدس واعلیٰ تک پہنچنا چاہیے جس کی قدرت وعنایت ان کے پیچھے کارفرما ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا

کشتیوں میں، اور وہ کشتیاں اپنی سواریوں (یعنی تم) کو لے کر بادِ موافق کے ذریعے رواں دواں ہوتی ہیں، اور یہ لوگ

جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ

ان (کی رفتار) سے شاداں و فرحاں ہوتے ہیں، تو یکا یک آ دبوچتا ہے ان کو ایک جھونکا زوردار ہوا کا، اور لگنے لگتے

مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

ہیں ان کو موجوں کے تھپیڑے ہر طرف سے، اور ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ پوری طرح گھر گئے ہیں، تو اس وقت یہ

لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

پکارنے لگتے ہیں اللہ کو ۴۳ خالص کر کے اس کے لیے اپنے دین کو کہ (مالک!) اگر تو نے ہم کو نجات دے دی اس بلا سے، تو

الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ

ہم یقیناً شکر گزار بن جائیں گے تیرے مگر جب اس نے نجات دے دی ان کو، تو یہ چھوٹتے ہی سرکشی کرنے لگتے ہیں

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ

زمین میں ۴۴ ناحق طور پر، اے لوگو! سوائے اس کے نہیں کہ تمہاری اس سرکشی کا وبال خود تم ہی پر ہے ۴۵

۴۳ **عقیدۂ توحید انسان کی فطرت میں پیوست** :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے مشکل وقت میں جبکہ سمندری سفر کے دوران میں ان کی کشتیوں کو ہوا کا کوئی جھکڑ آ پہنچتا ہے اور ان کو ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگنے لگتے ہین اور ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ پوری طرح سے گھر گئے ہیں تو اس وقت یہ لوگ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ توحید اور رجوع الی اللہ انسان کی فطرت اور اس کے تحت الشعور میں پیوست ہے۔ کفر و شرک اور الحاد و بے دینی کی خواہ کتنی ہی تہیں کیوں نہ جم جائیں مگر ایسے کسی مشکل وقت میں، اور آخر ایک نہ ایک دن وہ اپنے خالق اور مالکِ حقیقی ہی کو پکارنے بلانے پر مجبور و مضطر ہو جاتا ہے۔ یہاں اس تلخ اور دکھ دہ حقیقت پر ایک مرتبہ پھر روشنی پڑتی ہے کہ کھلے مشرک تو قرآنِ پاک کی اس تصریح کے مطابق سختی اور مشکل کی اس حالت میں اپنے تمام شرکاء کو بھول کر اسی وحدہٗ لاشریک مالکِ حقیقی کو پکارنے لگ جاتے ہیں جس کے سوا نہ کوئی کارساز ہے نہ حاجت روا و مشکل کشا۔ مگر آج کا کلمہ گو مشرک اس حالت میں بھی اس خالق و مالکِ حقیقی کو چھوڑ کر اسکی کسی مخلوق ہی کو پکارتا ہے۔ اور وہ علی الاعلان کہتا ہے "یا غوث مدد"، "یا پیر دستگیر"، "یا بہاؤ الحق بیڑا دھک" اور "یا خواجہ اجمیری پار لگا دے کشتی میری" وغیرہ وغیرہ۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ حالانکہ یہ سب پاکیزہ ہستیاں خود اللہ ہی کو پکارتی تھیں۔ اور ہمیشہ دنیا کو خداوندِ قدوس ہی کو پکارنے اور اسی کے

آگے جھکنے اور اسی کی طرف رجوع کرنے کا درس دیتی رہیں۔ مگر ظالموں نے ان ہی کے نام سے اور انہی کے نام پر شرک کا ایسا گھناؤنا کاروبار شروع کر دیا۔ اور کلمہ گو مشرکوں کے اسی شرک کا رونا بڑے بڑے مفسرینِ کرام نے رویا ہے۔ جیسا کہ علامہ مصطفیٰ مراغی مرحوم نے اپنی تفسیر المراغی میں، علامہ آلوسی بغدادی الحنفی نے اپنی تفسیر "روح المعانی" میں۔ صاحبِ "فتح الرحمٰن" نے اپنی تفسیر میں اور علامہ رشید رضا نے اپنی تفسیر "المنار" میں وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ صاحب "فتح الرحمٰن" اس موقع پر اپنے درد بھرے انداز میں لکھتے ہیں کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ کھلے مشرک تو ایسے موقع پر اپنے معبودانِ باطلہ کو بھول کر اپنی فطری آواز کے مطابق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو پکارتے تھے مگر کتنے ہی نام نہاد مسلمان ایسے ہیں جو ایسے مشکل مواقع میں مختلف مُردوں کو پکارتے ہیں۔ سو دیکھو ایسے لوگوں کو، ان کے مشرکانہ عقائد نے انکو کہاں پہنچا دیا اور شیطان نے ان کو ہلاکت کے کتنے گہرے گڑھے میں ڈال دیا۔ اور مفسر مراغی اس بارے لکھتے ہیں کہ کتنے ہی نام نہاد مسلمان ایسے ہیں جو اس طرح کے مواقع پر سید بدوی، رفاعی، دسوقی اور متبولی وغیرہ جیسے بزرگوں کو پکارتے ہیں۔ اور یہی کچھ علامہ آلوسی نے فرمایا۔ ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی، المراغی ج ۱۱ صفحہ ۹۰ تفسیر سورۂ یونس طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان اور تفسیر المنار، ج ۱۱ صفحہ ۳۲۹ وغیرہ

۲۴ انسان کی ناشکری اور احسان فراموشی کا ایک اور مظہر: - کہ ایسے لوگ اس مصیبت سے چھوٹتے ہی شرک کرنے لگتے ہیں کفر و شرک کے اپنے سابقہ طریقوں کے ذریعے۔ پس کفر و شرک اور بت پرستی و مخلوق پرستی درحقیقت بغاوت و سرکشی اور فساد فی الارض ہے۔ اگرچہ اس کے فرزند اور علمبردار اصلاح و درستگی کے بلند بانگ دعوے ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔ سو یہ بھی انسان کی ناشکری اور احسان فراموشی کا ایک مظہر ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور یہ بغی و سرکشی لازمی نتیجہ ہے "استکبار فی الارض" یعنی اپنی بڑائی کے گھمنڈ کا۔ حالانکہ کبریائی اور بڑائی کا حق اسی کو پہنچ سکتا ہے جس کا خلق و تدبیر میں کوئی حصہ ہو۔ پس جو خود مخلوق اور ہر چیز میں اپنے خالق و مالک کے رحم و کرم کا محتاج ہو اسکو اکڑنے اور تکبر کرنے کا، اور وہ بھی اپنے خالق و مالک کے سامنے کیا حق پہنچ سکتا ہے؟ سو ایسی ہر بغی و سرکشی ناحق اور سراسر ظلم ہے۔ اسی لیے یہاں پر اس کو ﴿بغیر الحق﴾ فرمایا گیا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللہ تعالیٰ ہر قسم کی سرکشی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۵ انسان کی بغاوت و سرکشی کا وبال خود اسی پر: - کہ اس کا بھگتان بہرحال خود تم کو ہی بھگتنا ہوگا۔ اور تم جو سمجھ رہے ہو کہ ہم دوسروں کو زک پہنچا رہے ہیں تو یہ تمہاری اپنی حماقت اور جہالت ہے۔ اور یہ ایک بڑا خسارہ ہے کہ نقصان اٹھانے والا اپنے نقصان کو بھی فائدہ سمجھنے لگے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - بہرکیف یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کی بغاوت و سرکشی کا وبال اصل میں خود اسی پر ہوتا ہے مگر وہ اسکو سمجھتا نہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو ﴿انما﴾ کے کلمۂ حصر سے بیان فرمایا گیا کہ تمہاری اس بغاوت و سرکشی کا وبال اے سرکش لوگو خود تم ہی لوگوں پر پڑے گا ورنہ اس سے نہ خدا اور اسکے رسول کا کچھ بگڑے گا اور نہ ہی اس کے دینِ حق کا۔ بلکہ تمہاری سرکشی تم پر خدا کی حجت پوری کرے گی اور تم جتنے قدم اس راہ میں آگے بڑھو گے اتنا ہی خداوندِ قدوس کے فیصلہ کن عذاب سے قریب ہوتے چلے جاؤ گے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور مسند فردوس میں حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا وبال خود انہی لوگوں پر پڑتا ہے جو ان کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یعنی مکر، نکث اور بغی یعنی سازش، عہد شکنی اور ظلم و سرکشی۔ پھر اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آیات کریمہ کا حوالہ دیا۔ ایک - ﴿اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ﴾ - اور - ﴿وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ﴾ - اور - ﴿وَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ﴾ - (تفسیر المنار، ج ۱۱، ص ۳۴۴)

مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ

دنیا کی زندگی کا یہ چند روزہ نفع تو تم اٹھالو، مگر آخر کار پھر تم سب کو لوٹ کر بہر حال ہمارے ہی پاس آنا ہے، تب ہم تم کو

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

بتادیں گے وہ سب کچھ جو تم کرتے رہے تھے (اپنی زندگیوں میں،) دنیاوی زندگی کی مثال ۴۶

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

تو بس ایسے ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس کے ذریعے خوب گھنی

الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ

(اور گنجان) ہو کر نکلی وہ پیداوار، جس سے انسان بھی کھاتے ہیں اور جانور بھی، (اور وہ پیداوار بڑھتی اور پھیلتی رہی) یہاں

اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ

تک کہ جب پہنچ گئی وہ زمین اپنی بہار (اور جوبن) کو، اور خوب بن سنور گئیں اس کی کھیتیاں، اور یقین کر لیا اس کے

۴۶ **دنیاوی زندگی کی مثال کھیتی کی سی** :- سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ دنیاوی زندگی کی مثال کھیتی کی سی ہے۔ یعنی اس کی رنگینی، بے ثباتی اور اس سے دھوکہ دہی میں۔ سو جس طرح ظاہری اور معروف کھیتی کی یہ چمک دمک اور زیب و زینت چند روزہ ہوتی ہے اس کے بعد اس کا فناء و زوال ایک بدیہی قطعی اور لازمی امر ہے، بعینہٖ یہی حال دنیا کی اس کھیتی کا ہے کہ یہ بھی ایک فانی چیز ہے۔ اس نے اور اسکی چمک دمک نے بھی اپنے وقتِ مقرر پر بہر حال فنا ہو کر رہنا ہے۔ سو بڑے خسارے اور دھوکے میں ہیں وہ لوگ جو اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ کر اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- پس انسان کیلئے راہِ نجات یہ ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کی اس فرصتِ محدود و معدود کو اپنی آخرت کو بنانے سنوارنے اور اس کیلئے تیاری میں صرف کرے۔ اور اس کی چمک دمک سے دھوکے میں پڑ کر اپنی آخرت سے غافل نہ ہو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -بہر کیف اس تمثیل سے حیاتِ دنیا کی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ جس دنیا اور اس کی متاعِ قلیل اور حطامِ فانی وزائل پر کفار و مشرکین ریجھے ہوئے ہیں اور وہ اس کو بہت کچھ بلکہ سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں اور اسکی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں اسکی اصل حقیقت اور اس کا نتیجہ و انجام یہ ہے۔ سو اس کی روشنی میں عقل و خرد والے دیکھ لیں کہ ایسے بدنصیب لوگ کہاں کھڑے ہیں اور کس ہولناک خسارے کی طرف بڑھ رہے ہیں؟- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ فکر و عمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ أَتٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا

مالکوں نے کہ اب وہ قادر ہو گئے اس (سے فائدہ اٹھانے) پر ف۴۷ تو یکایک آ پہنچا اس پر ہمارا حکم، رات یا دن کے کسی حصے میں ف۴۸

فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ

تو ہم نے اس کا اس طرح صفایا کر کے رکھ دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں، اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا إِلٰى

کھول کر بیان کرتے ہیں ہم اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ف۴۹ اور اللہ بلاتا ہے (لوگوں کو

دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

اپنے کرم بے پایاں سے) سلامتی کے گھر کی طرف ف۵۰ اور وہ ہدایت (کے نور) سے نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے

لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ

راستے کی طرف ف۵۱ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لئے بھلائی بھی ہے ف۵۲ اور مزید (کرم و احسان) بھی ف۵۳ ان کے چہروں

قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا

پر نہ کسی سیاہی کا کوئی اثر ہوگا، اور نہ ہی کسی ذلت کا کوئی سوال، یہی لوگ ہیں جنت والے جو ہمیشہ (ہمیش) اسی میں

۴۷ اُخروی زندگی کو فراموش کرنا انتہائی ہولناک خسارہ - والعیاذُ باللہ:- سو اس تمثیل سے دنیا کی بے ثباتی واضح فرما دی گئی ۔ پس ایسے میں دنیاوی زندگی کو اصل مقصد بنا لینا اور آخرت کو بھول جانا سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے- والعیاذ باللہ- اور حیاتِ دنیا کی یہ تشبیہ صرف پانی سے نہیں بلکہ پورے اس منظر سے ہے جس کو یہاں بیان فرمایا گیا ہے ۔ مگر زمین کی یہ تمام رونق اور فتنہ سامانی چونکہ حقیقت میں اسی پانی کی رہینِ منت ہے، شاید اسی لئے حرفِ تشبیہ کو اسی پر داخل فرمایا گیا ہے ۔ بہرکیف اس مثال سے یہ واضح ہو گیا کہ بڑے خسارے میں ہیں وہ لوگ جو اس عارضی اور فانی دنیا کی وقتی لذتوں اور اسکے حطام زائل کے پیچھے لگ کر آخرت کی اپنی حقیقی اور ابدی زندگی اور اس کے تقاضوں کو بھولے ہوئے ہیں کہ یہ خسارہ حقیقی بھی ہے اور ابدی بھی- اور ایسا کہ اس کی تلافی اور تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہ ہوگی ۔ بلکہ یہ ہمیشہ ہمیش کا خسارہ ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ محفوظ رکھے- اللہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین ۔

۴۸ ابنائے دنیا کیلئے تنبیہ و تذکیر:- کہ اللہ کا عذاب کبھی بھی اور کسی بھی شکل میں آ سکتا ہے اور آ جاتا ہے- سو اسی

طرح ابنائے دنیا بھی اس وقت دھر لئے جاتے ہیں جب کہ وہ اس دنیائے دوں کی ظاہری چمک دمک پر مفتون وفریفتہ ہو کر غفلت و لاپرواہی کا شکار ہوتے ہیں -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -سو ان کو قدرت کی اس سنت اور دستور سے مطلع و آگاہ ہونا چاہیئے تاکہ وہ غفلت اور لاپرواہی میں مبتلا ہو کر ایسے ہولناک انجام سے دوچار نہ ہونے پائیں -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -پس اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قدر و قیمت ایمان وعقیدہ اور عمل و کردار کی ہے۔ نہ کہ مادی اسباب و وسائل کی۔ اگر کوئی قوم اخلاق و کردار کے اعتبار سے گرچکی ہو-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -تو اسباب و وسائل کی فراوانی اسکو سہارا دینے کی بجائے اسکے زوال کی رفتار کو اور تیز کر دیتی ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -اللہ ہر طرح کے زیغ وانحراف سے اپنی پناہ میں رکھے- اور ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

۴۹ غور وفکر سے کام لینے کی عظمت و اہمیت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اسی طرح کھول کر بیان کرتے ہیں اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں کہ فائدہ ایسے ہی لوگ اٹھا سکتے ہیں۔ ورنہ ان نشانیوں کا یہ تذکرہ و بیان تو سب لوگوں کے لئے عام ہے۔ مگر جو لوگ غور وفکر سے منہ موڑ کر بطن وفرج کی شہوات کے بندے بن کر رہ جائیں ان کو حکمت وحقیقت کے ان موتیوں سے کوئی فائدہ کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ -فَنَسْأَلُکَ اللّٰھُمَّ التَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ لَنَا وَلِسَآئِرِ الْمُسْلِمِیْنَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَالتَّفْکِیْرِ فِیْ خَلْقِکَ- سو اس سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور وفکر سے کام لینے کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے- وباللہ التوفیق- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اپنی نشانیاں اسی طرح کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ سو عقلمند وہی ہے جو دوسروں کے حالات سے سبق لے نہ کہ وہ جو اس وقت آنکھ کھولے جبکہ پانی سر سے گزر جائے کہ بے وقت آنکھ کھولنے سے کچھ فائدہ نہیں سوائے یاس و حسرت میں اضافے کے- اور یہ وہ خسارہ ہے جو کہ انتہائی ہولناک اور خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۵۰ اللہ کی دعوت سلامتی کے گھر کی طرف:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف۔ یعنی جنت کی طرف جس میں ہر طرح کی اور ہر طرف سلامتی ہی سلامتی ہوگی- اللہ نصیب فرمائے- آمین۔ اور اس تک پہنچنے کا راستہ ایمان و یقین اور اعمال صالحہ کا وہ راستہ ہے جس کی طرف اللہ پاک طرح طرح سے بلاتا اور دعوت دیتا ہے۔ جو کہ تقاضا ہے اس کی رحمتِ بے نہایت اور عنایتِ بے نہایت کا- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو کتنا بڑا کرم واحسان ہے اس مالک الملک کا کہ وہ اپنے بندوں کو اس طرح سلامتی کے اس عظیم الشان گھر کی طرف بلاتا ہے۔ اور کس قدر بے انصاف اور ناشکرا ہے یہ انسان جو اس سے منہ موڑتا اور اعراض برتتا ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -بہرکیف سلامتی اور عافیت کا گھر جنت ہی ہے جہاں ہر طرح سے امن وامان اور سکھ اور چین ہوگا اور وہی جگہ ایسی ہے جہاں پہنچ جانے کے بعد آدمی کو نہ ماضی کا کوئی غم ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی خدشہ و اندیشہ۔ بلکہ دائمی چین اور ابدی سکون کی زندگی نصیب ہوگی- اللہ نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یا رب العالمین- اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے- اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۵۱ ہدایت اللہ کی مشیّت کے تابع:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ سیدھے راستے کی ہدایت سے نوازتا ہے جس کو

چاہتا ہے، جو کہ راستہ ہے دارین کی سعادت و سرخروئی کا۔ پس ایمان ویقین کی دعوت تو عام اور سب کے لئے ہے، مگر اس کی توفیق و سعادت کسی کسی کو ہی ملتی ہے کہ وہ موقوف ہے مشیتِ خداوندی پر۔ جو کہ ملتی ہے طلبِ صادق پر۔ جس کا تعلق انسان کے دل اور اس کے باطن سے ہے۔ اور جس سے اللہ پاک پوری طرح واقف وآگاہ ہے۔ اس لئے وہ اسی کے مطابق حکم اور فیصلہ فرماتا ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے باطن کی دنیا کو اور اپنے خالق و مالک سے تعلق و رشتہ کو ہمیشہ صحیح رکھے کہ اسی کے مطابق وہاں سے فیصلہ ہوتا ہے۔ اللہ پاک توفیق بخشے اور ہر حال میں اپنا ہی بنا کر رکھے۔ آمین ثم آمین۔ سو جو لوگ سنتِ الٰہی اور قانونِ خداوندی کے مطابق اسکے اہل اور مستحق ٹھہرتے ہیں وہ ان کو نورِ حق و ہدایت سے نوازتا ہے۔ کیونکہ وہ مالک الملک حاکمِ مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ حکیمِ مطلق بھی ہے۔ اس کا کوئی بھی حکم وفیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ پس اس کے ہر حکم وارشاد اور ہر قضاء وفیصلہ پر مطمئن رہنا چاہئے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

٥٢ بھلائی کرنے والوں کیلئے بھلائی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے بھلائی ہے جو کہ حقیقی دائمی اور ابدی بھلائی ہے یعنی جنت۔ اور جس کو وہ بھلائی مل گئی اس کو وہاں کی دائمی نعمتوں کے علاوہ اس حیاتِ دنیا کی سعادتیں بھی مل گئیں کہ جنت تو انہی خوش نصیبوں کو ملتی ہے جن کو یہاں حیاتِ طیبہ ''پاکیزہ زندگی'' نصیب ہوتی ہے۔ پس احسان والوں کے لئے دارین کی سعادتوں کا مژدہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ یعنی جن کی نیتیں اور ارادے بھی درست ہوتے ہیں اور ان کے اعمال واطوار صحیح ہوتے ہیں۔ اور ان کے طور طریقے بھی درست ہوتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

٥٣ نیکوکاروں کے لیے کرمِ مزید کا وعدہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے اچھائی کی ان کے لیے اچھائی بھی ہے اور مزید بھی۔ یعنی اللہ پاک کی طرف سے ملنے والا فضل اور اس کی مہربانی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿وَیَزِیْدُھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ﴾ جس کی کئی شکلیں ہوسکتی ہیں۔ جیسے گناہوں کی بخشش اور ایک نیکی پر دس سے سات سو گنا تک اور اس سے بھی زیادہ اجر وثواب سے نوازنا۔ اور سب سے بڑھ کر اہلِ جنت کو ملنے والی خدائے پاک کی رضا مندی۔ جل جلالہٗ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ ''یعنی اللہ پاک کی طرف سے ملنے والی رضا سب سے بڑھ کر ہے'' اور جس کو اہلِ جنت کے لئے سب سے بڑی معنوی نعمت قرار دیا گیا ہے۔ جو کہ تمام حسی نعمتوں سے کہیں بڑھ کر ہوگی اور ان سب سے بڑھ کر اللہ پاک کے دیدار وزیارت کی وہ نعمت جس کے بعد اہلِ جنت دوسری نعمتوں کو بھول جائیں گے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الایمان وغیرہ میں حضرتِ نبیٔ اکرم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے مروی ہے۔ (المنار، المعارف، المحاسن اور المراغی وغیرہ)۔ فَشَرِّفْنَا اللّٰھُمَّ بِھَا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ۔ سو ''احسان'' یعنی اچھائی کرنے کی خو ایک ایسی عظیم الشان خو ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور وہمکنار کرتی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے اور نفس وشیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین ویا ارحم الراحمین ویا اکرم الاکرمین،

خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ

رہیں گے ۵۴ اور (اس کے برعکس) جن لوگوں نے برائیاں کمائیں ان کو برائی کا بدلہ اسی کے

بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ

برابر ملے گا، اور چھا رہی ہو گی ان پر ایک (ہولناک) ذلت، ان کے لئے کوئی اللہ سے بچانے والا نہیں ہو گا

كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ

(ان کی حالت یہ ہوگی کہ) گویا ڈھانک دیا گیا ان کے چہروں کو اندھیری رات کے ٹکڑوں سے،

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ

یہ ہیں یار دوزخ کے، جنہوں نے ہمیشہ رہنا ہوگا اس (ہولناک آگ) میں ۵۵ اور (یاد کرو اس

نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

ہولناک دن کو اے لوگو! کہ) جس دن ہم ان سب کو ایک ساتھ اکٹھا کر لائیں گے (اپنی عدالت میں) پھر ان لوگوں سے

مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ

کہ جنہوں نے شرک کیا ہوگا ہم کہیں گے کہ اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ تم بھی، اور تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک بھی ۵۶ پھر ہم

شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ

جدائی ڈال دیں گے ان کے درمیان ۵۷ اور ان کے وہ شرکاء (اس انتہائی مشکل وقت میں) ان سے کہیں گے کہ تم لوگ تو

۵۴ نیکوکاروں کے لیے خاص انعامات کا ذکر و بیان :- سو اس سے نیکوکاروں کے لیے بعض خاص انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ نہ ان کے چہروں پر کسی طرح کی سیاہی کا کوئی اثر ہو گا اور نہ ہی کسی ذلت کا کوئی سوال۔ جیسا کہ کافروں اور فاجروں کا حال ہو گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اس کے برعکس ان خوش نصیبوں کے چہروں پر تازگی و مسرت اور ایک خاص کیف و سرور کا دور دورہ ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا﴾ (الدہر:۱۱)۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾۔ (القیامۃ:۲۲-۲۳)۔ اللہ ہمیں انہی میں سے بنائے۔ آمین۔ سو احسان کی خو ایک ایسی عظیم الشان خو اور خصلت ہے جو انسان کو دارین میں سرخروئی اور فائز المرامی سے سرفراز و سرشار کرتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف ایمان ویقین اور

اعمالِ صالحہ والے خوش نصیب لوگوں کے چہرے اُس روز خوش باش اور ہشاش بشاش ہونگے اور ان کے ساتھ ہر قدم پر اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا جائے گا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہی ہیں جنت والے جو ہمیشہ ہمیش اس میں رہیں گے۔

۵۵ دوزخیوں کے حالِ بد کا ذکر۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ برائیاں کمانے والوں کا حال اس روز بہت برا ہوگا ان کے چہروں پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ ان کی لیے کوئی اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہوگا۔ اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ گویا ڈھانک دیا ان کی چہروں کو اندھیری رات کے ٹکڑوں نے۔ وہ یار ہونگے دوزخ کے اور انہوں نے ہمیشہ اس ہولناک آگ میں رہنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس بدعقیدگی اور بدعملی کی جو سیاہی اس دنیا میں ان لوگوں کے بواطن میں مستور و پوشیدہ تھی وہ کشفِ حقائق کے اس جہان میں ان کے چہروں مہروں پر امڈ آئے گی۔ کہ وہ جہان ہے ہی مشاہدہ اور ظہور کا جہاں۔ جبکہ یہ جہان مجاہدہ اور اخفاء و اسرار کا جہان ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّشَرٍّ فِي الْحَالِ وَالْمَالِ۔ سو برائی کا نتیجہ وانجام بہرحال برا اور ہولناک ہوگا۔ اور جس درجے کی برائی ہوگی اسی درجے کی ذلت اور رسوائی ان لوگوں پر چھا رہی ہوگی۔ اور ان کی بدحالی کا عالم یہ ہوگا کہ گویا اندھیری رات کے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر ان کے چہروں پر ڈال دیے گئے ہوں اور ان کو اس ذلت و رسوائی اور ہولناک انجام سے چھڑانے اور بچانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ اور دنیا میں انہوں نے جن خود ساختہ معبودوں اور من گھڑت سفارشیوں کی مدد کی امیدیں باندھ کر ان کی پوجا پاٹ کی ہوگی وہ اس روز سب ہوا ہو چکے ہونگے۔ ان میں سے کوئی بھی ان کے کچھ کام آنے والا نہ ہوگا۔ تب ان کی آنکھیں کھلیں گی مگر اس وقت ان کے لیے ذلت و رسوائی اور یاس وحسرت کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہ جائے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۵۶ مشرکوں کیلئے تحقیر و تذلیل کا ایک منظر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یاد کرو اس دن کو کہ جب ان سے کہا جائے گا کہ ٹھہر جاؤ اپنی جگہ پر تم بھی اور تمہارے شریک بھی۔ تاکہ تم اپنا انجام دیکھ لو۔ اور جو جو ڈھکو سلے تم لوگوں نے گھڑ گھڑ کر بنا رکھے تھے ان کی حقیقت تمہارے سامنے آشکار ہو جائے۔ اور جن کو تم لوگوں نے از خود اپنا حاجت روا و مشکل کشا ٹھہرا رکھا تھا۔ ان ہی پر تم نے تکیہ کر رکھا تھا کہ یہ مشکل وقت میں ہمیں کام آئیں گے، آج ان کا حال تم خود دیکھ لو۔ سو اس طرح ان کی تحقیر و تذلیل سب کے سامنے ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ یہاں پر وارد ﴿جَمِيْعًا﴾ کی تاکید سے ایک طرف تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اچھے اور برے سب وہاں پر جمع اور اکٹھے ہو جائیں گے تاکہ سب ہی حساب و کتاب کے اس یومِ عظیم میں اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پھل پا سکیں۔ اور دوسری طرف اس میں یہ بات بھی آ جاتی ہے کہ مشرکوں اور ان کے شریکوں اور سفارشیوں کو اکٹھا کیا جائے گا تاکہ ان کی تذلیل کا سامان سب کے سامنے ہو سکے۔ (المراغی وغیرہ)۔ اور مشرکوں کے خود ساختہ شریکوں کی بے بسی سب کے سامنے عیاں ہو جائے۔

۵۷ مشرکوں کے باہمی تعلقات کٹ جائیں گے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم جدائی ڈال دیں گے ان کے درمیان۔ یعنی ان کے وہ باہمی تعلقات کاٹ دیئے جائیں گے جو انہوں نے دنیا کے اس جہانِ رنگ و بو میں آپس میں قائم کر رکھے تھے۔ تاکہ ہر معبود اپنے عابد سے بری اور لاتعلق ہو جائے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴾ اور کٹ کر رہ جائیں گے ان کے آپس کے سب تعلقات۔ معبود اپنے عابدوں سے اظہارِ بیزاری کر دیں گے اور ان کی عبادت و پوجا کا انکار کر دیں گے۔ اور عابدوں کی اپنے ان خود ساختہ معبودوں اور من گھڑت سفارشیوں سے سب امیدیں ٹوٹ جائیں گی تو ایسے میں ان کی مایوسی اور ناامیدی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ایسی ذلت و رسوائی کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

شَهِيدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ

ہماری پوجا کرتے ہی نہیں تھے ف۵۸ سو کافی ہے اللہ گواہی دینے کو ہمارے اور تمہارے درمیان، ہم قطعی طور پر غافل (و بےخبر)

لَغَٰفِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ أَسْلَفَتْ وَ

تھے تمہاری اس عبادت (و بندگی) سے ف۵۹ اس موقع پر جانچ لے گا ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے (کی قدر و قیمت) کو ف۶۰

۵۸ معبودانِ من دون اللہ کا اپنے عابدوں کی عبادت سے انکار: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر ان کے وہ خود ساختہ اور من گھڑت معبود ان سے کہیں گے کہ تم تو ہماری پوجا کرتے ہی نہیں تھے کہ ہم نے تم سے ایسی کوئی بات کہی ہی نہیں تھی کہ تم ہماری عبادت کرو۔ اس لئے کہ اللہ کے جن پیارے بندوں کی پوجا کی گئی وہ ان کی اجازت و مرضی کے خلاف کی گئی۔ کیونکہ وہ تو ساری عمر خود توحید اور ایک خدا کی بندگی کی دعوت دیتے رہے۔ اس لئے ان کا تو کوئی قصور تھا ہی نہیں۔ لہٰذا ان کی کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ رہ گئے لکڑی پتھر وغیرہ کے وہ خود ساختہ اور بے جان بت تو ان میں بولنے یا کچھ کہنے کی کوئی صلاحیت ہی سرے سے نہیں تھی۔ اور اس وقت قدرت کی طرف سے قوتِ گویائی پانے کے بعد وہ بولیں گے تو اس سے مقصود ان مشرکوں کو جلانا اور ان کی آگ کی حرارت اور اس کی تپش کو اور تیز کرنا ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ - بہرکیف اللہ پاک کے سوا جس کی بھی پوجا کی گئی ہوگی ان سب کا یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہوگا کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ ہم نے کبھی تمہیں اس کے لئے کہا ہی نہیں تھا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ہماری پوجا کرو۔ اور جن لوگوں نے دنیا میں خود اپنی پوجا کرائی بھی ہوگی کہ وہ لوگوں سے اپنے سامنے سجدے کرایا کرتے تھے وہ بھی اس روز اسکے منکر ہو جائیں گے جس سے ان مشرکوں کے اندر افسوس اور صدمے کی آگ اور تیز ہو جائے گی۔ سو اس طرح ان مشرکین کا جو کہ اپنے معبودوں کے بارے میں بڑے دعوے اور گھمنڈ سے کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں ﴿هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ﴾ اپنے معبودوں کی طرف سے مشکل کے اس وقت میں یہ ٹکا سا جواب پاکر ان کا جو حال ہوگا اور جو چوٹ ان کے دلوں پر پڑے گی الفاظ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے - ﴿كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾ - یعنی اللہ اس روز سی طرح اُن کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا، جس سے اُن کی یاس وحسرت کی آگ اور تیز ہوگی۔ اور یہ لوگ اُس ہولناک آگ سے کبھی نکل نہیں سکیں گے۔ سو کتنا احسان ہے قرآن حکیم کا دنیا پر کہ یہ سب کچھ پیشگی بتادیا۔ اور صاف و صریح طور پر بتادیا' تا کہ جس نے بچنا ہو بچ جائے' قبل اس کے کہ عمرِ رواں کی فرصت محدود اس کے ہاتھ سے نکل جائے' اور اس کو ہمیشہ کے لئے پچھتانا پڑے' مگر دنیا پھر بھی غافل ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ-

۵۹ معبودانِ من دون اللہ اپنے پجاریوں کی پوجا سے قطعی بے خبر: - سو اس سے تصریح فرمادی گئی کہ مشرکوں کے خود ساختہ شرکاء اور معبودانِ من دون اللہ اپنے عابدوں سے صاف و صریح طور پر کہیں گے کہ ہم

تمہاری عبادت و بندگی سے قطعی طور پر بے خبر تھے۔ ان کے جواب کی تاکید ملاحظہ ہو کہ اول تو ﴿اِنْ﴾ تاکید یہ ہے۔ کیونکہ اصل میں یہ نون ثقیلہ ہے یعنی ﴿اِنَّ﴾ اور پھر خبر پر لام تاکید بھی داخل ہے۔ سو اس طرح وہ تاکید در تاکید کے ساتھ انکی عبادت کا انکار کرتے ہوئے کہیں گے کہ نہ تو ہمیں تمہاری اس عبادت کا پتہ تھا نہ ہم نے کبھی تمہیں اس کا حکم دیا تھا اور نہ ہم اس پر راضی تھے۔ یہ سب کچھ تم لوگوں نے ازخود شیطان کے اِغواء و اِضلال سے کیا تھا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اس سے ایک طرف تو یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر ایسے خودساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں وہ کس قدر بدبخت اور کتنے محروم ہیں جو ایسی بے حقیقت چیزوں کی بندگی اور پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں۔ اور جس کے نتیجے میں ان کو کل حشر میں ایسی ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور دوسری طرف اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے عالمِ آخرت کے ان غیبی حقائق کو اس قدر صراحت و وضاحت سے اِس دنیا میں ہی بتادیا جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے اپنے اس ہولناک انجام سے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اسکے ہاتھ سے نکل جائے۔ بہرکیف مشرکوں کے خودساختہ شرکاء اور من گھڑت معبودانِ من دون اللہ اس یومِ حساب میں اپنے ان پجاریوں سے اس قدر تاکید اور صراحت کے ساتھ اپنی براءت و بیزاری کا اعلان کردیں گے جس سے ان بدبختوں کی سب کے سامنے تذلیل ہوگی۔ اور اس کے نتیجے میں ان کو ہولناک عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ محفوظ اور راہِ حق وصواب پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین

۶۵ **قیامت کے روز ہر کسی کو اس کے کیے کرائے سے آگہی:** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قیامت کے روز ہر کوئی اپنے کیے کرائے سے آگاہ ہوجائے گا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر جانچ لے گا ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کی قدر و قیمت کو۔ سو وہ جان لے گا کہ اس نے زندگی بھر کیا کمائی کی تھی اور یہ کہ اس عالمِ جزاء وسزا میں کیا چیز کام آئے گی؟ اور کس کا آخری انجام اور نتیجہ کیا ہوگا؟ سو اس موقع پر وہ لوگ تو اپنے کئے کرائے پر شاداں وفرحاں ہوں گے جنہوں نے ایمان واخلاص کے ساتھ آخرت کے لئے کمائی کی ہوگی اور اپنی فرصتِ حیات کو اپنے خالق و مالک کی رضاء وخوشنودی کے حصول کی کوشش میں گزارا ہوگا کہ ان کے لئے حقیقی اور ابدی کامیابی ہوگی۔ اللہ ہمیں انہی میں سے ہونا نصیب فرمائے۔ آمین۔ جبکہ اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنے رب کی رضاء وخوشنودی کے حصول کے مقصد کو بھلا کر اور آخرت کو پسِ پشت ڈال کر غفلت اور بغاوت وسرکشی کی زندگی گزاری ہوگی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ تو وہ اپنی ناکامی ونامرادی اور دائمی عذاب پر حسرت وافسوس کے مارے اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھا رہے ہوں گے۔ مگر اس یَوْمَ الْحَسْرَۃِ کے اس افسوس سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا سوائے اپنے صدمے اور افسوس میں اضافے کے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو یہ بھی قرآنِ حکیم کا ایک عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے دنیا کو اس یومِ عظیم کے اُن اَھوال واَحوال سے اس طرح خبردار کردیا تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔ اور ہر کوئی اپنے اس آخری اور دائمی ٹھکانے کے لیے تیاری کرلے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بکل حالٍ من الاحوال،

رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

لوٹا دیا گیا ہوگا ان سب کو اللہ کی طرف، جو کہ مالکِ حقیقی ہے ان سب کا ۶۱ اور کھو چکا ہوگا ان سے وہ سب کچھ جو کہ یہ لوگ

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ

گھڑا کرتے تھے، ۶۲ (ان سے) کہو کہ کون ہے وہ جو تمہیں روزی دیتا ہے آسمان سے اور

ع ۴ / ۸ النصف

۶۱ سب کا رجوع اپنے مالکِ حقیقی کی طرف: - سواس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہر ایک کا رجوع اُس کے خالق و مالک کی طرف ہی ہوگا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ لوٹا دیا جائے گا ان سب کو اللہ کی طرف جو کہ مالکِ حقیقی ہے ان سب کا۔ تا کہ اس وحدہٗ لاشریک کی بارگہِ اقدس و اعلیٰ میں پہنچ کر یہ اپنی زندگی بھر کے کیے کرائے کا بدلہ پا سکیں اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی اصل اور کامل شکل میں پورے ہوسکیں۔ سو وہی وحدہٗ لاشریک ان سب کا خالق اور مالک حقیقی ہے۔ اور اس کے سوا ان لوگوں نے جو بھی اپنے مالک اور موالی بنا رکھے ہیں وہ سب سراب و خیال ہے اور ﴿رُدُّوْٓا﴾ کے صیغہ مجہول میں یہ درس بھی ہے کہ ان سب کو اپنے خالق و مالکِ حقیقی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ خواہ یہ چاہیں یا نہ چاہیں ایسا بہرحال ہو کر رہے گا۔ ''بلا یبلو'' کے معنیٰ جانچنے، پرکھنے اور آزمانے کے ہوتے ہیں۔ سو مشرکین نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ اگر قیامت ہوئی بھی تو ان کے خود ساختہ معبود، من گھڑت شریک و سفارشی اور نام نہاد دیویاں اور دیوتا ان کا سب کام بنا دیں گے خواہ ان کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ لیکن وہاں پہنچ کر یہ دیکھیں گے کہ یہ اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہیں اور ہر ایک کو واسطہ اس کے اپنے ان اعمال ہی سے پڑے گا جو اس نے زندگی بھر کیے اور کرائے تھے۔ اور ان کے سب شریک اور سفارشی گم ہو چکے ہونگے اور انہوں نے اپنے خود ساختہ شریکوں اور من گھڑت دیویوں دیوتاؤں اور فرضی سفارشیوں پر تکیہ و آسرا کر کے عمل کی پرواہ نہیں کی ہوگی۔ اس کی حقیقت ان کے سامنے آ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ غفلت و لاپرواہی کی ہر شکل سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۶۲ سب بناوٹیں اُس روز ختم ہو جائیں گی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز کھو چکا ہوگا ان سے وہ سب کچھ جو کہ یہ گھڑا کرتے تھے۔ اور ان کے سب مفروضے ہوا ہو چکے ہونگے کہ ہماری فلاں دیوی و دیوتا اور فلاں ''ہستی'' اور فلاں ''سرکار'' ہماری حاجت روا و مشکل کشا اور سب کام بنانے والی ہے۔ کہ یہ سب ہمارے اور اللہ کے درمیان واسطے اور وسیلے ہیں۔ ہماری اِن کے آگے اور اِن کی اُن کے آگے وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب بناوٹیں اور تمام مفروضے اس روز ختم ہو جائیں گی۔ اور حق اور ناحق کا فرق اس روز پوری طرح اور اپنی آخری اور قطعی شکل میں واضح ہو جائے گا اور اس طور پر اور اس درجے میں کہ کوئی خفاء و غموض باقی نہیں رہے گا۔ باطل پرستوں کے باطل کی تمام شکلیں اُس روز ھباءً منثورا ہو جائیں گی کہ کشفِ حقائق کے اس یوم حق میں وزن صرف حق کا ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اَلْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ﴾ (الاعراف: ۸)۔ سو مشرک لوگ تو یہ توقع کیے بیٹھے ہیں کہ ان کے خود ساختہ سفارشی ان کے کام آئیں گے مگر اس روز ان کے ان مفروضوں میں سے کچھ بھی ان کے کام نہیں آسکے گا اور انکو اپنے مالکِ حقیقی کے حضور اپنے کیے کرائے کی جوابدہی کے لیے خود حاضر ہونا ہوگا۔

الْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ

زمین سے؟ یا کون ہے وہ جو مالک ہے تمہارے کانوں اور تمہاری آنکھوں کا؟ اور کون ہے

یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ

وہ جو زندہ کو نکالتا ہے مردہ سے اور مردہ کو نکالتا ہے زندہ سے؟

الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ

اور کون ہے وہ جو تدبیر فرماتا ہے ہر معاملہ کی؟ تو اس سب کے جواب میں یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ ہی (کرتا ہے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ

یہ سب کام،) تو کہو کہ کیا پھر بھی تم لوگ بچتے (اور ڈرتے) نہیں ہو؟ (اس کی نافرمانی سے) ۶۳ سو یہی اللہ ہے رب (اور مالکِ)

الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ

حقیقی تم سب کا (اے لوگو) تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے اس حق کے بعد سوائے گمراہی کے؟ پھر کہاں پھیرا (اور بھٹکایا) جاتا ہے تم

كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَی الَّذِیْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

لوگوں کو؟ (راہِ حق وصواب سے؟) ۶۴ اسی طرح پکی ہوگئی آپ کے رب کی (قضاوقدر کی) یہ بات، کہ ان لوگوں نے ایمان

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ

نہیں لانا، (ان سے) پوچھو کہ کیا ہے کوئی تمہارے ان (خود ساختہ اور من گھڑت) شریکوں میں سے کوئی ایسا جو پہلی مرتبہ پیدا

۶۳ **مشرکین کے دلوں پر ایک دستک:-** سو مشرکین کے دلوں پر ایک دستک کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم لوگ مانتے ہو کہ آسمان اور زمین سے روزی دینے والا بھی اللہ ہے۔ تمہارے کانوں، آنکھوں وغیرہ اعضاء وجوارح کا مالک بھی اللہ ہے۔ زندوں کو مُردوں سے اور مُردوں کو زندوں سے نکالنا بھی اللہ ہی کا کام ہے اور کائنات کے ہر معاملے کی تدبیر بھی وہی فرماتا ہے۔ تو پھر بھی تم لوگ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیسے ٹھہراتے ہو۔ آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا؟ سو اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مشرکینِ مکہ کا عقیدہ اور کہنا اور ماننا بھی یہی تھا کہ زمین و آسمان کی اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس کا حاکم اور مدبر و متصرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ جسم و جان بخشنے والا اور زندگی و موت دینے والا وہی اور صرف وہی ہے۔ اور یہ بات قرآنِ پاک

میں بار بار اور جگہ جگہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ مشرکینِ عرب بھی اُن تمام باتوں میں بلا شرکتِ غیرے اللہ پاک ہی کی کارفرمائی اور کارسازی مانتے تھے۔ پس اہلِ بدعت کے بعض بڑوں اور ان کے اَتباع و اَذناب کا ﴿اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے اپنی شرکیات کے لئے تائید پیش کرنا سراسر دھوکہ اور فریب ہے کہ مشرکینِ عرب اپنے بتوں کو سب باتوں میں رب العالمین کے شریک مانتے ہی کب تھے؟ بلکہ وہ تو ان کو شفیع اور واسطہ مانتے تھے اور کہتے تھے ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ یعنی ''ہم ان کی پوجا صرف اس لیے کرتے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں''۔ اور ان کا صاف کہنا تھا ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ . پس معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پکارنا ہی دراصل ان کو رب العلمین کے مساوی قرار دینا ہے اور یہی شرک ہے جس میں آج کے بہت سے کلمہ گو مسلمان بھی مبتلا ہیں۔ اور اہلِ بدعت کے ایسے تحریف پسند ان کی پیٹھ ٹھونکنے کے لئے اللہ پاک کی آیتوں کی تحریف تک سے گریز نہیں کرتے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف یہ حقیقت اپنی جگہ واضح ہے کہ توحید ربوبیت کا اقرار و اعتراف مشرکینِ مکہ کو بھی تھا اور وہ برملا اور صاف وصریح طور پر اس کا اظہار و اقرار کرتے تھے۔ مگر اس کے حضور رسائی کے لیے انہوں نے ایسے خود ساختہ شریک اور سفارشی گھڑ رکھے تھے جنکی نہ کوئی اصل تھی نہ حقیقت سوائے ان کے وہمی اور فرضی مفروضوں کے۔ جس طرح آج کے کلمہ گو مشرکوں نے اسی طرح کے وہمی اور فرضی مفروضوں کی بناء پر مختلف ناموں سے طرح طرح کے خود ساختہ اور من گھڑت وسیلے بنا رکھے ہیں اور قسما قسم کی ''سرکاریں'' گھڑ رکھی ہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو ان میں سے کچھ بھی اس روز کام نہیں آسکے گا۔ کہ یہ سب کچھ محض ظن و گمان کی کارستانی اور سراسر بے بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ جلّ وعلا،

۷۶ <u>مشرکوں کی مت ماری پر تنبیہ</u> :- سو مشرکوں کی مت ماری پر تنبیہ کے طور پر اور ان کے ضمیروں کو جھنجوڑتے ہوئے ان سے فرمایا گیا کہ مقدمات تو سب مانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی خالقیت، مالکیت، رزاقیت اور تدبیر و تصرف سب کو تسلیم کرتے ہو۔ لیکن پھر بھی شرک کرتے ہو؟ آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ سو لوگوں کی گمراہی کا ایک بڑا اور بنیادی سبب ان کے گمراہ لیڈر اور پیشوا ہیں۔ واضح رہے کہ ارشادِ ربانی میں ''پھرتے ہو'' نہیں فرمایا بلکہ ''پھیرے جاتے ہو'' فرمایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کو راہِ حق وصواب سے پھیرنے والے کوئی اور لوگ ہیں۔ اور وہ ان کے گرو اور پنڈت پادری وغیرہ وہ گمراہ کن لیڈر اور پیشوا ہیں جو طرح طرح کی فریب کاریوں سے ان بے زبان بھیڑوں کی اون مونڈتے رہتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو حق اور اہلِ حق سے دور و نفور کرنے میں طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو لوگوں کی گمراہی کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ ہمیشہ یہی رہی کہ ان کے گمراہ پیشوا ان کو راہِ حق سے پھیرتے اور محروم کرتے ہیں۔ اور ان کو اپنی اَہواء و اَغراض کی خاطر اپنی مرضی و منشاء کے مطابق چلاتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے جس کے مظاہر آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے ملتے ہیں- اور ایسے لوگ صاف اور صریح طور پر حق سننے اور جاننے کے باوجود اس کو ماننے اور اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -

يُعِيدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ فَاَنّٰى

کرتا ہو؟ پھر وہ دوبارہ پیدا کرے؟ و۶۵ کہو وہ اللہ ہی ہے جو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا پھر کہاں (اور کیسے) اوندھے

تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى

ہوئے جارہے ہو تم لوگ؟ و۶۶ کہو، کیا ہے کوئی ایسا تمہارے ان (خودساختہ) شریکوں میں سے، جو راہنمائی کر سکے حق (وصواب) کی

الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى

طرف؟ کہو کہ اللہ ہی ہے جو راہنمائی فرماتا ہے حق (وصواب) کی طرف، تو کیا جو راہنمائی کرے حق (وصواب) کی طرف،

۶۵ تردیدِ شرک کیلئے ایک ٹھوس عقلی دلیل:- کہ جو خود مخلوق ہے وہ خدا اور خدا کا شریک نہیں ہوسکتا۔ سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ کیا تمہارے ان شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہو پھر وہ دوبارہ پیدا کرے؟ اور جب نہیں اور قطعاً اور یقیناً نہیں تو پھر تم لوگ ان کو آخر معبود کیوں اور کیسے قرار دیتے ہو؟ اور ان کی پوجا پاٹ کیوں کرتے ہو؟ جو نہ پہلی مرتبہ پیدا کرسکیں اور نہ دوسری مرتبہ۔ آخر تمہاری مت کہاں ماری گئی؟ اور تمہاری عقلیں کہاں اور کیسی الٹی ہوگئیں؟ جو تم ان بے بس اور بے حقیقت بتوں اور خود ساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ میں لگے ہو۔ اور اس طرح تم لوگ اپنی تذلیل وتحقیر اور ہلاکت وتباہی کا سامان خود کرتے ہو؟ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ وَسُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ- سو یہ شرک کی تردید اور اسکی تقبیح کیلئے ایک مسکت عقلی دلیل ہے کہ جو خود مخلوق ہو اور وہ نہ پہلی بار پیدا کرسکے اور نہ دوسری بار، وہ کبھی بھی معبود نہیں ہوسکتا سو اس ایک دلیل سے شرک کے سب راستے بند ہو جاتے ہیں- اور عقیدہ توحید نکھر کر اور واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ فالحمد للہ جل وعلا الذی لامعبود سواہ ولا نعبد الا ایاہ۔

۶۶ مشرکین کی مت ماری اور اوندھے پن کا ذکر:- سو مشرکین کی مت ماری اور ان کے اوندھے پن کے ذکر اور ان لوگوں کی مت ماری پر تنبیہ کے طور پر ان کے ضمیروں کو جھنجوڑتے ہوئے ان سے فرمایا گیا کہ پھر تم لوگ آخر کہاں اور کیسے اوندھے ہوئے جارہے ہو۔ جو اس قادرِ مطلق خالق ومالکِ حقیقی کو چھوڑ کر ایسی بے حقیقت چیزوں کی پوجا پاٹ کی ذلت اٹھاتے ہو؟ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -جن میں نہ کسی طرح کی کوئی اہلیت ہے نہ صلاحیت۔ نہ وہ پہلی مرتبہ پیدا کرسکتے ہیں نہ دوسری مرتبہ۔ نہ وہ کسی نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے۔ الٹا تم ان کی خدمت وحفاظت کیلئے لشکر بنے دست بستہ کھڑے رہتے ہو۔ آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہوگیا؟ اور تمہاری مت کہاں اور کیسے ماردی گئی؟ -والعیاذ باللہ العظیم- سو جب خلق کا ابداء اور اس کا اعادہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی صفت اور اُسی کی شان ہے اور اس میں کوئی بھی اُس کا شریک وسہیم نہیں ہوسکتا اور اس حقیقت کو تم لوگ خود مانتے اور تسلیم کرتے ہو تو پھر اسکے حق عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک کس طرح ہوسکتا ہے؟ سو تم لوگ کہاں اوندھے ہوئے جارہے ہو؟ -اور تمہاری مت کہاں اور کیسے ماری جاتی ہے؟ اور تم ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں کس طرح اندھے اور اُوندھے ہو کر گرے چلے جارہے ہو۔ والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف-

الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ

وہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ اس (کے حکم وارشاد) کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہ پا سکے اِلّا یہ کہ اسے راہ بتائی جائے ۶۷

فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُھُمْ اِلَّا

آخر تمہیں کیا ہو گیا (اے منکرو!) تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ اور ان کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ پیروی نہیں کرتے

ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

مگر ظن (وگمان) کی ۶۸ حالانکہ یہ قطعی بات ہے کہ ظن (وگمان) حق کی طرف سے کچھ بھی کام نہیں آسکتے ۶۹ بے شک اللہ

عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ

پوری طرح جانتا ہے ان سب کاموں کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں، اور یہ قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں جسے

يُّفْتَرٰي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ

اللہ کی وحی کے بغیر یونہی گھڑ لیا جائے ۷۰ بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آ

يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ

چکی ہیں، اور یہ تفصیل ہے ان احکام کی جو تم پر لکھدیئے گئے ہیں ۷۱ (تمہارے رب کی طرف سے،) جس میں کسی شک کی

۶۷ جو حق کی راہنمائی نہ کر سکے وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟:- کیونکہ حق کی راہنمائی ہی وہ اصل اور حقیقی ضرورت ہے جس کے لیے انسان خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور نورِ حق وہدایت کی دولت ہی وہ واحد دولت ہے جو انسان کو انسان بناتی اور اس کو "خیر البریۃ" [بہترین مخلوق] کے شرف وامتیاز سے مشرف وممتاز کرتی ہے جبکہ اس سے محرومی کی صورت میں - والعیاذ باللہ - انسان "شر البریۃ" [بدترین مخلوق] کے ہاویے میں جا گرتا ہے۔ سو اسی بناء پر مشرکوں سے ان کے ضمیروں کو جھنجوڑتے ہوئی یہ سوال کیا گیا کہ کیا تمہارے ان من گھڑت اور خود ساختہ شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف راہنمائی کر سکے؟ اور جب ایسا کوئی نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسوں کو خدا کا شریک بنانے کی آخر کیا تک ہو سکتی ہے؟ سو معبودانِ من دون اللہ اور مشرکین کے خود ساختہ شرکاء میں سے کوئی بھی حق کی راہنمائی نہیں کر سکتا۔ سو لکڑی پتھر وغیرہ کے بے جان بت تو سرے سے اس کے اہل ہی نہیں ہیں کہ کسی کو کوئی ہدایت دے سکیں۔ اس لئے ان کا تو مسئلہ ہی خارج از بحث ہے۔ حضرات انبیائے کرام اور ملائکہ عظام - علیٰ جمیعہم الصلوٰۃ والسلام - میں سے بھی جن پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کے نام پر شرک کیا گیا وہ خود بھی اللہ پاک کی ہدایت کے محتاج ہیں۔ اس کے بغیر وہ بھی از خود راہنمائی

نہیں کر سکتے۔ تو پھر خداوندِ قدوس کے ساتھ کوئی شریک کیسے ہو سکتا ہے؟ ﴿یَهِدِّیْ﴾ اصل میں "یَھْتَدِیْ" تھا۔ تعلیل کے بعد "یَهِدِّیْ" ہو گیا۔ سو اللہ پاک کے سوا لوگوں نے جو بھی دوسرے معبود از خود بنا رکھے ہیں ان میں سے کوئی بھی ہدایت و راہنمائی کا اہل نہیں۔ اس لیے ایسوں میں سے کسی کو بھی اپنا معبود قرار دینا عقل و نقل کیخلاف اور سراسر ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کیونکہ معبود کے ساتھ انسان کی جو سب سے بڑی اور سب سے اہم ضرورت وابستہ ہوتی ہے وہ ہے حق کی ہدایت و راہنمائی جو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ پس معبودِ برحق بھی وہی وحدہٗ لا شریک ہے۔

۶۸ لوگوں کی اکثریت ظن و گمان ہی کی پیروی کرتی ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ لوگوں کی اکثریت پیروی نہیں کرتی مگر ظن و گمان کی۔ یہی ہے فساد کی اصل جڑ جس کو قرآنِ حکیم نے مختلف مقامات پر اور طرح طرح سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ غور کر کے دیکھ لیں آپ کو ہر جگہ یہی حقیقت چمکتی دمکتی نظر آئے گی جو قرآنِ حکیم نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ ایک دنیا ہے جو ظن و تخمین اور بے بنیاد خیالات کی پیروی میں لگی ہوئی ہے۔ آج بھی اگر آپ ان سے پوچھیں کہ تم لوگ جو ان آستانوں پر جھکتے، ان کے گرد پھیرے لگاتے اور ان کی پوجا پاٹ کرتے ہو تو آخر اس کی دلیل تمہارے پاس کیا ہے؟ تو یہ کہیں گے کہ "ہمارا خیال یہ ہے" کہ "ہمارا دل یونہی کہتا ہے" اور یہ کہ "فلاں حضرت نے ہمیں یوں ہی بتایا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ کسی بھی عمل اور قول و قرار کے لئے دلیل وہ ہوتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہو۔ مگر اس طرف وہاں توجہ ہی نہیں ہوتی۔ وہاں پر تو محض ظن و گمان اور اَوہام و اَہواء کی پیروی ہوتی ہے اور بس۔ جو حق سے کچھ بھی کام نہیں آسکتی جیسا کہ اگلے حاشیے میں اس کی کچھ مزید تفصیل آرہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم۔

۶۹ ظن و گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ظن و گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آ سکتا۔ بلکہ کام آنے والی چیز حق اور صرف حق ہی ہے۔ اور حق کا علم و اِدراک سوائے اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت کے جو کہ درحقیقت شرح ہے کتابِ الٰہی کی اور کہیں سے بھی حاصل ہونا ممکن نہیں۔ کہ اس کے سوا حق کا اور کوئی مصدر و منبع سرے سے ہے ہی نہیں۔ پس جو لوگ اس کتابِ حکیم پر ایمان و یقین سے محروم ہیں وہ بہرحال اور سراسر حق و صداقت کے نور اور ایمان و یقین کی دولت سے محروم اور ظن و تخمین کے اندھیروں میں غلطاں و پیچاں ہیں۔ اور متاعِ عمر کو وہ مختلف بھول بھلیوں میں ضائع کر کے اپنے لئے ابدی ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور ظن و تخمین کے اس طرح کے تیر تکے اگر لوگوں کے یہاں چل بھی گئے تو کیا۔ اصل معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کا ہے جہاں اس طرح کی کوئی بات نہیں چل سکتی۔ اصل حساب اسی کے یہاں دینا ہے اور وہ ان کے ان تمام کاموں کو پوری طرح جانتا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ پس معاملہ اس کے ساتھ صحیح رکھنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سوآء السبیل۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و صواب پر قائم اور ثابت قدم رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۷۰ قرآنِ حکیم کوئی من گھڑت کتاب ہو ہی نہیں سکتی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ کتابِ حکیم جو تمام ضروری اَحکام کی تفصیل ہے کوئی ایسی کتاب نہیں جسے وحیِ خداوندی کے بغیر یونہی گھڑ لیا جائے کہ یہ بات طاقتِ بشری سے

خارج ہے۔ اور یہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ یہ کلام حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کا کلام صدق التیام، اور مینارۂ رشد و ہدایت ہے۔ کسی بشر کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایسا کلام خود بنا کر لائے۔ اگر چہ روئے زمین کے تمام لوگ اسکے لیے مل کر بھی کوشش کریں۔ سو یہ ایک عظیم الشان اور جلیل القدر اور بے مثل کتاب ہے جسکی کوئی نظیر و مثال ممکن ہی نہیں۔ یہ تمام بنی نوع انسان کیلئے سراسر ہدایت اور عینِ رحمت ہے۔ نیز یہ کتاب حکیم تفصیل ہے ان تمام ضروری احکام کی جو تم پر لکھ دیے گئے اور جن کا پورا کرنا اور بجالانا تم لوگوں پر لازم اور ضروری ہے۔ نیز یہ تفصیل ہے اُن تمام آسمانی کتابوں کے اصولی مضامین کی جو اس سے پہلے آچکی ہیں سو ''الکتاب'' کا لفظ ان سب ہی معانی اور مفاہیم کو عام اور شامل ہے۔ (المراغی، المنار، المدارک، الفتح، الصفوۃ اور الجامع غیرہ)۔ سو اس سے اس کتابِ حکیم کی عظمت شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ایسی عظمتِ شان والی دوسری کوئی کتاب نہ آج تک کبھی ہوئی ہے اور نہ قیامت تک کبھی ممکن ہے۔ فالحمد للہ جل وعلا - پس جو اس پر ایمان سے محروم ہیں وہ سراسر محروم اور بدنصیب ہیں - والعیاذ باللہ۔

۷۷ قرآن حکیم کی بعض اہم صفات کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ قرآن تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آچکی ہیں اور یہ تفصیل ہے ان تمام ضروری احکام کی جو تم لوگوں پر لکھ دیے گئے ہیں۔ اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ پروردگارِ عالم کی طرف سے ہے۔ سو یہ کتابِ حکیم اہم بنیادی حقائق سے آگاہ کرنے والی اور ضروری احکام کو بیان کرنے والی واحد ایسی کتاب ہے۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آپؐ پر اے پیغمبر یہ کتاب اتاری حق کے ساتھ جو کہ تصدیق کرنے والی ہے اس سے پہلے کی تمام کتابوں کی۔ اور جو محافظ و نگہبان ہے اُن کے تمام اُصولی اور بنیادی مضامین کی۔ (المائدۃ: ۴۸)۔ اور جیسا کہ سننِ ترمذی وغیرہ میں حضرتِ علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اس کتابِ حکیم کے بارے میں ارشاد فرمایا ''فِیْهِ خَبَرُ مَا قَبْلَكُمْ وَنَبَأُ مَا بَعْدَكُمْ وَ فَصْلُ مَا بَيْنَكُمْ'' (سنن الترمذی، کتاب ثواب القرآن)۔ اسی لئے اس آیتِ کریمہ میں وارد لفظ ''الکتاب'' سے جمہور علماء و مفسرینِ کرام نے یہی معنی مراد لئے ہیں ''اَیْ مَا كُتِبَ وَ فُرِضَ مِنَ الْاَحْكَامِ وَ الشَّرَائِعِ'' (محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، صفوۃ البیان، جامع البیان، المراغی، المعارف، المنار، المدارک، اور ابنِ کثیر وغیرہ وغیرہ)۔ سو مطلب یہ ہوا کہ اس کتابِ حکیم کے ذریعے تمہیں اے لوگو! عقیدہ و عمل، بود و باش، معیشت و معاشرت اور دنیا و آخرت کے بارے میں اُن تمام اَحکام و شرائع سے آگاہ و باخبر کر دیا گیا جو کہ تمہارے لئے سعادتِ دارین کا ذریعہ و وسیلہ اور کفیل و ضامن ہیں۔ پس تم لوگ ظن و تخمین کی پیروی کو چھوڑ کر اس کتابِ حکیم کی پیروی کرو۔ پس اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں نے اس موقع پر جو ''الکتاب'' سے لوحِ محفوظ مراد لے کر اپنے شرکیہ عقائد کے لئے سند مہیا کرنے کی کوشش کی وہ باطل و مردود اور ''بناء الفاسد علی الفاسد'' کے قبیل سے ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف یہ کتابِ حکیم اُن تمام شرعی اَحکام کی تفصیل ہے جن کی انسان کو اپنی زندگی میں عمل کیلئے اور اپنی معاش و معاد کی اِصلاح کیلئے ضرورت ہے، جیسا کہ ابھی اوپر والے حاشیے میں بھی گزرا ہے۔ سو اس سے سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی ہے اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ کہ اس کے بعد انسان اندھا اور اُوندھا ہو کر رہ جاتا ہے اور اس حد تک کہ وہ اپنے بھلے بُرے کے فہم و ادراک سے بھی عاری اور محروم ہو جاتا ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ

کوئی گنجائش نہیں، (اور یہ) پروردگار عالم کی طرف سے ہے، کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود ہی تصنیف کرلیا

مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

ہے (تو ان سے) کہو کہ اچھا تو پھر تم لوگ اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ، اور بلا لو (اس غرض کے لئے) جس

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ

کو بھی تم بلا سکتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو (اپنے اس الزام میں) ۷۲ (نہیں) بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے جھٹلایا

وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ

اس چیز کو جس کے علم کا یہ احاطہ نہ کر سکے ۷۳ اور جس کی حقیقت (اور آخری انجام) ابھی تک پہنچی نہیں ان لوگوں کے پاس

قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۹ وَ

اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے (حق اور حقیقت کو) جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے، سو دیکھ لو کیسا ہوا انجام ایسے ظالموں کا ۷۴

مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ

اور ان میں سے کچھ تو اس پر ایمان لے آئیں گے ۷۵ اور کچھ نہیں لائیں گے، ۷۶ اور

رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۴۰ ع وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ ع ۱۰/۹

تمہارا رب خوب جانتا ہے فساد مچانے والوں کو، اور اگر یہ لوگ (ان دلائل کے بعد بھی) آپ کو جھٹلاتے ہی جائیں تو آپ ان سے

۷۲ قرآن حکیم کا اپنے منکروں کو کھلا چیلنج: - کہ تم لوگ اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اگر تم سچے ہو اپنے دعوے میں۔ سو یہ اس کی شان اعجاز اور اسکی حقانیت کا ایک واضح اور کھلا ثبوت ہے۔ پس اگر تم لوگ بایں ہمہ فصاحت و بلاغت اور باوجود اسباب و وسائل ایسا نہیں کر سکے، اور قیامت تک نہیں کر سکو گے، تو پھر اس سے بڑھ کر واضح اور کھلا ثبوت اور قطعی دلیل اس بات کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ کلام حکیم قرآن مجید انسانی کلام نہیں بلکہ خالق انس و جن کا کلام ہے جو اس نے اپنی رحمت بے نہایت اور عنایت بے غایت سے اپنے بندوں کی ہدایت و راہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے۔ تاکہ وہ دارین کی سعادت و سرخروئی اور حقیقی فوز و فلاح سے مشرف و بہرہ ور ہو سکیں۔ سو اسکی تکذیب اور اس سے منہ موڑنا بڑی بدبختی اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف

یہ قرآنِ حکیم کا اپنے منکروں اور دشمنوں کو کھلا چیلنج ہے کہ اگر تم لوگ اس کتاب حکیم کے بارے میں اپنے اِس الزام میں سچے ہو تو تم اِس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اور اس کے لیے تم اپنے سب مددگاروں کو بھی اپنی مدد اور اِمداد کے لیے بلالو۔ اپنے شاعروں، ادیبوں، ساحروں، کاہنوں، جنوں، شیطانوں اور اپنے شرکاء اور معبودوں کو۔ اور پھر تم سب مل کر اِس کلامِ مجید جیسی ایک سورت بنالاؤ خواہ وہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے خود اس بارے میں فیصلہ ہو جائے گا۔ سبحان اللہ۔ یہ کتنا بڑا اور منفرد و بے مثال معجزہ ہے اس کتابِ حکیم کا جس کی دوسری کوئی بھی نظیر و مثال پوری روئے زمین پر دوسری کسی بھی کتاب میں نہیں پائی جاتی خواہ وہ کوئی آسمانی اور الہامی کتاب ہو یا کسی انسان یا انسانوں کے کسی مجموعے کی تصنیف و تالیف۔ سو اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہو سکتا ہے؟۔ سو یہ قرآنِ حکیم کا وہ سب سے بڑا معجزہ اور اس کی وہ امتیازی شان ہے جو اس کے سوا اور کسی بھی کتاب کو نہ کبھی نصیب ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔

۷۳ جہالت باعثِ عداوت و محرومی - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے جھٹلایا اس چیز کو جس کے علم کا یہ احاطہ نہیں کر سکتے۔ سو جہالت اور لاعلمی عداوت و محرومی کا ایک بڑا اور بنیادی سبب ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور انسان کی فطرت یہ ہے کہ جس چیز کی حقیقت نہ جانے وہ اُس کا دشمن بن جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ''اَلنَّاسُ اَعْدَآءٌ لِمَا جَهِلُوْا''۔ پس اِن لوگوں کی تکذیب کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ ان کی اپنی جہالت و لاعلمی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - (محاسن التاویل وغیرہ)۔ پس جہالت محرومی کا ایک بڑا اور بنیادی سبب ہے۔ اور علم کی روشنی سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ۔ اور علم سے مراد ظاہر ہے حق و حقیقت کا وہی علم ہے جو کتاب و سنت سے حاصل ہوتا ہے۔ سو قرآنِ حکیم ان کو کفر و انکار پر جس انجام اور عذاب سے ڈراتا اور خبردار کرتا ہے یہ لوگ چونکہ اس سے آگاہ نہیں اور وہ ان کے اِحاطۂ علم و اِدراک سے خارج ہے۔ اور یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ اسکی حقیقت ابھی ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوئی۔ اور ان کا حال یہ ہے کہ یہ اس کو اس وقت تک ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے جب تک یہ اس کو سر کی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ اور اُس وقت تو یہ مانیں گے اور چیخ چیخ کر مانیں گے مگر بے وقت کے اس ماننے کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ وہ ایمان بالمشاہدہ ہوگا جبکہ مطلوب ایمان بالغیب ہے۔ جس کے حصول کا موقع اسی دنیاوی زندگی میں ہے اور بس۔ اس کے بعد اس کے حصول اور اس سے سرفرازی کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔

۷۴ ظالموں اور ظلم کا انجام بُرا - والعیاذُ باللہ: - سو درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے۔ پس تم دیکھ لو کہ کیسا ہوا انجام ایسے ظالموں کا۔ سو اس ارشاد میں ان ظالموں کے انجام سے عبرت پکڑنے کی تعلیم و تلقین ہے جنہوں نے حق و ہدایت سے منہ موڑا اور اس کی تکذیب و تحقیر سے کام لیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو ان کے اس انجام سے سبق لو اور عبرت پکڑو تاکہ تم لوگ تکذیب و انکارِ حق کے اس سنگین اور ہولناک جرم سے بچ سکو جس کا ارتکاب ان لوگوں نے کیا۔ اور اس کے نتیجے میں تم اس ہولناک اور اس بھیانک انجام سے بچ سکو جس سے وہ لوگ دوچار ہوئے کہ اللہ کا قانون بے لاگ اور سب کے لئے ایک ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کی یہ روش بعینہٖ وہی روش ہے جو ان سے پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں کی روش تھی۔ اور جس کے نتیجے میں بالآخر وہ لوگ اپنے

ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے تھے۔ سو اگر یہ لوگ اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو ان کا انجام اور حشر بھی وہی ہوگا جو ان پہلی قوموں کا ہو چکا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ فکر و عمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ، ہر حال میں ہر اعتبار سے اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا اور راہ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رہنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۷۵ منکرین کے اِمہال کی وجہ کا ذکر و بیان:۔ سو منکرین کے امہال کے سبب اور اس کی وجہ کے ذکر و بیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن پر ایمان لا رہے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں کچھ صالح عناصر ایسے موجود ہیں جن سے خیر کی توقع ہو سکتی ہے۔ سو اس کا تقاضا ہے کہ ان کو اتنی ڈھیل دی جائے کہ ایسے صالح عناصر ان سے چھٹ کر الگ ہو جائیں اور وہ کچرا الگ ہو جائے جو آتشِ دوزخ میں جھونکے جانے کے لائق ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ ''یومن بہ'' میں حال اور مستقبل دونوں کا احتمال ہے۔ یعنی ان میں سے کچھ اس پر ایمان رکھتے ہیں یا ایمان لائیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ پس یہ قرآنِ پاک کی ایک پیشینگوئی ہوئی جو بعد میں پوری ہوگئی۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے اور مفسرینِ کرام نے اس کو بھی بیان فرمایا ہے کہ ان میں سے کچھ اس پر دل سے ایمان رکھتے اور اس کو سچا جانتے ہیں۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی ''یومن'' حال کے معنٰی میں بھی ہو سکتا ہے اور مستقبل کے معنی میں بھی۔ اور ''بہ'' کی ضمیر مجرور میں دو احتمال ہیں کہ اس کا مرجع قرآن ہو یا پیغمبر۔ دونوں صورتوں میں اسکے دو معنٰی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ دل سے تو ان کو سچا جانتے اور ان پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ظاہر میں انکار اور تکذیب سے کام لے رہے ہیں محض اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر۔ یا آئندہ ایمان لائیں گے یا یہ اس پر اس وقت ایمان لائیں گے جبکہ اپنے انجام اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ یہ سب ہی صورتیں اس کے مطلب میں بنتی ہیں یہ سب ہی مراد ہو سکتی ہیں اور یہ سب ہی حضراتِ اہلِ علم و فضل سے مروی و منقول ہیں۔ (المراغی، المدارک، اور الفتح وغیرہ)۔ اور ان سب ہی میں معنی و مطلب صحیح بنتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۶ فسادیوں کے لیے محرومی کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور ان میں سے کچھ اس پر ایمان نہیں رکھتے اور ایمان لانے کی بجائے ایسے لوگ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ محض اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر۔ سو ہٹ دھرمی باعثِ محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ پس یہ لوگ محروم ہو گئے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کہ میں نہ مانوں (I Never Agree) کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو ضد و عناد اور ہٹ دھرمی سراسر خسارہ اور باعثِ محرومی ہے۔ پس ایسے لوگ اپنی اسی ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر نورِ ایمان سے محرومی کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہونگے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ (ابنِ کثیر اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بہر کیف جب انکی کیفیت یہ ہے کہ ان میں سے کچھ ایمان لانے والے ہیں اور کچھ نہیں تو اس بناء پر ان سب کو ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ تاکہ اس مجموعے میں جتنا مکھن ہے وہ نکل آئے اور چھاچھ الگ ہو جائے۔ مگر یہ حقیقت واضح اور ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ جو لوگ کفر و شرک کے ذریعے فساد پھیلا رہے ہیں وہ اپنے انجام کو بہر حال پہنچ کر رہیں گے۔ اور اپنے عذاب سے وہ بچ نہیں سکیں گے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارا رب ایسے فسادی عناصر اور منابعِ شر و فساد کو پوری طرح جانتا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اس لئے کہ لوگ اپنے کئے کرائے کے نتیجہ و انجام سے نہیں بچ سکیں گے۔

عَمَلِیْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ

(آخری بات کے طور پر) کہہ دیں کہ میرے لئے میرا عمل ہے، اور تمہارے لئے تمہارا عمل ۷۷ نہ تم میرے کسی عمل کے جواب دہ ہو

وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ

اور نہ ہی میں تمہارے کسی عمل کا ۷۸ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو سنتے ہیں آپ کی طرف کان لگا کر، (مگر اپنی بدنیتی

اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

کی بناء پر وہ بہرے ہیں،) تو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگرچہ وہ کچھ سمجھتے بھی نہ ہوں؟ ۷۹ اور ان میں سے کچھ ایسے بھی

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ

ہیں جو دیکھتے ہیں آپ کی طرف (ٹکٹکی باندھ کر، اے پیغمبر! مگر اپنے خبثِ باطن کی بناء پر وہ اندھے ہیں،) تو کیا آپ

وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ

ایسے اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں، اگرچہ وہ (نورِ) بصیرت سے بھی محروم ہوں؟ ۸۰ بے شک اللہ لوگوں پر کوئی ظلم نہیں کرتا

۷۷ منکرین و مکذبین سے اعلان براءت و بیزاری: — سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہٹ دھرموں کیلئے آخری جواب اعلان واظہار بیزاری ہے کہ ہمارا راستہ الگ تمہارا الگ اگر تم لوگ اپنے کفر و تکذیب پر اڑے ہی رہے (المراغی، المنار)۔ سو ان سے کہہ اب تمہاری مرضی میرا کام تو بس انذار و تبشیر اور تبلیغ حق ہے اور بس۔ اور وہ میں کر چکا۔ والحمد للہ۔ اور تمہارا کام یعنی تکذیب جو تم کر رہے ہو۔ کل عدل و انصاف کے اس یوم عظیم میں تم اپنے کئے کرائے کا بھگتان خود بھگت لوگے جبکہ تم سے کہا جائے گا ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾۔ سو یہ ارشاد ربانی ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا﴾ اور یہ ہٹ دھرمی کیلئے آخری جواب ہوتا ہے جو ان کو اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ حق کو پوری طرح واضح کر دیا جاتا ہے۔ مگر وہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے اور اس کا اصل مقصد اظہار بیزاری ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا کہ تم لوگ میرے عمل سے بری اور میں تمہارے عمل سے بری کہ جب تم لوگ حق بات سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے تو پھر اس اعلان براءت کے سوا اور چارہ ہی کیا ہو سکتا ہے کہ پتھر پر جونک لگانا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ سو ایسوں کے پیچھے لگنا بے کار اور ان پر محنت کرنا لا حاصل۔ والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال۔

۷۸ ہر کوئی اپنا ذمہ دار اور جواب دہ خود: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ نہ تم لوگ میرے کسی عمل کے جوابدہ و ذمہ دار ہو اور نہ میں تمہارے عمل کا جواب دہ اور ذمہ دار۔ بلکہ ہر کسی کو اپنے کیے کرائے کی جوابدہی خود کرنی ہے کہ آخرت کے اس یوم

حساب میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ سو اس میں ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے لئے آخری جواب کی تلقین ہے کہ اگر تم لوگ نہیں مانتے ہو تو تمہاری مرضی۔ انجامِ کار نتیجہ تم خود دیکھ لوگے کہ ہر کسی کو اپنے ہی کیے کرائے کا صلہ اور بدلہ ملے گا۔ کسی کو دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھانا پڑے گا کہ آخرت کے اس جہان میں ہر کسی کو اپنی ہی جوابدہی کرنی ہوگی۔ پس تم لوگ اپنے عمل کے ذمہ دار اور جواب دہ ہو اور میں اپنے عمل کا۔ تمہارا راستہ الگ اور میرا الگ۔ سو تم لوگ اپنے بارے میں اور اپنے مآل وانجام سے متعلق خود دیکھ اور سوچ لو۔ میں تو تمہاری ہمدردی اور خیر خواہی کے لیے تم لوگوں کو اس راہِ حق وہدایت کی طرف بلاتا اور اس کی دعوت دیتا ہوں جس میں تمہارے لیے دنیا وآخرت کے دونوں جہانوں کا بھلا اور کامیابی ہے۔ مگر تم لوگ ہو کہ اس کو ماننے اور قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے تو اس کا کیا کیا جائے اور اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ ﴿ وَلٰكِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِيۡنَ ﴾۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۷۹ حضورؐ کیلئے تسلیہ وتسکین کا سامان: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگرچہ وہ کچھ سمجھتے بھی نہ ہوں۔ اور استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی نہیں ایسے نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ان کے لئے افسوس کرنے کی کیا ضرورت؟ سو اس میں آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے لئے تسلی کا سامان ہے۔ کیونکہ آپؐ کو اپنی اس عظیم الشان رحمت وشفقت کی بناء پر جو کہ آپ کے قلبِ مبارک میں خلقِ خدا کیلئے موجود وموجزن تھی اور آپ کو ان لوگوں کے اس کفر وعناد پر جس سے وہ دعوتِ حق کے جواب میں کام لے رہے تھے سخت صدمہ اور افسوس ہوتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی اسی کتابِ حکیم میں جابجا اور طرح طرح سے تسلی دیتے ہیں کہ آپ اس طرح ان لوگوں کے پیچھے اپنی جان کو ہلکان نہ کریں کہ آپ کا کام تو صرف تبلیغ حق ہے اور بس۔ آگے منوالینا نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ ہی آپ کے ذمے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ ﴾ (فاطر:۸) بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب یہ لوگ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کے باعث اور اپنی شامتِ اعمال کے نتیجے میں اندھے بہرے اور گونگے بن کر رہ گئے ہیں تو آپ ان کی محرومی پر افسوس نہ کریں کہ ایسے لوگ نورِ حق سے سرفرازی کے اہل نہیں رہے۔ سو قصور آپ کی تبلیغ کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا اپنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۰ اندھوں کو راستہ دکھانا کسی کے بس میں نہیں: — سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں؟ جبکہ ان کو کچھ سوجھتا بھی نہ ہو۔ اور استفہام ظاہر ہے انکاری ہے۔ یعنی نہیں۔ پس اندھوں کو راستہ نہیں دکھایا جا سکتا جبکہ وہ نورِ بصیرت سے بھی محروم ہوں۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡم۔ یعنی نہیں ایسے نہیں ہو سکتا کہ ایسے بدنصیب وبدبخت جو اپنی آنکھوں پر تعصب وعناد کی سیاہ پٹی باندھ کر ظاہری بصارت اور باطنی بصیرت دونوں سے محروم ہو جائیں اور وہ اپنی ضد وہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہوں تو ان کو راہِ راست کوئی نہیں دکھا سکتا۔ پس قصور آپ کا یا آپؐ کی دعوت وتبلیغ کا نہیں اے پیغمبر۔ بلکہ ان کی محرومی کا اصل سبب ان لوگوں کی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی ہے جس سے وہ اندھے اور بہرے بن گئے۔ موسلا دھار بارش میں اگر کوئی اپنے برتن کو اوندھا کر دے تو اس کے اندر بارش کا پانی اور اس کا کوئی قطرہ آخر کس طرح جا سکتا ہے؟ سو اس میں حضورؐ کیلئے اور آپؐ کے توسط سے آپؐ کی امت کے ہر داعیِ حق کیلئے تسلیہ وتسکین کا سامان ہے کہ آپ کا کام تبلیغِ حق ہے اور بس۔ آگے منوالینا نہ آپؐ کے ذمے ہے اور نہ ہی آپؐ کے بس میں۔ اس کے بعد اُن کا معاملہ اللہ کے حوالے۔ ان علیک الا البلاغ وعلینا الحساب۔

شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ

لیکن لوگ ہیں کہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، ۸۱ اور (آج تو یہ لوگ جلدی مچاتے ہیں پر) جس دن اللہ ان کو اکٹھا

يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ

کرلائے گا (تو اس دن ان کو یوں محسوس ہوگا کہ) گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے (دنیا میں) مگر ایک گھڑی دن کی، اور بس ۸۲

يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ

یہ پہچانتے ہونگے آپس میں ایک دوسرے کو ۸۳ (تب واضح ہوجائے گا کہ) بڑے ہی خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں

۸۱ حق سے منہ موڑنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر ایسے لوگ خود اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔ کیونکہ حق اور حقیقت کے انکار کا یہ جرم ایسا سنگین اور ہولناک جرم ہے کہ انسان کو دارین کی سعادتوں سے محروم کر دیتا ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-سو اس طرح حق کا انکار کرکے انسان خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ مگر اس کو اس کا علم و احساس بھی نہیں ہوتا جو کہ خسارہ در خسارہ اور محرومی در محرومی ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -سو اس طرح ایسے لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ اور ظلم کیا معنیٰ وہاں تو عنایت ہی عنایت، رحمت ہی رحمت اور نوازش ہی نوازش ہے۔ اس نے انسانوں کو بہترین صلاحیتوں سے نوازا۔ پھر کائنات کی حکمتوں اور عبرتوں بھری یہ عظیم الشان اور کھلی کتاب ان کے سامنے رکھ دی۔ پھر اپنے انبیاء و رسل کے ذریعے ان کے لیے دعوتِ حق و ہدایت کا انتظام فرمایا۔ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے کام لیتے تو پیغمبر کی دعوت انکو اپنے دلوں کی آواز معلوم ہوتی لیکن یہ اندھے اور بہرے بن گئے۔ انہوں نے حق کو سن کر اور مان کر نہ دیا اور اس طرح انہوں نے نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو تہ در تہ اور گھٹاٹوپ اندھیروں کے حوالے کر دیا اور سعادت و سرخروئی کی راہ سے منہ موڑ کر انہوں نے اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھوں کے اندر پھینک دیا اور خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھا کر یہ لوگ ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ کے مصداق بن گئے۔ اور یہی ہے سب سے بڑا خسارہ -﴿ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾- والعیاذ باللہ العظیم -اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۸۲ منکرین حق کی جلد بازی کا جواب اور انکو تنبیہ: -سو اس ارشاد سے منکرینِ قیامت کی جلد بازی کا جواب بھی دیا گیا اور انکو تنبیہ بھی فرما دی گئی کہ قیامت کے روز اپنی دنیاوی زندگی انکو ایک گھڑی کے برابر معلوم ہوگی۔ ہولِ محشر کی وجہ سے اور کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کے اُس جہاں میں۔ سو دنیا کی جس زندگی کو آج یہ لوگ بڑی چیز اور لمبی فرصت سمجھتے ہیں وہاں پر یہ ان کو ایک گھڑی کے برابر معلوم ہوگی۔ تب ان کے افسوس کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔ لیکن بے وقت کے اس افسوس کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے یاس وحسرت میں اضافہ کے

-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -سو یہ قرآنِ حکیم کا کس قدر بڑا احسان ہے خلقِ خداوندی پر کہ غیب کے ان حقائق کو جن کو جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں اس نے اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا تا کہ دنیا اپنی عاقبت کو سنوارے اور اپنی آخرت کیلئے سامان کرے۔ قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور پھر ان کو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ مگر اسکے باوجود ایک دنیا کی دنیا ہے کہ خوابِ خرگوش میں پڑی ہے اور اس قولِ حق و ہدایت کی طرف کان ہی نہیں دھرتی۔ اور ایسے لوگوں کو اس بات کا احساس ہی نہیں کہ اس طرح یہ اپنے لیے کس قدر ہولناک خسارے کا سامان کر رہے ہیں-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ ایسے بدبخت اور محروم القسمت لوگ ان بندگانِ صدق و صفا کے پیچھے پڑتے، ان کا راستہ روکتے، ان کو دقیانوسی اور گردن زدنی کے لائق قرار دیتے ہیں۔ اور آج پوری دنیائے کفر و باطل حق و ہدایت کے حامل و علمبردار اس مسلمان کو ختم کرنے اور اسکے وجودِ خیر و برکت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے درپے ہے۔ اور پوری دنیا میں مسلمانوں پر جگہ جگہ اور طرح طرح سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ خواہ وہ فلسطین و کشمیر ہو یا ہندوستان و پاکستان۔ بوسینیا و ہرزگووینا ہو یا چیچنیا و افغانستان وغیرہ۔ ہر جگہ خونِ مسلم کی ارزانی ہے۔ اور قصور اس کا صرف یہ ہے کہ یہ مسلمان ہے ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ اور اس سارے ظلم وستم کا اس سے بھی بڑھکر دکھ دہ اذیت ناک اور کرب انگیز پہلو یہ ہے کہ کتنے ہی نام نہاد مسلمان خاص کر مسلمان ملکوں کا حکمران طبقہ ان ظالم و اَشرار اور مشرکین و کفار کا آلہ کار بنا ہوا ہے-فانا للّٰه وانا الیه راجعون - اللّٰهم اجرنا فی مصیبتنا واخلف لنا خیرا منها والی اللّٰه المشتکی وهو المستعان ولا حول ولا قوة الا باللّٰه جل وعلا- اللہ حق اور اہلِ حق کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور اہلِ باطل کے شرور وفتن سے اپنی پناہ میں رکھے- اور ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے سرفراز رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۸۲ محشر میں یہ لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہونگے:- اور یہ پہچاننا بھی ان کے لئے مزید دکھ اور صدمے کا باعث ہوگا۔ کیونکہ ان کا یہ تعارفِ باہمی توبیخ اور ملامت کا تعارف ہوگا کہ وہ وہاں پر ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہوں گے کہ ایک دوسرے سے کہے گا کہ تو نے ہمیں گمراہ کیا اور دوسرا اس سے کہے گا کہ نہیں یہ سارا قصور تمہارا اپنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (ابنِ کثیر، فتح القدیر اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ) بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ اور اس طور پر کہ گویا ان کی ملاقات صبح وشام کا قصہ ہے۔ دنیا کی ہر بات انکے ذہنوں میں اس طرح تازہ ہوگی کہ گویا کوئی زمانہ گزرا ہی نہیں۔ سو انسان کی یہ بڑی بدبختی اور محرومی ہے کہ یہ دنیاوی زندگی کو بہت طویل سمجھ کر آخرت سے بے فکر اور لاپرواہ ہو جائے۔ اور جب اس کو اس بارے خبردار کیا جائے تو کہے کہ لا کر دکھاؤ جس کے ڈراوے تم لوگ ہمیں دیتے ہو- والعیاذ باللّٰه العظیم- اللہ تعالیٰ فکر وعمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ اور راہِ حق و ہدایت پر مستقیم وثابت قدم رکھے- اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ

نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو اور وہ راہ راست پر نہ تھے ۸۴ اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو (اے پیغمبر!) کچھ حصہ اس عذاب کا

الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ

جس سے ہم ان لوگوں کو ڈرا رہے ہیں، یا اس سے پہلے ہی ہم اٹھالیں آپ کو تو (اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ) ان

اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

سب نے تو بہر حال لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے، پھر اللہ گواہ ہے ان تمام کاموں پر جو یہ لوگ کر رہے ہیں ۸۵ اور ہر امت

رَّسُوْلٌ ج فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

کے لئے ایک پیغام رساں رہا ہے ۸۶ پھر جب ان کا وہ رسول آ گیا (اور اس نے انکو اس کا پیغام پہنچا دیا اور انہوں نے نہ

وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

مانا) تو ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا گیا، پورے انصاف کے ساتھ، اور ایسوں پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا، اور کہتے ہیں کہ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا

کب پوری ہوگی تمہاری یہ دھمکی اگر تم سچے ہو؟ کہو (مجھے کیا خبر،) میں تو خود اپنے لئے بھی اختیار نہیں رکھتا نہ کسی نقصان کا،

۸۴ تکذیب وانکارِ آخرت سب سے بڑا خسارہ۔ والعیاذ باللہ: -کہ اس سے انسان بے فکر اور لاپرواہ ہو کر نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے اور یہ محرومی سب سے بڑی محرومی ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -سو جن لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا اور اسکے نتیجے میں انہوں نے اپنی زندگی اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو دنیا کی عارضی اور فانی لذتوں کی تحصیل ہی میں گنوا دیا۔ اس طرح وہ ہدایت کے نور سے ہمیشہ محروم ہی رہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ-اور دنیا کی کھیتی سے انہوں نے آخرت کیلئے کچھ نہ کمایا اور کفر و باطل کے اندھیروں میں غلطاں و پیچاں رہ کر انہوں نے اپنی متاعِ عمر کو تمام کر دیا۔ وہ بڑے ہی سخت خسارے میں پڑ گئے اور یہ ایسا بڑا اور اس قدر ہولناک خسارہ ہوگا کہ اسکی تلافی و تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ یہ لوگ رہ رہ کر تمنا و آرزو کریں گے کہ کاش ہم نے ایمان لایا ہوتا۔ مگر اس تمنا و آرزو سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے اپنی آتشِ یاس وحسرت میں اضافے کے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -سو منکرینِ آخرت اس ہولناک خسارے میں تو آج بھی پڑے ہوئے ہیں لیکن آج دنیا کی ریل پیل، چمک دمک اور اسکے وقتی فائدوں اور فانی لذتوں کی بناء پر یہ لوگ اس طرف متوجہ ہونے اور اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اور دنیا کے دار الابتلاء کی ہیئت کذائی اور امتحان کے تقاضوں کی بناء پر آج اصل

حقائق پر پردہ پڑا ہے لیکن کل قیامت اور آخرت کے اس جہانِ غیب میں جو کہ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کا جہان ہوگا ان لوگوں کا یہ خسارہ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ ان کے سامنے ہوگا اور اس وقت یہ رہ رہ کر افسوس کریں گے مگر اس کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر خسارے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۸۵ یومِ حساب کی تذکیر و یاددہانی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرکار ان سب نے لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے اور بہرحال آنا ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ اللہ گواہ ہے ان تمام کاموں کا جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ سو وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے کیے کرائے کا بدلہ بہرحال پانا ہے۔ اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ان کے لئے ممکن نہ ہوگی۔ تو پھر عمرِ رواں کی اس فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے، عذابِ آخرت سے بچنے کی فکر اور کوشش کرنے کی بجائے الٹا عذاب کی جلدی مچانا، جیسا کہ یہ بے ایمان لوگ کرتے ہیں، کس قدر حماقت اور کتنے بڑے خسارے کا سودا ہے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو آخرت اور اللہ کے حضور اپنی پیشی کو بھلا کر اور وہاں کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر جینا بڑا ہی ہولناک خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بہرکیف اس ارشاد سے آگہی بخشی گئی کہ اگر ان بدبختوں پر عذاب کا کچھ حصہ آپ کی زندگی ہی میں آجائے یا آپ کی وفات کے بعد آئے تو اس سے کچھ فرق پڑنے والا نہیں کہ ان پر عذاب نے بہرحال آکر رہنا ہے۔ اور انہوں نے اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہے۔ یہ ہماری گرفت و پکڑ سے کبھی چھوٹ اور بچ نہیں سکتے کہ ان سب نے آخرِ کار لوٹ کر بہرحال ہمارے ہی پاس آنا ہے اور انہوں نے جو من گھڑت سفارشی اور خود ساختہ معبود اور کارساز اور حاجت روا و مشکل کشا بنا رکھے ہیں ان میں سے کوئی بھی ان کے کام آنے والا نہیں۔ اور وقت آنے پر یہ حقیقت ان کے سامنے خود پوری طرح آشکار ہو جائے گی کہ ان کے ایسے تمام سہارے محض اوہام اور خرافات تھے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۸۶ پیغمبر کی تکذیب کا نتیجہ وانجام ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہر امت کیلئے ایک پیغام رساں رہا ہے۔ سو جب ان لوگوں کے پاس ان کا رسول پہنچ گیا اور انہوں نے نہ مانا تو ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا گیا پورے عدل و انصاف کے ساتھ۔ اور ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔ پیغامِ حق پہنچانے کے لئے۔ پھر ماننے والوں کے لئے خلاص و نجات کا اور نہ ماننے والوں کے لئے ہلاکت و بربادی کا فیصلہ کر دیا گیا۔ نیز ان کا رسول جب قیامت کے روز حاضر ہو کر تبلیغِ حق کی گواہی دے گا تو ان کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ آخری اور عملی فیصلہ کر دیا جائے گا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيِّيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (الزمر: ۶۹)۔ اور اس طرح ان پر حجت تمام ہو جائے گی اور ان کا معاملہ پوری طرح واضح ہو جائے گا۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قوم کے اندر اس کا رسول بھیجا گیا ہے۔ تبیینِ حق اور اتمامِ حجت کے لیے۔ سو یہ رسول ان لوگوں کے اندر خداوندِ قدوس کی عدالت بن کر مبعوث ہوئے۔ جو لوگ صدقِ دل سے ان پر ایمان لائے وہ نجات و فلاح سے سرفراز ہوئے اور جو اپنے کفر و انکار پر اڑے رہے انکی مدتِ مہلت پوری ہونے پر ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی۔ اور یہی تقاضا ہے اس مالک الملک کے عدل و انصاف کا۔ سو ظالموں کو ڈھیل اگرچہ ملتی ہے لیکن آخرِ کار ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جاتی ہے ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾۔ سو پیغمبر کی تکذیب کا نتیجہ وانجام ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ

اور نہ کسی نفع کا، مگر جو اللہ چاہے، ۸۷ ہر امت کے لئے ایک وقت بہرحال مقرر ہے، (پھر) جب آ پہنچتا ہے

اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

ان کا وہ وقت مقرر، تو وہ نہ لمحہ بھر کے لئے پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں،

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّا

(ان سے) کہو کہ تم لوگ اتنا تو سوچو کہ اگر (اچانک) ٹوٹ پڑے تم پر اس کا عذاب رات یا دن کے

ذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ

کسی بھی حصے میں، تو (تم لوگ کیا کرو گے؟) آخر اس میں وہ کون سی چیز ہے جس کی جلدی مچا رہے ہیں یہ مجرم؟ ۸۸ تو کیا جب

۸۷ نفع و نقصان اللہ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں: - سو اس سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ چنانچہ پیغمبر کو حکم وارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان سے کہو کہ میں تو اپنی ذات کے لیے بھی نہ کسی نفع کا اختیار رکھتا ہوں نہ نقصان کا۔ بلکہ ہر قسم کے نفع و نقصان کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ سو یہ ہے پیغمبر کا صاف و صریح اعلان کہ میں خود اپنے لیے بھی نہ کسی نفع کا اختیار رکھتا ہوں نہ نقصان کا۔ نفع و نقصان سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور مشیت اور اختیار بہرحال اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ جو چاہے کرے اور جیسے چاہے کرے۔ اور جو اس کو منظور ہوگا وہی ہوگا کہ اس کون و مکان اور کارخانۂ ہست و بود کا خالق و مالک اور بلاشرکتِ غیرے خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور اس سب کا حاکم و متصرف اور اکیلا و تنہا حاکم و متصرف وہی وحدہ لاشریک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- پس اس میں مشیت و مرضی بھی اسی وحدہ لاشریک کی چلتی ہے اور اسی کی چلے گی- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور جب میں اپنے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا تو پھر تم پر تم لوگوں کے مطالبے کے مطابق کسی عذاب کے واقع کرنے یا اہلِ ایمان کو کسی فتح و نصرت سے ہمکنار کرنے کا کوئی اختیار میں کیسے رکھ سکتا ہوں؟ یہ تو خدائی صفت اور اسی کی شانِ الوہیت کا اختصاص و امتیاز ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- میں نے اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا ہی کب ہے جو تم لوگ مجھ سے اس طرح کے مطالبے کرتے اور ایسی توقعات رکھتے ہو؟ میرا منصب تو منصبِ رسالت ہے۔ اور میرا کام تو تم کو یہ بتانا ہے کہ وہ عذاب اپنے وقت پر آئے گا اور ضرور آئے گا۔ اس لئے تم لوگ اس سے بچنے کی فکر کرو تاکہ خود تمہارا بھلا ہو۔ کیونکہ جب اس کے آنے کا وقت آپہنچے گا تو نہ اس کو کوئی ٹال سکے گا اور نہ ہی وہ لمحہ بھر کے لئے آگے یا پیچھے ہو سکے گا۔ (روح، قرطبی، مدارک، جامع البیان، فتح البیان، صفوۃ التفاسیر، المراغی، المنار، اور ابنِ کثیر وغیرہ وغیرہ)۔ مگر افسوس کہ اس طرح کی صاف و صریح نصوص و ہدایات کے باوجود اہلِ بدعت ہیں کہ

اختیارِ کلی اور علمِ غیب کلی جیسے شرکیہ عقیدے رکھتے ہیں۔ اور جاہل کلمہ گو قبروں، مزاروں، آستانوں وغیرہ پر طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مفسر مراغی مرحوم اس موقع پر اپنی تفسیر میں عوام الناس کی انہی شرکیات پر نوحہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ اس قدر صاف وصریح ارشادِ ربانی کے باوجود لوگ ان قبروں پر چپکے بیٹھے ہیں جن کے مردے مٹی کی کتنی تہوں کے نیچے پہنچ گئے ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح وہ کتنے بڑے شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اس طرح وہ کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" اور سورۂ اخلاص کے ارشاد ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کے مقتضیٰ کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ تعجب اور افسوس ان علماء ومشائخ پر ہے جو یہ سب کچھ جاننے کے باوجود ان لوگوں کو اس شرک سے روکتے اور منع نہیں کرتے" الی آخر الکلام۔ (تفسیر المراغی)۔ اور یہ بندۂ ناچیز ان سطور کا کاتب کہتا ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر تعجب اور دکھ کی بات یہ ہے کہ علم وفضل اور مشیخت وبزرگی کے کتنے ہی دعویدار ایسے ہیں جو اپنے بھاری بھرکم جبوں قبوں اور مصنوعی رعب ودعب سے جاہلوں کے اس شرک کو طرح طرح سے تقویت دیتے اور اس طرح کی شرکیات کے لئے سندِ جواز ڈھونڈتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے لئے کہ وہ کتاب وسنت کی نصوصِ صریحہ تک میں تحریف وتاویل سے کام لیتے ہیں ۔ فالی اللّٰہ المشتکیٰ وَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو ایسے لوگ یہود ونصاریٰ کو شرما دینے والی ایسی ایسی تحریفات کا ارتکاب کرتے ہیں کہ انسان حیرت میں ڈوب کر رہ جاتا ہے کہ یہ کیسی بے باکی اور کس قدر بے خوفی ہے جس سے یہ لوگ کام لیتے ہیں۔ خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے۔ اور یہ کیسی تحریف ہے جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور پھر بھی ایسے لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے اور توحید کا دم بھرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ والی اللّٰہ المشتکیٰ وھو المستعان فی وجہ کل شر وطغیان، بکل حال من الاحوال وفی کل حین من الاحیان۔ وھو الرحیم الرحمان۔

۸۸ عذابِ الٰہی کیلئے جلدی مچانا نری حماقت۔ والعیاذ باللہ: ۔سو منکرین ومعاندین کے ضمیروں کو جھنجوڑتے ہوئے ان سے فرمایا گیا کہ بھلا تم لوگ اتنا تو سوچو کہ اگر وہ عذاب تم لوگوں پر رات یا دن کے کسی بھی حصے میں ٹوٹ پڑے تو پھر تم کیا کرو گے اور آخر کون سی چیز ہے وہ جس کے لیے تم لوگ اس طرح جلدی مچا رہے ہو؟۔ پس یہ نری حماقت اور عینِ جہالت ہے کہ انسان عذاب سے پناہ مانگنے اور اس سے بچنے کی فکر کرنے کی بجائے الٹا اس کے جلد لائے جانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ سو جب وہ آ گیا تو پھر تمہارے لئے سنبھلنے اور بچنے کا کوئی موقع کہاں رہے گا؟ وہ تو اچانک اور کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ جیسا کہ مختلف زلزلوں سیلابوں اور طوفانوں وغیرہ کی صورت میں جگہ جگہ ہوتا بھی رہتا ہے۔ سو یہ اللہ پاک کی کتنی عظیم الشان رحمت اور عنایت ہے کہ وہ تم کو اس طرح پیشگی اس سے خبردار کر رہا ہے تاکہ تم دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کو صدقِ دل سے اپنا کر اس سے بچاؤ کا سامان کر سکو۔ قبل اس سے وہ اچانک تم پر آ پہنچے اور فرصتِ عمل تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے اور تم دائمی خسارے میں مبتلا ہو جاؤ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ مگر تم لوگ ہو کہ اللہ پاک کی اس رحمت وعنایت پر اس کا شکر ادا کرنے اور اُسکے حضور دل وجان سے جھکنے کی بجائے الٹا اس کے لیے جلدی مچاتے ہو۔ سو اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کے مقابلے میں کفر وانکار سے کام لینا کتنی بڑی بے انصافی اور کس قدر ظلم وناشکری اور جہالت وحماقت ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ظلم وناشکری کے ہر شائبے سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ ؕ آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾

وہ آپڑے گا تو اسی وقت تم اس کا یقین کرو گے (اس وقت تم سے کہا جائے گا کہ) اب ایمان لاتے ہو، حالانکہ اس سے پہلے

ثُمَّ قِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ ۚ هَلۡ

تم لوگ اس کی جلدی مچایا کرتے تھے؟ پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا ہوگا کہ اب چکھو تم عذاب ہمیشہ کا،

تُجۡزَوۡنَ اِلَّا بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسۡتَنۡۢبِـُٔوۡنَكَ

تمہیں تو صرف انہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے، جو تم خود کماتے رہے تھے ف۸۹ اور پوچھتے ہیں آپ سے

اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلۡ اِىۡ وَرَبِّىۡۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕؔ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ

کہ کیا واقعی یہ حق ہے؟ تو کہو، ہاں قسم ہے میرے رب کی، یہ قطعی طور پر حق ہے، ف۹۰ اور تم

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۸۹ دینِ حق سے منہ موڑنا سراسر ظلم - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت اس طرح کہا جائے گا ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا ہوگا حق کا انکار اور کفر و شرک کا ارتکاب کر کے - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو اس وقت ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب چکھو اور چکھتے رہو تم لوگ مزہ ہمیشہ کے اس عذاب کا جس نے کبھی ختم نہیں ہونا۔ اور ان لوگوں سے مزید کہا جائے گا کہ تم کو بدلہ نہیں دیا جا رہا مگر تمہارے اپنے ہی ان اعمال کا جو تم لوگ زندگی بھر کرتے رہے تھے - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - سو دینِ حق سے منہ موڑنا ظلم ہے اپنے خالق و مالک - جل وعلا - کے حق میں، اپنے رسول رؤف و کریم کے حق میں اور خود اپنی جانوں کے حق میں۔ اور اس ظلم کے نتیجے میں ایسے لوگوں کو اس روز اُس تذلیل و تحقیر کا سامنا کرنا پڑے گا - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - جبکہ ایمان و یقین سے سرفرازی اور دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی اِتباع اور پیروی میں دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے - اللہ نصیب فرمائے اور ایسا اور اس طور پر کہ وہ مالک اس سے راضی اور خوش ہو جائے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۹۰ پیغمبر کی قوتِ ایمان و یقین کا ایک نمونہ و مظہر:- یعنی ان سے کہو کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی یہ قطعی طور پر حق ہے۔ تاکید در تاکید کے ساتھ فرمایا گیا کہ ہاں یہ قطعی طور پر حق اور صدق ہے۔ اور یہی شانِ امتیاز ہوتی ہے قوت ایمان و یقین کی۔ ورنہ محض فلسفہ و منطق کے دلائل سے ایسی قوتِ یقین کبھی حاصل نہیں ہو سکتی - فَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ شَرَّفَنَا بِنُوۡرِ الۡاِيۡمَانِ وَالۡيَقِيۡنِ بِمَحۡضِ مَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ وَهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ - فَزِدۡنَا اللّٰهُمَّ اِيۡمَانًا بِكَ وَيَقِيۡنًا وَّحُبًّا فِيۡمَا عِنۡدَكَ - وَوَفِّقۡنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرۡضٰى مِنۡ قَوۡلٍ وَّعَمَلٍ - بہرکیف اس سے پیغمبر کی قوتِ ایمان و یقین کا ایک نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے۔ سو سوال کرنے والوں کے جواب میں صرف سادہ جواب پر ہی اکتفا نہیں فرمایا گیا بلکہ ادوات تاکید اور قسم کے ساتھ مؤکد کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ ہاں یہ قطعی طور پر حق اور سچ ہے۔ اور اس نے اپنے وقت پر بہرحال آکر اور واقع ہو کر رہنا ہے۔ تب اس سے بچنے اور بھاگ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی - ﴿وَلَاتَ حِيۡنَ مَنَاصٍ﴾ - (ص:۳) - والعیاذ باللہ العظیم۔

بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوۡ اَنَّ لِكُلِّ نَفۡسٍ ظَلَمَتۡ مَا فِى

عاجز کر دینے والے نہیں ہو، و۹۱ اور اگر اس شخص کے لئے جس نے ظلم کیا ہوگا (اس روز) روئے زمین کی دولت

الۡاَرۡضِ لَافۡتَدَتۡ بِهٖ‌ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا

بھی ہو جائے، تو وہ یقیناً اس سب کو اپنے بدلے میں دے ڈالے و۹۲ اور یہ لوگ رہ رہ کر چھپا رہے ہوں گے اپنی ندامت

۹۱ اللہ کی گرفت و پکڑ سے بچنا کسی کے لیے ممکن نہیں ۔ والعیاذ باللہ :۔ سو منکرین کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ عاجز کر دینے والے نہیں ہو کہ اس عذاب کو نہ آنے دو اور اس کو روک دو۔ یا اس سے نکل بھاگو۔ بلکہ تم پوری طرح اس کی گرفت اور اس کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہو۔ وہ جب چاہے اور جیسے چاہے تم کو عذاب میں دھر لے۔ اس لئے عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ اس عذاب کے لئے جلدی مچانے اور اس کی تکذیب و استہزاء کی بجائے اس سے بچنے کی فکر کرو جسمیں خود تمہارا اپنا بھلا ہے کہ اللہ کا عذاب آجانے کے بعد پھر کبھی نہیں ٹلتا ﴿اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ (نوح:۴) سو مجنون اور دیوانے وہ لوگ نہیں جو قطعی عذاب کے آنے سے پہلے اس سے خبردار کرتے ہیں تا کہ جس نے بچنا ہو بچ جائے بلکہ مجنون اور دیوانے دراصل وہ لوگ ہیں جو ان کو جھٹلاتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اس ہولناک انجام کی طرف بڑھے جا رہے ہیں جس سے گلو خلاصی کی پھر کوئی صورت ان کے لیے ممکن نہ ہو گی جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ مگر وہ اپنی بدبختی کی بناء پر اپنے اِس جنون اور دیوانگی سے آگاہ نہیں اور اس طرح وہ مسلسل اور لگاتار اپنے اس انتہائی ہولناک انجام کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں' جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔

۹۲ عذابِ آخرت کی ہولناکی کا ایک مظہر و نمونہ :۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت اگر ان ظالموں میں سے کسی کو پوری روئے زمین کی دولت بھی مل جائے تو وہ یقیناً اس سب کو اپنے بدلے میں دے دے تا کہ وہاں کے اس ہولناک عذاب سے بچ سکے مگر اس کا موقع کہاں؟ کہ اس کا وقت تو بہرحال گزر چکا ہوگا جو کہ فرصتِ عمر کی شکل میں اس واہبِ مطلق کی طرف سے اس دنیا میں ایسے لوگوں کو ملا ہوا تھا اور اس کو انہوں نے بار بار اور طرح طرح کی تنبیہ و ترغیب کے باوجود ضائع کر دیا۔ اور اب اس نے کبھی بھی اور کسی بھی طور پر واپس نہیں ملنا۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو یہاں سے اس بات کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حیاتِ دنیا کی صورت میں فرصت و فراغت کی جو نعمت و دولت آج ہمیں میسر ہے یہ کس قدر عظیم الشان دولت اور کتنی بڑی نعمت ہے جس سے قدرت نے ہمیں نوازا ہے۔ کہ اس میں ہر طرح کی نیکی کرنے اور آخرت کے لئے ہر قسم کی کمائی کا موقع موجود ہے۔ اور ایسا کہ یہاں پر اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کے لئے دیا جانے والا کھجور کے ایک دانے کے برابر کا صدقہ بھی قابلِ قبول اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔ جبکہ وہاں پر روئے زمین کی ساری دولت بھی اگر بالفرض دی جائے تو بھی قبول نہ ہوگی۔ سو عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کی اس فرصت کے ایک ایک لمحے کو اسکی رضا میں خرچ کیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ تعالیٰ حیاتِ مستعار کے ایک ایک لمحے کو اپنی رضا کے لیے صرف کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

رَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا

(و پشیمانی) کو، جب یہ دیکھیں گے اس (ہولناک) عذاب کو ۹۳ اور فیصلہ چکا دیا جائے گا ان کے درمیان (پورے عدل و

یُظۡلَمُوۡنَ ۝۵۴ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ

انصاف کے ساتھ، اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، آگاہ رہو (اے لوگو!) کہ قطعی طور پر اللہ ہی کے لئے ہے وہ سب کچھ جو کہ

اَلَاۤ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا

آسمانوں اور زمین میں ہے، ۹۴ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ قطعی طور پر سچا ہے لیکن اکثر لوگ

۹۳ ظالموں کی طرف سے ندامت کو چھپانے کی ناکام کوشش: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز جب یہ لوگ اس ہولناک عذاب کو دیکھیں گے تو وہ اپنی ندامت و پشیمانی کو چھپا رہے ہونگے تا کہ مزید رسوائی سے بچ سکیں اور نقصان مایہ کے ساتھ شماتتِ ہمسایہ کا شکار نہ بنیں۔ مگر اس قدر سخت ذلت اور اتنی ہولناک ندامت کو چھپا لینا ان کے بس میں کیونکر ہو سکے گا؟ چھپانے کی ہزار کوشش کے باوجود بھی ان کے منہ سے اس طرح کی حسرت بھری آہیں پھوٹ پڑیں گی ﴿ یٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ ﴾ (الزمر: ۵۶) - وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم - سو قرآنِ حکیم کا دنیا پر یہ کس قدر بڑا احسان ہے کہ اس نے عالمِ آخرت کے ان عظیم الشان غیبی حقائق کو اس صراحت و وضاحت کے ساتھ آشکارا فرما دیا جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں ہوسکتا تا کہ انسان اسکی روشنی میں اپنی راہ متعین کر سکے اور کل وہ یوں نہ کہہ سکے کہ مجھے خبر نہیں تھی۔ اور اس طرح جس نے جینا ہو وہ حق و ہدایت کی روشنی میں جئے اور جس نے مرنا ہو وہ اسکی روشنی میں مرے۔ مگر غفلت کے مارے اس حقیقت کو جاننے و ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ والعیاذ باللہ۔

۹۴ کائنات میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کیلئے ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خلق و پیدائش کے اعتبار سے بھی اور ملکیت و مالکیت کے اعتبار سے بھی اور تصرف و حکومت کے لحاظ سے بھی کہ اس سارے کون و مکان اور کارخانۂ ہست و بود کا خالق و مالک بھی تنہا وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور اسمیں حاکم و متصرف بھی وہی ہے۔ پس نہ اس کی خلق و ایجاد میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہے اور نہ اسکے حکم و تصرف میں۔ اس لئے وہ جو چاہے کرے۔ کسی کو جو سزا و جزاء چاہے دے۔ نہ اس کے لئے کوئی بات مشکل ہے اور نہ کوئی رکاوٹ۔ ﴿ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴾ - لیکن چونکہ وہ حکیم بھی ہے اس لیے اس کا ہر حکم و تصرف اور ہر امر و ارشاد حکمتِ کاملہ پر مبنی ہوتا ہے اور اس قدر اور اس حد تک کہ اس کا کوئی متبادل ممکن ہی نہیں۔ اور اس قدر کہ اسکی خلاف ورزی باعثِ خرابی و فساد ہے اور اسکی مقرر فرمودہ حدود کی پابندی ہی میں صلاح و فلاح اور سب کا بھلا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر موقع پر اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۵۶﴾

جانتے نہیں وہ ۹۵ وہی زندگی بخشتا ہے، اور اسی کی (صفت و) شان ہے موت دینا، اور اسی کی طرف لوٹایا جائے گا تم سب کو وہ ۹۶

۹۵ اکثر لوگ جاہل - والعیاذُ باللہ : - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید و تنبیہ کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ آگاہ رہو [اے لوگو] کہ اللہ کا وعدہ قطعی طور پر سچا ہے۔ لیکن حق اور حقیقت کو اور اپنے مآل و انجام کو اور راہِ حق و صواب اور فوز و فلاح کو اپنی غفلت اور کوتاہ نظری کے باعث۔ سو نہ تو وہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کی بات کو مانتے ہیں۔ پس غفلت و لاپرواہی بیماریوں کی بیماری اور محرومی و شر و فساد کی جڑ بنیاد ہے - وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ - یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ عوام کی اکثریت کی رائے حق و ہدایت کے فیصلہ کیلئے اساس اور معیار نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ مغربی جمہوریت کے پرستاروں کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور جیسا کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے کہ عوام کی اکثریت ہمیشہ ان پڑھ، جاہل، فاسق و فاجر اور ایمان و یقین کی دولت سے محروم لوگوں ہی کی ہوگی۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہر قسم کی جہالت سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور نور علم و آگہی سے منور و مالا مال فرمائے - اور ہمیشہ راہِ حق و صواب پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔ یا ربَّ العالمین۔

۹۶ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف : - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے اور اسی کے حضور لوٹایا جائے گا تم سب کو اے لوگو۔ تاکہ اسکے یہاں پہنچ کر تم اپنی زندگی بھر کے اپنے کئے کرائے کا بھرپور صلہ و بدلہ پا سکو۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہوسکیں۔ سو تم چاہو یا نہ چاہو، مانو یا نہ مانو، ایسے بہرحال ہو کر رہے گا۔ ﴿تُرۡجَعُوۡنَ﴾ کے اس لفظ سے کئی اہم حقیقتیں واضح ہوجاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ تم لوگ آئے اسی کے یہاں سے۔ اس لیے تم نے لوٹ کر جانا بھی اسی کے حضور ہے۔ کیونکہ رجوع کے معنی لوٹنے کے آتے ہیں۔ اور لوٹنا وہیں ہونا ہے جہاں سے کوئی آیا ہو۔ دوسری اہم حقیقت یہ واضح ہوجاتی ہے کہ تم لوگ چاہو یا نہ چاہو تمہیں بہرحال لوٹ کر اسکے حضور پہنچنا ہے۔ کیونکہ یہاں ﴿تُرۡجَعُوۡنَ﴾ مجہول کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اور تیسری اہم حقیقت اس سے یہ واضح ہوجاتی ہے کہ تمہارے معاملات آج بھی اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ اور ہوتا وہی ہے جو اس وحدہٗ لاشریک کو منظور ہوتا ہے۔ اور کل بھی اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے - سبحانہٗ و تعالیٰ - اور یہ اس لیے کہ یہاں ﴿تُرۡجَعُوۡنَ﴾ کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے جو کہ حال اور مستقبل دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ تم لوگوں نے جو از خود مختلف ناموں سے طرح طرح کے شرکاء اور شفعاء اور سفارشی گھڑ رکھے ہیں ان میں سے کوئی بھی تمہیں کام نہیں آسکے گا کہ ان فرضی اور وہمی چیزوں کا نہ کوئی وجود ہے نہ ثبوت۔ پس تم سب نے لوٹ کر بہرحال اسی خالق و مالک کے حضور پہنچنا ہے جو کہ سب کا خالق اور مالک حقیقی ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰهِ مَوۡلٰهُمُ الۡحَقِّ وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ﴾ (یونس: ۳۰) - اللہ تعالیٰ اس روز کی سرخروئی سے نوازے - اور ہر موقع و مقام پر اپنی خاص رحمت و عنایت کا معاملہ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو! بلاشبہ پہنچ چکی تمہارے پاس ایک عظیم الشان ؂۹۷ نصیحت تمہارے رب کی جانب سے،

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور شفاء دلوں کی بیماریوں کی ؂۹۸ اور سراسر ہدایت، اور عین رحمت،

۹۷ قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثال نصیحت:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک آ چکی تم لوگوں کے پاس ایک عظیم الشان نصیحت تمہارے رب کی جانب سے۔ ایسی عظیم الشان کہ اس کی عظمتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ ایسی عظیم الشان کہ اس میں کسی خطاء وقصور کا کوئی خدشہ وامکان نہیں۔ ایسی عظیم الشان جو کہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و بہرہ ور کرنے والی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهَا وَبِالْاِیْمَانِ بِهَا۔ اللہ اسکی قدر پہچاننے اور اس کا حق ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ بہرکیف اس میں سب لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تمہارے پاس ایک ایسی عظیم الشان نصیحت آ گئی جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اور جب وہ تمہارے رب کی طرف سے ہے تو اس میں تمہارے لیے خیر ہی خیر اور برکت ہی برکت ہے اور اس میں کسی غلطی اور قصور کا کوئی امکان نہیں ہوسکتا۔ اور وہ تمہیں ان تمام مہالک وخطرات سے آگاہ کرتی ہے جن سے لوگوں کے لیے بچنا نہایت ضروری ہے اور جنکی طرف ہدایت کے نور سے محروم لوگ آنکھیں بند کیے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان نصیحت سے پوری طرح استفادہ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۹۸ قرآنِ حکیم دلوں کی بیماریوں کی شفاء:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ شفاء ہے دلوں کی بیماریوں کی۔ کفر وشرک، الحاد وبے دینی، شک وریب اور شقاق ونفاق کی ان مہلک اور تباہ کن بیماریوں کے لئے شفاء، جو کہ ہلاکت وتباہی کے نہایت ہولناک اور گہرے گڑھوں میں پھینک دینے والی بیماریاں ہیں۔ اشخاص وافراد کو بھی اور قوموں اور ملکوں کو بھی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور جن کی خطورت وسنگینی اور تباہی وبربادی کے علم وادراک اور ان کے لئے دواء وعلاج کا مادہ پرست انسان کے پاس نہ آج تک کوئی ذریعہ اور (Source) و ماخذ موجود ہے اور نہ قیامت تک کبھی ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ وحیِ خداوندی کے اس چشمۂ صافی سے منہ موڑ کر محض اپنی قوتِ عقل وفکر اور مادی ترقی کے بل بوتے پر اس کا کوئی انتظام کر سکے کہ اس چیز کا تعلق دائرہ عقل وفکر سے نہیں۔ عالمِ بالا سے ہے۔ سو انسان مادی ترقی میں جتنا بھی آگے بڑھ جائے وہ نہ صرف یہ کہ نورِ وحی اور ہدایتِ خداوندی سے بے نیاز نہیں ہوسکتا بلکہ اصل اور حقیقت کے اعتبار سے وہ اس کا اور بھی زیادہ ضرورت مند اور محتاج ہوتا جاتا ہے۔ ورنہ وہ دلوں کی ایسی مہلک بیماریوں کے باعث تمام انسانی اوصاف وخصال کھو کر مختوم القلب اور حیوانِ محض بلکہ بدترین مخلوق "شر البریہ" بن کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو قرآنِ حکیم کے اس نسخۂ کیمیا میں ایسی تمام تباہ کن بیماریوں کا علاج اور ان سے شفاء موجود ہے۔ سو اس سے منہ موڑنا اور اعراض وروگردانی برتنا کتنی بڑی محرومی اور کس قدر بدبختی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ

ایمان والوں کے لئے، ف۹۹ (ان سے) کہو کہ اللہ کے اس فضل اور اس کی رحمت پر خوش

فَلْيَفْرَحُوْاؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

ہونا چاہیئے ان لوگوں کو، کہ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں ف۱۰۰ (ان سے) پوچھو کہ بھلا یہ تو

۹۹ قرآنِ حکیم سراسر ہدایت اور عین رحمت ہے ایمان والوں کے لیے:- سواس سے واضح فرمادیا گیا کہ ہدایتِ قرآن سے استفادہ کی اولین شرط ایمان ویقین ہے۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ یہ کتاب حکیم دلوں کی بیماریوں کے لیے شفاء سراسر ہدایت اور عین رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔ سواس سے واضح ہوجاتا ہے کہ قرآنِ حکیم کے اس چشمۂ فیض اور نورِ ہدایت سے مستفید و فیضیاب ہونے کے لئے اولین اساس اور بنیادی شرط اس پر ایمان و یقین ہے۔ اور یہ ایک طبعی امر اور بدیہی حقیقت ہے کہ شفاخانے میں ہر بیماری کے علاج اور اس سے شفاء حاصل کرنے کا سامان موجود ہوتا ہے مگر فائدہ بہرحال اسی کو پہنچ سکتا ہے جو دوا کو نفع بخش سمجھ کر حسبِ ہدایت استعمال کرے۔ سو جو دوا کی اہمیت وافادیت کو تسلیم ہی نہ کرے اور اس کو استعمال ہی نہ کرے اسکو اس کا فائدہ کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ پس جو لوگ اس کتابِ حکیم پر ایمان رکھتے ہیں یا ایمان رکھنا چاہتے ہیں ان کے لیے یہ سراسر ہدایت اور عینِ رحمت ہے اور اس کے برعکس جو اس پر ایمان رکھنا چاہتے ہی نہیں ان کے لیے یہ محرومی پر محرومی اور "رجساً علیٰ رجسٍ" کا باعث بن جاتی ہے۔ سو انسان کے بناؤ بگاڑ اور صحت وفساد کا اصل دار و مدار اس کے قلب و باطن اور اس کے اپنے ارادہ ونیت پر ہے جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہ گزرا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ مایحب ویرید۔

۱۰۰ نعمتِ ہدایت متاعِ دنیا سے کہیں بڑھ کر نعمت:- سوارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اللہ کے اس فضل اور اسکی رحمت پر خوش ہونا چاہیے ان لوگوں کو کہ یہ کہیں بہتر ہے اس سے جس کو یہ جمع کرنے اور جوڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یعنی متاعِ دنیا کا حطامِ فانی وزائل کہ وہ بہرحال عارضی اور فانی و چندروزہ ہے۔ جبکہ حق وہدایت کا یہ نور اور ایمان ویقین کی یہ دولت اس دنیائے فانی کے بعد آنے والے آخرت کے اس عالمِ جاودانی میں بھی کام آنے والی چیز ہے۔ تو اس کی عظمت کے کیا کہنے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہ۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ ﴿قل بفضل اللہ﴾ الخ کی ترکیب وتقدیر میں کئی اقوال واحتمال ہیں جن میں سب سے بہتر اور دل لگتا قول واحتمال یہ ہے کہ اس میں "جآء" مقدر مانا جائے۔ سو تقدیرِ کلام اس طرح ہوجائے گی "قل بفضل اللہ وبرحمتہ جاء" یعنی "ان سے کہو کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے فضل اور بے پایاں رحمت کو لے کر نازل ہوا ہے"۔ پس جن کو خوش ہونا ہے وہ اللہ کے اس فضلِ بے کراں اور رحمتِ بے نہایت پر خوش ہوں اور اسی کو اختیار کریں کہ یہ ان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور وہمکنار کرے گی۔ سو یہ متاعِ دنیا کے ان خزف ریزوں سے کہیں بڑھکر ہے جن کو جوڑنے اور جمع کرنے میں ابنائے دنیا اور پرستارانِ مادہ ومعدہ محو ومنہمک ہیں کہ وہ سب کچھ فانی، وقتی اور زائل ہے۔ جبکہ اصل دولت اور دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرخرو وسرفراز کرنے والی دولت یہی دولتِ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر مستقیم وگامزن رکھے اور خدمتِ قرآن میں محو ومنہمک رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ

بتاؤ کہ اللہ کے اتارے ہوئے رزق میں سے تم لوگ جو از خود کچھ کو حلال

حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى

ٹھہراتے ہو، اور کچھ کو حرام، ۱۰۱ تو کیا تم لوگوں کو اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم یونہی

اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ

اللہ پر جھوٹا افتراء باندھتے ہو؟ ۱۰۲ اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا قیامت کے بارے میں،

۱۰۱ تحلیل وتحریم کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ تم لوگ جو اللہ کے بخشے ہوئے رزق میں سے کچھ کو از خود حلال اور کچھ کو حرام قرار دیتے ہو۔ تو کیا تم کو اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم لوگ یونہی اللہ پر افتراء باندھتے ہو؟ جیسا کہ "بحیرہ"، "سائبہ" اور "وصیلہ" وغیرہ کے کئی من گھڑت ناموں سے کئی حلال چیزوں کو تم لوگوں نے حرام اور اس کے مقابلے میں دوسری کئی ممنوع اور حرام چیزوں کو از خود حلال قرار دے رکھا ہے۔ افسوس کہ آج کتنے ہی کلمہ گو مشرک بھی ایسے ہیں جو غیر اللہ کی نذرو نیاز وغیرہ کے کئی ناموں سے حلال چیزوں کو اپنے لیے حرام قرار دیتے ہیں اور اس کے برعکس کئی حرام چیزوں کو، خاص کر دوسروں کے مال و دولت کو طرح طرح کی خود ساختہ رسموں، رواجوں اور بے بنیاد حیلے بہانوں سے حلال ٹھہراتے ہیں ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ بلکہ غیر اللہ کے خوف کے جال میں ان کو طرح طرح سے پھنسا اور الجھا کر ان سے کئی طرح کی شرکیات کا ارتکاب کراتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر تم نے فلاں بزرگ سے سوکھی لکڑی اٹھالی تو تم مارے گئے۔ یا یہ کہ اگر تم نے فلاں قبر پر چادر نہ چڑھائی یا ڈالی نہ پیش کی تو وہ قبر والے تمہارا یہ اور یہ نقصان کر دیں گے۔ یا مثلاً یہ کہ اگر تم نے گیارہویں نہ دی تو پیر صاحب تمہاری بھینس کو مار دیں گے اور تم کو یہ اور یہ نقصان پہنچا دیں گے وغیرہ وغیرہ ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ سو تحریم وتحلیل کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہوسکتا ۔ سبحانہ وتعالیٰ ۔

۱۰۲ از خود کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ پر افتراء باندھنا ہے ۔ والعیاذ باللہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگوں کو اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم لوگ یونہی اللہ پر افتراء باندھتے ہو؟ ۔ کہ بغیر سند کے از خود کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا افتراء علی اللہ ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ شرعی سند اور دلیل کے بغیر از خود کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا یا اس کے برعکس کسی حرام کو حلال سمجھنا، اللہ پاک پر افتراء باندھنا ہے جو بہت بڑا جرم اور سخت گناہ ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اور جو لوگ اس سنگین جرم و گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اپنے لیے بڑے ہی ہولناک انجام کا سامان کرتے ہیں ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ سو ﴿ اَرَأَيْتُمْ ﴾ کے صیغۂ خطاب سے ان لوگوں کے دامن فکر کو جھنجھوڑا گیا ہے اور ان کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ بھلا تم لوگ اپنے اس طرز عمل کے بارے میں سوچو اور اس پر غور تو کرو کہ اس طرح کر کے تم لوگ کس قدر احمقانہ اور کیسی مجرمانہ حرکت کا ارتکاب کر رہے ہو کہ رزق و روزی تو اتاری اللہ نے اور محض اپنے فضل و کرم سے اتاری اور اپنی مخلوق کی رزق رسانی کے لیے اتاری۔ مگر تم لوگ ہو کہ از خود اور اپنے طور پر اس میں سے کچھ کو حلال اور کچھ کو حرام قرار دیتے ہو۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر قسم سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے ۔ آمین ثم آمین ۔

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ

جو اللہ پر جھوٹ موٹ افتراء باندھتے ہیں؟ و۱۰۳ بے شک اللہ بڑا ہی

فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝٦٠ ع ۷ ۱۱

مہربان ہے لوگوں پر، و۱۰۴ لیکن لوگ ہیں کہ ان کی اکثریت شکرادا نہیں کرتی، و۱۰۵

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ

اور آپ جس حال میں بھی ہوں، یا کچھ قرآن پڑھ

قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ

رہے ہوں، اور تم سب لوگ جو بھی کوئی کام کرتے ہو، جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو،

شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ

اس سب کے دوران، ہم تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں، اور تمہارے رب سے

رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

ذرہ برابر کوئی چیز پوشیدہ نہیں، نہ زمین (کی تہوں) میں، اور نہ آسمان (کی

السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا

بلندیوں) میں، اور نہ ہی اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی، مگر

فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٦١ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا

(یہ سب کچھ ثبت ہے) ایک کھلی کتاب میں و۱۰۶ آگاہ رہو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦٢ ۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کوئی خوف ہوتا ہے، اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں، و۱۰۷ وہ جو ایمان لائے

۱۰۳ اللہ پر افتراء باندھنے والوں کی پکڑ لازمی ہوگی:۔سو کیا خیال ہے ایسے افتراء پردازوں کا۔ کیا ایسے ایسے جرائم

پر ان کی وہاں پر کوئی باز پرس نہ ہوگی؟ اور ان کو اپنے کیے کا کوئی بھگتان بھگتنا نہ پڑے گا؟ سو اس طرح کیسے اور کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایسوں کی کوئی گرفت و پکڑ نہ ہو کہ یہ اسکے قانونِ عدل وحکمت کیخلاف ہے۔ پس ایسوں کی باز پرس لازماً ہوگی۔ یہاں پر یہ اسلوبِ کلام بھی ملاحظہ ہو کہ یہاں پر سوال کرنے کے بعد اس کا جواب دیے بغیر بات کو ختم فرمادیا گیا جو کہ متکلم کے انتہائی غضب کی دلیل ہے۔ مطلب یہ کہ کیا ان شامت زدہ لوگوں نے اپنے اس جرم کو کوئی معمولی جرم سمجھ رکھا ہے؟ اور یہ اس سے اس طرح بےفکر ہوکر بیٹھے ہیں۔ سو قیامت کا روزِ حساب آنے پر ان کو پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے کس قدر سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا اور ان کو اسکی کیسی ہولناک سزا ملتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۰۴ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی تذکیر و یاددہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بےشک اللہ بڑا ہی مہربان ہے لوگوں پر۔ اور یہ اس کی بےنہایت رحمت وعنایت اور مہربانی ہی کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو بےحد وحساب ظاہری نعمتوں کے علاوہ ہدایت و وحی کی اس عظیم الشان معنوی دولت اور روحانی نعمت سے بھی نوازا اور سرفراز فرمایا ہے، جو دوسری تمام نعمتوں سے بڑھ کر اور دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن ہے۔ اور پھر ناشکرے انسان کی طرف سے ہر طرح کی بےقدری اور ناشکری کے باوجود وہ اس کو مہلت پر مہلت بھی دیے جارہا ہے۔ فَسُبْحَانَ الَّذِيْ لَا حَدَّ لِفَضْلِهٖ وَلَا نِهَايَةَ لِحِلْمِهٖ وَاِحْسَانِهٖ۔ سو اگر اسکی یہ شانِ حلم وکرم اور رحمت وعنایت نہ ہوتی اور وہ لوگوں کو ان کے کیے کرائے پر فوری پکڑنے لگتا تو کسی بھی نفس کو روئے زمین پر باقی نہ چھوڑتا۔ سو ہمیشہ اس کی رحمت وعنایت کی امید رکھنی چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۰۵ لوگوں کی اکثریت ناشکروں کی۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو اس سے تصریح فرمائی گئی کہ اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ سو لوگوں کی اکثریت اپنے خالق و مالک کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتی اور اس وحدہٗ لاشریک کے حضور جھکنے اور صدقِ دل سے اُس کی اطاعت و فرمانبرداری کی بجائے اس کے احکام وارشادات کی طرح طرح سے مخالفت و نافرمانی کرتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ سر سے پاؤں تک اس کی گوناگوں رحمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ظاہری اور باطنی ہر طرح کی نعمتوں میں۔ والعیاذ باللہ۔ یہاں سے پھر اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ عوام کی اکثریت کا کسی طرف ہوجانا اسکے حق اور صدق ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ جیسا کہ مغربی جمہوریت کے علمبرداروں کا کہنا ہے، اور جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ماننا ہے۔ کیونکہ عوام کی اکثریت بہرحال غلط کاروں ہی کی رہی۔ پہلے بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ کہ انکی اکثریت ناشکروں، ناقدروں اور بےانصافوں ہی کی رہی ہے اور شکرگزار، قدرداں اور عدل وانصاف والے لوگ ہمیشہ کم ہی رہے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۱۰۶ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ زمین وآسمان کی اس کائنات کی کوئی بھی چیز اور لوگوں کی کوئی بھی حالت ایسی نہیں جو ایک کھلی کتاب میں ثبت ومندرج نہ ہو۔ سو تمہارا ہر عمل اللہ کے سامنے ہے کہ اس کا علم سب پر محیط ہے اور اس کائنات کی ذرہ برابر کوئی چیز بھی تمہارے رب سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ یعنی دائرۂ وجود و امکان اور احاطۂ کون ومکان کی کوئی بھی چیز کسی بھی حال میں اس کے علم سے باہر نہیں ہوسکتی۔ سبحان اللہ! کیسی عظمت والی ہے وہ ذاتِ اقدس واعلیٰ پاک اور کس قدر بلند وبالا اور پاکیزہ ہے اس کی شان مگر اس کے باوجود آج کا جاہل مسلمان اس

کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے اس کی بارگہِ اقدس تک رسائی کے لئے عاجز مخلوق کے خود ساختہ اور من گھڑت واسطے اور وسیلے ڈھونڈتا اور ان کو ضروری قرار دیتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور کہتا ہے کہ جس طرح تم دنیاوی حاکموں کے پاس براہِ راست اور خود نہیں پہنچ سکتے اور اگر پہنچ بھی جاؤ تو تمہاری کوئی شنوائی اور پذیرائی نہیں ہوتی بلکہ تم وسیلہ پکڑنے پر مجبور ہوتے ہو۔ اسی طرح تم اسکی بارگہِ اقدس و اعلیٰ تک اپنی بات بغیر کسی وسیلہ و واسطہ کے نہیں پہنچا سکتے۔ لہٰذا ''ہماری ان واسطوں وسیلوں کے آگے اور ان کی اس کے آگے''، ''وہ ہماری سنتا نہیں اور انکی رد نہیں کرتا'' وغیرہ وغیرہ۔ ﴿تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾۔ سو اس ارشادِ ربانی میں آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے تسکین و تسلیہ اور بشارت کا سامان ہے کہ آپ لوگ مخالفین کی مخالفتوں اور دشمنوں کی غوغہ آرائیوں کی کوئی پرواہ نہ کریں کہ آپ جہاں کہیں بھی اور جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور عبادت و اطاعت اور تذکیر و دعوت کے جس کام میں بھی مشغول و مصروف ہوتے ہیں، ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری حفاظت و نگرانی میں ہوتے ہیں۔ آسمان و زمین کی اس پوری کائنات کی کوئی بھی چیز خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی وہ ہم سے اوجھل نہیں ہو سکتی۔ یہ سب کچھ ایک کھلی کتاب میں درج اور ہماری نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ پس آپ لوگ ان مخالفین اور دشمنوں کی کوئی پرواہ مت کریں بلکہ پوری دل جمعی اور یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیں اور راہِ حق و صدق پر مستقیم و ثابت قدم رہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔ اور دوسری طرف اس ارشاد میں منکرین و مکذبین اور مستکبرین و ظالمین کے لیے تنبیہ و تہدید بھی ہے کہ تم لوگ حق اور اہلِ حق کے خلاف جو کچھ کرتے ہو وہ ہم سے مخفی نہیں۔ تمہارا ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ سو تم لوگوں کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا۔ پس تم اپنے بارے میں خود سوچ لو اور اپنے حال اور مآل کا جائزہ خود لے لو قبل اس سے کہ فرصتِ حیات تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم لوگوں کو ہمیشہ ہمیش کے ہولناک خسارے میں مبتلا ہونا پڑے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۰۷ **اللہ کے ولیوں پر نہ کوئی خوف اور نہ کوئی غم و اندوہ:۔** یعنی نہ گزشتہ پر انکو کوئی غم اور نہ مستقبل کے بارے میں کوئی خوف۔ اگرچہ ایسے پاکیزہ نفوس اور خوش نصیب حضرات کی اس دنیا میں بھی یہی شان ہوتی ہے کہ نہ ان کو ماضی کے بارے میں کوئی حزن و ملال ہوتا ہے اور نہ آئندہ کے بارے میں کوئی فکر و اندیشہ۔ بلکہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں مطمئن اور اپنے خالق و مالک کی رضا پر راضی رہتے ہیں کہ انہوں نے صدقِ دل سے اپنا سارا معاملہ اللہ پاک ہی کے حوالے کر رکھا ہوتا ہے، جس سے وہ سکون و اطمینان کی ایسی دولت سے سرشار و مالا مال ہوتے ہیں، کہ دوسرے کسی کے لئے اس کو سمجھنا اور جاننا ہی ممکن نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بعض اَسلافِ کرام سے مروی و منقول ہے کہ اگر ہمارے اس سکون و اطمینان کا پتہ دنیاوی بادشاہوں کو لگ جائے تو وہ ہمارے خلاف تلواریں سونت لیں ''لَجَالَدُوْنَا بِالسُّيُوْفِ'' سو سکون و اطمینان کی اس دولت سے یہ اللہ والے اگرچہ اس دنیا میں بھی سرشار ہوتے ہیں لیکن اس کا کامل ظہور آخرت کے اُس جہاں میں اُس وقت ہوگا جب کہ ان کو ابدی کامیابی اور دائمی سعادت کی خوشخبری سے نوازا جائے گا اور جہاں ان کو ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ کے روح پرور اور کیف آور مژدوں سے سرفرازی نصیب ہو گی۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ بِمَحْضِ مَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ سو ایمان و یقین کی دولت جو کہ ولایتِ خداوندی کی اولین اساس اور اصل بنیاد ہے، پوری کائنات کی سب سے بڑی دولت ہے۔ بس اسی کے حصول کو اولین مقصد بنانا چاہیے۔ وباللہ التوفیق۔

وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور وہ پرہیز گاری کو اپنائے رکھتے ہیں، و۱۰۸ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیاوی زندگی میں بھی،

وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ

اور آخرت میں بھی، و۱۰۹ کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اللہ کی باتوں (اور اس کے وعدوں) میں، و۱۱۰ یہی ہے

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ

وقف لازم

بڑی کامیابی، و۱۱۱ اور غم میں نہ ڈالنے پائیں آپ کو (اے پیغمبر) ان لوگوں کی (یہ کفریہ) باتیں،

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾

بے شک عزت (اور غلبہ) سب اللہ ہی کے لئے ہے، و۱۱۲ وہی ہے سنتا (ہر کسی کی،) جانتا (سب کچھ)، و۱۱۳

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ

آ گاہ رہو کہ اللہ ہی کے ہیں وہ سب جو کہ آسمانوں میں ہیں، اور وہ سب بھی جو کہ زمین میں ہیں، و۱۱۴

۱۰۸ اللہ کے ولی کون ہوتے ہیں؟:- سو اولیاء اللہ کی تعریف میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو ایمان رکھتے ہیں اور تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں- سبحان اللہ- اولیاء اللہ کی ایجاز و اختصار کے ساتھ کس قدر جامع و مانع تعریف فرما دی گئی اور صاف وصریح طور پر بتا اور بیان فرما دیا گیا کہ یہ وہ حضرات ہوتے ہیں جو ایمان و یقین اور تقویٰ و پرہیز گاری کی دولت سے سرشار و مالا مال ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں۔ پس اولیاء اللہ نہ تو کسی خاص قوم، قبیلہ، طائفہ، گروہ اور نسل و خاندان کا نام ہوتا ہے اور نہ کسی خاص بناوٹ اور ظاہرداری کا۔ جیسا کہ ہمارے عرف اور معاشرے میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ جو بھی مومنِ صادق اپنے ایمان وعقیدہ میں اور اپنے تقویٰ و پرہیز گاری میں سچا اور راست باز ہوگا وہ اللہ پاک کی ولایت کے شرف سے مشرف و سرشار ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا گیا ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور ایمان و تقویٰ میں وہ جس قدر بڑھتا اور ترقی کرتا جائے گا اسی قدر وہ درجاتِ ولایت میں آگے بڑھتا اور ترقی کرتا چلا جائے گا۔ سو یہ ہے سیدھا سادا مطلب و مفہوم ولایت اور اولیاء اللہ کا، جو کہ عقل و فطرت کے عین مطابق اور نصوصِ قرآن و سنت کے مفہوم و مدعا کا صریح و واضح مقتضیٰ ہے۔ اور اسی کی تائید و تصدیق حضرات انبیائے کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- اور خاص کر امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- اور آپ کے صحابۂ کرام- علیہم الرحمۃ والرضوان- اور ان کے تابعین اور اَتباعِ تابعین کے اُسوۂ حسنہ سے بھی ہوتی ہے۔ سو ہمارے ملک و معاشرے میں ولایت اور اولیاء اللہ کے مفہوم و مدعا کے ساتھ جو غیر ضروری تصورات نتھی کر دیئے گئے ہیں وہ تمام تر نتیجہ ہے دینی تعلیمات سے غفلت و بے خبری اور جہالت

کا۔ اور اِتباعِ ھویٰ اور خواہشاتِ نفس کی پیروی وغیرہ دوسرے مختلف عوامل و اسباب کا۔ ورنہ اصل معاملہ بالکل واضح اور صاف ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّزَيْغٍ وَّمَزِلَّةٍ وَّانْحِرَافٍ۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْوَهَّابُ

۱۰۹ اللہ کے ولیوں کیلئے دنیا و آخرت کی خوشخبری: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لیے خوشخبری ہے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی کہ دنیا میں ان کو راہِ حق پر ثابت قدمی اور اللہ پاک کی طرف سے تائید و نصرت شامل اور حاصل رہے گی۔ رؤیائے صالحہ کے ذریعے ان کو تائید و تقویت ملتی رہے گی۔ سکون و اطمینان کی دولت سے وہ سرشار رہیں گے۔ ہر مشکل اور مصیبت کے موقع پر۔ نیز دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرشتے ان کو خوشخبری دے رہے ہوں گے کہ تم کو خوشخبری ہو اس جنت اور اس کی سدا بہار نعمتوں کی جس کا وعدہ تم سے تمہارے رب کی جانب سے کیا جاتا رہا ہے ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى﴾ "ان کے لئے خوشخبری ہے" کا عموم ان سب ہی خوشیوں اور خوشخبریوں کو شامل ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو ایمان و یقین کی دولت ایسی عظیم الشان اور بے مثال دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرتی ہے اور اسکو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ بہرکیف یہاں پر مُبَشَّر بِہٖ بیان نہیں فرمایا گیا۔ یعنی یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کے لیے کس چیز کی خوشخبری ہے۔ سو اس سے عموم و شمول کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی اور کامیابی کی بشارت ہے کہ دنیا میں ان کو سکون و اطمینان وغیرہ کی ان نعمتوں سے بھی نوازا جاتا ہے جن کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے۔ نیز ان کو نصرتِ خداوندی اور فتح سے بھی نوازا جاتا ہے۔ ان کو ہر معاملے میں حسنِ خاتمہ اور خلافتِ ارضی کا شرف بھی نصیب ہوتا ہے۔ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو قائم کرنے اور اسکی سنن و قوانین کی اِتباع و پیروی میں لگے رہتے ہیں (تفسیر المنار، محاسن التاویل، فتح القدیر، جامع البیان اور روح المعانی وغیرہ)۔ جبکہ آخرت میں ان کو جنت کی من چاہی زندگی اور وہاں کی سدا بہار نعیم مقیم سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ اور یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی جس جیسی دوسری کوئی کامیابی نہیں ہوسکتی۔ سو یہ ہے اولیاء اللہ کی اصل حقیقت اور ان کو ملنے والے عظیم الشان انعامات کا خلاصہ۔ اس کے سوا لوگوں نے اولیاء اللہ کی تعریف اور ان کے حالات و کرامات وغیرہ کے بارے میں جو طرح طرح کے قصے پھیلا رکھے ہیں وہ سب ان لوگوں کی اپنی اختراعات اور خود ساختہ و من گھڑت افسانے ہیں۔ علامہ رشید رضا مرحوم نے اپنی شہرۂ آفاق "تفسیر المنار" میں ایسی تمام خرافات اور من گھڑت افسانوں کے بارے میں اس موقع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ جو لوگ علامہ موصوف کی اس تفصیل کو جاننا چاہیں وہ تفسیر المنار جلد ۱۱ میں صفحہ ۴۱۷ سے صفحہ ۴۵۱ دیکھ لیں۔ واللہ نسأل التوفیق والسداد لما یحب ویرضی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ فکر و عمل کی ہر کجی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ اور علامہ شام شیخ جمال الدین القاسمی الدمشقی اس موقع پر لکھتے ہیں کہ اللہ کے ولیوں کے لیے کوئی خاص قسم کا لباس نہیں ہوتا جس سے وہ دوسروں سے متمیز ہو جائیں۔ بلکہ ولایت و بزرگی کا اصل تعلق انسان کے قلب و باطن سے ہے۔ اور اس کا مدار و انحصار ایمان و تقویٰ پر ہے۔ خواہ ان کا لباس کوئی بھی ہو اور ان کی شکل و صورت کیسی ہی ہو۔ کیونکہ لباس اور ظاہری حالت اصل چیز نہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے "کم من صدیق فی قباء وکم من زندیق فی عباء" یعنی "کتنے ہی صدیق ایسے ہوتے ہیں جو گودڑی میں چھپے ہوتے ہیں اور کتنے ہی بے دین ایسے ہوتے ہیں جو بڑے بڑے جبوں میں پھر رہے ہوتے ہیں۔ سو اللہ کے ولی کسی

خاص لباس اور حلیے میں نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ لوگوں کی ہر صنف اور ہر قسم میں پائے جاتے ہیں جبکہ وہ کسی بدعت یا فسق و فجور میں ملوث نہ ہوں۔ سو وہ اہلِ قرآن اور اہلِ علم میں بھی ہوتے ہیں اور مجاہدین میں بھی۔ وہ تاجروں میں بھی ہوتے ہیں اور زمینداروں میں بھی۔ وہ کاریگروں میں بھی ہوتے ہیں اور محنت و مزدوری کرنے والوں میں بھی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر محاسن التاویل للامام القاسمی الدمشقیؒ جلد ۹ ،صفحہ ۴۸ تا ۶۴ طبع دار الفکر، بیروت، لبنان۔

۱۱۰ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی: - اس لئے ان ایماندار و متقی حضرات (اولیائے کرام) سے کئے گئے اس کے ان وعدوں میں کوئی خلاف ورزی نہیں ہوگی کہ یہ بھی اُس کے کلمات و فرامین میں سے ہیں۔ سو اُسکے وعدوں کے مطابق ان حضرات کو ان عنایات سے نوازا جائے گا جن کا وعدہ اُس مالک الملک نے ان سے فرمایا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ پس جو وعدے اس نے ایسے حضرات سے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے۔ جو بشارتیں ان کو دی گئی ہیں وہ سب حق و صدق ہیں ان سے ان کو نوازا جائے گا۔ اس طرح اللہ کا ولی دنیا و آخرت دونوں میں عنایاتِ خداوندی سے سرفراز و سرشار ہوتا ہے اور اس کا ظاہر و باطن نہ صرف اپنے لیے بلکہ دوسروں کے لیے بھی روح پرور اور حیات آفریں بن جاتا ہے اور اس کو دیکھ کر خدا یاد آنے لگتا ہے جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباس سے مروی و منقول ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۱۱ آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یہی ہے بڑی کامیابی۔ جو کہ سب سے بڑی اصل اور حقیقی کامیابی ہے اور اسی کے لئے اصل میں کوشش کرنی اور زندگی کھپانی چاہیئے ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر کامیابی ہیچ ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العٰلمین۔ سو اصل اور حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی کہ وہ دائمی و ابدی اور سدا بہار کامیابی ہے جبکہ دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی بھی عارضی فانی اور زائل ہے۔ نہ اس کامیابی نے باقی رہنا ہے اور نہ اس سے بہرہ ور و سرفراز ہونے والے انسان نے۔ اور آخرت کی وہ کامیابی ہر لحاظ سے بہتر بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی بھی ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾۔ سو جو لوگ اسکو بھول کر اور اس کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر اس دنیائے دوں ہی کے لیے جیتے اور مرتے ہیں وہ بڑے ہی خسارے میں ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۱۲ عزت اور غلبہ اللہ ہی کیلئے ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا اور ادواتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یقیناً عزت و غلبہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ پس عزت اسی کی ہے جس کو وہ عزت دے اور اس نے آپؐ کو اے پیغمبر! ان نعمتوں سے نوازا ہے۔ جو اس کی ساری مخلوق میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوسکیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی پوری مخلوق میں عزت و غلبہ دراصل آپ ہی کے لئے ہے اور آپؐ کے بعد آپؐ کے ان پیروکاروں کے لئے جو آپؐ پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوں اور آپؐ کی اتباع اور پیروی کرتے ہوں۔ ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ - اور جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے تصریح اور تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ (المجادلة: ۲۱)۔ تو ایسی صورت میں آپؐ کو ایسے محروم اور سیاہ باطن لوگوں کی آخر کیونکر کوئی پرواہ ہوسکتی ہے جو کہ آپؐ کے پیش فرمودہ پیغامِ حق و صداقت کو اپنانے کی بجائے اس کی تکذیب اور آپ کی ایذاء رسانی میں لگے ہوئے ہیں۔ پس آپؐ ان کی ان ٹامک ٹوئیوں اور ایذاء رسانیوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے خالق و مالک کے بھروسے پر دینِ حق کی تبلیغ و سربلندی کے لئے اپنا جہادِ عظیم جاری رکھیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد

فرمایا گیا- ﴿وَدَعۡ اَذٰهُمۡ وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ﴾- صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَیۡهِ- اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے کہ وہ سمیع اور علیم ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- پس دل کا بھروسہ واعتماد ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھنا چاہیے- وباللہ التوفیق-

۱۳۲ اللہ ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے:- اسی کے مطابق وہ ہر کسی کو اس کے کیے کرائے کا پورا پورا بدلہ دے گا اور عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کر کے دے گا۔ پس کوئی کبھی یہ نہ سوچے سمجھے کہ وہ اس کی پکڑ سے باہر یا اس کے علم سے خارج ہے کہ وہ سب کچھ سنتا جانتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور ہر کسی کی فکر وسعی بھی یہی ہونی چاہیئے کہ اس سمیع وعلیم رب غفور ورحیم سے میرا معاملہ ظاہر وباطن ہر اعتبار سے ہمیشہ درست اور صحیح رہے- وباللہ التوفیق- سو سمیع وعلیم کی ان دونوں صفتوں کے حوالے میں ایک طرف تو منکرین ومعاندین کے لیے تہدید اور دھمکی ہے کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی ومستور نہیں۔ وہ ان منکرین کی کافرانہ اور ایذاء رساں باتوں کو بھی سنتا ہے اور ان کے کافرانہ اعمال وافعال کو بھی دیکھتا ہے۔ سو ان چیزوں کا بھگتان ان کو بہرحال بھگتنا ہوگا۔ یہ اس سے بچ نہیں سکیں گے۔ ان کو جو ڈھیل ملی ہوئی ہے اس سے ان کو غلط فہمی میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اور دوسری طرف اس میں مومنین صادقین کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان بھی ہے کہ تم لوگ راہِ حق وصدق میں جو کچھ کہتے کرتے سنتے سناتے اور برداشت کرتے ہو وہ سب بھی اس سمیع وعلیم کے علم میں ہے۔ وہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ تمہارا کیا کرایا کچھ بھی ضائع نہیں ہوگا اور تمہیں اس سب کا پورا پورا صلہ وبدلہ ملے گا۔ پس تم مطمئن رہو- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وہو الہادی الیٰ سواء السبیل- اللہ نفس وشیطان کے ہر حملے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے- آمین۔

۱۳۳ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور اَلَا کے حرفِ تنبیہ کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ آگاہ رہو کہ اللہ ہی کے ہیں وہ سب جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ یعنی ملائکہ، انبیاء ورسل اور اولیاء وصلحاء وغیرہ سب کے سب۔ کہ یہ سب اُس کی مخلوق ومملوک ہیں نہ کہ اسکے شریک وحصہ دار۔ اور جب یہ عظیم الشان ہستیاں بھی اُس کی شریک نہیں ہوسکتیں تو اور کسی شجر وحجر اور جماد لایعقل کے اس کے شریک اور معبود ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ سو اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی بھی ہستی کی عبادت کرنا اور اس کے لئے پوجا پاٹ کے مراسم بجا لانا عقل ونقل کے تقاضوں کے خلاف اور بشریت کی توہین وتذلیل اور اس کو شرفِ انسانیت سے گرا کر قعرِ مذلت میں پہچانا اور "خَیۡرُ الۡبَرِیَّة"، "سب سے اچھی مخلوق" کے مرتبہ ومقام سے محروم کر کے "شَرُّ الۡبَرِیَّة"، "بدترین مخلوق" کے ہاوے میں دھکیلنا ہے- وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ- کہ عبادت خالق ومالک کی ہوتی ہے نہ کہ مخلوق اور مملوک کی (الجامع، المحاسن، المراغی وغیرہ) اور اس خالق ومالک کی عبادت وبندگی اس کا اس کے بندوں پر حق بھی ہے اور اسی میں اسکے بندوں کی عزت وعظمت بھی ہے اور دارین کی سعادت وسرخروئی بھی۔ کہ معبودِ برحق بہرحال وہی وحدہٗ لاشریک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور اس حقیقت کے ذکر وبیان سے پہلے یہاں پر ﴿اَلَا﴾ کا کلمۂ تنبیہ فرمایا گیا ہے کہ خبردار ہو جاؤ اور اس بات کو کان کھول کر سن لو۔ اور اگر اس بارے تم لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا تھے تو اسکی اصلاح کر لو اور اس حقیقت کو ذہن نشین کر لو کہ آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ سب کا خالق بھی وہی اور مالک بھی وہی ہے اور اس میں حکم وتصرف بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے۔ اور ان میں سے کسی بھی چیز میں اس کا شریک بننے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہر لحاظ سے یکتا اور وحدہٗ لاشریک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ

اور کاہے کی پیروی کر رہے ہیں ف۱۱۵ وہ لوگ، جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا (دوسرے خودساختہ)

شُرَكَآءَ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا

شریکوں کو، یہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر ظن (وگمان) کی، اور یہ محض انکل پچّو سے کام ف۱۱۶

يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا

لیتے ہیں، وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام وسکون حاصل کرو،

فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

اور دن بنایا روشنی بخشنے والا (تاکہ تم اس میں کام کر سکو)، بے شک اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ

ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں، ف۱۱۷ کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی، پاک ہے اس کی ذات، ف۱۱۸

هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ

وہ غنی (وبے نیاز) ہے، ف۱۱۹ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے، ف۱۲۰

إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى

کیا تم لوگوں کے پاس کوئی سَنَد ہے اس بات کی؟ یا تم لوگ اللہ پر

اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ

ایسی بات کہتے ہو جس (کی حقیقت اور سنگینی) کو تم جانتے نہیں؟ ف۱۲۱ کہو کہ بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹے

۱۱۵ کاہے کی پیروی کرتے ہیں یہ مشرک لوگ؟:- یعنی "ما" استفہامیہ ہے۔ اور یہ نافیہ اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے۔ پہلے دونوں احتمالوں کا مآل ایک ہی ہے۔ یعنی کیا ہیں وہ چیزیں اور کیا حقیقت اور حیثیت ہے ان کی جن کی پوجا پاٹ میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں؟ جب کہ تیسرے احتمال پر اس کا عطف ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ الخ پر ہوگا۔ یعنی ان کے یہ معبودانِ باطلہ جن کو یہ گمراہ لوگ ازخود اس وحدہٗ لاشریک کا شریک وسہیم ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ یہ سب بھی

اُسی کی مخلوق اور اُسی کے مملوک ہیں۔ تو پھر یہ ان کی عبادت و بندگی کس طرح کرتے ہیں؟ کہ بندگی تو رب کی ہوتی ہے نہ کہ مربوب کی۔ اور مالکِ حقیقی کی ہوتی ہے نہ مملوک کی۔ اور خالق کی ہوتی ہے نہ کہ مخلوق کی۔ جیسا کہ ابھی اوپر بھی بیان ہوا۔ (جامع البیان، محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی بھی عبادت و بندگی کرنا ظلم و بے انصافی بھی ہے اور شرفِ انسانیت کی انتہائی تذلیل وتحقیر بھی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس جو لوگ اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کے سوا اوروں کو پوجتے پکارتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے شریکوں کی پیروی نہیں کرتے کہ اس کا کوئی شریک تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ بلکہ ایسے لوگ حقیقت میں اپنے ظن وگمان کی پیروی کرتے اور محض اٹکل پچّو کے تیر تکے چلا رہے ہوتے ہیں۔ ان کی بات کی نہ کوئی اصل ہوتی ہے نہ اساس۔ نہ عقل ونقل کے اعتبار سے اور نہ فطرت کے لحاظ سے بلکہ ان کا سارا معاملہ محض وہمی اور فرضی اندازوں پر ہوتا ہے اور ایسے لوگ ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾ کے مصداق ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ واحد واحد اور یکتا وصمد ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۱۲ **مشرکوں کی اوہام پرستی اور خود راقم کے مشاہدے کے دو قصے:** سو مشرکوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر ظن وگمان کی۔ اور یہ لوگ محض اٹکل پچو باتوں سے کام لیتے ہیں۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ مشرک لوگ محض ظن وگمان کی پیروی کرتے ہیں۔ کہ صاحب! یہ مورتیاں تو فلاں فلاں مقدس ہستیوں کے نام کی اور ان کی قائم مقام ہیں۔ لہٰذا ان کی تاثیرات ان میں منتقل ہوگئی ہیں۔ اس لئے یہ ہمارے خود ساختہ معبود خدا تعالیٰ سے ہمارے کام کروا سکتے ہیں اور یہ اس کے یہاں ہمارے وسیلے اور سفارشی ہیں ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ وغیرہ وغیرہ۔ افسوس کہ آج کے کلمہ گو مشرک کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے اور وہ بھی اپنی شرکیات کے لئے اسی طرح کی منطق بگھارتا اور ایسے ہی خود ساختہ اور من گھڑت فلسفوں سے کام لیتا ہے۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کی اس طرح کی مورتیاں تو نہیں گھڑتا، جیسا کھلا مشرک گھڑتا تھا اور گھڑتا ہے مگر تکنیک اور سخن سازی و حجت بازی بہر حال اس کی بھی وہی ہے کہ صاحب یہ ہستیاں جن کے آستانوں اور دہلیزوں پر ہم لوگ حاضری دیتے، ان کے طواف کرتے، ان کے آگے سجدے کرتے اور ان کو چومتے چاٹتے ہیں، کوئی معمولی ہستیاں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ بڑی پہنچی ہوئی ''سرکاریں'' ہیں۔ یہ ہمارے ''ذریعے'' اور ''وسیلے'' ہیں۔ انہی کے ذریعے ہم اس مالک کی بارگہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ''ہماری ان کے آگے اور ان کی اس کے آگے''۔ اس لئے ایسے لوگ اپنے ان آستانوں کے لئے نذریں مانتے، نیازیں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے، ان کے لئے پھیرے لگاتے، ان کے گرد چکر کاٹتے، ان کے آگے جھکتے، سجدہ ریز ہوتے اور بعض اوقات ان کی تصویریں اور مورتیاں بھی بنا سجا کر رکھتے اور سینوں پر لٹکاتے ہیں۔ چنانچہ راقم آثم نے اپنے ملک کے علاوہ ۷۲ء سے ۷۶ء تک مدینہ منورہ کے اپنے چار سالہ قیام کے دوران دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے اس طرح کے شرک اور ایسے مشرکوں کے کئی نمونے بھی دیکھے۔ چنانچہ غالباً ۷۴ء کے حج کا موسم تھا کہ ایک روز راقم آثم اپنے معمول کے مطابق مسجد نبوی میں باب الرحمۃ کی اندرونی سائیڈ میں بیٹھا ہوا تھا جہاں راقم آثم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے روزانہ مغرب سے عشاء تک قرآنِ پاک کا درس بھی دیا کرتا

تھا۔ تو ایک آدمی جو حج کے لئے لبنان سے آیا ہوا تھا، وہ مجھ سے ملا۔ اور پھر کچھ بات چیت کے بعد اس نے اپنے سینے پر لٹکایا ہوا ایک تعویذ مجھے دکھایا۔ پھر اس کو کھولا تو اس کے اندر ایک فوٹو تھا۔ اس نے وہ مجھے دکھایا اور پھر اس نے ایک خاص سٹائل کی چیخ مار کر مجھ سے کہا کہ یہ میرا پیر ہے۔ اس پر راقم نے اس سے کہا کہ جب یہ بت تو نے سینے پر لٹکایا ہوا ہے اور یہ شرک تیرے دل کے اندر موجود ہے اور اسی بت اور اسی شرک کے ساتھ تو حج بیت اللہ اور حرمین شریفین کی زیارت کے لئے آیا تو تجھے اس آنے کا آخر فائدہ کیا؟ اور یہاں سے بھی اگر تو شرک کی اس نجاست کو لئے ہوئے واپس لوٹے گا تو پھر تیری تطہیر آخر ہوگی کہاں اور کس طرح؟ مگر اسکے دل و دماغ میں شرک کی جمی ہوئی تہیں میری اتنی سی بات سے اکھڑنے والی تھوڑی ہی تھیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- اسی طرح کے شرک کے ایک اور نمونے کو دیکھنے کا موقع راقمِ آثم کو یہاں دبی میں ملا۔ میدانِ بنی یاس دیرہ دبی کی مرکزی جامع مسجد میں جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقمِ آثم ہر منگل اور بدھ کو نمازِ فجر کے فوراً بعد درسِ حدیث دیتا ہے اور یہ سلسلہ جو کوئی پندرہ بیس سال قبل شروع ہوا تھا اب تک جاری ہے- والحمد للہ- تو ایک روز درسِ حدیث سے فراغت کے بعد ایک صاحب راقمِ آثم کو مسجد کے قریب ہی واقع ایک بلڈنگ میں اپنے رہائشی فلیٹ میں بڑے اِصرار اور چاؤ کے ساتھ چائے کی دعوت پر لے گئے۔ وہاں انہوں نے اپنے ڈرائنگ روم میں رکھا ہوا ایک فوٹو مجھے دکھایا اور کہا کہ یہ میرے پیر و مرشد ہیں۔ اور کہا کہ یہی مجھے صبح کو نیند سے اٹھاتے ہیں جبکہ ان صاحب کو مرے ہوئے کئی سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اور ان کی ظاہری شکل و صورت بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں تھی۔ تو میں نے اس شخص سے کہا کہ نہیں بھئی ایسے نہیں ہوسکتا۔ مر کر قبر کے اندر چلے جانے والا کوئی شخص اس طرح کا کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ اور تصرف کرنا تو درکنار اس کو تو باہر کے حالات کا کچھ پتہ بھی نہیں ہوتا۔ ورنہ اس کو زمین میں دفن کیوں کیا جاتا مگر ان صاحب کا پھر بھی کہنا تھا کہ نہیں صاحب! ایسے ہوتا ہے۔ سو اس طرح کے ظن و تخمین کے مظاہر آپکو جابجا اور طرح طرح سے نظر آئیں گے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ فصدق اللّٰہ القائل -﴿ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ، وَلَقَدْ جَآءَ هُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴾- بہرکیف ایسے لوگ محض ظن و تخمین سے کام لیتے ہیں اور اپنے ان خودساختہ اور مفروضہ معبودوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ صاحب انہی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی سے ہمارے کام بنتے اور حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اور اس کے لئے یہ لوگ طرح طرح کے فرضی بناوٹی اور من گھڑت قصے اور افسانے پھیلاتے جاتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- سو ایسوں کا تمام تر کاروبار ظن و تخمین اور وہم و گمان کے سہاروں پر چلتا ہے اور بس- ﴿فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾- بہرکیف معبودِ برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ- اور ظن و گمان کی پیروی اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ کام نہیں آسکتی۔ سو محض ظن و گمان کی پیروی کرنے والے بڑے ہی سخت خسارے میں ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

۱۱۷ نظامِ کائنات میں قدرت کی عظیم الشان نشانیاں :- سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ دن اور رات کی نشانیوں پر مشتمل اس نظام کائنات میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو سنتے ہیں: جیسا کہ سننے کا حق ہے۔ اور پھر ایسے لوگ غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب رات و دن کی اس حکمتوں بھری تخلیق میں اس وحدہٗ لاشریک کا کوئی شریک و حصہ دار نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اُس کا شریک و سہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ نیز

یہ کہ حکمتوں بھری اور طرح طرح کی نعمتوں سے مملو و معمور یہ کائنات، جس قادرِ مطلق نے بنائی کس طرح ہوسکتا ہے کہ اُس نے اس کو یونہی بے مقصد اور بے کار پیدا کر دیا ہو؟ نیز جس نے انسان کی جسمانی ضرورتوں کی تحصیل و تکمیل کا اس طرح کا پُرحکمت انتظام فرمایا، کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا کوئی سامان نہ فرمائے؟ جب کہ جسم و روح میں سے اصل چیز روح ہی ہے۔ نیز جس نے انسان کو اس طرح بے حد و حساب نعمتوں سے نوازا ہے، کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی باز پرس نہ کرے؟ تاکہ اچھوں کو ان کی اچھائی کی جزاء مل سکے اور بروں کو ان کی برائی کی سزا۔ تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں؟ سو کائنات کے اس مضبوط و مستحکم نظام میں غور کرنے والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں، جن سے وہ اپنے رب کی وحدانیت و یکتائی، دینِ حق کی صداقت وحقانیت اور روزِ جزاء کی قطعیت اور معقولیت پر استدلال کرتے اور راہِ حق وہدایت پر گامزن ہوجاتے ہیں۔ اور اس طرح وہ مظاہرِ قدرت کو معبود قرار دینے کی بجائے ان کو معرفتِ حق کا ذریعہ بناتے ہیں اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر مستقیم و گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۱۸ اللہ تعالیٰ کی شانِ تنزیہ و تقدیس کا ذکر و بیان: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ پاک ہے ہر شرک اور شائبہ شرک سے۔ سو وہ پاک ہے اس سے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ کیونکہ اولاد کا ہونا مستلزم ہے تجانس اور احتیاج کو۔ اور وہ اس طرح کے ہر شرک اور اس کے ہر شائبے سے بھی پاک اور بالا و برتر ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو نہ اسکی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے کہ اسکی شان اسکے اپنے ارشاد کے مطابق ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ کی شان ہے۔ اور نہ اس کا کوئی ہمسر و شریک ہے۔ وہ ایسے ہر تصور و خیال سے پاک اور اسکی شان اس سے اعلیٰ و بالا ہے۔ پس اسکی نہ کوئی اولاد ہے نہ ہوسکتی ہے کہ یہ چیز شرک فی الذات کے زمرے میں آتی ہے۔ "ولد" کے معنیٰ آتے ہیں "کل ما یولد" یعنی "جو بھی چیز پیدا ہو" خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث۔ اسی لیے ولد کا اطلاق مذکر و مؤنث اور واحد و جمع سب پر ہوتا ہے۔ اور مشرک لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے نر اولاد بھی مانی اور مؤنث بھی۔ اور مشرکینِ عرب جن کا شرک یہاں پر زیرِ بحث ہے ان کے یہاں فرشتے خدا کی بیٹیاں تھے۔ والعیاذ باللہ۔ اس لیے جن لوگوں نے "ولد" کو صرف مذکر کے معنیٰ میں لیا ہے، خاص کر ایسے موقع پر تو انہوں نے غلط کیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پاک ہے ایسے ہر تصور سے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۱۹ غنیٰ و بے نیازی اللہ تعالیٰ ہی کی صفت وشان ہے: سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ غنی اور بے نیاز ہے۔ سو وہ غنی اور بے نیاز ہے ساری کائنات سے اور ہر اعتبار سے۔ جبکہ کائنات کی ہر چیز ہر لحاظ و اعتبار سے اس کی محتاج ہے۔ وہ سب سے اعلیٰ و بالا اور غنی و بے نیاز ہے۔ اور باقی سب ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اسی کے محتاج ہیں۔ اور بیٹے کی طلب ضرورت کے لئے ہوتی ہے کہ وہ کل والدین کی جسمانی اور مالی طور پر مدد کر سکے۔ ان کے دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہو سکے۔ اور یہ اس کے بل بوتے پر دوسروں پر فخر جتلا سکیں اور اپنی نسل برقرار رکھ سکیں وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ اللہ پاک اس طرح کی ہر احتیاج اور ہر تصور سے پاک اور ہر اعتبار سے بے نیاز ہے۔ تو پھر اس کی کوئی اولاد کیونکر ہوسکتی ہے؟ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو دنیا والے تو اولاد کے ضرورت مند ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد انکی نسل کی بقاء کا ذریعہ بنتی ہے اور ان کے کاروبار میں انکی مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

کمزوری اور بڑھاپے وغیرہ کے عوارض کے دوران وہ اس کو سہارا دیتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ایسی ہر حاجت وضرورت سے پاک اور بالا و مستغنی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ تو پھر اس کے لیے کسی اولاد کی کیا حاجت وضرورت؟

۱۲۰ کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے: سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے کہ اس سب کا خالق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور مالک بھی وہی۔ اور اس میں حکم وتصرف بھی اسی کا چلتا ہے۔ اور جب پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ تو پھر اس کو کسی اولاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بلکہ اس کے لیے اولاد ماننا تو اس کو گالی دینا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں صاف اور صریح طور پر فرمایا گیا ہے۔ پس اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے کہ اس سب کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی۔ اور اس میں متصرف وکارساز بھی وہی ہے۔ پھر اسے ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد تجویز کرے۔ نیز جب یہ سب چیزیں اسی کی ملکیت ہیں تو ان میں سے کوئی اس کی اولاد ہو ہی کیسے سکتی ہے؟ کہ ملکیت اور ابنیت میں منافات اور تضاد ہے۔ حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ انسان مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ ایسا کرنا اس کے لیے روا نہیں تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اولاد ٹھہرائی حالانکہ میں یکتا وبے نیاز ہوں۔ نہ میری کوئی اولاد ہے اور نہ میں خود کسی کی اولاد ہوں۔ اور نہ ہی میرا کوئی ہمسر ہے۔ (بخاری: جلد۲ صفحہ ۷۴۴)۔ سو اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کے لیے کسی طرح کی کوئی اولاد ماننا اس کو گالی دینا ہے۔ پس اس سے اس جرم کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے مگر ایک دنیا کی دنیا ہے جس نے اس انتہائی سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے اور آج تک برابر کیے جارہی ہے اور طرح طرح سے کیے جا رہی ہے۔ اور اس حد تک کہ اس کو اس کی سنگینی کا کوئی احساس تک نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ جلَّ وعلا بکلِ حالٍ من الأحوال۔

۱۲۱ شرک انتہائی ہولناک اور سنگین جرم: سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تمہارے پاس کوئی سند ہے اے مشرکو! تمہارے اس شرک کی جس کا ارتکاب تم لوگ کرتے ہو؟ یا تم لوگ یونہی اللہ پر ایسی بات کہتے ہو جس کی حقیقت اور سنگینی کو تم جانتے نہیں۔ اور جب تمہارے پاس کوئی سند نہیں اور یقیناً نہیں کہ شرک پر کوئی دلیل ہو ہی کیسے سکتی ہے ﴿وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ﴾ (المومنون: ۱۱۸) تو پھر تم سے بڑھ کر مجرم اور غلط کار اور کون ہو سکتا ہے؟ جو بغیر کسی سند اور دلیل کے اتنی بڑی بات کہتے ہو کہ جس سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ (مریم: ۹۰-۹۱)۔ بہرکیف مشرکوں کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے اور ان کے دلوں پر دستک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تمہارے پاس کوئی سند و دلیل موجود ہے؟ سو تمہاری یہ بات ایسی ہولناک اور اس قدر سنگین ہے کہ اس سے زمین وآسمان کی یہ ساری کائنات پھٹ پڑنے کو ہے۔ یعنی تمہاری یہ بات کہ تم لوگ خدا کی اولاد مانتے ہو۔ یہاں پر دلیل کو سلطان قرار دیا گیا ہے جس کے معنیٰ غلبہ اور حکمرانی کے ہیں کیونکہ غلبہ اصل میں حجت و برہان اور سند و دلیل ہی کا ہوتا ہے۔ سو جس کے پاس شرعی سند اور دلیل ہو گی غلبہ اسی کا ہو گا۔ سو اس سے شرک کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے جواز کے لیے کوئی سند ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ کہ یہ عقل ونقل سب کے تقاضوں کے یکسر خلاف ہے۔

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا

افتراء باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاسکیں گے و۱۲۲ دنیا میں کچھ مزے کرلیں،

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ

پھران سب کو بہر حال ہمارے ہی پاس آنا ہے لوٹ کر و۱۲۳ اس وقت ہم انہیں چکھائیں گے مزہ سخت

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ م

وقف لازم ع ۱۲

عذاب کا اس کفر کے بدلے میں جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے رہے تھے و۱۲۴ اور ذرا انہیں نوحؑ کا (عبرتوں بھرا) حال بھی

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ

سنا دو، کہ جب انہوں نے (بڑے درد بھرے انداز میں) اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تمہیں میرا یہاں رہنا،

وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا

اور اللہ کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کرنا بہت ناگوار ہو رہا ہے، تو (ہوا کرے کہ) میں نے تو بہر حال اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے، و۱۲۵

۱۲۲ افتراء علی اللہ کی سنگینی اور اس کی مختلف صورتیں: سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹے افتراء باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاسکیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس وحدہٗ لاشریک کی کوئی اولاد ہے یا اس نے اپنے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں یا اپنی خدائی میں کچھ ہستیوں کو مافوق الاسباب طور پر تصرف اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے اختیارات سونپ رکھے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کہ یہ سب کچھ افتراء علی اللہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ (المراغی، المحاسن، الصفوۃ وغیرہ) اور افتراء علی اللہ بڑا ظلم اور ہولناک و سنگین جرم ہے کہ اللہ ایسے تمام شوائب سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ اور بندے کا اسکی مخلوق ہوتے ہوئے اسی کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ پر جھوٹ باندھنا بڑا ہی ہولناک جرم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اللہ پر افتراء کرنے والے بڑے ہی ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں جس کا بھگتان ان کو بہر حال بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۳ افتراء پردازوں کو رجوع الی اللہ کی تذکیر و یاددہانی: سو افتراء پردازوں کو رجوع الی اللہ کی تذکیر و یاددہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ دنیاوی زندگی میں کچھ مزے کرلیں آخر کار ان کو لوٹ کر بہر حال ہمارے پاس آنا ہے۔ اور وہاں انہوں نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ تب ان کو سب کچھ خود معلوم ہوجائے گا۔ سو ایسوں کو اگر چند روزہ دنیاوی زندگی میں چھوٹ مل گئی اور انہوں نے عیش کرلیا تو بھی کیا کہ ان کا انجام تو یہ ہونے والا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ پر افتراء کا جرم بہت سخت اور نہایت سنگین جرم ہے۔ اور اس کا نتیجہ و انجام بڑا ہولناک ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر شرک کی تہمت لگا رہے ہیں اور جو اس کو صاحب اولاد ہونے کی گالی دے رہے ہیں وہ کبھی فوز وفلاح سے سرفراز نہیں ہو سکیں گے کہ شرک کا جرم دراصل بغاوت کا جرم ہے۔ اور باغی لوگ کبھی فوز وفلاح سے سرفراز نہیں ہو سکتے۔ اور بغاوت اور اللہ کو گالی دینے کے جرائم کے مرتکبوں کی فوز وفلاح کا کیا سوال؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۲۴ افتراء پردازوں کے لیے عذاب شدید - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ان لوگوں کو مزہ چکھائیں گے سخت عذاب کا ان کے اس کفر کی بناء پر جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے رہے تھے۔ پس ظالم لوگ دنیاوی زندگی کی چند روزہ فرصت میں کچھ مزے لوٹ لیں اور بس۔ کہ یہاں دنیا کی عمومی متاعِ حقیر سے بھی یہ لوگ طرح طرح سے فائدے اٹھاتے ہیں اور رنگ رلیاں کرتے ہیں۔ اور اسکے علاوہ اس طرح کے افتراءات کے باعث ان لوگوں کی خصوصی دوکانیں بھی خوب چمکتی اور چلتی ہیں۔ ان کی جھوٹی سرداری وسربراہی کے ڈنکے بھی خوب بجتے اور ان کے ڈھول بھی خوب پٹتے ہیں۔ مگر دنیا کے یہ سب مزے اور نشے تو بہر حال عارضی وفانی اور چند روزہ ہیں اور بس۔ اور یہ اس قدر حقیر ہیں کہ آخرت کی نعیمِ مقیم کے مقابلے میں یہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پھر آخرِ کار ان سب لوگوں کو لوٹ کر تو بہر حال ہمارے ہی پاس آنا ہے اور اپنے کیئے کرائے کا پھل انہوں نے بہر صورت پانا ہے۔ اور ان کے اپنے اس کفر کی پاداش میں جس کو انہوں نے زندگی بھر اپنے گلے لگائے رکھا تھا اسکی پاداش میں اور اسکے بدلے اور نتیجے میں ان کو ہم بڑا ہی سخت عذاب چکھائیں گے۔ اور چونکہ یہ مرے بھی کفر ہی کی حالت میں اس لیے ان کے لیے وہاں کے اس عذابِ شدید سے نکلنے اور خلاصی پانے کی بھی پھر کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ سو جس کافر کا انجام یہ ہونے والا ہے اس کو اگر دنیاوی زندگی میں پوری روئے زمین کی دولت بھی مل جائے تو بھی اس کو کیا ملا؟ اور اس سے بڑا بدبخت اور کون ہو سکتا ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۵ پیغمبر کا بھروسہ بھی اللہ ہی پر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم لوگوں کو میرا یہاں رہنا اور اللہ کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کرنا ناگوار ہو رہا ہے تو ہوا کرے۔ میں نے بہر حال اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ سو پیغمبر کا صاف اور صریح اعلان وارشاد ہے کہ میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ کہ بھروسے کے لائق اور سب کا حاجت روا ومشکل کشا بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحان اللہ۔ پیغمبر اور وہ بھی نوحؑ جیسا اولوا العزم پیغمبر بھی کہتا ہے کہ میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اسی کا آسرا اور سہارا میرا سرمایہ اور میری قوت ہے۔ اور وہی اصل میں سہارے اور اعتماد کے لائق ہے۔ اور حاجت روا مشکل کشا بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ مگر اس سب کے باوجود آج کے کلمہ گو مشرک کا بھروسہ اور سہارا واعتماد اس وحدہٗ لاشریک کے سوا دوسری طرح طرح کی فرضی وہمی اور خود ساختہ چیزوں اور اللہ تعالیٰ کی عاجز مخلوق پر ہے۔ کہیں وہ کہتا ہے "یا علی مدد"، کہیں "یا پیر دستگیر" اور کہیں کہتا ہے "سہارا پنجتن دا" اور کہیں کسی اور خود ساختہ اور بناوٹی سرکار کا نام لیتا ہے وغیرہ وغیرہ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی - بہر کیف حضرتِ نوح نے اپنی سرکش وباغی اور کافر ومنکر قوم کو اور اس کے متکبر سرداروں سب کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو اگر تمہیں میرا یہاں رہنا اور اللہ کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کرنا گراں گزرتا ہے تو گزرتا رہے۔ میں نے تو بہر حال یہ عظیم الشان اور مقدس فریضہ ادا کرنا ہے۔ تم لوگ اگر اس راہ میں روڑے اٹکاتے ہو تو تمہاری مرضی۔ میں نے بہر حال اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے کہ بھروسے کے لائق وہی اور صرف وہی ہے اور سب کچھ اسی وحدہٗ لا شریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ

پس تم سب مل کر میرے خلاف اپنی تدبیر پختہ کرلو، اور اپنے شریکوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلو، پھر تمہاری چالبازی تم پر

غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ

پوشیدہ بھی نہ رہے، پھر چلا لو تم لوگ میرے خلاف اپنا داؤ، اور مجھے کوئی مہلت بھی نہ دینا، ۱۲۶ پھر (یہ بھی

تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

دیکھو کہ) اگر تم نے منہ موڑے ہی رکھا تو (اس میں میرا کیا نقصان؟ کہ) میں نے تو تم سے کوئی اجر نہیں مانگا، میرا اجر تو بس

اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ

اللہ ہی پر ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بہرحال فرمانبرداروں سے رہوں ۱۲۷ پھر بھی وہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہی رہے،

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ

آخرکار (عذاب آنے پر) ہم نے بچا لیا نوحؑ کو بھی اور ان سب کو بھی جو آپؐ کے ساتھ تھے اس کشتی میں، اور ان کو ہم

وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

نے جانشین بنا دیا، اور ہم نے غرق کر دیا ان سب کو جو جھٹلاتے رہے تھے ہماری آیتوں کو، پس دیکھ لو کہ کیسا ہوا انجام ان

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا

لوگوں کا جن کو خبردار کر دیا گیا تھا؟ ۱۲۸ پھر نوح کے بعد ہم نے اور رسولوں کو بھی بھیجا

۱۲۶ حضرتِ نوح کا اپنی قوم کو کھلا چیلنج: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ تم سب لوگ مل کر میرے خلاف اپنی تدبیر پختہ کرلو اور اپنے شریکوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلو۔ اور پھر تم لوگوں کی چالبازی تم پر مخفی اور پوشیدہ بھی نہ رہنے پائے اور تم لوگ مجھے کوئی مہلت بھی نہ دینا۔ سو اس طرح حضرتِ نوح نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ جو داؤ تم لوگوں نے میرے خلاف چلانا ہے وہ چلا کر دیکھ لو اور سب مل کر چلاؤ۔ سو یہ آنجناب کے ایمان و یقین کی قوت کا ایک مظہر و نمونہ ہے۔ سبحان اللہ۔ ایمان و یقین کی قوت بھی کیسی عجیب اور کتنی بڑی قوت ہوتی ہے کہ تنِ تنہا اللہ کا ایک بندہ کس قدر زوردار طریقے سے اور کتنے وثوق و اعتماد کے ساتھ کفر کی تمام قوتوں کو للکار رہا ہے۔ سچ ہے کہ جو ایک اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ ہر چیز

سے۔ یہاں تک کہ وہ فرضی اور وہمی چیزوں سے بھی ڈرتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ۔ اسی لیے مشرک جگہ جگہ جھکتا، سلامیاں پیش کرتا، نذریں مانتا، نیازیں دیتا، چڑھاوے چڑھاتا اور ہر ایری غیری چیز سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے۔ جبکہ مومنِ صادق ایک اللہ وحدہٗ لاشریک سے ڈرتا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیسا امن وسکون اور اطمینان ملتا ہے مومنِ صادق کو اپنے ایمان و یقین کی بناء پر۔ والحمدللہ رب العالمین۔ اللہ محض اپنی شان کریمی سے کمال ایمان ویقین کی دولت سے سرفراز و مالا مال فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۲۷ بندے کا کام اپنے رب کے آگے سرِتسلیم خم کر دینا: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر تم لوگ پھرے ہی رہے راہِ حق وصواب سے اور تم نے میری بات نہ مانی تو اس میں میرا کیا نقصان؟ میں نے تو تم لوگوں سے کوئی اجر نہیں مانگا۔ میرا اجر تو بس اللہ ہی کے ذمے ہے۔ اور مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں سے رہوں۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بندے کا کام ہر حال میں اپنے رب کا فرمانبردار رہنا ہے اور بس۔ کہ یہ اس کے رب کا اس پر حق ہے۔ سو حضرت نوح نے ان لوگوں سے فرمایا کہ مجھے تو بہرحال یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں کہ بندے کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے رب کا فرمانبردار رہے اور مجھے بھی یہی حکم ملا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے رہوں۔ اس پر ایمان لا کر اور صرف اسی کی عبادت و بندگی کر کے۔ اور اس کے سوا ہر معبود اور اس کی عبادت و بندگی کا انکار کر کے۔ سو تم لوگ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، حق وصواب کی راہ بہرحال یہی ہے۔ اور میں ہمیشہ اسی پر قائم رہوں گا۔ سبحان اللہ۔ کیسا عمدہ اور پاکیزہ نمونہ ہے پیغمبر کی زندگی کا کہ رب کی فرمانبرداری کرنی ہے اور اسی کی دوسروں کو دعوت دینی ہے۔ اور تم سے کسی طرح کی اجرت اور بدلے کا کوئی سوال نہیں کہ تم لوگوں نے اگر میری بات کو نہ مانا اور میری دعوت کو قبول نہ کیا تو میرا کوئی نقصان ہو جائے گا۔ سو ایسا کوئی خوف وخطرہ مجھے نہیں بلکہ میں تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری، اسکی رضاء وخوشنودی اور خود تمہارے بھلے اور بہتری کے لیے کر رہا ہوں۔ اگر تم نے مانا تو خود تمہارا بھلا نہیں تو خود تمہارا ہی نقصان ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا اور اپنا ہی بندہ بنائے رکھے اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۲۸ تکذیب وانکارِ حق کا نتیجہ وانجام بہت بُرا۔ والعیاذُ باللہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرِ کار یعنی عذاب آنے پر ہم نے بچا لیا نوح کو بھی اور ان سب کو بھی جو آپ کے ساتھ تھے اس کشتی میں اور ان سب کو ہم نے غرق کر دیا جو جھٹلاتے رہے تھے ہماری آیتوں کو۔ پس تم دیکھ لو کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جن کو خبردار کر دیا گیا تھا۔ یعنی تکذیبِ حق کے نتیجہ وانجام سے کہ آخرِ کار وہ دائمی ہلاکت وتباہی کے ہولناک گڑھے میں گر کر رہے۔ والعیاذ باللہ۔ پس اس میں جہاں ایک طرف حضرت امام الانبیاء۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔ کے لئے تسکین وتسلی کا عظیم سامان ہے وہاں آپ کے مخالفین ومعاندین کے لئے بڑی تنبیہ اور سخت تہدید بھی ہے کہ حق کی تکذیب وانکار کا جو نتیجہ و بھگتان ان لوگوں کو بھگتنا پڑا وہ تم کو بھی پیش آ سکتا ہے۔ اگر تم لوگ کفر و بغاوت کی اسی راہ پر اڑے رہے جس پر اب چل رہے ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کے لئے یکساں ہے۔ بہرکیف تکذیب و اِنکارِ حق کا نتیجہ وانجام بہت برا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ڈھیل جتنی بھی ملے آخرِ کار ان کا انجام ایسا ہی تباہ کن اور ہولناک ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اِلٰی قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا

ان کی قوموں کی طرف کھلے دلائل کے ساتھ، مگر جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلایا دیا تھا

كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِ

اسے انہوں نے مان کر نہ دیا اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں حد سے

الۡمُعۡتَدِيۡنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰی وَهٰرُوۡنَ

بڑھنے والوں کے دلوں پر، ف۱۲۹ پھر ان کے بعد ہم نے بھیجا موسیٰ اور ہارون کو

اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، اپنی نشانیوں کے ساتھ ف۱۳۰ مگر انہوں نے اپنی بڑائی کے گھمنڈ سے کام لیا (پیغام حق کے

۱۲۹ حد سے بڑھنا موجب ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اسی طرح مہر لگا دیتے ہیں حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر۔ سو حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر قدرت کی طرف سے مہرِ جباریت لگا دی جاتی ہے۔ اور "ہم مہر لگا دیتے ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا نظام وقانون اور ہماری سنت اور دستور یہی ہے کہ ہم ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں جو حدودِ بندگی سے تجاوز کرتے اور حق کو قبول کرنے کی بجائے اس کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو ان لوگوں کی یہ محرومی خود ان کے اپنے ہی کئے کرائے کا طبعی نتیجہ ہوتی ہے ورنہ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہوتا۔ سو ایسے لوگوں نے اپنی اس بغاوت وسرکشی سے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے تھے ﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ سو اللہ وحدہٗ لاشریک کی آیتوں کی تکذیب اور ان کا انکار بڑا ظلم ہے جو ایسے منکر لوگ ڈھاتے ہیں مگر ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اپنی روش سے ہم اپنا ہی نقصان کرتے اور اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ اور جو بیمار اپنی بیماری کو بھی اپنی صحت سمجھے اس کی بیماری کیسے دور ہو سکتی ہے اور اس سے بڑھکر محروم اور بدنصیب اور کون ہو سکتا ہے؟۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۳۰ حضرت موسیٰ اور ہارون کی بعثت کا ذکر وبیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ کو بھیجا فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔ یہاں پر بعثتِ پیغمبر کے سلسلہ میں فرعون اور اسکے سرداروں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی قومِ قبط کے بڑے اور ان کے اَشراف اور کرتا دھرتا تھے۔ اور انہی کے نقشِ قدم پر وہ لوگ چلتے تھے۔ ان کی اصلاح ان کے سب پیروکاروں کی اصلاح تھی۔ اور ان کی خرابی ان سب کی خرابی۔ اس لئے ذکر میں ان کی تخصیص فرمائی گئی ہے۔ ورنہ حضرت موسیٰ و ہارون۔ علی نبینا وعلیہما الصلوۃ والسلام۔ کی بعثت وتشریف آوری تو اس پوری قوم کے لئے تھی نہ کہ کچھ محدود ومعدود لوگوں اور افراد کے لئے۔ مگر فرعون اور اسکے سرداروں کی تخصیص ان کی اسی خاص اہمیت کی بناء پر فرمائی گئی کہ حکمرانی ان ہی کی تھی۔

قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَقُّ مِنۡ عِنۡدِنَا

مقابلے میں،) اور وہ تھے ہی مجرم لوگ ۱۳۱ پھر جب پہنچ گیا ان کے پاس حق ہمارے یہاں سے،

قَالُوۡۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوۡسٰۤی اَتَقُوۡلُوۡنَ

تو انہوں نے (پوری ڈھٹائی سے) کہا کہ یہ تو یقینی طور پر ایک جادو ہے کھلم کھلا، موسٰی نے (ان سے) کہا کہ کیا تم لوگ

لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمۡ ؕ اَسِحۡرٌ هٰذَا ؕ وَلَا یُفۡلِحُ السّٰحِرُوۡنَ ﴿۷۷﴾

حق کے لئے ایسا کہتے ہو، جب کہ وہ پہنچ چکا تمہارے پاس؟ کیا جادو ایسا ہی ہوتا ہے؟ ۱۳۲ اور جادوگر تو (اپنی جادوگری کے زور پر

۱۳۱ استکبار باعث محرومی - والعیاذ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے پیغامِ حق و ہدایت کے مقابلے میں استکبار یعنی اپنی بڑائی کے گھمنڈ سے کام لیا۔ اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔ اس لیے وہ محروم کے محروم ہی رہے۔ سو استکبار یعنی اپنی بڑائی کا زعم اور گھمنڈ محرومی کا سب سے بڑا باعث اور بنیادی سبب ہے- والعیاذ باللہ- پس اپنی بڑائی کا زعم و گھمنڈ اور وہ بھی حق کے مقابلے میں- والعیاذ باللہ- ایسی بری اور اتنی بڑی آفت ہے جو کہ انسان کو حق و ہدایت کے نور سے محروم کر کے اسے دائمی خسران و ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتی ہے- وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان پہلے انبیائے کرام کے بعد حضرتِ موسٰی اور ہارون کو بھی فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا لیکن انہوں نے اپنی جھوٹی بڑائی کے زعم اور گھمنڈ میں ان سے منہ موڑ لیا۔ ان کی تکذیب کی اور ماننے کی بجائے ان کو جادو قرار دیا کہ وہ تھے ہی مجرم لوگ۔ اپنے جرم میں وہ بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہے- والعیاذ باللہ- سو استکبار اور معاصی و ذنوب پر اصرار و استمرار باعثِ ہلاکت و تباہی ہے- اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین- ثم آمین یارب العالمین۔

۱۳۲ متکبر فرعونیوں کے ضمیر سے سوال: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب حق ان لوگوں کے پاس پہنچ گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو یقینی طور پر ایک جادو ہے کھلم کھلا۔ تو اس پر موسٰی نے ان سے کہا کہ کیا تم لوگ حق کے بارے میں ایسے کہتے ہو؟ کیا جادو ایسا ہی ہوتا ہے اے بدبختو؟ کہ وہ حق و صدق اور توحید و دینِ حق کی دعوت دے؟ اور اسی دعوتِ حق کی بناء پر وہ فرعون جیسے جابر و ظالم حکمران کو للکارے؟ ایسا کوئی جادو اور اس طرح کا کوئی جادوگر کہیں تم دکھا سکتے ہو؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم لوگ صاف و صریح حق سے منہ موڑ کر ایسی بہکی بھٹکی باتیں کرتے ہو جو کہ عقل کے بھی خلاف ہیں اور نقل کے بھی۔ اور اس طرح تم لوگ حق و ہدایت کی دولت سے محروم ہو کر اپنے لیے دائمی ہلاکت اور تباہی کا سامان کرتے ہو جو کہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے- والعیاذ باللہ جل و علا- سو اس سوال سے ان متکبروں کے قلوب و ضمائر کو جھنجھوڑا گیا تا کہ وہ ہوش کے ناخن لیں لیکن جن پر ان کے سوءِ اختیار اور خبثِ باطن کی بنا پر ان کی بدبختی مسلط ہو جاتی ہے ان کو اس کی توفیق و سعادت کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم-

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

دعوائے نبوت کر کے) کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے ۱۳۳ انہوں نے کہا کیا تم ہمارے پاس اسی لئے آئے ہو کہ پھیر دو ہمیں ان

اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا

طور طریقوں سے جن پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو؟ اور تم ہی دونوں کی بڑائی (اور سرداری) قائم ہوجائے اس

نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ

سرزمین میں، اور (سن لو کہ) ہم کبھی تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں ۱۳۴ اور فرعون نے حکم کردیا کہ لے آؤ تم میرے پاس

۱۳۳ جادوگر حق کے مقابلے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے: - حق کے مقابلے میں اور حقیقت کے اعتبار سے کہ وہ تو ایک نری شعبدہ بازی اور چابکدستی کا کھیل ہوتا ہے۔ اس میں اتنا بل بوتا کہاں کہ وہ کسی کو فوز و فلاح اور حقیقی کامرانی سے ہم کنار کرسکے۔ اور حق کے مقابلے میں کھڑا ہوسکے۔ سو تم لوگ بڑے ظالم اور بے انصاف لوگ ہو جو دعوتِ حق کو جادو کہہ کر اس سے منہ موڑتے ہو اور اپنی بدبختی کی سیاہی کو اور پکا کرتے ہو- والعیاذ باللہ العظیم- حق کے مقابلے میں تو جادوگر ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ٹک سکتے۔ بھلا معجزے کے آفتابِ تاباں کے سامنے باطل کے ان بے حقیقت دیوں کی حقیقت اور حیثیت ہی کیا ہوسکتی ہے؟ سو جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ان کے شعبدوں اور کرشموں کی چمک دمک عارضی اور وقتی ہوتی ہے اور وہ صرف اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک کہ حق کی چوٹ ان پر نہیں پڑتی۔ حق کے مقابلے میں آنے پر اور حق کی چوٹ پڑتے ہی ان کی اصل حقیقت واضح ہوجاتی ہے اور وہ سب ہباءً منثورًا ہوجاتے ہیں۔ کہ اس کے اندر حق کے مقابلے میں ٹکنے کی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں۔

۱۳۴ باپ دادا کی اندھی تقلید باعث محرومی - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے حضرت موسٰی کی دعوتِ حق کے جواب میں کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اسی لیے آئے ہو کہ ہمیں پھیر دو ان طور طریقوں سے جن پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ اور اس طرح تم دونوں کی بڑائی اور سرداری قائم ہوجائے اس سرزمین میں؟ اور [سن لو کہ] ہم کبھی بھی تمہاری بات ماننے والے نہیں- سو یہ اہلِ باطل کی مشترکہ حجت بازی کا ایک نمونہ ومظہر ہے کہ انہوں نے حق وہدایت کے مقابلے میں باپ دادا کے طور طریقوں کو ترجیح دی۔ سو یہ اہلِ حق کے مقابلے میں ایک ہی طرح کی اور مشترکہ حجت بازی کا ایک نمونہ ومظہر ہے۔ یعنی وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہ دلیل وحجت تو کوئی ہے نہیں بس بڑوں کی اندھی تقلید کا پھندا ہے جو ایسے لوگوں نے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ اور ان کے پاس کوئی معقولیت اور وجہِ جواز نہیں سوائے اس کے کہ بڑوں نے ایک مکھی ایک جگہ ماری تھی پس ہم بھی اسی مکھی پر مکھی مارتے چلے جائیں گے اور بس۔ سو ایسوں کی مت ایسے ہی ماری جاتی ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو ایسے لوگ اپنی اس ہٹ دھرمی اور خواہ مخواہ کی حجت بازی کی بناء پر نورِ حق وہدایت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ

ہر بڑے ماہر جادوگر کو، پھر جب وہ سب جادوگر آ پہنچے تو (مقابلے کے وقت)

لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا

موسیٰ نے ان سے کہا کہ ڈال دو جو کچھ کہ تمہیں ڈالنا ہے، ف۱۳۵ پس جب وہ ڈال چکے

قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

(جو کچھ کہ انہیں ڈالنا تھا) تو موسیٰ نے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے، یقیناً اللہ اسے ابھی

سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

درہم برہم کئے دیتا ہے، بلاشبہ اللہ سدھرنے (اور سنورنے) نہیں دیتا فسادی لوگوں کے کام کو ف۱۳۶

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸ ۱۲ ۱۴

اور اللہ حق کو حق کر کے دکھاتا ہے اپنے فرامین (وارشادات) کے ذریعے، اگرچہ یہ برا لگے مجرموں کو ف۱۳۷

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ

پھر بھی موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا بجز آپ کی قوم کے ف۱۳۸ کچھ نوجوانوں کے ف۱۳۹ فرعون اور خود اپنی قوم کے

مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ

بڑے سرداروں (اور کھڑپینچوں) کے ڈر سے ف۱۴۰ کہ کہیں وہ انہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں، اور واقعی فرعون

۱۳۵ **پیغمبر کی قوتِ ایمان ویقین کا ایک نمونہ ومظہر:** سو جادوگروں کے اس انبوہِ کثیر کے مقابلے میں حضرتِ موسیٰ نے پورے اطمینان اور سکون و وقار کے ساتھ ان سے کہا کہ ڈال دو جو کچھ کہ تم لوگوں نے ڈالنا ہے۔ سو یہ بات اللہ کے سچے نبی کے ایمان ویقین کی پختگی اور اعتماد علی اللہ کی قوت کا مظہر ہے کہ جادوگروں کی اس کثرت کا اثر اور ان کی اس ہوش ربا شعبدہ بازی کی پرواہ تک نہ کی۔ اور ان کو صاف وصریح طور پر اور واضح انداز میں اس طرح دعوتِ مبازرت دے رہے ہیں۔ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ سو ایمان ویقین کی قوت ناقابلِ شکست قوت ہے۔ اور اس سے سرفرازی کے بعد انسان کیلئے خوف وخطر اور ضعف واضمحلال کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی۔ کیونکہ ایمان ویقین کے نور اور اسکی قوت سے سرفرازی کے بعد انسان کا تعلق اُس ذاتِ اقدس واعلیٰ کے ساتھ قائم ہوجاتا ہے، جسکے قبضۂ قدرت واختیار میں اس کائنات

کی ہر چیز کی زمام ہے۔ اور نفع ونقصان سب اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اللّٰھم فکن لنا واجعلنا لک

۱۳۶ باطل حق کے مقابلے میں کبھی نہیں ٹھہر سکتا: سو حضرت موسیٰ نے ان جادوگروں سے فرمایا کہ ڈال دو جو کچھ کہ تم لوگوں کو ڈالنا ہے۔ یقیناً اللہ اس کو ابھی درہم برہم کردے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کبھی سدھرنے سنبھلنے نہیں دیتا فسادی لوگوں کے کام کو۔ سو باطل کی یہ جان نہیں کہ وہ حق کے آگے دم مار سکے۔ باطل کی چمک دمک اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک کہ اُس کا مقابلہ حق سے نہیں ہوتا۔ اور جب حق ظاہر ہوجاتا ہے تو باطل جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے کہ باطل بہرحال باطل ہے اور اس کی یہ جان نہیں کہ وہ حق صریح کے آگے دَم مار سکے۔ سبحان اللہ۔ کیا کرشمے دکھاتی ہے ایمان ویقین کی یہ قوت۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا۔ اور حسنِ ادب ملاحظہ ہو کہ یوں نہیں فرمایا کہ میں اسے باطل کردوں گا جیسا کہ ابنائے دنیا اس طرح کی بڑیں ہانکتے اور ایسی لن ترانیوں سے کام لیتے رہتے ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ ایسا کرے گا کہ معاملہ ہر ایک کا بہرحال اُسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ ﴿ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾۔ مگر آج کے کلمہ گو مشرک کی آنکھ پھر بھی نہیں کھلتی۔ اور وہ اس کے باوجود اُس قادرِ مطلق کو چھوڑ کر اس کی طرح طرح کی عاجز وبے بس مخلوق پر بھروسہ کرتا اور اسی کو پوجتا پکارتا اور اسی کی دعوت دیتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور اس سلسلے میں وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے اور اس حد تک کہ وہ اس کیلئے نصوصِ کتاب وسنت میں تحریف تک سے کام لیتا ہے۔ اور وہ نہیں سمجھتا کہ اس طرح وہ اپنے لیے کس قدر ہلاکت اور کیسی تباہی کا سامان کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۳۷ اللہ حق کو حق کرکے دکھاتا ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ حق کو حق کرکے دکھاتا ہے اپنے فرامین وارشادات کے ذریعے اگرچہ یہ برا لگے مجرموں کو۔ سو ثابت اور قائم ودائم رکھتا ہے کہ اس میں انسانیت کی فلاح اور پوری کائنات کی صلاح وبقاء کا سامان ہوتا ہے۔ اسی لئے اس قادرِ مطلق نے حضرتِ موسیٰ جیسے فردِ فرید کو فرعون جیسے طاغوت وسرکش پر فتح وکامرانی سے نوازا۔ اور ان کی قوم کو فرعون کی صدیوں کی غلامی سے نجات ورہائی نصیب فرمائی۔ جس کا ظاہری حالات میں کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ بلکہ ظاہری صورت یکسر اسکے خلاف تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے یہ سب کچھ کرکے دکھایا۔ سو مجرم اور مفسد لوگ حق کو دبانے کی خواہ کتنی ہی کوششیں کریں، لیکن اللہ اپنے کلمات کے ذریعے حق ہی کا بول بالا کرتا اور غلبہ انہی لوگوں کو عطا فرماتا ہے جو اس کے کلمہ کی سربلندی کے لیے اٹھتے ہیں۔ یہاں پر یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ یہاں پر زیرِ بحث حق وباطل کی وہ کشمکش ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی بعثت سے ظہور میں آتی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کے رسول کے لیے بالآخر غلبہ لازم ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر صاف وصریح طور پر اور تاکید کے الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا ﴿ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ﴾ (المجادلہ:۲۱)۔ اللہ ہمیشہ نورِ حق وہدایت سے سرفراز وسرشار رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۳۸ پھر بھی ان کی قوم کے کچھ ہی لوگ ایمان لائے: یعنی حق کی اس قدر توضیح کے باوجود انکی قوم کے کچھ ہی لوگ ایمان لائے۔ یہاں پر ﴿ قومہ ﴾ کی ضمیرِ مجرور کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ راجح قول کے مطابق جو کہ جمہور کا قول ہے اور جس کو ابنِ جریرؒ نے اختیار کیا ہے ﴿ قومہ ﴾ کی ضمیر کا مرجع حضرتِ موسیٰؑ ہیں کہ وہی اقربِ مذکور ہیں۔ اور آپؑ کی قوم اگرچہ نبیوں کی اولاد میں سے تھی اور وہ فی الجملہ ایمان بھی رکھتی تھی مگر انہوں نے چونکہ آسمانی کتابوں اور اپنے نبیوں کی تعلیمات میں طرح طرح سے تاویلات وتحریفات کرکے ان کو بدل دیا تھا اور انہوں نے اپنے ایمان وعقائد میں طرح طرح کی شرکیات کی آمیزش کردی تھی اس لئے ان کا یہ ایمان وعقیدہ معتبر نہ تھا تاوقتیکہ حضرتِ موسیٰؑ کی تعلیمات کے مطابق نئے

سرے سے اور سچے دل سے ایمان لاتے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان وہی معتبر اور قابلِ قبول ہے جو آسمانی تعلیمات کے عین مطابق ہو۔ ورنہ اگر ان میں اپنی طرف سے بدعات وخرافات کے اضافے کر کے ان پر ایمان لائے تو وہ ایمان نہ ہونے کے برابر ہے کہ وہ ایمان دراصل اپنی خواہشات اور اغراض واہواء پر ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے دینِ خالص پر۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ یعنی فرعون کی قوم کے کچھ ہی نوجوان حضرتِ موسیٰ۔ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ پر ایمان لائے۔ مگر راجح اور مشہور قول پہلا ہی ہے جو جمہور کا قول ہے اور جس کو ابنِ جریرؒ نے ترجیح دی ہے۔ مطلب بہرحال دونوں صورتوں میں صحیح اور دل کو لگنے والا ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کے ڈر اور خوف کی وجہ سے شروع شروع میں کچھ نوجوان ہی حضرتِ موسیٰ۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ پر ایمان لانے کی ہمت کر سکے۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، المراغی، صفوۃ التفاسیر، معارف القرآن اور محاسن التاویل وغیرہ وغیرہ)۔ سو یہاں سے بھی اس حقیقت کی تاکید ہوتی ہے کہ عوام کی اکثریت بے ایمانوں اور غلط کاروں ہی کی ہوتی ہے۔ ایماندار اور سچے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ لہٰذا عوام الناس کی قلت یا کثرت معیارِ حق و باطل نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ جہلاء کا کہنا ماننا ہے۔

۱۳۹ قوتِ شباب اور خطرات کا مقابلہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ پر آپ کی قوم کی کچھ نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ سو قوتِ شباب قدرت کی ایک عظیم الشان نعمت ہے جو انسان کو خطرات کے مقابلے پر ابھارتی ہے اور اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انقلاب عموماً جواں خون ہی کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ پس انقلاب لانے کا کام عموماً جواں خون (Young Blood) نے ہی انجام دیا۔ تاریخ وعمرانیات کی شہادت بھی یہی ہے۔ خود حضرتِ خاتم الانبیاء۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے جاں نثاروں کی غالب اکثریت بھی ایسے ہی نوجوانوں کی تھی۔ سبحان اللہ۔ قرآنِ حکیم کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ عمرانیات وغیرہ کے نئے علوم صدیوں کی بحث وتمحیص اور تجربات وتحقیقات کے بعد جس نقطۂ عروج پر پہنچ سکے ہیں قرآنِ حکیم نے صدیوں پہلے ہی اس حقیقت کو اس طرح واضح اور آشکارا فرما دیا۔ اور وہ بھی اس قدر اختصار کے ساتھ اور ضمنی طور پر۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ بہرکیف دعوتِ حق کو اس کے ابتدائی مراحل میں جبکہ خطرات ہی خطرات ہوتے ہیں نوجوان نسل ہی نے آگے بڑھ کر قبول کیا۔ اللہ ہمارے جوانوں کو ہمیشہ راہِ حق وصواب پر رکھے۔ آمین

۱۴۰ کفر و باطل کے سرغنے راہِ حق وہدایت میں رکاوٹ۔ والعیاذ باللہ: ۔سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اہلِ کفر و باطل کے سرداروں اور بڑوں کی مخالفت ہمیشہ راہِ حق میں رکاوٹ بنی۔ والعیاذ باللہ۔ اور کفر و باطل کے سرغنوں اور ایسے بڑوں اور سرداروں کا کام بالعموم ہر انقلابی تحریک میں رکاوٹ بننا اور اس کا راستہ روکنا ہوتا ہے اور بس۔ سو ایسے لوگ عموماً مصلحت پسند اور راحت طلب لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ہر انقلابی تحریک کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسکو وہ اپنے آرام وسکون اور دنیاوی فوائد ومنافع کیلئے خطرہ سمجھتے ہیں۔ الّا ماشاء اللہ۔ چنانچہ ایسے لوگوں نے نوجوانوں اور حق کے علمبرداروں کی قوت کو کچلنے کے لیے ہمیشہ طرح طرح کے مظالم ڈھائے اور آج تک ڈھا رہے ہیں۔ اور آج بھی اس قماش کا برسرِ اقتدار طبقہ نوجوانوں کو کچلنے اور ان کے جذبۂ جہاد کو مٹانے اور ٹھنڈا کرنے کے لیے جگہ جگہ اور طرح طرح سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اور مجاہدین کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف طرح طرح کا شیطانی پروپیگنڈا کرتا ہے۔ خذلھم اللہ وقاتلھم وجعل کیدھم فی نحورھم۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ مجاہدینِ حق کی نصرت وامداد فرمائے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اور ان کی تائید وتقویت غیبی قوتوں سے فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ

اس ملک میں تھا بھی بڑا زور دار و۱۴۱ اور وہ یقینی (اور قطعی) طور پر حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا و۱۴۲ اور موسیٰ نے

مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا

اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم لوگ (سچے دل سے) ایمان رکھتے ہو اللہ پر، تو اسی پر بھروسہ کرو

إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ

اگر تم واقعی فرمانبردار ہو و۱۴۳ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے،

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٨٥﴾ وَنَجِّنَا

اے ہمارے رب ہمیں فتنہ (اور ذریعہ آزمائش) نہ بنانا ظالم لوگوں کے لئے، اور ہمیں نجات دے دے

بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَأَوْحَيْنَا

اپنی رحمت (و عنایت) سے ان کافر لوگوں (کے ظلم و ستم) سے و۱۴۴ اور ہم نے وحی بھیجی

إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ

موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف، کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں

۱۴۱ فرعون ملکِ مصر کا ڈکٹیٹر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرعون اس ملک میں تھا بھی سرکش اور زور آور۔ یعنی مصر میں، جہاں کا وہ مطلق العنان حکمران تھا۔ (المحاسن، المراغی وغیرہ)۔ قوت و طاقت کے سب ذرائع و وسائل اسکے قبضۂ قدرت و اختیار میں تھے۔ کوئی اسکے خلاف آواز اٹھانے کے لائق نہیں تھا۔ بھلا گنجے کو جب ناخن مل جائیں تو اس کے سر کی خیر کس طرح ہوسکتی ہے اور اسکی کھوپڑی کو اسکے ہاتھوں کی دسترس اور اسکے ناخنوں کی چیرہ دستیوں سے آخر کون اور کس طرح بچا سکتا ہے؟ طاقت و قدرت کے بعد اور ذرائع و وسائل کی موجودگی کے باوجود انسان کو لگام دینے والی اور اس کے ہاتھوں کو ظلم و زیادتی سے روکنے والی چیز ایک ہی ہوسکتی ہے یعنی خوفِ خداوندی۔ ورنہ وہ نرا ظالم بن کر رہ جاتا ہے۔ کہ اس کے سامنے ظلم و زیادتی اور بربریت روکنے کیلئے کوئی چیز موجود نہیں ہوتی' اس لئے وہ ظلم و جبر اور سفا کی و خونریزی کی راہ ہی کو اپناتا ہے۔

۱۴۲ فرعون حد سے نکلنے والا شخص تھا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ یقینی طور پر حد سے نکلنے والوں میں سے تھا۔ خود طبیعت میں فرعونی تکبر و اِسراف اور شیطنت و سرکشی۔ اور پھر مصر جیسے اپنے دور کے بڑے ترقی یافتہ ملک کی مطلق العنان حکمرانی اور ڈکٹیٹر شپ اور ملکی ذرائع و وسائل پر بلا شرکتِ غیرے تصرف کے اختیارات وغیرہ۔ سرکشی اور تمرد

طغیان کے سب ہی عوامل وہاں موجود تھے۔ تو ایسے میں اس شخص کے کبر و غرور اور اسراف و خرمستی کے کیا کہنے؟ سو انہی اسباب و عوامل کی بناء پر فرعون حدودِ عبدیت سے نکل کر خدائی کا دعویدار بن گیا تھا اور اس نے صاف اور صریح طور پر یہ اعلان کر دیا تھا ﴿اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی﴾ کہ میں ہی تم سب کا سب سے بڑا رب ہوں تو ایسے میں اسکے خلاف کوئی آواز اٹھائے تو کس طرح اور کیونکر؟ اس لیے اس کے دور میں اس کے خوف و رعب اور اس کے مظالم کے ڈر کی وجہ سے کچھ نوجوانوں کے سوا کوئی ایمان لانے کی ہمت و جراءت نہ کر سکا۔ سو جب وہ ظلم کرنے پر آتا تو کسی حد کا پاس و لحاظ اور اسکی پرواہ نہ کرتا اور طرح طرح کے مظالم ڈھاتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ظالم اور ہر قسم کے ظلم سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۱۴۳ ایمان کا تقاضا کہ بھروسہ اللہ ہی پر کیا جائے: سو حضرتِ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم لوگ واقعی ایماندار اور مسلمان ہو کہ اللہ پر ایمان و یقین اور اسکی فرمانبرداری کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ مومن کا توکل اور بھروسہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی پر ہو۔ مگر آج کا کلمہ گو مشرک ہے کہ ایمان کا دعویدار بھی ہے اور بھروسہ بھی اس نے اللہ کی بجائے اس کی مخلوق میں سے طرح طرح کی بے حقیقت و بے جان چیزوں پر کر رکھا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ اور اس نے طرح طرح کی فرضی وہمی اور بے حقیقت و بے بنیاد چیزوں اور مردہ ہستیوں میں نفع و نقصان کے اختیارات فرض کر رکھے ہیں جسکی بناء پر وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور اس نے طرح طرح کے من گھڑت ناموں سے جگہ جگہ مختلف ''سرکاریں'' بنا رکھی ہیں۔ ''کانواں والی سرکار''، ''بلیوں والی سرکار'' اور ''کمبل والی سرکار'' وغیرہ وغیرہ۔ ان کا بھروسہ انہی پر ہے اور وہ ان کے لیے طرح طرح کے مراسمِ عبودیت بجا لاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ شرک و شک کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ بہر کیف ایمانداری کا تقاضا یہی ہے کہ بھروسہ ہمیشہ اللہ ہی پر ہو۔ وباللہ التوفیق

۱۴۴ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سچے ایمانداروں نے اپنے خالق و مالک کے حضور عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہمیں نجات دے دے ان کافر لوگوں کے ظلم و ستم سے کہ نجات دہندہ اور حاجت روا و مشکل کشا ہر کسی کا تو ہی تو ہے اے ہمارے مالک۔ سو قرآنِ حکیم جگہ جگہ اور طرح طرح سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو ظاہر فرماتا ہے کہ حاجت روا و مشکل کشا ہر کسی کا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مگر آج کا قبر پرست پھر بھی کہتا ہے اور دھڑلے سے کہتا ہے ''بہاؤ الحق بیڑا دھک''، ''خواجہ اجمیری پار لگا دے کشتی میری''، ''یا پیر دستگیر'' اور ''یا علی مدد'' وغیرہ وغیرہ۔ اور دعویٰ اس کے باوجود وہ ایمان و یقین اور توحید و اسلام کا کرتا ہے۔ اس طرح کی شرکیات کے باوجود نہ اس کا ایمان بگڑے اور نہ اس کے اسلام میں کچھ فرق آئے۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ وَ اِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی ۔ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۔ بہر کیف حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حکم و متصرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور ہر چیز اپنے وجود اور اپنے ہر عمل و تاثیر میں اسی کی مشیت اور اسکے حکم و ارشاد کی پابند اور اسکے تابع ہے۔ اس لیے حضرتِ موسیٰ کی قوم کے ایماندار لوگوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے اس لیے انہوں نے اُسی کے حضور عرض کیا کہ ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنانا اور ہمیں اپنی رحمت و عنایت سے کافر قوم سے نجات عطا فرما کہ نجات دہندہ اور حاجت روا و مشکل کشا سب کا تو ہی ہے اے ہمارے مالک۔ حضرات انبیاء و رسل اور ان کے سچے پیرو کار سب اسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

بُيُوتًا وَّاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ط

کچھ گھر بنالو، اور اپنے گھروں کو مسجد قرار دے دو، و۱۴۵ اور نماز کی پابندی کرو، و۱۴۶

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ

اور خوشخبری سنا دو ایمان والوں کو، و۱۴۷ اور موسیٰ نے (بڑے ہی درد بھرے انداز میں اپنے رب کے حضور)

اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي

عرض کیا کہ اے ہمارے رب تو نے جو فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں سامانِ زیب و زینت اور طرح طرح

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ج

کے مال و دولت سے نوازا ہے، (تو کیا یہ سب کچھ ان کو اسی لئے دیا ہے کہ) کہ تاکہ یہ لوگ بہکائیں (بھٹکائیں لوگوں کو)

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى

تیری راہ سے؟ و۱۴۸ اے ہمارے رب، غارت کردے ان کے مال (و دولت) کو، اور ایسا سخت کردے ان کے

قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

دلوں کو کہ یہ ایمان نہ لانے پائیں، یہاں تک کہ یہ دیکھ لیں اس دردناک عذاب کو (جس کے یہ مستحق ہو چکے ہیں)، و۱۴۹

۱۴۵ اپنے گھروں کو مسجدیں بنانے کی ہدایت و تلقین: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے وحی بھیجی موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو مسجد قرار دے دو ۔ کیونکہ اپنے کنیساؤں میں وہ فرعون اور اس کی قوم کے ڈر کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے ۔ اس لئے ان کو یہ حکم دیا گیا۔ (ابن کثیر، قرطبی، صفوہ، محاسن، اور جامع البیان وغیرہ)۔ سو اس سے نماز کی اہمیت اور اسکی تاثیر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم کو اس کی پابندی اور التزام کا اس طرح حکم دیا جاتا ہے۔ سو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کے بندھنوں کو توڑنے اور اسکی زنجیروں کو کاٹنے میں بھی اس عبادتِ مقدسہ کا خاص اثر ہے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ اس سے انسان کو حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی وہ توجہ اور عنایت حاصل ہوتی ہے جو اسکو خاص قوت سے سرفراز کر دیتی ہے۔ اس لیے حضرتِ موسیٰ اور ہارون کو حکم ہوا کہ مصر کے مختلف حصوں میں کچھ مقام نمازِ باجماعت کے لیے مخصوص کر دیں جن میں بنی اسرائیل مقررہ وقتوں میں نماز کے لیے جمع ہوا کریں اور تم اپنے

گھروں کو قبلہ قرار دیکر نماز باجماعت کا اہتمام کرو۔ سو یہ بعینہٖ اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی پُر مصائب زندگی میں دی گئی تھی۔ سو صبر و ہدایت اور نماز کے درمیان باہم خاص تعلق اور ربط وضبط ہے۔ اس لئے ان کے بارے میں خاص اہتمام وانتظام کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ والحمدُ للہ جَلّ وعلا،

۱۴۶ نماز ایک انقلاب آفریں عبادت: - سو ان کو مزید ہدایت فرمائی گئی کہ پابندی کرو نماز کی کہ اپنے خالق و مالک سے قرب اور اس کی نصرت و مدد حاصل کرنے کا سب سے بہتر اور سب سے عمدہ و کارگر ذریعہ نماز ہی ہے۔ اسی لئے امت محمدیہ کو بھی اس کی تلقین وتعلیم فرمائی گئی کہ تم صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد حاصل کرو۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿اِسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوةِ﴾ اور آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ نماز ہی کی طرف لوٹتے اور رجوع فرماتے تھے۔ سو نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کو بندے کی طرف متوجہ کرنے کی خاص تاثیر ہے۔ اور یہ ایک انقلاب آفریں عبادت ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ نماز قائم کرو ایک ہی قبلے کی طرف متوجہ ہو کر۔ کیونکہ قبلہ اور جہت کا اتحاد و اتفاق دلوں کے اتحاد و اتفاق کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اسی لیے نبی اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے نماز کے لیے تسویۂ صفوف کے بارے میں ارشاد فرمایا'' ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم '' یعنی'' تم آپس میں اختلاف نہیں کرنا کہ اسکے نتیجے میں تمہارے دلوں کے اندر اختلاف پیدا ہو جائے'' - والعیاذ باللہ - اور ان لوگوں کے اس قبلے کے بارے میں حضراتِ مفسرین کرام کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے جس کے استقبال اور اس کی طرف متوجہ ہونے کا ان لوگوں کو حکم دیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات کسی نص کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور یہاں پر ایسی کوئی نص موجود نہیں۔ (تفسیر المنار اور تفسیر المراغی وغیرہ) اس لئے اس بارے میں کسی بات سے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

۱۴۷ ایمان والوں کے لیے خوشخبری سنانے کا حکم وارشاد: - سو ارشاد فرمایا اور صاف وصریح ارشاد فرمایا گیا کہ خوشخبری سنا دو ایمان والوں کو کہ دنیا میں بھی بالآخر کامیابی انہی کو ملے گی اور آخرت میں بھی جنت اور اس کی سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی انہی کو نصیب ہو گی۔ بشرطیکہ وہ دولتِ ایمان سالم و پختہ میں ہوں۔ سو ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت وسرخروئی کی شاہ کلید ہے اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ اور اس عام بشارت میں عموم بشارت کے علاوہ خاص طور پر حضرتِ موسیٰ کی قوم کے اہلِ ایمان کے لیے بشارت ہے کہ انہوں نے جو اللہ ہی پر بھروسہ کر کے اسکے حضور دعاء کی تھی کہ ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ و آزمائش نہ بنانا اور ہمیں اپنی رحمت وعنایت سے ان کافر لوگوں سے نجات دے دے۔ سو ان کے لیے بشارت ہے کہ ان کی یہ دعا قبول فرمائی گئی۔ ان کو ان ظالموں سے نجات بھی دے دی گئی اور ان کے اس سب سے بڑے طاغی اور سرکش دشمن فرعون اور اسکے حواریوں کی ہلاکت اور تباہی کا سامان بھی کر دیا گیا جیسا کہ آگے آیت نمبر ۹۲ میں آ رہا ہے اور اس خوشخبری کے سنانے کا حکم وارشاد حضرتِ موسیٰ کو فرمایا گیا۔ کیونکہ نبوت و رسالت میں اصل وہی تھے۔ اور حضرتِ ہارون انکے تابع تھے۔ جن کو ان ہی کی دعاء و درخواست پر شرفِ نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا گیا تھا۔ (محاسن

التاویل، فتح القدیر، قرطبی، مراغی اور المنار وغیرہ)۔ سو ایمان ویقین کی دولت دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے۔ اس کے بغیر محرومی ہی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

١٢٨ کافروں کی دنیاوی ترقی انکی ہلاکت وتباہی میں اضافے کا باعث - والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کافروں کو دنیاوی دولت ملنے سے ان کے کفر اور خسارے ہی میں اضافہ ہوتا ہے کہ ایسے کفر وسرکشی پر اس ظاہری دولت کے ملنے کا انجام بہرحال یہی ہوتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے ساتھ دوسروں کی بھی محرومی اور ہلاکت وتباہی کا باعث بنتے ہیں۔ اسی لئے حضراتِ اہلِ علم اس لام کو لامِ عاقبت کہتے ہیں۔ جیسا کہ ﴿ فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ﴾ کی آیتِ کریمہ میں ہے۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ یعنی فرعون اور اسکے سرداروں کو مال و دولت کے ملنے کا نتیجہ و انجام بہرحال یہی ہے کہ یہ اس کے ذریعے اللہ کے راستے سے دوسروں کو بھی بہکاتے بھٹکاتے ہیں اور اس طرح یہ دوہرے جرم اور ڈبل خسارے کے مرتکب ہوتے ہیں - والعیاذ باللہ - سو کافروں کو دنیاوی مال و دولت کے ملنے سے ان کے کفر وعناد اور انکی سرکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرح ان کا مال و دولت ان کے خسارے ہی میں اضافے کا باعث بنتا ہے اور اس سے وہ لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں۔ جب ہی تو ہمیں یہ سب کچھ مل رہا ہے۔ ورنہ اگر ہم غلط ہوتے جیسا کہ اہلِ ایمان کہتے ہیں تو ہمیں یہ سب کچھ کیوں ملتا وغیرہ وغیرہ۔ سو اس طرح وہ نورِ حق وہدایت سے اور دور اور محروم ہوتے جاتے ہیں اور ان کی دنیاوی ترقی انکی ہلاکت وتباہی میں اضافے کا ذریعہ اور ان کے لیے عذاب دوزخ کا ذریعہ بنتی رہتی ہے - والعیاذُ باللہ - سو اصل دولت ایمان ویقین ہی کی دولت ہے، جس کے بعد ہر حالت میں خیر ہی خیر ہے۔

١٢٩ کفر وانکار کا نتیجہ وانجام دردناک عذاب - والعیاذُ باللہ:- سو کافروں کا عذاب انکے اپنے کفر وانکار کا طبعی نتیجہ وانجام ہے - والعیاذ باللہ - ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا انکے اپنے کفرِ مسلسل اور ظلم وعدوانِ پیہم کی بناء پر - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - واضح رہے کہ حضرتِ موسیٰؑ نے یہ دعا اُس وقت فرمائی تھی جبکہ آپؑ پر ان کا کفر وعناد واضح ہو چکا تھا کہ اب ان لوگوں نے کسی بھی صورت ایمان نہیں لانا۔ اور اب ان کا باقی اور موجود رہنا اللہ کی دھرتی پر ایک ناروا بوجھ اور دوسروں کی تباہی اور ہلاکت کا باعث ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ حضرتِ نوحؑ نے اپنے رب کے حضور اس طرح عرض کیا تھا ﴿ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ، اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴾ (نوح: ٢٦-٢٧) اس لیے حضرتِ موسیٰ نے ایک زمانے کی محنت اور دعوت وتبلیغ کے بعد جب دیکھا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں تو اس وقت آپ نے یہ دعا فرمائی۔ کہ چونکہ ان لوگوں سے اب خیر وبرکت اور اصلاح کی کوئی امید اور توقع نہیں اس لیے اب یہ باقی رہنے کے لائق نہیں کہ اب ان کا وجود اس دھرتی پر ایک ناروا بوجھ بن گیا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی اس دھرتی کو پاک اور صاف کیا جانا ضروری ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

قَالَ قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا فَاسۡتَقِیۡمَا وَلَا

جواب ملا کہ قبول کر لی گئی دعاء تم دونوں کی ف۱۵۰ پس تم دونوں ثابت قدم رہنا ف۱۵۱ اور

تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیۡلَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزۡنَا

پیروی نہیں کرنا ان لوگوں کے راستے کی جو علم نہیں رکھتے (حق اور حقیقت کا،) ف۱۵۲ اور پار کر دیا ہم نے

بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتۡبَعَہُمۡ فِرۡعَوۡنُ وَ

بنی اسرائیل کو سمندر سے، پھر پیچھا کیا ان کا، فرعون اور

جُنُوۡدُہٗ بَغۡیًا وَّعَدۡوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَہُ الۡغَرَقُ ۙ

اس کے لشکر نے ظلم اور زیادتی کی بناء پر ف۱۵۳ یہاں تک کہ جب آ پکڑا اس کو غرقابی نے

قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِہٖ

تو وہ پکار اٹھا کہ میں ایمان لے آیا اس حقیقت پر کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، جس پر ایمان لائے ہیں

۱۵۰ حضرتِ موسیٰ اور ہارون کو دعاء کی قبولیت کا مژدہ: - سو ان سے فرمایا گیا کہ تم دونوں کی دعاء کو قبول فرما لیا گیا۔ یہاں پر یہ امر بھی واضح رہے کہ دعاء تو حضرتِ موسیٰ -علیہ الصلوٰۃ والسلام- نے کی تھی مگر اس کے جواب میں ارشاد فرمایا یہ جا رہا ہے کہ تم دونوں کی دعاء کو شرفِ قبولیت سے نواز دیا گیا۔ یعنی موسیٰ اور ہارون دونوں کی دعاء۔ اس لئے کہ حضرتِ ہارون، حضرتِ موسیٰ -علیہما الصلوٰۃ والسلام- کی دعاء پر آمین کہتے جا رہے تھے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ آمین کہنا بھی دعاء ہے (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرتِ موسیٰ کی یہ دعاء آپؑ کے آخری دور کی تھی، جبکہ فرعون اپنے آخری انجام کو پہنچنے والا تھا۔ اور جب قدرت کا ارادہ اُس لعین کو تباہ کر کے اس کو فی النار والسقر کرنے کا ہو گیا تھا- والعیاذ باللہ من کل سوء و شر- ان دونوں حضرات کی دعاء کی اس طرح فوری قبولیت اور اسکی صاف اور صریح بشارت سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جو دعاء صحیح طریقہ سے اور ٹھیک وقت پر کی جاتی ہے اسکی قبولیت میں دیر نہیں لگتی۔ وہ اسی طرح فوراً شرف قبولیت پاتی ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل- بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ فرعون اور اس کے سرداروں کی ہلاکت و تباہی سے متعلق حضرتِ موسیٰ اور ہارون کی دعا کو قبول فرما لیا گیا -علیہما الصلوٰۃ والسلام- جس کے بعد فرعون اور اس کے سردار ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ والعیاذ باللہ۔

۱۵۱ ثابت قدم رہنے کی تلقین و ہدایت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ اور ہارون سے فرمایا گیا کہ ثابت

قدم رہنا تم دونوں راہِ حق پر اور چلتے رہنا میرے حکم پر۔ تمہاری دعاء قبول ہوگئی اور تمہارا مقصد اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔ پس دعوتِ حق کے اپنے مشن پر قائم رہو اور اپنی قوم کی اصلاح اور تعمیرِ کردار کی محنت میں لگے رہو۔ آخری فتح و کامرانی بہر حال تمہاری ہی ہے (المراغی وغیرہ)۔ بعض نے کہا کہ اس کے بعد بھی اس منحوس قوم کو چالیس برس تک اور بعض کے نزدیک چالیس دن تک مہلت ملی۔ (جامع البیان، وغیرہ)۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کی یہ دعاء آپ کی ایک عمر بھر کی محنت اور جہدِ مسلسل کے بعد اور آپؑ کی عظیم الشان دینی حمیت و غیرت کی بناء پر تھی۔ اور یہ آپ کے ایمانی جذبہ کا ایک طبعی نتیجہ تھا۔ (محاسن التاویل وغیرہ) کہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کے یہاں اصل چیز دین و ایمان کی متاعِ گرانمایہ ہی ہوتی ہے۔ اسی کے حصول پر وہ خوش ہوتے ہیں اور اسی کے فقدان پر - والعیاذ باللہ - ان کو غصہ آتا ہے جبکہ ابنائے دنیا کے نزدیک دنیائے فانی کا حطام زائل ہی اصل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں - الا ماشاء اللہ - اس لئے ان کی خوشی اور غم کا مدار و انحصار اسی پر ہوتا ہے۔

۱۵۲ بے علموں کی پیروی سے ممانعت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی پیروی نہیں کرنا جو حق اور حقیقت کا علم نہیں رکھتے اور اسی بناء پر وہ اس کائنات میں جاری و ساری ہماری سنتوں سے غافل و بے خبر ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ ہر موقع پر جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور کہتے اور چاہتے ہیں کہ نیکی کی جزا اور برائی کی سزا فوری طور پر اور نقدا نقد مل جائے۔ اور جب ایسے نہیں ہوتا تو وہ اس ہلاکت خیز غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ یہ کوئی اندھیر نگری ہے - والعیاذ باللہ - جہاں کسی نے پوچھنا ہی نہیں۔ اور نہ کوئی سزا و جزا ہونے والی ہے۔ اور اس طرح ان کا معاملہ بد سے بدتر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہو کر طرح طرح کے اندھیروں میں بھٹکنے لگتے ہیں اور بالآخر ہمیشہ کے لئے ابدی ہلاکت کے ہولناک گڑھے میں جا گرتے ہیں اور ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ کا مصداق بن جاتے ہیں جو کہ سب سے بڑا اور کھلا خسارہ ہے - ﴿وَذَالِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو علمِ حق کی دولت ایک عظیم الشان دولت ہے کہ اسی کی روشنی سے حق اور حقیقت کی راہیں روشن و استوار ہوتی ہیں - وباللہ التوفیق - اللہ ہمیشہ اپنے پیارے اور نیک بندوں کی صحبت و معیت نصیب فرمائے اور نفس و شیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۵۳ فرعون کے آخری اور ہولناک انجام کا ذکر: - سو فرعون بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے کو نکلا اور اس کا نتیجہ و انجام نہایت ہی ہولناک شکل میں اس کے سامنے آیا۔ وہ تو ان کے پیچھے اس لیے نکلا تھا کہ وہ ان کو پکڑ کر تہِ تیغ کر دے۔ یا ان کو واپس لے جا کر مصر میں غلامی کی زنجیروں میں پھر سے جکڑ دے۔ (المراغی)۔ مگر وہ خود غرقِ آب ہو کر اپنے آخری انجام کو پہنچ گیا کہ اس کو دی گئی مہلت کی مدت اب پوری ہوگئی تھی۔ اس لئے اس کا مقدر اس کو خود ہی وہاں کھینچ لایا۔ سو یہ اللہ پاک کی بے آواز لاٹھی کی ضرب کا ایک نمونہ اور مظہر ہے کہ فرعون نکلا تو تھا بنی اسرائیل کو پکڑنے کیلئے لیکن خود غرقاب ہو کر فی النار السقر ہوگیا۔ اور وہ اپنے اس آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہا جس کا اس کو خیال بھی نہیں تھا۔ سو ایسے ہی ہوتی ہے قدرت کی بے آواز لاٹھی کہ انسان خود چل کر اس کی چوٹ کھانے کو پہنچتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔

بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ

بنی اسرائیل، اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں، (جواب ملا کہ) تو اب ایمان لاتا ہے؟ ۱۵۴

وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾

حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی ہی پر کمربستہ رہا، اور فساد برپا کرنے والوں ہی میں شامل رہا؟ ۱۵۵

۱۵۴ فرعون کو اسکے دعوائے ایمان کا جواب: - سو غرقابی کے اس موقع پر فرعون نے اپنے ایمان کا اعلان کیا لیکن اس کو جواب ملا کہ اب ایمان لاتے ہو جبکہ اس سے پہلے تم کفر ہی کرتے رہے تھے؟ اور اس کو یہ جواب اللہ پاک کی طرف سے یا جبریلِ امین کی جانب سے دیا گیا۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو اس کے بارے میں یہ دونوں ہی احتمال موجود ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں۔ مطلب بہرحال ایک ہی ہے کہ تو اب ایمان لا رہا ہے جبکہ اس کا وقت گزر چکا اور اس کا موقع ہاتھ سے نکل گیا اور اللہ کے عذاب نے تجھے دبوچ لیا۔ سو یہ وقت ایمان لانے کا نہیں بلکہ اپنے کفر و انکار اور تمرد و سرکشی کے بھگتان کے بھگتنے کا ہے۔ سو اس میں اس لعین کی نہایت تذلیل و تحقیر ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ بات قولاً ہی کہی گئی ہو جیسا کہ ظاہر اور متبادر ہے اور جیسا کہ ابھی گزرا۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مقصود صورتِ حال کی تصویر ہو۔ جو بھی ہو اس کے اس بے وقت کے دعوائے ایمان کو اس کے منہ پر مارا گیا کہ تم اب ایمان لاتے اور اپنے اسلام کا دعوٰی کرتے ہو جبکہ عذاب نے تم کو آدبوچا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے تم نافرمانی کرتے اور فساد ہی مچاتے رہے ہو۔ سو اب تمہارا یہ دعوٰی قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ یہ ایمان، ایمانِ مشاہدہ ہے نہ کہ ایمان بالغیب جو کہ اصل مطلوب ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۵۵ اعتبار صرف ایمان بالغیب کا ہے: - یعنی پوری زندگی کفر و انکار کے ساتھ گزارنے کے بعد اب مشاہدۂ عذاب کے بعد کا تیرا یہ ایمان معتبر نہیں کہ یہ ایمانِ باس یا ایمانِ یاس کہلاتا ہے۔ جو کہ معتبر و مقبول نہیں کہ معتبر و مقبول ایمان وہ ہے جو کہ انسان اپنی مرضی و اختیار سے لاتا ہے۔ اور اس کا وقت موت سے پہلے ہے۔ اور جس کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے کہ وہ بن دیکھے حضراتِ انبیاء و رسل - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کی دعوت پر لایا جاتا ہے۔ سو وہی ایمان معتبر ہے۔ اسی کی قدر و قیمت ہے اور وہی ایمان انسان کے کام آسکتا ہے دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی کہ دنیا میں اس سے انسان کو حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی نصیب ہوتی ہے جو کہ سعادتوں کی سعادت اور اپنے اندر کئی سعادتیں اور رحمتیں و برکتیں رکھتی ہے۔ اور اسی سے انسان کو آخرت کے اس جہانِ نادیدہ میں جنت کی سدا بہار نعیمِ مقیم سے سرفرازی نصیب ہوگی جبکہ ایمان بالمشاہدہ نہ مفید ہے اور نہ مطلوب و معتبر - کہ اس پر نہ ثواب و عقاب کا ترتب ہو سکتا ہے اور نہ انسان ان انعامات کا مستحق ہو سکتا ہے، جو ایمان بالغیب کی بناء پر اہلِ ایمان کو ملتے ہیں، پس اصل چیز ایمان بالغیب ہی ہے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ

پس اب تو ہم تیری لاش ہی کو بچائیں گے، تا کہ تو نشان عبرت بن جائے اپنے پیچھے آنے والوں

اٰيَةً ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا

کے لئے، اور و۱۵۶ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہماری آیتوں سے بالکل

۱۵۶ فرعون کی لاش کی حفاظت نشانِ عبرت کے طور پر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اب ہم تیری لاش کو ہی بچالیں گے تا کہ تو نشانِ عبرت بن جائے اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے کہ یہ ہے انجام اُس شخص کا جو کہ ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کا دعویدار تھا تا کہ اس طرح ایک طرف تو بنی اسرائیل کو اس کی موت کا یقین ہو جائے جو کہ صدیوں سے اس کی غلامی میں جکڑے ہوئے طرح طرح سے اس کے ظلم وستم سہہ رہے تھے کہ ان کو ایسے جابر وظالم کے مرنے کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا (ابنِ کثیر وغیرہ) اور دوسری طرف خود اس کی اپنی قوم قبط کی آنکھیں بھی کھل جائیں کہ جس کی وہ پوجا کر رہے تھے اس کا آخری انجام یہ ہے۔ اسی لئے حضراتِ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ﴿نُنَجِّيكَ﴾ یہاں پر "نَجْوَہ" سے ماخوذ ومشتق ہے۔ جس کے معنی بلند جگہ کے آتے ہیں۔ یعنی اس کی لاش کو اس کی موت کے بعد ہم نے سمندر کے کنارے ایک اونچی جگہ پر ڈال دیا تا کہ وہ دیکھنے والوں کے لئے نشانِ عبرت بن جائے۔ چنانچہ وہ جگہ جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر آج تک موجود اور معروف ہے جہاں فرعون کی لاش پڑی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کو موجودہ زمانے میں جبلِ فرعون کہا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک گرم پانی کا ایک چشمہ بھی موجود ہے جس کو مقامی آبادی نے حمامِ فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے اور علاقے کے باشندے اسی جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہیں پڑی ہوئی ملی تھی۔ سو اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون ہے جس کا نام تاریخی روایات اور اثریات میں منفتہ ذکر کیا گیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے میوزیم میں موجود ہے جس کو حنوط کے ذریعے محفوظ کر لیا گیا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں حفریات اور آثارِ قدیمہ کے ایک ماہر مسٹر الیسٹ سمتھ نے جب اس کی ممی پر سے پٹیاں کھولیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کہ اس کے کھارے پانی میں غرق ہونے کی ایک کھلی علامت تھی۔ اور حسنِ اتفاق یہ ہے کہ اس وقت جبکہ راقمِ آثم دبی میں بیٹھا یہ سطور تحریر کر رہا ہے فرعون کی وہ لاش اس وقت دبی میں موجود ہے جہاں اس پر اس کو سالانہ تجارتی میلہ (المہر جان السنوی لِلتسوق ۹۷ء) (Anual Trading Festivel - 97) میں مصری بازار میں نمائش کے لئے رکھا گیا ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے پانچ درہم کا ٹکٹ بھی لگایا گیا ہے۔ اور یہ تحریر جو اس وقت راقمِ آثم کے قلم سے ہو رہی ہے ۲۶ اپریل ۱۹۹۷ء کی تحریر ہے۔ سو دنیا پانچ درہم کا ٹکٹ خرید کر اس کو دیکھ تو رہی ہے لیکن یہ نہیں سوچتی کہ یہ شخص اس انجام کو کیوں پہنچا اور اس میں دنیا والوں کیلئے کیا درسِ عبرت و بصیرت ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہر کیف فرعون کی غرقابی کے بعد اس کی لاش کو محفوظ رکھ دیا گیا تا کہ وہ دیکھنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بن سکے۔ اور دنیا دیکھ سکے کہ اپنی خدائی کا دعویدار کس انجام سے دوچار ہوا؟

لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ

غافل ہیں، ۱۵۷ اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو بہت عمدہ

صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا

ٹھکانا دیا۱۵۸ اور انہیں طرح طرح کی پاکیزہ چیزیں عطا کیں، ۱۵۹ پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا

حَتّٰی جَآءَھُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ

یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گیا علم (حق اور حقیقت کا) ۱۶۰ یقیناً تمہارا رب (قطعی اور عملی طور پر) فیصلہ فرما دے گا

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ

ان کے درمیان ان تمام باتوں کا جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے رہے تھے، ۱۶۱ سو اگر

کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ فَسْــَٔلِ الَّذِیْنَ

آپ کو کوئی شک (وشبہ) ہو اس (وحی وکتاب) کے بارے میں جس کو ہم نے اتارا ہے آپ کی طرف، تو آپ پوچھ لیں

یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ لَقَدْ جَآءَکَ

ان لوگوں سے جو کتاب پڑھتے ہیں آپ سے پہلے ۱۶۲ بلاشبہ آ چکا آپ کے پاس

۱۵۷ اکثر لوگ غافل ولاپرواہ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا:— سو ارشاد فرمایا گیا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں۔ اس لیے وہ ان نشانیوں سے کوئی سبق نہیں لیتے۔ سو غفلت ولاپرواہی بیماریوں کی بیماری اور خرابی وفساد کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پس غفلت کے مارے ایسے لوگ نہ تو ان میں غور وفکر سے کام لیتے ہیں اور نہ ان سے عبرت پکڑتے ہیں۔ سو غفلت ولاپرواہی بیماریوں کی بیماری اور فساد وخرابی کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ لیکن افسوس آج امتِ مسلمہ کی بھاری اکثریت اسی مرض میں مبتلا اور اسی بیماری کا شکار ہے۔ اور وہ غور وفکر کے اس گوہرِ مقصود سے غافل وبے فکر ہو کر بطن وفرج کی خواہشات کی تکمیل کیلئے جی رہی ہے اور بس۔ الا ماشاء اللہ العزیز۔ ورنہ اگر یہ لوگ ہماری ان نشانیوں میں غور وفکر سے کام لیتے تو ان کو عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ملتے۔ ان کی آنکھیں کھل جاتیں اور ان کے دل ودماغ روشن ہو جاتے۔ مگر غفلت ولاپرواہی نے ان کا ایسا بیڑا غرق کر دیا ہے کہ یہ اندھے کے اندھے ہی رہے۔ سو اسی طرح فرعون کی لاش کو ہم نے نشانی عبرت کے طور پر باقی رکھا جو آج تک کے فرعونوں کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے مگر اس کو دیکھنے کے لیے جن عبرت پذیر نگاہوں کی ضرورت ہے وہ آج بھی کم

یاب بلکہ نایاب ہیں - الا ماشاء اللہ - وباللہ التوفیق لما یحب وعلی ما یحب ویرید جل وعلا۔

۱۵۸ بنی اسرائیل کے لیے عمدہ ٹھکانے کی فراہمی :- سو ارشاد فرمایا گیا اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو بہت عمدہ ٹھکانہ دیا۔ یعنی بلادِ شام و فلسطین میں جو کہ نبیوں، پیغمبروں کی سرزمین ہے۔ اور جسے قرآنِ حکیم میں ارضِ مقدس اور ارضِ مبارکہ فرمایا گیا ہے۔ جو کہ اپنی ظاہری و باطنی اور حسی و معنوی خیرات و برکات کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے اور جس کو شہد اور دودھ کی سرزمین ''ارض العسل والحلیب'' کہا جاتا ہے۔ جبکہ بعض حضراتِ اہل علم کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ارضِ شام و مصر ہے کہ فرعون کی غرقابی کے بعد ارضِ مصر بھی ان حضرات کی زیرِ نگین آ گئی تھی۔ (المراغی وغیرہ) - والعلم عند اللہ تعالیٰ - سو اس میں بنی اسرائیل پر کیے گئے ایک عظیم الشان انعام و احسان کا ذکر ہے کہ صدیوں تک غلامی کی زنجیروں میں بندھی جکڑی اور ظلم و زیادتی کی چکی میں پسنے والی اس قوم کو ہم نے آزادی کی نعمت سے سرشار کر کے ایسی سرزمین کا وارث بنایا لیکن اس ناشکری قوم نے کفرانِ نعمت ہی سے کام لیا - والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ کفرانِ نعمت کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضاء اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین۔

۱۵۹ بنی اسرائیل کے لیے پاکیزہ چیزوں سے روزی کا انتظام :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کے لیے عمدہ روزی کا انتظام کیا اور ان کو طرح طرح کی پاکیزہ چیزیں عطا کیں۔ چنانچہ وادئ تیہ میں ان کے لئے آسمان سے من و سلوٰی اتارا۔ لق و دق صحرا میں ان کے لئے پانی کے چشمے جاری کر دیئے۔ وہاں کی چلچلاتی دھوپ میں ان پر بادلوں کے سائے کر دئے اور اس کے بعد ارضِ فلسطین میں جس کو ان کی کتابوں میں ''دودھ اور شہد کی سرزمین'' کہا گیا ہے اس میں ان کو ٹھکانا دیا۔ ان کے لئے طرح طرح کے غلے پیدا کئے اور پیداواریں اگائیں۔ اور ان کو خشکی و تری کی قسما قسم کی نعمتوں سے نوازا۔ مگر اس ناشکری قوم کے اطوار پھر بھی درست نہ ہوئے بلکہ یہ لوگ ٹیڑھے کے ٹیڑھے ہی رہے جس کا خمیازہ انہیں دنیاوی ذلت و خواری اور اُخروی عذاب کی شکل میں بھگتنا پڑا۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے کفرانِ نعمت کا۔ اور اس طرح وہ نعمتیں نقمت اور وبال بن جاتی ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو شکرِ نعمت باعثِ خیر و برکت اور سرفرازئ مزید کا ذریعہ و وسیلہ ہے جبکہ کفرانِ نعمت موجبِ ہلاکت و خسران - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ شکرِ نعمت کی توفیق بخشے اور کفرانِ نعمت کے ہر شائبے سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۶۰ بنی اسرائیل کا اختلاف نورِ علم سے سرفرازی کے بعد :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ پہنچ گیا انکے پاس علم۔ یعنی علمِ وحی کہ علم درحقیقت وہی ہے جو وحی کے ذریعے میسر آئے۔ پس اس عظیم الشان روشنی سے مشرف و سرفراز ہونے کے بعد اصلاح پانے کی بجائے یہ لوگ اور بگڑ گئے۔ سو یہی حال ہوتا ہے ان بدبختوں کا جن کی نیتیں بری، ارادے فاسد اور مزاج خراب ہو چکے ہوتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - پس ان کا اختلاف جہالت اور لاعلمی کی بناء پر نہیں تھا بلکہ دیدہ و دانستہ اور نورِ علم کے آ جانے کے بعد ہے۔ اور یہ جانتے بوجھتے حق کی مخالفت کرتے ہیں جس سے ان کا جرم اور بھی سنگین ہو جاتا ہے۔ سو یہ وہ بدبخت قوم ہے جس نے رات کے اندھیرے میں نہیں دن کے اجالے میں ٹھوکر کھائی۔ اور گہرے کھڈے کو دیکھنے کے باوجود اس میں چھلانگ لگائی، جس سے ان کا جرم

ڈبل اور مزید سنگین ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کے انجام بد کی ذمہ داری خود انہی کے کندھوں پر ہے۔ اور اس کا خمیازہ ان کو بھگتنا ہوگا۔

۱۶۱ اصل اور آخری فیصلہ قیامت ہی کے روز: سو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے روز تمہارا رب ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ یعنی عملی اور آخری طور پر کہ اس روز وہ اہلِ حق کو جزاء خیر سے نوازے گا اور اہلِ باطل کو جزاء شر سے۔ ورنہ علمی طور پر فیصلہ تو ہدایت وحی کے ذریعے اسی دنیا میں فرما دیا گیا ہے لیکن عملی اور آخری طور پر ان کا فیصلہ آخرت کے اس یوم حساب ہی میں ہوگا جو کہ فیصلے کا دن ہوگا اور جس میں ہر کسی کو اپنی زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پورا صلہ اور بدلہ پانا ہوگا تا کہ عدل و انصاف کے تقاضے اپنی اصلی اور آخری شکل میں پورے ہو سکیں۔ اور اس کائنات کے مقصد تخلیق کی تکمیل ہو سکے۔ ورنہ یہ سارا کارخانۂ ہست و بود عبث اور بے مقصد قرار پائے گا جو کہ اسکے خالق حکیم کی حکمتِ بے پایاں کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اللہ کے دین کے بارے میں ان لوگوں نے جو دھاندلی مچائی ہے اور کتابِ الٰہی کی جن حقیقتوں پر انہوں نے پردہ ڈالا ہے ان سب باتوں اور تمام اختلافات کا آخری اور عملی فیصلہ قیامت کے اس یوم فصل و تمیز میں ہوگا جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے مقرر فرما رکھا ہے جس روز ان کا سب کچا چٹھا ان کے سامنے آجائے گا۔ اُس روز ہر کوئی اپنے کیے کرائے کا پھل پائے گا اور ہر کوئی اپنے جرم و قصور کے مطابق اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر رہے گا۔ اس دنیا میں آخری فیصلہ نہ ہوگا نہ ہونا ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دن کی رسوائی سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۶۲ خطاب پیغمبر سے اور عتاب مکذبین پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ کو اے پیغمبر اس وحی و کتاب کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ سو اس ارشاد میں خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے ہے لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے اور یہ بلاغت کا ایک خاص اسلوب ہے کہ خطاب کسی سے ہو اور سنانا کسی اور کو مطلوب ہو۔ پس یہاں پر خطاب اگرچہ بظاہر حضرت رسالتمآب ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے ہے کہ وحی کے اولین اور اصل مخاطب تو بہر حال آپؐ ہی ہیں مگر سنانا درحقیقت دوسروں کو ہے۔ اور یہ بلاغت کا ایک خاص اور مشہور و معروف اسلوب ہے اور اس طرزِ خطاب اور اسلوبِ بیان میں جو قوت اور زور ہے وہ اسکے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ آنحضرت ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو کوئی شک تھا ہی نہیں۔ چنانچہ حضرت قتادہؓ اور ابنِ عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس آیتِ کریمہ کے نزول پر آنحضرت ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا کہ میں نے نہ تو لمحہ بھر کے لئے کبھی کوئی شک کیا ہے اور نہ ہی میں کسی سے پوچھتا ہوں۔ (جامع البیان، روح، القرطبی، المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ سو یہ اسلوب ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے سے کہے کہ "اگر تم میرے بیٹے ہو تو بہادر بنو"، "اِنْ اَنْتَ اِبْنِیْ فَکُنْ شُجَاعًا" یا جیسے کوئی کہے کہ "اگر پانچ کا عدد جفت ہے تو دو مساوی حصوں پر تقسیم ہو جائے گا" "اِنْ کَانَتِ الْخَمْسَۃُ زَوْجًا فَیَنْقَسِمُ بَیْنَ اِثْنَیْنِ"۔ سو اس انداز میں بات بطورِ فرض کہی جاتی ہے جس سے معنٰی کے اندر ایک خاص زور اور قوت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ ظاہر اور واضح ہے۔ ورنہ ایسا کہنے والے شخص کو نہ تو اپنے بیٹے کے بیٹا ہونے میں کوئی شک ہوتا ہے اور نہ پانچ کے طاق ہونے میں کسی طرح کا کوئی شک ہو سکتا ہے۔ سو یہ خاص اندازِ زورِ بیان و بلاغتِ کلام کا ایک مشہور و معروف اسلوب ہے۔

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۹۴﴾

حق آپ کے رب کی طرف سے، پس آپ کبھی شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا،

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ

اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہونا جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو،

فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۹۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ

کہ اس کے نتیجے میں آپ ہو جائیں خسارہ اٹھانے والوں میں سے، و۱۶۳ بے شک جن لوگوں پر پکی ہوگئی

عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ

بات آپ کے رب کی، وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے و۱۶۴ اگرچہ ان کے پاس آجائے

كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا

ہر نشانی و۱۶۵ یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں اس بڑے دردناک عذاب کو و۱۶۶ سو کیوں نہ ہوئی

۱۶۳ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کا انجام ہولناک خسارہ - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا پس تم کبھی ان لوگوں میں سے نہیں ہونا جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو کہ اس کے نتیجے میں تم خسارے میں پڑ جاؤ کہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کا نتیجہ ہولناک خسارہ ہے۔ جس طرح کہ وہ لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہو کر دنیا و آخرت دونوں کی سعادت اور فوز و فلاح سے محروم ہو گئے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو اس میں بھی وہی اوپر والا اسلوبِ بیان اختیار فرمایا گیا ہے کہ خطاب پیغمبر سے ہے لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے۔ یعنی مشرکینِ مکہ کو۔ اور اس میں دراصل ان کے اس طمع اور لالچ کو ختم کرنا ہے کہ پیغمبر بھی ہماری بات مان سکتے ہیں۔ سو اس اسلوب بیان سے ان کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ ایسے کبھی نہیں ہوسکتا ہے کہ اس میں دارین کا خسارہ و نقصان ہے جسکو پیغمبر معصوم کبھی نہیں اختیار کر سکتے۔ (قرطبی، بیضاوی وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اور نہ ہی آپ ان لوگوں میں سے ہو جانا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا کہ اس کے نتیجے میں تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (المنار، المراغی، الفتح اور القرطبی وغیرہ) سو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کا نتیجہ وانجام نہایت ہولناک خسارہ ہے جسکی سزا ایسے لوگوں کو بھگتنا ہی ہوگی اور نہایت سخت انداز میں بھگتنا ہوگی، تب انکو اسکی سنگینی کا علم اور احساس ہوگا اور اسوقت انکی آنکھیں کھل سکیں گی۔

۱۶۴ عناد و ہٹ دھرمی کا نتیجہ وانجام دائمی محرومی - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات پکی ہوگئی وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ پس ایسے محروم القسمت لوگوں کے ایمان نہ لانے

سے آپ صدمے میں نہ پڑیں کہ انہوں نے اپنے خبث باطن اور سوء اختیار کی بناء پر اپنے آپ کو خود اس شرف کی اہلیت اور صلاحیت سے محروم کر دیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - پس ایسوں سے ایمان کی توقع ہی نہیں رکھنی چاہیئے کہ انہوں نے ایمان لانا ہی نہیں۔ تاکہ اس قطعِ طمع کے بعد آپکو پریشانی نہ ہو۔ سو اس ارشادِ ربانی میں اس سنتِ الٰہی کا حوالہ ہے جو اللہ پاک کی اس کائنات میں کارفرما ہے کہ جو لوگ عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں وہ شدہ شدہ ایمان باللہ اور قبولِ حق کی اہلیت وصلاحیت ہی سے محروم ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں ان پر مہر جباریت لگ جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے خسارے اور محرومی میں مبتلا ہو کر رہتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - (المنار، الفتح اور المراغی وغیرہ) - اللہ تعالیٰ ہمیشہ عناد و ہٹ دھرمی سے بچا کر انابت و رجوع کی سعادت سے نوازے - اور شیاطین جن وانس کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۶۵ ہٹ دھرموں نے کبھی ایمان نہیں لانا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے ہٹ دھرم لوگ کبھی ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ان کے پاس ہر نشانی بھی آ جائے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں پر ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ وہ حق اور ہدایت کو قبول کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو بات صرف معجزہ اور نشانی کی نہیں بلکہ اصل مدار طلبِ صادق اور آمادگیٔ قبولیت پر ہے۔ اسکے بغیر اگر وہ ہر نشانی دیکھ لیں تو بھی انہوں نے ایمان نہیں لانا۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومی کی جڑ اور بنیاد ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو انسان کے بناؤ بگاڑ اور اسکی صحت وفساد کا اصل دار و مدار اسکے اپنے قلب و باطن پر ہے۔ اگر اسکی نیت درست اور ارادہ صحیح ہو اور اسکے اندر طلبِ صادق کا جذبہ پایا جاتا ہو تو اس کے لیے حضرتِ واہبِ مطلق - جل شانہٗ - کی طرف سے عنایات ہی عنایات اور نوازشیں ہی نوازشیں ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اگر وہ عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لے تو پھر اس کے لیے محرومی کے سوا کچھ نہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۱۶۶ اعتبار ایمان بالغیب کا ہے نہ کہ ایمان بالشہود والمشاہدہ کا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں اس دردناک عذاب کو جس کے یہ مستحق ہو چکے ہیں سو اس وقت ایسے لوگ ایمان تو لائیں گے اور چیخ چیخ کر اپنے ایمان لانے کا اعلان کریں گے مگر اس وقت کا ان کا وہ ایمان معتبر نہیں ہو گا کہ اضطرار اور مجبوری کا ایمان معتبر نہیں ہوتا کہ وہ ایمان بالمشاہدہ ہوتا ہے۔ جبکہ معتبر اور مطلوب وہ اختیاری ایمان ہے جو کہ بالغیب اور بن دیکھے ہو۔ جس کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے اور جو حضراتِ انبیائے کرام کی دعوت وتبلیغ کے مطابق لایا جاتا ہے۔ سو اس میں بھی اصل میں ہٹ دھرموں کی ضد وعناد اور ان کی ہٹ دھرمی کے نتیجہ وانجام کو بیان فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اب بہرحال ایمان نہیں لانا۔ یہاں تک کہ یہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہیں - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس وقت یہ لوگ ایمان لائیں گے اور چیخ چیخ کر ایمان لائیں گے مگر اس وقت کے اس ایمان کا ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا کہ وہ مجبوری اور اضطرار کا ایمان ہو گا جو کہ نہ مطلوب ہے اور نہ ہی مفید - ﴿وَاَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ﴾ - یعنی ان کے لئے اس دولت کو پانا کس طرح ممکن ہے اتنی دور جگہ سے؟ پس اصل مطلوب ومفید وہ ایمان بالغیب ہے جو بن دیکھے اور اپنے ارادہ واختیار سے ہو - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید -

كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ

کوئی ایسی بستی جو ایمان لاتی پھر اس کو اس کا ایمان فائدہ دیتا، سوائے قوم

يُوْنُسَ ط لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ

یونس کے، کہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ٹال دیا ان سے رسوائی کا عذاب

فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ

دنیا کی زندگی میں، اور ان کو فائدہ اٹھانے دیا متاع دنیا سے ایک خاص وقت تک و ۱۶۷ اور اگر

۱۶۷ قوم یونس کے استثنائی قصے کا ذکر و بیان:- سو قوم یونس کی اس استثنائی صورت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے ٹال دیا ذلت و رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں اور ان کو متاع دنیا سے فائدہ اٹھانے دیا ایک خاص وقت تک کہ اس قوم کا ایمان دراصل عذاب آنے کے بعد نہیں بلکہ اس کی علامتوں اور نشانیوں کے ظہور کے فوری بعد کا تھا۔ جیسا کہ روایات میں وارد ہے کہ ان لوگوں کی مسلسل تکذیب کے بعد جب حضرتِ یونسؑ نے ان کو بتایا کہ تم پر اتنی مدت کے بعد عذاب آنے والا ہے اور اس کے بعد آپؑ ان لوگوں کے درمیان سے نکل گئے جس سے ان کے دلوں میں واقعۃً خوف پیدا ہو گیا کہ حضرتِ یونسؑ کا ہمارے درمیان سے نکل جانا فی الواقع اس کی علامت ہے کہ اب وہ عذاب آیا ہی چاہتا ہے۔ اور عذاب کی کچھ نشانیاں بھی ظاہر ہونے لگیں تو وہ سب فوراً باہر نکل کھڑے ہوئے۔ اپنے چھوٹے معصوم بچوں اور جانوروں سمیت اپنے گھروں سے نکل کر باہر کھلے میدان میں پہنچ گئے۔ انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ توبہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے صدق و اخلاص اور تضرع و الحاح کی بناء پر خدائے رحیم و کریم کی رحمتِ شاملہ اور عنایتِ کاملہ نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ عذاب ان سے ٹل گیا جو کہ ان پر سایہ فگن ہو چکا تھا۔ اور اس کے منڈلاتے بادل ان کے سروں سے چھٹ گئے۔ سو ہلاک شدہ قوموں میں کوئی دوسری قوم اس طرح کی نہ ہوئی جو اس طرح صدقِ دل سے توبہ اور رجوع الی اللہ کے شرف سے مشرف ہوتی تاکہ اس طرح وہ اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بچ جاتی۔ سوائے قوم یونس کے۔ (طبری، قرطبی، مراغی، محاسن اور معارف وغیرہ وغیرہ)۔ سو تاریخ کے اس حوالے سے نبی اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو تسلی دی گئی کہ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے انکی قومیں عذاب دیکھنے سے پہلے ایمان نہ لائیں۔ اس لیے ان کے اس مجبوری اور اضطراری ایمان سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سوائے قومِ یونس کے کہ وہ لوگ عذاب کے ظہور سے پہلے ایمان لے آئے تو اس عذاب سے محفوظ رہ گئے جس کے ظہور میں اب زیادہ دیر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ سو ایسے وقت کی توبہ قبول ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں آنے والا عذاب ٹل جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللہ ہر قسم کے عذاب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ

تمہارا رب چاہتا تو جتنے بھی لوگ روئے زمین پر آباد ہیں وہ سب کے سب ایمان لے آتے ایک ساتھ، ۱۶۸

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

تو کیا آپ مجبور کریں گے لوگوں کو کہ وہ مسلمان ہو جائیں؟ ۱۶۹

۱۶۸ جبری ایمان نہ مطلوب ہے نہ مفید: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہارا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔ سو اگر سب کو بالجبر مسلمان بنانا مقصود ہوتا تو یہ کام اُس قادرِ مطلق کیلئے کچھ مشکل نہ تھا بلکہ اس کیلئے محض ایک اشارہ ہی کافی تھا۔ اور اس کے لئے تو محض ارادۂ خداوندی کی دیر تھی۔ مگر ایسا ایمان تو مطلوب و مقصود ہی نہیں۔ بلکہ مقصود و مطلوب تو وہ ایمان ہے جو انسان کی اپنی مرضی واختیار سے ہو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ ﴾ (الشعراء: ۴) یعنی "اگر ہم ایسا ایمان چاہتے تو اس کیلئے آسمان سے ایک نشانی اتار دیتے جسکے آگے ان سب کی گردنیں بلا اختیار جھک جاتیں" لیکن ایسا جبری ایمان تو سرے سے مطلوب ہی نہیں۔ سو جب اُس قادرِ مطلق کے حکم وارشاد اور اُسکی مشیت وارادہ سے آسمان و زمین اور سورج و چاند کے یہ عظیم الشان کُرّے بلا کسی چون و چرا کے لگاتار مصروفِ سفر اور محوِ گردش ہیں۔ اور لمحہ بھر کے لیے آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ تو پھر چندفٹ کے اس انسان کی کیا مجال تھی کہ یہ اسکے حکم وارشاد سے ذرہ برابر کوئی سرتابی کر سکتا؟ لیکن ایسا جبری ایمان تو سرے سے مطلوب ہی نہیں۔ ورنہ پھر ثواب وعقاب کے کیا معنیٰ ہوتے اور جنت و دوزخ کا استحقاق کس بناء پر ہوتا؟ مطلوب و مفید وہ ایمان بالغیب ہے جو انسان اپنے ارادۂ واختیار سے لائے- اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۶۹ پیغمبر کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان: -سو ارشاد فرمایا گیا تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ سب ایمان لے آئیں؟ اپنی انتہائی درجے کی ہمدردی اور غایتِ حرص کی بناء پر۔ اور استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی آپ ایسا نہ کریں کہ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (البقرة نمبر ۲۷۲) بلکہ آپ کا اصل کام ہے پیغامِ حق پہنچا دینا اور بس۔ اور وہ آپؐ نے پہنچا دیا۔ بس آپ کا فرض پورا ہو گیا۔ باقی آگے ان سے نمٹنا اور حساب لینا سو وہ ہمارا کام ہے- اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَاب سو اس ارشاد میں ایک طرف تو پیغمبر کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ آپ کا کام منوانا نہیں بلکہ کلمۂ حق کی تبلیغ اور تعلیم و تلقین ہے اور بس۔ اور وہ آپ کر چکے۔ اب آپ کا ذمہ فارغ۔ دوسری طرف اس میں منکرین ومکذبین کے لیے تنبیہ وتہدید ہے کہ اب آگے خدا کے یہاں پرسش خود تمہاری ہونی ہے اور اپنے کیے کرائے کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اب تم لوگ اپنے بارے میں خود دیکھ اور سوچ لو کہ تم کہاں کھڑے ہو اور کس نتیجہ وانجام کے مستحق ہو؟ اور اپنی اصلاح کر لو قبل اس سے کہ فرصتِ عمل تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تمہیں ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہونا پڑے- والعیاذ باللہ العظیم-

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ

اور کسی شخص کے بس میں نہیں کہ وہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے اذن سے، اور

يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اللہ ڈال دیتا ہے گندگی (کفر و شرک اور الحاد و بے دینی کی) ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے ف ۱۷۰

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا

ان سے کہو کہ ذرا دیکھو تم لوگ کہ کیا کچھ (سامانِ عبرت و بصیرت) ہے آسمانوں اور زمین میں؟ ف ۱۷۱ مگر

۱۷۰ گمراہ لوگوں کی گمراہی کی ذمہ داری خود انہی پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ گندگی ڈال دیتا ہے ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے اور وہ صحیح طور پر سوچ و بچار نہیں کرتے جس سے وہ نورِ حق و ہدایت سے اور بھی دور اور محروم ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اندھے اور اوندھے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ سو گمراہوں کی گمراہی کی ذمہ داری خود انہی پر ہوتی ہے۔ سو اس سے غور و فکر کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ پس جو لوگ اپنی عقل سے صحیح کام نہیں لیتے وہ بڑے خسارے میں ہیں کہ وہ اللہ پاک کے قائم فرمودہ دلائل و براہین میں غور و فکر نہیں کرتے تا کہ نورِ حق و ہدایت سے بہرہ ور و سرشار ہو سکیں۔ اور انہوں نے اس کے برعکس نورِ عقل کو مادہ اور معدہ کی خدمت اور بطن و فرج کی ملذات کی تکمیل میں لگا کر اس کی اصل اہمیت و افادیت کو ختم کر دیا اور یہ اندھے بہرے بن گئے۔ اور اس طرح یہ لوگ ایک بڑے ہی سنگین اور ہولناک خسارے میں مبتلا ہو گئے جسکی پھر تلافی و تدارک بھی ممکن نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بہر کیف اس ارشاد سے ایمان لانے والوں اور نہ لانے والوں کے بارے میں قدرت کی طرف سے مقرر سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ جو بھی ایمان لاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اسکے اذن ہی سے لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اذن و توفیق سے سرفرازی انہی کو نصیب ہوتی ہے جو عقل و فکر سے صحیح طور پر کام لیتے ہیں۔ اور جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے ان پر انکے اعمال کی نحوست و نجاست مسلط ہو جاتی ہے جس سے وہ اندھے ہو کر رہ جاتے ہیں اور حیوانوں کی طرح اپنی خواہشاتِ نفس کے پیچھے ہی بھٹکتے رہتے ہیں اور ایسے لوگ حق و ہدایت کے نور سے محروم رہتے ہیں ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۷۱ کائنات میں غور و فکر کی دعوت: سو اس ارشاد سے آسمانوں اور زمین میں موجود سامانِ عبرت میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ دیکھو ان میں کیا کچھ ایسے عجائبِ قدرت اور دلائلِ حکمت موجود ہیں، جو کہ دامنِ دل کو کھینچتے اور دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں اور اپنے خالق و مالک کی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور وحدانیتِ مطلقہ کی طرح طرح سے عکاسی کرتے ہیں۔ یہیں سے علامہ سیوطیؒ وغیرہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کی مخلوق میں غور و فکر سے کام لینا واجب ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ مگر افسوس کہ انسان کائنات کی ان عظیم الشان نعمتوں سے طرح طرح سے مستفید ہونے کے باوجود اپنے خالق و مالک کا ناشکرا اور اس سے منہ موڑے ہوئے ہے۔ اور ان میں صحیح طور سے غور و فکر نہیں کرتا۔ الا ماشاء اللہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جل و علا۔ بہر کیف اس سے اس طرف اشارہ فرما دیا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی یہ عظیم الشان کائنات نشانیوں اور معجزات سے بھری پڑی ہے مگر ضرورت اس میں غور و فکر کی ہے۔ اور غور و فکر بھی صحیح زاویۂ نگاہ سے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید۔

تُغۡنِی الۡاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنۡ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

نشانیاں اور تنبیہات ان لوگوں کے کچھ کام نہیں آ سکتیں جو ایمان لانا چاہتے ہی نہیں، ۱۷۲

فَهَلۡ یَنۡتَظِرُوۡنَ اِلَّا مِثۡلَ اَیَّامِ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا

تو کیا اب یہ لوگ ان لوگوں کے برے دنوں جیسے دنوں کی انتظار میں ہیں؟ جو گزر چکے

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ قُلۡ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّیۡ مَعَكُمۡ مِّنَ

ان سے پہلے؟ ۱۷۳ ان سے کہو کہ اچھا تو پھر تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں ۱۷۴ پھر (جب ایسا وقت آ

الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّیۡ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كَذٰلِكَ ۚ

جاتا ہے تو) ہم بچا لیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان لے آئے ہوتے ہیں ۱۷۵ اسی طرح ہمارے (وعدۂ

حَقًّا عَلَیۡنَا نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾ ع قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ

کرم کے) ذمے ہے، کہ ہم بچا لیں ایمان والوں کو، ۱۷۶ کہو اے لوگو، اگر

كُنۡتُمۡ فِیۡ شَكٍّ مِّنۡ دِیۡنِیۡ فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡنَ

تمہیں کوئی شک (وشبہ) ہے میرے دین کے بارے میں تو (تم اچھی طرح سن لو کہ) میں کبھی بندگی نہیں کرسکتا ان کی جن

تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰكِنۡ اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِیۡ

کی بندگی تم لوگ کرتے ہو اللہ کے سوا، بلکہ میں تو بہر حال بندگی اس اللہ (وحدہٗ لاشریک) ہی کی کرتا رہوں گا

ع ۱۵

۱۷۲ ہٹ دھرموں کے لیے تنبیہات اور نشانیاں بے سود و بے کار - والعیاذ باللہ: - اس لیے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ دولتِ ایمان و یقین سے محروم رہتے ہیں - والعیاذ باللہ - سو ارشاد فرمایا گیا کہ نشانیاں اور تنبیہات ان لوگوں کے کچھ کام نہیں آ سکتیں جو ایمان لانا چاہتے ہی نہیں - اس لئے کہ ایسے لوگ ان تنبیہات کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور ان سے کام لینا چاہتے ہی نہیں - اور طلب و جستجو کے بغیر ان سے فائدہ ملنے کا سوال ہی نہیں - جیسا کہ فرمایا گیا ﴿اَنُلۡزِمُكُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ﴾ یعنی نہیں ایسا نہیں ہونے کا کہ تمہاری خواہش اور چاہت کے بغیر حق اور ہدایت کی دولت کو تم سے یونہی چپکا دیا جائے - اس دولتِ بے مثال سے تو صرف ان اور ایسے ہی لوگوں کو نوازا اور سرفراز کیا جاتا ہے جو اسکے لئے طلبِ صادق رکھتے ہیں اور جو طلبِ صادق سے محروم ہوتے ہیں وہ نورِ ایمان و یقین

سے سرفراز نہیں ہو سکتے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر جو ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں وہ کس طرح سرفراز ہو سکتے ہیں؟ سو ضدی اور ہٹ دھرم لوگ نورِ حق و ہدایت سے محروم ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ ﴿ یؤمنون ﴾ کا فعل یہاں پر ارادۂ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی جو لوگ ایمان لانا چاہتے ہی نہیں ان کو زمین و آسمان میں پھیلی بکھری ان نشانیوں اور ایسی تنبیہات سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور وہ اپنے ٹیڑھے پن ہی پر اڑے رہیں گے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۱۷۵ **ہٹ دھرموں کی حرمان نصیبی کا ذکر و بیان:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا اب یہ لوگ انہی لوگوں کے برے دنوں جیسے دنوں کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یعنی کیا اب یہ لوگ اپنے آخری انجام ہی کے منتظر ہیں؟۔ یعنی ان عذابوں کے انتظار میں ہیں جو ان لوگوں پر واقع ہوئے اور ''ایام'' بول کر عذاب مراد لینا عربوں کا عام طریقہ اور ان کے معروف اسالیب کلام میں سے ہے مِنْ قَبِیْلِ اِطْلَاقِ الظَّرْفِ وَاَرَادَۃِ الْمَظْرُوْفِ اور ظرف بول کر مظروف مراد لینا ایک عام اُسلوب و محاورہ ہے جو کہ ہر زندہ اور مروج زبان و محاورہ میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں بھی ظہر بول کر نمازِ ظہر، عصر بول کر نمازِ عصر، اور مغرب بول کر نمازِ مغرب مراد لی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی یہاں پر ''ایام'' سے مراد وہ عذاب ہیں جو ان دنوں کے اندر دوسری قوموں پر واقع ہوئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ وَّشَرٍّ۔ سو مطلب یہ ہوا کہ کیا اب یہ لوگ اسی کے منتظر ہیں کہ ان پر بھی ویسے ہی عذاب آئیں جیسے کہ پہلی قوموں پر آچکے ہیں۔ یعنی حق کی توضیح و تشریح میں اب کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی سوائے اسکے کہ اب یہ لوگ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں کہ اب یہ لوگ کسی بات کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ اور ایسے میں ان کا نتیجہ و انجام بہر حال ہلاکت و تباہی ہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۷۶ **منکروں کے لیے آخری تنبیہ اور دھمکی:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اچھا تو پھر تم لوگ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ یعنی اب آخری بات یہی ہے کہ تم لوگ اپنے انجام کا انتظار کرو۔ نتیجہ خود تمہارے سامنے آجائے گا۔ سو یہ منکروں کے لیے آخری تنبیہ اور دھمکی ہے کہ یہ مرحلہ قوموں کی ہلاکت و تباہی کا مرحلہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اگرچہ بظاہر یہ لوگ اسکی انتظار نہیں کر رہے تھے مگر ان کے اَحوال و اَطوار سے مترشح یہی ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اب اپنے اسی آخری انجام ہی کے منتظر ہیں کہ اب اور کوئی کسر اس کے سوا باقی نہیں رہ گئی۔ حق پوری طرح ان کے سامنے واضح اور منقح ہو چکا ہے مگر اس کے باوجود اس سے منہ موڑنے اور اِعراض کرنے کا صاف طور پر مطلب یہی تھا کہ اب وہ لوگ گویا اپنی زبانِ حال سے یوں کہہ رہے ہیں کہ آنے دو اس عذاب کو جس کے مستحق ہم ہو چکے ہیں اور جو پہلی قوموں پر آچکا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور یہ قوموں کی بدبختی کا وہ مرحلہ ہوتا ہے جس میں ان کو دھر لیا جاتا ہے اور وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ اسی قسم کے فیصلہ کن عذاب کے منتظر ہیں جس طرح کے عذاب اس سے پہلے عاد اور ثمود وغیرہ جیسی بدبخت قوموں پر آچکے تو ان سے کہو کہ پھر تم لوگ انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں شامل ہوں۔ یعنی اس قسم کے کسی عذاب کا لانا نہ میرے بس میں ہے اور نہ ہی میرے علم اور اختیار میں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے علم اور اُسی کی قدرت کے ساتھ خاص ہے۔ میرا

کام تو صرف تمہیں خبردار کرنا ہے تاکہ تم اس کے آنے سے پہلے اس سے بچنے کی فکر و کوشش کر سکو اور بس۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہہ دو کہ اگر تم لوگ اب بھی ماننے کو تیار نہیں ہو تو پھر تم انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں لگا ہوں۔ جب نتیجہ اور انجام سامنے آئے گا تو تم بھی دیکھ لینا ہم بھی دیکھ لیں گے۔

۱۷۵ حضراتِ انبیاء و رسل کا نجات دہندہ اور حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ایسا وقت آنے پر ہم بچا لیتے ہیں اپنے رسولوں کو بھی اور ان سب کو بھی جو ان پر ایمان لائے ہوتے ہیں۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرات انبیاء و رسل کے نجات دہندہ اور ان کے حاجت روا و مشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے اور سب اسی وحدہٗ لاشریک کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہیں۔ اور جب حضرات انبیاء و رسل بھی اسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے محتاج ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جس کو حاجت روا و مشکل کشا مانا جا سکے؟ یہاں پر مزید ارشاد فرمایا گیا کہ اور ایمان والوں کو بچانا ہمارے وعدۂ کرم کے ذمے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کرمِ بے پایاں کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ وہ اپنے بندوں کو بچانا اپنے ذمے لازم قرار دیتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- یعنی یوں تو حضرتِ خالقِ کل اور اس مالکِ مطلق کے ذمے پر کسی چیز کے لازم ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں کہ وہ سب سے اعلیٰ و بالا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- مگر اس نے اپنے کرم و احسان سے اس کا ذمہ لے رکھا ہے کہ وہ ایمان والوں کو نجات سے نوازے گا- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو یہ بھی اسکے کرمِ بے پایاں کا ایک مظہر ہے۔ بہرکیف اِس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جب کسی قوم پر فیصلہ کن عذاب آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو نجات دے دیتے ہیں جو ان پر ایمان لائے ہوتے ہیں اور باقی سب اس عذاب کی لپیٹ میں آ کر فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- سو عقیدہ و ایمان کی دولت ہی ذریعۂ نجات و امان ہے- اللہ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے- اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۱۷۶ ایمان و یقین ذریعۂ سلامتی و نجات: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہمارے ذمے ہے کہ ہم بچا لیں ایمان والوں کو خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں۔ ان کا تعلق کسی بھی قوم قبیلے اور رنگ و نسل سے ہو۔ اور وہ کوئی سی بھی زبان بولتے ہوں کہ اصل چیز یہ ظاہری فوارق و امتیازات نہیں بلکہ ایمان و یقین کا وہ باطنی نور ہے جو انسان کے دل و دماغ کو روشن کرتا اور اس کو امن و سلامتی کا اہل بناتا ہے۔ پس امن و سلامتی کی راہ ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے ایمان و یقین کی راہ۔ اس کے بغیر ہلاکت ہی ہلاکت ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ جل وعلا -سو ایمان و یقین ذریعۂ نجات ہے اور کفر و انکار باعثِ ہلاکت و تباہی- والعیاذ باللہ- یہاں پر یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ یہ ضابطہ فیصلہ کن عذاب سے متعلق ہے۔ ورنہ عام آزمائشیں جو محض تنبیہ و تذکیر کے لیے ہوتی ہیں وہ مومن و کافر سب کے لیے یکساں ہوتی ہیں۔ البتہ مومن ان سے فائدہ اٹھاتے اور اپنی اِصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جبکہ کافروں پر ان سے اللہ کی حجت قائم ہوتی ہے- تاکہ عذاب آنے کے موقع پر ان کے لئے کسی طرح کے عذر اور معذرت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید-

بِتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

جو تمہاری جان قبض کرتا ہے، ۱۷۷ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رہوں ایمان والوں میں سے ۱۷۸

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ

اور (مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ) تم سیدھا رکھو اپنا رخ اس دین (حق) کے لئے یکسو ہو کر، اور کسی بھی طور

۱۷۷ معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے: ۔سو پیغمبر کی زبان سے اعلان کروایا گیا کہ میں تو بہرحال اس اللہ ہی کی عبادت و بندگی کروں گا جو تم سب کی جان قبض کرتا ہے کہ مالک و مختار اور معبودِ حقیقی بہرحال وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کسی کی بھی یہ شان نہیں کہ اسکے لئے عبادت کی کوئی بھی شکل کسی بھی طور پر بجالائی جائے۔ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کا کوئی خود ساختہ بت ہو یا کوئی زندہ یا مردہ انسان یا کوئی نشان و آستانہ کہ ان میں سے کوئی بھی کسی کی زندگی و موت کا مالک نہیں۔ اور ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "اللہ کے سوا" کا عموم ایسے تمام معبودوں کو شامل ہے جن کی اللہ کے سوا پوجا کی گئی ہو یا کی جاتی ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ کہ معبودِ برحق بہرحال اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے اور عبادت کی ہر قسم اور شکل اُسی کا حق اور اُسی کا اختصاص ہے۔ اور ﴿الذی یتوفاکم﴾ کی صفت سے ایک طرف تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جب تم لوگوں کو وفات وہی دیتا ہے تو معبودِ برحق بھی وہی ہے۔ اور دوسری طرف اس میں یہ تنبیہ و تذکیر بھی ہے کہ اسی وحدہٗ لاشریک کے حضور حاضر ہو کر تم لوگوں کو اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب بہرحال دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ اور جب اس کی اس صفت و شان میں کوئی اس کا شریک نہیں تو اس کی بندگی میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ زندگی اور موت اسی وحدہ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۷۸ ایمان والوں میں سے ہونے کی ہدایت و ارشاد: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے رہوں کہ وہی اللہ کے خاص بندے ہیں جن سے اللہ پاک نے نجات و نصرت اور استخلاف فی الارض کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اور امن و سلامتی کی راہ وہی ہے جو ایمان و یقین والوں کی راہ ہے۔ سو اصل رشتہ دین و ایمان کا رشتہ ہی ہے جو سب سے بڑا اور سب سے پاکیزہ رشتہ ہے۔ جو اس دنیا کے بعد آخرت کے اُس جہانِ ابدی میں بھی کام آئے گا۔ وباللہ التوفیق۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں مومن و موحد بنوں اور ایمان والوں میں سے ہو جاؤں۔ قطع نظر اس سے کہ تم لوگ کیا رویہ اور روش اختیار کرتے ہو۔ کیونکہ ایمان والے ہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے عذاب سے نجات اور دشمنوں کے مقابلے میں نصرت و امداد اور خلافتِ ارضی کا وعدہ فرمایا ہے۔ (المنار اور المراغی وغیرہ)۔ سو اصل اور حقیقی رشتہ دین و ایمان ہی کا رشتہ ہے۔ اور یہی وہ مقدس رشتہ ہے جو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور یہی وہ رشتہ ہے جو دنیا کے بعد آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی باقی و برقرار رہے گا۔ سو بڑے خسارے میں ہیں وہ لوگ جو اس مقدس رشتہ پر دوسرے خود ساختہ رشتوں کو فوقیت اور ترجیح دیتے ہیں۔ کیوں کہ یہ راہ محرومی اور ہلاکت کی راہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

مشرکوں میں سے نہ ہو جانا ف۱۷۹ اور کبھی نہیں پکارنا اللہ کے سوا کسی

لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ج فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا

ایسی ہستی کو جو نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکے، نہ نقصان، سو اگر تم نے ایسا کرلیا تو یقیناً تم ہو جاؤ گے

مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا

ظالموں میں سے، ف۱۸۰ اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچانے پر آجائے تو کوئی نہیں

كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ج وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ

جو اسے ٹال سکے سوائے اس کے، اور اگر وہ تم سے کوئی بھلائی کرنا چاہے تو کوئی نہیں جو روک سکتا ہو

لِفَضْلِهٖ ط يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ

اس کے فضل کو ف۱۸۱ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے، اپنے فضل (وکرم) سے ف۱۸۲ اور وہی ہے

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ

بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ف۱۸۲ (اعلانِ عام کے طور پر) کہدو کہ اے لوگو، بیشک آچکا تمہارے پاس

۱۷۹ **رب کی عبادت و بندگی کے لیے یکسوئی کا حکم و ارشاد**:- سو ارشاد فرمایا گیا اور یہ کہ سیدھا رکھو تم اپنا رخ دین حق کیلئے یکسو ہوکر اور کسی طور پر مشرکوں میں سے نہیں ہو جانا۔ بہرکیف اس میں پیغمبر کو خطاب کر کے حکم وارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم سیدھا رکھو اپنا رخ اس دین حق کے لیے یکسو ہوکر۔ اس طرح کہ دل کی توجہ اس وحدۂ لاشریک کے سوا اور کسی کی طرف، کسی بھی قسم کی عبادت میں نہ ہونے پائے۔ خاص کر اُس عبادت میں جو کہ سب عبادات کا مغز اور نچوڑ ہے۔ یعنی دعاء و پکار۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ مگر افسوس کہ اس قدر تاکیدی حکم اور مکرر تعلیم کے باوجود آج کا کلمہ گو مشرک دھڑلے سے غیر اللہ کو پکارے جا رہا ہے۔ ''یا رسول اللہ''، ''یا علی مدد''، اور ''یا غوث دستگیر'' وغیرہ وغیرہ کے طرح طرح اور قسما قسم کے نعرے اس نے ایجاد کر رکھے ہیں۔ انہی کو وہ جپتا اور اپناتا ہے مگر ''یا اللہ مدد'' کہنے کو وہ تیار نہیں ہوتا - الا ماشاء اللہ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور گمراہ کن ملاں اور جاہل پیر ہیں کہ طرح طرح سے اس جاہل کی پیٹھ ٹھونکتے اور اس کو اس طرح شرکیات میں پختہ تر کرتے جا رہے ہیں - فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى - بہرکیف اس حکم وارشاد سے اوپر والی بات کی

مزید تاکید فرما دی گئی کہ ایمان کی اصل خصوصیت اللہ واحد کی طرف یکسوئی اور شرک اور اس کے تمام شوائب سے پورا پورا اجتناب ہے کہ اصل مسئلہ ''ہی'' کا ہے نہ کہ ''بھی'' کا۔ یعنی اللہ ''ہی'' کی بندگی کرو نہ کہ اللہ کی ''بھی'' سو ''ہی'' اور ''بھی'' کے یہ دو چھوٹے سے لفظ فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اللہ وحدہٗ لاشریک کا حق ہے اس لئے اس کو ہمیشہ اسی کیلئے بجالانا چاہئے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید

۱۸۰ اللہ کے سوا کسی کو پکارنا ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم نے اللہ کے سوا کسی اور کو پکار لیا تو یقیناً تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے کہ یہ شرک ہے اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ اور جب خالقِ کائنات خود فرماتا ہے کہ ''شرک ظلم عظیم ہے'' اور امرِ واقع بھی یہی ہے کہ اس کے سوا مافوق الاسباب تصرف کا حق و اختیار اور اسکی قدرت کسی کو بھی نہیں۔ اور نفع و نقصان کا اختیار اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی بھی نہیں رکھتا تو اس کے باوجود اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے اس کے سوا کسی اور کو پکارنا صاف ظلم اور صریح ناانصافی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ افسوس کہ اس سب کے باوجود آج کے کلمہ گو مشرک نے طرح طرح کے حاجت روا اور مشکل کشا بنا رکھے ہیں جنہیں وہ اپنی حاجات کے حصول اور دفعِ مصائب کیلئے پکارتا، اُن کی نذریں مانتا، نیازیں دیتا، چڑھاوے چڑھاتا اور پھیرے لگاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف شرک اور اُس کے شوائب کے تمام منافذ اور مداخل کو بند کرنے کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ تم کبھی بھی اللہ کے سوا کسی بھی ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہیں کوئی نفع دے سکے اور نہ کسی نقصان سے بچا سکے۔ سو اگر تم نے ایسے کر لیا تو اس کے نتیجے میں تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے جو کہ بڑا ہی ہولناک خسارہ ہے۔ کیونکہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا اَلَا لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔

۱۸۱ نفع و نقصان کا مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے: - کہ یہ سب کچھ اُسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ وہی مالک و مختار اور متصرف و کارساز ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور عطائی و غیر عطائی کے جو فلسفے تم لوگوں نے اپنے چور دروازوں کے لئے گھڑ رکھے ہیں وہ سب تمہارے اپنے دماغوں کی اختراع اور نفس کے دھوکے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف اصل حقیقت اور امرِ واقع یہی ہے کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کوئی نہیں ہے جو اس کو دور کر سکے۔ سوائے اس وحدہٗ لاشریک کے۔ اور اگر وہ تمہیں کسی خیر اور بھلائی سے نوازنا چاہے تو کوئی نہیں جو اس کے اس فضل و مہربانی کو روک دے۔ سو اس ارشاد سے اوپر والی بات ہی کی تاکید و وضاحت دوسرے اسلوب و انداز میں فرما دی گئی جس سے ان تمام تصورات کی نفی ہو جاتی ہے جن کی بناء پر مشرک لوگ طرح طرح کے شریک اور شفعاء گھڑتے اور ان کو پوجتے پکارتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں ایسے لوگ اس انتہائی ہولناک خسارے میں مبتلا ہوتے ہیں جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۸۲ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ: - سو اس میں تصریح فرمائی گئی کہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے اور محض اپنی رحمت و عنایت سے نوازتا ہے نہ کہ کسی کے واسطے اور وسیلے

سے۔ یا کسی لاڈلے اور پیارے کے کہنے اور مجبور کرنے اور اس کے آڑ کر بیٹھ جانے سے۔ جیسا کہ مشرک لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اور اس کے لئے انہوں نے طرح طرح کے مفروضے اور خود ساختہ فلسفے گھڑ رکھے ہیں کہ ہماری وہ سنتا نہیں اور ان کی رد نہیں کرتا۔ اس لئے ہماری اِن کے آگے اور اِن کی اُس کے آگے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ مشرک لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یہ ہمارا وجود اور اس کے اندر اور باہر کی بے شمار عظیم الشان نعمتیں اور زمین و آسمان کی یہ حکمتوں بھری عظیم الشان کائنات اور اس کے اندر کی بے حد و حساب اور عظیم الشان نعمتیں آخر اس نے کس کے کہنے ماننے اور آڑ کر بیٹھ جانے سے عطا فرمائی ہیں؟ اور جب یہ عظیم الشان اور بے حد و حساب نعمتیں اُس نے از خود محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہیں تو پھر وہ تمہیں تمہاری یہ معمولی معمولی چیزیں کیوں نہ دے گا جن کے لئے تم لوگ جابجا پھرتے، وسیلے پکڑتے اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہو؟- وباللهِ العیاذُ وَالعِصُمَة- سو وہ اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہتا ہے اور جب اور جیسے چاہتا ہے نوازتا ہے کہ اسکی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ ہمیشہ اور ہر طرح سے نوازنا- سبحانہٗ وتعالیٰ- آخر میں ''غفور'' اور ''رحیم'' کی دو صفتوں کا حوالہ دے کر اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جب وہ خود بخشنے والا اور انتہائی مہربان بھی ہے تو پھر بندے کو اسی کے دامنِ رحمت ہی میں پناہ لینی چاہیے۔ اس کو چھوڑ کر اسے دوسروں کا سہارا ڈھونڈنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟- پس رجوع ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہ لاشریک کی طرف کرنا چاہئے۔ رب اغفرلی وارحمنی انک انت الغفور الرحیم-

۱۸۳ لوگوں کے لئے ایک پرزور تنبیہ و تذکیر:- کہ بے شک آچکا تمہارے پاس اے لوگو حق تمہارے رب کی جانب سے۔ یعنی یہ قرآنِ حکیم جو کہ اس وحدہٗ لاشریک نے اپنی رحمت سے، حضرتِ رحمۃ اللعالمین -صلی اللہ علیہ وسلم- کے ذریعے ساری دنیا کی ہدایت و راہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و بہرہ ور ہوسکیں۔ سو یہ سراسر حق و صدق اور عینِ رحمت و عنایت ہے تمہارے رب کی جانب سے۔ اور اسی سے وابستگی میں تمہارے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ اس کے ذریعے جو تعلیم تمہیں دی جارہی ہے وہ بھی سراسر حق و صدق ہے اور اس سے اعراض و انکار پر دنیا و آخرت میں جس عذاب کی خبر دی جارہی ہے وہ بھی قطعی طور پر حق اور شدنی ہے۔ بس جو اس حق و ہدایت کو اپنائے گا وہ اپنے ہی بھلے کا سامان کرے گا۔ اور جو اِس سے منہ موڑے گا۔ اس کے بھٹکنے کا وبال بھی خود اُسی پر پڑے گا۔ اور جب یہ حق تمہارے رب کی جانب سے تمہارے پاس پہنچ گیا تو اب جو اس سے منہ موڑے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اُس نے رات کی تاریکی میں نہیں بلکہ نصف النہار کی روشنی میں اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں ڈالا ہے- والعیاذ باللہ- سو اِس ارشاد میں سب لوگوں کو خطاب کر کے یہ آخری تنبیہ فرما دی گئی اور اِس قدر مؤثر انداز میں تاکہ پھر کسی کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ سو اس کے اولین مخاطب اگرچہ کفارِ قریش اور مشرکینِ مکہ ہیں لیکن اپنے اَلفاظ و کلمات کے عموم کے اِعتبار سے یہ قیامت تک کے سب ہی لوگوں کو عام اور شامل ہے۔ اور یہ حکم سب ہی کے لیے ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق پہنچ چکا ہے۔ جو اس کو اپنائے گا اس کا اپنا ہی بھلا اور جو اس سے منہ موڑے گا وہ اپنی ہی ہلاکت کا سامان کرے گا- کیوں کہ نورِ حق و ہدایت سے اِعراض و روگردانی کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ-

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ

حق تمہارے رب کی جانب سے، پس اب جو کوئی سیدھی راہ اختیار کرے گا تو وہ اپنے ہی لئے

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ

کرے گا، اور جو کوئی گمراہی کو اپنائے گا تو اس کی گمراہی کا وبال بھی خود اسی پر ہو گا، ۱۸۳ اور میں

اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

تم پر کوئی مختار کار نہیں ہوں، ۱۸۴ اور پیروی کئے جاؤ تم اس (ہدایت و وحی) کی جو بھیجی جاتی ہے آپ کی طرف، ۱۸۵

وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع

اور صبر ہی سے کام لیتے رہو، یہاں تک کہ فیصلہ فرما دے اللہ ۱۸۶ اور وہی ہے سب سے اچھا (اور صحیح) فیصلہ فرمانے والا ۱۸۷

ع ۱۶

۱۸۴ پیغمبر کا کام پیغامِ حق کو پہنچا دینا اور بس :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کا کام پیغام حق کو پہنچا دینا ہوتا ہے اور بس۔ سو پیغمبر کی زبان سے اعلان کرایا گیا کہ میں تم پر کوئی مختار کار نہیں ہوں کہ تم کو مجبور کر کے تم سے منوا دوں۔ بلکہ میرا کام تو صرف پہنچا دینا ہے پیغام حق و ہدایت کو۔ اور یہ کہ میں ماننے اور نہ ماننے والوں کو ان کے انجام کی خبر کر دوں اور بس۔ اور وہ میں نے کر دیا۔ والحمد للہ۔ اس سے آگے بڑھ کر اس پیغامِ حق کو تم لوگوں سے منوا لینا اور تمہارے دل و دماغ میں اس کو اتار دینا نہ تو میرے بس اور اختیار میں ہے اور نہ ہی یہ میرا منصب و ذمہ داری ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ یہ تو اُسی مالک الملک کی شان اور اُسی کی صفت ہے جس کا میں بندہ و رسول ہوں اور جس کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے۔ اگر تم لوگوں نے اس پیغامِ حق و ہدایت سے منہ موڑا اور اس سے اعراض برتا تو اس کا بھگتان تم لوگوں کو بہر حال بھگتنا اور اسکی بارگہِ اقدس و اعلیٰ میں جواب دینا ہو گا۔ اب تم لوگ اپنے بارے میں اور اپنے انجام سے متعلق خود سوچ اور دیکھ لو کہ کونسا طریقہ اور کونسا راستہ تمہارے لئے بہتر ہو سکتا ہے۔

۱۸۵ پیغمبر کا کام اتباع اور پیروی :- سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ پس آپ اتباع اور پیروی کیے جاؤ اس وحی کی جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ کہ آپ کا کام اور آپ کی شان اپنے رب کی وحی کی پیروی کرنا ہی ہے اور حق و ہدایت اب بہر حال یہی اور صرف یہی ہے۔ لہٰذا آپ خود بھی اس پر عمل کرتے رہیں اور اپنی امت کو بھی اسی کی تبلیغ و تلقین کرتے رہیں کہ حق بہر حال یہی اور صرف یہی ہے۔ اور دارین کی سعادت و سرخروئی اسی سے وابستہ ہے اور اس کے بغیر وہ ممکن نہیں۔ سو اصل مقصود اتباع و پیروی کرنا ہے اُس وحی کی جو نبیِّ معصوم پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے پیغمبر کو اس سلسلے میں یہ آخری ہدایت فرمائی گئی ہے کہ مخالفین کے رویے سے قطع نظر کر کے آپ اس وحی کی پیروی کرتے رہیں جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔ اور مخالفین خواہ کتنا ہی زور لگائیں

آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں کہ آپ بہرحال حق پر ہیں - علیہ الصلوٰۃ والسلام- اور آپ کا اصل منصب و مقام پیروی کرنا ہے اس وحی کی جو بھیجی جاتی ہے آپ کی طرف۔ آپ کے رب کی طرف سے، سبحانہ وتعالیٰ

۱۸۶ **صبر و استقامت کا حکم و ارشاد**:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور صبر ہی سے کام لیتے رہو ان لوگوں کی تکلیفوں اور ایذاء رسانیوں پر کہ صبر کا بیڑا بہرحال پار ہے اور دشمن کے مقابلے میں یہی بڑا ہتھیار ہے۔ اور اللہ کی نصرت و مدد صبر کرنے والوں ہی کیلئے اور ان ہی کے ساتھ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ یعنی وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اپنی تائید و نصرت اور اِمداد و اِعانت کے اعتبار سے۔ اور جب اس کی اِمداد و اِعانت حاصل ہو تو پھر کسی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ سو آپ راہِ حق و ہدایت پر مستقیم اور ثابت قدم رہیں۔ ان بدبختوں کی ایذاء رسانیوں کی پرواہ نہ کریں اور نہ ہی ان کے عذاب کے لیے کسی جلد بازی سے کام لیں کہ یہ اپنے انجام کو بہرحال پہنچ کر رہیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر آپ کو اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ (الاحقاف: ۳۵)۔ سو راہِ حق پر صبر و استقامت ایک عظیم الشان صفت ہے- وباللہ التوفیق-

۱۸۷ **سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا اللہ ہی ہے**:- سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ ہی ہے سب سے اچھا اور صحیح فیصلہ فرمانے والا کہ اس کا فیصلہ ہر طرح سے بے لاگ اور مبنی برحق و صداقت ہوتا ہے۔ اور اس کے سوا اور باقی کسی کی بھی یہ شان نہیں ہو سکتی خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرت- صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم- نے راہِ حق و صداقت پر بے مثال صبر و ضبط اور استقلال و استقامت سے کام لیا۔ اور اللہ پاک کا یہ فیصلہ بھی پورا ہو کر رہا کہ آپ کے پیش فرمودہ دینِ حق کا بول ہمیشہ کے لئے بالا ہوا۔ مشرق و مغرب میں آج کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں آپؐ کے نام لیوا موجود نہ ہوں اور آپؐ کے پیغامِ حق و صداقت کا علیٰ رؤس الاشہاد اِعلان و اِظہار نہ کیا جاتا ہو۔ پورے کرۂ ارضی پر دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں، ہر وقت اذان اور اِقامت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپؐ کی رسالت کا اعلان ہو رہا ہے اور بلند آواز لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے ہو رہا ہے۔ اور لگاتار اور مسلسل ہو رہا ہے۔ جبکہ آپؐ کے وہ دشمن اور مخالف جو آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے اور ایذائیں پہنچایا کرتے تھے وہ سب مٹ مٹا گئے اور ایسے کہ آج ان کا نام صرف قصوں کہانیوں میں ہی کہیں مل سکے گا اور بس- فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ وَاَوْصَلَهُمْ اِلٰى مَصِيْرِهِمُ الْمَحْتُوْمِ فِيْ دَارِالْجَحِيْمِ وَعَذَابِهِ الْاَلِيْمِ- والعياذ باللّٰه العظيم- والحمد للّٰه رب الْعٰلمين والصّلوٰة والسلام على النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الكريم نبينا محمد وعلى اٰلهٖ وصحبه اجمعين ومن اهتدى بِهَدْيِهٖ و دعا بِدَعْوَتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ-

وانا عَبْدُہٗ العاصی ولِرحمتہ الرّاجی جل وجلا محمد اسحاق خان عفااللہ عنہ وعافاہ

★ ★ ★

★— ۱۲ شوال ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۸ جون ۱۹۸۶ء بروز بدھ ڈیڑھ بجے دن منطقه ام هریر' برد بی' وَالحمد لله رب العالمین

★— نظر ثانی: ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ بمطابق ۱۸ اپریل ۱۹۹۰ء۔ والحمد للہ رب العالمین۔

★— نظر ثالث: ۱۸ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ بمطابق ۲۶ اپریل ۱۹۹۷ء بروز ہفتہ، بوقت ساڑھے گیارہ بجے شب۔ بمقام: سطوہ دبی۔

★— اول پروف: ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ بمطابق جولائی ۱۹۹۹ء۔ والحمد للہ رب العالمین۔

★— ثانی پروف: ۱۰ شعبان ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۸ نومبر ۱۹۹۹ء بروز جمعرات، بوقت ساڑھے چھ بجے شام۔ بمقام: سطوۂ دبی۔

★— ثالث پروف: ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ بمطابق ۱۵ مارچ ۲۰۰۱ء بروز جمعہ، بوقت پونے پانچ بجے صبح (نمازِ فجر سے ایک گھنٹہ قبل)۔ بمقام مدنی منزل معمورۃ المدنی (کہل) منگ آزاد کشمیر پاکستان (دورانِ رخصت) والحمد للہ رب العالمین۔

★— رابع پروف: ۳۰ شوال ۱۴۲۳ھ بمطابق ۳ جنوری ۲۰۰۳ھ بروز جمعہ، بوقت پونے بارہ بجے شب۔ بمقام: سطوۂ دبی۔

★— اللّمسات الاخیرۃ (Finla Touches) ۱۶ شوال ۱۴۲۴ھ بمطابق ۱۰ دسمبر بروز بدھ، بوقت چار بجے شام (عصر کی نماز سے کچھ دیر قبل)، بمقام: بمقام مدنی منزل معمورۃ المدی (گہل) منگ آزاد کشمیر پاکستان۔ والحمد لله رب العالمين قبل كل شيء وبعد كل شيء الذى عليه اتوكل وبه استعين۔ فى كُلّ اٰنٍ وَّ حِيْنٍ،

☆☆☆☆☆☆
☆☆☆

اٰیاتہا ۱۲۳ | ۱۱ سُوْرَۃُ ھُوْدٍ مَّکِّیَّۃٌ ۵۲ | رُکُوْعَاتُہَا ۱۰

سورۂ ھود مکی ہے، اس کی ایک سو تیئس آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ کے (پاک) نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

الٓ رٰ۔ یہ ایک ایسی (عظیم الشان) کتاب ہے جس کی آیتوں کو محکم کیا گیا ۱ پھر ان کی تفصیل کر دی گئی، ایک نہایت ہی

حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ۙ ۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیْ لَکُمْ

حکمت والی اور بڑی ہی باخبر ذات کی طرف سے ۲ (اس بنیادی اور مرکزی مضمون کے ساتھ) کہ تم لوگ بندگی نہ کرو مگر ایک

۱ قرآنِ حکیم کی سب ہی آیتیں محکم ہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے جس کی آیتوں کو محکم کیا گیا ہے"۔ نظم و ترکیب اور معانی و مضامین دونوں کے اعتبار سے۔ پس نہ اس کے ظاہر پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش ہے اور نہ اس کے باطن اور معانی کے لحاظ سے کسی شک و شبہ کے لئے کوئی مساغ و مجال۔ اور نہ کسی اور کتاب سے اس کے منسوخ ہونے کا کوئی سوال و احتمال۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ سو اس اعتبار سے قرآنِ حکیم کی جملہ آیتیں محکم ہیں۔ "احکام" کے معنی گھانٹھنے اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ سو نظمِ قرآنی کے محکم اور مضبوط ہونے کے اس عام مفہوم کے علاوہ جو کہ ابھی اوپر بیان ہوا ایک اور مفہوم اس کا یہ بھی ہے کہ اسکی تعلیمات پہلے گٹھے ہوئے مختصر اور جامع جملوں کے شکل میں نازل ہوئیں۔ پھر ان کو بالتدریج واضح اور مفصل فرمایا گیا جیسا کہ مکی دور کی ابتداء میں نازل ہونے والی سورتیں اختصار، جامعیت اور اعجازِ بیان کا ایک منفرد نمونہ اور دریا بکوزہ کی مثال ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی تفصیل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ مدنی دور میں وہی بنیادی باتیں ایک جامع اور ہمہ گیر زندگی کی شکل میں نمایاں ہوگئیں۔ اسی کا اشارہ "ثم" کے کلمۂ تراخی سے ملتا ہے اور یہ اس کتابِ حکیم کی ایک منفرد اور امتیازی شان ہے جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال کسی بھی اور کتاب میں نہیں مل سکتی۔ والحمد للہ۔

۲ قرآنِ حکیم کی جملہ آیتوں کی تفصیل بھی اللہ کی طرف سے:- سو ارشاد فرمایا گیا پھر اس کی آیتوں کی تفصیل بھی ایک نہایت ہی حکمت والی اور بڑی ہی باخبر ذات کی طرف سے کر دی گئی۔ جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں گزرا۔ اور اس طور پر کہ اس کے عقائد و احکام، مواعظ و امثال اور اخبار و عبر وغیرہ وغیرہ کی تفصیلات باہم ملتی جلتی ہیں۔ اور ان کو چھوٹی بڑی مختلف سورتوں اور آیتوں میں اس طرح مفصلاً بیان کر دیا گیا کہ گویا بیش بہا موتیوں کو ایک لڑی میں نہایت عمدگی اور خوبصورتی سے پرو دیا گیا۔ اور اس جامعیت کے ساتھ کہ زندگی کے ہر گوشہ سے متعلق اس میں نہایت واضح اور مقدس تعلیمات موجود ہیں۔ اور اس معجزانہ اسلوب و انداز میں کہ یہ کتاب حکیم قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جملہ زمانوں کی ہدایت و راہنمائی کیلئے کافی ہے۔ اور یہ ایسی اعجازی شان ہے جو اس کتاب حکیم کے سوا کسی بھی دوسری کتاب کو نہ آج تک کبھی نصیب ہو سکی ہے اور نہ قیامت تک کبھی اس کا کوئی امکان ہے۔ اور یہ اسی خدائے حکیم و خبیر کی شان ہو سکتی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝٢ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

اللہ کی ۳ بیشک میں تمہارے لئے (اے لوگو!) اس کی طرف سے خبردار کرنے والا ۴ اور خوشخبری سنانے والا ہوں، اور یہ کہ ۵

۳ **کتاب حکیم کا مرکزی مضمون کہ "عبادت صرف اللہ کی":** - سو اس سے قرآنِ حکیم کے مرکزی مضمون کی تصریح فرما دی گئی کہ عبادت و بندگی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے کہ معبودِ برحق وہی ہے اور عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل کا حق دار بھی بہر حال وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ خواہ وہ کوئی بدنی عبادت ہو یا مالی یا کوئی اور۔ اور اسی کی تعلیم و تبلیغ پر ہر پیغمبر کو مامور فرمایا گیا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء: ۲۵) پس رکوع و سجود، قیام و طواف، نذر و نیاز اور حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے غائبانہ دعاء و پکار وغیرہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ کہ معبود برحق بہر حال وہی وحدہ لاشریک ہے اور ہر قسم کی عبادت اسی کا حق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ

۴ **پیغمبر کا اولین کام انذار:** - سو پیغمبر کی زبان سے اعلان کرایا گیا کہ بے شک میں تم سب کے لیے [اے لوگو! خبردار کرنے والا ہوں۔ سو پیغمبر کا اولین کام خبردار کرنا ہے۔ یعنی خبردار کرنا لوگوں کو انکے انجام سے اور ان کو غفلت سے جگانا اور جھنجھوڑنا۔ سو پیغمبر نذیر ہوتا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایک خدا کے سوا اوروں کی پوجا کرتے، ان کے آگے جھکتے، سجدہ ریز ہوتے، اور ان کے اندر حاجت روائی و مشکل کشائی وغیرہ کی خدائی صفات مانتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جو اس ہولناک تباہی کی طرف بڑھتے ہیں تو پیغمبر ان کو خبردار کرتے ہیں تاکہ وہ اس طرح کی مشرکانہ روش کو ترک کر کے راہِ حق و ہدایت کو اپنالیں۔ اور اس طرح وہ اس ہولناک عذاب اور انجام سے بچ سکیں جو مشرکوں اور منکروں کیلئے طے اور مقدر ہے۔ سو اس کے بعد بھی جو لوگ اپنے کفر و باطل پر اڑے رہیں گے وہ اپنے ہولناک انجام کے ذمہ دار خود ہونگے اور اس کے بعد ان کے لیے کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ اور ان کو اپنے اعراض و استکبار اور کفر و انکار کا بھگتنا بہر حال بھگتنا ہی ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال۔

۵ **پیغمبر کی صفت و شانِ تبشیر:** - سو پیغمبر کی زبان سے اعلان کروایا گیا کہ میرا کام ہے خوش خبری سنانا۔ یعنی دارین کی سعادت و سرخروئی اور حقیقی فوز و فلاح کی خوشخبری سنانا ان لوگوں کو جو عقیدۂ توحید سے سرشار اور صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی سے مشرف ہوں کہ ان کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی ہے، کہ ایسوں کو دنیا میں حیاتِ طیبہ "پاکیزہ زندگی" کی نعمت نصیب ہوگی اور آخرت میں ان کو جنت کی سدا بہار نعمتوں اور وہاں کی نعیم مقیم سے نوازا جائے گا۔ سو اللہ پاک کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل ہمیشہ یہی پیغام لے کر آئے کہ عبادت و بندگی اور اسکی ہر قسم و شکل اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے اور اسی کے لیے ان کو نذیر و بشیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یعنی ماننے والوں کو خوشخبری سنانا اور نہ ماننے والوں کو خبردار کرنا۔ کہ وہ اگر باز نہ آئے اور راہِ حق و صواب کی طرف نہ لوٹے تو ان کا انجام بڑا ہی برا ہوگا۔

تُوبُوٓا اِلَيۡهِ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ

تم لوگ معافی مانگو اپنے رب سے (اپنے گناہوں کی) ۶ پھر لوٹ آؤ تم اس کی طرف (سچی توبہ کے ذریعے) ۷ کہ تو وہ

مُّسَمًّى وَّيُؤۡتِ كُلَّ ذِىۡ فَضۡلٍ فَضۡلَهٗ ؕ وَاِنۡ

نوازے گا ۸ تم لوگوں کو اچھے سامان زندگی سے ۹ ایک مدت مقررہ تک، اور وہ عطا فرمائے گا ہر فضل والے کو اس کا فضل ۱۰ اور

تَوَلَّوۡا فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ ۝۳

اگر تم لوگ پھر گئے (اس راہِ حق و ہدایت سے،) تو مجھے سخت اندیشہ ہے تمہارے بارے میں ایک بڑے ہی ہولناک دن

اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۴

کے عذاب کا، ۱۱ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۱۲ دیکھو! (حق اور داعیٔ حق

اَلَاۤ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَهُمۡ لِيَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ؕ اَلَا

کی عداوت میں کس طرح) پھیرتے ہیں یہ لوگ اپنے سینوں کو، تاکہ یہ چھپ سکیں اس سے ۱۳ آگاہ رہو کہ (یہ سراسر ان کی

حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ

حماقت اور بھول ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ) جب یہ لوگ لپیٹے ہوئے ہوتے ہیں (اپنے اوپر) اپنے کپڑے، اللہ ایک برابر ۱۴ جانتا

وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝۵

ہے وہ سب کچھ جو کہ یہ لوگ چھپاتے ہیں، اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ پوری طرح جانتا ہے سینوں کے بھیدوں کو ۱۵

۶ **رب سے گناہوں کی بخشش مانگنے کی تعلیم و تلقین:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ معافی مانگو اپنے رب سے کہ گناہ جتنے بھی بڑے اور جس قدر بھی زیادہ ہوں وہ ان کو معاف فرمانے والا ہے بشرطیکہ توبہ صحیح اور سچی ہو کہ اس کی بخشش و رحمت لامحدود ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور سچی توبہ پر وہ گناہوں کی ایسی بخشش فرماتا ہے کہ ان کا نام و نشان بھی مٹا دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت نبیّ معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے ارشاد فرمایا "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" یعنی "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں" اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے کہ وہ گناہوں کو اس طرح معاف فرماتا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ بہرکیف اس سے پیغمبر کی بشارت کے پہلو کو ذکر فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ اپنے رب سے مغفرت و بخشش کی دعاء مانگو اور اسی کی طرف توبہ اور رجوع کرو تو وہ تم لوگوں کو ان اور

ان عنایات سے نوازے گا - سبحانہٗ وتعالیٰ - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید بکل حال من الاحوال۔

۷ توبہ اور رجوع الی اللہ کا حکم وارشاد: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ توبہ اور رجوع کرو اس کی طرف ۔ پس تم لوگ سچی اور صحیح توبہ کرو جس کے بنیادی طور پر تین رکن ہیں۔ ایک اپنے کیے پر ندامت و شرمندگی، دوسرے برائی کو چھوڑ دینا اور تیسرے اس کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کا پکا و پختہ عزم کرنا۔ اور چوتھا یہ بھی ہے کہ جس کسی کا حق مارا ہو وہ اسکو واپس کر دیا جائے۔ سو ان ارکان کی رعایت و پابندی کے ساتھ جو توبہ کی جائے گی وہ صحیح توبہ ہوگی اور وہ ضرور قبول ہوگی - انشاء اللہ - سو اگر تم لوگوں نے اپنے گزشتہ کفر وشرک اور دوسرے معاصی و ذنوب پر نادم اور شرمندہ ہو کر انکو ترک کر دیا اور اپنے کیے کرائے پر اس سے معافی مانگی پھر سچی توبہ اور رجوع الی اللہ کے ذریعے آئندہ کے لیے ہر قسم کی عبادت و بندگی کو اسی کے لیے خاص کیا تو وہ تم کو اس دنیا میں بھی ''متاعِ حسن'' اور عمدہ نعمتوں سے نوازے گا۔ تمہاری عمروں میں برکت ڈالے گا اور تمہیں وقتِ مقرر تک مہلت دے گا اور تمہیں ان مخاطر اور نقصانات سے محفوظ رکھے گا جو کفر وشرک اور معاصی و ذنوب پر اصرار کرنے والوں کو پہنچتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ) - والعیاذ باللہ العظیم۔

۸ اللہ تعالیٰ کی نوازش کی خوشخبری: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو دنیا کے متاعِ حسن یعنی عمدہ سامانِ زندگی سے نوازے گا کہ اس کی تو شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ اور اس قدر کہ اسکے کرم اور اس کی عطا کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو بندے کا کام ہے اسکی طرف رجوع کرنا اور ہمیشہ رجوع رہنا۔ اور اس کی شان ہے نوازنا اور لگاتار نوازنا - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور اسکی عنایات اور نوازشات سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ایمانِ صادق اور عملِ صالح ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ - (النحل: ۹۷)۔ سو ایمان ویقین، عملِ صالح اور توبہ واستغفار سعادتِ دارین سے سرفرازی اور عنایاتِ خداوندی سے بہرہ مندی کے بنیادی اور اہم ذرائع و وسائل ہیں - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل - سبحانہ وتعالیٰ

۹ اعمالِ صالحہ کا بدلہ آخرت سے پہلے دنیا میں بھی: - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ نیک اعمال کا کچھ بدلہ انسان کو آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ اِس ارشادِ ربانی میں فرمایا گیا ہے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کا بدلہ انسان کو آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتا ہے، اگرچہ ان کا اصل اور پورا بدلہ آخرت ہی میں ملے گا، لیکن ان کا کچھ نہ کچھ بدلہ مختلف نعمتوں کی شکل میں اس دنیا میں بھی ملتا ہے، جس طرح کہ برے اعمال کی کچھ سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے۔ اور مختلف شکلوں میں ملتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اگرچہ ان کی اصل اور پوری سزا آخرت میں ہی ملے گی کہ ''دار الجزاء'' بہرحال وہی ہے اور دنیا ''دار الجزاء'' نہیں 'دار العمل' اور 'دار الامتحان'' ہے۔ اس لئے عقل ونقل سب کا تقاضا ہے کہ آخرت اور اس کے تقاضوں کو ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنے پیش نظر رکھا جائے۔

۱۰ ہر فضل والے کو اس کے فضل سے نوازا جائے گا: - کہ اس کے صحیح عقیدے اور نیک عمل کی بناء پر وہ اس کو دنیا میں پاکیزہ زندگی اور نیک اعمال کی توفیقِ مزید سے بھی نوازے گا اور آخرت میں اس کو اس کی نیکیوں کے مطابق جنت کے درجاتِ عالیہ سے بھی سرفراز فرمائے گا۔ سو جتنا کوئی اپنے عقیدہ و ایمان، صدق و اخلاص اور عمل و کردار میں

آگے بڑھا ہوگا اسی قدر اس کو وہاں پر درجاتِ عالیہ اور مراتبِ رفیعہ سے نوازا اور سرفراز فرمایا جائے گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ الآیۃ۔ (النحل: ۹۷)۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کا خیال غلط ہے جو کہتے ہیں کہ جو کوئی آخرت بنائے گا اس کی دنیا گئی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بلکہ اگر اِمعانِ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ طالبِ عقبیٰ ہی دنیا سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور وہی دنیا کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اور اس کو اپنے پیشِ نظر رکھ کر اس سے حقیقی فائدہ اٹھاتے اور اپنی آخرت بناتے ہیں۔ اور اس طرح وہ دنیا و آخرت دونوں کی حقیقی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند اور سرفراز ہوتے ہیں۔

۱۱ حق سے اعراض و روگردانی کا نتیجہ بہت برا۔ والعیاذُ باللہ: سو پیغمبر نے ان لوگوں سے مزید فرمایا کہ اگر پھر بھی تم لوگ پھرے اور منہ موڑے ہی رہے تو مجھے تمہارے بارے میں سخت اندیشہ ہے ایک بڑے ہی ہولناک دن کے عذاب کا۔ یعنی قیامت کے دن کے عذاب کا (جامع البیان، المراغی، المحاسن وغیرہ) جس کی ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ اس میں بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے ﴿يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ سو اگر تم لوگوں نے اس راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑا تو تمہارا حشر بھی اس ہولناک دن میں ویسا ہی ہوگا جیسا کہ دوسری منکر اور باغی قوموں کا ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو قیامت کے اُس ہولناک دن کا اندیشہ ہی انسان کو درست رکھ سکتا ہے۔ اس لیے اُس کا اندیشہ و خیال ہمیشہ رکھنا چاہیئے تاکہ اس کیلئے تیاری کی جاسکے کہ اس کیلئے تیاری اور عمل کا موقع دنیاوی زندگی کی اس فرصتِ محدود و مختصر ہی میں ہو سکتا ہے ورنہ پھر کوئی موقع نہیں ہوگا۔ پس اگر تم لوگوں نے دعوتِ حق کو قبول کر کے صحیح راہ کو اپنایا تو اس کا فائدہ تم ہی لوگوں کو پہنچے گا۔ اور اگر تم نے اِس سے اِعراض برتا اور منہ موڑا تو اس کا نقصان بھی خود تم ہی لوگوں کو ہوگا۔ پس تم اپنے نفع و نقصان کے بارے میں سوچ کر خود ہی فیصلہ کرو۔ سو نورِ حق و ہدایت سے اعراض و روگردانی کا نتیجہ و انجام بہت برا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں نورِ حق و ہدایت سے بہرہ مند و سرفراز رکھے۔ آمین۔

۱۲ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو اے لوگو!۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ سو تم چاہو یا نہ چاہو۔ اور مانو یا نہ مانو۔ حقیقت اور امرِ واقع بہرحال یہی ہے کہ تم سب کو بہرحال لوٹ کر جانا اُسی وحدہٗ لاشریک کے حضور ہے۔ اور وہاں پہنچ کر تم لوگوں کو اپنی زندگی بھر کے کیے کرائے کا جواب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ سو جس طرح اس دنیا میں تم لوگ اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے، اسی طرح اس دنیا سے کوچ کرنا اور پھر اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہونا بھی تمہاری مرضی کے تابع اور اس پر موقوف نہیں ہوگا۔ سو ہر کوئی دیکھ لے اور اپنے حال پر خود غور کر لے کہ کل کے اس ہولناک دن کے لئے وہ کیا سامان کر کے جا رہا ہے ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (الحشر: ۱۸) سو اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھو کہ تم سب کو بہرحال لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے یہاں حاضر ہونا اور اسی کے حضور پیش ہونا ہے۔ اور اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قوت رکھتا ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے۔ نہ اسکے لیے کچھ مشکل ہے اور نہ ہی اس کے اِحاطۂ قدرت سے باہر۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۱۳ منکرین کے اعراض و استکبار کی تصویر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ پھیرتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ یہ چھپ سکیں اس سے۔یعنی اللہ سے۔ تاکہ اس طرح یہ بچ سکیں اس کی گرفت و پکڑ سے یا ﴿منه﴾ کی اس ضمیر کا مرجع رسول ہیں ﷺ۔ یعنی تاکہ یہ لوگ اللہ کے رسول سے چھپ سکیں۔ تاکہ اس طرح نہ یہ ان کی صورت کو دیکھ سکیں اور نہ ان کی آوازِ حق کو سن سکیں۔ سو ﴿منه﴾ کی اس ضمیر کے مرجع میں یہ دونوں احتمال موجود ہیں۔ (الجامع، المنار، المعارف وغیرہ) اور اس طرح یہ بدنصیب لوگ اپنی حرمان نصیبی کا سامان خود کر رہے ہیں۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے ضد و عناد اور ہٹ دھرمی کا۔ اور اس طرح یہ لوگ نورِ حق و ہدایت سے اور محروم ہوتے ہیں جو کہ سب سے بڑی محرومی ہے۔ لیکن ان کو اس کا احساس ہی نہیں۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے خبثِ باطن اور سوءِ اختیار کا کہ اس سے انسان ادراک و احساس کے پاکیزہ مشاعر سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے سے بھی عاری ہو جاتا ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ سو اس اِرشادِ ربانی سے اس رویے کی تصویر پیش فرمائی گئی ہے جو کفار و منکرینِ پیغمبر کے اِنذار کے بارے میں اپنائے ہوئے تھے کہ یہ لوگ کبر و غرور کی بناء پر اپنے سینے موڑ کر وہاں سے چل دیتے اور اپنے زعم میں سمجھتے کہ گویا انہوں نے اس طرح کر کے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے اِنذار سے محفوظ کر لیا۔ اور اس طرح یہ اپنی حماقت پر حماقت کا ثبوت دیتے ۔ اور اپنی محرومی کی چھاپ کو اور پکا اور گہرا کرتے، مگر ان کو اس کا شعور و احساس ہی نہ ہوتا۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ان کو اس وقت بھی خوب جانتا ہے جبکہ یہ اپنے اوپر کپڑے لپیٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ سو وہ ایک برابر جانتا ہے جس کو یہ لوگ چھپاتے ہیں اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں۔ سو وہ اِن کے اِسرار اور اِعلان کی دونوں حالتوں کو خوب جانتا ہے کہ عیاں و نہاں سب اس کے یہاں ایک برابر ہے۔ اور یہاں بھی ﴿مَا يُسِرُّوْنَ﴾ اور ﴿مَا يُعْلِنُوْنَ﴾ دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے سے یہی مفہوم نکلتا ہے۔ ورنہ محض ﴿مَا يُعْلِنُوْنَ﴾ کو تو ہر کوئی جانتا ہے۔ سو اس عالم الغیب والشھادۃ کے یہاں یہ دونوں صورتیں ایک برابر ہیں۔ اور غیب و شہادہ یعنی ظاہر و پوشیدہ اور عیاں و نہاں کی یہ تقسیم بھی س کے بندوں کے لحاظ سے اور ہما وشما کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ اس کے یہاں تو یہ دونوں حالتیں ایک برابر ہیں ۔ سبحانہٗ و تعالیٰ ۔ سو عالمِ غیب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے جو غیب کو بھی ایسے ہی جانتا ہے جیسے شہود کو۔ اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے۔ بھلا ایسی ذاتِ اقدس و اعلیٰ سے کسی کا چھپنا یا اپنے کسی حال کو چھپانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ پس جو اپنے کپڑے ڈال کر اور اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال کر اس سے چھپنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بڑے ہی احمق اور مت کے مارے ہوئے لوگ ہیں ۔ جو اپنے اس اعراض و استکبار اور کبر و غرور سے خود اپنی ہی حرمانِ نصیبی کا سامان کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔

۱۵ اللہ سے کسی چیز کو چھپانا ممکن نہیں: ۔ کہ اللہ سینوں کے بھیدوں کو بھی جاننے والا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ وہ پوری طرح جاننے والا ہے سینوں کے بھیدوں کو بھی۔ پس اس سے کوئی بھی چیز چھپ نہیں سکتی۔ اور جب اللہ سے چھپنا ممکن ہی نہیں تو پھر ان کوڑھ مغزوں کی ان چالبازیوں کا فائدہ ہی کیا۔ سوائے اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے۔ اور خود کو نورِ حق و ہدایت سے اور دور اور محروم کرنے کے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو اہلِ بدعت جو اپنے مزعومہ وسیلہ کے اِثبات کے لئے اس طرح کی قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں کہ صاحب جب

تم دنیا کے کسی بادشاہ کے پاس براہِ راست نہیں پہنچ سکتے، اپنی عرضی و درخواست خود پیش نہیں کر سکتے اور وہاں پر تمہاری شنوائی نہیں ہوسکتی جب تک کہ تم کوئی وسیلہ و واسطہ نہ پکڑو۔ تو پھر تم براہِ راست اللہ تعالیٰ کے یہاں بلا کسی وسیلہ و واسطہ کے کیسے پہنچ سکتے ہو؟ ۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو ان لوگوں کی یہ منطق و قیاس آرائی ایسی نصوصِ کریمہ سے باطل اور مردود قرار پاتی ہے۔ اور اس میں بنیادی غلطی جو کہ آگے کئی طرح کی خرابیوں اور غلطیوں کی اساس اور جڑ بنیاد ہے، یہ ہے کہ اس میں حضرت خالق۔ جل مجدہٗ۔ کو مخلوق پر قیاس کیا گیا ہے۔ جبکہ وہ خالق ہے اور اُس کی شان مخلوق سے کہیں اعلیٰ و بالا اور وراء الوراء ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بھلا جس ذات سے انسان کی کوئی حالت و کیفیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور جو دلوں کی باتوں اور سینوں کے بھیدوں تک کو پوری طرح جانتا ہے اس کو دنیا کے عاجز ناقص العلم اور بے خبر بادشاہوں پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ ۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے طور پر مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور صاف وصریح طور پر منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ فلا تضربوا للہ الامثال ﴾ ۔ (النحل: ۷۴) یعنی تم لوگ اللہ کی لیے از خود مثالیں مت بیان کرو اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ انسان اپنے طور پر جو بھی کوئی مثال بیان کرے گا وہ مخلوق کے لائق اور مخلوق ہی کے دائرے میں ہوگی۔ کیونکہ اس کی کھوپڑی بہرحال مخلوق اور محدود ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس واعلیٰ دائرۂ مخلوق سے وراء الوراء اور اس سے کہیں اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسی لیے سورۂ نحل کی مذکورہ بالا آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون ﴾ ۔ یعنی "اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے" پس اللہ تعالیٰ کو ویسے ہی مانا جائے جیسا کہ وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اس کا رسول بتائے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا هٰذِهٖ نَوَاصِيْنَا بَيْنَ يَدَيْكَ فَخُذْنَا بِهَا اِلٰى مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ، وَفِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِي الْحَيَاةِ، وَلَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَكُنْ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا، وَاهْدِنَا وَاهْدِبِنَا، وَيَسِّرِ الْهُدٰى لَنَا، اَنْتَ مَوْلَانَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ، يَامَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ

۞۞۞۞۞۞

۞۞۞

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو، ۱۶ اور وہ جانتا ہے

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶

اس کی جائے سکونت کو بھی، اور جائے سپردگی کو بھی، ۱۷ یہ سب کچھ (موجود و مسطور) ہے ایک کھلی کتاب میں،

۱۶ <u>ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمے ہے</u>:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ زمین میں کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو۔ یعنی اس کے اس وعدۂ کرم کے ذمے پر جو کہ اس نے اپنے بے نہایت کرم وعنایت سے ازخود فرما رکھا ہے کہ سب کا خالق و مالک اور رازق و روزی رساں وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اُس نے اپنی اس کائنات میں ایسا حکمتوں بھرا نظام قائم فرما رکھا ہے کہ اس میں رہنے بسنے والی اس کی بے حد وحساب اور گوناگوں مخلوق کو اپنی طبیعت وفطرت اور مذاق ومزاج کے عین مطابق اپنی روزی مل رہی ہے۔ سو اُس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی بھی روزی نہیں دے سکتا۔ اس لئے بڑا ہی احمق ہے وہ انسان جو اپنی روزی کے سلسلہ میں اُس وحدہٗ لاشریک پر بھروسہ واعتماد کرنے کی بجائے اس کی کسی عاجز وکمزور مخلوق کے آگے جھکتا اور ذلت اٹھاتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کے نام نہاد مسلمان نے اس کے سوا اوروں کو اپنا کرتا دھرتا سمجھ رکھا ہے اور وہ بے دھڑک اس کی مخلوق میں سے بعض کو داتا کہتا، مانتا، لکھتا لکھاتا ہے اور وہ داتا کی ایک مستقل نگری قرار دیتا ہے اور خدا کے خوف سے عاری اور پیٹ کا پجاری پیر اور گمراہ کن ملاں اس سادہ لوح انسان اور جاہل مسلمان کی پیٹھ ٹھونکے جا رہا ہے کہ تم یہ سب کچھ ٹھیک ہی کہتے اور کرتے ہو۔ سب کچھ اللہ کے یہی پیارے کرتے ہیں وغیرہ۔ اس کو خدا کا کوئی خوف نہیں آتا کہ اس طرح وہ کس قدر ہولناک اور تباہ کن گمراہی کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ کہاں سے گر کر کہاں پہنچ رہا ہے؟ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- وانا للہ وانا الیہ راجعون- والی اللہ المشتکیٰ وھو المستعان-

۱۷ <u>"مستقر" اور "مستودع" سے مقصود ومراد؟</u>:- سو مستقر سے مراد ہے جائے قرار۔ یعنی جہاں اُس نے مستقلاً رہنا ہو وہاں بھی رب تعالیٰ ہی اس کو روزی پہنچاتا ہے۔ اور مستودع سے مراد ہے وہ جگہ جہاں اس کو ودیعت اور امانت کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ سو جہاں اُس نے عارضی طور پر قیام کرنا ہو، وہاں بھی وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے اور وہی اس کی روزی کا بندوبست فرماتا ہے۔ کہ وہ اپنی مخلوق کی ہر حالت سے باخبر اور ہر کسی کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسی طرح "مستقر" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ٹھکانا ہے جہاں انسان زندگی گزارتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ﴿ولکم فی الارض مستقر﴾ اور "مستودع" سے مراد وہ جگہ ہے جہاں انسان مرنے کے بعد زمین کے سپرد کیا جاتا ہے۔ سو اس طرح اس ارشاد سے اسی مضمون کی تاکید فرما دی گئی جس کا ذکر اوپر والی آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کسی کے لیے اس سے بھاگ نکلنا یا چھپ جانا ممکن نہیں۔ وہ ہر جاندار کو اسکی روزی پہنچاتا ہے۔ خواہ وہ کہیں بھی ہو۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا سمندروں کی تہوں میں۔ گھنے جنگلوں میں یا آباد شہروں میں۔ ہر جاندار کو اس کا رزقِ مقدر خدا کی طرف سے پہنچایا جاتا ہے۔ سو حیف ہے ان انسانوں پر کہ جو اس خدائے مہربان کے بخشے ہوئے رزق پر پل رہے ہیں مگر اسکے باوجود وہ اسکی بات سننے سے گریز کر رہے ہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر ثابت قدم رکھے- آمین ثم آمین۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ

اور وہ (اللہ) وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین (کی اس عظیم الشان کائنات) کو چھ

اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ

دنوں میں ف۱۸ اور (اس سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا ف۱۹ (اور اس نے یہ سب کچھ پیدا اس لئے فرمایا کہ) تاکہ وہ تمہاری

اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ

آزمائش کرے ف۲۰ کہ تم میں کس کا کام سب سے اچھا ہے، اور اگر آپ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہیں کہ تم سب

بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ

یقیناً دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اپنے مرنے کے بعد ف۲۱ تو فوراً بول اٹھتے ہیں یہ کافر لوگ کہ یہ (قرآن) تو محض ایک

۱۸ تخلیق کائنات کے دنوں سے مراد؟: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین [کی اس حکمتوں بھری کائنات] کو چھ دنوں میں۔ یعنی اللہ۔ جل شانہٗ۔ کی عظمتِ شان کے دنوں کے اعتبار سے جو کہ دراصل کنایہ ہے چھ مختلف ادوار سے نہ کہ ہمارے ان دنوں کے اعتبار سے جن کو ہم دیکھتے اور جانتے ہیں۔ جو کہ اس زمین و آسمان میں اور سورج کے طلوع وغروب کے اعتبار سے بنتے ہیں۔ اور جب آسمان و زمین کی اس کائنات کی تخلیق سے پہلے طلوع وغروب کا یہ نظام سرے سے تھا ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ ایسے میں ان چھ دنوں سے مراد ہمارے یہاں کے یہ مشہور و معروف چھ دن نہیں ہو سکتے۔ سو ان چھ دنوں سے مراد خدائی چھ دن ہیں اور وہ مختلف اَدوار و اَطوار ہیں جن میں اِس کائنات کی اِنشاء وتکوین کا یہ حکمتوں بھرا نظام تکمیل پذیر ہوا اور اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کے یہاں کا ایک دن تو ہمارے یہاں کے ایک ہزار سال ایک برابر ہے۔ جیسا کہ اِرشاد فرمایا گیا ﴿وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (الحج: ۴۷)۔ پس ان چھ دنوں کو اپنے دنیاوی دنوں کے اِعتبار سے دیکھنا صحیح نہیں۔ (المراغی، المنار وغیرہ) سو اِس سے یہ درسِ عظیم ملتا ہے کہ یہ کارخانہ قدرت کوئی بازیچہ اطفال نہیں جو یونہی بن گیا ہو اور یونہی ختم ہو جائے۔ بلکہ یہ نہایت ہی پرحکمت اور بامقصد تخلیق ہے جس کو نہایت ہی عظیم الشان مقاصد کے لئے اور خاص اہتمام کے ساتھ وجود میں لایا گیا ہے۔ اور انسان جو اس کائناتِ ہست و بود میں کلِ سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے اور جو کہ اس کی گوناگوں نعمتوں اور دوسری بے حد وحساب مخلوق سے طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہو رہا ہے اور جو کہ ان سب کے مخدوم ومطاع کی حیثیت رکھتا ہے وہ کوئی شترِ بے مہار نہیں کہ اس کائنات کی ان بے حد وحساب نعمتوں سے طرح طرح مستفید ہوتا رہے اور کھاتا پیتا اور عیش وعشرت کرتا رہے۔ اور پھر یوں ہی مرمٹ کر ختم ہو جائے۔ نہ اس سے ان نعمتوں کے بارے میں کوئی پوچھ

ہو نہ کوئی حساب کتاب ۔ نہ کسی کو اس کی اچھائی کا صلہ ملے اور نہ کسی کو اس کی برائی کی سزا ۔ اگر ایسے ہو تو پھر اس ساری کائنات کی اور اس کے مخدوم و مطاع حضرت اِنسان کی تخلیق و پیدائش کا یہ سب سلسلہ عبث و بیکار قرار پاتا ہے جو کہ حضرت خالق - جل مجدہٗ - کی رحمتِ بے نہایت اور حکمتِ بے غایت کے سراسر خلاف ہے - ﴿فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ - سو حکمتوں اور نعمتوں بھری اس عظیم الشان کائنات کی تخلیق کا اصل اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ کائنات کی اس کھلی کتاب کو دیکھ کر انسان اپنے خالق و مالک کو پہچانے ۔ اسکی معرفت کے شرف سے مشرف ہو اور صدقِ دل سے اُس منعمِ حقیقی کے آگے جھک جائے تاکہ اس طرح وہ ابدی زندگی کی حقیقی سعادتوں اور کامرانیوں سے بہرہ ور و سرفراز ہو سکے ۔ ورنہ اپنے کیے کی پاداش میں ابدی ہلاکت کے گڑھے میں گر کر اپنے اس انجام کو پہنچ کر رہے جس کا حق دار اس نے اپنے آپ کو خود بنا لیا ہو - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور اِس طرح عدل و اِنصاف کے تقاضے اور تخلیقِ کائنات کے اصل مقاصد پورے ہو کر رہیں جیسا کہ یہاں پر بھی اس کی تصریح فرمائی جا رہی ہے ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ - یعنی تاکہ اس طرح وہ تمہاری آزمائش کرے اور دیکھے کہ تم میں سب سے اچھا عمل کس کا ہے؟ سبحانہ وتعالیٰ - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، وہو الہادی الیٰ سواء السبیل -

۱۹ عرشِ الٰہی کے پانی پر ہونے کا مطلب؟ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اس کا عرش پانی پر تھا'' ۔ یعنی اُس کے اور پانی کے درمیان کسی اور چیز کا فاصلہ نہیں تھا ۔ یہ نہیں کہ عرش پانی کے اوپر رکھا ہوا تھا ۔ (المحاسن الکشاف وغیرہ) ۔ باقی عرشِ خداوندی عالمِ غیب کے اِن حقائق میں سے ہے جن کی پوری حقیقت کا اِدراک و اِحاطہ ہمارے بس سے باہر ہے ۔ ہم بس اس پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح کہ نصوصِ قرآن وسنت سے ثابت ہے - كَمَا هُوَ طَرِيْقُ سَلَفِنَا الصَّالِحِ - عَلَيْهِمُ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوَانُ - سو اس کی یہ شکل بہرحال نہیں تھی کہ عرشِ الٰہی اسی طرح پانی پر قائم اور موجود تھا جس طرح کہ کشتی پانی کے اوپر ہوتی ہے ۔ جیسا کہ ابھی اوپر گزرا ۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے عرش کے نیچے کچھ نہیں تھا سوائے پانی کے جو کہ ہر مخلوق کی اصل ہے ۔ جس کو علمائے فلکیات ''سدیم'' سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کو قرآن کی زبان میں ''دخان'' کہا گیا ہے ۔ سو اس کرۂ ارضی کی خشکی کے نمودار ہونے سے پہلے یہ سارا کرہ مائی تھا ۔ اور اسی پر اللہ تعالیٰ کے عرش سے تکوین وتخلیق کے اَحکام نازل ہوتے تھے ۔ اور یہ پانی ہی اصل مادۂ تخلیق ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم و اِرشاد اور اسکی تکوین وتخلیق سے پانی کا یہی جوہرِ حیات کچھ آسمان کی شکل میں ظاہر ہوا اور کچھ زمین کی شکل میں ۔ ورنہ اس سے پہلے یہ ایک ہی مادے کی شکل میں تھا جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ - (الانبیاء: ۳۰) سو جو خداوندِ قدوس اِس قدرت اور ایسی شان کا مالک ہے وہی معبود برحق ہے ۔ اور جب اسکی اس تکوین وتخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور جو ایسی قدرتِ بے پایاں اور حکمتِ بے نہایت کا مالک ہے وہ اس کائنات کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے کہ دوبارہ پیدا کرنا تو نسبۃً آسان ہوتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - (المنار،

المراغی اور تدبر وغیرہ)۔ سو کائنات کہ یہ کھلی کتاب ایک عظیم الشان کتاب ہے، مگر غفلت کا کیا جائے؟

۲۰ تخلیق کائنات برائے اِبتلاء و آزمائش: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمان و زمین کی اس کائنات کو اور اس کے اندر جو کچھ ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے پیدا فرمایا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ آسمان و زمین کی اس کائنات میں قدرت کی ودیعت فرمودہ طرح طرح کی اور بے حد وحساب نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر تم لوگ اپنی مرضی و اِرادہ سے کون سا راستہ اختیار کرتے ہو۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی اور اس کی رضاء وخوشنودی والا راستہ، جو کہ ذریعہ ہے دائمی و ابدی سعادتوں کا یا اس کے برعکس اپنی اَہواء واَغراض اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کا راستہ جو کہ باعث ہے دائمی شقاوت و بدبختی کا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو اس حکمتوں اور نعمتوں بھری کائنات کو اس لیے پیدا فرمایا گیا کہ انسان اس کے اندر غور وفکر سے کام لے کر اپنے خالق و مالک کی معرفت سے سرشار ہو اور دل و جان سے اسکے آگے جھک جائے اور اسکی رضاء وخوشنودی کے لیے اچھے سے اچھا عمل کرے۔ اور اچھے کام یعنی ''احسن عمل'' کے لیے دو بنیادی باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک اِخلاص اور دوسری اِتباع یعنی جو کام کرے وہ خالص اسکی رضا کے لیے کرے۔ اس میں دوسری کسی غرض کا کوئی شائبہ شامل نہ ہو اور کرے بھی دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق۔ سو ایسی صورت میں انسان کو تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا جیسا کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے حضرتِ معاذ بن جبل سے فرمایا کہ تم اپنے دین کو خالص کرو۔ تمہیں تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا '' اخلص دینک یکفیک العمل القلیل '' (الترغیب والترہیب جلد:۱ صفحہ:۵۴)۔ یعنی تم اپنے دین میں اخلاص پیدا کرو، پھر تم کو تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔ سو یہ مطلب ہے آسمانوں اور زمین کی اس کائنات کو ابتلاء وآزمائش کے لیے پیدا کرنے کا (روح المعانی وغیرہ)- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل-

۲۱ بعث بعد الموت کی ضرورت: -سو بعث بعد الموت ضروری ہے۔ تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں اور علی وجہ التمام والکمال پورے ہوں۔ اور تاکہ اس طرح تم اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ اور بدلہ پاسکو اور عدل وانصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہوسکیں جس کے نتیجے میں نیک بخت اور سعادت مند لوگ جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہوسکیں اور سرکش و نافرمان اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگتیں اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوکر رہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو بعث بعد الموت عقل ونقل دونوں کا تقاضا ہے لیکن ہٹ دھرم لوگ اس کو نہیں مانتے۔ کیونکہ حیات بعد الموت کے بغیر اس دنیا جہاں کا وجود عبث اور باطل وبیکار ہوکر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹۱ میں اولوا الالباب کی صفت اور ان کی شان کے ذکر وبیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ کائنات میں غور وفکر کے نتیجے میں پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ باطل اور بیکار نہیں پیدا فرمایا۔ تیری شان اس سے پاک ہے کہ تو ایسا بیکار کام کرے۔ پس تو اے ہمارے مالک دوزخ کی آگ سے بچالے- ﴿ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار﴾- آل عمران:۱۹۱) یعنی اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بیکار پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝ وَلَئِنۡ اَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِلٰٓى

جادو ہے کھلم کھلا ۲۲ اور اگر ہم ٹال دیں ان سے اس عذاب کو (جس کے یہ حق دار ہیں،) ایک گنی چنی مدت

اُمَّةٍ مَّعۡدُوۡدَةٍ لَّيَقُوۡلُنَّ مَا يَحۡبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوۡمَ

(یعنی دنیوی زندگی) تک کے لئے ۲۳ تو یہ لوگ (بڑے بے باکانہ اور مزاحیہ انداز میں) کہنے لگتے ہیں کہ آخر کس چیز نے

۲۲ **منکر انسان کی محرومی کا ایک مظہر:**- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ ان لوگوں سے کہیں کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا تو یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک جادو ہے کھلم کھلا۔ سو بعث بعد الموت کی اس اہم حقیقت کو تسلیم کرنے کی بجائے یہ لوگ اس کو جادو قرار دے رہے ہیں کہ حقیقت تو ان باتوں کی کچھ نہیں، مگر اس کلام کا زور ایسا ہے کہ یہ دل و دماغ پر جادو کا اثر کرتا ہے۔ سو یہ بدبخت اور محروم انسان کی بدبختی اور محرومی کا ایک کھلا مظہر ہے کہ قرآنِ حکیم کی بیان کردہ حقیقتوں کی صداقت اور اس کی قوتِ تاثیر کو یہ لوگ خود محسوس اور تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن آگے اسکو کلامِ حق تسلیم کرنے کی بجائے اسکو جادو کا اثر اور زور قرار دیتے ہیں۔ بھلا کبھی جادوگر بھی اس طرح کی باتیں کرتے ہیں؟ سو یہ منکرین کی محرومی اور ہٹ دھرمی کا کھلا ثبوت ہے۔ حالانکہ بعث بعد الموت ایک ایسی اہم اور بنیادی حقیقت ہے جو عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے اور جس کا اعلان و اظہار یہ کائنات پوری اپنی زبان حال سے خود کر رہی ہے۔ اسی لیے اولوا الالباب اس میں غور و فکر کرنے کے بعد فوراً اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے اس کائنات کو عبث و بیکار پیدا نہیں کیا۔ جیسا کہ ابھی اوپر والے حاشیے میں گزرا۔ مگر ان منکرین کی ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ ان کو جب اس حقیقت سے آگاہ کیا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک جادو ہے کھلم کھلا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۲۳ **منکرین کے مذاق و استہزاء کا جواب:**- سو منکرین کے عذاب کے بارے میں مذاق و استہزاء کے جواب میں ایک اصولی ہدایت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ سو اگر ہم ان سے ان کے عذاب کو کچھ مدت کے لیے ٹال دیتے ہیں اپنی اس سنت و دستور کے مطابق کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے جیسا کہ دوسرے مقام ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيۡءٍ قَدۡرًا﴾ (الطلاق: ۳)۔ اور ہر چیز اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوگی تو اس تاخیر و امہال سے ایسے تنگ ظرف اور مست ہو جاتے ہیں اور وہ بجائے اپنی روش کی اِصلاح کے حق اور اہلِ حق کا مذاق اڑانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ عذاب آتا کیوں نہیں۔ اس کو کس نے باندھ رکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ ان منکرین کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ بھی ہے اور ان کی محرومی و بدبختی کا ایک ثبوت بھی کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی رحمت و عنایت سے ان کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ یہ توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ کے ذریعے اپنی اصلاح کر لیں اور دائمی عذاب سے بچ جائیں۔ مگر یہ ہیں کہ اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے الٹا اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ سو یہی حال ہوتا ہے ان لوگوں کا جن کی شقاوت و بدبختی ان پر غالب آ جاتی ہے۔ کہ ان کو حق اور صدق کی بات سمجھنے اور اپنانے کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی اور ہلاکت و تباہی ہی کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا

روک رکھا ہے اس کو؟ (وہ آتا کیوں نہیں؟) ۲۴ سو آگاہ رہو کہ جس دن وہ ان پر آن پہنچے گا تو اسکو ان سے پھیرا نہ جائے گا،

٤/٨
بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑧ ع وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً

اور اپنے گھیرے میں لے کر رہے گا ان کو وہی کچھ جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے ۲۵ اور انسان (کی تنگ ظرفی کا عالم یہ ہے کہ

ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ج إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ⑨ وَلَئِنْ

اس) کو اگر ہم چکھا دیں اپنی طرف سے کوئی رحمت، پھر ہم اس کو چھین لیں اس سے، تو یہ بالکل مایوس (و ناامید اور) سخت

۲۴ منکرین کے عناد وہٹ و دھرمی کا ایک نمونہ و مظہر:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم ان لوگوں سے اس عذاب کو ٹال دیں ایک مدت تک تو یہ کہتے ہیں کہ کس نے روک رکھا ہے اس کو۔ سو اس طرح یہ منکر لوگ اس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے ایمان و یقین سے محرومی کا کہ انسان اصل مقصد سے منہ موڑ کر اس طرح کے لایعنی مطالبات کرنے اور حق کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ ۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اس ہولناک انجام سے دوچار ہو کر رہتا ہے جس سے نکلنے اور بچنے کی کوئی صورت اسکے لیے ممکن نہیں رہتی۔ اور یہی ہے سب سے بڑا خسارہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيمِ ۔ حالانکہ عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے آنے سے پہلے اس سے بچنے کی فکر کی جائے ورنہ عذاب کے آجانے پر نہ یہ اس کو روک سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے وہ مزعومہ اور من گھڑت شرکاء و شفعاء ہی کچھ کام آسکتے ہیں جن کا ان کو زعم اور گھمنڈ ہے۔ پس سلامتی اور نجات کی راہ یہی ہے کہ دین حق کی تعلیمات کو صدق دل سے اپنایا جائے۔

۲۵ منکرین عذاب الٰہی کی زد میں:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ آگاہ رہو کہ جس دن وہ عذاب ان پر آ پہنچے گا تو اس کو کسی طرح سے پھیرا نہیں جائے گا اور ان کو گھیر کر رہے گا وہ کچھ جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ سو وقت آنے پر اللہ کے عذاب سے بچنے کی کوئی صورت ایسوں کیلئے ممکن نہ رہے گی۔ اس طرح کہ نہ وہ عذاب ان سے ٹلے گا اور نہ اس سے نکل بھاگنے کی کوئی صورت ان کے لیے ممکن ہو گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيمِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّشَرٍّ ۔ سو کفر و انکار محرومیوں کی محرومی اور سب سے بڑا خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيمِ ۔ پس عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری عنایت سے جو مہلت ان کو ملتی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر یہ اپنی روش کی اصلاح کر لیں قبل اس سے کہ وہ فرصت ان کے ہاتھ سے نکل جائے جو ایک محدود وقت کے لیے انکو دی گئی ہے۔ اور وہ عذاب ان پر آدھمکے جس کے یہ مستحق ہیں اور جب وہ ان پر آجائے گا تو نہ اسکو یہ لوگ خود ٹال سکیں گے اور نہ ان کے وہ خود ساختہ اور من گھڑت شفعاء اور شرکاء اس موقع پر ان کے کچھ کام آسکیں گے جن پر ان کو بڑا ناز ہے اور جن کا یہ لوگ بڑا زعم اور گھمنڈ رکھتے ہیں۔ اور اس وقت ایسے بدبختوں کو ہمیشہ کے عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ سو منکرین بہرحال عذاب الٰہی کی زد میں ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيمِ ۔ پس عقل و نقل کا تقاضا ہے کہ عذاب الٰہی سے بچنے کی فکر و کوشش کی جائے۔ و باللہ التوفیق

اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ

ناشکرا ہو جاتا ہے، ۲۶ اور اگر (اس کے برعکس) ہم اس کو چکھادیں کوئی نعمت کسی ایسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچ چکی ہو، تو یہ (پھول کر)

السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ

کہنے لگتا ہے کہ دور ہو گئیں مجھ سے سب برائیاں، بے شک یہ بڑا ہی اترانے والا اور شیخی باز ہے، ۲۷ بجز ان لوگوں کے

۲۶ تنگ ظرف اور تھڑدلے انسان کا حال:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ایسے انسان کو ہم اپنی طرف سے کوئی رحمت چکھادیں پھر ہم اس کو اس سے چھین لیں تو یہ بالکل مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ سو یہ اُس تنگ ظرف اور تھڑدلے انسان کا حال ہے کہ یہ صبر و شکر کی خصالِ عالیہ اور صفاتِ حمیدہ سے عاری اور محروم ہوتا ہے کہ نعمت ملنے پر یہ اِتراتا اور شیخی بگھارتا ہے۔ اور اس کے چھن جانے پر یہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے اور حضرتِ واہبِ مطلق - جل وعلا - کی دوسری اُن تمام نعمتوں کو بھول جاتا ہے جن سے وہ اس سے پہلے مستفید و فیضاب ہوتا رہتا ہے اور جن سے وہ اب بھی مستفید و فیضاب ہو رہا ہوتا ہے کہ اس کی نعمتیں تو بے حد و حساب ہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ - لیکن ایسا انسان اُنکی ان تمام عنایات اور نوازشوں کو بھول کر شکایات کے گویا دفتر کھول دیتا ہے کہ مجھ سے یہ ہو گیا اور وہ ہو گیا۔ یوں ہو گیا اور ووں ہو گیا وغیرہ وغیرہ- جو کہ اس کی تنگ ظرفی کی علامت اور اس کی محرومی کی نشانی ہوتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

۲۷ تنگ ظرف انسان کی شیخی بازی کی خصلت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم اس کو کوئی نعمت چکھادیں کسی ایسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچ چکی ہوتی ہے تو یہ پھول کر کہنے لگتا ہے کہ مجھ سے سب برائیاں دور ہو گئیں۔ بے شک یہ بڑا اترانے والا شیخی باز ہے۔ سو ایمان سے محروم انسان کا حال یہی ہے کہ دنیا ملی تو اس نے اِترانا اور دوسروں پر فخر جتانا شروع کر دیا۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایمان و یقین کی دولت ایک بے مثال دولت ہے۔ اور اس طرح اِترانے اور شیخی بگھارنے کی اِس مذموم خصلت کی بناء پر ایسے لوگ اپنے منعمِ حقیقی کا شکر بجالانے کے شرف سے محروم ہو جاتے ہیں۔ سو ایمان و یقین کی دولت ایسی عظیم الشان اور انقلاب آفریں دولت ہے جس کے بعد انسان کو نعمت ملے تو بھی خیر کہ وہ اس پر حضرت حق - جل مجدہٗ - کا شکر بجالاتا ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف آجائے تو بھی خیر کہ اس پر وہ صبر کرتا ہے۔ جبکہ ایمان سے محرومی کی صورت میں نعمت ملے تو بھی عذاب اور تکلیف آئے تو بھی عذاب کہ نعمت کے ملنے پر وہ عیاشی اور خرمستی کرتا ہے۔ اس کا دماغ کہیں سے کہیں جا پہنچتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ کیا سے کیا کر گزرتا ہے اور تکلیف و مصیبت کی صورت میں وہ جزع وفزع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خودکشی پر اتر آتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو آیتِ کریمہ میں وارد لفظِ انسان اگرچہ عام ہے مگر اس سے مراد وہی جھگڑالو اور ضدی انسان ہے جس کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ لیکن بات عمومی اور کلی انداز میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جھگڑالو اور ضدی شخص سے رو در رو بات کرنے کی بجائے اسطرح کے عمومی اور کلی انداز میں بات کی جاتی ہے جو کہ بلاغت کا ایک اہم اسلوب اور خطاب و مخاطبت کا ایک مفید و مؤثر انداز اور مہذب طریقہ ہے کہ اس سے اِعراض و روگردانی کے انداز میں بات کہہ دی جاتی ہے۔

صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

جو کام لیتے ہیں صبر (واستقامت) سے ۲۸ اور وہ کام بھی نیک کرتے ہیں ۲۹ سو ایسوں کے لئے ایک عظیم الشان بخشش بھی

وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۞ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى

ہے، اور بہت بڑا اجر بھی، تو کیا آپ چھوڑ دیں گے کچھ حصہ اس وحی کا جو کہ بھیجی جاتی ہے

۲۸ صبر کرنے والوں کی اِستثنائی شان: -سو ارشاد فرمایا گیا بجز ان لوگوں کے جو صبر و برداشت سے کام لیتے ہیں اور وہ کام بھی نیک کرتے ہیں۔ یعنی جو راہ حق پر صبر واستقامت سے کام لیتے ہیں۔ سو ایمان ویقین کی دولت ایک انقلاب آفریں دولت ہے کہ ایسے لوگ اپنے ایمان وعقیدہ اور تسلیم و رضا کی صفاتِ حمیدہ کی بناء پر جب صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں تو اس سے ایک طرف تو ان سے اس مصیبت کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے جو ان کو پہنچی ہوتی ہے اور دوسری طرف اس سے وہ اپنے اجر وثواب کے ذخیرے میں بھی اضافہ کرتے ہیں جس سے ان کو دوسرے فائدوں کے علاوہ ایک خاص قسم کا قلبی سکون واطمینان بھی ملتا ہے۔ سو ان کا معاملہ تنگ ظرف انسان سے یکسر مختلف اور ہر اعتبار سے دگرگوں اور الگ ہوتا ہے۔ سو ایمان ویقین کی دولت مٹی کو سونے بنا دینے والی ایک عظیم الشان اور انقلاب آفریں دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے ہمکنار و بہرہ ور کرتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ -

۲۹ صبر والوں کے لیے اجرِ کبیر کی بشارت: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کے لیے عظیم الشان بخشش بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔ سو اس سے یہ اہم حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان ویقین کی قوت اور اسکی برکت سے انسان کی طبعی اور جبلی کمزوریاں بھی دور ہو جاتی ہیں۔ سو اپنے آرام وراحت اور خوشحالی و فارغ البالی کے دور میں اکڑنے اور اِترانے کی بجائے انہوں نے اپنے خالق و مالک کے حضور ہدیۂ تشکر و اِمتنان پیش کرتے ہوئے اَعمالِ صالحہ کی پونجی جمع کرنے کی کوشش کی۔ اور اِس طرح انکی وہ دنیاوی ترقی اور فارغ البالی بھی ان کیلئے خیر و برکت میں اضافے کا ذریعہ بن گئی۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان وعقیدہ کی برکت سے انسان کی فطری وجبلی کمزوریاں بھی کافور ہو جاتی ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیسی انقلاب آفریں دولت ونعمت ہے یہ ایمان کی نعمت۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ شَرَّفَنَا بِهٖ - اَللّٰھُمَّ زِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسے صابر وشاکر لوگوں کا معاملہ مستثنیٰ اور دوسروں سے بالکل الگ ہوتا ہے کہ ایسوں کو جب اِبتلاء وآزمائش کی کوئی صورت پیش آتی ہے تو یہ اللہ سے مایوس اور دل شکستہ ہونے کے بجائے اسکی رحمت وعنایت پر صابر و مطمئن رہتے ہیں۔ اور جب اسکی طرف سے ان کو کسی فضل ونعمت سے نوازا جاتا ہے تو یہ لوگ اکڑنے اور مغرور ہونے کی بجائے اس بات کو بجالاتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ سو مشکل ومصیبت اُن کی صفتِ صبر کو مستحکم کرتی ہے اور نعمت سے سرفرازی ان کے لیے شکر اور اَعمالِ صالحہ کی راہیں کھولتی ہے۔ یہی لوگ انسانیت کے گلِ سرسبد ہیں اور ان ہی کا وجود باعثِ خیر و برکت ہے۔ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔ ایسے خوش نصیبوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں عظیم الشان مغفرت وبخشش بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

آپ کی طرف ف۳۰ (اے پیغمبر!) اور تنگ ہوتا ہے اس کی بناء پر آپ کا سینہ، کہ (حق و ہدایت کا انکار کرنے والے) یہ لوگ یوں

عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ

کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتار دیا گیا ان پر (آسمان سے) کوئی خزانہ، یا کیوں نہیں آ گیا ان کے ساتھ (ان کی اردل میں

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ

رہنے والا) کوئی فرشتہ (سو ایسی باتوں سے آپ دلگیر نہ ہوں کہ) آپ کا کام تو صرف خبردار کر دینا ہے اور بس، اور ہر چیز پر پورا

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا

اختیار رکھنا تو اللہ ہی کی شان ہے و۳۱ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس (کتاب حق) کو خود گھڑ لیا ہے؟ تو (ان سے) کہو کہ اچھا

۳۰ پیغمبر کے لیے تسلیہ و تسکین کا سامان :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کا اصل کام تبلیغ و انذار ہے اور بس۔ سو آپ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور بطور استفہام ارشاد فرمایا گیا کہ کیا آپ اس وحی کا کچھ حصہ چھوڑ دیں گے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔ اور آپ کا سینہ تنگ ہو رہا ہے ان لوگوں کی ایسی اور ایسی انہونی باتوں کی بناء پر۔ استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہونے کا اور نہیں کرنے کا بلکہ آپ ان لوگوں کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر اور ان کے ان الٹے سیدھے مطالبات پر کان دھرے بغیر اس وحی کو پورے کا پورا لوگوں تک پہنچا دیں جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾۔ سو آپ نے پیغامِ حق پورے کا پورا اور بغیر کسی کمی بیشی کے آگے پہنچا دیا اور اس میں کوئی کمی اور کوتاہی نہیں فرمائی ﷺ۔ پس شیعہ اور اہلِ بدعت وغیرہ زائغین کا یہ کہنا اور ماننا کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے علومِ وحی میں سے کچھ کو چھپا لیا تھا، سراسر باطل اور مردود ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف پیغمبر کا اصل کام تبلیغ و انذار ہے اور بس۔ آگے منوالینا نہ آپ کی ذمہ داری ہے اور نہ آپ کے بس میں۔

۳۱ اختیارِ کلی کی شان اللہ تعالیٰ ہی کی ہے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی ہے ہر چیز پر پورا پورا اختیار رکھنے والا۔ سو جب ہر چیز کا وکیل اور مختار اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے تو آپ اپنا معاملہ اُسی قادرِ مطلق کے حوالے کر دیں۔ وہ ان سے خود نمٹ لے گا۔ اور اس کی ارسال فرمودہ وحی کی تبلیغ بلاکم و کاست کر دیں اور بس کہ یہی آپ کا فرضِ منصبی ہے۔ سو اختیارِ کلی کی شان اللہ ہی کی شان ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے۔ اور وہ جو بھی کرتا ہے اپنے علمِ کامل اور اپنی حکمتِ بالغہ کی بناء پر ہی کرتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس وہ ایسے منکروں سے ٹھیک ٹھاک نمٹ لے گا۔ انذار و تبلیغ حق کا فریضہ ادا کر دینے کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم۔ اس کے بعد اگر یہ لوگ اپنے ایسے بے مقصد اور لاطائل مطالبات کو بہانہ بنا کر راہِ حق و حقیقت سے گریز کرتے ہیں تو ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کر دو۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا اور پوری طرح جانتا ہے۔ تمہاری جانفشانیاں بھی اسکے سامنے ہیں اور انکی شرارتیں اور شرانگیزیاں بھی۔ وہ ہر ایک کو اس کے کیے کرائے کے پورے صلے اور بدلے سے نوازے گا اور پورے حق و انصاف کے ساتھ معاملہ فرمائے گا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

تو پھر تم لوگ بھی بنا لاؤ اس جیسی دس ہی سورتیں من گھڑت ۳۲ اور بلالو تم (اپنی مدد کے لئے) جس کو بھی بلا سکتے ہو اللہ کے سوا، اگر

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ

تم لوگ سچے ہو (اپنے اعتراض والزام میں،) ۳۳ سو اگر پھر بھی یہ لوگ پورا نہ کرسکیں تمہارے اس چیلنج کو ۳۴ تو (ان سے کہو کہ اب تو تم)

اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

یقین جان لو کہ اس (کتاب حکیم) کو اللہ ہی کے علم سے اتارا گیا ہے ۳۵ اور یہ بھی (یقین کرلو) کہ کوئی معبود نہیں سوائے ایک اللہ

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ

کے ۳۶، تو کیا اب تم لوگ سر تسلیم خم کرتے ہو؟ ۳۷ جو کوئی (اپنے اعمال سے) دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش ہی چاہتا ہے، تو ایسے

۳۲ **قرآنِ حکیم کا اپنے منکروں کو کھلا چیلنج:** ۔کہ تم لوگ اس کتابِ حکیم جیسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آؤ اگر تم سچے ہو اپنے اِس اِلزام میں کہ آخر تم بھی تو اہلِ زبان ہو بلکہ تم کو تو اپنی زباندانی کا بڑا دعوٰی اور گھمنڈ ہے۔ اور اس میدان میں تمہاری معرکہ آرائیاں بھی مشہور و معروف ہیں جبکہ میں نے اس میں سے کچھ بھی کبھی نہیں کیا۔ نہ کسی سے کوئی حرف تک کبھی پڑھا اور نہ کسی طرح کا کوئی دعوٰی کیا۔ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں تو از خود تنِ تنہا یہ پورا قرآن اپنی طرف سے پیش کردوں اور تم سب مل کر اس جیسی دس بلکہ ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت -کما قال فی البقرۃ- بھی نہ لاسکو۔ سو اِس سے بڑھ کر کھلی، واضح اور دوٹوک دلیل تم لوگوں کو اس کی اور کیا چاہیئے کہ یہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں، بلکہ حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کا کلامِ معجز نظام ہے۔ سو تمہارے لئے صحت و سلامتی کی راہ اور بہتری کی صورت یہ اور صرف یہ ہے کہ تم تکذیب و اِنکار کی راہ کو چھوڑ کر صدقِ دل سے ایمان لے آؤ، اپنے رب کے اس فرمانِ صدق ترجمان پر۔ اسی میں تمہارے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح کا سامان ہے دنیا کی اِس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اُس ابدی جہان میں بھی۔ ورنہ خسارہ ہی خسارہ ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو یہ تحدی اور چیلنج قرآنِ حکیم کا ایک ایسا عظیم الشان اور بے مثال معجزہ ہے کہ اسکی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ اور کہیں کبھی پائی گئی اور نہ کہیں پائی جاسکتی ہے۔ پس یہ اِس کتابِ حکیم کی صداقت و حقانیت کا ایک کھلا اور زندہ جاوید ثبوت ہے- والحمد للہ جل وعلا-

۳۳ **چیلنج کی تاکید مزید کا ذکر و بیان:** -سو اس چیلنج کی تاکید مزید کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور بلالو تم لوگ اس کام کے لیے جس کو بھی بلا سکتے ہو اللہ کے سوا۔ پھر تم سب مل کر پورا کرو تم اس چیلنج کو اگر تم سچے ہو اپنے اس دعوے اور اِلزام میں کہ یہ کلام اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ سو تم لوگوں کیلئے یہ کتنا صاف، سیدھا اور واضح طریقہ ہے کہ قرآنِ حکیم کے اِس چیلنج کا جواب دے کر اور اس کتابِ حکیم کی مثل اور اس جیسی دس سورتیں ہی از خود بنا کر پیش کر

دو اور اس طرح نبی اُمّی ﷺ کے خلاف تم اپنے اس اِلزام وادعاء کو سچا اور صحیح ثابت کر دکھاؤ۔ مگر کہاں اور کیسے؟۔ انّی لھم ذالک؟ - سو دیکھ لو کہ پھر تم سے بڑھ کر ظالم، ضدی اور ہٹ دھرم اور کون ہو سکتا ہے؟ -وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو اس سے بڑھ کر اِس کتابِ حکیم کی صداقت وحقانیت کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس جیسی دس سورتیں ہی تم لوگ سب مل کر بھی نہیں لا سکتے۔ اسکو اس نبی امی نے اکیلے پیش کیا جس نے کبھی کسی انسان و بشر سے ایک حرف بھی نہیں پڑھا۔ سو اگر تم لوگ اپنے سب شرکاء اور سفارشیوں اور اپنے چوٹی کے شاعروں، خطیبوں، دانشوروں اور ادیبوں کی مدد سے بھی ایسا نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو پھر یقین کر لو کہ یہ کلام اللہ ہی کا کلام ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۳۴ قرآنِ حکیم کے معارضے اور مقابلے سے عجز کا ذکر و بیان: -سو قرآنِ حکیم کے معارضے اور مقابلے سے عجز کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ پھر بھی ایسا نہیں کر سکے اور ہرگز کر بھی نہیں سکیں گے۔ بھلا انسان ضعیف البنیان کی یہ حیثیت اور یہ طاقت وقوت کہاں اور کیسے ہو سکتی ہے؟ کہ وہ کلامِ حق کا مقابلہ و معارضہ کر سکے؟ اور اس جیسا کوئی کلام بنا کر پیش کر سکے کہ یہ چیز انسان کے اِحاطہ قدرت سے خارج اور اس کے بس سے باہر ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ﴾ (البقرۃ:۲۴)۔ سو اس سے اس چیلنج میں مزید قوت اور زور پیدا ہو جاتا ہے اور اس کتابِ حکیم کی صداقت وحقانیت اور واضح ہو جاتی ہے۔ اور بعض حضرات اہلِ علم نے یہ بھی کہا کہ قرآنِ حکیم کے اس چیلنج اور تحدی کو عام معنیٰ میں بھی چیلنج اور تحدی نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ عام معنیٰ میں چیلنج اور تحدی تو وہاں ہوتی ہے جہاں اس بات کا گمان ہو کہ حریف میدان میں اترنے اور قسمت آزمائی کا حوصلہ رکھتا ہے لیکن جب حریف کا اصل مقصد محض حقیقت سے گریز وفرار کے لیے بہانہ ڈھونڈنا ہو تو وہاں ایک خاص اہتمام اور ترتیب کے ساتھ چیلنج کرنے کی بجائے بہتر یہ ہوتا ہے کہ پہلا ہی وار بھرپور اور فیصلہ کن ہو۔ اس لیے قرآنِ حکیم میں اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِہٖ﴾ کہ یہ لوگ اس جیسا کلام لا کر دکھائیں خواہ وہ ایک سورت کی شکل میں ہو یا دس سورتوں کی شکل میں یا پورے قرآن کی شکل میں۔ لہٰذا جن لوگوں نے اس بارے ترتیب کا ذکر کیا ہے کہ پہلے پورے قرآن کی مثل لانے کا چیلنج کیا گیا۔ پھر دس سورتوں کا اور پھر ایک ہی سورت لانے کا تو یہ بات اگرچہ بظاہر اچھی لگتی ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ درست نہیں۔ کیونکہ اولاً یہ بات اس امر پر موقوف ہے کہ اس سے متعلق سورتوں اور آیتوں کا نزول اسی طرح ہوا جس طرح کہ اس ترتیب میں ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے اس لیے کہ یہ بات عظمتِ قرآن کے تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتی۔ سو قرآنِ حکیم کا معارضہ اور مقابلہ کسی کے بس میں نہیں۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۳۵ سو قرآنِ حکیم خالص اللہ کا کلام ہے: -یعنی جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآنِ حکیم کا معارضہ و مقابلہ کسی سے ممکن نہیں تو اس سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کلام خالص اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔ کسی بشر کا یہ کلام نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ محض حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کا کلامِ صدق التیام اور معجز نظام ہے، جس کو اُس نے اپنی رحمتِ بے پایاں اور عنایتِ بے نہایت سے اپنے بندوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے تاکہ وہ اس پر ایمان ویقین کی دولت سے سرفراز ہو کر اور اس کی تعلیماتِ حقہ کو اپنا کر دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور ہو سکیں۔ سو جس کتابِ حکیم

کی ایک سورت جیسا کلام لانے سے بھی ساری دنیا عاجز و درماندہ ہے اور چیلنج کے باوجود عاجز ہے اس کو جب ایک ایسے نبیٔ اُمی نے پیش فرمایا جس نے عمر بھر کبھی کسی انسان سے ایک حرف تک بھی نہیں پڑھا تھا۔ تو پھر اس کی حقانیت وصداقت کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور اس کے من جانب اللہ ہونے میں کسی شک وشبہ کی آخر کوئی گنجائش کس طرح باقی رہ سکتی ہے اور اس سے بڑھ کر اس نبیٔ اُمی کی صداقت وحقانیت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ -صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْعَرْضِ عَلَی اللّٰہِ وَاللِّقَاءِ - اللہ ہمارے ایمان ویقین کی قوت میں اضافہ فرمائے اور اس کتابِ حکیم کی خدمت کی عزت وسعادت سے ہمیشہ بہرہ ور رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۳۶ معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی معبود نہیں سوائے ایک اللہ کے کہ سب کا عجز ثابت ہو گیا۔ اور کوئی عاجز معبود ہو نہیں سکتا۔ پس اس وحدہ لاشریک کے سوا کوئی بھی معبود نہیں اور یہی اس کتابِ عزیز کا مرکزی مضمون اور بنیادی نقطہ ہے کہ ہر طرح کی عبادت و بندگی اسی وحدہٗ لاشریک کے لئے بجا لائی جائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور جب اس کتابِ حکیم کی صداقت وحقانیت واضح ہو گئی تو اسکی یہ دعوت بھی واضح اور پختہ ہو گئی کہ معبودِ برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اوپر والی آیتِ کریمہ میں یہ بات بالواسطہ کہی گئی تھی۔ اب ان کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہارے یہ خود ساختہ شرکاء وشفعاء بھی قرآن کی مثل کلام لانے کی مہم میں تمہاری حاجت روائی کے لیے نہیں اٹھ سکتے۔ تو پھر تم لوگ یقین جانو کہ یہ کتابِ حکیم علمِ الٰہی کا فیضان ہے جیسا کہ پیغمبر کہتے ہیں نہ کہ ان کا اپنا من گھڑت کلام۔ جیسا کہ تم لوگ کہتے اور الزام لگاتے ہو۔ اور یہ خداوندِ قدوس کے علم و حکمت کا وہ خزانہ ہے جو اُس واہبِ مطلق کے سوا اور کوئی نہیں بخش سکتا۔ اور ان سب کے عجز اور بے بسی سے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جن کو تم لوگوں نے از خود معبود بنا رکھا ہے وہ سب محض خیالی، فرضی اور وہمی ہیں۔ ان کی نہ کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ ورنہ اس مشکل وقت میں تمہاری کچھ تو مدد کرتے۔ سو تمہارے لیے خیر اور بہتری کی راہ یہ ہے کہ تم اوہام وخرافات کے اس جال سے نکل کر اور اس کلامِ حق پر ایمان لا کر اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرو اور یقین جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۳۷ قرآنِ حکیم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی دعوت وتحریک: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا اب تم لوگ اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہو؟ یعنی جب قرآنِ حکیم کی حقانیت اس قطعی دلیل سے ثابت اور واضح ہو گئی تو اب تمہیں اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔ پس استفہام تقریری تحریک وتحضیض کے لیے ہے اور اس اسلوب میں تشویق وترغیب کا پہلو بھی ہے اور زجر وملامت کا بھی۔ یعنی اس کے بعد جبکہ حق پوری طرح واضح ہو گیا تم لوگوں کو صدقِ دل سے اسلام لے آنا چاہیے۔ تا کہ خود تمہارا بھلا ہو۔ سو اِس کتابِ حکیم کی تعلیماتِ مقدسہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے اور ان کو اپنانے ہی میں تمہاری سعادت اور فوز وفلاح ہے کہ اس سے تم لوگ دنیا میں حیاتِ طیبہ "پاکیزہ زندگی" کی نعمت سے سرفراز ہو سکو گے اور آخرت میں جنت کی سدا بہار نعمتوں اور وہاں کی نعیمِ مقیم سے سرشار ہو سکو گے۔ وباللہ التوفیق۔ سو اس میں قرآنِ حکیم پر ایمان لانے کی دعوت وتحریک ہے کہ اس میں خود تمہارا ہی بھلا اور فائدہ ہے دنیا وآخرت دونوں میں۔ اور اس سے اِعراض وروگردانی میں خود تمہارا ہی نقصان ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

اِلَیۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِیۡهَا وَهُمۡ فِیۡهَا لَا یُبۡخَسُوۡنَ ﴿۱۵﴾

لوگوں کو ہم ان کے اعمال کا پورا بدلہ اسی (دنیا) میں دے دیتے ہیں، اور اس میں ان سے کوئی کمی نہیں کی جاتی، ف۳۸

اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ لَیۡسَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ ز

مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لئے آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا، ف۳۹

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِیۡهَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوۡا

برباد ہو گیا وہ سب کچھ جو انہوں نے دنیا میں بنایا تھا، اور نابود ہو گیا وہ سب کچھ جو یہ لوگ

۳۸ طالبانِ دنیا کیلئے صرف دنیا - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی صرف دنیاوی زندگی اور اسی کی آرائش و آسائش کا طالب ہوگا تو ایسے لوگوں کو ہم ان کے اعمال کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیں گے اور بس۔ سو ایسے لوگوں کو ان کے نیک اور اچھے عمل کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کو دنیاوی دولت کی فراوانی، صحت و جمال، کنبہ وقبیلہ کی کثرت اور حکومت و اقتدار وغیرہ طرح طرح کی نعمتیں اس دنیاوی زندگی میں ملتی ہیں۔ ان کی طرح طرح سے پبلسٹی ہوتی ہے۔ شہرت اور چرچے نصیب ہوتے ہیں اور بورڈ آویزاں کیے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بس ان کو اپنے کیے کا بدلہ یہیں مل گیا اور بس۔ کیونکہ انہوں نے اسی کو مقصد بنایا اور اسی کو چاہا تھا۔ اسی کیلئے جینے اور اسی کیلئے مرنے کو انہوں نے اپنا ہدف اور نصب العین بنایا تھا۔ سو جو انہوں نے چاہا تھا وہ ان کو مل گیا اور بس۔ آخرت میں ان کے لیے دوزخ کی آگ کے سوا کچھ بھی نہیں - سو یہ خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ۔

۳۹ صرف دنیا چاہنے والوں کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ - والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرت میں ان کیلئے آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ وہاں کے لئے کوئی عمل کرنا تو درکنار انہوں نے اس کے لئے نیت ہی نہیں کی تھی کہ ان کا اس پر ایمان ہی نہیں تھا اور مزید یہ کہ وہ اپنے کیے کا بدلہ اس دنیائے فانی ہی میں پا چکے ہیں۔ سو کس قدر خسارے کا سودا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں کہ آخرت کی ان حقیقی اور ابدی نعمتوں کو بھول کر اسی دنیا کے حطامِ زائل اور متاعِ فانی پر قانع ہو جاتے ہیں جو کہ سب سے بڑا نقصان اور خساروں کا خسارہ ہے۔ اور ایسا خسارہ کہ اسکی تلافی و تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی - وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ - جبکہ مومنِ صادق کو اس کے اعمالِ صالحہ کی کچھ برکات اگرچہ اس دنیاوی زندگی میں بھی نصیب ہوتی ہیں جن سے وہ طرح طرح سے مستفید و فیضیاب ہوتا لیکن اس کو اپنے کیے کرائے کا اصل اور پورا بدلہ آخرت کے اس ابدی جہان ہی میں ملے گا جو کہ "دار الجزاء" ہے اور جس کی جزاء مومن کا اصل مقصد اور حقیقی نصب العین ہے - اور اسی بناء پر وہ اپنی دنیاوی زندگی کی فرصت محدود کو آخرت کی کمائی کے لئے موقع اور اس کی فرصت سمجھتے ہیں اور اس کو اسی میں صرف کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ

کرتے رہے تھے ۴۰ تو کیا وہ شخص جو قائم ہو ایک روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے ۴۱ اس کے بعد (اس کی تائید و تصدیق

شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ط

میں) ایک گواہ بھی اس کے پاس آ گیا ہو اس کے رب کی طرف سے ۴۲ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی موجود ہے راہنما

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ

اور رحمت کے طور پر، (تو کیا ایسا شخص ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جو انکار کرتے ہیں حق کا؟ ۴۳) ایسے لوگ تو اس پر ایمان

فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ج فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ق اِنَّهُ الْحَقُّ

ہی لائیں گے، اور ان سب گروہوں میں سے جو بھی کوئی اس (قرآن) کا انکار کرے گا، تو دوزخ ہی (اس کا ٹھکانا اور

۴۰ ایسے لوگوں کا کیا کرایا سب اکارت: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ برباد ہو گیا وہ سب کچھ جو ان لوگوں نے بنایا تھا اور نابود ہو گئے ان کے وہ سب کام جو ایسے لوگ کرتے رہے تھے۔سو آخرت کے اس ابدی جہاں میں انکو کچھ بھی کام نہیں آئے گا کہ دنیا میں انہوں نے جو کچھ کیا تھا اس کی نہ بنیاد صحیح تھی اور نہ ان لوگوں کی نیت درست تھی، نہ ایمان نہ تقویٰ۔ بلکہ ان لوگوں کا اصل مقصد دنیا ہی دنیا تھی۔اور ظاہری اعتبار سے جو نیک اعمال یہ لوگ کرتے بھی تھے وہ بھی دراصل دنیا ہی کے لئے کرتے تھے۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس شخص کو سخت ترین عذاب ہو گا جس کو لوگ بھلائی پر سمجھتے ہوں اور اس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ (جامع البیان)۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔یہی مضمون سورۂ بنی اسرئیل (۱۸-۲۰) میں ذرا اور وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے کہ طالبانِ دنیا کیلئے دنیا ہی دنیا ہے اور طالبانِ آخرت کیلئے دنیا کے علاوہ آخرت کی ابدی اور سدا بہار نعمتیں بھی۔سو اصل دولت دین و ایمان ہی کی دولت ہے جو انسان کے لیے سعادتِ دارین کی کفیل و ضامن ہے۔اور اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے، اس لئے عقل و نقل سب کا تقاضا ہے کہ اسی کو اپنا اصل اور حقیقی مقصد اور نصب العین بنایا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید

۴۱ نورِ فطرت کی دولت ایک عظیم الشان دولت: ۔سو ارشاد فرمایا گیا بھلا وہ شخص جو قائم ہو ایک روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے۔یعنی جو اپنے رب کی طرف سے ملنے والے نورِ فطرت پر قائم ہو۔یعنی استعدادِ فطری کے اس نور پر جو کہ حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ نے ہر انسان کے اندر ودیعت فرمایا ہے۔ (المراغی، المدارک، المنار، ابن کثیر، جامع البیان اور معارف القرآن وغیرہ)۔سو نورِ فطرت ایک عظیم الشان دولت ہے جس سے حضرتِ واہبِ مطلق۔ جل و علا شانہٗ۔ نے اپنی قدرت و عنایت سے ہر انسان کو نوازا ہے۔اُسی کی حفاظت پر آگے اسکو نورِ وحی سے سرفرازی

نصیب ہوتی ہے اور وہ نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن جاتا ہے۔ اور جو کوئی نورِ وحی و ہدایت سے منہ موڑتا اور اعراض و روگردانی برتتا ہے اس کا وہ نورِ فطرت بھی بجھ جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اندھا بہرا بن کر گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب کے رہ جاتا ہے۔ سو اس میں پیغمبر کے لیے تسلی ہے کہ اگر یہ منکر لوگ آپ کی بات نہیں مانتے تو یہ اس لیے نہیں کہ اس میں آپ کی دعوت و تبلیغ کا کوئی قصور ہے بلکہ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنا نورِ فطرت و بصیرت کھو بیٹھے ہیں جس کی بناء پر محرومی ان کا مقدر بن گئی ہے اور یہ ہولناک خسارے میں مبتلاء ہو گئے ہیں - کہ نورِ فطرت سے محرومی کے نتیجے میں ایسے لوگ اندھے اور اوندھے ہو کر رہ جاتے ہیں وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -

۱۴۷ شاہد رب سے مقصود و مراد؟ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر اس کے بعد اس کے رب کی طرف سے ایک شاہد بھی آ گیا ہو۔ یعنی قرآنِ حکیم جو کہ فطرت کے اس نور کی تکمیل و تائید کرتا ہے اور باکمل وجوہ کرتا ہے اور اس طرح انسان نور علیٰ نور کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے اور راہِ حق و صداقت پر گامزن ہو جاتا ہے ورنہ اس کا نورِ فطرت بھی بجھ جاتا ہے اور وہ اندھیروں میں ڈوب کر رہ جاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو اللہ پاک - سبحانہٗ وتعالیٰ - کا اپنے بندوں پر یہ کرم بالائے کرم ہے کہ اول تو اس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے نورِ فطرت و ہدایت کو انکی طبیعت اور جبلت میں ودیعت فرما دیا اور پھر اس پر مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کو نورِ ہدایت سے نوازنے کے لیے اپنی طرف سے وحی کا سلسلہ قائم فرمایا جس کا سب سے آخری اور کامل مظہر قرآنِ حکیم ہے جس کے لانے والے جبریلِ امین اور اس کے حامل و امین امام الأنبیاء حضرت محمد مصطفیٰ - صلی اللہ علیہ وسلم - ہیں - سو جو لوگ صدقِ دل سے اس پر ایمان لائیں گے وہ سعادتِ دارین سے سرفراز ہونگے۔ اور جو اس سے منہ موڑیں گے وہ دارین کے خسارے میں مبتلا ہونگے - کہ ان کے اِعراض و استکبار اور کبر و غرور کا طبعی تقاضا اور لازمی نتیجہ ہے، جس نے اپنے وقت پر بہرحال اور آپ سے آپ ظاہر ہو کر رہنا ہے۔

۱۴۸ کیا مومن اور کافر باہم برابر ہو سکتے ہیں؟ :- اور ظاہر ہے کہ نہیں اور یقیناً اور ہرگز نہیں کہ مومن میں نورِ فطرت کی فطری روشنی اور نورِ وحی کی کسبی اور اختیاری روشنی دونوں یکجا ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس دوسرا شخص یعنی کافر اور منکر ان دونوں روشنیوں سے محروم و بے بہرہ ہے اور وہ طرح طرح کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے وہ اپنے انجام سے غافل، شرفِ انسانیت سے بے خبر، لذتِ ایمان و یقین سے محروم، دائمی ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھے کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - تو پھر یہ دونوں قسم کے لوگ باہم برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ ان میں سے ایک تو روشنی پر روشنی سے سرفراز ہے جبکہ دوسرا تمام روشنیوں سے محروم اور بے بہرہ ہے۔ سو اس قرآن پر بھی وہی لوگ ایمان لائیں گے جو نورِ فطرت سے بہرہ ور ہیں اور وہ اس امر سے واقف و آگاہ ہیں کہ اس سے پہلے اسی طرح کی کتابِ ہدایت اور نور بن کر موسیٰ پر بھی اتر چکی ہے۔ سو ایسے لوگ نور و ہدایتِ قرآنی سے طبعی طور پر مانوس ہیں اور قرآن کی آواز ان لوگوں کو اپنی فطرت کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ سو نورِ فطرت اور نورِ وحی دونوں کی یکجائی سے انسان نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن جاتا ہے۔

مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

اس کے وعدے کی جگہ ہے ۴۴ پس تم کسی شک میں نہیں پڑنا اس (کتاب) کے بارے میں، بے شک یہ قطعی طور پر حق ہے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ

تمہارے رب کی جانب سے ۴۵ لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں ۴۶ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ

يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ

باندھے؟ ۴۷ ایسے لوگوں کو (کل قیامت کے دن) پیش کیا جائے گا ان کے رب کے حضور ۴۸ اور گواہ کہیں گے کہ یہی ہیں وہ

۴۴ منکروں کا ٹھکانا دوزخ:- سوارشاد فرمایا گیا کہ جو اس کا انکار کرے گا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے کہ تکذیب حق کا انجام یہی ہوتا ہے۔ پس قرآنِ کریم کے منکر صرف اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں کہ حق و ہدایت کی روشنی سے محروم ہو کر وہ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں زندگی گزارتے ہیں اور پھر اس کے نتیجے میں وہ اخروی زندگی میں دوزخ کی ہولناک آگ میں جلیں گے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- اور جب ایسے لوگوں کا خاتمہ بھی کفر پر ہوا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- تو ان کو وہاں سے پھر کبھی نکلنا بھی نصیب نہیں ہوگا بلکہ ان کو ہمیشہ کے لیے وہیں رہنا ہوگا کہ نورِ ایمان سے سرفرازی اور آخرت کے لیے کمائی کا موقع یہی دنیاوی زندگی اور اس کی فرصت محدود تھی جو کہ اس وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکی ہوگی۔ اور دوبارہ اس کے حصول کا کوئی موقع اور امکان نہیں ہوگا- والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف-

۴۵ قرآنِ حکیم کی قطعی حقانیت کا ذکر و بیان:- پس تم اس کے بارے میں کسی بھی طرح کے کسی شک میں نہیں پڑنا کہ یہ قرآن قطعی طور پر حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ اور اس کی شانِ ربوبیت کا تقاضا یہی تھا اور یہی ہے کہ وہ اس قرآن کو نازل فرمائے کہ صحیح اور کامل تربیت اس کے بغیر ممکن نہیں۔ سو اس کتابِ حکیم پر ایمان انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف یہاں پر قرآنِ پاک کی حقانیت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا اور ادواتِ تاکید کے ساتھ اور حصر و قصر کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ حق بہرحال یہی اور صرف یہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے۔ پس جو لوگ اس سے اعراض اور روگردانی برتتے ہیں وہ حق اور ہدایت کے نور سے قطعی طور پر محروم ہیں۔ خواہ وہ مادی ترقی میں کتنے ہی آگے کیوں نہ نکل جائیں اور اپنے بارے میں وہ کیا کچھ ظن و گمان بھی کیوں نہ رکھتے ہوں اور وہ دنیاوی ترقی اور مادی وسائل کے اعتبار سے کتنے ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہوں کہ وہ حق اور ہدایت کی روشنی سے بہرحال محروم اور اندھیروں میں مبتلا اور اندھے اور اوندھے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

۴۶ اکثریت بے ایمانوں کی- والعیاذُ باللہ العظیم:- سوارشاد فرمایا گیا کہ اکثر لوگ مانتے نہیں۔ یعنی نہ وہ ایمان رکھتے ہیں اور نہ ایمان لانا چاہتے ہیں۔ یا اپنے قصورِ فہم اور کوتاہ نظری کے باعث یا ضد اور ہٹ دھرمی اور خواہش پرستی کی بناء پر۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی اکثریت بالعموم بے ایمانوں ہی کی ہوتی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ پس عوام کالانعام کی

اکثریت کا کسی طرف ہو جانا اس بات کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا جس طرح کہ دورِ حاضر کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے اور جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے علمبرداروں نے قرار دے رکھا ہے کہ عوام کی اکثریت جدھر ووٹ دے گی وہی صحیح ہے -والعیاذ باللہ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّشَرٍّ- بلکہ حق وہی ہے جس کا حق ہونا اللہ اور اسکے رسول کے ارشادات سے ثابت ہوجائے، خواہ دنیا ساری ہی اسکے خلاف کیوں نہ ہو-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اور باطل وہ ہے جس کا باطل ہونا اللہ اور اسکے رسول کے ارشادات سے ثابت ہوجائے۔ خواہ دنیا ساری ہی اسکے ساتھ کیوں نہ ہو۔ نیز یہاں پر فعل ارادۂ فعل کے معنیٰ میں بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی اکثر لوگ ایمان لانا چاہتے ہی نہیں۔ اور جب ایمان کا ارادہ ہی نہیں تو پھر ایسے لوگ نورِ ایمان ویقین سے کس طرح سرفراز ہو سکتے ہیں؟ کہ نورِ ایمان ویقین اور دولتِ حق وہدایت سے بہرہ مندی وسرفرازی کے لیے اولین شرط اور بنیادی تقاضا طلب صادق ہی ہے۔ سو جو لوگ نہ ایمان رکھتے ہیں اور نہ رکھنا چاہتے ہیں ان کے لیے محرومی ہی محرومی ہے-والعیاذ باللہ العظیم-

۲۷ اللہ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم-والعیاذُ باللہ:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سب سے بڑا ظالم وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ اور یہ جھوٹ خواہ اس کے اَقوال واَفعال کے بارے میں ہو یا اس کے اَحکام وصفات سے متعلق۔ یا اس کے اِذن کے بغیر اس کے لئے اپنے طور پر مختلف قسم کے اولیاء وشفعاء مانے اور تجویز کرے۔ (المراغی وغیرہ)۔ اور اس کے لئے طرح طرح کی فلسفہ طرازیاں کرنے لگے کہ وہ ہماری سنتا نہیں اور ان کی رد نہیں کرتا۔ اور یہ کہ ہماری ان کے آگے اور ان کی اس کے آگے وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ آج کا کلمہ گو مشرک کہتا ہے۔ یا کوئی اللہ کے لئے اولاد تجویز کرے جیسا کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ عرب کرتے تھے یا اپنے لئے یہ جھوٹا دعویٰ کرے کہ مجھے اس نے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے۔ جیسا کہ قادیانی دجال وغیرہ نے کہا وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب کچھ افتراء علی اللہ میں داخل ہے اور استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسوں سے بڑھ کر ظالم بدبخت اور محروم اور کوئی نہیں ہوسکتا-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم-

۲۸ افتراء پردازوں کی اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا ذکر وبیان:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کو ان کے رب کے حضور پیش کیا جائے گا ان کے زندگی بھر کے کئے کرائے کی جوابدہی اور اس کا بدلہ پانے کے لئے۔ جس طرح کہ بادشاہ پر افتراء باندھنے والے اس کے مجرم غلام اسکے حضور پیش کئے جاتے ہیں-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو یہ ان کو پیشگی اور اس صراحت ووضاحت سے بتا دیا گیا تاکہ ایسے لوگ اپنی روش کی اِصلاح کرسکیں اور اپنے اس ہولناک انجام سے بچنے کی فکر وکوشش کرسکیں قبل اس سے کہ فرصتِ حیات کی یہ مختصر ومحدود مہلت ان کے ہاتھ سے نکل جائے-وباللہ التوفیق- بہرکیف اللہ پر افتراء کرنا اور جھوٹ باندھنا بہت ظلم اور سنگین جرم ہے۔ اور ایسے لوگوں کو قیامت کے روز اپنے رب کے یہاں پیش ہونا اور اپنے کیے کرائے کا جواب دینا اور اس کا پھل پانا ہوگا۔ اور اس وقت یہ حقیقت پوری طرح کھل کر ان کے سامنے آجائے گی کہ جنکی زندگی بھر وہ پوجا پاٹ کرتے رہے تھے اور جنکی حمیت وحمایت میں انہوں نے اللہ کی کتاب کو جھٹلایا تھا وہ سب ان سے ہوا ہو گئے۔ اور جو کچھ انہوں نے سوچ اور سمجھ رکھا تھا وہ سب بے حقیقت وبے بنیاد اور وہم وگماں اور سراب وخیال تھا۔ سو اس وقت ایسے بدبختوں کی یاس وحسرت کا کوئی کنارہ نہیں ہوگا مگر بے وقت کے اس افسوس سے ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوگا سوائے ان کی آتشِ یاس وحسرت میں اضافے کے-والعیاذ باللہ العظیم-

الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلٰی رَبِّہِمۡ ۚ اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی

لوگ جنہوں نے جھوٹ گھڑا تھا اپنے رب پر ف۴۹ آ گاہ رہو کہ اللہ کی لعنت (اور پھٹکار) ہے ایسے

الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾ۙ الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ

ظالموں پر، ف۵۰ جو کہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، ف۵۱

وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾

اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں ف۵۲

اُولٰٓئِکَ لَمۡ یَکُوۡنُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا

یہ لوگ ایسے نہیں کہ عاجز کردیں (اللہ کو کہیں بھاگ کر) زمین میں، اور نہ ہی

۴۹ افتراء پردازوں کے جرم کے اثبات کا ذکر و بیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز گواہ کہیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ گھڑا تھا اپنے رب پر ۔سو اُس روز مجرموں کے جرم پر گواہوں کی گواہی دلائی جائے گی جس سے ان کا جرم پوری طرح عیاں ہو جائے گا اور یہ گواہ مختلف ہونگے ۔فرشتے ، انبیاء ، پوری امت محمدیہ اور خود ان کے اپنے اعضاء و جوارح کہ اُس روز یہ سب ہی گواہ ہوں گے (جامع البیان ، روح ، بیضاوی اور محاسن وغیرہ)۔ اہلِ بدعت کے ایک بڑے گروہ کی رگِ شرک و بدعت یہاں بھی پھڑکی اور اس نے اس سے غیر اللہ کے لئے علمِ غیبِ کلی کے اپنے شرکیہ عقیدے کے لئے استدلال کیا۔ حالانکہ یہ گواہ وہ لوگ ہونگے جن کے سامنے اور ان کی موجودگی میں افتراء پردازوں نے اپنی افتراء پردازیوں کا ارتکاب کیا ہوگا۔ یہ کوئی غائب نہیں ہونگی تا کہ اہلِ بدعت کے ایسے لچر اور واہی استدلال کے لیے گنجائش نکل سکے ۔ نیز اس عقیدہ کے قرآن و سنت کی نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ اگر موصوف کے اس پر استدلال کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر اس سے تو ساری امت ہی عالم الغیب قرار پا جائے گی۔ جو کہ لچر ہونے کے علاوہ خود اہلِ بدعت کا بھی عقیدہ نہیں کہ ساری امت کو تو خود یہ لوگ بھی عالمِ غیب نہیں مانتے ۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر تو انسانی اعضاء و جوارح کو بھی عالمِ غیب ماننا پڑے گا کہ اِشہاد میں وہ بھی داخل ہیں۔ جیسا کہ حضرات مفسرینِ کرام نے ذکر فرمایا ہے۔ سو اہلِ بدعت کے ایسے تحریف پسندوں کی یہ منطق جہاں عقل و نقل کیخلاف ہے وہاں یہ اُن لوگوں کی جہالت اور ان کی مت ماری کا بھی کھلا ثبوت ہے ۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡم ۔ بہر کیف اُس روز گواہوں کی گواہی سے مجرموں کا جرم پوری طرح ثابت اور واضح ہو جائے گا۔ اور ان کے لئے کسی انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

۵۰ افتراء پردازوں پر خدا کی لعنت و پھٹکار: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور اَلا کے حرفِ تنبیہ کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ آگاہ رہو کہ خدا کی لعنت اور پھٹکار ہے افتراء کرنے والوں پر ۔ والعیاذ باللہ ۔ پس جب اِفتراءِ علی اللہ ''اللہ پر جھوٹ

باندھنے'' کو قرآنِ کریم اتنا بڑا سنگین جرم قرار دیتا ہے تو پھر خود یہ کتابِ حکیم افتراء علی اللہ اور خود ساختہ کتاب کیسے ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ ان منکر اور ظالم لوگوں کا کہنا ہے۔ سو ایسے لوگ بڑے ہی ظالم و بے انصاف اور لعنت و پھٹکار کے مستحق ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ سو اللہ کی لعنت و پھٹکار ہے ایسے ظالموں پر اور یہ خدا کی رحمت سے دور اور محروم ہیں۔ جو سزا ہے ان کے اپنے کیے کرائے کی اور افتراء علی اللہ کے اس سنگین جرم کی۔ سو یہ وہ منادی ہے جو گواہوں کی گواہی کے بعد اُس روز مشرکین پر لعنت کے لیے کی جائے گی۔ اور اس لعنت و پھٹکار سے ان بدبختوں کے لیے تمام مصیبتوں اور طرح طرح کے عذابوں کا دروازہ کھل جائے گا جن کے اندر ان کو ہمیشہ ہمیش کے لیے رہنا ہوگا۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شرک کس قدر سنگین اور ہولناک جرم ہے اور مشرک کتنے بدبخت لوگ ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۵۱ اللہ کی راہ سے روکنا ایسے لوگوں کا دوسرا بڑا جرم: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ روکتے ہیں راہِ حق و ہدایت سے دوسروں کو۔ تاکہ جس طرح یہ خود گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں دوسروں کو بھی لے ڈوبیں۔ سو اس طرح اُن کا جرم ڈبل اور مزید سخت سنگین ہو جاتا ہے کہ ایسے لوگ ضلال کے ساتھ ساتھ اِضلال کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کا عذاب بھی دوہرا اور ڈبل ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ افسوس کہ آج بھی منکرین و ملحدین اور دوسرے اہلِ ہوٰی اور اَصحابِ زیغ و ضلال کی طرف سے اس جرم و ظلم کا ارتکاب کیا جا رہا ہے اور برابر کیا جا رہا ہے۔ اور طرح طرح سے کیا جا رہا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ سو یہ لوگ سادہ لوح عوام کو طرح طرح کے ہتھکنڈوں کے ذریعے راہِ حق و ہدایت سے روکتے اور ان کو اہلِ حق سے دور کرنے اور دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۵۲ راہِ حق میں کجی تلاش کرنا ان کا تیسرا بڑا جرم۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ کجی تلاش کرتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ اور یہ آخرت کے منکر ہیں۔ سو یہ لوگ اللہ کی راہ میں کجی تلاش کرتے ہیں طرح طرح کے شکوک و شبہات ڈال کر اور قسما قسم کے حیلے حوالوں اور ملمع سازیوں سے کام لیکر اور اس طرح یہ لوگ سادہ لوح عوام کو حق اور اہلِ حق سے دور کر کے ان کو طرح طرح کے اندھیروں میں دھکیلنے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ منکرین و ملحدین اور اہلِ زیغ و ضلال آج بھی اہلِ حق سے لوگوں کو متنفر کرنے اور دور رکھنے کے لئے طرح طرح کے جھوٹے پروپیگنڈے کرتے، کتابیں لکھتے، مضامین چھاپتے اور اشتہار بازی کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ ۔ وحفظ اللہ الحق و اهله من شرهم و مكرهم وجعل كيدهم فی نحورهم ۔ بہرکیف اِس اِرشاد سے ان ظالمین کی مزید صفات بیان کر دی گئیں تاکہ ان کی پوری تصویر سامنے آ جائے۔ کلام مطابقِ حال بھی ہو جائے اور ان لوگوں کے وہ جرائم بھی سامنے آ جائیں جو ان کی اس لعنت و پھٹکار کا موجب اور اس کا باعث بنیں گے۔ تاکہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے اور جس نے ہلاک ہونا ہو وہ دلیل اور بینہ کے بعد ہلاک ہو اور اس کی ذمہ داری خود اسی پر ہو۔ سو حق اور حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد لوگوں کو راہِ حق سے روکنا سیدھے راستے میں کجی اور ٹیڑھ تلاش کرنا اور لوگوں کو صراطِ مستقیم کی شاہراہ سے ہٹا کر طرح طرح کی کج پیچ راہوں اور مختلف پگڈنڈیوں میں ڈال دینا اور لوگوں کو اپنے رب تک رسائی کی مستقیم و ہموار راہ سے پھیر کر مختلف تھانوں، استھانوں، دیویوں، دیوتاؤں اور طرح طرح کی خود ساختہ سرکاروں کی راہوں پر ڈال دینا سنگین اور ہولناک جرائم ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

وقف لازم

كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ

ان کا کوئی حمایتی (اور مددگار) ہوسکتا ہے ۵۳ اللہ کے سوا، ان کو دوہرا عذاب دیا جائے گا (ان

لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا

کے کئے کا،) ۵۴ یہ لوگ (شدت عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے) نہ تو سن سکتے تھے (پیغام حق و ہدایت کو،) اور نہ ہی

۵۳ افتراء پردازوں کی بے بسی اور لاچارگی کا ذکر و بیان: - سو اس سے افتراء پردازوں کی اللہ کی گرفت کے و پکڑ کے مقابلے میں بے بسی ولاچارگی کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کیا کہ یہ ایسے لوگ نہیں کہ اللہ کو عاجز کر دیں کہیں زمین میں چھپ کر اور نہ ہی ایسوں کیلئے کوئی حمایتی اور مددگار ہو گا۔ جو ان کو چھڑا اور بچا سکے اللہ کے عذاب اور اُس کی گرفت و پکڑ سے اور ان کے وہ خود ساختہ اور من گھڑت حمایتی اور سفارشی ان کے کچھ بھی کام نہ آسکیں گے جو انہوں نے طرح طرح کے ناموں سے گھڑ رکھے ہیں کہ ان کے اندر اس کی سرے سے کوئی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں۔ سو فیصلے کے اس دن ان لوگوں کی وہ تمام ملمع کاریاں اور سخن سازیاں "هَبَآءً مَّنْثُوْرًا" ہو جائیں گی جس سے یہ لوگ دنیا میں کام لیتے تھے۔ جبکہ حقائق اپنی اصل شکل میں سامنے آ جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ (الاعراف: ۵۳ و یونس: ۳۰، ہود: ۲۹، القصص: ۷۵ وغیرہ) اور دنیا میں جو ان کو مہلت دی گئی تھی تو وہ اس لیے نہیں تھی کہ یہ خداوند قدوس کے قابو سے باہر تھی، بلکہ وہ ڈھیل ان کو اس لیے دی گئی تھی کہ یہ لوگ اگر اپنی اصلاح کرنا چاہیں تو کر لیں اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ورنہ اپنا پیمانۂ جرم لبریز کر لیں تاکہ اسکے نتیجے میں اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہیں۔

۵۴ افتراء پردازوں کے لیے دوہرے عذاب کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کو دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ ضلال کا بھی اور اِضلال کا بھی کہ یہ گمراہ بھی تھے اور گمراہ کن بھی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ شَائِبَةٍ مِنْ شَوَآئِبِ الضَّلَالِ وَالْإِضْلَالِ - سو ایسے لوگ اپنی اس طرح کی کارروائیوں سے آج خوش ہوتے ہیں اور ان کو اپنی چالاکی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس طرح یہ لوگ اپنے لیے دوہرے عذاب اور ہولناک انجام کا سامان کرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اس روز ان کا آخری انجام ان کے سامنے ہو گا۔ حقیقتِ حال پوری طرح واضح ہو چکی ہو گی ان کے خود ساختہ من گھڑت اور فرضی سہارے سب کے سب ہوا ہو چکے ہونگے اور ان کو اس دوہرے عذاب میں دھر لیا جائے گا جس کے یہ لوگ اپنے ضلال اور اِضلال کے دوہرے جرم کی بناء پر مستحق ہو چکے تھے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور ان کے خود ساختہ شرکاء و شفعاء میں سے کوئی بھی ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکے گا۔ کہ وہ سب کچھ من گھڑت اور بے بنیاد تھا، جس کے کام آنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

ان کو خود کچھ سوجھتا (دکھتا) تھا، ۵۵ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود خسارے میں ڈال دیا اپنے آپ کو، ۵۶

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ

اور کھو گیا ان سے وہ سب کچھ جو یہ (زندگی بھر) گھڑتے رہے تھے (مختلف ناموں سے) ۵۷ لازمی (اور یقینی) بات ہے کہ

فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿٢٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

یہ لوگ آخرت (کے اس حقیقی اور ابدی جہاں) میں سب سے زیادہ خسارے (اور گھاٹے) میں ہوں گے ۵۸ اس کے

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

برعکس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے، اور وہ (زندگی بھر دل و جان سے) جھکے رہے اپنے رب کی

۵۵ یہ اندھے اور بہرے ہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ نہ تو سن سکتے تھے [پیغام حق و ہدایت کو] اور نہ ہی ان کو کچھ سوجھتا دِکھتا تھا۔ سو یہ لوگ اندھے اور بہرے بن گئے تھے اور ان پر مہر جباریت لگ گئی تھی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور یہی نتیجہ اور انجام ہوتا ہے عناد اور ہٹ دھرمی کا کہ اس سے انسان کو نہ کچھ سوجھتا ہے نہ دِکھتا ہے۔ اور ایسے لوگ فہم و ادراک کی قوتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور دستورِ خداوندی کے مطابق ان پر مہر جباریت لگ جاتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور ان لوگوں کا یہ اندھا اور بہرا پن ان کا خود اپنا اختیار کردہ تھا کہ عناد و ہٹ دھرمی اور نفرت و بیزاری کی بناء پر یہ حق بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے تھے اور دنیا کی محبت کا پردہ ان کی آنکھوں پر ایسا چھا گیا تھا کہ حق کی نشانیاں دیکھنے اور ان سے سبق لینے اور عبرت پکڑنے کے لیے انکی آنکھیں کھلتی ہی نہیں تھیں اور اس طرح ان کی محرومی کا داغ اور پکا اور مزید گہرا ہوتا جاتا تھا۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی بیماریوں کی بیماری ہے - جس کے نتیجے میں انسان اندھا اور بہرہ ہو کر گھٹاٹوپ اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے، جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔

۵۶ حق سے محرومی سب سے بڑا خسارہ - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خسارے میں ڈالا تھا اپنے آپ کو۔ سو دینِ حق سے محرومی سب سے بڑی محرومی اور خسارہ ہے۔ اور اس محرومی کا باعث یہ لوگ خود تھے - والعیاذ باللہ - اور اس خسارے کا ارتکاب انہوں نے خود کیا تھا نورِ ایمان و یقین سے منہ موڑ کر اور ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو اپنا کر - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو نورِ ایمان و یقین سے منہ موڑنا اپنے آپ کو خسارے میں ڈالنا ہے۔ اور یہ خسارہ ایسا خسارہ ہے جو خساروں کا خسارہ اور محرومیوں کی محرومی ہے - اور ایسا خسارہ کہ اسکی تلافی و تدارک کی بھی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ان لوگوں نے اپنی صلاحیتوں کو خود ضائع کیا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنی فطری صلاحیتوں کو محفوظ رکھا اور نورِ حق و ہدایت کو اپنا

کر انہوں نے اس کو جِلا بخشی کا انتظام کیا وہ نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن گئے۔ اور وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند و سرفراز ہو گئے۔ سو اس سے یہ اصولی اور بنیادی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی صلاح وفساد اور اس کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب، ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید،

۵۷ افتراء پردازوں کے سب سہارے غائب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کھو چکی ہونگی ان کی سب افتراء پردازیاں جو دنیاوی زندگی میں انہوں نے اپنا رکھی تھیں۔ مثلاً یہ کہ فلاں فلاں دیویاں اور دیوتا اور فلاں فلاں سرکاریں ہماری حاجت روا و مشکل کشا ہیں اور فلاں فلاں حضرات ہمارے سفارشی ہیں۔ ہم نے بس ان کا لڑ پکڑ رکھا ہے۔ ان کے ساتھ ہم بھی تر جائیں گے۔ آخر جہاں سے اونٹ گزرتا ہے اس کی دم بھی گزر جاتی ہے۔ پس ہماری ان کے آگے اور ان کی اس کے آگے وغیرہ وغیرہ۔ سو ان لوگوں کے ایسے تمام فرضی سہارے اور خود ساختہ وسیلے سب کے سب ھباءً منثورًا ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی چیز ان کے کچھ بھی کام نہیں آ سکے گی۔ تب اصل حقیقت ان کے سامنے پوری طرح منکشف ہو جائے گی اور ان پر یہ بات پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ کس قدر اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے اور کیسے دھوکے میں مبتلا تھے۔ مگر اس وقت ان کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا سوائے یاس وحسرت میں اضافے کے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور اس وقت یہ رہ رہ کر تمنا و آرزو کریں گے کہ کاش ہم نے دینِ حق کو قبول کیا ہوتا اور ہم مسلمان ہوتے مگر بے وقت کی ان آرزوؤں اور تمناؤں سے ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوگا۔ سوائے اس کہ اس طرح ان کی آتش یاس وحسرت کی باطنی آگ کا لاوا اور تیز ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔

۵۸ آخرت کا خسارہ سب سے بڑا خسارہ - والعیاذُ باللہ العظیم- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یقینی اور لازمی طور پر یہی ہیں وہ لوگ جو آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہونگے۔ سو کفر و شرک والے جملہ باطل پرست یقینی طور پر آخرت میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑے خسارے میں ہونگے کہ جنت کی دائمی نعمتوں کی بجائے یہ لوگ دوزخ کے دائمی عذاب میں مبتلا ہونگے اور جنت کمانے کے لئے زندگانیٔ دنیا کی جو فرصت ان کو ملی تھی اس کو انہوں نے دنیاوی مشاغل میں اور اس کے حطامِ زائل اور متاعِ فانی کو جوڑنے جمع کرنے میں اور شہواتِ بطن وفرج اور ملذاتِ کام ودہن کی تحصیل وتکمیل میں ضائع کر دیا اور اپنی آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی کے لئے کوئی فکر و کوشش نہ کی۔ یہاں تک کہ وہ اعراض و غفلت اور کفر و بغاوت ہی کی حالت میں اِس دنیا سے رخصت ہو گئے اور اِس عذابِ الیم کے ہاوے میں گر گئے جس کا مستحق انہوں نے اپنے آپ کو خود بنا لیا تھا اور اس طرح کہ اب ان کے لئے اس سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ اور یہ وہ خسارہ ونقصان ہے جس کی تلافی وتدارک کی بھی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہو سکتی۔ سو اس سے بڑھ کر خسارہ اور نقصان اور کیا ہو سکتا ہے؟ پس آخرت کا خسارہ سب سے بڑا اور نہایت ہولناک خسارہ ہے۔ اور وہیں کی کامیابی اصل، حقیقی اور سب سے بڑی کامیابی ہے۔ پس عقل ونقل دونوں کا تقاضا ہے کہ آخرت کی کامیابی ہی کو اپنا اصل مقصد اور نصب العین بنایا جائے۔ اور حیاتِ دنیا کی اس فرصت محدود اور اس کے ہر لمحہ ولحظہ کو اسی کے حصول اور اس سے سرفرازی کے لئے صرف کیا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ

طرف یہی لوگ ہیں جنتی، جہاں ان (خوش نصیبوں) کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا ف۵۹ مثال ان دونوں فریقوں کی

كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

ایسے ہے، جیسے ایک آدمی اندھا بہرہ ہو، اور دوسرا دیکھنے سننے والا، کیا یہ دونوں برابر

مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى

ہوسکتے ہیں؟ ف۶۰ کیا پھر بھی تم لوگ سبق نہیں لیتے؟ ف۶۱ اور بلاشبہ ہم ہی نے بھیجا نوح کو

قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوٓا اِلَّا

(رسول بنا کر) ان کی قوم کی طرف ف۶۲ (تو انہوں نے ان سے کہا کہ) بے شک میں تم لوگوں کے لئے خبردار کرنے والا ہوں

اللّٰهَ ۭ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ

کھول کر (حق اور حقیقت کو) ف۶۳ کہ تم لوگ بندگی مت کرو مگر صرف ایک اللہ کی ف۶۴ مجھے سخت اندیشہ ہے تمہارے بارے میں

۵۹ جنت کے سزاواروں کی نشاندہی - وباللہ التوفیق: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے اور وہ جھکے اپنے رب کی طرف وہ جنتی ہیں جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا"۔ سو دولت ایمان سے سرفرازی، عملِ صالح کی پونجی اور اپنے رب کے حضور جھکنے کی دولت ایک عظیم الشان دولت ہے۔ پس جو لوگ اس دولت سے سرفراز ہوئے اور انہوں نے زندگی بھر اسی وحدہٗ لاشریک کی رضاء وخوشنودی کو اپنا اصل مقصد بنائے رکھا۔ سو ایسے لوگ جنت کی ان سدا بہار نعمتوں میں رہیں گے جن کو نہ فناء ہے نہ زوال - اللہ نصیب فرمائے - آمین - سو ایمان ویقین کی دولت سے سرفرازی کے ساتھ عملِ صالح اور اپنے خالق و مالک کے حضور جھکنے کی دولت وہ دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرتی ہے اور جنت کی نعیمِ مقیم سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ یہی دولت ہے - اللہ نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ سو اس صاف اور سیدھے طریقے کو چھوڑ کر جو کہ عقل ونقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے خود ساختہ حیلے وسیلے گھڑنا اور من گھڑت شرکاء وشفعاء پر تکیہ کرنا اور اس کے لیے طرح طرح کی افتراء کاریوں اور بہانہ بازیوں سے کام لینا محض خود فریبی ہے - والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۰ اہلِ کفر اور اہلِ ایمان کے فرق کی توضیح مثال کے ذریعے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان دونوں فریقوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی اندھا بہرہ ہو اور دوسرا سنتا دیکھتا۔ تو کیا یہ دونوں باہم برابر ہوسکتے ہیں؟"۔ اور ظاہر ہے کہ نہیں اور ہرگز نہیں۔ سو استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی یہ دونوں باہم برابر نہیں ہوسکتے تو پھر مومن و کافر اور موحد و مشرک آپس میں

کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ ۔پس یہ دونوں نہ حال کے اعتبار سے باہم برابر ہو سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک ایمان و یقین اور نور ہدایت کی راہ پر ہے اور دوسرا کفر و باطل کے اندھیروں میں غلطاں و پیچاں اور نہ ہی یہ اپنے انجام اور مآل کے اعتبار سے باہم برابر ہو سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک جنت کی سدابہار نعمتوں سے سرفراز ہوگا۔ اللہ ہمیں انہی میں کرے۔ جبکہ دوسرے نے دوزخ کی ہولناک آگ میں جلنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔سو ایمان و یقین کی دولت سے محروم لوگوں کے ہوش کے کان اور انکی بصیرت کی آنکھیں بند ہو چکی ہیں ۔اس لیے ایسے لوگ حق کا پیغام سننے اور نشانہائے عبرت و بصیرت کو دیکھنے سے محروم ہیں جبکہ اسکے برعکس ایمان والوں کی آنکھیں بھی کھلی ہیں اور دل بھی ۔اس لیے پیغام حق و ہدایت ان کے دلوں تک پہنچتا اور ان کے دلوں کی دنیا کو معمور و منور کرتا ہے اور وہ حق و ہدایت کی نشانیوں سے بھی صحیح طور پر عبرت و بصیرت سے کام لیتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کا ہر قدم بہتر سے بہتری ہی کی طرف بڑھتا ہے ۔تو جب ان دونوں فریقوں میں سے ایک اندھا بھی ہو اور بہرہ بھی اور دوسرا بینا بھی اور شنوا بھی تو آخر یہ دونوں کس طرح باہم برابر ہو سکتے ہیں؟ سو قرآنِ حکیم کی دعوت سراسر عقل و بصیرت پر مبنی ہے ۔اس لیے اس پر ایمان وہی لوگ لائیں گے جن کے کان اور دل کھلے ہوں اور جنہوں نے قدرت کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کو محفوظ رکھا ہو ۔وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل ۔

۶۱ کیا تم لوگ سبق نہیں لیتے؟: ۔کہ اتنی موٹی بات اور ایسی واضح حقیقت کو سمجھ کر حق کو پہچان سکو ۔اور اس کو اپنا کر تم لوگ خود اپنی ہی بھلائی کا سامان کر سکو؟ یعنی تم لوگوں کو سبق لینا چاہیئے اور اپنے حال و مآل کے بارے میں سوچنا اور غور کرنا چاہیئے کہ عقل و خرد کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنے بھلے برے کیلئے غور و فکر سے کام لیکر حق و حقیقت کی اس راہ کو اپنائے جس میں اس کیلئے دارین کی کامیابی اور سعادت و سرخروئی کا سامان ہوتا کہ اس طرح خود اس کا بھلا ہو سکے ۔سو اس ارشادِ ربانی میں غور و فکر کرنے کیلئے تحریک و تحریض ہے ۔وباللہ التوفیق ۔سو تم لوگ اگر سوچو اور غور کرو اور سبق لینے کی فکر و کوشش کرو تو تمہیں اس تمثیل سے نظر آ جائے گا کہ جب یہ دونوں گروہ اس طرح ہیں کہ ان میں سے ایک اندھا اور بہرا ہے اور دوسرا بینا اور شنوا تو پھر ان دونوں کا رویہ قرآن کے بارے میں ایک سا آخر کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور ان کا حال اور مآل دونوں یکساں کیونکر ہو سکتے ہیں؟ پس قرآنِ حکیم کی دعوت سراسر عقل و بصیرت پر مبنی ہے اور اس پر ایمان وہی لوگ لائیں گے جن کے کان اور دل کھلے ہوں اور جنہوں نے حضرتِ واہبِ مطلق کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کو محفوظ رکھا ہو ۔وباللّٰہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید ۔

۶۲ تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین: ۔سو یہاں سے گزشتہ انبیاء و رسل اور ان کی قوموں کی تاریخ کا حوالہ دیا جا رہا ہے جس سے ان حقائق کی تائید و تصدیق ہوتی ہے جو عقل و فطرت کے دلائل کی روشنی میں اوپر بیان فرمائے گئے ہیں ۔جن میں سب سے پہلے حضرت نوح کا قصہ بیان فرمایا گیا ہے ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم ہی نے نوح کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ان کی قوم کی طرف جس سے اس اہم بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا ہے کہ حضرتِ نوح کی بعثت ان کی قوم کی طرف تھی اور بس ۔کہ دوسرے انبیائے کرام کی طرح ان کی بعثت و نبوت بھی عام اور عالمی نہیں تھی بلکہ ایک خاص دور کے لئے اور ان کی اپنی ہی قوم کے لئے تھی اور بس ۔ساری اقوام اور قیامت تک کے جملہ ازمان کے لئے نبوتِ عامہ کے شرف سے صرف خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ہی کو نوازا گیا ۔صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وسلم ۔جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا یعنی ’’ہم نے آپکو اے پیغمبر سارے جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے‘‘ اور اس کے علاوہ

بھی قرآن و سنت کی بے شمار نصوص کریمہ میں آپ کی اس عالمی بعثت کو طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ سو عالمی دین صرف اسلام ہے جو قیامت تک کے تمام انسانوں اور جملہ زمانوں کیلئے ہدایت و رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور اب قیامت تک ہدایت و نور کا سرچشمہ یہی رہے گا۔ بہر کیف یہاں سے لیکر آگے آیت نمبر ۹۹ تک تاریخی ترتیب کے مطابق گزشتہ قوموں اور اُن کے انبیاء و رسل کی سرگزشتوں سے متعلق کئی اہم، عبرت انگیز اور سبق آموز قصص و واقعات کو بیان فرمایا جارہا ہے جن میں ایک طرف تو آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے لیے اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کے ہر داعیِ حق کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ منکرین و مخالفین کی طرف سے جن کٹھن اور صبر آزما حالات سے آج آپ کو واسطہ پڑ رہا ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں بلکہ پہلے سے ہی ایسے ہوتا چلا آیا ہے۔ لہٰذا آپ بھی اسی طرح صبر و برداشت اور ثبات و استقامت سے کام لیں جس طرح کہ آپ سے پہلے کے انبیاء و رسل نے لیا۔ اور ان منکرین و مکذبین کے بارے میں کسی طرح کی جلد بازی سے کام نہ لیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ (الاحقاف:۳۵) جبکہ دوسری طرف اس میں منکرین و مکذبین کے لیے یہ تنبیہ و تذکیر ہے کہ اگر تم لوگوں نے کفر و انکار کی اپنی روش نہ بدلی تو تمہارا حشر بھی گزشتہ منکرین کی طرح ہوگا کہ اللہ کا قانون سب کے لیے ایک اور یکساں و بے لاگ ہے۔ تم لوگوں کو کوئی سرخاب کے پر تو نہیں لگے ہوئے کہ تم اسی جرم تکذیب کا ارتکاب کرو جس کا ارتکاب ان گزشتہ قوموں نے کیا۔ اور پھر تم اس نتیجہ و انجام سے بچے رہو جو ان لوگوں کو پیش آیا۔ اور تم کو وہ بھگتان نہ بھگتنا پڑے جو ان لوگوں نے بھگتا ہے۔

۶۳ پیغمبر کا کام اِنذار و تبلیغ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تم لوگوں کو خبردار کرنے والا ہوں کھول کر کہ تم سب کو کفر و شرک کے انجام بد سے خبردار کردوں اور حق اور حقیقت سے تم کو آگاہ کردوں اور بس۔ باقی اس سے آگے بڑھ کر حق کو منوالینا اور راہِ ہدایت پر ڈال دینا اور تم کو اس پر چلا دینا نہ میرے بس میں ہے اور نہ ہی یہ میرا وظیفہ و منصب ہے۔ سو پیغمبر کا اصل کام اِنذار و تبلیغ اور دعوت دینا ہوتا ہے اور بس۔ اس سے آگے منوالینا نہ ان کے ذمے ہوتا ہے اور نہ ہی انکے بس میں۔ آگے جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا ان کا اپنا بھلا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور جنہوں نے ان کی دعوت سے منہ موڑا انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا دنیا میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۶۴ معبودِ برحق صرف ایک اللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ عبادت و بندگی نہیں کرو مگر صرف ایک اللہ کی کہ معبود برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو یہ ہر پیغمبر کی اصل اولین اور سب سے اہم دعوت رہی ہے کہ عبادت اللہ کے سوا کسی کی نہ کرو کہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود حقیقت میں ہے ہی نہیں۔ اور یہی عقیدۂ توحید دین کی اصل اور اساس ہے۔ اس لئے ہر پیغمبر نے اپنی دعوت کا آغاز اسی نقطہ سے کیا۔ سو معبودِ برحق صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔ ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اُسی کا اختصاص ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اسکے سوا اور کسی کے لیے بھی عبادت و بندگی کی کوئی بھی قسم کسی بھی شکل میں بجالانا شرک ہوگا جو کہ قرآنِ حکیم کی صریح نص کے مطابق ظلمِ عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا

اس کے جواب میں آپ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تم کو اپنے ہی ایک بڑے ہی دردناک دن کے عذاب کا ف۶۵

بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ

جیسا ایک بشر (اور انسان) دیکھتے ہیں ف۶۶ اور ہمیں تمہاری پیروی کرنے والے بھی بس وہی لوگ نظر آ رہے ہیں، جو کہ

۶۵ **کفر و شرک کا نتیجہ دردناک عذاب:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے اپنی قوم سے مزید کہا کہ مجھے تم لوگوں کے بارے میں ایک بڑے ہی دردناک دن کے عذاب کا سخت اندیشہ ہے۔ اگر تم لوگ کفر و شرک کے اس سنگین جرم سے باز نہ آئے کہ کفر و شرک کے اس سنگین جرم کا نتیجہ و انجام ایسا دردناک عذاب ہے اور اس طور پر کہ پھر اس سے بچنے اور نکل بھاگنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ سو یہ حضرات انبیائے کرام کا دنیا پر ایک عظیم الشان احسان ہے کہ وہ دنیا کو اس عذاب سے خبردار کرتے ہیں جس کے جاننے کا اور کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ اور یہ دردناک عذاب جو کفر و شرک کے نتیجے میں آتا ہے - والعیاذ باللہ - اور جس سے حضرتِ نوح نے اپنی قوم کو خبردار کیا اس دنیا میں بھی کسی نہ کسی شکل میں آسکتا ہے ورنہ آخرت میں تو لازمی ہے۔ اور آخرت کا عذاب بہت ہی بڑا ہے - ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ - اور وہ بڑا ہی رسوا کن ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا - ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى﴾ سو عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ اس سے بچنے کی فکر و کوشش کی جائے کہ اس کا موقع ہی آج دنیاوی زندگی میں ہے اور بس۔ بہر کیف سو اس سے یہ اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کفر و شرک کا نتیجہ و انجام بہرحال دردناک عذاب ہے -

۶۶ **بشریتِ انبیاء سے متعلق ایک قدیم اور مشترک غلط فہمی کا ذکر و بیان:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ قوم نوح کے کافر سرداروں نے حضرت نوح سے کہا کہ ہم تو تم کو اپنے ہی جیسا ایک بشر اور انسان دیکھ رہے ہیں تو پھر تم کو اللہ کا رسول کس طرح مان لیں؟ سو حضراتِ انبیائے کرام کے بشریتِ طاہرہ سے متعلق لوگوں کی یہ ایک مشترکہ غلط فہمی رہی کہ نبوت اور بشریت میں منافات ہے - والعیاذ باللہ - پھر تم کو ہم نبی کیسے تسلیم کر لیں؟ ہاں اگر تم کوئی مافوق البشر ہستی ہوتے، کوئی نوری فرشتہ ہوتے تو پھر بھی کوئی بات تھی۔ بحالتِ موجودہ ہم تم کو کیونکر نبیؐ مان لیں اور اپنا راہبر تسلیم کر لیں؟ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا۔ سو یہی وہ حقیقت ہے جس کو سمجھنا ٹیڑھے دماغ کے لوگوں کے لئے ہمیشہ مشکل رہا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ ایسے لوگ نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے ہیں۔ کل کے کھلے مشرکین بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھے اور آج کے کلمہ گو مشرک کا بھی یہی حال ہے۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ کل کے کھلے مشرکین نے منافات کی اپنی اس غلط فہمی کی بناء پر انبیائے کرام کی بشریت کو دیکھتے ہوئے ان کی نبوت کا انکار کیا اور آج کا کلمہ گو مشرک ان کی نبوت پر ایمان کا دعویدار بن کر ان کی بشریت کا انکار کرتا ہے۔ غلط فہمی بنیادی طور پر دونوں کو بہرحال ایک ہی رہی ہے کہ یہ دونوں بشریت اور نبوت میں منافات جاننے کی وجہ سے ان

دونوں کو یکجا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح، صاف اور بالکل عیاں ہے کہ نبی بیک وقت نبی بھی ہوتا ہے اور بشر بھی۔ اور یہی اس کی شانِ کمال ہے کہ اپنی ذات کے اعتبار سے بشر ہونے کے باوجود خداوندِ قدوس کے انتخاب کے باعث اور نبوت و رسالت کے منصبِ عالی پر فائز ہونے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی کائنات میں سب سے افضل و برتر قرار پاتا ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جس پر ایمان اور اس کے اِقرار و اِعلان کا ہر مومن پابند ہے۔ اور وہ کلمۂ شہادت میں عبدہٗ و رسولہٗ کے الفاظ سے ان دونوں حقیقتوں کا یکجا اِقرار و اِظہار کرتا ہے۔ مگر اہلِ بدعت ہیں کہ بدعت کی نحوست کے سبب ان کو یہ اس قدر واضح حقیقت بھی سمجھ میں نہیں آتی اور وہ بشریتِ انبیاء کے انکار پر گویا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ یہاں تک کہ اس مقصد کے لئے وہ قرآن وسنت کی صاف وصریح نصوص میں طرح طرح کی تاویلات بلکہ تحریفات سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ایک بڑے تحریف پسند یہاں پر اس بارے اس طرح گوہر افشانی کرتے ہیں کہ ''خیال رہے کہ انبیائے کرام کو یا تو رب نے بشر فرمایا یا خود انہوں نے یا کفار نے۔ چوتھے کسی نے بشر نہ پکارا۔ اب جو حضور کو بشر کہہ کر پکارے سمجھ لے کہ وہ کون ہے'' (انتہیٰ بلفظہٖ)۔ غور فرمایئے کہ کس قدر الٹی منطق اور کیسی دجل و تلبیس اور فریب کاری ہے یہ۔ بھلا جس حقیقت کا اِظہار خدائے پاک بھی فرما دے اور صاف وصریح طور پر فرما دے جس کا اِعلان حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - خود بھی فرما دیں اور صاف وصریح طور پر فرما دیں اور جس کو تسلیم کرنے پر کفار تک بھی مجبور و متفق ہوں۔ آخر اس کے اِقرار و اِظہار اور ذکر و بیان کی صحت اور اس کے جواز میں کسی شک وشبہ کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اور جو کوئی ایسی صاف وصریح اور واضح حقیقت کا بھی انکار کرے اور اس کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو آخر اُس سے بڑھ کر کوڑھ مغز اور مت کا مارا اور کون ہوسکتا ہے؟ سو موصوف کی مذکورہ بالا یہ منطق ایسے ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ ''انسان کو انسان یا تو خدائے پاک نے فرمایا یا حضراتِ انبیائے کرام نے یا کفار نے۔ لہٰذا اب جو کوئی انسان کو انسان کہے وہ خود سمجھ لے کہ وہ کون ہے؟''۔ سو جس طرح اس خود ساختہ حجت بازی کی لغویت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح موصوف کی اس خانہ ساز منطق کی لغویت میں بھی کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کی عقلوں کو کیا ہوگیا اور ان کی مت اس طرح کیوں ماردی گئی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - شرک و بدعت کی نحوست اور اہلِ حق سے ضد و عناد کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایسوں کو صاف وصریح اور سیدھے حقائق بھی الٹے نظر آنے لگتے ہیں۔ مزید تلبیس ملاحظہ ہو کہ موصوف لکھتے ہیں کہ اب جو حضور کو بشر کہہ کر پکارے بھلا ایسا کوئی شخص ہے یا ہوا ہے یا ہوسکتا ہے؟ جو پیغمبر کو بشر کہہ کر پکارے؟ تو پھر کیسی دجل و تلبیس ہے جس سے اس قماش کے لوگ کام لیتے ہیں؟ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے مکر و فریب اور زیغ و ضلال سے ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - اور ہمیشہ ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ

ہم میں سب سے گھٹیا ہیں، ۶۷ وہ بھی محض سرسری نظر سے، ۶۸ اور ہمیں اپنے مقابلے میں تمہاری لئے کوئی بڑائی نظر

فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ

نہیں آتی، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں ۶۹ نوح نے کہا کہ اے میری قوم، ذرا سوچو تو سہی،

اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً

کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی دلیل پر ۷۰ قائم ہوں، اور اس نے مجھے اپنے یہاں سے ایک خاص

۶۷ ابنائے دنیا کے لیے متاعِ دنیا باعثِ محرومی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - : کہ اس بنا پر ایسے دنیادار لوگ کبر و غرور میں مبتلا ہو کر نورِ حق و ہدایت سے اور دور اور محروم ہو جاتے ہیں اور وہ غریب اور نادار اہل حق کو اپنے سے گھٹیا سمجھنے لگتے ہیں جس سے وہ حق بات کو سننے ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ یہ دنیاوی مال و دولت کا ایک نہایت خطرناک پہلو ہے کہ اس کی بناء پر انسان کبر و غرور میں مبتلا ہو کر حق سے منہ موڑ لیتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو قومِ نوح کے ان متکبر سرداروں نے اپنے اسی کبر و غرور کی بناء پر حضرتِ نوح کو یہ متکبرانہ جواب دیا کہ آپ کی پیروی کرنے والے گھٹیا لوگ ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - جن کی دنیاوی مال و منال اور عزت و جاہ کے اعتبار سے ہمارے یہاں کوئی حیثیت نہیں۔ سو اس سے دو اہم حقیقتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ مادہ پرست دنیاداروں کی نظر میں اس دنیائے دوں کا متاعِ فانی اور حطامِ زائل ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ حالانکہ اللہ پاک کے یہاں پوری دنیا اور اس کی تمام دولت کی حقیقت و حیثیت بھی مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرتِ نبیٔ معصوم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - سے اسکی تصریح موجود ہے۔ اور دوسری حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ دنیادار لوگ اپنے دنیاوی مال و دولت اور اس کے چندٹکوں پر مست و مگن ہو کر حق والوں کو حقیر جاننے لگتے ہیں جس سے وہ دولتِ حق و صداقت سے محروم اور مزید دور ہوتے جاتے ہیں جو کہ سب سے بڑا خسارہ و نقصان ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور متاعِ دنیا کا یہ پہلو سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہوتا ہے کہ اس سے انسان حق و ہدایت کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور ایسا کہ وہ اپنی مستی اور تکبر کے نشے میں کلمۂ حق کو سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں وہ اندھیروں میں ڈوبا رہتا اور دائمی ہلاکت کے ہولناک گڑھے کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور اپنے کبر و غرور کے باعث اس کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - اور اپنی رضا کی راہوں پر ہی گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۶۸ دنیاوی مال و دولت ذریعۂ کبر و غرور والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ قومِ نوح کے ان متکبر اور کافر سرداروں نے حضرتِ نوح سے کہا کہ تمہاری پیروی تو وہی لوگ کرتے ہیں جو ہم میں سب سے گھٹیا ہیں اور ہم لوگ اپنے مقابلے میں تمہارے

اندر کوئی بڑائی نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یعنی اِن رذیل اور گھٹیا لوگوں نے بھی تمہاری دعوت کو یونہی قبول کر لیا بغیر سوچے سمجھے اور بدوں غور و فکر سے کام لئے۔ ورنہ وہ بھی تمہاری پیروی نہ کرتے اور ہم ایسے نہیں ہیں بلکہ ہم بڑے چالاک اور زیرک لوگ ہیں۔ ہم معاملات کو سمجھنے اور حقیقت تک پہنچنے کی اہلیت رکھتے ہیں وغیرہ۔ سو یہ دنیاوی مال و دولت کے گھمنڈ سے پیدا ہونے والے اسی کبر و غرور کا ایک مظہر اور شاخسانہ ہے جس سے ایسے لوگ نورِ حق و ہدایت کی دولت سے اور محروم اور مزید دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور حق و ہدایت کی دولت سب سے بڑی اور سعادتِ دارین سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی دولت ہے۔ اور اس سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے۔ مگر ایسے لوگوں کو اپنی اس محرومی کا احساس ہی نہیں جو کہ خسارے پر خسارے کا مصداق ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۹ مادہ پرستی باعثِ محرومی - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مادہ پرستی باعثِ محرومی ہے اور اس بناء پر ایسے مادہ پرست ابنائے دنیا کی آنکھوں پر مادہ پرستی کی سیاہ پٹی بندھ جاتی ہے - والعیاذ باللہ - اور یہ اس لیے کہ اہلِ دنیا کے نزدیک دنیاوی مال و دولت اور جاہ و منصب ہی سب کچھ ہے جس کی بناء پر وہ پیغمبر سے کہتے ہیں ہمیں آپ کے اندر کوئی بڑائی نظر نہیں آتی جس کی بناء پر ہم تمہاری پیروی کرنے لگیں۔ سو ایسے میں ہم کسی بھی طرح تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ نہ تمہارے پاس کوئی عہدہ و منصب ہے نہ حکومت و اقتدار اور نہ مال و دولت۔ تو پھر تم پر کیسے ایمان لائیں۔ سو یہ مادہ پرستوں کی کوتاہ نظری ہے کہ ان کے نزدیک دنیاوی مال و دولت اور جاہ و منصب ہی سب کچھ ہے۔ اسی کیلئے وہ جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ اور ان کی آنکھوں پر مادہ پرستی کی ایسی سیاہ پٹی بندھ جاتی ہے کہ اسکی بناء پر انکو پیغمبر کی پاکیزہ اور مقدس ہستی میں بھی کوئی فضیلت اور بزرگی نظر نہیں آتی۔ اور اس طرح وہ انکارِ حق کے سنگین اور ہولناک جرم میں اور آگے بڑھ کر اپنی محرومی اور سیاہ بختی میں مزید اضافہ کرتے جاتے ہیں اور محروم سے محروم تر ہوتے جاتے ہیں - اور وہ بھی اس طور پر کہ ان کو اپنی اس محرومی کا شعور و احساس ہی نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۰ پیغمبر کی دعوت نورٌ علیٰ نور کا مصداق: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ نوح نے ان لوگوں سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو تم ذرا اتنا تو سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی دلیل پر قائم ہوں۔ یعنی فطرت اور نبوت کی روشن دلیل پر۔ جو کہ میرے کسب و اختیار سے نہیں بلکہ میرے رب ہی کی طرف سے ہے۔ جس سے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا پوری طرح واضح ہو جائے۔ اور پھر بھی اگر تم لوگ اس کا انکار کرو گے تو تم کس قدر محروم اور بدبخت لوگ ہوؤ گے کہ حق اور ہدایت کے نور سے سرفراز و فیضیاب ہونے کی بجائے تم لوگ اس سے منہ موڑ کر اپنے لیے ابدی ہلاکت کا سامان کر رہے ہو - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو حضرتِ نوح نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میری دعوت دو اہم بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک اس نورِ فطرت "بینہ" پر، جو کہ قدرت کی عنایت سے میرے اندر پہلے سے موجود تھا۔ جس کو قدرت نے میری طبیعت و فطرت میں پہلے سے ہی ودیعت فرما رکھا تھا۔ اور دوسرے اُس نورِ وحی (رحمت) پر جس سے قدرت نے مجھے اپنی رحمت و عنایت سے اب نوازا ہے۔ سو اس طرح پیغمبر کی دعوت نورٌ علیٰ نور کا مصداق ہوتی ہے۔ پس جن لوگوں کے اندر نورِ فطرت موجود و محفوظ ہوتا ہے۔ ان کو پیغمبر کی دعوت اپنی فطرت کی پکار اور اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ اور جن کا نورِ فطرت بجھ جاتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اُن کا معاملہ اس سے مختلف اور دگرگوں ہوتا ہے۔

مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ

رحمت بھی ۴۱ عنایت فرما رکھی ہو، مگر وہ تم کو نظر نہ آتی ہو ۴۲ تو (اس میں میرا کیا قصور؟) کیا ہم اسے تم پر چپکا دیں گے؟ ۴۳ جب کہ تم

۴۱ نبوت ایک عظیم الشان رحمت: ۔سو حضرتِ نوح نے ان لوگوں سے مزید کہا کہ نورِ فطرت کے علاوہ میرے رب نے مجھے ایک خاص رحمت سے بھی نوازا ہے۔ یعنی نبوت سے جو کہ سب سے بڑی اور عظیم الشان رحمت ہے۔ ایسی عظیم الشان جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرتی ہے جس سے وہ اپنے رب اور اس کائنات کے خالق و مالک کی معرفت سے سرفرازی حاصل کرتا ہے اور اس کو وہ صحیح راہ نصیب ہوتی ہے جس پر چل کر وہ اپنے مقصدِ حیات کو پا سکتا ہے۔ سو ایسے میں تم ذرا سوچو اے میری قوم کے لوگو کہ اس طرح تم لوگ ایک عظیم الشان رحمت سے محروم ہو کر کس قدر ہولناک خسارے کا ارتکاب کر رہے ہو اور اپنے لیے کتنی بڑی محرومی اور ہلاکت کا سامان کر رہے ہو؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۴۲ عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی: ۔سو حضرت نوح نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر میں نورٌ علیٰ نور کے مصداق قطعی طور پر راہِ حق و ہدایت پر قائم ہوں مگر تم کو وہ نظر نہ آتی ہو تو اس میں میرا کیا قصور؟ کہ تم لوگوں نے اپنی آنکھوں پر ضد اور عناد کی پٹی باندھ رکھی ہے اور تم اپنی دنیا اور اس کے مال و متاع کے غرور اور اسکے دھوکے میں مبتلا ہو۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور خرابی و فساد کی اصل جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف حضرتِ نوح نے اپنی قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے ان سے فرمایا کہ اگر تمہارے اندر بھی نورِ فطرت کی روشنی موجود و محفوظ ہوتی تو تم لوگوں کو میری یہ دعوت اپنی فطرت کی آواز اور دل کی پکار معلوم ہوتی اور تم لوگ اس کو اللہ پاک کی عظیم الشان رحمت سمجھ کر اسکو اپناتے اور دل و جان سے اسکو قبول کر کے اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرتے۔ مگر تم لوگوں نے چونکہ اپنی ناشکریوں اور بداعمالیوں سے اپنے اس نورِ فطرت کو گل کر دیا اس لیے تمہارے دل سیاہ ہو گئے اور ان کے اندر حق و ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہ گئی۔ اس لیے تم لوگ اندھے اور اوندھے ہو کر رہ گئے ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۴۳ قبولِ حق کے لیے کوئی جبر و اکراہ نہیں: ۔سو حضرتِ نوح نے ان لوگوں سے بطور استفہام فرمایا کہ کیا ہم اس کو تم لوگوں پر چپکا دیں گے؟۔ استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسے نہیں ہو سکتا کہ تم ہدایت نہ چاہو اور ہم اس کو تم پر مڑھ دیں۔ سو قبولِ ہدایت انسان کی اپنی مرضی و اختیار پر مبنی ہے نہ کہ جبر و اکراہ پر کہ تم اسے ماننے پر مجبور ہو جاؤ اور تم اس کو نہ ماننا چاہو تو بھی ہم تمہیں منوا کر چھوڑیں؟ سو ایسا نہیں ہونے کا کہ یہ جبر و اکراہ فی الدین ہے جس کے ہم روادار نہیں۔ سو ہمارا کام تو صرف حق کی تبلیغ کرنا اور اس کی دعوت دینا ہے اور بس۔ اس کے بعد ہمارا تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ وہ جو چاہے فیصلہ فرمائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو حق و ہدایت کی روشنی کو قبول کرنا انسان کی اپنی آزادی اور مرضی ہے۔ اور یہ موقوف ہے اسکے اپنے ارادہ و اختیار پر نہ کہ جبر و اکراہ پر کہ قبولِ حق کے لیے نہ کوئی جبر ہے نہ اکراہ یہ اپنی مرضی کا سودا ہے۔ جو لوگ اپنی مرضی اور اختیار سے پیغامِ حق و ہدایت کو اپنائیں گے وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان کریں گے۔ اور جو اس سے منہ موڑیں گے وہ خود اپنا ہی نقصان کریں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ

لوگ اس سے برابر نفرت ہی کیے جاؤ؟ ؁۴۴ اور اے میری قوم، میں تم سے اس کام پر کوئی مال نہیں مانگتا،

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ

میرا اجر تو بس اللہ ہی کے ذمے ہے، اور میں ان لوگوں کو دور کرنے سے بھی رہا

اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا

جو ایمان لا چکے ہیں، ؁۴۵ انہوں نے تو یقیناً اپنے رب سے ملنا ہے، لیکن میں تمہیں ایسا دیکھتا ہوں کہ تم لوگ

۴۴ ہدایت طلبِ صادق پر موقوف ہے: سو حضرتِ نوح نے ان سے فرمایا کہ کیا ہم اس کو تم پر چپکا دیں گے جبکہ تم لوگ اس سے برابر نفرت ہی کرتے رہو؟ سو استفہام انکاری ہے۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا کہ تم اس سے نفرت کرتے رہو اور ہم اس کو تم پر مڑھ دیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کی روشنی سے سرفرازی انسان کی طلبِ صادق پر موقوف ہے نہ کہ جبر و اکراہ پر۔ پس جب تک انسان کے اندر طلبِ صادق کا جوہر موجود نہ ہو وہ کبھی نورِ حق و ہدایت سے سرفراز نہیں ہوسکتا۔ اور کس کے اندر طلب ہے اور کس کے اندر نہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ وہ دلوں کے حال کو بھی پوری طرح جانتا ہے اور اُسی کے مطابق معاملہ فرماتا ہے۔ پس رشد و ہدایت کا معاملہ اسی کی مشیت اور اُسی کے اذن پر موقوف ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللّٰھم فوفقنا لما تحب و ترضٰی من القول والعمل بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ یا ذا الجلال والاکرام۔ بہر کیف نورِ حق وہدایت سے سرفرازی کا معاملہ جبر و اکراہ پر نہیں بلکہ ارادہ واختیار اور اپنی خواہش وچاہت پر ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۴۵ اصل چیز ہے صدق و اخلاص: سو حضرتِ نوح نے اپنی قوم کے متکبروں کے اس مطالبے کو کہ غریب لوگوں کو اپنی مجلس سے ہٹا دو کو مسترد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں تم لوگوں کے مطالبے پر ان مخلص مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور نہیں کرسکتا کہ یہ سچے اور مخلص ایماندار ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قدر و قیمت صدق و اخلاص ہی کی ہے۔ پس میں ان مخلص ایمانداروں کو دور نہیں کرسکتا جیسا کہ تمہارا مطالبہ ہے۔ سو میں ایسا نہیں کرسکتا کہ وہ ایمان کے شرف سے مشرف ہونے کے باعث اپنے رب کے یہاں ایک خاص مرتبہ پاچکے ہیں پھر میں ان بندگانِ صدق وصفا کو کس طرح دور کرسکتا ہوں؟ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قدر و قیمت صدق و اخلاص اور ایمان ویقین ہی کی ہے۔ اور اس سے یہ لوگ سرفراز و مالا مال ہیں۔ تو پھر میں ان کو تمہارے کہنے پر اپنے سے دور کس طرح کرسکتا ہوں؟ سو میں تم لوگوں کی دلداری میں ان مخلص مسلمانوں کو دھتکارنے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ یہ سب اپنے رب پر ایمان لائے ہیں اور اپنے اسی ایمان کے ساتھ یہ لوگ کل اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ اگر تمہارے کہنے سے آج میں ان کو دھتکار دوں تو کل اپنے رب کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ شرافت و رذالت کا اصل فیصلہ تو اسی کے یہاں ہونے والا ہے۔ وہی بتائے گا کہ کون شریف ہے اور کون رذیل۔ ایسے میں یہ مطالبہ کر کے تو تم لوگ نری جہالت برت رہے ہو۔ اس لیے تمہاری یہ بات سننے ماننے کے قابل نہیں۔

تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ

قطعی طور پر جہالت برت رہے ہو، و۷۶ اور اے میری قوم، کون میری مدد کرے گا اللہ کے مقابلے میں، اگر

طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

میں ان کو دور کر دوں؟ کیا تم لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے، اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس

خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ

اللہ کے خزانے ہیں، و۷۷ اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں، و۷۸ اور نہ ہی میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں

مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ

کوئی فرشتہ ہوں و۷۹ اور نہ ہی میں ان لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری نگاہیں حقارت سے دیکھتی ہیں، یہ کہہ

۷۶ صرف مادیت کو معیارِ فضیلت قرار دینا نری جہالت - والعیاذُ باللہ :- سو حضرت نوح نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ تو نری جہالت برت رہے ہو کہ انسانی شرف کو محض دنیاوی مال و دولت کے پیمانوں سے ناپنا چاہتے ہو اور ان مخلصوں کو اراذل قرار دیتے ہو۔ اور تم انسان کی قدر و قیمت اور اسکے مرتبہ و شرف کو دنیاوی مال و دولت کے باٹوں سے بانٹتے اور انہی پیمانوں سے ناپتے تولتے ہو۔ اور ان لوگوں کو گھٹیا سمجھتے ہو جو شرفِ ایمان سے مشرف ہو جانے کے باعث قربِ خداوندی کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اور ان بندگانِ تسلیم و رضا کے ساتھ مل بیٹھنے کو تم لوگ اپنی سعادت جاننے کی بجائے الٹا اس کو اپنی توہین اور کسرِ شان سمجھتے ہو۔ حالانکہ انسان کی عزت و شان کی کمی بیشی اس طرح کے امور پر نہیں بلکہ ایمان و یقین اور اپنے ذاتی اَخلاق اور اَوصاف و کردار پر مبنی ہوتی ہے۔ سو انسانی شرف کو دنیاوی مال و دولت کے پیمانوں پر ناپنا حماقت و جہالت ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور اے میری قوم اگر میں مخلص بندوں کو تمہاری ناز برداری میں اور تمہارے اس مطالبے پر دھتکار دوں تو کل اللہ کی پکڑ سے مجھے کون چھڑائے گا اور اس کے حضور میں کیا جواب دوں گا؟ دنیاوی مال و دولت کے نشے میں اور کبر و غرور کی بناء پر تم لوگ اتنے اندھے اور اس قدر اوندھے ہو گئے ہو کہ معاملے کے اس پہلو پر غور و فکر کے لیے تم لوگ تیار ہی نہیں ہوتے اور تم کو اسکی توفیق ہی نہیں ملتی۔ اور اس طرح تم اپنی محرومی اور بدبختی کی سیاہی کو اور پکا کر رہے ہو- مگر تم لوگوں کو اس کا شعور و احساس ہی نہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۷۷ پیغمبر دنیاوی خزانوں کے دعویدار نہیں ہوتے :- سو حضرت نوح نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ جو تم کو یہ کہنے کا موقع مل سکے کہ تم کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں کہ تمہارے پاس دنیاوی مال و دولت نہیں۔ جیسا کہ تمہارا کہنا ہے ﴿وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ کہ میں نے تو

اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا ہی نہیں۔ اعجوبہ پرست لوگوں کا ہمیشہ یہی حال رہا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر کو خدا کے خزانوں کا مالک ہونا چاہیئے۔ وہ ان میں سے جو چاہے اور جب اور جیسا چاہے صرف وخرچ کرے۔ سو حضرتِ نوح نے ایسے ہی جاہل مادہ پرستوں کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں نے اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا ہے۔ خدا کے سب خزانے خدا ہی کے پاس ہیں۔ وہی جس کو جو چاہتا ہے عطاء فرماتا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو پیغمبر کے پاس دنیاوی مال و دولت کے خزانے نہیں ہوتے بلکہ ان کے پاس نورِ حق وہدایت کے وہ خزانے ہیں جن سے وہ خلقِ خُدا کی راہنمائی کرتے ہیں تاکہ وہ راہِ حق وہدایت سے سرفراز اور مالا مال ہوسکے۔ اپنے خالق ومالک کی معرفت اور صراطِ مستقیم کی آگہی سے سرفراز ہوسکے تاکہ اس کے نتیجے میں سعادتِ دارین سے سرشار و مالا مال ہوسکے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۸ پیغمبر عالمِ غیب نہیں ہوتے: ۔ اور نہ میں غیب جانتا ہوں کہ تم لوگ مجھ سے عذاب کے وقت اور دوسرے امور کے بارے میں غیب کی خبریں دریافت کرو کہ نہ تو میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میں نے کبھی ایسا کوئی دعویٰ ہی کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ جس کا تعلق میرے منصب نبوت و رسالت سے ہے اور وہ میں اللہ کی وحی کے مطابق تم کو بتلا دیتا ہوں ورنہ عالم الغیب تو صرف اللہ پاک کی ذات ہی ہے۔ یہ آیتِ کریمہ صریح اور قطعی نص ہے اس بارے میں کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتا۔ اہلِ بدعت اور خاص کر ان کے ایک بڑے تحریف پسند نے اس آیتِ کریمہ کی تاویل بلکہ تحریف اور اپنے شرکیہ عقیدے کو اس کی زد سے بچانے کے لئے طرح طرح کی ڈبکیاں کھائی ہیں مگر بے سود و لا حاصل کہ دو اور دو سے پانچ کا دعویٰ آخر کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ﴿ اَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ؟ ﴾۔ بہرکیف پیغمبر نے ان بگڑے ہوئے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ میں نے ان میں سے کسی بات کا بھی کبھی کوئی دعویٰ نہیں کیا تو پھر تم لوگ مجھ سے ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟ اور اس طرح خود اپنی محرومی کا سامان کیوں کرتے ہو؟

۲۹ پیغمبر نور نہیں بشر ہوتے ہیں: ۔ سو حضرتِ نوح نے ان لوگوں سے مزید فرمایا اور نہ ہی میں نے تم سے یہ کہا کہ میں کوئی فرشتہ ہوں کہ تم کو میری بشریت پر حرف زنی کی گنجائش ہو اور تم یوں کہہ سکو کہ ﴿ وَمَا نَرٰکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ﴾ یہ اچنبھا تم لوگوں کو تب ہوتا اور یہ اعتراض تم مجھ پر تب کر سکتے تھے جب میں نے اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا ہوتا۔ اور تم سے اپنے لئے ایسی کوئی بات کہی ہوتی کہ میں کوئی نوری فرشتہ ہوں یا کوئی مافوق البشر ہستی ہوں۔ جب میں نے ایسی کوئی بات تم سے کبھی بھی نہیں کہی اور یقیناً نہیں کہی تو پھر تم مجھ سے اس طرح کی باتیں کیوں کہتے اور کرتے ہو؟ سو پیغمبر کوئی مافوق البشر اور نوری ہستی نہیں ہوتے بلکہ وہ بشر اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے انتخاب سے ان کو شرفِ نبوت و رسالت سے نوازتا ہے تو ان کا درجہ و مرتبہ ساری مخلوق میں سب سے بڑا ہو جاتا ہے۔ سو پیغمبر اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے انسان اور بشر ہی ہوتے ہیں لیکن اپنی صفت کے اعتبار سے وہ نور ہوتے ہیں۔ یعنی معنوی اور باطنی نور کہ ان کے ذریعے دنیا کو حق اور ہدایت کا وہ نور ملتا ہے جسکے سامنے دنیا کے تمام نور ہیچ ہیں۔ اور عقل و نقل اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضا یہی ہے کہ وہ بشر اور انسان ہی ہوں تاکہ انسانوں کے لیے زندگی کے ہر دائرے میں نمونہ بن سکیں۔ اور وہ ہر طرح سے اور ہر حال میں ان کی اتباع اور پیروی کر سکیں۔

يُؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ

سکتا ہوں کہ اللہ ان کو کوئی بھلائی نہیں دے گا، اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو کہ ان لوگوں کے دلوں میں ہے، ف۸۰

اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا

بے شک ایسی صورت میں، میں قطعی طور پر ظالموں میں سے ہو جاؤں گا، ف۸۱ اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ اے

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ

نوح تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کر لیا، پس اب تم لے آؤ ہم پر وہ عذاب جس کی دھمکی تم ہمیں دے رہے ہو

۸۰ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ پوری طرح جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں کے اندر ہے۔ یعنی نورِ ایمان و یقین اور صدقِ دل و اخلاص کی وہ دولت اور حقیقی پونجی جو کہ اصل مطلوب ہے اور جس پر اصل دارو مدار ہے مراتب و درجات کا۔ اور دلوں کی ان صفات و کیفیات کو وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ وہ علیم بذات الصدور ہے۔ اور اسکی شان ہے کہ اس پر کوئی بھی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ سو اللہ تعالیٰ کی بخشش وعطاء دلوں میں مخفی و مستور کیفیات ہی کی بناء پر متوجہ ہوتی ہے اور دلوں کی صلاحیت کو وہی وحدہٗ لاشریک پوری طرح جانتا ہے اور اسی کی بنیاد پر وہ نوازتا ہے۔ جو لوگ اپنے اعمال و کردار سے اپنی فطرت کو مسخ کر دیتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - وہ اس واہبِ مطلق کی عطاء وعنایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور جنکی فطرت مسخ ہونے سے محفوظ ہوتی ہے وہ اسکی عطاء و عنایت سے بہرہ مند و سرفراز ہوتے ہیں۔ سو ایسے میں اگر میں تمہارے مطالبے اور تمہاری ناز برداری اور دلداری میں ان بندگانِ صدق و صفا کو اپنے سے دور کر دوں تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۸۱ سچے اہلِ ایمان کو اپنے سے دور کرنا ظلم ہے - والعیاذ باللہ: - سو حضرت نوح نے اپنی قوم کے ان منکر اور متکبر سرداروں کے اس مطالبے کو کہ ان غریب اہلِ ایمان کو اپنے سے دور کر دو کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ میں ان کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر میں ایسا کرونگا تو ظالموں میں سے ہو جاؤں گا کہ بلا کسی قطعی سند و ثبوت اور دلیل و برہان کے کسی کے ظاہر کے خلاف اس کے باطن پر اس طرح حکم لگا دینا ظلم ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کہ ہم تو ظاہر کے مکلف ہیں۔ باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ﴿اللّٰه اعلم بما فی انفسهم﴾ اور اگر تمہارا دعویٰ اور گھمنڈ یہ ہے کہ جب ان کو دنیا نہیں ملی تو یہ خدا تعالیٰ کے کسی شرف و فضل کے لائق اور اہل کس طرح ہو سکتے ہیں تو یہ تمہاری اپنی سمجھ کا قصور اور تمہارے اپنے دماغ کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ خداوندِ قدوس کے یہاں سے دنیا تو اہل و نااہل سب ہی کو مل جاتی ہے لیکن دین کی نعمت ہمیشہ ان ہی کو ملتی ہے جن کے باطن صاف اور جن کے دل سلیم ہوتے ہیں۔ اور دلوں کے حال کو وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے اور اسی کے مطابق وہ نوازتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو سچے اہلِ ایمان و یقین کو اپنے سے دور کرنا ظلم و زیادتی اور باعثِ محرومی ہے کیونکہ ایسے بندگانِ صدق و صفا کو اپنے سے دور کرنے کا مطلب ہوگا اپنے آپ کو روشنی سے نکال کر اندھیروں کے حوالے کرنا جس کے ظلم ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - آمین۔

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ

اگر تم سچوں میں سے ہو ۸۲ تو اس پر نوح نے فرمایا کہ اس کو اللہ ہی لائے گا اگر (اور جب) اس نے

شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ

چاہا، ۸۳ اور تم ایسے نہیں ہو کہ (اس کو) عاجز کر دو ۸۴ اور (تمہارے اس تکبر و عناد کی وجہ سے اب) میری نصیحت

اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ

تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی، خواہ میں تم کو کتنی ہی نصیحت کرنا چاہوں، جب کہ اللہ کو تمہارا گمراہ کرنا ہی

اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ اَمْ

منظور ہو، ۸۵ وہی رب ہے تم سب کا، اور اسی کی طرف (بہر حال) لوٹ کر جانا ہے تم سب کو ۸۶ کیا

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ

یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس (قرآن) کو خود ہی گھڑ لیا ہے، تو (ان سے) کہو کہ اگر میں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے

وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ۧ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ ع ۳ ۱۱

تو میرے جرم کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور میں اس جرم سے بری ہوں جو تم لوگ کر رہے ہو ۸۷ اور وحی کر دی گئی نوح کی طرف

۸۲ منحوس قوم کے منحوس اطوار - والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اس کے جواب میں حضرت نوح سے کہا کہ اے نوح تم نے ہم سے بہت جھگڑا کر لیا ہے۔ یہی حال ہوتا ہے ایسی بدبخت و منحوس قوم کا جس کے آخری انجام کا وقت آن پہنچا ہوتا ہے کہ وہ دلائلِ حق و صداقت میں غور و فکر سے کام لینے کی بجائے ان سے اس طرح منہ موڑ لیتی ہے اور وہ ضد و عناد اور ہٹ دھرمی کی اس سطح پر اتر آتی ہے اور وہ حق کو واضح کرنے والے ایسے صاف و صریح دلائل و براہین کو بھی جدال اور جھگڑا قرار دینے کی جراءت و جسارت پر اتر آتی ہے اور وہ عذاب موعود سے بچنے کی فکر کی بجائے اس کو لا دکھانے کا مطالبہ کرنے لگتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بہرکیف حضرتِ نوح نے جب ان لوگوں پر ہر طرح سے حجت تمام کر دی تو انہوں نے لاجواب ہونے کے بعد ماننے اور حق کو تسلیم کرنے کی بجائے یہ کہا اے نوح تم نے ہم سے جھگڑا اور حجت بازی بہت کر لی۔ اس لیے اب ایسی باتوں کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا اب تم ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس کی دھمکی ہمیں دے رہے تھے تاکہ بات صاف ہو جائے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -

۸۳ عذاب لانا اللہ ہی کے اختیار میں ہے نہ کہ پیغمبر کے اختیار میں: سو ان لوگوں کے مطالبۂ عذاب کے

جواب میں حضرتِ نوح نے ان سے فرمایا اور "اِنَّمَا" کے کلمہ حصر کے ساتھ فرمایا کہ عذاب تو اللہ ہی لائے گا کہ یہ اسی وحدہٗ لا شریک کی شان اور اسی کا کام ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کتنی اور کب تک مہلت اور ڈھیل دی جائے۔ اور کب اور کس شکل میں اس پر عذاب کا کوڑا برسا دیا جائے۔ پیغمبر کا کام تو صرف خبردار کر دینا ہوتا ہے اور بس۔ تاکہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے اور جس نے ہلاک ہونا ہو وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے۔ سو عذاب لانا پیغمبر کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور اُسی کی شان ہے۔ سو اس سے ایک بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے بلکہ اختیارِ کلی اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور اُسی کا اختصاص ہے۔ اور دوسری بات اس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ جب پیغمبر اور حضرتِ نوح جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی عذاب لانے پر قادر نہیں تو پھر کوئی پیر و بزرگ کسی پر کوئی عذاب کس طرح واقع کر سکتا ہے؟ اور وہ بھی اپنی موت کے بعد اور قبر میں اتر جانے کے بعد۔ پس غلط کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو سادہ لوح عوام کو ڈرانے کے لیے کہتے ہیں کہ اگر تم نے فلاں بزرگ کے نام کی نذر نیاز نہ دی یا وہاں پر چڑھاوا نہ چڑھایا تو وہ تمہیں نقصان پہنچا دیں گے اور تمہاری گائے بھینس وغیرہ کو مار دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۸۴ اللہ کے عذاب کو ٹالنا کسی کے بس میں نہیں۔ والعیاذُ باللہ: ۔سو حضرتِ نوح نے ان لوگوں سے فرمایا کہ عذاب تو اللہ ہی لائے گا جب چاہے گا اور تم ایسے نہیں ہو کہ عاجز کر دو۔ اس طرح کہ وہ عذاب نہ آنے دو یا اس سے کہیں نکل بھاگو۔ سو تم لوگوں کو خبردار کر دیا گیا ہے تاکہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے، اور جس نے ہلاک ہونا ہو وہ اپنی ذمہ داری پر ہلاک ہو جائے ﴿ لِیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰ مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ﴾ یہاں پر ﴿ اِنَّمَا ﴾ کا کلمہ حصر لا کر بتا دیا گیا کہ یہ سب کچھ اللہ پاک ہی کی شان ہے۔ نبی کا اس میں نہ کوئی دخل ہوتا ہے نہ اختیار۔ سو پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتا ہے نہ مختارِ کل۔ جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ بلکہ علمِ غیب کلی اور اختیارِ کلی اللہ وحدہ لاشریک ہی کی شان اور اُسی کا اختیار و اختصاص ہے۔ اسکے سوا کسی کو بھی عالمِ غیب اور مختارِ کل ماننا شرک ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ اور پیغمبر کا کام صرف اِنذار و تبشیر اور تبلیغِ حق ہوتا ہے اور بس۔ آگے عذاب دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہوتا ہے۔ کہ وہی جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۸۵ سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف: ۔ سو حضرتِ نوح نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میری نصیحت سے تم لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا خواہ میں کتنی ہی کوشش کروں اگر اللہ تم لوگوں کو گمراہ کرنا چاہے۔ وہی رب ہے تم سب کا اور اسی کی طرف بہرحال لوٹ کر جانا ہے تم سب نے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ ہدایت و غوایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے کہ اس کا دار و مدار انسان کے قلب و باطن پر ہے۔ پس بد باطنی اور سوءِ اختیار محرومیوں کی محرومی اور تمام مفاسد کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اللہ تمہارے دلوں کی کیفیت کو پوری طرح جانتا ہے اور وہ نورِ ہدایت سے انہی لوگوں کو نوازتا ہے جو اس کے لئے اپنے اندر طلبِ صادق رکھتے ہیں۔ اور جب تم لوگ اس سے محروم ہو تو پھر تم کو ایمان و ہدایت کی دولت کس طرح مل سکتی ہے؟ سو اپنی محرومی کے ذمہ دار تم لوگ خود ہو۔ پس بدنیتی اور سوءِ باطن محرومیوں کی محرومی اور تمام تر فساد و بگاڑ کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور صدق و اخلاص اور طلبِ صادق دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی و بہرہ مندی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور۔ ﴿ والیہ ترجعون ﴾۔ کے اس مختصر سے جملے سے کئی

اہم حقائق کو واضح فرما دیا گیا ہے مثلا یہ کہ سب کا رجوع اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف ہوگا۔ کسی اور کی طرف نہیں۔ پس جن لوگوں نے اور طرح طرح کے سہارے گھڑ رکھے ہیں کہ ہمارا معاملہ ان کے سپرد ہے سب کچھ وہی کریں گے وہ سب بے بنیاد اور محض وہم وگمان کی تخلیق ہے۔ اسی طرح جن لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم کیڑے مکوڑوں کی طرح مرمٹ کر یونہی ختم ہو جائیں گے ان کا اس طرح سمجھنا بھی غلط ہے۔ نیز رجوع یعنی لوٹنے کے لفظ میں یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ تم لوگ آئے بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہو اور تم سب نے لوٹ کر جانا بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف ہے۔ نیز تُرْجَعُوْنَ کے صیغۂ مجہول سے یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ تم چاہو یا نہ چاہو ایسا بہر حال ہو کر رہے گا۔

۸۶ انجام اخیر اور مصیرِ محتوم کی تذکیر و یاددہانی: - سو انجام اخیر اور مصیرِ محتوم کی تذکیر و یاددہانی کے طور پر ارشاد فرمایا کہ وہی وحدہ لاشریک رب ہے تم سب کا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو۔ سو تم چاہو یا نہ چاہو، مانو یا نہ مانو، ایسا بہر حال ہو کر رہے گا - اور تم سب کو بہر حال اسی کی طرف لوٹنا اور اس کے یہاں حاضر ہونا ہے تاکہ تم اپنی زندگی بھر کے کئے کرائے کا بھرپور صلہ و بدلہ پا سکو۔ سو ہر کوئی خود دیکھ لے کہ وہ کل کی اس پیشی کے لئے کیا لیکر جا رہا ہے؟ - ﴿ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ - سو پیغمبر کی دعوت و نصیحت اور تذکیر و موعظت کا آخری مرحلہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنا فرض ادا کر کے اپنی سبکدوشی کا اعلان کرتا ہے اور جھٹلانے والوں کو ان کے اس آخری انجام کے حوالے کر دیتا ہے جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقدر ہو چکا ہوتا ہے۔ سو اسی کے مطابق حضرتِ نوح نے اپنی قوم کے ان منکروں سے فرمایا کہ اب تم لوگ خداوندِ قدوس کے اِس قانون کی زد میں آچکے ہو۔ اور تم لوگ اپنے ارادہ و اختیار اور عمل و کردار کے نتیجے میں اسی کے لائق اور سزاوار ہو کہ وہ تم کو اسی گمراہی کی راہ پر چلنے کے لیے چھوڑ دے جس کو تم نے خود اختیار کیا ہے۔ اب تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ وہی تمہارا رب ہے۔ اسی کے حضور تم لوگوں نے حاضر ہونا ہے اور وہاں پہنچ کر اپنے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۸۷ منکرین کو اپنے بارے میں فکر کرنے کی ہدایت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس قرآن کو خود گھڑ لیا ہے تو ان سے کہو کہ اگر میں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے تو میرے جرم کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور میں تمہارے ان جرائم سے بری ہوں جو تم لوگ کرتے ہو۔ پس تم لوگ مجھ پر اس طرح کے الزامات لگانے کی بجائے خود اپنی فکر کرو کہ ہر کسی کو اپنے کیئے کا بھگتان خود ہی بھگتنا ہوگا۔ کوئی کسی دوسرے کے کئے کا ذمہ دار و جواب دہ اور اس کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہوگا کہ اصول یہ ہے کہ ﴿ اَنْ لَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم و فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ وہاں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ اور یہ بھی سوچو کہ جب اللہ تعالیٰ پر افتراء کا نتیجہ و انجام یہ ہے تو پھر میں اس جرم کا ارتکاب بھلا کس طرح کر سکتا ہوں؟ پس ہمارے پیچھے پڑنے کی بجائے تم لوگ خود اپنے نفع و نقصان کے بارے میں سوچو اور اپنی بہتری کا سامان کرو۔ سو اس میں منکرین کو ایک بڑی اہم اور سبق آموز نصیحت فرمائی گئی ہے کہ دوسروں کے پیچھے پڑنے کی بجائے تم لوگ خود اپنی فکر کرو تاکہ اپنے انجامِ بد سے بچ سکو۔ ورنہ ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین - یارب العالمین ویاارحم الراحمین۔

أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا

اس بات کی کہ اب کوئی ایمان نہیں لائے گا آپ کی قوم میں سے مگر وہی جو ایمان لا چکے (اس سے پہلے،) پس اب

تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ

تم غم نہیں کھانا ان کے ان کرتوتوں پر جو یہ لوگ کرتے چلے آ رہے ہیں، ف۸۸ اور تم بناؤ ایک (عظیم الشان) کشتی

بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ

ہماری نگرانی میں، اور ہماری وحی کے مطابق، اور ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا جو اڑے رہے اپنے

ظَلَمُوا ج إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ قف وَكُلَّمَا

ظلم (اور کفر و انکار) پر، کہ انہوں نے اب بہر حال غرق ہو کر رہنا ہے ف۸۹ اور (حسب ارشاد خداوندی) نوح اس کشتی کے بنانے میں

مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ط قَالَ

لگ گئے، تو ان کی قوم کے سرداروں میں سے کوئی ان کے پاس سے گزرتا تو ان کا مذاق اڑاتا، ف۹۰ نوح کہتے

إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا

کہ اگر (آج) تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو (کوئی بات نہیں، کہ کل) ہم بھی اسی طرح تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح کہ تم ہمارا

تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ ط فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ لا مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ

مذاق اڑا رہے ہو ف۹۱ سو اس وقت تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب جو رسوا کر دے

يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا

گا اس کو، اور کس پر اترتا ہے وہ عذاب جو ہمیشہ مسلط رہے گا اس کے سر پر، (یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا) یہاں تک کہ جب

جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ لا قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ

آ پہنچا ہمارا حکم اور ابل پڑا وہ تنور، ف۹۲ تو ہم نے (نوح سے) کہا کہ رکھ دو اس (کشتی) میں

۸۸ حضرت نوحؑ کے لیے تسلیہ و تسکین کا سامان :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح کی طرف

اس بات کی وحی کر دی گئی کہ آپ کی قوم میں سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا مگر وہی جو ایمان لا چکے اس سے پہلے۔ پس اب آپ غم نہیں کھانا ان لوگوں کے ان کرتوتوں پر جو یہ کرتے رہے۔ سو اس میں حضرت نوح کے لیے تسلیہ وتسکین کا سامان ہے۔ بہرکیف اس سے حضرت نوح کو وحی کے ذریعے صاف طور پر بتا دیا گیا کہ آپ کی قوم میں سے اب کسی نے ایمان نہیں لانا مگر وہی جو اب تک ایمان لا چکے اور بس۔ اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ روایات میں ہے کہ آپؑ کی قوم میں سے کل اسّی آدمی ایمان لائے تھے اور بس۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا جس طرح کہ اہلِ بدعت کا شرکیہ عقیدہ ہے۔ ورنہ حضرتِ نوحؑ کی ساڑھے نو سو برس کی طویل جدوجہد اور تبلیغ سے صرف اتنی ہی مختصر سی تعداد ایمان کیوں لاتی؟ سب کے سب کفار اسلام کے حظیرۂ قدس میں کیوں نہ داخل ہو جاتے؟ سو اختیارِ کلی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی شان اور اُسی کا اختصاص ہے۔ اسکے سوا کسی اور کو مختارِ کل ماننا شرک ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ نوح کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا کہ آپ کی قوم سے جن لوگوں نے ایمان لانا تھا وہ لا چکے۔ اب ان میں سے اور کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ دودھ میں جتنا مکھن تھا وہ نکل چکا اور جو بچ گیا وہ صرف چھاچھ ہے۔ پس آپ کو اس سے دل شکستہ اور ملول نہیں ہونا۔ کیوں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی دھرتی پر ناروا بوجھ بن کر رہ گئے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

۸۹ قومِ نوح کے لیے غرقابی کے خدائی فیصلے کا اعلان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح کو ہدایت فرمائی گئی کہ اب آپ ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کرنا کہ انہوں نے بہرحال اب غرق ہو کر رہنا ہے۔ سو اس سے صاف اور صریح طور پر قوم نوح کی غرقابی کے خدائی فیصلے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس لیے پیغمبر کو اس معروف شفقت کی بناء پر ان کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی کہ اب آپ ان کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کرنا کہ اب ان کے لیے عذاب کا وقت آ گیا اور اللہ کا عذاب جب آ جائے تو پھر کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ سو اب یہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔ اور اب ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں کہ ان کا جرم اب اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور یہ اپنے آخری انجام کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اور اللہ کا عذاب۔ والعیاذ باللہ۔ جب آ جائے تو پھر وہ ٹل نہیں سکتا۔ سو دستورِ الٰہی اور سنتِ خداوندی کے مطابق اب ان لوگوں کے لیے عدالتِ الٰہی کے ظہور کا وقت آ گیا ہے اور فیصلۂ خداوندی کے مطابق اب ان کو غرق کر دیا جائے گا۔ پس آپ اپنے اور اپنے اہلِ ایمان ساتھیوں کے بچاؤ کے لیے ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایات کے مطابق ایک کشتی بناؤ اور خبردار ان ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات نہ کرنا کہ انہوں نے اب بہرحال غرق ہو کر رہنا ہے کہ ان کی مدت مہلت ختم ہو گئی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو منکرین ومکذبین کو ڈھیل خواہ کتنی ہی ملے ان کا نتیجہ وانجام بہرحال ہلاکت وتباہی ہے۔ اس لئے اس طرح ڈھیل سے نہ اُن لوگوں کو کبھی دھوکے میں پڑنا چاہیئے اور دوسروں کو۔ والعیاذ باللہ۔

۹۰ حق اور اہلِ حق کا مذاق اڑانا بدبختی اور ہلاکت کی نشانی۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب حضرت نوح نے ارشادِ خداوندی کی مطابق کشتی بنانا شروع کی تو ان کی قوم کے سرداروں میں سے جو بھی کوئی وہاں

سے گزرتا ان کا مذاق اڑاتا۔ کہ پہلے نبوت کا دعویٰ تھا اب بڑھئی بن گئے ہیں۔ اور بنا بھی رہے ہیں کشتی۔ کیا اس کو خشکی پر چلاؤ گے؟ سو جن لوگوں کی شامت آ جاتی ہے ان کے اَطوار ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مآل و انجام کو سوچنے اور داعیٔ حق کی آواز پر لبیک کہنے کی بجائے اس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ اور پیغامِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر وہ دائمی ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ اور اپنے اس آخری انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں جس سے نکلنے کی پھر کوئی صورت ان کے لیے ممکن نہیں رہتی۔ سو حق اور اہلِ حق کا مذاق اڑانا بدبختی اور ہلاکت کی علامت و نشانی ہے۔ اور ایسوں کا انجام بڑا ہی ہولناک اور نہایت بھیانک ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۱ حق کا مذاق اڑانے والوں کا انجام بہت برا - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح حق کا مذاق اڑانے والے ان بدبختوں سے کہتے کہ اگر آج تم لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو عن قریب ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح کہ تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو۔ یعنی جب تم لوگ اپنے کئے کرائے کا بدلہ پاؤ گے اور وہ عذاب تمہارے سامنے آ جائے گا جو آج تمہاری نظروں سے اوجھل ہے۔ یعنی اس وقت تم کو اپنے اس مذاق کا پورا بدلہ مل جائے گا اور اس وقت تمہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ حق کا مذاق اڑا کر تم لوگ اپنے لیے کس قدر ہولناک انجام کا سامان کر رہے تھے۔ سو حق کا مذاق اڑانا بڑا ہی سنگین اور ہولناک جرم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ﴿فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ﴾ کا مطلب یہ نہیں کہ جس طرح آج تم لوگ ہم پر ایسی پھبتیاں کس رہے ہو اسی طرح کل ہم بھی تم پر ایسی ہی پھبتیاں کسیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آج ہمارا یہ فعل تمہاری نگاہوں میں ہنسی کا سامان بنا ہوا ہے اسی طرح کل تمہارا انجام ہمارے لیے ایمان و اطمینان میں اضافے کا باعث ہوگا۔ آج تم ہنس رہے ہو کل تم روؤ گے اور ہم اللہ کی نصرت و امداد پر شاداں و فرحاں اور اپنے رب کے شکر گزار ہونگے۔ اور ایسا بہر حال ہو کر رہے گا' اور بالفعل ہو کر رہا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۲ ﴿اَلتَّنُّوْرُ﴾ سے مقصود و مراد؟: - یعنی وہ "تنور" جو اس غرض کے لئے نشانی کے طور پر مقرر کر دیا گیا تھا کہ عذاب آنے کے موقع پر اس تنور میں آگ کی بجائے پانی ابلنے لگے گا۔ اور بعض نے کہا کہ "تنور" سے یہاں پر مراد سطحِ ارض ہے۔ (روح، ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ "فار یفور فورا" کا معنیٰ "ابلنا" اور "جوش مارنا" ہے۔ سو ایک تنور کو اس کے لیے بطورِ علامت مقرر کیا گیا تھا کہ جب اس میں پانی ابلنے لگے تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ بس عذاب شروع ہو گیا ہے۔ اس لیے اس موقع پر حضرتِ نوح کو اس بات کی ہدایت فرمائی گئی کہ اب آپ اپنے خاندان کے خاص لوگوں کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جائیں اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا بھی اپنے ساتھ لے لیں جن سے آئندہ آبادی چلے گی۔ اور تاکہ طوفان کے بعد عذاب سے بچ جانے والے لوگوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے اسبابِ معیشت کا سامان ہو سکے۔ اور اللہ پاک کی دھرتی پھر اور نئے سرے سے آباد ہو سکے جیسا کہ بعد میں بالفعل ہوا۔ والحمد للہ جل وعلا سبحانہ وتعالیٰ۔

كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ

ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا ۹۳ اور اپنے گھر والوں کو بھی، سوائے ان کے جن کے متعلق

الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

فیصلہ ہو چکا ہے ۹۴ اور ان سب لوگوں کو بھی (اس میں سوار کر دو) جو ایمان لا چکے ہیں، اور ان پر ایمان بھی تھوڑے سے

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ

لوگ ہی لائے تھے، ۹۵ اور کہا نوح نے (اپنے پیروکاروں سے) کہ سوار ہو جاؤ تم سب اس کشتی میں، اللہ ہی کے نام سے

اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ

ہے اس کا چلنا بھی، اور اس کا ٹھہرنا بھی بلاشبہ میرا رب بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ۹۶ اور وہ (کشتی) چلی

كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ

جا رہی تھی ان سب کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان، اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکار کر کہا جب کہ وہ دور ایک

يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾

فاصلے پر تھا کہ اے میرے بیٹے سوار ہو جا تو ہمارے ساتھ (اس کشتی میں) ۹۷ اور مت ساتھ رہ تو ان کافروں کے (جنہوں نے

۹۳ حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق ایک خاص ھدایت کا ذکر و بیان :- یعنی یہ کہ اس موقع پر حضرتِ نوح کو کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا رکھ لینے کی ہدایت فرمائی گئی چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے نوح سے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا رکھ دو۔ یعنی نر اور مادہ اور ﴿زوجین﴾ کے بعد ﴿اثنین﴾ کا لفظ تاکید اور مبالغہ کے طور پر ہے۔ (جامع البیان) ''زوجین'' میں سے ہر ایک کو ''زوج'' کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کیلئے تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ (روح المعانی وغیرہ) ﴿من کل﴾ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہوام و حشرات اور کیڑے مکوڑے سب اس میں شامل ہوں بلکہ یہ لفظ معہودِ ذہنی کے اعتبار سے بھی استعمال ہوتا ہے۔ سو اس سے مراد وہی جانور ہیں جو اس وقت تک انسان کے تصرف میں آ چکے تھے اور مختلف ضروریات میں کام آتے تھے۔ سو لفظِ کل کے اس عموم سے مراد مطلق عموم نہیں بلکہ ان کا تعلق انہی اشیاء سے ہے جن کا تعلق انسان کی ضروریات زندگی اور ان کے اسباب معیشت و معاش سے ہو۔ اسی لیے حضرات اہل علم کا اس بارے ایک اصول عام اور قاعدۂ کلیہ کی طور پر کہنا ہے کہ عُمُوْمُ کُلِّ شَیْءٍ مَا یُنَاسِبُہٗ یعنی ہر شیٔ کے عموم سے مراد وہی مفہوم ہوتا ہے جو اس کے مناسب ہوتا ہے اور جس کو سیاق و سباق سے خود سمجھا جا سکتا ہے۔

۹۴ ﴿اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ﴾ سے مراد؟:-سو آپ کو فرمایا گیا کہ اپنے گھر والوں کو بھی اس میں بٹھا دو بجز ان کے جن کے بارے میں بات طے ہو چکی ہے۔یعنی آپ کے اہل میں سے وہ لوگ اس میں شامل نہیں جن کے بارے میں اللہ کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ انہوں نے ہلاک ہونا ہے۔ جیسے ان کی بیوی واعلہ اور بیٹا کنعان (جامع البیان وغیرہ)۔سو حضرتِ نوح کے ساتھ اس کشتی میں وہی سوار ہوئے اور نجات انہوں نے ہی پائی جو ایمان لائے تھے اور باقی اپنے کفر و باطل ہی پر اڑے رہے۔وہ سب غرقاب ہو کر ہمیشہ کے لیے فی النار والسقر ہو گئے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم -سو نجات کا ذریعہ ایمان ہی ہے اور کفر و شرک باعثِ ہلاکت وتباہی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت میں رکھے۔آمین۔ثم آمین۔

۹۵ حضرتِ نوحؑ پر تھوڑے سے لوگ ہی ایمان لائے تھے:-سو اس میں تصریح فرما دی گئی کہ حضرتِ نوح پر ایمان بھی تھوڑے سے لوگ ہی لائے تھے۔یعنی صرف آٹھ شخص جن میں سے تین آپ کے بیٹے تھے۔سام، حام اور یافث اور تین ان کی بیویاں۔ یہ قول قتادہ ابنِ جریر اور کعب القرظی وغیرہ کا ہے۔اور بعض نے کہا کہ وہ کل اسی آدمی تھے۔ یہ قول حضرتِ ابنِ عباسؓ کا ہے۔مگر طبریؒ کا کہنا ہے کہ درست بات یہ ہے کہ اس کو تعیین وتحدید کے بغیر یونہی مبہم رہنے دیا جائے جس طرح کہ قرآنِ پاک میں بغیر کسی تحدید وتعیین کے ہے۔(ابنِ جریر، ابنِ کثیر، مدارک، جامع البیان وغیرہ)۔اور جب اس کی تعیین وتحدید سے کوئی خاص غرض بھی وابستہ نہیں اور قرآنِ پاک کی کسی آیت یا صحیح حدیث کی کسی روایت میں اس کی کوئی تصریح بھی نہیں تو پھر خواہ مخواہ ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سو اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نبی مختارِ کل نہیں ہوتا بلکہ اختیارِ کلّی کا مالک صرف اللہ پاک ہی ہے-سبحانہ وتعالیٰ- ورنہ ساڑھے نو سو برس تک دن رات کی محنت اور جہدِ مسلسل اور طرح طرح سے تبلیغ کرنے کے باوجود حضرتِ نوحؑ پر اتنی تھوڑی سی تعداد ہی ایمان کیوں لاتی اور آپکی بیوی اور بیٹا تک دولتِ ایمان سے محروم کیوں رہتے؟ اور جب حضرتِ نوح جیسے جلیل القدر پیغمبر کا بھی یہ حال ہے تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو اختیارِ کلی جیسے خدائی اوصاف کا مالک ہو سکے؟ مگر آج کا کوڑھ مغز بدعتی ملاں ہے کہ وہ اس قدر واضح حقیقت کے باوجود اپنے ایسے شرکیہ عقائد سے باز نہیں آتا اور ان کے لئے وہ طرح طرح کے پاپڑ بیلتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اِس غرض کے لئے صاف وصریح نصوص میں تحریف تک سے کام لیتا ہے۔مگر وہ اس صاف اور سیدھی بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں جو کہ عقل ونقل کے عین مطابق اور نصوصِ قرآن وسنت میں مصرح ہے-مگر برا ہو عناد وہٹ دھرمی اور تعصب وغیرہ جیسی اُن مہلک بیماریوں کا، جو انسان کو حق وہدایت کے سمجھنے اور اپنانے سے محروم کر دیتی ہیں اور وہ ہولناک خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۹۶ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین:-سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے اپنے پیروکاروں سے کہا کہ تم سب سوار ہو جاؤ اس کشتی میں اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا بھی ہے اور اس کا ٹھہرنا بھی۔ بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔سو اس ارشاد سے اللہ ہی پر بھروسہ واعتماد رکھنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔یعنی ہر حال میں چلنے میں بھی اور ٹھہرنے میں بھی۔کہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت میں ہے۔اور طبرانی وغیرہ میں حضرتِ حسن بن علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت-صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا کہ "جو کوئی کشتی پر سوار ہوتے

وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ دعا پڑھے گا وہ غرقابی سے امن میں رہے گا"۔ (المراغی، جامع البیان اور معارف وغیرہ) -سبحان اللہ- اسلام کی تعلیم کیا ہے اور آج کا کلمہ گو مشرک لوگوں کو کیا سکھاتا ہے؟ وہ اسلام کی ان صاف وصریح نصوص اور واضح ومقدس تعلیمات وارشادات کے برعکس ان کو طرح طرح کے شرکیہ نعرے سکھاتا، اپنی خودساختہ سرکاروں کو پکارتا بلاتا اور اپنے نام نہاد مشکل کشاؤں کے نام جپتا اور اپنے قول وفعل سے انہی کو پکارنے کی تعلیم وتلقین کرتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- بہرکیف اس کشتی پر سوار ہونے کے بعد پہلا کلمہ جو حضرتِ نوح کے منہ سے نکلا وہ یہی دعا تھی جس سے انہوں نے دنیا کو یہ درسِ عظیم دیا کہ اسباب ووسائل بجائے خود خواہ کتنی ہی اہمیت کیوں نہ رکھتے ہوں، مومن کا اصل سرمایہ اور بندہ کے لیے ذریعۂ نجات حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی رحمت وعنایت ہے نہ کہ اسباب ووسائل۔ اس لیے مومنِ صادق کا بھروسہ واعتماد اسباب پر نہیں بلکہ اسی مسبب الاسباب پر ہونا چاہیے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اسکی رحمت وعنایت اگر شاملِ حال ہو تو ٹوٹا ہوا تختہ بھی آدمی کے لیے سہارا بن جاتا ہے ورنہ جدید ترین آلات سے لیس بڑے بڑے دیوہیکل جہاز بھی سمندر کی بپھری ہوئی موجوں میں تنکوں کی طرح بہ کر غرقاب ہو جاتے ہیں اور سائنس اور جدید ترین سائنس کی سب کارفرمائیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ جیسا کہ ابھی کچھ ہی عرصہ قبل روس کی جدید ترین دیوہیکل ایٹمی آبدوز جس کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ یہ ناقابلِ شکست اور ناقابلِ غرق ہے۔ وہ ساری دنیا کے سامنے اپنے ایک سو اٹھارہ مایۂ ناز سائنسدانوں سمیت ایسے عبرتناک انداز میں غرق ہوئی کہ ایک دنیا کی دنیا ورطۂ حیرت میں ڈوب کر رہ گئی۔ مگر غفلت کی ماری دنیا پھر بھی کوئی سبق نہیں لیتی الا ماشاء اللہ- والعیاذ باللہ جل وعلا- سو حفاظت اللہ ہی کی حفاظت ہے- اور مؤمنِ صادق کے ایمان وعقیدت کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں دل کا بھروسہ اور اعتماد ہمیشہ وحدہٗ لاشریک پر رکھے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ- اللّٰہ احفظنا من کل سوءٍ وشرٍ وبکل حال من الاحوال فی الحیاۃ.

۹۷ نوحؑ کے اپنے بیٹے کو پکارنے کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ ایک کنارے پر کھڑا تھا اور اس سے کہا کہ ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ سو نوح کا اپنے بیٹے کو کشتی میں سوار ہونے کیلئے پکارنا اور بیٹے کا انکار کرنا بھی اپنے اندر بڑے درسہائے عبرت رکھتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ہدایت پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ اور یہ کہ جو لوگ ہدایت چاہتے ہی نہیں وہ نورِ حق وہدایت سے سرفراز نہیں ہو سکتے۔ اور یہ کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے کہ جو چاہیں کریں ورنہ نوح کا بیٹا اس طرح کفر پر نہ مرتا- سبحان اللہ- یہ شفقتِ پدری بھی کیا چیز ہوتی ہے کہ حضرتِ نوح - علیہ الصلوٰۃ السلام- جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اپنے نافرمان اور باغی بیٹے کو آخر وقت تک اس طرح پکارتے ہیں تا کہ وہ بچ جائے۔ لیکن نافرمان اور بدبخت بیٹا ہے کہ پھر بھی نہیں مانتا۔ یہاں تک کہ غرقاب ہو کر اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہا مگر اسکے باوجود بدعتی ملاں کا کہنا اور ماننا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل ہوتا ہے۔ سو پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے کہ جو چاہیں کریں ورنہ حضرتِ نوح کا اپنا حقیقی اور صلبی بیٹا اس انجام سے دوچار نہ ہوتا۔ پس مختارِ کل اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اس کی اس صفت وشان میں دوسرا کوئی بھی اس کا شریک وسہیم نہیں ہوسکتا۔ اسمیں کسی اور کو اس کا شریک ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ،

قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ

غرق ہونا ہے،) و۹۸ تو اس نے جواب میں کہا کہ میں ابھی کسی ایسے پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں، جو مجھے بچالے گا اس پانی سے و۹۹

لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ

نوح نے فرمایا آج کوئی بھی چیز اللہ کے حکم سے نہیں بچا سکے گی، مگر جس پر وہ خود ہی رحم فرمادے، اتنے میں

۹۸ نوح کے اپنے بیٹے کو کافروں کی معیت سے روکنے کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ نوح نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تو کافروں کے ساتھ مت رہ۔ بلکہ ایمان لا کر ان سے الگ ہو جا اور ان سے کٹ کر ہمارے ساتھ شامل ہو جا صدقِ دل سے کیونکہ اصل رشتہ تو بہرحال دین و ایمان ہی کا رشتہ ہے۔ سو نجات سچ میں اور سچوں کے ساتھ رہنے میں اور سچوں کا ساتھ دینے میں ہے۔ اس لئے معیت ہمیشہ سچوں ہی کی اختیار کرنی چاہیئے اور ساتھ ہمیشہ ایسے سچے اور پاکیزہ انسانوں کا دینا چاہیئے جن کے سینے ایمان و یقین کے نور سے منور و معمور ہوں۔ اللہ سب کو نصیب فرمائے۔ سو ان لوگوں سے دور و نفور رہنا چاہیئے جن کے دل کفران و نکران کی سیاہی میں گھر چکے ہوں کہ ان کا انجام ہلاکت و بربادی اور دائمی خسارہ ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡم۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے اور تسلیم کرے یا نہ کرے حق اور حقیقت بہرحال یہی اور صرف یہی ہے کہ سلامتی کی راہ ایمان و یقین رکھنے اور ایمان والوں کی معیت ہی میں ہے۔ والعیاذ باللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۹۹ پسرِ نوح کا اپنے باپ کو کافرانہ جواب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ نوح کے اس کافر بیٹے نے اپنے باپ کی اس صدا و پکار کے جواب میں کہا کہ میں کسی ایسے پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں جو مجھے اس پانی سے بچالے گا۔ سو یہ نمونہ ہے مشرک کی کوتاہ بینی اور مادہ پرستی کا کہ اسکی نگاہ ظاہر پر اور مادیات ہی میں اٹکی اور پھنسی رہتی ہے۔ اور اسی کے طرح طرح کے مظاہر اور مختلف نمونے ہر دور کی طرح آج بھی یہاں اور وہاں جگہ جگہ نظر آتے ہیں اور مادہ پرست انسان کی ساری توجہ اور پورا زور محسوسات اور مادیات ہی پر ہے جس سے آگے طرح طرح کے ہولناک اور تباہ کن مفاسد جنم لیتے ہیں۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡم۔ سو اس سے ایک طرف تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ہدایت و غوایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے اور ہدایت کی دولت اسی کے یہاں سے ملتی ہے۔ اور وہ ملتی ہے طلبِ صادق پر اور طلبِ صادق اگر نہ ہو تو نوح کا بیٹا بھی اس سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری طرف اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے۔ ورنہ حضرتِ نوح کا اپنا صلبی اور حقیقی بیٹا اس ہولناک انجام سے دوچار نہ ہوتا اور وہ بھی حضرتِ نوح کی اس قدر شفقت بھری دعاء اور دعوت کے باوجود۔ اور تیسری طرف اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اپنا ایمان اور عقیدہ اگر درست نہ ہو تو کسی بڑی اور بزرگ ہستی کا رشتہ بھی کوئی کام نہیں دے سکتا اگرچہ وہ بزرگ ہستی حضرتِ نوح جیسی عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر کی ہستی ہی کیوں نہ ہو۔ اور چوتھی طرف اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کے لیے یکساں ہے۔ اس کے تقاضوں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔ خواہ وہ حضرتِ نوح جیسی جلیل القدر ہستی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ

حائل ہوگئی ان دونوں کے درمیان ایک موج، جس سے وہ ہو گیا غرق ہونے والوں میں سے، اور (ان سب کفار کی

ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ

غرقابی کے بعد) حکم ہوا کہ اے زمین تو نگل لے اپنا پانی اور اے آسمان تو تھم جا ۱۰۰ چنانچہ خشک کر دیا گیا وہ پانی، اور چکا دیا

الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ

گیا معاملہ، ۱۰۱ اور ٹک گئی وہ کشتی کوہِ جودی پر، اور کہہ دیا گیا کہ بڑی دوری (اور پھٹکار) ہے ظالم

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ

لوگوں کے لئے، اور (بیٹے کی غرقابی سے قبل) نوح نے اپنے رب کو پکار کر، عرض کیا کہ اے میرے رب میرا بیٹا

مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

میرے گھر والوں میں سے ہے ۱۰۲ اور یقیناً تیرا وعدہ بھی سچا ہے، اور تو ہی ہے سب حاکموں سے

۱۰۰ آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد کے پابند:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حکم ہوا کہ اے زمین تو نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تو تھم جا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ زمین و آسمان کی یہ ساری کائنات جسے ہم لوگ بے جان و بے زبان اور بے شعور سمجھتے ہیں اللہ پاک کے حضور یہ سب کچھ سنتی اور جانتی مانتی ہے۔ وَلَنِعْمَ مَا قَالَ الْقَائِلُ۔ خاک وباد وآب وآتش بندہ اند۔ بامن وتو مردہ باحق زندہ اند۔ سو یہ سب مخلوق اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند اور اسکے حضور سربسجدہ ہے۔ جب طوفانِ نوح کا اصل مقصد پورا ہو گیا تو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے آسمان کو حکم ہوا کہ رک جا تاکہ مزید بارش نہ برسے اور زمین کو حکم ہوا کہ تو موجود پانی کو نگل جا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان دونوں نے اپنے خالق و مالک کا حکم سنا اور مانا اور زمین خشک ہوگئی۔ سو اس سے یہ اہم درس ملتا ہے کہ جب زمین و آسمان جیسی یہ عظیم الشان مخلوق بھی اپنے خالق و مالک کی حکم وارشاد کے پابند اور اس کے آگے سرافگندہ ہیں تو پھر حیف ہے چندفٹ کے قد کے اس انسان پر جو اس خالق و مالک سے منہ موڑے اور اس کے اوامر وارشادات کی نافرمانی کرے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۰۱ قومِ نوح کی ہلاکت وتباہی اور اس پر لعنت و پھٹکار کا ذکر وبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ خشک کر دیا اس پانی کو، معاملہ چکا دیا گیا اور ٹک گئی وہ کشتی جودی پہاڑ پر اور کہہ دیا گیا کہ بڑی دوری اور پھٹکار ہے ظالم لوگوں پر۔ سو معاملہ چکا دیا گیا۔ یعنی کافروں کی ہلاکت اور اہلِ ایمان کی نجات کا معاملہ۔ اور واضح ہو گیا یہ امر کہ نجات اور امن وسلامتی ایمان ویقین اور اطاعت خدا ورسول ہی میں ہے۔ اللہ ہر لحظہ اس سے سرشار رکھے۔ آمین اور یہ کہ کفر وبغاوت کا انجام بہرحال تباہی ہے۔ کوئی مانے یا نہ

ماننے اور تسلیم کرے یا نہ کرے، حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ کفر کا انجام ہلاکت و تباہی- والعیاذ باللہ- پس اس ضمن میں قدرت کی طرف سے جو مہلت اور ڈھیل ملتی ہے اس سے کسی کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو اس بد بخت قوم کو غرقاب کر کے فی النار والسقر کر دیا گیا جو حضرتِ نوح جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر کی ساڑھے نو سو برس کی طویل دعوت و تبلیغ شبانہ روز محنت و مشقت اور کمال درجے کی نصیحت و خیر خواہی کے باوجود حق کو قبول کرنے اور راہِ راست کو اپنانے کے لیے تیار نہ ہوتی تھی- اور آخر کار غرقاب ہو کر آتشِ دوزخ میں جا پڑی- اور اس موقع پر اُس کے خود ساختہ مشکل کشاؤں اور حاجت رواؤں میں سے کوئی بھی اس کے کچھ بھی کام نہ آسکا- جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا﴾ (نوح: ۲۵) اور وہ کشتی جودی پر جا کر ٹک گئی جو کہ کوہستان ارارط کی ایک چوٹی کا نام ہے- تورات میں صرف ارارط کا ذکر ہے مگر قرآن نے خاص اس چوٹی کا ذکر کیا ہے جس پر وہ جا کر ٹکی- سو اس سے طوفانِ نوح کی ہولناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں پانی کہاں سے پہنچ گیا تھا اور کس ہولناک انجام سے دوچار ہوئی تھی وہ بد بخت قوم- سو بڑی لعنت و پھٹکار اور دوری ہے اس بد بخت ظالم قوم کے لیے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

۱۰۲ حضرتِ نوحؑ کی اپنے بیٹے کے لیے دعاء و درخواست کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے اپنے رب کو پکار کر عرض کیا کہ اے میرے رب میرا بیٹا بھی میرے اہل میں سے ہے- سو حضرتِ نوح -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی اس دعاء کا ذکر اگرچہ آپ کے بیٹے کی غرقابی کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے مگر اس کا تعلق اس کی غرقابی کے قبل سے ہے- (المراغی، المنار، المعارف، التدبر، تفسیر التحریر والتنویر لابن عاشور، الفتوحات الالٰہیۃ وغیر ذالک)- ہم نے بین القوسین کے الفاظ بڑھا کر اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے- والحمد للہ- سو اس لحاظ سے اگرچہ بظاہر اس کا ذکر آیت نمبر ۴۳ کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا لیکن اس کی اس تاخیر میں بلاغت کا یہ عظیم نکتہ مضمر ہے کہ نوح کا یہ بیٹا آپ کا بیٹا ہونے کے باوجود حق سے روگردانی کے باعث ایسا نابکار شخص بن گیا تھا کہ اللہ پاک -سبحانہ وتعالیٰ- نے اس کے بارے میں حضرتِ نوح کی دعاء کو اس وقت تک ذکر فرمانا بھی پسند نہ فرمایا جب تک کہ اس نابکار کی غرقابی کا عمل پورا نہ ہو گیا اور یہ اس لئے کہ نبی کا بیٹا ہونا جہاں انسان کے لئے ایک عظیم الشان بلکہ سب سے بڑا شرف ہے وہاں پر دوسری جانب یہ بڑی آزمائش بھی ہے جس میں ناکامی کا انجام بھی بڑا برا اور نہایت خوفناک ہوتا ہے- اور قاعدہ یہی ہے کہ آدمی جتنی زیادہ اونچائی سے گرتا ہے اتنا ہی اس کا حشر و انجام بھی بہت برا اور ہولناک ہوتا ہے- سبحان اللہ- کیا کہنے کلامِ الٰہی کی بلاغت اور اسکی ان باریکیوں، نزاکتوں اور لطافتوں کے- سو اس سے دو بڑے اہم درس ملتے ہیں- ایک یہ کہ حق و ہدایت سے منہ موڑنے اور محروم رہنے والا انسان اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا برا اور مبغوض و ممقوت انسان ہوتا ہے اگرچہ وہ حضرتِ نوح جیسے جلیل القدر پیغمبر کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو اصل چیز حسب و نسب نہیں، دین و ایمان اور اِطاعت و اِتباع ہے اور دوسرا بڑا درس اس سے یہ ملتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا، جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ماننا ہے- ورنہ حضرت کا اپنا صلبی بیٹا اس ہولناک انجام سے دوچار نہ ہوتا- سو حضرتِ نوح اور آپکے بیٹے سے تعلق رکھنے والا یہ قصہ ایسے تمام شرکیہ عقائد کی کھلی اور صریح تردید کرتا ہے- اختیارِ کلی کا مالک و مختار اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے -سبحانہ وتعالیٰ- پس اہلِ بدعت نے جو طرح طرح کے مختارِ کل بنا رکھے ہیں وہ سب کے سب بے اصل اور بے حقیقت ہیں- اور اس طرح یہ لوگ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-

الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ

بڑا حاکم، ۱۰۳ جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نوح، وہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے، کیونکہ

عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

اس کے عمل اچھے نہیں ہیں، ۱۰۴ پس تم مجھ سے اس بات کی درخواست نہ کرو جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں،

اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ مبادا کہیں تم جاہلوں میں سے ہو جاؤ ۱۰۵ عرض کیا، اے میرے رب،

اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے کوئی علم نہ ہو، ۱۰۶

وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر تو نے میری بخشش نہ فرمائی (اے میرے رب!) ۱۰۷ اور مجھ پر رحم نہ فرمایا ۱۰۸ تو میں ہو جاؤں گا خسارہ (اور نقصان)

۱۰۳ **اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ نوح نے اپنے بیٹے کے لیے دعاء کے ضمن میں عرض کیا کہ اے اللہ بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے کہ تیرا فیصلہ اے میرے مالک، کمال عدل و انصاف اور علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ نہ اس میں کسی غلطی و کوتاہی کا کوئی امکان اور نہ ہی اس کے خلاف کسی کو اپیل کرنے کا کوئی یارا۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اور نہ ہی اس میں کسی نقص و قصور اور جانبداری کا کوئی خدشہ و احتمال۔ بلکہ اس وحدہٗ لاشریک کا فیصلہ ہر اعتبار سے کامل و مکمل اور عینِ حق و صواب پر مبنی ہوتا ہے۔ اور یہ اسی کی، اور صرف اسی کی شان ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر حاجت روا و مشکل کشا نہیں ہوتے کیونکہ جو حاجت روا و مشکل کشا ہوتا ہے۔ اس کو نہ کوئی حاجت پیش آتی ہے اور نہ وہ کسی مشکل سے دوچار ہوتا ہے۔ اور یہ شان صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ہے۔ اور جو حاجت روا ہوتا ہے وہ خود کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور جو مشکل کشا و حاجت روا ہوتا ہے وہ دعائیں نہیں کیا کرتا بلکہ وہ حکم دیتا ہے۔ اور جب حضرتِ نوح جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر بھی حاجت روا و مشکل کشا نہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے اور جب حضرتِ نوح۔ علیہ السلام۔ اپنے حقیقی بیٹے کو بھی نہیں بچا سکے اور وہ بھی اپنی زندگی میں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو خرقِ عادت اور خلافِ اسباب دوسروں کا حاجت روا اور مشکل کشا بن کر ان کے کچھ کام آ سکے؟ اور وہ بھی اپنے مرنے اور قبر میں اتر جانے کے بعد؟۔ پس غلط کہتے اور شرک و گمراہی کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے طور پر طرح طرح کے حاجت روا اور مشکل کشا گھڑ رکھے ہیں اور وہ انہی کو پوجتے پکارتے

اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین -

۱۰۴ نبی کے اھل میں سے ہونے کا دارومدار ایمان و عقیدہ پر ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح کو جواب دیا گیا کہ اے نوح یہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے کہ اس کے عمل اچھے نہیں۔ اور نبی کا اہل بننے کے لئے اصل مدار و انحصار اسی دینی اہلیت پر ہے جو کہ عبارت ہے ایمانِ صحیح اور عملِ صالح سے نہ کہ محض نسبی قرابت۔ جیسا کہ حضرتِ علی - رضی اللہ عنہ - سے مروی ہے کہ پیغمبر کا ولی اور دوست ہر وہ شخص ہوتا ہے جو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اگرچہ جسمانی اور خونی رشتہ کے اعتبار سے وہ آپؐ سے دور ہو۔ اور آپؐ کا مخالف اور دشمن ہر وہ شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اگرچہ جسمانی اور خونی رشتہ کے اعتبار سے وہ آپؐ کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔ (محاسن التاویل المعروف تفسیر القاسمی) - سبحان اللہ - اسلام کی مقدس تعلیمات کیا سکھاتی بتاتی ہیں اور آج کے جاہل مسلمان نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ فلاں صاحبزادہ آلِ رسول اور سید زادہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسکو کوئی پرواہ نہیں۔ جو مرضی کرے وہ بخشا بخشایا ہے۔ عمل خواہ کچھ ہی اور کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ سو ایسے تمام تصورات دینِ متین کی تعلیماتِ مقدسہ کیخلاف اور ان سے متصادم ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم من کل زیغ وضلال - سو حضرتِ نوح کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ﴾ یعنی "چونکہ اس کا عمل صالح اور صحیح نہیں" اس لیے یہ آپ کا اہل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ نبی کا اہل اور گھرانا صرف نسب سے نہیں بنتا بلکہ ایمان و عقیدہ اور عملِ صالح سے بنتا ہے۔ اور اس سے یہ عاری ہے - اور اصل چیز جسمانی اور مادی رشتہ نہیں بلکہ روحانی اور ایمانی رشتہ ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۱۰۵ بغیر علم کے کسی چیز کے پیچھے لگنے کی ممانعت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے سوال اور ان کی دعاء و درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم مجھ سے اس چیز کے بارے میں دعاء و درخواست مت کرو جس کی حقیقت کا آپ کو علم نہیں۔ کہ یہ درست ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی ایسی چیز کا مانگنا اور اس کا سوال کرنا درست نہیں جس کی حقیقت کے بارے میں پورا علم اور یقین نہ ہو۔ اور نہ ایسی کسی چیز کے پیچھے پڑنا جائز ہے۔ سو علم کی روشنی ایک عظیم الشان روشنی ہے جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ کونسی چیز مانگنے کی ہے اور کون سی نہیں۔ بہرکیف حضرتِ نوح کو فرمایا گیا کہ آپ کا بیٹا آپ کی صلب میں سے ہونے کے باوجود آپ اہل نہیں ہے۔ بلکہ یہ اپنے کفر و شرک کی بناء پر ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں ہمارا یہ فیصلہ پہلے سے ہی صادر ہو چکا ہے کہ ایسے تمام لوگوں کو ہم جہنم میں بھر دینگے اس لیے آپ ہم سے کسی ایسی بات کا سوال نہ کریں جس کے بارے میں آپ کو کوئی علم نہیں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ سو اس سے ہمیشہ اعتدال اور توازن کی راہ کو اپنانے کا درس دیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۰۶ پیغمبر کی شانِ تسلیم و رضاء کا ایک نمونہ و مظہر: - کہ آپ اپنے رب کے حکم و ارشاد کے آگے فوراً سر تسلیم خم ہو گئے۔ دوسری کوئی بات ہی نہیں کی بلکہ اس ارشاد کے جواب میں فوراً عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں آپ سے کسی ایسی چیز کا سوال کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے - سبحان اللہ -

کیا اور کیسی عجیب ہوتی ہے شانِ پیغمبری، کہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی جانب سے تنبیہ ہوتے ہی حضرت نوح فوراً بغیر کسی حیل و حجت اور قیل و قال کے اسی وحدہٗ لاشریک کی پناہ طلب کرنے اور اپنے کیے کی معافی مانگنے لگے۔ جیسا کہ حضرتِ آدم نے کیا تھا جبکہ ان کے مقابلے میں ابلیسِ لعین اپنے کیے پر اڑ گیا تھا۔ نیز یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ پیغمبر عالم الغیب نہیں ہوتا، جیسا کہ آج کا کلمہ گو مشرک اور بدعتی ملاں کہتا ہے، کہ حضرتِ نوح صاف فرماتے ہیں ﴿مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ﴾ "جس کا مجھے کوئی علم نہیں" مگر اسکے باوجود بدعتی ملاں کا کہنا ہے کہ پیغمبر عالم ما کان و ما یکون ہوتا ہے اور اس کیلئے وہ طرح طرح کی تحریفات سے کام لیتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس میں یہ عظیم الشان درسِ عبرت وبصیرت ہے کہ بندے کو ہمیشہ اپنے رب کے حکم وارشاد کے آگے جھک جانا چاہیے اور جھکے رہنا چاہیے۔ یہی اس کی شان عبدیت کے لائق اور اس کا تقاضا ہے اور اسی میں اس کا بھلا اور بہتری ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی - وباللہ التوفیق لما یحب ویرضٰی وعلٰی ما یحب ویرضٰی - بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۱۰۷ حضرتِ نوح کی طرف سے بخشش کی دعاء و درخواست :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے اپنے رب کے حضور مغفرت و بخشش کی دعاء و درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اگر تو نے میری بخشش نہ فرمائی اے مالک تو میں یقیناً خسارے میں پڑ جاؤں گا۔ یعنی میری اس لغزش پر میری بخشش نہ فرمائی جو مجھ سے شفقتِ پدری کی بناء پر اپنے بیٹے کے بارے میں سرزد ہوگئی۔ حضرتِ نوحؑ کی یہ درخواست فی الواقع کوئی گناہ نہ تھی مگر اپنے مقامِ بلند اور شانِ عالی کے اعتبار سے وہ اس کو بھی معافی مانگنے کے قابل گناہ قرار دے رہے ہیں - (المراغی، المنار، الصفوۃ وغیرہ) - سو اللہ والوں کی شان یہی ہوتی ہے کہ ان کو اپنی چھوٹی سی غلطی اور معمولی سی بات بھی بڑی نظر آتی ہے اور وہ اس کی معافی و صفائی کے لئے حضرت حق - جل مجدہٗ - کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے ان کے مراتب و درجات میں مزید ترقی اور اضافہ ہوتا رہتا ہے جبکہ باغی وسرکش انسان اپنے بڑے بڑے گناہوں کی بھی پرواہ نہیں کرتا جس سے گناہ کی میل اور پکی ہوتی جاتی ہے اور وہ اور بھی زیادہ درکاتِ ہلاکت میں گرتا جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر رکھے - اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۰۸ حضرت نوح کی طرف سے رحمتِ خداوندی کی دعاء و درخواست :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے اپنے رب کے حضور مزید عرض کیا کہ اگر تو نے مجھ پر رحم نہیں فرمایا یعنی میری توبہ کو قبول فرما کر اور آئندہ ایسے سوالات سے بچا کر اور محفوظ رکھ کر کرم نہ فرمایا اور اپنی مرضیات کی راہنمائی سے نہ نوازا۔ (الاساس، محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو اس آیت کریمہ سے دو عظیم الشان درس دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جو غلطی اور قصور انسان سے سرزد ہوجائے اسکی فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور دوسرے یہ کہ آئندہ کے بارے میں ہمیشہ اسی کی پناہ مانگے کہ اسی کی توفیق وعنایت سے انسان تقصیر وکوتاہی سے بچ سکتا ہے - وباللہ التوفیق - کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں۔ اور وہ ہر وقت خطرے میں ہی رہتا ہے کہ نفس وشیطان کے دو مخفی اور غیر مرئی دشمن ہمیشہ اس کو ورغلانے کے درپے رہتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ

اٹھانے والوں میں سے و۱۰۹ ارشاد ہوا، اے نوح، اتر جاؤ، تم اس حال میں کہ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہوں تم پر بھی، اور ان

عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ

سب گروہوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں ف۱۱۰ اور تمہارے بعد والوں میں کچھ گروہ ایسے بھی ہوں گے و۱۱۱ کہ انہیں ہم کچھ مدت تک تو سامان

يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

زندگی برابر بخشتے رہیں گے، مگر پھر (ان کے کفر وعناد کے سبب) ان کو پہنچ کر رہے گا ہماری طرف سے ایک بڑا ہی دردناک

الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

عذاب و۱۱۲ یہ (قصہ) غیب کی ان خبروں میں سے ہے و۱۱۳ جن کی ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف (اے پیغمبر! ورنہ) اس سے

وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ

پہلے نہ تو آپ ان کو جانتے تھے و۱۱۴ اور نہ ہی آپ کی قوم، پس آپ صبر ہی سے کام لیتے رہیں کہ انجام کار (کامیابی) بہرحال

معانقة ۹
الوقف علیٰ فاصبر احسن واولیٰ ۱۲

۱۰۹ توبہ واستغفار سے محرومی باعثِ خسارہ وہلاکت - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ اگر تو نے اے میرے مالک میری بخشش نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں یقیناً خسارہ اٹھانے والے لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔ آپ کی مرضیات کو نہ جاننے کی بناء پر اے میرے مالک! (المراغی، المنار، المحاسن وغیرہ)۔ سو سلامتی وسعادت کی راہ یہ ہے کہ انسان ایمان ویقین کی دولت سے سرفراز ہو کر عمل صالح کی پونجی جمع کرتا جائے اور رب کی رضاء کے حصول اور اس سے سرفرازی کے لیے کوشش کرتا جائے اور اپنی خطاؤں اور لغزشوں کی بخشش کے لیے توبہ واستغفار کرتا رہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید - نیز اس سے یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح اور عیاں ہوگئی کہ آخرت میں اپنا ایمان وعمل ہی نجات کا ذریعہ بن سکے گا ورنہ پیغمبر اور نوح جیسے اولوا العزم رسول کی اولاد ہونا بھی کچھ کام نہ آسکے گا، جیسا کہ حضرتِ نوح کے اس قصے سے ظاہر ہے اور جیسا کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم - نے اپنی بیٹی اور لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہراء - رضی اللہ عنہا - سے فرمایا تھا کہ تم دنیا کے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگ لو، مگر آخرت میں میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آسکوں گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم کی طویل حدیث میں مروی ہے۔ اور جب حضرت امام الانبیاء بھی کام نہیں آسکتے اور اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ کے بھی کچھ کام نہیں آسکتے اور ان کو صاف وصریح

طور پر اس طرح ارشاد فرماتے ہیں تو پھر اور کون کسی کے کام آسکتا ہے۔ بہرکیف حضرتِ نوح نے اس تنبیہ کے بعد فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی اور عرض کیا کہ اے میرے مالک اگر آپ نے میری بخشش نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔ سو اس سے حضراتِ انبیائے کرام کی شانِ عبدیت وانابت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سو وہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنے خالق و مالک کیطرف انابت ورجوع کے شرف سے سرشار ہوتے ہیں۔ علیهم الصلوٰة والسلام ورزقنا اتباعهم والتمسک بهدیهم والاقتداء بقدوتهم۔

۱۱۰ حضرتِ نوح کو کشتی سے اترنے کا حکم وارشاد اور برکات کا وعدہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اتر جاؤ تم اے نوح اس حال میں کہ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہوں تم پر بھی اور ان سب گروہوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ سو اس سے حضرت نوح اور انکے ساتھیوں پر برکاتِ خداوندی کی صاف اور صریح طور پر بشارت دی گئی۔ کیونکہ ان سب کی حیثیت اس صالح بیج کی سی تھی جس میں کوئی نقص اور خامی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان کو عطاء ہونے والی اسی سلامتی اور انہی برکات کا نتیجہ وثمرہ ہے کہ ان تھوڑے سے لوگوں سے نسلِ انسانی ایسی پھیلی کہ پوری روئے زمین پر چھا گئی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الصافات: ۷۹)۔ بہرکیف جب طوفان گزر گیا۔ آسمان تھم گیا۔ زمین سے پانی خشک ہو گیا۔ تو حضرتِ نوح کو ہدایت فرمائی گئی کہ اب اتر جاؤ آپ جودی پہاڑ سے جس پر وہ کشتی جا کر اٹک گئی تھی۔ ہماری طرف سے عظیم الشان سلامتی اور ان طرح طرح کی برکتوں کے ساتھ جو آپ پر بھی ہونگی اور ان امتوں پر بھی جو آپ کے ساتھ ہیں۔ اس سلامتی اور برکتوں کے سائے میں اب آپ اتر جاؤ اور ﴿اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَکَ﴾ سے یہ واضح فرمایا کہ آج آپ کے ساتھ اگرچہ گنتی ہی کے کچھ لوگ ہیں لیکن تمہارے رب کی رحمت اور اسکی عظیم الشان برکتوں کے سبب گنتی کے ان نفوس کے اندر بڑی بڑی قومیں اور ملتیں مضمر و پوشیدہ ہیں جو بعد میں ظہور پذیر ہونگی۔ اور جو بالآخر ظہور پذیر ہوئیں اور پوری روئے زمین پر چھا گئیں۔ سو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت، اسکی رحمت وعنایت اور اسکی خیریت وبرکات کا ایک عظیم الشان نمونہ ومظہر ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۱۱ اہلِ کفر وباطل کے ساتھ قدرت کے معاملے کا ذکر وبیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے بعد والوں کے کچھ گروہ ایسے بھی ہونگے جن کو ہم ایک مدت تک تو سامانِ زندگی برابر بخشتے رہیں گے مگر آخر کار ان کو دردناک عذاب پہنچ کر رہے گا۔ جو کہ کافر ومجرم اور باغی وسرکش ہوں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو ایسے لوگ دنیا کے اس دارالامتحان میں متاعِ دنیا سے وقتی طور پر مستفید ہوتے رہیں گے کہ یہ دنیا نیک وبد اور مومن ومشرک سب ہی کیلئے ہے۔ اسمیں اللہ پاک کسی کے کفر وشرک کی بناء پر اس کو رزق وروزی سے محروم نہیں کرتا بلکہ دنیا کے اس خوانِ نعمت سے سب ہی کھاتے پیتے اور مستفید وفیضیاب ہو رہے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارہ میں ارشاد فرمایا گیا۔ کلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربک، وما کان عطاء ربک محظورا (بنی اسرائیل۔ ۲۰) یعنی ہم تیرے رب کی عطاء وبخشش سے ان کی بھی مدد کئے جا رہے ہیں، اور انکی بھی اور دنیا میں تیرے رب کی عطاء وبخشش کسی پر بندنہیں، اور یہ تقاضہ ہے اس وحدہ لاشریک کے رب العالمین ہونے کا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور یہی تقاضہ ہے اس دنیا کے دارالابتلاء ہونے کا۔ جب کہ اصل فیصلہ آخرت کے اس جہاں میں ہی ہوگا جو کہ "دارالجزاء" ہے۔ جس کے مطابق اہل کفر وباطل ہمیشہ ہمیش عذابِ دوزخ میں مبتلا ہوں گے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اہل ایمان جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ اور محض اپنی شانِ کریمی سے نصیب فرمائے آمین۔

۱۱۲ اہلِ کفر وباطل کیلئے دردناک عذاب: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے کافر ومنکر لوگوں کو آخر کار پہنچ کر رہے

گا ایک بڑا ہی دردناک عذاب۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو ایسے لوگ دنیا میں سکون و اطمینان کی دولت سے محروم ہونگے جبکہ اصل عذاب آخرت میں ہوگا۔ ان کے کفر و انکار اور بغاوت و سرکشی کے نتیجے میں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو دولتِ ایمان و یقین سے محرومی سب سے بڑی محرومی اور دارین کا خسارہ تمام مفاسد کی جڑ بنیاد ہے کہ اس سے انسان اس دنیا میں بھی طرح طرح کے مصائب و آلام جھیلتا ہے اور اسکے بعد آخرت کے اس اصل اور حقیقی جہاں میں وہ ہمیشہ ہمیش کیلئے ہولناک عذاب میں مبتلا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف حضرتِ نوح کو آگہی بخشی گئی کہ آئندہ ان کی نسل میں کچھ ایسی قومیں بھی اٹھیں گی جو دنیاوی زندگی کے اعتبار سے عروج پکڑیں گی اور ہم ان کو ایک خاص حد تک مہلت بھی دیں گے لیکن آخر کار ان کے اعمال کی پاداش میں ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب پہنچ کر رہے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو کفر و انکار کا نتیجہ و انجام بہرحال بہت برا اور بڑا ہی ہولناک ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

۱۱۳ پیغمبر کو غیب کی کچھ خبروں سے آگہی کا ذکر: - سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ غیب کی ان خبروں میں سے ہے جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں۔ سو کلمہ ﴿مِنْ﴾ یہاں پر تبعیضیہ ہے۔ پس پیغمبر کو اَخبار و علومِ غیب میں سے وہی کچھ دیا جاتا ہے جو آپ کے منصب کے لئے ضروری ہوتا ہے، نہ کہ کل غیوب۔ جس طرح کہ آج کا کلمہ گو مشرک کہتا ہے۔ والعیاذ باللہ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّزَیْغ۔ بہرکیف یہ پیغمبر کی صداقت و حقانیت کا ایک واضح ثبوت ہے کہ آپ باوجود اسکے کہ آپ نے کسی انسان سے ایک حرف بھی نہیں پڑھا، غیب کی ان چیزوں سے دنیا کو آگاہ کر رہے ہیں جبکہ آپ کے پاس ان کو جاننے کا دوسرا ذریعہ نہیں تھا سوائے وحیِ خداوندی کے۔ تو یہ اس بات کا ایک واضح اور قطعی ثبوت ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے پاس وحیِ خداوندی آتی ہے۔ اور غیب کی اس طرح کی تمام خبریں آپ وحی ہی کے ذریعے بتاتے ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۱۱۴ پیغمبر کی صداقت و حقانیت کا ایک واضح ثبوت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ غیب کی ان خبروں میں سے ہے جن سے ہم آپ کو آگہی بخشتے ہیں وحی کے ذریعے۔ ورنہ اس سے پہلے نہ آپ ان کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔ پس یہ آپ کی صداقت و حقانیت کی ایک صریح اور واضح نشانی و علامت ہے کہ آپؐ نے دنیا کو ایسے عظیم الشان حقائق و وقائع اور علوم و معارف سے اس قدر بلیغ اور مؤثر انداز میں آگاہ فرمایا ہے، حالانکہ آپؐ نے اپنی زندگی میں کسی بھی انسان سے ایک حرف بھی کبھی سیکھا پڑھا نہیں تھا۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَ سَلَامُہٗ عَلَیْہِ۔ سو یہ نبی امیؐ کا وہ بے مثال اور عظیم الشان معجزہ ہے جو اس آب و تاب اور شان و شوکت کے اور اس کمال کے ساتھ آپ کو ملا۔ اور پوری نوعِ انسانیت میں اسکی دوسری کوئی نظیر و مثال کہیں بھی نہیں، بلکہ کہیں ممکن ہی نہیں۔ کہ آپ نے اُمّی ہونے کے باوجود دنیا کو ایسے عظیم الشان اور بے مثال علوم و معارف سے نوازا ہے۔ جن سے دنیا تاقیامِ قیامت مستفید و فیضیاب ہوتی رہے گی۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٩﴾ ع وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ط قَالَ يٰقَوْمِ

پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے و۱۱۵ اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھی، (ہم نے رسول بنا کر بھیجا و۱۱۶) انہوں نے بھی یہی کہا

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

کہ اے میری قوم، اللہ ہی کی بندگی کرو تم سب، کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، (اور غیر اللہ کی بندگی میں تو) تم لوگ محض

مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ط اِنْ اَجْرِيَ

جھوٹ گھڑنے والے ہو، و۱۱۷ اے میری قوم! میں (تبلیغ کے) اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، و۱۱۸ میرا اجر تو

اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَيٰقَوْمِ

بس اسی ذات (اقدس) کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے، کیا پھر بھی تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ اور اے

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

میری قوم کے لوگو! تم سب بخشش مانگو اپنے رب سے و۱۱۹ پھر (سچے دل سے) اس کی طرف رجوع کرو و۱۲۰ وہ تم پر آسمان

مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا

کے دھانے کھول دے گا و۱۲۱ (موسلا دھار بارش کے لئے) اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ فرمائے گا و۱۲۲ اور مت

۱۱۵ انجام کار کامیابی پرہیزگاروں ہی کے لیے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک انجام کار کامیابی بہرحال پرہیزگاروں ہی کیلئے ہے۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے۔ حقیقت بہرکیف یہی ہے کہ آخری اور حقیقی کامیابی بہرحال انہی کی ہوگی۔ پس آپ مخالفین کی مخالفت اور انکی ایذاء رسانی پر صبر و استقامت ہی سے کام لیتے رہیں۔ کامیابی بہرحال آپ کی اور آپ کے پیروکاروں ہی کی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی۔ پس آپ راہِ حق و ہدایت پر ثابت و مستقیم رہیں۔ دعوتِ حق پر پکے رہیں۔ کافروں اور منافقوں کی بات کبھی نہ مانیں۔ ان کی ایذا رسانیوں کی پرواہ نہ کریں۔ اور بھروسہ ہمیشہ اللہ ہی پر رکھیں کہ اللہ کافی ہے آپ کی کارسازی کے لیے۔ آپ کے دشمنوں سے وہ خود نمٹ لے گا۔ تمہارے مخالف اور دشمن ناکام رہیں گے اور انجامِ کار کی کامیابی متقی اور پرہیزگار لوگوں ہی کو ملے گی جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ (الاحزاب: ۴۸)۔

۱۱۶ حضرتِ ہود قومِ عاد کے بھائی:- یعنی ان کے قومی بھائی اور ان کے ہم قوم۔ کیونکہ حضرتِ ہود اسی قوم میں سے اور

انہی کے ہم وطن تھے اور ہر پیغمبر کی بعثت کے سلسلے میں اللہ پاک - سبحانہ وتعالیٰ - کی سنت بالعموم یہی رہی ہے کہ جس قوم کی طرف کوئی پیغمبر بھیجا گیا وہ انہی میں سے بھیجا گیا۔ تاکہ وہ ان کو انہی کی زبان میں اور انہی کے لب ولہجے اور انداز واسلوب میں سمجھا سکے۔ اور یہی عقل وفطرت کا تقاضا بھی ہے۔ اور اسی کو قرآنِ حکیم نے جابجا ﴿اَخَاهُمْ﴾ اور ﴿مِنْهُمْ﴾ اور ﴿مِنْكُمْ﴾ جیسے الفاظ وکلمات سے ذکر و بیان فرمایا ہے۔ سو اہلِ بدعت کا اس پر شور مچانا کہ فلاں شخص نے پیغمبر کو بھائی کہہ دیا اور اس طرح اس سے توہین کا ارتکاب کیا وغیرہ۔ تو یہ سب ان لوگوں کی اپنی جہالت اور ضد وہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - ورنہ اصل حقیقت بہرحال یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کا بھائی ہوتا ہے اور یہی عقل ونقل اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے۔ اور اسی کی توضیح وتصریح قرآن وسنت کی بے شمار نصوص میں فرمائی گئی ہے - اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر قسم سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

۱۱۷ غیر اللہ کی بندگی محض افتراء ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ہود نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو تم سب اللہ ہی کی عبادت وبندگی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہیں۔ اور غیر اللہ کی پوجا کرنے میں تم لوگ محض افتراء کرنے والے ہو اللہ جل جلالہٗ پر۔ جو تم نے اس کی ضعیف مخلوق میں سے طرح طرح کے حاجت روا اور مشکل کشا گھڑ رکھے ہیں اور اسکے لئے تم لوگ طرح طرح کے مفروضوں اور خود ساختہ فلسفہ طرازیوں سے کام لیتے ہو - والعیاذ باللہ العظیم - ورنہ معبودِ برحق صرف اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی کا حق ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - اس کے سوا کسی اور کو اس کا شریک جاننا اور اس کو معبود قرار دینا نرا جھوٹ اور اللہ پر افتراء ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ کذب وافتراء کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۱۱۸ منکروں کو عقل سے کام لینے کی دعوت وتحریک: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ہود نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اے میری قوم میں تم لوگوں سے اس کام پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ بلکہ میں خالص اللہ کی رضا کے لیے اور تمہاری بھلائی کی خاطر تم کو یہ دعوت دے رہا ہوں۔ سو میں دعوتِ حق پر تم لوگوں سے کسی اجر ومعاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتا کہ تمہیں مجھ پر یہ الزام لگانے کا موقع مل سکے کہ یہ شخص تو محض اپنے مفاد کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ اور ﴿ اَجْرًا ﴾ میں نکرہ تحت النفی واقع ہونے کے باعث مفیدِ عموم ہے۔ یعنی میں کسی بھی قسم کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا۔ نہ ووٹ، نہ نوٹ، نہ صلہ نہ ستائش وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ جو بھی کچھ کہتا اور کرتا ہوں وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور تمہارے فائدے کی خاطر کرتا ہوں کہ اس میں خود تم ہی لوگوں کا بھلا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سو پیغمبر کی دعوت مخلصانہ اور خالصتاً لوجہ اللہ ہوتی ہے - علیہم الصلوٰۃ والسلام - اس کو اپنانے میں بندوں ہی کا بھلا ہوتا ہے اور اس سے منہ موڑنے میں خود انہی کا نقصان - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۱۹ اپنے رب سے بخشش مانگنے کی تعلیم وتلقین: - سو حضرت ہود نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ بخشش مانگو اپنے رب سے۔ اپنے گزشتہ جرائم کی۔ ایمان لا کر کہ وہ بڑا ہی بخشنہار ہے۔ سچی توبہ پر وہ سب ہی گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں کہ اسکی رحمت وعنایت کا کوئی کنارہ نہیں۔ سو نجات کی راہ یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں اور خطاؤں کی اپنے رب سے معافی مانگے اور سچے دل سے مانگے اور نبی اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا کہ جس نے استغفار کو لازم پکڑ لیا اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ مہیا فرمائے گا اور اس کو ہر غم سے

کشائش نصیب فرمائے گا اور اس کو روزی وہاں سے عطاء فرمائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہو گا۔ سو اپنے رب سے بخشش کی دعاء و درخواست میں خود بندے کا اپنا ہی بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید - بکل حال من الاحوال۔

۱۲۰ **رجوع الی اللہ کی تعلیم و تلقین:** -سو حضرت ہود نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرو تم لوگ آئندہ کے لئے ایمان و اطاعت کے ذریعے۔ سو تم لوگ رجوع اللہ ہی کی طرف کرو کہ یہ اس خالق و مالک کا اسکے بندوں پر حق ہے۔ اور اسی میں بندوں کا بھلا اور ان کا فائدہ ہے دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ اور طریقہ اس رجوع کا یہ ہے کہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسکی اطاعت کرو اور اسکی اولین شرط ایمان ہے۔ سچا پکا ایمان۔ اطاعت و بندگی والا ایمان۔ سو توبہ اور رجوع الی اللہ کے ذریعے بندہ اسی صراطِ مستقیم اور راہِ حق پر واپس آجاتا ہے جو اس کے خالق و مالک نے اس کے لیے مقرر فرمائی ہے اور جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار اور بہرہ ور کرنے والی راہ ہے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ اس کی خاص عنایات سے بہرہ مند و سرفراز ہوتا جاتا ہے اور اس کو بہتر سے بہتر کی طرف بڑھنے اور ترقی کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہتی ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل - جل جلالہ وعم نوالہ

۱۲۱ **رجوع الی اللہ باعثِ خیرات و برکات:** -سو حضرت ہود نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اس پر اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو خوب خوب بارشوں سے نوازے گا۔ جس سے تمہاری قحط سالی دور ہو جائے گی اور تمہارے لئے زمین سے طرح طرح کی فصلیں اور پیداواریں اگیں گی، جن سے تم لوگ طرح طرح سے مستفید و فیضیاب ہو گے اور تمہارے اندر خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہو گا۔ سو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی اور اس کی طرف رجوع و انابت اور اس کے دینِ حق کو صدقِ دل سے اپنانے سے آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی اس خالق و مالک کی طرف سے طرح طرح کی رحمتوں اور برکتوں سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے اور تجربہ اس کا شاہدِ عدل ہے - فللہ الحمد ربّ العالمین -

۱۲۲ **رجوع الی اللہ قوت میں اضافے کا ذریعہ:** -سو حضرتِ ہود نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اس سے تمہاری جسمانی قوت و طاقت میں اضافے کے ساتھ ساتھ تمہاری اولاد و نسل میں بھی اضافہ ہو گا۔ سو توبہ و استغفار اور حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی بارگہِ اقدس واعلیٰ کی طرف صدقِ دل سے انابت و رجوع، شاہ کلید ہے دارین کی سعادت و سرخروئی کی - جیسا کہ حضرت نبی معصوم -علیہ الصلوٰۃ والسلام- نے ارشاد فرمایا کہ جس نے استغفار کو لازم پکڑا، اللہ پاک اس کو ہر غم سے آزادی اور ہر تنگی سے کشائش نصیب فرمائے گا۔ اور اس کو روزی وہاں سے عطا فرمائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہو گا ''مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّمِنْ ضِيْقٍ مَّخْرَجًا وَّرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ - فَارْزُقْنَا اللّٰهُمَّ التَّوْفِيْقَ لِذٰلِكَ وَالثَّبَاتَ عَلَيْهِ حَتّٰى نَلْقَاكَ وَاَنْتَ رَاضٍ عَنَّا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ - بہرکیف توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ طرح طرح کی خیرات و برکات سے سرفرازی کا ذریعہ اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی اور قوت پر قوت کا ذریعہ و وسیلہ ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل - سبحانہ وتعالیٰ

مُجْرِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا یٰھُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ

پھر و تم لوگ (اس پیغام حق سے) مجرم بن کر و۱۲۳ ان لوگوں نے جواب دیا اے ھود، تم ہمارے پاس کوئی معجزہ لے کر نہیں

بِتَارِكِیْٓ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۳﴾

آئے اور ہم محض تمہارے کہنے پر چھوڑنے والے نہیں ہیں اپنے معبودوں کو، اور نہ ہی ہم تمہاری بات ماننے والے ہیں و۱۲۴

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِھَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم پر مار پڑ گئی ہے ہمارے معبودوں میں سے کسی کی، و۱۲۵

قَالَ اِنِّیْٓ اُشْھِدُ اللّٰهَ وَاشْھَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا

ہود نے فرمایا میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور خود تم سب بھی گواہ رہو کہ میں ان تمام چیزوں سے قطعی

۱۲۳ دین حق سے منہ موڑنا سب سے بڑا جرم- والعیاذ باللہ: -سو حضرت ہود نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ مت پھرو مجرم بن کر کہ اپنے خالق و مالک کے حکم وارشاد سے منہ موڑنا اور باغی و سرکش بن کر رہنا سب سے بڑا فساد اور سنگین جرم ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ- اللہ ہمیشہ اور ہر طرح کے جرم سے محفوظ رکھے -اَللّٰھُمَّ فَخُذْ بِنَوَاصِیْنَآ اِلٰی مَا فِیْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِیْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیَاةِ- سو اللہ کے دین سے منہ موڑنا اور اس کے احکام کو توڑنا فساد فی الارض سب سے بڑا جرم ہے اگرچہ ایسے لوگ اپنے آپ کو بہت کچھ کہتے اور سمجھتے ہوں۔ کیونکہ فساد ضد ہے صلاح و اصلاح کی۔ اور وہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہر چیز کو اسکے اصل موقع ومحل میں نہ رکھا جائے جو اس کیلئے طبعی اور فطری طور پر مقرر ہے۔ اور کسی چیز کا اصل موقع ومحل کیا ہے؟ یہ ایسا سوال ہے کہ اس کا صحیح جواب حضرتِ خالق و مالک- جل مجدہٗ- کے سوا اور کوئی دے ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کس چیز کو اس نے کس غرض ومقصد کیلئے پیدا فرمایا ہے اور اس کا اصل اور حقیقی موقع ومحل کیا ہے۔ اسکے سوا دوسرا کوئی اس بارے صحیح طور پر کچھ کہہ سکتا ہی نہیں جبکہ ابنائے دنیا اشیائے دنیا کے ظاہری اور مادی پہلو ہی کے اعتبار سے کچھ جان سکتے ہیں۔ اور وہ بھی ایک خاص حد تک اور بس۔ اس سے آگے وہ کچھ نہیں جان سکتے۔ نہ کسی چیز کی اصل اور حقیقت کے بارے میں اور نہ ہی اسکے نتیجہ وانجام کے بارے میں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ سو دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنائے بغیر اصلاحِ احوال ممکن ہی نہیں۔ اور اس کا نتیجہ وانجام فساد اور بگاڑ ہے جیسا کہ ہمیشہ ہوتا رہا اور آج تک برابر ہو رہا ہے۔ اور اسکے مظاہر اور نمونے یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے نظر آرہے ہیں- والعیاذ باللہ- سو معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو معبود ماننا یا اس کی اطاعت و بندگی سے اعراض وروگردانی برتنا سراسر فساد اور ہلاکت وتباہی ہے جیسا کہ

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء: ۲۲) - والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۴ قومِ عاد کے عناد و انکار اور ان کی ہٹ دھرمی کا نمونہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے حضرت ہود سے کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی معجزہ لے کر نہیں آئے۔ اور ہم لوگ محض تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہی ہم تمہاری بات ماننے والے ہیں۔ یعنی ان سب کی فرمائش کے مطابق کوئی ایسا معجزہ جسکی بناء پر ہم ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں۔ سو یہ ان کی ضد و ہٹ دھرمی اور اعجوبہ پرستی کا ایک مظہر ہے اور یہی چیز آج تک دنیا میں موجود ہے۔ اہلِ حق کی طرف سے اہلِ باطل کے سامنے کتنے ہی دلائلِ قاطعہ اور براہینِ ساطعہ پیش کر دئے جائیں، مگر جنہوں نے نہیں ماننا ہوتا وہ مان کر نہیں دیتے۔ اور وہ طرح طرح کی کج بحثیوں سے کام لیتے ہیں۔ اور اس کے برعکس اگر کوئی ننگ دھڑنگ ملنگ، مدہوش یا نیم بے ہوش شخص مل جائے تو کتنے ہی ایسے ہوتے ہیں جو فوراً اسکے آگے جھک جاتے ہیں اور پھر اس کی کرامتوں کے مصنوعی قصے بیان کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کو چھوتے، مس کرتے، ہاتھ پھیرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ اس کی رال چاٹتے ہیں - والعیاذ باللہ جل وعلا - لیکن قرآن وسنت کی صاف و صریح تعلیماتِ مقدسہ اور نصوصِ قیمہ نہ ان کے جی کو لگتی ہیں اور نہ ان کے دل ودماغ میں اترتی ہیں۔ اور نہ ہی ایسے لوگ ادھر کوئی توجہ ہی دیتے ہیں - الا ماشاء اللہ - حالانکہ بزرگی و ولایت اصل میں نام ہی ایمان وتقوٰی کا ہے۔ جتنا انسان ان دونوں وصفوں میں ترقی کرتا جائے گا، اتنا ہی وہ درجات ومراتبِ ولایت میں آگے بڑھتا جائے گا۔ جیسا کہ سورۂ یونس کی آیت نمبر ۶۲ تا نمبر ۶۴ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اور جیسا کہ اسوۂ رسولِ کریم - صلی اللہ علیہ وسلم - اور حیاتِ صحابہ و تابعین سے ثابت و واضح ہے۔ بہر کیف ہود کی قوم کے ان بدبخت لوگوں نے حضرتِ ہود سے اپنی کجی فطرت اور زیغ و ضلال طبیعت کی بناء پر یہی کہا کہ چونکہ آپ ہمارے پاس ہماری فرمائش کے مطابق کوئی معجزہ نہیں لائے اس لیے ہم نہ آپ پر ایمان لانے والے ہیں اور نہ ہی آپ کے کہنے کے مطابق اپنے خودساختہ معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے ضد وعناد اور ہٹ دھرمی کا کہ اس سے انسان نورِ حق وہدایت کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۵ شرک اور مشرک کا ایک خاصہ غیر اللہ سے ڈرنا اور ڈرانا: - سو ان لوگوں نے حضرتِ ہود کی اس دعوتِ حق کے جواب میں کہا کہ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی جو تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ سو شرک اور مشرک کا یہی خاصہ ہے کہ وہ ہمیشہ غیر اللہ سے ڈرتا اور ڈراتا رہتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اہلِ حق کے مقابلے میں کلمہ گو مشرکوں کا آج بھی یہی حال ہے کہ وہ سادہ لوح لوگوں کو اس طرح کے ڈراوے آج بھی دیتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے گیارہویں نہیں دی اس لئے اس کی بھینس مر گئی۔ فلاں شخص کو فلاں قبر والے نے یہ نقصان پہنچا دیا۔ فلاں کو گیارہویں والے پیر نے مار دیا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ زندگی وموت دونوں قرآن و سنت کی تصریحات کے مطابق اللہ پاک ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہیں اور اسی کی صفت وشان ہے کہ جس کو چاہے زندگی بخشے اور جس کو چاہے موت سے ہمکنار کر دے - سبحانہٗ وتعالیٰ - مگر اسکے باوجود ایسے جاہلوں کا کہنا یہ ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں شخص کو یا فلاں چیز کو مار دیا۔ یا فلاں مرے ہوئے کو زندہ کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ اب ہر عقلمند سوچے کہ آج کے اِس شرک اور کل کے اُس شرک میں آخر کیا فرق ہے؟ جو مشرکین عرب کرتے تھے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا

طور پر بری اور بیزار ہوں جن کو تم لوگ شریک ٹھہراتے ہو (اس وحدہٗ لاشریک کا) ۱۲۶ اس کے سوا، پس تم سب مل کر مجھ پر اپنا

تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ

داؤ چلا لو، اور مجھے ذرہ بھی مہلت مت دو ۱۲۷ میں نے تو اس اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو رب ہے میرا بھی اور تمہارا بھی ۱۲۸

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ

کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو بے شک میرا رب سیدھے راستے پر (چلنے سے ہی مل

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٦﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ

سکتا) ہے ۱۲۹ پھر بھی اگر تم لوگوں نے منہ پھیرے ہی رکھا تو (میں بری ہوں، کیونکہ) میں نے پوری طرح پہنچا دیا تم

۱۲۶ مشرکوں سے اظہارِ براءت و بیزاری:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ہود نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم لوگ بھی اس بات کے گواہ رہو کہ میں ان تمام چیزوں سے قطعی طور پر بری اور بیزار ہوں جن کو تم لوگ شریک ٹھہراتے ہو اللہ وحدہٗ لاشریک کا۔ یعنی تم لوگوں نے اگر حق کو نہ ماننے کا تہیہ کر لیا ہے اور تم اپنے کفر و باطل پر اڑ گئے ہو تو تمہاری مرضی۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ میرا راستہ بہرحال تم سے الگ ہے اور میں تم سے اور تمہارے اِس کفر و شرک سے قطعی طور پر بری و بیزار اور الگ ہوں۔ ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾- سو یہ اہلِ حق کی طرف سے اہلِ باطل کو آخری جواب ہے کہ اگر تم لوگ نہیں مانتے تو تمہارا راستہ الگ میرا الگ کہ جب تم نے ماننا ہی نہیں تو پھر تم سے بات کرنے کا اور تم کو منہ لگانے کا فائدہ ہی کیا؟ -والعیاذ باللہ جل و علا- بہرکیف جب حضرتِ ہود کی قوم کے ان متکبر منکروں نے آنجناب کو یہ جواب دیا اور اپنے خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں کی تاثیر کا ذکر کیا تو آپ کی غیرتِ توحید بھڑک اٹھی اور آپ نے ان کی بات کاٹ کر ان لوگوں کو قوتِ ایمانی سے بھرپور و لبریز یہ جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اِن تمام چیزوں سے قطعی طور پر بری اور بیزار ہوں جن کو تم لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ سو اب یہ میرا کچھ بگاڑ کر دکھائیں۔ جب ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں تو پھر تم ان کو خدا کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو۔

۱۲۷ قوتِ ایمان ویقین کا ایک مظہر و نمونہ:- کہ حضرتِ ہود نے ان تمام لوگوں سے کہا کہ اب تم لوگ سب مل کر مجھ پر اپنا داؤ چلا لو اور مجھے ذرا برابر کوئی مہلت مت دو- سبحان اللہ- عقیدۂ توحید انسان کو کس قدر یقین و اِعتماد اور طاقت و قوت سے سرشار کر دیتا ہے کہ اس کی قوت کی بناء پر ایک بندۂ خدا تنِ تنہا کس

طرح کفر و باطل کی سب قوتوں کو اسطرح اس درجہ عزیمت و اطمینان سے للکارتا اور چیلنج کرتا ہے کہ تم لوگ جو چاہو میرے خلاف کرلو۔ مجھے اسکی کوئی پرواہ نہیں۔ جبکہ ایمان و یقین کی قوت سے محرومی کی صورت میں انسان ہر چیز سے، یہاں تک کہ فرضی اور وہمی چیزوں سے بھی ڈرتا ہے۔ اور اسکے لئے وہ طرح طرح کے فرضی اور وہمی حیلے وسیلے اپناتا اور جگہ جگہ جھکتا اور جھک مارتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ ہمارے ایمان و یقین کو اور قوت بخشے۔ آمین ثم آمین۔ بہر کیف حضرتِ ہود نے پورے جذبہ و جوش اور غیرتِ ایمانی کے ساتھ للکارتے ہوئے ان لوگوں سے کہا کہ میں تم لوگوں سے اور تمہارے اس شرک سے قطعی طور پر بری اور بیزار ہوں جن کو تم اختیار کیے ہوئے ہو۔ سو اب تم اور تمہارے یہ معبود سب مل کر میرے خلاف جو داؤ چلانا چاہتے ہو چلا لو اور مجھے ذرہ برابر کوئی مہلت مت دو۔ تم لوگ اپنے ترکش کے آخری تیر تک چلا لو تاکہ تمہارے دل میں کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے۔ سو یہ شان ہوتی ہے قوت ایمان و یقین کی۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

۱۲۸ بندۂ مومن کی قوت کا اصل راز اعتماد علی اللہ: سو حضرتِ ہود نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے جو کہ رب ہے میرا بھی اور تمہارا بھی۔ یہ ہے بندۂ مومن کی قوت کا اصل راز کہ اس کا بھروسہ و اعتماد ایک اللہ وحدہٗ لاشریک پر ہوتا ہے جو کہ اِس ساری کائنات کا خالق و مالک اور کارساز و مشکل کشا ہے۔ اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اور اس طرح بندۂ مومن صرف ایک ہی در کا سوالی ہوتا ہے۔ یعنی وہ ہرجائی نہیں یکجائی ہوتا ہے۔ اور یکجائی ہونے کے اسی ایک وصف نے اس کو اس قدر قوت بخش دی ہوتی ہے اور اسکے باطن کو اتنا قوی اور مضبوط کر دیا ہوتا ہے کہ اسکو پھر کسی کی کوئی پرواہ باقی نہیں رہتی۔ اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ اور نفس شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۱۲۹ ہر چیز کی باگ ڈور اللہ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ہود نے ان لوگوں سے کہا کہ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی میرے رب کے ہاتھ میں نہ ہو۔ وہ اس کو جدھر چاہے موڑ دے۔ سو ہر چیز کا نفع و نقصان سب کچھ اُسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے کہ ہر جاندار کی چوٹی اسی وحدہ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔ پس بھروسہ و اعتماد کے لائق وہی اور صرف وہی ہے کہ یہ شانِ قدرت اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی بھی نہیں ہوسکتی۔ اور جب ہر جاندار کی چوٹی اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے تو پھر نفع و نقصان کا مالک اس کے سوا اور کون ہوسکتا ہے؟ اور کس طرح اور کیونکر ہوسکتا ہے؟ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور جب ہر جاندار کی پیشانی اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے تو وہی جس کو چاہے جدھر موڑ دے۔ جہاں تک چاہے اسکو ڈھیل دے۔ اور جب اور جہاں چاہے اسکو روک دے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ پس بھروسہ و اعتماد کے لائق اسی وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ ہے۔ جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید و علیٰ ما یحب و یرید و ہو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ ؕ وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ

لوگوں کو وہ پیغام جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تمہاری طرف ف۱۳۰ اور میرا رب لا بسائے گا تمہاری جگہ کسی اور قوم کو ف۱۳۱

وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾

اور تم لوگ اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، ف۱۳۲ بلاشبہ میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے، ف۱۳۳

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

اور (آخر کار) جب آ پہنچا ہمارا حکم تو ہم نے بچا لیا ہود کو، اور ان سب لوگوں کو جو ایمان لائے تھے، آپ کے ساتھ

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾

اپنی خاص رحمت سے، اور بچا لیا ہم نے ان سب کو ایک بڑے ہی سخت عذاب سے ف۱۳۴

۱۳۰ پیغمبر کا اصل کام تبلیغ حق ہے اور بس: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ہود نے ان لوگوں سے مزید کہا کہ اگر تم لوگوں نے اس کے بعد بھی منہ پھیرے ہی رکھا تو [میں بری الذمہ ہوں کہ] میں نے پوری طرح پہنچا دیا تم لوگوں کو وہ پیغام جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ اور میرا کام ہے پیغامِ حق پہنچا دینا کہ تم سب لوگ بندگی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی کیا کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک مت ٹھہراؤ کہ معبودِ برحق بہرحال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور یہ پیغام میں تم لوگوں کو پہنچا چکا - والحمد للہ - آگے رہ گیا اس کو تم سے منوا لینا اور تم کو راہِ حق پر ڈال دینا۔ سو یہ نہ تو میرا منصب ہے اور نہ ہی یہ میرے بس اور اختیار میں ہے۔ بہرکیف پیغمبر کا کام تبلیغِ حق اور اس کا پیغام توحیدِ خداوندی کی دعوت ہے کہ توحیدِ خداوندی تمام دین کا خلاصہ و نچوڑ اور اصل و اساس ہے۔ اس لیے ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اسی کی دعوت دی ہے۔ سو حضرتِ ہود نے ان لوگوں سے براءت و بیزاری کا اِظہار و اِعلان کرتے ہوئے اور ان کے مزاعمِ فاسدہ اور عقائد کاسدہ پر ضرب لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یقیناً میرا رب اس سیدھے راستے پر ہے جو عقل و فکر کا راستہ ہے۔ اس لیے اس تک پہنچنے کے لیے پرپیچ راستوں سے گزرنے اور تمہارے خود ساختہ شرکیہ وسیلوں اور واسطوں کو اپنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری عقل و فطرت کا اس سے براہِ راست رابطہ ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے میرے لیے یہ بات کافی ہے کہ میں صدقِ دل سے اسکی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ اگر میں اسکی طرف متوجہ ہو جاؤں تو وہ بالکل سیدھی راہ پر میرے سامنے ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید -

۱۳۱ اللہ کا دین کسی کا محتاج نہیں: - سو حضرت ہود نے ان لوگوں سے مزید کہا کہ اگر تم لوگ راہِ حق وہدایت سے منہ موڑے ہی رہے تو وہ تمہاری جگہ کسی ایسی قوم کو لے آئے گا جو اس کی مطیع اور فرمانبردار ہوگی۔ مگر یاد رکھو کہ ایسے میں تم لوگوں کو اپنے آخری انجام سے دوچار ہونا ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو اللہ کا دین کسی کا محتاج نہیں۔ اگر کسی کو اسکی خدمت کی توفیق وسعادت

ملتی ہے تو وہ اس کو اپنی خوش بختی اور سعادت سمجھے۔ وباللہ التوفیق جل وعلا شانہ۔ سو حضرتِ ہود نے ان کو آخری تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنے اِعراض و اِنکار سے باز نہ آئے تو اسکے نتائج کی ذمہ داری خود تم ہی لوگوں پر ہوگی اور اس کا بھگتان خود تم ہی لوگوں کو بھگتنا ہوگا۔ پس تم لوگ اس دین حق کو اپناؤ تو تمہارا اپنا بھلا ورنہ خود تمہارا ہی نقصان۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۱۲ حق سے روگردانی کا نقصان خود منکروں کو۔ والعیاذُ باللہ: سو حضرت ہود نے ان سے فرمایا کہ میرا رب لا بسائے گا تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ بلکہ یہ خود تمہاری اپنی ہی ہلاکت وتباہی کا باعث ہے کہ نورِ حق سے منہ موڑنا خود اپنی ہی ہلاکت کا سامان کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ورنہ اس کا تم کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اپنے اس کفر و اِنکار اور اِعراض وہٹ دھرمی سے۔ بلکہ اس سے تم لوگ صرف اپنا ہی نقصان کرو گے کہ وہ بہرحال ہر کسی سے اور ہر طرح سے غنی وبے نیاز ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ البتہ اپنے اس کفر و اِنکار اور شرک و اِعراض کی بناء پر تم لوگ اپنا نقصان ضرور کرو گے کہ اس طرح تم نورِ حق و ہدایت سے محروم ہوکر ہمیشہ کیلئے طرح طرح کے اندھیروں میں ڈوب کر رہو گے اور بالآخر ہلاکت وتباہی کے دائمی گڑھے میں گر کر رہو گے جو کہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے۔ جس سے نکلنے کی بھی پھر کوئی صورت تمہارے لیے ممکن نہیں رہے گی۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف اعراض و اِنکار میں خود تمہارا اپنا ہی نقصان ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ (الزمر:۷)

۱۱۳ رب کی نگہبانی کی تذکیر و یاددہانی: سو حضرت ہود نے ان سے فرمایا اور حرفِ تاکید کے ساتھ فرمایا گیا کہ بلاشبہ میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اس لئے وہ سب سے وہی معاملہ کرتا ہے جو ان کے عین لائق ہوتا ہے کہ اہلِ حق کو وہ سرخرو فرماتا ہے اور اہلِ باطل کو بالآخر ہلاکت وتباہی کے اس گڑھے میں ڈال دیتا ہے جس کا مستحق انہوں نے اپنے آپ کو بنا لیا ہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ تاکہ اس طرح ہر حق والے کو اس کا حق ملے اور اسکے نتیجے میں عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں۔ سو تم لوگ کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ تمہارے اجڑ جانے سے خدا کی دنیا اجڑ جائے گی۔ تمہارے فنا ہو جانے سے اس دنیا کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ ہر چیز پر نگران اور اس کا محافظ ہے۔ جو چیز بگڑ جاتی ہے اسکو ہٹا کر اسکی جگہ نئی چیز لا دیتا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ دنیا بنا کر اس سے کہیں لاتعلق ہو گیا ہے۔ بلکہ وہ برابر اسکی نگرانی فرما رہا ہے۔ سو اگر کوئی قوم حدود سے تجاوز کرتی ہے تو اس کو ایک خاص حد تک مہلت دینے کے بعد وہ اسکو درست بھی کر لیتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۱۴ پیغمبروں کا نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرِ کار جب آ پہنچا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دے دی ہود کو اور ان سب لوگوں کو بھی جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے۔ اور بچا لیا ہم نے ان سب کو بڑے سخت عذاب سے۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ بچانا اور نجات دینا ہمارا ہی کام ہے۔ پس عذاب آنے پر ہم ہی نے بچا لیا ہود کو اور دوسرے سب ایمان والوں کو کہ بچانا اور نجات دینا ہمارا ہی کام ہے۔ کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کے ہم ہی ہیں۔ انبیائے کرام تک بھی ہمارے ہی محتاج ہیں۔ پس ہمارے سوا کسی اور کو حاجت روا ومشکل کشا سمجھنا شرک ہوگا۔ مگر افسوس کہ آج کا جاہل مسلمان اس شرک میں بری طرح سے ملوث ومبتلا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ یہاں پر قوم عاد پر آنے والے عذاب کو ''امر'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا۔ کیونکہ کسی قوم کو عذاب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کوئی تیاری نہیں کرنا پڑتی بلکہ صرف حکم دینا ہوتا ہے اور بس۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

اور یہ عاد ہیں جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ، اور انہوں نے نافرمانی کی ۱۳۵ اس کے رسولوں کی ۱۳۶

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ

اور پیچھے لگے رہے وہ ہر بڑے ظالم ہٹ دھرم کے، ۱۳۷ اور (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ان کے پیچھے لگا دی گئی لعنت

الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا

اس دنیا میں بھی، اور قیامت کے روز بھی سن لو! عاد نے کفر کیا اپنے

رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝ وَاِلٰى ثَمُوْدَ

رب کے ساتھ، پھر سن لو! کہ عاد کو جو کہ ہود کی قوم تھی بہت دور پھینک دیا گیا اللہ تعالی کی رحمت سے ۱۳۸ اور (اسی طرح ہم نے

۱۳۵ قومِ عاد اور ان کے جرائم کا ذکر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہیں عاد جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ اور انہوں نے نافرمانی کی اس کے رسولوں کی ۔سو اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی طرف اس کی شہرت کی بناء پر ایسے اسمائے اشارات سے اشارہ کرنا درست اور بلاغتِ کلام کا ایک معروف اسلوب ہے جو اشارۂ قریب کے لئے موضوع ہوتے ہیں، اگرچہ وہ مشار الیہ وہاں موجود نہ ہو۔ پس اہلِ بدعت جو منکر ونکیر کے سوالِ قبر کے سلسلہ میں "ماذا تقول فی ھٰذا الرجل" الخ سے اپنے شرکیہ عقائد پر استدلال کرتے ہیں وہ سراسر باطل ومردود ہے۔ ورنہ ان لوگوں کو قومِ عاد کے بارے میں بھی ایسے ہی شرکیہ عقائد رکھنے پڑیں گے کہ یہاں بھی اسم اشارۂ قریب ہی کا استعمال ہوا ہے۔ تو اس بارے یہ لوگ کیا کہیں گے؟ بہرکیف عاد کی اس بدبخت قوم کی طرف اشارہ کر کے دورِ حاضر کے منکروں کو درسِ عبرت دیا جا رہا ہے کہ تم ان منکروں کے انجام سے سبق لو کہ ان لوگوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی تو ایسے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ سو یہی انجام ہوتا ہے ان لوگوں کا جو اپنے رب کی آیتوں کا انکار اور اسکے رسولوں کی تکذیب اور نافرمانی کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۳۶ تکذیبِ رسول کے جرم کی سنگینی: ۔سو قومِ عاد کے باب میں ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے تکذیب کی اللہ کے رسولوں کی ۔سو اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک رسول کی تکذیب اور اس کی نافرمانی دراصل سب ہی انبیائے کرام کی تکذیب و نافرمانی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان سب حضرات کی دعوت اور ان کا مشن ایک ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے یہاں پر قومِ عاد کو سب رسولوں کی تکذیب کا مجرم قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ ان کی طرف بعثت صرف حضرتِ ہود کی ہوئی تھی اور انہوں نے تکذیب بھی انہی کی کی تھی۔ نیز اس قصہ سے یہ بھی عیاں اور واضح ہو گیا کہ حضراتِ انبیائے کرام ۔علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور ان کے لائے ہوئے دینِ حق کی تکذیب کا آخری انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ اور ان پر

ایمان و یقین اور ان کی اطاعت و اِتباع باعثِ نجات اور ذریعۂ فوز و فلاح ہے کہ نبی کے ذریعے انسان کو حق و ہدایت کی وہ روشنی ملتی ہے جس سے اس کیلئے سعادتِ دارین کی راہیں روشن ہوتی ہیں۔ ورنہ وہ اندھیروں ہی میں رہتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو جب حضرتِ ہود بھی وہی پیغام لے کر آئے تھے جو باقی انبیائے کرام لے کر آئے تھے تو ان کی تکذیب سب رسولوں کی تکذیب ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۳۷ ظالم ظالم کے پیروکار۔ والعیاذُ باللہ: ۔سو قومِ عاد کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے پیروی کی ہر بڑے ظالم ہٹ دھرم کی۔ سو یہ بھی سرکش انسان کی ایک طرح کی مشترکہ نفسیات رہی ہے جس کی نشاندہی کلام حکیم میں یہاں فرمائی جارہی ہے کہ انسانوں کی اکثریت عام طور پر ایسے ہی سرکش اور ہٹ دھرم عناصر کے پیچھے چلتی رہی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ جس کا تجربہ دورِ حاضر کے انتخابات میں عام طور پر ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے تاریخِ اسلام کے ایک جلیل القدر اور شعلہ نوا خطیب اور برِصغیر ہندو پاک کے عظیم سپوت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ نور اللہ مرقدہ۔ اپنی قوم کو خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ ڈنڈے کے آگے اور پیسے کے پیچھے بھاگنے والی قوم، تم لوگ تقریریں تو میری سنتے ہو۔ اور جھوم جھوم کر سنتے ہو۔ مگر ووٹ تم دوسروں کو اور میرے مخالفوں کو دیتے ہو۔ اور یہی حال تھا اس قوم کا پہلے بھی اور یہی اس کا حال ہے آج اور اب بھی۔ اِلَّا مَنْ حَفِظَهُ اللّٰهُ ۔ اور ظالم اور ہٹ دھرم لوگوں کے پیچھے چلنے کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی رہا۔ پہلے بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون و دستور سب کیلئے یکساں اور ہمیشہ ایک ہی رہا۔ پس پیروی ہمیشہ حق اور اہلِ حق ہی کی کرنی چاہیے اور اہل کفر و باطل سے اظہار براءت و بیزاری۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۱۳۸ قومِ عاد پر لعنت و پھٹکار۔ والعیاذُ باللہ: ۔سو قومِ عاد کے سنگین جرائم اور ان کے ہولناک انجام کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ پیچھے لگا دی گئی ان کے لعنت دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔ ان کے اپنے کفر و انکار اور تکذیبِ حق کے جرمِ عظیم کی بناء پر کہ حق سے دوری اور محرومی کے باعث یہ لوگ دارین میں حضرتِ حق ۔جلّ مجدہٗ۔ کی رحمت و عنایت سے محروم ہو کر ابدی ہلاکت و تباہی کے عمیق اور ہولناک گڑھے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گر گئے۔ جو کہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو تکذیب اور اِنکارِ حق کا جرم بڑا ہی سنگین اور ہولناک جرم ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے محروم کر کے ابدی ہلاکت اور ہولناک گڑھے میں ڈالتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف وہ بدبخت لوگ جب اللہ کے رسولوں کی تکذیب کر کے ایسے سرکشوں اور ہٹ دھرموں کے پیچھے لگ گئے تو اس ہولناک انجام کے مستحق بن گئے اور لعنت کا طوق ان کے گلے میں پڑ گیا اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے ہولناک خسارے میں مبتلا ہو گئے۔ سو انسان کے لیے اس دنیا میں راستے دو ہی ہیں۔ ایک خدائے رحمان کا اور دوسرا متمرد شیطان کا۔ انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ ان میں سے جونسا راستہ چاہے اختیار کرے۔ ان دونوں کے درمیان تیسرا راستہ کوئی نہیں کہ خدا بھی خوش رہے اور شیطان بھی ناراض نہ ہو۔ اور یہ بات بہرحال پیشِ نظر رکھنے کی ہے کہ ان دونوں میں سے پہلا راستہ دارین کی سعادت و سرخروئی کرنے والا راستہ ہے جبکہ دوسرا ہلاکت و تباہی کا راستہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

وقف لازم

اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

(بھیجا قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو، سوانہوں نے بھی یہی کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم بندگی کرو اللہ ہی کی،

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ

کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، ف۱۳۹ اسی نے پیدا فرمایا تم سب کو زمین سے ف۱۴۰ اور

اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ

تم کو بسایا اس میں، ف۱۴۱ پس تم بخشش مانگو اس سے (اپنے کفر و شرک وغیرہ کی) اور لوٹ

۱۳۹ **حضرتِ صالح کی بعثت اور انکی دعوت کا ذکر و بیان:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو رسول بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ اے میری قوم کے لوگو۔ تم بندگی کرو صرف اللہ ہی کی کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ سو اس سے عقیدۂ توحید کی خاص اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اسی کی دعوت دی۔ سو ہر پیغمبر کا اپنی قوم کے نام سب سے پہلا خطاب اور اولین پیغام اور سب سے اہم اور بنیادی پیغام یہی توحید خداوندی کا پیغام رہا۔ انہوں نے اپنی قوم کو اسی کی دعوت دی۔ سو اس سے عقیدۂ توحید کی اہمیت وعظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہر پیغمبر نے سب سے پہلے اسی کی دعوت دی۔ مگر افسوس کہ آج کا بدعتی ملاں اپنی جہالت اور اپنی اَغراضِ خبیثہ کے حصول کے لئے توحید کے اسی عقیدۂ صافیہ کو اوساخِ شرک سے ملوث کرنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتا اور اہلِ حق، اہلِ توحید کو بدنام کرنے اور ان کا راستہ روکنے کے لئے مختلف قسم کے شیطانی ہتھیار اپناتا اور طرح طرح کے پروپیگنڈے کرتا ہے- فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ - قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کب تک- جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا- بہرکیف حضرتِ صالح نے اپنی قوم کو سب سے پہلے یہی دعوت دی کہ تم سب لوگ ایک اللہ ہی کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ پس عبادت کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے- اس میں کوئی بھی اس کا نہ شریک وسہیم ہے نہ ہو سکتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- یہاں پر حضرتِ صالح کو بھی اپنی قوم کا بھائی فرمایا گیا ہے۔

۱۴۰ **نعمتِ خلق و وجود میں غور وفکر کی دعوت:** -سو حضرت صالح نے اپنی قوم کو نعمتِ خلق و وجود میں غور وفکر کی دعوت کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اسی نے پیدا فرمایا تم سب کو زمین سے۔ ایک تو اس طرح کہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ اور دوسرے اس طرح کہ تمہاری تخلیق اس مادۂ منویہ سے ہوتی ہے جو بنتا ہے خون سے۔ جو ست اور خلاصہ ہوتا ہے خوراک کا۔ اور وہ حاصل ہوتی ہے زمین سے۔ تو اس طرح بالواسطہ طور پر تمہاری پیدائش زمین ہی سے ہوئی - سبحان اللہ- ذرا غور تو کرو کہ کس عجیب وغریب اور پُرحکمت نظام کے تحت وہ قادرِ مطلق تمہاری تخلیق فرماتا ہے اور تم کو کہاں سے کہاں پہنچاتا اور کیا سے کیا بناتا ہے۔ پھر بھی اس عزیز ورحیم ربِّ قدیر- جل و

علا- کے پیغامِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر تم اس کے مبعوث فرمودہ انبیاء ورسل کی تکذیب کرتے ہو؟ سو ذرا سوچو کہ ھوٰی وھوس کی اس باغیانہ روش کو اپنانا کس قدر ظلم و بے انصافی ہے؟ اور اسکے باعث تم لوگ کہاں سے گر کر کہاں پہنچ رہے ہو۔ اور جب تمہاری تخلیق و اِنشاء کے ان تمام مراحل میں سے کسی بھی مرحلے میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ سو وہ ہر لحاظ سے یکتا اور وحدہٗ لاشریک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ دل و جان سے اپنے اس خالق ومالک کے آگے جھک جائے اور جھکا ہی رہے- یہی اس کے شانِ عبدیت وبندگی کے لائق اور اس کا تقاضا ہے۔ اور اسی میں اس کا بھلا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی-وَباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل-

۱۶۱ دنیاوی تعمیر وترقی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق وعنایت کا نتیجہ:-سو حضرتِ صالح نے ان لوگوں سے مزید فرمایا کہ اسی نے تم کو بسایا اور آباد کیا اس زمین میں اور تم لوگوں کو اس کی تعمیر وترقی میں لگا دیا۔ کہ تمہاری زیست کے لئے اس میں طرح طرح کے سامان اور اسباب و وسائل بھی تخلیق فرمائے اور تمہیں ان سے فائدہ اٹھانے کی بے شمار صلاحیتیں بھی بخشیں۔ تو جب پیدا کرنیوالا بھی وہی ہے اور زندگی گزارنے کے سامان بخشنے والا بھی وہی ہے تو پھر عبادت و بندگی اس کے سوا اور کسی کی کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟-﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾- پھر اسی سے تم لوگ ذرا یہ بھی سوچو کہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ کائنات میں پھیلی بکھری یہ نعمتیں تو تمہارے لیے ہوں اور تمہاری تخلیق بے مقصد وبیکار ہو۔ اور کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ تم سے ان گوناگوں نعمتوں کے بارے میں کبھی پوچھ نہ ہو۔ سو کائنات کی اس کھلی کتاب میں پھیلے بکھرے ان نشانہائے قدرت سے ایک طرف تو توحیدِ باری- عزّ اِسمہٗ- کے کھلے، واضح اور روشن دلائل ملتے ہیں اور دوسری طرف اس سے یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ انسان کے لیے اور انسان اپنے رب کی عبادت و بندگی کیلئے ہے۔ اور اسی سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ قیامت کے روز حساب بہرحال قائم ہونے والا ہے تاکہ انسان سے ان عظیم الشان اور جلیل القدر نعمتوں اور ان کی قدردانی کے بارے میں پوچھ ہو۔ اور حقِ نعمت ادا کرنے والوں کو جنت کی سدابہار نعمتوں سے نوازا جائے اور کفرانِ نعمت کا ارتکاب کرنے والوں کو دوزخ کے عذابِ الیم میں ڈالا جائے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں اور علیٰ وجہ التمام والکمال پورے ہوسکیں۔ سو کائنات کی اس عظیم الشان کھلی کتاب میں توحیدِ خداوندی، مقصدِ حیاتِ انسانی اور ضرورتِ قیامِ قیامت کے تینوں اہم اور بنیادی مسائل کیلئے کھلے دلائل و براہین موجود ہیں۔ مگر یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے ہے جو کھلی آنکھوں سے دیکھتے اور ٹھنڈے دلوں سے سوچتے اور غور کرتے ہیں- وباللہ التوفیق- ''اِسْتَعْمَرَ'' کا معنیٰ ہوتا ہے کہ کسی کو کسی کام کی اصلاح وتعمیر میں لگا دیا۔ سو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں کو جو دنیاوی تعمیر وترقی نصیب ہوئی ہے یہ بھی خداوند قدوس ہی کی رحمت وعنایت کا نتیجہ وثمرہ ہے کہ اسی نے تم لوگوں کو اس کا موقع بخشا اور تمہیں ان قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ جنکی بدولت تم لوگ یہ کارنامے انجام دینے کے قابل ہوئے ہو۔ سو اس پر اترانے اور تکبر کرنے کی بجائے تم لوگوں کو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ پس تم لوگ اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور سچے دل سے اس کی طرف رجوع کرو۔ کہ یہی طریقہ ہے سعادتِ دارین سے سرفرازی کا۔ وباللہ التوفیق۔

إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ

آؤ تم اس کی طرف (صدقِ دل سے ایمان لاکر) بے شک میرا رب بڑا قریب بھی ہے، اور قبول کرنے والا بھی ۱۴۲ اس کے جواب

فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ

میں ان لوگوں نے کہا اے صالح، تُو تو اس سے پہلے ہمارے درمیان امیدوں کا مرکز تھا ۱۴۳ کیا تم ہمیں ان چیزوں کی پوجا (و پرستش)

مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا

سے روکتے ہو جن کی پوجا (و پرستش) ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟ بے شک ہم اس دین کے بارے میں ایک بڑے خلجان انگیز

۱۴۲ اللہ کے حضور رسائی کے لیے خود ساختہ وسیلوں کی ضرورت نہیں: - سو قریب اور مجیب کی ان دو صفتوں سے ایک مشرکانہ فلسفہ اور شرکیہ مغالطے کی بیخ کنی فرما دی گئی - سبحان اللہ - اس ارشادِ ربانی سے اس شرکیہ مغالطے کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جو گزشتہ قوموں میں بھی رہا اور آج کے کلمہ گو مشرکوں میں بھی موجود ہے کہ دیکھو ناں جی، تم دنیا کے کسی بادشاہ کے پاس براہِ راست خود نہیں پہنچ سکتے۔ اور اگر پہنچ بھی جاؤ تو تمہاری وہاں پر کوئی شنوائی نہیں ہوتی جب تک کہ تم کوئی واسطہ اور وسیلہ نہ پکڑو۔ تو پھر اللہ تعالیٰ تک تم براہِ راست کیسے پہنچ سکتے ہو؟ لہٰذا ما بدولت کا یا فلاں سرکار کا واسطہ پکڑ لو۔ تب کام بنے گا، ورنہ نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جاہل مسلمان فوراً اس طرح کے مغالطوں میں گرفتار ہو کر جگہ جگہ جھکتا اور طرح طرح سے ذلیل ہوتا ہے۔ اور پھر فخریہ طور پر یہ کہتا ہے کہ ہم نے فلاں سرکار کا لڑ پکڑ لیا ہے۔ اب ہمیں کسی کی کیا پرواہ۔ ہمارے سارے کام سرکار خود ہی کر لیں گے۔ ہماری ان کے آگے اور ان کی اس کے آگے۔ وہ ہماری سنتا نہیں اور ان کی رد نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔ اور اس کے لئے ایسے لوگوں نے طرح طرح کی ''سرکاریں'' بھی ازخود گھڑ رکھی ہیں۔ ''کانواں والی سرکار''، ''بلیوں والی سرکار''، ''کتوں والی سرکار'' اور ''کمبل والی سرکار'' وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے ایسا بگڑا ہوا انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اس کو پکارنے کی بجائے اس کی عاجز مخلوق میں سے ہی کسی کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارتا ہے۔ اور وہ اعلانیہ کہتا ہے ''یا علی مدد''، ''یا غوث الاعظم دستگیر''، ''یا خواجہ اجمیری پار لگا دے کشتی میری'' اور ''یا بری کر دے کھوٹی کو کھری'' وغیرہ وغیرہ۔ اور اس طرح کے شیطانی مغالطوں اور مفروضہ قیاس آرائیوں کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ ان میں حضرتِ حق - جلَّ مجدہٗ - کو جو کہ خالقِ کل مالکِ مطلق اور ہر چیز پر قادر ہے، اس کو اس کی عاجز مخلوق پر قیاس کیا جاتا ہے جو کہ جڑ بنیاد ہے آگے کئی طرح کی خرابیوں اور مختلف قسم کے مفاسد کی۔ اسی لئے قرآنِ پاک میں ازخود اللہ پاک کے لئے مثالیں گھڑنے سے صاف اور صریح طور پر منع فرمایا گیا ہے کہ انسان جو بھی کوئی مثال پیش کرے گا وہ لامحالہ مخلوق ہی کی ہوگی کہ انسان جتنا بھی اونچا ہو وہ بہر حال مخلوق ہی ہے۔ جب کہ خدا تعالیٰ اس سے وراء الوارا ہے کہ وہ خالق ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - چنانچہ قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ

الْاَمْثَالَ ﴿ (النحل: ۷۴) ''پس تم لوگ از خود اللہ کے لئے مثالیں مت بیان کرو''۔ اور یہاں پر ''قریب'' اور ''مجیب'' کی دو صفتیں یکجا ذکر فرما کر ان شرکیہ عقیدوں و مغالطات کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی کہ حق تعالیٰ شانہ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس نہ کرو کہ وہ تو تمہارے قریب (اور شہ رگ سے بھی زیادہ قریب) ہے۔ اور وہ مجیب بھی ہے کہ ہر کسی کی سنتا اور قبول کرتا ہے بشرطیکہ عرض صحیح ہو اور صحیح طریقے سے پیش کی گئی ہو۔ جس کی تفصیل کتاب و سنت میں موجود ہے۔ اور الحمد للہ راقم آثم نے اس ضمن میں ''کتاب و سنت کی مقدس دعائیں'' کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے جو عرصہ سے چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہے۔ اس میں اللہ پاک کے فضل و کرم سے دعاء کے موضوع پر ایسی جامع اور عمدہ بحث کی گئی ہے کہ جو اردو زبان میں شاید ہی اس طرح کی کسی ایک کتاب میں اور اس جامعیت کے ساتھ موجود ہو۔ مَنْ شَآءَ فَلْيُرَاجِعْ اِلَيْهِ۔ بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں یہ درس دیا گیا ہے اور واضح طور پر اور دو ٹوک الفاظ میں دیا گیا ہے کہ نہ تو تمہارا رب کہیں دور ہے کہ اس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے تم کو واسطوں اور وسیلوں کی ضرورت پڑے اور نہ ہی وہ دنیاوی بادشاہوں کی طرح ہے کہ سفارشوں اور واسطوں کے بغیر کسی کی دعاء و درخواست سنے ہی نہ۔ بلکہ وہ ''قریب'' بھی ہے اور ''مجیب'' بھی۔ ہر کسی کی سنتا بھی ہے اور بلا واسطہ ہی سنتا ہے۔ اور قبول بھی فرماتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ پس اس کیلئے از خود واسطے اور وسیلے گھڑنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی یہ جائز ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ پس اس کو براہِ راست اور ویسے پکارو جیسا کہ اس کے دین نے سکھایا بتایا ہے۔

۱۴۳ ابنائے دنیا کی مادہ پرستانہ ذہنیت، اور راقم آثم کا خود اپنے متعلق ایک سبق آموز قصہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ قومِ ثمود کے سرداروں نے حضرتِ صالح سے کہا کہ تم تو اس سے پہلے ہماری امیدوں کا مرکز تھے کہ تم کل قوم کی لیڈر شپ سنبھالو گے اور ان کی سیادت و قیادت سے سرفراز ہوؤ گے اور ہمارے درمیان بڑا نام پیدا کرو گے۔ مگر تم نے یہ کیا کیا کہ ایک نئی بات کہہ کر اور ہمیں اپنے باپ دادا کے طریقوں سے ہٹانے کا پروگرام پیش کر کے ہماری ان ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ سو قرآنِ حکیم نے اس کوتاہ نظر انسان کی ایک ایسی نفسیات کی نشاندہی فرمائی ہے جو کہ اس میں ہمیشہ پائی گئی ہے۔ کل بھی تھی اور آج بھی ہے۔ اور اس کا مظاہرہ اپنی کامل شکل میں خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے بھی ہوا کہ بعثت اور اعلانِ نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کی دیانت و امانت اور صدق و صفا پر متفق اللسان تھے، اور آپ کو وہ ''صادق'' اور ''امین'' کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے، اعلانِ نبوت اور پیغامِ توحید سنانے کے بعد وہ سب کے سب آپ کے مخالف ہو گئے۔ اور انہوں نے آپ کو ساحر، مجنوں اور شاعر وغیرہ کیا کچھ نہیں کہا۔ اور کون کون سی تکلیف آپ کو نہیں پہنچائی۔ اور یہی حال آج کے ابنائے دنیا کا ہے کہ جو بھی ان کو مادیت اور مادہ پرستی سے متعلق سبز باغ دکھائے وہ ان کے یہاں بڑا لائق، قابل، ہونہار ''مَرْجُوًّا'' وغیرہ سب کچھ ہے۔ مگر جو ان کو دینداری اور خدا خوفی کی طرف بلائے اور قبر و آخرت اور اپنے دائمی انجام کی یاد دہانی کرائے وہ ان کے یہاں بیکار اور از کار رفتہ انسان ہے۔ پھر دین کے نام سے بھی ان کو جو کوئی من گھڑت قصے کہانیاں سنائے، من گھڑت افسانے بیان کرے، اور گا گا کر انہیں ڈوڑھے اور مرثیے سنائے، وہ ان کے یہاں ٹھیک اور قابلِ قبول اور لائقِ اعتناء ہوتا

ہے۔ اور اس کے لئے ان کا کہنا ہوتا ہے کہ یہ ٹھیک ہے۔ واہ کیا سریلی آواز اور کیسا عمدہ بیان ہے۔ اور کیا دل لگتی باتیں کہتا ہے۔ صلح کل، امن پسند اور سب کو خوش رکھنے والا انسان ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر کوئی قرآن وسنت کی نصوص سنائے اور مسئلۂ توحید بیان کرے، کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے لگے، حق و باطل کھول کر بیان کرنا چاہے تو اس کی بات کے خلاف چاروں طرف سے قسما قسم کی آوازیں اٹھنے لگتی ہیں اور طرح طرح کی بہتان بازیاں اور الزام تراشیاں شروع ہو جاتی ہیں کہ یہ ایسا اور ویسا ہے۔ نیا دین لے کر آ گیا۔ بزرگوں کو نہیں مانتا۔ ہمیں اپنے بڑوں اور بزرگوں کے طریقوں سے ہٹاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح جس کسی کی اولاد میں کچھ ذہین اور ہونہار بچے ہوں گے تو وہ ان کو سکولوں کالجوں میں بھیجے گا تاکہ وہ ڈاکٹر اور انجینئر وغیرہ بن کر کل دنیا کمانے کے قابل ہو سکیں۔ اور جو کوئی بچہ کان، آنکھ، ٹانگ، بازو وغیرہ کسی اعتبار سے ناقص اور کمزور و معذور قسم کا ہوگا، اس کو یہ کسی دینی مدرسہ کے حوالے کر دے گا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ خود راقم آثم کو اپنے بارے میں یاد ہے اور اچھی طرح یاد ہے کہ مارچ ۱۹۵۷ء میں جب راقم آثم نے مڈل سکول منگ (جو کہ اب کالج بن چکا ہے) سے بورڈ کے امتحان میں امتیازی پوزیشن میں مڈل پاس کرنے کے بعد انجمن تعلیم القرآن (موجود دار العلوم تعلیم القرآن) پلندری میں دینی تعلیم کے حصول کے لئے داخلہ لیا تو علاوہ کچھ اور لوگوں کے پونچھ کے ہی ایک گریجویٹ صاحب جو کہ مجھے سکول کے دنوں میں جانتے تھے اور میرے بڑے مداح تھے کہ یہ بہت ذہین اور قابل لڑکا ہے۔ تو وہ یہ سننے کے بعد کہ میں اب دینی مدرسہ میں داخل ہو گیا ہوں سخت افسردہ ہوئے۔ اور انہوں نے اس پر بلا اختیار ایک زوردار آہ بھری اور میرے اس فیصلہ اور اقدام پر انہوں نے سخت افسوس کا اظہار کیا۔ تو میں نے ان سے عرض کیا کہ کیوں صاحب! آپ نے جو اس قدر زوردار آہ بھری اور جو اتنا افسوس کیا تو آخر کیوں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں بھئی مولوی کا دنیا میں کیا مقام ہوتا ہے؟ اس پر میں نے اپنے جذبات اور اپنے اطمینان کے مطابق ان کو جو جواب دینا تھا وہ ان کو دیا مگر وہ اپنی اسی رائے پر قائم تھے۔ سو ان صاحب کو شاید یہ بات اب یاد بھی نہ ہو مگر مجھے آج کم و بیش چالیس سال بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گزرنے پر بھی ان کی وہ آہ اچھی طرح یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہے گی۔ مگر حال یہ ہے کہ ان گریجویٹ صاحب کو راقم آثم نے کچھ عرصہ قبل سٹیشنری کی ایک چھوٹی سی دوکان پر سکولوں کے لئے کاپیاں، پنسلیں وغیرہ بیچتے خود دیکھا۔ جبکہ یہ ناچیز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج دوبئی کی مختلف مساجد میں گزشتہ کوئی ستائیس سالوں سے بڑے بڑے حلقہ ہائے درس میں قرآنِ پاک کی تفسیر روزانہ بیان بھی کرتا ہے اور لکھ بھی رہا ہے۔ اور اسکے علاوہ بھی اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اس پورے خطے کے کسی بھی فرد کو آج تک نہیں ملا۔ یہ بندۂ ناچیز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کم و بیش تین درجن تک کتابیں بھی لکھ چکا ہے جو کہ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ہیں۔ جن میں سے اکثر چھپ کر ہزاروں کی تعداد میں اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک خدا ہی جانے کہاں کہاں پہنچ چکی ہیں اور اب یہ بندۂ ناچیز قرآنِ پاک کی تفسیر لکھ رہا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ۔ مگر اس سوچ کے لوگوں کو یہ بات سمجھائے کون اور کیسے؟ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ

شک میں مبتلا ہیں، جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ۱۴۴ صالح نے ان سے فرمایا اے میری قوم کے لوگو، ذرا سوچو تو سہی

عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَءَاتَىٰنِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن

کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں، اور (مزید یہ کہ) اس نے مجھے اپنی ایک خاص رحمت

يَنصُرُنِي مِنَ ٱللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُۥ فَمَا تَزِيدُونَنِي

سے بھی نوازا ہو ۱۴۵ تو پھر (تم ہی بتاؤ کہ) مجھے کون بچا سکے گا اللہ (کی گرفت و پکڑ) سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ پس

۱۴۴ انکارِ حق کا نتیجہ و اثر خلجان و اضطرابِ قلب - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے حضرت صالح سے کہا کہ کیا تم ہمیں ان چیزوں کی پوجا و پرستش سے روکتے ہو جن کی پوجا و پرستش ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ یقیناً ہم اس دین کے بارے میں ایک بڑے ہی خلجان انگیز شک میں مبتلا ہیں جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو۔ سو یہ بھی حق کی ایک خاصیت ہے کہ اس کا انکار کرنے کے بعد منکر لوگوں کو امن و سکون نصیب نہیں ہوسکتا بلکہ دلوں میں چبھنے والے شک و اضطراب کے کانٹے ان کو ہمیشہ بے چین رکھتے ہیں - وَالعِيَاذُ بِاللهِ العَظِيم - مگر ان کی بدنصیبی اور محرومی یہ ہوتی ہے کہ وہ نہ تو اپنی اس بے چینی کی اصل وجہ کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی حق کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ سو ایمان و یقین کی وہ دولت جو انسان کو قدرت کی طرف سے ملتی ہے، بڑی ہی عظیم الشان اور بے مثل دولت ہے، جو انسان کو اخروی زندگی میں جنت کی نعیم مقیم سے سرفراز کرنے سے پہلے اس دنیاوی زندگی میں بھی دولتِ امن و سکون اور اطمینانِ قلب سے نوازتی ہے - فالحمد للہ - سو "شک" کے ساتھ "مریب" کی صفت سے ان لوگوں کی اس صفت کو اور زیادہ اجاگر کر دیا کہ تمہاری اس دعوت سے ایک طرف تو ہماری امیدوں کو سخت دھچکا لگا کہ ہم نے تمہارے ساتھ کیا کیا امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں اور تم کیا نکلے اور کیا فتنہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سو اس چیز نے ہمیں مزید اضطراب اور الجھن میں ڈال دیا۔ سو حق و ہدایت سے محرومی کا نتیجہ قلق و اضطراب - والعیاذ باللہ جل وعلا -

۱۴۵ نبوت و رسالت ایک عظیم الشان اور جلیل القدر رحمت خداوندی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت صالح نے ان لوگوں کے دلوں پر دستک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ذرا سوچو اور غور کرو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت سے بھی نوازا ہو۔ یعنی اگر میں نورِ فطرت پر بھی قائم ہوں اور اس کے بعد بھی اللہ نے مجھے اپنی طرف سے ایک اور خاص رحمت سے بھی نوازا ہو یعنی نبوت سے۔ سو رحمت سے یہاں پر مراد نبوت و رسالت ہے جو اللہ پاک کی سب سے بڑی رحمت ہے۔ جس سے وہ اپنے خاص چنے ہوئے بندوں کو محض اپنے کرم و احسان اور اپنی عنایت و مہربانی سے نوازتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو نبوت سے سرفرازی محض حق تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور عطاء و بخشش سے ہوتی ہے نہ کہ کسی انسانی کسب و عمل سے - والحمد للہ - اور اگر "رحمۃ" میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی "ایک عظیم الشان رحمت" اور ظاہر ہے کہ نبوت اور رسالت سے بڑھ کر عظیم الشان رحمت اور کونسی ہو سکتی ہے جو کہ سعادتِ دارین کی سرفرازی کی راہنمائی کرتی ہے۔ بہرکیف حضرتِ صالح نے ان سے کہا کہ میں جو دعوت تم لوگوں کو دے رہا ہوں یہ میری فطرت کی آواز و پکار بھی ہے اور نورِ نبوت و رسالت کا تقاضا بھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان دونوں نوروں سے نوازا ہے اور مجھے نورٌ علیٰ نور کا مصداق بنایا ہے۔

غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ

تم لوگ تو میرے لئے خسارہ (اور نقصان) کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتے ف۱۲۶ اور ہاں اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے

اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

تمہارے لئے ایک بڑی نشانی کے طور پر، پس تم اسے چھوڑ دینا کہ یہ (آزادانہ) کھاتی (اور چرتی پھرتی) رہے اللہ کی

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا

زمین میں، اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا کہ پھر تمہیں آپکڑے قریب ہی کا ایک بڑا عذاب، مگر انہوں نے پھر بھی اس کے

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ

پاؤں کاٹ ڈالے، اس پر صالح نے ان سے کہا کہ اب تم لوگ رہ بس لو اپنے گھروں میں تین دن (اور بس،) یہ

وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

ایک ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں، پھر جب آپہنچا ہمارا حکم، تو ہم نے بچا لیا

۱۲۶ محال کا فرض کرنا جائز ہی نہیں بلکہ بلاغتِ کلام کا تقاضا ہے: سو حضرت صالح نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اس کے باوجود اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے اس کی گرفت و پکڑ سے کون بچا سکے گا؟ سو تم لوگ میرے لیے خسارے اور نقصان کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتے۔ یعنی بفرضِ محال اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں کہ نبی اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا کہ وہ معصوم اور اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے۔ اور اللہ پاک کے انتخاب میں غلطی ناممکن ہے۔ پس یہ کلام فرضِ محال کے طور پر ہے جو کہ بلاغتِ کلام کا ایک اہم اسلوب ہے اور ہر بلیغ کلام میں اس کے نمونے موجود ہوتے ہیں۔ پس اسی اسلوب پر مبنی بعض اکابر کی بعض عبارات پر جو کہ انہوں نے فرض کے طور پر لکھی ہیں اہلِ بدعت وغیرہ اہلِ زیغ کا اعتراض کرنا اور اس بناء فاسد پر ان اکابر کیخلاف آسمان سر پر اٹھا لینا ایسے بدعتی لوگوں کی اپنی جہالت اور عناد و ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ اور کھلا ثبوت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے شر و فساد سے ہمیشہ کیلئے اور ہر طرح سے محفوظ رکھے۔ بہرکیف حضرتِ صالح نے ان لوگوں سے کہا کہ جب مجھے میرے رب نے اس نورِ فطرت سے بھی نوازا ہے اور مزید برآں اپنی رحمت وعنایت سے تاجِ نبوت و رسالت سے بھی سرفراز فرمایا ہے تو اس کے باوجود اگر میں اسکی نافرمانی کروں اور اسکی تعلیم فرمودہ راہِ راست سے ہٹ کر کوئی اور راہ اختیار کروں تو مجھے خدا کی پکڑ سے آخر کون بچائے گا۔ سو اگر بالفرض میں یہ راہ چھوڑ کر تمہاری وہ توقعات پوری کرنے میں لگ جاؤں جو تم لوگوں نے مجھ سے وابستہ کر رکھی ہیں تو تم لوگ میرے لیے خسارے ہی کا سامان کرو گے اور مجھے خدا کی پکڑ سے نہ بچا سکو گے۔ یعنی ایسا کرنا نہ جائز ہے اور نہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔

صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ

صالح کو، اور ان سب کو جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ، اپنی خاص رحمت سے ۱۴۷ اور (محفوظ

خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾

رکھا ان کو اس عذاب اور) اس دن کی رسوائی سے، بے شک تمہارا رب ہی ہے قوت والا، سب پر غالب ۱۴۸

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

اور دھر لیا ان سب لوگوں کو جو اڑے ہوئے تھے اپنے ظلم پر ایک ایسی ہولناک آواز نے جس سے وہ سب اپنے گھروں میں

۱۴۷ حضراتِ انبیاء ورسل کا حاجت روا ومشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب آ گیا ہمارا حکم تو ہم نے بچا لیا صالح کو بھی اور ان سب کو بھی جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی خاص رحمت سے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے۔ کہ مشکل کشا و حاجت روا سب کے بہرحال ہم ہی ہیں۔ اور جب صالحؑ جیسے نبی اور ان کے ساتھی بھی حاجت روا ومشکل کشا نہیں بلکہ وہ بھی اپنی نجات کیلئے ہمارے ہی محتاج ہیں تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جو کہ مشکل کشائی اور حاجت روائی کا دم بھر سکے؟ سو بڑے ہی بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اللہ کے سوا اس کی عاجز مخلوق میں سے مختلف ہستیوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں جبکہ ان کو دنیا سے گزرے ہوئے اور قبروں میں اترے ہوئے زمانے گزر چکے ہیں۔ سو ایسا کرنا شرک ہے جو کہ ظلمِ عظیم ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو مافوق الاسباب مدد کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور اسی کا کام ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۱۴۸ حق تعالیٰ کی صفتِ قوت وعزت کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے بچا لیا صالح کو اور ان سب کو جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ ان کو بچا لیا اس ہولناک عذاب اور اس دن کی رسوائی سے۔ بلاشبہ تمہارا رب ہی ہے قوت والا سب پر غالب۔ سو اس سے ایک بات تو یہ واضح ہوگئی کہ ایسے ہولناک عذاب سے بچانا حق تعالیٰ ہی کا کام اور اسی کی صفت وشان ہے۔ اور دوسری اہم حقیقت اس سے یہ واضح ہوگئی کہ حق والوں کی معیت و رفاقت نجات وسلامتی کا وسیلہ و ذریعہ ہے۔ جب کہ ان سے علیحدگی اور دوری اور ان سے عداوت و دشمنی رکھنا ہلاکت وتباہی کی راہ ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- پس معیت ورفاقت ہمیشہ اللہ والوں ہی کی رکھنی چاہیئے۔ ان کی محبت وتعلق کے اعتبار سے بھی اور عمل وکردار اور اخلاق واوصاف کے لحاظ سے بھی- وباللہ التوفیق- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جب ہمارے حکم کے مطابق اس بدبخت قوم پر ہمارا عذاب آ گیا تو ہم نے اپنی خاص رحمت وعنایت سے حضرتِ صالح کو بھی نجات دے دی اور ان سب کو بھی جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ ورنہ اس ناہنجار قوم پر آنے والا عذاب ایسا ہولناک اور اس قدر ہمہ گیر تھا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت وعنایت کے سوا کوئی بھی چیز اس سے بچانے والی نہیں تھی۔ سو بلاشبہ ہمارا رب بڑا ہی قوی وعزیز ہے۔ فعلیہ نتوکل وبہ نستعین فی کل آنٍ وّحین۔

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝٦٧ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ

(ایسے بے حس و حرکت) اوندھے پڑے رہ گئے تھے ف۱۴۹ جیسے وہ کبھی ان میں رہے بسے ہی نہ تھے، آگاہ رہو کہ

ع ۶ ۸ ۶ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝٦٨

ثمود نے کفر کیا اپنے رب سے، آگاہ رہو کہ بڑی دوری (اور پھٹکار) ہے ثمود کے لئے، ف۱۵۰

وَلَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰي قَالُوْا

اور بلاشبہ آگئے ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس (بچے کی) وہ عظیم الشان خوشخبری لے کر، ف۱۵۱ اور انہوں نے

سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاۗءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝٦٩

سلام کیا، ابراہیم نے جواب میں کہا کہ تم پر بھی سلام ہو، پھر کچھ دیر نہ گزری تھی کہ آپ لے آئے ایک بھنا ہوا بچھڑا (ان کی

فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ

ضیافت کے لئے) ف اگر جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے، تو آپ نے ان کو اجنبی سمجھ کر

مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى

اپنے دل میں ایک خوف سا محسوس کیا، تب انہوں نے کہا کہ ڈرو نہیں، ہمیں تو دراصل (آپ کی طرف نہیں، بلکہ) قومِ

قَوْمِ لُوْطٍ ۝٧٠ۭ وَامْرَاَتُهٗ قَاۗىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا

لوط کی طرف (ان کو عذاب دینے کے لئے) بھیجا گیا ہے ف۱۵۲ اور ابراہیم کی بیوی بھی جو (پاس ہی کہیں) کھڑی تھیں اس

۱۴۹ **ظلم کا انجام ہلاکت و تباہی - والعیاذُ باللہ**:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرِ کار آ پکڑا ان کو جو اڑے ہوئے تھے اپنے ظلم پر ایک نہایت ہولناک آواز نے جس سے وہ سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ سو اس سے واضح ہو گیا کہ ظلم پر اَڑے رہنے والوں کیلئے دائمی ہلاکت و تباہی ہے- والعیاذ باللہ- یعنی جو اَڑے رہے تکذیب و انکارِ حق کے جرم پر جو کہ سب سے بڑا جرم اور ظلمِ عظیم ہے۔ سو اس سے توبہ و رجوع کرنے کی بجائے اس پر اَڑے اور ڈٹے رہنا ایسا سنگین اور ہولناک جرم ہے جس کا آخری انجام ہمیشہ کی ہلاکت و تباہی ہے، جیسا کہ قومِ ثمود سے ہوا کہ ایک ہولناک آواز سے ان کے دل پھٹ گئے اور یہ ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔ سو ظلم پر اَڑے رہنے والوں کیلئے بہرحال دائمی ہلاکت و تباہی ہے-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو ایسوں کو قدرت کی طرف سے جو مہلت اور ڈھیل ملتی ہے اس سے ان کو کبھی بھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ سو مہلت بہرحال ایک مہلت ہی ہوتی ہے جو کہ ایک محدود وقت تک ہی کے لیے ہے جس کے بعد

اس نے بہرحال ختم ہو جانا ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد ظالم بہرحال اپنے انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۵۰ منکروں کے لیے لعنت و پھٹکار۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اَلَا کے حرف تنبیہ کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ آگاہ رہو کہ بڑی دوری یعنی لعنت و پھٹکار ہے ثمود کیلئے ان کے کفر و انکار کی بنا پر۔ سو کفر و شرک تمام خرابیوں کی جڑ بنیاد اور باعثِ ہلاکت و تباہی ہے۔ اور ایمان و یقین اور عقیدۂ توحید ہر خیر کی اصل و اساس اور ذریعۂ سلامتی و نجات ہے۔ اور قوم ثمود نے کفر و شرک کے اسی ہولناک جرم پر اڑ کر اپنے لیے دائمی ہلاکت و تباہی کا سامان کیا جہاں سے واپسی اور بچ نکلنے کی کوئی بھی صورت ان کیلئے کبھی ممکن نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اس ارشاد سے اس بدبخت قوم اور اسکے ہولناک انجام بد سے اظہارِ نفرت فرمایا گیا ہے کہ اپنے عمل و کردار اور جرم و قصور پر اصرار کے باعث اور اس کے نتیجے میں یہ قوم لعنت کی مستحق قرار پائی اور ہمیشہ ہمیش کے لیے مبتلائے عذاب ہو کر رہی۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے کفر و شرک پر اصرار کا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۵۱ حضرتِ ابراہیم کیلئے ایک عظیم الشان خوشخبری کا سامان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ آگئے ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس اس عظیم الشان خوشخبری کے ساتھ جو کہ حضرتِ ابراہیم ۔علیہ الصلوٰۃ السلام۔ کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری تھی۔ اور جس کے لیجانے کی ذمہ داری ان فرشتوں کو سونپی گئی تھی۔ اور جو خاص اہمیت کی حامل خوشخبری تھی کہ ان کو بڑھاپے کی اس عمر میں ایک عظیم الشان اور ہونہار بچے سے نوازا جانے والا تھا جو عمر کے عام قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق بچے کی نعمت کی سرفرازی کی عمر نہیں ہوتی۔ سو اس بشریٰ "خوشخبری" سے مراد جیسا کہ آگے آیت نمبر ۷۱ میں تصریح فرمائی گئی ہے حضرتِ ابراہیم کے لیے حضرت اسحاق جیسے عظیم الشان بیٹے اور حضرتِ یعقوب جیسے عظیم الشان پوتے کی خوشخبری ہے جس سے حضرتِ ابراہیم کو بطور خاص نوازا گیا تھا۔ بہرکیف اب آگے حضرتِ لوط اور ان کی قوم کی سرگزشت سنائی جا رہی ہے اور یہ آیتِ کریمہ اس سرگزشت کی تمہید کے طور پر یہاں وارد ہوئی ہے۔ اس لیے کہ جو فرشتے قومِ لوط کے لیے عذاب لے کر آئے تھے وہی حضرتِ ابراہیم کے لیے بیٹے اور پوتے کی یہ خوشخبری لے کر آئے تھے۔

۱۵۲ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر کچھ دیر نہ گزری تھی کہ حضرتِ ابراہیم اپنے ان معزز مہمانوں کے لیے ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جو پلا ہوا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا تھا۔ کَمَا جَآءَ فِیْ مَقَامٍ اٰخر ﴿بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ﴾۔ یہ حضرتِ ابراہیمؑ کی کمالِ مہمان نوازی کا ثبوت ہے کہ کسی کے یہاں اچانک اجنبی اور اوپرے چوپرے مہمان آجائیں اور وہ فوراً موٹا تازہ بچھڑا ذبح کر کے اور بھون کر کے ان کے سامنے لا کر رکھ دے۔ کیا اس مہمان نوازی کی کوئی اور مثال حضرتِ ابراہیمؑ کے سوا اور کہیں بھی مل سکتی ہے؟ ۔عَلَیْهِ وَعَلٰی نَبِیِّنَآ اَفْضَلُ الصَّلَوٰاتِ وَاَتَمُّ التَّسْلِیْمَاتِ ۔ مگر جب حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ ان حضرات کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تو آپ کو ان سے خوف محسوس ہوا۔ تب انہوں نے حضرت ابراہیم کو تسلی دیتے ہوئے ان سے کہا کہ آپ ڈریں نہیں [ہم تو دراصل فرشتے ہیں اور] ہمیں قوم لوط کی طرف [ان کو عذاب دینے کے لیے] بھیجا گیا ہے۔ سو اس قصہ سے یہ امر واضح ہو گیا کہ پیغمبر عالمِ غیب اور مختارِ کل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ آج کل کے بدعتی ملاؤں نے سمجھ رکھا ہے۔ ورنہ حضرتِ ابراہیمؑ نہ ان فرشتوں کے لئے اس طرح بچھڑا بھون کر لاتے اور نہ ہی ان کے نہ کھانے سے وہ اس طرح پریشان اور خوف زدہ ہوتے۔ سو اس قصہ سے اہلِ بدعت کے علمِ غیب کلی اور اختیارِ کلی جیسے خود ساختہ شرکیہ عقائد کی جڑ نکل جاتی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ

پر ہنس پڑیں ۱۵۳ تو ہم نے انہیں خوشخبری دی اسحاق کی، اور اسحاق کے بعد یعقوب کی ۱۵۴ اس پر وہ (تعجب سے) بول اٹھیں

۱۵۳ ظالموں کی ہلاکت بھی قدرت کا ایک انعام ہے:- سو فرشتوں کے اس جواب پر کہ ہمیں قوم لوط کے عذاب کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حضرتِ ابراہیم کی بیوی ہنس پڑیں۔ امن و امان کی خبر پاکر اور خوف کے جاتے رہنے سے۔ نیز ظالم اور خبیث قوم سے اللہ کی دھرتی کی تطہیر کی خبر سے۔ اسی لئے ان کو بچے کی خوشخبری دی گئی (ابن کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ ظالموں کی ہلاکت بھی قدرت کا ایک انعام ہے جس سے وہ اپنے بندوں کو نوازتا ہے کہ اس سے دوسروں کو امن و امان کی نعمت نصیب ہوتی ہے اور اللہ کی دھرتی ایسے خبیث عناصر کے وجود سے پاک ہوتی ہے۔ فللہ الحمد رب العالمین۔ بہرکیف حضرتِ ابراہیم جب اپنے ان معزز مہمانوں کی خاطر مدارات کے اہتمام سے فارغ ہوگئے اور اس انکشاف سے ان کو اطمینان نصیب ہوگیا کہ یہ آدمی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جن کو قومِ لوط کے عذاب کے لیے بھیجا گیا ہے تو انہوں نے حضرتِ ابراہیم کو یہ خوشخبری سنائی اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرتِ سارہ، جو قریب ہی کہیں کھڑی تھیں، سن کر ہنس پڑیں۔ جو ایک طبعی اور فطری امر تھا

۱۵۴ حضرتِ ابراہیم کیلئے ایک خوشخبری میں کئی خوشخبریاں:- یعنی صرف بیٹے کی بشارت نہ تھی بلکہ یہ بھی کہ وہ بیٹا بڑا ہوگا اور اس کے بھی آگے بیٹا ہوگا جس کا نام یعقوب ہوگا۔ یہاں پر ﴿فَبَشَّرْنٰهَا﴾ کے ارشاد سے حضرتِ سارہ کی بشارت کو ذکر فرمایا گیا ہے جبکہ دوسرے مقام پر ضمیر مذکر کے ذریعے حضرتِ ابراہیم کی بشارت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ صافات میں ارشاد ہوتا ہے ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ (الصافات: ۱۰۱)۔ اور سورۂ ذاریات میں ارشاد فرمایا گیا ﴿وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ﴾ (الذاریات: ۲۸) تو ان مختلف آیاتِ کریمہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اس بشارت میں وہ دونوں شریک تھے۔ اور حضرتِ سارہ اس بشارت میں حضرتِ ابراہیمؑ کے تابع تھیں مگر یہاں پر یعنی سورۂ ہود کی اس آیتِ کریمہ میں حضرتِ سارہ کے ذکر میں یہ بلاغت ہے کہ یہ خوشخبری ان کے لئے زیادہ اہم تھی کہ ان کے لئے یہ پہلے بیٹے کی بشارت تھی جبکہ حضرتِ ابراہیمؑ کے لئے ان کی دوسری بیوی حضرتِ ہاجرہ کے بطن سے اس سے پہلے ان کے دوسرے بیٹے حضرتِ اسماعیل مولود ہو چکے تھے۔ بہرکیف حضرتِ ابراہیم اور حضرتِ سارہ کو ایسے عظیم الشان بیٹے کی خوشخبری سے نوازا گیا اور اس طور پر کہ اس ایک خوشخبری میں آگے کئی خوشخبریاں مستور و پوشیدہ تھیں۔ ایک یہ کہ بڑھاپے کی اس عمر میں ان کے یہاں بچہ ہوگا جو کہ عام حالات میں بچے سے سرفراز ہونے کی عمر نہیں ہوتی۔ دوسری یہ کہ وہ بچہ بڑا علم والا ہوگا۔ تیسری یہ کہ وہ بڑا ہی بردبار اور حلم والا ہوگا۔ چوتھی یہ کہ وہ بڑی عمر بھی پائے گا اور اتنی بڑی کہ اسکے یہاں آگے بیٹا ہوگا۔ اور چھٹی یہ کہ وہ بیٹا بھی حضرتِ یعقوب جیسا عظیم الشان بیٹا ہوگا جن سے آگے ایک امت اور نسل چلے گی جو انہی کی طرف منسوب ہوگی یعنی بنی اسرائیل۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ اللہ ہمیشہ خوشیاں ہی سننا نصیب فرمائے۔ اور ہر قسم کے دکھ اور صدمے سے ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ

ہائے میری کم بختی! کیا میں بوڑھی ہو کر بچہ جنوں گی؟ ۱۵۵ جب کہ میرے میاں بھی اتنے بوڑھے ہو چکے ہیں،

اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۷۲ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ

یہ تو واقعی ایک بڑی ہی عجیب سی بات ہے، ۱۵۶ فرشتوں نے کہا کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے

اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ

حکم سے؟ حالانکہ اللہ کی رحمت اور اس کی (طرح طرح کی) برکتیں تم پر، اے نبی کے گھر والو، (برابر برستی) رہتی ہیں ۱۵۷

اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۷۳ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ

بلاشبہ وہ ہر تعریف کے لائق اور بڑی ہی اونچی شان والا ہے، پھر جب جاتی رہی ابراہیم سے وہ

الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ

گھبراہٹ، اور پہنچ گئی ان کے پاس یہ خوشخبری، تو انہوں نے ہم سے جھگڑنا شروع کر دیا قوم لوط کے

لُوْطٍ ۷۴ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۷۵

بارے میں، واقعی ابراہیم بڑے ہی بردبار، نرم دل، اور ہماری طرف رجوع رہنے والے تھے،

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَاۗءَ اَمْرُ

(فرشتوں نے ان سے کہا) اے ابراہیم، اب جانے دو اس قصے کو، کہ اب بہر حال آ کر رہنا ہے ان لوگوں پر ایک ایسے ہولناک

۱۵۵ بچے کی ولادت سے موانع کا ذکر و بیان: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس خوشخبری پر حضرت سارہ تعجب سے بول اٹھیں کہ ہائے میری کم بختی کیا میں بچہ جنوں گی؟" جبکہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور میرے میاں بھی اتنے بوڑھے ہیں۔ یہ تو واقعی ایک بڑی ہی عجیب بات ہے۔ یعنی یہ بہت ہی عجیب چیز ہے کہ میں ایک بوڑھی اور بانجھ عورت اس عمر اور اس حالت میں بچے کو جنم دوں اور حضرتِ سارہ کے اس اظہارِ تعجب کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ اس بشارت کے ظہور کی راہ میں جو ظاہری رکاوٹیں ہیں ان کا ذکر کر کے اس بارے اطمینان حاصل کر لیں کہ ان سب کے باوجود ایسا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا و پکا ہے اور اسکی قدرت لامحدود اور کامل ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لیے انہوں نے

مزید وثوق اور اطمینان کے لیے اس طرح تعجب کا اظہار کیا۔ تا کہ کسی شک وشبہے کی گنجائش باقی نہ رہے۔

۱۵۶ بچے کی ولادت سے متعلق اظہار تعجب کا ذکر و بیان:- سو انہوں نے اظہارِ تعجب کرتے ہوئے کہا کہ ہائے میری کم بختی کیا میں اس عمر میں بچہ جنوں گی جبکہ میں اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں۔ اور دوسری جگہ ''عجوز عقیم'' کے دو لفظ آئے ہیں۔ یعنی جبکہ میں بوڑھی بھی ہوں اور بانجھ بھی۔ یعنی ایسے ہونا بہت عجیب اور بعید ہے کہ اس عمر میں اور ایسے حالات میں ہمارے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو کہ عام حالات میں ایسے نہیں ہوتا اور ان کا یہ تعجب ایک طبعی امر تھا کہ یہ خوشخبری ایسے حالات میں تھی جن میں اس خوشخبری کا تحقق اور وقوع بڑا مستبعد امر ہوتا ہے۔ سو اس سے اس خوشخبری کی عظمتِ شان اور بڑھ جاتی ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو کوئی نا قابلِ یقین قسم کی خوشخبری سنائی جائے اور وہ اسکے بارے میں از راہِ تعجب یوں کہے کہ کیا ایسے فی الواقع ہوسکتا ہے؟ بہرکیف بیٹے کی خوشخبری سننے پر حضرتِ سارہ نے خالص نسوانی انداز میں اظہارِ تعجب کرتے ہوئے کہا کہ کیا میں اس عمر میں بچہ جنوں گی جبکہ میں بوڑھی بانجھ ہوں، اور میرے میاں بھی اتنے بوڑھے ہو چکے ہیں۔ یہ تو ایک بڑی ہی عجیب قسم کی بات ہے لیکن اِس اظہارِ تعجب میں ایک خاص قسم کی مسرت اور بے قراری کا پہلو بھی موجود ہے جو اہلِ ذوق سے مخفی نہیں۔ سو اس خوشخبری کے ظہور کی راہ میں جو رکاوٹیں تھیں، انہوں نے اپنے سوالوں سے ان سب کا ازالہ کرا دیا۔

۱۵۷ کسی کے اہلِ بیت اصل میں اس کی بیوی ہی ہوتی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتوں نے حضرت سارہ کے تعجب کے جواب میں ان سے کہا کہ کیا تم اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہو حالانکہ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر اے نبی کے گھر والو برابر برستی رہتی ہیں۔ سو یہ بھی مزید ایک کرامت و رحمت ہے جو اس کی طرف سے تمہیں نصیب ہو رہی ہے۔ پس تمہیں اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کی گھر والی ہی اس کی اصل اہلِ بیت ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہاں ''اہل البیت'' کا مصداق حضرتِ ابراہیم کی بیوی ہی ہیں۔ پس اس سے ہمارے حضور کی ازواجِ مطہرات سے دشمنی رکھنے والے ان روافض کے منہ پر بھی ایک بھرپور تھپڑ رسید ہوتا ہے جو ان کو اہلِ بیت ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بہرکیف حضرتِ ابراہیم کی اہلیہ کو بتایا گیا کہ جب تم اہلِ بیت پر حق تعالیٰ کی رحمتیں، برکتیں اور عنایتیں ہمیشہ اور لگاتار ہوتی رہتی ہیں تو پھر تمہیں اس رحمت و برکت پر تعجب کیونکر ہوسکتا ہے؟ یعنی ایسے میں آپ کو بچے کی اس نئی خوشخبری پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ اور تمہارے خالق و مالک جو کہ قادرِ مطلق ہے کیلئے اس طرح ظاہری اسباب کیخلاف بچے سے نوازنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ اس کی شان علی کل شئ قدیر کی شان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف فرشتوں نے حضرتِ سارہ کے اس تعجب کے جواب میں پورے ادب و احترام کے ساتھ کہا کہ نبی کی اہلِ بیت ہونے کے اعتبار سے آپ کے لیے تعجب کی گنجائش کس طرح ہوسکتی ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر دن رات برستی رہتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں سے متعلق سب سے زیادہ آگاہی آپ کو ہوسکتی ہے۔

رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

عذاب نے جس کے ٹلنے کی اب کوئی صورت نہیں، ۱۵۸

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ

اور جب پہنچ گئے ہمارے فرشتے لوط کے پاس (اپنی اصل مہم کی انجام دہی کے لئے) تو وہ بہت غمگین ہوئے ان کی (آمد کی)

بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ

بناء پر، اور ان کا دل سخت تنگ ہو گیا ان کی وجہ سے، اور انہوں نے کہا کہ یہ بڑا ہی سخت دن ہے ۱۵۹ اور آ پہنچے

۱۵۸ اللہ کے عذاب کو کوئی بھی نہیں ٹال سکتا: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ ابراہیم اب جانے دو اس قصے کو کہ اب بہر حال آ کر رہنا ہے ان لوگوں پر ایک ایسے ہولناک عذاب نے جس کے ٹلنے کی اب کوئی صورت نہیں ۔ کہ اللہ پاک کی طرف سے طے شدہ کسی امر کو کوئی بھی نہیں ٹال سکتا ۔ اور جب ابوالانبیاء جد الانبیاء، افضل الانبیاء بعد نبینا محمد حضرت ابراہیم خلیل ۔ علیہما الصلوۃ والسلام ۔ بھی اللہ کے حکم کو ٹالنے کے مجاز نہیں تو پھر اور کس کی یہ شان ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے کر سکے؟ ۔ پس غلط اور مردود ہے وہ کچھ جو کہ فرزندانِ شرک و بدعت کہتے ہیں کہ ولی اور بزرگ سب کچھ کرا سکتے ہیں ۔ اور یہ کہ وہ کمان سے نکلا ہوا تیر بھی واپس لا سکتے ہیں وغیرہ ۔ کیونکہ کوئی ولی اور بزرگ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ کسی نبی کے مرتبہ و مقام کو بہر حال نہیں پہنچ سکتا ۔ اور جب اس طرح کے اختیارات کسی نبی اور پیغمبر کو بھی حاصل نہیں تو پھر اور کسی کو کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں؟ سو اختیار سب کا سب اللہ پاک ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے کہ وہی وحدہٗ لاشریک مالکِ مطلق اور مختارِ کل ہے ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ بہر کیف اللہ کے عذاب کو ٹالنے کی سکت و طاقت کسی میں بھی نہیں ہو سکتی ۔ سو حضرتِ ابراہیم کو بتایا گیا کہ اب ان لوگوں سے عذاب کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ۔

۱۵۹ پیغمبر نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب پہنچ گئے ہمارے فرشتے لوط کے پاس [اپنی اصل مہم کی انجام دہی کے لیے] تو وہ ان کی آمد کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے ۔ اور ان کا دل سخت تنگ ہو گیا ان کی بناء پر ۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ بڑا ہی سخت دن ہے ۔ سو حضرتِ لوط کا سینہ ان کی وجہ سے تنگ ہو گیا کہ اپنے ان معزز مہمانوں کی عزت کو اپنی قوم کے ان اشرار سے کس طرح بچاؤں گا کہ قوم تھی خبیث اور ممسوخ الفطرت ۔ اور یہ فرشتے آئے تھے خوبصورت نوجوان لڑکوں کی شکل میں ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر نہ تو عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ ہی مختارِ کل ۔ جس طرح آج کے اہلِ بدعت اور اہلِ زیغ وضلال کا کہنا ماننا ہے ۔ ورنہ حضرتِ لوطؑ کو اس قدر پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ وہ فوراً جان لیتے کہ یہ خوبصورت نوجوان انسان نہیں فرشتے ہیں ۔ اور یہ کہ معاملہ اگر آپؑ کے ہاتھ اور اختیار میں ہوتا تو آپ اپنی قوم کے ان اوباش اور غنڈوں کی بناء پر اس قدر پریشان ہونے کی بجائے ان کو فوراً ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیتے ۔ مگر نہیں ایسے نہیں ہوا ۔ سو غلط کہتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ انبیاء واولیاء عالمِ غیب اور مختارِ کل ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ بلکہ مختارِ کل اور عالمِ غیب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ذاتِ اقدس واعلیٰ ہے ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ اور اسکے سوا کسی کو بھی عالمِ غیب اور مختارِ کل ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے ۔ آمین ثم آمین ۔

قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

ان کی قوم کے (بداطوار) لوگ دوڑتے ہوئے رسیاں توڑ کر، اور وہ پہلے سے ہی ارتکاب کرتے تھے ایسی

السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ

برائیوں کا ف۱۶۰ تو لوط نے (ان سے) کہا اے میری قوم (کے لوگو!) یہ میری بیٹیاں موجود ہیں ف۱۶۱ جو تمہارے لئے

لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ

ہر لحاظ سے پاکیزہ ہیں پس تم ڈرو اللہ سے، اور مجھے رسوا مت کرو میرے مہمانوں کے بارے میں، کیا تم

مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا

میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟ ف۱۶۲ ان لوگوں نے اس کے جواب میں کہا، آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ

فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾

ہمیں آپ کی بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں، اور آپ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں ف۱۶۳

۱۶۰ قومِ لوط کا عملِ بد اور دورِ حاضر کے ایک جمہوری ملک کا حیا باختہ کردار:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پہنچے ان کے پاس ان کی قوم کے بداطوار لوگ رسیاں توڑ کر۔ اور وہ پہلے سے ہی برائیاں کرتے آرہے تھے کہ ان میں یہ خبیث مرض موجود تھا کہ مرد مرد سے بدکاری کرتا تھا۔ اور یہ ایسا قبیح اور خلافِ وضعِ فطرت فعل تھا کہ شرافت کی زبان پر اس کو لانا اور بیان کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے قرآنِ حکیم میں اس کی تصریح کئے بغیر اس کو ﴿السَّيِّاٰت﴾ کے عمومی اور کنائی لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ مگر دورِ حاضر میں جمہوریت کے بتِ نو کے ایک پجاری اور جمہوریت کے چمپئن کہلانے والے ملک برطانیہ نے کچھ ہی سال قبل اس خلافِ وضع فطری فعل کو قانونی جواز فراہم کرنے کے لئے ایک باقاعدہ بل اپنی پارلیمنٹ میں پیش کیا اور تالیوں کی گونج میں اس کو بھاری اکثریت سے پاس بھی کر لیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر اَہواء و اَغراض اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے چلنے والے لوگ کس قدر حیا باختہ اور کتنے بے شرم ہو جاتے ہیں کہ جس بات کو زبان پر لانا بھی شریف انسان کیلئے مشکل ہے اس کو ایک جمہوری ملک میں تالیوں کی گونج میں اپنی پارلیمنٹ سے پاس کرا کر قانون کا درجہ دے دیتا ہے۔ ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا؟ - خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۶۱ حضرتِ لوط کی قوم کے ضمیر کو جھنجھوڑنے والی اپیل:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت لوط نے اپنی قوم کے ان بدبختوں سے کہا کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں جو تمہارے لیے بڑی پاکیزہ ہیں۔ یعنی تمہاری وہ بیویاں جو تمہارے گھروں میں

ہیں اور شہر کی وہ عورتیں جو شادی کے قابل ہیں اور جن کو قدرت نے پیدا ہی اس غرض کے لئے فرمایا ہے۔ (قالہ مجاہد وسعید بن جبیر وغیرہ)۔ اور نبی چونکہ اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے اس لئے آپ نے ان کو اپنی بیٹیاں قرار دیا (ابن جریر، ابن کثیر، الصفوۃ، الکبیر اور المراغی وغیرہ)۔ اور یہ قول اس لئے بھی راجح قرار پاتا ہے کہ حضرت لوطؑ کی تورات وغیرہ کی تصریح کے مطابق اپنی صرف دو بیٹیاں تھیں جبکہ یہاں پر ﴿ بنات ﴾ فرمایا گیا ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے۔ اور یوں بھی دو بیٹیوں کو اتنے لوگوں کے نکاح میں دینے کا کوئی امکان نہیں۔ اور اس طرح اس بات کی کوئی تک ہی نہیں بنتی کہ اس سے آپ کی صلبی بیٹیاں مراد ہوں۔ اس لئے ثقہ مفسرین کرام کے نزدیک راجح قول اوپر والا قول ہی ہے کہ ﴿ بناتی ﴾ کا لفظ یہاں مجاز پر محمول ہے۔ یعنی اس سے مراد قوم کی بیٹیاں ہیں جو کہ پیغمبر کی روحانی بیٹیاں ہوتی ہیں جبکہ بعض حضرات مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے آنجناب کی صلبی بیٹیاں مراد ہیں۔ بہرکیف اس سے حضرت لوط کی کمال بے بسی کا پتہ چلتا ہے جس سے ان لوگوں کی گمراہی آشکارا ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ پیغمبر مختار کل اور عالم غیب ہوتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اگر یہ بات ہوتی تو حضرت لوط اس درجہ تشویش واضطراب میں مبتلا نہ ہوتے۔ بلکہ وہ پوری طرح مطمئن ہوتے کہ یہ تو فرشتے ہیں۔

۱۶۲ حضرتِ لوط کی طرف سے ان لوگوں کے دلوں پر ایک دستک:۔ سو حضرت لوط نے ان لوگوں کے دلوں پر دستک دیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا مت کرو۔ کیا تمہارے اندر کوئی بھی بھلا انسان نہیں؟۔ جو کسی قدر شرافت وانسانیت سے کام لے۔ میری اس نازک پوزیشن پر رحم کھائے اور مجھے میرے ان معزز مہمانوں کے بارے میں رسوا و پریشان نہ کرے۔ یہ سوال وارشاد انسانی عقل وضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والا ہے۔ مگر جب عقلیں ہوا وہوس کے اندھیروں میں ڈوب کر ماؤف ہو چکی ہوں اور دلوں پر خواہشات و ہوس پرستی کی ظلمتیں چھا چکی ہوں اور ان پر کفر وانکار کے بھاری بھرکم تالے پڑ چکے ہوں تو ایسے میں ایسی آوازوں کا ایسے لوگوں پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور یہی نتیجہ وانجام ہوتا ہے خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود اور قبلہ بنا دینے کا کہ اس کے بعد انسان کے دل ودماغ پر نصیحت وخیر خواہی کی کوئی بات اثر نہیں کرتی۔ اور ایسے لوگ بالآخر اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ سو نور وحی سے محرومی دارین کی ہلاکت وتباہی کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۱۶۳ اخلاقی گراوٹ کی انتہاء کا مظہر ونمونہ۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت لوط کی اس درد بھری اپیل کے جواب میں ان لوگوں نے کہا کہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمیں آپ کی بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں اور آپ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ سو قوم لوط کا حضرتِ لوط کو یہ جواب خلاقی گراوٹ کی انتہا ہے کہ انسان گندگی کے اس کیڑے کی طرح بن جائے جو گندگی ہی کو پسند کرتا ہے اور طیبات سے اس کو کوئی لگاؤ ہی نہیں رہتا۔ ایسے کیڑوں کو کیڑے مار دوا چھڑک کر فوراً ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تو پھر خدائے پاک اپنی دھرتی پر ایسے گندے کیڑوں کو کیونکر برداشت کر سکتا ہے؟ چنانچہ اس کے بعد قوم لوط کا وہ حشر ہوا جو اور کسی قوم کا پوری تاریخ انسانیت میں نہ اس سے پہلے کبھی ہوا نہ اسکے بعد۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ سُوْٓءٍ وَّشَرٍّ وَّمِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ۔ سو ناصحین کی نصیحت اور خاص کر حضراتِ انبیاء ورسل کی دعوت ونصیحت کو ٹھکرا دینے کا نتیجہ وانجام بہت برا اور نہایت ہی ہولناک ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ

اس پر لوط نے کہا، کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا ایسا کوئی مضبوط سہارا ہوتا،

شَدِیْدٍ ۝۸۰ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ

جس کی میں پناہ لے لیتا ۱۶۴ تب فرشتوں نے (اپنی حقیقت ظاہر کرتے ہوئے) کہا کہ اے لوط ہم تو تیرے رب کے

یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ

بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، یہ لوگ (ہمارا کیا بگاڑتے یہ تو) آپ تک بھی پہنچنے نہیں پائیں گے، پس آپ رات کا کچھ حصہ

وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا

رہتے اپنے لوگوں کو لے کر (یہاں سے اس طرح) نکل جائیں، کہ تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے، سوائے تمہاری

مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ

بیوی کے، کہ اس پر بھی وہی بلا آنے والی ہے جو کہ ان لوگوں پر آنے والی ہے و۱۶۵ ان کی تباہی کا وقت صبح ہے، کیا صبح کا وقت

بِقَرِیْبٍ ۝۸۱ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا

نزدیک نہیں ہے؟ و۱۶۶ پھر جب (حسب وعدہ) آ پہنچا ہمارا حکم تو ہم نے پلٹ کر کے رکھ دیا اس بستی کو،

۱۶۴ حضرتِ لوط کی کمالِ بے بسی کا ایک مظہر اور نمونہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر لوط نے ان لوگوں سے کہا کہ کاش کہ تمہارے مقابلے میں میرے پاس کوئی طاقت ہوتی یا کوئی ایسا مضبوط سہارا جس کی میں پناہ لیتا۔ یعنی قوم قبیلہ۔ کیونکہ آپؑ اس قوم میں سے نہیں تھے بلکہ باہر سے آئے تھے۔ کیونکہ آپ اصل میں عراق کے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ وہاں سے شام کی طرف ہجرت کی تھی اور وہاں سے آپ کو اللہ کی طرف سے سدوم وغیرہ کی ان بدنصیب و بدبخت بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اسی بناء پر حضرتِ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس کے بعد کسی نبی کو اس کی قوم قبیلہ سے باہر مبعوث نہیں فرمایا گیا۔ (جامع البیان، روح المعانی، ابنِ کثیر اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا کہ خدا کی رحمتیں ہوں حضرتِ لوط پر کہ آپ مضبوط سہارے اور رکن شدید کی پناہ مانگتے تھے۔ یعنی ان کا محافظ اور حامی و ناصر تو اللہ تھا۔ بہر کیف قومِ لوط کے ان کفار اور فساق و فجار کے سامنے حضرتِ لوط کی بے کسی اور بے بسی اور اس منظر کو دیکھئے اور پھر اپنے دور کے اہلِ بدعت کے ان شرکیہ عقائد کو بھی پیشِ نظر رکھئے جو وہ انبیائے کرام کے حاضر و ناظر، عالمِ غیب اور

مختارِ کل ہونے کے بارے میں رکھتے ہیں اور پھر خود فیصلہ کیجئے کہ قرآن کیا کہتا ہے اور یہ لوگ دنیا کو گمراہی کے کن گڑھوں کی طرف دھکیل رہے ہیں؟ اور اس کے لئے یہ لوگ کیسی کیسی تحریفات سے کام لیتے ہیں؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم من کل زیغ وضلال و سوء و انحراف - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین -

۱۲۵ حضرتِ لوط کی بیوی عذاب پانے والوں میں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت لوط کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ رات کا کچھ حصہ اپنے لوگوں کو لے کر یہاں سے اس طرح نکل جائیں کہ تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے سوائے تمہاری بیوی کے - کہ اس پر بھی وہی بلا آنے والی ہے جو ان لوگوں پر آنے والی ہے - اور آخر کار ایسے ہی ہوا - اور وہ بدبخت عورت بھی عذاب پانے والوں میں شامل ہو کر رہی - اور پیغمبر کی زوجیت کا عظیم الشان رشتہ بھی اس کو اس عذاب سے بچانے کے لیے کچھ کام نہ آ سکا - سو اپنے ایمان وعقیدہ کے بغیر کوئی بڑے سے بڑا رشتہ بھی انسان کے کچھ کام نہیں آ سکتا - پس اس سے دو بنیادی باتیں معلوم ہوئیں - ایک یہ کہ اپنا عقیدہؑ وعمل اگر صحیح نہ ہو تو پیغمبر سے رشتہ اور اتنا قریبی اور اہم رشتہ بھی کام نہیں آ سکتا - جیسا کہ یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرتِ لوط کی بیوی پیغمبر کی بیوی ہونے کے باوجود مبتلائے عذاب ہو رہی ہے اور دوزخ میں جا رہی ہے - سو آخرت میں کام آنے والی اصل چیز انسان کا اپنا ایمان وعقیدہ اور عمل و کردار ہے - جیسا کہ حضرتِ خاتم الانبیاء - صلی اللہ علیہ وسلم - اپنی لختِ جگر حضرتِ فاطمہؓ سے فرماتے ہیں کہ بیٹی دنیا سے تو جو چاہے مجھ سے مانگ لے، میں دینے کو تیار ہوں - مگر آخرت میں تمہارا اپنا ایمان وعمل تمہیں کام دے سکے گا - میں کچھ بھی کام نہیں آ سکوں گا - اور دوسری بنیادی بات یہاں سے یہ معلوم ہوئی کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا جیسا کہ اہلِ بدعت وغیرہ کا کہنا ماننا ہے - بلکہ وہ صرف داعیِ حق ہوتا ہے اور بس - اختیارِ کلی کا مالک اللہ اور صرف اللہ ہے - ورنہ لوط کی بیوی اس طرح اپنے کفر پر اڑی نہ رہتی اور بالآخر قوم لوط کے ساتھ لقمۂ عذاب نہ بنتی - سو اختیارِ کلی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے کہ وہی ہے جو کہ خالقِ کل بھی ہے اور مالکِ کل بھی - اور اس کائنات پر حکم وتصرف بھی اسی کا چلتا ہے اور اسکی ہر چیز اُسی کے حکم و ارشاد کی پابند ہے - وہ جو چاہے ہوتا ہے - اسکی مشیت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو اصل چیز ایمان وعمل کی پونجی ہے جو وسیلۂ نجات ہے - والحمد للہ جل وعلا -

۱۲۶ حضرتِ لوط کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان: - سو حضرتِ لوط کی تسکین وتسلیہ کے لیے ان سے فرمایا گیا کہ ان بدبختوں کی ہلاکت وتباہی کے لیے صبح کا وقت مقرر ہے - کیا صبح کا وقت قریب نہیں ہے؟ - یعنی ہاں وہ وقت دور نہیں، ابھی آیا ہی چاہتا ہے - سو یہ حضرتِ لوط کے استعجال کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا - اور آپ کو تسلی دی گئی کہ اب ان لوگوں کا آخری انجام بہرحال قریب آ چکا ہے اور یہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو بہرحال پہنچ کر رہیں گے کہ انکی مدتِ مہلت اب ختم ہو چکی ہے اور ان پر اب وہ عذاب آیا چاہتا ہے جس کا مستحق انہوں نے اپنے آپ کو اپنے کفر وانکار کی بناء پر خود بنا دیا ہے، - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو صبح کا وقت کچھ زیادہ دور نہیں - اب انہوں نے اپنے انجام کو پہنچ کر ہی رہنا ہے اور ان کی ہلاکت کے لیے صبح کا یہ وقت اس لیے مقرر فرمایا گیا کہ اس وقت یہ سب لوگ اپنے گھروں کے اندر موجود ہونگے - کسی کو عذاب سے چھوٹنے اور بچ نکلنے کا کوئی موقع نہیں مل سکے گا - (المراغی وغیرہ) اور اس طرح ان کا ہولناک اور عبرت انگیز انجام سب کے سامنے آ جائے گا - والعیاذ باللہ العظیم -

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾

اور تابڑتوڑ برسادیئے اس پر ایسے پتھر کھنگر کے،

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

جن پر خاص نشان لگے ہوئے تھے تمہارے رب کے یہاں سے، اور وہ بستیاں (دور حاضر کے) ان ظالموں سے

بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ

کچھ زیادہ دور نہیں ہیں و۱۶۷ اور مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھی ہم نے رسول بنا کر بھیجا)، انہوں نے

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا

بھی یہی کہا کہ اے میری قوم، اللہ کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ

تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ

تم لوگ کمی نہ کرو ناپ اور تول میں، و۱۶۸ بیشک میں تم کو بڑے اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں و۱۶۹ (پھر

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا

اس دھوکہ بازی کی تمہیں کیا ضرورت؟) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا ڈر ہے، جو (تمہیں ہر طرف

۱۶۷ **قوم لوط کے عذاب کیلئے خاص نشان زدہ پتھر:**۔۔۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب آ پہنچا ہمارا حکم تو ہم نے تلپٹ کر دیا ان بستیوں کو اور تابڑتوڑ برسائے ان پر کھنگر کے ایسے پتھر جن پر خاص نشان لگے ہوئے تھے تمہارے رب کی طرف سے۔ اور وہ بستیاں کچھ زیادہ دور نہیں دور حاضر کے ان ظالموں سے۔ سو ان پر برسائے جانے والے ان پتھروں پر خاص نشان لگے ہوئے تھے۔ کہ فلاں پتھر سے فلاں کافر کا کام تمام کیا جائے تاکہ وہ انہی کو لگیں جو ان کے حق دار تھے۔ نیز یہ کہ وہ پتھر عام زمینی پتھروں سے الگ اور خاص قسم کی امتیازی شکل کے پتھر تھے جو اس مجرم قوم کے لئے بطورِ خاص تیار کئے گئے تھے۔ (قرطبی، مراغی وغیرہ)۔ سو ان پتھروں کی حیثیت ایسی ہی ہوگی جیسا کہ دورِ حاضر کے مختلف اسلحہ کی ہوتی ہے کہ ہر ایک کی ساخت الگ، غرض الگ اور ہدف و مقصد الگ وغیرہ وغیرہ۔ سو وہ پتھر تمہارے رب کے علم اور اسکی قدرت میں پہلے سے مقرر تھے اور ان پر خاص نشان لگا دیے گئے تھے کہ ان کو ظالم اور بدبخت قوم پر برسایا جائے گا اور سنگِ گل (سجیل) کے یہ پتھر ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہ تھے کہ ان کو وہاں سے اٹھا کر لانے میں کچھ وقت لگتا۔ نیز ان بدبختوں کی یہ تباہ حال بستیاں دورِ حاضر کے ان منکروں سے بھی کچھ دور نہیں اور وہ اپنی زبانِ حال سے پکار کر سب کو دعوتِ غور و فکر دے رہی

ہیں۔ سو ﴿ وما ھی ﴾ میں ضمیر ''ھی'' کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ یعنی الحجارۃ اور السری اور یہ دونوں صحیح اور درست ہیں اور حضرات اہلِ علم سے یہ دونوں ہی مروی و منقول ہیں۔ (محاسن التاویل، فتح القدیر، قرطبی، مراغی اور صفوۃ وغیرہ)۔

۱۶۸ حضرتِ شعیب کی بعثت اور ان کی دعوت کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا تو انہوں نے بھی ان لوگوں سے یہی کہا کہ تم عبادت و بندگی کرو صرف اللہ کی کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ تم لوگ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ سو ناپ تول میں کمی کرنا ان لوگوں کا دوسرا قومی مرض تھا جس میں وہ لوگ بحیثیت مجموعی مبتلا تھے کہ وہ لوگ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔ اس لیے حضرتِ شعیبؑ نے دعوتِ توحید کے بعد ان کو اسی قومی روگ سے روکا اور منع فرمایا تاکہ وہ اسکے ہولناک نتیجہ و انجام سے بچ سکیں۔ سو توحید تمام انبیائے کرام کی دعوتِ حق کا مشترکہ مقصد مرکزِ ثقل اور مدار و محور رہا ہے۔ اس سے انحراف تمام انحرافات کے دروازے کھولتا ہے۔ اور اسی کی طرف بازگشت سے صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوتی ہے جو کہ فطرتِ سلیم اور عقلِ مستقیم کا تقاضا اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والا واحد ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اس لیے حضرتِ شعیب نے بھی اپنی دعوت کا آغاز دعوتِ توحید ہی سے فرمایا اور اس کے بعد ان لوگوں کو ان کے اس قومی روگ کی طرف متوجہ فرمایا جو ناپ تول میں کمی کے مرض کی صورت میں اس قوم پر مسلط تھا اور جس نے ہوسِ زر کے نتیجے میں ان کے پورے قومی مزاج کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۶۹ ناپ تول میں کمی کے ایک سنگین پہلو کا ذکر و بیان: ۔ یعنی یہ کہ وہ لوگ اپنی اچھی حالت میں ہونے کے باوجود ناپ تول میں کمی کے اس جرم کا ارتکاب کرتے تھے جس سے اس کی سنگینی اور بڑھ جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو حضرت نے اپنی قوم کو اچھی حالت میں ہونے کے باوجود ناپ تول میں کمی کرنے کے جرم پر تنبیہ فرمائی کہ تم لوگ کھاتے پیتے اور خوشحال ہو۔ تو پھر تم اس طرح جھک مار کر اپنے حلال میں حرام کی آمیزش کیوں کرتے ہو؟ سو یہ بھی انسان کی ایک عمومی نفسیات میں سے ہے جس سے یہ کتابِ حکیم پردہ اٹھاتی ہے کہ ایمان و یقین کی قوت اگر مضبوط نہ ہو تو حریص الطبع دنیا دار انسان جتنا بھی مالدار ہو جائے طبعی خست و رذالت اور ہیرا پھیری کی عادت ایسے لوگوں سے جاتی نہیں۔ چنانچہ پہلے کی طرح آج بھی یہی حال ہے کہ اس قماش کے لوگ دنیاوی مال و دولت کے اعتبار سے جتنے بھی بڑھ جائیں نہ ان کے پیٹ بھرتے ہیں اور نہ ان کی ہوس ختم ہوتی ہے اور وہ اس کے لئے طرح طرح کی فریب کاریوں اور چکر بازیوں سے کام لیتے اور قسما قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم آئے دن ایسی خبریں پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ اس قماش کے لوگ دھوکہ بازی، سمگلنگ اور منشیات فروشی وغیرہ کے مختلف کالے دھندوں کے لئے کیا کیا جتن کرتے اور کس کس طرح نت نئے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور ایسا کرنے والے لوگ وہی ہوتے ہیں جو بالعموم لاکھوں نہیں کروڑوں اور اربوں کے مالک ہوتے ہیں۔ مگر وہ ہویٰ و ہوس کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ پس ایک ایمان و یقین کی قوت ہی وہ قوت ہے جو انسان کو ایسے تمام مہالک سے بچاتی اور اس کو قناعت پسند بناتی ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا دولت ہے یہ ایمان و یقین کی دولت جو انسان کو مادیت کی ان تمام ہلاکتوں اور پستیوں سے اٹھا اور بچا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِھٰذِہِ النِّعْمَۃِ۔ بہر کیف ایمان و یقین کی دولت سے محروم وہ لوگ جن کے نزدیک منہ اور معدہ ہی سب کچھ ہے وہ ہمیشہ ان مہالک میں ڈوبے رہتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

سے) گھیر لے گا، ۱۶۹ اور اے میری قوم کے لوگو! پورا کرو تم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ، اور کم کر کے مت دو تم لوگوں کو

أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۸۵﴾

ان کی چیزیں، ۱۷۰ اور مت پھرو تم لوگ (اللہ کی) زمین میں فساد مچاتے ہوئے، ۱۷۲

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ

اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہر حال بہتر ہے، ۱۷۳ اگر تم ایماندار ہو، ۱۷۴ اور میں تم پر

۱۷۰ عذابِ محیط کے آجانے کا ڈر: -سو حضرت شعیب نے ان لوگوں سے فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے ہولناک عذاب کا ڈر ہے جو تم لوگوں کو ہر طرف سے گھیر لے گا۔ اور ایسا کہ پھر اس سے بچنے اور بھاگ نکلنے کی کوئی صورت تمہارے لئے ممکن نہ ہوگی۔ تب تم لوگ رہ رہ کر افسوس کرو گے مگر بے وقت کے اس افسوس کا کوئی فائدہ تمہیں بہر حال نہ ہوگا۔ اس لئے میں تمہاری ہی بھلائی اور خیر خواہی کے لئے تم کو یہ دعوت دے رہا ہوں کہ تم آج حق کو قبول کر لو اور لوٹ آؤ راہِ حق وصواب کی طرف۔ تا کہ اس طرح تم دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں سے سرفراز و بہرہ ور ہو سکو۔ پس تم لوگ ناپ تول میں کمی کے اس جرم سے باز آجاؤ اور میں جو تم لوگوں کو اس وقت جس خوشحالی اور فارغ البالی میں دیکھ رہا ہوں تو اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تم لوگ اس طرح کی چکر بازیوں سے بچ کر حلال اور جائز ذرائع و وسائل پر اکتفا کرو۔ ورنہ میں تم لوگوں کے بارے میں ایک ایسے ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں جو تم سب کو اپنے گھیرے میں لے لیگا۔ سو جو رفاہیت اور خوشحالی تم لوگوں کو آج میسر ہے اس کا طبعی اور فطری تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ دل و جان سے اپنے رب کے شکر گزار اور اس کے قانونِ عدل و قسط کے فرماں بردار بنو اور اسکی ناقدری سے ڈرو اور بچو۔ ورنہ تمہاری یہی خوشحالی اور رفاہیت و فارغ البالی تمہارے عذاب کے لیے دیباچہ اور پیش خیمہ بن جائے گی اور وہ ہولناک عذاب تمہیں اس طرح گھیر لے گا کہ پھر کوئی اس سے کسی طرح نکل نہیں سکے گا۔ مجھے تمہارے اس موٹاپے اور پھیلاؤ کے اندر تمہاری ناگہانی موت اور ہولناک تباہی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ پس تم لوگ اپنی اصلاح کر لو قبل اس سے کہ تم اپنے اس ہولناک انجام سے دوچار ہو کر رہو- اور اس طور پر کہ پھر تمہارے لئے اس سے بچنے اور چھوٹ نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہی نہ رہے۔

۱۷۱ لوگوں کی چیزوں کو کم کرنے کی ممانعت: -سو حضرت شعیب نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ ناپ تول کو پورا کرو انصاف کے ساتھ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو۔ یعنی ان کے حقوق خواہ وہ حسی ہوں یا معنوی۔ افراد کے ہوں یا گروہوں، قوموں اور نسلوں کے۔ (المراغی، الصفوۃ وغیرہ)۔ سو جس کا جو حق

بنتا ہو وہ اس کو پورا پورا ادا کرو خواہ اس کا تعلق کیل سے ہو یا وزن سے یا عدد سے یا کسی اور اعتبار سے۔ ﴿اشیاء ھم﴾ کا عموم ان سب ہی صورتوں اور شکلوں کو عام اور شامل ہے۔ اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی دینی تعلیم کا ایک نہایت ہی اہم حصہ ہے۔ وباللہ التوفیق - قسط کے معنیٰ عدل و انصاف کے ہیں۔ سو حضرتِ شعیب نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق لوگوں کو ان کے حقوق دو اور ان کی چیزوں میں کسی طرح کی کمی مت کرو اور جس کا جو حق بنتا ہے وہ پورے کا پورا اس کو دیا کرو۔ سو حضرت شعیب کی دعوت وتبلیغ کے بنیادی عنصر دو ہیں۔ ایک توحید خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کہ یہ حضرت حق جل مجدہٗ کا حق ہے جو کہ بندے پر عائد اور واجب ہونے والا سب سے پہلا، سب سے مقدم اور سب سے اہم اور بنیادی حق ہے۔ اور دوسرا عنصر آنجناب کی دعوت وتبلیغ کا یہ تھا کہ لوگوں کو ان کے حق پورے پورے دو جو کہ خلاصہ ہے بنیادی حقوق العباد کا۔ اور توحید کی ضد شرک ہے اور عدل وقسط کی ضد ظلم اور حق تلفی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ توحید اور عدل وقسط اصل اور اساس ہے تمام تر اصلاح کی۔ اور انہی دو بنیادی امور پر دارین کی سعادت و سرخروئی کا مدار وانحصار ہے۔ اور اس کے برعکس شرک اور ظلم جڑ بنیاد ہے تمام شر وفساد کی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۱۷۲ فساد فی الارض کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے اپنی قوم سے فرمایا اور مت پھرو تم لوگ اللہ کی زمین میں فساد مچاتے ہوئے۔ اپنی بے دینی اور ان بدکرداریوں کے ذریعے جو کہ فتنہ وفساد کا مصدر ومنبع ہیں کہ اس سے اَخلاق تباہ ہوتے ہیں۔ معاشرے کا امن وسکون خراب ہوتا ہے اور نظامِ زندگی میں خلل اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کہ راہِ حق سے اِعراض و اِنحراف جڑ بنیاد ہے سب خرابیوں اور بربادیوں کی۔ جیسا کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ دنیا ساری میں اور خود ہمارے اپنے ملک کے اندر جو کہ اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا اور جس کو ''اسلامی جمہوریہ'' کہا جاتا ہے اس میں فتنہ وفساد، قتل وخونریزی، چوری وڈکیتی، دنگے وفساد، لڑائیاں جھگڑے، گالی گلوچ، سرپھٹول وغیرہ کا دور دورہ ہے اور ان بدعملیوں کے نتیجے میں سیلاب و زلزلے، طوفان وآندھیاں اور قحط سالیاں اور کافروں اور مشرکوں کا تسلط وغیرہ وغیرہ کیا کیا عذاب ہیں جو ہم پر نازل اور مسلط ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ مگر دنیا ہے کہ فساد کی اس اصل جڑ کی طرف توجہ ہی نہیں کر رہی۔ فالی اللہ المشتکیٰ - وَاِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں کو فساد فی الارض سے روکا اور منع فرمایا کہ یہ سب کچھ ہلاکت وتباہی کا باعث ہے اور فساد فی الارض کی جڑ بنیاد اور حضرت حق جل مجدہٗ کے دین سے منہ موڑنا اور اس کے اوامر وارشادات سے اعراض وانحراف ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ کہ اس کا نتیجہ وانجام بہرحال ہلاکت وتباہی اور اَبدی خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللھم فخذ بنواصینا الیٰ ما فیہ حبک والرضا بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ وَاَنْتَ الْعَزِیْزُ الْوَھَّاب

۱۷۳ حلال کمائی باعثِ خیر وبرکت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں سے مزید فرمایا کہ

اللہ کی بخشی ہوئی بچت تمہارے لیے بہرحال بہتر ہے کہ خیر و برکت بہرحال اسی میں ہے جو حلال اور پاکیزہ ہو، اور یہ اللہ پاک کا ایک محیر العقول اور پرحکمت نظام ہے جس میں غور وفکر کا بڑا سامان ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بکری سال میں ایک دو بچے دیتی ہے۔ پھر بھی بکریوں کے ہر جگہ ریوڑوں کے ریوڑ ملیں گے جبکہ اس کے مقابلے میں ایک بلی اور کتیا سال میں پانچ چھ بچے دیتی ہے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور ان کے کاٹنے ذبح کرنے کا بھی کوئی سوال نہیں۔ مگر اس کے باوجود کتوں بلوں کے اتنے بڑے بڑے ریوڑ ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکیں گے۔ اس کی توجیہ اس کے سوا آپ اور کیا کر سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس قادرِ مطلق کے حکمتوں بھرے نظام کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ان کو حق وحلال چیزوں میں برکت و کثرت اور بہتات سے نوازتا ہے اور ان میں ان کے لئے برکتوں پر برکتیں رکھ دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو چیز حضرتِ انسان کی ضرورت میں کام آنے والی نہیں ہوتی اور وہ حلال اور پاکیزہ نہیں ہوتی اس کو وہ برکت سے محروم کر کے اس کو مٹاتا اور تلف کرتا جاتا ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ وَعَمَّتْ رَحْمَتُهٗ وَحِكْمَتُهٗ۔ سو برکت ایک عظیم الشان لفظ اور وسیع الاطراف مفہوم ہے اور یہ چیز اللہ کے دیئے ہوئے حلال رزق کے ذریعے ہی مل سکتی ہے۔ اس لیے تم لوگ حرام سے بچو اور اللہ کی بخشی ہوئی بچت اور رزقِ حلال ہی پر اکتفاء کرو۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف بقیۃ اللہ (اللہ کی بچت) سے مراد وہ جائز نفع ہے جو حلال اور جائز تجارت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اور حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد انسان کے پاس بچتا ہے۔ پس تاجر کو اپنے اس کاروبار میں جائز حدود کی پابندی کرنی چاہیئے اور ناجائز ذرائع سے بچنا چاہیے اور اس کے مال میں اللہ اور اس کے بندوں کے جو حقوق بنتے ہوں ان کو بلا کم وکاست ادا کرنا چاہیئے۔ کہ اس طرح سے حاصل ہونے والا رزقِ حلال ہی اسکے لیے باعثِ خیر و برکت ہے۔ اور برکت ایک ایسا عظیم الشان لفظ ہے جس کے اندر خیر کے مختلف پہلو پائے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۷۲ ایمانداری کا تقاضا رزقِ حلال پر اکتفا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اللہ کی دی ہوئی بچت تم لوگوں کے لیے بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو کہ ایمانداری کا تقاضا یہی ہے کہ تم لوگ حرام سے بچ کر حلال پر اکتفاء کرو اور اسی میں تمہارے لئے دارین کی بھلائی ہے۔ سو ایمانداری کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ رزقِ حلال ہی پر اکتفاء کرو ورنہ ایمانداری کا دعویٰ محض زبانی کلامی جمع خرچ بن کر رہ جائے گا۔ اور محض زبانی کلامی ایمان کا کوئی فائدہ نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کیونکہ ایمانداری کے تقاضوں کے مطابق حاصل کیا ہوا نفع جو بقیہ اللہ (اللہ کی دی ہوئی بچت) کی حیثیت رکھتا ہے وہ ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ مال سے کہیں بہتر اور بڑھ کر ہے اگرچہ وہ بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس میں دنیا اور آخرت دونوں کی خیر اور برکت ہوگی جبکہ اسکے مقابلے میں ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ مال دنیا میں خیر و برکت کے جوہر سے خالی محروم ہوگا اور آخرت میں وہ دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ کا موجب بنے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین۔

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ

کوئی نگران کار نہیں ہوں ۱۷۵ ان لوگوں نے اس کے جواب میں کہا، اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہی کچھ سکھاتی ہے کہ

تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

ہم چھوڑ دیں ان چیزوں کو جن کی پوجا (و پرستش) کرتے چلے آئے ہیں ہمارے باپ ۱۷۶ دادا؟ یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں اپنی منشا

۱۷۵ احساسِ ذمہ داری کا درس:۔ سو حضرت شعیب نے احساس ذمہ داری کے طور پر ان لوگوں سے فرمایا اور میں تم لوگوں پر کوئی نگرانِ کار نہیں ہوں۔ کہ تم کو زبردستی منوا کر اور عمل کروا کر چھوڑوں۔ میرے ذمے تو تبلیغِ حق ہے اور بس۔ اور وہ میں نے کر دی۔ والحمدللہ۔ اس سے آگے منوا لینا اور راہِ حق پر ڈال دینا نہ میری ذمہ داری ہے اور نہ ہی میرے بس میں ہے۔ یہ سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے ذمے اور اسی کے حوالے ہے۔ میں نے اصل حقیقت تمہارے سامنے واضح کر دی اور حق اور حقیقت کو پوری طرح کھول کر اور نکھار کر بیان کر دیا۔ آگے تمہاری مرضی تم جانو اور تمہارا کام۔ میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر لی۔ اب اگر تم لوگ مانو گے تو تمہارا بھلا ورنہ خود تمہارا اپنا ہی خسارہ و نقصان۔ سو تم نے اگر میرے اس پیغامِ حق و صداقت کو مانا تو اس میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا اور فائدہ ہے دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ میرا کام تو اِنذار اور تبشیر ہے اور بس۔ میں تم لوگوں پر کوئی نگران اور داروغہ نہیں ہوں کہ تمہارے ایمان نہ لانے کی پوچھ مجھ سے ہو۔ بہر کیف اس میں احساس ذمہ داری کا اہم اور عظیم الشان درس پایا جاتا ہے کہ انسان اپنے بارے میں خود دیکھ اور سوچ لے کہ میرا نفع و نقصان کس میں ہے اور اسی کے مطابق وہ اپنے اخذ و ترک کا فیصلہ کرے۔ اور اسی بنیاد پر حضرت نبی معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے یہ اہم اور بنیادی تعلیم دی "استفت قلبک" یعنی تم خود اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لیا کرو اگرچہ لوگ کچھ کہیں۔ سو احساس ذمہ داری اور قلب و ضمیر کی بیداری اصل اساس ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

۱۷۶ قومِ شعیب کا حضرتِ شعیب کو معاندانہ جواب:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے حضرت شعیب کی اس دعوتِ حق کے جواب میں کہا کہ کیا تمہاری نماز تم کو یہی سکھاتی پڑھاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی پوجا [و پرستش] ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں؟۔ یعنی وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہ دلیل و حجت تو کچھ نہیں۔ صرف چونکہ بڑے ایسا کرتے آئے بس ہم بھی کریں گے کہ جہاں انہوں نے ایک مکھی ماری تھی وہاں پر ہم بھی مکھی پر مکھی مارتے چلے جائیں گے اور بس۔ اور یہی منطق آج کا جاہل مسلمان پیش کرتا ہے کہ فلاں فلاں کام چونکہ ہمارے بڑے اور بزرگ کرتے آئے ہیں اس لئے ہم بھی کرتے ہیں اگرچہ دین کی تعلیماتِ مقدسہ میں اس کے لئے کوئی سند اور دلیل موجود نہ ہو۔ والعیاذ باللہ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَشَرٍّ۔ سو یہ عناد اور ہٹ دھرمی کی وہ شکل ہے جسکے بعد حق و ہدایت کی کوئی بات کام نہیں دے سکتی اور انسان اندھا بہرا بن کر رہ جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ بہر کیف حضرتِ شعیب کی قوم کے ان بدبختوں نے آپ کی پرخلوص دعوت کے جواب میں کہا کہ کیا تمہاری نماز تمہیں یہی سکھاتی پڑھاتی ہے کہ ہم اپنے ان معبودوں کی پوجا پاٹ کو ترک کر دیں جن کو ہمارے بڑے پوجتے چلے آئے ہیں اور ہم لوگ اپنے مالوں کے اندر اپنی مرضی اور صوابدید کے مطابق عمل نہ کریں۔ کیا ہمارے اگلے پچھلے سب بے وقوف اور گمراہ تھے۔ بس ایک تم ہی تم دانا و بینا اور ہدایت یافتہ شخص رہ گئے ہو؟

فِيٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

کے مطابق تصرف نہ کریں؟ ۱۷۷ (بلکہ ان پر تمہاری ہی بات چلے کہ) بس تم ہی تم ہو ایک بڑے عالی ظرف اور راستباز انسان (اور بس؟) ۱۷۸

۱۷۷ دینِ حق کے بارے میں مادہ پرستوں کا مشترکہ نقطۂ نظر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے حضرت شعیب سے مزید کہا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں؟۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا اور ہم اپنے معاملات میں آپ کی اس مداخلت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مادہ پرست ذہنیت کی یہ پرانی تکنیک ہے جو آج بھی موجود ہے کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دین و دنیا کے دائرے الگ الگ ہیں اور یہ کہ مذہب انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے۔ ملکی، قومی اور حکومتی معاملات میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یورپ، امریکہ وغیرہ میں اسی مادہ پرستانہ ذہنیت کا دور دورہ ہے اور اسلامی ملکوں میں بھی روشن خیالی کے دعویدار کچھ نام نہاد مسلمان اسی طرح کی آوازیں اٹھاتے رہتے ہیں۔ یورپ و امریکہ کے مادہ پرست ملکوں میں اس فریب کی تو گنجائش بھی ہوسکتی ہے کہ وہاں پر عیسائیت اور یہودیت کے نام سے جو دین آج پیش کیا جاتا ہے وہ آسمانی اور خداوندی دین ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ انسانی ہاتھوں کی اپنی کارستانی کا نتیجہ وملغوبہ ہے۔ مگر دینِ حق اسلام کو اس پر قیاس کرنے والے دراصل اپنی عقلوں کا ماتم کرتے ہیں کہ اسلام تو خداوندِ قدوس کا عطا فرمودہ وہ نسخۂ کیمیا اور دینِ کامل ہے جو قیامت تک انسانیت کی راہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا ہے اور جو زندگی کے ہر دائرے میں اور ہر موڑ پر انسان کی راہنمائی کرتا ہے اور وہ عقائد سے لے کر اخلاق واعمال تک، شخصی وخانگی زندگی سے لے کر جماعتی اور حکومتی دور تک، باطن سے لے کر ظاہر تک، دل سے لے کر اعضاء و جوارح تک، زندگی سے لے کر موت و قبر اور اس کے بعد تک، دنیا سے لے کر آخرت تک، ہر ہر گوشہ اور ہر ہر موڑ سے متعلق واضح احکام اور حکیمانہ تعلیمات سے نوازتا ہے جو عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس کو انسان کا شخصی اور پرائیویٹ معاملہ قرار دینا اور اپنی خواہشاتِ نفس کے لئے چھوٹ حاصل کرنے کی کوشش کرنا سراسر ظلم، فریب اور محرومی کی راہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بہرکیف قومِ شعیب کے ان مادہ پرستوں نے حضرتِ شعیب کو یہی جواب دیا جو اسی فاسد ذہنیت کا عکاس وآئینہ دار ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۱۷۸ ابنائے دنیا کا دینِ حق کے بارے میں ایک سا رویہ:۔ سو ان لوگوں نے حضرتِ شعیب سے کہا کہ کیا تم ہی ایک عالی ظرف اور راستباز انسان ہو جو ہمیں ایسی ایسی باتیں بتلاتے ہو۔ اور یہ انہوں نے طنز واستہزاء کے طور پر کہا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ طنز واستہزاء نہ ہو بلکہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ آپ ایسے سمجھدار ہو کر ہمیں ایسی باتوں کی تلقین کیسے کرتے ہیں جو کہ نہ کرنے کی باتیں ہیں۔ یعنی پہلے تو تم ہمارے درمیان اچھی سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔ اب تم کو یہ کیا ہوگیا ہے اور تم یہ کیسی باتیں کرنے لگے ہو۔ (روح، معالم، ابنِ کثیر اور جامع البیان وغیرہ)۔ سو یہ وہی بات ہے جو کہ پیغامِ حق پہنچانے پر ہر پیغمبر کو کہی گئی۔ سو ابنائے دنیا کا حق کے مقابلے میں طریقہ وطیرہ ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ بہرکیف ان لوگوں نے حضرتِ شعیب سے کہا کہ تمہاری ان باتوں سے تو یہ لگتا ہے کہ تمہاری نگاہ میں اگلے پچھلے سب گمراہ تھے۔ بس ایک تم ہی دانا وبینا اور راہ یاب رہ گئے ہو۔ اور تمہاری ہی بات چلے اور تم ہی مطاع بن کر رہو؟ یعنی نہیں ایسے نہیں ہوسکتا۔ اللہ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ

شعیب نے فرمایا، بھائیو، ذرا غور تو کرو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر قائم ہوں **ف۱۷۹** اور اس نے

وَرَزَقَنِىۡ مِنۡهُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُخَالِفَكُمۡ

اپنے یہاں سے مجھے ایک عمدہ دولت سے بھی نواز رکھا ہو، (تو پھر میں کیسے حق نہ کہوں؟) **ف۱۸۰** اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ

اِلٰى مَاۤ اَنۡهٰٮكُمۡ عَنۡهُ ؕ اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا

تمہارے برخلاف خود وہ کام کرنے لگوں جن سے تم کو روکتا ہوں، میں تو بس اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک مجھ سے

اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ

ہوسکے **ف۱۸۱** اور مجھے (اس کام کی) توفیق بھی اللہ ہی کی مدد سے ہوتی ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے، اور میں اپنے

۱۷۹ پیغمبر کا ارشاد نورٌ علیٰ نور کا مصداق: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں کے دامن فکر کو جھنجوڑتے ہوئے ان سے فرمایا کہ تم لوگ ذرا سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر قائم ہوں۔ پھر اس نے مجھے اپنی طرف سے رزق حسن سے بھی نوازا ہو تو پھر میں دعوتِ حق وہدایت سے کس طرح خاموش رہ سکتا ہوں کہ یہ میری فطرت کی آواز بھی ہے اور میرے فرض منصبی کا تقاضا اور ذمہ داری بھی ہے۔ سو اس میں بینہ سے مراد وہ طبعی وفطری نورِ بصیرت ہے جو ہر نبی بلکہ ہر سلیم الفطرت انسان کو اپنے اپنے مرتبہ ومقام اور درجہ وشان کے مطابق عطا فرمایا جاتا ہے۔ جو برہانِ عقلی اور دلیلِ نقلی سے اور زیادہ پکا و پختہ ہوتا اور جلا پاتا ہے۔ یہاں تک کہ حق اس کے سامنے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اور "بینہ" کہتے ہی اس کو ہیں جس سے حق واضح ہو جائے "ما تبین به الحق" (المنار، تدبر، وغیرہ)۔ سو حضراتِ انبیائے کرام کے نفوسِ زکیہ میں یہ نورِ فطرت وبصیرت سب سے زیادہ اور قوی ہوتا ہے۔ اور پھر نور وحی کی روشنی سے ان کا معاملہ درجۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اس طرح پیغمبر کا قول وارشاد نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن جاتا ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بہرکیف حضرتِ شعیب نے ان کے قلوب وضمائر کو جھنجوڑتے ہوئے ان سے فرمایا کہ ذرا دیکھو اور سوچو کہ اگر میں نورِ حق پر مبنی ایک روشن اور واضح دلیل پر قائم ہوں اور مجھے وحی کے نور سے بھی سرفراز فرما دیا گیا ہو اور تم پھر بھی عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لو تو تم لوگ کتنے بدبخت اور کس قدر گھاٹے کا سودا کرو گے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔

۱۸۰ رزقِ حسن سے مقصود ومراد؟: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر حضرت شعیب نے ان لوگوں سے کہا کہ مجھے میرے رب نے رزقِ حسن سے بھی نواز دیا ہو۔ یعنی ظاہری مال ودولت سے بھی جو کہ مجھے جائز اور حلال طریقوں سے اس واہبِ مطلق۔ جلّ وعلا۔ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ آپؑ کے پاس دنیاوی مال ودولت کے اعتبار سے بھی بہت کچھ تھا۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو یہ بھی اللہ پاک کی شئونِ مختلفہ میں سے ایک شان ہے کہ وہ اپنے خاص

اور چنے ہوئے بندوں کو بھی کبھی کبھی دنیاوی مال و دولت سے غیر معمولی طور پر نوازتا ہے۔ تا کہ ان کی شانِ شکر و انابت بھی واضح جائے۔ جیسا کہ حضرتِ داؤد و سلیمٰن کو نوازا۔ جس پر انہوں نے ابنائے دنیا کی طرح اکڑنے اور اترانے کی بجائے بے مثال شکر و اِنابت اور رجوع الی الحق کا نمونہ پیش فرمایا۔ اور جس طرح کہ ہمارے حضور حضرتِ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو پیش کش فرمائی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے پہاڑ سونے کے بن کر آپ کے ساتھ چلنے لگیں تو آپ نے فرمایا کہ میں اس قدر سونے اور اتنی دولت کو کیا کروں گا؟ میں تو چاہتا ہوں کہ ایک دن ملے تو کھا کر شکر ادا کروں اور ایک دن نہ ملے تو صبر سے کام کروں۔ کما ھو مصرح فی صحاح الاحادیث۔ سو آپ کا فقر اختیاری تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نیز رزق حسن سے وحی و نبوت کی وہ دولتِ عظیم بھی مراد لی گئی ہے جو کہ کائنات کی سب سے بڑی دولت ہے۔ اور جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح کی راہ بتاتی ہے اور اس کو رزقِ حسن اور عمدہ دولت سے تعبیر کرنے میں یہ درس ہے کہ جس طرح انسان کو ظاہری اور مادی ضرورتوں کی تحصیل و تکمیل کے لئے ظاہری اور مادی روزی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر اس کو معنوی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے نورِ وحی کی ضرورت ہوتی ہے؟ اور جوابِ شرط یہاں پر محذوف ہے۔ یعنی کیا اس کے بعد میرے لئے یہ جائز اور ممکن ہوسکتا ہے کہ میں اپنے رب کی نافرمانی کروں؟ اور خیانت سے کام لوں جس طرح کہ تمہارا کہنا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، ایسے کبھی نہیں ہوسکتا۔ اور میں اس طرح کبھی نہیں کرسکتا۔ بہر کیف اس رزقِ حسن سے یہاں پر وہ حلال روزی بھی مراد ہوسکتی ہے جو آنجناب کو جائز اور حلال ذرائع سے حاصل ہوئی تھی۔ جس میں اہلِ دنیا کے لیے یہ درس ہے کہ ناجائز ذرائع کو ترک کرنے سے آدمی کوئی محتاج اور قلاش ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ اس کو حلال اور جائز ذرائع اختیار کرنے سے رزقِ حسن سے نوازا جاتا ہے۔ جس طرح کہ آنجناب کو نوازا گیا تھا۔ اور اس سے مراد نبوت و رسالت کا معنوی رزق بھی ہوسکتا ہے جو کہ ظاہری اور مادی رزق سے کہیں بڑھ کر اور اصل اور حقیقی رزق ہے۔ لفظ میں ان دونوں معنوں کی گنجائش موجود ہے اور حضراتِ اہلِ علم سے دونوں ہی قول و احتمال مروی و منقول ہیں۔ اور یہ دونوں یکجا بھی مراد ہوسکتے ہیں کہ ان میں باہم کوئی تضاد اور منافات نہیں۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، مدارک التنزیل، صفوۃ التفاسیر اور المراغی وغیرہ)۔ والحمد للہ جل وعلا وبہ التوفیق لما یحب ویرضی وعلیٰ ما یحب ویرضیٰ بکل حال من الاحوال۔

۱۸۱ پیغمبر کی دعوت قطعی بے لوث اور مخلصانہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت نوح نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف خود وہ کام کرنے لگوں جن سے تم لوگوں کو روکتا اور منع کرتا ہوں۔ پس تم لوگ اس طرح کی کسی بدگمانی میں مبتلا نہ ہونا کہ میں تم لوگوں کو ناپ تول میں کمی سے روکوں۔ اور اس طرح تم لوگوں کو بازار سے بے دخل کر کے خود اس پر قابض ہو جاؤں۔ سو ایسی کوئی بات نہیں ہے اور میرا کام اِصلاحِ احوال کے لیے حتی المقدور کوشش کرنا ہے اور بس۔ سو پیغمبر کا اصل کام اِصلاحِ اَحوال کے لیے حتی الوسع والمقدور کوشش کرنا ہوتا ہے اور بس۔ اپنے وعظ و نصیحت اور کلمۂ خیر کی تعلیم و تبلیغ سے۔ اس سے آگے بڑھ کر لوگوں سے منوانا اور قبول کرا لینا نہ تو ان کے ذمے ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے بس اور اختیار میں۔ البتہ اِصلاحِ اَحوال کی کوشش میں اپنی ہمت و بساط کی حد تک ہر حال میں کرتا رہوں گا۔ سو پیغمبر کا کام حتی الوسع والمقدور اِصلاحِ اَحوال کی کوشش کرتے رہنا ہے۔ لوگوں کو رجوع الی اللہ کا درس دے کر اور یہی کام انکے بعد ان کے سچے پیروکاروں اور دعاۃِ حق کا ہے کہ۔ بر رسولاں بلاغ است وبس۔ سو اس سے پیغمبر کی بے غرضی اور ان کا جذبۂ خیر خواہی واضح ہو جاتا ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ ان کی پیروی نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾ وَيَٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِىٓ أَن

ہر کام میں رجوع بھی اسی کی طرف کرتا ہوں ۱۸۲ اور اے برادرانِ قوم، کہیں میری ضد تمہیں اس حد تک نہ پہنچا دے، کہ تم

يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَآ أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ

پر بھی وہی عذاب آ کر رہے جو (اس سے پہلے) قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح پر آ چکا ہے، اور قومِ لوط تو تم سے کچھ

قَوْمَ صَٰلِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ ﴿٨٩﴾ وَٱسْتَغْفِرُوا۟

زیادہ دور بھی نہیں ۱۸۳ اور معافی مانگو تم سب اپنے رب سے (اپنے گزشتہ کئے کرائے کی،) پھر اسی کی طرف رجوع کرو (اپنے

۱۸۲ پیغمبر کا بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں سے کہا کہ میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ کسی کارِ خیر کی توفیق سے نوازنا بھی اس کی شان ہے اور کسی شر سے بچانا اور محفوظ رکھنا بھی اسی کا کام اور اسی کی شان ہے۔ اس لئے میں نے ہر حال میں اور ہر اعتبار سے بھروسہ و اعتماد اسی پر کر رکھا ہے اور رجوع بھی اس کی طرف کرتا ہوں۔ سبحان اللہ۔ حضراتِ انبیاء کا اسوۂ وطریقہ کیا ہے اور آج کا کلمہ گو مشرک کیا کہتا اور کرتا ہے کہیں وہ کہتا ہے "سہارا پنجتن دا"، کہیں "یا علی مدد" اور کہیں "یا پیر دستگیر" وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ حالانکہ یہ پاکیزہ ہستیاں جن کو ایسے لوگ اپنے شرکیہ نعروں سے پکارتے ہیں خود اللہ پاک ہی کو پکارا کرتی تھیں۔ اور ہمیشہ توحید خداوندی کا درس دیتی رہیں۔ لیکن جاہل مسلمان انہی کے نام سے شرک کرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف حضرتِ شعیب نے ان منکر اور معاند لوگوں سے فرمایا کہ میں تو صرف اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک میرا بس چلے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت ہی پر موقوف و منحصر ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے اور میں اسی کی طرف لوٹتا اور رجوع کرتا ہوں۔ کہ یہی راہِ حق وہدایت ہے اور یہی عقل ونقل کا تقاضا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۱۸۳ تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم وتلقین: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں سے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ کہیں تم کو میری ضد اس حد تک نہ پہنچا دے کہ تم پر وہی عذاب آ کر رہے جو اس سے پہلے قوم نوح قوم عاد اور قومِ صالح پر آ چکا ہے۔ اور قومِ لوط تو تم سے کچھ دور نہیں۔ زمانے کے اعتبار سے بھی اور جگہ و مکان کے اعتبار سے بھی۔ تو پھر تم لوگ اس کے انجام سے سبق کیوں نہیں لیتے اور عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ سو بدل دو تم لوگ اپنے طور طریقے اور اصلاح کر لو اپنی اور اپنے تعلق داروں کی۔ اور درست کر لو اپنے احوال کو وحیِ خداوندی کی روشنی میں قبل اس سے کہ تم بھی دوچار ہو جاؤ اسی ہولناک انجام سے جس سے وہ لوگ ہو چکے ہیں کہ اللہ کا قانون و دستور سب کیلئے عام، یکساں اور بے لاگ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری دشمنی اور میری دعوت سے عداوت و بَیر تم لوگوں کو اسی انجام سے دوچار کر دے جس سے اس سے پہلے قومِ نوح، قومِ ہود اور قومِ صالح دوچار ہو چکی ہے۔ سو نصیحت پکڑو تم لوگ ان ہلاک شدہ قوموں کے حال و مآل اور ان کے ہولناک انجام سے قبل اس سے کہ تم بھی اسی انجام سے دوچار ہو کر رہو۔ اور اس سلسلے میں قومِ لوط تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں۔ پس اس سے تم لوگ درسِ عبرت لو اور اپنے حال کی اصلاح کر لو۔

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّىْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا

آئندہ کے لئے) بیشک میرا رب بڑا ہی مہربان نہایت ہی محبت رکھنے والا ہے (اپنی مخلوق سے،) ۱۸۴ انہوں نے جواب دیا

يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ

اے شعیب، تمہاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں ۱۸۵ اور ہم تجھے اپنے درمیان بالکل ہی کمزور پاتے ہیں

فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَآ اَنْتَ

اور اگر تیرے خاندان کا پاس نہ ہوتا تو ہم نے تجھے کبھی کا سنگسار کر (کے ختم کر) دیا ہوتا، کہ تم تو ہمارے اوپر کچھ بھاری

عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِىْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ

نہیں ہو ۱۸۶ شعیب نے فرمایا اے میری قوم! کیا میرا خاندان تم لوگوں پر اللہ سے بھی زیادہ بھاری ہے؟ (کہ اس کا تو تمہیں

۱۸۴ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت ومحبت کا حوالہ وذکر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں سے کہا کہ بے شک میرا رب بڑا ہی مہربان، نہایت ہی محبت کرنے والا ہے۔ ایسا مہربان اور اتنی محبت کرنے والا الرحیم و دود کہ عمر بھر کا گنہگار اور گناہوں میں سراپا ڈوبا ہوا انسان بھی اگر اس کے حضور سچے دل سے توبہ کر کے رجوع کرلے تو وہ -جلّ جلالہٗ- اس کو بھی معاف فرما دیتا ہے اور اس کو سب گناہوں کی میل سے بالکل پاک وصاف کر دیتا ہے۔ اور جب وہ انسان کا خالق اور موجد ہے تو اس کی اس رحمت و مہربانی اور محبت و مودت کا جو اس کو اپنے بندوں سے ہے اندازہ ہی کون کرسکتا ہے؟ -سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى -فَاِيَّاهُ نَسْأَلُ اَنْ يَّغْفِرَلَنَا ذُنُوْبَنَا كُلَّهَا، دِقَّهَا وَجِلَّهَا، اَوَّلَهَا وَاٰخِرَهَا، سِرَّهَا وَعَلَانِيَتَهَا، مَا عَلِمْنَا مِنْهَا وَمَا لَمْ نَعْلَمْ، فَمَغْفِرَتُه- جَلَّ وَعَلَا- اَوْسَعُ وَاَكْثَرُ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَرَحْمَتُهٗ- تَبَارَكَ وَتَعَالٰى- اَرْجٰى عِنْدَنَا مِنْ عَمَلِنَا- سو ایسے ربِ رحیم و ودود سے مایوس ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اصل چیز ہے اسکی طرف صحیح اور سچے دل سے رجوع ہونا اور ہمیشہ رجوع رہنا- وباللہ التوفیق- سو آیتِ کریمہ کے آخر میں حضرتِ حق - جَلَّ مَجْدُهٗ - کی صفاتِ کریمہ میں سے رحمت اور محبت کی دو صفتوں کا حوالہ دینے سے مقصود استغفار اور توبہ کی ترغیب وتشویق بھی ہے اور نہایت لطیف انداز میں اسکی قبولیت کی بشارت وخوشخبری بھی۔ سو تمہارے جرائم کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں جب تم لوگ صدقِ دل سے اسکی طرف رجوع کرو گے تو وہ تمہیں ٹھکرائے گا نہیں بلکہ معاف کر کے اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے نوازے گا کہ وہ بڑا ہی مہربان نہایت ہی محبت کرنے والا ہے- اور اتنا واسقدر کہ اس کی رحمتوں برکتوں اور عنایتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۸۵ منکروں کے تکبر کا ایک نمونہ ومظہر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے حضرت شعیب سے کہا کہ

تمہاری بہت سی باتیں ہمیں سمجھ نہیں آ رہیں۔ سو اس سے ان منکر لوگوں کے تکبر اور ان کی ہٹ دھرمی کا ایک مظہر اور نمونہ سامنے آتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ دل کی دنیا اور نیت اگر درست نہ ہو تو پیغمبر کی صاف و صریح بات بھی انسان کو سمجھ نہیں آتی۔ جیسا کہ قوم شعیب کے کفار کے اس جواب سے ظاہر اور واضح ہے۔ آج بھی اس حقیقت کا مشاہدہ جگہ جگہ اور طرح طرح سے ہوتا رہتا ہے کہ اہلِ بدعت اور دوسرے اہلِ زیغ و ضلال اور اَصحابِ کبر و غرور کے سامنے عقل و نقل اور قرآن و سنت کے کتنے ہی ٹھوس اور واضح دلائل پیش کئے جائیں ان کے صفا چٹ دلوں میں ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اِلاَّ مَا شَآءَ اللّٰہ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا ۔ سو صدقِ نیت اور صفائے باطن اِصلاحِ اَحوال کی اولین اساس اور بنیادی شرط ہے جس پر اصل دارومدار ہے۔ اللہ ہمارے بواطن اور ظواہر کو درست فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ بہرکیف حضرتِ شعیب کی اس مخلصانہ دعوت اور دردمندانہ پند و نصیحت اور موعظت کا جواب ان متکبر لوگوں نے پورے کبر و غرور اور رعونت کے ساتھ یہ دیا کہ ''تمہاری بہت سے باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں''۔ یعنی یہ بیکار اور مہمل قسم کی باتیں ہیں جو ہمارے لیے لائقِ اعتناء ہی نہیں۔ بھلا ہم سے بڑھ کر عقلمند اور دانا و بینا اور جہاں دیدہ اور کون ہو سکتا ہے؟ سو اس طرح ان بدبختوں نے دعوتِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر اور اسکے قبول کرنے سے انکار کر کے اپنی محرومی اور شقاوت و بدبختی کو اور پکا کر دیا۔ اور اپنے قول و قرار سے یہ واضح کر دیا کہ اب ان کے اندر خیر کی کوئی رمق باقی نہیں رہی اور اب ان کا وجود اللہ کی دھرتی پر ایک ناروا بوجھ بن گیا ہے۔

۱۸۶ شرک کی ایک خاصیت خالق کی بجائے مخلوق سے ڈرنا: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے حضرتِ شعیب سے کہا کہ ہم تمہیں اپنے درمیان بالکل کمزور دیکھتے ہیں۔ اگر ہمیں تمہارے خاندان کا پاس و لحاظ نہ ہوتا تو ہم یقیناً تم کو کبھی کا سنگسار کر دیتے۔ سو یہ بھی مشرک انسان کی ایک عمومی اور مشترک نفسیات ہمیشہ رہی ہے۔ کل بھی تھی اور آج بھی ہے کہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتا مگر اس کی کمزور مخلوق بلکہ بالکل فرضی اور وہمی چیزوں سے ڈرتا ہے۔ چنانچہ آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ شرک کے مارے ہوئے ہوٰی و ہوس کے ایسے بندے جب اللہ کے گھروں (مسجدوں) میں سے کسی گھر کے پاس سے گزر رہے ہوتے ہیں تو بالکل لاپرواہی سے ڈھول بجاتے، سیٹیاں مارتے اور ناچتے تھرکتے گزر جاتے ہیں۔ مگر جب ایسے لوگ کسی قبر، کسی جھنڈیوں والے درخت، یا کسی نام کی کسی بناوٹی ''سرکار'' کے پاس سے گزریں گے تو یکدم مؤدب ہو جائیں گے۔ سلام کرنے اور ہاتھ چومنے لگ جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس طرح ان کے مشرکانہ اوہام کے اندر اضافہ ہی ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ سو مشرک انسان اللہ سے نہیں ڈرتا اسکی مخلوق سے ڈرتا ہے۔ بلکہ ایسی فرضی اور وہمی چیزوں سے ڈرتا ہے جن کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ بہرکیف ان لوگوں نے حضرتِ شعیب کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہمیں تمہارے کنبے قبیلے کا پاس و لحاظ نہ ہوتا تو تم سے نمٹنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں تھا۔ تم ہم پر کوئی گراں اور بھاری نہیں ہو۔ سو ایسے ہٹ دھرم منکروں سے کسی خیر کی کوئی توقع آخر کس طرح کس طرح کی جا سکتی ہے؟ ۔ اور ان کا بھلا کیسے اور کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اور ان کی بگڑی آخر کیسے اور کس طرح بن سکتی ہے؟

اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِمَا

خوف ہے مگر میرے) اللہ کو تم نے بالکل پسِ پشت ڈال دیا ہے؟ و۱۸۷ یقین رکھو کہ میرا رب ان سب کاموں کو پوری طرح قابو

تَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ

میں رکھے ہوئے ہے جو تم لوگ کر رہے ہو و۱۸۸ اور اے میری قوم (اب آخری بات یہ ہے کہ) تم اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ

اِنِّىۡ عَامِلٌ ؕ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ

میں اپنے طریقے پر کر رہا ہوں، جلد ہی تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب جو اسکو رُسوا

يُّخۡزِيۡهِ وَمَنۡ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارۡتَقِبُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ

کر کے رکھدے، اور کون ہے وہ جو جھوٹا ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ

رَقِيۡبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا شُعَيۡبًا وَّالَّذِيۡنَ

چشم براہ ہوں و۱۸۹ اور (آخرکار) جب آپہنچا ہمارا حکم تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور ان سب کو

۱۸۷ ڈرنے کا اصل حق صرف اللہ ہی سے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ شعیب نے ان لوگوں سے کہا کہ کیا میرا خاندان تم پر اللہ سے بھی زیادہ بھاری ہے؟ کہ اس کا تو تمہیں خوف اور ڈر ہے مگر میرے اللہ کو تم لوگوں نے پسِ پشت ڈال دیا؟ سو اس سے آنجناب نے واضح فرما دیا کہ اللہ ہی اس کا حقدار ہے کہ اسکے بندے اس سے ڈریں۔ اللہ کی کروڑوں رحمتیں اور برکتیں ہوں حضرتِ شعیبؑ پر اور تمام دُعاۃِ حق اور سارے انبیائے کرام پر۔ کیسے پرسوز انداز اور درد بھرے لہجے میں آپ نے کل کے ان مشرکوں کا نقشہ کھینچا ہے، جس کے آئینے میں آج کے کلمہ گو مشرکوں کا چہرہ بھی صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ بھی قوموں، قبیلوں، شرطیوں، پولیس مینوں اور ننگ دھڑنگ ملنگوں اور خود ساختہ سرکاروں وغیرہ سے تو ڈریں گے مگر اللہ کی یاد اور اس کے خوف سے ان کے دل خالی ہوں گے۔ الا ماشاء اللہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ حالانکہ اللہ ہی اس کا حقدار ہے کہ بندہ اس سے ڈرے اور ہر حال میں اور ہر وقت ڈرے۔ ایک تو اس لیے کہ خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے اور نفع ونقصان کا مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور دوسرے اس لیے کہ خالق اور مالک ہونے کے اعتبار سے حق بھی اسی کا ہے کہ بندہ اسی سے ڈرے۔ بہرکیف حضرتِ شعیب نے ان لوگوں کی دھمکی کے جواب میں دکھ اور درد بھرے انداز میں فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو کیا تم اس حد تک گر چکے ہو کہ میرے کنبے قبیلے کا پاس ولحاظ تو تم لوگوں کو ہے مگر اللہ کی تم لوگوں کو کوئی پرواہ نہیں اور اس کو تم نے بالکل نظر انداز کر کے پسِ پشت ڈال دیا ہے؟ سو یہ کیسی کم بختی اور کتنی بڑی محرومی اور بدنصیبی کا

سامان ہے جو تم لوگ اپنا رہے ہو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

۱۸۸ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم وقدرت میں : -سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں سے کہا کہ بے شک میرا رب تمہارے سب کاموں کو قابو میں کیے ہوئے ہے اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے۔ پس نہ تم لوگوں کا کوئی عمل اس کے احاطہ علم سے باہر ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے دائرۂ قدرت سے۔ اس لیے تم لوگ اس کی گرفت و پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ اور تمہیں اپنے کیے کا بھگتان تم لوگ بہر حال بھگت کر رہو گے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا- پس تمہارے لیے بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ تم لوگ صدقِ دل سے ایمان لا کر اسی کی طرف رجوع کرو اور اپنی خطاؤں اور تقصیرات کو معاف کرا لو۔ قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تمہیں ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ مگر بے وقت کے اس افسوس کا تمہیں کوئی فائدہ نہ ہو سوائے اسکے کہ تمہاری آتشِ یاس وحسرت میں اضافہ ہوتا رہے گا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو مشرک انسان اللہ سے نہیں ڈرتا اسکی مخلوق سے ڈرتا ہے۔ بلکہ ایسی فرضی اور وہمی چیزوں سے ڈرتا ہے جن کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ بہر کیف ان لوگوں نے حضرتِ شعیب کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہمیں تمہارے کنبے قبیلے کا پاس ولحاظ نہ ہوتا تو تم سے نمٹنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں۔ تم ہم پر کوئی گراں اور بھاری نہیں ہو۔ تو اس پر حضرتِ شعیب نے ان کو یہ تنبیہ سنائی تا کہ ان لوگوں کے ہوش ٹھکانے لگ جائیں۔ یہ راہِ راست پر آ جائیں اور اپنے ہولناک انجام سے بچ جائیں۔

۱۸۹ منکرین ومعاندین کیلئے آخری جواب : -سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت شعیب نے ان لوگوں سے آخری جواب کے طور پر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ۔ میں اپنے طریقے پر کام کرتا ہوں۔ عن قریب تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں۔ سو اس وقت تم پر واضح ہو جائے گا کہ جھوٹا کون تھا تم یا ہم۔ کیونکہ وہ لوگ آپ کو کاذب کہتے تھے۔ (جامع البیان)۔ جیسا کہ دوسرے انبیائے کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- کو بھی کہا گیا ہے۔ بلکہ ''کاذب'' سے بڑھ کر ان کو ''کذّاب'' کہا گیا جو کہ کذب سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت بڑا جھوٹا۔ جیسا کہ قرآنِ پاک کی تصریح کے مطابق قومِ ثمود نے اپنے پیغمبر کے لئے کہا تھا ﴿بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ (القمر: ۲۵)۔ اور وہاں پر بھی اس بدبخت قوم کے اس بے ہودہ قول کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا گیا کہ کل تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ﴿كَذَّابٌ﴾ اور ﴿اَشِرٌ﴾ کون ہے؟ ﴿سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ﴾ (القمر: ۲۶)۔ کہ فیصلے کے اس موقع پر اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو کر اور نکھر کر تمہارے سامنے آ جائے گی۔ تب تم لوگوں کو سب کچھ خود معلوم ہو جائے گا۔ بہر کیف حضرتِ شعیب نے اپنی قوم کے ان متکبر اور منکر لوگوں سے کہا کہ اگر تم لوگ اپنی اس روش سے باز نہیں آتے تو تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ اور میری مخالفت میں تم نے جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ میں انذار وتبشیر کے جس مشن پر اپنے رب کی طرف سے مامور ہوں وہ کرتا رہوں گا۔ وقت آنے پر تم لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کن عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے۔ اس وقت کی انتظار تم بھی کرو میں بھی کرتا ہوں۔ کیونکہ غیب کا علم مجھے بھی نہیں کہ میں تم کو ٹھیک ٹھیک اس کا وقت بتا دوں کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے- سبحانہ وتعالیٰ-

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ج وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ ف۱۹۰ اپنی خاص رحمت سے، اور آ پکڑا ان لوگوں کو جو اڑے ہوئے تھے

الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ لا كَاَنْ لَّمْ

اپنے ظلم پر، ایک ایسی ہولناک آواز نے جس سے وہ اوندھے پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں ف۱۹۱ (اور ان کا ایسا صفایا ہوگیا)

يَغْنَوْا فِيْهَا ط اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع ۸

گویا کہ وہ ان میں کبھی رہے بسے ہی نہیں تھے، سن لو! دوری (اور پھٹکار) ہوئی مدین والوں کے لئے جیسا کہ دوری (اور

۱۹۰ حضراتِ انبیاء ورسل کا نجات دہندہ بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نجات دہندہ سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ حضراتِ انبیاء ورسل بھی اسی کے محتاج ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ عذاب کے آجانے پر ہم نے شعیب کو بھی بچا لیا اور ان سب کو بھی جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے کہ بچانے والے ہر کسی کو ہم ہی ہیں۔ قرآنِ حکیم اس حقیقت کو کس قدر تاکید اور تکرار کے ساتھ اور بار بار اور جگہ جگہ بیان فرماتا ہے کہ بچانا اور نجات دینا ہمارا ہی کام اور ہماری ہی شان ہے۔ اور حاجت روا و مشکل کشا سب کے یہاں تک کہ انبیائے کرام کے بھی ہم ہی ہیں۔ مگر اس سب کے باوجود آج کے کلمہ گو مشرک نے طرح طرح کے حاجت روا اور مشکل کشا از خود گھڑ رکھے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ شعیب کی اس منکر و مکذب اور ہٹ دھرم قوم پر جب عذاب آیا تو ہم ہی نے نجات دی شعیب کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ اور اس کے مقابلے میں جو لوگ اپنے کفر و باطل ہی پر اڑے رہے تھے اور وہ ظلم ہی پر کمربستہ تھے تو ان کو اس ہولناک عذاب نے آ پکڑا جو ان کے لیے ان کے ظلم کی بنا پر مقدر ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ ایسے مٹ مٹا گئے جیسا کہ وہاں کبھی رہے بسے ہی نہیں تھے۔ سو کفر و انکار اور ظلم و تکذیب کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -

۱۹۱ قومِ شعیب کے عذاب کی نوعیت؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آ پکڑا ان کو ایک نہایت ہی ہولناک آواز نے جو جبریل امین نے ان کی ہلاکت کے لئے لگائی تھی، جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور یہ سب کے سب ڈھیر ہو گئے۔ (روح، قرطبی، جلالین، جامع البیان اور معارف القران وغیرہ)۔ اس بدبخت قوم کے عذاب کے بیان کے ضمن میں یہاں پر "صَيْحَة" کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سورۂ "اَعراف" میں "رَجْفَة" یعنی زلزلے کا اور سورۂ "شعراء" میں ﴿عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ﴾ "سائبان کے دن کا عذاب"۔ سو ان پر یہ تینوں عذاب واقع ہوئے۔ موقع و مقام کی مناسبت سے کہیں کسی کا ذکر فرمایا گیا اور کہیں کسی کا۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو اس طرح یہ نابحار قوم اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہی۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے عناد اور ہٹ دھرمی کا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو کفر و انکار اور تکذیبِ حق کے جرم میں کسی قوم کو ڈھیل جتنی بھی ملے اس کا آخری انجام بہرحال ہولناک تباہی اور ہمیشہ کی تباہی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾

پھٹکار) ہوئی تھی ثمود کے لئے، اور بلاشبہ ہم ہی نے بھیجا موسٰی کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ، ۱۹۲

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ۱۹۳ مگر ان لوگوں نے (اس کے باوجود) فرعون ہی کے حکم کی پیروی کی، حالانکہ

۱۹۲ بعثتِ موسوی کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم ہی نے بھیجا موسٰی کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ۔ سو حضرتِ موسٰی کی بعثت و تشریف آوری آیاتِ خداوندی اور سلطانِ مبین کے ساتھ ہوئی تھی اور آنجناب کو دیئے جانے والے اس سلطانِ مبین اور کھلی سند سے مراد ہے تورات اور دوسرے کھلے معجزات کے ساتھ کہ ان میں آپؑ کی صداقت و حقانیت کے لئے سلطانِ مبین یعنی واضح دلیل اور کھلی سند موجود تھی۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ کہ یہی خصوصی عنایاتِ خداوندی تھیں جن سے حضرتِ حق - جَلَّ مَجْدُهٗ - کی طرف سے آنجناب کو نوازا گیا تھا اور جن سے آپ کے دعوائے نبوت و رسالت کی حقانیت و صداقت ثابت اور واضح ہوتی تھی۔ اور دوسرا قول و احتمال اس ارشاد کے بارے میں یہ ہے کہ یہاں پر آیات سے مراد وہ عام نشانیاں ہیں جو حضرتِ موسٰی کے ہاتھوں قدم قدم پر ظاہر ہوئیں۔ اور سلطانِ مبین سے مراد وہ خاص نشانی ہے جس سے حضرتِ موسٰی کو فرعون اور اس کے درباریوں پر اور ساحروں پر کھلا ہوا غلبہ حاصل ہوا۔ یعنی معجزۂ عصا۔ سو یہاں پر عام کے بعد خاص کا ذکر فرمایا گیا اور اس کو سلطانِ مبین کے لفظ سے اس لیے تعبیر فرمایا گیا کہ اسکی حیثیت دراصل ایک ایسی حجتِ قاہرہ کی تھی جس کے بعد فرعون اور اسکے درباریوں کی ساکھ خود ان کے اپنے لوگوں کی نگاہوں میں اکھڑ جائے گی اور فرعون کے خدائی دعوے کی حقیقت کھل جائے گی۔ جیسا کہ بعد میں فی الواقع ہوا، سو عصاءِ موسوی قدرتِ خداوندی کا ایک عظیم الشان مظہر تھا۔

۱۹۳ بعثتِ موسوی فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے بھیجا موسٰی کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔ سو بعثت تو آنجناب کی اگرچہ اس پوری قوم کی طرف تھی مگر اَربابِ بست و کشاد چونکہ ان لوگوں میں فرعون اور اس کے یہی سردار تھے اس لئے ذکر بطورِ خاص انہی کا فرمایا گیا ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اصل مدار و انحصار اَربابِ بست و کشاد ہی کی اصلاح پر ہوتا ہے کہ انکی اِصلاح سے پورے ملک و قوم کی اِصلاح ہوتی ہے اور ان کے بگاڑ سے سب کا بگاڑ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو اللہ پاک نے تو ان لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کے لیے حضرتِ موسٰی کو اپنی آیات اور سلطانِ مبین یعنی کھلی سند کے ساتھ بھیجا لیکن ان بدبختوں نے اپنی مت ماری کی بناء پر پیروی حضرتِ موسٰی کی بجائے فرعون کے حکم ہی کی کی۔ جس سے بالآخر وہ دائمی ہلاکت و تباہی کے گہرے کھڈے میں گر کر رہے۔ اور یہی نتیجہ و انجام ہوتا ہے حضرات انبیاء و رسل کی دعوتِ حق و ہدایت سے منہ موڑنے اور ان کی تکذیب و انکار کا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -

اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

فرعون کا حکم راستی کا نہ تھا، ف۱۹۴ قیامت کے روز وہ آگے آگے ہوگا اپنی قوم کے،

فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا

یہاں تک کہ وہ ان کو اتار کر چھوڑے گا دوزخ میں، بڑا ہی برا ہے وہ گھاٹ جس پر اتارا گیا ہوگا ان لوگوں کو ف۱۹۵ اور پیچھے

فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ

لگا دی گئی ان کے لعنت اس (دنیاوی زندگی) میں بھی، اور قیامت کے دن بھی، بڑا ہی برا ہے وہ انعام

الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ

جو دیا گیا ان (بدبختوں) کو ف۱۹۶ یہ کچھ حالات ہیں ان بستیوں کے جو ہم سناتے ہیں آپ کو (اے پیغمبر!)

مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

ان میں سے کچھ تو اب تک کھڑی ہیں، اور کچھ کی فصل کٹ چکی ہے، اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا ف۱۹۷ مگر وہ لوگ

۱۹۴ گمراہوں کی پیروی کا نتیجہ ہلاکت وتباہی - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ موسیٰ کی اس بعثت وتشریف آوری کے باوجود جو کہ ہماری نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ تھی ان لوگوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کا معاملہ راستی کا نہ تھا بلکہ ہلاکت وتباہی کا تھا۔ کہ وہ کفر وانکار کی راہ پر تھا جو کہ بغاوت وسرکشی کی راہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - یہاں سے مفہومِ مخالف کے طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ حاکم اگر رشد وہدایت والا ہو اور وہ راہِ حق وصواب کی راہنمائی کرتا ہو تو اس کی پیروی کرنا درست بلکہ مطلوب ہے۔ محض مخالفت برائے مخالفت جس طرح کہ آج کی نام نہاد جمہوریت میں ہوتا ہے، اسلامی تعلیمات کا تقاضا ومدعا نہیں۔ بلکہ اسلام کا اصول تو یہ ہے ﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ کہ "نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو" خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ لیکن "گناہ اور زیادتی کے کام میں کسی کا تعاون نہیں کرنا" - سبحان اللہ - کیسا صاف ستھرا اور جامع اور پاکیزہ اصول وضابطہ ہے جو اس کتابِ حکیم نے دنیا کو عطاء فرمایا ہے۔ اور پندرہ سو برس قبل کے اس دور میں عطا فرمایا جب کہ دنیا تہ بہ تہ اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور آج بھی جو لوگ قرآن وسنت کے اس نورِ مبین سے منہ موڑے ہوئے ہیں وہ اسی طرح ڈوبے ہوئے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے فرعون کے حکم ہی کی پیروی کی حالانکہ اس کا حکم مان کر وہ تباہی کے گھاٹ پر اتر کر رہے اور ہمیشہ کے لیے فی النار والسقر ہوگیے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ راہ حق وہدایت پر مستقیم وثابت قدم رکھے - آمین ثم آمین۔

۱۹۵ آدمی کا حشر اپنے قائد اور محبوب کے ساتھ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے روز فرعون اپنی قوم کے آگے

آگے ہوگا۔ یہانتک کہ وہ انکو دوزخ میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ سو بڑا ہی برا گھاٹ ہوگا جس پر ان لوگوں کو اتارا گیا ہوگا۔ سو جس طرح وہ دنیا میں کفر وضلال میں ان کا پیش رو تھا اسی طرح وہاں بھی وہ ان کے آگے آگے ہوگا۔ اور جس طرح ان لوگوں نے اس کو دنیا میں اپنا قائد و پیش رو تسلیم کر رکھا تھا اسی طرح وہاں بھی یہ بدبخت اس کے پیچھے پیچھے ہونگے۔ پس ہر شخص کو اور خاص کر ہر مسلمان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ دنیا میں کس کی پیروی کرتا ہے۔ اس کے عقائد و اعمال وغیرہ کیسے ہیں کہ اس کا حشر اسی کے ساتھ ہونا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" یعنی "آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے"۔ سو جس قوم اور جماعت نے کسی کو اپنا قائد اور لیڈر بنایا ہوگا وہ وہاں اس کی پیشوائی میں حاضر ہوگی۔ جیسا کہ فرعون اور اسکی قوم کے نمونے سے واضح ہے اور جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ﴾۔ (بنی اسرائیل:۷۱) بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ان لوگوں نے چونکہ دنیا میں فرعون ہی کی پیروی کی تھی تو وہ قیامت میں ان کو ہمیشہ کے عذاب میں پہنچا کر چھوڑے گا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

١٩٦ فرعونیوں پر لعنت و پھٹکار کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے پیچھے لگا دی گئی لعنت اس دنیاوی زندگی میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔ بڑا ہی برا انعام ہے جو دیا گیا ان بدبخت لوگوں کو۔ سو فرعون اور اسکے پیروکاروں کا انجام نہایت ہی ہولناک انجام ہوا۔ یعنی لعنت پر لعنت اور دارین کی رسوائی و پھٹکار اور ہمیشہ کا عذاب ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو یہی نتیجہ وانجام ہوتا ہے نورِ حق و ہدایت سے اعراض برتنے اور منہ موڑنے کا اور عناد و ہٹ دھرمی سے کام لینے کا۔ اور یہ ایسا ہولناک خسارہ ہے کہ اسکے تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں رہتی ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم ۔ "رفد" کے معنی عطیہ وانعام کے ہیں اور "مرفود" اسی سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ یعنی بڑا ہی برا عطیہ وانعام تھا جو ان بدبختوں کو عطا کیا گیا ان کے کفر وانکار اور سرکشی و عناد کے نتیجے میں۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر برا انجام اور برا انعام اور کیا ہوسکتا ہے کہ دنیا میں بھی ان کے بعد کے ہر دور میں اور ہر قوم کی زبان پر ان کے لیے اور قیامت میں بھی ان کے لیے لعنت و پھٹکار ہی ہو گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے اس طرح ارشاد فرمایا گیا ۔ ﴿واتبعناهم فی هٰذه الدنیا لعنة و یوم القیامة ، هم من المقبوحین﴾۔ (القصص:۴۲) سو یہ ہوتا ہے نتیجہ وانجام ان لوگوں کا جو حضرات انبیاء و رسل کی تکذیب کرتے اور ان کی دعوت سے اعراض و روگردانی سے کام لیتے ہیں اور ان کے اس ہولناک انجام کو رفد یعنی انعام کہنا تہکم و تذلیل کے طور پر ہے (المراغی وغیرہ) ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

١٩٧ تاریخ سے درسِ عبرت لینے کی تعلیم و تلقین: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہیں کچھ حالات ان بستیوں کے جو ہم سناتے ہیں آپ کو اے پیغمبر ان میں سے کچھ اب تک کھڑی ہیں اور کچھ کی فصل کٹ چکی ہے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ ہمارا کام اور ہماری شان ظلم کرنا نہیں رحمت کرنا ہے۔ ظلم تو یہ نادان انسان اپنی جان پر خود کرتا ہے جو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑتا ہے۔ ورنہ ہماری طرف سے تو رحمت ہی رحمت ہے۔ اور ہماری رحمت سب کے لئے عام ہے ۔ ﴿رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ﴾ ۔ سو حق و ہدایت سے منہ موڑنا اور اعراض و بے رخی برتنا سب سے بڑا ظلم ہے جس کا ارتکاب باغی سرکش انسان کرتا ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم ۔ سو ظالم انسان کا یہ ظلم حضرتِ حق ۔ جَلَّ مَجْدُهٗ ۔ کی ذاتِ اقدس واعلیٰ کے بارے میں بھی ہوتا ہے اور اسکی مخلوق کے بارے میں بھی۔ اور خود انسان کی اپنی ذات کے بارے میں بھی ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے ۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ

خود ہی ظلم کررہے تھے اپنی جانوں پر، سوان کے کچھ بھی کام نہ آسکے ان کے وہ (خودساختہ اور من گھڑت)

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ

معبود، جن کو یہ لوگ (پوجا اور) پکارا کرتے تھے اللہ کے سوا، جب کہ آپہنچا حکم تمہارے

رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿١٠١﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ

رب کا، اور انہوں نے ان کے لیے کچھ اضافہ نہ کیا سوائے ہلاکت و بربادی کے، اور ایسے ہی ہوتی ہے پکڑ

رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ

تمہارے رب کی جب کہ وہ پکڑتا ہے بستیوں کو، ان کے ظلم پر ف۱۹۸ یقیناً اس کی پکڑ

اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ

بڑی ہی دردناک نہایت ہی سخت ہوتی ہے ف۱۹۹ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ہر اس شخص کے لئے جو ڈرتا ہے

عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ

آخرت کے عذاب سے، ف۲۰۰ یہ وہ ہولناک دن ہوگا، جس میں جمع کیا جائے گا سب لوگوں کو ف۲۰۱ اور

۱۹۸ ظلم کا نتیجہ وانجام ہلاکت و تباہی - والعیاذ باللہ :- سو ظلم کے نتیجہ وانجام کے ذکر و بیان اور ظالموں کے طور طریقوں سے بچنے کی ہدایت و تعلیم کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ایسی ہی ہوتی ہے تمہارے رب کی پکڑ جبکہ وہ پکڑتا ہے بستیوں کو ان کے ظلم پر۔ یعنی جس طرح کہ ان قصوں کے ضمن میں اس کے کچھ نمونے گزرے، اسی طرح وہ ظالموں کو پکڑتا ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- پس تم ایسے انجام اور اس کی گرفت و پکڑ سے بچنے کی ہمیشہ فکر و سعی کرواے لوگو! اور ظالم لوگوں کے طور طریقوں سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے بن جاؤ، تاکہ تمہارا بھلا ہوسکے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قوموں اور بستیوں کے ظالموں کو ان کے ظلم و کفر اور عدوان و سرکشی پر جب پکڑتا ہے تو اسکی گرفت و پکڑ بڑی دردناک اور نہایت سخت ہوتی ہے۔ پس اسکی طرف سے ملنے والی ڈھیل اور مہلت سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ وہ جب پکڑتا ہے تو بہت سخت پکڑتا ہے اور اس کا قانون سب کے لیے یکساں اور بے لاگ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ- سو ظلم کا نتیجہ وانجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہی ہوتا ہے کہ یہ مکافات عمل کا لازمی نتیجہ اور طبعی تقاضا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۹۹ اللہ کی پکڑ بڑی ہی سخت - والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا اور "اِنَّ" کے حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس کی پکڑ بڑی ہی سخت ہوتی ہے۔ ایسی سخت اتنی دردناک اور اس قدر الیم و شدید کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال ممکن ہی نہیں۔ وَالْعِيَاذُ

بِاللّٰہِ۔ اور کبھی تم لوگ یہ خیال نہ کرنا کہ یہ سب کچھ تو پہلی قوموں کے لئے تھا جو گزر گیا اور بس۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ اللہ پاک کا دستور و قانون اور اس کی سنت سب کے لئے ایک اور بے لوث و بے لاگ ہے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت کے مطابق نبیٔ اکرم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کو پکڑتا ہے تو اس کے لئے بچنے اور بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہ جاتا۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی (روح، صفوۃ، ابن کثیر وغیرہ)۔ پس ظلم کی ہر شکل سے ہمیشہ بچنے کی فکر و کوشش کرنی چاہیئے۔ اور ظلم پر اگر اس خالق و مالک کی طرف سے جو ڈھیل اور چھوٹ ملتی ہے تو اس سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۰۰ عقیدۂ آخرت اصلاحِ احوال کی اساس و بنیاد: ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرتا ہو عذاب آخرت سے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ عبرت پذیری کے لئے اولین شرط اور بنیادی امر عذابِ آخرت کا خوف اور اس کا ڈر ہے کہ اس کے بغیر انسان بے فکر اور لاپرواہ بن جاتا ہے۔ اور وہ صرف بطن و فرج اور مادہ و معدہ کے تقاضوں کے لئے جینے اور مرنے کا عادی بن جاتا ہے جس کے بعد حق و ہدایت اور وعظ و نصیحت کی آواز اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس ہوتی ہے۔ اس کے دل و دماغ تک نہیں پہنچ پاتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اس لیے ارشاد فرمایا گیا کہ ان قوموں کی ان سرگزشتوں میں بڑی بھاری نشانی اور سامانِ عبرت و بصیرت ہے مگر ان سے آنکھیں ان ہی لوگوں کی کھلتی ہیں اور درسِ عبرت و بصیرت ان ہی کو ملتا ہے جو آخرت کا خوف و اندیشہ رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے ڈرتے ہوں کہ دل اصل میں ایسے ہی لوگوں کے زندہ اور ہر قولِ حق و ہدایت کے لیے کھلے ہوتے ہیں۔ ورنہ آخرت کے منکر ایسے شخص بیل اور اندھے جانور کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کو نہ کوئی تنبیہ کام دیتی ہے اور نہ کسی طرح کی کوئی نشانی۔ وہ کسی بھی طرح ماننے اور ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَا تُغْنِی الْاٰیَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴾۔ (یونس:۱۰۲) سو عقیدۂ آخرت ایک عظیم الشان اور انقلاب آفریں عقیدہ ہے کہ اسی سے آدمی فکرمند ہوتا اور سنجیدہ بنتا ہے اور وہ حق بات سننے اور ماننے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اور بہتر سے بہتر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جبکہ اس عقیدہ و ایمان سے محرومی کی صورت میں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ انسان کے دل و دماغ کے منافذ و مداخل قبولِ حق سے بند ہو جاتے ہیں اور وہ محروم سے محروم تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۰۱ یوم آخرت سب لوگوں کیلئے جمع ہونے کا دن: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ وہ ہولناک دن ہوگا جس میں جمع کیا جائے گا سب لوگوں کو تاکہ وہاں پہنچ کر ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ اور بدلہ پا سکے اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے بھرپور طریقے سے اور اپنی آخری شکل میں پورے ہو سکیں۔ جسکے نتیجے میں سچے ایمان و یقین والے جنت اور اسکی ابدی نعمتوں سے سرفراز ہونگے۔ اللہ ہمیں انہی سب میں کرے۔ اور اسکے برعکس کفر و انکار والے دوزخ کے ہولناک عذاب سے دوچار ہونگے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو وہ ایسا عظیم الشان دن ہوگا کہ اس میں اولین اور آخرین سب کو اکٹھا کر کے لایا جائے گا۔ یعنی سب اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی۔ حضرات انبیائے کرام کو بھی اور ان کی امتوں کو بھی۔ نیکی کی تعلیم دینے والوں کو بھی اور برائی کی راہیں دکھانے والوں کو بھی۔ حاکموں کو بھی اور محکوموں کو بھی۔ زیردستوں کو بھی اور زبردستوں کو بھی۔ ظالموں کو بھی اور مظلوموں کو بھی۔ تاکہ نیکی کی کمائی کرنے والوں کو ان کی نیکیوں کا پھل ملے اور برائی کی فصل کاشت کرنے والے اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگت سکیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿١٠٣﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ

یہ وہ دن ہوگا جس میں پیشی ہوگی ہر کسی کی، ۲۰۲ اور اس کو ہم مؤخر نہیں کر رہے مگر ایک گنی چنی

مَّعْدُوْدٍ ﴿١٠٤﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ج

مدت کے لئے، ۲۰۳ جس دن وہ آ پہنچے گا تو کوئی بات بھی نہیں کر سکے گا، مگر اس کے اذن سے، ۲۰۴

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿١٠٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي

پھر کچھ لوگ بد بخت ہوں گے، اور کچھ نیک بخت ۲۰۵ سو جو بد بخت ہوں گے وہ

النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿١٠٦﴾ لا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا

دوزخ میں پڑے چلاتے اور دھاڑیں مار رہے ہوں گے، ان کو اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا

دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ط اِنَّ

جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں ۲۰۶ مگر یہ کہ تمہارا رب ہی کچھ اور چاہے، ۲۰۷ بے شک

رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٠٧﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا

تمہارا رب جو چاہے کر ڈالنے والا ہے، رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے

فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

تو وہ (خوش نصیب) جنت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے جب تک کہ زمین و آسمان

۲۰۲ یومِ آخرت، حضوری اور پیشی کا دن :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس دن ہر کسی کی پیشی ہوگی اپنے رب کے حضور جہاں وہ اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا ریکارڈ حاضر اور موجود پائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ (الکھف: ۴۹)۔ اور اسی کے مطابق ہر کسی کو اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ ملے گا تا کہ عدل و انصاف کے تقاضے بھرپور اور کامل طریقے سے پورے ہوں۔ سو وہ یومِ مشہود سب ہی حاضری کا دن ہوگا جس میں سب کو حاضر کیا جائے گا تا کہ سب یکجا اور آمنے سامنے موجود ہوں تا کہ سب کے سامنے واضح ہو سکے کہ کس نے اپنی دنیاوی زندگی کس طرح گزاری اور حق کی اشاعت و تبلیغ یا

اس کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لیے کس نے کیا کردار کیا؟ تا کہ اس کے مطابق ان کے درمیان ہر معاملے کا فیصلہ پورے عدل و انصاف کے ساتھ ہو سکے۔ اور یہ بھی ایک اہم حقیقت ہے جس کو قرآنِ حکیم میں دوسرے مختلف مقامات پر بیان فرمایا گیا۔ مثلا سورۂ نحل: ۸۹ سورۂ نور: ۲۴، سورۂ غافر: ۵۱ اور سورۂ بروج: ۱-۳ وغیرہ۔

۲۰۳ یومِ حساب کی تاجیل و تاخیر ایک مقررہ مدت تک کے لیے اور بس:- سو ارشاد فرمایا گیا اور نفی و اثبات کے اسلوبِ حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اس کو مؤخر نہیں کرتے مگر ایک گنی چنی مدت تک کے لیے جس کا علم ہمارے سوا کسی کو بھی نہیں ہو سکتا۔ سو اس نے اپنے مقرر وقت پر بہر حال آ کر رہنا ہے۔ نہ وہ اس سے ایک لحہ پہلے آ سکتا ہے اور نہ ایک لحہ کے لئے پیچھے ہو سکتا ہے۔ سو عقل و خرد اور ہوشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان حیاتِ دنیا کی اس مختصر و محدود فرصت کو وہاں کی کامیابی اور فائز المرامی کے لئے صرف کرے کہ وہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی جو کہ ہمیشہ رہے گی۔ نہ یہ کہ اس سے غفلت برتے اور اس کے آنے کے لئے جلدی مچائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو آخرت کی کامیابی اصل اور حقیقی کامیابی ہے اور دائمی اور ابدی بھی۔ اور اسکے مقابلے میں دنیاوی زندگی کی تمام کامیابیاں ہیچ اور نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پس جو لوگ آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی کو بھول کر اور اس کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر محض دنیا کے لیے جی رہے ہیں وہ بڑے ہی ہولناک خسارے میں مبتلا ہیں۔ یہ ایسا بڑا اور اس قدر ہولناک خسارہ ہے کہ اس جیسا دوسرا کوئی خسارہ ہو ہی نہیں سکتا اور یہ ایسا خسارہ ہے، جس کی تلافی اور تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔

۲۰۴ مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کی تردید:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ وہاں کوئی اللہ کے اذن کے بغیر بات بھی نہیں کر سکے گا چنانچہ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر فرمایا گیا کہ جس دن وہ آ پہنچے گا اس دن کوئی بات بھی نہیں کر سکے گا مگر اس کے اذن سے۔ پس بڑی غلطی پر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں ہستی یا فلاں سرکار کا لڑ پکڑ رکھا ہے۔ وہی ہمارا کام بنا دیں گی۔ ہم ان کی نذر نیاز دیتے رہیں گے۔ ان کو خوش رکھیں گے۔ باقی عمل وغیرہ ہم سے کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہی ہمارا سارا کام کروا دیں گے کہ یہ خدا کے پیارے ہیں جو اڑ کر بیٹھیں گے اور ہمارا کام کرا دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس طرح ایسے لوگ نعمتِ عمر کی فرصتِ محدود کو یونہی ضائع کر رہے ہیں اور اس طور پر کہ ان کو اس کا احساس بھی نہیں۔ اور یہ ایک ایسا ہولناک خسارہ ہے کہ پھر اسکی تلافی و تدارک کی بھی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہر کیف اس ارشادِ عالی سے بتا دیا گیا کہ وہاں کوئی بات بھی نہیں کر سکے گا مگر اسکے اذن سے۔ ہر کسی کو اپنا ایمان و عمل ہی چھڑا اور بچا سکے گا۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

۲۰۵ قیامت کے دن میں لوگوں کی تقسیم دو حصوں پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز لوگوں کی تقسیم دو حصوں پر ہوگی۔ ایک وہ جو بدبخت ہونگے اپنے کفر و شرک اور نورِ حق و ہدایت سے دوری و محرومی اور اپنی سرکشی و طغیانی اور معصیت و نافرمانی کے باعث۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور ایسے بدبختوں کو اپنے کیے کرائے کا نتیجہ دوزخ کی اس ہولناک آگ میں جلنے کی صورت میں بھگتنا ہوگا جس کا اس جہانِ مادہ و معدہ میں سمجھنا اور تصور کرنا بھی ممکن نہیں جبکہ نیک بخت لوگ اس روز جنت کی سدا بہار نعمتوں میں ہونگے۔ سو یہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے دنیا کو وہاں کے ان غیبی

حقائق سے اس قدر صراحت و وضاحت سے آگہی بخش دی۔ تاکہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی فرصتِ محدود اسکے ہاتھ سے نکل جائے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف جن لوگوں نے حق سے محرومی کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ ان کی محرومی اور بدبختی اُس روز سب کے سامنے عیاں ہو جائے گی۔ اور اس کے بالمقابل جنہوں نے اپنی زندگی نورِ حق وہدایت کی روشنی میں گزاری ہوگی وہ وہاں کی حقیقی اور دائمی وابدی کامیابی سے سرفراز و سرشار ہونگے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۰۶ نیک بختوں کی کامیابی کا ذکر وبیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ بدبخت لوگ وہاں پر دوزخ میں پڑے چیختے چلّاتے اور دھاڑیں مار رہے ہونگے اور ان کو ہمیشہ اسی میں رہنا ہوگا جب تک زمین وآسمان قائم رہیں گے۔ لیکن نیک بخت جنت میں ہونگے جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا جب تک کہ زمین وآسمان قائم رہیں گے۔ اپنے ایمان وعقیدہ اطاعت و بندگی اور اَعمالِ صالحہ کی بناء پر۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ اور ایسے نیک بخت اور سعادت مند جنت کی ان سدابہار نعمتوں سے سرفراز ہونگے جن کا اس جہانِ رنگ وبو میں تصور کرنا بھی کسی کے لیے ممکن نہیں۔ اور یہی وہ کامیابی ہے جو کہ اصل اور حقیقی کامیابی ہے اور جو سدابہار اور ابدی ودائمی کامیابی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ سو اس یومِ فصل وتمیز میں لوگ اپنے ایمان وعمل کے اعتبار سے دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ ایمان اور عملِ صالح کی دولت سے سرفراز لوگ سعادتمند ہونگے جن کو حضرتِ واہبِ مطلق۔ جلّ و علا۔ کی طرف سے بے مثال اور ابدی ودائمی اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔ جبکہ شقی اور بدبخت لوگوں کو اپنے زندگی بھر کے کفر و اِنکار کا پھل پانا اور ہمیشہ کا عذاب بھگتنا ہو گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ نیک بختی اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۲۰۷ اللہ کی مشیّت سب پر حاوی وغالب: ۔سو یہاں پر اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ دونوں کے انجام کے ذکر وبیان کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو وہاں رہنا ہوگا جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔ مگر یہ کہ تمہارا رب ہی کچھ اور چاہے کہ تمہارے رب کی مشیّت بہرحال سب پر حاوی اور سب پر غالب ہے اور زمین وآسمان سے یہاں پر مراد وہاں کے زمین وآسمان ہیں۔ کیونکہ یہ موجودہ آسمان وزمین تو اس وقت ختم ہو چکے ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ وہاں کے آسمان و زمین ہمیشہ کیلئے ہونگے۔ اس لئے ان بدبختوں کو ہمیشہ وہاں رہنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ یا اس سے محاورے کے طور پر دوام اور ہمیشگی مراد ہے کہ عرب جب کسی چیز کے دوام وخلود کو بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ چیز باقی رہے گی جب تک کہ آسمان وزمین باقی ہیں۔ "دائم ما تدوم السماء والارض"۔ بہرکیف دونوں صورتوں میں مقصود ان لوگوں کے وہاں پر رہنے کے دوام وخلود کا بیان کرنا ہے کہ ایمان والے اور جنتی ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے۔ اللہ ہمیں انہی میں کرے۔ اور کفر و بغاوت والے دوزخی ہمیشہ ہمیش کیلئے دوزخ میں ہی رہیں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ (طبری، قرطبی، روح، کشاف وغیرہ)۔ سو جنتی وہاں کی سدابہار نعمتوں میں ہمیشہ کے بے مثال آرام وراحت میں رہیں گے جبکہ دوزخی دوزخ کے ہولناک عذابوں میں پڑے چیختے چلّاتے رہیں گے۔ مگر ان کی چیخ وپکار کا کوئی فائدہ ان کو بہرحال نہیں ہوگا، سوائے ان کی آتشِ یاس وحسرت کی تیزی کے۔

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

قائم ہیں مگر یہ کہ تمہارا رب ہی کچھ اور چاہے (کہ اسے ہر چیز کا پورا اختیار ہے) ف۲۰۸ ایک ایسی عظیم الشان بخشش کے طور پر، جو کبھی

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ

ختم نہ ہوگی ف۲۰۹ پس تم کسی شک میں نہیں رہنا ان چیزوں کے بارے میں جن کی پوجا یہ لوگ کر رہے ہیں ف۲۱۰ یہ تو بس (لکیر کے فقیر

اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ

بنے) ویسے ہی ان کی پوجا پاٹ کئے جا رہے ہیں جس طرح کہ ان کے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں اس سے پہلے، اور یقیناً ہم

نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ؑ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

ان کو پورا پورا دیں گے ان کا حصہ بغیر کسی کاٹ کسر کے ف۲۱۱ اور بلاشبہ ہم (اسی طرح اس سے پہلے) موسیٰ کو بھی دے چکے ہیں وہ

۲۰۸ اللہ جو چاہے کرے:- کہ وہ مختارِ کل اور حاکمِ مطلق ہے اور اس کی مشیت سب پر حاوی اور سب سے بالا و برتر ہے۔ پس وہ جو چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ کہ وہ -﴿عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾- بھی ہے اور -﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾- بھی۔ اس کے کسی ارادے میں نہ کوئی روک نہ رکاوٹ اور نہ کسی کو اس سے کسی طرح کی پُرسش و پوچھ کا یارا۔ کہ اس کی صفت ہے ﴿لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ﴾- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو یہ بدبخت وہاں کے ان ہولناک عذابوں میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے کہ ان کا عذاب دائمی ہوگا اور ان کو اس دائمی عذاب میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ کوئی ان کو اس سے چھڑانے والا نہیں ہوگا مگر یہ کہ تمہارا رب ہی کچھ چاہے۔ سو وہ اگر چاہے تو کسی کے عذاب میں تخفیف کر دے یا کسی کو خاک اور راکھ بنا دے کہ اسکی شان ''فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ'' کی شان ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے یا اسکی راہ میں رکاوٹ بن سکے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو اس استثناء سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ان لوگوں کے اَحوال و مراتب میں تبدیلیاں ہونگی۔ لیکن یہ تبدیلیاں خیر سے شر کی طرف نوعیت کی نہیں ہونگی۔ بلکہ خوب سے خوب تر کی طرف کی نوعیت کی ہونگی۔ اس لیے کہ ان کے واسطے خداوندِ قدوس کی عطاء و بخشش میں کبھی انقطاع نہیں ہوگا -﴿عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ﴾- سو ان کو جنت کی وہ عظیم الشان' بے مثال اور کبھی نہ منقطع ہونے والے عطیے کے طور پر ملے گی 'سو یہی اصل اور حقیقی نعمت' جو کہ نعمتوں کی نعمت ہوگی۔ اللہ نصیب فرمائے۔

اللھم فخذنا بنواصینا الی مافیه حبک والرضا بکل حال من الاحوال' وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔ یا ذالجلال والاکرام .یامن بیدہ ملکوت کل شیء وھو یُجیر ولا یجار علیه.

۲۰۹ کبھی نہ ختم ہونے والی عطاء و بخشش:- سو جنت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ایسی عظیم الشان عطاء و بخشش ہوگی جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ سو ہوگی تو وہ محض بخشش نہ کہ بدلہ۔ کہ انسان کا عمل اول تو ہے ہی

کیا؟ اور پھر وہ ہے بھی محدود جبکہ وہاں کی نعمتیں بے مثال بھی ہوں گی اور ہمیشہ کے لئے اور لازوال بھی۔ اس لئے وہ محض اللہ پاک کے انعام واحسان کے طور پر ہی نصیب ہوں گی۔ دنیاوی نعمتوں کی طرح ان کے ختم ہو جانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوگا۔ ﴿وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾۔ یعنی "تمہارے رب کی عطاء و بخشش سب سے بہتر بھی ہوگی اور ہمیشہ باقی رہنے والی بھی۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العلمین۔ سو اسی کو اپنا اصل مقصد اور حقیقی نصب العین بنانا چاہئے۔ وباللہ التوفیق۔

۲۱۰ خطاب پیغمبر سے اور عتاب دوسروں پر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم کفار ومشرکین اور ان کے معبودانِ باطلہ کے بارے میں کبھی کسی شک میں نہیں رہنا۔ نہ ان کے بطلان کے بارے میں اور نہ ہی ان کے اس انجام کے بارے میں جس کے یہ لوگ مستحق ہیں۔ خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے ہے کہ وحی کے اولین اور اصل مخاطب تو بہرحال آپ ہی ہیں۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر سنانا دراصل دوسروں کو ہے (جلالین، فتح القدیر معارف اور تفسیر التحریر والتنویر وغیرہ)۔ اور یہ بلاغت کا ایک معروف اسلوب ہے کہ خطاب کسی سے ہو اور مراد کوئی اور ہو، ورنہ آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو اس بارے میں کوئی شک وشبہ تھا ہی نہیں۔ اور بلاغتِ کلام کے اس اسلوب میں یہ درس بھی ہے کہ مشرک لوگ اس قابل ہی نہیں کہ ان کو منہ لگایا جائے اور ان سے براہِ راست خطاب کیا جائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ جو اپنے کفر وشرک پر اڑے ہوئے ہیں تو اس سے تم کبھی اس طرح کے کسی شک میں نہیں پڑنا کہ ان لوگوں کا یہ اصرار اور جماؤ کسی دلیل اور بنیاد پر قائم ہے۔ بلکہ یہ تو اسی طرح ان بے حقیقت چیزوں کی پوجا پاٹ پر اَڑے ہوئے ہیں جس طرح کہ ان کے بڑے اس سے پہلے اس پر اَڑے رہے۔ اور یہ اپنے انجام کو اسی طرح پہنچ کر رہیں گے جس طرح کہ وہ لوگ اس سے پہلے پہنچ چکے ہیں۔ کیونکہ جب یہ دونوں جرم میں شریک ہیں تو اس کے انجام میں بھی شریک ہوں گے۔

۲۱۱ اہلِ کفر وباطل کو انکا پورا حصہ ملنے کا ذکر وبیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم یقیناً ان لوگوں کو ان کا پورا حصہ دے کر رہیں گے بغیر کسی کاٹ کسر کے۔ یعنی خیر کا بھی اور شر کا بھی۔ یعنی ان کے رزق روزی کا حصہ بھی اور ان کے عذاب کا حصہ بھی۔ جیسا کہ ان کے باپ دادا کو اس سے پہلے دے چکے ہیں۔ (المراغی، المحاسن، الفتح، وغیرہ)۔ سو اہلِ کفر وباطل کو ان کا دنیاوی حصہ پورے کا پورا دیا جائے گا کہ دنیا کے اس دار الامتحان کا تقاضا یہی ہے۔ اصل اور پورا حساب ان کا آخرت کے "دار الحساب" ہی میں ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو ان کے نیک اعمال جیسے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک وصلہ رحمی، یتیموں غریبوں کی پرورش وامداد وغیرہ کا صلہ وبدلہ اسی دنیاوی زندگی میں پورے کا پورے دے دیا جائے گا بغیر کسی کمی اور کاٹ کسر کے۔ سو ان کو جو مال و دولت دی جاتی ہے، صحت ونا موری اور اولاد وغیرہ کی نعمتیں ملتی ہیں، کرسی واقتدار ملتا ہے وغیرہ وغیرہ اس سے ان کے ایسے نیک اعمال کا بدلہ یہیں اور اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کے لیے دوزخ کی آگ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ (المنار، المراغی وغیرہ)۔ سو کافر کے لیے ان دنیاوی نعمتوں کا ملنا کوئی خوشی کی بات نہیں بلکہ یہ ہمیشہ کی محرومی اور دائمی عذاب کی نشانی ہے۔ کہ اس کے نتیجے میں وہ اپنے جرم وگناہ میں اور اضافہ اور ترقی کرنا چاہے گا' یہانتک کہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہیگا۔

الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

کتاب سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا ۲۱۲ اور اگر پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی ایک بات تمہارے رب کی طرف سے تو یقیناً ان کے

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ

درمیان فیصلہ بھی کا چکا دیا گیا ہوتا ۲۱۳ اور بے شک یہ لوگ اس (کتاب مبین کے انکار کی وجہ) سے ایک بڑے ہی خلجان انگیز شک

مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ

میں پڑے ہیں ۲۱۴ اور اس (حقیقت) میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ جتنے بھی ہیں تمہارا رب ان میں سے ایک ایک کو ان کے اعمال کا پورا پورا

اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ

بدلہ دے کر رہے گا کہ وہ یقینی طور پر ان کی ان تمام حرکتوں سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں پوری طرح باخبر ہے ۲۱۵ پس آپ ثابت

كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ

قدم رہیں جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے ۲۱۶ (آپ بھی) اور آپ کے وہ سب ساتھی بھی جو پلٹ آئے ہیں (کفر و بغاوت سے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ

ایمان و اطاعت کی طرف،) اور تم لوگ حد سے نہ بڑھنا کہ جو بھی کچھ تم کر رہے ہو (اے لوگو!) بے شک وہ اس پر پوری طرح نگاہ

ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

رکھے ہوئے ہے ۲۱۷ اور کبھی جھکنا نہیں تم (اے ایمان والو!) ان لوگوں کی طرف جو اڑے ہوئے ہیں اپنے (کفر و باطل اور)

۲۱۲ پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان: ۔ سو پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ کے سامان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو بھی وہ کتاب دی مگر اس میں بھی اختلاف کیا گیا کہ کچھ نے مانا اور کچھ نے نہ مانا۔ پس قرآن پاک کے بارے میں ان کفار اشرار کے اختلاف کے باعث آپ اے پیغمبر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ کہ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ بلکہ پہلے سے ایسے ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ (المراغی، الفتح، الجامع وغیرہ)۔ سو آپ بھی اسی طرح صبر ہی سے کام لیتے رہیں جس طرح کہ انہوں نے صبر سے کام لیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾۔ (الاحقاف: ۳۵)۔ سو اس ارشاد میں ایک طرف تو آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے اور دوسری طرف منکرین و مکذبین کے لیے تنبیہ

وتذکیر کہ اگر تم لوگ اپنے اس جرم کفر و انکار سے باز نہ آئے تو تمہیں بھی اسی ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا جس سے تم سے پہلے کے منکرین ہو چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لیے یکساں اور بے لاگ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو تکذیب وانکار حق کے جس جرم کی سزا وہ لوگ بھگت رہے ہیں اسی جرم کا ارتکاب اگر تم لوگ کرو تو کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ اس کی پاداش اور بھگتان سے تم محفوظ رہو؟ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۱۳ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا فیصلہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا۔ یعنی یہ بات کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے کہ پورا عذاب اور بدلہ آخرت ہی میں ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ دنیا ''دارالجزاء'' نہیں ''دارالعمل'' اور ''دارالا بتلاء'' ہے۔ (المراغی، الجامع، الصفوۃ وغیرہ)۔ سو اگر یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کفار و مشرکین کا فیصلہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا۔ مگر چونکہ یہ اصول وضابطہ ایک طے شدہ اصول وضابطہ ہے اس لیے ان کو ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ مگر اپنے وقت پر یہ اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگت کر رہیں گے۔ کہ یہی تقاضا ہے قانونِ مکافات اور عدل وانصاف خداوندی کا۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۲۱۴ حق کے اِنکار کا نتیجہ خلجان و اِضطراب: سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ یہ لوگ اس کتاب حکیم کی بناء پر ایک خلجان آمیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور شک وارتیاب کے چبھنے والے اس کانٹے نے ان کو ہمیشہ کے لئے بے چین کر رکھا ہے کہ امن وامان اور سکون واطمینان کی دولت تو ایمان و یقین کی قوت اور اپنے خالق و مالک کی یادِ دلشاد ہی سے ملتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ اور تنبیہ وتاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾۔ (الرعد: ۲۸)۔ یعنی ''آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے''۔ سو حق وہدایت اور توحید و وحدانیت کی جو دعوت آپ ان کو دے رہے ہیں وہ قطعی طور پر صاف اور واضح ہے لیکن یہ لوگ چونکہ اسکو ماننا چاہتے ہی نہیں۔ اس لیے یہ اسکے بارے میں سخت تردد اور خلجان آمیز شک میں پڑے ہیں۔ نہ مانے بنتی ہے نہ انکار کرتے۔ سو انکارِ حق کی یہ ایک نقد سزا ہے جو ایسے بدبختوں کو یہیں ملتی ہے اور برابر ملتی رہتی ہے کہ اس کی بنا پر ایسے لوگ سکون واطمینان کی دولت سے محروم، اور ہمیشہ کے قلق واضطراب میں مبتلا رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۲۱۵ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم وآگہی کا حوالہ وذکر: سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ پوری طرح باخبر ہے اُن کے تمام اَعمال سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ پس ہر کسی کو خیر کا بدلہ خیر کی شکل میں اور شر کا بدلہ شر کی صورت میں مل کر رہے گا کہ تمہارے رب سے ان کی کوئی بھی حرکت پوشیدہ نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو اس حقیقت سے آگاہ رہو اور پھر تمہاری مرضی تم جو چاہو کرو۔ جیسا کہ حضرت نبی معصوم نے اپنے ایک ارشادِ عالی میں اس اہم حقیقت سے آگاہی بخشتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نیکی پرانی نہیں ہوتی، گناہ کو بھلایا نہیں جاتا اور بدلہ دینے والے کو موت نہیں آنے والی، اب تمہاری مرضی تم جو چاہو کرو۔ یہ یاد رہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ سو اس میں منکرین کے لیے بڑی تنبیہ ہے کہ وہ کبھی اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ ایسے ہی چھوٹے پھریں گے۔ سو ایسا نہیں بلکہ ان کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا اور ان کا رب یقینی اور قطعی طور پر ان تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے جو یہ

لوگ کر رہے ہیں -اس لئے یہ اسکی گرفت و پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔ والعیاذ باللہ۔

۲۱۶ **راہِ حق پر صبر واستقامت کا حکم وارشاد:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ پس آپ ثابت قدم رہو جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے۔ اپنے رب کی طرف سے۔روایات میں ہے کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔تو اس بارے میں جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے جواب میں اس سورۂ کریمہ کی اسی آیتِ کریمہ کا حوالہ دیا۔ (روح ، ابنِ جریر، قرطبی ، معارف وغیرہ)۔یعنی راہِ حق پر استقامت سب سے بڑا اور مشکل عمل ہے۔سو یہ عظیم الشان مظہر ہے حضراتِ انبیائے کرام- علیھم الصلوٰۃ والسلام -اور خاص کر حضرتِ امام الانبیاء- صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ وعلیھم اجمعین- کی شانِ عبدیت اور خوف وخشیتِ خداوندی کا۔جبکہ غافل انسان کو اس کی پرواہ تک نہیں ہوتی -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- بہرکیف زندگی بھر، ہر موقع و مقام اور ہر سطح وموڑ پر، امرِ خداوندی کے مطابق راہِ حق وصواب پر سیدھا اور مستقیم رہنا بڑا ہی مشکل امر ہے۔لیکن اللہ پاک کی شانِ کرم وعنایت ایسی عظیم الشان ہے کہ جو بندہ صدقِ دل سے راہِ حق وصواب پر استقامت کا طالب وخواہش مند ہوگا ، اور اس وحدہٗ لاشریک سے اس کی توفیق مانگے گا اور اسی پر بھروسہ رکھے گا وہ اس کو اپنے کرم سے اس سے نواز دے گا۔اور اس کے لئے اس کو آسان فرما دے گا کہ اس کا وعدہ ہے ﴿فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی﴾ (الّیل:۷) -فَاِیَّاہ نَسْئَلُ التَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی جَلَّ وَعَلَا - بہرکیف اس ارشاد سے پیغمبر کو- علیہ الصلوٰۃ والسلام - اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کے ہر داعیِ حق کو اس بات کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے کہ مخالفین ومتکبرین کی مخالفتوں اور ان کی ایذاء رسانیوں کے باوجود جادۂ حق وہدایت پر مستقیم اور ثابت قدم رہو- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید-

۲۱۷ **حد سے بڑھنے کی ممانعت:** -سو ارشاد فرمایا گیا اور تم لوگ حد سے نہیں بڑھنا اے مسلمانو! کہ تفریط کی طرح اِفراط بھی "غلو فی الدین" اور ممنوع ہے۔معلوم ہوا کہ عقائد وعبادات اور اَخلاق ومعاملات وغیرہ کسی میں بھی حد سے بڑھنا اور اِفراط وغلو سے کام لینا درست نہیں۔ بلکہ سب دینی امور اور شرعی اَحکام کے سلسلہ میں کتاب وسنت کی نصوص کے دائرے کے اندر ہی رہنا ضروری ہے۔اور ان کے ذریعے مقرر فرمودہ حدود کے اندر رہنا ہی اصل مطلوب ومقصود ہے۔اور خاص کر عقائد وعبادات میں کہ ان میں تو کسی رائے اور اجتہاد کی بھی کوئی گنجائش نہیں کہ وہاں تو معاملہ محض توقیف اور اِتباع کا ہے۔سو حدودِ خداوندی کی پابندی عقل نقل اور فطرتِ مستقیم کا تقاضا ہے۔ اور اسی میں انسان کا بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ بہرکیف اس ارشاد میں اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ حد سے نہیں بڑھنا کہ جو بھی کچھ تم لوگ کرتے ہو اللہ اس کو پوری طرح دیکھ رہا ہے۔تم لوگوں کی مشکلات بھی اس کے سامنے ہیں اور تمہاری مجبوریاں بھی ۔ پس اصل چیز یہ ہے کہ تمہارا معاملہ اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ صحیح رہے - کہ حساب اسی کے آگے اور اسی کے حضور دینا ہے اور خالق ومالک وہی وحدہ لاشریک ہے۔سبحانہ وتعالیٰ۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ

ظلم پر ۲۱۸ کہ پھر آ پکڑے تم کو دوزخ کی آگ اور اس وقت اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ ہی تمہیں کہیں سے کوئی

النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ

مدد پہنچ سکے گی ۲۱۹ اور قائم رکھو تم نماز کو، دن کے دونوں سروں پر بھی ۲۲۰ اور رات کے کچھ حصوں میں بھی ۲۲۱ بیشک نیکیاں لے جاتی ہیں

السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَاصْبِرْ

برائیوں کو، ۲۲۲ یہ ایک بڑی نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے، پس آپ صبر ہی سے کام لیتے رہو،

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٥﴾ فَلَوْلَا

بے شک اللہ کبھی ضائع نہیں کرتا اجر نیکو کاروں کا، پھر کیوں نہ ہوئے

كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ

ان قوموں میں جو گزر چکی ہیں تم سے پہلے ایسے اہل خیر،

۲۱۸ ظالموں کی طرف جھکنے کی ممانعت:۔ سو اہل ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور تم کبھی جھکنا نہیں ظالموں کی طرف کہ ایسے لوگ تو بہر حال ہلاکت اور تباہی کی راہ پر ہیں۔ پس کھلے کفار و مشرکین کی طرح دوسری گمراہ قوموں اور دوسرے مختلف گروہوں، گروپوں اور فرقوں میں سے کسی کی طرف بھی جھکنا اور ان سے دلی میلان اور لگاؤ رکھنا ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں جو کہ اپنے کفریہ شرکیہ اور ملحدانہ عقائد و نظریات پر اسلام کا لیبل لگا کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ جیسے قادیانی دجال کے پیرو، روافض، چکڑالوی، منکرین حدیث اور اہل حق کی تکفیر کرنے والے وہ قبر پرست اہل بدعت جو ائمہ حرمین شریفین تک کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے اور ان کے بارے میں وہ طرح طرح کی ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ وہ ایسے اور ایسے ہیں وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو ایسے ظالموں اور بہکے بھٹکے لوگوں سے دور و نفور رہنا ہی دین کا تقاضا ہے۔ اور یہی صحت و سلامتی کا راستہ اور دینی غیرت کا مقتضیٰ ہے۔ ورنہ ان کے کفر و شرک کی میل تم پر بھی اثر انداز ہو جائے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین۔

۲۱۹ ظالموں کی طرف جھکاؤ کا نتیجہ دوزخ۔ والعیاذ باللہ العظیم:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ظالموں کی طرف کبھی نہیں جھکنا کہ اس کے نتیجے میں تم لوگوں کو دوزخ کی آگ آ پکڑے اور اس وقت اللہ کے سوا تمہارا کوئی حامی ہوگا اور نہ ہی تم لوگوں کو کہیں سے کوئی مدد مل سکے گی۔ سو ظالموں کی طرف جھکاؤ اور میلان رکھنے کا نتیجہ و انجام بڑا برا اور

نہایت ہولناک ہوتا ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم-سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب ان ظالموں کی طرف جھکنا اور ان سے کچھ میلان رکھنا بھی اتنا بڑا جرم و گناہ ہے تو پھر ان سے دلی تعلق و دوستی اور بے روک ٹوک روابط و محبت رکھنا اور ان سے رشتے ناطے تک کرنا کس قدر بڑا جرم اور ہولناک گناہ ہوگا؟-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم-بہر کیف اس میں اہلِ ایمان کے لیے تنبیہ و تذکیر ہے کہ کسی خوف یا طمع وغیرہ میں آ کر ان لوگوں کی طرف مائل نہیں ہو جانا جو کفر و شرک کے ظلم پر اَڑے ہوئے ہیں۔ ورنہ دوزخ کی وہی آگ جو ایسے بدبختوں کے لیے مقدر ہے تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔ اور اس وقت اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ اور ﴿ثم لا تنصرون﴾ کے اس جملے سے اس اہم حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ اگر تم لوگ ان کفار و مشرکین کی طرف ذرا بھی مائل ہوئے تو تم خداوند کی اس نصرت سے بھی محروم ہو جاؤ گے جس کا اس نے تم سے اس دنیا میں وعدہ فرما رکھا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ وعدہ استقامت کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ اس کے بغیر تم لوگ نصرتِ خداوندی کے سزاوار نہیں ہو سکتے - وباللّٰه التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل-

۲۲۰ نماز قائم کرنے کا حکم وارشاد:-سو ارشاد فرمایا گیا اور قائم رکھو تم نماز کو دن کے دونوں سروں پر۔ یعنی صبح و شام۔ اس میں فجر، ظہر اور عصر کی تین نمازیں آ گئیں۔ سو اقامتِ صلوٰۃ دینِ حنیف کا ایک اہم حکم وارشاد اور بنیادی مطالبہ ہے۔ اور اسی سے انسان اپنے رب کی رضا اور اسکی نصرت و امداد اور اعانت سے سرفراز ہوتا اور مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ سو اس ارشاد سے صبر و استقامت کے حصول کی تدبیر بیان فرمائی گئی اور قرآنِ حکیم میں اس حقیقت کو جگہ جگہ اور طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے کہ راہِ حق میں شیطان اور اسکے اَعوان و اَنصار کی طرف سے پیش آنے والی مشکلات اور مزاحمتوں کے لیے روحانی قوت کے حصول اور اس سے سرفرازی کا ذریعہ نماز ہی ہے۔ یہی چیز بندے کو خدا سے جوڑتی ہے اور بندہ جب خدا سے جڑ جاتا ہے تو اس پر خداوندِ قدوس کی طرف سے انوار و برکت کا فیضان ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کا دل وسوسوں اور کمزوریوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جو پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے- اللہ تعالیٰ اسکی مدد فرماتا ہے جس کے نتیجے میں اسکی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، وھو الھادی الی سواء السبیل-

۲۲۱ رات کو بھی نماز قائم کرنے کا حکم وارشاد:-سو ارشاد فرمایا گیا اور رات کے کچھ حصوں میں بھی۔ سو اس میں مغرب و عشاء کی نمازیں آ گئیں۔ سو اس طرح اشارتاً یہاں پر پانچوں نمازوں کا ذکر ہو گیا اور اس طرح اجمالی طور پر پانچوں نمازوں کا ذکر تو قرآنِ حکیم میں کئی جگہ فرمایا گیا ہے مگر ان کی تفاصیل دوسرے تمام ارکانِ اسلام کی طرح احادیثِ نبویہ کے ذخیرۂ مقدسہ ہی سے مل سکتی ہیں۔ پس یہ امر حجیتِ حدیث کی ایک بڑی اہم اور قطعی دلیل ہے کہ حدیث کے بغیر قرآنِ حکیم کے مفاہیم و مطالب کو صحیح طور پر سمجھنا اور ان کی مراد کو متعین کرنا اور قرآنی اَحکام پر صحیح طریقے سے اور پورے طور پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں۔ اسی لئے اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے قرآنِ پاک آپ کی طرف اے پیغمبر اسی لئے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی مراد کھول کر بیان فرمائیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾ (النحل: ۴۴)۔ سو حدیثِ رسول

دینِ حنیف کا قرآنِ حکیم کے بعد دوسرا بڑا ماخذ ہے۔ اسکے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ اور اُس کا اِنکار قرآن کا انکار ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ سو نماز ایک عظیم الشان عبادت اور خداوند قدوس کی رحمتوں، عنایتوں اور برکتوں سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۲۲ نیکیاں تزکیہ وتطہیر کا ایک عظیم الشان ذریعہ ووسیلہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور ''اِنَّ'' کی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو۔ کہ نیکیوں سے اِصلاح اور تزکیۂ نفس کی جو سعادت اور جلا انسان کو نصیب ہوتی ہے اس سے برائیوں کے اثرات مٹ جاتے ہیں۔ اور ان کی میل دور ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مسندِ امام احمدؒ اور سننِ ترمذیؒ وغیرہ کی حدیث میں فرمایا گیا ہے ﴿اَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا﴾ کہ ''برائی اگر ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر لیا کرو تا کہ وہ اس کے اثرات بد کو مٹا دے''۔ مگر واضح رہے کہ یہاں ''سیئات'' سے مراد صغائر ہیں کہ کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھ سے یہ گناہ سرزد ہو گیا کہ میں نے مدینے کے دور کے کنارے پر ایک عورت سے چھیڑ خانی کی۔ بغیر اس کے کہ اس سے بدکاری کا ارتکاب کرتا۔ سو اب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس جرم کی جو سزا بنتی ہے وہ مجھ پر جاری کیجئے۔ اس پر حضرتِ عمر۔رضی اللہ عنہ۔ نے جو کہ وہاں پر موجود تھے اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر پردہ ڈالا ہوا تھا۔ تو کاش کہ تُو اس پردہ کو ایسے ہی رہنے دیتا۔ مگر آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے اس کو کچھ نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ شخص اٹھ کر چلا گیا۔ تو آپؐ نے اسکو واپس بلوایا اور پھر یہی آیت کریمہ اس کو پڑھ کر سنائی۔ اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول کیا یہ خاص اسی شخص کے لئے ہے؟ تو آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ سب لوگوں کے لئے عام ہے۔ (بخاری، مختصراً کتاب التفسیر، مسلم، کتاب التوبہ)۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے ربِ غفور ورحیم کی شانِ رحمت وبخشش اور کرم وعنایت کے۔ اور کیا کہنے نبیٔ رحمت کی پیش فرمودہ ان تعلیماتِ مقدسہ کی عنایتوں اور فیض رسانیوں کے۔ اور کیا کہنے حضراتِ صحابہؓ کرام کے نفوسِ قدسیہ کی عظمتوں اور ان کی پاک دامنیوں کے کہ کس طرح ایک شخص بغیر کسی کے دعویٰ کے اور بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے، جرم کی سزا کے لئے فوراً اور ازخود اپنے آپ کو بارگہٗ نبوت کی عدالتِ عالیہ میں پیش کر کے سزا کی درخواست کرتا ہے۔ اور پھر بارگہٗ رسالت سے اس کو اور اس کے واسطے سے پوری امت کے لئے یہ خوشخبری ملتی ہے کہ اس طرح کے چھوٹے موٹے گناہ نماز روزہ وغیرہ اعمالِ صالحہ سے ازخود معاف ہو جاتے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهِ الْمُصْطَفَی الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَمَنِ اهْتَدٰی بِهَدْیِهِ وَدَعَا بِدَعْوَتِهِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ وَرَضِیَ عَنْهُمْ وَعَنَّا مَعَهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْنَ۔ سو حسنات یعنی نیکیوں کی تکثیر کی فکر وکوشش کرو تا کہ شبہات کی صفائی ہوتی رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید جلّ وعلا شانہ۔

يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ

جو روکتے (لوگوں کو) فساد پھیلانے سے زمین میں، ۲۲۳ بجز ان تھوڑے سے لوگوں کے

أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ

ان میں سے جن کو ہم نے بچا لیا ۲۲۴ (عذاب سے،) اور وہ لوگ جو ظلم پر کمربستہ تھے وہ پیچھے لگے رہے اپنی انہی عیش

۲۲۳ **فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت و عظمت:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور تحریک تحضیض کے لیے حرفِ تحضیض کے ساتھ فرمایا گیا کہ پھر کیوں نہ ہوئے ان لوگوں کے اندر نیک اور اہلِ خیر لوگ جو لوگوں کو روکتے زمین میں فساد پھیلانے سے۔ یعنی ان کے اندر ایسے لوگ ہونے چاہیے تھے تاکہ یہ قومیں بچ جاتیں اس ہولناک انجام سے جس سے دوچار ہو کر وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ اور ایسی مٹیں کہ قصۂ پارینہ بن کر رہ گئیں۔ سو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ایک ایسا عظیم الشان فریضہ ہے جو قوموں اور ملکوں کو ہلاکت اور تباہی سے بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے۔ ورنہ جب قومیں اجتماعی طور پر برائیوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو پھر ان کو اسی طرح ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے جس طرح کہ گلے سڑے پھلوں کے ٹوکرے کو اٹھا کر کوڑے کرکٹ کے اس ڈھیر میں پھینک دیا جاتا ہے جس کو آگ سے جلا کر نیست و نابود کرنا ہوتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضۂ مقدسہ کی اہمیت و عظمت واضح ہو جاتی ہے کہ یہی چیز ہے فساد سے بچانے والی ۔لیکن افسوس کہ آج امتِ مسلمہ اس سے غافل ولاپرواہ ہے - الا ماشاء اللہ جل وعلا - اور اسی کے نتیجے میں آج دھرتی فساد اور فسادیوں سے بھر گئی - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت و عنایت اور فضل و کرم سے نوازے - آمین۔

۲۲۴ **امر بالمعروف ذریعۂ سلامتی و نجات:** - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ امر بالمعروف ذریعۂ سلامتی و نجات ہے اور اس کے برعکس کلمۂ حق و ہدایت سے منہ موڑنا باعثِ ہلاکت و تباہی - والعیاذ باللہ جل وعلا - سو ارشاد فرمایا گیا بجز ان تھوڑے سے لوگوں کے جن کو ہم نے بچا لیا اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت و عنایت سے ان کے انبیاء و رسل کے ساتھ۔ مگر قلیل تعداد کے ان بندگانِ صدق و صفا کی آواز اور تبلیغ و تلقین کا ان بہکے، بھٹکے اور بگڑے ہوئے لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا اور ان بگڑی ہوئی قوموں نے نہ صرف یہ کہ اپنے ان خیر خواہوں کی باتوں پر کان نہیں دھرا اور حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ بلکہ وہ الٹا ان کے درپے آزار ہو گئے اور انہوں نے ان کو طرح طرح سے ستایا اور تنگ کیا۔ (المنار، المراغی وغیرہ)۔ جس کا نتیجہ و انجام ان کو ایسی ہولناک تباہی اور دائمی عذاب کی صورت میں بھگتنا پڑا کہ یہ ہمیشہ ہمیش کیلئے مٹ گئے - والعیاذ باللہ جل وعلا - سو اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا کہ جب لوگ برائی کو اپنے درمیان ہوتا دیکھیں اور اس سے نہ روکیں تو وہ وقت دور نہیں کہ جب اللہ کا عذاب ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ (ابن کثیر وغیرہ) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ

پرستیوں کے جن کا سامان ان کو فراوانی کے ساتھ دیا گیا تھا، اور وہ جرائم پیشہ ہی رہے ۲۲۵ اور تمہارا رب ہرگز ایسا نہیں کہ

الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ شَآءَ

یونہی تباہ کردے بستیوں کو ناحق طور پر، جب کہ ان کے باشندے اصلاح میں لگے ہوں، ۲۲۶ اور اگر تمہارا رب

رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ

چاہتا تو (جبراً) سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا (مگر اس نے بتقاضائے حکمت وابتلاء ایسا نہیں کیا) اور اب یہ

مُخْتَلِفِيْنَ ﴿١١٨﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ

ہمیشہ اختلاف ہی میں رہیں گے ۲۲۷ مگر جن پر رحم فرمادے تمہارا رب (کہ وہی بے راہ روی سے بچ سکیں گے) ۲۲۸ اور اللہ نے

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

تو ان کو پیدا ہی اسی (آزادیٔ انتخاب واختیار) کے لئے کیا ہے، اور پوری ہوگئی ۲۲۹ تمہارے رب کی یہ بات کہ میں ضرور بالضرور

۲۲۵ نورِ حق سے محروم عیش پرستوں کا انجام بہت بُرا - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اَڑے ہوئے تھے اپنے ظلم پر وہ اپنی انہی عیش پرستیوں کے پیچھے لگے رہے جن کا سامان ان کو فراوانی کے ساتھ دیا گیا تھا اور وہ تھے ہی محروم لوگ۔ سو اس سے اس اہم بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ دنیاوی سامانِ عیش وعشرت کے پیچھے لگ کر حق سے منہ موڑ لیتے ہیں اور ناصح کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے وہ آخر کار اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ اور ایسے اور اس طور پر کہ پھر ان کے لیے اس سے بچنے اور نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ العَظِیْم - بہرکیف اس ارشاد سے ان عذاب پانے والی قوموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واضح فرمایا گیا کہ کیا چیز ان کی ایسی ہولناک تباہی کا باعث بنی اور اس سے مقصود دورِ حاضر کے کفار ومنکرین اور دوسرے مجرموں کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر تم لوگوں نے بھی کفر وانکار اور بغاوت وسرکشی کی اسی روش کو اپنائے رکھا جس کو کل کے ان منکروں نے اپنایا تھا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تمہارا انجام ان کے انجام سے مختلف ہو کہ اللہ تعالیٰ کا قانون و دستور بہرحال ایک اور سب کے لیے یکساں ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کل کے ان منکروں میں ایسے لوگ باقی نہیں رہ گئے تھے جو لوگوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے بجز تھوڑے سے لوگوں کے۔ سو عذاب آنے پر ان کو تو ہم نے بچا لیا لیکن ان منکروں کی اکثریت اپنی خواہشات پرستی اور خرمستی میں ہی محو ومگن رہی۔ حق بات کو انہوں نے مان کر نہ دیا اور اپنے اختیار کردہ کفر وباطل پر یہ اَڑے ہی رہے۔ اس لیے مدتِ مہلت ختم ہوتے ہی انکو دھر لیا گیا۔ اور یہ لوگ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ

کررہے کہ یہ مجرم لوگ تھے۔ اور مجرموں کا انجام بہرحال بہت براہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۲۶ **اِصلاحِ احوال کی ضرورت واہمیت:** ۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ناحق طور پر یونہی ہلاک کر دے جبکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے میں لگے ہوں۔ سو اس سے اِصلاح کی ضرورت واہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ پس اپنی ذاتی اصلاح کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے۔ ذکر صلاح کا نہیں اِصلاح کا ہے۔ یعنی صرف یہی مطلوب نہیں کہ آدمی خود نیک بن کر رہے اور بس۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ دوسروں کو بھی صالح بنانے کی اور معاشرے کے بگاڑ کو سنوارنے کی فکر وکوشش کرے۔ ورنہ جب فساد و بگاڑ عام ہو جائے گا تو ظالموں اور مفسدوں ہی تک محدود نہیں رہے گا بلکہ سب ہی کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ (الانفال: ۲۵) سو اپنی ہی نہیں دوسروں کی اصلاح کی فکر وکوشش بھی مومنِ صادق کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ پھر کیا کہیے گا اس صورتحال کے بارے میں جس سے آج ہم لوگ گزر رہے ہیں کہ صلاح اور اِصلاح کے یہ دونوں ہی عنصر غائب ومفقود ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ دنیا مادہ اور معدہ کی ضرورتوں کی تحصیل وتکمیل کے پیچھے اس طرح لگ گئی کہ گویا یہی مقصودِ حیات ہے اور گویا ان لوگوں کو اسی لیے پیدا کیا گیا ہے اور بس۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ ہمیشہ زیغ وضلال کی ہر قسم سے محفوظ اور اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۲۲۷ **جبری ایمان نہ مفید ہے نہ مطلوب:** ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا مشکل تھا کہ وہ سب ہی کو محض اپنے ارادہ واشارہ سے مومن بنا لیتا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تمہارا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا کہ سب ہی مومن اور فرمانبردار ہو جاتے۔ اور اس طرح وہ سب بلا کسی چوں وچرا کے اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگے ہوتے جس طرح کہ سورج، چاند اور ستارے وغیرہ بے شمار مخلوق جبراً قہراً اسکی ایسی مطیع فرمان ہے کہ سرِمو اس سے اِعراض و اِنحراف نہیں کرسکتی۔ مگر اس طرح کے جبری ایمان کا فائدہ کیا ہوتا۔ اور پھر ابتلاء وآزمائش کا مقصد کس طرح پورا ہوتا؟ اور امتحان واختیار کس طرح ہوتا؟ اور سزا وجزاء کا ترتب اور جنت ودوزخ کا حصول ودخول کیونکر ہوتا؟ سو اس طرح کا جبری اور قہری ایمان اس کے یہاں سرے سے مطلوب ہی نہیں بلکہ اصل مقصود ومطلوب وہ ایمان ہے جو بلا کسی جبر واِکراہ کے محض اپنی رضاء ورغبت اور خوشی واختیار سے ہو۔ اس لئے حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ نے جبر واِکراہ کی بجائے معاملہ لوگوں کے اختیار اور ان کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ جو چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کی راہ اختیار کرے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور اسی کے مطابق ہر کوئی اپنے کیے کرائے کا صلہ وثمرہ پائے گا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف: ۲۸)۔ یعنی "جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے" لیکن یہ یاد رکھو کہ کفر اللہ کو پسند نہیں اور کافروں کیلئے اس نے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اب اس کے بعد معاملہ ہر کسی کے اپنے ارادہ واختیار پر ہے۔ وہ جو چاہے راستہ اختیار کرے کہ اس کا اچھا یا برا نتیجہ خود اسی کو بھگتنا ہوگا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وہو الہادی الیٰ سواء السبیل۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۲۸ اصل مدار انسان کے اپنے قلب و باطن پر ہے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ہمیشہ اسی اختلاف میں پڑے رہیں گے مگر جن پر تمہارا رب رحم فرمادے۔ بس وہی بچ سکیں گے اس طرح کی بے راہ روی سے۔ اور رب کی رحمت وعنایت کا مدار و انحصار انسان کے قلب و باطن پر ہوتا ہے۔ سو اس سے یہ اہم حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ صفائے باطن اور طلبِ صادق اِصلاحِ اَحوال کی اولین اساس اور بنیادی شرط ہے۔ اور اس کی توفیق اسی خوش نصیب ہی کو ملتی ہے جس کے دل کی دنیا درست ہو اور وہ نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی چاہتا ہو کہ اس علاّم الغیوب کے یہاں کے فیصلے دلوں کی نیتوں اور قلبی ارادوں ہی پر مرتب ہوتے ہیں نہ کہ محض ظاہر داریوں پر۔ پس انسان کو ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اس کے دل کا تعلق اس کے خالق و مالک سے درست ہو اور اس کی نیت و ارادہ کا معاملہ صحیح ہو- اللہ توفیق فرمائے- آمین۔ فَاِنَّهٗ هُوَ الْمَوَفِّقُ لِكُلِّ خَيْرٍ وَّالْمُيَسِّرُ لِكُلِّ عَسِيْرٍ - بہرکیف باطن کی صفائی اور نیت وارادہ کی درستی اور طلبِ صادق اِصلاحِ اَحوال کی اولین اساس اور اہم بنیاد ہے۔ اسی پر حضرتِ واہبِ مطلق- جل وعلا شانہٗ- کی عنایات متوجہ ہوتی ہیں- کہ وہ علاّم الغیوب انسان کے ظاہر اور اسکے باطن کو پورا اور ایک برابر جانتا ہے اس سے کسی کی کوئی کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی، اسلئے اسکے ساتھ اپنے قلب وباطن کا معاملہ صحیح رکھنے کی ضرورت ہے۔

۲۲۹ منکرین ومعاندین قانونِ قدرت کی زد میں- والعیاذُ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا اور پوری ہوگئی تمہارے رب کی بات یعنی وہ بات جو اس کی قضا وقدر، علمِ محیط اور حکمتِ بالغہ کی بناء پر طے ہو چکی ہے کہ حق و ہدایت کی دولت سے سرفرازی انہی کو نصیب ہوتی ہے جو اس کیلئے اپنے اندر طلبِ صادق رکھتے ہوں۔ اور جو طلبِ صادق سے محروم ہونگے وہ بہر حال دولتِ حق و ہدایت سے محروم ہونگے اور ان کا ٹھکانہ وانجام دوزخ کی ہولناک آگ ہوگا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے بارے میں جبر کو پسند نہیں فرمایا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہدایت و غوایت کے سلسلے میں لوگ مختلف راہوں پر چلیں گے۔ بہت سے خوش نصیب اگرچہ حق و ہدایت ہی کی راہ کو اپنائیں گے لیکن بہت سے ایسے بھی ہونگے جو تمام تر تعلیم وتذکیر کے باوجود نفس وشیطان کی پیروی میں برائی کی راہ ہی کو اپنائیں گے اور وہ اسی پر چلیں گے۔ اور اسی پر مریں گے۔ سوائے ان کے جن پر تمہارے رب کی رحمت ہو جائے- ﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ﴾- اور رب کی یہ رحمت انہی لوگوں کو نصیب ہو سکتی ہے اور اس کے اہل اور سزاوار وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اپنی عقل وفکر، سمع وبصر اور دل و دماغ کی قوتوں اور صلاحیتوں کو زندہ رکھ کر ان سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ورنہ جو آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھے بن جاتے ہیں اور دن کی روشنی میں بھی ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ اس سے محروم رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی سنت کے مطابق نورِ حق وہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ سو ایسے منکر اور معاند لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کے دستور کی زد میں ہوتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا ہی اسی لیے کیا ہے کہ وہ اپنے ارادہ واختیار سے صحیح راستہ اپنائیں اور اپنے آپ کو اپنے رب کے فضل وکرم اور اسکی رحمت وعنایت کا حقدار بنائیں ﴿ولذٰلک خلقھم﴾ سو امتحان واختیار انسانی خلقت کا ایک لازمی جزو ہے۔ اس سے گزرے بغیر کوئی شخص رحمتِ خداوندی کا حقدار نہیں بن سکتا- ابتلاء وآزمائش کے مرحلے سے گزر کر اور امتحان میں کامیابی حاصل کر کے ہی انسان اسکی خاص رحمت وعنایت کا مستحق بن سکتا ہے۔

وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ

بھر کے رہوں گا دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے ف۲۳۰ اور یہ جو بھی قصے ہم آپ کو سناتے ہیں (اے پیغمبر!) رسولوں کے

اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِىۡ

حالات میں سے، یہ وہ کچھ ہے جس سے ہم مضبوط کرتے ہیں آپ کے دل کو، اور آ گیا آپ کے پاس

هٰذِهِ الۡحَـقُّ وَمَوۡعِظَةٌ وَّذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ

ان کے ضمن میں حق (اور حقیقت کا علم) اور ایک عظیم الشان نصیحت اور یاددہانی ایمانداروں کے لئے، ف۲۳۱ اور کہہ دو

لِّلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ ؕ اِنَّا

ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے (اس سب کے باوجود) کہ تم لوگ کام کرتے رہو اپنے طریقے پر، ہم کام کئے جا

عٰمِلُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوۡا ۚ اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيۡبُ

رہے ہیں اپنے طریقے پر، اور تم بھی انتظار کرو (نتیجہ وانجام کا) ہم بھی منتظر ہیں، اور اللہ ہی کے لئے ہیں سب غیب

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ يُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ كُلُّهٗ فَاعۡبُدۡهُ

آسمانوں کے بھی اور زمین کے بھی ف۲۳۲ اور اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے معاملہ سب کا سب، پس تم بندگی بھی اسی کی کرو،

وَتَوَكَّلۡ عَلَيۡهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

اور بھروسہ بھی اسی پر رکھو، ف۲۳۳ اور تمہارا رب کچھ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم لوگ کر رہے ہو، ف۲۳۴

۲۳۰ دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے بھرنے کا مطلب؟: سو ارشاد فرمایا گیا کہ پوری ہو گئی تمہارے رب کی بات کہ میں ضرور بالضرور بھر کر رہوں گا دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے۔ سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب کے سب لوگ دوزخ میں جائیں گے بلکہ مقصود و مراد یہ ہے کہ ہر طرح کے اور ہر صنف اور ہر قسم کے لوگ جو بھی اس کے مستحق ہونگے وہ اس میں داخل ہوں گے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں اور کسی بھی قوم، قبیلہ اور نسل و رنگ سے تعلق رکھتے ہوں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ آپ کہیں کہ مجلس سب ہی لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ یعنی اس میں ہر طرح کے لوگ موجود تھے۔ یہ نہیں کہ سب لوگ وہاں آ گئے تھے۔ اس لئے حضرات علمائے کرام اس سے متعلق لکھتے ہیں کہ "عُصَاتُهُمَا" (محاسن التاویل وغیرہ)۔ یعنی جنوں اور انسانوں کے ان دونوں گروہوں کے باغی و سرکش اور

عاصی و نافرمان لوگوں سے دوزخ کو بھرا جائے گا۔ خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں۔ سو اس ارشادِ ربانی میں دراصل رد ہے ان یہود و نصاریٰ پر جن کا دعویٰ اور کہنا یہ تھا کہ ہمیں تو دوزخ کی آگ چھوئیگی بھی نہیں بجز گنتی کے چند دنوں کے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ان کا یہ قول اس طرح نقل فرمایا گیا ہے ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآءُهٗ﴾ یا جیسے روافض نے اپنے خود ساختہ ائمۂ معصومین کے بارے میں اس طرح کے عقیدے گھڑ رکھے ہیں کہ وہ جس کو چاہیں جنت کا ٹکٹ دے دیں اور جس کو چاہیں دوزخ میں بھیج دیں۔ جیسا کہ آج کل ان کے ایسے خود ساختہ اور من گھڑت عقائد کی طرح طرح سے تشہیر کی جا رہی ہے یا جیسا کہ اہلِ بدعت وغیرہ دوسرے اہلِ زیغ و ضلال طرح طرح کے نام اور لقب اختیار کر کے اور خاص مراتب و شان کے دعویدار بن کر اپنے لئے خصوصی حقوق و امتیازات کا ادعا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ سو اس آیتِ کریمہ اور اسی طرح قرآن و سنت کی دیگر نصوص اور تعلیماتِ مقدسہ میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے واضح کر دیا گیا ہے کہ اس طرح کے خود ساختہ امتیازات وہاں کچھ بھی کام نہیں آئیں گے بلکہ اصل چیز جو وہاں کام آسکے گی وہ ہے صحیح ایمان و عقیدہ اور اسکے مطابق عملِ صالح۔ سو اس سے جو بھی سرشار و سرفراز ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت و عنایت سے جنت میں جائے گا خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ اور جو اس سے محروم ہو گا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - وہ دوزخ کا مستحق ہو گا خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ محض حسب و نسب یا زبانی کلامی دعووں سے وہاں کام نہیں چلے گا بلکہ ایمان و یقین اور عملِ صالح کی پونجی ہی کام دے گی۔ اسلئے ہمیشہ اسی کے حصول اور اس سے سرفرازی کی فکر و کوشش میں رہنا چاہیے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید، بکل حال میں الاحوال۔

۲۳۱ حضراتِ انبیاء و رسل کی سرگزشتیں سنانے کے اصل مقصد کی وضاحت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سرگزشتیں ہم آپ کو اس لیے سناتے ہیں کہ ان سے وہ پہلو آپ کے سامنے آجائیں جن سے آپ کے دل کو قوت اور مضبوطی ملے۔ ان کے ضمن میں حق آپ کے سامنے آجائے اور تاکہ نصیحت اور یاددہانی ہو ایمان والوں کے لیے کہ اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں اور اٹھائیں گے جن کا ایمان و یقین صحیح اور مستحکم ہو گا۔ ورنہ یہ عظیم الشان نصیحت اور یاددہانی سب دنیا اور تمام انسانوں کے لئے عام ہے۔ مگر جو اس پر کان ہی نہ دھریں اور ان کو ماننے اور قبول کرنے کیلئے تیار ہی نہ ہوں ان کو اس سے کوئی فائدہ کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ ایک اصول اور ضابطے کی بات ہے کہ مقوی اور عمدہ غذاؤں سے فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے جس کا معدہ درست اور پیٹ صحیح ہو ورنہ ایسی عمدہ اور مفید غذا الٹا ایسے لوگوں کیلئے بدہضمی اور نقصان کا باعث بنتی ہے۔ سو ایمان و یقین کی قوت ایک حیات بخش روح پرور اور انقلاب آفریں قوت ہے جو انسان کو ایک نئی اور حقیقی زندگی بخشتی اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور و سرفراز کرتی ہے۔ جبکہ اس سے محرومی - والعیاذ باللہ - دارین کی سعادت و سرخروئی اور حقیقی زندگی سے محرومی ہے۔ اسی لیے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ - (یٰسٓ: ۷۰)۔

۲۳۲ غیب اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ: - سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ آسمانوں اور زمین کے سب غیب اللہ ہی کیلئے ہیں۔ پس غیب اللہ ہی کا خاصہ ہے۔ سو دیکھیے کہ یہاں کس طرح حصر کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے مگر آج کا کلمہ گو مشرک ہے کہ پھر بھی اللہ کی مخلوق کے لئے علمِ غیب کا عقیدہ

رکھتا ہے- فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَکٰى وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّکْلَان- بہر کیف قرآن وسنت کی نصوصِ کریمہ تصریح کرتی ہیں کہ علمِ غیب خاصۂ خداوندی ہے- پس مومنِ صادق کو چاہیے کہ وہ اپنا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کر دے- ہمہ تن اسکی عبادت وبندگی میں مشغول ہو جائے اور بھروسہ واعتماد اسی وحدہٗ لاشریک پر کرے کہ آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کا غیب اسی کے علم واختیار میں ہے- سارے معاملات آخری فیصلے کے لیے اسی کے حضور پیش ہوتے ہیں اور جو کچھ اس کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۲۳ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کا حکم وارشاد: -سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر اور حصر وقصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بھروسہ ہمیشہ اُسی وحدہٗ لاشریک پر رکھو کہ بھروسہ رکھنے کے قابل صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے- اور یہ پوری کائنات اور اس میں پائی جانے والی ہر شئے اور اسکے اندر نفع دینے یا نقصان پہنچانے کی خاصیت وتاثیر اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو قرآن وسنت تو بار بار تاکید کرتے اور طرح طرح اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ بھروسہ کرنے کے لائق اسی وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ اقدس واعلیٰ ہے- سب کچھ اُسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے- مگر آج کے جاہل مسلمان پیٹ پرست ملاؤں اور مت کے مارے اہلِ بدعت نے طرح طرح کے خود ساختہ سہارے گھڑ رکھے ہیں اور جن کی بناء پر وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم

۲۲۴ اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کا حوالہ وذکر: -سو ارشاد فرمایا گیا اور تمہارا رب بے خبر نہیں تمہارے ان کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو- سو اسی کے مطابق وہ ہر کسی کو اسکے اس صلہ اور بدلہ سے نوازے گا جس کا وہ مستحق ہوگا- لہٰذا ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ لے اور اپنا محاسبہ خود کرلے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کل اس کے حضور وہ کیا لے کر حاضر ہو گا "حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبَ عَلَيْکُمْ وَزِنُوْا اَعْمَالَکُمْ قَبْلَ اَنْ يُّوْزَنَ عَلَيْکُمْ" -اللہ تعالیٰ اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے- آمین ثم آمین- اللّٰهُمَّ خُذْ بِنَوَاصِيْنَآ اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّکَ ورضاک بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحياة بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یا ارحم الرّاحمین ویا اکرم الاکرمین -یا من رحمته وسعت کل شیء وهو ارحم بعباده منهم لانفسهم. سبحانه تعالیٰ-

☆☆☆

☆- تکمیل پروف ریڈنگ ۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۹۹ بروز ہفتہ بوقت بارہ بجکر پانچ منٹ رات (سطوہ دبی) متحدہ عرب امارات- والحمد للہ رب العالمین الذی بیدہ ازمۃ التوفیق-

☆- تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۲۲ ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۷ فروری ۲۰۰۰ بروز اتوار بوقت پونے پانچ بجے شام، سطوہ دبی، والحمد للہ رب العالمین- فانہ ھوالذی لاتتم الصالحات الا بتوفیق منہ- سبحانہ وتعالیٰ-

☆- تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ۲۵ ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۳ مارچ ۲۰۰۱ء بروز جمعہ، بوقت سوا آٹھ بجے صبح مدنی منزل معمورہ المدنی (گہل) منگ آزاد کشمیر پاکستان، (دوران رخصت) والحمد للہ رب العالمین

☆- اللّمسات الاخیرة (Final Touches) ۲۵- شوال ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۱۹ دسمبر ۲۰۰۳ء بروز جمعہ بوقت سوا سات بجے شام (عنداذان العشاء) مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان- والحمد للہ رب العالمین قبل کل شیء وبعد کل شیء فانہ لاتتم الصالحات الا بتوفیق منہ جل وعلا-

آیاتھا ۱۱۱ ۱۲ سورۃ یوسف مکیۃ ۵۳ رکوعاتھا ۱۲

سورۂ یوسف مکی ہے اسکی ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۝۱ قف اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ

الف لام را ۔ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی اس (عظیم الشان) کتاب کی ۱۔ بے شک ہم ہی نے اتارا

قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝۲ نَحۡنُ نَقُصُّ

ہے اس کو عربی زبان کے عظیم الشان قرآن کی صورت میں، تاکہ تم لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ سکو ۲ (اے اہل عرب) ہم آپ کے

۱ آیات قرآنی کی عظمت شان کا ذکر و بیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی کتاب عظیم کی۔ یعنی یہ کھول کر بیان کرنے والی ہے عقائد و احکام، اخلاق و معاملات اور دنیا و آخرت کی ہر اس چیز کو جس کی ضرورت انسان کو راہ حق پر چلنے کے ضمن میں پیش آسکتی ہے۔ سو ایسی تمام چیزوں کو یہ کتاب حکیم پوری صراحت و وضاحت سے اور کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ اور ''مبین'' کا لفظ حسب تصریح ائمۂ لغت و تفسیر لازمی معنی میں بھی آتا ہے اور متعدی میں بھی۔ یعنی اس کے معنی ظاہر و واضح ہونے کے بھی آتے ہیں اور ظاہر و واضح کر دینے کے بھی۔ اور قرآن حکیم میں یہ دونوں صفتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں کہ اس کے مطالب و مضامین بھی اس کے نظم و نسق سے ظاہر و واضح ہیں کہ ان کو نہایت عمدہ عبارات و اسالیب میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اور دین حق سے متعلق تمام اہم اور بنیادی ضرورتوں اور احکام و مسائل کو بھی اس میں اس قدر کمال جامعیت اور ایسی بے مثال و پرحکمت بلاغت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب قیامت تک کی تمام ضرورتوں کی ضامن و کفیل ہے۔ سو یہ کتاب حکیم ظاہر لنفسہ اور مظہر لغیرہ کی دونوں شانوں پر حاوی و مشتمل ہے۔ اور پھر اپنی ان دونوں ہی شانوں میں یہ کتاب حکیم ایسے کمال جامعیت کی حامل ہے کہ اسکی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ قیامت تک ممکن ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ سو اس سے اس امر کی وضاحت فرما دی گئی کہ یہ آیات کریمات بڑی ہی عظمت و شان والی ہیں۔

۲ قرآن حکیم اپنی صداقت و حقانیت کی دلیل خود: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے۔ یعنی اسم اشارہ یہاں پر بُعدِ مرتبہ و منزلت کے لئے ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ ایسی عظیم الشان کوئی کتاب نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی ہے نہ آئندہ قیامت تک کبھی ایسا ہونا ممکن ہے۔ اور اس کی عظمت شان کا ایک اہم اور خاص پہلو یہ ہے کہ یہ ''مبین'' ہے۔ اور ''مبین'' کے اس لفظ میں بھی دو خاص اور اہم پہلو پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ انسانی زندگی اور ضروریات دین سے متعلق ہر چیز کھول کر بیان کرتی ہے اور دوسرا پہلو یہ کہ اس کتاب حکیم کا ہر بیان و استدلال بالکل واضح اور اس کی ہر بات

ناقابل انکار دلائل سے مبرہن ہے۔ سو اس کی صداقت وحقانیت کے ثبوت کے لیے کسی خارجی معجزے یا نشانی کی ضرورت نہیں جیسا کہ منکرین مطالبہ کرتے ہیں بلکہ اس کی صداقت وحقانیت کے دلائل اور سورج کی طرح روشن اور واضح دلائل خود اس کے اندر موجود ہیں بشرطیکہ لوگ تعصب اور عناد وہٹ دھرمی کی پٹی اتار کر صدق دل سے اور کان کھول کر اس کو سنیں اور اس کے دلائل میں غور کریں۔ وباللہ التوفیق۔ اور حق وہدایت سے متعلق یہ ایسی کامل اور اس قدر جامع کتاب ہے جو آغاز سے لے کر انجام تک، پیدائش سے لے کر موت تک، بلکہ پیدائش سے بھی پہلے اور موت کے بھی بعد تک کے سب احوال وکوائف اور جملہ شئون و احوال اور ظروف ومواقف سے متعلق یہ کتاب عظیم واضح ہدایت وراہنمائی فراہم کرتی ہے۔ پھر یہ کلام ہے اُس ذات اقدس واعلیٰ کا جو بلا شرکت غیرے اس سارے کارخانہ ہست وبود کی خالق ومالک اور حاکم ومتصرف اور کارفرما وفرمانروا ہے۔ پھر اس کو اتارا گیا اشرف الملائک کے ذریعے، اشرف الرسل پر۔ اشرف البقاع اور اشرف الاوقات میں اور اشرف الالسنہ واللغات میں۔ پھر کیا کہنے اس کتاب عظیم کے شرف ومرتبہ اور اس کی عظمتوں اور برکتوں کے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ شَرَّفَنَا بِهٖ بِمَحْضِ مَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ اسکی خیرات وبرکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے۔ آمین۔ اسکے ساتھ ہمارے تعلق کو دوام بخشے اور قبول فرمائے اور زیغ وضلال کے ہر شائبے سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۳ اہل عرب پر ایک خاص انعام واحسان کا ذکر وبیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنا کر اتارا تاکہ تم لوگ سمجھو اے اہل عرب کہ اس کے اولین مخاطب تو بہر حال تم ہی ہو۔ ورنہ یہ کلام حکمت التیام وصدق نظام ہے تو بے شک عالمی، زمان ومکان کی حدود وقیود سے اعلیٰ وبالا، اور قیامت تک کے سب انسانوں اور تمام زمانوں کی راہنمائی کے لئے۔ لیکن اس کی تعلیم وتبلیغ کی خدمت وسعادت تو بہر کیف ایسے خوش نصیب انسانوں ہی کے ذریعے تکمیل پذیر ہو سکے گی جن کو اس کے حامل اور پاسدار وامین ہونے کے شرف سے مشرف فرمایا گیا ہوگا۔ اور ان میں سب سے پہلے اور سرفہرست وہی حضرات ہیں جن کی لغت وزبان میں اس کو نازل فرمایا گیا ہے۔ تاکہ وہ اس نور مبین سے اپنے سینوں اور بواطن کو منور کرنے کے بعد اس نور حق کو چار دانگ عالم میں پھیلا سکیں۔ نیز اس کے عربی زبان کے قرآن ہونے سے تم لوگ یہ بھی سمجھ اور جان سکو کہ یہ کسی انسان اور بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ انسانوں کے خالق ومالک ہی کا کلام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ انہی معروف حروف وکلمات اور اسالیب وتراکیب سے مرکب ہے جن سے تم لوگ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں کام لیتے ہو۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم لوگوں سمیت ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی اس کی ایک سورت کی نظیر لانے سے بھی عاجز وقاصر ہیں اور قیامت تک عاجز وقاصر رہیں گے۔ اور جب تم سب مل کر بھی اس جیسی ایک چھوٹی سے سورت بنا لانے سے بھی عاجز ہو اور اس کے چیلنج، اور مکرر وزوردار چیلنج کے باوجود عاجز ہو۔ تو یہ کس قدر صاف وصریح اور کھلی دلیل ونشانی ہے اس بات کی کہ یہ کلام کسی انسان وبشر کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ حق اور حقیقت تک رسائی حاصل کر سکو؟ سو یہ اس کتاب حکیم کا ایک عظیم الشان اور منفرد معجزہ ہے۔ بہر کیف قرآن حکیم کو عربی زبان کے قرآن کی صورت میں نازل کرنا اپنے اندر بڑے عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت رکھتا ہے کہ ایک طرف اس میں عربوں پر احسان عظیم ہے جو اس کے اولین اور براہ راست مخاطب تھے۔ دوسری طرف اس کی اعجاز بیانی پیغمبر کی صداقت وحقانیت کی ایک اہم اور واضح دلیل بھی۔ اور تیسری اس میں ان کے لیے بڑی تنبیہ وتہدید بھی ہے کہ اگر ان لوگوں نے اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہ کی تو اس کا خمیازہ ان کو بہر حال بھگتنا پڑے گا۔

عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا

سامنے (اے پیغمبر!) ایک بڑا ہی عمدہ ف۴ قصہ بیان کرتے ہیں اس قرآن (عظیم) کے ذریعے، جو کہ ہم نے بذریعہ وحی آپ کی

الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ ۳

طرف بھیجا ہے، ف۵ ورنہ آپ تو اس سے پہلے یقینی طور پر اس سے بالکل (ناواقف و) بےخبر تھے، ف۶

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ

(اس قصے کا اصل آغاز اس وقت سے ہوتا ہے کہ) جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا، اباجان میں نے خواب میں دیکھا کہ

ف۴ ایک بڑے ہی عمدہ قصے کا ذکر و بیان :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم آپ کو [اے پیغمبر] ایک بڑا ہی عمدہ قصہ سناتے ہیں اپنے وحی کردہ اس قرآن کے ذریعے۔ جو عمدہ و احسن ہے اپنی موضوعیت و مقصدیت کے اعتبار سے بھی اور قوت و تاثیر کے لحاظ سے بھی۔ افادیت و ہدایت کے اعتبار سے بھی اور زبان و بیان کی لذت و حلاوت اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی۔ اور اس قدر کہ اس کی کوئی نظیر و مثال اس جامعیت کے اعتبار سے کسی بھی دوسری کتاب میں کبھی نہیں مل سکے گی۔ خواہ وہ کوئی انسانی کتاب ہو یا کوئی الہامی اور آسمانی کتاب۔ جیسا کہ اس کی تحدی سے ظاہر و باہر ہے۔ اس صورت میں "القصص" کا لفظ اپنے مصدری معنی میں مستعمل ہوگا اور ترکیب میں یہ مفعولِ مطلق واقع ہوگا۔ اور مقصوص اس صورت میں محذوف ہوگا۔ اور یہ سب ہی قصصِ قرآنیہ کو عام و شامل ہوگا۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہو اور مقصوص یہی قصہ ہو۔ جیسا کہ متبادر ہے۔ تو اس صورت میں اس کی یہ احسنیت ان اغراض و مقاصد، فوائد و حکم اور دروس و عبر کے اعتبار سے ہوگی جو اس قصہ سے مستنبط ہوتے ہیں اور جو اس طرح کی جامعیت کے ساتھ کسی بھی اور قصے میں یکجا طور پر کہیں نہیں مل سکیں گے۔ سو یہ قصہ اپنے مضمون و مدعا اور معانی و مطالب کے اعتبار سے بھی احسن ہے اور اپنی ادائے بیان کے لحاظ سے بھی یہ احسن اور بہترین قصہ ہے۔ (الکبیر، الفتوحات، المنار، المراغی، الجامع وغیرہ)۔

ف۵ قرآن حکیم فیضانِ وحی کا ثمرہ و نتیجہ - والحمدللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم آپ کو یہ بہترین قصہ سناتے ہیں اس قرآن کے ذریعے جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ایک بے مثال کلام اور زندۂ جاوید معجزہ ہے کہ اس کے نازل کرنے والے ہم ہیں۔ اور جب اس کے نازل کرنے والے اور اس کی وحی بھیجنے والے ہم ہیں تو پھر اس کے لئے کسی نظیر و مثال کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے؟ کہ مخلوق میں سے کوئی خواہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو جائے وہ بہرحال مخلوق ہی ہے۔ اس لئے نہ تو وہ ہمارے کسی کام کی کوئی نظیر پیش کر سکتا ہے اور نہ ہی ہمارے کلام کی۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ - سو یہ کلامِ حکیم ایک بے مثال کلام ہے۔ اسکی کوئی نظیر و مثال نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی ہے نہ آئندہ کبھی ممکن ہو سکتی ہے۔ اور یہ چیز اسکی صداقت و حقانیت کی ایک واضح دلیل بھی ہے اور اسکی معجزانہ شان کا ایک زندۂ جاوید ثبوت بھی۔ اوپر کی آیاتِ کریمات میں خطاب اگرچہ عام ہے لیکن اس میں تنبیہ قریش کے لیے ہے کہ اس

کتابِ عظیم کو تمہاری زبان میں اتارا گیا تاکہ تم لوگ اسکی تعلیماتِ مقدسہ کو صدقِ دل سے اپنا کر اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرو اور اس کے پیغامِ حق وصدق کو دنیا تک پہنچا کر تم دنیا کے ہادی اور پیشوا بن جاؤ۔ لیکن تم لوگوں نے اگر اس نعمتِ عظمی کی قدر نہ کی تو تم سے بڑھ کر بدبخت اور محروم اور کوئی نہیں ہوگا۔ سو یہ جتنی بڑی نعمت ہے تمہارے حق میں یہ اتنی ہی بڑی نقمت بن جائے گی اگر تم لوگوں نے اس کی قدر نہ کی۔ والعیاذ باللہ۔ اور اب اس آیتِ کریمہ سے روئے سخن براہِ راست پیغمبر کی طرف ہوگیا ہے۔ سو آپ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ہم آپ کو ایک بہترین سرگزشت سنا رہے ہیں جو کہ اس قرآنِ حکیم کی بے شمار برکتوں میں سے ایک عظیم الشان برکت ہے۔ جس سے ہم آپ کو اس وحی کے ذریعے نواز رہے ہیں۔ ورنہ اس سے پہلے تو آپ اس سے بالکل بے خبر اور ناآشنا تھے۔

۳ پیغمبر کی صداقت وحقانیت کی دلیل: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ قصہ ہم نے وحی کے ذریعے آپ کو بتایا ورنہ آپؐ اس سے پہلے اس سے یقیناً بالکل بے خبر تھے۔ کہ آپ تو ''اُمّیِ'' محض تھے۔ زندگی بھر کسی انسان سے نہ کبھی کوئی حرف پڑھا نہ سیکھا ۔ اسی لئے دوہری تاکید کے ساتھ اس حقیقت کو مؤکد کر کے بیان فرمایا گیا کہ ایک لام تاکید سے اور دوسرے ''اِنْ'' مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة سے۔ اور حقیقت میں اسی میں آپ کا اعجاز ہے کہ اس امیت کے باوجود آپؐ نے وہ علوم ومعارف پیش فرمائے جنہوں نے دنیا جہاں کو بھر دیا۔ سب دنیا ان کے سامنے عاجز آ گئی۔ اور دوسری تمام قوموں اور ملتوں کے علوم کو دھو کر رکھ دیا۔ کما قال العارف الرومیؒ ۔ یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست ۔ کتب خانہ ملتِ چند بشست ۔ یعنی ''ایک ایسا دُرِّ یتیم کہ جس نے کسی سے ایک حرف بھی نہیں پڑھا، لیکن دنیا کو ایسے علوم ومعارف سے نوازا کہ کتنی ہی ملتوں کے کتب خانوں کو دھو کر رکھ دیا''۔ سبحان اللہ۔ کیسا عظیم الشان اور بے مثل معجزہ ہے یہ جس سے حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو نوازا گیا۔ اس سے بڑا معجزہ آپ کی صداقت وحقانیت کا اور کیا ہوسکتا ہے۔ فَصَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ وَجَزَاهُ خَيْرَ مَا جُوْزِيَ بِهٖ نَبِيٌّ عَنْ اُمَّتِهٖ ۔ یہاں پر یہ بھی خیال رہے کہ قرآن تو تاکید در تاکید کے ساتھ ارشاد فرماتا ہے کہ اس سے پہلے آپ قطعی طور پر بے خبر تھے مگر آج کا بدعتی ملاں کہتا ہے کہ آپ ﷺ ۔ تو بچپن ہی سے عالم الغیب تھے۔ اسی لئے وہ ''مَآ اَنَا بِقَارِئٍ'' کا ترجمہ کرتا ہے ''میں نہیں پڑھتا'' ۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ اللہ ہی ایسے لوگوں کی کھوپڑیوں کو سیدھا کرے اور ان کو سیدھی راہ پر چلنے اور حق وہدایت کو اپنانے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ حضرتِ یوسف کی یہ عبرتوں بھری سرگزشت اس طرح سنا دینا حضرت رسالتمآب ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کی رسالت اور آپ کی صداقت وحقانیت کی ایک واضح اور عظیم الشان دلیل ہے۔ سو یہ فیضان قرآن ہی کا نتیجہ وثمرہ تھا کہ آپ کو اس عظیم الشان قصے سے آگہی نصیب ہوئی۔ ورنہ آپ اس سے پہلے بالکل بے خبر تھے اور آپ کے لیے اس قصے کو اس قدر صحت وصداقت کے ساتھ سنانا ممکن نہ تھا۔ تورات اور تالمود میں اس کا ذکر اگرچہ موجود ہے لیکن اول تو آپ کی ان تک رسائی ہی نہیں تھی۔ اور نہ آپ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ دوسرے اس لیے کہ ان میں اس قصے کو اس قدر صحت وصفائی اور ایسی اہم اور باریک تفصیلات کے ساتھ ذکر کیا ہی نہیں کیا گیا۔ اور تیسرے اس لیے کہ اس میں قرآن کے بیان کے مقابلے میں بہت سارے اختلافات پائے جاتے ہیں اور یہ اختلاف ایسا ہے کہ انصاف پسند شخص اس کو دیکھ کر صاف طور یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ ان اختلافات میں قرآنِ پاک کا ذکر و بیان ہی عقل وفطرت کے تقاضوں کی عین مطابق ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾

گیارہ ستارے ہیں اور سورج و چاند بھی، میں دیکھتا ہوں کہ یہ سب میرے لئے سجدہ ریز ہیں، ۷ٍ

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ

انہوں نے فرمایا بیٹے، اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا

فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ

کہ اس پر وہ تمہارے خلاف کوئی چال چلنے لگیں، ۸ٍ کہ شیطان تو قطعی طور پر انسان کا کھلا

۷ **قصے کا آغاز حضرتِ یوسف ؑ کے خواب سے:۔** سو یہ اسی احسنیت کا ایک نمونہ اور مظہر ہے۔ جس کا ذکر اوپر فرمایا گیا ہے کہ قصے کا آغاز ہی وہاں سے فرمایا جا رہا ہے جہاں سے دروس و عبر مستفاد ہوتے ہیں۔ نہ کہ میلا د اور اس کے متعلقہ غیر ضروری حالات و واقعات سے۔ جیسا کہ دنیا کی عام کتابوں میں ہوتا ہے۔ سو اس میں بھی ہمارے دور کے ان میلادی بدعتیوں کیلئے بھی بڑا درسِ عبرت ہے جو میلاد سے متعلق جھوٹے سچے قصے بیان کرنا عشق کا تقاضا اور بڑا کمال سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصل توجہ کی چیز پیدائش اور وفات کے دن منانا نہیں بلکہ ان مقدس ہستیوں کی وہ تعلیمات ہوتی ہیں جن کا تعلق انسان کے عمل اور اس کی اصلاح سے ہوتا ہے۔ اور جن پر افراد و اقوام کے بناؤ و بگاڑ کا مدار و انحصار ہوتا ہے۔ تا کہ ان کو صدقِ دل سے اپنا کر دنیا سے فساد و بگاڑ کو ختم کیا جا سکے اور ان کی روشنی میں صلاح و اصلاح کی راہ پر چل کر دارین کی سعادتوں اور فوز و فلاح کا سامان کیا جا سکے۔ سو اصل چیز ہے پیغمبر کی اتباع اور پیروی۔ نہ کہ محض خالی عشق و محبت کے دعوے۔ بہر کیف حضرتِ یوسف نے اپنا یہ عظیم الشان خواب اپنے والد ماجد کو سنایا تو والد نے اس پر آپ کو یہ ہدایت فرمائی کہ یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا کہ اسکی بناء پر وہ کہیں حسد کا شکار ہو کر تمہارے خلاف کسی سازش میں نہ لگ جائیں۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند بھی۔ دیکھتا ہوں کہ یہ سب میرے آگے سجدہ ریز ہیں۔ اور خواب چونکہ عظیم الشان خواب تھا اور تعبیر اس کی ظاہر تھی اس لیے حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو یہ نصیحت فرمائی کہ اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہیں سنانا کہ وہ تمہارے خلاف کوئی چال چلنے لگیں۔

۸ **حسد کی بیماری ایک مہلک بیماری:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف سے فرمایا کہ اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہیں سنانا کہ وہ تمہارے خلاف کوئی چال چلنے لگیں۔ حسد کی بناء پر۔ کیونکہ تعبیر اس خواب کی ظاہر ہے جسے وہ فوراً سمجھ جائیں گے اور تمہارے درپے آزار ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ اپنی ان نعمتوں کو جو اللہ پاک اپنے کسی بندے پر فرمائے ایسے لوگوں کے سامنے نہیں بیان کرنا چاہیئے جو حسد پر اتر آئیں اور ان سے تکلیف و نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حسد وہ بیماری ہے جس سے حضراتِ انبیائے کرام ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ کی اولاد بھی محفوظ نہ رہ سکی ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ الْحَسَدِ وَ الْحَاسِدِيْنَ ۔ سو حسد کا مرض بڑے مہلک امراض میں سے ہے کہ اس سے انسان اندر ہی اندر جلتا اور کڑھتا رہتا ہے اور اس طرح حاسد کو اسکے حسد کی ایک سزا بطور نقد یہیں ملتی رہتی ہے جبکہ اسکی اصل سزا میں وہ نورِ حق و ہدایت کی دولت سے محروم ہو کر ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح کہ آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔

مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ

دشمن ہے، ف۹ اور اسی طرح (جس طرح کہ تم نے یہ خواب دیکھا ہے) تمہارا رب تمہیں برگزیدہ بنائے گا (دوسرے کئی

مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

خصائص و مزایا کے ذریعے) اور وہ تمہیں سکھلائے گا باتوں کی تہ تک پہنچنا ف۱۰ اور وہ پورا فرمائے گا اپنی نعمت کو تم پر،

وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ

اور آلِ یعقوب پر، جیسا کہ وہ اس کو پورا فرما چکا ہے اس سے پہلے تمہارے دونوں باپ دادا

قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ع ۶

ابراہیم اور اسحٰق پر، ف۱۱ بے شک تمہارا رب سب کچھ جانتا بڑا ہی حکمت والا ہے ف۱۲

۹ شیطان انسان کا کھلا دشمن: سو حضرتِ یعقوب نے حضرتِ یوسف سے فرمایا کہ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اس لئے وہ لازماً تمہارے بھائیوں کو تمہارے خلاف اکسائے گا۔ کیونکہ یہ تمہارا وہ دشمن ہے جس نے اپنی دشمنی کو چھپایا نہیں بلکہ اس کا کھلم کھلا اعلان کیا اور تمہارے رب کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ وہ تمہاری گمراہی پر کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔ اس کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا اور تمہیں بہکانے بھٹکانے کیلئے وہ ہر چال چلے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اپنے اس کھلے دشمن کے شر اور اسکے مکر و فریب سے بچو تم (اے یوسف) اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہیں کرنا۔ تاکہ شیطان ان کو تمہارے خلاف اس طرح کی کسی سازش کیلئے اکسانے کا موقع نہ پا سکے اور حسد میں جل بھن کر تمہارے خلاف کسی سازش میں سرگرم ہو جائیں۔ یہاں پر یہ امر واضح رہے کہ حضرتِ یوسف کے کل گیارہ بھائی تھے جن میں سے دس ان کی سوتیلی ماؤں سے تھے۔ صرف ان میں سے سب سے چھوٹے بھائی بنیامین ان کی اپنی ماں سے تھے۔ یہاں اشارہ آپ کے انہی دس سوتیلے بھائیوں کی طرف ہے۔ چونکہ انکی پرخاش حضرتِ یوسف سے واضح تھی اس لیے حضرتِ یعقوب کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ حضرتِ یوسف کا خواب سن کر حسد کی بناء پر ان کے خلاف کسی سازش میں نہ لگ جائیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت یوسفؑ کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کریں۔

۱۰ تاویلِ احادیث سے مقصود و مراد؟: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف سے فرمایا کہ اسی طرح تمہارا رب تم کو برگزیدہ کرے گا اور تمہیں باتوں کی تہ تک پہنچنے کے علم سے سرفراز فرمائے گا۔ جس میں خوابوں کی تعبیر بھی آ جاتی ہے اور دوسری سب باتیں بھی۔ نہ کہ صرف خوابوں کی تعبیر۔ جس طرح کہ عام طور پر سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ اور یہ علم آپ کو آپ کا رب براہِ راست بغیر کسی واسطہ کے از خود اپنے لطف و کرم سے عطا فرمائے گا۔ پس نبی کا معلم و استاذ براہِ راست اللہ پاک خود ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں کسی کے آگے زانوئے تلمذ طے نہیں کرتا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

بہرکیف حضرتِ یعقوب نے حضرتِ یوسف کا خواب سن کر ارشاد فرمایا کہ اسی طرح تمہارا رب تم کو برگزیدہ بنائے گا اور تمہیں باتوں کی تہ تک پہنچنے کے علم سے نوازے گا۔ کیونکہ حضرتِ یعقوب نے جب یہ خواب سنا تو آپ اس سے یہ بات سمجھ گئے کہ یہ ایک سچا خواب ہے اور اس میں خواب دیکھنے والے کے لیے ایک شاندار مستقبل کی پیشینگوئی ہے۔ کیونکہ یہ بات انکے علم میں تھی کہ نبوت کا آغاز رؤیائے صالحہ ہی سے ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے حضرتِ یوسف سے فرمایا کہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے ٹھیک ہے۔ اور جلد ہی وہ وقت آنے والا ہے جب تمہارا رب تمہیں منصبِ نبوت کے لیے منتخب فرمائے گا۔ اور اس خواب کی حقیقت تم پر واضح فرمائے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور وہ وقت آ گیا جب حضرت یوسف نے اس بارے ارشاد فرمایا ﴿يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا﴾ یعنی "اے میرے باپ یہ ہے میرا وہ خواب جو میں نے اس سے پہلے یعنی بچپن میں دیکھا تھا جس کو میرے رَب نے سچا کر دکھایا جیسا کہ اس کا تفصیلی ذکر اسی سورۂ کریمہ کے آخر میں آ رہا ہے۔

۱۱ حضرتِ یوسف پر اِتمامِ نعمت کا مژدہ:- سو حضرتِ یعقوب نے حضرت یوسف سے فرمایا کہ وہ تم پر اپنی نعمت کا اِتمام فرمائے گا جیسا کہ وہ اس سے پہلے بھی اس کا اِتمام فرما چکا ہے۔ یعنی تمہارے دادا اسحٰق اور پردادا ابراہیم پر۔ کہ ان دونوں کو بھی نبوت و اصطفاء کی نعمتوں سے نوازا۔ حضرتِ یعقوب نے تواضع کی بناء پر اپنا ذکر نہیں فرمایا۔ بہرکیف حضرتِ یعقوب نے اپنے بیٹے حضرتِ یوسف سے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے باپ دادا حضرتِ ابراہیم اور اسحٰق پر اس سے پہلے اپنی نعمت کو پورا فرما چکا ہے، اسی طرح وہ تم پر بھی اس کو پورا فرمائے گا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور نعمت سے یہاں پر مراد دین وشریعت کی نعمت ہے۔ کیونکہ اصل اور حقیقی نعمت یہی ہے۔ دنیا کی دوسری چیزوں کا نعمت ہونا ایک امرِ اضافی ہے۔ بندے کو جب دین وشریعت کی نعمت ملتی ہے تب ہی اس پر نعمت کامل ہوتی ہے۔ بہرکیف حضرت یعقوب چونکہ اس حقیقت سے واقف و آگاہ تھے کہ نبوت کا آغاز رؤیائے صادقہ ہی سے ہوتا ہے اور حضرت یوسف کے اس خواب کا ظاہر ہی بتا رہا تھا کہ یہ ایک سچا خواب ہے جو خواب دیکھنے والے کے لیے ایک شاندار مستقبل کی پیشینگوئی کر رہا ہے۔ اس لیے آنجناب نے اس کے جواب میں اپنے اس ہونہار فرزند سے فرمایا کہ جو کچھ تم نے دیکھا بالکل ٹھیک ہے۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب تمہارا رب تمہیں منصب نبوت کے لیے منتخب فرمائے گا۔ اور تمہیں تاویلِ احادیث یعنی تعبیر رویا کا خاص علم بھی عطا فرمائے گا۔ تاکہ اس طرح تم ان حقائق کو ٹھیک طور پر سمجھ کر منشائے خداوندی کی تعمیل کر سکو جو تمہیں خواب کے اندر مجاز کی شکل میں دکھائے جائیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور آنجناب کو اس میں اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا گیا کہ یہی علم ان کے لیے مصر کی حکومت و بادشاہی کے حصول کا ذریعہ بن گیا۔ والحمدللہ جل وعلا۔ بکل حال من الاحوال۔

۱۲ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم وحکمت کا ذکر:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک تمہارا ربّ بڑا ہی علیم وحکیم ہے پس وہ خوب جانتا ہے کہ کون شرفِ رسالت کے لائق ہے اور کس کو کس طرح اس شرف سے مشرف فرمایا جائے کہ اس کا کوئی فعل بھی حکمت سے خالی نہیں۔ پس اس کے علمِ کامل اور حکمتِ بالغہ پر مطمئن رہنا چاہیئے کہ وہ جو بھی کچھ کرتا ہے اپنے علمِ کامل اور حکمتِ بالغہ کی بناء پر ہی کرتا ہے۔ پس جس طرح تمہارے رب نے تمہارے اجداد ابراہیم واسحاق کو نعمتِ دین وشریعت سے نوازا اسی طرح وہ تم کو بھی اور آلِ یعقوب کو بھی اس نعمت سے نوازے گا۔ اور جو خواب تم نے دیکھا ہے وہ اسی اتمامِ نعمت کی بشارت ہے اور تمہارا رب بڑا ہی علیم وحکیم ہے۔ وہ ہر چیز کے بارے میں کامل علم بھی رکھتا ہے اور اس کا ہر کام کمالِ حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے۔

لَقَدۡ كَانَ فِىۡ يُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيۡنَ ﴿۷﴾

واقعی یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصہ) میں بڑی نشانیاں ہیں ۱۳ پوچھنے والوں کے لئے ۱۴

اِذۡ قَالُوۡا لَيُوۡسُفُ وَاَخُوۡهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيۡنَا مِنَّا وَ

جب کہ برادرانِ یوسف نے (آپس میں) کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی یقینی طور پر ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں، ۱۵

نَحۡنُ عُصۡبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنِ ۚ ﴿۸﴾ اقۡتُلُوۡا

حالانکہ ہم ایک جتھے کا جتھا ہیں، یقیناً ہمارا باپ کھلی غلطی پر ہے، ۱۶ لہٰذا قتل کردو تم

يُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡهُ اَرۡضًا يَّخۡلُ لَـكُمۡ وَجۡهُ اَبِيۡكُمۡ

یوسف کو، یا ڈال دو اس کو کسی (دور افتادہ) زمین میں، تاکہ اس کے بعد باپ کی ساری توجہ تمہاری طرف ہو جائے،

۱۳ قصہ یوسف میں موجود نشانیوں کی تذکیر و یاد دہانی :- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ قصہ یوسف میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں جو دلالت کرتی ہیں عظیم الشان درسہائے عبرت و بصیرت پر۔ اور جو دلالت کرتی ہیں حضرتِ خاتم الانبیاء -صلوات اللہ وسلامہ علیہ- کی حقانیت و صداقت پر۔ اللہ کی قدرت و وحدانیت پر۔ حضرتِ یوسف کی عظمتِ کردار، رفعتِ شان پر اور ابتلاء و آزمائش بھری اس داستانِ عبرت و بصیرت پر جو کہ انسانی زندگی اور انسان کی فکر و فہم میں انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ سو اس آیتِ کریمہ سے اصل قصہ اور حضرتِ یوسف کی سرگزشت کے شروع کرنے سے پہلے یہ تنبیہ فرما دی گئی کہ اس کو محض قصہ کہانی اور داستان سرائی کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ بلکہ اس میں عظیم الشان درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔ اور غلبۂ حق کے بارے میں ان بہت سے سوالات کے جوابات مضمر ہیں جو دعوتِ حق اور حق و باطل کی کشمکش کے اس دور اور ان مہیب اور صبر آزما حالات میں مخالفین اور موافقین دونوں کے ذہنوں میں پائے جاتے تھے۔ اور دعوتِ حق اس دور میں جبکہ کفر و شرک کے مہیب اور سیاہ اندھیرے ہر طرف چھائے ہوئے تھے اور یہ تصور کرنا بھی مشکل تھا کہ اس گھمبیر اندھیرے کو ہٹا کر کبھی نورِ حق اس پر چھا جائے گا۔ سو اس مہیب دور میں اس سرگزشت کے ذریعے یہ دکھایا گیا کہ خدا کی شانیں کس طرح ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے ارادے اور منصوبے کس طرح بروئے کار آتے ہیں۔ اور وہ اپنے بندوں کی کس کس طرح دستگیری فرماتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۴ غلبۂ حق کے بارے میں سوالوں کے جواب کا انتظام :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ یوسف اور برادرانِ یوسف سے متعلق اس قصے میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کیلئے۔ خواہ وہ یہودِ بے بہبود ہوں، جنہوں نے آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- سے امتحان کی خاطر اس بارے سوال کیا تھا یا دوسرے کوئی سائل ہوں۔ سب ہی پوچھنے والوں کے لئے بہت بڑا سامانِ عبرت و بصیرت ہے۔ روایات کے مطابق یہود کی تحریک پر کفارِ قریش نے حضورؐ سے

امتحان کی غرض سے سوال کیا کہ بنی اسرائیل فلسطین سے مصر تک کس طرح پہنچ گئے تو اس کے جواب میں حضورؐ نے ان کو حضرتِ یوسف کا پورا قصہ وحیِ خداوندی کے مطابق سنا دیا۔ جس میں ضمناً ان کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ جو کچھ برادرانِ یوسف نے حضرتِ یوسف سے کیا وہ آج تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو اور انشاء اللہ تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو اس سے پہلے برادرانِ یوسف کا ہو چکا ہے۔ سو اس آئینہ میں تم لوگ اپنا چہرہ خود دیکھ لو۔ اور بالآخر واقعۃً ایسا ہو کر رہا اور تھوڑے ہی عرصے میں ہو کر رہا۔ نیز اس دور میں دعوتِ حق کے بارے میں مخالفین اور موافقین دونوں ہی کے ذہنوں میں جو سوالات پیدا ہو رہے تھے ان سب کے لیے اس سرگزشت میں جواب موجود ہیں۔ اور عبرت و بصیرت کا پورا سامان بھی۔ والحمد للہ۔

۱۵ برادرانِ یوسف کا اپنے والد کے بارے میں شکوہ: ۔ کہ یوسف اور اس کا بھائی بنیامین انکو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔ حالانکہ وہ دونوں چھوٹے اور کمزور ہیں۔ ہمارے والد کے کچھ کام نہیں آ سکتے۔ جبکہ ہم جیسے تومند طاقتور بیٹے ان کے ہر موقعہ پر اور ہر طرح سے کام آ سکتے ہیں۔ حالانکہ حضرتِ یعقوب اپنے اس سلوک میں حق بجانب تھے۔ کیونکہ حضرتِ یوسف کی ذاتِ ستودہ صفات میں جو خصوصیات حضرتِ یعقوب کو نظر آ رہی تھیں وہ اور کسی میں بھی نہیں پائی جاتی تھیں۔ جیسا کہ بعد کے حالات اور واقعات میں سب نے دیکھ لیا اور انکی ذات میں پوشیدہ جوہر کھل کر سب کے سامنے آ گئے۔ خاص کر اس عظیم الشان خواب کے بعد جو کہ حضرتِ یوسف نے اپنے اس بچپنے میں دیکھا تھا جس کے آئینے میں ان کا شاندار مستقبل حضرتِ یعقوب کو صاف نظر آ گیا تھا۔ جبکہ بنیامین سب سے چھوٹے تھے۔ اور سب سے چھوٹے بچے کا ماں باپ کو زیادہ پیارا ہونا ایک طبعی امر اور معروف بات ہے۔ اور برادرانِ یوسف نے جو بنیامین کو ﴿اَخُوْہُ﴾ کہہ کر حضرتِ یوسف کا بھائی قرار دیا حالانکہ وہ انکے بھی بھائی تھے تو یہ اس لیے کہ ان دونوں کی ماں ایک تھی۔ یعنی راحیل بنت لابان۔ جو کہ حضرتِ یعقوب کے ماموں تھے۔ جبکہ دوسروں کی مائیں الگ تھیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو ماں کے اشتراک کی بنا پر ان لوگوں نے بنیامین کو حضرتِ یوسف کا بھائی قرار دیا۔ حالانکہ وہ آپس میں سب ہی بھائی تھے۔ لیکن ماں اور باپ کی طرف سے اشتراک اور اختلاف دونوں کے پائے جانے کے باعث وہ آپس میں الگ الگ تھے۔ سو اس سے ان کی قلبی اور باطنی کیفیت پر روشنی پڑتی ہے۔ والعیاذ باللہ جلّ وعلا،

۱۶ برادرانِ یوسف کا اپنے باپ کو خطا کار قرار دینا: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنے باپ کے بارے میں کہا اور تاکیدی الفاظ سے کہا کہ بلاشبہ ہمارا باپ قطعی طور پر کھلی غلطی میں پڑا ہے کہ مضبوط جتھے اور گروہ کی حیثیت ہم رکھتے ہیں۔ حمایت و مدافعت کا ذریعہ بننے والے ہم لوگ ہیں۔ دوسروں پر رعب ہمارا ہی پڑتا ہے اور ان پر دھاک ہماری ہی وجہ سے بیٹھتی ہے مگر ہمارا باپ ہے کہ اس کو محبت یوسف اور اس کے بھائی بنیامین سے ہے جو ان باتوں میں کچھ بھی کرنے کے اہل نہیں۔ سو اس سے بڑھ کر کھلی گمراہی اور غلطی اور کیا ہو سکتی ہے؟ کہ وہ ہم جیسے کام آنے والے طاقتور جتھے کے مقابلے میں ان دونوں چھوٹوں سے زیادہ محبت رکھتے اور پیار کرتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیئے تھا کہ وہ ان کے مقابلے میں ہم سے زیادہ پیار کرتے کہ ہم ان کے کام آنے والے ہیں۔ سو "ضلال" کا لفظ یہاں پر گمراہی کے معروف معنوں میں نہیں۔ کیونکہ اس معنی میں اگر وہ لوگ یہ لفظ حضرتِ یعقوب کے لیے استعمال کرتے تو کافر ہو جاتے۔ (قرطبی وغیرہ)۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف انہوں نے حضرت یوسفؑ سے محبت کی بناء پر باپ کے بارے میں ایسے کہا۔

وَنَكُونُوا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾ قَالَ قَآئِلٌ

اور تمہارے سب کام بن جائیں، ف۱۷ اس پر ان میں سے ایک کہنے والے

مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ

نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، البتہ اگر تمہیں ضرور کچھ کرنا ہی ہے تو اسے

يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿١٠﴾

کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ چلتا قافلہ اس کو لے جائے، ف۱۸ سو (اس قرارداد

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا

کے بعد) انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان، کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے، حالانکہ ہم

لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿١١﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَ

اس کے پکے خیر خواہ ہیں ف۱۹ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ بھی جنگل کے میوے کھائے پیئے، اور (وہاں کھلی فضا میں)

اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿١٢﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا

کچھ کھیل کود لے ف۲۰ اور ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے ف۲۱ یعقوب نے فرمایا تمہارا اس کو لے جانا ہی مجھے شاق گزرتا

بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ

ہے ف۲۲ اور مجھے اس بات کا اندیشہ بھی ہے کہ اس کو وہاں پھاڑ کھائے کوئی بھیڑیا جب کہ تم اس سے لاپرواہ ہو، ف۲۳ انہوں نے کہا

۱۷ لفظ "صالحین" سے یہاں پر مراد؟ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ برادران یوسف نے یوسف کے بارے میں آپس میں کہا کہ اس کو قتل کردو یا کسی دور افتادہ زمین میں ڈال دو تا کہ اس کے بعد تمہارے باپ کی ساری توجہ تمہاری طرف ہو جائے اور تمہارا کام بن جائے۔ یعنی صلاح سے یہاں پر مراد دنیاوی صلاح ہے نہ کہ دینی اور اخروی صلاح۔ (روح، التحریر والتنویر لابن عاشور وغیرہ)۔ عام طور پر مفسرینِ کرام نے یہاں پر صلاح سے دینی اور اخروی صلاح مراد لی ہے۔ یعنی یہ کہ یوسفؑ کو قتل کرنے کے بعد تم لوگ توبہ کر کے نیک اور صالح بن جانا۔ لیکن یہ معنیٰ یہاں پر مراد لینا درست نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ یہ معنیٰ اس صورت میں بن سکتا ہے جب کہ اس کا عطف "اقتلوا" کے صیغہ امر پر مانا جائے جو کہ درست نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہاں پر "تکونوا" کے مضارع مجزوم کی بجائے "کُونُوا" امر کا صیغہ ہوتا۔ سو "تکونوا" کا عطف "یخل" کے مضارع مجزوم پر ہے جو کہ

اقتلوا'' اور ''اطرحوا'' کے امروں کے جواب میں واقع ہوا ہے۔ اور اس صورت میں وہ معنی مراد لینا درست نہیں معلوم ہوتے جو کہ عام طور پر مراد لئے جاتے ہیں۔ یعنی یہ کہ اس کے بعد تم لوگ توبہ کر کے نیک اور صالح بن جانا۔ اس لئے تعجب ہوتا ہے کہ ایسے حضرات نے عام طور پر اس معنی کو کیسے اپنایا ہے اور پہلے معنیٰ کو جس کو ہم نے اختیار کیا ہے اس کو کئی حضرات نے ''قیل'' کے صیغہ تحریض کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پتہ نہیں کیوں؟ (محاسن التاویل، المنار، المراغی، الجامع وغیرہ)۔ بہرکیف برادرانِ یوسف نے آپس میں کہا کہ تم یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کسی دور افتادہ زمین میں ڈال دو تاکہ اس سے تمہارے باپ کی ساری توجہ تمہاری طرف مبذول ہو جائے اور تمہارے سب کام درست ہو جائیں۔ اور تمہاری آنکھوں میں کھٹکنے والا یہ کانٹا ہمیشہ کے لیے نکل جائے۔

۱۸ یوسف کو اندھے کنویں میں ڈالنے کی تجویز: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر ایک نے کہا کہ تم اس کو قتل نہ کرو بلکہ کسی اندھے کنویں میں ڈال دو۔ اور یہ بات اسی نے کہی جو ان سب بھائیوں میں سے حضرتِ یوسف کے لیے نرم گوشہ رکھتا تھا کہ اس طرح تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور تم اپنے معصوم و بے گناہ بھائی کے خونِ ناحق میں ملوث ہونے سے بھی بچ جاؤ گے۔ سو اگر تم لوگوں نے کچھ کرنا ہی ہے تو تم اس کو قتل کرنے کی بجائے قافلوں کے راستے کے کسی دور افتادہ کنویں میں ڈال دو تاکہ کوئی راہ چلتا قافلہ اس کو وہاں سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائے اور کسی دوسرے شہر میں جا کر اس کو غلام بنا لے۔ یا کہیں اس کو فروخت کر دے۔ اس طرح اس کی جان بھی بچ جائے گی اور تمہارے دل کا کانٹا بھی نکل جائے گا۔ سو آخر کار اسی رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور انہوں نے حضرتِ یوسف کو جرمِ بے گناہی پر یہ سزا دینا طے کر لیا۔ سو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف کے ان دس بھائیوں میں سے ایک کے دل میں حضرت یوسف کے بارے میں نرم گوشہ موجود تھا۔ سو اس نے ان کو مشورہ دیا کہ اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے تو یوسف کو قتل مت کرو بلکہ اس کو قافلوں کے راستے کے کسی کنویں میں ڈال دو۔ جہاں سے راہ چلتا کوئی قافلہ اس کو اٹھا کر لے جائے گا

۱۹ برادرانِ یوسف کا اپنے باپ سے یوسف کے بارے میں اپنی خیر خواہی کا اظہار: سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے پکے خیر خواہ ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ جن کے دلوں میں چور ہوتا ہے وہ اپنا اعتبار قائم کرنے کے لئے اسی طرح کی پکی اور قسمیہ باتوں کا سہارا لیتے ہیں تاکہ اس طرح وہ اپنی بات دوسروں کو باور کرا سکیں۔ جبکہ سچوں اور صدق شعار لوگوں کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے دل میں چونکہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم سچے اور درست راہ پر ہیں۔ اس لئے وہ قسم کھائے بغیر یونہی سیدھی اور سادہ بات کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور لوگ ان کی بات پر اعتبار بھی کر لیتے ہیں۔ سو سچ اطمینان کا باعث ہے اور جھوٹ کھٹکا پیدا کرنے والا اور سکون واطمینان کو غارت کرنے والا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ''اِنَّ الصِّدْقَ طَمَانِيْنَةٌ وَالْكَذِبَ رِيْبَةٌ'' والعیاذ باللّٰہ جَلَّ وَعَلَا۔ بہرکیف برادرانِ یوسف نے اپنی مذکورہ قرارداد کے مطابق حضرتِ یوسف کو ان کے والد سے حاصل کرنے کے لیے ان سے اس طرح کا یہ مطالبہ کیا۔ اور ان کو اس بارے بھروسہ دلانے کے لیے اس طرح یوسف کے لیے خیر خواہی کا اظہار کیا۔

۲۰ مفید کھیل درست و مباح: سو اس سے معلوم ہوا کہ مفید کھیل درست اور مباح ہے جبکہ وہ مقررہ حدود کے اندر ہو۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنی اس قرارداد کے بعد اپنے باپ سے کہا کہ کل ان کو ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ یہ ہمارے ساتھ کھیل کود لے۔ یعنی باہمی دوڑ وغیرہ کا کھیل۔ جیسا کہ آگے ﴿نَسْتَبِقُ﴾ کے لفظ میں اس کی تصریح فرما دی گئی ہے۔ سو معلوم ہوا کہ اس طرح کا کھیل جس میں جسمانی ورزش ہو اور وہ دینِ حنیف کی مقررہ حدود کے اندر ہو وہ درست ہے۔ اور اگر وہ کھیل غرضِ صحیح کے

لئے ہو تو وہ نیکی اور کارِ ثواب بھی قرار پائے گا۔ "یرتع ویلعب" کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ ذرا چرچگ اور کھیل کود لے اور باہر کی کھلی فضا میں چل پھر لے۔ سو یہ "پکنک" منانے کی نہایت خوبصورت تعبیر ہے۔ بدویانہ زندگی میں جو مختلف طور طریقے تفریحِ طبع اور دل بہلانے کے لیے مشہور و معروف رہے ہیں ان میں پکنک منانے کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے جس کا ذکر شعرائے جاہلیت کے قصیدوں میں جابجا اور طرح طرح سے ملتا ہے۔ لیکن اس سے دورِ حاضر کے ان حیا باختہ کھیلوں کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا جنہوں نے شرم و حیا کی حدود کو پھلانگ لیا اور طرح طرح کے معاصی و ذنوب کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۱ ارادہ اغوا کا اور دعوٰی حفاظت و خیر خواہی کا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنے باپ کو یقین دلانے کے لیے ان سے کہا کہ ہم انکی ہر طرح سے حفاظت کریں گے۔ اور ان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف یا نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔ اس لئے آپ اس بارے میں بالکل مطمئن رہیئے اور ہم پر بھروسہ و اعتبار کیجیے۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حسد کا مرض انسان کو کہاں پہنچا دیتا ہے کہ ارادہ و پروگرام تو یوسف کے قتل کا ہے مگر دعوٰی آپکی حفاظت و خیر خواہی کا کیا جارہا ہے۔ اور اس کے لیے وہ بدبخت اپنے باپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اور باپ بھی وہ جو خود پیغمبر اور حضرت اسحاق جیسے عظیم الشان باپ کے بیٹے اور حضرتِ ابراہیم جیسے جلیل القدر پیغمبر کے پوتے اور حضرتِ یوسف جیسے عظیم الشان بیٹے کے باپ۔ مگر حسد کے مارے یہ بدبخت ان کے ساتھ ایسی دھوکہ دہی کا معاملہ کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۲ اولاد کا اپنی نظروں کے سامنے رہنا بھی ایک نعمت ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کے ان کے مطالبے کے جواب میں حضرتِ یعقوب نے کہا۔ مجھے یہی بات دکھ میں ڈالتی ہے کہ تم اس کو مجھ سے لے جاؤ کہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرا یہ نورِ نظر میری آنکھوں سے اوجھل ہوجائے۔ سو اولاد کا اپنی نظروں کے سامنے رہنا بھی ایک نعمت اور انسانی خواہش کا ایک حصہ ہے۔ اور اس کا انسان سے دور اور اسکی نگاہوں سے اوجھل اور غائب ہونا اسکے لیے باعثِ غم اور موجبِ صدمہ ہے۔ اور "حزن" اس الم کو کہتے ہیں جو کسی محبوب کے چھن جانے اور کسی مکروہ کے پیش آنے سے لاحق ہوتا ہے۔ سو حضرتِ یعقوب نے ان کے اس مطالبے کے جواب میں کہا کہ مجھے محض یہی بات غم میں ڈال رہی ہے کہ تم اس کو مجھ سے لے جاؤ اور یہ مجھ سے دور ہوجائے۔ (المنار، الکشاف اور محاسن التاویل وغیرہ)۔

۲۳ حضرتِ یعقوب کے خدشے کا اظہار: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کے مطالبے کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اس بات کا ڈر اور خوف ہے کہ اس کو وہاں کوئی بھیڑیا پھاڑ کھائے جبکہ تم اس سے غافل اور لاپرواہ ہوؤ۔ سو اس سے حضرت یعقوب نے ان کے مطالبے کے جواب میں اپنے دوسرے عذر کا ذکر و بیان فرمادیا کہ مجھے اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ تم کہیں اپنے کھیل کود میں لگے رہو اور اسکو کوئی بھیڑیا کھا جائے۔ یہ بات آپ نے یا تو اس لئے فرمائی کہ اس علاقے میں بھیڑیے بہت رہتے تھے۔ اور یا اس لئے کہ آپ کو خواب میں اس کا اشارہ مل گیا تھا۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ دس بھیڑیے یوسفؑ پر حملہ کردیتے ہیں مگر آپ ان سے بچ کر زمین میں چھپ جاتے ہیں۔ مگر اپنے بیٹوں کو آپ نے یہ خواب بتایا شاید اس لئے نہ ہو کہ اس طرح وہ کہیں ضد میں آکر اور زیادہ کھلم کھلا دشمنی پر نہ اتر آئیں (روح، قرطبی، جامع، معارف، انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا بحوالہ تفسیر ماجدی وغیرہ)۔ بہرکیف حضرتِ یعقوب نے ان سے اپنے اس خدشے کا اظہار کرتے ہوئے ان سے کہا کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم کہیں اپنے کھیل کود میں لگے رہو اور تمہاری غفلت میں اسکو کوئی بھیڑیا پھاڑ کھائے۔ اسلئے مجھے اپنے اس بیٹے کے بارے میں فکر اور تشویش ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ

کہ اگر ہمارے ہوتے ہوئے اسے کوئی بھیڑیا پھاڑ کھائے جب کہ ہم ایک پورا جتھا ہیں تب تو یقیناً ہم کسی کام کے نہ ہوئے ۲۴ آخر کار

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ

جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے یہ طے کر لیا کہ اس کو ڈال دیں کسی اندھے کنوئیں میں، (اور بالآخر انہوں نے اس کو اس

فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ

میں ڈال بھی دیا) تو ہم نے وحی کی یوسف کی طرف ۲۵ (ان کی تسلی کے لئے کہ گھبراؤ نہیں،) کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ جب

۲۴ برادرانِ یوسف کی حضرتِ یعقوب کو یقین دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یعقوب کے اس اندیشے کے ذکر و اظہار کے جواب میں برادران یوسف نے آنجناب کو حفاظت یوسف کی یقین دہانی کراتے ہوئے کہا کہ ایسے کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ہم پوری ایک جماعت ہیں۔ پس ایسے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس بارے بھی آپ مطمئن رہیں اور کوئی فکر نہ کریں۔ کیونکہ ہم جیسے طاقتور جتھے کے ہوتے ہوئے اگر ایسا ہو جائے تو پھر ہم کسی کام کے نہ ہوئے۔ اس لیے آپ مطمئن رہیں۔ یہ بات تو ہماری عزت و غیرت اور ہماری قوت کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے ہماری ایسی طاقتور اور قوی و توانا جماعت کے ہوتے ہوئے کوئی بھیڑیا آ کر پھاڑ کھائے اور ہم یونہی بیٹھے رہیں۔ لہٰذا آپ اس بارے مکمل طور پر مطمئن رہیں اور اس کو ہمارے ساتھ جانے دیں۔ سو اس سے یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ اور نہ ہی ایسا عقیدہ پہلے کے لوگوں کے اندر کہیں موجود تھا۔ ورنہ نہ تو وہ لوگ حضرتِ یعقوب سے اس طرح کی دھوکہ بازی اور جعل سازی کی کوشش کرتے اور نہ ہی حضرتِ یعقوب ان سے اس طرح دھوکہ کھاتے۔ اور اپنے پیارے یوسفؑ کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دیتے۔

۲۵ حضرتِ یوسف کی طرف وحی والہام کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار جب وہ یوسف کو اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ اس کو کسی اندھے کنویں میں ڈال دیں اور بالفعل انہوں نے اس کو اس میں ڈال بھی دیا تو ہم نے یوسف کی طرف وحی کی ان کی تسلی کے لیے کہ تم گھبراؤ نہیں تمہارے لیے ایک بڑا عمدہ وقت آنے والا ہے۔ یہ وحی جیسا کہ علمائے کرام نے فرمایا ہے نبوت و رسالت کی وحی نہ تھی کہ وہ تو بلوغت کے بعد اور رجولیتِ کاملہ ہی پر عطا فرمائی جاتی ہے۔ بلکہ یہ وحی اِلقاء والہام کے قبیل سے تھی۔ اور یہ ہر کسی کو ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرتِ موسیٰ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں فرمایا گیا۔ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى﴾۔ نیز شہد کی مکھی کے بارے میں فرمایا گیا ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾۔ سو اسی طرح یہاں پر قدرت کی طرف سے یہ بات حضرتِ یوسف کے دل میں اِلقاء والہام کے طور پر ڈال دی گئی جس میں آپ کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان تھا۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٥﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً

تم ان کو جتلاؤ گے ان کی یہ حرکت، اور ان کو خیال (وگمان) بھی نہ ہوگا، (کہ یہ یوسف ہے) ف۲۶ اور (یہ کرتوت کرنے کے بعد)

يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا

شام کو وہ آئے اپنے باپ کے پاس روتے (اور چیختے چلاتے) ہوئے ف۲۷ کہنے لگے ابا جان، ہم آپس میں دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے، اور

يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ

یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا کہ اتنے میں ایک بھیڑیئے نے آ کر ان کو کھا لیا، مگر آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے

۲۶ حضرت یوسف کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یوسف کو وحی والہام کے ذریعے بتایا گیا کہ ایک وہ وقت بھی آنے والا ہے جب تم ان کو انکی یہ حرکت جتلاؤ گے مگر ان کو اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ سو اس طرح حضرتِ یوسف کے لیے تسلیہ وتسکین کا سامان فرمایا گیا کہ ایک وقت آئے گا کہ جب تم ان کو ان کی یہ حرکت جتلاؤ گے جبکہ ان کو اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ کہ یہ وہی یوسف ہے جس کو وہ اندھے کنوئیں میں ڈال کر اپنے طور پر ختم کر آئے تھے۔ یا اس وقت ان کو یہ پتہ نہیں کہ جس جرم کا ارتکاب یہ لوگ اس وقت کر رہے ہیں اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ اور تیسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت یہ لوگ اس سے بے خبر ہیں کہ ہم کس طرح اس وحی کے ذریعے آپ کی تسکین اور تطییبِ قلب کا یہ سامان کر رہے ہیں۔ آیت کریمہ کے الفاظ ان تینوں معانی ومفاہیم کو عام اور شامل ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ تینوں ہی مراد ہوں۔ پس کیا کہنے قرآنِ حکیم کی اس بلاغت اور اسکی جامعیت اور کمال کے۔ فَسُبْحَانَهٗ مَآ اَعْظَمَ شَانَهٗ وَمَا اَجَلَّ بُرْهَانَهٗ۔ والحمد للہ جل وعلا۔ بہرکیف اسمیں حضرت یوسفؑ کیلئے تسلیہ وتسکین کا سامان ہے۔

۲۷ جھوٹا رونا صداقت کی دلیل نہیں ہوسکتا:- سو ارشاد فرمایا گیا اور شام کو وہ روتے اور چیختے چلاتے اپنے باپ کے پاس واپس پہنچے۔ معلوم ہوا کہ محض رونا پیٹنا صداقت وحقانیت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کے برعکس بعض اوقات یہ کام حقائق کو چھپانے اور ان پر پردہ ڈالنے کیلئے بھی کیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ برادرانِ یوسف کا یہ نمونہ قرآنِ حکیم میں پیش فرمایا گیا ہے اور جس طرح کہ سبائی پارٹی نے حضرتِ حسینؓ کو خود عراق بلایا اور وہاں یہ لوگ ان کی حمایت سے کنارہ کش ہوگئے۔ اور اس طرح حضرتِ حسین کو قتل کرا کر اب یہ پارٹی پیٹتی پھرتی ہے۔ اور اس طرح یہ پارٹی اپنے کیے کی سزا خود پا رہی ہے۔ اپنا جوتا اپنے منہ پر از خود مارنا، اپنے خنجروں سے اپنے جسموں کو خود لہولہان کرنا اور دنیا کے سامنے آگ کھانا اور آگ کے انگاروں پر لوٹ پوٹ ہونا وغیرہ وغیرہ سزاؤں کی صورت میں یہ نقد سزا ہے جو قدرت کے خفیہ ہاتھوں اور اسکی بے آواز لاٹھی کے ذریعے ان لوگوں کو اپنے کیے کرائے کے نتیجے میں لگا تار مل رہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ وَعَزَّتْ حِكْمَتُهٗ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ شام کو رات کا کچھ حصہ گزرے وہ لوگ روتے پیٹتے اور چیختے چلاتے اپنے باپ کے پاس پہنچے کہ اسطرح ان کو یقین دلا سکیں کہ واقعی یوسف کو بھیڑیے نے کھا لیا۔

الثلثة

لَنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ

اگرچہ ہم سچے ہی ہوں ف۲۸ اور وہ اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا کر لے آئے ف۲۹ یہ سن کر یعقوبؑ نے فرمایا (قصہ یہ نہیں)

كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ

بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لئے ایک بات بنالی ہے پس میں صبرِ جمیل ف۳۰ ہی سے کام لوں گا، اور ان باتوں پر

جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾ وَجَآءَتْ

اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں، جو تم بنا رہے ہو ف۳۱ ادھر ایک قافلہ (مصر کو جاتے ہوئے وہاں) آ نکلا، انہوں نے اپنا آدمی پانی لانے کے

سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى

لئے بھیجا، اس نے کنوئیں میں ڈول جو ڈالا تو (اس کے ساتھ یوسف جیسے ماہ جبین کے باہر نکل آنے پر وہ خوشی سے) بے ساختہ پکار اٹھا کہ اے خوشخبری

۲۸ دل کا چور از خود زبان پر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ شام کو وہ چیختے چلاتے واپس پہنچے اور اپنے باپ سے کہنے لگے ابا جان ہم آپس میں دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس بٹھا رکھا تھا کہ اتنے میں ایک بھیڑیے نے آ کر اس کو کھا لیا۔ مگر آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی ہوں کہ آپ کا گمان تو ہمارے بارے میں پہلے سے ہی ٹھیک نہیں اس لیے ہم اگر سچے ہوں تو بھی آپ نے ہماری بات نہیں ماننی۔ سو اس طرح کلمۂ "لو" کے استعمال سے ان کے دل کا چور خود سامنے آ گیا۔ کیونکہ یہ کلمہ فرضِ واقعہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اگر بالفرض ہم سچے بھی ہوں تو بھی آپ نے ہم پر یقین نہیں کرنا چہ جائیکہ جب ہم جھوٹے ہیں۔ سو حضرتِ یوسف نے جو بھیڑیے کے کھا جانے کا خدشہ ان کے سامنے پیش کیا تھا اسی کو انہوں نے اپنی بہانہ بازی کے لیے ذریعہ بنا لیا کہ ہم یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ کر دوڑ لگاتے ہوئے دور نکل گئے تو پیچھے ان کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ مگر جھوٹ کے پاؤں تھوڑے ہی ہوتے ہیں- والعیاذ باللہ-

۲۹ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا کر لائے۔ اور روایات کے مطابق یہ لوگ اس کرتے کو پھاڑنا بھول گئے جس پر حضرتِ یعقوبؑ نے ان سے فرمایا کہ وہ کیسا بھیڑیا تھا جس نے یوسف کو تو کھا لیا اور اسکی قمیص کو پھاڑا تک نہیں۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، قرطبی، کبیر، صفوہ وغیرہ)۔ اور یہی حال ہوتا ہے جھوٹ کا کہ اس کا پول کہیں نہ کہیں کھل ہی جاتا ہے کہ جھوٹ کے پاؤں بہرحال نہیں ہوتے۔ بہرکیف انہوں نے اپنے طور پر حضرتِ یعقوب کو مطمئن کرنے اور اپنی بات باور کرانے کی یہ تدبیر نکالی کہ ان کے کرتے پر کسی چیز کا خون لگا کر لے آئے لیکن حضرتِ یعقوب نے لمحہ بھر کے لیے بھی ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا من گھڑت ہے۔

۳۰ پیغمبر کا اسوۂ حسنہ صبرِ جمیل: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر حضرت یعقوب نے ان سے فرمایا کہ یہ تمہارے نفسوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ پس میں صبرِ جمیل ہی سے کام لیتا ہوں۔ سو پیغمبر کا اسوہ اور مومن کا کام صبرِ جمیل ہے۔ جس میں نہ جزع

لازم ہے کہ اگر رونا بھی ہو اور رنج بھی مخلوق کے آگے شکوہ و شکایت کی جائے تو ایک عام مومن کی شان بھی نہیں ہو سکتی تو ایک نبی سے اس کا صدور کس طرح ہو سکتا ہے۔ جیسے پیٹنا کوٹنا اور سینہ کوبی کرنا وغیرہ، جس طرح کہ رونا پیٹنا وغیرہ کا جو عام طریقہ ہے سو وہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ اور ایسے لوگوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص ہماری جماعت اور امت سے نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِيَّةِ" یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو اپنے چہروں کو پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی باتیں کرے۔ بہرکیف اسلام کی مقدس تعلیمات کی رو سے مومن کے لیے دو ہی حالتیں اور دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک نعمت اور راحت کی، جس میں مومن شکر سے کام لیتا ہے جس سے وہ اس کے لیے خیر بن جاتی ہے اور تکلیف و مصیبت پر صبر کی، جس میں وہ صبر و برداشت سے کام لیتا ہے جس سے وہ بھی اس کے لیے خیر بن جاتی ہے۔ رونے پیٹنے اور سینہ کوبی وغیرہ کے لیے اسلام میں نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ کوئی صورت۔ اسی لیے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ مومن کی ہر حالت اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ نعمت پر وہ حضرت وہاب مطلق کا شکر ادا کرتا ہے جس سے وہ اس کے لیے خیر بن جاتی ہے اور تکلیف و مصیبت پر وہ صبر سے کام لیتا ہے جس سے وہ بھی اس کے لیے خیر بن جاتی ہے۔ یہاں پر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ قرآن حکیم تو اس موقع پر حضرت یعقوب کے صبر جمیل کا ذکر کرتا اور اس پر ان کی تعریف کرتا ہے لیکن تورات ان کو اس موقع پر ایک بے صبرے اور تنگ ظرف انسان کے روپ میں پیش کرتی اور ان کا ذکر اس طرح کرتی ہے کہ "تب یعقوب نے اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کا غم کیا" (پیدائش ۳۷-۳۴)۔

پیغمبر بھی اللہ ہی کی مدد کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر حضرت یعقوب نے فرمایا کہ میں اللہ ہی سے اس کی مدد مانگتا ہوں ان باتوں پر جو تم بنا رہے ہو۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر اور حضرت یعقوب جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اللہ ہی کی مدد کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہیں۔ سو مدد اللہ ہی سے مانگی جاتی ہے کہ وہ اللہ جو کہ وحدہ لا شریک ہے کہ خالق و مالک اور قادر مطلق وہی اور صرف وہی ہے۔ اس کے سوا باقی سب اسی کے محتاج ہیں خواہ کوئی نبی ہو یا ولی یا اور کوئی ہستی۔ سو اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ مدد دینا اللہ وحدہ لا شریک کا کام ہے اور حاجت روائی و مشکل کشائی صرف اسی کی صفت و شان ہے۔ اس کے سوا کسی بھی اور ہستی میں اس کو ماننا اس کی صفت میں شرک ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جب حضرت یعقوب جیسے پیغمبر جو کہ خود پیغمبر ہونے کے علاوہ حضرت یوسف جیسے پیغمبر کے باپ، حضرت اسحٰق جیسے پیغمبر کے بیٹے اور حضرت ابراہیم جیسے پیغمبر کے پوتے ہیں۔ وہ بھی جب حاجت روا و مشکل کشا نہیں بلکہ وہ بھی اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے اسی خدائے واحد کو پکارتے اور اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جسے حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارا جائے؟ جس طرح کہ آج کا کلمہ گو مشرک پکارا کرتا ہے اور گمراہ ملاں اور جاہل پیروں نے اس کو "یا علی مشکل کشا" "غوث اعظم دستگیر" "خواجہ جی میری لگا دے کشتی میری" وغیرہ جیسے طرح طرح کے شرکیہ نعرے سکھا رکھے ہیں۔ حالانکہ یہ سب پاکیزہ ہستیاں اللہ وحدہ لا شریک ہی کو پکارتی رہی تھیں اور اسی کو پکارنے کا درس دیتی رہی تھیں مگر جاہلوں اور بے دین ملاؤں نے انہی کے نام سے شرک شروع کر دیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

یہاں تو ایک عظیم الشان لڑکا نکل آیا، اور ان لوگوں نے اس کو چھپالیا ۳۲ ایک (نہایت عمدہ) مالِ تجارت کے طور پر، اور اللہ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِیْهِ

خوب جانتا تھا وہ سب کچھ جو کہ وہ کر رہے تھے ۳۳ اور آخرکار انہوں نے بیچ دیا اس (ماہ جبین) کو ایک تھوڑی سی قیمت، یعنی

مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ﴿۲۰﴾ ع وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ

ع ۱۴/۱۲

گنتی کے کچھ روپوں کے بدلے ۳۴ اور اس کے بارے میں وہ تھے ہی بے رغبت ۳۵ اور مصر کے جس شخص نے ان کو خریدا، اس نے

لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ

اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو اچھی طرح سے رکھنا، ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں کام آئے، یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں ۳۶ اور اس طرح ہم

۳۲ **یوسف تجارتی قافلے کے ہاتھ:** — سو ارشاد فرمایا گیا کہ ادھر ایک قافلہ وہاں آ پہنچا۔ انہوں نے اپنا آدمی پانی لینے کے لیے بھیجا۔ اس نے اپنا ڈول جو کہ کنویں میں ڈالا تو بے ساختہ پکار اٹھا کہ اے خوشخبری یہاں تو ایک عظیم الشان لڑکا نکل آیا اور انہوں نے اس کو چھپالیا ایک عمدہ مالِ تجارت کے طور پر۔ تاکہ وہ خالص انہی کا رہے اور دوسرا کوئی اس کا دعویدار نہ نکل آئے۔ اور اسکی ساری قیمت انہی کو ملے۔ اور چھپانے والوں سے مراد قافلے والے ہیں جنہوں نے حضرتِ یوسف کو کنویں میں پایا تھا۔ اور دوسرا قول واحتمال اس میں یہ بھی ہے کہ اس سے مراد برادرانِ یوسف ہیں جنہوں نے آپ کو ایک "عبدابق" یعنی "بھاگا ہوا غلام" قرار دے کر بیچ ڈالا تھا۔ اور حضرتِ یوسف نے بھی اپنے معاملے کو چھپالیا تاکہ آپ کے بھائی آپ کے درپے آزار نہ ہو جائیں۔ (ابن کثیر، صفوۃ اور معارف وغیرہ)۔ بہرکیف اس خیال سے کہ کہیں دائیں بائیں سے اس کا کوئی مدعی نہ کھڑا ہو جائے انہوں نے یوسف کو چھپالیا اور ان سے متعلق اس واقعے کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کوشش کی کہ اسکی کہیں تشہیر نہ ہو جائے اور اسطرح یہ راز کھل نہ جائے کہ اسکے نتیجے میں ان کے لیے کوئی مشکل کھڑی ہو جائے۔

۳۳ **اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کا حوالہ وذکر:** — سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ خوب جانتا تھا وہ سب کچھ جو کہ وہ لوگ کر رہے تھے۔ قافلے والے بھی جبکہ وہ ان کو اپنا سامانِ تجارت بنا کر چھپا رہے تھے اور آپ کے بھائی بھی جو کہ باپ کے سامنے الگ جھوٹ بول رہے تھے۔ اور قافلے والوں سے الگ عہد و پیمان کر رہے تھے۔ کہ یہ ہمارا ایک غلام ہے جس کو بھاگنے کی عادت ہے۔ اس لئے اسے ہم بیچنا چاہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ (جامع البیان، المراغی، اور ابن کثیر وغیرہ)۔ سو یہ لوگ اپنے کیے کا بھگتان بھگت کر رہیں گے اور ان میں سے جس جس نے جتنا کچھ کیا ہوگا وہ اس کا بھگتان بھگتے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ان کی کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ بہرکیف وہ لوگ اپنی سکیم پوری کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی سکیم کو پورا کر رہا تھا۔ وہ لوگ تو اس خوشی میں تھے کہ ان کو مفت میں ایک ایسا ماہ جبین غلام مل گیا جس کو بیچ کر وہ خوب پیسے کمائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی چاہت اور مرضی یہ تھی کہ حضرت یوسف کے لیے یہ غلامی

مصر کی بادشاہی کی تمہید ثابت ہو۔ اور اللہ بڑا ہی غالب اور زبردست ہے۔ وہ اپنا کام بہر حال کر کے ہی رہتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ لیکن لوگوں کی اکثریت اس حقیقت سے غافل و بے خبر ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾۔

۳۴ یوسف کی فروخت ایک حقیر مول کے عوض: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور بیچ دیا انہوں نے یوسف کو گنتی کے کچھ سکوں کے عوض۔ یعنی مصر پہنچنے پر انہوں نے بیچ ڈالا اس [ماہ جبیں] کو گنتی کے کچھ ناقص درہموں کے عوض۔ یعنی بیس یا بائیس یعنی چالیس سے بہر حال کم۔ کہ دراہم کی گنتی وہ لوگ اسی صورت میں کرتے تھے جب کہ وہ چالیس سے کم ہوں کہ چالیس سے اوپر گنتے نہیں تولتے تھے۔ (محاسن التاویل، المراغی وغیرہ)۔ اور یہاں پر ان دراہم کی صفت معدودۃ وارد ہوئی ہے جو کہ عدد سے ماخوذ ہے۔ جسکے معنی گنتی کے آتے ہیں۔ یعنی گنتی کے کچھ درہموں کے عوض۔ اور "بخس" کے معنیٰ ناقص اور حقیر کے ہیں۔ سو مصر پہنچنے پر انہوں نے حضرتِ یوسف کو اونے پونے میں بیچ دیا۔ کیونکہ انہوں نے ان کے حاصل کرنے پر کچھ دام تو خرچ کیے نہیں تھے کہ ان کو اپنی دی ہوئی اصل رقم پر مزید کچھ نفع حاصل کرنے کی فکر ہوتی۔ انکو تو ایک چیز مفت ملی تھی۔ وہ جس قیمت پر بھی بک جائے نفع ہی نفع ہے۔ اس لیے ان کو جونہی کوئی گاہک ملا انہوں نے گنتی کے کچھ درہموں کی صورت میں اس معمولی اور گھٹیا مول پر ہی ان کو بیچ ڈالا۔

۳۵ حضرت یوسف کی بے قدری، اور قدر شناسی کا ایک نمونہ ومظہر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ لوگ یوسفؑ کے بارے میں تھے ہی بے رغبت یعنی وہ لوگ جنہوں نے ان کو مصر میں بیچا تھا یا اس سے مراد ہیں برادرانِ یوسفؑ جنہوں نے حضرتِ یوسفؑ کو ختم کرنے یا کم از کم باپ سے دور کرنے ہی کے لئے یہ سب پاپڑ بیلے تھے۔ نیز قافلے والے بھی۔ اس لئے کہ ان کو یہ بتایا گیا تھا کہ اس غلام کو بھاگ نکلنے کی عادت ہے۔ لہٰذا اس کو اچھی طرح باندھ کر لے جانا۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ جیسے کیسے ہو اس کو آگے چلتا کر دیا جائے تا کہ کہیں بھاگ کر ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے یا اس کو ہم سے لینے کیلئے اس کا کوئی مالک وغیرہ نہ پہنچ جائے۔ (المراغی، المنار، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہر کیف یہاں سے حضرتِ یوسف کی ابتلاء وآزمائش کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے کہ آپ کو حریت و آزادی کی نعمت سے محروم کر کے غلامی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اور ان لوگوں نے بڑی بے رغبتی اور لاپرواہی سے ان کو مالِ تجارت کے ایک حصے کے طور پر اونے پونے میں بیچ ڈالا۔ ان کو کیا پتہ کہ یہ خانوادۂ یعقوبی کا چشم و چراغ ہے۔ پیغمبر کا بیٹا اور خود پیغمبر بننے والا ہے۔ اس کا دادا پیغمبر، پردادا پیغمبر ہے اور جلد ہی پوری مملکتِ مصر اسکے زیرِ نگیں آنے والی ہے۔ مگر وہ لوگ ان سب چیزوں سے بے خبر تھے۔

۳۶ خریدارِ یوسف کی اپنی بیوی کو ہدایت: ۔ یعنی عزیزِ مصر جس کی گوہر شناس نگاہوں نے حضرتِ یوسف کو دیکھتے ہی آپ کے مرتبہ ومقام اور مواہبِ فطریہ کو پوری طرح پہچان لیا اور آپ کی ذات میں موجود صلاحیتوں اور قابلیتوں کا اس نے فوراً اندازہ لگا لیا۔ اس لئے اس نے اپنی بیوی کو آپ کے بارے میں یہ ہدایت کی۔ واقعی۔ قدرِ زر زرگر بداند، قدرِ جوہر جوہری۔ قرآنِ حکیم میں اس شخص کا نام ذکر نہیں فرمایا گیا صرف اس کے عہدے اور منصب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یعنی عزیز۔ البتہ بائبل کے مطابق اس کا نام قطفیر یا اطفیر یا فوطیفارتھا۔ اور اس کا یہ منصب وزیرِ اعظم یا الحرس الامیری کے سربراہ یعنی شاہی فوج کے کمانڈر انچیف کا یا وزیر خزانہ کا تھا۔ (القرطبی، المراغی، الماجدی، المنار، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اور اس شخص کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا تھا۔ بہر کیف اس گوہر شناس شخص نے حضرتِ یوسف کو بھاری قیمت سے خریدا اور انکے بارے میں اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی۔ اور اس طرح حضرتِ یوسف کو اس اونچی سوسائٹی میں پہنچنے، حکمران طبقے میں رہنے سہنے اور ان کے طور طریقے جاننے کا موقع مل گیا۔ تا کہ اس طرح آپ آدابِ جہانبانی سیکھ سکیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ز

نے یوسف کے لئے اس سرزمین (مصر) میں قدم جمانے کی صورت بھی نکال دی (تاکہ وہاں رہ کر وہ آدابِ حکمرانی بھی سیکھے) ف۳۷

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي

اور تاکہ ہم اس کو باتوں کی تہ تک پہنچنے کا علم بھی عطا کریں، اور اللہ بہرحال کر کے رہتا ہے اپنا کام، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں، ف۳۸ اور

اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ

جب پہنچ گیا وہ اپنی (جوانی کی) بھرپور قوتوں کو ف۳۹ تو ہم نے اس کو حکم بھی بخشا ف۴۰ اور ایک خاص علم سے بھی نوازا ف۴۱ اور ہم اسی طرح بدلہ

اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

دیتے ہیں نیکوکاروں کو، (وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں ف۴۲) اور (اسی دوران آزمائش کا ایک اور مرحلہ پیش آ گیا کہ) یوسف

۳۷ حضرتِ یوسف کیلئے آدابِ حکمرانی سیکھنے کے مواقع: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے اس سرزمین پر قدم جمانے کی صورت نکال دی تاکہ وہاں رہ کر وہ آدابِ حکمرانی سیکھ لیں۔ اور اس کے نتیجے میں آگے چل کر آپ کو اپنے دور کے اس سب سے بڑے متمدن ملک کے نظامِ حکومت کو چلانا تھا۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے قدرت کی ان چھپی تدبیروں کے کہ برادرانِ یوسف نے جس مکر و سازش کے ذریعے حضرتِ یوسف کو ختم کرنا چاہا اور اس کیلئے انہوں نے کس قدر پاپڑ بیلے اور کتنے جھوٹ بولے، اللہ پاک نے اسی کو آنجناب کیلئے رفعتِ شان اور عظمتِ مقام کا ذریعہ بنا دیا اور اندھے کنویں کی قید و بند سے نکل کر آپ مصر کے حکمران خاندان کے اندر آدابِ حکمرانی سیکھنے کیلئے پہنچ گئے۔ اور بالآخر اپنے دور کے اس بڑے متمدن ملک کے حکمران بن گئے۔ ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ﴾۔ بہرکیف یہاں سے حضرتِ یوسف کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اور آپ کے لیے مصر کی حکمرانی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علیٰ ما یحب و یرید۔

۳۸ لوگوں کی اکثریت نورِ علم سے بے بہرہ۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بہرحال اپنا کام کر کے رہتا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں کہ وہ قادرِ مطلق اور حکیمِ مطلق اپنے منصوبوں کی تکمیل کیلئے کیسی کیسی تدبیروں سے کام لیتا ہے اور اسے جو کرنا ہوتا ہے اسے وہ بہرحال کر کے رہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ جاہلوں اور بے علموں ہی کی ہوتی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ پس غلط کہتے اور کرتے ہیں وہ لوگ جو نام نہاد مغربی جمہوریت کی پیروی میں عوام کالانعام کی اکثریت کو حق کی سند اور حجت قرار دیتے ہیں اور راہِ حق و ہدایت سے ہٹے اور بھٹکے ہوئے ہیں۔ وہ اہلِ بدعت جو جاہل عوام کی اس اکثریت کو اپنی حقانیت کی دلیل قرار دیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر وہ طرح طرح کی بدعات و خرافات کو دین کے نام پر رواج دیتے اور گلے لگاتے ہیں کہ یہ جاہل عوام کی اکثریت کی پسندیدہ اور انکی اختیار کردہ ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو لوگوں کی اکثریت کی نظر چونکہ صرف ظاہر پر ہوتی ہے اس لیے وہ اس کے پسِ پردہ کارفرما اصل حقائق سے غافل اور بے بہرہ ہوتی ہے۔

۳۹ حضرتِ یوسف کی جوانی اور پختہ عمر کا ذکر و بیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب یوسف اپنی جوانی کی بھرپور قوتوں کو پہنچ

گئے۔ اور جسم وعقل کی قوتیں مکمل ہوگئیں اور اس عمر کی تحدید وتعیین کے بارے میں حضرات اہلِ علم کے اقوال مختلف ہیں۔ بیس، پچیس، تینتیس اور چالیس وغیرہ۔ (جامع البیان، محاسن التاویل، المنار، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بہر کیف جب حضرتِ یوسف اپنی عمر کے اس اہم حصے کو پہنچے جبکہ آپ کی ذہنی وفکری اور جسمانی قوتیں اپنے عروج وکمال کو پہنچ گئیں تو آپ کو حکم (قوتِ فیصلہ) کی دولت سے نوازا گیا۔ سو اس سے ان نتائج وثمرات کا بیان شروع ہوتا ہے جن سے حضرتِ یوسف کو ان کے صبر واستقامت اور آزمائش ومجاہدہ کے نتیجے میں نوازا گیا۔ اور اس سے اس حقیقت کو واضح فرمایا جارہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرتِ یوسف کی محنت ومشقت کو ان کے انعام واحسان کا اور ان کی عبدیت اور غلامی کو ان کی عظمتِ شان اور رفعِ مرتبہ ومقام کا ذریعہ ووسیلہ بنایا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اللہ ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۴۰ حکم سے یہاں پر مقصود ومراد؟: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب یوسف اپنی جوانی کی بھرپور قوتوں کو پہنچ گیے تو ہم نے ان کو حکم سے نوازا۔ یعنی قوتِ فیصلہ سے یا اس سے مراد ہے حکمت جو کہ عبارت ہے ایسے علم سے جس کی تائید وتصدیق اس کے عمل سے ہو رہی ہو۔ اور بعض نے اس سے نبوت مراد لی ہے۔ (روح، محاسن، ابنِ کثیر، معارف، اور زاد المسیر وغیرہ)۔ لیکن جمہور اہلِ علم کے نزدیک یہاں پر حکم سے مراد نبوت نہیں کہ وہ آنجناب کو اسکے عرصہ بعد ملی تھی۔ (معارف القرآن وغیرہ) بہر کیف جب حضرتِ یوسف جسمانی اور عقلی دونوں اعتبار سے درجہ کمال کو پہنچ گئے تو ان کو حکم اور فیصلہ کی قوت سے نوازا گیا تاکہ آئندہ پیش آنے والے مسائل ومشاکل اور مصائب ونوازل کے بارے میں آپ حق وصواب کے تقاضوں کے مطابق صحیح اور درست فیصلہ کرسکیں۔ سو اس کے لیے آپ کو ایک خاص لدنّی علم اور صحیح فکر وفہم کی دولت سے نوازا گیا تھا۔ (المنار وغیرہ)۔

۴۱ حضرتِ یوسف کی نوازش ایک خاص علم سے: سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ حضرت یوسف کو ایک عظیم الشان علم سے نوازا گیا۔ جو کہ آپ کی شان کے لائق تھا جس سے آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے براہِ راست اپنے کرم واحسان سے نوازا۔ تنوین تعظیم کی ہے۔ یعنی آپ کو ایک عظیم الشان علم سے نوازا گیا تھا۔ (التحریر والتنویر لابن عاشور، المراغی، وغیرہ)۔ سو پیغمبر کو جس علم سے نوازا جاتا ہے وہ بڑی عظمتِ شان والا ہوتا ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرتا ہے۔ سو حضرتِ یوسف کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے ہی خاص لدنّی علم سے نوازا گیا جو کسب واکتساب سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اسی کی رحمت وعنایت سے ملتا ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر والے حاشیے میں بھی گزر چکا ہے۔

۴۲ "محسنین" سے مقصود ومراد؟: جن کی نیتیں بھی صحیح اور درست ہوتی ہیں اور ارادے بھی ستھرے اور پاکیزہ۔ اور اَخلاق واَعمال اور سیرت وکردار کے لحاظ سے بھی وہ لوگ پاک دامن، صاف ستھرے اور متقی وپرہیزگار ہوتے ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے نیکوکاروں کو بدلہ ہم ایسے ہی دیتے ہیں۔ اسی لئے حضرتِ حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی جوانی میں نیکوکار اور پرہیزگار رہے گا، اللہ پاک اس کو بڑھاپے میں حکمت سے نوازدے گا۔ (محاسن التاویل)۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى فِيْ كُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَبِكُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِي الْحَيَاةِ۔ بہر کیف احسان ایک عظیم الشان صفت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور اس سے ہمیشہ سرفراز وسرشار رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ سو انسان جتنا صفتِ احسان میں آگے ہوگا اتنا ہی اور اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اس علمی لدنّی کے فکر وفہم کی اصابت اور کسب واکتساب میں خیر وبرکت اور نورِ علم وحکمت سے زیادہ بہرہ مند وسرفراز ہوگا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرضیٰ وعلیٰ ما یحب ویرضیٰ۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ

جس عورت کے گھر میں رہتے تھے وہی آپ کو پھسلانے پر اتر آئی، اور (ایک مرتبہ تو) اس نے سب دروازے بند کر کے (آپ

الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ط قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ

سے صاف) کہہ دیا کہ جلدی آجاؤ (میری مراد پوری کرنے کے لئے)، یوسف نے کہا خدا کی پناہ، وہ میرا رب ہے اس نے مجھے

رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ

کیسی منزلت بخشی، (تو پھر میں یہ ظلم کیسے کر سکتا ہوں؟) بیشک فلاح نہیں پا سکتے ایسے ظالم ۴۳ اور یقیناً پوری طرح ٹھان لی تھی اس عورت

هَمَّتْ بِهٖ ج وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ط

نے یوسف کو پھانسنے کی، اور آپ بھی اس کا ارادہ کر لیتے (اور اس کے جال میں پھنس جاتے) اگر آپ نے نہ دیکھی ہوتی

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ط اِنَّهٗ مِنْ

برہان اپنے رب کی ۴۴ اسی طرح (کیا ہم نے) تاکہ ہم اس سے پھیر دیں برائی اور بے حیائی (کی آلائشوں) کو، بے شک وہ

عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ

ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا ۴۵ اور وہ دونوں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو دوڑ پڑے دروازے کی طرف ۴۶ اور

مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط قَالَتْ مَا جَزَآءُ

اس عورت نے پھاڑ دیا یوسف کا کرتا اس کے پیچھے سے، اور (یکا یک) ان دونوں نے دروازے کے پاس موجود پایا اس

مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ

عورت کے شوہر کو، (جس پر وہ پلٹ کر اور فوراً) بولی کہ کیا سزا ہو سکتی ہے، اس شخص کی جو آپ کے گھر والوں کے ساتھ

اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے یا اسے کوئی دردناک سزا دی جائے؟ ۴۷ یوسف نے کہا

۴۳ **حضرتِ یوسفؑ کی عظمتِ کردار کا ایک نادر و نایاب نمونہ:** ـــ سو یہاں سے حضرتِ یوسف کے کردار کی

عظمت و بلندی ملاحظہ ہو کہ پہل عورت کی طرف سے ہو رہی ہے۔ حالانکہ عموماً معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ پھر عورت بھی وہ جو آپ کی مالکہ اور آپ کے آقا کی بیوی اور وقت کے وزیر اعظم یا شاہی فوج کے سربراہ کی زوجہ ہے۔ اور مکان بھی مقفل اور بند ہے۔ دور بھی جوانی اور بھرپور جوانی کا ہے۔ اور ان تمام ترغیبات کے ساتھ رکاوٹ بننے والی اور حائل ہونے والی کوئی چیز بھی نہیں ہے مگر اس سب کے باوجود آپ کے کوہِ استقامت میں ذرہ برابر کوئی جنبش تک نہیں آتی۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے اس شانِ عفت و استقامت اور عظمتِ خلق و کردار کے۔ کیا پیش کی جا سکتی ہے اس کی دوسری کوئی بھی نظیر و مثال؟۔ فَصَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ خُصُوْصًا عَلٰی اَفْضَلِھِمْ وَخَاتِمِھِمْ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ سو حضراتِ انبیائے کرام کی ہستیاں وہ پاکیزہ اور مقدس ہستیاں ہوتی ہیں، جنکی ہر شان نرالی اور زندگی کا ہر پہلو بے مثال ہوتا ہے۔ علیھم الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی انکی اتباع و پیروی نصیب فرمائے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۴ برھانِ رب سے مقصود و مراد؟:۔ یعنی ایمان و یقین کی وہ قوت جو عین الیقین سے پیدا ہوتی ہے اور جس کی بناء پر زنا وغیرہ تمام برائیاں اپنی اصلی شکل میں نظر آنے لگتی ہیں اور صاحبِ ایمان و یقین کو ان کے ظواہر سے دھوکہ نہیں لگ سکتا۔ پس حضرتِ یوسفؑ سے اس موقع پر کسی "ھَمّ" اور قصد کا سرے سے کوئی صدور ہوا ہی نہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ آپؑ لوازم بشریت سے مبرا تھے۔ بلکہ اس بناء پر کہ آپؑ نے اپنے رب کی برہان دیکھی ہوئی تھی۔ اسی لئے یہاں پر ان دونوں کے "ھم" کو "وَلَقَدْ ھَمَّا" یا "ھَمَّ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا" جیسے مشترک الفاظ سے بیان نہیں فرمایا گیا بلکہ دونوں کا ذکر الگ الگ فرمایا گیا۔ اور مزید یہ کہ اس عورت کے "ھــم" کو حروفِ تاکید لام تاکید اور "قد" تاکید یہ کے ساتھ مؤکد کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ جبکہ حضرتِ یوسف کے "ھم" کو بغیر کسی قسم کی تاکید کے ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور جوابِ شرط کا اپنی شرط پر مقدم ہونا کوفیوں اور اعلام بصریوں سب کے نزدیک جائز ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن اگر اس کو مقدم نہ بھی مانا جائے تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی جزا محذوف ہے جس پر فعلِ مقدم دلالت کرتا ہے ۔ وَھُوَ مَعْرُوْفٌ فَلَا غُبَارَ عَلَیْہِ ۔ بہرکیف مطلب اس ارشادِ ربانی کا یہ ہے کہ اگر حضرتِ یوسف نے اپنے رب کی برہان نہ دیکھی ہوتی اور آپ ایمان و یقین کے اس بلند مقام پر فائز نہ ہو چکے ہوتے جو عین الیقین کے درجے کو پہنچا ہوتا ہے تو یقیناً اس سخت آزمائش کے موقع پر آپ کے قدم بھی پھسل جاتے۔ لیکن چونکہ آپ نے اپنے رب کی برہان دیکھی ہوئی تھی اور آپ ایمان و یقین کے بڑے بلند مقام پر فائز تھے، اس لئے آپؑ کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہیں آئی اور آپؑ نے ایسا کوئی ارادہ نہیں کیا۔ اس مقام پر کچھ مفسرین نے جو بعض بے سروپا قصے اس ضمن میں درج کئے ہیں وہ سب اسرائیلی روایات کا چربہ ہے جس کی محققین نے تردید کی ہے۔ جیسے علامہ شام شیخ جمال الدین القاسمی صاحبِ تفسیر القاسمی، علامہ ابوالسعودؒ اور علامہ زمخشریؒ وغیرہم۔ (البحر المحیط، ابوالسعود، محاسن التاویل، جامع البیان، القرطبی، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ والحمد للہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۵ حضرت یوسف کی حفاظت کا انتظام قدرت کی طرف سے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ ہم پھیر دیں اس سے برائی اور بے حیائی کو کہ وہ یقیناً ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔ سو یہاں پر اس طرح نہیں فرمایا کہ آپ کو برائی سے پھیر دیں۔ بلکہ یوں فرمایا کہ برائی و بے حیائی کو جو کہ آپ کے اردگرد منڈلا رہی تھی اسکو آپ سے پھیر دیں۔ سو آپ

نے کسی برائی کا کوئی ارادہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ آپ کو اس سے پھیرنے کا کوئی سوال پیدا ہوتا بلکہ اس برائی کو آپ سے پھیر دیا گیا جو آپ کے گرد پھر رہی تھی - فَصَلَوٰاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ خُصُوْصًا عَلٰی اَفْضَلِھِمْ وَخَاتِمِھِمْ نَبِیِّنَا محمد وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ - اور یہ اس لئے کہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔ اور اپنے چنے ہوؤں کی حمایت اور نصرت ہر حکومت کرتی ہے۔ مگر دنیا کی حکومتیں اپنے چنے ہوؤں اور اپنے راہنماؤں کی حفاظت کا انتظام تو پولیس وغیرہ کے ظاہری ذرائع و وسائل سے کرتی ہیں، لیکن اللہ پاک اپنے چنے ہوئے بندوں کی حمایت و حفاظت کا انتظام ایسے مخفی اور غیر مرئی طریقوں سے کرتے ہیں جو کسی کو نظر تو نہیں آتے لیکن وہ قوی اور مضبوط ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی توڑ نہیں ہو سکتا - ﴿وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ﴾ - بہر کیف حضرتِ یوسف چونکہ اللہ تعالیٰ کے مخلص اور چنے ہوئے بندوں میں سے تھے، اس لیے انکی اس طرح خاص طور پر حفاظت فرمائی گئی اور ایسے مخلص بندوں کے بارے میں ابلیس نے بھی اقرار کیا تھا کہ ان پر میرا بس نہیں چل سکے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ (ص: ۸۳)۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے انہی خاص بندوں میں سے بنائے۔ آمین۔

۲۶ دونوں کے دروازے کی طرف دوڑنے کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا دوڑ پڑے وہ دونوں دروازے کی طرف''۔ یعنی حضرتِ یوسف اور زلیخا دونوں۔ سو یہ اسی برہانِ رب اور نصرت و حمایتِ خداوندی ہی کا ایک حصہ تھا جس سے قدرت نے آپ کو نوازا تھا کہ آپ برائی کے اس مقام سے فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ روایات میں ہے کہ گھر کے دروازے مقفل تھے مگر اس کے باوجود حضرتِ یوسف جب بھاگ کر ان تک پہنچے تو ان کے قفل خود بخود ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ انسان برائی سے بچنے کے لئے اگر سچی نیت کے ساتھ اپنے بس کی حد تک تگ و دو اور سعی و کوشش کرے تو اللہ پاک اس کے لئے راستے خود بخود کھولتا جاتا ہے - ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا﴾ - سو حضرتِ یوسف کا دامن ہر لحاظ سے پاک و صاف تھا اور اس ضمن میں ایسے تمام قصے موضوع من گھڑت اور زنادقہ و یہود وغیرہ دشمنانِ اسلام کی کارستانی اور شر انگیزی کا نتیجہ ہیں۔ جن سے آنجناب کی نزاہت و پاکدامنی پر حرف آتا ہو اور ان میں سے کسی کی نسبت اگر کسی صحابی کی طرف ہو تو وہ نسبت صحیح نہیں۔ اور ایسی بات بھی جھوٹ اور جعل سازی ہے جیسا کہ محققین نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (تفسیر المراغی، تفسیر القاسمی وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۲۷ یوسف کے لیے دردناک سزا کا مطالبہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ عزیزِ مصر کی بیوی نے حضرتِ یوسف کیلئے دردناک سزا کا مطالبہ کیا۔ مثلاً یہ کہ ضربِ شدید سے کام لیا جائے یا کوئی اور ایسی سزا دی جائے جو دوسروں کیلئے تادیب و عبرت کا ذریعہ و سامان بنے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بہر کیف اس عورت نے اپنے شوہر کو دیکھتے ہی فوراً پینترا بدل کر حضرتِ یوسف کو قصوروار قرار دے دیا اور ان کیلئے سخت سزا کا مطالبہ کر دیا تاکہ اس طرح وہ اپنے کیے کرائے پر پردہ ڈال سکے۔ سو دروازہ کھلنے پر اپنے خاوند کو سامنے کھڑا دیکھتے ہی اس کا سارا نشۂ عشق ہرن ہو گیا اور وہ فوراً پلٹ کر بولی کہ کیا بدلہ اور کیا سزا ہو سکتی ہے اس شخص کی جو آپ کی بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے سوائے اسکے کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یا اور کوئی ایسی دردناک سزا دی جائے۔ سو یہ ایسی حیاباختہ اور بدکار عورتوں کے مکر و خداع کا ایک نمونہ و مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ہر طرح کے شرور فتن اور مکاریوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ

[illegible]

وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ

[illegible]

دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ

[illegible]

قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ

[illegible]

عَظِيمٌ ۝ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا وَاسْتَغْفِرِي

[illegible]

لِذَنْبِكِ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝ وَقَالَ نِسْوَةٌ

[illegible]

فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ

[illegible]

[illegible]

فیصلہ یوسف کا کرتا دیکھ کر کیا جائے کہ اگر وہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یوسف قصوروار ہیں اور یہ عورت سچی ہے۔ کیونکہ کرتے کے آگے سے پھٹنے کا مطلب آگے بڑھ کر دست درازی کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ورنہ معاملہ اسکے برعکس ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے، سو یہ ایک اہم اور واضح دلیل تھی اس معاملے کے بارے میں۔

۴۹ ایک فیصلہ کن قرینے کا حوالہ و ذکر: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ عورت کے خاندان کے اس شخص نے ایک فیصلہ کن قرینے کے ذکر کے طور پر کہا کہ اگر حضرتِ یوسف کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو وہ قصوروار ورنہ یہ عورت قصوروار۔ حضراتِ مفسرین میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ شاید زلیخا کے خاندان کا ایک چھوٹا بچہ تھا جس نے معجزانہ طور پر یہ گواہی دی تھی۔ جیسا کہ بعض روایات میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی بڑا آدمی تھا جس نے ایک معقول بات ان لوگوں کے سامنے پیش کی۔ (معالم، ابنِ کثیر، ابنِ جریر، کبیر، قرطبی، وغیرہ)۔ جو بھی ہو بہرحال بات اس شخص کی بڑی درست اور معقول تھی۔ اور ایسی معقول اور درست کہ اس سے پورا معاملہ واضح ہوگیا۔ سو اس نے کہا کہ اگر یوسف کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو عورت سچی اور یوسف جھوٹے۔ اور اگر اسکے برعکس ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو پھر یہ عورت جھوٹی اور یوسف سچے۔ اور یہ ایسی معقول رائے تھی کہ اس سے عورت کے شوہر کو بھی اطمینان ہوگیا اور معاملہ بھی پوری طرح واضح ہو گیا۔ سو اسکے مطابق جب اس نے یوسف کے کرتے کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ تو اصل حقیقت واضح ہوگئی کہ یوسف قطعی طور پر سچے اور بے قصور ہیں اور یہ عورت یقیناً جھوٹی ہے۔ تو اس نے اس کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ یہ سب تمہارا فریب ہے اور تم عورتوں کا فریب بڑا ہی خطرناک ہوتا ہے۔ بہرکیف اس سے حضرت یوسفؑ کی صداقت اور بیگناہی ثابت ہوگئی۔

۵۰ عزیزِ مصر کی بے غیرتی کا ایک مظہر و نمونہ: - کہ بیوی سے اتنا بڑا سنگین جرم ثابت ہو جانے کے باوجود اس شخص کا اس کو اس قدر نرم الفاظ سے خطاب کرنا اس شخص کے بے غیرت اور بے حس ہونے کا ایک کھلا اور واضح ثبوت ہے۔ اسی لئے صاحب البحر کہتے ہیں کہ مصر کی مٹی ہی ایسی بے غیرت ہے۔ اسی لئے وہاں شیر پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر کہیں اور سے اسے وہاں لے جایا جائے تو وہ فوری طور پر مر جاتا ہے۔ (حاشیہ جامع البیان)۔ لیکن علامہ رشید رضا مرحوم نے اپنی تفسیر المنار میں صاحبِ بحر کے اس زعم اور دعوے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ان کا یہ دعوٰی کسی صحیح بنیاد پر قائم نہیں۔ اور ﴿کیدکن﴾ جمع کا صیغہ لا کر یہ بھی بتا دیا کہ ایسی بیہودہ حرکت کا ارتکاب کوئی تمہاری پہلی حرکت نہیں، بلکہ اس ملک و معاشرے اور اس اعلیٰ سوسائٹی کی عورتوں کے عام مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ (نفس المرجع)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قدرت کی طرف سے اس شخص میں اس وقت غصہ پیدا نہ ہوا ہو تا کہ وہ اشتعال میں آ کر حضرتِ یوسف کے خلاف کوئی سخت اِقدام نہ کر بیٹھے۔ بہرکیف اس شخص نے اس طرح معاملہ کو ہلکے انداز میں لیکر یونہی رفع دفع کرنے کی کوشش کی تاکہ انکی مزید رسوائی نہ ہو اور معاملہ یونہی رفع دفع ہو جائے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس شخص یعنی عزیز مصر نے اس موقع پر حضرت یوسف سے کہا کہ آپ اس معاملے سے اب درگزر کریں اور اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے جرم و قصور کی معافی مانگ کہ یقیناً تو ہی ہے خطاکاروں میں سے۔ اور واضح ہوگیا کہ یہ سب کچھ تیرا ہی گھڑا گھڑایا ہے، یوسفؑ کا کوئی قصور نہیں۔

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾

کر دیا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر لٹو ہوگئی ہے، ۵۱ اس کی محبت اس کے دل میں گھر کرگئی ہے، ہمارے نزدیک تو وہ واقعی کھلی غلطی میں

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ

پڑی ہوئی ہے ۵۲ عزیز مصر کی بیوی نے جب ان عورتوں کی یہ بدگوئی ۵۳ سنی، تو اس نے ان کو (اپنے یہاں آنے کا) بلاوا بھیجا، اور ان کے لئے

لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا وَّ

ایک مجلس آراستہ کی اور (ان کے پہنچ جانے کے بعد پھل وغیرہ کاٹنے کے لئے) ۵۴ اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک

قَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ

چھری بھی دے دی، اور (عین اس وقت یوسف سے) کہا کہ ذرا ان کے سامنے تو نکل آؤ، پس جونہی انہوں نے آپ

اَیْدِیَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ

کو دیکھا تو وہ سب کی سب ششدر رہ گئیں، انہوں نے کاٹ ڈالا اپنے ہاتھوں کو، اور وہ (بے ساختہ) پکار اٹھیں، کہ حاشا

اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ

للہ، یہ انسان نہیں، یہ تو کوئی بڑا بزرگ فرشتہ ہے ۵۵ عزیز کی بیوی نے کہا کہ بس یہی ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے برا بھلا

۵۱ عزیز مصر کی بیوی کے خلاف پروپیگنڈے کا ذکر و بیان:۔ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ شہر کی عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کیخلاف چرچا اور پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ وہ اپنے غلام پر لٹو ہوگئی ہے۔ "شغف" اصل میں "شغاف" سے ماخوذ ہے۔ اور "شغاف" اس پردہ کو کہتے ہیں جو دل پر محیط ہوتا ہے۔ اس لئے "شغفہ فلان" کے معنی ہوتے ہیں کہ "وہ اس کے دل کے پردے تک پہنچ گیا"۔ یعنی "اس کے دل میں اتر گیا"۔ "اس میں گھر کر گیا" وغیرہ۔ سو اسی مفہوم کو ظاہر کرنے کی غرض سے ہم نے اس کا ترجمہ ان لفظوں سے کیا ہے۔ والحمد للہ۔ بہر کیف شہر کی عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کیخلاف یہ چہ میگوئیاں اور پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہ کیسی عورت ہے جو عزیز مصر کی بیوی ہونے کے باوجود اپنے غلام پر لٹو ہوگئی۔ اور یہ چرچا اور پروپیگنڈا افسانہ بزم و انجمن اور ٹیبل ٹاک بن گیا۔ اور شہر کی عورتوں نے جو ہو سکتا ہے اسی طبقے کی ہوں جس طبقے کی عزیز مصر کی بیوی تھی۔ سو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر لٹو ہوگئی۔ اور وہ اسکے عشق میں دیوانی ہو کر اس پر ڈورے ڈال رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

۵۲ عزیز مصر کی بیوی کی ملامت و شماتت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کے بارے میں کہا کہ ہم اسکو کھلی گمراہی میں پڑا دیکھ رہی ہیں کہ اتنے بڑے مرتبے پر فائز اور اس قدر اونچے منصب کی مالک ہو کر ایک غلام پر لٹو ہو رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر خطا اور غلطی اور کیا ہو سکتی ہے؟ سو یہ خطا اور غلطی ایسی صاف و صریح اور کھلی غلطی ہے جس کا خطا اور غلطی ہونا بالکل صاف

اور واضح ہے۔ سو ان کے اس جملے میں ملامت، شماتت اور ادعاء کے کئی پہلو مضمر ہیں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اول تو یہی بات بڑی عجیب ہے کہ اس قدر عظیم شخصیت اور اتنے بڑے اعلیٰ عہدیدار کی بیوی ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو ایک غلام کے پیچھے خوار کرے اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس غلام کو بھی وہ رام نہ کر سکے۔ سو یہیں سے اس ملامت کے اندر ادعاء کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ عورت بڑی احمق ہے کہ بدنام بھی ہوئی اور نامراد بھی رہی۔ اگر اس کی جگہ ہم ہوتیں تو کیا کچھ کر دکھاتیں وغیرہ وغیرہ۔

۵۳ لفظ "مکر" کے استعمال سے مقصود؟: سو یہاں پر ان عورتوں کی اس بدگوئی کو قرآنِ حکیم میں "مکر" کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ "مکر" پوشیدہ چیز اور خفیہ سازش کو کہا جاتا ہے۔ سو یہ شاید اس لئے کہ ان عورتوں کے اس پروپیگنڈے کے پیچھے دراصل دوسرا مقصد کار فرما تھا کہ وہ چاہتی تھیں کہ اس طرح کسی بہانے ہم بھی یوسف کو دیکھ لیں کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس کو عزیزِ مصر کی بیوی اس طرح اپنا دل دے بیٹھی ہے۔ اور اس پر وہ اس طرح لٹو ہو گئی ہے۔ سو عام لوگوں سے تو دل کی ایسی کیفیت چھپ سکتی ہے مگر اس ﴿عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ سے یہ کس طرح چھپ سکتی ہے؟۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اس لئے ان بیگماتِ مصر کی اس چال کو یہاں پر "مکر" کے لفظ سے تعبیر کر کے اصل حقیقت کو واشگاف و آشکار فرما دیا گیا۔ سو عزیزِ مصر کی بیوی نے جب ان عورتوں کی ان چہ میگوئیوں اور ان کے اس پروپیگنڈے کے بارے میں سنا تو اسکے دل کو چوٹ لگی۔ تو اس نے چاہا کہ کسی طرح ان کو بھی یوسف کا جلوہ دکھا دیا جائے تاکہ یہ بھی اپنا ہنر آزما کر دیکھ لیں اور ان کو بھی یوسف کی عظیم الشان شخصیت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ اور ان کو اپنی قدر و قیمت بھی معلوم ہو جائے۔ سو اس غرض کے لیے اس نے ایک خاص دعوت کا اہتمام کیا اور اس کے لیے ان سب کو بلا بھیجا۔

۵۴ حاضراتِ مجلس کو چھریاں دینے کے پیچھے اصل مقصد؟: سو اس نے آنے والی ہر عورت کو ایک ایک چھری دی کہ ظاہری مقصد تو اس کا یہی تھا کہ ان چھریوں سے وہ مہمان عورتیں پھل کاٹ کر کھائیں۔ مگر اصل مقصد اس کا کچھ اور ہی تھا۔ جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا۔ کہ یہ عورتیں حضرتِ یوسف کو دیکھ کر حواس باختہ ہو جائیں گی اور پھلوں کی بجائے اپنے ہاتھوں کو کاٹ دیں گی جس سے ان کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ کیا چیز ہے یوسف جس پر وہ لٹو ہو گئی ہے۔ جبکہ بعض اہلِ علم کے نزدیک ان عورتوں کا اپنے ہاتھوں کو کاٹنا بھی ان کی ایک چال تھی کہ اس طرح وہ دراصل اپنے ہاتھوں کو زخمی کر کے اپنے لیے ہمدردی پیدا کرنا اور اس طرح یوسف کے دل کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے خودکشی کی دھمکی بھی دی تھی۔ اور اسکی تصدیق کے لیے انہوں نے اپنے ہاتھوں کو کاٹ بھی دیا تھا۔ بہرکیف جب ان عورتوں نے حضرتِ یوسف کو دیکھا تو وہ انکی عظمتِ شان کی معترف ہو گئیں اور انہوں نے اپنے ہاتھوں کو بھی کاٹ ڈالا۔

۵۵ حسنِ بے مثال کی ایک خاص تعبیر: سو یوسف کو دیکھتے ہی وہ ششدر رہ گئیں اور پکار اٹھیں کہ یہ کوئی انسان نہیں بلکہ کوئی معزز فرشتہ ہے۔ یہ اس لئے کہا کہ عام طبیعتوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ فرشتے سے بڑھ کر کوئی خوبصورت نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ یہ بات بھی عام طبیعتوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ شیطان سے بڑھ کر کوئی بدشکل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے عام طور پر نیکی اور خوبصورتی میں بے مثال ہونے پر فرشتہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اور بدصورتی و برائی میں بے مثال ہونے پر شیطان سے۔ اور کچھ اسی طرح کی غلط فہمیوں کی بناء پر اہلِ بدعت بھی حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کی بشریتِ طاہرہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بشر نہیں نور ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ بشر، بلکہ بشر کے بھی اعلیٰ نمونے ہوتے ہیں۔ اور انسان کی اصل خوبی اسکی سیرت و اَخلاق سے ہے۔ اور باطن کی یہ خوبی بجائے خود بڑی دلربا چیز ہے۔ لیکن اسکے ساتھ جب حسنِ ظاہر بھی شامل ہو جائے تو اسکی دلربائی دو چند جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ

کہتی رہی ہو **و۵۶** اور بے شک میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی مگر یہ بچ نکلا، اور اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا تو

يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اسے ضرور بالضرور جیل جانا ہوگا، اور یہ ذلیل و خوار ہو کر رہے گا **و۵۷** (یوسف نے اپنے رب کے حضور) عرض کیا اے میرے

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ

رب، مجھے جیل جانا زیادہ محبوب ہے، بہ نسبت اس کام کے، جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں **و۵۸** اور اگر تو نے دور نہ فرمایا

۵۶ عزیز مصر کی بیوی کا اپنے لیے مجبوری و معذوری کا استدلال:۔ سو اب تم خود ہی بتاؤ کہ کیا میں نے جو کچھ اس ضمن میں کیا اس میں میں معذور اور مجبور نہیں ہوں؟ سو اس طرح اس عورت نے اپنے لیے مجبوری اور معذوری کا استدلال کیا اور اپنی بے قصوری کیلئے بہانہ ڈھونڈا کہ اس حسنِ بے مثال پر اگر میں فریفتہ نہ ہوتی تو اور کیا کرتی؟ سو ان عورتوں کے اس اظہار پر عزیز مصر کی بیوی نے بڑے تیکھے انداز میں ان سے کہا کہ یہی ہے وہ چیز جسکی بناء پر تم نے مجھے طعن و تشنیع کا نشانہ بنالیا تھا؟ اب تم یہ دیکھ کر خود بتاؤ کہ میں ایسے نہ کرتی تو اور کیا کرتی؟ اور میں اسطرح اس صورت سے کسطرح بچتی؟

۵۷ عزیز مصر کی بیوی کی حضرتِ یوسف کو دھمکی:۔ کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو اس کو اس کا بھگتان بھگتنا ہوگا کیونکہ میں اپنے خاوند سے جو چاہوں کرواسکتی ہوں۔ اور میرا مطلب اس سے ختم نہیں ہوگیا بلکہ آئندہ کے لئے بھی باقی و موجود ہے۔ پس اس کے سامنے اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو میری مراد پوری کر کے ہر طرح کے اور من پسند عیش و آرام میں رہے۔ یا پھر اس سے منہ موڑ کر اور انکار کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں مقید و محبوس ہو کر زندگی گزارے۔ سو اگر یہ اس سے پہلے میرے قابو میں نہیں آیا تو یہ نہ سمجھے کہ یہ بچ گیا اور ہم سے چھوٹ گیا۔ بلکہ اگر اس نے اب بھی میری بات نہ مانی تو جیل کی ہوا کھانا پڑے گی۔ سو اسطرح اس عورت نے حضرت یوسفؑ پر اپنے دباؤ کو جاری رکھنے کا اعلان کر دیا۔

۵۸ حضرتِ یوسف کی عفت و عظمت شان کا ایک مظہر و نمونہ:۔ کہ اس عورت کی اس دھمکی سے بھی آپ ذرا مرعوب نہیں ہوئے۔ سبحان اللہ۔ کتنا اونچا اور کس قدر پاکیزہ ہوتا ہے حضرات انبیائے کرام کا باطن کہ طرح طرح کے مخاوف اور ہولناک خطرات بھی حضرتِ یوسف کے پائے استقلال و استقامت میں ذرہ برابر کوئی لغزش و جنبش پیدا نہ کرسکے ۔صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ یہاں سے حضرتِ یوسف کی ابتلاء و آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے کہ اپنی ہویٰ و ہوس میں ناکامی کے بعد اب وہ عورت انتقام لینے پر آمادہ ہوگئی اور اس کے لیے اس نے آنجناب کو اتنی بڑی صاف و صریح اور کھلی دھمکی دے ڈالی۔ اور وہ تھی بھی ایک بڑے با اختیار شخص کی بیوی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ

مجھ سے ان کے مکر (وفریب کے اس جال) کو، تو میں مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف، اور شامل ہو بیٹھوں گا جاہلوں میں ف۵۹ پس قبول

الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ

فرمالیا آپ کے رب نے آپ کی اس دعاء کو، اور دور فرما دیا آپ سے ان کے مکر (وفریب کے اس جال) کو، بلاشبہ وہی ہے

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا

ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا، پھر (یوسف کی پاکدامنی اور ان عورتوں کی فریب کاریوں کی) مختلف نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی،

الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾ ع وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ

ان لوگوں کو یہی سوجھی کہ وہ جیل میں ڈال دیں اس (پتلۂ عفت و پاکدامنی) کو، ایک مدت تک کے لئے ف۶۰ اور جیل میں ان کے

ع ۴ ۱۴

۵۹ پیغمبر کی شانِ عبدیت اور رجوع الی اللہ کا ایک نمونہ و مظہر: ۔ یہ بھی پیغمبرانہ شان کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے کہ اپنی کسی بڑائی اور تعلّی کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ بلکہ اللہ ہی کی پناہ اور اسی کی عنایت و کارفرمائی اور رحمت و مشکل کشائی کا سہارا و آسرا ہے۔ اور جب پیغمبروں کا حاجت روا و مشکل کشا بھی وہی۔ جل جلالہ۔ ہے تو پھر دوسرا کوئی حاجت روا و مشکل کشا کیونکر ہوسکتا ہے؟ پس غلط کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے دین کی تعلیماتِ مقدسہ کے برعکس ازخود مختلف ناموں سے طرح طرح کے مشکل کشا اور حاجت روا گھڑ رکھے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۰ حضرتِ یوسف کیلئے جیل کی سزا کا ذکروبیان: ۔ سو حضرت کی براءت و پاک دامنی کے واضح ثبوت کے باوجود ان لوگوں نے آپ کو جیل میں ڈال دیا تاکہ اس طرح وہ اپنی خفت کو مٹانے اور اپنے کیے کی بدنامی کا کسی قدر ازالہ کر سکیں۔ روایات کے مطابق عزیزِ مصر کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ اس عبرانی لڑکے نے مجھے بہت رسوا کیا۔ اور یہ لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ میں نے اسکو ورغلانے کی کوشش کی ہے۔ سو اس بدنامی سے بچنے کیلئے اور اپنی براءت و بے قصوری ظاہر کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کو ایک نامعلوم اور غیر محدود مدت کیلئے جیل میں رکھا جائے۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بہر کیف دلائل و شواہد کی روشنی میں جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یوسف قطعی طور پر سچے اور بالکل بے قصور اور بے گناہ ہیں۔ اور سارا جرم و قصور زلیخا کا ہے تو اسکے باوجود اپنی ناک کو بچانے کے لیے ان کو یہی سوجھی کہ یوسف کو جیل بھجوا دیں تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ قصور زلیخا کا نہیں یوسف کا تھا۔ اسی لیے جیل میں انہی کو جانا پڑا۔ سو ظالموں کا رویہ ہمیشہ یہی رہا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ جس کے مختلف نمونے اور مظاہر ہم آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے دیکھتے ہیں۔ والعیاذ باللہ من الظلم و اهله۔ بہر کیف یہاں سے حضرتِ یوسف کی آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ جو آنجناب کے پہلے دور سے بالکل مختلف ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ

ساتھ دو اور جوان بھی داخل ہوگئے ۶۱ ان میں سے ایک نے (ایک دن حضرت یوسف سے) کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے

قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ

کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں، اور پرندے

الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

ان سے (نوچ نوچ کر) کھا رہے ہیں، آپ ہمیں اس کی تعبیر بتلا دیجئے، بے شک ہم آپ کو نیکو کاروں میں سے دیکھتے ہیں ۶۲

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ

یوسفؑ نے فرمایا ابھی تمہارے پاس تمہارا وہ کھانا بھی نہیں آنے پائے گا جو تمہیں یہاں ملا کرتا ہے، کہ میں تمہیں اس سے

قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ

پہلے ہی اس کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں ۶۳ یہ ان علوم (و معارف) میں سے ہے جو سکھائے ہیں مجھے میرے رب نے

تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ

(اپنی رحمت و عنایت سے)، ۶۴ بے شک میں نے (شروع سے ہی) چھوڑ رکھا ہے دین (و مذہب) ان لوگوں کا جو ایمان

۶۱ **حضرتِ یوسف کے جیل کے دو ساتھیوں کا ذکر و بیان:** ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا اس کے نانبائیوں کا انچارج۔ ان دونوں پر بادشاہ کو زہر کھلانے کا الزام تھا۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، جامع البیان وغیرہ)۔ سو جیل کے ان دونوں ساتھیوں نے حضرتِ یوسف کی پاکیزہ اور مقدس شخصیت سے متاثر ہو کر ان کے سامنے اپنے اپنے خواب پیش کیے اور ان سے ان کی تعبیر پوچھی۔ ان میں سے ایک نے یہ خواب دیکھا تھا کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے اور دوسرے نے یہ کہ اس نے اپنے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا اٹھا رکھا ہے جس سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ ان دونوں نے اپنے یہ خواب حضرتِ یوسف کے سامنے پیش کیے۔ تاکہ وہ ان کو اسکی صحیح تعبیر بتا سکیں۔

۶۲ **عظمتِ کردار کی بلندی و تاثیر:** عظمتِ کردار کی بلندی دیکھئے کہ اس کی بدولت انسان کس طرح دوسروں کے دلوں میں گھر کر لیتا ہے اور اپنا مقام بنا لیتا ہے۔ اور حضرتِ یوسف نے اسی کی بدولت جیل میں بھی کس طرح ان لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ سو اصل قدر و قیمت ظاہری دکھلاووں کی نہیں، بلکہ باطن اور اخلاق و کردار کی حسن و خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ محض

اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔ کہ یہی وہ دولت ہے جس سے انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی نصیب ہوتی ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - وعلی ما یحب و یرید بکل حال من الاحوال۔

۶۳ خواب کی تعبیر اور دین کی دعوت: ﴿اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ﴾ کی ضمیر مجرور کے مرجع اور اس ارشاد کے مفہوم و مطلب میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع خواب ہو- کما ہو المتبادر- یعنی میں تم کو تمہارا کھانا آنے سے پہلے ہی اس خواب کی تعبیر بتا دوں گا۔ پس تم گھبرانا نہیں کہ کوئی لمبی بات میں تم سے نہیں کروں گا۔ پس دین کے بارے میں مختصر اور ضروری بات کرنے کے بعد تم کو جلد ہی تمہارے اس خواب کی تعبیر بتا دونگا۔ اور بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ ضمیر کا مرجع طعام ہے۔ یعنی یہ کہ میں وہ کھانا تمہارے پاس آنے سے پہلے ہی اس کی حقیقت تمہیں بتا دوں گا کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے۔ پس میں جو بات دین کے بارے میں تم کو کہنا اور بتانا چاہتا ہوں اسے تم خوب غور اور توجہ سے سننا۔ اس صورت میں آپ کا یہ ارشاد حضرت عیسیٰ کے اس ارشاد کے قبیل سے اور ایک معجزہ ہوگا ﴿وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ﴾ ہم نے ترجمہ میں دونوں کی رعایت کی ہے۔ دونوں صورتوں میں اس ارشاد سے آپ کی اس حرص اور تڑپ کا پتہ چلتا ہے جو آپ خلق خدا کی اصلاح و ہدایت کے لئے اپنے دل میں رکھتے تھے۔ اور جو خاصان خدا کا اصل مشن و نصب العین ہوتا ہے۔ اور بلاشبہ یہ مشن بہت ہی پاکیزہ، اونچا اور نہایت ہی مقدس مشن ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- سے وارد ہے کہ آپ نے حضرت علی کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری وجہ سے ایک شخص بھی راہ راست پر آ جائے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں کی عظیم دولت سے بھی بڑھ کر ہے- اللہ توفیق بخشے اور اس شرف سے مشرف فرمائے - اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۶۴ پیغمبرانہ علوم و معارف کی ایک امتیازی شان: ۔ کہ ان کے جملہ علوم و معارف جیسا کہ حضرت یوسف نے یہاں پر ارشاد فرمایا سب اللہ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں۔ پس نہ تو یہ کسی انسانی تعلیم کا ثمرہ و نتیجہ ہے اور نہ ہی اس کا کسی شعبدہ اور کہانت وغیرہ سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ خالص حق و ہدایت کا سامان ہے۔ اس لئے اس کو تم غور سے سنو اور اس کو اپنے دل و دماغ میں بٹھا کر سعادت دارین کی راہ کو اپناؤ۔ سو یہ پیغمبر کے علوم کی ایک امتیازی شان ہے کہ ان کے علوم و معارف براہ راست اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ کسی انسان کی تعلیم و تربیت اور بشری کسب و اکتساب کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ سو حضرت یوسف نے ان سے فرمایا کہ خوابوں کی تعبیر کا یہ علم بھی ان علوم و معارف میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائے اور عطا فرمائے ہیں۔ پس تم اگر اس علم کو قدر و قیمت کی چیز سمجھتے ہو تو یہ بات یاد رکھو کہ اس کا منبع و سرچشمہ میری ذات نہیں ہے بلکہ میرا رب ہے - سبحانہ وتعالیٰ - جس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ان علوم و معارف سے نوازا ہے اور تعبیر منام کا یہ علم بھی انہی علوم میں سے ہے - اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمایا ہے۔ فلہ الحمد ولہ الشکر

كَفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ

نہیں رکھتے، اللہ (وحدہٗ لاشریک) پر، اور وہ منکر ہیں آخرت (کے عقیدۂ صافیہ) کے ۶۵ اور (کفر و شرک اور ظلم و بغاوت کے ان

وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ

طریقوں کے برعکس) میں نے ہمیشہ پیروی کی اپنے باپ دادا، ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کے (پیش کردہ سچے) دین (و مذہب) کی ۶۶

۶۵ بے ایمانوں سے کنارہ کشی نورِ علم و عرفان سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ: - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یوسف نے جیل کے اپنے ان دنوں ساتھیوں سے فرمایا کہ میں نے ترک کر دیا بے ایمانوں کے دین کو سو اس سے معلوم ہوا کہ بے ایمانوں، مشرکوں اور انکے طور طریقوں سے علیحدگی اور کنارہ کشی نورِ علم و ایمان سے سرفرازی کا اصل ذریعہ و وسیلہ ہے۔ سو معلوم ہوا کہ مشرکوں، بے ایمانوں، بدعتیوں اور دوسرے گمراہوں کے طریقوں سے الگ ہونا، نورِ ایمان سے منور و فیضیاب ہونے کا اہم ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور ان لوگوں کی معیت و رفاقت اور ان سے دوستی اور محبت، ظلمت و کدورت کا باعث ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو کامیابی اور فائز المرامی کی راہ یہی ہے کہ انسان تقویٰ و پرہیزگاری کی روش کو اپنائے۔ اور سچوں کا ساتھ دے۔ اور انہی کے ساتھ رہے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (توبہ-۱۱۹) - سبحان اللہ - تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنانے اور سچوں کا ساتھ دینے کا یہ دو نکاتی پروگرام کس قدر مختصر، جامع، عظیم الشان اور انقلاب آفریں پروگرام ہے۔ اگر آج امت اسی مختصر سے ارشادِ ربانی پر عمل پیرا ہو جائے تو اسکی زندگی اور پورے معاشرے میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ امت اس سے غافل و لاپرواہ ہے - الا ماشاء اللہ جل و علا - انکی اکثریت مادہ اور معدہ کے تقاضوں کی تکمیل ہی میں محو و منہمک ہے۔ بہر کیف حضرتِ یوسف نے اپنے اس ارشاد سے ایک طرف تو اس امر کو واضح فرما دیا کہ میں نے ان لوگوں کے دین اور ان کی ملت کو ترک کر دیا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ جس سے آپ نے ان دونوں نوجوانوں کے لیے راہِ حق و ہدایت کو واضح کر دیا کہ اگر تم دونوں بھی نورِ حق و ہدایت سے اپنے باطن کو معمور و منور کرنا چاہتے ہو تو تمہیں ان لوگوں کی ملت اور ان کے طور طریقوں کو چھوڑنا ہوگا جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور دوسری طرف اس سے انہوں نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ میں نے اِس راستے کو اپنایا ہے تو اس لیے نہیں کہ یہ میرے باپ دادا کی میراث ہے۔ بلکہ اس لیے کہ یہی راہِ حق و صواب ہے۔ اور باطل کو جو چھوڑا تو اسی لیے کہ اس کا باطل ہونا میرے سامنے پوری طرح واضح ہو چکا ہے۔ اور راہِ حق کو اپنانا ہی سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے،

۶۶ باپ دادا کی پیروی مشروط بالحق ہے: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ باپ دادا کی پیروی مطلوب و محمود ہے جبکہ وہ حق پر ہوں۔ کہ وہ پیروی انکی نہیں بلکہ اصل میں حق ہی کی پیروی ہوتی ہے۔ پس اپنے باپ دادا اور بڑے بزرگ جب راہِ حق و صواب پر ہوں تو ان کی اتباع و پیروی کرنا مذموم نہیں۔ بلکہ محمود و مطلوب ہے۔ اور یہ اندھی تقلید کے زمرے میں نہیں آئے گا بلکہ اتباعِ حق و صدق کے ہی قبیل سے ہوگا۔ اور حق و صدق کی اتباع و پیروی دینِ حق کا تقاضا بلکہ اصل دین ہے۔ اور اسی پر سارا مدار و انحصار ہے سعادت دارین کا - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - سو عقیدۂ توحید عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا تقاضا ہے کہ شرک کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ نہ ہماری عقل و فطرت میں اور نہ آفاق و انفس میں۔ یہ عقل و نقل سب کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

ہمیں کسی بھی طرح یہ بات جائز نہیں کہ ہم شریک ٹھہرائیں اللہ کے ساتھ کسی چیز کو ف ٦٧ یہ (توحید کا عقیدہ رکھنا اور شرک سے بچنا)

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ

اللہ کا فضل ہے ہم پر اور سب لوگوں پر (کہ دنیا و آخرت کی فوز و فلاح اسی میں ہے) لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (اس عظیم الشان

مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ

نعمت کا) ف ٦٨ جیل کے میرے دونوں ساتھیو! (تم ہی بتاؤ کہ) کیا کئی مختلف معبود ف ٦٩ بہتر ہیں، یا ایک اللہ؟ جو یکتا اور سب پر غالب ہے؟ ف ٧٠

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

اس کے سوا جن کی بھی پوجا تم لوگ کرتے ہو، وہ محض کچھ ایسے نام ہیں جن کو گھڑ لیا خود تم لوگوں نے، اور تمہارے باپ دادوں

مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا

نے (اور بس) ف ٧١ اللہ نے نہیں اتاری ان کے لئے کسی بھی طرح کی کوئی سند، فرمانروائی کا حق تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے ف ٧٢ اس نے

تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

حکم فرمایا ہے کہ تم لوگ عبادت (و بندگی) نہیں کرو، مگر اسی (وحدہٗ لاشریک) کی، یہی ہے سیدھا راستہ، لیکن اکثر لوگ جانتے

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا

نہیں ف ٧٣ (اب رہ گئی تمہارے خواب کی تعبیر تو) جیل کے میرے دونوں ساتھیو! (سنو، وہ اس طرح ہے کہ) تم میں سے ایک شخص تو

٦٧ عقیدۂ توحید عقل و فطرت کا تقاضا: - پس ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں کہ اس وحدہٗ لاشریک کا کسی بھی طرح کوئی شریک نہ ہے اور نہ ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ نہ اس کی ذات و صفات میں، اور نہ ہی اس کے حقوق و اختیارات میں۔ وہ احد و صمد اور یکتا ہے - سبحانہ و تعالیٰ - اور جس کا کوئی شریک سرے سے ہو ہی نہ، اور نہ اس کا کوئی شریک ممکن ہی ہو سکے، اسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

٦٨ عقیدۂ توحید ایک عظیم الشان فضلِ خداوندی: - کہ عقیدۂ توحید عقلِ سلیم کا تقاضا اور فطرتِ مستقیم کی پکار ہے - اور یہ عظیم الشان نعمت انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار کرنے والی حقیقی اور دلی امن و سکون سے بہرہ ور کرنے والی، شرک اور شرکیات کی ذلتوں سے بچا کر انسان کو اس کے حقیقی مرتبہ و مقام اور عز و شرف سے سرفراز

کرنے والی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ لیکن دنیا ہے کہ اسکی اکثریت اس توحید سے منہ موڑ کر شرک اور شرکیات کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ جگہ جگہ ذلت و خواری کے دھکے کھاتی پھر رہی ہے اور اپنی ہلاکت و تباہی کے راستے پر بڑھتی چلی جا رہی ہے اور اسکو احساس تک نہیں کہ وہ کتنے بڑے خسارے کا سامان کر رہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۶۹ معبودِ برحق کی عبادت و بندگی سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یوسفؑ نے جیل کے اپنے دونوں ساتھیوں سے فرمایا کہ کیا مختلف رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ یعنی وہ خود ساختہ معبود جو از خود گھڑ رکھے ہیں۔ بناء پر مشرک لوگ کسی سے اولاد مانگتے ہیں اور کسی سے روزی۔ کسی سے عزت و کامیابی کا سوال کرتے ہیں اور کسی سے نوکری و ترقی کا۔ کہیں سر کی بیماریوں کے علاج کیلئے جاتے ہیں اور کہیں پیٹ کی بیماریوں کے لئے۔ کہیں سانپ بچھو کے ڈسنے پر دوڑتے ہیں اور کہیں باؤلے کتے کے کاٹنے پر۔ اور کہیں کسی اور غرض و مقصد کے لئے وغیرہ وغیرہ۔ کیا ان جگہ جگہ کی اور طرح طرح کی خود ساختہ سرکاروں اور نام نہاد آستانوں کے یہاں چکر لگانے اور ذلتیں اٹھانے سے یہ بہتر نہیں کہ ہر ضرورت و حاجت کے لئے ایک ہی خدائے واحد کی طرف رجوع کیا جائے جو کہ سب کا خالق و مالک بھی ہے اور حاکم و متصرف اور کارساز و کارفرما بھی۔ بات استفہام کی صورت میں ان کے آگے رکھی گئی تاکہ کوئی تنفر پیدا نہ ہو اور یہ لوگ سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور بات ان کے دلوں میں اتر جائے۔ اور یہ شرک کی ظلمتوں سے بچ سکیں۔ سو حضرتِ یوسف نے ﴿یصاحبی السجن﴾ یعنی ''اے جیل کے میرے دونوں ساتھیو'' کے بلیغ اور دلنواز انداز میں ان کو خطاب کر کے ان سے اپنی بات کہی تاکہ اس طرح بات ان کے دلوں میں اتر جائے اور وہ حق بات کو صدقِ دل سے سننے اور ماننے کے لیے آمادہ و تیار ہو جائیں۔ اور اس طرح خود ان کا اپنا بھلا ہو جائے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ مصیبت کا اشتراک دلوں میں محبت، ہمدردی، اخلاص اور باہمی خیر خواہی اور خیر سگالی کے جذبات کو نہایت زور اور قوت کے ساتھ ابھار دیتا ہے۔ اور انسان حق بات کو سننے اور ماننے کے لیے دل و جان سے تیار ہو جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید،

۷۰ خدائے واحد ہی معبودِ برحق ہے: پس جو قہار اور غالب ہے وہی حقیقت میں خدائے واحد اور معبود برحق ہے۔ اس کے مقابلے میں ایسے کسی کو بھی خدا بننے کا حق نہیں۔ اور نہ اسکو خدا ماننا جائز ہو سکتا ہے جو کہ مخلوق و مغلوب اور عاجز و مقہور ہو۔ قہار کے معنی غلبہ اور کنٹرول رکھنے والے کے ہیں۔ سو وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو اس ساری کائنات پر کنٹرول رکھے ہوئے اور اسکو تھامے ہوئے ہے۔ وہی قیوم السموٰات والارض ہے جسکے حکم و ارشاد سے یہ زمین و آسمان کا سارا نظام قائم ہے۔ اور جب اسکی اس صفت و شان میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک و سہیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور اس ساری کائنات پر حاوی اور غالب وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ کوئی بھی اسکے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں ہو سکتا۔ پوری کائنات اور اسکی ہر چیز اسکے وجودِ باجود اور اسکی قدرتِ مطلقہ اور حکمتِ بالغہ کی گواہی دے رہی ہے۔ اور یہ ایک ایسی ظاہر و باہر اور ابدہ البدیہیات حقیقت ہے جس کو مومن و کافر اور موحد و مشرک سب ہی مانتے ہیں۔ لیکن اسکے بعد یہ بات رہ جاتی ہے کہ کیا اس کا کوئی شریک بھی ہے؟ تو اسکے لیے کوئی ٹھوس اور واضح دلیل چاہیے جو ہو نہیں سکتی۔ تو پھر خواہ مخواہ بلا دلیل اسکے لیے شریک ماننا کتنی بڑی حماقت اور

کس قدر ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۷۱ **معبودانِ من دون اللہ محض من گھڑت نام ہیں اور بس:**- سو یوسفؑ نے ان سے فرمایا تمہارے خودساختہ معبود محض نام ہیں جن کو تم نے خود گھڑا ہے۔ کہ اس کے سوا ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ جو کہ کہیں ''عزّیٰ'' ہیں اور کہیں ''اساف'' و ''نائلہ''۔ کہیں فلانی دیوی اور فلاں دیوتا۔ اور کہیں ''کانواں والی سرکار'' اور ''بلیوں والی سرکار'' وغیرہ وغیرہ۔ سو ان سب کی ان خودساختہ ناموں کے سوا اور کوئی اصل اور حقیقت نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو ان خودساختہ معبودوں کی نہ کوئی اصل ہے نہ حقیقت سوائے اوہام وخرافات کی پیروی اور ظن وگمان پر مبنی ڈھکوسلوں کے۔ حالانکہ عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا تقاضا یہی ہے کہ معبودِ برحق ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ جیسا کہ وحیِ خداوندی اور کلامِ حق میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ (النجم:۲۳)۔ یعنی یہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر محض ظن اور گمان کی اور ان چیزوں کی جو ان کے نفس چاہتے ہیں اب کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے

۷۲ **فرمانروائی کا حق اللہ ہی کیلئے ہے:**- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ حکم اور فرمانروائی نہیں مگر صرف اللہ کیلئے پس حاکمِ حقیقی اور معبودِ برحق وہی اور صرف وہی ہے کہ خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ یہ کائنات ساری اسی کی ہے اور اس میں حکومت وفرمانروائی اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ اور عبادت وبندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ اس میں کسی کو بھی اس کا شریک ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم اور ایک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو توحید خداوندی عقل ونقل اور فطرتِ سلیم ومستقیم سب کا تقاضا ہے۔ اگر ایک غلام کو یہ کہا جائے کہ وہ ایک وقت میں ایک ہی آقا کی غلامی چاہتا ہے یا کئی اور مختلف آقاؤں کی؟ تو وہ یقیناً اور یکدم یہی کہے گا کہ ایک ہی آقا کی۔ کہ یہ اسکی عقل وفطرت کی پکار ہے۔ تو پھر مختلف اور خودساختہ آقاؤں کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں از خود ڈالنا اور مختلف خودساختہ خداؤں کی خدائی کو اپنے سروں پر خود مسلط کرنا آخر کہاں کی دانشمندی ہے؟ بہرکیف ایک ہی خدا کو پکارنا جو کہ معبودِ برحق ہے اور عبادت وبندگی کی ہر قسم اسی کے لیے بجالانا ہی سیدھا راستہ اور دینِ فطرت ہے۔ اسکے سوا ہر طریقہ ٹیڑھا اور حق وہدایت سے ہٹا ہوا ہے۔ اور بیماریوں کی بیماری اور فتنہ وفساد کی جڑ بنیاد ہے۔ جس کا نتیجہ وانجام سراسر محرومی اور ہلاکت وتباہی ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَال۔

۷۳ **اکثر لوگ علم سے محروم اور بے بہرہ:**- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ سو وہ جانتے نہیں کہ حق اور حقیقت کیا ہے اور باطل وبناوٹ کیا؟ اور اسی وجہ سے وہ طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور انہوں نے خالق اور مخلوق کے درمیان قسما قسم کے واسطے اور وسیلے از خود کھڑے کر رکھے ہیں۔ سو بیماریوں کی بیماری اور سب فساد وخرابی کی اصل اور جڑ بنیاد جہالت وبے خبری ہی ہے۔ حق و حقیقت کے بارے میں لوگوں کی غالب اکثریت ایسی ہی ہے جو صرف مادہ ومعدہ کے تقاضوں کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے اور وہ حق اور حقیقت کو سمجھنے اور اس کو اپنانے کی فکر ہی نہیں کرتے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ ﴿یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾۔ (الروم:۷)۔ سو علم یعنی حق اور حقیقت کا علم وہ نور ہے جو انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کی راہیں روشن کرتا ہے۔ اور اسکے بغیر انسان اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے۔ پس علم سے مراد وحی اور دین کا علم ہے۔ اس سے سرفرازی سعادتِ دارین کی سرفرازی ہے اور اس سے محرومی دارین کی سعادت وسرخروئی سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین ثم آمین،

فَيَسْقِي رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَأَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ

(رہا ہو کر) اپنے آقا کو (حسب سابق) شراب پلائے گا، اور جو دوسرا ہے تو اسے (بہر حال) سولی پر چڑھا دیا جائے گا،

الطَّيْرُ مِنْ رَّأْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾

پھر پرندے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے اس کے سر سے، فیصلہ چکا دیا گیا اس معاملے کا جس کے بارے میں تم دونوں

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ

مجھ سے پوچھ رہے تھے ۴۴ اور ان دونوں میں سے اس شخص سے جس کے بارے میں یوسف نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ رہا ہو

فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ

جائے گا، یہ کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر بھی کر دینا ۴۵ مگر شیطان نے اس کو اپنے آقا سے یوسف کا ذکر کرنا ایسا بھلا یا

۴۴ حسنِ ادب اور لطفِ تخاطب کا ایک عمدہ نمونہ: حسنِ ادب اور لطفِ تخاطب ملاحظہ ہو کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا انجام جدا اور واضح ہونے کے باوجود ان کو صراحت کے ساتھ یوں نہیں فرمایا کہ تم رہا ہوؤ گے اور تم کو پھانسی دی جائے گی۔ بلکہ عموم کے صیغے کے ساتھ فرماتے ہیں کہ تم میں سے ایک کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا اور ایک کے ساتھ یہ۔ تا کہ دلشکن بات کو صراحت کے ساتھ اپنی زبان پر بھی نہ لائیں۔ کیونکہ مومن کی شان تبشیر وتیسیر ہے نہ کہ تنفیر اور تندخوئی وترشروئی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف حضرتِ یوسف دعوتِ حق سے جب فارغ ہوئے تو حسبِ وعدہ ان دونوں کو خواب کی تعبیر بتلادی۔

۴۵ رہا ہونے والے ساتھی سے حضرتِ یوسف کا ایک مطالبہ: کہ اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر بھی کر دینا۔ جیسا کہ تم نے مجھے یہاں دیکھا اور جو کچھ میرے بارے میں سنا۔ شاید کہ اس طرح وہ میرے بارے میں غور کرے اور عدل و انصاف سے کام لے۔ اور اس طرح میرے لئے جیل سے باہر نکلنے کی سبیل پیدا ہو سکے۔ مگر حضرتِ یوسف کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ کہ اللہ پاک یہ نہیں چاہتا کہ اسکے اور اسکے ایسے پاکیزہ بندوں کے درمیان کوئی واسطہ حائل ہو، خواہ وہ جائز اور صحیح واسطہ ہی کیوں نہ ہو۔ سو کسی جائز مقصد کے لیے حدود وقیود کے اندر رہتے ہوئے تدابیر ووسائل کا اختیار کرنا نہ منع ہے اور نہ توکل اور اعتماد علی اللہ کے خلاف ہے۔ مگر حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کی عظمتِ شان اور رفعتِ مقام کے تقاضے الگ ہوتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا یہی ہوا کہ حضرتِ یوسف ابھی مزید کچھ اور سال جیل کے اندر گزاریں۔ سو رہائی پانے والا وہ شخص حضرتِ یوسف کا ذکر اپنے مالک سے کرنا بھول گیا۔ اور اسکے اس نسیان کو شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا کہ نیکی کے کسی کام سے غافل کرنا شیطان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اپنے مقاصد کے لیے تدابیر ووسائل کا اختیار کرنا تو انسان کا کام ہے لیکن ان کا مفید و مؤثر ہونا اور ان کا کام دینا اللہ تعالیٰ ہی کی تقدیر اور اسکی مشیت اور حکمت پر موقوف و منحصر ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ ؏ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ ع۵ ۷/۱۵

کہ یوسف کو مزید کئی سال جیل میں رہنا پڑا و۶ ادھر (ایک روز) بادشاہ نے (اپنے درباریوں سے) کہا کہ میں خواب میں

سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ

دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی، جن کو کھا رہی ہیں سات دبلی گائیں، اور سات بالیں ہیں ہری بھری، اور دوسری

وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ

(سات) سوکھی (سڑی،) درباروالو! مجھے تعبیر بتاؤ میرے اس (پریشان کن) خواب کی، اگر تم خوابوں کی تعبیر جانتے ہو،

كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ج وَمَا

انہوں نے کہا (سرکار عالی مقام گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ) یہ تو یونہی پریشان خیالات ہیں، اور ہم

نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا

ایسے پریشان خیالات کی کوئی تعبیر نہیں بتا سکتے و۷ اور ان دو قیدیوں میں سے جو رہا ہو گیا تھا، اور اسے ایک مدت کے بعد

مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ

(یوسف کی وہ بات بھی) یاد آ گئی، اس نے کہا (فکر نہ کرو) میں آپ حضرات کو اس کی تعبیر بتا سکتا ہوں، پس آپ مجھے

فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ

بھیج دو (یوسف کے پاس جیل میں،) (چنانچہ اجازت ملنے پر اس نے قید خانے میں پہنچ کر کہا) اے یوسف سراپا صدق و۸ (ازراہِ کرم

سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ

وعنایت) ہمیں تعبیر بتا دیجئے اس خواب کی کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو کھا رہی ہیں سات دبلی گائیں، اور سات بالیں ہیں ہری

سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ

بھری، اور دوسری (سات) سوکھی (سڑی، جوان پر لپٹی چڑھی ہیں،) تاکہ میں ان لوگوں کے پاس واپس جا کر (ان کو بتا سکوں)،

لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا ج

تا کہ وہ جان لیں ۷۹؎ یوسف نے (تعبیر کے ساتھ تدبیر بھی بتا دی اور) فرمایا ۸۰؎ تم لوگ لگا تار سات برس تک کھیتی باڑی کرتے رہو گے،

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا

اس دوران جو فصل تم کاٹو تو اس کو اس کی بالوں ہی میں رہنے دینا، سوائے اس تھوڑے سے حصے کے، جو تم کو کھانے کے لئے درکار ہو ۸۱؎

۷۶ ﴿بضع سنین﴾ سے مراد؟ :۔ ''بضع'' کا اطلاق تین سے لے کر نو تک کے عدد پر ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ تر اس کا اطلاق سات پر ہوتا ہے۔ اور اکثر کے نزدیک یہاں پر یہی مراد ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ حضراتِ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت یوسف نے حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی بجائے اس کی مخلوق پر تکیہ کیا تو اس لئے ان کو اتنا عرصہ مزید جیل میں رہنا پڑا۔ (القرطبی، الصفوۃ وغیرہ)۔ حالانکہ حضرتِ یوسف -علیہ السلام- کا یہ عمل و ارشاد صرف ظاہری سبب اور وسیلہ کے درجے میں تھا۔ جو کہ ایک جائز اور مشروع امر ہے۔ مگر آپ کی شانِ رفیع اور مقامِ عالی کی بناء پر اس پر بھی آپؑ کی گرفت ہوئی۔ تو پھر کیا خیال ہے آپ کا ان لوگوں کے بارے میں جو کہ اٹھتے بیٹھتے اللہ کی بجائے اس کی کسی مخلوق ہی کو پکارتے ہیں اور وہ ایمان و اسلام کا دعوٰی کرنے کے باوجود صاف اور صریح طور پر کہتے ہیں کہ ہمارا کام تو انہی ہستیوں اور سرکاروں سے بنتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۷۷ ﴿اضغاث﴾ کا معنٰی و مفہوم؟ :۔ ''اَضغاث'' جمع ہے ''ضغث'' کی۔ جس کے معنی اس گٹھڑ کے آتے ہیں جس میں سوکھی اور گیلی ہر طرح کی لکڑیاں جمع ہوں۔ یہیں سے یہ لفظ بے حقیقت باتوں اور خوابہائے پریشان کے بارے میں استعمال ہونے لگا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ یہ یونہی پریشان خیالات ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس لیے ان کی کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ اور ہم لوگ جو امورِ سلطنت کو سمجھنے سنبھالنے میں تجربہ اور مہارت رکھتے ہیں، ایسی خوابہائے پریشان کی کوئی تعبیر نہیں بتا سکتے۔ کیونکہ اس طرح کے پریشان خیالات کی کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ ایسے خیالات یونہی آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس لیے ان کی بناء پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سو اس طرح ان درباری لوگوں نے ایک طرف تو بادشاہ کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کی کہ جہاں پناہ ایسے خوابوں سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ یونہی خوابِ پریشان کی نوعیت کے خیالات ہوتے ہیں جن کی نہ کوئی اصل اور حقیقت ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی کوئی تعبیر دی جا سکتی ہے۔ اور دوسری طرف اس سے انہوں نے اپنا بھرم رکھنے کی بھی کوشش کی کہ ہمارا کام بامعنٰی خوابوں کی تعبیر بتانا ہوتا ہے نہ کہ ایسے خوابہائے پریشان کی۔

۷۸ یوسف سراپا صدق وصفا:۔ سو جیل پہنچنے پر اس نے حضرتِ یوسفؑ کو اس طرح کے معزز وصف سے یاد کیا۔ ''اے یوسفِ سراپا صدق''۔ کیونکہ یہاں پر حضرتِ یوسفؑ کو صادق نہیں، صدیق سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ جو کہ صدق سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جیل کے دوران حضرتِ یوسف کی صداقت شعاری اور عظمتِ کردار سے وہ لوگ اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو صادق کی بجائے صدیق کے وصف سے یاد کیا۔ یعنی ''اے سراپا صدق''، ''اے پیکرِ صداقت''، ''اے صدقِ مجسم''۔ یہاں پر یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اس

شخص نے جب بادشاہ کے دربار میں حضرت یوسف کے بارے میں اس بات کا ذکر کیا اور انہوں نے اسکی بات پر اعتماد کر کے اسکو حضرتِ یوسف سے ملنے کے لیے جیل جانے کی اجازت دے دی اور وہ جیل کے لیے چل پڑا اور وہاں پہنچ کر حضرتِ یوسف سے اس طرح خطاب کیا تو بیچ کے اس سارے سلسلۂ کلام کو حذف کر دیا گیا۔ کہ یہ سب کچھ خود سمجھ میں آنے والا ہے۔ اس لیے اس سب کو قاری اور سامع کے ذہن اور اعتماد پر چھوڑ دیا گیا۔ سواس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآنِ حکیم کا مقصد محض قصہ گوئی اور داستان سرائی نہیں کہ اسکے ہر ہر جزء کو بیان کرے۔ بلکہ اس کا اصل مقصد درسِ عبرت وموعظت ہے۔ اسی کے حساب سے ضروری اور مفید حصوں کو ذکر کیا جاتا ہے اور باقی کو قاری اور سامع کے ذہن پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

۷۹ تعبیر خواب کے اصل مقصد کی وضاحت:۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ اس شخص نے حضرت یوسفؑ کے پاس جا کر ان سے کہا کہ اے یوسفؑ ان خوابوں کے تعبیر بتاؤ تا کہ میں جا کر ان اس سے آگاہ کر سکوں تا کہ وہ لوگ جن لیں، یعنی وہ جان لیں اس خواب کی حقیقت وتعبیر کو بھی اور آپ کے فضل وکمال کو بھی۔ اور اس طرح بادشاہ اور اس کے متعلقین کی پریشانی کا بھی ازالہ ہو اور آپ کے علم وفضل سے آگہی پانے کے بعد آپ کی رہائی کی بھی کوئی صورت نکل آئے۔ سواس میں اس بارے بھی لطیف اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ تو یوں ہی اٹکل کے تیر چلاتے ہیں البتہ آپ جو بتائیں گے وہ علم صحیح کی روشنی پر مبنی ہوگا۔ اور اسی سے ان لوگوں کو علم کی روشنی نصیب ہو سکے گی۔ اسی لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔

۸۰ حضرتِ یوسف کے کمالِ اخلاق کا ایک نمونہ ومثال:۔ سوحضرتِ یوسف کا کمالِ اخلاق یہاں پر بھی ملاحظہ ہو کہ نہ تو آپ نے اس شخص سے کوئی گلہ شکوہ کیا کہ تم کو اتنا عرصہ اپنے مالک سے میرے بارے میں کلمۂ خیر کہنے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ اور اب مطلب پڑنے پر فوراً میرے پاس پہنچ گئے ہو۔ اور نہ ہی ایسی کوئی شرط رکھی کہ پہلے مجھے جیل سے رہا کرو۔ پھر میں اس کی تعبیر بتلاؤں گا وغیرہ وغیرہ۔ اور مزید یہ کہ ان لوگوں نے تو صرف تعبیر پوچھی تھی مگر آپ نے از خود ان کو تدبیر بھی بتلادی۔ تا کہ وہ لوگ اس کے مطابق پیش بندی کر لیں اور آنے والے اس ہولناک قحط کی ضرر رسانیوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کا سامان کر لیں۔ اور یہی شان ہوتی ہے حضراتِ انبیائے کرام۔علیہم الصلوۃ والسلام۔ کی فیض رسانی اور ہمدردی وخیر خواہی کی۔ اللہ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ کہ انسان کی اصل خوبی یہی ہے کہ وہ دوسروں کو نفع پہنچائے۔ وباللہ التوفیق۔

۸۱ حضرت یوسفؑ کی طرف سے ایک تدبیر کی تعلیم وتلقین:۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یوسفؑ نے آنے والے قحط سے نمٹنے کیلئے ایک تدبیر کی تعلیم وتلقین کے طور پر اس شخص سے فرمایا کہ جو کچھ تم کاٹو اس کو تم ان بالیوں ہی میں رہنے دینا تا کہ وہ گھن وغیرہ سے محفوظ رہے اور اتنا عرصہ تمہیں کام دے سکے کہ خوشے کے چھلکے کے اندر گھن نہیں لگ سکتا۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے قدرت کی مصنوعات ومخلوقات کی حکمتوں اور حیرت انگیزیوں کے کہ اس کی ہر چیز بے مثال ہے۔ جب غلہ تیار ہوتا ہے تو ایک ایک کھیت میں کتنے ہی لاتعداد وبے شمار دانے ہوتے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک دانے پر قدرت کی طرف سے ایسے پُرحکمت طریقے سے ایک غلاف چڑھا دیا جاتا ہے جو اسکو اس طرح کے مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے جسکی کوئی نظیر ومثال دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت بھی اپنی ترقی کے تمام تر اور بلند بانگ دعووں کے باوجود نہیں پیش کر سکتی۔ بلکہ دنیا کی تمام حکومتیں اپنے تمام تر وسائل کو یکجا کر کے اور اجتماعی کوشش سے بھی اس کا کوئی نمونہ یا مثال پیش نہیں کر سکتیں۔ سُبحَانَ اللّٰهِ مِنْ خَالِقٍ عَظِيْمٍ جَلِيْلٍ۔ سوکس قدر ظالم اور بے انصاف ہے وہ انسان جو اس خالق ومالک ربِ رحمٰن ورحیم اور وہاب وکریم سے منہ موڑے اور غفلت برتے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر وہ اس ظلم وبے انصافی کا ارتکاب کرے کہ وہ اس کو چھوڑ کر اوروں کے آگے جھکے۔ سجدہ ریز ہو اور ان کو حاجت روا مشکل کشا جان کر پوجے پکارے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ خُذْنَا بِنَوَاصِيْنَا اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ بكل حال من الاحوال وفى كل موطن من المواطن فى الحياة يا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ

پھر اس کے بعد سات برس ایسے سختی (اور قحط) کے آئیں گے، جو کھا جائیں گے اس سب غلے کو جو کہ تم نے ان کے لئے جمع کر رکھا

يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾

ہوگا و۸۲ سوائے اس تھوڑے سے حصے کے، جو کہ تم لوگوں نے محفوظ کر رکھا ہوگا و۸۳ پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا کہ اس میں ان لوگوں

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ

کے لئے خوب بارش برسے گی، اور اس میں یہ لوگ خوب رس نچوڑیں گے و۸۴ اور بادشاہ نے (یہ تعبیر سنتے ہی) کہا کہ اس شخص کو

فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ ع وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ج فَلَمَّا ع ۷ ۱۶

(فوراً) میرے پاس لے آؤ، مگر جب اس کا قاصد یوسف کے پاس پہنچا، تو آپ نے فرمایا کہ تم واپس جاؤ اپنے مالک کے پاس،

جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ

اور اس سے پوچھو کہ کیا معاملہ ہے ان عورتوں کا جنہوں نے کاٹ ڈالا تھا اپنے ہاتھوں کو، (تاکہ لوگوں کے سامنے اصل حقیقت کھل جائے

النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ط اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ

ورنہ) میرا رب تو یقیناً ان کی مکاری کو خوب جانتا ہے و۸۵ (اس پر) بادشاہ نے (ان عورتوں سے دریافت کرنے کے لئے) کہا کہ کیا

عَلِيْمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ط

معاملہ ہے تمہارا اے (ہماری اعلیٰ سوسائٹی کی) عورتو! و۸۶ جب کہ تم نے یوسف کو پھسلانے کی کوشش کی تھی، اس پر ان سب نے (یک

۸۲ سالوں کے جمع شدہ غلہ کھا جانے کا مطلب: ۔ یہ اسنادِ مجازی ہے۔ یعنی قحط کے ان سات سالوں میں تم اپنا وہ سب غلہ کھا لو گے جو تم نے اس سے پہلے جمع کر رکھا ہوگا۔ کیونکہ سال کوئی ایسی چیز نہیں جو غلہ کھا سکے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس دوران انسان اور جانور وہ جمع شدہ غلہ کھا لیں گے۔ (معارف القرآن وغیرہ)۔ سو اس سے خواب کے دوسرے حصے کی تعبیر بتائی گئی کہ سات متواتر سال نہایت قحط کے آئیں گے جو اس سارے ذخیرے کو چٹ کر جائیں گے جو تم نے ان کے لیے جمع کیا ہوگا بجز ایک تھوڑے سے حصے کے۔ کہ وہ محفوظ رہیگا اور مشکل دقت میں تم لوگوں کو کام آئیگا۔

۸۳ قحط کے زمانہ میں کام آنے والے غلے کے استثناء کا ذکر و بیان: ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ قحط کے وہ سات سال اس تمام غلے کو چٹ کر جائینگے جو تم نے ان کیلئے جمع کیا ہوگا اپنی ضرورتوں اور بیج وغیرہ کے لئے۔ سو سات موٹی تازہ گایوں اور ہری بھری بالوں سے مراد خوشحالی کے یہ سات سال ہیں۔ اور سات دبلی پتلی گایوں لئے۔ سو سات موٹی تازہ گایوں اور

اور سوکھی سڑی بالوں سے مراد قحط وخشک سالی کے یہی سات سال ہیں۔ اور حضرت یوسفؑ نے یہ سب کچھ وحیِ خداوندی ہی سے ان کو بتایا۔ (المراغی، المحاسن، الکشاف، المنار وغیرہ)۔ اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی اساس وحیِ خداوندی پر ہو اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی ہے اور نہ کسی کا کوئی خدشہ وامکان۔ اور پیغمبر جو کہتے ہیں نورِ وحی کی بنیاد ہی پر کہتے ہیں۔ اسلئے ان کے ہر قول وارشاد کی حیثیت سب سے بالکل مختلف اور الگ نوعیت کی ہوتی ہے

۸۴ قحط سالی کے بعد خوشحالی کے سال کی خوشخبری: ۔ کہ قحط سالی کے ان سات سالوں کے بعد خیر وبرکت اور خوشحالی کا ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور اس میں لوگ خوب رس نچوڑیں گے۔ انگور اور زیتون وغیرہ کے رس جو وہ لوگ نچوڑا کرتے تھے۔ نیز دودھ دینے والے جانوروں کے دودھ بھی جو کہ بارش کے اس سال کے دوران بڑھ جائیں گے۔ یہ خواب کی تعبیر کا حصہ نہیں تھا بلکہ آپ نے اس پر زیادتی کے طور پر ازراہِ کرم وعنایت، اللہ پاک کے اِلقاء والہام سے ان لوگوں کو از خود بتا دیا۔ تاکہ اس طرح یہ ان کیلئے امن واطمینان اور خوشی کا پیغام ہو جائے کہ یہ بھی ایک بڑی نیکی ہے کہ کسی مغموم انسان کیلئے خوشی ومسرت کا سامان کیا جائے۔ جیسا کہ حضرتِ نبیٔ معصوم۔ علیہ الصلوۃ والسلام۔ سے صحیح حدیث میں ثابت و وارد ہے کہ مومن کیلئے خوشی کا سامان کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ وانہ علی کل شیءٍ قدیر وھو الھادی الی سواء السبیل

۸۵ حضرتِ یوسف کے مکارمِ اخلاق کا ایک اور نمونہ: ۔ کہ آپ نے بادشاہ کی دعوت کو فوراً قبول کرنے کی بجائے قاصد سے کہا کہ تم واپس جا کر اپنے مالک سے کہو کہ وہ ان عورتوں کے بارے میں اصل حقیقت واضح کرے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے تاکہ اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے۔ اور میری بیگناہی ثابت ہو جائے کہ راہِ حق کے راہی اور پیغامِ حق کے مبلغ وداعی کا دامن ہر طرح کے داغ دھبے سے پاک وصاف ہونا ضروری ہے۔ فَاِیَّاکَ نَسْأَلُ اللّٰھُمَّ التَّوْفِیْقَ لِذٰلِکَ وَالثَّبَاتَ عَلَیْہِ۔ بہرکیف حضرتِ یوسف نے اپنی اس پوزیشن کو واضح کرنے کیلئے بادشاہ کے قاصدوں کو یوں ارشاد فرمایا کہ جا کر ان عورتوں کے بارے میں پتہ کرو کہ ان کا کیا حال تھا کہ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ سو یہاں بھی حضرتِ یوسف کے مکارمِ اخلاق کا ایک اور نمونہ سامنے آتا ہے کہ آپ نے اس موقع پر ان عورتوں کا نام لیا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ مگر عزیزِ مصر کی بیوی کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ حالانکہ اس پورے قصے اور فتنے میں اصل کردار اسی کا تھا۔ اور یہ اس لیے کہ آپ نے کچھ عرصہ اسکے یہاں کھایا پیا تھا اور پرورش پائی تھی۔ اس لیے اسکے اس احسان کی بناء پر اس کا نام نہیں لیا۔ (معارف القرآن وغیرہ)۔ وباللہ التوفیق لما یرید ویحب وعلی مایحب ویرید

۸۶ بادشاہ کا عورتوں سے صیغۂ جمع کے ساتھ خطاب: ۔ اگرچہ اصل بنیاد اسمیں عزیزِ مصر کی اپنی بیوی تھی لیکن دوسری بیگمات بھی اس قصے میں کسی نہ کسی طور پر اور کسی نہ کسی حد تک ضرور شریک اور ملوث تھیں۔ اس لئے سوال میں ان کو بھی شامل کیا گیا اور ﴿خطبکن﴾ کے صیغۂ جمع سے ان کو مخاطب کیا گیا۔ اور ان سے پوچھا گیا کہ یوسف کو پھسلانے ورغلانے کے سلسلہ میں تمہارا کیا معاملہ تھا؟ یہاں پر بھی قرینے کی بناء پر کلام کا اتنا حصہ محذوف ہے کہ حضرتِ یوسف کی طرف سے اس ہدایت کے بعد قاصد نے واپس جا کر بادشاہ کو حضرتِ یوسف کا یہ پیغام پہنچایا۔ اس پر بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو بلوا کر ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا ماجرا ہے جب تم نے یوسف کو پھسلانے کی کوشش کی؟ یعنی اصل حقیقت کیا ہے؟

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ

(زبان ہوکر) کہا حاشا اللہ، ہم نے تو اس میں برائی کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا ۸۷ اس موقع پر عزیز کی بیوی بول اٹھی کہ اب تو حق پوری

الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ

طرح کھل چکا ہے ۸۸ (امر واقع یہ ہے کہ) میں نے ہی اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی ۸۹ ورنہ وہ قطعی طور پر (اور ہر لحاظ سے) سچا ہے ۹۰

وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ۵۱ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ

(یوسف نے کہا) یہ سب کچھ (میں نے) اس لئے کیا کہ تا کہ وہ (عزیز) جان لے کہ میں نے اس سے کوئی خیانت (و بددیانتی) نہیں

بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝ ۵۲

کی اس کی غیر موجودگی میں، اور تا کہ (واضح ہو جائے یہ حقیقت کہ) اللہ چلنے نہیں دیتا خیانت کرنے والوں کی فریب کاریوں کو، ۹۱

۸۷ **حضرت یوسف کی عفت و پاکدامنی کا اعلان و اقرار:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر ان سب عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ اللہ کی پناہ اسکے اندر ہم نے برائی کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا سو اس طرح ان سب نے اس امر کی تصریح کر دی کہ یوسف نے کوئی جرم نہیں کیا یعنی معاذ اللہ یوسف نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا۔ ان کا دامن ایسے ہر داغ دھبے سے پاک اور صاف ہے۔ سو یہ ایک بڑا شرف اور اعزاز ہے کہ مدعی خود اپنے جھوٹا ہونے کا اور ملزم کے پاک اور بری ہونے کا اقرار و اعتراف کرے۔ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ ۔ كَمَا قَالَ بِهِ الزَّمَخْشَرِی ۔ بادشاہ کے سوال کے الفاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس مرحلے پر اسکے سامنے اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو گئی تھی کہ یہ سارا چھل فریب اصل میں ان عورتوں ہی کا تھا۔ یوسف کا اس معاملے میں کوئی قصور نہیں تھا۔ اگر بادشاہ کے سامنے یہ حقیقت واضح نہ ہو چکی ہوتی تو اس کے سوال کا انداز اس سے مختلف ہوتا اور وہ ان سے اسکی بجائے اس طرح پوچھتا کہ وہ کیا واقعہ ہے جو یوسف کے ساتھ تمہیں پیش آیا ہے؟ مگر اس نے اس موقع پر ایسی کوئی بات نہیں کہی۔

۸۸ **عزیز مصر کی بیوی کا اقرار جرم:۔** کیونکہ اب اسکے پاس اسکے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں رہ گیا تھا کہ حق اور سچ اب پوری طرح صاف اور واضح ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے صاف اور صریح طور پر حضرت یوسف کی براءت و بے قصوری اور اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ دراصل سچائی اپنے ظہور کے لیے صبر کا مطالبہ کرتی ہے۔ جب اللہ کا کوئی بندہ اس کو اختیار کر لیتا ہے اور اس صبر و برداشت اور استقلال و استقامت سے کام لیتا ہے جو کہ اس کے لیے مطلوب ہوتا ہے اور اس کا حق صحیح طور پر اور پوری طرح ادا کر دیتا ہے تو یقیناً اور لازماً وہ وقت آتا ہے کہ جب اسکی صداقت کی صدائے بازگشت در و دیوار سے سنائی دینے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اسکے دشمن بھی اسکی صداقت و سچائی کی گواہی دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور ان کیلئے بھی اسکی تصدیق کے سوا کوئی صورت ممکن نہیں رہتی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔ فعلیہ نتوکل وبہ نستعین

۸۹ **حق اور سچ ظاہر ہو کر رہتا ہے:۔** سو عزیز مصر کی بیوی نے صاف اور صریح طور پر کہا کہ اب حق پوری طرح واضح ہو چکا ہے۔ یعنی یہ کہ سب قصور اور جرم میرا تھا۔ یوسف اس سے بہر حال بری اور بے قصور ہیں۔ سو جب انسان کا اپنا دامن

پاک اور باطن صاف ہو اور پائے اِستقلال و اِستقامت میں لغزش نہ آئے تو آخرِ کار اسکی صداقت اس طرح نکھر کر اور واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق اور ہدایت پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔ پس حق اور سچ کی اپنی قوت ہے۔ وہ اپنے وقت پر پوری طرح واضح ہو کر رہتا ہے۔ مگر اس کے لیے ایک خاص حد تک صبر و برداشت اور اِستقلال و اِستقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر والے حاشیے میں بھی گزر چکا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۹۰ یوسف ہر لحاظ سے سچے: ۔ اِس اِلزام میں جو اس نے اس پر لگایا ہے۔ سو یہ ہے سچائی کا نتیجہ اور صبر کا پھل جو آج حضرتِ یوسف کو سب کے سامنے اس طرح مل رہا ہے۔ فَصَدَقَ اللّٰهُ الْقَائِلُ ۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ﴾ سو صدق و سچائی میں نجات ہے اور کذب بیانی و دروغ گوئی میں ہلاکت ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ بہر کیف حضرتِ یوسف کے عظیم الشان صبر نے حالات کا رخ اس طرح پلٹ دیا تھا کہ اب کسی کے لیے اس کا کوئی اِمکان باقی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ ان کے خلاف کچھ کہہ سکے۔ سو ان عورتوں نے بھی اس موقعہ پر صاف و صریح طور پر حق کا اقرار کیا اور تاکیدی اَلفاظ و کلمات میں حضرتِ یوسف کی نزاہت و براءت کا اعلان کیا اور کہا کہ ہم نے اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا لیکن ان پر برائی کا کوئی نقش نہیں پایا۔ اور خود عزیز کی بیوی جس نے یہ سارا فتنہ اٹھایا تھا وہ اعترافِ حق میں ان عورتوں سے بھی آگے نکل گئی اور اس نے کہا کہ حق پوری طرح آشکارا ہو گیا ہے۔ اب اسکو چھپانے سے کیا فائدہ؟ میں نے ہی اسکو پھسلانے اور پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ مگر یہ بچ نکلا اور بالکل محفوظ رہا۔ بلاشبہ یہ سچوں اور راست باز لوگوں میں سے ہے۔ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام۔

۹۱ خیانت کاری چلنے والی چیز نہیں: ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حرف ان کی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ خیانت کاروں کی فریب کاریوں کو نہیں چلنے دیتا جس طرح کہ یہاں عزیز مصر کی بیوی کی فریب کاری نہیں چل سکی اور اس کے برعکس مجھے یہ عزت بخشی گئی۔ سو ابتلاء و آزمائش کے مراحل تو پیش آتے ہیں لیکن آخرِ کار کامیابی بہر حال حق اور سچ ہی کی ہوتی ہے بشرطیکہ بندے کا دامن پاک ہو اور وہ راہِ حق پر استقلال و استقامت سے کام لے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و ہو الہادی الی سواء السبیل۔ سو اپنا دامن بے داغ ثابت ہو جانے کے بعد حضرتِ یوسف نے اسکی وجہ بھی بیان کر دی کہ انہوں نے اس قصے کو ازسرِ نو چھیڑنا کیوں ضروری سمجھا۔ سو فرمایا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ بادشاہ کے سامنے یہ حقیقت اچھی اور پوری طرح واضح ہو جائے کہ مجھے بالکل بے گناہ جیل میں ڈالا گیا تھا۔ میں نے عزیز کے ساتھ اسکی پیٹھ پیچھے کوئی خیانت نہیں کی تھی۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت اور بددیانتی کرنے والوں کی چالوں کو کامیاب اور بامراد نہیں ہونے دیتا۔ سو خیانت بڑی بری چیز ہے، اسی لئے صحیح حدیث میں اسکو منافق کی علامت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ صحیحین کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی نشانیاں تین ہیں، کہ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جاتی ہے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے سو خیانت منافق کی صفت اور اسکی علامت ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال

اللھم اھدنا لاحسن الاخلاق ولا یھدی لاحسنھا الا انت واصرفنا عن سیئھا ولا یصرف عن سیئھا الا انت بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر

❁ ❁ ❁

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ

اور میں براءت نہیں کرتا اپنے نفس کی، کہ یقیناً نفس کا تو کام ہی ہمیشہ برائی پر اکسانا ہے، ؁۹۲

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ

مگر جس پر رحم فرمادے میرا رب، بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے ؁۹۳ (یہ سن کر)

الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ

بادشاہ نے کہا کہ ان کو میرے پاس لے آؤ، تاکہ میں ان کو خالص اپنے لئے (مقرر) کرلوں ؁۹۴ پھر جب بادشاہ نے

قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ

آپ سے بات چیت کی ؁۹۵ تو اس نے کہا کہ اب آپ ہمارے یہاں بڑے معزز اور معتمد ہیں، (پھر جب

اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾

اس متوقع قحط سے نمٹنے کی بات چلی) تو یوسف نے کہا آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر (و مامور) کرلیں، میں پوری پوری

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا

حفاظت بھی کروں گا اور میں پوری واقفیت بھی رکھتا ہوں ؁۹۶ (اس پر اس نے آپ کو پورے اختیارات سونپ دیئے)

۹۲ پیغمبر کی شانِ عبدیت کا ایک نمونہ ومظہر: ۔سو یہ پیغمبر کی شانِ عبدیت کا ایک نمونہ ومظہر ہے کہ آپ اپنی پاکیزگی کے دعوے سے اس طرح اظہار براءت کرتے ہیں۔ سو یہ ہے شانِ نبوت کا تقاضا اور اس کا امتیاز کہ اپنے آپ سے خیانت کی نفی کرتے ہی یہ خیال آ گیا کہ اس میں اپنی بڑائی اور پاکیزگی کا بول پایا جاتا ہے۔ اس لئے فوراً اسکے تدارک کے لئے متوجہ ہوگئے کہ اپنی پاکیزگی اور بڑائی کا دعوی اللہ کو پسند نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی﴾ یعنی ''تم لوگ اپنی پاکیزگی اور بڑائی کے دعوے مت کرو۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ کون ہے پاکیزہ'' ۔سبحانہ وتعالیٰ۔

۹۳ بچے گا وہی جس کو اللہ بچائے: ۔سو نفس وشیطان کی شرارتوں سے وہی بچ سکے گا جس پر اللہ رحم فرمائے۔ اور وہ اپنے کرم سے اسے بچالے کہ وہی بچانے والا ہے۔ ورنہ اس کے کرم کے بغیر کوئی بھی نفس وشیطان کے شرور اور ان کی ہلاکت خیزیوں سے نہیں بچ سکتا۔ فَاِيَّاکَ نَسْاَلُ اللّٰهُمَّ اَنْ تُعِيْذَنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَاَنْ تَاْخُذَنَا بِنَوَاصِيْنَآ اِلٰى مَا فِيْهِ صَلَاحُ دُنْيَانَا وَفَوْزُ عُقْبَانَا۔ فَاِنَّکَ اَنْتَ مَوْلَانَا يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ ۔يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام۔ بہرکیف یہ ہے حضراتِ انبیائے کرام کی شانِ عبدیت وتواضع کہ ہر حال میں اور

ہر موقعہ پر اللہ ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے اسکی رحمت وعنایت کا سوال کرتے ہیں۔ علیہم الصلوۃ والسلام۔

۹۴ آزمائشوں کے بعد عنایات کے دور کا آغاز: - سو یہاں سے حضرتِ یوسف پر آزمائشوں کے بعد عنایات کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ بادشاہ نے ان کو اپنے لیے چن لیا کہ بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر عمدہ اور نفیس چیز کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے ہیں۔ اور گوہر شناسی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسے گوہر کو فوراً اپنایا جائے۔ اور جوہرِ تابدار کا حق بھی یہی ہے کہ وہ تاجِ شاہی میں سجے۔ اس لیے بادشاہ کو جب حضرتِ یوسف کی شخصیت اور آپ کے کمالات کے بارے میں علم ہوا تو اس نے فوراً آپ کیلئے بلاوا بھیجا۔ بہر کیف حضرتِ یوسف کی ابتلاء وآزمائش کا دور اب ختم ہو گیا اور اب عنایات ونوازشات کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ بادشاہ حضرتِ یوسف کے ان گونا گوں کمالات کی بناء پر آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ اس لیے اس نے کہا کہ ان کو میرے پاس لے آؤ تاکہ میں ان کو اپنے لیے چن کر اپنا خاص معتمد بنا لوں۔ اور شخصی حکومتوں میں جہاں سارے اختیارات کا مرکز بادشاہ کی ذات ہوتی ہے وہاں پر بادشاہ کا کسی کو اپنا معتمدِ خاص بنا لینا اور وہ بھی اس عقیدت اور گرویدگی کے ساتھ جو حضرتِ یوسف کے بارے میں اس بادشاہ کی دل میں پیدا ہو گئی تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا بادشاہ نے اپنے اختیار اور اقتدار کی پوری باگ ڈور حضرتِ یوسف کے حوالے کر دینے کا اعلان کر دیا۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۹۵ حسنِ تخاطب سے شخصیت کا اندازہ و اظہار: - سو ملاقات اور باہمی گفتگو پر بادشاہ حضرتِ یوسف کا اور بھی زیادہ گرویدہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ باہمی تخاطب اور گفتگو ایسی چیز ہے کہ اس سے آدمی کی شخصیت اور اس کے مرتبہ ومقام کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور گوہر شناس نظریں اس سے اپنے گوہرِ مطلوب کو پہچان لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے لطف کرم سے حسنِ تخاطب اور سلیقۂ گفتگو نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ بہر کیف ملاقات اور باہمی گفتگو سے حضرتِ یوسف سے بادشاہ کی گرویدگی میں اور اضافہ ہو گیا اور اس نے آنجناب سے صاف اور واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اب آپ ہماری حکومت میں ایک بااقتدار اور معتمد شخصیت ہیں۔ اس طرح بادشاہ نے حضرتِ یوسف کو اپنی حکومت میں بڑے سے بڑے منصب کی پیشکش کر دی اور معاملہ حضرتِ یوسف پر چھوڑ دیا کہ آپ اسکو کس صورت میں قبول کرتے ہیں۔ علیہ الصلوۃ والسلام۔

۹۶ اِصلاحِ نظام اور خدمتِ خلق کیلئے منصب کا مطالبہ: - کہ آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں۔ تاکہ اس طرح مجھے نظامِ کار کی اِصلاح اور خدمتِ خلق کا موقع مل سکے۔ سو یہ کوئی اپنی نوکری کا مطالبہ نہیں تھا جو حضرتِ یوسفؑ نے اپنی شخصی منفعت کے لئے جھٹ کر دیا ہو کہ نظامِ کفر میں ایک کل پرزے کی طرح کام کرنا تو نبی کی شان ہی نہیں۔ بلکہ یہ مطالبہ دراصل اِصلاحِ اَحوال اور خدمتِ خلق کے جذبے کے تحت تھا۔ تاکہ اس طرح کارِ سلطنت میں شریک اور دخیل بن کر اور ضروری اختیارات حاصل کر کے آپ اس نظامِ کفر کی حتی المقدور اِصلاح کر سکیں۔ لوگوں کی صحیح راہنمائی اور خدمت کا فریضہ انجام دے سکیں تاکہ ان کی بگڑی اس طرح بن جائے۔ اور آپ نے ایسا کر کے دکھا دیا۔ چنانچہ اسکے بعد وہاں کی زندگی کے دھارے بدل دیئے گئے اور ملکی خزانوں پر مامور ہونے کی تخصیص آپ نے اس لئے کی کہ ملکی اِصلاح وفساد اور بناؤ بگاڑ اور عدل وانصاف کا قیام واہتمام اور تعمیر وترقی وغیرہ جملہ اہم امورِ مملکت کا مدار وانحصار بنیادی طور پر اور بڑی حد تک اسی شعبہ پر ہوتا ہے۔ خاص کر اس وقت اور ان حالات میں جبکہ ملک کو ایک بڑی ہولناک قحط سالی سے واسطہ پڑنے والا تھا۔ اس لئے آپ نے خدمتِ خلق اور اصلاحِ احوال کے جذبے کے تحت اس کو اختیار کیا۔

حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ

اور اس طرح ہم نے یوسف کو اقتدار سے نواز دیا اس سرزمین میں ۹۷ اس میں آپ جہاں چاہیں رہیں سہیں، ہم اپنی رحمت

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

(وعنایت) سے نوازتے ہیں جس کو چاہتے ہیں، اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکوکاروں کا ۹۸ اور آخرت کا اجر تو یقینی طور پر

۹۷ اقتدار دینا اور چھیننا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں :۔ یعنی سرزمین مصر میں جو کہ اس دور کی سب سے بڑی ترقی یافتہ اور متمدن سرزمین تھی۔ سو اس سے واضح ہوگیا کہ اقتدار دینا اور چھیننا اللہ پاک ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے۔ ﴿مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾۔ سو بڑے احمق اور بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اس مالک مطلق سے منہ موڑ کر عزت واقتدار اسکی ضعیف مخلوق بلکہ فرضی اور وہمی چیزوں سے مانگتے اور اس کیلئے طرح طرح کی ذلتیں اٹھاتے اور شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾۔ (المنافقون:۸) بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں اقتدار بخشا۔ سو حضرتِ یوسف کو عملاً پورے ملکِ مصر پر وہ تمام اختیار اور اقتدار حاصل ہوگیا جو بادشاہ کو حاصل تھا۔ اور بادشاہ نام کو تو اگرچہ اسکے بعد بھی باقی رہا لیکن عملی طور پر اس نے حکومت کے تمام اختیارات حضرتِ یوسف کو سونپ دیے تھے۔ اس طرح قدرت کی رحمت وعنایت سے حضرتِ یوسف جیل سے نکل کر اپنے دور کے اس بڑے متمدن اور ترقی یافتہ ملک کے اقتدار کے مالک بن گیے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ الذی بیدہ ازمۃ الامور کلھا۔

۹۸ اِحسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا :۔ جن کی نیتیں اور ارادے بھی درست اور پاکیزہ ہوتے ہیں اور ان کے کام بھی صحیح اور درست ہوتے ہیں۔ جو اپنے خالق و مالک کا حقِ احسان و بندگی بھی ادا کرتے ہیں اور اسکے بندوں کا حقِ احسان وخدمت اور نصح وخیرخواہی بھی پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ سو احسان ایک عظیم الشان صفت ہے جس پر انسان کو اپنے خالق و مالک کی عنایات سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس ارشاد سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اختیار اور اقتدار سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ وہ جو چاہے کرے اور جیسے چاہے کرے۔ وہ اگر کسی کو نوازنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ جیل کی کوٹھڑی سے نکال کر ایک قیدی کو تختِ حکومت پر بٹھا دینا اسکی قدرت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور دوسری حقیقت اس سے یہ واضح فرمادی گئی کہ وہ محسنوں یعنی نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ آزمائشیں تو ان کو ضرور پیش آتی ہیں لیکن ان آزمائشوں میں جو راہِ حق وصواب پر پکے اور ثابت قدم رہتے ہیں وہ ان کو ان کے صلہ وبدلہ اور اجر وثواب سے ضرور نوازتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ وعلی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

ع ۷

أٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ

کہیں بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو (دولت) ایمان رکھتے ہیں، اور وہ تقوی (و پرہیزگاری) کی زندگی گزارتے ہیں ۹۹ اور آ پہنچے

فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا

یوسفؑ کے بھائی (قحط پڑنے پر کنعان سے مصر، غلہ لینے کی غرض سے،) پھر وہ حاضر ہوئے آپ کی خدمت میں، تو

جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ

یوسفؑ نے تو ان کو (فوراً) پہچان لیا ۱۰۰ مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے، اور جب آپ نے ان کا سامان تیار کرا دیا، تو ان سے

اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ

فرمایا کہ (آئندہ آتے وقت) تم اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لیتے آنا، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں کس طرح

الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ

پیمانہ بھر کر دیتا ہوں، اور میں کیسا اچھا مہمان نواز ہوں ۱۰۱ اور اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے نہ تو میرے یہاں کوئی

عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

غلہ ہوگا اور نہ ہی تم میرے قریب پھٹکنا ۱۰۲ انہوں نے کہا ہم اس کے بارے میں اس کے باپ سے مطالبہ کریں گے، اور ہم

اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا

یہ کام ضرور کریں گے، ادھر یوسفؑ نے اپنے نوکروں سے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی پونجی (جس کے عوض انہوں نے مال

بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا

حاصل کیا ہے وہ) بھی ان کے سامان میں واپس رکھ دو، تاکہ یہ اس کو پہچان لیں جب کہ یہ لوٹ کر اپنے گھر واپس

اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا

پہنچیں، تاکہ (اس سے متاثر ہو کر) یہ پھر آئیں ۱۰۳ پھر جب وہ واپس اپنے باپ کے پاس پہنچے تو کہنے لگے، ابا جان،

۹۹ آخرت کا اجر و ثواب کہیں بہتر و برتر ہے: یعنی دنیا کی ان نعمتوں سے ان کے سرمایۂ آخرت میں نہ کوئی فرق پڑے گا نہ کمی آئے گی۔ سبحان اللہ۔ کیا دولت ہے یہ ایمان و تقوی کی دولت کہ اس کے ہوتے ہوئے دنیا کی اتنی بڑی عزت اور رفعت شان سے سرفرازی کے باوجود آخرت کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ پس حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کی نعمتوں سے بھی فائدہ

اصل میں وہی حضرات اٹھاتے ہیں جو طالبِ آخرت ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو محض طالبِ دنیا بن کر جیتے ہیں ان کی آخرت تو گئی ہی دنیا میں بھی وہ دل کے سکون وچین اور حقیقی آرام سے محروم رہتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ ۔ فَاٰتِنَا رَبَّنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ بہر کیف اس میں یہ تذکیر ویاددہانی ہے کہ اصل آخرت ہی کی کامیابی اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ اور ان سے سرفرازی کیلئے ایمان وتقویٰ کی دوشرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان کے بغیر وہاں کی ان عظیم الشان نعمتوں سے سرفرازی ممکن نہیں۔ لہٰذا دنیا کی ان عارضی اور فانی نعمتوں پر مست ومگن ہو کر آخرت کو بھول جانا اور وہاں کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دینا بہت بڑا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ سو دنیا بقدرِ ضرورت ہو لیکن اصل مقصود آخرت ہی ہو۔ وباللہ التوفیق۔

۱۰۰ برادرانِ یوسف یوسف کو نہ پہچان سکے: ۔ ایک تو اس لئے کہ یوسفؑ کو تو انہوں نے اپنے طور پر ختم کر دیا تھا۔ اور ان کا خواب وخیال بھی گویا انہوں نے اب بھلا دیا تھا کہ چالیس برس کے لگ بھگ کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اور دوسرے یوں بھی یوسفؑ جو اس وقت چھوٹے بچے تھے اب بڑے ہو کر بہت کچھ بدل چکے ہوں گے۔ جیسا کہ چھوٹی عمر میں عام طور پر ہوتا ہے۔ بخلاف بڑی عمر کے آدمی کے کہ اس کے اندر کوئی خاص اور بنیادی تبدیلی نہیں آتی بلکہ آدمی عموماً ویسے ہی رہتا ہے۔ بہر کیف اس سے اس دور کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ جب سات سال کے بعد مصر اور اسکے آس پاس کے ملک، شام وفلسطین وغیرہ قحط کی لپیٹ میں آچکے تھے۔ یہ قحط اگرچہ مصر میں بھی تھا لیکن حضرتِ یوسف کی پیش بندی اور ان کے حسنِ انتظام کی بدولت مصر نہ صرف یہ کہ اپنی ضروریات پوری کرنے میں کامیاب رہا تھا بلکہ اپنے آس پاس کے ملکوں سے آنے والے ضرورت مندوں کی ضرورتیں بھی ایک خاص حد تک سرکاری ڈپوؤں سے پوری کی جاتی تھیں۔ چنانچہ اسی سلسلے میں برادرانِ یوسف غلہ لینے کے لیے مصر پہنچے تو یہ صورتِ حال پیش آئی تھی جس کا ذکر یہاں فرمایا جا رہا ہے۔

۱۰۱ یوسف کا اپنے بھائی کو لانے کا مطالبہ: ۔ یعنی بنیامین کو۔ جو کہ حضرتِ یوسفؑ کے سگے بھائی تھے۔ روایات میں ہے کہ قحط کے اس دور میں حضرتِ یوسفؑ ہر شخص کو صرف ایک اونٹ کا بوجھ دیتے تھے۔ تو ان لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں دو اونٹوں کا بوجھ اور بھی دیجئے۔ کیونکہ ہمارے گھر میں ہمارے بوڑھے والد بھی ہیں جو کہ ضعف اور کبرسنی کے باعث خود نہیں آسکتے۔ اور ایک ہمارا چھوٹا بھائی بھی ہے جو کہ ان کی خدمت کے لئے وہاں موجود ہے۔ تب حضرتِ یوسفؑ نے ان کو دو بوجھ اور دیئے اور کہا کہ آئندہ اپنے اس بھائی کو بھی ساتھ لیتے آنا۔ (المراغی، الجامع، ابن کثیر وغیرہ)۔

۱۰۲ حضرتِ یوسفؑ کی طرف سے ترغیب کے بعد ترہیب سے کام لینے کا ذکر وبیان: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یوسف نے ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے بھائی کو نہ لانے کی صورت میں میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ کیونکہ اگر تم اپنے اس بھائی کو اپنے ساتھ نہ لائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم جھوٹے ہو۔ اور اس کے نام کا جو غلہ تم نے لیا ہے وہ فریب اور فراڈ تھا۔ لہٰذا ایسی صورت میں تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ اس طرح یہ حضرتِ یوسفؑ کی طرف سے ترغیب کے بعد ترہیب کا پہلو تھا تا کہ وہ آئندہ اپنے بھائی کو ضرور اپنے ہمراہ لے آئیں۔ سو اس سے حضرتِ یوسف کی اس خواہش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو آپ اپنے اندر اپنے بھائی کی ملاقات کے بارے میں رکھتے تھے۔ اور یہ ایک طبعی اور فطری امر تھا جیسا کہ ظاہر ہے۔

۱۰۳ بھائیوں کے واپس لوٹنے کیلئے ایک اور ترغیب: ۔ کہ اول تو غلے کی ضرورت ہی بڑا سبب اور داعی ہے ان کے لوٹنے کا۔ اور مزید یہ کہ غلہ بھی بالکل مفت اور بغیر کسی عوض کے۔ پھر قیمت کی واپسی بھی ایسے شریفانہ طور پر کہ ان کی طبیعتوں پر کوئی بوجھ نہ بننے پائے کہ اس کو چپکے سے ان کے سامان کے اندر چھپا کر رکھ دیا گیا۔ سو یہ سب امور قوی دوافع اور بواعث تھے اس بات کے کہ وہ لوگ آئندہ اپنے بھائی کو ہمراہ لے کر واپس آئیں۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرتِ یوسف اپنے بھائی کی دید ولقاء کے کس قدر مشتاق اور خواہش مند تھے۔ اور یہ ایک طبعی اور فطری امر تھا کہ آپ ایک عرصے سے جدائی کے صدمے برداشت کر رہے تھے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور آپ کے حقیقی بھائی وہی ایک تھے۔

إِلَىٰٓ أَبِيهِمْ قَالُوا۟ يَٰٓأَبَانَا مُنِعَ مِنَّا ٱلْكَيْلُ فَأَرْسِلْ

(آئندہ کے لئے بنیامین کو اپنے ہمراہ نہ لے جانے کی صورت میں) ہمیں غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا، لہٰذا آپ

مَعَنَآ أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ

ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو بھی بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لاسکیں، اور ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے ف١٠٤

ءَامَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَآ أَمِنتُكُمْ عَلَىٰٓ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ

باپ نے جواب دیا کیا میں اس کے بارہ میں بھی تم پر ویسا ہی اعتماد کرلوں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے

فَٱللَّهُ خَيْرٌ حَٰفِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا

میں کرچکا ہوں؟ ف١٠٥ پس اللہ ہی سب سے اچھا نگہبان ہے اور وہی ہے سب سے بڑا مہربان ف١٠٦ اور جب انہوں نے کھولا اپنے

فَتَحُوا۟ مَتَٰعَهُمْ وَجَدُوا۟ بِضَٰعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ

سامان کو، تو دیکھا کہ ان کی پونجی بھی ان کو واپس لوٹا دی گئی ہے، تو اس پر وہ سب پکار اٹھے ابا جان، ہمیں اور کیا چاہیئے،

قَالُوا۟ يَٰٓأَبَانَا مَا نَبْغِى ۖ هَٰذِهِۦ بِضَٰعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ

یہ دیکھئے ہماری پونجی بھی ہم کو واپس لوٹا دی گئی ہے ف١٠٧ اور (اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اپنے بھائی کو لے کر دوبارہ جائیں کہ) ہم

وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ

اپنے گھر والوں کے لئے غلہ بھی لے آئیں گے اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے، اور ہمیں ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ بھی مل جائے

١٠٤ **برادرانِ یوسف کی اپنے والد کو پختہ یقین دہانی:۔** سو برادرانِ یوسف نے اپنے والد کو یقین دلایا کہ ہم اسکی حفاظت کا پورا خیال رکھیں گے۔ اپنے اس سفر میں۔ اور اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے۔ انہیں چونکہ باپ کے انکار کا پورا اندیشہ تھا کیونکہ اس سے پہلے وہ یوسفؑ کے معاملہ میں دھوکہ اور خیانت سے کام لے چکے تھے جس کی بناء پر وہ باپ کی نظروں میں گر چکے تھے اور ان کے یہاں ان کا اعتبار و اعتماد ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کو یقین دلانے کے لئے اب وہ اس قدر تاکیدی الفاظ و کلمات کا سہارا لیتے ہیں مگر وہ بات کہاں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اعتماد صنوبر کا وہ درخت ہے جو ٹوٹنے کے بعد دوبارہ نہیں جڑتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ سو سچائی کی صفت سے انسان کو جو عظمت ملتی ہے اور اس کا لوگوں کے درمیان جو اعتماد قائم ہوتا ہے اس سے انسان معتبر ہو جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید

١٠٥ **حضرتِ یعقوب کا اپنے بیٹوں کے مطالبہ کو ماننے سے انکار:۔** سو آپ نے ان کے اس مطالبے کے جواب میں کہا

کہ کیا میں تم پر ویسا ہی اعتماد کرلوں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کر چکا ہوں۔ اور تم اس کے ساتھ بھی وہی کچھ کرو جو کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے ساتھ کر چکے ہو۔ اور اسی خیانت و بددیانتی کا ارتکاب اس کے حق میں بھی کرو جیسا کہ تم اس سے قبل اس کے بھائی کے حق میں کر چکے ہو۔ حالانکہ اس کے حق میں بھی تم نے اسی طرح کے پختہ عہد و پیمان کئے تھے۔ سو استفہام انکاری ہے۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا۔ اور میں ایسا نہیں کروں گا۔ (صفوۃ التفاسیر، المراغی، الفتوحات الالٰہیۃ وغیرہ)۔ سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نہ تو عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل۔ کہ یہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی شان اور اسی کی صفتِ امتیاز ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ مگر افسوس کہ اس کے باوجود آج کا بدعتی ملاں کہتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل ہوتا ہے۔ جو چاہے کرے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ کہتا ہے کہ "ہمارا عبدالقادر بھی سب کچھ کرسکتا ہے، ہمیں اور کسی کی ضرورت نہیں"، "ساڈا عبدالقادر قادر ہے سانوں ہور کسے دی لوڑ نہیں"۔ اور یہ کہ پیغمبر "مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ" کا علم رکھتا ہے۔ کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں وغیرہ وغیرہ۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف حضرتِ یعقوب نے برادرانِ یوسف کی اس یقین دہانی پر اعتبار کرنے سے انکار کردیا اور ایسے بے اعتبار لوگوں کا اعتبار کوئی شریف آدمی کر بھی کس طرح سکتا ہے؟

۱۰۶ سب کا محافظ اللہ تعالیٰ ہی ہے:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ اللہ ہی ہے سب سے اچھا نگہبان اور وہی ہے سب سے بڑا مہربان پس میرا بھروسہ بھی اسی پر ہے اور میں اسی سے اس کی حفاظت کی درخواست کرتا ہوں کہ حفاظت کرنا اور ہر طرح کے حوادث و شرور سے بچانا اور محفوظ رکھنا اسی وحدہٗ لاشریک کا کام اور اسی کی شان ہے۔ سو حضرتِ یعقوبؑ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر جو کہ خود پیغمبر، کتنے ہی پیغمبروں کے باپ دادا اور حضرتِ اسحاق اور حضرتِ ابراہیم۔ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبروں کے بیٹے اور پوتے ہیں۔ جب وہ بھی بایں ہمہ عظمتِ شان اور جلالتِ قدر، اپنے بیٹے تک کے حاجت روا و مشکل کشا نہیں ہوسکتے اور جب وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں اور اسی پر بھروسہ و اعتماد رکھتے ہیں اور وہ بھی اپنے قول و فعل سے یہی سکھا اور بتا رہے ہیں کہ حاجت روا و مشکل کشا ہر کسی کا اللہ پاک ہی ہے تو پھر اور کون ایسا ہوسکتا ہے جس کو حاجت روا و مشکل کشا قرار دیا جاسکے؟ سو کتنے گمراہ اور بہکے بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی عاجز مخلوق کو حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر پوجتے پکارتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ سو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی سب کا حاجت روا و مشکل کشا ہے اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اور اسی کا حکم و تصرف اس پوری کائنات پر اور اسکی ہر چیز پر چلتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسکی حفاظت و عنایت شاملِ حال ہو تو کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور اگر اسکی حفاظت و عنایت شاملِ حال نہ ہو تو کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آسکتا۔ ﴿ربنا علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر﴾۔ یاذا الجلال والاکرام۔

۱۰۷ کریمانہ روش اور اس کا تقاضا:۔ کہ ہمیں ہماری رقم بھی واپس کردی گئی اور اس کریمانہ انداز میں اور شریفانہ طور پر کہ ہمیں اس کا پتہ بھی نہیں چلا۔ سو اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسے کریم و فیاض شخص کی طلب و خواہش کو پورا کیا جائے۔ یعنی احسان کا بدلہ احسان ہی ہوسکتا ہے کہ اصول و ضابطہ کے لحاظ سے بھی ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم ان کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔ بہرکیف انہوں نے جب اپنا سامان کھولا اور دیکھا کہ ان کی وہ پونجی جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر ادا کی تھی وہ بھی پوری کی پوری غلے کی بوریوں کے اندر موجود ہے تو وہ خوشی سے اچھل پڑے۔ اور چیخ کر بولے کہ ابا جان ہمیں اور کیا چاہیے۔ یہ ہماری قیمت بھی ہمیں واپس کردی گئی ہے۔ اب تو ہمیں ضرور دوبارہ جانا چاہیے۔

ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى

گا ۱۰۸ اور یہ بوجھ آسانی سے مل جائے گا، ان کے باپ نے کہا میں اسکو کسی قیمت پر بھی تمہارے ساتھ بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہوں مگر

تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

صرف اس صورت میں کہ تم اللہ کے نام پر مجھ سے یہ پختہ عہد کرو ۱۰۹ کہ تم اسے ضرور واپس لے آؤ گے، مگر یہ کہ (خدانخواستہ کہیں) تم سب ہی

يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى

گھیر لئے جاؤ، ۱۱۰ پھر جب ان سب نے ان کو اپنا پختہ عہد دے دیا تو یعقوبؑ نے فرمایا اللہ

۱۰۸ ایک اونٹ کے بوجھ کے مزید غلے کی امید: ۔ کہ بادشاہ اور ایسے کرم والے بادشاہ کے لئے اتنا اضافہ کر دینا کچھ مشکل و دشوار نہیں (المراغی)۔ سو اس اعتبار سے بھی ہمیں اپنے بھائی کو ہمراہ لے جانا چاہیئے تا کہ ہم اپنے اہل وعیال کے لیے غلہ لا سکیں۔ اپنے بھائی کے حصے کا غلہ بھی ہم حاصل کر سکیں اور ایک اونٹ کا بوجھ ہم مزید لا سکیں۔ مطلب یہ کہ اب جبکہ ہماری رقم بھی ہمیں واپس مل گئی ہے تو اب ہمیں ضرور جانا چاہیے۔ کہ اس میں ہر طرح ہمارا فائدہ ہے۔

۱۰۹ اللہ کے نام کی قسم کا مطالبہ: ۔ یعنی اس کے نام کی قسم کھا کر مجھے اس بارے یقین دلاؤ کہ مومن کے لئے سب سے بڑھ کر تاکید و توثیق کا ذریعہ یہی ہے کہ اپنے اس خالق و مالک کے نام پاک کی قسم کھائی جائے کہ اس کا نام بہت بڑا ہے۔ اسی لئے حدیث صحیح میں وارد ہے کہ نبی اکرم ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تم سے اللہ کے نام پر سوال کرے تم اسے دے دیا کرو۔ اور جو کوئی اس کے نام کے ذریعے پناہ مانگے تم اس کو پناہ دے دیا کرو۔ سو اللہ پاک کا نام بڑی ہی عظمتوں والا ہے۔ اس لیے اسکی ہر طرح کی تعظیم اسکے بندوں پر واجب ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۱۱۰ پیغمبر نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل: ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یعقوب نے پہلے بیٹوں سے فرمایا مگر یہ کہ تمہیں گھیر لیا جائے اور تمہارے لئے اس سے نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے، کہ پھر تو اور بات ہے کہ یہ مجبوری اور لاچاری کی صورت ہوگی جس پر گرفت نہیں ہو سکتی، یہ استثناء آنجناب نے خود فرما دیا تا کہ ان کے لئے گنجائش رہے اور وہ بلاوجہ قسم توڑنے کے گناہ کے مرتکب قرار نہ پائیں۔ سو ان تمام باتوں سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نہ عالم غیب ہوتا ہے نہ مختار کل۔ ورنہ نہ حضرت یعقوب اس طرح پریشان ہوتے اور نہ ہی ان کو اس طرح کی شرطیں عائد کرنے کی ضرورت پڑتی۔ مگر اہل بدعت ہیں کہ اسکے باوجود پیغمبر کے عالم غیب اور مختار کل ہونے کا شرکیہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ بہر کیف حضرت یعقوب نے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے کے لیے اس طرح کی شرطیں عائد کیں تا کہ وہ اس کا خاص خیال رکھیں اور ضرور بحفاظت ان کو واپس لے آئیں۔ اور اس کی حفاظت کے بارے میں کسی طرح کی غفلت اور کوتاہی نہ برتیں۔

مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا

گواہ ہے ان سب باتوں پر جو ہم کہہ رہے ہیں ۱۱۱ اور (چلتے وقت) یعقوبؑ نے ان کو (نصیحت کے طور) یہ بھی کہہ دیا

مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ

کہ میرے بیٹو (مصر کے دارالحکومت میں) تم سب ایک ہی دروازے سے اندر داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے جانا ۱۱۲

وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

(تاکہ نظر بد سے دور رہو، اور یہ بھی محض ایک ظاہری تدبیر ہے، ورنہ) میں خدا کے حکم کے مقابلہ میں تمہیں کچھ بھی کام نہیں

لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾

دے سکتا ۱۱۳ حکم تو بس اللہ ہی کا ہے، میرا بھروسہ بھی اسی پر ہے، اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے، سب بھروسہ کرنے والوں کو ۱۱۴

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ

چنانچہ جب وہ اپنے باپ کی نصیحت (وہدایت) کے مطابق شہر میں داخل ہوگئے تو (باپ کی بتائی ہوئی) وہ تدبیر

يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ

ان کے کچھ کام نہ آسکی، سوائے اس کے کہ وہ یعقوبؑ کے دل کی ایک خواہش تھی،

نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ

جسے انہوں نے پورا کر لیا تھا (اور بس،) اور بلاشبہ وہ بڑے علم والے تھے اس تعلیم کی بناء پر جو ہم نے ان کو دی تھی، ۱۱۵

۱۱۱ اللہ تعالیٰ کی نگرانی ونگہداشت کی تذکیر ویاد دہانی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ یعقوبؑ نے بیٹوں کو اس حقیقت کی تذکیر ویاد دہانی کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتوں پر نگہبان ہے، پس ہمارا بھروسہ اور اعتماد اسی پر ہے اور ہم اپنا معاملہ اسی کے حوالے کرتے ہیں ۔ جو اس کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔ اور جو وہ کرے گا اسی میں خیر اور بہتری ہوگی۔ پس تمہیں بھی ہر حال میں اور ہر موقع پر اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ ہم پر نگہبان ہے اور ہر حال میں ہمیں دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا اسکے ساتھ ہمارا معاملہ ہر حال میں صحیح رہنا چاہیئے ۔ وباللہ التوفیق ۔ بہرکیف جب انہوں نے حضرتِ یعقوب سے اللہ کے نام کی قسم کھا کر پختہ عہد کیا تو حضرتِ یعقوب نے بنیامین کو ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اور جو عہد و پیمان ہم کر رہے ہیں اس پر اللہ ہمارا ضامن ووکیل ہے اور وہی ہمارا گواہ ہے۔ پس اصل بھروسہ اور اعتماد اسی وحدہٗ لاشریک پر کرنا چاہیے۔

۱۱۲ حضرتِ یعقوب کی اپنے بیٹوں کو ایک خاص نصیحت: ۔ کہ تم سب ایک ہی دروازے سے داخل نہیں ہونا بلکہ

مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ اور پہلی مرتبہ ان کو آپ نے یہ نصیحت نہیں فرمائی تھی۔ ایک تو شاید اس لئے کہ اس وقت وہ غیر معروف تھے اور دوسرے اس لئے کہ اس وقت ان کے ساتھ بنیامین نہیں تھے۔ (حاشیہ جامع البیان)۔ اور پہلے وہ عام مسافروں کی طرح داخل ہوئے تھے اور اب بادشاہِ وقت کی دعوت پر اور خاص اہتمام سے جا رہے تھے۔ اور تھے بھی سب کے سب خوبصورت اور جوان۔ ایک ہی باپ کی اولاد۔ اس لیے حضرتِ یعقوب نے ان کو یہ نصیحت فرمائی تا کہ نظرِ بد سے محفوظ رہیں۔ (معارف وغیرہ)۔ سو بندے کے ذمے صرف تدبیر واحتیاط ہے اور بس!

۱۱۳ حاجت روا و مشکل کشا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے اور اس کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا' کہ مالک ومختار بہر حال اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے سبحان اللہ- پیغمبر، پیغمبر کا بیٹا، پیغمبر کا پوتا اور پیغمبروں کا باپ دادا اور بنی اسرائیل کا مورثِ اعلیٰ اور جدِّ امجد حضرتِ یعقوبؑ تو یہ کہتا ہے کہ خدا کے حکم کے مقابلے میں میں تمہیں کچھ بھی کام نہیں دے سکتا کہ معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ لیکن آج کا بدعتی ملاں اور جاہل وگمراہ کن پیر ہے کہ اس نے جگہ جگہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کے دربار لگار کھے ہیں اور جاہل قوم کو یہ لوگ زبانی کلامی اور تحریر و تقریر وغیرہ ہر طرح سے کہتے بتاتے اور سکھاتے پڑھاتے ہیں کہ تم اتنی اتنی نذر پہنچادو اور اپنی حاجت بھی بتادو سب کچھ ٹھیک کر دیا جائے گا- ﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ﴾- اور جاہل قوم ہے کہ وہ اتنا نہیں سوچتی کہ جو ہمارے نذرانوں کا محتاج اور سوالی ہے وہ ہماری حاجت روائی کیا کرے گا؟- ﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾- بہر کیف حضرتِ یعقوب نے اپنے اس ارشاد سے یہ امر واضح کر دیا کہ حاجت روا و مشکل کشا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔

۱۱۴ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے خطاب میں کہا کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے سب بھروسہ کرنے والوں کو کہ بھروسے کے لائق وہی ذاتِ اقدس واعلیٰ ہے کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اب دیکھئے یہاں پر حصر کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے کہ بھروسہ کے قابل درحقیقت وہی ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ مگر اس کے باوجود آج کا کلمہ گو مشرک ہے کہ اس کا بھروسہ غیر اللہ پر اور زندہ ومردہ طرح طرح کی مخلوق پر ہے۔ اور وہ اعلانیہ کہتا ہے "سہارا پنج تن دا" "غوث الاعظم دستگیر"، "بری بری کھوٹی کر دے کھری" اور "یا علی مدد" وغیرہ وغیرہ۔ کوئی اگر پوچھے کہ تم کو کس نے کہا کہ ان ہستیوں کو پکارو؟ جو خود ساری عمر ایک اللہ کو پکارتی اور اسی کو پکارنے کی تعلیم دیتی اور تلقین فرماتی رہیں؟ تو کہتے ہیں دیکھو ناں جی یہ بھی تو اللہ کے پیارے ہیں ناں وغیرہ وغیرہ- ﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾- یعنی ایسے لوگ پیروی نہیں کرتے مگر ظن وگمان اور خواہشات نفس کی' حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے واضح ہدایت آچکی ہے' جیسا کہ اسی آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا "ولقد جاءھم من ربھم الھدیٰ" اور نورِ حق وہدایت کے آجانے کے بعد اس سے منہ موڑ کر ظن وگمان اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنا محرومیوں کی محرومی ہے۔

۱۱۵ نبی کا علم براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے:- چنانچہ حضرت یعقوبؑ کے بارے میں یہاں پر ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ وہ بڑے ہی علم والے تھے' اس علم کی بناء پر جو ہم نے ان کو سکھایا تھا۔ سو اس سے تصریح فرمادی گئی کہ حضرت یعقوب بڑے علم والے تھے اس علم کی بناء پر جو ہم نے ان کو سکھایا تھا کہ نبی دنیا میں کسی سے نہیں پڑھتا بلکہ اس کا علم براہِ راست اللہ پاک کی طرف سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہاں پر صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی وہ یقیناً بڑے علم والے تھے۔ اس علم کی بناء پر جو ہم نے ان کو سکھایا تھا اور علمِ وحی کی اسی روشنی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے یہ صحیح روش اختیار کی کہ انسان اولاً ضروری اسباب اختیار کرے اور پوری طرح اختیار کرے۔ لیکن اس کے بعد بھروسہ اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر رکھے۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اس میں حضرتِ یعقوب کی تعریف وتحسین ہے کہ انہوں نے ہمارے سکھائے ہوئے علم کی بناء پر تدبیر اور تقدیر دونوں کے بارے میں صحیح رویہ اختیار کیا۔

ع ۸ ۱۱

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا

لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں، و۱۱۶ اور جب یہ لوگ یوسفؑ کے

عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا

حضور پہنچے، تو انہوں نے (ملتے ہی) اپنے بھائی کو اپنے پاس بلا لیا (اور چپکے سے) ان کو بتا دیا کہ میں

اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٩﴾

آپ کا بھائی (یوسفؑ) ہوں، پس اب آپ ان باتوں پر غم نہ کھائیں، جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں، و۱۱۷

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ

پھر جب (روانگی کے وقت) یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کرایا تو اپنا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں

رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ

رکھوا دیا، پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا، اے قافلے والو! (ٹھہرو) تم لوگ تو

لَسٰرِقُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿٧١﴾

بڑے چور ہو، و۱۱۸ انہوں نے پلٹ کر پوچھا (کیوں صاحب؟) تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے؟

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ

سرکاری ملازموں نے کہا، ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا اور (ان کے کمانڈر نے کہا کہ) جو شخص اسے لا کر دے گا، اسے ایک

وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا

اونٹ کا بوجھ (بطور انعام) ملے گا، اور میں اس کا ذمہ دار ہوں و۱۱۹ وہ کہنے لگے، خدا کی قسم آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں

۱۱۶ لوگوں کی اکثریت نور علم و ہدایت سے محروم و بے بہرہ: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اکثر لوگ جانتے نہیں، یعنی حق اور حقیقت کو۔ اس لئے وہ طرح طرح کی شرکیات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اصل بات یہی ہے کہ ظاہری اسباب و وسائل اختیار کرنے کے باوجود دل کا بھروسہ اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب ہی پر رکھا جائے کہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ ہوتا وہی ہے جو اس کو منظور ہوتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ یہاں پھر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے علم ہے۔ لہٰذا عوام کی اکثریت

کی تائید یا تردید کسی امر کے حق یا باطل ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ مغربی جمہوریت کے علمبرداروں کا کہنا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اکثر لوگ چونکہ جانتے نہیں اور وہ علمِ صحیح کے نور سے محروم و بے بہرہ ہوتے ہیں اس لیے وہ تدبیر اور تقدیر کے درمیان صحیح توازن قائم نہیں کر سکتے۔ اور اسکے نتیجے میں خسارے میں مبتلا ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسے بے خبر لوگ اپنی جہالت اور بے خبری کے باعث توسط اور اعتدال کی راہ سے محروم ہو کر افراط و تفریط کی کسی انتہاء میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یا تو وہ تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھ کر تقدیر کو محض ایک وہم قرار دینے لگتے ہیں۔ یا پھر وہ تقدیر و توکل کے نام پر اسباب و وسائل کو ترک کر دیتے ہیں اور اس طرح تعطل کا شکار ہو کر اپاہج بن کر رہ جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی انتہائیں ہلاکت و محرومی کا باعث ہیں۔ والعیاذ باللہ جَلَّ وعَلَا،

۱۱۷ حضرتِ یوسف کا اپنے بھائی کو تسلی دینا: ۔ سو ملنے پر حضرتِ یوسف نے اپنے بھائی بنیامین کو تنہائی میں اپنے پاس بلا کر بتا دیا کہ میں آپ کا بھائی ہوں۔ یعنی گمشدہ بھائی یوسف۔ پس ان لوگوں نے ابتک جو کچھ کیا اسکے بارے میں غمزدہ اور آزردہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں کہ وہ دور بہر حال اب گزر چکا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے شرور و فتن سے بچا لیا۔ پس اس کے بارے میں غمگین نہ ہونا جو کچھ کہ انہوں نے کیا اس سے پہلے ہمارے بارے میں۔ کہ اللہ پاک نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے ان کے شرور سے محفوظ رکھا۔ اور اپنی طرح طرح کی عنایتوں سے از خود نواز دیا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اب ان کو اپنے کئے پر خود ہی پچھتانا پڑے گا۔ اور وہی سزا ان کے لئے کافی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ وَّفِتْنَۃٍ۔ سو اس سے ایک طرف تو حضرتِ یوسف کی عالی ظرفی اور وسعتِ قلبی کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف یہ درسِ عظیم بھی ملتا ہے کہ قدرت پانے کے بعد معاف کر دینا سب سے بہتر انتقام ہے۔ جیسا کہ قرآن و سنت کی مختلف نصوصِ کریمہ میں اسکی طرح طرح سے تصریح و توضیح فرمائی گئی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حالٍ من الاحوال۔

۱۱۸ برادرانِ یوسف پر چوری کے الزام کا ذکر و بیان: ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ایک پکارنے والے نے پکار کر برادرانِ یوسف سے کہا کہ تم لوگ بڑے چور ہو۔ یہ آواز اگر نوکروں نے اپنی طرف سے لگائی تھی تب تو کوئی بات نہیں کہ ان کو اصل صورتِ حال کا پتہ نہیں تھا۔ اور اگر انہوں نے حضرتِ یوسفؑ کے کہنے پر ایسا کیا تھا تو پھر بڑے چور ہونے کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اس سے پہلے حضرتِ یوسفؑ کو چوری کیا تھا۔ اس لئے اس میں حضرتِ یوسفؑ پر اِفتراء وغیرہ کا کوئی اِلزام نہیں آ سکتا۔ نیز یہ سب کچھ چونکہ انکے بھائی کی مرضی سے اور ایک خاص مقصد کے لئے تھا اس لئے اس میں کسی اِفتراء و بہتان کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بہر کیف منادی نے اعلان کیا تم لوگ چور ہو اس لیے ذرا ٹھہرو تمہاری تلاشی لی جاتی ہے۔

۱۱۹ گمشدہ پیالہ لانے والے کیلئے انعام کا اعلان: ۔ سو چوری کے اس اِلزام کے جواب میں برادرانِ یوسف نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی کیا چیز کھو گئی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ شاہی پیمانہ کھو گیا ہے اور جو اس کو لائے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ بطورِ انعام ملے گا۔ اور میں اس کا ضامن ہوں۔ سو اسی سے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ اصل اور سند ہے ضمانت اور کفالتِ مالی کے ثبوت و جواز کی۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہر کیف اعلان کرنے والے نے اس بات کا اعلان کیا کہ جو کوئی اس گمشدہ پیالے کو لے آئے گا اس کے لیے یہ انعام ہے۔ اگرچہ وہ چور کے علاوہ کوئی اور شخص ہو اور اس اِنعام کا ذمہ دار میں خود ہوں۔ اس لیے وہ مطمئن رہے کہ اسکو اس کا یہ اِنعام ضرور ملے گا۔ لہٰذا اس پیمانۂ شاہی (سقایہ) کو ڈھونڈ لاؤ۔ کہ اس میں تمہارے لئے بڑا فائدہ اور بہتری ہے۔

لِنُفۡسِدَ فِي الۡاَرۡضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيۡنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوۡا

کہ نہ تو ہم اس ملک میں فساد پھیلانے آئے ہیں، اور نہ ہم چوری کرنے والے لوگ ہیں، ۱۲۰ انہوں نے پوچھا،

فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ كٰذِبِيۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوۡا جَزَآؤُهٗ

اچھا تو پھر کیا سزا ہوگی اس کی، اگر تم جھوٹے ثابت ہوگئے؟ ۱۲۱ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے

مَنۡ وُّجِدَ فِيۡ رَحۡلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ

کہ جس کے سامان سے وہ (مسروقہ سامان) برآمد ہو، خود اسی کو اپنی سزا میں رکھ لیا جائے، ہمارے یہاں تو

نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوۡعِيَتِهِمۡ قَبۡلَ وِعَآءِ

ایسے ظالموں کو یہی سزا دی جاتی ہے، تب یوسفؑ نے (ان کی تلاشی لینی شروع کی اور) اپنے بھائی کے اسباب سے پہلے ۱۲۲ ان کے

۱۲۰ برادرانِ یوسف کا چوری سے انکار:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کی طرف سے لگائے جانے والے چوری کے اس الزام کی تردید میں انہوں نے اللہ کی قسم اُٹھا کر کہا کہ آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نہ ہم اس ملک میں فساد کرنے آئے ہیں اور نہ ہی ہم چوری کرنے والے لوگ ہیں' اور ایسا انہوں نے اس بناء پر کہا کہ اس سے پہلے کے سفر میں ان کی نیک نامی کی مصر میں شہرت ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی سواریوں کے منہ بھی باندھ رکھے تھے کہ راہ چلتے ناحق طور پر کسی کا چارہ نہ چر لیں۔ (حاشیہ جامع البیان)۔ سو اپنی اسی سابقہ شہرت اور نیک نامی کی بناء پر انہوں نے یہ بات کہی کہ آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم لوگ نہ اس ملک میں فساد پھیلانے کیلئے آئے ہیں اور نہ ہی ہم لوگ چور ہیں۔ اس لیے ہم پیمانہ شاہی کو چوری کرنے کی اس بری حرکت کا ارتکاب بھلا کس طرح کر سکتے ہیں۔ لہذا آپ لوگوں کو ہم پر بھروسہ اور اعتماد کرنا چاہیے۔

۱۲۱ تمہاری کیا سزا ہوگی اگر تم جھوٹے ثابت ہوگئے؟:۔ اپنی پاکیزگی اور براءت کے اس دعوے میں؟ سو منادی کرنے والے نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ جب اس تہدید و ملامت اور اِس اِنعام و کفالت کے باوجود ماننے اور اقرار کرنے کو تیار نہیں ہوتے تو اس نے ان سے کہا کہ اچھا تو یہ بتلاؤ کہ اگر تم لوگ اپنے اس دعوے میں جھوٹے نکلے اور تم سے مسروقہ مال برآمد ہوگیا تو پھر تمہاری کیا سزا ہوگی؟ تو انہوں نے کہا کہ جس کے سامان سے وہ کٹورا برآمد ہوا سی کو اس کے بدلے میں روک لیا جائے۔ ہم ایسے ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں تو ان کے جواب کے بعد سامان کی تلاشی شروع کر دی گئی۔

۱۲۲ سامان کی تلاشی کا آغاز:۔ انکے بھائی کے سامان سے پہلے تاکہ اس طرح کسی شبہ اور بدگمانی کی گنجائش نہ رہے اور کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکے۔ اور اس طرح آخر کار وہ پیالہ ان کے بھائی کے سامان سے برآمد کر لیا۔ اور بھائیوں کی تجویز کے مطابق بنیامین کو اپنے پاس روک لیا۔ اور یہی اصل مقصود تھا اس ساری کارروائی کا۔ تاکہ حضرتِ یوسف کے بھائی بنیامین کو وہیں روک لیا جائے۔ کسی کو اصل مقصد کا پتہ بھی نہ چلے اور مصر کے اس وقت کے کافرانہ قانون پر عمل کرنے کی نوبت بھی نہ آئے۔ سو اس طرح حضرتِ یوسف کے مقصد کی تکمیل کے لیے قدرت کی طرف سے ان کے لیے اس تدبیر کا انتظام فرمایا گیا جیسا کہ اگلے حاشیے میں مزید تفصیل سے آ رہا ہے۔ سو جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسی طرح تدبیر فرماتا ہے۔ فکن اللّٰھم لنا و لا تکن علینا و اجعلنا لک یا ذا الجلال و الا کرام۔

اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ

اسباب کی تلاشی شروع کی، آخر میں اسے اپنے بھائی کے اسباب سے برآمد کرلیا، اس طرح

كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ

ہم نے یہ تدبیر کی یوسفؑ کے لئے، ف١٢٣ ورنہ آپ ایسے نہ تھے کہ اپنے بھائی کو پکڑتے بادشاہ کے

الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ

دین میں، ف١٢٤ مگر یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے، ف١٢٥ ہم جس کے درجے چاہیں بلند

نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ

کردیتے ہیں، ف١٢٦ اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے، ف١٢٧ کہنے لگے اگر اس نے چوری کی

١٢٣ اسی طرح ہم نے تدبیر کی یوسف کیلئے: کہ اس میں بہت سے فائدے اور حکمتیں مضمر تھیں۔ مثلاً یہ کہ برادرانِ یوسفؑ کی تادیب و اصلاح ہوجائے تاکہ اس سے ان کو اپنے ان گناہوں کی کسی قدر سزا مل جائے جن کا ارتکاب انہوں نے اس سے پہلے یوسفؑ سے متعلق کیا تھا۔ اور تاکہ یہ بھی بنیامین کی جدائی کا مزہ چکھ لیں۔ اور وہ بھی اس طور پر کہ اپنے سوا اور کسی کی ملامت نہ کرسکیں۔ اس ارشادِ ربانی سے حیلہ شرعی کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی غرضِ صحیح تک پہنچنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے حیلہ و مکر نظر آتا ہو مگر اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے وہ درست ہو۔ مگر اس کے لئے شرط ہے کہ یہ کسی حکمِ شرعی کے خلاف نہ ہو اور کسی غرضِ فاسد کے لئے نہ ہو۔ جیسا کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا۔ یا جیسا کہ روزہ سے بچنے کے لئے خواہ مخواہ کوئی غیر ضروری سفر اختیار کرنا وغیرہ۔ کہ اس طرح کے سب حیلے حرام اور ممنوع ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس طرح کی ممنوع و محظور حیلہ جوئی عام لوگوں کی نظر سے اگرچہ مخفی اور اوجھل رہ سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں رہ سکتی کہ اس "علیم بذات الصدور" کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ سے کوئی بھی چیز کسی بھی طرح مخفی اور مستور نہیں رہ سکتی اس لیے اسکے ساتھ ہمیشہ اور ہر طرح سے صدق و اخلاص کا معاملہ ہی کیا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی مایحب ویرید۔ اللھم فخذنا بنواصینا الی مافیه حبک ورضاک بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔ یاذا الجلال والاکرام۔

١٢٤ حضرتِ یوسف کے لیے تدبیر حق تعالیٰ کی طرف سے: اس سے اس حقیقت کی تصریح فرما دی گئی کہ سو حضرتِ یوسف کے لیے اس تدبیر کا انتظام حق تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ ورنہ یوسف ایسے نہیں تھے کہ اپنے بھائی کو بادشاہِ وقت کے قانون کے مطابق پکڑتے کہ یہ آپ کی شان کے خلاف تھا۔ کہ آپ شاہِ مصر کے اس کافرانہ نظام و قانون پر عمل کرتے جو اس وقت تک اس ملک میں مروج اور لاگو تھا۔ اور وہ بھی اپنے بھائی کے روکنے جیسے ایک ذاتی نوعیت کے مقصد کے لئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے

آنجناب کو اس سے بچالیا۔ اور دوسرا مطلب اس ارشاد کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ شاہِ مصر کے قانون میں چور کو قیدی بنانے کا کوئی ذکر نہیں تھا، بلکہ اس کے قانون کی رو سے چور کے لئے جرمانے وغیرہ کی سزا تھی اس لئے حضرتِ یوسفؑ کو یہ تدبیر بتائی۔ (المراغی، الصفوۃ اور تفہیم وغیرہ)۔ بہر کیف حضرتِ یوسف کی یہ تدبیر حق تعالیٰ کی طرف سے تھی جو قدرت نے آپ کو سکھائی تھی۔ تاکہ وہ حسبِ منشا اپنے بھائیوں کو اپنے پاس روک سکیں۔

۱۲۵ مشیئت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے یوسفؑ کے لئے تدبیر کی تھی، یعنی ان کو یہ تدبیر سمجھائی تھی ورنہ وہ ایسے نہ تھے کہ بادشاہ کے دین ومذہب کے مطابق اپنے بھائی کو پکڑ سکتے، مگر یہ کہ اللہ چاہے، کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سب پر حاوی اور محیط ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے اس کے لیے نہ کوئی مشکل ہے اور نہ اسکی راہ میں کوئی رکاوٹ اور حائل ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس نے حضرتِ یوسف اور ان کے بھائیوں کے دلوں میں اسی چیز کا اِلقاء والہام کیا جس سے حضرتِ یوسف کی مراد پوری ہوگئی اور مقصد حاصل ہوگیا۔ ورنہ حضرتِ یوسف ایسے نہ تھے کہ از خود ایسا کر سکتے۔ اور ان کی یہ تدبیر اور طریقہ ان کی اپنی طرف سے نہیں تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے اِلقاء والہام کا نتیجہ تھا۔ (محاسن التاویل اور تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو اللہ جو چاہے کرے۔ اسکی مشیت وقدرت ہر شے پر حاوی ومحیط ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللّٰھم فخذنا بنواصینا الی ما فیه حبک و رضاک بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیوۃ یا ذا الجلال والاکرام۔

۱۲۶ درجات کی بلندی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں واختیار میں:۔ چنانچہ صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ہم جس کے درجے چاہیں بلند کر دیں، جیسے حضرتِ یوسفؑ کو آپ کے بھائیوں کے مقابلے میں دئے۔ اور پھر کس کو کتنے اور کس طرح کے درجے عطا کرنے ہیں، اس کا علم بھی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو ہے۔ اسی لئے درجات کو یہاں نکرہ لایا گیا ہے۔ سو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے؟ کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے اور کس کو کن درجات سے نوازا جائے؟ اور کیسے اور کب نوازا جائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس ارشاد میں جہاں ایک طرف حضرتِ یوسف کے مراتبِ بلند کی طرف اشارہ ہے وہیں اس میں ان لوگوں پر تعریض بھی ہے جو اپنے ناقص اور محدود علم کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ان کو دنیا کی مادی زندگی کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو جاتا ہے وہ اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں اور اپنے اسی نشے میں وہ بہت سی اہم اور بنیادی حقیقتوں کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے خسارے میں اور بھی اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

۱۲۷ ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے:۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ جا کر حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ پر منتہی ہوتا ہے جس کا علمِ حقیقی ہر اعتبار سے کامل اور ظاہراً و باطناً اور ماضی وحال اور مستقبل سب پر حاوی ومحیط ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور مخلوق میں سے جس کو اور جو بھی کچھ روشنی علم کی ملتی ہے وہ اسی واہبِ مطلق۔ جل وعلا۔ کی جود وسخا اور بخشش وعطاء ہی سے ملتی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو کسی عالم کیلئے یہ امر جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو سب کچھ اور سب سے اوپر سمجھے۔ اور اپنی بات اور اپنی رائے کو حرفِ آخر قرار دینے لگے۔ کہ یہ شان حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ ہی کی ہو سکتی ہے جہاں کہ علم کی انتہاء ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی﴾۔ (النجم: ۴۲)۔ سو برادرانِ یوسف بھی اگرچہ خاندانِ نبوت کے افراد ہونے کے اعتبار سے علم کا نور رکھتے تھے مگر حضرتِ یوسف اس ضمن میں ان سے کہیں آگے اور کہیں بڑھ کر تھے۔ سو حالات کا اصل اور حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ وہی جانتا ہے کہ ظاہر کے پیچھے کیا ہے اور مستقبل کے پردوں میں کیا چھپا ہوا ہے۔ پس بندے کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے رب کی رضا پر راضی رہے۔ وباللہ التوفیق۔

فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ

تو (یہ کوئی نئی بات نہیں کہ) اس سے پہلے اس کا ایک بھائی بھی چوری کر چکا ہے، و۱۲۸ پھر بھی یوسفؑ ان کی اس

فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ

بات کو پی گئے، اور حقیقت ان کے سامنے نہیں کھولی، بس (زیر لب) اتنا کہہ کر رہ گئے کہ تم بڑے ہی

مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا

برے لوگ ہو، اور اللہ خوب جانتا ہے، اس (الزام کی حقیقت) کو جو تم لوگ (میرے روبرو مجھ پر) لگا رہے ہو، کہنے لگے

الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا

اے عزیز، اس کا باپ ایک بہت بوڑھا شخص ہے، و۱۲۹ اس لئے آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو

مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ

رکھ لیجئے، ہم آپ کو بڑا ہی احسان کرنے والا دیکھ رہے ہیں، و۱۳۰ اس نے جواب دیا

اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ

اللہ کی پناہ کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو پکڑیں، جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے،

اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا

ایسی صورت میں تو ہم بڑے ہی ظالم قرار پائیں گے و۱۳۱ آخرکار جب وہ اس سے بالکل مایوس ہو گئے، تو باہم مشورہ کرنے

ع ۹ نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ

کے لئے الگ بیٹھ گئے، ان میں سے بڑے نے کہا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے

قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ

(اس کے واپس لانے کا) پختہ عہد لے رکھا ہے، اور اس سے پہلے

۱۲۸ برادرانِ یوسف کی طرف حضرت یوسفؑ پر چوری کا الزام:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ برادرانِ یوسف نے اس موقع پر حضرت یوسف اور ان کے بھائی پر صاف طور پر چوری کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ اس نے یہ چوری کی تو یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں کہ یقیناً یہ اور اس کا بھائی دونوں چور ہیں، یعنی چوری کی یہ عادت ہم میں سے کسی میں نہیں۔ سوائے اس کے اور اسکے

دوسرے بھائی یعنی حضرتِ یوسف کے۔ سو ان میں یہ بری عادت ان کی ماں کی طرف سے آئی ہے۔ اتنی سنگین بات انہوں نے حضرتِ یوسفؑ کے بارے میں ان کے روبرو کہی مگر آپ اس کو پی گئے۔ اور ان کو کچھ نہیں کہا۔ رہ گئی یہ بات کہ اس چوری سے ان کی مراد حضرتِ یوسفؑ کی ایسی کون سی چوری تھی تو اس بارے مختلف روایات ہیں۔ مگر زیادہ صحیح اور قابلِ اعتماد وہ روایت ہے جو کہ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضرتِ یوسفؑ کے نانا کے پاس سونے اور چاندی کا بنا ہوا ایک بت تھا جو آپ نے چرا کر توڑ دیا تھا۔ اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چوراہے میں پھینک دیا تھا۔ (المراغی، الکبیر، المعارف وغیرہ)۔ سو یہ اس فطری نورِ توحید کا نتیجہ وثمرہ تھا جو قدرت کی طرف سے انسانی فطرت میں ودیعت فرمایا گیا ہوتا ہے اور جو ایسے نفوسِ قدسیہ میں ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۱۲۹ ﴿شیخا کبیرا﴾ کے دو مطلب؟: یعنی اس کا والد بہت بوڑھا شخص ہے۔ وہ اس کے بغیر صبر نہیں کر سکے گا کہ اس بڑھاپے میں یہ اس کے لئے اسکے مفقود بھائی کی طرف سے بھی ایک سہارا ہے۔ یہ معنٰی اور مطلب اس صورت میں ہے جبکہ ''کبیرا'' کے معنٰی بوڑھے شخص کے لیے جائیں اور ''کبیرا'' کے معنٰی بڑے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ تب مطلب یہ ہوگا کہ ان کے والد ایک بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔ اس لئے آپ ان کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیجئے۔ سو ''کبیرا'' کے معنٰی ''کبیر السن'' کے بھی ہو سکتے ہیں اور ''کبیر القدر والشان'' کے بھی۔ اور یہ دونوں ہی معنٰی مہتم بالشان ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو جب انہوں نے دیکھا کہ اب وہ پھنس گئے اور اپنے قول وقرار کے مطابق اب ان کے لیے بچنے اور خلاصی پانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ تو انہوں نے لجاجت اور عاجزی کا پہلو اختیار کیا اور حضرتِ یوسف کو ''عزیز'' کے سرکاری خطاب سے جو کہ اس وقت اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کے لیے مخصوص تھا خطاب کر کے ان کے حضور عرض کیا اور نہایت لجاجت اور عاجزی سے عرض کیا کہ جناب اس کا باپ بہت بوڑھا شخص ہے۔ تو آپ اسکی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں اور اس کو چھوڑ دیں۔ یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہوگا۔ ہم آپ کو ایک محسن شخص دیکھ رہے ہیں۔ لہذا آپ ہمیں اپنے احسان سے محروم نہ کریں۔ اور ہمارے اس بھائی کی جگہ ہم میں سے کسی دوسرے کو روک لیں۔

۱۳۰ برادرانِ یوسف کی طرف سے احسان کی درخواست: کہ ہم آپ کو ایک محسن اور نیکوکار شخص دیکھتے ہیں۔ اس لیے آپ ہم پر یہ احسان بھی فرما دیجئے کہ ہمارے اس بھائی کو ہمارے لیے اور ہمارے والد بزرگوار کی خاطر چھوڑ دیجئے۔ کہ نیکوکاروں کا کام ہی احسان اور نیکی کرنا ہوتا ہے۔ اور آپ نے اپنی گزشتہ نوازشات کی بناء پر ہمیں اسی کا عادی اور خوگر بنا دیا ہے۔ لہذا آپ ہمارے اس بھائی کی بجائے ہم میں سے کسی اور کو روک لیں اور اسکو ہمارے ساتھ جانے کے لیے چھوڑ دیں۔ سو انہوں نے اس طرح لجاجت سے کام لیا لیکن اس کا انکو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ نہ ہونا تھا۔

۱۳۱ ظلم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ یوسفؑ نے ان لوگوں کے اس مطالبے کے جواب میں ان سے فرمایا کہ اللہ کی پناہ کہ ہم اس شخص کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں، جس کے پاس ہم نے اپنا سامان برآمد کیا ہے، ایسی صورت میں ہم یقیناً ظالم ٹھہریں گے اور ہم ہر قسم کے ظلم سے اللہ تعالیٰ کی امان وپناہ مانگتے ہیں۔ کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی قصور کسی کا ہو اور پکڑ لیا جائے کسی اور کو۔ سو اس طرح کے کسی ظلم کے مرتکب اور ایسی کسی زیادتی کے روادار ہم نہیں ہو سکتے۔ لہذا اس کو ہم کسی قیمت پر بھی چھوڑ نہیں سکتے۔ اور ایسے نہیں ہو سکتا کہ ہم کسی اور کو پکڑ کر اسکے بدلے میں اسکو چھوڑ دیں کہ یہ ظلم ہے۔ اور ہم ظلم سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس موقعہ پر حضرتِ یوسف کی احتیاط ملاحظہ ہو کہ یہ نہیں فرمایا کہ ''جس نے چوری کی'' بلکہ یہ فرمایا کہ ''جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا''۔

مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ

یوسف کے معاملہ میں جو قصور تم لوگ کر چکے ہو (وہ بھی تم سے کوئی ڈھکا چھپا نہیں،) لہٰذا میں یہاں سے ہرگز واپس نہیں جاؤں گا،

حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ

یہاں تک کہ میرے والد خود مجھے حکم دیں ١٣٢ یا اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ صادر فرما دے، کہ وہی ہے

الْحٰكِمِيْنَ ۝٨٠ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ

سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا، ١٣٣ تم جا کر اپنے والد سے کہو کہ اے ابا جان،

اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا

یقین کیجئے کہ آپ کے صاحبزادے نے چوری کی ہے، ہم وہی بیان کر رہے ہیں جو ہم نے خود دیکھا ہے ١٣٤

وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝٨١ وَسْــَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ

اور ہم نہیں تھے غیب کی خبر رکھنے والے، ١٣٥ اور (مزید تسلی کے لئے) آپ پوچھ لیجئے

كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا

اس بستی (کے باشندوں) سے، جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے ہیں، اور بلاشبہ ہم

لَصٰدِقُوْنَ ۝٨٢ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ

ہر طرح سے سچے ہیں ١٣٦ (یہ سب داستان سن کر) یعقوب نے فرمایا (نہیں) بلکہ (پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی) تمہارے

١٣٢ بڑے بھائی کا فیصلہ:۔ کہ تم واپس جاؤ میں یہیں رہوں گا۔ والد کی طرف سے اس بارے کسی صاف اور صریح حکم کے بغیر میں یہاں سے ہرگز نہیں ٹلوں گا۔ ہاں اگر میرے والد مجھے اس بات کی اجازت دیدیں کہ میں بنیامین کو یہیں چھوڑ کر واپس آ جاؤں یا اللہ تعالیٰ میرے لیے غیب سے کوئی فیصلہ فرما دے۔ مثلاً یہ کہ بادشاہ کے دل میں ڈال دے کہ وہ ہمارے بھائی کو رہا کر دے یا کسی اور طریقے سے اسکو مجبور کر دے کہ وہ ہمارے بھائی کو یوں ہی چھوڑ دے وغیرہ۔ (المراغی وغیرہ)۔ کہ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور وہ بڑا ہی مہربان اور انتہائی لطیف تدابیر سے کام لینے والا ہے۔ اور یہاں پر اس بڑے بھائی سے مراد یہودا ہیں جو کہ اپنی عقل و فکر اور اپنی اصابت رائے کے اعتبار سے ان میں سب سے بڑے تھے۔ (المراغی وغیرہ)۔ اور دوسرا قول و احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ یہاں پر بڑے سے مراد عمر کے اعتبار سے بڑا ہو۔ اور وہ روبیل تھا۔ لفظ میں ان دونوں ہی احتمالوں کی گنجائش موجود ہے لیکن قرینے کی دلالت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر بڑے سے مراد عمر کے اعتبار سے بڑا نہیں۔ کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو یہاں پر کبیرھم کی بجائے اکبرھم فرمایا

جا تا۔ سواس اعتبار سے اقرب اور ظاہر پہلا احتمال ہی ہے کہ اس سے مراد یہودا ہے اور تورات میں بھی اسی کا نام آیا ہے۔

۱۳۳ اللہ ہی ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا:۔ پس اسی کا فیصلہ سب سے زیادہ صحیح، حکمت بھرا اور خیر سے لبریز ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا فیصلہ کامل علم، عین عدل و انصاف اور مکمل حق اور غیر جانبداری پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے اس خیر الحاکمین کے فیصلے میں کسی خطا و نسیان، بھول چوک اور کوتاہی و قصور کا کوئی امکان نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہم اس کے فیصلے پر راضی اور مطمئن ہیں۔ جو فیصلہ وہ فرمائے گا اسی میں ہماری بہتری اور بھلائی ہوگی۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور وہی ہے جو اسباب کو پیدا فرماتا اور ان کو مہیا کرتا ہے۔ اور وہی ہے جو تقدیروں کو مقدر فرماتا ہے۔ مسبب الاسباب اور مقدر الاقدار وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۳۴ ہم وہی کچھ بیان کر رہے ہیں جو ہم نے خود دیکھا:۔ کہ بادشاہ کی طرف سے تفتیش ہونے پر اس کا وہ گمشدہ پیالہ ہمارے سامنے اس کے سامان سے برآمد ہوا۔ اور یہ سب کچھ بالکل ہمارے سامنے ہوا۔ اور آپ کے بیٹے کا یہ جرم و قصور سب کے سامنے ظاہر ہوا۔ جسکے نتیجے میں بادشاہ کے وزیر نے جو کہ اس کا قائم مقام تھا مسروقہ پیالہ برآمد ہونے پر ہماری ہی شریعت اور ہمارے ہی دین و قانون کے مطابق اسکو اپنے یہاں روک لیا۔ کیونکہ ہم نے اس کے پوچھنے پر یہ بتایا تھا کہ ہماری شریعت اور ہمارے دین و قانون میں چور کے بارے میں یہی حکم ہے۔ سوایسے میں ہم بالکل بے بس ہوگئے تھے۔ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں۔ یہاں پر کلام کا اتنا حصہ محذوف ہے کہ بھائیوں کی آپس کی سرگوشی اور اپنے درمیان صلاح مشورے کے بعد ان کا بڑا بھائی تو وہیں رہ گیا اور باقیوں نے واپس آکر اپنے والدِ ماجد کے سامنے یہ رپورٹ پیش کی۔ یہ حصہ چونکہ قرینے کی بناء پر واضح تھا اس لیے اس کو حذف کر دیا گیا۔

۱۳۵ اور ہم نہیں تھے غیب کی خبر رکھنے والے:۔ جو ہمیں پہلے سے ہی پتہ ہوتا کہ اس کی چوری کا یہ قصہ اس طرح پیش آئے گا۔ ورنہ ہم آپ سے اس کے واپس لانے کا اس طرح پختہ عہد نہ کرتے۔ اور اس طرح کا کوئی استثناء پہلے ہی کر لیتے۔ مگر ہمیں اس کی کیا خبر تھی۔ نیز یہ کہ بادشاہ کا پیالہ تو واقعی ہمارے سامنے اس کے سامان سے برآمد ہوا۔ لیکن ہمیں کیا پتہ کہ یہ اس نے خود رکھا تھا یا یہ حرکت کسی اور نے کی اور کس مقصد کے لئے کی کہ اس کی خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ ہم نے بہر حال کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور ہمارا اس ضمن میں کوئی قصور نہیں۔ لہٰذا آپ ہم پر ناراض نہ ہوں۔ ہم تو آپ کی خدمت میں وہی کچھ پیش کر رہے ہیں جو ہم نے خود دیکھا۔ اور اگر آپ کو ہم پر یقین نہیں آتا تو آپ اس بستی کے باشندوں سے پوچھ لیں جس میں ہم فروکش تھے۔ اور اس قافلے سے بھی دریافت کر سکتے ہیں جس میں ہم واپس آئے۔ ہم بہر حال اس بارے سچے ہیں۔

۱۳۶ اپنی سچائی کی تائید و تصدیق کے لیے اہتمام مزید کا ذکر:۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنی سچائی کی تائید و تصدیق کے لیے اپنے باپ سے مزید کہا کہ آپ پوچھ لیجیے اس بستی سے جس میں ہم لوگ فروکش تھے اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم ہر طرح سے سچے ہیں"۔ بستی سے مراد اسکے باشندے ہیں۔ سو برادرانِ یوسف نے حضرتِ یعقوب سے کہا کہ آپ پوچھ لیجئے اس بستی کے باشندوں سے جس میں ہم لوگ فروکش تھے۔ اور اس قافلے سے جس میں ہم واپس آئے۔ وہ سب ہماری صفائی اور سچائی کی گواہی دیں گے کہ واقعۃً ہم ہر طرح سے سچے ہیں۔ دیکھ لیجیے کہ ایک مرتبہ جب کسی کا اعتماد کھو جائے تو پھر اس کو دوبارہ اپنا اعتماد بحال کرنے کے لئے کس طرح کے جتن کرنے پڑتے ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اعتماد صنوبر کا درخت ہے جو ایک مرتبہ ٹوٹ جائے تو پھر جڑنے نہیں پاتا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ہمیشہ سچ ہی کو اپنا شعار بنائے رکھنا چاہیئے اور جھوٹ کی ہر قسم اور ہر شکل سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ سچ میں نجات ہے اور جھوٹ میں ہلاکت۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ

نفسوں نے ہی تمہارے لئے ایک اور بات گھڑلی ہے، میں اس پر بھی صبر جمیل ہی سے کام لوں گا ف۱۳۷ بعید نہیں کہ اللہ ان سب

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ

کو ہی مجھ سے ملادے ف۱۳۸ کہ وہی ہے سب کچھ جانتا بڑا ہی حکمتوں والا ف۱۳۹ اور ان سے رخ پھیر کر آپ نے (درد بھرے انداز

يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ

میں) کہا اے افسوس یوسفؑ پر، اور ان کے غم سے (روتے روتے) آپ کی آنکھیں سفید پڑ گئیں،

فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ

اور آپ دل ہی دل میں گھٹے جا رہے تھے ف۱۴۰ (یہ دیکھ کر) بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم، آپ تو یوسفؑ کو یونہی یاد کرتے رہیں گے،

۱۳۷ صبرِ جمیل ہی کو اپنانے کے عزم کا اظہار و بیان:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ بیٹوں کی ان باتوں کے جواب میں حضرتِ یعقوب نے ان سے کہا کہ ایسے نہیں بلکہ تمہارے نفسوں ہی نے تمہارے لیے کسی بات کو گھڑ کر اس کو تمہاری نگاہوں میں کھبا دیا ہے۔ پس میرا کام تو صبر جمیل ہی کو اپنائے رکھنا ہے۔ سو میں پہلے کی طرح اب بھی مخلوق کے آگے کسی طرح کی کوئی جزع وفزع نہیں کروں گا۔ اور میں اپنا معاملہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے حوالے کرتا ہوں کہ میرا چارۂ کار صبرِ جمیل ہی ہے۔ اور میری امیدوں کا مرکز میرا اللہ ہی ہے۔ وہی بہتری فرمائے گا اور اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ صبرِ جمیل اس صبر کو کہتے ہیں جو اظہارِ غم کے اوچھے طریقوں سے پاک ہو کہ نہ اس میں جزع وفزع اور ماتم وواویلا ہو اور نہ سینہ کوبی وغیرہ کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد تو انسان کو صبر آ ہی جاتا ہے۔ لیکن اس کا فائدہ کوئی نہیں کہ اس طرح کرنے سے صبر کا اجرِ موعود ضائع ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اسی لیے صحیح احادیث میں ارشاد فرمایا گیا "انما الصبر عند الصدمة الاولى" یعنی "صبر تو وہ ہوتا جو صدمے کے شروع میں کیا جائے" نہ کہ رونے پیٹنے کے ارمان نکال کر۔ سو صبرِ جمیل اصل میں ان لوگوں کا صبر ہوتا ہے جو غم کو اس طرح برداشت کرتے ہیں کہ نہ ان کی زبان کسی حرفِ شکایت سے آلودہ ہوتی ہے اور نہ ان کے ہاتھ پاؤں سے کسی خلافِ شرع اور کسی خلافِ وقار حرکت کا صدور ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء الصراط بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن۔

۱۳۸ حضرتِ یعقوب کی شانِ امید ورجاء:۔سو اس موقع پر حضرتِ یعقوب نے اپنی شانِ امید ورجاء کی بناء پر کہا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ میرے تینوں بیٹوں کو میرے پاس لے آئے گا۔ یعنی یوسف، بنیامین اور ان کے اس تیسرے بھائی کو جو کہ اب مصر میں رہ گیا تھا اور شرم کے مارے واپس نہیں آسکا تھا۔ یہ بات حضرتِ یعقوب نے اس حسنِ ظن اور امید کی بناء پر کہی جس سے آپ کا دل منور و معمور تھا۔ کیونکہ اللہ پاک کی سنت اور اس کا دستور یہی ہے کہ تنگی کے بعد آسانی ملتی ہے۔ نیز

آپ کو اپنے دل میں یہ یقین تھا کہ یوسف ابھی تک زندہ موجود ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جو خواب دیکھا تھا وہ ابھی تک پورا نہیں ہوا تھا۔ اس نے بہرحال پورا ہونا تھا اور وہ اسی صورت میں پورا ہوسکتا تھا کہ حضرتِ یوسف زندہ وسلامت اپنے بھائیوں سمیت مجھ سے ملیں۔ (معارف وغیرہ)۔ لیکن اس قلبی یقین کے باوجود آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یوسف ہیں کہاں؟ حالانکہ وہ قریب ہی واقع مصر جیسے اتنے بڑے اور متمدن ملک کے بادشاہ تھے۔ سو یہ کس قدر واضح اور کھلا ثبوت ہے اس بات کا کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ مگر اہلِ بدعت ہیں کہ ان کی آنکھیں پھر بھی نہیں کھلتیں اور وہ اس سب کے باوجود کہتے ہیں کہ پیغمبر عالم ما کان وما یکون اور مختارِ کل ہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر صورت سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۳۹ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم وحکمت کا حوالہ وذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر حضرتِ یعقوب اپنے امید ورجاء کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم وحکمت کے حوالہ وذکر کے طور پر فرمایا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ ہی ہے سب کچھ جانتا نہایت ہی حکمت والا ہے''۔ پس نہ کوئی چیز اس کے علم واحاطہ سے باہر ہوسکتی ہے کہ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اور نہ ہی اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہوسکتا ہے کہ وہ حکیم بھی ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔ پس وہ جو کچھ کرتا ہے اور کرے گا وہی بہتر ہوگا۔ اسی میں خیر ہوگی۔ اور ہمارا ہر حال میں اسی وحدہٗ لاشریک پر بھروسہ واعتماد ہے۔ وہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو جس طرح گرمی کی شدت سے بارش کی امید بڑھ جاتی ہے اسی طرح ابتلاء وآزمائش کی شدت سے امید ورجاء کو قوت ملتی ہے۔ سو حضرتِ یعقوب جب یکے بعد دیگرے تینوں بیٹوں کی دید وزیارت سے محروم ہوگئے۔ یعنی پہلے یوسف پھر بنیامین اور اب یہودا۔ تو اس سے ان کو یکایک روشنی کی ایک کرن نظر آئی کہ اب سب کے یکجا ہونے کا وقت قریب آگیا اور اس کا پورا علم اللہ ہی کو ہے جو کہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لئے میں اپنا معاملہ اسی کے حوالے کرتا ہوں۔

۱۴۰ فراقِ یوسف کے غم میں حضرتِ یعقوب کی حالت زار کا ذکر وبیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ یعقوب نے اپنے بیٹوں سے رخ پھیر کر درد بھرے انداز میں کہا کہ اے افسوس یوسف پر اور ان کے غم میں روتے روتے آپ کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں اور آپ دل ہی دل میں گھٹے جا رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک طبعی اور غیر اختیاری امر ہے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بلکہ یہ تو فطرت کا تقاضا ہے۔ جیسا کہ ہمارے حضور نے اپنے صاحبزادے حضرتِ ابراہیم کے انتقال کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا۔ ممنوع اور مذموم تو وہ جزع وفزع اور پیٹنا کوٹنا وغیرہ امورِ جاہلیہ ہیں جو انسان ایسے موقعہ پر اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ جیسا کہ روافض وغیرہ گمراہ فرقوں کا حال ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ ورنہ محض غم اندوہ نہ برا ہے اور نہ ہی ممنوع ومحظور کہ یہ تو فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے۔ سو اس سے یہ امر بھی واضح ہوجاتا ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو پھر حضرتِ یعقوب کا فراقِ یوسف سے یہ حال کیوں ہوتا؟ سو یہ کس قدر کھلا ثبوت ہے اس بات کا کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ مگر اہلِ بدعت ہیں کہ اس سب کے باوجود علمِ غیب کلی اور اختیارِ کلی جیسے شرکیہ عقائد رکھتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر شکل سے محفوظ اور ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین۔

حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

یہاں تک کہ آپ جاں بلب ہو جائیں گے، یا بالکل ہلاک ہی ہو جائیں گے، ۱۴۱

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ

یعقوبؑ نے فرمایا میں تو بس اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اپنے اللہ کے حضور ہی کرتا ہوں، ۱۴۲ اور میں اللہ کی طرف سے

۱۴۱ برادرانِ یوسف کی اپنے باپ کو تسلی: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان آپ یوسف کو یاد کرتے کرتے یونہی جاں بلب یا ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ انہوں نے آپ کی حالت پر ترس کھاتے ہوئے کہا۔ حالانکہ اس سب کا باعث اور سبب وہ خود ہی تھے۔ بہر کیف اس طرح انہوں نے باپ کو تسلی دینے کی کوشش کی لیکن یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ ان کی اس نصیحت کا انداز اگرچہ بظاہر بڑا ہمدردانہ ہے لیکن در پردہ اسکے اندر ان کا وہی جذبۂ حسد کارفرما ہے جو ان کے ان تمام اقدامات کا باعث بنا جن کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا۔ کیونکہ انہوں نے حضرتِ یوسف کو اس توقع پر باپ سے دور کیا تھا کہ اسکے بعد باپ کی ساری توجہ ان ہی کی طرف مبذول ہو جائے گی۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ معاملہ اس سے مختلف ہو گیا اور نتیجہ الٹا نکلا۔ باپ کی توجہ اور نظرِ التفات کا جو کوئی گوشہ ان کو اس سے پہلے حاصل تھا اب وہ اس سے بھی محروم ہو گئے۔ اور باپ ہر وقت یوسف ہی کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ تو انہوں نے اپنے باپ سے اس طرح کی بات کہی۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کی ہر حرکت سے محفوظ اور ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور ہر قدم اپنی رضا کی راہوں پر ہی اُٹھانے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۴۲ اللہ پاک کے حضور اپنی شکایت پیش کرنا ممنوع نہیں، محمود و مطلوب ہے: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ بیٹوں کی اس بات کے جواب میں حضرت یعقوب نے ان سے کہا کہ میں تو اپنے غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں جو کہ ممنوع و محذور نہیں بلکہ مطلوب و محمود ہے۔ بہر کیف حضرتِ یعقوب نے اپنے بیٹوں کی اس حاسدانہ بات کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں تو اپنے غم اور پریشانی کی شکایت اللہ کے حضور ہی کرتا ہوں۔ نہ کہ کسی اور کے آگے۔ پھر تم کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ برا تو وہ ہے کہ انسان رب کی طرف سے آئی ہوئی مصیبت کی شکایت اسکی مخلوق کے سامنے کرے۔ میں تو اپنی شکایت اسی قادرِ مطلق کے حضور کر رہا ہوں۔ اور رب کے حضور اپنی شکایت کرنا اور اسی سے اپنی عرض و التجاء پیش کرنا برا نہیں مطلوب و محمود ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے کہ اس میں اس وحدہٗ لاشریک کی کارسائی پر بھروسہ و اعتماد بھی ہے اور اس کی طرف انابت و رجوع بھی۔ اور یہی اساس و بنیاد ہے سعادتِ دارین سے سرفرازی کی۔ سو رونا دھونا وہ برا اور مذموم ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے آگے ہو جبکہ اپنے رب کے آگے رونا اس کی عبادت و بندگی کا حصہ اور ایک امرِ مطلوب ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید وھو الھادی الیٰ سواء الصراط بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ

وہ کچھ جانتا ہوں جس کا علم تمہیں نہیں، ۱۴۳ میرے بیٹو، جاؤ اور جا کر کھوج لگاؤ (میرے)

يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ

یوسفؑ اور اس کے بھائی کا، اور مایوس (وناامید) مت ہوؤ تم اللہ کی رحمت سے، کہ اللہ کی

لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا

رحمت سے مایوس اور (ناامید) تو صرف کافر لوگ ہی ہوا کرتے ہیں ۱۴۴ آخر کار جب وہ (ایک مرتبہ پھر مصر پہنچ کر) یوسفؑ

دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا

کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو عرض کیا، اے عزیز، ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو (قحط کی وجہ سے) سخت تکلیف پہنچی

الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ

ہے، ۱۴۵ اور (اپنی ناداری کے سبب) ہم یہ حقیری پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں، اس لئے آپ ہمیں پورا غلہ عنایت فرما دیں،

تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

اور ہمیں خیرات (کے طور پر ہی) دے دیں، بے شک خیرات کرنے والوں کو اللہ اپنی طرف سے بدلہ دیتا ہے،

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ

(یہ سن کر یوسفؑ سے رہا نہ گیا، اور راز افشاء کرنے کے لئے بے اختیار ہو کر) آپ نے فرمایا وہ بھی تمہیں یاد ہے جو تم نے

۱۴۳ پیغمبر کی امتیازی شان کا حوالہ وذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یعقوب نے ان سے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جس کا علم تم لوگوں کو نہیں"۔ کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میرے پاس اللہ پاک کی طرف سے وحی آتی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس ابتلاء وآزمائش کا یہ دور بالآخر ختم ہوگا۔ میرا یوسفؑ مجھے واپس زندہ ملے گا۔ اسکے خواب کی تعبیر پوری ہوگی۔ اس کو سجدہ کیا جائے گا۔ تم سب اس کے آگے سجدہ ریز ہوؤ گے۔ اور میں بھی اس کو سجدہ کروں گا۔ کما روی ذالک عن ابن عباسؓ ۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ اور یہ دور جواب ایک آزمائشی دور ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ابتلاء وآزمائش کا یہ دور کب ختم ہوگا۔ سو یہاں سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نہ عالم غیب ہوتا ہے نہ مختار کل۔ اور ان کو غیب کا وہی اور اتنا ہی علم عطا فرمایا جاتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اور جو ان کے منصب نبوت کے لائق اور ادائے رسالت کی غرض کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ بہرکیف حضرتِ یعقوب نے ان سے کہا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور مجھے یقین ہے کہ

یوسف زندہ ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمائے گا۔ ان پر اپنی وحی نازل فرمائے گا اور اس پر اور آلِ یعقوب پر، اپنی نعمت کو پورا فرمائے گا۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ پس تم مجھ پر اعتراض کرنے کی بجائے مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو۔

۱۷۴ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کی ممانعت: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر حضرت نے ان سے کہا اور پیار کے انداز میں اور نہایت صاف لفظوں میں کہا کہ اے میرے بیٹو، تم جاؤ اور جا کر یوسف اور اس کے بھائی کی ٹوہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوؤ کہ اللہ کی رحمت سے مایوس کافر لوگ ہی ہوا کرتے ہیں"۔ جو اس کی قدرت، حکمت اور رحمت و رأفت سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اور وہ نہیں جانتے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے پسِ پردہ اسکی کیا کچھ حکمتیں کارفرما ہیں۔ اسی لئے وہ صبر سے عاری ہوتے ہیں اور اپنے مقصد میں ناکامی کے بعد وہ خودکشی بھی کر لیتے ہیں۔ بخلاف مومنِ صادق کے کہ وہ خیر و شر کی ہر حالت میں اپنے رب کی رحمت و عنایت سے مطمئن، پُر امید اور شاد کام رہتا ہے۔ نعمت ملنے پر وہ اپنے ربِّ منعم کا شکر بجا لاتا ہے۔ جس سے وہ اس کے لئے خیر بن جاتی ہے۔ اور تکلیف و مصیبت آنے پر وہ صبر و برداشت سے کام لیتا ہے۔ جس سے وہ بھی اس کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ سو اس کے لئے ہر حالت خیر ہی خیر کی ہے۔ جیسا کہ نبئ معصوم حضرتِ امام الانبیاء ۔ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ نے اس کو طرح طرح سے واضح فرمایا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیسی عظیم الشان دولت ہے یہ ایمان و یقین کی دولت جو کہ مٹی کو بھی سونا بنا دینے والی اور اس انسان کی اس مشتِ خاک کو کہیں سے کہیں پہنچا دینے والی بے مثال دولت ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ شَرَّفَنَا بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ الْعُظْمٰى وَالْمِنَّةِ الْكُبْرٰى ۔ فَثَبِّتْنَا اللّٰهُمَّ عَلَيْهَا وَزِدْنَا مِنْهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ بہر کیف حضرتِ یعقوب نے اپنی پیغمبرانہ شان اور پیغمبرانہ ایمان و یقین کے مطابق ان سے فرمایا کہ میں اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتا کہ اسکی رحمت سے مایوس ہونا کافروں کا کام ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ اور بیٹوں سے آپ نے بڑے پیار کے انداز میں کہا کہ تم جاؤ اور جا کر یوسف اور اس کے بھائی کے بارے میں کھوج لگاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور اس کی مشکل کشائی اور کرم فرمائی سے مایوس مت ہوؤ کہ اسکی رحمت سے مایوس کافر لوگ ہی ہوتے ہیں۔ تم اگر صدق و اخلاص سے اور جان کی بازی لگانے کے جذبہ سے نکلو گے تو رحمتِ خداوندی کا ایک جھونکا ہی تمہارا سارا کام بنا دے گا۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

۱۷۵ برادرانِ یوسف کی لجاجت والتجاء: ۔ سو حضرتِ یعقوب کے اس حکم و ارشاد پر برادرانِ یوسف پھر مصر کے سفر پر روانہ ہوئے اور مصر میں انکے حضور حاضر ہوئے تو ان کے سامنے نہایت رقت انگیز انداز میں اپنی پریشانی اور خستہ حالی کا ذکر کیا۔ سرگزشت کا یہ حصہ چونکہ ظاہر اور واضح تھا اس لیے اس کو ذکر نہیں فرمایا گیا بلکہ دربارِ یوسفی میں حاضری کے بعد کا حال بیان فرمایا گیا۔ بہر کیف اس سے واضح فرمایا گیا کہ برادرانِ یوسف نے حضرتِ یوسف کے سامنے حاضر ہو کر اپنی لجاجت اور حاجت و ضرورت کا ذکر بڑے ہی رقت انگیز انداز میں کیا کہ حضرت قلتِ مال کثرتِ عیال اور ہولناک قحط سالی کے باعث ہمارا حال بہت برا ہو گیا ہے۔ اور ہم اپنے ساتھ حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں جو اگرچہ آپ کے حضور پیش کرنے اور قبول کرنے کے لائق نہیں مگر ہم عرقِ ندامت میں غرق ہو کر عرض کرتے ہیں کہ ہم وہی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ کہ اس کے سوا ہمارے پاس اور کچھ نہ تھا نہ ہے۔ اس لیے ہمیں مجبوراً اسی کو لے کر حاضر ہونا پڑا۔ لہٰذا آپ چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے اسی کو قبول کر لیں اور ہمیں اسکے عوض صدقہ اور احسان کے طور پر غلہ عنایت فرما دیں۔ یہ آپ کا ہم پر احسان ہو گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ صدقہ اور احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا اور ان کو اپنی طرف سے جزائے خیر سے نوازتا ہے۔

جٰهِلُوْنَ ﴿٨٩﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا

یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا تھا جب کہ تم جہالت کا شکار تھے؟ ف۱۴۶ وہ (چونک کر) بولے ہائیں! کیا آپ واقعی

يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ

یوسفؑ ہی ہیں؟ فرمایا ہاں، میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا (حقیقی) بھائی ہے، اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا ف۱۴۷ حقیقت یہ ہے

يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٠﴾

کہ جو کوئی تقوٰی (و پرہیز گاری) کو اپنائے رکھے اور صبر سے کام لیتا رہے تو یقیناً اللہ ایسے نیکوکاروں کا اجر کبھی ضائع نہیں

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿٩١﴾

فرماتا ف۱۴۸ وہ (اپنے کئے پر نادم ہو کر) کہنے لگے اللہ کی قسم، اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخش دی اور کوئی شک نہیں کہ ہم

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ

بڑے ہی خطا کار تھے ف۱۴۹ فرمایا (بے فکر رہو) اب تم پر کوئی الزام نہیں، ف۱۵۰ اللہ تمہیں معاف فرمائے

۱۴۶ حضرتِ یوسف کی طرف سے اِفشائے راز: - سو حضرتِ یوسف نے جب ان لوگوں کی اس لجاجت و عاجزی اور خستہ حالی کو دیکھا تو ان سے رہا نہ گیا۔ تو انہوں نے بیگانگی اور رازداری کا وہ پردہ جواب تک انکے اور انکے بھائیوں کے درمیان حائل تھا اس کو ہٹاتے ہوئے ان سے کہا کہ تمہیں یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جبکہ تم لوگ جہالت کا شکار تھے؟۔ اور جوشِ جہالت سے مغلوب و مدہوش ہو کر تم وہ کچھ کر گزرے تھے جو نہ کسی بھی طرح تمہارے لیے روا تھا اور نہ ہی وہ تمہیں کسی بھی اعتبار سے زیب دیتا تھا۔ اور تم نہیں جانتے تھے کہ اس کا نتیجہ وانجام کیا ہونے والا ہے۔ اس طرح آنجناب نے ان کی خفت کو کم کرنے کے لئے ایک طرح کا عذر بھی بیان کر دیا کہ یہ سب کچھ جہالت کا نتیجہ تھا جس کا ارتکاب تم نے کیا تھا۔ سو یہ آنجناب کے مکارمِ اخلاق کا ایک نمونہ تھا۔ بہرکیف اس موقع پر حضرتِ یوسف نے اِفشائے راز کرتے ہوئے اصل حقیقت کو ظاہر کر دیا۔ اور لفظ جہل یہاں پر جذبات سے مغلوبیت کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

۱۴۷ احسانِ خداوندی کی تذکیر و یاد دہانی: - سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ افشاءِ راز کے اس موقع پر برادرانِ یوسف نے چونک کر حضرتِ یوسف سے کہا کہ ہائیں کیا آپ واقعی یوسف ہیں؟ تو اس پر حضرتِ یوسف نے فرمایا کہ ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا حقیقی بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا کہ احسان فرمانے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ بس بڑی پھٹکار ہے ان لوگوں پر جو اس کے سوا اوروں کے دروں پر جھکتے ہیں اور مافوق الاسباب طور پر غیر اللہ سے مدد مانگ کر جریمہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جو کہ سنگین جرم اور ظلمِ عظیم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو حضرتِ یوسف کے اس انکشاف پر وہ چونک کر بولے کہ ہائیں کیا آپ واقعی یوسف ہیں؟ تب حضرتِ یوسف نے فرمایا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین

ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچایا۔ کس طرح اٹھایا اور کن کن لطیف تدابیر سے کام لیا۔ سو یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اسی کا انعام و احسان ہے۔ نہ اس میں کسی اور کا کوئی عمل دخل ہے اور نہ خود ہی ہماری اپنی کسی خوبی کا۔ بلکہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ فالحمد للّٰہ رب العالمین۔

۱۴۸ صبر وتقویٰ وسیلۂ نجات وسرفرازی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ یوسف نے کہا کہ جو کوئی تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنائے رکھے وہ صبر و ضبط سے کام لے اور راہِ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رہے تو [وہ یقیناً مراد کو پا گیا کہ] بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کے اجر و ثواب کو کبھی ضائع نہیں فرماتا۔ سو اس سے آنجناب نے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرمادیا کہ بے شک اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ جو صبر و تقویٰ کے جامع ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ صبر و تقویٰ کی دولت بھی کیا شاہ کلید ہے جو کہ ہر خیر کا دروازہ کھولنے والی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ سو احسان والوں کو اللہ پاک ان کے احسان کے بدلے میں اس دنیا میں بھی اپنی طرح طرح کی عنایات سے نوازتا ہے جبکہ ان کا اصل اجر و ثواب اور بدلہ وہ ہے جس سے وہ ان کو آخرت کے اس ابدی جہاں میں نوازے گا جس کو نہ فناء ہے نہ زوال۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صفتِ احسان سے سرشار و مالا مال رکھے۔ آمین ثم آمین۔ احسان کا لفظ یہاں پر صبر و تقویٰ کی بنیادی شرط و صفت کی طور پر استعمال ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں صبر و تقویٰ وہی مقبول و معتبر ہے۔ جس کے اندر احسان کی روح پائی جاتی ہو۔ یعنی بندہ صبر و تقویٰ کا حق اس طرح ادا کرے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو کم از کم یہ یقین رکھے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ بندے کا خدا بہر حال اس کو دیکھ رہا۔ کما ورد ذالک فی حدیث جبریل الصحیح المعروف۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید وعلٰی ما یحب ویرید وھو الھادی الٰی سواء السبیل فعلیہ نتوکل وبہ نستعین۔

۱۴۹ برادرانِ یوسف کا اعترافِ جرم وقصور: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر انہوں نے کہا کہ "بلاشبہ اللہ نے آپکو ہم پر فضیلت بخشی"۔ علم و حلم اور فضل و کمال ہر اعتبار سے۔ اور یقیناً ہم سخت خطا کار تھے۔ سو اللہ نے آپ کو حسنِ ظاہر و باطن کے کمال اور جامعیت سے نواز دیا ہے۔ اور ایسا اور اس قدر کہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ لہٰذا اب آپ للہ ہمیں معاف کردیں کہ آپ کی اس فضیلت و بزرگی اور عظمتِ شان کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ہمیں معاف کردیں۔ بہرکیف اس موقع پر برادرانِ یوسف نے خدا کی قسم کھا کر اقرار کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور ہم بڑے خطا کار تھے جو اپنے باپ کو آپ کی بناء پر خطا کار سمجھتے تھے کہ وہ آپ سے ہمارے مقابلے میں زیادہ محبت کیوں کرتے ہیں۔ اور اس بناء پر ہم نے وہ سب پاپڑ بیلے۔ سو اب ظاہر ہوگیا کہ آپ واقعی اسکے سزاوار تھے۔ اور ہم یقیناً سخت غلطی پر تھے۔

۱۵۰ حضرتِ یوسف کی طرف سے بھائیوں کیلئے معافی کا اعلان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر حضرتِ یوسف نے ان سے فرمایا کہ بے فکر رہو کہ اب تم پر کوئی الزام نہیں۔ میں نے تمہیں سچے دل سے معاف کردیا ہے۔ یہی بات ہمارے حضور نے فتح مکہ کے موقع پر کفارِ قریش سے فرمائی تھی۔ یعنی تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ سو انتقام کا موقع مل جانے کے باوجود معاف کردینا اور عفو و درگزر سے کام لینا حضراتِ انبیائے کرام کی سنت اور ان کے اخلاقِ عالیہ میں سے ہے۔ وباللّٰہ التوفیق۔ "تثریب" کے معنیٰ کسی قابلِ ملامت فعل پر ملامت کرنے کے ہیں۔ سو اگر کوئی سچے احساسِ ندامت کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کرلیتا ہے تو کریم بن کریم اسکو معاف کردیتا ہے۔ سو حضرتِ یوسف نے جب محسوس فرمالیا کہ یہ لوگ سچے دل سے اپنی غلطی کے معترف اور اس پر نادم ہیں تو انہوں نے بڑی فیاضی سے ان کو معاف فرمادیا اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ اب تم لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ اور یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے بھی معافی کی امید دلائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تمہاری بخشش فرمائے۔ سو اس طرح آپ نے ان کو مغفرت و بخشش خداوندی کی امید دلائی۔

وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا

اور وہی ہے سب سے بڑا مہربان، و۱۵۱ یہ میرا کرتہ لے جاؤ

فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ

اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو، اس سے ان کی بینائی لوٹ آئے گی، اور تم لے آؤ میرے پاس

اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ

اپنے سب گھر والوں کو و۱۵۲ اور (اس کے بعد) جب یہ قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے

اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

(کنعان میں) کہا کہ اگر تم لوگ مجھے دیوانہ نہ قرار دینے لگو تو (میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ) مجھے یوسف کی خوشبو محسوس

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ

ہو رہی ہے و۱۵۳ انہوں نے کہا اللہ کی قسم، آپ تو ابھی تک اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں و۱۵۴ پھر جب پہنچ گیا وہ

جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ

خوشخبری لانے والا اور اس نے (حسب ہدایت) ڈال دیا اس کرتے کو آپ کے چہرے پر، تو (فوراً) لوٹ آئی آپ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا

کی (کھوئی ہوئی) بینائی، اور آپ نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جس کی

۱۵۱ سچی توبہ ذریعۂ بخشش و معافی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یوسف نے ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بھی معافی کی امید دلائی اور ان سے فرمایا کہ اللہ بھی تم کو معاف فرما دے گا کہ وہ بڑا ہی مہربان ہے۔ پس وہ ہر اس شخص کی بخشش فرما دیتا ہے جو سچے دل سے توبہ کر کے اس کے یہاں حاضر ہو۔ خواہ اس کا گناہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ فَاغْفِرْلِیْ یَا رَبِّیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ، دِقَّہٗ وَجِلَّہٗ، اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ، سِرَّہٗ وَعَلَانِیَتَہٗ، مَا عَلِمْتُ مِنْہُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ - فَمَغْفِرَتُکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ، وَرَحْمَتُکَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ - اور جب میں نے تم کو معاف کر دیا حالانکہ میں بندہ بشر ہوں تو وہ تم کو کیوں نہیں معاف فرمائے گا جبکہ وہ سب سے بڑا مہربان "ارحم الراحمین" ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ - (معارف از کاندھلویؒ)۔ سو حضرت یوسف نے نہ صرف یہ کہ خود ان کو بڑی فیاضی اور فراخدلی سے معاف فرما دیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بھی معافی کی

امید دلادی جو کہ آپ کے مکارم اخلاق کا ایک اور نمونہ ہے۔

۱۵۲ یوسف کے کُرتے کی عظمت شان: -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ یوسف نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ تم یہ کرتا لے جاؤ اور اس کو لے جا کر میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا۔ اس سے ان کی بینائی لوٹ آئے گی اور تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔ مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ حضرتِ یوسفؑ کا کرتا بھی عجیب تھا کہ تین عجیب اور عظیم الشان نشانیاں اس سے وابستہ ہیں۔ آپ کے بھائی جب اس پر جھوٹا خون لگا کر لے گئے تو ان کے والد نے کہا کہ وہ بھیڑیا کیسا تھا جس نے یوسفؑ کو تو کھالیا مگر ان کے کرتے کو پھاڑا تک نہیں۔ اس طرح اس کرتے سے ان کا جھوٹ کھل گیا۔ پھر اسی کرتے نے زلیخا کی تہمت کے موقعہ پر حضرتِ یوسفؑ کی صفائی بیان کر دی۔ اور اب یہی کرتا حضرتِ یعقوبؑ کی کھوئی ہوئی بینائی واپس لانے کا ذریعہ بن رہا ہے۔ اور حضرتِ یوسف نے اپنے کرتے کے بارے میں جو اس طرح فرمایا تو یا تو یہ وحیِ خداوندی کی بناء پر تھا اور یا اس لیے کہ آپ نے کہا کہ جب میرے والد کی بینائی میری جدائی اور کثرتِ بکاء کی وجہ سے گئی تو اب میرا کرتہ ان کے چہرے پر ڈال دینے سے ان کو شرحِ صدر حاصل ہو جائے گا۔ اور ان کو وہ خوشی نصیب ہوگی جو کہ سب سے بڑی اور عظیم الشان خوشی ہوگی۔ تو اسکے نتیجے میں انکی کھوئی ہوئی بینائی لوٹ آئے گی اور شدتِ غم اور حزن و ملال کی وجہ سے پیدا ہونے والی کیفیت زائل ہو جائے گی۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو جس ضعفِ بصارت کا سبب وہ غم والم اور گریہ وزاری تھا جو کہ حضرتِ یوسف کی جدائی سے ان کو لاحق ہوا تھا اس کا واحد علاج بھی یہی تھا کہ حضرتِ یوسف کی زندگی کا پتہ دینے والی کوئی چیز ان کے سامنے لائی جائے۔ خاص کر کوئی ایسی چیز جو کہ حضرتِ یوسف کے جسم کے ساتھ لگی ہوئی ہو اور ان کی خوشبو کے اثرات اسکے اندر موجود ہوں۔ تا کہ اسکی لائی ہوئی خوشی انکی رگ رگ میں حیاتِ تازہ دوڑا دے۔ یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ حضرتِ یعقوب کی زندگی کا سب سے بڑا غم پیراہنِ یوسف ہی کی شکل میں آپ کے سامنے آیا تھا جبکہ ان کے بھائی اس پر جھوٹا خون لگا کر بوڑھے باپ کے سامنے لائے تھے۔ اور اب زندگی کی سب سے بڑی خوشی بھی پیراہنِ یوسف ہی کی شکل میں ملنے والی تھی۔ سبحان اللہ۔ کیا کیا شانیں ہیں ربِ رحمان کی رحمتوں اور عنایتوں کی جو اس کی حکمتوں بھری کائنات میں ہر طرف پھیلی بکھری ہیں۔ اللہ ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۱۵۳ اللہ پاک کی شئونِ مختلفہ کا ایک نمونہ ومظہر: -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب یہ قافلہ یوسف کا کرتا لے کر مصر سے روانہ ہوا تو [کنعان میں بیٹھے] انکے والد نے اپنے گھر میں موجود اپنے بیٹوں سے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے دیوانہ نہ قرار دینے لگو تو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ "مجھے یوسف کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے"۔ سبحان اللہ۔ اللہ پاک کی شانیں بھی کیا عجیب ہوتی ہیں۔ بتانے پہ آئے تو کنعان میں بیٹھے حضرتِ یعقوبؑ کو مصر میں موجود اپنے بیٹے یوسفؑ کے کرتے کی خوشبو محسوس ہونے لگے۔ اور نہ بتائے تو کچھ ہی فاصلے پر موجود کنعان کے کنویں میں پڑے مظلوم و بے سہارا یوسفؑ کا پتہ نہ چلے۔ اور اس کے فراق میں روتے روتے یعقوبؑ کی آنکھوں کی بینائی تک جاتی رہے۔ سو معاملہ سب کا سب اللہ پاک ہی کے اختیار میں اور اسی کی مشیت و مرضی پر موقوف اور اسی کے تابع ہے۔ چنانچہ یہی بات جب کسی نے حضرتِ یعقوبؑ سے پوچھی تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہماری شان تو آسمان سے چمکنے والی بجلی کی طرح ہوتی ہے کہ اس کے چمکنے اور روشنی پھیلنے پر آس پاس کی سب چیزیں فوراً نظر آنے لگتی ہیں۔ اور جونہی وہ بجھتی ہے تو چہار سو اندھیرا چھا جاتا ہے۔ کبھی تو ہم لوگ عالمِ بالا کی سیر کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی اپنے

پاؤں کی پیٹھ پر بھی کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اسی کو شیخ سعدی-علیہ الرحمۃ- نے اس طرح منظوم فرمایا ہے- یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند- کہ اے روشن گوہر پیر خرد مند- ز مصرش بوئے پیرا ہن شمیدی- چرا در چاہِ کنعانش نہ دیدی- گفت احوالِ ما برقِ جہانند- دمے پیدا و دیگر نہاں اند- گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم- گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم -سو حضرات انبیائے کرام-علیھم الصلوۃ والسلام- نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ بلکہ معاملہ سب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ جب چاہے اور جس قدر اور جیسے چاہے ان کو عطا فرمائے۔ جیسا کہ اس قصے سے واضح ہے۔ اور جیسا کہ حضرتِ امام الانبیاء- صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ وعلیہم اجمعین- کی شان تھی کہ غیب کی کتنی ہی خبریں اور کتنے ہی علوم تھے جو آپؐ کو عطا فرمائے گئے۔ جن کا احاطہ بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ لیکن جب وہ نہ بتائے تو سامنے رکھے ہوئے کھانے میں پڑے زہر کا بھی پتہ نہ چلے۔ یہاں تک کہ جبریل نے آ کر خبر دی۔ ورنہ اس سے پہلے آپ نے خود بھی اس سے تناول فرمالیا تھا جس کا اثر اور درد آپ کو آخر تک رہا۔ اور آپ کے ساتھیوں نے بھی اس سے کھالیا جس سے وہ شہید بھی ہوگئے۔ سو انسان اگر صحیح طور پر غور و فکر سے کام لے تو حق اور حقیقت کی راہ اس کے سامنے پوری طرح واضح ہوجاتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۵۷ برادرانِ یوسف کی بدتمیزی کا ایک اور نمونہ ومظہر:- سو اس سے برادران یوسف کی بدتمیزی اور بے قدری کا ایک اور نمونہ سامنے آتا ہے کہ انہوں نے اپنے والدِ ماجد کو جو کہ ایسی عظیم الشان اور جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے اُن کو اُن کے منہ پر خبطی قرار دیا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب نے اپنی آل و اولاد میں سے ان لوگوں سے جو وہاں ان کے پاس موجود تھے کہا کہ اگر تم لوگ مجھے دیوانہ نہ قرار دو تو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ مجھے یوسف کی خوشبو محسوس ہورہی ہے مگر انہوں نے وہی بات کی جس کے خدشے کا اظہار حضرت یعقوب نے کیا تھا۔ سو انہوں نے جواب میں کہا اور قسم کھا کر کہا کہ اللہ کی قسم آپ پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں"۔ یوسفؑ کی یاد اور اس کی محبت کے سلسلہ میں۔ حالانکہ ان کی گمشدگی کو اب ایک زمانہ گزر چکا ہے۔ اب کہاں یوسفؑ؟ اور کیسی ان کی واپسی؟ مگر آپ ہیں کہ اب تک ان کے خیال میں پڑے ہیں۔ (صفوہ، معارف اور المراغی وغیرہ)۔ اور ظاہری صورتحال تھی بھی ایسی ہی کہ اتنے عرصے کے بعد یوسف کے زندہ رہنے کی اور زندہ واپس آنے کی کوئی صورت بہت بعید تھی۔ لیکن ایمان ویقین کی قوت بڑی عظیم الشان اور بے مثال قوت ہوتی ہے۔ اسکے بعد کچھ بھی بعید اور ناممکن نہیں رہ جاتا۔ اس لیے حضرتِ یعقوب اپنی جگہ اور اپنی اسی قوتِ ایمانی اور بصیرتِ ایقانی کی بناء پر مطمئن تھے کہ یوسف ابھی تک زندہ ہیں۔ اور وہ ضرور زندہ ہی مجھ سے ملیں گے۔ اور ان کے خواب کی تکمیل ہو کر رہے گی- سبحان اللہ- کیسی روح پرور ایمان افروز اور انقلاب آفریں قوت ہے یہ ایمان ویقین کی قوت کہ اسکے بعد نہ کوئی مایوسی ہے نہ افسوس۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ہے کہ اسکے بعد ہر حالت خیر ہی خیر بن جاتی ہے۔ نعمت ملی تو بھی خیر اور تکلیف آئے- والعیاذ باللہ- تو بھی خیر۔ دنیا میں بھی خیر اور اسکے بعد آخرت کے ابدی جہاں اور حقیقی زندگی میں بھی خیر۔ سو ایمان ویقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند اور سرفراز کرنے والی دولت ہے- فالحمد للہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان والیقین- اللّٰھم فزدنا منہ و ثبتنا علیہ یا ذا الجلال والاکرام- دوسری طرف اس سے بے قدری اور بدتمیزی کی ایک بری مثال بھی سامنے آتی ہے کہ حضرت یعقوب کو ان کی اولاد و احفاد کی طرف سے آپ کے رو در رو خبطی قرار دیا گیا۔ "تفنید"، "فند" سے ماخوذ ہے۔ اور "فند" اس کم عقلی کو کہا جاتا ہے جو بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے انسان پر طاری ہوتی ہے۔ (مدارک التنزیل، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر اور مراغی وغیرہ)۔ اسی کو اردو میں "سٹھیا جانا" اور خبطی و دیوانہ ہوجانا وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

نَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا

تمہیں خبر نہیں؟ ۱۵۵(اس پر وہ سب کھسیانے ہوکر) کہنے لگے اے ہمارے ابا جان، ہمارے گناہوں کی بخشش کے لئے دعا

خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ

فرمایئے، واقعی ہم بڑے ہی خطا کار تھے، آپ نے فرمایا میں عنقریب ہی ۱۵۶ تمہارے لئے اپنے رب سے معافی کی

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى

درخواست کروں گا، بے شک وہی ہے جو سب سے بڑا بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے ۱۵۷ پھر جب یہ سب لوگ یوسفؑ کے

اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ

پاس پہنچ گئے ۱۵۸ تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ بٹھالیا اور (ضروری بات چیت سے فراغت کے بعد سب سے)

۱۵۵ حضرت یعقوب کی بینائی کے لوٹ آنے کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب پہنچ گیا وہ خوشخبری لانے والا اور اس نے ڈال دیا وہ کرتا حضرت یعقوب کے چہرے پر تو فوراً لوٹ آئی آنجناب کی کھوئی ہوئی بصارت اور آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور روایات کے مطابق یہ یہودا تھا جس نے کہا کہ چونکہ میں ہی باپ کے سامنے یوسفؑ کا وہ کرتا جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے گیا تھا۔ اب میں ہی خوشخبری والے اس کرتے کو لیکر جاؤں گا تاکہ اس قصور و غلطی کا ازالہ و تدارک ہو سکے۔ (روح، ابن جریر، قرطبی وغیرہ)۔ کہتے ہیں خوشی کے اس عظیم الشان موقع پر حضرتِ یعقوبؑ نے اس خوشخبری لانے والے سے پوچھا کہ یوسفؑ کیسا تھا؟ اس نے کہا کہ واہ یوسفؑ کے کیا کہنے۔ وہ تو مصر کے بادشاہ ہیں۔ فرمایا میں یہ نہیں پوچھتا بلکہ میں اس کے دین کے بارے میں پوچھتا ہوں کہ اس کا دین کیسا ہے؟ کہا "علی الاسلام"۔ "وہ اسلام پر قائم ہے" تب آپ نے فرمایا "اَلْاٰنَ تَمَّتِ النِّعْمَةُ"، "اب اس انعام کی تکمیل ہوگئی" کہ یوسفؑ دین پر قائم ہے۔ (الروح، القرطبی وغیرہ)۔ سبحان اللہ۔ کیسی امتیازی شان ہوتی ہے حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوۃ والسلام۔ کی۔ اور کس قدر عظیم نعمت ہے یہ دین و ایمان کی نعمت کہ اس قدر طویل اور صبر آزما محنت اور ابتلاء کے بعد کہ بیٹے کی جدائی میں روتے روتے آنکھوں کی بینائی بھی چلی جاتی ہے۔ بیٹے کی زندگی اور موجودگی کی خوشخبری ملتی ہے اور وہ بھی اس خوشخبری کے ساتھ کہ وہ مصر جیسے اس وقت کے سب سے بڑے متمدن اور ترقی یافتہ ملک کے بادشاہ اور سربراہ ہیں۔ مگر اس سب کے باوجود حضرتِ یعقوبؑ ہیں کہ کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں پوچھتا۔ میں نے بادشاہی کو کیا کرنا ہے۔ بلکہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرے یوسفؑ کے دین و ایمان کی کیفیت کیا تھی؟ پھر جب بتایا جاتا ہے کہ وہ

دینِ فطرت یعنی اسلام پر قائم ہیں تو تب آپ خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''اَلْاٰنَ تَمَّتِ النِّعْمَۃُ'' اب اس انعام اور خوشخبری کی تکمیل ہوئی ہے اور وجہ اس کی ظاہر و باہر ہے کہ ایمان و یقین کی دولت ہی وہ دولت ہے جس سے درحقیقت انسان کی قدر و قیمت بنتی ہے۔ اور اسکی دنیا و آخرت سنورتی ہے۔ ورنہ انسان محض کچرا اور کوڑے کرکٹ کا ایک ڈھیر ہے۔ بلکہ اس سے بھی برا اور گیا گزرا۔ کیونکہ اس کچرے اور کوڑے کرکٹ سے کل حساب کتاب نہیں ہونا۔ اور اس کے لئے جنت دوزخ کا کوئی سوال نہیں۔ جبکہ اس انسانِ ضعیف البنیان نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب بھی دینا ہے اور کامیابی کی صورت میں اس کے لئے جنت کی سدا بہار نعمتیں بھی ہی۔ اللہ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔ اور ناکامی کی صورت میں اس کے لئے نہ صرف یہ کہ جنت کی ان عظیم الشان نعمتوں سے محرومی کا خسارہ ہے بلکہ اسکو دوزخ کے ہاویے میں گرنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو یہاں سے یہ بھی اندازہ کیجئے کہ آخرت کے یقین اور دین و ایمان کی نعمت سے انسان کتنا بڑا اور کس قدر وسیع الظرف ہو جاتا ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی بادشاہت کی بھی اس کی نظر میں کوئی حیثیت و حقیقت اور اہمیت و وقعت نہیں رہ جاتی، جبکہ اسکے برعکس ایمان و یقین کی دولت سے محروم انسان اس قدر اوچھا اور اتنا تنگ ظرف ہو جاتا ہے کہ بادشاہی تو درکنار وہ معمولی انتخاب جیتنے پر بھی کیسی کیسی اچھل پھلانگ کا مظاہرہ کرتا ہے اور وہ ڈھول دھمکے، ناچ گانے، رقص و سرود، رنگ رلیوں اور عیش کوشیوں وغیرہ وغیرہ کی کن کن غفلت شعاریوں سے کام لیتا ہے۔ سو دیکھئے اور موازنہ کیجئے کہ کہاں ایمان و یقین کی دولت سے مالامال مومنِ صادق کا وہ نمونہ؟ اور کہاں لذتِ ایمان اور قوتِ یقین سے محروم انسان کا یہ نمونہ؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - فَزِدْنَا اللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ، وَیَقِیْنًا بِوَعْدِکَ، وَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَمَا یُقَرِّبُنَآ اِلَیْکَ وَاِلٰی جَنَّتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ وَ یَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ وَثَبِّتْنَا عَلٰی صِرَاطِکَ الْمُسْتَقِیْم - بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۱۵۶ حضرتِ یعقوب کی طرف سے ان کے لئے بخشش کی دعا کا وعدہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر حضرت یعقوب کے بیٹوں نے آنجناب سے عرض کیا کہ اے ہمارے ابا جان آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعاء فرمائیں۔ ہم واقعی بڑے ہی خطا کار تھے۔ تو اس پر آپ نے ان سے فرمایا کہ میں عنقریب ہی تمہارے لیے بخشش کی دعاء کروں گا''۔ یعنی قبولیت کے وقت میں۔ سحری کے وقت یا جمعہ کی رات میں۔ یا یہاں تک کہ یوسفؑ سے بھی تمہارا قصور معاف کرا لوں کہ تمہارا قصور بہت سنگین ہے۔ یہ سب ہی احتمال اور اقوال اس ضمن میں موجود ہیں۔ (القرطبی، الجامع، ابن کثیر وغیرہ)۔ سو برادرانِ یوسف نے اپنی طلب و درخواست میں ﴿یا ابانا﴾ کہہ کر اپنے گناہوں کا ذکر تو کیا لیکن اللہ پاک کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ ان کو اپنے گناہ اپنی نگاہوں میں بہت بڑے لگے۔ اور یہی حال ہوتا ہے انسان کا اس وقت جبکہ اس کا ضمیر جاگتا ہے اور اسکی نظر اپنے گناہوں پر پڑتی ہے کہ اس وقت اسکو اپنی وہ خطائیں جن کو وہ اس سے پہلے کچھ نہیں سمجھتا تھا بہت بڑی نظر آنے لگتی ہیں۔ جبکہ حضرتِ یعقوب نے اس کے برعکس اپنے جواب میں رب کا ذکر فرمایا مگر ان کے گناہوں کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کے سامنے ایسے گناہوں کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اور اسکی

وسعتِ رحمت ومغفرت ناپیدا کنار ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو یہ قرآنِ حکیم کے دقائقِ تعبیر میں سے ہے۔ (محاسن التاویل للامام القاسمی الدمشقی)۔ والحمدللہ جل وعلا۔ فاغفرلنا ذنوبنا کلھا دقھا وجلھا اولھا وآخرھا یارب العالمین۔

۱۵۷ اللہ تعالیٰ کی بخشش ورحمت کا حوالہ وذکر: ۔ سو حضرتِ یعقوب نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش ورحمت کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے"۔ اس لئے اس کی بخشش اور رحمت سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ خواہ قصور کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ "غفور" یعنی بڑا بخشنہار ہے۔ اور صرف بخشتا ہی نہیں، رحم بھی فرماتا ہے۔ کہ وہ "غفور" کے ساتھ ساتھ "رحیم" یعنی انتہائی مہربان بھی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس ضرورت اس کی طرف سچے دل سے رجوع کرنے کی ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِیْ کُلِّ لَحْظَۃٍ مِّنَ اللَّحْظَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ ۔ یہاں پر یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرتِ یعقوب نے ان کی یہ استدعا تو قبول فرمائی لیکن ان کے فوری دعا کرنے کے بجائے دعاء کا وعدہ فرمایا کہ میں عنقریب ہی تمہارے لیے اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا۔ سو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرتِ یعقوب نے ان کے لیے خاص اہتمام کے ساتھ خاص وقت میں دعا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اور ان کو اس طرح کی سرسری بات کہہ کر ٹالنے کی کوشش نہیں کی کہ جاؤ اللہ تمہیں معاف فرمائے۔ سو اس سے ایک بات تو یہ ظاہر ہوتی ہے کہ آدمی کا دل اگر اپنے گناہوں پر پشیمان ہو تو اس کو صالحین سے دعا کی درخواست کرنی چاہیے۔ اور یہ کہ اسکے حق میں صالحین کی دعا قبول بھی ہوتی ہے۔ اور دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یوں تو بندہ اپنے رب سے ہر وقت ہی دعا کرسکتا ہے لیکن خاص اہتمام، خاص اوقات اور خاص جگہوں میں دعا کی قبولیت کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ احادیث صحیحہ میں ایسے اوقات واماکن کو جگہ جگہ فرمایا گیا ہے اور راقمِ آثم نے اپنی کتاب "قرآن وسنت کی مقدس دعائیں" میں ان کو خاصی تفصیل سے بیان کردیا ہے جس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین۔

۱۵۸ خاندانِ یعقوب کی مصر رسیدگی کا ذکر وبیان: ۔ سو قرآنِ حکیم نے اپنے معروف اسلوب کے مطابق یہاں حذف وایجاز سے کام لیا ہے۔ یعنی برادرانِ یوسفؑ جب مصر سے واپس اپنے باپ کے پاس پہنچے اور ان کو سارا ماجرا سنادیا اور ان کو حضرتِ یوسفؑ کا یہ پیغام بھی پہنچادیا کہ آپ سب مصر تشریف لے آئیں۔ اور اسکے مطابق حضرتِ یعقوب اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر جانے کیلئے تیار ہوگئے۔ اور اس سفر پر چل پڑے اور وہاں پہنچ بھی گئے تو شہر سے باہر آپ کا استقبال کیا گیا۔ سو بیچ کے اس تمام حصے اور قصے کا ذکر قرآنِ حکیم نے ترک فرمادیا۔ ایک تو اس لئے کہ یہ سب کچھ قصے کے سیاق وسباق سے خود واضح ہوجاتا ہے اور دوسرے اس لئے کہ قرآنِ حکیم کا مقصد قصہ گوئی یا تاریخ بیان کرنا نہیں بلکہ درسِ ہدایت سے نوازنا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں۔ بلکہ کتاب ہدایت ہے۔ اس میں قصے کا وہی حصہ بیان کیا جاتا ہے جس کا تعلق ہدایت ورہنمائی سے ہوتا ہے۔ اور اسی قدر کہ جسکی اسکے لئے ضرورت ہوتی ہے اور بس۔ اصل مقصد سے غیر متعلقہ مسائل ومباحث اور غیر ضروری حصوں کو اس میں جگہ نہیں دی جاتی۔ والحمد للہ جل وعلا۔

اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ

کہہ دیا کہ داخل ہو جاؤ آپ سب مصر میں، انشاء اللہ سب امن و امان میں رہو گے ف۱۵۹ اور (مصر میں داخلے کے بعد) یوسفؑ

سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ

نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا، اور وہ سب کے سب (بے اختیار) آپ کے آگے سجدے میں گر پڑے ف۱۶۰ تو اس پر

قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ

آپ نے کہا ابا جان یہ ہے تعبیر میرے اس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا ف۱۶۱ میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا، اور

اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۤءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ

اس نے بڑا احسان فرمایا مجھ پر کہ مجھے جیل سے نکالا، اور (مزید کرم یہ فرمایا کہ) آپ سب کو گاؤں سے (نکال کر میرے

۱۵۹ خانوادۂ یوسف کی تکریم وترحیب کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب یہ سب لوگ حضرتِ یوسف کے پاس مصر پہنچ گئے تو آپ نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور ان سب سے تکریم و ترحیب کے طور پر فرمایا کہ اب آپ سب داخل ہو جاؤ مصر میں اس حال میں کہ اب آپ سب یہاں پر امن و امان میں رہیں گے۔ قحط سے اور ہر طرح کی پریشانیوں سے۔ مگر یہ سب کچھ میری قوت و طاقت کے بل بوتے پر نہیں۔ بلکہ اللہ پاک کی مشیت اور اسی کی عنایت پر موقوف ہے کہ مرضی ومشیت اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ کسی اور کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اہلِ ایمان اور خاص کر حضرات انبیائے کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- کی شان یہی ہوتی ہے کہ ان کے یہاں اپنی کسی بڑائی کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ پاک ہی کی عظمت و بڑائی کے تصور ویقین سے ان کے دل ودماغ معمور ومنور رہتے ہیں- فَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِنْ كُلِّ كَبِيْرٍ، تَبَارَكَ اسْمُهٗ وَتَعَالٰى جَدُّهٗ- سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى- بہر کیف حضرتِ یوسف نے اپنے والدِ ماجد اور ان کے ہمراہ تشریف لانے والے خاندان کے دیگر تمام حضرات کو مصر میں امن و امان سے رہنے کی بشارت وخوشخبری سنا دی اور ان کے سامنے اس حقیقت کا بھی اعلان فرما دیا کہ اگرچہ میں اس ملک کا بادشاہ اور فرمانروا ہوں لیکن مشیت و مرضی میری نہیں بلکہ میرے خالق و مالک کی ہے۔ جو اس وحدہٗ لاشریک کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔ اور اسی کی مشیت کے سہارے میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ سب یہاں پر امن و امان سے رہیں اور کوئی فکر واندیشہ نہ کریں۔ سو یہ شانِ پیغمبری کا ایک نمونہ ومظہر ہے کہ بھروسہ واعتماد ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ وحدہٗ لاشریک ہی پر ہے- علیہم الصلوٰۃ والسلام- روایات کے مطابق حضرتِ یوسف نے شہر سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا اور ان کو اس اعزاز و اکرام سے شہر میں لایا گیا کہ ایک جشن کی صورت پیدا ہوگئی۔

۱۶۰ حضرتِ یوسف کے لیے سجدے سے مقصود و مراد؟: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اس موقع پر وہ سب کے سب حضرت یوسف کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے''۔ سو اس سے حضرتِ یوسف کے خواب کی تعبیر و تکمیل ظہور پذیر ہوگئی۔ اور آپ کے لیے اس سجدے کا مطلب وہ نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ سو اس سجدے کے بارے میں عام طور پر حضراتِ مفسرینِ کرام کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد سجدۂ تعظیمی ہے۔ اور یہ کہ وہ پہلی شریعتوں میں جائز تھا جبکہ ہماری شریعت میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ لیکن ان حضرات کی یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ پہلی شریعتوں میں سے کسی بھی شریعت میں ایسی کوئی صریح نص موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ سجدہ جو آج بھی ہمارے یہاں اور ہماری شریعت میں معروف و مشہور ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لئے کبھی جائز رہا ہے۔ کیونکہ سجدے کا یہ اصطلاحی مفہوم کہ دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں سمیت اپنی پیشانی زمین پر رکھی جائے، سجدے کے اصل مفہوم میں سرے سے داخل ہی نہیں۔ کیونکہ سجدے کا لغوی مفہوم اصل میں ''انحنا'' ہے۔ یعنی محض ''جھکنا'' جو کہ قدیم تہذیبوں میں مروج تھا اور اب بھی کئی قوموں اور ملکوں میں یہ طریقہ پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ کسی کی تعظیم و تکریم کے لئے یا اس کی ترحیب و استقبال کے موقع پر، یا اس کے لئے اظہارِ تشکر کے طور پر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر آگے کی طرف جھکتے ہیں۔ جیسا کہ چین، جاپان، برما، تھائی لینڈ اور ہندوستان وغیرہ کئی ملکوں اور ان کے کئی علاقوں میں ایسا آج بھی موجود ہے۔ سو اسی جھکاؤ کے لئے ایسے مواقع پر عربی زبان کا لفظ ''سجود'' استعمال کیا جاتا ہے جس کو انگریزی میں BOW کہتے ہیں یعنی ''جھکنا''۔ چنانچہ حضراتِ مفسرینِ کرام میں سے کئی ایک نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً صاحب جلالین اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ''اَلسُّجُوْدُ الْاِنْحِنَآءُ، لَا وَضْعُ جَبْهَةٍ وَّكَانَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْ ذَالِكَ الزَّمَانِ'' اسی طرح تفسیر کبیر میں ہے ''قَدْ يُسَمَّى التَّوَاضُعُ سُجُوْدًا وَّكَانَ الْمُرَادُ هُنَا التَّوَاضُعُ'' اور صاحب المعالم کہتے ہیں ''وَلَمْ يُرِدْ بِالسُّجُوْدِ وَضْعُ الْجِبَاهِ عَلَى الْاَرْضِ اِنَّمَا هُوَ الْاِنْحِنَآءُ وَالتَّوَاضُعُ'' اور بائبل میں بھی اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں کہ سجدے سے مراد محض ''جھکنا'' اور ''انحنا'' ہے نہ کہ زمین پر سر ٹیکنا۔ چنانچہ ایک مقام پر حضرتِ ابراہیم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے متعلق لکھا ہے کہ جب انہوں نے تین آدمیوں کو اپنے خیمے کی طرف آتے دیکھا تو آپ ان کے استقبال کے لئے دوڑے اور زمین تک جھک گئے۔ چنانچہ عربی بائبل میں اس قصے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے ''فَلَمَّا نظر ركض لاستقبالهم من باب الخيمة و سجد الى الارض'' (تکوین: ۱۸:۳)۔ اب دیکھئے یہاں پر تعظیم و تکریم کے لئے جھکنے کو صاف و صریح طور پر ''سجد'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں بائبل میں موجود ہیں۔ سو سجدے کا اصل مفہوم محض ''انحناء'' یعنی ''جھکنا'' ہے اور بس۔ زمین پر سر ٹیکنا اس کے مفہوم میں سرے سے داخل ہی نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ یہ اصطلاحی سجدہ جو آج ہماری شریعتِ مطہرہ میں معروف و موجود ہے، پہلی شریعتوں میں غیر اللہ کے لئے جائز تھا ایک بالکل بے سند اور بے اصل بات ہے۔ ایسا سجدہ کسی بھی شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لئے روا نہیں رہا۔ کیونکہ یہ عبادت کی سب سے بڑی اور سب سے اہم شکل ہے جو معبودِ برحق حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے سوا اور کسی بھی ہستی کیلئے نہ کبھی جائز ہوئی ہے نہ جائز ہو سکتی ہے۔ لہٰذا سابقہ شریعتوں میں جہاں بھی سجدے کا کہیں ذکر آتا

ہے وہ محض جھکنے کے معنیٰ میں ہے نہ کہ زمین پر سر رکھنے کے معنی میں۔ اور شریعتِ اسلامیہ میں تو بہرحال سجدۂ تعظیمی بھی مخلوق میں سے کسی کے لئے بھی کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ بلکہ بعض اہلِ علم نے تو اس کو کفر تک قرار دیا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بطورِ نمونہ یہ چند حوالے ملاحظہ ہوں: خازن، معالم، فتاوٰی عزیزیہ ج ا ص ۱۰۷، اشعہ اللمعات ص ۱۶۷، تفسیر عزیزی فتاوٰی عالمگیری ج ۵ ص ۴۰۴، البحر الرائق ج ۸ ص ۴۲۶، المبسوط، ردالمحتار، فتاوٰی بزازیہ، تفسیر کبیر اور مکتوباتِ مجددِ الفِ ثانیؒ، دفتر اول ص ۱۷۷ وغیرہ وغیرہ۔ سو اس کے باوجود جو کوئی غیر اللہ کیلئے سجدۂ تعظیمی کے جواز کی بات کرے وہ ان فتاوٰی و تصریحات کی روشنی میں اپنا انجام و مقام خود دیکھ لے اور اندازہ کرلے کہ فقہاء و مفسرین اسکے لئے کیا کہتے اور کیا فتوی دیتے ہیں؟ اور وہ کہاں کھڑا ہے؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور جو صاحب سورۂ یوسف کی اس آیتِ کریمہ سے اپنے لئے یا اپنے بڑوں کے لئے سجدۂ تعظیمی کے جواز کی دلیل پکڑنا چاہیں، جیسا کہ کئی اہلِ بدعت کرتے ہیں تو ان کو چاہیئے کہ وہ خود اپنے مریدوں کو سجدہ کیا کریں، کیونکہ یہاں پر جو ذکر ہے وہ بڑے کے اپنے چھوٹے کو سجدہ کرنے کا ذکر ہے، یعنی باپ کا اپنے بیٹے کو، یعنی حضرتِ یعقوبؑ کا اپنے بیٹے یوسفؑ کو۔ لہٰذا اس استدلال کی بناء پر ایسے پیر صاحب اپنے مرید صاحبان کو سجدہ کریں۔ جیسا کہ خود اہلِ بدعت کے بعض بڑوں نے بھی اس موقع پر یہی بات لکھی ہے۔ بہرکیف معروف سجدہ اللہ کے سوا کسی بھی مخلوق کے لیے کرنا حرام ہے۔ کہ یہ خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ کسی اور کے لئے سجدہ کرنا شرک ہے، جو کہ سب سے بڑا جرم اور گناہ ہے۔

۱۶۱ حضرتِ یوسف کا اپنے خواب کی تصدیق کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر حضرتِ یوسف نے اپنے والد کی خدمت میں عرض کیا کہ ابا جان یہ تعبیر ہے میرے اس خواب کی جو میں نے بہت پہلے دیکھا تھا۔ یعنی بچپن میں۔ جو اتنے طویل عرصے کے بعد اب پورا ہو رہا ہے۔ یعنی اٹھارہ، پینتیس، چالیس یا اسّی سال کے بعد۔ علیٰ حسبِ اختلاف الروایات۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر کا فوری طور پر پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اس میں اتنی طویل مدت بھی لگ سکتی ہے۔ حضرتِ یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا اور جس کے آپ منتظر تھے۔ سو وہ اب پورا ہو گیا اور اس میں گیارہ ستاروں سے مراد میرے گیارہ بھائی ہیں۔ اور سورج اور چاند سے مراد میرے والدین کریمین ہیں۔ اور اللہ پاک نے مجھے اس مقام پر پہنچایا کہ آج یہ سب میرے سامنے جھک گئے۔ سو یہ سب کچھ محض میرے رب کا فضل و کرم اور اسی کا انعام و احسان ہے۔ ورنہ میرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ بہرکیف یہ منظر دیکھ کر حضرتِ یوسف بے ساختہ پکار اٹھے کہ ابا جان یہ ہے تعبیر میرے اس خواب کی جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اب پورا کر دکھایا۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے جو خوشی و مسرت حضرتِ یعقوب کو ہوئی ہوگی اس کا اندازہ ہی کون کر سکتا ہے۔ جنکی اسکے انتظار میں ایک عمر بیت چکی تھی اور روتے روتے آپ کی بینائی بھی چلی گئی تھی۔ اس لیے حضرتِ یوسف نے انہی کو مخاطب کیا۔ تاکہ یہ بات ان کے لیے بطورِ خاص مسرت کا باعث بن سکے۔ اور یہی نشانی ہوتی ہے سعادت مند اولاد کی کہ وہ اپنے والدین کو خوش کرنے کی فکر و کوشش میں ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ وھو العزیز الوھاب۔

بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ط اِنَّ

پاس یہاں) پہنچا دیا و۱۶۲ اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان (ایسا) فساد ڈلوا دیا تھا (کہ عمر بھر

رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ط اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

ملنے کی توقع نہ تھی،) واقعی میرا رب جو بھی کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بڑی لطیف تدبیر فرماتا ہے، بلاشبہ وہی ہے سب

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ

کچھ جانتا، بڑا ہی حکمت والا و۱۶۳ (پھر یوسفؑ نے مالک حقیقی کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا) اے میرے رب، تو نے ہی مجھے

تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ج فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف

حکومت بخشی و۱۶۴ اور مجھے باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھایا، آسمانوں اور زمین کے بنانے والے، تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں

اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا

بھی اور آخرت میں بھی، (پس دنیا کی طرح میری آخرت بھی بنا دے و۱۶۵ کہ جب دنیا سے اٹھائے تو) میرا خاتمہ اسلام پر فرما،

وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ

اور مجھے خاص نیک بندوں کے ساتھ شامل فرما دے، و۱۶۶ (اے پیغمبر!) یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں

نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ج وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ

جو ہم آپ کو بذریعہ وحی بتاتے ہیں، ورنہ آپ ان (برادرانِ یوسفؑ) کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے، جب کہ

۱۶۲ **رب کے بعض احسانات کا ذکر و بیان:**- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر حضرتِ یوسف نے اپنے رب کے احسانات کی طرف متوجہ ہو کر اس کے بعض عظیم الشان انعامات کو ذکر و بیان فرمایا کہ اس نے مجھ پر یہ اور یہ احسان فرمائے اور اس ضمن میں کنوئیں کا ذکر نہیں فرمایا۔ تاکہ آپ کے بھائیوں کو مزید خفت اور ندامت نہ ہو۔ کیونکہ آپ ان کو معاف کر چکے تھے۔ اور یہی نمونہ ہوتا ہے پیغمبرانہ اَخلاق اور ان کی عالی ظرفی کا - عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ - اور ساتھ ہی آنجناب نے اپنے بھائیوں کیلئے عذر بھی کر دیا کہ یہ سب فساد شیطان نے ڈلوایا۔ ورنہ اگر شیطان بیچ میں نہ گھستا تو بھائیوں کا مجھ سے جھگڑا ہرگز نہ ہوتا۔ سو یہ ہے حضراتِ انبیائے کرام کے مکارمِ اَخلاق کا نمونہ - اللہ ہمیں بھی نصیب فرمائے - آمین۔ بہرکیف اس موقعہ پر حضرتِ یوسف نے اللہ تعالیٰ کے بعض عظیم الشان انعامات و احسانات کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کیا اور اپنی کسی

بڑائی یا تعلّی کا ذکر کرنے کی بجائے اس منعمِ حقیقی کے احسانات کا ذکر فرمایا۔ کہ اسی نے میرے بچپن کے اس خواب کو سچ کر دکھایا اور اسی نے اپنے احسان سے مجھے جیل سے نکال کر اس مرتبہ و مقام تک پہنچایا۔ اور اسی نے میرے ماں باپ اور دوسرے خاندان والوں کو گاؤں سے لا کر مجھ سے یہاں ملوا دیا۔ حالانکہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان بڑی دوری اور جدائی ڈال دی تھی۔ بے شک میرا رب جو کام کرنا چاہتا ہے اس کے اپنے علم اور اپنی حکمت سے ایسی غیبی صورتیں پیدا فرماتا اور باریک راہیں نکالتا ہے جن کا کسی کو کوئی سان و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور حضرتِ یوسف کی یہ پوری سرگزشت اس حقیقت کی ایک عظیم شہادت ہے۔ والحمد للہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

۱۶۳ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم و حکمت کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ یوسف نے کہا کہ میرا رب جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے لیے بڑی ہی لطیف تدبیر فرماتا ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا بڑا ہی حکمت والا ہے''۔ سو وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں اور ان کی ضرورتوں کو بھی خوب جانتا ہے اور یہ بھی کہ کون کس کے لائق ہے۔ اور وہ جو بھی کچھ کرتا ہے نہایت حکمت سے کرتا ہے - عَزَّ اسْمُهٗ وَجَلَّ بُرْهَانُهٗ - اور ایسا اور اس طور پر کہ اسکو سمجھنا بھی کسی کیلئے ممکن نہیں ہوتا - الا ماشاء اللہ - آخر کون سمجھ سکتا تھا کہ جس بچے کو اندھے کنویں میں ڈالا گیا ہو۔ اور وہاں سے اسکو نکال کر گنتی کے چند ٹکوں کے عوض بیچ دیا گیا ہو۔ اور اسکو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہو۔ اور اسکو جیل کی کال کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا ہو۔ آخر کسے خیال تھا کہ ایسے حالات میں پھنسا جکڑا بچہ اس قدر عروج پائے گا اور اس قدر ترقی کرے گا کہ مصر جیسے اپنے دور کے بڑے متمدن ملک کا سربراہ اور فرمانروا بن جائے گا۔ لیکن قدرت کی مہربانی اور اسکے لطف و عنایت کی شان ملاحظہ ہو کہ حالات کے اسی حوصلہ شکن سلسلہ کو اس نے اس بچے کیلئے اتنے بڑے عروج کا ذریعہ بنا دیا۔ سو بندے کو ہر حال میں بھروسہ اسی پر رکھنا چاہیے اور اس کے ساتھ اپنا تعلق صحیح رکھنا چاہیے اور اسی کی رضاء و خوشنودی کو اپنا اصل مقصد اور نصب العین بنانا چاہیے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید - وهو الهادی الیٰ سواء السبیل - فعلیہ نتوکل وبہ نستعین۔

۱۶۴ حکومت و فرمانروائی سے نوازنا اللہ ہی کی شان اور اسی کا کام ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت یوسف نے اس موقع پر اللہ پاک کے حضور عرض کیا ''اے میرے رب تو نے ہی مجھے حکومت بخشی''۔ کہ حکومت دینے اور چھیننے والا تو ہی تو ہے۔ عزت و ذلت سب کچھ تیرے ہی قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اور خیر کے سب خزانوں کا مالک تو ہی ہے اے میرے خالق و مالک۔ اب دیکھیئے کہ ایک طرف تو عبدیت و بندگی اور عجز و انکسار اور للّٰہیت کا یہ نمونہ ہے اور دوسری طرف آج کے جاہل مسلمان کو دیکھیئے کہ اس کو جب کسی چھوٹے موٹے الیکشن میں کامیابی نصیب ہو جاتی ہے یا چھوٹا بڑا کوئی عہدہ اسے مل جاتا ہے تو وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو وہ جا کر کسی قبر یا آستانے پر بکرے چھترے کاٹتا ہے۔ اور وہاں سلامی پیش کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ سب کچھ مجھے انہوں نے ہی دیا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور بدعتی ملاں اور قبر پرست پیر اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہے کہ ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ سب کچھ یہیں سے ہوتا ہے اور اس طرح وہ ایسے جاہلوں کے شرکیہ عقیدوں کو اور پکا کرتا ہے اور وہ نہیں سوچتا کہ اس طرح وہ کیسی شرکیات کا ارتکاب کرتا اور اپنے لیے ہلاکت و تباہی کا سامان کر رہا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف حضرتِ یوسف کا دل یہ منظر دیکھ کر خداوندِ قدوس کی حمد و ثنا میں ڈوب جاتا ہے۔ اور آپ اس کے شکر و سپاس سے رطب اللسان اور دل و جان سے اسکی طرف متوجہ ہو کر محوِ دعا ہو جاتے ہیں۔ اور

یہی شان ہوتی ہے خاصانِ خدا کی کہ وہ نعمت کی ملنے پر منعمِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۶۵ حضرتِ یوسف کی اللہ تعالیٰ سے اس کی کارسازی کی دعاء و درخواست: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ یوسف نے اللہ پاک کے حضور عرض کیا کہ آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کو پیدا کرنے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا اور اس کی نعمتیں جتنی بھی زیادہ اور جتنی بھی طویل ہوں آخر فانی ہیں۔ اصل، حقیقی اور دائمی نعمتیں تو آخرت ہی کی ہیں۔ سو اس طرح حضرتِ یوسف نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعاء کی کہ وہ اپنی عنایت وعطاء فرمودہ ان نعمتوں کو کامل فرمائے اور ان کو محفوظ رکھے۔ کیونکہ نعمتوں سے نوازنے والا بھی وہی ہے اور ان کو محفوظ رکھنا بھی اسی کی شان ہے۔ سو پیغمبر کا نمونہ اور اس کا اسوہ تو یہ ہے کہ ہر صورت اور ہر حال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کیا جائے۔ لیکن آج کا کلمہ گو مشرک طرح طرح سے شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسکو جب کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ جا کر کسی قبر پر چادر ڈالتا ہے۔ چڑھاوے چڑھاتا ہے۔ اور وہاں دیگیں پکاتا ہے۔ اور صاف طور پر کہتا ہے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے اسی قبر سے ملا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس طرح وہ نعمت پا کر منعمِ حقیقی کی یادِ دلشاد اور اسکے شکر وسپاس سے سرشار ہونے کی بجائے الٹا کفرانِ نعمت اور شرک کے ہاوئے میں جا گرتا ہے۔ جس سے اسکی نعمت اسکے لیے خیر کی بجائے شر اور اسکی محرومی میں اضافے کا باعث بن جاتی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - من كل زيغ وضلال وسوء وانحراف۔

۱۶۶ خاتمہ بالخیر کیلئے ایک عظیم الشان دعاء: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ یوسف نے اللہ پاک کے حضور عرض کیا کہ اے میرے مالک، جب تو مجھے دنیا سے اٹھائے تو میرا خاتمہ اسلام پر فرمانا اور مجھے نیک لوگوں کے زمرے میں اٹھانا۔ کہ کامیابی کی راہ بھی یہی ہے اور میرے باپ دادا کی وصیت بھی یہی ہے کہ تم اسلام پر ہی مرنا - ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ - اور زندگی کا خاتمہ ہو تو اسلام پر اور اللہ کے نیک بندوں یعنی انبیاء ورسل کے ساتھ ہو۔ سو اس دعاء میں موت کا مطالبہ نہیں۔ جیسا کہ کچھ لوگوں نے سمجھا۔ بلکہ یہ حسنِ خاتمہ کی دعاء ہے۔ یعنی حضرتِ یوسف نے یہ دعاء نہیں فرمائی کہ مجھے ابھی موت آ جائے اور میں فوری طور پر مر جاؤں۔ کیونکہ یہ تو ممنوع ہے۔ چنانچہ صحیحین یعنی صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرتِ انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی مصیبت وغیرہ کی بناء پر کبھی موت کی تمنا نہ کرے۔ کیونکہ وہ اگر نیک ہوگا تو اسکے لیے نیکی میں اضافے کا موقع باقی رہے گا۔ اور اگر وہ برا ہوگا تو شاید وہ توبہ کر لے۔ (بخاری کتاب الدعوات، باب الدعاء بالموت والحیاۃ، مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار)۔ سو حضرتِ یوسف نے موت کی تمنا نہیں کی بلکہ یہ دعاء کی کہ جب وقتِ مقرر پر میری موت آ جائے تو اسلام کی حالت میں آئے اور میرا حشر نیک بندوں کے ساتھ ہو۔ (محاسن التاویل، معارف القرآن اور مراغی وغیرہ)۔ سو یہ حسنِ خاتمہ کیلئے ایک عظیم الشان دعاء ہے۔ اس لیے امام رازیؒ کہتے تھے کہ میں ہمیشہ یہی دعاء کرتا رہتا ہوں۔ (تفسیر کبیر، المعارف وغیرہ) - اللہ نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ بہرکیف یہاں تک حضرتِ یوسف کا وہ قصہ مکمل ہو گیا۔ اب آگے چند اہم درس ہائے عبرت بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ کیونکہ قرآنِ حکیم کا مقصد محض قصہ گوئی نہیں بلکہ ان قصوں کے ذریعے اور ان کے ضمن میں بندوں کے لیے درسہائے عبرت وبصیرت کا سامان کرنا ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ وھو العزیز الوھاب۔

وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَآ أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

وہ آپس میں اتفاق کر کے سازش پکار رہے تھے ۱۶۷ اور آپ خواہ کتنا ہی چاہیں لوگوں کی اکثریت ایمان لانے

بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ

والی نہیں ۱۶۸ اور آپ (تبلیغ حق کے) اس کام پر ان لوگوں سے کسی بھی طرح کا کوئی اجر نہیں مانگتے، یہ تو محض

۱۶۷ پیغمبر کی صداقت وحقانیت کا ایک کھلا ثبوت: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ اے پیغمبر اُن (برادرانِ یوسف) کے پاس موجود نہیں تھے۔ کہ ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہونا صرف اللہ جل شانہ ہی کی صفت اور اسی کی شان ہے۔ مگر آج کا کلمہ گو مشرک ہے کہ وہ اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ کی مخلوق میں سے اس کے مختلف بندوں کو ہر جگہ حاضر وناظر مانتا ہے۔ اور ان کو حاجت روا ومشکل کشا قرار دیتا ہے۔ اور اس کے لئے وہ طرح طرح کے ڈھکوسلے گھڑتا اور مفروضے پیش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لئے وہ قرآن وسنت کی مقدس نصوص تک میں تحریف اور تلبیس سے کام لیتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف یہ قصہ پیغمبر کی صداقت وحقانیت کا ایک کھلم کھلا ثبوت اور ایک واضح دلیل ہے۔ کیونکہ آپ نہ وہاں موجود تھے اور نہ ہی آپ نے کبھی کسی سے ایک حرف بھی پڑھا تھا۔ تو پھر آپ نے اس قصہ کو اس قدر اہم اور اتنی باریک تفصیلات کے ساتھ آخر کیسے بیان فرما دیا۔ سو وحیِ الٰہی کے سوا اس کا کوئی اور ذریعہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ پس اس سے یہ امر پوری طرح ثابت اور واضح ہو جاتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کے پاس اس کی وحی آتی ہے اور آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحیِ خداوندی ہی کی بناء پر فرماتے ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۱۶۸ لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں: -سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ خواہ کتنا ہی چاہیں لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں"۔ بلکہ انکی اکثریت بے ایمانوں اور نافرمانوں ہی کی رہے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- پس آپ افسردہ وغمگین نہ ہوں ان کی اس بے رخی اور قدر ناشناسی پر کہ آپ کا کام تو صرف پیغامِ حق پہنچا دینا ہے اور بس۔ اور وہ آپ کر چکے۔ آگے منوا لینا اور حق کو ان کے دلوں میں اتار دینا نہ آپ کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی یہ آپ کے بس اور اختیار میں ہے ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ﴾ یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ بات واضح ہو گئی کہ اکثریت ہمیشہ غلط کار، بے ایمان اور فاسق وفاجر لوگوں کی رہی ہے۔ امرِ واقعہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اب بھی یہی ہے اور جب بھی یہی تھا۔ آج بھی یہی ہے کل بھی یہی تھا۔ پس عوام کالانعام کی اکثریت کا کسی بات کے حق میں ہو جانا اس کے صحیح اور حق ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ جس طرح کہ نام نہاد مغربی جمہوریت کے پرستاروں کا کہنا اور ماننا ہے اور جس طرح کہ اہلِ بدعت نے سمجھ رکھا ہے۔ سو ایسے نہیں بلکہ حق اور صدق وہی اور صرف وہی ہے جس کو اللہ حق فرمائے۔ اور اس کے رسول اس کو حق بتلائیں۔ اگرچہ اس کا حامل وعلمبردار فردِ واحد ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے حضرتِ ابراہیم اور حضرتِ موسیٰ۔ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام۔ کہ انہی کا قول وقرار اور فرمان وارشاد عین حق وصدق تھا۔ جبکہ ان کے خلاف اور ان کے مقابلے میں نمرود وفرعون اور ان کی قومیں اپنی کثرت کاثرہ اور واضح اکثریت کے باوجود سراسر باطل وزُور پر تھی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ حضرت امام الانبیاء کی حرص اور کوشش کے باوجود لوگوں کی اکثریت بے ایمان نہ رہتی۔ نیز یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جب انسان کے اندر نورِ حق وہدایت سے سرفرازی اور بہرہ مندی کی طلب وچاہت موجود نہ ہو تو اسکو اس سے کوئی بہرہ مند نہیں کر سکتا۔ اور اسکے لیے محرومی ہی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي

ایک ایسی عظیم الشان نصیحت ہے جو سارے جہانوں کے بھلے کے لیے (بھیجی گئی) ہے ۱۶۹ اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی

ع ۱۱ / ۵

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا

نشانیاں ہیں جن پر ان لوگوں کا گزر ہوتا رہتا ہے، مگر یہ ان کے بارہ میں

مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ

کوئی غور نہیں کرتے، ۱۷۰ اور اس سب کے باوجود اکثر لوگ خدا کو مانتے بھی ہیں تو بھی

مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

شرک کرتے ہوئے، ۱۷۱ تو کیا پھر بھی یہ لوگ نڈر (وبے خوف) ہو گئے اس بات سے کہ آدبوچے ان کو

عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ

اللہ کے عذاب سے کوئی ایسی ہولناک آفت جو چھا جائے ان سب پر (ہر طرف سے،) یا آ پہنچے ان پر قیامت کی وہ گھڑی،

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ قف

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایسی اچانک کہ ان کو خبر تک نہ ہو ۱۷۲ کہہ دو (ان سے اے پیغمبر!) کہ یہ ہے میرا راستہ، میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف، (روشنی اور)

۱۶۹ قرآن حکیم ایک عظیم الشان نصیحت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ [قرآن] تو ایک عظیم الشان نصیحت ہے سب جہانوں کیلئے "سو جس نے اس کو قبول کیا اور مانا اس کا اپنا فائدہ۔ اور جس نے اس سے اعراض کیا اور منہ موڑا، اس نے اپنے ہی آپ کو خسارے میں ڈالا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بس نہ کسی کے ماننے سے اسکی عظمت میں اضافہ ہو جائے گا اور نہ کسی کے انکار اور اعراض سے اسکی شان میں کوئی فرق آسکے گا۔ یہ بہر حال حق وصداقت سراسر ذکر و نصیحت اور عین نور و برکت ہے۔ سو اس میں پیغمبر کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ یہ لوگ اگر نہیں مانتے تو اس میں نہ آپ کا کوئی قصور ہے اور نہ آپ کو اس بارے غمگین اور پریشان ہونے کی ضرورت ہے کہ آپ کا کام تو صرف تبلیغ حق ہے اور بس۔ اور وہ آپ کر چکے۔ اور آپ کی ذمہ داری پوری ہو گئی۔ اس کے بعد اگر یہ لوگ اس کو قبول نہیں کرتے تو اپنی محرومی اور بدبختی کے داغ کو اور پکا کرتے ہیں کہ یہ تو ایک عظیم الشان نعمت ہے جس کو سب دنیا جہاں کی بہتری اور بھلائی کے لیے اتارا گیا ہے۔ اور اس کی تعلیمات مقدسہ دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔

۱۷۰ نشانیوں کے مطالبے کا جواب: سو ارشاد فرمایا گیا کہ آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ایسی ہیں جن پر ان لوگوں کا گزر ہوتا رہتا ہے مگر یہ ان کے بارے میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔ سو نشانیوں سے تو یہ کائنات بھری پڑی ہے مگر فقدان غور

وفکر کا ہے۔ پس اس ارشاد میں دراصل زمین و آسمان کی اس کائنات میں پھیلی بکھری گوناگوں نشانیوں میں غور وفکر کی دعوت ہے۔ مگر یہ لوگ ان سے اور کوئی سبق نہیں لیتے۔ جس طرح کہ آج کل بھی آثار قدیمہ کی حفاظت کے لئے کروڑوں کے خرچے تو کئے جارہے ہیں اور کتنے کتنے سیاح اور عام لوگ ان کو دیکھنے آتے جاتے ہیں مگر عبرت گیری اور پند پذیری کا جو اصل مقصد تھا اس کی طرف کسی کی بھی توجہ نہیں جاتی - الا ما شاء اللہ - بلکہ الٹا وہاں پر غفلت بھری سیر و تفریح اور پکنک کی رنگ رلیوں کا دور دورہ ہوتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - سو اس ارشادِ ربانی میں زمین و آسمان میں پھیلی بکھری ان عظیم الشان نشانیوں میں غور وفکر کی دعوت و تحریک ہے - وباللہ التوفیق - بہر کیف منکر لوگ جو طرح طرح کی نشانیوں اور فرمائشی معجزوں کے لیے نت نئے مطالبے کرتے تھے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ نت نئی نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہو لیکن نشانیوں سے تو زمین و آسمان کی یہ پوری کائنات بھری پڑی ہے جو دن رات کے ہر حصے میں ایک عظیم الشان کھلی کتاب کی صورت میں تمہارے سامنے موجود رہتی ہے۔ لیکن لوگوں نے اگر اپنی آنکھوں ہی کو بند کر رکھا ہو تو اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔ سو اس میں اصل قصور ان منکر اور ہٹ دھرم لوگوں کا اپنا ہے جو آنکھیں کھول کر کسی چیز کو دیکھتے اور اس سے عبرت پکڑنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ اور یہ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھے بن گئے ہیں۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم -

۱۷۱ اکثر لوگ ایمان کے باوجود مشرک - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اکثر لوگ خدا کو مانتے ہیں تو بھی شرک کرتے ہوئے"- سبحان اللہ - کیا کہنے قرآنی صداقتوں کے کہ کس قدر سچا اور مطابق واقعہ ہے اللہ پاک کا یہ ارشاد کہ انسانوں کی اکثریت اللہ پر ایمان رکھتی بھی ہے تو بھی شرک کی آمیزش کے ساتھ۔ چنانچہ امر واقعہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ شرک جلی کے اعتبار سے بھی اور شرک خفی کے لحاظ سے بھی۔ چنانچہ شرک جلی کے مرتکب مشرکین کا حال کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ وہ اللہ پاک کو خالق، مالک، رازق اور مدبر سب کچھ ماننے کے باوجود اپنے بتوں اور خود ساختہ معبودوں کو از خود وسیلے اور واسطے قرار دے کر ان کو پوجتے، پکارتے، ان کے آگے جھکتے اور ان کے لئے بھینٹ چڑھاتے اور ان کو خوش رکھنے کے لئے طرح طرح کے پاپڑ بیلتے تھے اور بیلتے ہیں۔ اور صاف و صریح طور پر اور فخریہ انداز میں کہتے تھے اور کہتے ہیں - ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ - کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں۔ اور یہ کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا کے قریب کردیں - ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ - اور وہ لوگ اسکے لیے تلبیہ کے اندر بھی اس طرح ملاوٹ کرتے تھے - لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا هُوَ لَکَ، تَمْلِکُهٗ وَمَا مَلَکَ - "تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جو تیرے ماتحت ہو، تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ہر چیز کا بھی"۔ اور اسی طرح کی تکنیک آج کے کلمہ گو مشرک اور بدعت پرست ملاں نے بھی اپنا رکھی ہے۔ اور اس نے بھی اس کیلئے از خود طرح طرح کے وسیلے بنا رکھے ہیں۔ اور مختلف ناموں سے اور طرح طرح کی "سرکاریں" گھڑ رکھی ہیں۔ کھلے مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ جو توحید کے دعویدار اور آسمانی دین کے قائل تھے، انہوں نے بھی نص قرآن کے مطابق عیسیٰ اور عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دے رکھا تھا۔ اور اپنے مولویوں اور پیروں کو بھی انہوں نے خدائی اختیارات سونپ رکھے تھے۔ جیسا کہ قرآن تصریح فرماتا ہے ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور آج کے جاہل مسلمان نے تو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے جگہ جگہ اور طرح طرح کے معبود گھڑ رکھے ہیں۔ کہیں وہ بچے مانگتا ہے۔ کہیں نوکری مانگتا ہے اور کہیں بیماری سے شفاء کی درخواست پیش کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور ان

مقاصد کے حصول کے لئے وہ غیر اللہ کی نذریں مانتا، نیازیں دیتا، دیگیں پکاتا، پھیرے لگاتا، طواف کرتا اور چادریں چڑھاتا ہے۔ بلکہ کتنے ہی ایسے ہیں جو اپنی بھاری بھر کم ڈاڑھیوں اور جبوں قبوں سمیت ایسی بنی ٹھنی قبروں اور سجے سجائے آستانوں اور خودساختہ سرکاروں کے آگے صاف اور سیدھے طور پر سجدے میں جا گرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ وغیرہ وغیرہ۔ کوئی اگر ایسے کسی مشرک کو سمجھائے بتائے تو آگے سے وہ کہتا ہے۔ تجھے کیا پتہ میرے تو سارے کام یہیں سے بنتے اور بگڑتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ ایک بت پرست اپنے بت کے لئے کہتا اور کرتا ہے۔ اور اسی لئے اس نے اللہ کی عاجز مخلوق میں سے از خود کسی کو داتا، کسی کو غریب نواز اور کسی کو مشکل کشا و فریادرس بنا رکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو حال ہے شرک جلی کا۔ رہ گیا معاملہ شرکِ خفی یعنی ریاء اور دکھلاوے کا۔ تو وہ اس سے بھی زیادہ سنگین اور خطرناک و افسوسناک ہے کہ وہ تو نصِ حدیث کے مطابق اس کالی چیونٹی کی آہٹ سے بھی زیادہ مخفی اور پوشیدہ ہے جو اندھیری رات میں کسی املس (چٹیل) چٹان پر چل رہی ہو۔ تو پھر اس سے کون بچ سکتا ہے سوائے اسکے جسکو اللہ ہی بچائے اور محفوظ رکھے؟ اسی لئے نبیٔ رحمت۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے اس سے بچنے کیلئے اپنی امت کو خاص دعاء تلقین فرمائی ہے جو "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ" الخ سے آگے آرہی ہے۔ سو اس پورے پس منظر کو سامنے رکھ کر دیکھئے کہ کس قدر سچا ہے اللہ پاک کا یہ ارشاد۔ ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾۔ اللہ اپنے کرم سے اس سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ فَلَا عِصْمَةَ اِلَّا لِمَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نُّشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُهُم۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور توفیق و عنایت سے شرک کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ مجھے بھی، میری آل اولاد اور جملہ متعلقین کو بھی اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو بھی۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

۱۷۲ غافلوں کے لئے ایک تنبیہ و تہدید: سو اللہ کے عذاب سے نڈر اور بے خوف ہو جانے والوں کے لیے انذار اور تنبیہ و تہدید کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیا پھر بھی یہ لوگ نڈر اور بے خوف ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آ دبوچے ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی ایسی آفت جو چھا جائے ان سب پر ہر طرف سے۔ یا آ پہنچے ان پر قیامت کی وہ گھڑی ایسی اچانک کہ ان کو خبر تک نہ ہو۔ یعنی ان میں سے کوئی بھی صورت وقوع پذیر ہو سکتی ہے؟۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے ایسے مشرکوں سے انذار اور تنبیہ کے طور پر یہ سوال کیا گیا کہ کیا یہ لوگ نڈر اور بے خوف ہو گئے اللہ کے عذاب اور اسکی گرفت و پکڑ سے؟ یعنی ایسے لوگ اپنی غفلت و جہالت کی وجہ سے اور اپنے ایسے خودساختہ شفعاء و شرکاء اور من گھڑت سفارشیوں کے سہارے اور اعتماد پر اس بات سے نچنت اور بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ کے عذاب کی کوئی ایسی آفت ان پر ٹوٹ پڑے جو ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے یا قیامت کی وہ ہولناک گھڑی ہی ان پر ایسے اچانک آ دھمکے کہ ان کو اس کا کوئی شعور و احساس اور خیال و گمان تک بھی نہ ہو۔ اور اس کے بعد اس کے لئے اپنی آخرت کے لئے کچھ کمانے بنانے اور سنبھلنے سدھرنے کی کوئی فرصت اور کوئی موقع ہی باقی نہ رہ جائے۔ یعنی ان لوگوں کو ایسی غفلت شعاری سے کام نہیں لینا چاہیئے کہ عمر رواں کی یہ محدود و مختصر فرصت اور نادر و نایاب دولت کبھی بھی اور کسی بھی طور پر ہمیشہ کے لئے ہاتھ سے نکل سکتی ہے۔ اور ایسی کہ پھر اس کے ملنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔ پس اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس میں ایمان اور عملِ صالح کے ذریعے اپنی آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کے لئے تیاری کرنی چاہیئے اور اپنے آپ کو شرک کے ہر شائبے سے بچا کر خالص توحید کو اپنائے رکھنا چاہیئے۔ اللہ توفیق بخشے۔ آمین۔ بہر کیف اللہ کے عذاب اور اسکی گرفت و پکڑ سے کبھی بھی غافل و نڈر نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ بڑے ہی خسارے کا سودا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ

بصیرت پر قائم ہوں میں بھی، اور وہ سب بھی جنہوں نے میری پیروی کی، اور پاک ہے اللہ (ہر نقص وعیب اور ہر شائبہ

اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا

شرک سے،) اور میرا کوئی لگاؤ نہیں مشرکوں سے ف۱۷۳ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے (اے پیغمبر!) کسی کو بھی رسول بنا کر بجز

رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا

مردوں کے، ف۱۷۴ ان بستیوں کے باشندوں میں سے، تو کیا چلے پھرے نہیں یہ لوگ

فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

(عبرتوں بھری) اس زمین میں، تا کہ یہ دیکھ لیتے کہ کیسے ہوا انجام ان لوگوں کا،

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ

جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے ف۱۷۵ اور آخرت کا (وہ عظیم الشان اور بے مثال) گھر تو یقیناً کہیں بہتر ہے ف۱۷۶ ان لوگوں کے لئے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ

جنہوں نے (زندگی بھر) اپنائے رکھا تقویٰ (و پرہیزگاری) کو، تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ف۱۷۷ (ان لوگوں کو بھی

ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ

بڑی بڑی مہلتیں دی گئیں) یہاں تک کہ جب مایوس ہونے لگے ان کے پیغمبر ف۱۷۸ اور یہ لوگ گمان کرنے لگے کہ ان سے

مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰

جھوٹ کہا گیا تھا، تو (یکا یک) آ پہنچی ان کو ہماری مدد ف۱۷۹ پھر بچا لیا گیا (عذاب سے) جس کو ہم نے چاہا، اور ٹالا

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ

نہیں جا سکتا ہمارا عذاب ایسے مجرم لوگوں سے ف۱۸۰ بلاشبہ ان (پہلی امتوں) کے قصوں میں بڑا سامان عبرت ہے، عقل خالص

۱۷۳ شرک سے براءت و بیزاری کا اعلان: ـ سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں سے کہہ دو

کہ یہ ہے میرا راستہ۔ میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف بصیرت [وروشنی] پر قائم ہوں۔ میں بھی اور وہ سب بھی جنہوں نے میری پیروی کی۔ اور پاک ہے اللہ [ہر نقص وعیب اور ہر شائبہ شرک سے]۔ میرا کوئی لگا ؤ نہیں مشرکوں سے''۔ سو حق و صداقت اور نجات وفلاح کا راستہ پیغمبر اور آپ کے پیروکاروں کا راستہ ہے۔ اس لیے پیغمبر کی زبان سے پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ سے اعلان کرایا گیا کہ حق وہدایت اور نجات وفلاح کا راستہ یہی ہے جس پر میں چلتا ہوں اور میرے پیروکار بھی چلتے ہیں۔ پس کوئی مانے یا نہ مانے، میرا راستہ بہر حال یہی ہے۔ جو کہ عقیدۂ توحید پر قائم و استوار ہے۔ میں نے ہمیشہ اسی پر چلنا اور اسی کی دعوت دیتے رہنا ہے اور میری پیروی کرنے والوں نے بھی اسی کو اپنایا ہے۔ اور یہی راستہ حق وصدق کا راستہ ہے جو انسان کو دارین کی سعادت اور حقیقی فوز وفلاح سے ہمکنار و سرفراز کرتا ہے۔ اور یہی وہ راستہ ہے جو عقل ونقل کے صریح اور واضح دلائل کے مطابق روشن اور واضح ہے۔ اور اسکے سوا اور کوئی بھی راستہ ایسا نہیں ہوسکتا جس پر چلنے سے انسان دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہو سکے اور اسکو حقیقی فوز وفلاح نصیب ہو سکے۔ سو شرک چونکہ تمام بیماریوں کی جڑ اور جملہ شرور ومفاسد کا منبع ومصدر ہے اس لیے جب اس کا ذکر آ گیا تو پیغمبر کی زبان سے پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ اس سے براءت وبیزاری کا اعلان کرا دیا گیا اور اصل حقیقت کو واضح اور دو ٹوک الفاظ میں واضح کرا دیا گیا تا کہ کسی کے لیے کسی شک وشبہ اور خفا وغموض کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ شرک اور اس کے ہر شائبہ سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۷۲ رسول ہمیشہ مَردوں ہی سے آئے: - اسی لیے یہاں پر کلماتِ حصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ ہم نے آپ سے پہلے اے پیغمبر مَردوں کے سوا کسی کو بھی رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ یعنی آپ ہی کی طرح۔ تو پھر یہ لوگ آپ کی بشریت پر اچنبھا اور اعتراض کیوں کرتے ہیں اور نبوت اور بشریت میں منافات کیوں سمجھتے ہیں؟ افسوس کہ قرآنِ پاک کے طرح طرح سے سمجھانے کے باوجود دورِ حاضر کے بہت سے جاہل مسلمان بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں کہ بشریت اور نبوت دونوں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اور اسی بناء پر ایسے لوگ بشریتِ نبوی کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کیلئے وہ قرآن و سنت کی نصوص میں طرح طرح کی تحریفات وتاویلات سے کام لیتے ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہر کیف نبوت و رسالت سے ہمیشہ مَردوں ہی کو سرفراز فرمایا گیا۔ نہ کسی نوری مخلوق اور فرشتہ کو نبی ورسول بنایا گیا اور نہ کسی عورت کو۔ اس میں ان مشرکین پر رد ہے جن کا کہنا تھا کہ بشر ہی کو کیوں رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اگر اللہ نے کسی کو رسول بنا کر بھیجنا ہی تھا تو اسکے لیے آسمان سے فرشتوں کو رسول بنا کر اتار دیتا۔ سو ان کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ہمیشہ انسانوں اور مَردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ سو یہ رسول کوئی انوکھے رسول تو نہیں ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿قل ما کنت بدعا من الرسل﴾ (۹:) یعنی ''اے پیغمبر ان سے کہو کہ میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں'' جو تم لوگوں کو مجھ پر اس طرح اچنبھا ہو۔ بہر کیف اس سے ان منکرین ومکذبین کے سوال واعتراض کا جواب بھی دے دیا گیا اور اس حقیقت کو بھی واضح فرما دیا گیا کہ آپ سے پہلے جو بھی رسول آئے ہیں وہ سب مرد اور بشر ہی تھے۔ کسی جن یا فرشتہ یا کسی عورت کو کبھی بھی نبی اور رسول نہیں بنایا گیا۔ اور بشر کے لیے بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجنا تقاضائے عقل وفطرت ہے۔ تا کہ وہ زندگی کے ہر دائرے میں انکی اطاعت واتباع کر سکیں۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۱۲۵ عبرت پذیری کیلئے سفر کی ترغیب: -سوارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں ہیں تا کہ اس طرح یہ لوگ اس سے سبق لیتے اور عبرت پکڑتے۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی سیر و سیاحت، عبرت گیری اور پند پذیری کی غرض سے ہونی چاہیئے۔ نہ کہ صرف گھومنے پھرنے اور وقت اور دولت کو ضائع کرنے کے لئے۔ مگر افسوس کہ آج کا مسلمان بھی دوسروں کی طرح اس مقصد سے غافل و بے خبر ہے۔ اسکے سفر بھی دوسرے دنیاداروں کی طرح وقت اور دولت کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں ہوتے -اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا - بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسے لوگوں کے سفران کے لیے غفلت میں اضافے اور طرح طرح کے معاصی وذنوب کے ارتکاب کا ذریعہ و باعث ہوتے ہیں -اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف اس ارشاد میں ترغیب وتحریض ہے اس بات کی کہ یہ لوگ عبرتوں بھری اس زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ ان سے پہلے کی منکر قوموں کی تکذیب وانکار کا نتیجہ وانجام کیا ہوا۔ اور اہلِ صدق وصفا اور اصحابِ ایمان ویقین کی نجات کے سامان قدرت کی طرف سے کس کس طرح کیے گئے۔ اور ان قوموں کے آثار وکھنڈرات میں دورِ حاضر کے ان بدمست لوگوں کے لیے کیا کچھ درسہائے عبرت وبصیرت ہیں- مگر یہ سب کچھ انہی لوگوں کے لئے ہے جو صحیح طور پر غور وفکر سے کام لیتے ہیں، اور قبولِ حق کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

۱۲۶ آخرت ہی کو اصل مقصد بنانے کی ترغیب: - سوارشاد فرمایا گیا کہ آخرت کا گھر یقیناً کہیں بہتر ہے پرہیزگاروں کیلئے''۔ اس دنیائے فانی اور اس کی تمام نعمتوں کے مقابلے میں کہ اس کی نعمتیں اعلیٰ وارفع بھی ہیں اور دائمی و ابدی بھی۔ اور ہر تکلیف و پریشانی سے خالی اور محفوظ بھی۔ جبکہ اس دنیائے دوں کی ان فانی نعمتوں میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی۔ پھر کس قدر خسارے میں ہیں وہ لوگ جو آخرت کے اس حقیقی اور ابدی گھر کو بھول کر اور اسکو اور اسکے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اسی دنیا کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور ساتھ ہی اس ارشاد میں اس حقیقت کو بھی واضح فرمادیا گیا کہ آخرت کے اس گھر اور اسکی ان عدیم النظیر و بے مثال نعمتوں سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ اور تقویٰ و پرہیزگاری کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اس بات کو اپنے پیشِ نظر رکھے کہ میرا خالق و مالک وغیرہ ہر اس چیز سے بچنے کی کوشش کرے جو کہ اس مالک الملک کی ناراضگی کا باعث ہو - وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یُحبُّ ویرید، وھو الھادی الی سواء السبیل-

۱۲۷ عقل سے کام لینے کی تحریک وترغیب: -سوارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟۔ تا کہ اس طرح تم ایمان ویقین کی راہ کو اپنا کر سعادتِ دارین سے بہرہ ور ہونے کا سامان کرسکو اور اس ہولناک خسارے سے بچ سکو جو ابنائے دنیا، دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر اور آخرت کی حیاتِ ابدی کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر اپنا رہے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سواہلِ ایمان کے اجر وصلہ کی اصل جگہ آخرت ہی ہے جو کہ دنیا کی ان عارضی اور فانی نعمتوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ پس عقل وخرد کا تقاضا یہی ہے کہ اصل مقصد آخرت ہی کو بنایا جائے۔ سو کائنات کی یہ کھلی کتاب جو طرح طرح کی نشانیوں اور دلائل وعبر سے بھرپور اور مملو ومعمور ہے اور گزشتہ قوموں کی ہلاکت وتباہی کے یہ آثار ونشانات تم لوگوں کے لیے عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت موجود ہیں تو کیا تم لوگ سوچتے نہیں اور ان سے درس نہیں لیتے؟ یعنی تم لوگوں کو ان میں غور وفکر سے کام لے کر راہِ

حق وہدایت کو اپنانا چاہیے تا کہ تمہارا بھلا ہو۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔ بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۱۷۸ منکرین کی مہلت کا ذکر وبیان: سو ان منکروں کو بڑی بڑی مہلتیں دی گئیں یہاں تک کہ جب مایوس ہونے لگے پیغمبر اپنی قوموں اور امتوں کے ایمان اور ان کی تصدیق سے۔ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر تو ان پر عذاب آ کر رہا۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ان کی قوموں کو اللہ پاک نے اپنی سنت اور دستور کے مطابق ڈھیل دی۔ اور ان کے کفر و انکار کے باوجود ان پر دنیاوی رزق اور دولت کے دروازے کھولتا گیا۔ تو وہ لوگ مست اور نڈر ہو گئے کہ کوئی عذاب وغیرہ نہیں ہونے والا۔ اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں۔ سو جب وہ لوگ عناد اور ہٹ دھرمی کی انتہاء کو پہنچ گئے تو ان پر عذاب آ کر رہا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۷۹ عذابِ الٰہی کے بارے میں سنت الٰہی کا ذکر وبیان: سو اس سے عذابِ الٰہی کے بارے میں خداوند قدوس کی سنت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ منکروں کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ وہ ان کو ڈھیل بلکہ ڈھیل پر ڈھیل دیے جاتا ہے۔ مگر جب وہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو اللہ کے رسولوں کے ذریعے ان پر حجت تمام کر دی جاتی ہے۔ اللہ کے رسول ان کے ایمان سے مایوس ہو جاتے ہیں اور تاخیر عذاب کی بناء پر وہ لوگ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔ یعنی وہ لوگ جن کو حضرات انبیائے کرام نے خبردار فرمایا تھا کہ اگر وہ حق کی تکذیب اور اسکی دشمنی سے باز نہ آئے تو ان پر قہرِ خداوندی نازل ہوگا۔ تو انہوں نے اس بارے حضراتِ انبیائے کرام کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑایا کہ ہمارے کفر و انکار کے باوجود ہم پر ایسا عذاب آخر کیوں نہیں آیا۔ اس ارشاد کی تفسیر میں اور بھی کئی اقوال اور احتمال ہیں۔ والتفصیل فی المفصل انشاء اللہ العزیز۔ بہر کیف جب انتہائی مایوس کن صورتحال پیدا ہوگئی تو ہماری مدد رسولوں کیلئے پہنچ گئی کہ اندھیری رات کے بعد طلوعِ صبح یقینی ہے۔ سو اس سے اللہ پاک کی اس سنت کو واضح فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے رسولوں کے ذریعے لوگوں پر اپنی حجت پوری کرتا ہے۔ اور عذاب تب آتا ہے جبکہ اللہ کے رسول اپنی قوموں کے ایمان سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی قوموں کے لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ان پر جھوٹ موٹ عذاب کی دھونس جمائی گئی تھی۔ فرمایا ایسے وقت ہمارے رسولوں کے لیے ہماری مدد ظہور میں آتی ہے۔ سو اس وقت ہم جسے چاہتے ہیں نجات سے سرفراز کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہر مشیئت اس کے عدل و حکمت ہی پر مبنی ہوتی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۸۰ اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کا عذاب ٹالا نہیں جاتا مجرم لوگوں سے۔ جبکہ اس کا وقت آ جاتا ہے۔ چنانچہ آ پکڑا قوم نوح کو طوفان نے۔ قومِ عاد کو سخت زور کی آندھی نے۔ قومِ ثمود کو ایک سخت ہولناک آواز نے اور قوم لوط کو ان کی بستیوں کی تباہی نے وغیرہ وغیرہ۔ اور پہنچ کر رہے یہ لوگ اپنے انجام کو۔ جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۷۰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان تمام قوموں کو اپنے اپنے وقتوں میں ان کے بارے میں مقرر اور طے شدہ عذابوں نے آ پکڑا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ پس تم لوگ اے دورِ حاضر کے مجرمو اور منکرو، اپنی اصلاح کر لو قبل اس سے کہ آ پہنچے تم کو اپنے کیے کرائے کے نتیجے میں ایسا کوئی ہولناک عذاب جس سے بچ نکلنے کی پھر کوئی صورت تمہارے لیے ممکن نہ ہو۔ سو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی گرفت و پکڑ سے بے فکری اور لاپرواہی بڑے خسارے کا سودا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي

رکھنے والوں کے لئے، ۱۸۱ یہ (قرآن) کوئی ایسا کلام نہیں، جسے خود گھڑ لیا جائے بلکہ یہ تو عین تصدیق ہے

بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ

ان (آسمانی) کتابوں کی، جو اس سے پہلے آچکی ہیں، ۱۸۲ اور اس میں (ضرورت کی) ہر چیز کی تفصیل ہے، ۱۸۳ اور یہ سراسر ہدایت، اور

رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲/۷

عین رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں، ۱۸۴

۱۸۱ سامان عبرت کے لیے تنبیہ و تذکیر:۔ سو سامانِ عبرت کے لیے تنبیہ و تذکیر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ان کے قصوں میں بڑا سامانِ عبرت ہے عقلِ خالص رکھنے والوں کیلئے اگر وہ اس بارے غور و فکر سے کام لیں۔ سو اس میں کفار مکہ وغیرہ کے لئے بڑی تنبیہ ہے کہ ان کو ہوش میں آنا چاہیئے کہ جو عذاب انکارِ حق کی پاداش میں ان پہلے لوگوں پر آئے وہ ان پر بھی آسکتے ہیں کہ جس جرم کا ارتکاب انہوں نے کیا تھا اسی کا ارتکاب یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون و دستور سب کیلئے ایک اور یکساں ہے۔ انکو کوئی سرخاب کے پر تو نہیں لگے ہوئے ہیں کہ یہ اس انجام سے بچ جائیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ﴾۔ (القمر: ۴۳)۔ یعنی "کیا تمہارے کفار ان لوگوں سے بہتر ہیں یا ان کے گناہوں میں کوئی براءت لکھ دی گئی ہے صحیفوں کے اندر؟"۔ سو اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کے لئے ایک برابر اور یکساں ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ پس تم لوگ سوچو اور غور و فکر سے کام لو اپنے بارے میں۔ تاکہ تم بچ سکو اس ہولناک انجام سے جس سے یہ گزشتہ قومیں اور ماضی کے یہ منکر لوگ دوچار ہو چکے ہیں۔ پس تم لوگ ان قصوں اور واقعات کو ماضی کی داستانیں اور دوسروں کی سرگزشتیں نہ سمجھو۔ بلکہ ان کے آئینے میں اپنے حال و مآل کے بارے میں غور کرو اور عبرت پکڑو قبل اس سے کہ فرصتِ عمل تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو جاؤ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۸۲ قرآن حکیم پہلی کتابوں کی تصدیق:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ قرآن کوئی ایسا کلام نہیں جس کو یوں ہی از خود گھڑ لیا جائے، بلکہ یہ عینِ تصدیق ہے پہلی کتابوں کی۔ ایک تو اس طرح کہ ان کتابوں میں نبیِ آخر الزمان اور ان پر نازل ہونے والی اس آخری کتاب سے متعلق پیشینگوئیاں موجود تھیں۔ پس اگر بالفرض یہ کتاب نازل نہ ہوتی تو وہ کتابیں اپنی ان پیشینگوئیوں میں جھوٹی ثابت ہوتیں۔ سو اس طرح قرآنِ حکیم کا محض نازل ہو جانا ہی ان کتابوں کی تصدیق ہے۔ اور دوسرے اس طرح کہ توحید و رسالت اور آخرت کے جن بنیادی عقائد و مسائل کی تعلیم ان کتابوں میں دی گئی تھی۔ بعینہ وہی تعلیم اس کتاب حکیم میں دی گئی ہے مگر زیادہ محکم اور واضح انداز میں۔ اور کامل طور پر دی گئی ہے۔ سو اس طرح بھی یہ کتابِ حکیم ان سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق ہے۔ اور تیسرے اس طرح کہ اس کتابِ حکیم میں ان سابقہ آسمانی کتابوں کے

بارے میں جابجا تصریح موجود ہے کہ وہ بھی اللہ کی بھیجی ہوئی اور اپنے اپنے دور میں حق کتابیں تھیں۔ البتہ ان کے پیروکاروں نے اپنی اغراضِ خبیثہ کی بناء پر ان میں تغییر وتحریف کردی تھی۔ اور اس ضمن میں یہ کتاب مقدس ان کتابوں کا سب کھرا کھوٹا پوری طرح نکھار کر سامنے رکھ دیتی ہے کہ یہ اللہ پاک کا آخری کامل اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنے والا ابدی فرمان ہے۔ اور اب ہدایت ونجات اسی سے وابستگی میں مضمر ومنحصر ہے۔ پس جو اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں وہ نورِ حق وہدایت سے محروم اور سراسر اندھیروں میں ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

۱۸۳ قرآن حکیم میں ضرورت کی ہر چیز کی تفصیل: -سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اس کتاب حکیم میں ضرورت کی ہر چیز کی تفصیل ہے''۔ یعنی دین اور ہدایت کے سلسلہ میں کہ یہ کتاب اصل میں رشد وہدایت کی توضیح وتشریح اور دینی راہنمائی ہی کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس لئے جملہ مفسرینِ کرام اس کی توضیح وتشریح میں یہی کہتے ہیں۔ مثلاً چند ایک حوالے ملاحظہ ہوں ''مَا یَحْتَاجُ اِلَیْهِ الْعِبَادُ مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ''۔ (جامع البیان)۔ ''اَیْ تِبْیَانًا لِکُلِّ مَا یُحْتَاجُ اِلَیْهِ مِنْ اَحْکَامِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْاٰدَابِ وَالْاَخْلَاقِ وَ وُجُوْهِ الْعِبَرِ وَالْعِظَاتِ''۔ (محاسن التاویل)۔ ''اَیْ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَنَهْیِهٖ وَوَعْدِهٖ وَوَعِیْدِهٖ وَبَیَانِ مَا یَجِبُ لَهٗ مِنْ صِفَاتِ الْکَمَالِ وَتَنْزِیْهِهٖ عَنْ صِفَاتِ النَّقْصِ''(المراغی)۔ ''اَیْ تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ یُحْتَاجُ اِلَیْهِ مِنَ الْاَمْرِ وَ النَّهْیِ وَالْحُدُوْدِ وَالْاَحْکَامِ'' (معالم التنزیل)۔ ''اَیْ تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ یَحْتَاجُ النَّاسُ اِلَیْهِ مِنْ اَمْرِ الشَّرِیْعَةِ'' (جلالین)۔ اسی طرح خازن، طیبی، بیضاوی، ابن کثیر، روح المعانی اور کشاف وغیرہ وغیرہ۔ تمام معتبر اور مشہور ومعروف تفاسیر میں اس کی تصریح موجود ہے۔ پس اہلِ بدعت کے بعض بڑے جو اس طرح کی آیاتِ کریمہ سے من مانے معنیٰ کشید کر کے اپنے شرکیہ عقائد کے لئے استدلال کرتے ہیں۔ وہ سراسر بے بنیاد اور محض مغالطہ آمیزی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ۔ بکل حال من الاحوال۔

۱۸۴ قرآن حکیم سراسر ہدایت ورحمت: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''یہ کتاب سراسر ہدایت اور عینِ رحمت ہے ایمان والوں کیلئے''۔ کہ اس سے مستفید وہی ہوتے ہیں جو ایمان لانا چاہتے ہوں۔ اور جو ایمان ویقین کے نور سے مشرف وسرفراز ہوں۔ ورنہ اس کی ہدایت تو سب کے لئے عام ہے اور اس کی صفت ''هُدًی لِّلنَّاسِ'' ہے۔ یعنی یہ سب لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ہدایتِ قرآن سے متمتع اور مستفید ہونے کیلیے اولین شرط اس پر ایمان کا ارادہ اور سچا پکا اور پختہ ایمان ویقین ہے۔ ورنہ جو لوگ ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم ہیں اور وہ ایمان لانا چاہتے ہی نہیں اس سے ان کے کفر وشرک کی گندگی اور نجاست ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ پس ایمان ویقین کی دولت دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِالْاِیْمَانِ بِهٖ۔ فَزِدْنَا اللّٰهُمَّ مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهِ وَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ فِیْ کُلِّ مَوْقِفٍ مِنَ الْمَوَاقِفِ وَبِکُلِّ حَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ فِی الْحَیٰوةِ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ الذی بیده ازمة التوفیق والهدایة۔ وهو الذی یجیر ولایجار علیه۔ سبحانهٗ وتعالٰی

❀❀❀❀❀❀❀❀

آیاتہا ۴۳ ۱۳ سُوْرَۃُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۶ رُکُوْعَاتُہَا ۶

سورۂ رعد مدنی ہے اوراس کی تینتالیس آیتیں ہیں اور چھ رکوع۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

ا-ل-م-ر یہ آیتیں ہیں ۱ اس عظیم الشان کتاب کی ۲ اور (یہ ایک حقیقت ہے کہ) جو کچھ اتارا گیا آپ کی طرف (اے پیغمبر!)

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

آپ کے رب کی جانب سے وہ سراسر حق ۳ ہے لیکن اکثر لوگ (پھر بھی) ایمان نہیں لاتے، ۴

۱ عظیم الشان آیات:- سوارشاد فرمایا گیا کہ "یہ آیتیں ہیں اس کتابِ حکیم کی" جواس سورۂ کریمہ میں مذکور ہیں۔ یا اس سے پورے قرآنِ حکیم کی آیات مراد ہیں۔ (معالم، جامع، فتوحاتِ الٰہیہ وغیرہ)۔ سو جب یہ آیتیں اس عظیم الشان کتاب کی ہیں جو کہ ایک بے مثال کتاب اور معجزۂ خداوندی ہے تو پھر اسکی ان عظیم الشان آیتوں کی عظمتِ شان کے کہنے ہی کیا؟ سو سورۂ کریمہ کی ابتداء اوراس کا آغاز ہی اس طرح فرمانے سے یہ درس ملتا ہے کہ جیسے یہ کتاب عظیم الشان اور بے مثال ہے اسی طرح اسکی یہ آیات بھی عظیم الشان اور بے مثال ہیں۔ لہٰذا ان کی تلاوت بھی اسی انداز واعتبار سے ہونی چاہیئے اوران کو دل وجان سے اپنانا چاہیے کہ اسی میں انسان کے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا سامان ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۲ احسان اور دھمکی کے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ:- سوارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں اس کتاب حکیم کی جس کے اتارنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے فرمایا تھا۔ یعنی قرآنِ حکیم کی۔ جس کی عظمتوں، رحمتوں اور برکتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ جس جیسی دوسری کوئی کتاب نہ آج تک کبھی ہوئی اور نہ قیامت تک کبھی ممکن ہے۔ اور جو انسان کے لئے دارین کی سعادت اور فوز وفلاح کی کفیل وضامن ہے۔ سواس کتابِ حکیم سے اعراض کرنا اور منہ موڑنا پرلے درجے کی حماقت اور سب سے بڑی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اورانہی عظمتوں کی بناء پر یہ کتاب ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے کہ یہی کتاب کہے جانے کے لائق ہے۔ اسی لیے اس کا تعارف ہی "الکتاب" کے نام وعنوان سے کرایا جارہا ہے۔ اور یہی ہے وہ موعود ومنتظر کتاب الٰہی جس کا آخری اور کامل صحیفہ ہدایت کی حیثیت سے اتارنے کا وعدہ اللہ پاک نے اپنے انبیاء ورسل کے ذریعے فرمایا تھا۔ سواس کی

تعلیمات مقدسہ کو دل و جان سے اپنانا دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی راہ کو اپنانا ہے۔ سو یہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے اس کے بندوں پر عظیم الشان انعام اور بے مثال احسان ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ اس کو دل و جان سے اپنا کر اس کی برکات سے مستفید و متمتع اور فیضیاب ہوں۔ اور اگر انہوں نے اس کی ناقدری کی اور اس سے اعراض و روگردانی برتی - والعیاذ باللہ - تو اس کے نتیجے میں ان کو دارین کی محرومی اور ہلاکت و تباہی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۳ پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ: - سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ جو کتاب آپ کی طرف سے آپ کے رب کی جانب سے اتاری گئی وہ سراسر حق ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ خواہ اس کا تعلق عقائد و ایمانیات سے ہو یا معاملات و اَخلاق سے۔ معیشت و معاشرت سے ہو یا عبادات و عادات سے۔ سو یہ اِجمال بعد التفصیل کے قبیل سے ہے جو کہ بلاغتِ کلام کا ایک معروف اسلوب ہے۔ اور جو عربی زبان میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ سو اسکے مطابق قرآنِ حکیم کی عظمتِ شان کو واضح فرمایا گیا۔ اور پھر بالاجمال ارشاد فرمایا گیا کہ جو قرآن آپ کی طرف اتارا گیا ہے وہ سارے کا سارا اور پورے کا پورا حق اور صدق ہے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو اللہ پاک کے اس احسانِ عظیم کو اپنانا اور قبول کرنا جہاں اس کا حق ہے وہاں اس سے منہ موڑنا ہلاکتِ دارین کا باعث ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - بہر کیف اس میں پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ منکر اور ہٹ دھرم لوگ اگر اس نسخہ کیمیا سے منہ موڑے ہوئے ہیں تو یہ انکی اپنی ہٹ دھرمی اور محرومی کا نتیجہ ہے ورنہ یہ کتاب سراسر حق و صدق ہے۔ اس کی ہر بات سچی، مدلل اور مبرہن اور عقل و نقل اور فطرتِ سلیمہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس کا ہر دعویٰ سچا و ثابت اور مدلل و مبرہن ہے اور اس شان کی کتاب یہی اور صرف یہی ہے - والحمدللہ جل وعلا - الذی شرفنا بھذا الکتاب وبالایمان بہ والاشتغال۔

۴ ہٹ دھرمی محرومی کی جڑ بنیاد - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ کتاب تو سراسر حق و صدق ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں جس سے اختلاف کیا جا سکے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اپنی ہٹ دھرمی اور محرومی و بدبختی کی بناء پر - والعیاذ باللہ - پس قصور اس کتاب حکیم کا نہیں بلکہ ان کی اپنی طبیعتوں کا ہے کہ وہ ''ہُدیٰ'' کی بجائے ''ہَویٰ'' پر چلنا چاہتے ہیں۔ اور حق و ہدایت کی بجائے نفس و شیطان کی پیروی کرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - ورنہ قرآنِ حکیم کی صداقت و حقانیت پوری طرح واضح ہے۔ معلوم ہوا کہ اکثریت ہمیشہ بے ایمانوں ہی کی رہی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ پس اہلِ بدعت وغیرہ جہلاء کا اور موجودہ نام نہاد مغربی جمہوریت کے علمبرداروں اور پرستاروں کا عوام کالانعام کی اکثریتی رائے کو حق و صداقت کا معیار قرار دینا باطل و مردود ہے کہ عوام کی اکثریت بے ایمانوں اور غلط کاروں کی ہی رہی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور یہاں پر فعل کو ارادۂ فعل کے معنیٰ میں بھی لیا جا سکتا ہے۔ یعنی اکثر لوگ ایمان لانا چاہتے ہی نہیں اپنے عناد اور ہٹ دھرمی سے۔ اور اسی بناء پر وہ نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر طرح طرح کے اندھیروں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ کیونکہ عناد و ہٹ دھرمی اور ''میں نہ مانوں'' کا کوئی علاج نہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - من کل زیغ وضلال، وسوء وانحراف، بکل حال من الاحوال۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ

اللہ وہی ہے جس نے اٹھایا ان (وسیع وعریض) آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جن کو تم لوگ دیکھ سکو ۵ پھر وہ (اپنی اس کائنات پر حکمرانی ۶

اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ

کے لئے) جلوہ فرما ہوا عرش پر ۷ اور اس نے (اپنی بے پایاں قدرت اور لامحدود رحمت وعنایت سے) کام میں لگا دیا سورج اور چاند (کے ان

کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ

عظیم الشان کُرّوں) کو ۸ (اپنی مخلوق کے بھلے کے لئے اس طور پر کہ ان میں سے) ہر ایک چل رہا ہے ایک مقرر وقت تک کے لئے،

۵ قدرت کے بعض عظیم الشان مظاہر حکمت میں غور وفکر کی دعوت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اللہ وہی ہے جس نے اٹھایا ان عظیم الشان آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے جن کو تم لوگ دیکھ سکو''۔ سو آسمانوں کا بغیر ستونوں کے اٹھایا جانا قادر مطلق کی قدرت مطلقہ کا ایک عظیم الشان نمونہ ومظہر ہے۔ یعنی ﴿تَرَوْنَهَا﴾ صفت ہے ﴿عَمَدٍ﴾ کی جو کہ جمع ہے ''عمود'' اور ''عماد'' کی۔ تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر وہ غیر مرئی ہیں۔ جن کو تم دیکھ نہیں سکتے۔ جس کو سائنس والے کشش اور جاذبیت وغیرہ جیسے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ نظر نہیں آتے۔ جیسا کہ دنیا کے دوسرے عام ستون دکھتے اور نظر آتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے اٹھایا ہے۔ بہرکیف ان دونوں ہی صورتوں میں معنیٰ صحیح ہے۔ اور ان میں سے جو بھی صورت مانی جائے یہ بات صاف اور واضح ہے کہ آسمانوں کی اس عظیم الشان مخلوق کا اس طرح اٹھانا حضرت حق۔ جل مجدہٗ۔ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا ایک عظیم الشان شاہکار ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ (محاسن التاویل، ابن کثیر وغیرہ)۔ سو اس عظیم الشان اور حکمتوں بھری مخلوق میں غور وفکر سے کام لیکر تم لوگوں کو اپنے رب کی معرفت سے سرشار ہونا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ کس قدر عظیم الشان ہے وہ ذات جس نے آسمانوں کی اس عظیم الشان چھت کو اس قدر پر حکمت طریقے سے اٹھایا؟ اور کیا حق ہے اس خالق ومالک کا ہم پر؟ اور اس کا یہ حق کس طرح ادا کیا جاسکتا ہے؟ اور اس طرح صحیح طور پر غور وفکر سے کام لیکر تم لوگ آپ سے آپ دینِ حق کی طرف کھنچے چلے آؤ گے۔ اور اس طرح یہ غور وفکر تمہارے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کی راہیں روشن کر دیگی۔ مگر مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ تم لوگ صحیح معنوں میں غور وفکر سے کام لیتے ہی نہیں۔ سو اس میں ایک طرف تو غور وفکر کی دعوت ہے اور دوسری طرف اس سے یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ غور وفکر کا محل مخلوق ہے نہ کہ خالق کہ اسکی ذاتِ اقدس واعلیٰ مخلوق کے دائرۂ فکر سے وراء الوراء ہے۔ اس کو ایسے مانا جائے جیسا کہ وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اسکے بارے میں اسکے رسول بتائیں۔ ورنہ انسانی فکر سے وہ وراء الوراء ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف حکمتوں بھری اس کائنات میں غور وفکر کا عظیم الشان سامان ہے۔ جو ہر چہار سو پھیلا بکھرا ہے اور اپنی زبانِ حال سے دعوتِ غور وفکر دے رہا ہے۔

۶ کائنات پر حکمرانی اللہ تعالیٰ ہی کی: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کائنات کا حاکم اور متصرف اللہ وحدہٗ لاشریک

ہی ہے۔ سو جیسا کہ اپنی اس کائنات کا خالق و مالک وہ خود ہے اسی طرح اس میں حاکم و متصرف بھی تنہا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو جس طرح اسکی اس عظیم الشان کائنات کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں اسی طرح اسکی حکمرانی و فرماں روائی میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ لہٰذا اسکی عبادت و بندگی میں بھی کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں ہوسکتا۔ مگر افسوس کہ اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں نے اس کے باوجود اس موقع پر اپنے تفسیری - بلکہ تحریفی - حواشی میں یہاں تک بڑھک ماری ہے کہ اللہ کی قدرت، عدل و انصاف، اولیاء اللہ اور انبیائے کرام آسمانوں کے ستون ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - پھر کوئی بتائے کہ شرک آخر کس بلا کا نام ہے؟ اور تحریف اور کس کو کہا جاتا ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - یعنی ایسی بات کہی جو سلف و خلف میں سے کسی بھی معتبر اہلِ علم نے نہیں کہی اور جو نصوصِ کتاب و سنت سے متصادم اور صریح طور پر ان کی معارض ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر قسم سے ہمیشہ محفوظ رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۷ <u>پھر وہ مستوی ہوا عرش پر</u>:- جیسا کہ اس کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے لائق ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - کہ غیب کے ان عظیم الشان اور جلیل القدر حقائق کا احاطہ و ادراک انسانی دسترس سے باہر ہے۔ ان کو ویسے ہی مانا جائے جیسا کہ نصوص میں وارد ہے اور ان میں کسی تغییر و تبدیل سے کام نہ لیا جائے۔ جیسا کہ اسلاف کرام کا کہنا ہے۔ اور یہی صحت و سلامتی کی راہ ہے۔ اسی لیے حضراتِ اہلِ علم کا اس بارے کہنا ہوتا ہے " انه يمر كما جاء من غير تكييف ولا تشبيه ولا تعطيل ولا تمثيل " (محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے یہ واضح فرما دیا گیا کہ اس کائنات کو پیدا کر کے وہ خود کہیں الگ ہو کر نہیں بیٹھ گیا جیسا کہ مشرکین وغیرہ زائغین کا کہنا اور ماننا ہے بلکہ وہ اپنے عرشِ اقتدار پر متمکن و جلوہ فرما ہوا اور وہی اس کائنات کی فرمانروائی کرتا ہے اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۸ <u>سورج و چاند انسان کے خادم، نہ کہ معبود و مسجود</u>:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے کام میں لگا دیا سورج اور چاند کے ان عظیم الشان کرّوں کو جو کہ اس وحدہٗ لاشریک کی عظیم قدرت اور بے پایاں رحمت کا ایک عظیم مظہر ہے۔ ورنہ چاند سورج کے ان عظیم الشان کرّوں کو جن سے بے حد و حساب مخلوق کے لاتعداد فوائد و منافع وابستہ ہیں، ان کو پیدا کرنا اور پھر ایک نہایت ہی حکمت بھرے نظام کے مطابق اس باقاعدگی سے ان کو کام میں لگا دینا اس قادرِ مطلق، خالق و مالک اور خدائے رحمٰن و رحیم کے سوا اور کس کا کام ہوسکتا ہے؟ - ﴿سبحانه و تعالى عما يشركون﴾ - نیز اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ سورج اور چاند کے یہ دونوں عظیم الشان کرّے انسان کے خادم ہیں نہ کہ اسکے معبود۔ سو کس قدر غلط کار اور بہکے بھٹکے ہیں وہ الٹی کھوپڑیوں کے لوگ جو اپنے ان خادموں کو اپنا معبود قرار دے کر ان کی پوجا پاٹ کرتے اور اپنی ہلاکت و تباہی کا سامان کرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو عقل و نقل اور حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان عظیم الشان کرّوں کی تسخیر اور ان کے گوناگوں اور عظیم الشان فوائد کو دیکھ کر اپنے رب کی معرفت سے سرشار ہو اور ان عظیم الشان نعمتوں سے مستفید ہو کر اپنے اس خالق و مالک کے آگے دل و جان سے جھک جائے اور اس طرح اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲ وَهُوَ الَّذِيْ

وہی تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی اور وہ کھول کر بیان کرتا ہے اپنی آیتوں کو تاکہ تم لوگ اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر سکو۔ ۹

مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ

اور وہی ہے جس نے بچھا دیا زمین (کے اس عظیم الشان کرّے) کو، اور رکھ دیئے اس میں (پہاڑوں کے) عظیم الشان لنگر، ۱۰

۹ عقیدۂ آخرت ایک انقلاب آفریں عقیدہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ کھول کر بیان کرتا ہے اپنی آیتوں کو تاکہ تم لوگ یقین کرو اپنے رب کی ملاقات اور اس کی پیشی کا"۔ سو کائنات میں غور و فکر کا نتیجہ و ثمرہ رب کی ملاقات اور پیشی کا یقین ہے۔ کہ نہ تو یہ سب کچھ بیکار و بے مقصد ہو سکتا ہے اور نہ اس قادرِ مطلق کے لئے اس انسانِ ضعیف البنیان کو دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل ہو سکتا ہے۔ پس ہم نے اسکے حکم سے لازماً دوبارہ وجود میں آکر اس کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہونا اور اپنے کئے کرائے کا بدلہ پانا ہے۔ تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں۔ اور یہ قیامت کے اُس روزِ جزاء ہی میں ہو سکتا ہے جو کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد آنے والا ہے۔ سو کائنات میں پھیلے بکھرے ان نشانہائے قدرت میں صحیح معنوں میں غور و فکر سے کام لینے پر اللہ تعالیٰ کے وجود با جود، اسکی توحید و وحدانیت اور قیامت و آخرت سب کیلئے کھلے اور واضح دلائل مل سکتے ہیں۔ اور اس طرح انسان ایمان و یقین کی دولت سے سرشار ہو سکتا ہے۔ سو آخرت کا ایمان و یقین اور رب کے حضور پیشی اور حاضری کا عقیدہ ایک عظیم الشان اور انقلاب آفریں عقیدہ ہے۔ جس سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے اور وہ کچھ کا کچھ بن جاتا ہے اور کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۱۰ زمین کے لیے عظیم الشان لنگروں کا انتظام: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اسی نے زمین کے لیے پہاڑوں کے عظیم الشان لنگروں کا انتظام کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے رکھ دیئے زمین میں پہاڑوں کے عظیم الشان لنگر کہ یہ کرۂ ارضی تم کو لے کر ڈولنے نہ لگے۔ اور تاکہ اس پر تمہیں پرسکون زندگی میسر آسکے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ سو ذرا سوچو اور غور کرو تم لوگ اے عقل مندو کہ کس قدر قادرِ مطلق اور حکیم مطلق ہے تمہارا وہ رب رحمٰن و رحیم جس نے تمہارے لیے اس قدر حکمتوں بھرا انتظام فرمایا۔ اور از خود تمہاری طرف سے کسی طرح کی اپیل و درخواست کے بغیر فرمایا۔ سو یہ سب کچھ سوچو اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس کے حضور جھک جاؤ۔ اور اس طرح دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور ہو جاؤ۔ وباللہ التوفیق۔ اور یہیں سے یہ بھی سوچو کہ کتنے ظالم اور کس قدر بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس سب کے باوجود اس واہبِ مطلق کی ان عنایات کو بھول کر اس کے ساتھ کفر و انکار کرتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ان دوسری فانی اور بے حقیقت چیزوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں جن کا اسکی اس بخشش و عطاء میں کسی بھی طرح کا کوئی حصہ اور عمل و اشتراک نہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ ان کو ڈھیل پر ڈھیل دیے جا رہا ہے۔ سو اس سے اندازہ کر لو کہ کس قدر غفور و رحیم اور ستار و کریم ذات ہے وہ۔ سو اس سے منہ موڑنا اور اس بارے غفلت برتنا کس قدر محرومی اور بدبختی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي

اور چلا دیئے اس میں طرح طرح کے دریا، اور پیدا کر دیئے اس میں ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے ۱۱ اور وہی ہے جو ڈھانک

الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③

دیتا ہے رات کو دن پر، بے شک اس سب میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ۱۲ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں، ۱۳

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ

اور (اسی طرح یہ بھی قابل غور و فکر ہے کہ) اس زمین میں قسما قسم کے ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے، اور باغات

زَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ

انگوروں کے، اور قسما قسم کی کھیتیاں، اور طرح طرح کی کھجوروں کے درخت، جن میں سے کچھ اکہرے ہوتے ہیں اور کچھ دوہرے

وَّاحِدٍ ۟ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ

اور جڑواں، سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے ۱۴ مگر (اس کے باوجود) ہم ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دے

۱۱ پھلوں اور پیداواروں میں سامانِ غور و فکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے چلا دیے طرح طرح کے دریا اور اس میں پیدا فرمائے ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے، نر و مادہ تا کہ ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہو سکے۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ نیز ان کو کئی قسموں کا بنایا۔ جیسے کالے گورے، نیلے پیلے، چھوٹے بڑے، کھٹے میٹھے اور ٹھنڈے و گرم وغیرہ وغیرہ۔ (روح، ابوالسعود، جامع البیان وغیرہ)۔ سو یہ اسکی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور عنایتِ فائقہ کے کس قدر عظیم الشان نمونے اور مظہر ہیں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے اور تمہارے ہاتھوں کے درمیان موجود ہیں۔ مگر تم لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ سو تضاد اور توافق کا یہ حکمتوں بھرا اور حیرت انگیز قانون جس طرح سلسلہ روز و شب میں کارفرما ہے، اسی طرح یہ ہر قسم کی پیداوار ایک ایک پھل اور ایک ایک دانے کے اندر کارفرما ہے۔ خواہ انسان کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ تم گندم کے ایک دانے کو دیکھو گے تو تمہیں وہ دو حصوں میں منقسم نظر آئے گا۔ سو کائنات کے ہر گوشے میں پائی جانے والی زوجیت کی یہ شہادت گواہی دے رہی ہے کہ یہ دنیا بھی تنہا نہیں بلکہ اس کا بھی ایک جوڑا ہے۔ اور وہ ہے آخرت۔ اور اپنے لیے اسی جوڑے کے ساتھ مل کر یہ دنیا اپنی غایت کو پہنچتی ہے۔ ورنہ اس کا وجود بالکل بے کار اور بے مقصد ہو کر رہ جائے گا۔ سو دنیا کا وجود بذاتِ خود آخرت کا تقاضا کرتا ہے۔ فسبحان اللہ من خالق قادر حکیم۔ سو قسما قسم کے ان پھلوں اور پیداواروں میں بڑا سامانِ غور و فکر ہے۔ اِن لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لینا چاہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۱۲ رات اور دن کے نظام میں سامانِ غور و فکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہی ہے جو رات کو ڈھانک دیتا ہے دن پر۔

بلاشبہ اس سب میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں" ۔ اس وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کی ۔ اور اس کی وحدانیتِ مطلقہ کی کہ جب ان تمام چیزوں کے پیدا کرنے میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اس کی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک کیونکر ہوسکتا ہے؟ ۔سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ پس ہر قسم کی عبادت وبندگی اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے ۔ سو یہ نشانیاں اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر دنیا کو غور وفکر کی دعوت دے رہی ہیں ۔ لیکن غفلت شعار دنیا ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتی ۔ الا ما شاء اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ بہر کیف رات اور دن کے ادلتے بدلتے اس پر حکمت نظام میں بھی بڑا سامان غور وفکر ہے ۔ بھلا سوچو تو سہی کہ آخر یہ کس کی قدرت وحکمت اور رحمت وعنایت کا نتیجہ ہے کہ رات کی اس عظیم الشان اور بے مثال سیاہ چادر کو اس قدر پابندی اور حکمت وعنایت کے ساتھ اس دنیا پر تن دیا جاتا ہے جس سے مخلوق کو آرام کے لیے ایسا پر کیف سناٹا ملتا ہے؟ سو یہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کی قدرت وحکمت اور اس کی رحمت وعنایت کا نتیجہ وثمرہ ہے ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔

۱۳ غور وفکر کی عظمت واہمیت کا ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان چیزوں کے اندر بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان کیلئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں" ۔ اور وہ سوچتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس پر حکمت طریقے سے کس نے پیدا کیا اور اس کا ہم پر کیا حق ہے؟ اور اس کا یہ حق ہمیں کس طرح ادا کرنا چاہئے؟ تو اس طرح اس ارشاد ربانی میں ایک طرف تو غور وفکر کی دعوت اور اس کی تحریک ہے اور دوسری طرف اس میں یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ غور وفکر کا موقع ومحل کیا ہے؟ یعنی مخلوق نہ کہ حضرتِ خالق ۔ جل وعلا ۔ کہ وہ ہمارے دائرۂ غور وفکر سے بالا اور وراء الوراء ہے ۔ پس صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسکی مخلوق اور اس کائنات میں چہار سو پھیلی بکھری ان نشانیوں میں غور وفکر سے کام لیکر اس وحدہٗ لاشریک کی معرفت حاصل کرو ۔ وباللہ التوفیق ۔ اور پھر اسکی وحی وہدایت کے مطابق اسکی اطاعت وبندگی سے سرشار ہو کر اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرو ۔ سو اس سے خلقِ خدا میں غور وفکر کی عظمت واہمیت واضح ہوجاتی ہے ۔ سو اس سے انسانی عقل وفکر کو جلا ملتی ہے اور اس کا باطن روشن ومنور ہوتا ہے ۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید ۔

۱۴ زمین سے متعلق کچھ اور نشانیوں کا ذکر وبیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ زمین میں ساتھ ساتھ پائے جانے والے مختلف ٹکڑے ہیں خبیث وطیب، زرخیز وبنجر، کوئی کلر والی بیکار زمین جس میں کچھ اگتا اور پیدا نہیں ہوتا ۔ اور کوئی عمدہ زرخیز جس میں سب کچھ پیدا ہوتا ہے ۔ اور اس میں طرح طرح کی عمدہ چیزیں برگ وبار لاسکتی ہیں اور لاتی ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ سو یہ سب کچھ حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ کاملہ، عنایتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کا عظیم الشان مظہر ہے ۔ پس بڑے ظالم اور بے انصاف ہیں وہ لوگ جو چہار سو پھیلی بکھری اسکی رحمت وعنایت کے ان عظیم الشان مظاہر کو دیکھنے اور ان سے طرح طرح سے مستفید ہونے کے باوجود اس سے منہ موڑیں یا اسکی خدائی میں اوروں کو اس کا شریک جانیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ وہ ایسے تمام شرکاء اور ہر شائبہ شرک سے پاک اور بری ہے ۔ پھر اس میں حضرت قادرِ مطلق ۔ جل جلالہٗ ۔ کی قدرت وحکمت، وحدانیت ویکتائی کے مزید نمونوں کے ذکر وبیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اس میں باغات ہیں انگوروں کے ۔ قسما قسم کی کھیتیاں، طرح طرح کی کھجوروں کے درخت جن میں سے کچھ اکہرے ہوتے ہیں اور کچھ دوہرے اور جڑواں ۔ سو یہ رحمت وعنایت اور تنوع وبوقلمونی آخر کس کے کرمِ بے پایاں اور قدرتِ بے نہایت کا نتیجہ وثمرہ ہے؟ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ لاشریک جس کی قدرت وحکمت اور رحمت وعنایت کے یہ عظیم الشان مظاہر ہر طرف پھیلے بکھرے ہیں ۔ پس وہی وحدہٗ لاشریک معبودِ برحق ہے اور اسی کا حق ہے ہر قسم کی عبادت وبندگی ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔

اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝۴ وَاِنۡ تَعۡجَبۡ

دیتے ہیں مزے میں ۱۵ بے شک ان سب چیزوں میں بھی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں ۱۶ اور اگر

فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيۡ خَلۡقٍ

آپ تعجب کریں تو (واقعی) تعجب کے قابل ہے ان لوگوں کا یہ کہنا کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے ۱۷ تو کیا واقعی ہم نئے سرے

جَدِيۡدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

سے پیدا کئے جائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے (بے پایاں قدرت و رحمت والے اُس) رب کے ساتھ، ان کی

الۡاَغۡلٰلُ فِيۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ

گردنوں میں طوق پڑے ہیں، ۱۸ اور یہ یار ہیں دوزخ کے،

۱۵ **پھلوں میں بعض کو بعض پر فوقیت وفضیلت**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دیتے ہیں مزے میں"۔ کوئی کھٹا کوئی میٹھا، کوئی لذیذ کوئی ترش، کوئی کم میٹھا کوئی زیادہ، کوئی تھوڑا کھٹا، کوئی اس سے زیادہ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ زمین بھی ایک اور پانی بھی ایک۔ مگر اس کے باوجود یہ تنوع اور اختلاف قدرت کا ایک عظیم الشان مظہر اور شاہکار ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو یہ سب چیزیں اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر دعوتِ غور وفکر دے رہی ہیں کہ تم لوگ اسی ربّ قدیر وحکیم کے آگے دل وجان سے جھک جاؤ جسکی قدرت وحکمت اور رحمت وعنایت کے یہ مظاہر تم لوگ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ سو زمین کے ان مختلف ٹکڑوں میں جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ واقع ہیں ان میں سے کسی میں انگوروں کے عظیم الشان باغات ہیں اور کسی میں ہری بھری لہلہاتی کھیتیاں۔ اور کسی میں کھجوروں کے اونچے اونچے درخت۔ جن میں سے بعض کے تنے اکہرے ہوتے ہیں اور بعض کے دوہرے۔ سو ایک ہی زمین، ایک ہی پانی اور ایک ہی ہوا کے باوجود یہ تنوع اور اختلاف آخر کس کی کارستانی اور کس کی رحمت وعنایت اور قدرت وحکمت کا نتیجہ ہے۔ سو وہی ہے اللہ جو کہ خالقِ کل اور مالکِ مطلق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ ہر قسم کی عبادت وبندگی صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔

۱۶ **عقل سے کام لینے کی تحریک وترغیب**:۔ سو عقل وفکر سے کام لینے کی تحریک وترغیب کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس سب میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور مخلوق کے ان عجائب وغرائب میں غور کر کے وہ اپنے خالق ومالک کی معرفت اور اس تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ اور اس کی وحدانیت اور اس کی عظمتوں کے علم وادراک سے اپنے ایمان ویقین میں اضافے کا سامان کرتے ہیں۔ اس طرح یہ اشیاء ان کے لئے صرف جسمانی اور مادی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان بن کر ہی نہیں رہ جاتیں۔ جس طرح کہ مادہ پرستوں اور پیٹ کے پجاریوں کا حال ہوتا ہے۔ بلکہ یہ چیزیں صحیح غور وفکر کے نتیجے میں ایک مومنِ صادق کے لئے ایمان ویقین کی ترقی کا ذریعہ بن جاتی

ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ گھڑی بھر کا صحیح غور و فکر ستر برس کی عبادت سے بھی بڑھ کر ہے "فِکْرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِنْ عِبَادَۃِ سَبْعِیْنَ سَنَۃٍ" بہرکیف ان چیزوں کے اندر بڑی بھاری نشانیاں ہیں اللہ کی وحدانیت و قدرتِ مطلقہ اور اسکی حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کی۔ نیز بعث بعد الموت کی کہ جس نے پہلی مرتبہ پیدا فرمایا وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اور وہ پیدا کرے گا تا کہ حساب کتاب ہو۔ ہر کوئی اپنے کیے کرائے کا پھل پائے اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہوں۔ ورنہ اس ساری کائنات کو وجود عبث اور بیکار قرار پائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

۱۷ کفار و منکرین کا حال قابلِ تعجب: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اگر آپ ان لوگوں کے حال پر تعجب کریں تو واقعی ان کا حال قابلِ تعجب ہے۔ یعنی ان کا یہ کہنا تعجب کے لائق ہے کہ کیا جب ہم لوگ مر کر مٹی ہو جائیں گے تو واقعی ہمیں از سرِ نو پھر پیدا کیا جائے گا؟" کیونکہ جو خداوندِ قدوس ایسی ایسی قدرتوں اور عظمتوں کا مالک ہے اور جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی اس تمام عجیب و غریب مخلوق کو خلعت وجود سے نوازا، اس کے لئے بھلا اس انسان ضعیف البنیان کو دوبارہ وجود بخش دینا اور اس کو نیست کے بعد ہست کر دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ جبکہ آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کا پیدا کرنا انسان کے پیدا کرنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾۔ (المومن: ۵۷)۔ نیز دوسرے مقام پر یہ ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا پیدا کرنا؟" ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰھَا﴾۔ (النازعات: ۲۷) سو اس سب کے باوجود ان کافروں کا حال بڑا قابلِ تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ "کیا ہم جب مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا؟"۔ مگر کفر و انکار اور عناد و ہٹ دھرمی نے ان کی مت ایسی ماردی کہ ان کو یہ سیدھی سادی اور واضح حقیقت سمجھ نہیں آتی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ من کل زیغ وضلال۔

۱۸ کافروں کی گردنوں میں طوق: ۔سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کی گردنوں میں طوق پڑے ہیں۔ ایسے طوق جو اگرچہ ظاہر میں نظر نہیں آتے لیکن وہ ظاہری اور حسی طوقوں سے بھی کہیں بڑھ کر سخت ہیں۔ جن کی بناء پر یہ لوگ اپنے اس رب رحمٰن و رحیم کے ساتھ کفر کرتے ہیں جس کی بے پایاں قدرت، بے مثال ربوبیت اور لامحدود رحمت و حکمت کے آثار و شواہد یہ لوگ ہر لحہ ہر جگہ اور ہر طرف دیکھتے ہیں۔ پس اس کے ساتھ کفر کر کے یہ پکے کافر، ناشکرے اور نمک حرام بن گئے۔ جس سے حق بات ان کے اندر اثر ہی نہیں کر پاتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو ان لوگوں کی گردنوں میں ان کے اپنے اختیار کردہ کفر و انکار، کبر و غرور، انانیت و خود پرستی، اندھی بہری تقلید و جمود اور خود ساختہ عادات و تقالید کے ایسے بھاری بھر کم طوق پڑے ہوئے ہیں جو ان کو حق اور اہلِ حق کی طرف مڑنے اور حق بات کو سننے اور ماننے ہی نہیں دیتے۔ جس کے نتیجے میں آخر کار ان کو انہی کے ذریعے گھسیٹ کر دوزخ کی آتش سوزاں میں ڈالا جائے گا اور یہ ہمیشہ فی النار والسقر ہو کر رہ جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اذ الاغلال فی اعناقھم والسلاسل یسحبون، فی الحمیم ثم فی النار یسجرون﴾۔ (المومن: ۷۱-۷۲) یعنی "جبکہ طوق ان کے گلوں میں پڑے ہونگے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں، ان کو ان کے ذریعے گھسیٹا جائے گا کھولتے پانی میں۔ پھر ان کو جھونکا جائے گا دوزخ میں" ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ

جہاں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا، اور یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں آپ سے برائی کے لئے

قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ط

بھلائی سے پہلے، ف۱۹ حالانکہ گزر چکی ہیں ان سے پہلے (کے لوگوں میں طرح طرح کے عذابوں

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ج وَ

کی) عبرتناک مثالیں ف۲۰ اور بیشک تمہارا رب بڑا ہی بخشنے والا ہے لوگوں کو ان کے ظلم پر ف۲۱ اور بے شک تمہارا رب یقینی طور

اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

پر عذاب دینے میں بھی بڑا سخت ہے ف۲۲ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، کہ کیوں نہیں اتاری

۱۹ مت ماری کا ایک نمونہ بھلائی سے پہلے برائی مانگنا: - سو اس سے کفار و منکرین کی بدبختی اور مت ماری کا ایک نمونہ سامنے آتا ہے کہ یہ لوگ پیغمبر سے بھلائی سے پہلے برائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سو یہ لوگ صاف کہتے ہیں کہ لاؤ ہمارے پاس وہ عذاب جس کی دھمکیاں تم ہمیں دے رہے ہو۔ جو علامت ہے ان کی پرلے درجے کی محرومی اور بدنصیبی کی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - ورنہ یہ عذاب مانگنے کی بجائے اپنی زندگی کی ملی ہوئی اس فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس عذاب سے بچنے کی فکر کرتے۔ اور نیکیوں کی کمائی کرتے کہ عذاب کے آ پہنچنے کے بعد ان کے لئے اس کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ اس طرح ان لوگوں کے اس طرز عمل کے باوجود ان پر اس عذاب کا واقع نہ ہونا اس خدائے رحمٰن و رحیم کی بے پایاں رحمت و عنایت کا ایک اور عظیم الشان مظہر ہے - سبحانہ وتعالیٰ - کہ وہ ان کو پھر بھی ڈھیل پر ڈھیل اور مہلت پر مہلت دے رہا ہے تاکہ یہ اپنی اصلاح کر کے دائمی ہلاکت و تباہی سے بچ سکیں - فوفقنا اللّٰھم لما تحب وترضیٰ من القول والعمل بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ یاذا الجلال والاکرام یامن بیدہ ملکوت کل شیء۔

۲۰ عقلمندی کا تقاضا دوسروں کے انجام سے سبق لینا: - سو اس ارشاد میں دوسروں کے انجام سے سبق لینے اور عبرت پکڑنے کی ترغیب و تحریض ہے۔ "مثلٰت" جمع ہے "مثلۃ" کی۔ جس کے معنی عبرت ناک عذاب کے آتے ہیں۔ سو عقل و دانش اور ہوش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسروں کو ملنے والے عذاب کو دیکھ کر عبرت پکڑے اور اس سے ڈرے۔ اور اس سے بچنے کی فکر و کوشش کرے کہ جو عذاب دوسروں پر آچکا ہے وہ کہیں ہم پر بھی نہ آجائے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون و ضابطہ سب کے لئے ایک اور بے لاگ ہے۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ الٹا اس عذاب کو لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ سو جب کسی کی مت ماری جاتی ہے تو اس کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

الْعَظِیْم - بہرکیف اس ارشاد ربانی میں دوسروں کے عذاب کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کی ترغیب وتحریض ہے کیونکہ ''مثلہ'' جوکہ ''سمرہ'' کے وزن پر ہے اس رسوا کن سزا کو کہا جاتا ہے جو دوسروں کیلئے عبرت اور مثال بن جائے۔ اور اسکو''مثلہ'' اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں عقاب اور معاقب علیہ کے درمیان مماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا- ﴿وَجَزَآءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾- (محاسن التاویل للقاسمیؒ)۔ بہرکیف عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسرے کے انجام کو دیکھ کر اس سے عبرت پکڑے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید- بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۲۱ رب کی بخشش اور اس کے حلم وکرم کا حوالہ وذکر: -سو حق تعالیٰ کی بخشش اور اس کے حلم وکرم کے حوالہ وذکر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک تمہارا رب بڑا ہی بخشنے والا ہے لوگوں کو ان کے ظلم پر''۔ اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حلم اور اسی کا کرم ہے کہ لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود اس طرح مہلت اور ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ ورنہ وہ اگر ان کو کہیں ان کے ظلم پر پکڑنے لگتا تو کسی متنفس کو بھی دھرتی پر باقی نہ چھوڑتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ (فاطر:۴۵) نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: ﴿لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾- (الکہف:۵۸) پس ان لوگوں کو عذاب کی جلدی مچانے کے بجائے عذاب سے قبل کی اس فرصت کو غنیمت جان کر اس کی گرفت وپکڑ سے بچنے کی فکر وکوشش کرنی چاہیئے اور حق کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ورنہ اس کی پکڑ بہت سخت ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم من کل زیغ و ضلال وسوء وانحراف- اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

۲۲ رب کی گرفت وپکڑ کی تذکیر ویاد دہانی: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک تمہارا رب عذاب دینے میں بھی بڑا سخت ہے''۔ کہ اس کے عذاب اور اس کی پکڑ کی نہ کوئی نظیر ومثال ہوسکتی ہے اور نہ اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہوسکتی ہے۔ اِلَّا یہ کہ وہ خود ہی اپنی رحمت وعنایت کے سایہ میں لے لے ورنہ اسکی شان ہے ﴿لَا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ وَّ لَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ﴾ پس جہاں اس کی بے پایاں رحمت و عنایت کی امید رکھنے کی ضرورت ہے وہیں اس کے عذابِ شدید اور عقابِ الیم سے ڈرتے رہنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ جس کا طریقہ ایمانِ صحیح، عملِ صالح، یقینِ صادق اور رجوع الی اللہ ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- پس نہ تو کوئی اسکی رحمت سے مایوس ہو خواہ اسکے گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہو اور نہ ہی کوئی اسکے عذاب سے نڈر اور بے خوف ہوجائے بلکہ اسکی رحمت کی پوری امید بھی رکھے اور اسکے عذاب سے ہمیشہ ڈرتا بھی رہے۔ بہرکیف یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے کفر وشرک اور ظلم وعدوان کے باوجود طویل مہلت دیتا ہے لیکن اسکی مہلت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اسکے گزر جانے کے بعد جب وہ پکڑتا ہے تو اسکی پکڑ بھی بڑی سخت ہوتی ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپناہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین۔

كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ

گئی اس شخص پر کوئی نشانی (یعنی ان کی فرمائش کے مطابق،) ۲۳ سوائے اس کے نہیں کہ آپ کا کام تو خبردار کر دینا ہے، اور

اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۧ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا ع

بس ۲۴ اور (آپ کوئی انوکھے نبی نہیں ہیں بلکہ) ہر قوم کے لئے ایک راہنما ہوتا چلا آیا ہے ۲۵ اللہ خوب جانتا ہے اس حمل کو

تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ

جو کہ ہر مادہ کو رہتا ہے ۲۶ اور وہی پوری طرح باخبر ہے اس کی بیشی سے جو کہ رحموں کے اندر ہوتی رہتی ہے، ۲۷

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ

اور ہر چیز اس کے یہاں ایک خاص اندازہ پر ہے، ۲۸ وہی ہے (ایک برابر) جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کو،

الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ

سب سے بڑا نہایت ہی عالی شان، ۲۹ ایک برابر ہے اس کے یہاں تم میں سے ہر وہ شخص جو چھپکے سے

۲۳ منکرین کی طرف سے نشانی کا مطالبہ اور اس کا جواب: - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے۔ یعنی اسطرح کے معجزات آپ کو کیوں نہیں دئے گئے جو کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کو دئے گئے تھے۔ یا یہ کہ ہماری فرمائش کے مطابق صفا کی پہاڑی کو سونے کا بنا دیا جائے اور مکہ مکرمہ کی پہاڑیوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر یہاں پر سرسبز و شاداب باغات کا سلسلہ قائم کر دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر اور مراغی وغیرہ وغیرہ)۔ سو یہ ان لوگوں کے عناد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے ورنہ پیغمبر کو اتنے اور ایسے ایسے معجزات دیئے گئے ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک کا مصداق ہیں اور ان میں سب سے بڑا اور سب سے واضح معجزہ قرآن حکیم کا یہ معجزہ خالدہ ہے جو کہ معجزوں کا معجزہ اور قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ مگر عناد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس پیغمبر پر کوئی نشانی یعنی ان کی فرمائش کے مطابق۔ سو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کا کام تو اے پیغمبر معجزے اور نشانیاں دکھانا نہیں بلکہ انذار و تبشیر اور تبلیغ حق ہے اور بس۔ اس کے بعد آپ کا ذمہ فارغ۔ ان علیک الا البلاغ و علینا الحساب۔

۲۴ پیغمبر کا کام انذار و تبشیر اور بس: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کا کام معجزے دکھانا نہیں بلکہ آپ کا کام تو صرف خبردار کر دینا ہے اور بس۔ پس اس طرح کے فرمائشی معجزات کو پورا کرنا نہ آپ ﷺ کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ اور نہ ہی آپ ﷺ نے کبھی اس طرح کا کوئی دعویٰ ہی کیا ہے۔ پس ان لوگوں کا اس

طرح کی فرمائشیں کرنا بجائے خود ان کی ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کا ثبوت ہے۔ رہ گئی آپ کی تصدیق کے لئے مطلق معجزات کی بات تو وہ آپ کو بے شمار دئے گئے ہیں۔ حسی معجزات بھی اور قرآنِ حکیم کا وہ عظیم الشان اور بے مثال علمی اور معنوی معجزہ بھی جو کہ سب سے بڑھ کر بھی ہے اور وہ بذاتِ خود بے شمار معجزات کا مجموعہ بھی۔ اور جس نے اپنی اسی آب و تاب کے ساتھ قیامت تک باقی اور قائم رہنا ہے۔ مگر ان لوگوں کی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے جب یہ سب کچھ بھی ان کے لئے کافی نہ ہوا تو پھر ان کا کوئی فرمائشی معجزہ ان کیلئے کیونکر کافی ہوسکتا ہے؟ پس یہ محض ان کی ضد بازی اور ہٹ دھرمی ہے۔ سو اس سے ایک تو یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ضد اور ہٹ دھرمی انسان کے لئے محرومی کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ اور نورِ حق سے سرفرازی و بہرہ وری کے لئے سب سے اہم اولین اور بنیادی شرط ہے طلبِ صادق اور صدقِ نیت۔ اور دوسری حقیقت یہاں اس سے یہ واضح ہوگئی کہ پیغمبر کا منصب و مقام دراصل اِنذار و تبشیر ہوتا ہے کہ لوگوں کو ان کے ہولناک انجام سے خبردار کیا جائے اور ماننے والوں کو ان کی حقیقی سعادت اور ابدی فوز و فلاح کی خوشخبری سنادی جائے اور بس۔ معاندین کے فرمائشی معجزوں کی تعمیل نہ پیغمبر کے ذمے ہوتی ہے اور نہ ان کے اختیار میں۔ پس پیغمبر کا اصل کام اور حقیقی ذمہ داری دعوتِ حق ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر حق کو منوالینا اور لوگوں کو راہِ حق پر ڈال دینا ان کی ذمہ داری نہیں۔ یہ حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کا کام اور اسی کی شان ہے کہ وہی جانتا ہے کہ کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے؟ کون کس لائق ہے اور کون نورِ ہدایت سے مشرف ہونے کا اہل ہے اور کون نہیں؟ کس کے اندر طلبِ صادق پائی جاتی ہے اور کس کے اندر نہیں؟ اسی کے مطابق وہ بندوں کو نوازتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ۔ ﴿لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ ۔ (البقرۃ: ۲۷۲)۔ یعنی اُن کی ہدایت آپ کے ذمے نہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

۲۵ ہر قوم کیلئے ایک ہادی ہوا ہے: ۔ جس نے ان کو راہِ حق کی دعوت دی اور پیغامِ حق پہنچایا۔ اور ہر نبی کو وہی معجزہ دیا گیا جو اس زمانے کے مناسب تھا۔ موسیٰ کو اپنے زمانے کے مناسب اور عیسیٰ کو اپنے زمانے کے مطابق۔ اور جب خاتم الانبیاء حضرت محمد ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کی نبوت کو قیامت تک رہنا ہے تو آپ کو قرآنِ حکیم کا وہ عظیم الشان علمی اور معنوی زندۂ جاوید معجزہ عطا فرمایا گیا جو قیامت تک باقی رہے گا۔ اور راہِ حق و ہدایت کو روشن کرتا ایک دنیا جہاں کو حق کا قائل اور اپنا گرویدہ بناتا رہے گا۔ بہرکیف اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے سے پہلے اس کو اِنذار اور تنبیہ فرماتا ہے۔ سو اسی کے مطابق اب آپ کو اے پیغمبر ہادی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اب اگر ان لوگوں نے آپکی ہدایت و راہنمائی کو قبول نہ کیا تو اب ان کے لیے اس کے بعد عذاب الٰہی کا مرحلہ باقی رہ جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو پیغمبر کا کام ہدایت دینا اور رہنمائی کرنا ہوتا ہے نہ کہ عذاب دینا اور معجزے دکھانا۔

۲۶ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا ایک مظہر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ خوب جانتا ہے اس حمل کو جو ہر مادہ کو رہتا ہے۔ کہ وہ نر ہے یا مادہ۔ ناقص ہے یا کامل۔ سعید ہے یا شقی۔ کالا ہے یا گورا وغیرہ وغیرہ۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، جامع البیان وغیرہ) کہ وہی وحدہٗ لاشریک جو اپنی مخلوق کی ہر حالت اور اسکی ہر سٹیج کو جانتا اور پوری طرح جانتا ہے۔ اور اسکے آغاز سے لیکر انجام اور ابتداء سے لیکر انتہاء تک کوئی بھی حالت ایسی نہیں جو اس خالق و مالک سے مخفی ہو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ھُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ﴾ (النجم: ۳۲)۔

یعنی وہ تم لوگوں کو اس وقت بھی پوری طرح جانتا ہے جب کہ اس نے تم کو زمین سے پیدا فرمایا اور اس وقت بھی جب کہ تم اپنی ماؤں کے رحموں کے اندر جنین کی شکل میں ہوتے ہو۔ اور یہ شان جب اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی تو معبودِ برحق بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور جب اس نے پہلی مرتبہ انسان کو پیدا فرما دیا اور اس طرح پیدا فرما دیا تو پھر وہ اسکو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔

۲۷ اللہ تعالیٰ رحموں کے اندر کی کمی بیشی کو بھی پوری طرح جانتا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور وہ پوری طرح باخبر ہے اس کمی بیشی سے جو رحموں کے اندر ہوتی رہتی ہے بچوں کی تعداد میں'' کہ وہ ایک ہے یا دو یا زیادہ۔ نیز مدتِ حمل میں کہ وہ چھ ماہ ہے یا سات ماہ یا آٹھ ماہ۔ یا اس سے کم یا زیادہ۔ نیز بچوں کی غذا کے بارے میں جو کہ حیض کا خون ہے کہ وہ کم ہے یا زیادہ۔ سو کلمہ ''مـا'' کا عموم ان سب ہی صورتوں کو عام اور ان کو شامل ہے۔ سو ان سب امور پر اس وحدہٗ لاشریک کا علم ہی حاوی اور محیط ہے۔ (محاسن، مدارک، مراغی اور جامع وغیرہ)۔ سو ایسی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کا مالک رب ہی معبود برحق ہے۔ اور عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی کا حق ہے۔ سو اس کے علم سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ اور ماں کے رحم کے اندر بچے چار تک بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ روایت ہے کہ حضرت شریکؒ اپنی ماں کے پیٹ کے اندر چوتھے تھے۔ (محاسن التاویل وغیرہ) اور یہ بات صرف شریک ہی کی حد تک محدود نہیں بلکہ آج بھی ایسے ہی ہوتا ہے اگرچہ کم اور کبھی کبھار ہوتا ہے لیکن قدرت کے ایسے عجوبے اور معجزات ظاہر ہوتے رہتے ہیں چنانچہ آج سے کچھ ہی عرصہ قبل اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ملائیشیا میں ایک خاتون نے چار بچوں کو جنم دیا اور چاروں کے نام خلفاءِ راشدین کے ناموں پر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ رکھے گئے۔ وہ چاروں صحتمند تھے اور ان چاروں کی تصویریں بھی اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔

۲۸ ہر چیز ایک مقدار اور خاص انداز ے پر:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہر چیز اسکے یہاں ایک خاص اندازے پر ہے''۔ نہ اس سے کم ہو سکتی ہے نہ زیادہ جو کہ مبنی ہے نہایت علم اور حد درجہ حکمت پر۔ جس کا احاطہ اس وحدہ لاشریک کے سوا کوئی نہیں کر سکتا ﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القمر: ۴۹)۔ سو یہ بھی اسکے کمالِ قدرت اور کمالِ حکمت وعنایت کا ایک اور ثبوت ہے۔ سو اس نے ہر چیز کے وجود میں آنے کیلئے ایک خاص وقت مقرر فرما رکھا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس نے ہر چیز کو پیدا فرما کر ایک خاص وقت اور خاص حال کے ساتھ مقید فرمایا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾ (الفرقان: ۲)۔ یعنی اس قادرِ مطلق نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اس کو ایک خاص اندازے پر رکھا۔ سو اسی طرح ہر قوم کے عذاب کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔ وہ اپنے وقت پر بہرحال آکر رہے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ پس نہ تو کسی کو اسکے لیے جلدی کرنی چاہیے اور نہ اسکی تاخیر سے دھوکے میں پڑنا چاہیے۔

۲۹ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''وہی ہے ایک برابر جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کو، سب سے بڑا نہایت ہی عالی شان''۔ اور اتنا عالی شان کہ اس کی عظمتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ اور اتنا کہ عظمت و کبریائی سزاوار ہی اسی کو ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور وہ پاک ومنزہ ہے ہر اس چیز سے جو اس کی شانِ اقدس کے لائق نہیں۔ (محاسن التاویل)۔ سو وہ قادرِ مطلق انسان کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے اور پیدا کرے گا۔ مگر اپنے وقتِ مقررہ پر۔ اور وہی قیامت کو لا سکتا ہے اور اپنے وقت پر ضرور لائے گا کہ یہ اسکی حکمت کا تقاضا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو بڑی غلطی اور گمراہی پر ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کی باتوں، اسکے علم اور اسکے منصوبوں کو اپنے محدود پیمانوں سے ناپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا علم حاضر و غائب اور نہاں وعیاں سب پر حاوی اور محیط ہے۔ وہ بڑی ہی بزرگی اور کبریائی والا ہے۔ اسکی بارگاہ بہت ہی بلند ہے۔ وہ اپنی سکیموں اور اپنے بھیدوں کو خود ہی جانتا ہے۔ دوسرے اس میں سے اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا کہ وہ خود ظاہر کر دے۔ اور بس! پس نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ مثیل اور ہمسر۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ

کوئی بات کرے یا پکار کر کہے ۳۰ اور جو کہیں چھپا ہو رات (کے اندھیروں) میں، یا چل پھر رہا ہو

سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ

دن (کے اجالے) میں، ۳۱ ہر شخص کی حفاظت کے لئے اس کے آگے پیچھے ایسے فرشتے مقرر ہیں، جن کی

مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

بدلی ہوتی رہتی ہے ۳۲ جو اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں (ہر موذی چیز سے،) اللہ کے حکم سے ۳۳ بے شک اللہ تعالیٰ

۳۰ اللہ سے کوئی چھپ نہیں سکتا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کے یہاں ایک برابر ہے جو چپکے سے کوئی بات کرے اور جو پکار کر کہے''۔ سو اس سے کوئی بھی کسی بھی حال میں چھپ نہیں سکتا۔ کیونکہ جو بھی کوئی چھپنے والا ہو گا وہ اسکے علم سے غائب اور پوشیدہ نہیں رہ سکتا خواہ وہ اپنے مکان کے کسی تہ خانے یا بند کمرے میں چھپا ہو۔ یا کسی غار اور رات کے اندھیروں میں کہیں چھپا ہو۔ کسی بھی طرح اس سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو جو کوئی اپنی بات چھپائے اور اس کو زبان پر لائے ہی نہ، یا اسکو ظاہر نہ کرے، اللہ تعالیٰ اس سب کو ایک برابر جانتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾۔ یعنی وہ ایک برابر جانتا ہے وہ سب جسے تم لوگ چھپاتے ہو اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو۔

۳۱ اللہ کے یہاں نہاں وعیاں سب ایک برابر۔ سبحانہ وتعالیٰ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کے یہاں ایک برابر ہے جو کہیں چھپا ہو رات کے اندھیروں میں اور جو چل پھر رہا ہو دن کے اجالے میں''۔ پس رات کے اندھیرے اور دن کے اجالے اسکے یہاں ایک برابر ہیں۔ کوئی بھی چیز کسی بھی حال میں اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور جب اس کی ان اور ان شئون وصفات میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک کیونکر ہو سکتا ہے؟ جل جلالہٗ۔ پس عالم الغیب بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور قادرِ مطلق بھی وہی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ لہٰذا اہلِ بدعت کا اس کی مخلوق میں سے بعض ہستیوں کو عالم الغیب ماننا شرک ہو گا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- اور ان کا یہ کہنا کہ ''ساڈا عبدالقادر قادر ہے سانوں ہور کسے دی لوڑ نہیں'' ایک کھلا گستاخانہ اور شرکیہ قول ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کیلئے مرنے کے بعد لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنا اور قیامت برپا کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ اور ایسا کرنا اسکی حکمت کا تقاضا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اس لئے وہ ایسا ضرور کرے گا کہ اس کی حکمت کے تقاضے پورے ہوں۔

۳۲ نگران فرشتوں کی تذکیر و یاد دہانی:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہر کسی کیلئے بدلتے رہنے والے فرشتے مقرر ہیں''۔ جو کہ رات کے الگ ہوتے ہیں اور دن کے الگ۔ اور وہ دونوں صحیح احادیث کی رو سے فجر اور عصر کی نمازوں

میں باہم ملتے ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ) اور "معقبات"، "ادلی بدلی ہونے والے" یہ وہ فرشتے ہیں جو انسانی خدمت وحفاظت کے کام پر مامور ہوتے ہیں۔ اور یہ ان دو فرشتوں کے علاوہ ہوتے ہیں جو کہ انسانی اعمال لکھنے پر مقرر ہیں۔ اور جن کو "کراماً کاتبین" کہا جاتا ہے۔ اور جو ادلتے بدلتے نہیں۔ اور ان "معقبات" کی تعداد میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ (روح، خازن اور مدارک وغیرہ)۔ سو اس سے اہلِ بدعت کے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو وہ نوری مخلوق کو انسان پر ترجیح دینے کے سلسلے میں رکھتے ہیں۔ اور اسی بناء پر وہ انبیائے کرام کی بشریت کا انکار کر کے ان کے نور ہونے کا من گھڑت عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ نوری حضرات بحکمِ خداوندی اس خاکی انسان کے لئے محافظ اور اس کے باڈی گارڈ کے طور پر مقرر و مامورِ خدمت ہیں۔ جس سے بشر خاکی کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر کیف ہر انسان کے ساتھ دن رات میں چار فرشتے رہتے ہیں۔ دو اعمال لکھنے والے اور دو حفاظت کرنے والے۔ اعمال لکھنے والے اسکے دائیں اور بائیں ہوتے ہیں۔ دائیں والا نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں والا اسکی برائیاں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ جبکہ حفاظت کرنے والے دو فرشتے اسکے آگے اور پیچھے ہوتے ہیں۔ اور دن رات کے ان فرشتوں کا اجتماع صبح اور عصر کی نمازوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرتِ ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ (بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ العصر، مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰتی الصبح والعصر والمحافظۃ علیہما (محاسن التاویل، المراغی، ابن کثیر وغیرہ)۔ والحمد للہ جل وعلا بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۲۳ نگران فرشتوں کی حفاظت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کی حفاظت کے لئے ایسے فرشتے مقرر ہیں جو انسان کی حفاظت کرتے ہیں، اللہ کے حکم سے۔ یعنی ﴿مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ﴾ میں "مِنْ" سببیہ ہے۔ اور روایات کے مطابق جب لوگوں میں سے کسی کو اس کے مقدر کے مطابق کوئی گزند پہنچنا ہوتی ہے تو اس خاص وقت کے لئے اسکے یہ محافظ فرشتے اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ (طبری، ابن کثیر، معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ چنانچہ حضرتِ ابنِ عباس سے مروی ہے کہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بناء پر اور اسی کے اذن سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے برعکس اور اسکی قضا وقدر کے مقابلے میں کسی کی مدد کر سکے۔ چنانچہ جب اللہ کی طرف سے کسی کے نقصان یا تکلیف کا کوئی فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ تو یہ اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ نیز من امر اللہ کے کلماتِ کریمہ کا دوسرا مطلب بعض حضرات اہل علم کی طرف سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ فرشتے اللہ کے امر میں سے ہیں۔ جیسا کہ۔ ﴿قل الروح من امر ربی﴾۔ وغیرہ بعض دوسری آیات کریمہ میں وارد ہے۔ بہر کیف اس سے اس اہم حقیقت کو واضح فرما دیا گیا ہے کہ ہر انسان پر باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ سو اس طرح اس آیتِ کریمہ سے اوپر والی آیتِ کریمہ کے مضمون کی توضیح و تائید فرما دی گئی۔ پس اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ظاہر و باطن اور اس کے شب و روز سے پوری طرح واقف و آگاہ ہے اور اس نے ہر شخص پر اپنے فرشتے نگران اور پہرہ دار کے طور پر مقرر کر رکھے ہیں۔ تو پھر اس کے کسی حال کے مخفی رہ جانے کا کیا سوال؟ - سبحانہ وتعالیٰ - پس ہمیشہ اسی کی رضا و خوشنودی کو اپنا مقصود بنانا چاہیئے۔ وباللہ التوفیق۔

لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ

کسی قوم کی (نعمت و عافیت کی) حالت کو نہیں بدلتا ۳۴ جب تک کہ وہ (شکر نعمت اور اعمالِ صالحہ کی) اپنی حالت کو نہ بدل

اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ

دے ۳۵ اور جب اللہ کسی قوم پر کوئی شامت لانے کا فیصلہ کر لے تو پھر وہ کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی، نہ ہی ایسے لوگوں کے

۳۴ **عذاب کے بارے میں دستورِ خداوندی کا ذکر و بیان:** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت -یعنی اس کی نعمت و عنایت- کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت خود نہ بدل دے۔ کہ کریم کرم کرنے کے بعد اپنے کرم کو چھینتا نہیں کہ یہ اسکی شانِ کرم کے خلاف ہوتا ہے۔ تو پھر جس کی شانِ کرم کی کوئی حد و انتہاء ہی نہیں اس سے یہ کس طرح متصور ہوسکتا ہے کہ وہ کسی قوم کو کوئی نعمت عطاء فرمانے کے بعد اس سے اسکو یونہی چھین لے- سبحانہ وتعالیٰ- سو یہاں پر ﴿ما بقوم﴾ سے مراد اس قوم کی وہ اچھی حالت اور عافیت و نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے "ای من العافیة و النعمة" (محاسن التاویل للقاسمی)۔ سو اس کا وہ مطلب جو بعض لیڈر ٹائپ لوگ لیتے رہتے ہیں کہ اللہ کسی قوم کو نعمت سے اس وقت تک نہیں نوازتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ پاک اپنی نعمتوں سے از خود نوازتا ہے نہ کہ ہماری محنت پر۔ آخر ہمارا وجود ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہے؟ اور وجود کے اندر اور اسکے باہر جو بے شمار نعمتیں ہیں آخر وہ ہماری کس محنت و مشقت یا لیاقت و قابلیت پر ہمیں ملیں؟ سو اس ارشادِ ربانی میں نعمت سے نوازنے کے بارے میں نہیں بلکہ اسکے چھیننے کے بارے میں اس سنتِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کا ذکر و بیان ہے جو قوموں کے عذاب سے متعلق قدرت کی طرف سے مقرر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنی رحمت و عنایت کا معاملہ اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی روش میں تبدیلی نہ کرلے۔ سو جب وہ اپنی روش بدل دیتی ہے اور تنبیہ و انذار کے باوجود وہ نہ سنبھلے اور اپنی روش کی اصلاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر وہ عذاب بھیج دیتا ہے جس کو کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی- والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۵ **کسی قوم کی بدعملی اسکی محرومی کا باعث- والعیاذ باللہ:-** سو جب وہ اپنی حالت بدل دے اور شکرِ نعمت کی بجائے کفرانِ نعمت پر اتر آئے- وَالعِیاذُ بِاللہِ - کہ اس طرح وہ لوگ اپنے آپ کو نعمت کے استحقاق اور اس کی اہلیت سے خود محروم کر دیتے ہیں۔ یہی مفہوم ہے اس آیتِ کریمہ کا جو کہ تمام معتبر تفاسیر میں موجود ہے۔ پس اس کا وہ مطلب جو عام طور پر لیڈرانِ قوم اور اس طرح کے دوسرے لوگ بیان کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بری حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے، غلط ہے۔ یہ مطلب اپنے طور پر کسی حد تک اگرچہ صحیح بھی ہو، تاہم اس آیتِ کریمہ کا مطلب و مصداق بہرحال نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عطاء و بخشش ہمارے کسی عمل کی محتاج یا اس پر موقوف نہیں۔ آخر ہمارا یہ وجود اور اس کے اندر و باہر کی یہ بے شمار نعمتیں جو قدرت نے ہمیں عطاء فرمائی ہیں اور ہمارے کسی مطالبہ و سوال کے بغیر ہمیں ان سے نوازا گیا ہے، آخر یہ سب ہمارے کس عمل کا ثمرہ و بدلہ قرار دی جاسکتی ہیں؟ یہ سب کچھ تو محض کرم و عطاء ہے اس اکرم الاکرمین، وحدہٗ لاشریک کی طرف سے، جس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ سو یہ اس کا کرم ہے نہ کہ ہماری کسی جدوجہد کا نتیجہ و ثمرہ۔ سو آیتِ کریمہ کا مفہوم وہ نہیں جو ایسے لوگ بیان کرتے ہیں۔

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا

لئے اللہ کے مقابلے میں کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے ۳۶ وہ وہی ہے جو تمہیں دکھاتا ہے (کڑکتی چمکتی) بجلی، جس سے

وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ

تمہیں (اس کے گرنے کا) خوف بھی لاحق ہوتا ہے اور (بارانِ رحمت کی) امید بھی بندھتی ہے، اور وہی اٹھاتا ہے پانی

بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ

سے بھرے بادلوں کو ۳۷ اور اسی کی پاکی بیان کرتی ہے، اس کی تعریف کے ساتھ بادلوں کی گرج بھی ۳۸ اور سب فرشتے بھی

الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ

اس کے خوف (اور ہیبت) سے لرزتے ہوئے ۳۹ اور وہی بھیجتا ہے کڑکتی ہوئی بجلیاں، پھر وہ (جب چاہتا ہے) ان کو

فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ

جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے ۴۰ جبکہ وہ لوگ جھگڑ رہے ہوتے ہیں، اللہ کے بارے میں اور وہ بڑی ہی سخت قوت والا ہے ۴۱

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ

اسی کو پکارنا برحق ہے ۴۲ اور جن ہستیوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتیں ۴۳ مگر جیسے کوئی

۳۶ اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا: - سو اللہ جب کسی قوم کے عذاب کا ارادہ فرما لیتا ہے تو پھر کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا - والعیاذ باللہ - کہ مالک و مختار اور متصرف وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس لیے وہ جب کسی قوم کے عذاب کا ارادہ فرما لے تو اس کے ٹالنے، بدلنے اور روکنے کا یارا کسی کو نہیں ہو سکتا - سبحانہٗ وتعالیٰ - پس اہلِ بدعت اور دوسرے اہلِ زیغ وضلال کا اس کی مخلوق میں سے بعض ہستیوں کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھنا اور ان کو دافع البلاء قرار دینا سراسر باطل ہے۔ یہاں تک کہ ان غالیوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی - رحمہ اللہ - کے بارے میں اس حد تک غلو کیا اور یہاں تک کہا کہ - ذی تصرف بھی ہے، مختار بھی ہے ماذون بھی ہے - کارِ عالم کا مدبر بھی ہے غوث الاعظم دستگیر - سو اس سے بڑھ کر ظلم، کھلا شرک اور آیت کریمہ کا صریح معارضہ اور کیا ہوگا؟ اور پھر بھی دعویٰ ہے توحید کا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ جب کوئی قوم انذار و تنبیہ کے باوجود اپنی روش نہیں بدلتی اور اپنی اصلاح کے لیے تیار نہیں ہوتی تو پھر وہ اللہ کے عذاب کا مورد بن کر رہتی ہے۔ اور جب اللہ پاک اپنے عذاب کا فیصلہ فرما دیتا ہے تو پھر وہ کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا۔ اور کسی کے بس میں نہیں ہوتا کہ وہ اسکی راہ میں رکاوٹ بن

سکے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے - آمین -

۲۷ اور وہی اٹھاتا ہے پانی سے بھرے بادلوں کو: - جو کہ ہزاروں لاکھوں ٹن پانی کو گرم سمندروں سے اٹھا کر کہیں سے کہیں لے جا کر برساتے ہیں - کیا مجال کہ کوئی قطرہ بھی راستے میں کہیں گر جائے یا زبردستی کوئی اس سے کچھ چھین لے - سو یہ ایسا محیر العقول نظام ہے جو روئے زمین کی کسی بڑی سے بڑی ترقی یافتہ حکومت سے بھی ممکن نہیں - بلکہ روئے زمین کی تمام حکومتیں مل کر بھی اس کا کوئی عشر عشیر تک نمونہ بھی پیش نہیں کر سکتیں - فَسُبْحَانَهٗ مِنْ اِلٰهٍ حَیٍّ قَادِرٍ قَیُّوْمٍ وَّرَحْمٰنٍ وَّرَحِیْمٍ بِعِبَادِهٖ جَلَّ وَعَلَا - سو یہ اس وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کا ایک عظیم الشان نمونہ ومظہر ہے جو اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر اسکی وحدانیتِ مطلقہ کی دعوت دے رہا ہے - سبحانہ وتعالیٰ - سو اس میں اسکی قدرت وحکمت اور رحمت وعنایت کے عظیم الشان دلائل ومظاہر ہیں جن میں اگر انسان غور وفکر سے کام لے تو دل وجان سے اس خالق ومالک کے حضور جھک جھک جائے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ -

۲۸ اسی کی پاکی بیان کرتی ہے اسکی حمد کے ساتھ بادلوں کی گرج: - اپنی زبانِ حال سے - اسکی عظمت و وحدانیت کا ثبوت دے کر - نیز اس طرح بھی کہ اس گرج کی آواز سن کر اسکے بندے بھی اس کو پکار اٹھتے ہیں اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں - سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ - (تفسیر القاسمی) - سو کیسے محروم اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس سب کے باوجود اس وحدہٗ لاشریک کی عظمتِ شان اور اسکے حقِ عبادت سے غافل وبے خبر ہیں - والعیاذ باللہ - اور کیسے اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو قدرت کی چہار سو پھیلی بکھری اور چمکتی کڑکتی ان نشانیوں اور ایسے عظیم الشان مظاہرِ قدرت کو دیکھنے کے باوجود آنکھیں نہیں کھولتے اور خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے - اور وہ نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں - کیا یہ نشانیاں تھوڑی ہیں اور یہ ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں ہیں؟ تو پھر یہ لوگ ان کے اندر غور وفکر سے کام کیوں نہیں لیتے؟

۲۹ اور اسی کے خوف اور ہیبت سے کانپتے ہیں فرشتے: - کہ وہ ہیں ہی اس کے خوف سے ڈرنے والے اور اس کی فرمانبردار مخلوق - پس بڑے احمق اور محروم وبدبخت ہیں وہ لوگ جو ان کو اس کی خدائی میں شریک مانتے ہیں - ﴿فَتَعَالَی اللّٰهُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا﴾ - سو فرشتے اسکے خوف اور اسکی ہیبت سے کانپتے اور اسکی پاکی بیان کرتے ہیں ہر شائبۂ شرک سے - اور اس بات سے کہ اسکی کوئی اولاد یا کوئی بیوی ہو - (المراغی وغیرہ) - مگر جاہل اور بگڑا ہوا انسان انہی کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے - اور ان کو اس وحدہٗ لاشریک کی بیٹیاں قرار دیتا ہے - ان کے نام کی مورتیاں گھڑتا اور ان کی پوجا کرتا ہے - اور اس طرح وہ خود ''احسن التقویم'' ''بہترین ساخت'' کے تقاضوں سے محروم ہو کر اور ''اشرف الخلائق'' کے شرف ومرتبہ سے گر کر ''ارذل الخلائق'' کے درجے میں جا پہنچتا ہے - اور ''خیر البریۃ'' ''بہترین خلائق'' کی جگہ ''شر البریۃ'' ''بدترین مخلوق'' بن کر رہتا ہے - اور اس کو اس کا احساس وشعور ہی نہیں کہ وہ ہلاکت وتباہی کے کس عمیق اور ہولناک گڑھے میں گر رہا ہے جو کہ خساروں کا خسارہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف -

۳۰ اور وہی بھیجتا ہے کڑکتی ہوئی بجلیاں: - پھر وہ ان کو ڈال دیتا ہے جس پر چاہتا ہے - جو اس کو ہلاکت وتباہی کے

گھاٹ اتار دیتی ہیں۔ اور اس طرح یہ بجلیاں اس کے حق میں نعمت اور عذاب بن جاتی ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو یہ سب اس قادر مطلق کی قدرت مطلقہ، حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کی گواہی دے رہے ہیں اور اپنی زبان و دل سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ معبود برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ مگر غافل انسان اور غفلت شعار دنیا کی آنکھیں پھر بھی نہیں کھلتیں اور وہ اہواء واغراض کی ظلمتوں میں ہی بھٹکتی جا رہی ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی غفلت ولاپرواہی سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۴۱ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بے پناہی کا ایک نمونہ: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ بجلیاں بھیجتا ہے پھر وہ ان کو گرا دیتا ہے، جبکہ یہ لوگ جھگڑ رہے ہوتے ہیں اللہ کے بارے میں، یعنی جس پر چاہتا ہے۔ اس کی وحدانیت مطلقہ اور قدرت کاملہ کے بارے میں۔ تو عین غفلت اور بے خوفی کے اس عالم میں ان کو دھر لیا جاتا ہے۔ اور یہ اپنے اس آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں جس سے واپسی کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں رہتی۔ سو یہ ایک طبعی امر ہے کہ انسان جب خداوند قدوس کی یاد دلشاد سے غافل اور محروم ہو جاتا ہے تو وہ بے فکر اور لاپرواہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ لایعنی بحثوں اور بیکار باتوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود حضرت حق ـ جل مجدہٗ ـ کی ذات و صفات، اسکے حقوق واختیارات اور اسکے فرامین وارشادات کے بارے میں جھگڑنے اور کٹ حجتیوں سے کام لینے لگتا ہے۔ سو خدا فراموشی کا نتیجہ خود فراموشی اور اس کا اتمام دائمی ہلاکت و تباہی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اسی لیے ارشاد فرمایا گیا ﴿ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولٰئک ھم الفاسقون﴾۔ یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا جس کے نتیجے میں یہ اپنی جانوں سے غافل ہو گئے۔ یہی لوگ ہیں فاسق اور بدکار۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۴۲ اللہ ہی کو پکارنا برحق ہے: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ معبود برحق بہر حال وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو ان سب دلائل و براہین سے ثابت اور واضح ہو گیا کہ حاجت روا و مشکل کشا وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ نیز ہدایت وارشاد کی جس راہ کی طرف وہ اپنے بندوں کو بلاتا پکارتا ہے، وہی راہ راہ حق اور طریق صدق و صواب ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ الفاظ کا عموم اگرچہ ان دونوں مفہوموں کو شامل ہے لیکن سیاق کلام کے لائق پہلا مفہوم ہی ہے کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے اسی کو پکارنا برحق ہے۔ وہی ہر کسی کی پکار کو سنتا اور اسکی حاجت کو پورا فرماتا ہے۔ اسی لئے اس دعوت حق کی تفسیر کلمۂ توحید "لا الٰہ الا اللہ" سے کی گئی ہے۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان اور مدارک التنزیل وغیرہ)۔ سو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۴۳ معبودان من دون اللہ کی بے حقیقتی کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن ہستیوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکتیں، کہ لکڑی، پتھر کے بت تو ہیں ہی جماد لایعقل۔ جن میں سننے سمجھنے کی سرے سے کوئی صلاحیت ہی نہیں۔ اس لئے ان کے کام آنے کا تو سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہ گئیں دوسری نیک ہستیاں اور اللہ تعالیٰ کے بزرگ بندے۔ تو وہ بھی محض اسباب کے دائرے کے اندر اور اپنی زندگی ہی میں سن اور سمجھ سکتے ہیں۔ اور کسی کے کچھ کام آ سکتے ہیں۔ اسباب سے ماوراء اور دور دراز مسافت سے غائبانہ طور پر یا مرنے کے بعد سننا اور کسی کے کام آنا ان کے بس میں بھی نہیں ہے۔ کہ اسباب و وسائل کے ماوراء ایسا سننا اور قبول کرنا صرف خداوند قدوس ہی کی شان اور اسی کے ساتھ خاص ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو ان کو پکار کر اور ان کی پکار اور حاجت روائی و مشکل کشائی پر بھروسہ کر کے اللہ تعالیٰ سے منہ موڑنے اور غفلت برتنے والے سخت دھوکے اور کھلے خسارے میں ہیں۔

بِشَیۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ اِلَى الۡمَآءِ لِيَبۡلُغَ فَاهُ وَمَا

اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے کہ وہ خود بخود اس کے منہ میں آ جائے، حالانکہ (اس طرح) وہ کبھی بھی اس

هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

کے منہ تک پہنچنے والا نہیں، ۴۴ اور کافروں کا پکارنا محض گمراہی میں (اور سراسر اکارت) ہے ۴۵

وَلِلّٰهِ يَسۡجُدُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ

اور اللہ ہی کے لئے سجدہ ریز ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے، خواہ خوشی سے ہو، ۴۶

كَرۡهًا وَّظِلٰلُهُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾ قُلۡ مَنۡ رَّبُّ

خواہ مجبوری سے ۴۷ اور ان کے سائے بھی صبح و شام ۴۸ کہو کون ہے رب آسمانوں اور زمین (کی اس حکمتوں بھری کائنات) کا؟

۴۴ ردِّ شرک کیلئے ایک واضح اور عمدہ مثال: سو اس مثال سے واضح فرمادیا گیا کہ سو جس طرح پکارنے سے پانی پیاسے کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح غیر اللہ کی طرف سے اس کے پکارنے پر اسکی کوئی حاجت روائی و مشکل کشائی نہیں ہوسکتی۔ جس طرح پانی اپنے پکارنے والے کی دعاء و پکار سے بے خبر ہے اسی طرح حاجت روائی کے لئے پکارے جانے والے غیر اللہ بھی اپنے پکارنے والے کی دعاء و پکار سے بے خبر ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴾ یعنی وہ ان لوگوں کی دعاء و پکار سے بالکل غافل اور بے خبر ہیں۔ (الاحقاف: ۵) سو ان کو پتہ نہیں کہ کون ان کو پکار رہا ہے اور ان سے وہ کیا مطالبہ کر رہا ہے کہ ان کے اندر بھی سننے سمجھنے کی کوئی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں۔ افسوس کہ اس طرح کی تصریحات کے باوجود کلمہ گو مشرک جگہ جگہ غیر اللہ کو پکارتا اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے۔

۴۵ کافروں کا پکارنا محض گمراہی اور سراسر اکارت :۔ کہ جن کو یہ لوگ پوجتے پکارتے ہیں ان میں کسی کی دعاء و پکار کو سننے اور قبول کرنے کی کوئی صلاحیت سرے سے ہے ہی نہیں۔ مگر کفر و شرک نے ان لوگوں کی مت ایسی مار کر رکھ دی ہے کہ ان کو یہ واضح حقیقت بھی سمجھ نہیں آ رہی اور ان کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ایسی بے حقیقت چیزوں کو پکار کر یہ اپنے لیے کیسی بڑی ہلاکت اور تباہی کا سامان کرتے ہیں۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡم ۔ اور جس کی پکار برحق اور جس کو پکارنا برحق ہے ﴿ لہٗ دعوۃ الحق ﴾ اسکو پکارنے کی توفیق و سعادت سے تو ایسے بدبخت محروم ہیں تو پھر ان کی بے جا اور بے محل پکار کا کوئی نتیجہ آخر کس طرح نکل سکتا ہے؟ اور ان کی پکار کے صدا بصحرا ہونے میں کیا شک و شبہ ہوسکتا ہے؟ سو ان کی حالت اس پیاسے ہی کی طرح ہے جو پیاس کی شدت اور اس کی بے قراری میں اپنے دونوں ہاتھ ایسے پانی کی طرف بڑھائے اور پھیلائے ہوئے ہو جو اسکی پہنچ سے باہر ہو۔ سو جس طرح وہ پیاس سے تڑپتا اور پانی سے محروم ہی رہتا ہے اسی طرح ان کافروں اور منکروں کی دعاء و پکار بھی محض اکارت اور بیکار ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡم ۔

۲۶ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کیلئے سجدہ کرتے ہیں وہ سب جو کہ آسمانوں اور زمین کے اندر ہیں، سو اس سے تصریح فرمادی کہ پوری کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ ریز ہے' خواہ یہ خوشی سے ہو یا مجبوری سے کہ معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور ہر قسم کا سجدہ اور عبادت اسی کا حق ہے۔ جیسا کہ ایمان والے کرتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اس کے قرب اور اسکی رضاء و رحمت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور فوز و فلاح کی راہ اپناتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ سو آسمان و زمین کی ہر چیز تکوینی طور پر اور اپنے اصل وجود میں اللہ تعالیٰ ہی کی مطیع و منقاد اور اطاعت گزار و فرمانبردار ہے۔ اور جس مقصد کے لیے اس کو قدرت نے پیدا فرمایا ہے وہ بلا کسی چون و چرا کے اس کو پورا کر رہی ہے کہ ان کو اس میں کوئی اختیار ہی نہیں۔ اور جس کو ارادہ و اختیار کی آزادی ملی ہوئی ہے اپنے تکوینی دائرے میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ سو انسان کے وجود کے اندر اس بات کی شہادت موجود ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک ہی کی اطاعت و بندگی کرے کہ یہی تقاضائے عقل و فطرت ہے اور اسی میں انسان کا بھلا اور فائدہ ہے' دنیا اور آخرت دونوں میں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۲۷ اللہ پاک کے لئے اضطراری سجدے کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ خواہ یہ سجدہ خوشی سے ہو یا مجبوری سے' خوشی سے: جیسا کہ اہلِ ایمان کرتے ہیں، اور مجبوری سے: جیسا کہ کفار و منکرین کرتے ہیں حالتِ اضطرار میں۔ (محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ یا جیسا کہ ساری مخلوق بحکمِ تکوین و تخلیق بہر حال اس کے حضور سجدہ ریز ہے۔ یعنی جس کو جس مقصد کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے وہ اسی کی تعمیل و تکمیل میں مشغول و منہمک ہے۔ جیسا کہ سورج و چاند اور زمین و آسمان وغیرہ ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہے۔ اور ایسی پابند کہ ذرہ برابر اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ سو دیگر مخلوق کی یہ اطاعت و سجدہ ریزی اختیاری نہیں بلکہ تکوینی اور اجباری ہے۔ اس لئے اس پر ان کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا کہ اجر و ثواب اس کی تشریعی اطاعت و فرماں برداری پر ملتا ہے۔ جو کہ اپنے ارادہ و اختیار سے کی جاتی ہے۔ جیسا کہ مومنِ صادق کرتا ہے۔ جبکہ باقی سب مخلوق کا سجدہ اضطراری ہے۔ وہ سب بہر حال اس وحدہٗ لاشریک کے حکم کے پابند ہیں۔ یہاں تک کہ کافر و منکر بھی اپنے دائرۂ اختیار کے علاوہ اسی وحدہٗ لاشریک کے حکم کا پابند اور اسی کا فرمانبردار ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿کل لہٗ قانتون﴾ الآیۃ (البقرۃ: ۱۱۶)۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۲۸ مخلوق کے سائے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ ریز ہیں: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور ان سب کے سائے بھی صبح و شام' سو مخلوق ساری کے سائے اللہ تعالیٰ کے حضور ہی سجدہ ریز ہیں اور اپنی زبان حال سے اللہ تعالیٰ کے حضور ہی سجدہ ریز ہونے کا درس دیتے ہیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ سورج کے بالمقابل دوسری جانب جھک کر۔ چنانچہ صبح کو جب کہ سورج مشرق میں ہوتا ہے سائے مغرب کی طرف جھکتے ہیں۔ اور شام کو جب کہ سورج مغرب میں ہوتا ہے یہ مشرق کی جانب دراز ہوتے ہیں تاکہ سورج کی طرف جھک کر اس کے پجاریوں سے مشابہت بھی لازم نہ آنے پائے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ اور صبح و شام کے دو وقتوں کو خاص اس لئے فرمایا گیا کہ ان دونوں وقتوں میں سایوں کا یہ طول و پھیلاؤ خوب ظاہر و باہر ہوتا ہے۔ اور ان کے سائے اللہ کے حکم کے مطابق گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ اور یہ اپنی زبانِ حال سے اس حقیقت کا اظہار و بیان کرتے اور دنیا کو اپنے خالق و مالک کیلئے عاجزی کرنے اور اسکے آگے جھکنے کا درس دیتے ہیں۔ اور اس کیلئے یہ ان کی آنکھوں کے سامنے زمین پر پڑے رہتے ہیں۔ اور زجاج کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ کافر اور مشرک تو خود غیر اللہ کے آگے سجدہ کرتا ہے مگر اس کا سایہ اللہ ہی کے حضور سجدہ ریز رہتا ہے۔ (معارف از کاندھلویؒ)۔ سو انسان اگر اپنے خالق و مالک کے آگے جھکنے سے اکڑتا اور انکار کرتا ہے تو یہ درحقیقت اسکی اپنی فطرت و جبلت سے بغاوت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ سو ہر چیز کا سایہ اپنے خالق و مالک کے آگے بچھا رہتا ہے۔ اور وہ رات بھر اپنے اس تکوینی سجدے سے سر نہیں اٹھاتا۔ صبح کو وہ آہستہ آہستہ سر اٹھاتا ہے اور پھر سورج کے زوال کے ساتھ اس پر رکوع و سجود کی وہی حالت دوبارہ طاری ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ ایک طرف تو دن رات کے اس پورے دورانیے میں لگاتار مصروفِ سجدہ رہتا ہے۔ اور دوسری طرف اپنی زبانِ حال سے لگاتار دنیا کو درسِ عبرت و بصیرت دیتا ہے۔ مگر غفلت کی ماری دنیا اس سے کوئی سبق نہیں لیتی۔ الا ما شاء اللہ۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ

کہو کہ وہ اللہ ہی ہے، (جواب چونکہ متعین ہے اس لئے خود ہی) کہو کیا پھر بھی تم لوگوں نے اس کے سوا ایسوں کو

دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ

اپنا کارساز ٹھہرا رکھا ہے، جو خود اپنے لئے بھی نہ کسی نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا؟ ف۴۹

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي

کہو، کیا برابر ہو سکتے ہیں اندھا اور آنکھوں والا؟ ف۵۰ یا کہیں اندھیرے

الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا

اور روشنی بھی باہم یکساں ہو سکتے ہیں؟ ف۵۱ کیا ان لوگوں نے اللہ کے لئے کچھ ایسے شریک ٹھہرا رکھے ہیں،

كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ

جنہوں نے اللہ کی تخلیق کی طرح کچھ پیدا کیا ہو؟ ف۵۲ کہو اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے

كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

ہر چیز کا، اور وہی ہے یکتا سب پر غالب ف۵۳ اس نے اتارا آسمان سے

مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ

پانی، پھر بہہ نکلیں اس سے مختلف قسم کی ندیاں اور نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق، ف۵۴ پھر (اس سے اٹھنے والا)

زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ

وہ سیلاب اپنے اوپر اٹھا لیتا ہے پھولی ہوئی جھاگ، اور ایسی ہی جھاگ ان چیزوں پر بھی اٹھتی ہے، جن کو لوگ زیور یا دوسرے

ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ

اسباب بنانے کیلئے آگ پر پگھلاتے ہیں، اللہ اسی طرح (کھول کر) بیان فرماتا ہے

اللّٰہُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ۚ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً ۚ

حق اور باطل کو، پھر جو جھاگ ہوتی ہے وہ تو یونہی جاتی رہتی ہے ۵۵

۴۹ معبودانِ باطلہ نہ کسی کے نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا: - چنانچہ مشرکین کے دلوں پر دستک دیتے ہوئے ان سے سوال کیا گیا کہ تم لوگ اس سب کے باوجود اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ ایسوں کو اپنا سرپرست اور کارساز مانتے ہو جو خود اپنے لئے بھی نہ کسی نفع کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نقصان کا؟ یعنی ایسے میں ان کو اپنا سرپرست اور کارساز بنانا عقل و نقل سب کے تقاضوں کے خلاف ہے، کیوں کہ جب وہ خود اپنے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتے تو پھر وہ دوسروں کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ اور جو اتنے عاجز اور اس قدر بے بس ہوں ان کو معبود ماننا اور ان کے آگے جھکنا اور سجدہ ریز ہونا کتنی بڑی حماقت اور کس قدر ظلم ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور جب تم لوگ خود اس بات کو جانتے مانتے اور اس کا اعتراف و اقرار کرتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کی اس ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے تو پھر اوروں کو حاجت روا اور مشکل کشا کیوں مانتے ہو؟

۵۰ اندھا اور آنکھوں والا کبھی باہم برابر نہیں ہو سکتے: - چنانچہ ان کے دلوں پر دستک کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا باہم برابر ہو سکتے ہیں؟ جب نہیں اور یقیناً و ہرگز نہیں تو پھر ایمان کی روشنی اور کفر کی ظلمت والے لوگ آپس میں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں؟ سو کافر و مشرک اندھا ہے جس کو نہ کچھ نظر آتا ہے نہ سوجھتا ہے ۔ اور مومن آنکھوں والا اور بینا ہے جو نورِ ایمان کے ساتھ زندگی گزارتا ہے ۔ اور راہِ حق و ہدایت پر گامزن رہتا ہے ۔ سو یہ دونوں آپس میں کبھی اور کسی طور برابر نہیں ہو سکتے ۔ نہ حال کے اعتبار سے اور نہ انجام و مآل کے اعتبار سے ۔ مومن و موحد اپنے ایمان و یقین کی روشنی میں حق و ہدایت کی راہ پر اور اس صراطِ مستقیم پر گامزن ہے جو سعادتِ دارین سے سرفراز کرنے والی اور جنت تک پہنچانے والی راہ ہے ۔ سو مومنِ صادق اپنے خالق و مالک کے فضل و کرم سے حق و ہدایت کی اس راہ پر چل کر بالآخر جنت اور اسکی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز و بہرہ ور ہوگا ۔ جبکہ اسکے برعکس کافر و مشرک کفر و شرک کی اس راہ پر چلتا ہے جو دوزخ کو جاتی ہے ۔ جسکے نتیجے میں آخر کار وہ دوزخ کے ہاویے میں جا گرے گا اور وہاں کے عذابِ مقیم میں مبتلا ہوگا -

۵۱ روشنی اور اندھیرا کبھی باہم برابر نہیں ہو سکتے: - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کیا روشنی اور اندھیرے باہم برابر ہو سکتے ہیں؟ اور جب نہیں اور ہرگز و یقیناً نہیں تو پھر ایمان کی روشنی اور کفر کا اندھیرا کس طرح ایک برابر ہو سکتے ہیں؟ سو ان دونوں میں بھی اسی طرح تضاد اور منافات ہے ۔ اور دونوں کا نتیجہ و انجام ایک دوسرے سے یکسر مختلف اور دگرگوں ہے ۔ ایمان کی روشنی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی ہے ۔ اور کفر کا اندھیرا دارین کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو پہلی مثال مومن و کافر کی تھی کہ کافر و مشرک اندھا اور اسکے مقابلے میں مومن و موحد بصیر اور آنکھوں والا ہے ۔ اور اب یہ مثال ایمان و کفر کی ہے کہ ایمان اور توحید نور ہے اور اسکے مقابلے میں کفر و شرک ظلمات اور اندھیرا ہے -

۵۲ معبودانِ باطلہ کی نفی و تردید صفتِ خلق کے اعتبار سے: - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ ایسے شریک ٹھہرا رکھے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی طرح کچھ پیدا کیا ہو جس سے ان کو شبہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی خالق ہے اور فلاں ہستی بھی خالق ہے؟ پھر اس اشتباہ کی بناء پر انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا ہو؟ اور اس طرح یہ کسی حد تک معذور قرار پاتے ہوں؟ اور جب ایسا نہیں اور یقیناً اور ہرگز نہیں ۔ تو پھر ان کیلئے کسی طرح کے اس اشتباہ یا عذر کا کیا سوال پیدا

ہوسکتا ہے؟ سو اللہ کے سوا اور کسی معبود کیلئے کوئی دلیل و برہان ممکن ہی نہیں ﴿ومن یدع مع اللہ الٰھا اٰخر لا برھان لہٗ بہٖ فانما حسابہٗ عند ربہٖ انہٗ لا یفلح الکافرون﴾ (المومنون:۱۱۷)۔ یعنی جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارا جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو یقیناً اس کا حساب اس کے رب کے یہاں ہی ہے' بلاشبہ کافر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

۵۳ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہے یکتا اور سب پر غالب۔ سو جب خلق و ایجاد میں اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر اس طرح کے کسی اشتباہ اور عذر و معذوری کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ تو پھر یہ لوگ اس وحدہٗ لاشریک کے لئے طرح طرح کے شریک اور ساجھی آخر کیوں اور کیسے ٹھہراتے ہیں؟ ۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ الْخَالِقِ الْمَالِكِ الَّذِيْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۔ تَبَارَكَ اسْمُهٗ وَتَعَالٰى جَدُّهٗ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ ۔ سو معبودِ برحق بہرحال اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اسکے سوا اور کسی بھی معبود کیلئے کوئی دلیل ممکن ہی نہیں کہ ایسا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ سو اللہ ہی معبودِ برحق ہے جو ہر چیز کا خالق، سب پر غالب اور ان پر کنٹرول رکھنے والا ہے۔ ساری مخلوق اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے اور سب نے آخر کار اسی کے حضور حاضر ہو کر اپنی زندگی کے کئے کرائے کا حساب دینا اور اس کا صلہ و بدلہ پانا ہے۔

۵۴ فطرتِ کائنات کی ایک اہم شہادت: ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر بہ پڑیں مختلف ندیاں اور نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق۔ بڑے نالوں نے زیادہ پانی اٹھایا اور چھوٹوں نے تھوڑا۔ سو اسی طرح قرآنِ حکیم اور وحیِ خداوندی کی یہ معنوی اور روحانی بارش بھی آسمان سے اتری جو دلوں کی زمین کو سیراب کرتی ہے تو دلوں نے اپنی اپنی وسعت کے مطابق اس سے فیض پایا اور روح کی زندگی حاصل کی۔ سو ہر کسی نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے حصہ پایا۔ جس سے ان کے دلوں کی دنیا زندگی کی نعمت سے سرفراز ہو کر گل و گلزار بن گئی۔ یہ تو حال ہوا ماننے والوں کا۔ جبکہ نہ ماننے والے حق سے ٹکرا کر جھاگ کی طرح مٹ گئے۔ سو ان دونوں مثالوں سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق فرمودہ اس کائنات کے مزاج کو واضح فرما دیا گیا کہ یہ نافع اور سودمند چیز کو باقی رکھتی ہے اور غیر نافع کو چھانٹ پھٹک کر ختم کر دیتی ہے۔ سو اسی سنتِ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو ٹکراتا ہے۔ تو اس ٹکراؤ سے باطل کا جو جھاگ حق کے اوپر ابھر آتا ہے وہ یونہی خس و خاشاک کی طرح اڑ جاتا ہے۔ اور حق جو لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیز ہے وہ باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق﴾ (الانبیاء:۱۸)۔ ''بلکہ ہم اسی طرح حق کو پھینک مارتے ہیں باطل کے اوپر جس سے اس کا بھیجا نکل جاتا ہے۔ پھر وہ یکایک جاتا رہتا ہے۔'' سو بقا اور ثبات و قرار حق ہی کے لئے ہے' باطل نے بہرحال بٹ کر ہی رہنا ہے' اس کے ثبات و قرار ہے نہ ہوسکتا ہے۔

۵۵ جھاگ مٹ کر رہنے والی چیز ہے: ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور جھاگ یونہی جاتی رہتی ہے، سو یہی مثال باطل اور اس کے اس شور و غوغا کی ہے جو وہ حق کے مقابلے میں کھڑا کرتا ہے۔ مگر آخر کار باطل اور اس کا شور و غوغا تو جھاگ کی طرح مٹ جاتا ہے اور دائمی بقا حق ہی کے لئے ہوتی ہے۔ سو باطل کی شورا شوری اس جھاگ کی مانند ہوتی ہے جو پانی کے اوپر چھا جاتی ہے لیکن جلد ہی یہ جھاگ خشک ہو کر اڑ جاتی ہے اور مٹ مٹا کر ختم ہو جاتی ہے۔ اور پانی کا وہ حیات آفریں جوہر جو اسکے نیچے چھپا ہوتا ہے سامنے آجاتا ہے۔ اور وہ باقی رہتا ہے کہ وہ لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے۔ اور اللہ پاک کی اس کائنات کا مزاج اور اس کی طبیعت یہ ہے کہ یہ کارآمد اور نفع بخش چیز کو باقی رکھتی ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ والحمد للہ جل وعلا۔

وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِؕ كَذٰلِكَ

اور جو چیز لوگوں کے لئے مفید ہوتی ہے وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں، ف۵۶ (قدرت کی عنایت

يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَؕ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمُ

وحکمت سے) اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے (قسما قسم کی) مثالیں ف۵۷ جن لوگوں نے (صدق دل سے) اپنے رب کا حکم مان لیا ف۵۸

الۡحُسۡنٰىؕ وَالَّذِيۡنَ لَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهٗ لَوۡ اَنَّ لَهُمۡ مَّا

ان کے لئے بھلائی ہے، ف۵۹ اور جنہوں نے اس کا حکم نہیں مانا، ف۶۰ ان کے پاس اگر دنیا بھر کی

فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لَافۡتَدَوۡا بِهٖ ؕ

دولت بھی ہو، اور اس کے ساتھ اتنی ہی دولت اور بھی، تو وہ یقیناً اس سب کو اپنے عذاب کے بدلے میں دینے کو تیار ہو جائیں گے ف۶۱

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ سُوۡۤءُ الۡحِسَابِ ۙ وَمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے بڑا برا حساب ہے، اور ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ، بھلا جو شخص

بِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع اَفَمَنۡ يَّعۡلَمُ اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ

یقین جانتا ہو کہ جو کچھ اتارا گیا آپ کی طرف (اے پیغمبر!) آپ کے رب کی جانب سے، وہ سراسر حق (اور صدق) ہے

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — النصف

۵۶ مفید اور نفع بخش چیز باقی رہنے والی ہوتی ہے:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ جو چیز لوگوں کے لئے مفید اور نفع بخش ہوتی ہے' وہ باقی رہتی ہے، پس حق کی مثال سیلاب کے اس صاف ستھرے پانی کی ہے جس نے آسمان سے اتر کر دلوں کی زمین کی زندگی اور اس کی تروتازگی کا سامان کیا اور وہ دائمی فائدے کیلئے جھاگ کے مقابلے میں زمین کے اندر ٹھہر گیا۔ جبکہ باطل اس جھاگ کی طرح ہے جس میں نفع رسانی تو کچھ نہیں مگر وقتی طور پر وہ پانی اور پگھلی ہوئی دھات کے اوپر چھا جاتی ہے۔ اور پھر جلد ہی مٹ مٹا کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ سو ایسے ہی باطل مٹنے والی چیز ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وقل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا﴾ (بنی اسرائیل:۸۱) یعنی کہو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل یقینی طور پر ہے ہی مٹ کر رہنے والی چیز۔

۵۷ ضرب الامثال کی اہمیت و ضرورت کی وضاحت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح بیان فرماتا ہے قسما قسم کی مثالیں حق و باطل کی توضیح اور صحیح و غلط کی تمیز کیلئے، تاکہ حق و باطل دونوں کی اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے اور لوگ باطل کے عارضی اور وقتی ابھار کی وجہ سے دھوکے میں نہ پڑیں اور وہ لوگ جو باطل کے کل پرزے اور اس کے کارندے بنے ہوئے ہیں وہ ان مثالوں کے اندر اپنا انجام اور اپنا مستقبل دیکھ لیں۔ سو ضرب الامثال کی بلاغتِ کلام میں خاص اہمیت ہے، خاص کر غیبی اور پس پردہ حقائق کی توضیح و تشریح کے سلسلے میں، اسی لیے حضرتِ خالق حکیم جل جلالہ نے اپنے کلامِ حکمت نظام میں طرح طرح کی اور عظیم الشان امثال کو ذکر فرمایا ہے، تاکہ اس طرح راہِ حق و ہدایت کی پوری طرح وضاحت ہو جائے۔

۵۸ قبول حق سعادت دارین سے سرفرازی کی اساس وبنیاد: - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے صدقِ دل سے اللہ کا حکم مانا اور حق کو قبول کیا' ان کے لئے بڑی عظیم الشان اچھائی اور نہایت عمدہ انجام ہے۔ یعنی انہوں نے حق کو اپنایا' اس پر سچا پکا ایمان لاکر اور دل و جان سے اس کی بے چون و چرا اطاعت کر کے اور اسکے اوامر وارشادات پر عمل پیرا ہوکر اور اسکے نواہی اور محذورات سے اجتناب کر کے۔ سو انہی کے لیے اچھائی اور کامیابی ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی۔ سو جس بات کو اوپر تمثیلوں کی شکل اور کنائی انداز میں بیان فرمایا گیا اسی کو اب سادہ لفظوں اور صریح انداز میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ سو کامیابی اور فوز وفلاح اللہ اور اسکے رسول کی دعوت پر صدقِ دل سے لبیک کہنے اور اس کو سچے دل سے اپنانے میں ہے۔

۵۹ دعوتِ حق کو اپنانے والوں کے لئے نہایت عمدہ انجام کی بشارت: - الحسنیٰ کا موصوف یہاں پر محذوف ہے' یعنی العاقبۃ' سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے اپنے رب کے حکم پر لبیک کہا' اور اس کی دعوت کو قبول کیا' ان کے لئے بڑا عمدہ انجام ہے۔ سو دعوتِ حق کو قبول کرنے اور اللہ کے حکم کو صدقِ دل سے ماننے میں دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان ہے۔ اور ایسی حقیقی اور سچی بھلائی جو ان کو دنیا میں حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی کی صورت میں نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں جنت کی سدا بہار نعمتوں کی شکل میں ملے گی۔ اَللّٰھُمَّ شَرِّفْنَا بِھَا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ سو دنیا و آخرت کی خیر وبھلائی اور دارین کی سعادت وسرخروئی صدقِ دل سے رب کا حکم ماننے میں ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ ﴾ الآیۃ (یونس: ۲۶)۔ اللہ توفیق بخشے اور بدرجہ تمام وکمال توفیق بخشے۔

۶۰ اللہ کے حکم سے اعراض وسرتابی باعثِ ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ سو جن لوگوں نے اللہ کا حکم نہیں مانا۔ ایمان واطاعت کے ذریعے بلکہ انہوں نے اِعراض ورو گردانی سے کام لیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ تو وہ بہر حال ناکام و نامراد ہیں اس دنیا میں بھی کہ یہاں پر ایسے لوگ سکونِ دل اور اطمینانِ قلب کی دولت سے محروم ہونگے۔ اور آخرت میں ان کیلئے دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ ہوگی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَعْمٰی یعنی جس نے ذکر اور میری یاد سے منہ موڑا اس کے لئے بڑی تنگ گذران ہے الآیۃ (طٰہٰ: ۱۲۴) سو اللہ پاک کے حکم سے اِعراض وسرتابی میں سراسر ہلاکت وتباہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور یوں بندے کے بندہ ہونے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کا بندہ بن کر رہے اور ہمیشہ دل و جان سے اسی کے حضور جھکا رہے

۶۱ حیاتِ دنیا کی عظمت واہمیت کا ایک خاص پہلو: - آخرت کے اس ہولناک عذاب سے بچنے کے لئے جس کی اس دنیا میں کوئی نظیر ومثال ممکن ہی نہیں ہو سکتی۔ اس سے بچاؤ کا سامان اسی دنیا میں کیا جاسکتا ہے' پس ان منکروں کو وہاں پر روئے زمین کی تمام دولت اور اسی کے برابر اور دولت بھی اگر بالفرض مل جائے اور وہ اسکو دے بھی دیں تو بھی وہ ان سے قبول ہونے والی نہیں۔ کیونکہ وہ جہان 'دار الجزاء' ہے ''دار العمل'' نہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ عمل جو آج ہمیں حضرتِ حق۔ جل مجدہ۔ کے کرم اور اسکی عنایت سے ملی ہوئی ہے کتنی بڑی اور کس قدر عظیم الشان دولت ہے کہ یہاں تھوڑی سی محنت اور معمولی سی پونجی سے جو کمائی کی جاسکتی ہے وہ وہاں پر اتنی بڑی دولت خرچ کر کے بھی حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ پس کتنے زیاں کار ہیں وہ لوگ جو دنیاوی زندگی کی اس فرصت اور ایسی انمول دولت کو لایعنی کاموں اور بے کار مشاغل میں ضائع کرتے ہیں۔ فَاِیَّاکَ نَسْاَلُ یَا رَبَّنَا التَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ فِیْ کُلِّ لَحْظَۃٍ مِّنْ لَّحْظَاتِ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَوِیَّۃِ۔ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْمُوَفِّقُ لِکُلِّ خَیْرٍ وَّسَعَادَۃٍ وَّاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ وَّاٰنٍ۔ بہر کیف اس ارشادِ ربانی سے حیاتِ دنیا کی اہمیت کا یہ خاص پہلو پوری طرح واضح ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک لمحے کو اس کے صحیح مصرف میں لگانے اور اس سے پورا استفادہ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو (اس حقیقت سے) اندھا ہو؟ ف۶۲ نصیحت تو بس وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلِ

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا

خالص رکھتے ہیں ف۶۳ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور وہ اس کو توڑتے نہیں مضبوط باندھنے کے بعد اور جو برقرار رکھتے

يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ

ہیں ان روابط کو جن کے برقرار رکھنے کا حکم اللہ نے دیا ہے ف۶۴ اور جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب (کی ناراضگی اور اسکی پکڑ) ف۶۵

بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ

سے، اور وہ اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا ف۶۶ اور جو صبر (وضبط) سے کام لیتے ہیں اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے ف۶۷ اور وہ

۶۲ علمِ حق وہدایت سے محروم انسان اندھا ہوتا ہے:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور بطور استفہام ارشاد فرمایا گیا کہ بھلا جو شخص یہ جانتا ہو کہ جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا آپ کے رب کی طرف سے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو کہ اندھا ہو؟ اور استفہام ظاہر ہے کہ انکاری ہے۔ یعنی نہیں یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ ظاہر و باہر ہے۔ تو پھر مومن اور کافر کیونکر باہم برابر ہو سکتے ہیں؟ سو مومن جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہونے والا ہے۔ اور کافر نے دوزخ کی آگ میں جلنا ہے۔ تو یہ دونوں برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ - جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنة﴾ الآیة (الحشر: ۲۰) کہ دوزخی اور جنتی آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔ سو اس ارشاد میں پیغمبر اور آپ کے سچے پیروکاروں کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ جو لوگ دعوتِ حق کو قبول نہیں کرتے تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں کہ اس دعوت کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کی عقلیں خالص اور ان کے دل صاف اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔ پس جو لوگ اس دعوت پر لبیک نہیں کہتے قصور خود ان کا اپنا ہے۔ نہ ان کی عقلیں خالص ہیں اور نہ ان کے دل پاکیزہ۔ سو اس میں تہدید و وعید بھی ہے اور تبشیر و تذکیر بھی۔ یعنی منکرین کے لئے تہدید و وعید ہے کہ تم لوگوں کو انکارِ حق کا خمیازہ بہرحال بھگتنا ہوگا۔ جب کہ اہلِ حق کے لئے بشارت و خوشخبری ہے کہ تم لوگ راہِ حق اور نورِ حق سے سرفراز ہو

۶۳ اولوا الالباب سے مقصود و مراد؟:- سو اولوا الالباب سے مراد عقلِ خالص رکھنے والے لوگ ہیں۔ اور ان کی پہلی صفت اللہ کے عہد کو پورا کرنا ہے۔ اس میں اللہ پاک کی وحدانیت کا وہ بنیادی عہد بھی داخل ہے جو عالمِ ارواح میں ان سے لیا گیا تھا۔ اور جو ان کی فطرت وطبیعت میں پیوست ہے اور جس کی تجدید انہوں نے کلمۂ شہادت کے اِقرار کے ذریعے باختیار خود کی۔ اور اسی کی تذکیر و یاد دہانی کیلئے حضراتِ انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا گیا۔ نیز اس میں اللہ پاک کے جملہ اوامر و نواہی اور سب اَحکامِ خداوندی بھی داخل ہیں کہ اہلِ ایمان اپنے ایمان وعقیدہ کی بناء پر ان سب کی بجا آوری کا عہد کرتے ہیں۔ (قرطبی، فتح القدیر، روح المعانی اور مدارک وغیرہ)۔ سو "اولوا الالباب" کی ان خاص صفات کے ذکر سے

ایک طرف تو ان خوش نصیب اور پاکیزہ لوگوں کو نمایاں اور معین فرما دیا گیا کہ وہ ایسے اور ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس سے دنیا کے سامنے آئینہ رکھ دیا گیا کہ اس میں ہر کوئی اپنا چہرہ دیکھ لے اور اپنے بارے میں خود فیصلہ کر لے کہ وہ کس گروہ میں ہے اور کہاں کھڑا ہے؟۔ اور یہ کہ اس کو کیا کرنا چاہئے؟ اور کس سے سمجھنا اور ڈرنا چاہئے؟

۶۴ **اولوا الالباب کی دوسری صفت ان روابط کو جوڑنا جن کے جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے:۔** جن میں رشتہ وقرابت کے روابط بھی داخل ہیں اور وہ تمام روابط وتعلقات بھی جو کہ اہلِ ایمان کے درمیان عقیدہ وایمان کے رشتہ کی بناء پر قائم ہوتے ہیں کہ ان سب ہی کو قائم رکھنا ماموروں مطلوب ہے۔ (محاسن، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ جس طرح اپنے خالق ومالک کے حقوق کا دل وجان سے احترام کرتے ہیں اسی طرح رشتۂ رحم کا پورا پاس ولحاظ کرتے ہیں۔ اور رحم کے رشتوں کو کاٹتے نہیں۔ بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے اوامر وارشادات کے مطابق جوڑتے اور قائم رکھتے ہیں۔ کہ یہی تقاضا ہے راہِ حق وہدایت کا۔

۶۵ **اولوا الالباب کی تیسری صفت، خوف وخشیت خداوندی:۔** سو وہ اس طرح کے تمام کام کسی نمود ونمائش اور ریاکاری کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے امور سے بچنے کی فکر وکوشش میں رہتے ہیں جو اس کی ناراضگی کا باعث بن سکتے ہیں -والعیاذ بہ جل و علا- کہ اپنے رب کی رضا کا حصول انکی زندگی کا سب سے بڑا اور سب سے اہم مقصود ہوتا ہے۔ اور اسکی عظمت ان کے دلوں میں رچی بسی ہوتی ہے۔ کیونکہ خشیت اصل میں اسی خوف کو کہا جاتا ہے جو کسی کی عظمت کی بناء پر دل میں قائم ہوتا ہے۔ اسی لیے اسکو علماء کی ایک اہم اور امتیازی صفت کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا الاٰیۃ (فاطر: ۲۸)۔

۶۶ **اولوا الالباب کی چوتھی صفت برے حساب سے ڈرنا:۔** جس کا انجام دوزخ کی ہولناک آگ ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اس لئے وہ اس کے اوامر کی اطاعت واتباع کرتے اور اس کے نواہی سے بچتے رہتے ہیں۔ (مراغی، صفوۃ وغیرہ)۔ سو اسکے نتیجے میں وہ اپنے اس ربِّ رحمٰن ورحیم کے فضل وکرم اور اسکی رحمت وعنایت سے دوزخ کی آگ سے بچ جائیں گے- اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا قِنَا عَذَابَ النَّارِ یَا عَزِیْزُ یَا غَفَّار - بہر کیف وہ حساب کے مناقشہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور انکے عفو ودرگزر کی امید رکھتے ہیں۔ کیونکہ جس کے حساب سے مناقشہ ہوا وہ تو مارا گیا۔ جیسا کہ حضرتِ نبیِّ معصوم نے فرمایا'' من نوقش فی الحساب فقد ھلک ''-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے راہِ حق پر قائم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۶۷ **اولوا الالباب کی پانچویں صفت صبر واستقامت:۔** سو وہ ہمیشہ صبر واستقامت سے کام لیتے ہیں راہِ حق وصواب پر جم کر۔ اور مصائب وآلام پر ثابت قدم رہ کر۔ سو یہ '' اولوا الالباب '' کی پانچویں بڑی صفت ہے کہ وہ راہِ حق پر صبر واستقامت سے کام لیتے ہیں اور ان کے سامنے اپنے رب کی رضا کا حصول ہوتا ہے۔ کہ رب کی رضا کا حصول دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے- وباللہ التوفیق- سو وہ راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب ومشاکل پر جزع وفزع کی بجائے صبر وضبط اور استقلال واستقامت سے کام لیتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

الْحِسَابِ ۝۲۱ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ

قائم رکھتے ہیں نماز کو، ۶۸ اور خرچ کرتے ہیں (راہِ حق وصواب میں،) ان چیزوں میں سے جو ہم نے ان کو بخشی دی ہوئی

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

ہیں، پوشیدہ طور پر بھی، اور علانیہ بھی، ۶۹ اور وہ ٹالتے ہیں برائی کو اچھائی کے ساتھ، ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے آخرت کا

وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى

گھر، یعنی ہمیشہ رہنے کی ایسی جنتیں، جن میں یہ خود بھی داخل ہوں گے، اور (ان کے سبب سے) ان کے آباء واجداد،

الدَّارِ ۝۲۲ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ

ان کی بیویوں، اور ان کی اولادوں، میں سے وہ لوگ بھی جو اس کے لائق ہوں گے، (اگرچہ درجات ان کے باہم مختلف

اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ

ہوں گے،) ان کے پاس فرشتے ہر طرف سے آ رہے ہوں گے، (اور وہ ان سے کہہ رہے ہوں گے کہ) سلام ہو تم پر

عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝۲۳ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

(اے جنت کے باسیو!) اپنے اس صبر کی بناء پر جس سے تم نے (زندگی بھر) کام لیا، پس کیا ہی خوب ہے (تمہارے

۶۸ اولوالالباب کی چھٹی صفت اقامت صلوٰۃ: سوارشاد فرمایا گیا کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں پس نماز کے سلسلے میں صرف پڑھنا اور ادا کرنا ہی مقصود نہیں بلکہ اسکی اقامت مطلوب ہے یعنی نماز کو علی وجہ المطلوب قائم کرنا، جسمیں سب سے اہم اور اصل مقصد اس کے لئے اپنے قصد وارادہ کو درست رکھنا ہے، کیونکہ اقامت کا اصل معنی ومفہوم کسی چیز کو اس کے اصل مقصد کے اعتبار سے سیدھا رکھنا ہوتا ہے اور کسی چیز سے اس کے مطلوبہ نتائج وثمرات کے حصول کے اعتبار سے اصل مدار وانحصار اسی چیز پر ہوتا ہے پس نماز کی اقامت کے سلسلے میں اصل چیز یہی ہے کہ اس کی ادائیگی کے سلسلے میں انسان کی نیت اور اس کا ارادہ درست ہو اس میں کوئی شائبہ شرک نہ پایا جاتا ہو، کیوں کہ نماز دینِ حنیف کا ستون ہے اور ستون کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالکل سیدھا ہو، ورنہ اس کے سہارے پر قائم ہونے والی چھت برقرار نہیں رہ سکتی، اور یہ مضمون اس حدیث نبوی سے مستفاد ہوتا ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا الصلوۃ عماد الدین فمن اقامھا فمن اقام الدین ومن ھدمھا فقد ھدم الدین یعنی نماز دین کا ستون ہے، پس جس نے اس کو قائم رکھا اس نے پورے دین کو قائم رکھا، اور جس نے اس کو گرادیا، اس نے پورے دین کو گرادیا، اور نیت وارادہ کی صحت ودرستگی کے بعد اقامتِ صلوٰۃ میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو اس کے آداب وشروط اور احکام کی رعایت کے ساتھ ادا کیا جائے، بہر کیف اس کے اولوا الالباب کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۶۹ اولوالالباب کی ساتویں صفت انفاق فی سبیل اللہ: سوارشاد فرمایا گیا کہ وہ خرچ کرتے ہیں ان چیزوں میں سے جو ہم نے ان کو دی اور بخشی ہوئی ہیں، پوشیدہ طور پر بھی اور اعلانیہ طور پر بھی۔ سو انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایک اہم مطلب اور اولوالالباب کی ایک خاص صفت ہے خواہ پوشیدہ طور پر ہو یا اعلانیہ طور پر۔ ان دونوں میں سے ہر صورت کی اپنے طور پر خاص اہمیت ہے، پوشیدہ اور خفیہ طور پر خرچ کرنے میں ریاء و نمود سے حفاظت ہوتی ہے جو کہ اعمال کے ضیاع کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جبکہ اعلانیہ طور پر خرچ کرنے میں خیریت اور بہتری کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو بھی انفاق کی ترغیب ہوتی ہے اور وہ بھی خیر میں شریک ہونے کے لیے آمادہ اور تیار ہوتے ہیں۔ اور دوسرا پہلو اسمیں خیریت کا یہ ہے کہ اسمیں دوسروں کے لیے بدظنی اور بدگمانی کا سدِ باب ہوتا ہے سو اس طرح پوشیدہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کرنے کے دونوں پہلو درست اور جائز ہیں۔ انفاق بہر حال اللہ ہی کے لیے اور اسی کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یُحبُّ و یرید،

۷۰ اولوالالباب کی آٹھویں صفت برائی کا بدلہ اچھائی سے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں، یعنی ان کا طریقہ یہ نہیں ہوتا ہے کہ ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوں یا اینٹ کا جواب پتھر سے دیں، بلکہ وہ صبر و برداشت سے کام لیتے ہیں اور حسن معاملہ کے اعلیٰ پیمانے پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور برائی کے بدلے میں اچھائی کا معاملہ کرتے ہیں اور وہ برائی کو برائی سے نہیں بلکہ اچھائی سے دفع کرتے ہیں۔ سو برائی کے بدلے میں اچھائی سے کام لینا ایک عظیم الشان اور انقلاب آفریں تعلیم ہے، جس سے معاشرے سے برائی کا قلع قمع ہوتا ہے اور نیکی اور حسنِ اخلاق کو فروغ ملتا ہے۔ اسی لیے دوسرے مقام پر ارشاد ہے فرمایا گیا فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ یعنی اس سلوک کے نتیجے میں تمہارے دشمن بھی تمہارے گہرے دوست بن جائینگے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ غلطی اور خطا کو نیکی سے مٹاؤ یعنی غلطی اور خطا کے بعد نیکی کرو کہ اس سے برائی خود بخود مٹ جائے گی، پس اگر کوئی تمہارے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا ہے اور گالم گلوچ سے کام لیتا ہے یا کسی طرح کی اذیت پہنچاتا ہے تو تم اس کے جواب میں اسی طرح کا برتاؤ کرنے کی بجائے صبر و برداشت اور حسن سلوک کا معاملہ کرو اس سے برائی خود بخود مٹ جائے گی اور خوبی اور اچھائی فروغ پائے گی۔ لیکن اس کے برعکس اگر کوئی برائی کے بدلے میں برائی سے کام لے گا اور ایک کے بدلے میں دو گالیاں دے۔ گا پھر برائی مٹنے کے بجائے بڑھے گی اور پھیلے گی۔ سو اولوالالباب یعنی عقلِ خالص رکھنے والوں کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے کی بجائے اچھائی سے دیتے ہیں، جس سے ایک طرف تو نیکی کو فروغ ملتا اور صالح معاشرہ نشو ونما پاتا ہے اور دوسری طرف ان کے باطن کو جلا ملتی ہے اور اسمیں نکھار پیدا ہوتا ہے اور وہ پاکیزہ سے پاکیزہ تر انسان بنتے جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال، وفی کل مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ،

عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

لئے) آخرت کا یہ گھر، ۱؎ اور (اس کے برعکس) جو لوگ توڑ ڈالتے ہیں اللہ کے عہد کو اس کو پختہ

مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ

باندھنے کے بعد، اور وہ کاٹ ڈالتے ہیں ان رشتوں کو جن کے جوڑے رکھنے کا حکم اللہ نے فرمایا ہے، اور وہ فساد

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ

پھیلاتے ہیں (اللہ کی) زمین میں تو ایسے لوگوں کے لئے لعنت (اور پھٹکار) ہے، اور ان کے لئے بڑا برا گھر ہے،

سُوْۗءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَ

(آخرت میں) ۲؎ اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراوانی بخش دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے، اور

يَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

یہ لوگ دنیاوی زندگی (اور اس کی متاعِ حقیر) پر مگن ہیں، حالانکہ دنیا کی یہ زندگی (اور اس کا سارا سامان) آخرت کے

فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ ع وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ ع ۴ ۸ ۹

مقابلے میں ایک متاع (قلیل) کے سوا کچھ بھی نہیں ۳؎ اور کہتے ہیں یہ لوگ جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، کہ

اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ

کیوں نہیں اتاری گئی اس شخص (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی نشانی (یعنی ہماری فرمائش کے مطابق،) کہو کہ بے شک

يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾ صلے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

(معاملہ میرے اختیار میں نہیں، بلکہ) اللہ جسے چاہتا ہے ڈال دیتا ہے گمراہی میں، اور وہ (راہِ حق و) ہدایت سے نواز دیتا

وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ

ہے ہر اس شخص کو جو (صدقِ دل سے) اس کی طرف رجوع کرتا ہے، ۴؎ یعنی ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور ان کے دلوں

۱؎ <u>اولوا الالباب کے اجر و انعام کا ذکر و بیان</u>: سو اولوا الالباب یعنی عقلِ خالص رکھنے والے ان بندگان صدق و صفا کے انعام اور ان کے اجر و ثواب کے ذکر و بیان کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کے اس گھر اور انجام کی کامیابی ہے، اور یہ وہ کامیابی ہے جو کہ کامیابیوں کی کامیابی اور اصل و حقیقی کامیابی ہے، اور پھر اس انجام خیر کی تفصیل مزید کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لئے ہمیشہ کی اقامت گاہ کے طور پر وہ عظیم الشان جنتیں ہوں گی، جن کے نیچے سے طرح طرح کی عظیم الشان نہریں بہہ رہی ہوں گی، اور ان کی مسرت کی تکمیل کے لئے مزید یہ

عنایت بھی ہوگی کہ ان کے باپ دادوں اوران کی اولاد وازواج میں سے ان کو بھی ان کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا، جو اپنے ایمان وعمل کی بناء پر اس کے اہل ہوں گے، اور یہ اس لئے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب اس کو کوئی نعمت نصیب ہوتی ہے تو اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے خاص عزیز واقارب بھی اس میں اس کے شریک ہوں، سو انسانی فطرت کے اسی تقاضے کا لحاظ کر کے اللہ تعالیٰ اپنے کرمِ لامتناہی کی بناء پر ان عزیزوں اور قریبوں کو بھی ان کے ساتھ جمع فرما دے گا، لیکن اس کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ اس کے اہل ہوں، اور اس اہلیت کا مدار وانحصار اِس پر ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہوں اور یہ شرط لازمی تقاضا ہے اس کے نظام عدل وحکمت کا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو اہلِ ایمان کے جو رشتہ دار ایمان وعقیدہ میں ان کے شریک ہوں گے، وہ اگرچہ عمل وکردار کے اعتبار سے ان کے درجے میں نہیں ہوں گے، ان کو ان کے رشتہ ایمان وعقیدہ کی بناء پر ان کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا، اوران کو بلند مرتبہ سے نوازا جائے گا تا کہ اہلِ جنت کی لذت نعمت میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔ اور یہ بھی اس وحدہ لاشریک کی شان کرم واحسان کا ایک نمونہ ومظہر ہے کہ وہ ان دونوں کا باہم ملانے میں اعلیٰ درجے والوں کو ان کے درجہ بلند سے اتار کر نچلے درجے والوں سے نہیں ملائے گا، بلکہ نچلے درجے والوں کو بلندی مرتبہ سے نواز کر اونچے درجہ والوں کے ساتھ ملا دے گا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اس کی مضمون کی تصریح دوسرے مقام پر اس طرح فرمائی گئی ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ الآیۃ (الطور:۲۱) یعنی جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اوران کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہوگی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اوران کے عمل میں بھی کوئی کمی نہ کریں گے۔ والحمدللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔ وھو العزیز الوھاب۔ مُلْهِمُ الصِّدْقِ والصواب، جَلّ وعلا،

۴۲ منکرین ومکذبین کے حال ومآل کا ذکر وبیان: سو نیک بخت اور سعادت مند لوگوں کی صفات وخصال حمیدہ اوران کے مآل وانجام کے ذکر کے بعد اس آیت کریمہ میں منکرین ومکذبین کے حال ومآل اوران کے ہولناک انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ (جو لوگ اللہ کے عہد کو جو عہد فطرت ہے اور جس سے بندے کا اپنے خالق ومالک سے ربط وتعلق قائم ہوتا ہے یہ اس عہد کو اس کے) پختہ باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اور رحم کے اس رشتہ کو کاٹتے ہیں جس کو جوڑنے اور قائم رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جس کو توڑنا اور کاٹنا تمام فی الارض کی جڑ اور بنیاد ہے، سو ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی لعنت وپھٹکار ہے جس کے نتیجے میں یہ اس کی رحمت وعنایت سے محروم ہو جاتے ہیں اور انہی کے لیے آخرت کے اس ابدی گھر کی ذلت ورسوائی اور ابدی ناکامی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور یہ اس لیے کہ ان کا جرم بہت سنگین ہے، اور اسلام کا نظام حق وعدل دو بنیادوں پر قائم ہے ایک وحدتِ الٰہیہ اور دوسری وحدتِ آدم، وحدتِ الٰہیہ عبارت ہے عقیدۂ توحید سے اور وحدت آدم اس کی اساس ہے رشتہ رحم، اور اگر ان دونوں بنیادوں کو ڈھا دیا جائے تو پھر صالح معاشرہ اور صالح تمدن کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہو سکتا سو ایسے میں ان لوگوں کے جرم کی سنگینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اور رشتہ رحم کو کاٹتے ہیں اور اس طرح وہ فساد فی الارض کے انتہائی ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی سزا بھی بہت سخت ہے، یعنی دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی اور محرومی۔ والعیاذ باللہ۔ جل وعلا بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۴۳ منکرین کے سبب انکار وتکذیب کی نشاندہی: سو اس ارشاد سے منکرین کے کفر وانکار اور انکی تکذیب حق کے اصل سبب کی نشاندہی فرمائی گئی کہ یہ لوگ دنیاوی زندگی اور اس کے متاع قلیل پر ریجھے ہوئے اور اسی پر مست ومگن ہیں اوران کی ساری تگ ودو اور دوڑ دھوپ کا محور ومدار یہی دنیاوی زندگی اور اس کی وقتی لذات اور عیش کوشیاں ہیں یہ اس سے آگے کچھ دیکھنے اور ماننے

کے لیے تیار ہی نہیں اور دنیاوی مال ومتاع کے حصول کو ہی سب کچھ سمجھ رہے ہیں حالانکہ دنیاوی مال ومتاع کی حق کے مقابلے میں نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی اس کا حصول انسان کے اپنے بس میں ہے بلکہ یہ سب کچھ اللہ کی اپنی مشیتِ مطلقہ کے ماتحت اور اسی کے تابع ہے، اس کی بست وکشاد اسی وحدہ لاشریک کے قبضہ، قدرت اور اختیار میں ہے وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق وروزی کو کشادہ فرماتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے جس میں اس کی حکمت مطلقہ کے مختلف پہلو ملحوظ ومقصود ہوتے ہیں جن میں سب سے اہم پہلو تقاضاءِ ابتلاء وآزمائش کا ہوتا ہے وہ جس کو بنیادی مال ومتاع میں بسط وکشادہ اور وسعت وکشائش سے نوازتا ہے اس سے مقصود اس کے جزبہ شکر وسپاس کی آزمائش ہوتی ہے، اور جس کے لیے روزی کو تنگ کرتا ہے اس کے لیے صبر کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اور صبر وشکر اسی اصل اور خلاصہ ہے تمام صفات وخصال کا۔ دوسرا اہم پہلو اس امرِ بسط وکشاد اور تنگی وتضییق کا یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات بلکہ بسا اوقات روزی کی کشائش کیوجہ سے تنگ ظرف انسان بغاوت وسرکشی پر اتر آتا ہے، جس سے فساد پھیلتا اور امنِ عامہ تباہ ہوجاتا ہے، اسی لیے حضرت واہبِ مطلق سرکشوں کو ایک خاص حد تک ڈھیل تو دیتا ہے لیکن روزی کی بسط وکشاد اور اسکی تنگی کا معاملہ اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ الایۃ (الشوریٰ) یعنی اللہ اگر اپنے بندوں کے لیے روزی کشادہ کردیتا ہے تو یہ سب بغاوت وسرکشی پر اتر آتے لیکن وہ ایک اندازے کے ساتھ اتارتا ہے جو چاہتا ہے سو نہ تو رزق وروزی کشادہ ہونا کسی کے محبوب عنداللہ کی دلیل ہوسکتا ہے اور نہ اسکی تنگی کسی کے لیے اس کے یہاں مبغوض ہونے کی نشانی قرار پا سکتا ہے، بلکہ یہ سب کچھ اس وحدہ لاشریک کی حکمتِ مطلقہ کے تقاضوں پر مبنی ہوتا ہے۔ جس کا احاطہ وادراک اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۴۷ ہدایت وگمراہی کے بارے میں سنت الٰہی کا ذکر وبیان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے، یعنی کوئی ایسی نشانی جو ان کی طلب اور مطالبے کے مطابق ہو، سو ان کے اس سوال اور مطالبے کے جواب میں واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور ہے کہ ہدایتِ حق کی دولت ونعمت ان ہی لوگوں کو ملتی ہے جو اسکے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف صدق دل سے رجوع کرتے اور اس کے طالب بنتے ہیں ایسے لوگ آفاق وانفس کی ان گوناگوں نشانیوں میں غور وفکر سے کام لیتے ہیں جو آفاق وانفس میں ہر طرف پھیلی اور بکھری ہوئی ہیں، سو جو لوگ نور ایمان سے سرفرازی، شرح صدر اور اطمینان قلب کے لئے اپنے خالق ومالک کی طرف رجوع کرتے اور صدق دل سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، ان کو وہ اپنے فیض وکرم سے ایمان وہدایت کی اس دولت بے مثال ولازوال سے نوازتا ہے اور وہ لوگ جو اس کے برعکس عجائب اور کرشموں کے درپے ہوتے ہیں وہ زندگی بھر ٹھوکریں ہی کھاتے رہتے ہیں، کہ ایسے لوگ آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھے بن جاتے ہیں ان کے لئے خداوندِ قدوس کا دستور اور اس کی سنت بھی یہی ہے ان کے ساتھ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى کے اصول کے مطابق برتاؤ کیا جائے ان کو ہم ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جدھر کا رخ انہوں نے خود کیا ہوتا ہے، پس جو لوگ طلب صادق سے محروم ہوتے ہیں ان کو نورِ حق سے سرفرازی نصیب نہیں ہوسکتی اور وہ ہمیشہ ضلالت وگمراہی کی وادیوں میں ہی بھٹکتے اور سرگرداں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ جبر واکراہ اور زور وزبردستی سے راہ ہدایت پر نہیں ڈالتا، ورنہ وہ اگر ایسا چاہتا تو روئے زمین پر موجود سارے لوگ ایمان لے آتے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا یعنی اگر تمہارا رب چاہتا تو روئے زمین پر موجود سب لوگ ایک ساتھ ایمان لے آتے، لیکن ایسا جبری ایمان تو سرے سے مطلوب ہی نہیں، مطلوب ومقصود تو وہ ایمان ہے جو آفاق وانفس کے دلائل میں صحیح غور وفکر کے نتیجے میں اور اللہ کے رسول کی دعوت پر اور اسکے مطابق لایا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

کو چین ملتا ہے اللہ (پاک) کے ذکر سے، ۷۵ آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر ہی سے چین ملتا ہے دلوں کو، غرض جو لوگ ایمان

طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾ كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي

لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ان کے لئے بڑی خوشخبری بھی ہے، اور عمدہ ٹھکانا بھی، اسی طرح ہم نے آپ

أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ

کو (رسول بنا کر) بھیجا ایک ایسی امت میں جس سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں، تا کہ آپ ان لوگوں کو پڑھ کر سنائیں وہ پیغام (حق

الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ

و ہدایت) جو ہم نے بھیجا ہے آپ کی طرف وحی کے ذریعے ایسے حال میں کہ یہ لوگ کفر کرتے ہیں اس (خدائے) رحمٰن کے ساتھ

هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ

(جس کی رحمت کا کوئی کنارہ نہیں) کہ وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف

۷۵ فائز المرام لوگوں کی نشاندہی: سو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے خوش نصیبوں کی صفت کے ذکر و بیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دلوں کو اطمینان ملتا ہے اللہ کے ذکر سے، اور پھر ذکر اللہ کی عظمتِ شان کے ذکر و بیان کے سلسلہ میں الا کے حرف تنبیہ کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے، پس اللہ کے ذکر کے بغیر دلوں کو حقیقی سکون واطمینان نہیں مل سکتا، اور ذکر یعنی اللہ کی یادِ دلشاد سے سرفرازی کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اس حکمتوں بھری کائنات اور اسمیں موجود دلائل قدرت وحکمت اور آفاق والنفس کی نشانیوں میں غور وفکر سے کام لیا جائے، اس لئے اس وحدہ لاشریک کی عظمتِ شان کا نقش دلوں پر گہرا ہوتا جائے گا اور دل کے اندر موجود اس واہبِ مطلق جل جلالہ کی عظمت کا اظہار بندہ اپنی زبان سے بھی کرتا ہے چنانچہ وہ دل کے قوی احساس وشعور کے ساتھ زبان سے کہتا ہے "سبحان اللہ" یعنی اللہ پاک ہے ہر نقص وعیب اور ہر شائبہ وشرک واشتراک سے، اور کہتا ہے "الحمد للہ" یعنی ہر تعریف اور حمد وثنا کا مستحق وہی وحدہ لاشریک ہے، اور اسی عظمت شان کے احساس وشعور کی بناء پر بندہ کہتا ہے "اللہ اکبر" یعنی اللہ ہی سب سے بڑا ہے، کیونکہ جب ساری کائنات اور اسکی ہر چیز کا خالق ومالک اللہ ہے اور اسمیں حاکم ومتصرف بھی وہی ہے اور یہ شان اسکے سوا نہ کسی کی ہے اور نہ کسی کی ہوسکتی ہے اس لئے سب سے بڑا وہی ہے اور جب یہ ساری صفات اسی وحدہ لاشریک کی ہیں تو پھر معبودِ برحق بھی وہی وحدہ لاشریک ہے، اس لئے بندۂ مومن اپنے رکوع وسجود اور عبادات واطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا ظاہری اور بدنی ذکر بھی کرتا ہے، اسی لئے حصن حصین کی روایت میں وارد ہے کل مطیع ذاکر اللہ عز وجل یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کرنے والا ہر شخص اللہ تعالیٰ کا ذاکر ہوتا ہے اور ایسے ذاکرین کے انعام واحسان کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لئے بہت بڑی خوشخبری بھی ہے اور بڑا عمدہ انجام بھی۔ سو ذکرِ خداوندی دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ فالحمد للہ عز وجل۔

مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ

لوٹ کر جانا ہے مجھے ۲۷؎ اور اگر (ان کی فرمائش کے مطابق) کوئی ایسا قرآن بھی اتار دیا جاتا جس سے چلا دیا جاتا پہاڑوں

قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ

کو، یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا زمین کو، اور بولنے لگتے اس سے مردے (تو بھی وہ یہی قرآن ہوتا، سو بات محض معجزے کی

الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْــٴَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ

نہیں) بلکہ معاملہ سارا اللہ ہی کے اختیار میں ہے، کیا پھر بھی ایمان والوں کو اس (حقیقت کا) یقین نہیں ہوا کہ اگر اللہ کو

یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَا یَزَالُ

(خواہ مخواہ کا ایمان ہی) منظور ہوتا تو وہ سب لوگوں کو از خود ہی (جبراً) راہ راست پر لے آتا' اور یہ کافر لوگ ہمیشہ اس

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ

حال میں رہیں گے کہ ان کو انکے اپنے کرتوتوں کی پاداش میں کوئی نہ کوئی آفت پہنچتی ہی رہے گی، (خود ان پر،) یا ان کے

قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

گھروں کے قریب ہی کہیں نازل ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ آ پہنچے گا اللہ (کے آخری عذاب) کا وعدہ، بے شک اللہ

ع ۵ ۱۰ یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ

خلاف ورزی نہیں کرتا اپنے وعدے کی، ۲۸؎ اور بلاشبہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے، مگر میں

قَبْلِكَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ قف فَكَیْفَ

نے کافروں کو پھر بھی ڈھیل ہی دی، مگر آخر کار میں نے ان کو پکڑا (ان کے اپنے کئے پر،) سو (دیکھ لو) کیسا تھا میرا

۷۶ پیغمبر کے لئے تسلیہ و تسکین کا سامان، اور منکرین کے لئے تہدید و وعید کا پیغام: سو اس ارشاد میں ایک طرف تو پیغمبر کے لئے تسلیہ و تسکین کا سامان ہے اور دوسری طرف منکرین کے لئے تہدید و وعید کا پیغام، کہ نہ آپ اے پیغمبر! کوئی نئے اور انوکھے رسول ہیں اور نہ ہی یہ امت کوئی نئی اور انوکھی امت ہے، آپ ﷺ سے پہلے بھی کتنے ہی رسول آ چکے ہیں اور انہوں نے بھی حق و ھدایت کا وہی پیغام پہنچایا جو آپ پہنچا رہے ہیں اور اسی طرح اس امت سے پہلے بھی بہت سی ایسی امتیں گزر چکی ہیں جنہوں نے پیغام حق و ھدایت کا انکار کیا، اور انہوں نے خدائے رحمٰن کے ساتھ کفر کیا، سو آپ کے لیے پہلے انبیاء و رسل اسوہ و نمونہ ہیں اور ان کے لئے ان پہلی امتوں کا اسوہ و نمونہ ہے، پس آپ اس پیغام حق و ہدایت کو ان کے سامنے پڑھ کر سناتے رہیں، جو وحی

کے ذریعے آپ کے پاس بھیجا گیا ہے اور اسی طرح صبر ثبات اور استقامت سے کام لیتے رہیں، جس طرح کہ آپ سے پہلے کے اولو العزم رسولوں نے لیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ الآیۃ، یعنی آپ بھی ویسے صبر و استقامت سے کام لیں جیسا کہ آپ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے لیا اور ان (بدبختوں) کے لئے جلد بازی سے کام نہ لیں، اور اس میں اس میں ان منکرین کے لئے تہدید و وعید کا پیغام ہے کہ اگر یہ لوگ حق کی تکذیب و انکار سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان سے پہلی کی منکر قوموں کا ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون عدل و انصاف بے لاگ اور سب کے لئے یکساں ہے۔ اسکے بعد ایک تو اس حقیقت کا ذکر فرمایا گیا کہ یہ لوگ خدائے واحد کے ساتھ کفر کرتے ہیں یعنی جس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کی رحمتوں میں یہ سرتاپا اور ظاہر و باطن پر اعتبار سے ڈوبے ہوئے ہیں یہ اسکے ساتھ کفر کرتے ہیں، جو ظلم بالائے ظلم ہے اور دوسری حقیقت یہ بیان فرمائی گئی کہ یہ مانیں یا نہ مانیں حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ میرا رب وہی وحدہ لاشریک ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے کہ بھروسہ کے لائق وہی ہے اور میں نے بہر حال اسی کی طرف جانا ہے، پس ہر ایک کو بھروسہ بھی اللہ وحدہ لاشریک ہی پر کرنا چاہیے اور اس حقیقت کو بھی ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہر ایک نے آخرِ کار اسی کے حضور حاضر ہونا ہے، پس وہ خود دیکھے اور جائزہ لے کہ اس نے وہاں کے لئے کیا سامان کیا ہے۔ ولتنظر نفس ماقدمت لغد واتقوا اللہ۔ یعنی ہر شخص خود دیکھ لے کہ اس نے آنے والے کل کے لئے کیا سامان کیا ہے؟ اور وہ ہمیشہ اللہ سے ڈرتا رہے۔

۷۷ منکرین کی ہٹ دھرمی اور انکے حال و مآل کا ذکر و بیان: یہاں پر وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا الخ سے جس شرط کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے اس کا جواب محذوف ہے، اس جواب شرط کو بعض اہل علم نے لما امنوا جیسے کسی جملے کی صورت میں محذوف و مقدر مانا ہے، جیسا کہ ظاہر و متبادر ہے اور ترجمہ کے اندر ہم نے اسی قول و احتمال کو اختیار کیا ہے، اور دوسرا قول و احتمال اس میں یہ ہے کہ اس کو فکان ھذا القرآن کے جملے کی صورت میں مقدر مانا جائے، یعنی ایسا کوئی کلام ہوتا تو وہ یہی قرآن ہوتا کہ اس سے بہتر کوئی کلام ممکن و متصور ہی نہیں، علامہ زمخشری نے اسی کو اختیار کیا ہے، سو ایسا کوئی اثر و نتیجہ اگر کسی کلام کیلئے ظاہر ہوتا تو وہ یہی کلام حکیم یعنی قرآن مجید ہوتا، کہ یہ بلاغت کلام کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جو اس کلامِ حکیم کے سوا اور کسی صورت میں ممکن ہی نہیں، مگر اللہ پاک کی مشیت کے تقاضے کی بنا پر اس میں اسطرح کی کوئی تاثیر نہیں رکھی گئی تاکہ اعجوبہ پرست لوگ اس طرح کے ظاہری اثرات پر تکیہ کرنے کی بجائے اسکے ان اصل حقائق پر نظر رکھیں جو چشم کشا اور حقیقت رسا ہیں اور جبری ایمان چونکہ نہ مطلوب ہے اور نہ مفید، اس لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی، ورنہ وہ اگر ایسا چاہتا تو سب لوگوں کو چشم زدن میں راہِ حق و ھدایت پر ڈال دیتا، اس لئے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی اس سنت پر مطمئن رہنا چاہیے اور یوں کافروں کی تنبیہ کیلئے براہ راست ان پر یا ان کے قریب پر کسی نہ کسی پر کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہے گی، تاکہ یہ آنکھیں کھولیں، یہاں تک کہ ان پر وہ عذاب آکر رہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بہر حال پورا ہو کر رہے گا، کیونکہ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ سبحانہ تعالیٰ۔

كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا

عذاب؟ ۸۷ تو کیا وہ ذات جو ہر کسی پر نگاہ رکھے ہوئے ہو اس کی کمائی کی بناء پر (کیا وہ اور تمہارے یہ بے حقیقت معبود ایک

كَسَبَتْ ج وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ط قُلْ سَمُّوْهُمْ ط اَمْ

برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں، اور ہرگز نہیں) مگر ان لوگوں نے پھر بھی اللہ کے شریک ٹھہرا رکھے ہیں، (ان سے) کہو کہ ذرا ان کے نام

تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ

تولو (کہ وہ ہیں کون؟) کیا تم لوگ اللہ کو وہ بات بتانے چلے ہو جس کو وہ نہیں جانتا (اپنی پیدا کردہ) اس زمین میں؟ یا تم لوگ (بغیر کسی سند

الْقَوْلِ ط بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا

ودلیل کے) یونہی جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہو؟ (نہیں) بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خوشنما بنا دیا گیا کافروں کے لئے ان کی مکاریوں

عَنِ السَّبِيْلِ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

کو، اور روک دیا گیا ان کو راہِ (حق وصواب) سے، اور جس کو اللہ ڈال دے گمراہی (کے گڑھے) میں تو اسے کوئی راہ پر نہیں لا سکتا

۸۷ پیغمبر کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان اور منکرین کے لئے تہدید ووعید: سو اس آیت کریمہ میں ایک طرف تو پیغمبر کے لئے تسکین وتسلیہ کا بیان ہے کہ آج جو منکرین ومکذبین کی طرف سے آپ کا انکار کیا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے تو یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں، بلکہ آپ سے پہلے آنے والے رسولوں کو بھی اسی طرح جھٹلایا گیا اور ان کا مذاق اڑایا گیا، سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ یعنی آپ کو بھی وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو کہ آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا، مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ انبیاء ورسل سے بھی یہی کچھ ہوتا آیا ہے، پس آپ بھی اسی طرح صبر وبرداشت سے کام لیں جس طرح کہ ان سب نے لیا، اور دوسری طرف اس میں کافروں کے لئے تہدید ووعید ہے کہ تم لوگوں کو انکار وتکذیب حق کے اس جرم پر مل رہی ہے اس سے تمہیں غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وعنایت اور اپنی شان کریمی ورحیمی کی بنا پر ایسے منکروں کو ڈھیل تو دیتا ہے لیکن آخرکار وہ ان کو پکڑ لیتا ہے، اور جب پکڑتا ہے تو اسکی پکڑ بڑی ہی سخت ہوتی ہے، چنانچہ گزشتہ دور کے کفار ومنکرین کی تاریخ اسکی شاہد عدل ہے، پس تم لوگوں کو تاریخ کے اس درس سے سبق لینا اور عبرت پکڑنی چاہیے اور اپنی روش کفر وشرک اور انکار وتکذیب سے باز آنا چاہیے، ورنہ تمہارا انجام بھی وہی ہوگا جو گزشتہ دور کے کفار ومنکرین کے جرم کفر وتکذیب کا ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کے لئے یکساں ہے اور کفر وانکار اور تکذیب حق کا نتیجہ وانجام بہرحال بڑا سنگین ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ

ایسے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی ایک عذاب ہے، اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ سخت (اور ہولناک)

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ

ہے اور کوئی نہیں جو ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچا سکے، ۷۹ شان اس جنت کی جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا جا رہا ہے، یہ ہے کہ

وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا

اس کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان) نہریں اس کے پھل دائمی ہوں گے، اور اس کا سایہ لازوال، یہ

دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى

انجام ہوگا ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ کی زندگی گزاری ہوگی (دنیا کے دار الامتحان میں،) اور انجام ان لوگوں کا جنہوں نے (زندگی

الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ

بھر) کفر کو اپنائے رکھا ہوگا (دوزخ کی ہولناک) آگ ہوگا، اور جن لوگوں کو ہم نے (اس سے پہلے) کتاب ہدایت دی ہے وہ

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ

خوش ہو رہے ہیں اس کتاب سے جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے (اے پیغمبر!) جب کہ انہی کے مختلف گروہوں میں سے کچھ لوگ

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ

ایسے بھی ہیں جو انکار کرتے ہیں اسکے کچھ حصوں کا (ان سے) کہہ دو کہ مجھے تو بہرحال یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ ہی کی بندگی کروں

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ

اور اس کے ساتھ (کسی بھی طرح کا) کوئی شرک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور بلاتا رہوں گا، اور مجھے بہرحال اسی کی

حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا

طرف لوٹ کر جانا ہے، اور اسی طرح (جس طرح کہ دوسرے پیغمبروں کو خاص خاص زبانوں میں احکام دئے گئے) ہم نے (آپ کی

جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

طرف اے پیغمبر!) یہ قرآن اتارا ہے حکم کے طور پر عربی زبان میں، اور اگر کہیں تم نے پیروی کر لی ان لوگوں کی خواہشات کی،

وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا ع ۵ ۱۱

اس علم کے بعد جو کہ تمہارے پاس آچکا ہے تو اللہ کے یہاں تمہارا نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ کوئی بچانے والا ۸۰ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے

۷۹ شرک کی بے حقیقتی اور مشرکوں کے ہولناک انجام کا ذکر و بیان: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ بھلا وہ ذات جو ہر شخص کے سر پر قائم اور اس سے اس کے کئے کرائے کا حساب کرنے والی ہے، بھلا وہ ذات اور وہ جو اس میں سے کچھ بھی نہ کر سکتی ہو، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور ظاہر ہے کہ نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر تم لوگ اپنے ایسے بے حقیقت معبودوں کی کس طرح پوجا کرتے ہو؟ تمہاری مت کیسے ماری گئی؟ ایک طرف وہ ذات ہے جو خود قائم و موجود اور تمہاری تمام چیزوں کو قائم رکھنے والی، ان کی نگرانی کرنے والی اور ان کے تمام حالات سے پوری طرح آگاہ ہے، جب کہ دوسری طرف تمہارے ان خود ساختہ شریکوں کے اندر اس طرح کی کوئی بات بھی نہیں، سو ایسے مشرکوں کے لئے ان کے شرک کے نتیجے میں دنیا میں بھی عذاب ہے کہ ان کے باطن دل کے سکون واطمینان سے محروم اور طرح طرح کے مصائب وآلام میں مبتلا رہتے ہیں اور صرف اسی دنیاوی عذاب پر بس نہیں بلکہ اصل عذاب ان کو آخرت میں بھگتنا ہوگا، جس سے بچانے اور چھڑانے کے لئے ان کے ان خود ساختہ معبودوں میں سے کوئی بھی کام نہیں آسکے گا، اور ان کو ہمیشہ ہمیش کے عذاب میں مبتلا رہنا ہوگا، سو شرک دنیا و آخرت دونوں کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ اس کے برعکس ایمان و توحید اور تقویٰ و پرہیزگاری دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔ وھو العزیز الوھاب، جل وعلا۔

۸۰ منکرین کے رویے اور قرآن کریم کی اصل حیثیت کا ذکر و بیان: سو ان دونوں آیتوں میں ایک طرف تو منکرین کے اس رویے کو ذکر و بیان فرمایا گیا جس کو انہوں نے قرآن حکیم کے بارے میں اختیار کیا تھا، سو اس ضمن میں ایک تو صالحین اہل کتاب کے رویے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اس وحی سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اُتاری گئی اے پیغمبر! کیوں کہ یہ لوگ اس کو اپنی کتابوں کی پیشنگوئیوں کا مصداق سمجھتے ہیں جس سے ان کی کتابوں اور ان کی پیشنگوئیوں کی صداقت واضح ہوتی ہے، اس لئے اس سے ان کا خوش ہونا ایک طبعی امر ہے، جب کہ دوسری مختلف مخالف جماعتیں اس کتاب حکیم کے کچھ حصوں کا انکار کرتے ہیں، یعنی اس کے ان حصوں کا جس کو یہ لوگ اپنی ہوا و اغراض کے خلاف پاتے ہیں، ورنہ ساری کتاب کا نہ یہ انکار کرتے ہیں اور نہ اس کے انکار کی ان کو ضرورت ہے، اسکے بعد اصل حقیقت کے ذکر و بیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ مجھے تو بہرحال اسی کا حکم وارشاد فرمایا گیا کہ میں اللہ ہی کی بندگی کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں، کہ معبود برحق بہرحال وہی وحدہ لاشریک ہے، اور شرک کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل ممنوع و محروم ہے، اور یہ کہ مجھے یہی حکم و ہدایت ہے، کہ میں سب کو اللہ ہی کی طرف بلاؤں اور اس کی عبادت کے لئے دعوت دوں، اور مجھے بہرحال اسی کی طرف لوٹنا ہے، اس کے بعد قرآن حکیم کی اصل حیثیت کو واضح فرمایا گیا کہ یہ ایک فیصلہ ناطق اور فرمان واجب الاذعان ہے، اس کو اسی حیثیت سے ماننا اور اپنانا ضروری ہے، اور عربیاً کی صفت سے اس کا ایک تو یہ اس کا پہلو ظاہر اور واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عربوں پر ایک حاضر انعام و احسان ہے، اور دوسری طرف اس سے اس کا یہ پہلو بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عربوں پر حجت بھی ہے، کہ وہ اس کے اولین مخاطب ہیں، اور اس کی عظمت و اہمیت کی توضیح مزید کے لئے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ نے (بالفرض) ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر لی اس کے علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے، تو پھر آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا، نیز اس سے اس حقیقت کو بھی واضح فرما دیا گیا کہ دین اور علم وہی ہے جو وحی کے ذریعے اور قرآن کی صورت میں آیا ہے، اس کے سوا باقی تمام اہواء و اغراض کا پلندہ ہے اور بس! اس لئے قرآن سے منہ موڑ کر اس کی پیروی کرنا دارین کی محرومی اور ہلاکت و تباہی کا سامان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ

بھی بھیجے (اے پیغمبر!) بہت سے رسول (اپنے اپنے وقتوں میں) ان کو ہم نے بیویوں والا بھی بنایا، اور انہیں اولادیں بھی عطا کیں

يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

اور کسی پیغمبر کے بس (واختیار) میں نہیں، کہ وہ از خود کوئی معجزہ لا دکھائے مگر اللہ ہی کے اذن (وحکم) سے، اور ہر دور کے لئے ایک

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ

کتاب ہوتی ہے اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب اور

الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ

اگر ہم (اے پیغمبر!) آپ کو اس عذاب کا کچھ حصہ آپ کے جیتے جی ہی دکھلا دیں جس کا وعدہ ہم ان لوگوں سے کر رہے

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا

ہیں، یا (اس سے پہلے) آپ کو اٹھا لیں، تو (اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ) آپ کا کام تو صرف پہنچا دینا ہے، اور آگے

الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

حساب لینا ہمارا کام ہے، ۸۱ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم ان پر اس زمین کا دائرہ ہر طرف سے تنگ کرتے چلے آرہے ہیں،

مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ

اور اللہ ہی ہے جو فیصلہ فرماتا ہے (اس طرح کہ) کوئی اس کے فیصلہ کا پیچھا نہیں کر سکتا، اور وہی ہے بڑا جلد حساب لینے

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ

والا، اور (ان کی چالبازیوں سے نہ گھبرانا کہ) یقیناً ان سے پہلے کے لوگ بھی بڑی چالیں چل چکے ہیں، (مگر وہ حق کا

قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ

کچھ بھی نہ بگاڑ سکے، کہ) سب چالیں (اور ان کی کارگری تو) اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے، وہی جانتا ہے اس

نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ

سب کو جو کماتا ہے ہر شخص اور کافر لوگ عنقریب خود ہی جان لیں گے کہ کس کے لئے ہے اچھا انجام اس جہان کا، اور وہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

لوگ جو اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر پر کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو، (ان سے) کہو کہ کافی ہے اللہ گواہی دینے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع ۶ / ۱۲

والا میرے اور تمہارے درمیان، اور ہر وہ (انصاف پسند) شخص جس کے پاس علم ہے کتاب (ہدایت) کا۔ ۸۲

۸۱ منکرین کے دو اعتراضوں کا جواب: سو اس سے منکرین کے دو اعتراضوں کا جواب دیا گیا، ایک یہ کہ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ ان کی بیویاں بھی ہیں اور بچے بھی؟ ہم اپنے ہی جیسے ایک بشر کو نبی اور رسول کیوں کر مان لیں، اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی و رسول بنا کر بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتا جو نہ کھاتا نہ پیتا، نہ بیویاں ہوتیں نہ بچے، تو تب ہم مانتے۔ سو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ آپ سے پہلے بھی ہم نے بہت سے رسول بھیجے وہ سب ہی بشر اور انسان تھے، ان میں سے کوئی بھی رسول مافوق الفطرت نہیں تھا، سب کی بیویاں اور بچے بھی تھے وہ سب کھاتے اور پیتے بھی تھے۔ دوسرا اعتراض ان لوگوں کا یہ تھا کہ یہ رسول ہمیں دھمکی دیتے ہیں کہ اگر ہم نے ان کی بات نہ مانی تو ہم پر اللہ کا عذاب آ جائیگا، تو پھر یہ ہمیں عذاب کی کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں دکھا دیتے اگر سچے ہیں اپنے وعدے اور دھمکی دینے میں؟ سو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی نشانی اور معجزہ دکھانا پیغمبر کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا انحصار اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی حکمت و مشیت پر ہوتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ وہ جب چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے نشانی دکھاتا ہے، اور اس کے یہاں ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور ہر مقررہ ساعت کے لئے ایک نوشتہ ہے، اور یہ سب کچھ اس قادرِ مطلق کی حکمت کے تابع ہے، اس لئے ان میں سے ہر چیز کا ظہور اپنے مقررہ وقت پر ہی ہوگا، اس سے پہلے نہیں ہوسکتا، اور اس نوشتہ پر تمام تر اختیار اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اور اس میں محو و اثبات اور اخراج و اندراج سب کچھ وحدہ لاشریک کی حکمت و مشیت کے تحت ہوتا ہے، اس میں اور کسی کا بھی کوئی عمل دخل نہیں ہوسکتا۔ اصل کتاب اسی کے پاس ہے، کسی دوسرے کی اس تک کوئی رسائی نہیں ہوسکتی، اور منکرین پر ان کا وہ عذاب جس کی دھمکی ہم انہیں دے رہے ہیں آپ کی زندگی میں آسکتا ہے، اور آپ کے بعد بھی، پہلے یا بعد آنے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے اصل اس عذاب کا مطالبہ اور اس کے لئے جلد بازی نہیں، بلکہ اس کے بچنے کی فکر و کوشش ہے، آپ کے ذمے تو اس پیغام حق و ہدایت کو بلا کسی کمی و بیشی کے پہنچا دینا ہے اور بس، آگے حساب لینا ہمارے ذمے ہے، سو اس میں پیغمبر کے لئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے، اور منکرین کے لئے تہدید و وعید۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۲ پیغمبر کے حق میں بڑی گواہی کا بیان: چنانچہ کافروں کے انکار کے ذکر و بیان کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں لست مرسلا یعنی آپ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول نہیں ہیں، سو ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ اللہ کے رسول کس طرح ہوسکتے ہیں جب کہ یہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں "یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ" (الفرقان) اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ ہمارے فرمائشی معجزات کو پورا نہیں کرتے، اس لئے یہ اللہ کے رسول نہیں ہوسکتے، کبھی کہتے ہیں کہ ہم ان کو رسول جب مانیں جب ان کے پاس دنیاوی مال و دولت کے خزانے ہوں، ان کے پاس سونے چاندی کا کوئی گھر ہو، جس سے ان کے ٹھاٹھ باٹھ ظاہر ہوں، تب ان کو مانیں وغیرہ وغیرہ، سو ان لوگوں کے جواب میں اور ان کے مزاعم باطلہ کی تردید کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کے جواب میں کہو کافی ہے، اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے اور وہ سب بھی جن کے پاس علم ہے کتاب کا، کتاب سے مراد سابقہ آسمانی کتابیں یعنی تورات اور انجیل وغیرہ ہیں، پس جو شخص ان کتابوں کا صحیح علم رکھتا ہوگا وہ ضرور آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کی صداقت و حقانیت کی گواہی دے گا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو ایک بڑے یہودی عالم تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زیارت ہی سے مطمئن ہوگئے تھے اور صدق دل سے آپ پر ایمان لائے اور آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنے بیٹے کے حق میں اتنا یقین نہیں جتنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر یقین ہے، اور جس کے صداقت و حقانیت کے لئے اتنی بڑی شہادتیں موجود ہوں اس کو ایسے منکر لوگوں کی شہادت کی آخر ضرورت ہی کیا ہے، سب سے بڑی گواہی تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا "قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً" یعنی کہو کہ سب سے بڑی شہادت کس کی ہوسکتی ہے؟ سو جس کی نبوت و رسالت کے حق میں اتنی بڑی گواہی موجود ہو اس کو کسی اور گواہی کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آیاتُھا ۵۲ — ۱۴ سُوْرَۃُ اِبْرٰھِیْمَ مَکِّیَّۃٌ ۷۲ — رُکُوْعَاتُھَا ۷

سورۂ ابراہیم مکی ہے اور اسکی باون آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ

الٓ را۔ یہ ایک عظیم الشان ۱ کتاب ہے، جس کو ہم نے اتارا ہے ۲ آپ کی طرف (اے پیغمبر!) تا کہ آپ لوگوں کو (تہ درتہ) ۳ اندھیروں

۱ قرآن حکیم ایک عظیم الشان کتاب:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے، یعنی ''کتاب'' کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ اور یہ کتاب عظیم کتاب ہے۔ کہ اس کی عظمتوں کا نہ کوئی کنارہ ہے نہ ٹھکانا۔ کہ یہ کلام ہے اس ربِ ذوالجلال کا جس کی عظمتِ شان غیر محدود اور ابدی ولازوال ہے۔ پس جس نے اس کتابِ عظیم وحکیم کو دل وجان سے اپنا لیا وہ ایسی سچی اور حقیقی عظمت سے ہمکنار و مالا مال ہو گیا جس کی دوسری نہ کوئی نظیر ہو سکتی ہے نہ مثال۔ اللہ نصیب فرمائے اور اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بہر کیف یہ کتاب ایک عظیم الشان کتاب ہے جو انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کی راہیں روشن کرتی ہے۔ اور اس کو تہ درتہ اندھیروں سے نکال کر حق وہدایت کی روشنی کی طرف بلاتی ہے۔

۲ قرآن حکیم خداوند قدوس کی نازل کردہ کتاب:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اس کو ہم نے اتارا ہے آپ کی طرف (اے پیغمبر!)۔ پس یہ کتاب حکیم کسی بشر کی تالیف یا اس کی ذہنی اختراع کا نتیجہ وثمرہ نہیں۔ بلکہ یہ خالق بشر۔ جل جلالہٗ۔ کی طرف سے نازل کردہ کتابِ ہدایت ہے۔ سو اسی سے اس کتابِ عظیم کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ خالصتاً اتاری گئی کتاب ہے۔ کسی انسانی اور بشری فکر وکاوش کا اس میں کوئی شائبہ تک نہیں۔ اور جب یہ کلام ہے اس ذاتِ اقدس واعلیٰ کا جو کہ اس کائنات کی خالق ومالک اور بے مثال ذات ہے تو اس کا یہ کلام بھی سب سے اعلیٰ وبالا اور بے مثال وبے نظیر کلام ہے۔ سو اس کی دعوت پر لبیک کہنا سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ اور اس سے اِعراض وروگردانی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ دنیا وآخرت کی سعادت وسرخروئی اور ہر خیر وبرکت سے محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔

۳ کفر وباطل کے اندھیرے انتہائی مہیب وخطرناک:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف اس لئے اتارا تا کہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکالیں، کیوں کہ کفر وباطل کے غیر مرئی اور معنوی اندھیرے ظاہری اور حسی اندھیروں سے کہیں بڑھ کر ہولناک اور خطرناک ہیں۔ والعیاذ باللہ:- سو یہ کتاب حکیم کفر وشرک اور زیغ وضلال کے ان معنوی اور غیر مرئی اندھیروں سے نکلنے کا واحد ذریعہ ہے جن کی سیاہی ان ظاہری اور محسوس اندھیروں سے کہیں بڑھ کر مہیب اور خطرناک ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ کہ یہ معنوی اور غیر مرئی اندھیرے انسان کو نہایت ہلاکت وتباہی میں ڈالنے والے ہیں اور ایسی تباہی میں کہ اس سے نکلنے کی بھی پھر کوئی بھی صورت ممکن نہیں ہو سکتی سوائے رجوع الی اللہ کے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتابِ حکیم قدرت کی طرف سے اسکے بندوں پر کس قدر بڑا احسان ہے۔

اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ

سے نکال کر روشنی کی طرف لاسکیں ان کے رب کی توفیق سے ۴ یعنی اس خدا کے راستے کی طرف جو سب پر غالب بھی ہے ۵ اور اپنی ذات

الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

میں آپ ہی محمود بھی ۶ یعنی اس اللہ کے راستے کی طرف جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب

۴ **اندھیروں سے نکلنا رب کی توفیق ہی سے ممکن ہوسکتا ہے:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں ان کے رب کے اذن اور اس کی توفیق سے، سو پیغمبر کا کام صرف پیغام حق پہنچا دینا ہے اور بس، لوگوں کو راہِ حق پر ڈال دینا نہ ان کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ ان کی ذمہ داری ہے، یہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ کہ وہی جانتا ہے کون کس لائق ہے۔ اور مالک ومختار بہر حال وہی ہے۔ اور ہدایت کا سرچشمہ اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ اور اس کی اس کائنات میں ہوتا وہی ہے جو اس خالق ومالک اور مالکِ مطلق کو منظور ہوتا ہے۔ سو اندھیروں سے نکل کر روشنی کی طرف آنا تب ہی ممکن ہوسکتا ہے جبکہ رب کی توفیق شاملِ حال ہو۔ کیونکہ اس کا تعلق بنیادی طور پر انسان کے قلب وباطن اور اسکی نیت وارادہ سے ہے۔ اور قلب وباطن اور نیتوں اور ارادوں کے حال کو وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق معاملہ فرماتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۵ **اللہ سب پر غالب ہے سبحانہ تعالیٰ:** جو کرنا چاہے کرسکتا ہے۔ کسی کی ہمت نہیں کہ وہ اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکے۔ اور اس کے ارادہ وفیصلہ کو ٹال سکے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کہ وہ سب پر غالب اور تمام قوتوں کا خالق ومالک ہے۔ سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ جہاں اس رب عزیز کے راستے کی طرف بلانا اور اسکی دعوت دینا ایک عظیم الشان سعادت ہے وہاں اسکے راستے سے روکنے والے اسکے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔ والعیاذ باللہ العزیز۔ پس صراطِ مستقیم اور راہِ حق وصواب وہی ہے جو اس عزیز وحمید خداوند قدوس تک پہنچا سکے۔ کہ وہی ہے جو حقیقی عزت، جود وسخا اور کرم واحسان کا مالک ہے۔ اور اس تک پہنچانے والی راہ سے سرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶ **اللہ ہی ہر تعریف کا حقدار ہے سبحانہ تعالیٰ:** کہ سب کا خالق ومالک بھی وہی ہے۔ سب پر حکومت وبادشاہی بھی اسی کی ہے اور سب پر حکم وتصرف بھی اسی کا چلتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کتاب حکیم کا اتارا جانا کس قدر بڑا احسان ہے حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کا اس کے بندوں پر۔ اور کتنی بڑی نعمت ہے یہ کتابِ حکیم کہ اس سے اس راستے کی رہنمائی ملتی ہے جو کہ انسان کو اپنے خالق ومالک سے ملاتا ہے۔ اور جس سے انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ راہنمائی اس صدق وصفا اور کمالِ وضوح وجامعیت کے ساتھ اس کتاب حکیم کے سوا دنیا جہاں کی کسی بھی دوسری کتاب سے نہیں مل سکتی۔ سو کتنے بدنصیب ومحروم اور کس قدر ناشکرے اور بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس کتابِ حکیم سے منہ موڑتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اسکے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں انسان کا خود اپنا بھلا ہے۔ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ اور اللہ پاک کی عبادت وبندگی اور حمد وثناء میں بھی خود بندے کا اپنا ہی بھلا ہے۔ ورنہ وہ خدائے عزیز وحمید جو سب پر غالب اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے، بندے کی عبادت وبندگی اور حمد وثنا کی نہ اس کو کوئی ضرورت وحاجت ہے اور نہ اس سے اسکی شانِ اقدس واعلیٰ میں کسی طرح کے اضافے اور بڑھوتری کا کوئی سوال ہے۔ وہ ایسے تمام تصورات سے پاک اور ارفع واعلیٰ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِۙ ۝۲

کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے ۷ اور کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے ایک بڑے ہی سخت عذاب سے، ان کے لیے جو کہ

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

پسند کرتے ہیں دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں ۸ اور جو (خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی) روکتے

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ

ہیں اللہ کی راہ سے ۹ اور وہ اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، (اپنی اھواء واغراض کے مطابق) ۱۰ یہ لوگ پڑے ہیں (راہ حق

فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا

سے) بڑی دور کی گمراہی میں اور ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجا وہ اس کی اپنی قوم کی زبان کے ساتھ ہی بھیجا تا کہ وہ کھول

۷ راہِ حق کی عظمت شان کا ذکر و بیان :- سو اس سے راہِ حق کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ راستہ اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کی طرف لے جانے والا راستہ ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کی اس ساری کائنات کی خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے۔ اور جب کائنات کے خالق و مالک اور اسکے حاکم و متصرف تک پہنچانے والی راہِ حق و صواب سے آگہی نصیب ہو جائے تو اس سے بڑھ کر سعادت و خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے؟ کہ یہی وہ راہ ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ مند کرنے والی واحد راہ ہے۔ اور اس راہ سے مراد توحیدِ خداوندی کی وہ راہ ہے جو انسان کو اس کے خالق و مالک تک پہنچاتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی توضیح کے سلسلے میں حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے ابلیسِ لعین کے دعوائے مردود کے جواب اور اس کے رد میں ارشاد فرمایا کہ یہی ہے وہ راہ جو سیدھی مجھ تک پہنچتی اور پہنچاتی ہے ﴿قال هٰذا صراط علی مستقیم﴾ (الحجر: ۴۱)۔ یعنی یہ سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچنے والی ہے۔

۸ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا خساروں کا خسارہ، والعیاذ باللہ :- سو یہ ہے اصل بیماری کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جائے اور آخرت کے مقابلے میں اسکو محبوب رکھا جائے۔ ورنہ نفسِ دنیا اور اتنی جو کہ آخرت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے، نہ بری ہے نہ ممنوع۔ بلکہ اس کو اگر آخرت کی کمائی کا ذریعہ بنایا جائے تو یہ محمود و مطلوب ہے۔ سو دنیا اور اسکے مفادات کو آخرت کے مقابلے میں ترجیح دیکر آخرت کو بھول جانا اور اسکے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر دنیا ہی کیلئے جینا اور اسی کے لیے مرنا خساروں کا خسارہ اور سب سے بڑا نقصان ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - نیز اس ارشاد سے کافروں کی محرومی اور انکار کے اصل سبب سے بھی پردہ اٹھا دیا گیا کہ ان لوگوں کے نزدیک اصل چیز چونکہ دنیا ہی دنیا ہے اور یہ آخرت کی خاطر اور اس کے تقاضوں کی بناء پر اپنے دنیاوی مفادات کو قربان کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے یہ لوگ دین کی بات پر کان دھرنے اور

اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ سو دنیا کی محبت اور اسکو آخرت پر ترجیح دینا خرابیوں کی خرابی اور محرومی کی جڑ بنیاد اور سب سے بڑا خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم من كل زيغ وضلال وسوء وانحراف۔

۹ اللہ کی راہ سے روکنے کا جرم اور اسکی مختلف صورتیں - والعیاذ باللہ: - اور اللہ کی راہ سے ان کا یہ روکنا کئی طرح سے ہوتا ہے۔ اول تو ان کا اپنے کفر پر اڑے اور ڈٹے رہنا اور ان کا اس دنیائے دوں کی ظاہری چمک دمک اور کرّوفر سے رہنا بسنا ہی عملی طور پر اور غیر محسوس طریقے سے دوسروں کو راہ حق سے روکنے اور پھیرنے کا ایک بڑا باعث ہے کہ اس سے عام لوگ متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور وہ شعوری یا لاشعوری طور پر کہتے ہیں کہ یہی طریقہ ٹھیک ہے جس پر یہ کفار چل رہے ہیں کہ یہ اس قدر ٹھاٹھ اور مزے سے رہ رہے ہیں۔ پس یہ دنیا ہی سب کچھ ہے اور بس۔ لہٰذا جو کچھ کرنا ہے صرف اسی کے حصول اور اس کی فانی لذتوں کے لئے کرو - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسے لوگ باضابطہ طور پر اپنی زبان و بیان، قول و قرار اور تصنیف اور تالیف وغیرہ کے ذریعے اپنے کفر و باطل کی خوبیاں بیان کرتے اور حق اور اہل حق کو مطعون کرتے اور ان میں نقائص نکالتے رہتے ہیں۔ جس کے نمونے اور مظاہر آج بھی ہم یہاں اور وہاں ہر جگہ اور طرح طرح سے دیکھ رہے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور تیسرے اس طرح کہ یہ ابنائے کفر و باطل اپنے اپنے کفر و باطل کی طرف طرح طرح سے لوگوں کو بلاتے اور اسکی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ اور اس کیلئے یہ لوگ اپنے طرح طرح کے مادی ذرائع و وسائل سے کام لیتے ہیں۔ اور کتنے ہی سادہ لوح اور جاہل لوگوں کو دنیاوی مفادات کی بناء پر یہ لوگ اپنے جال میں پھنساتے اور ان کو حق و ہدایت کی دولت سے محروم کرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۱۰ اہل باطل کا ایک مشترکہ وطیرہ راہ حق میں کجی تلاش کرنا - والعیاذ باللہ: - اور وہ طرح طرح کے حیلوں حوالوں اور مفروضوں اور ڈھکوسلوں کے ذریعے خلق خدا کو یہ باور کرانے کی سعیٔ مذموم کرتے ہیں کہ خدائے عزیز و حمید کی طرف لے جانے والی سیدھی راہ ان کے مزعومہ معبودوں اور خود ساختہ سرکاروں کی طرف سے ہو کر ہی گزرتی ہے۔ اور یہ کہ ان کے توسط کے بغیر اور ان کی پگڈنڈیوں سے گزرے بدوں تم اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ ''ہماری ان کے آگے اور ان کی اس کے آگے''۔ یہ چھوٹے خدا ہمیں اس بڑے اور حقیقی خدا تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں - ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ - اور یہ کہ ہمارے مزعومہ معبود اور خود ساختہ (SELFMADE) ''سرکاریں'' اس کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں - ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ - اور اس طرح ان اَصحابِ زیغ وضلال نے شاہراہ حق اور صراط مستقیم کو خود ساختہ پگڈنڈیوں کی طرف موڑنے اور اس میں کجی اور ٹیڑھا پن تلاش کرنے سے جہاں دوسرے سادہ لوح لوگوں کی ضلالت و گمراہی کا سامان کیا، وہیں یہ خود بھی شاہراہ صدق و صواب سے بہک اور بھٹک کر دور کی گمراہی میں جا پڑے۔ اور حق و ہدایت کی روشنی سے یہ لوگ اس قدر دور اور محروم ہو گئے کہ راہِ حق و صواب کی طرف ان کی واپسی بھی بہت دور کی بات ہو گئی۔ اور ایسے لوگ ﴿اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ﴾ کا مصداق بن گئے - یعنی یہ لوگ دور کی گمراہی میں پڑے دبکیاں کھا رہے ہیں جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔

بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ

کر بیان کرے ان کے لئے (پیغامِ حق وہدایت کو) ۱۱ پھر اللہ جسے چاہتا ہے ڈال دیتا ہے گمراہی میں ۱۲ اور جسے چاہتا ہے نواز

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ

دیتا ہے (نورِ حق و) ہدایت سے، اور وہی ہے غالب، اور نہایت ہی حکمت والا۔ اور بلاشبہ (اس سے پہلے) موسیٰ کو بھی

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ

ہم بھیج چکے ہیں (رسول بنا کر) اپنی آیتوں کے ساتھ، کہ نکال لاؤ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف، اور (یہ کہ)

۱۱ ہر رسول کی بعثت اسکی اپنی قوم کی زبان میں :- سو ہر رسول کی بعثت اسکی اپنی قومی زبان ہی میں ہوئی۔ تاکہ وہ ان لوگوں کے سامنے حق کو پوری طرح واضح کر سکے۔ اور انکو انکی اپنی زبان میں سمجھا سکے۔ تاکہ اس طرح ان کو اسے سمجھنا اور یاد کرنا آسان ہو جائے۔ سو عقل ونقل اور فطرتِ سلیمہ کے اسی تقاضے اور معروف اسلوب ودستور کے مطابق ہم نے آپ کو بھی اے پیغمبر! یہ پیغامِ حق وصداقت عربی زبان میں دیا۔ تاکہ یہ لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ کر اپنا سکیں کہ اس کے اولین مخاطب تو بہرحال یہی لوگ ہیں۔ سو اس پر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی ہی حماقت اور سفاہت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ ورنہ یہ طریقہ عقل ونقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ آپ اگر ان کو یہ پیغام کسی اور زبان میں سناتے تو اس صورت میں یہ لوگ یوں اعتراض کرتے کہ یہ کیسا رسول ہے اور کیسی وحی ہے۔ اسکی آیتوں کو ہمارے سامنے کھول کر کیوں نہیں بیان کیا گیا۔ یہ کیسے درست اور معقول ہوسکتا ہے کہ پیغمبر تو عربی ہو اور اسکا پیغام عجمی زبان میں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کے اس اعتراض کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ﴾۔ الاٰیۃ (حٰمٓ السجدۃ: ۴۴)۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۱۲ طلب صادق ایمان سے سرفرازی کی شرطِ اول سو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ اسکی اپنی بدباطنی اور خباثتِ طبع کی بناء پر۔ ورنہ اس واہبِ مطلق۔ جل وعلا۔ کی طرف سے کسی کے لئے بھی محرومی نہیں بلکہ عطاء ہی عطاء اور نوازنا ہی نوازنا ہے۔ مگر جو بدنصیب خود ہی منہ موڑ لیں ان کو خواہ مخواہ اور زور زبردستی سے ہدایت سے نہیں نوازا جا سکتا۔ ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾۔ (ھود: ۲۸)۔ کیونکہ اصول وضابطہ کے مطابق کسی بھی نعمت سے بہرہ مندی وسرفرازی کیلئے طلبِ صادق کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ تو پھر حق وہدایت کی نعمت جو کہ سب سے بڑی نعمت اور عظیم الشان دولت ہے اس سے سرفرازی طلب صادق کے فقدان کے باوجود کس طرح ممکن ہوسکتی ہے؟ پس جو لوگ طلبِ صادق کے اس جوہر سے محروم ہوتے ہیں وہ حق وہدایت کے نور سے محروم رہتے ہیں۔ سو یہی مطلب ہے اس ارشادِ ربانی کا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ پس نورِ حق وہدایت سے سرفرازی کے لیے طلبِ صادق اولین شرط اور پہلی بنیاد ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔

اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

انہیں یاد دلاؤ اللہ کے (وہ عہد ساز) دن ۱۳ (جن میں بڑے عبرت انگیز واقعات رونما ہوئے) بے شک اس میں بڑی

لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ

نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لئے جو ہمیشہ (زندگی بھر) صبر اور شکر ہی سے کام لینے والا ہو، اور (وہ وقت بھی یاد کرو کہ)

اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ

جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ یاد کرو تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو جو اس نے فرمائے ہیں تم پر، جب کہ اس نے تم کو نجات

فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ

دی فرعون والوں (کے ظلم و ستم) سے ۱۴ جو کہ چکھارہے تھے تم کو طرح طرح کے برے عذاب، اور وہ چن چن کر ذبح کر رہے تھے

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

تمہارے بیٹوں کو، اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو، اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے پروردگار کی طرف

رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ۧ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ

سے، اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب تمہارے رب نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم لوگ شکر کرو گے ۱۵ تو میں تمہیں اور زیادہ

۱۳ ایام اللہ کی تذکیر و یاددہانی کا حکم و ارشاد:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ یاددہانی کراؤ لوگوں کو اللہ کے (عہد ساز) دنوں کی تاکہ اس سے یہ لوگ سبق سیکھیں اور عبرت پکڑیں ۔ اور "تذکیر بایام اللہ" کا یہ کام حسب ضرورت و موقع ہمیشہ کرنے کا ہے نہ کہ کسی خاص وقت اور خاص طریقہ کی تعیین کے ساتھ۔ کہ کسی خاص طریقہ اور دن کی تعیین جب شریعت کی طرف سے نہیں کی گئی تو از خود ایسا کرنا بدعت اور احداث فی الدین ہوگا جو کہ نصوصِ صریحہ کے مطابق باطل و مردود ہے۔ پس اہل بدعت کے تحریف پسندوں کا اس سے اپنے یہاں کی مروجہ بدعات کے لئے دلیل کشید کرنا ان کی تحریفانہ ذہنیت کی عکاس اور آئینہ دار ایک نرالی منطق ہے۔ جو خیر القرون اور ان کے اتباع اور ثقہ اہلِ علم میں سے کسی کو بھی نہ سوجھی۔ نصوصِ قرآن و سنت اور فقہِ اسلامی اور خاص کر فقہ حنفی میں جس کے ماننے کے ایسے لوگ خود بھی دعویدار ہیں اس میں ایسی بدعات کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ ذکر و تذکرہ۔ اس کے باوجود ان کو تفسیر کے نام سے قرآنِ حکیم کے حواشی پر ثبت کر دینا کتنا بڑا ظلم اور کس قدر دیدہ دلیری اور سینہ زوری ہے۔ چنانچہ ان کے یہ تحریف پسند لکھتے ہیں کہ جن دنوں کو اللہ کے پیاروں سے کوئی خاص نسبت ہو وہ اللہ کے دن بن جاتے ہیں۔ اور پھر اس سے آگے یہ صاحب خود بھی لکھتے ہیں کہ یہاں ایام اللہ سے مراد یا تو قومِ عاد و ثمود پر عذاب آنے کی تاریخیں ہیں یا بنی اسرائیل پر من و سلویٰ اترنے کی اور فرعون کے غرق ہونے کی۔ اب بدعت کے مارے

ان صاحب سے کوئی پوچھے کہ کیا عاد وثمود اور فرعون بھی اللہ کے پیارے تھے؟ سو یہ ایک نمونہ ہے بدعت کی اس ظلمت ونحوست کا جس سے حق سے انحراف کرنے کے بعد اہلِ بدعت دوچار ہوتے ہیں۔ اور وہ ایسی ایسی لغویات ہانک دیتے ہیں۔ اور ان کو یہ بھی نظر نہیں آتا کہ یہ کیا لکھ رہے ہیں اور یہ کہاں سے بھٹک کر کہاں پہنچ رہے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۱۴ حضرتِ موسیٰ کی اپنی قوم کو اللہ کی نعمتوں کی تذکیر و یاد دہانی: سو آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ یاد کرو اللہ تعالیٰ کے ان انعامات اور احسانات کو جو اس نے تم پر فرمائے۔ خاص کر اس کے اس احسان کو کہ اس نے تم کو فرعون اور اس کے مظالم سے نجات بخشی۔ تاکہ اس طرح تم اس کا شکر ادا کرسکو۔ اسی لئے یہود اسکے شکریئے میں دسویں محرم کا روزہ رکھتے تھے اور آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو جب یہ بات یہودِ مدینہ سے پوچھنے پر معلوم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ موسیٰ کے اصل حقدار تو تم سے زیادہ ہم ہیں۔ اس لئے شکرانے کا یہ روزہ ہم بھی رکھیں گے "نَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰى مِنْكُمْ" البتہ اس بات کے پیش نظر کہ اس سے یہود کی اقتداء اور مشابہت لازم نہ آجائے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم اس کے ساتھ ایک دن کا روزہ اور رکھیں گے۔ یعنی دسویں کے ساتھ نویں یا گیارہویں کا بھی۔ تاکہ حقِ شکر کی ادائیگی بھی ہو جائے اور یہودِ بے بہبود سے مشابہت بھی لازم نہ آئے۔ بہرکیف شکرِ نعمت ایک مطلوب ومحمود امر ہے۔ اور اس سے نعمت میں خیر وبرکت آتی اور اضافہ و بڑھوتری نصیب ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ اور اس کے برعکس کفرانِ نعمت باعثِ وبال ومحرومی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ گناہ کے ارتکاب سے انسان روزی سے محروم ہو جاتا ہے "اِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُه" (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اور شکرِ نعمت کا طریقہ اللہ پاک کی عبادت وبندگی اور اس کی طرف رجوع ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور عبادت وبندگی کا کوئی طریقہ از خود مقرر کرنا جائز نہیں۔ جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور کرنا ہے۔ بلکہ اس میں ضرورت ہے اِتباع کی۔ کہ بدعت "اِحْدَاثٌ فِي الدِّيْن" ہے جو کہ نصوصِ صریحہ کی رو سے باطل ومردود ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور عبادات قیاس سے ثابت نہیں ہوتیں جس طرح کہ اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں نے اس موقع پر کہا ہے۔ بلکہ ان کے لئے دلیلِ شرعی سے ثبوت درکار ہوتا ہے جو قرآن وحدیث سے ہی مل سکتی ہے۔ یا پھر اجتہادی مسائل میں فقہِ اسلامی سے جو کہ قرآن وسنت کے مآخذِ اصلیہ ہی سے ماخوذ ومستنبط ہے۔

۱۵ شکرِ نعمت اور اس کی صورتیں: سو شکرِ نعمت ایک اہم مطلوب ہے جس میں سب سے پہلا درجہ اقرارِ نعمت کا ہے۔ اس طرح کہ دل میں بھی اس کا احساس ویقین ہو اور زبان وبیان سے بھی اس کا اقرار واظہار کہ یہ نعمت اللہ ہی کی عطاء فرمودہ اور صرف اسی کی بخشی ہوئی ہے۔ اور پھر اس نعمت کو صرف وخرچ بھی اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کے لئے اور اس کی ہدایت وتعلیم کے مطابق کرے۔ یہ سب شکرِ نعمت میں داخل ہے۔ سو شکرِ نعمت بذاتِ خود ایک عظیم الشان نعمت ہے کہ اس سے نعمتوں میں برکت نصیب ہوتی ہے اور انکی حفاظت ہوتی اور انکو بقاء ملتی اور دوام نصیب ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی نعمت ایمان وہدایت کی نعمت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز وبہرہ ور کرتی ہے۔ اللہ اپنے فضل وکرم سے اپنی بخشی ہوئی ہدایت وایمان کی اس عظیم الشان وبے مثال نعمت اور اسکے علاوہ دوسری ان نعمتوں کے شکر کی توفیق بخشے جن کا احاطہ وادراک بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ فلک الحمد والشکر یا ربی حتی ترضی ولک الحمد والشکر بعد ما ترضی والیٰ ان نتشرف برؤیتک ولقائک۔

لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَ

نوازوں گا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو (پھر) میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے ۱۶ اور موسیٰ نے (اپنی قوم کو) یہ بھی بتادیا کہ اگر تم

قَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

نے کفر کیا اور (تم ہی نہیں بلکہ اگر) تمہارے ساتھ روئے زمین کے سب لوگ بھی کفر کرلیں (والعیاذ باللہ العظیم،) تو بے

جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا

شک (اس میں اللہ تعالیٰ کا ذرہ برابر کوئی نقصان نہیں کہ یقیناً) اللہ بڑا ہی بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے ۱۷ کیا

مع الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ

تمہیں (اے منکرو!) نہیں پہنچے حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے؟ یعنی قوم نوح، عاد، ثمود، اور ان کے

وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

جو ان سے بھی پہلے گزر چکے ہیں، جن (کی صحیح تعداد اور پورے حالات) کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے ۱۸ ان کے پاس

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ

آئے ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر، مگر انہوں نے اپنے ہاتھ دے دیئے ان کے مونہوں میں ۱۹ اور صاف کہہ

۱۶ کفران نعمت باعث وبال ونکال - والعیاذُ باللہ: - پس کفرانِ نعمت اور ناشکری تمہارے لیے وبال ونکال کا باعث بنے گی۔ سو اس طرح ناشکری اور کفرانِ نعمت کا نقصان خود تم ہی کو پہنچے گا اور اس کا بھگتان تم ہی کو بھگتنا ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور کفرانِ نعمت نعمتِ خداوندی کے جحود وکتمان سے بھی ہوتا ہے اور کفر ومعصیت کے ارتکاب سے بھی۔ (ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بہرکیف کفرانِ نعمت کا نتیجہ وانجام بہت برا ہے۔ اور یہ چیز انسان کے لیے بڑے وبال ونکال کا باعث اور ذریعہ بن جاتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف۔

۱۷ اللہ بڑا ہی بے نیاز اور تعریفوں والا ہے: - پس اس کو نہ کسی کی کسی طرح کی تعریف وتوصیف کی ضرورت ہے نہ مدح وثناء کی - سبحانہ وتعالیٰ - بلکہ اس حمیدِ مطلق - جل وعلا - کی مدح سرائی خود انسان کے اپنے ہی بھلے کے لئے ہے اور یہ اس غنیِ مطلق کا حق بھی ہے جو اس کے بندوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ دل وجان سے اس وہابِ مطلق کی یادِ دلشاد سے سرشار اور اسکی حمد وثنا میں مشغول ورطب اللسان رہیں - سبحانہ وتعالیٰ - جس کے احسانات میں ان کے جسم وجاں کا رواں رواں ڈوبا ہوا ہے۔ کہ اس میں اپنے خالق ومالک کے حق کی ادائیگی کے علاوہ خود بندوں کا اپنا ہی بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیا کی

اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید جل وعلا شانہ۔ وھوالھادی الی سواء السبیل، وبیدہ ازمۃ التوفیق۔ سبحانہٗ وتعالیٰ،

۱۸ **عالم غیب اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے:**۔ سو ان قوموں اور انکے رسولوں کا علم اللہ ہی کو ہے کہ عالم الغیب وہی اور صرف وہی وحدہ لاشریک ہے۔ نفی اور اثبات کے حصر پر مبنی اس ارشادِ خداوندی ﴿لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللّٰهُ﴾ سے اہلِ بدعت کے علمِ غیب کے شرکیہ عقیدے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ مگر برا ہو بدعت پرستی اور اس کی نحوست کا کہ اہلِ بدعت کے ایک بڑے تحریف پسند بغیر کسی سند و دلیل کے اور اس قرآنی ارشاد کے بالکل برعکس اس کے جواب میں یوں گوہر افشانی فرماتے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو تمام انبیاء اور ان کی امتوں کا تفصیلی علم دیا۔ یعنی آیتِ کریمہ میں جو کچھ فرمایا گیا اس کے بالکل برعکس اور ارشادِ خداوندی کا کھلا معارضہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ پھر موصوف نے اپنے اس دعوے کیلئے نہ کسی دلیل کا ذکر فرمایا اور نہ کسی حوالہ وثبوت کا۔ جس کو دیکھ کر انسان حیرت میں ڈوب کر رہ جاتا ہے کہ یہ لوگ کس قدر ہٹ دھرمی اور بے باکی سے اللہ تعالیٰ کی صریح آیات ونصوص کے جواب اور ان کے معارضہ میں اس طرح کی ہرزہ سرائی سے کام لیتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں سے خوفِ خدا ختم ہو گیا؟ اور یہ لوگ اسکی گرفت و پکڑ سے اس درجہ عاری اور نڈر و بے خوف ہو گئے؟ والی اللہ المشتکیٰ وھو المستعان ولا حول ولا قوۃ الا بہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ، ہر حال میں اور ہر اعتبار سے راہِ حق وصواب پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۱۹ **انہوں نے اپنے ہاتھ دے دیئے ان کے مونہوں میں:**۔ یعنی حضراتِ انبیائے کرام کی دعوتِ توحید کو سننے پر ان لوگوں نے ان حضرات کی تکذیب اور ان کی زبان بندی کے لئے اپنے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھ دیئے۔ یا یہ کہ غیظ وغضب میں مبتلا ہو کر ان لوگوں نے اپنے ہاتھ خود اپنے مونہوں میں ڈال دیئے کاٹ کھانے کو۔ یا یہ کہ انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ دیئے حیرت واستعجاب کی بناء پر۔ یا یہ کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے حضراتِ انبیائے کرام کو چپ رہنے کی تلقین کرتے ہوئے اپنے ہاتھ ان کی طرف اٹھائے وغیرہ۔ یہ مختلف مطلب اس ارشادِ ربانی کے حضراتِ مفسرینِ کرام نے بیان فرمائے ہیں۔ اور الفاظ وکلمات کے عموم میں ان سب ہی کے مراد لئے جانے کی گنجائش موجود ہے۔ والعلم عند اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (ابنِ جریر، قرطبی، ابنِ کثیر، معارف، کشاف اور محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے اس عناد اور ہٹ دھرمی کا پتہ چلتا ہے اور اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جس سے اہلِ باطل نے حضراتِ انبیائے کرام کے مقابلے میں کام لیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اس میں ایک طرف تو اہلِ حق اور خاص کر دعاۃِ حق کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ اہلِ فکرو باطل سے آج ان کو جس دکھ اور دلآزار سلوک سے واسطہ پڑ رہا ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ بلکہ اس سے پہلے بھی ایسے ہی ہوتا آیا ہے۔ یہاں تک کہ حضراتِ انبیائے کرام کی قدسی صفات ہستیوں سے بھی یہی کچھ ہوتا آیا ہے۔ اور دوسری طرف اس میں منکرین ومکذبین کے لیے تنبیہ وتہدید بھی ہے کہ اگر تم لوگ تکذیب وانکار کی اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو آخر کار تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو اس سے پہلے کے منکرین ومکذبین کا ہو چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لیے ایک اور یکساں و بے لاگ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا ہی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین،

اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا

دیا کہ ہم اس دین کو کسی طور پر بھی ماننے کے لئے تیار نہیں جس کے ساتھ تم کو بھیجا گیا ہے، اور بلاشبہ ہم اس چیز کے

لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۹ قَالَتْ الثلٰثۃ

بارے میں ایک بڑے ہی خلجان آمیز ۲۰ شک میں پڑے ہوئے ہیں جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، ان کے رسولوں

رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں شک ہے اس اللہ کے بارے میں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین (کی اس عظیم الشان

يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى

کائنات) کا؟ اور وہ تمہیں بلاتا بھی اس لئے ہے کہ تاکہ بخشش فرما دے تمہارے گناہوں کی اور تمہیں مہلت سے نواز دے ایک

اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ

مقررہ مدت تک؟ ۲۱ ان لوگوں نے (بطورِ تعجب واستنکار) کہا کہ تم تو ہم ہی جیسے بشر (اور انسان) ہو (پھر تمہیں ہم نبی کیسے مان لیں)؟ ۲۲

۲۰ دعوتِ حق سے اِعراض و روگردانی کا نتیجہ قلق و اضطراب :- سو ان لوگوں نے پیغمبروں سے کہا کہ ہم یقیناً تمہاری دعوت کی بناء پر سخت اضطراب انگیز شک میں پڑے ہیں۔ اور یہ دعوتِ حق کی ایک خصوصیت اور اس کی امتیازی شان ہے کہ اس کا انکار کرنے اور اس سے منہ موڑنے والوں کا سکون و اطمینان غارت ہو جاتا ہے۔ اور ایک ایسا کانٹا ان کے دلوں میں لگ جاتا ہے جو برابر انہیں چبھتا رہتا ہے۔ اور اس طرح یہ لوگ ایک داخلی کرب اور قلبی قلق و اضطراب کے نقد عذاب میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ حق سے محرومی کا اصل عذاب آخرت میں ہوگا جو کہ بڑا سخت، انتہائی کربناک اور رسوا کن ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مقامات پر فرمایا گیا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ نیز فرمایا گیا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ﴾ نیز فرمایا گیا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى﴾ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- جبکہ اس کے برعکس دعوتِ حق کو قبول کرنے اور اس کے مطابق ذکر و یادِ خداوندی میں مصروف ہو جانے سے دلوں کو سکون و اطمینان کی وہ عظیم الشان اور بے مثال دولت نصیب ہوتی ہے جو دنیا کے کسی بازار اور منڈی میں نہیں مل سکتی۔ اور جس کے لیے دنیا ماری ماری پھرتی اور طرح طرح کے جتن کرتی ہے۔ وہ ایمان والوں کو مفت اور اس قدر ارزانی اور سہولت سے ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿الا بذكر الله تطمئن القلوب﴾ (الرعد: ۲۸)۔ یعنی آگاہ رہو اے لوگو! کہ اللہ کے ذکر ہی سے اطمینان ملتا ہے دلوں کو۔ و باللہ التوفیق،

۲۱ حق کو قبول کرنے کا فائدہ خود اسکے قبول کرنے والوں کیلئے :- یعنی یہ دعوت سراسر تمہارے ہی بھلے اور فائدے کے لئے ہے۔ تو آخر اس میں حیرت واستعجاب کی کون سی بات ہے؟ جبکہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے خالق و مالک کی

عظمتِ شان اور اس کی وحدانیت مطلقہ کی گواہی دے رہا ہے۔ اور یہ بتا رہا ہے کہ اس کائنات اور اسکی ہر شئی کا مخدوم و مطاع یہ حضرت انسان عبث و بے کار نہیں ہو سکتا۔ تو اس انسان کو اپنے انجام اور مقصدِ زندگی سے آگاہ و باخبر کرنا، تا کہ یہ فرصت عمر کے ضیاع سے قبل اس سے استفادہ کر کے اپنے انجام اور حقیقی کامیابی کے لئے تیاری کر سکے۔ سو یہ تو وہ کرم و احسان ہے اس ربِ رحمٰن کا جس کا کوئی مول نہیں ہو سکتا۔ تو اس پر کوئی تعجب کس طرح روا ہو سکتا ہے؟ تمہاری کھوپڑیوں کو آخر کیا ہو گیا اور اتنی موٹی بات بھی تم لوگوں کو آخر کیوں سمجھ نہیں آ رہی؟ بہر کیف دعوتِ حق کو قبول کرنے کا نفع و فائدہ انکے قبول کرنے والوں ہی کو ہو گا۔ اور اس سے اعراض اور کفر و انکار کا نکال و وبال انکار کرنے والوں کے سر ہو گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور حق و ہدایت کی دعوت دینے والے لوگ انسانیت کے سب سے بڑے محسن اور سچے اور حقیقی خیر خواہ ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جو انسان کو اسکے مقصدِ حیات کی تذکیر و یاددہانی کراتے اور اس کو انسانی شرف و مقام سے آگاہ کرتے ہیں۔ اور اس کو اشرف المخلوقات ہونے کے تقاضوں کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ ورنہ انسان اپنے مقصدِ حیات اور اپنے اصل اور حقیقی نصب العین سے غافل و بے خبر اور لاپرواہ ہو کر "شر البریۃ" یعنی بدترین مخلوق بن کر اسفل السافلین کے ہاویے میں جا گرتا ہے اور ہمیشہ ہمیش کی ہلاکت و تباہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ **من كل زيغ وضلال۔**

۲۲ منکرین کا حضراتِ انبیاء و رسل پر اعتراض کہ تم تو ہم ہی جیسے بشر ہو: - تو پھر تم نبی اور رسول کس طرح ہو سکتے ہو کہ نبوت و بشریت کی دونوں صفتیں یکجا نہیں ہو سکتیں۔ سو یہی غلط فہمی تھی کل کے اس کھلے مشرک کو اور یہی غلط فہمی آج کے جاہل مسلمان کو ہے۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ ان لوگوں نے پیغمبر کی بشریت کو دیکھتے ہوئے ان کی نبوت و رسالت کا انکار کیا۔ جبکہ یہ ان کی نبوت و رسالت پر ایمان کا دعویدار بن کر ان کی بشریت کا انکار کرتا ہے۔ یعنی ان لوگوں نے کہا کہ چونکہ یہ حضرات بشر اور انسان ہیں، لہٰذا ہم ان کو نبی و رسول ماننے کے لئے تیار نہیں۔ جبکہ آج کے ان بہکے بھٹکے لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ ہم ان کو نبی و رسول مانتے ہیں، لہٰذا وہ بشر اور انسان نہیں ہو سکتے۔ جبکہ حق اور حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر بیک وقت بشر بھی ہوتا ہے اور نبی و رسول بھی۔ جیسا کہ کلمۂ شہادت میں ہمیں تعلیم و تلقین فرمایا گیا ہے "وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" سو اس کلمہ شہادت میں ان کی عبدیت و بشریت کا اقرار و اعلان پہلے ہے اور نبوت و رسالت کا بعد میں۔ اور اسی بات کی تصریح آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے خود اس طرح فرمائی "كُنْتُ عَبْدًا قَبْلَ اَنْ اَكُوْنَ رَسُوْلًا" یعنی میں عبد و بشر پہلے تھا اور نبوت و رسالت سے سرفرازی بعد میں نصیب ہوئی" (موطا امام مالک)۔ بہر کیف یہ ایک صاف و صریح حقیقت ہے جو عقل و نقل اور فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اصل اور حقیقت کے اعتبار سے انسان اور بشر ہی ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور شرفِ نبوت و رسالت سے مشرف ہونے کے بعد ان کا درجہ و مرتبہ تمام مخلوق میں سب سے بڑا اور سب سے اونچا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حضرات اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے تو انسان اور بشر ہوتے ہیں لیکن اپنی صفت اور شان کے اعتبار سے نور۔ کیونکہ حق و ہدایت کا معنوی نور جو ظاہری اور حسی نور سے کہیں بڑھ کر عظیم الشان ہوتا ہے وہ دنیا کو انہی نورانی ہستیوں سے ملتا ہے۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان منکرین و مکذبین نے اپنے انبیاء و رسل سے کہا کہ چونکہ تم ہم ہی جیسے بشر ہو۔ اور مزید یہ کہ تم ہمیں ان چیزوں کی پوجا پاٹ سے روکتے ہو جن کی پوجا پاٹ ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے۔ اس لیے ہم تمہیں اللہ کا نبی ماننے اور تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کرنے کے لیے تیار نہیں۔

تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا

تم تو دراصل ہمیں روکنا چاہتے ہو ان چیزوں (کی پوجا پاٹ) سے جن کو پوجتے چلے آئے ہیں ہمارے باپ دادا،

فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن

پس لے آؤ تم ہمارے پاس کوئی کھلی سند ان کے رسولوں نے ان کے جواب میں فرمایا کہ

نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ

بلاشبہ ہم ہیں تو تم ہی جیسے بشر (اور انسان) لیکن (بشریت اور نبوت میں کوئی تضاد نہیں اس لئے) اللہ اپنے بندوں میں سے

مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا

جس پر چاہتا ہے احسان فرما دیتا ہے، ۲۳ اور ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی سند لے آئیں مگر

بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾

اللہ ہی کے اذن سے، ۲۴ اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو ۲۵ (ہر حال میں،)

وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ

اور ہم کیوں اللہ پر بھروسہ نہ کریں جب کہ اسی نے ہمیں (دارین کی سعادتوں کی) راہیں سجھا دیں،

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اور ہم ضرور صبر (و برداشت) ہی سے کام لیتے رہیں گے ان ایذاؤں پر جو تم لوگ ہمیں پہنچا رہے ہو ۲۶ اور اللہ ہی پر بھروسہ

۲۳ حضراتِ انبیاء و رسل کا اعلان کہ ہم تم ہی جیسے بشر ہیں: - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے رسولوں نے ان لوگوں کے اس اعتراض کے جواب میں کہا اور حصر و قصر کے انداز و اسلوب میں ان سے کہا کہ ہم یقیناً اور قطعاً تم ہی لوگوں جیسے بشر اور انسان ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اپنا انعام و احسان فرماتا ہے۔ اور اپنے احسان اور فضل و کرم سے نواز کر وہ جسے چاہتا ہے بڑی شان عطا فرما دیتا ہے۔ سو اسی بناء پر اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں نبوت و رسالت کے شرف سے نواز کر باقی تمام مخلوق پر فوقیت و فضیلت عطاء فرما دی ہے۔ اور ہم جو کچھ تم سے کہہ رہے ہیں وہ اسی وحدہٗ لاشریک کے حکم و ارشاد کے مطابق اور اسی کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ سو کتنی صاف، صریح اور واضح حقیقت ہے جس کو قرآنِ حکیم نے حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - کے اس قولِ صدق اور فرمانِ حق ترجمان سے اس طرح واضح فرما دیا کہ پیغمبر اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے انسان اور بشر ہی ہوتے ہیں۔ مگر اللہ پاک کے انتخاب اور شرفِ نبوت و رسالت سے مشرف ہو جانے کے بعد ان کا مرتبہ و مقام اللہ پاک کی باقی تمام مخلوق میں سب سے بڑا اور سب سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور

اس کو قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ یہاں پر بھی اس کو "اِنْ" نافیہ اور "اِلَّا" استثنائیہ کے کلماتِ حصر و تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ مگر اس کے باوجود اہلِ بدعت ہیں کہ بشریتِ انبیاء کے اس بنیادی عقیدہ کو جو کہ نصوصِ قرآن و سنت میں مصرح اور عقل و نقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اور اس طرح کی آیاتِ کریمہ میں وہ طرح طرح کی تلبیسات اور تحریفات سے کام لینے پر اتر آتے ہیں۔ مثلاً یہاں پر ان کے ایک بڑے تحریف پسند نے ان حضرات کے اس قول کے بارے میں اس طرح ایک نئی منطق بگھاری ہے کہ اچھا یہی مانو کہ ہم واقعی انسان ہیں۔ گویا واقعتاً ایسے نہیں۔ محض مان لینے اور تسلیم کر لینے کی بات ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اب دیکھئے قرآن کیا کہتا ہے اور یہ صاحب کیا کہتے ہیں۔ اور ان کے ایک اور تحریف پسند نے جو بڑھک ماری ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز اور افسوسناک ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ خیال رہے کہ نبی کو بشر یا تو رب نے فرمایا یا خود نبی نے اپنے آپ کو یا کفار نے۔ ان تینوں کے سوا کسی نے انہیں بشر نہیں کہا۔ اب جو انہیں بشر کہہ کر پکارے وہ نہ رب ہے نہ نبی تو لامحالہ بے ایمان ہی ہے" (بلفظہ)۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ دیکھیے کہ کس قدر ظلم، کتنی ہٹ دھرمی اور کیسی تحریف و تلبیس سے کام لیا ہے۔ اہلِ بدعت کے اس ظالم تحریف پسند نے؟ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ خوفِ خدا سے کس قدر عاری، بے فکر اور لاپرواہ ہیں۔ اور حق اور اہلِ حق سے ان کو کس قدر بغض و عداوت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَاِیَّاہُ نَجْعَلُ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِہٖ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔ ایسے لوگوں سے کوئی پوچھے کہ بھلا جس حقیقت نفس الامری کا اعلان و اظہار حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ خود فرمائے اور اس قدر صاف و صریح طور پر اور نفی و اثبات کے کلماتِ حصر کے ساتھ فرمائے۔ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ پوری صراحت و وضاحت اور حصر و تاکید کے ساتھ اس کا اقرار و اعتراف کریں اور جو اتنی جلی اور واضح حقیقت ہو کہ کفار نابکار تک کو اس کے ماننے میں کوئی پس و پیش نہ ہو۔ اس کو بھی جو نہ مانے اور اس کے انکار کے لئے وہ اس حد تک لچر، واہی اور بےہودہ تاویلات و تلبیسات پر اتر آئے، اس سے بڑھ کر احمق، ظالم، ہٹ دھرم اور محرف اور کون ہو سکتا ہے؟ اور تلبیس مزید ملاحظہ ہو کہ اپنے دجل پر پردہ ڈالنے کے لئے کہا کہ جو انہیں بشر کہہ کر پکارے بھلا ایسا بھی کوئی مومن ہو سکتا ہے۔ جو حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ میں سے کسی کو یا بشر اور یا انسان کہہ کر بلاتا پکارتا ہو؟ کبھی اور کہیں ایسا کوئی مسلمان دیکھا یا سنا ہے؟ جو اپنے پیغمبر کو اس طرح پکارتا ہو؟ اور کسی کا عقیدہ و ایمان اس کو اس طرح کے خطاب کو گوارا کر سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو پھر دجالوں کے ایسے دجل و فریب کو کیا کہا جائے جو اس طرح کے خود ساختہ اور خود تراشیدہ ٹوٹکوں کی آڑ لے کر اس طرح کی تلبیسات سے کام لیتے ہیں۔ اور یہاں تک کہ ان کو تفسیر کے نام سے قرآنِ کریم کے حواشی میں درج اور ثبت کر دیں۔ اور کوئی بتائے اور از روئے عدل و انصاف بتائے کہ ایسے خود تراشیدہ ٹوٹکوں کی بناء پر یہ دوسروں کو بے ایمان قرار دینے والے خود کہاں کھڑے ہیں اور کس فتوے کے مستحق ہیں؟ والعیاذ باللّٰہ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ جَلَّ وَعَلَا۔ بہرکیف حضراتِ انبیاء و رسل نے اپنے بارے میں صاف اور صریح طور پر اعلان و اظہار فرما دیا کہ بلاشبہ ہم تم ہی لوگوں کی طرح انسان اور بشر ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں نبوت و رسالت کے شرف سے نواز کر خاص شرف و مرتبہ سے مشرف فرما دیا۔

۲۷ **معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا:** ۔ اس لیے ان حضراتِ انبیاء و رسل نے ان منکرین و مکذبین کے مطالبۂ معجزہ

کے جواب میں فرمایا۔ اور ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی سند لے آئیں مگر اللہ ہی کے اذن سے۔ کہ معاملہ سب کا سب اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ وہ جو چاہے، جب چاہے، جیسے چاہے کرے۔ اور جس کے ہاتھ پر جو چاہے ظاہر فرمائے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ الآیۃ (الرعد: ۳۸)۔ سو معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ پاک ہی کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اور جب معجزہ پیغمبر کے قبضہ اور اختیار میں نہیں ہوتا تو پھر کرامت ولی کے اختیار میں کس طرح ہو سکتی ہے؟ پس اہلِ بدعت نے اس بارے جو طرح طرح کے شرکیہ عقائد گھڑ رکھے ہیں اس سے وہ سب هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جاتے ہیں۔ والحمدللہ۔ بہر کیف حضراتِ انبیاء ورسل نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم لوگ اپنا بھلا چاہتے ہو تو ہماری دعوت قبول کر کے راہِ حق وہدایت کو اپناؤ۔ تاکہ تم لوگوں کو نورِ حق وہدایت سے سرفرازی نصیب ہو سکے۔ رہ گئے اس طرح کے فرمائشی معجزے تو وہ نہ تمہارے اختیار میں ہیں اور نہ ہم نے ان کا کبھی دعوٰی ہی کیا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اذن اور اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔

۲۵ ایمان کا تقاضا! کہ بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہو: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو، کہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ بھروسہ اللہ پر اور صرف اللہ ہی پر ہو۔ مگر افسوس کہ آج کے کلمہ گو مشرک نے اسکے برعکس طرح طرح کے سہارے گھڑ رکھے ہیں اور قسما قسم کی ایسی خودساختہ سرکاریں بنا رکھی ہیں جن پر اس نے تکیہ کر رکھا ہے۔ اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے مختلف ہستیوں کو حاجت روا ومشکل کشا قرار دے کر وہ انہی کو پکارتا اور ان ہی پر اعتماد کرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف حضراتِ انبیاء ورسل نے صاف طور پر اعلان وارشاد فرمایا کہ اللہ ہی پر بھروسہ واعتماد کرنا چاہیئے ایمان والوں کو کہ ایمان ویقین کا تقاضا یہی ہے کہ بھروسہ واعتماد اللہ وحدہٗ لاشریک ہی پر ہو۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس ہم تمہارے اس مطالبے کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کرتے ہیں۔ اگر وہ چاہے گا تو کوئی معجزہ دکھا دے گا اور اگر نہیں چاہے گا تو نہیں دکھائے گا۔ ایمان کا تقاضا اور اہلِ ایمان کی شان یہی ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات اسی کے حوالے کر دیں اور ہر حال میں اسی پر بھروسہ رکھیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال وھو الھادی الی سواء السبیل، وعلیہ نتوکل وبہ نستعین فی آن وحین۔

۲۶ حضراتِ انبیائے کرام کی طرف سے صبر وبرداشت کا اعلان: ۔سو منکرین ومکذبین کے جواب میں حضراتِ انبیائے کرام نے کہا کہ ہم صبر وبرداشت ہی سے کام لیتے رہیں گے تمہاری ایذا رسانیوں پر۔ پس نہ ہم تمہاری ان بے ہودگیوں اور ایذا رسانیوں کا کوئی جواب دیں گے اور نہ ہی جادۂ حق واستقامت کو ترک کریں گے۔ سو یہ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے صدق واخلاص اور ان کے استقلال واستقامت اور للّٰہیت کے اعلیٰ مدارج ودرجات کا ایک واضح نمونہ ہے کہ معاندین ومنکرین کی طرف سے ایسے معاندانہ اور اذیت رساں سلوک کے جواب میں بھی نہ کسی انتقام کا کوئی ذکر اور نہ کسی اشتعال اور جذباتیت کا کوئی پہلو ہے۔ بلکہ صبر وبرداشت ہی کا اعلان وارشاد ہے۔ سو یہ انہی قدسی صفت حضرات کی شان ہو سکتی ہے جو سراپا صدق واخلاص ہوتے ہیں۔ اور ان میں کسی ذاتی غرض یا مفاد کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا۔ سو ان حضرات نے منکرین ومکذبین کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہمارا عزم وارادہ یہی ہے کہ ہم راہِ حق وہدایت پر ثابت قدم رہیں اور اس راہ میں تمہاری طرف سے جو بھی ابتلائیں پہنچیں گی ان پر ہم صبر وبرداشت ہی سے کام لیں گے۔ اور اس سب میں ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی وحدہٗ لاشریک پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

ع ۱۴

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ

کرنا چاہیئے (ہر حال میں،) بھروسہ کرنے والوں کو، مگر (اس سب کے باوجود) ان کافروں نے اپنے

لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط فَاَوْحٰٓي

رسولوں کو آخری جواب یہی دیا کہ یا تو تمہیں ہمارے مذہب میں واپس آنا ہوگا ۲۷ یا ہم تمہیں نکال باہر کریں گے اپنی

اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ

سرزمین سے ۲۸ تب ان کے رب نے ان پر وحی بھیج (کر انہیں تسلی) دی کہ (یہ بے چارے تمہیں کیا نکالیں گے) ہم ضرور

الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ط ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ

بالضرور ان ظالموں کو ہلاک کر (کے ان کا تیا پانچا کر) دیں گے ۲۹ اور اس سرزمین میں ان کے بعد ہم تم ہی کو آباد کر دیں گے یہ

خَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ

(وعدہ اور انعام) ہر اس شخص کے لئے ہے جو ڈرتا ہو میرے حضور جواب دہی سے اور جو ڈرتا ہو میری وعید سے ۳۰ انہوں نے فیصلہ چاہا تھا

۲۷ "یا تم واپس لوٹ آؤ ہمارے مذہب میں" کا مطلب؟ - اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرات انبیائے کرام اس سے پہلے ان لوگوں کے دین و مذہب پر تھے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - وہ تو شرک اور کفر و شرک کے ہر شائبہ سے ہمیشہ پاک و صاف رہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعلانِ حق سے قبل چونکہ یہ حضرات ایک طرح کے سکوت اور خاموشی کی زندگی گزارتے ہیں، تو اس سے اہلِ باطل کو خود یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ حضرات اس سے پہلے ان ہی کے دین پر تھے۔ اس لئے ان کا کہنا ہوتا ہے کہ ہمارے دین میں واپس آ جاؤ ورنہ حضراتِ انبیائے کرام کفر و شرک کی نجاستوں سے ہمیشہ پاک اور ہر طرح سے معصوم ہوتے ہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نبوت و رسالت کے شرف سے مشرف ہونے سے پہلے بھی کفر و شرک کے ہر شائبہ سے پاک اور بری ہوتے ہیں - علیہم الصلوٰۃ والسلام - بہر کیف ہر پیغمبر کی زندگی میں بالآخر یہ مرحلہ بھی پیش آیا ہے کہ اسکی قوم کے ان متکبروں اور منکروں نے ان کو صاف طور پر یہ نوٹس دے دیا کہ تم ہماری ملت میں واپس آ جاؤ ورنہ یاد رکھو کہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال باہر کریں گے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب ان بدبختوں سے کسی خیر کی کوئی توقع نہیں۔ اب یہ اس قابل ہیں کہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہیں۔ سو آخرِ کار ان کو دھر لیا جاتا ہے - اور اس طرح وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -

۲۸ کفار کی طرف سے حضراتِ انبیائے کرام کو ملک بدری کی دھمکی: - سو آخرِ کار کفار و اشرار کی طرف سے

حضرات انبیائے کرام کو اپنے ملک سے نکال دینے کی دھمکی دی گئی۔ اور یہی طریقہ و وطیرہ ہوتا ہے اہلِ باطل کا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ جب یہ لوگ حجت و برہان کے میدان میں عاجز و بے بس ہو جاتے ہیں تو اس طرح کی دھمکیوں اور گیدڑ بھبکیوں پر اتر آتے ہیں۔ اور طاقت کے استعمال اور ظلم کی دھمکیاں دینے لگتے ہیں۔ سو اس سے ایک بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں کفر و شرک وغیرہ باطل کی کسی بھی شکل کی جڑیں پکی ہو جاتی ہیں ان کا ان کے دلوں سے نکلنا اور ایسے لوگوں کا کفر کی ظلمت سے رہائی پانا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرات انبیائے کرام کی آواز بھی وہاں بے اثر ہو جاتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور دوسری حقیقت اس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ السلام۔ مختارِ کل نہیں ہوتے۔ جس طرح کہ اہلِ بدعت وغیرہ کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ ان کی امتیں اس طرح اپنے کفر و باطل پر اڑی اور ڈٹی نہ رہتیں۔ اور وہ اپنے رسولوں کو اس طرح کی دھمکیاں نہ دیتیں۔ اور جب حضراتِ انبیائے کرام بھی حاجت روا و مشکل کشا اور مختارِ کل نہیں بلکہ وہ سب بھی اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت و عنایت کے محتاج ہوتے ہیں تو پھر ان کے بعد کے کسی شخص کے اور انکی امت میں کے کسی فرد اور کسی پیر فقیر کے مشکل کشا اور حاجت روا ہونے کا کیا سوال ہو سکتا ہے؟۔ سو ایسا ہر عقیدہ و خیال بے بنیاد اور ضلالت و گمراہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۲۹ ظلم کا نتیجہ ہلاکت و تباہی۔ والعیاذُ باللہ: ۔سو اس مرحلے پر حضراتِ انبیاء و رسل کو بذریعہ وحی تسلی دی گئی کہ ہم ضرور ہلاک کر دیں گے ان ظالموں کو۔ ان کے اپنے ہی اختیار کردہ کفر و انکار اور ظلم و عدوان کی بناء پر۔ پس ظلم و عدوان کا نتیجہ و انجام بہرحال تباہی اور بربادی ہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو لوگوں کو یہ بات سمجھ آئے یا نہ آئے اور وہ اس حقیقت کو تسلیم کریں یا نہ کریں۔ حق اور حقیقت بہرحال یہی اور صرف یہی ہے کہ ظالموں کو جتنی بھی ڈھیل اور مہلت ملے ان کا آخری انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بہرکیف جب منکرین و مکذبین کی طرف سے تکذیب و انکار کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضراتِ انبیائے کرام کو بذریعہ وحی یہ بشارت دی گئی کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کی جگہ تمہیں اس زمین میں آباد کریں گے کہ اپنی کائنات کے مالک ہم ہی ہیں۔

۳۰ خوف و خشیت خداوندی اِصلاحِ اَحوال کی اصل اساس و بنیاد: ۔سو خوف و خشیتِ خداوندی اصلاحِ اَحوال کی اصل اساس و بنیاد ہے۔ پس یہ وعدہ کسی فرد، قوم یا علاقہ اور رنگ و نسل اور کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ سب کے لئے عام ہے۔ اور اس کے استحقاق کی اساس و بنیاد خوف و خشیت خداوندی ہے کہ یہی وہ سب سے اہم اور بنیادی عنصر ہے جس سے انسانی زندگی بنتی اور سنورتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ فَخُذْ نَا بِنَوَاصِيْنَآ اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ ۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے یہ حقیقت واضح اور آشکارا ہو جاتی ہے کہ خوف و خشیتِ خداوندی اِصلاحِ اَحوال کی اصل اساس و بنیاد ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اور رسولوں کو دی گئی اس بشارت میں چونکہ ان کے پیروکار بھی شامل ہیں اس لیے ان کے لیے اس میں تنبیہ و تلقین ہے کہ وہ راہِ حق و ہدایت میں صبر و برداشت اور عزم و استقامت سے کام لیں۔ اور مخالفین سے ڈر کر کہیں خوفِ خدا کو نظر انداز نہ کر دیں۔ کہ راہِ حق و صواب پر صبر و استقامت ہی وسیلۂ نجات و سرفرازی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی مایحب ویرید' بکل حال من الاحوال۔

عَنِيدٍ ﴿١٥﴾ مِّن وَرَآئِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِن مَّآءٍ

اور (وہ ہو گیا کہ) ناکام ونامراد ہو گیا ہر بڑا سرکش ضدی وا۳۱ اس (دنیوی عذاب) کے آگے اس کے لئے جہنم ہے جہاں اسے پیپ لہو (کا پانی)

صَدِيدٍ ﴿١٦﴾ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ

پینے کو دیا جائے گا ف۳۲ جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے (مجبوراً) پئے گا، اور وہ ایسا نہیں ہوگا کہ آسانی سے اتر ۳۳ جائے اور اسے ہر

الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِن

طرف سے موت آتی دکھائی دے رہی ہوگی، پر وہ مرنے بھی نہ پائے گا، اور اس کے

وَرَآئِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿١٧﴾ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا

آگے ایک بڑا سخت عذاب ہوگا ف۳۴ مثال ان لوگوں (کے حال ومآل) کی جنہوں نے

۳۱ اور انہوں نے فیصلہ چاہا: - یعنی نبیوں نے اپنی قوموں اور امتوں کے خلاف جبکہ وہ ان کی ہدایت سے مایوس ہو گئے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ﴾ (الاعراف: ۸۹)۔ نیز قوموں نے اپنے پیغمبروں کے خلاف کہ وہ لوگ کفر وضلال پر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کے اس قول وقرار کو اس طرح بیان فرمایا گیا ﴿اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (الانفال: ۳۲)۔ سو ﴿استفتحوا﴾ کی ضمیر فاعل کا مرجع حضرات انبیائے کرام بھی ہیں اور کفار ومشرکین بھی۔ ان سب ہی نے اللہ سے فیصلے کی دعاء ودرخواست کی تھی کہ حق واضح ہو جائے۔ سو وہ ہو گیا۔ حضراتِ انبیائے کرام کی صداقت وحقانیت ان کے دشمنوں کے مقابلے میں واضح ہو گئی اور حق روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آ گیا۔ بہر کیف اس ضمیر کا مرجع دونوں ہیں یعنی حضراتِ انبیاء ورسل بھی اور ان کے معاندین ومنکرین بھی۔ اور معنی ومفہوم دونوں ہی صورتوں میں صحیح اور درست ہے۔ (المراغی، المحاسن اور المعارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔

۳۲ اور اس کے آگے ان کیلئے جہنم ہے: - یعنی صرف یہی نہیں کہ دنیاوی عذاب ہوا اور بس جان چھوٹ گئی۔ نہیں بلکہ دنیا کے اس چھوٹے عذاب کے بعد اصل اور بڑا عذاب آخرت کا وہ عذاب ہے جس میں انہوں نے ہمیشہ کے لئے رہنا ہے اپنے کفر وعناد کی پاداش میں ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اور وہ اتنا بڑا اور اس قدر ہولناک عذاب ہوگا کہ اس کے سامنے دنیا کا یہ عذاب نہ ہونے کے برابر ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ﴾ نیز فرمایا گیا ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ﴾ نیز فرمایا گیا ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ﴾ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا ۔ سو کفار ومنکرین کیلئے حقیقی عذاب جو کہ کفر وانکار کا اصل اور بھرپور بدلہ ہوگا وہ آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں ہی میں ہوگا جو کہ بدلے اور جزاء کا جہاں ہے۔ سو حق کی تکذیب اور انکار کرنے والے ایسے سرکشوں کا اصل عذاب آخرت ہی میں ہوگا۔ اور وہ

دائمی اور ایسا ہولناک عذاب ہوگا کہ اس دنیا میں اس کا تصور کرنا بھی کسی کے لیے ممکن نہیں۔ سو جن کفار و منکرین کا انجام یہ ہونے والا ہے ان کو اگر دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں دنیا بھر کی دولت بھی مل جائے تو بھی انکو کیا ملا کہ ان کا انجام تو یہ ہونے والا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۳۳ **منکرین کے عذاب کے بعض ہولناک پہلوؤں کا ذکر و بیان:** وہاں پر پینے کے لیے پیپ اور کچ لہو کا پانی دیا جائے گا جس کو کوئی پی نہ سکے گا۔ مگر ان کو اسے (مجبوراً) گھونٹ گھونٹ کر کے پینا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ کہ وہ کوئی پینے کی چیز نہ ہوگی بلکہ وہ نہایت گندی اور بدبودار شئی ہوگی۔ اور ان کو اگر وہاں پانی بھی پینے کو ملے گا تو وہ بھی ایسا گرم اور اس قدر سخت ہولناک اور کھولتا ہوا ہوگا کہ سامنے آتے ہی چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ (الکہف:۲۹)۔ اور جب اس کو وہ لوگ پی لیں گے تو اندر جا کر وہ ان کی انتڑیوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾ (محمد:۱۵)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ كُلِّ نَوْعٍ مِّنْ اَنْوَاعِ الْعَذَابِ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ سو جس کافر و منکر کا انجام یہ ہونے والا ہے اسکو اگر دنیا بھر کی تمام دولت بھی مل جائے تو بھی اسکو کیا ملا کہ اس کو آخر کار ایسے ہولناک انجام سے دوچار ہونا ہے۔ اور اس کے برعکس جس مومن صادق کو اسکے صدق ایمان و یقین کے نتیجے میں اور اسکی برکت سے دوزخ کے اس ہولناک عذاب سے بچا کر جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز فرما دیا جائے گا وہ کتنا خوش نصیب اور کس قدر نیک بخت ہے۔ اگرچہ دنیا میں اسکو پیٹ بھر کر کھانے کو بھی میسر نہ آیا ہو۔ سو اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہے۔ فالحمد للہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان۔ اللّٰھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور اسکے تقاضے پورے کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۳۴ **ان کو ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی مگر وہ مرنے نہ پائیں گے:** سو یہ اہل دوزخ کیلئے ایک خاص عذاب ہوگا کہ انکو ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی مگر وہ مرنے نہیں پائیں گے کہ اس طرح اس عذاب سے جان چھوٹ جائے کہ کسی عذاب سے بچنے کا آخری درجہ اور طریقہ یہی ہوتا ہے کہ موت آ جائے اور اس سے گلو خلاصی نصیب ہو جائے۔ مگر وہاں پر ایسے بھی نہیں ہوگا۔ بلکہ وہاں انکو ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ والی ہولناک زندگی گزارنا ہوگی۔ سو جس کافر و مشرک اور باطل پرست کا انجام یہ ہوگا اس کو دنیاوی زندگی کی اس عارضی فرصت میں اگر روئے زمین کی ساری دولت بھی مل جائے تو بھی اسے کیا ملا؟ اور اس سے بڑھ کر محروم اور بدبخت اور کون ہو سکتا ہے؟ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اس کے مقابلے میں جس مومن صادق کو ایمان و یقین کی سچی اور بے مثال و لازوال دولت مل گئی اس سے بڑھ کر خوش نصیب اور کون ہو سکتا ہے اگرچہ دنیاوی زندگی کی اس محدود و مختصر مدت میں اس کو نانِ جویں بھی میسر نہ ہو۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ الْاِيْمَانِ وَالْيَقِيْنِ فَضْلًا مِّنْهُ وَاِحْسَانًا۔ اللہ ایمان و یقین کی اس دولت کو کامل و مکمل فرمائے۔ اس کو سلامت و محفوظ رکھے۔ اور اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ بہرکیف ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان بدبختوں کو وہاں پر ایسے لگے گا جیسے ہر طرف سے موت ان پر پل پڑ رہی ہو مگر ان کو موت آئے گی نہیں۔ کہ اس عذاب سے چھٹکارا پا سکیں۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ ان کے لیے وہاں پر مزید بڑا ہی سخت عذاب ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۣاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ

کفر کیا اپنے رب (مہربان) کے ساتھ، ایسے ہے جیسا کہ راکھ کا ایک ڈھیر ہو جسے اڑا کر رکھ دیا ہو

يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ

تیز ہوا نے، جھکڑ کے ایک دن میں (اسی طرح) یہ لوگ کچھ بھی پھل نہ پا سکیں گے، اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا،

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

یہی ہے گمراہی دور کی ۳۵ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ۳۶ اللہ نے (کس طرح) پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ

زمین (کی اس حکمت بھری کائنات) کو حق کے ساتھ، وہ (قادر مطلق) اگر چاہے تو لے جائے تم سب لوگوں کو، اور لا

يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

بسائے (تمہاری جگہ) ایک نئی مخلوق کو، اور ایسا کر دینا اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں اور (قیامت کے روز جب) سب حاضر

بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ

ہوں گے اللہ کے حضور ایک ساتھ ۳۷ تو اس وقت کمزور (اور تابع) لوگ (حسرت بھرے انداز میں) کہیں گے ان لوگوں سے

۳۵ کفار کے اعمال کی مثال:۔ سو یہ لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی پھل نہ پا سکیں گے، یعنی اپنے ان اعمال کا جن کو وہ دنیاوی زندگی میں نیکی سمجھ کر کیا کرتے تھے کہ یہ کل قیامت میں ہمیں کام آئیں گے، جیسے غریبوں کو کھلانا پلانا، انہیں کپڑے پہنانا' ہسپتال اور سرائے وغیرہ بنانا، وغیرہ وغیرہ' سو یہ سب کچھ وہاں ایسے اڑ کر ختم ہو جائے گا جیسا کہ راکھ کا جمع شدہ ڈھیر سخت جھکڑ اور آندھی سے اڑ کر ختم ہو جاتا ہے، کہ ایمان سے محرومی، اور کفر و شرک کی نحوست کی بناء پر، ان کی ایسی نیکیوں کا کوئی وزن نہیں ہوگا' فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (قرطبی' خازن' صفوۃ التفاسیر' ابوالسعود' محاسن التاویل، وغیرہ) اور جس طرح راکھ کے ڈھیر کو اڑ جانے کے بعد دوبارہ جمع اور اکٹھا کر دینا کسی کے بس اور امکان میں نہیں ہو سکتا، ایسے ہی کفار کو اپنے ان اعمال کا کچھ بھی پھل اور صلہ و بدلہ نہیں مل سکے گا، سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کا دنیا پر یہ کس قدر بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے ان غیبی حقائق کو جو آخرت کے اس غیبی جہاں میں پیش آنے والے ہیں اور جن کو انسان کے لئے دوسرے کسی بھی ذریعہ و وسیلہ سے جاننا ممکن نہیں، قرآن حکیم نے اپنی عنایت و مہربانی سے اسکو اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا تا کہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے قبل اس سے کہ حیات دنیا کی یہ فرصت محدود و مختصر اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور اسکو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑ جائے، والعیاذ باللہ العظیم

۳۶ کیا تم نے دیکھا نہیں کا مطلب؟ اور اہل بدعت کی ایک تحریف کی تردید:۔ یعنی کیا تم غور نہیں کرتے، اور سبق نہیں لیتے، یعنی دیکھنے سے یہاں پر ظاہری آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں، بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے جو کہ عبارت ہے غور وفکر سے یعنی تم سوچو اور غور کرو کہ آسمان وزمین کی یہ حکمت بھری کائنات جس ذات اقدس واعلیٰ نے پیدا فرمائی ہے، وہ کیسی عظمت والی ذات ہے اور اس عظیم مخلوق میں جا بجا پھیلے بکھرے ان عجائب وغرائب اور دلائل قدرت کو دیکھو اور ان میں غور وفکر سے کام لو جو کہ اپنے خالق ومالک کی عظمت اور وحدانیت کی گواہی دے رہے ہیں کیا یہ سب کچھ عبث و بے کار ہو سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، تو پھر مخلوق سے اس کے خالق کی عظمت اور اس کے حق کو پہچانو اور صدق دل سے اس کے آگے جھک جاؤ اور جب آسمان وزمین کی اس حکمت بھری کائنات کی تخلیق وایجاد، اور اسکے تصرف وتدبیر میں کوئی اس وحدہ لاشریک کا شریک وسہیم نہیں، تو پھر اس کی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اس طرح آسمان وزمین کی یہ عظیم الشان کائنات اپنی زبان حال سے حضرت حق جل مجدہ کے وجود باجود کا بھی پتہ دیتی ہے اور اس کی عظمت شان، وحدانیت مطلقہ رحمت عامہ، اور عنایت شاملہ، کا بھی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بعث بعد الموت پر بھی دلالت کرتی ہے بہرکیف اَلَمْ تَرَ میں خطاب عام ہے اور ہر مخاطب کو دعوت فکر دی جا رہی ہے خواہ براہ راست ہو خواہ بالواسطہ یعنی یہ کہ خطاب تو اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، لیکن اصل مقصود و مخاطب آپ کی امت کا ہر ایسا فرد ہے جو خطاب کے لائق ہو اور رؤیت (دیکھنے) سے مراد قلبی رؤیت ہے یعنی سوچنا اور غور وفکر سے کام لینا، سو آیت کریمہ کا یہی مفہوم تمام ثقہ مفسرین کرام نے مراد لیا ہے بطور نمونہ ملاحظہ ہو طبری، قرطبی، ابوالسعو ذروح، جامع، محاسن، خازن، ابن کثیر، فتح القدیر، اور تحریر وتنویر لابن عاشورؒ وغیرہ وغیرہ، پس اس سے اہل بدعت کے بعض تحریف پسندوں کا یہ نتیجہ نکالنا کہ حضور نے ہر چیز کو پیدا ہوتے دیکھا موصوف کی اپنی اختراع اور ایجاد بندہ ہے جو کہ سلف خلف کے جمہور مفسرین کرام میں سے کسی بھی ثقہ مفسر سے ثابت ومنقول نہیں اور موصوف نے اس کا ارتکاب اپنی طبعی افتاد کے مطابق اور اپنے شرکیہ عقائد کی آبیاری کے لئے کیا، واضح رہے کہ اَلَمْ تَرَ کا یہ ارشاد ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الآیۃ) (الانبیاء۔۳۰) نیز جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى (الآیۃ) (الاحقاف۔۳۳) وغیرہ میں ہے (ابن کثیر وغیرہ) سو جس طرح ان آیات کریمہ میں اہل بدعت کی یہ شرکیہ منطق نہیں چل سکتی، اسی طرح زیر بحث اس آیت کریمہ میں بھی اسکی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی، پس ان لوگوں کا اس طرح کہنا تحریف کے زمرے میں آتا ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ

۳۷ قیامت کے روز کفار کا باہم مکالمہ اور ان کے پیشواؤں کا اپنی گمراہی کا اقرار واعتراف:۔ یعنی بَرَزُوْا ماضی مضارع اور مستقبل کے معنی میں ہے، کہ ضعفاء اور مستکبرین کا یہ مکالمہ ومناظرہ ابھی ہوا نہیں بلکہ قیامت میں ہوگا، لیکن چونکہ اس کا وقوع نہایت یقینی اور انتہائی قطعی ہے، اس لئے اس کو ماضی کے صیغے سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور یہ بلاغت کا ایک مشہور ومعروف اسلوب ہے، بَرَزُوْا ''براز'' سے ماخوذ ومشتق ہے اور براز اس کھلے میدان کو کہا جاتا ہے جہاں کوئی چیز کسی کو چھپانے والی موجود نہ ہو، (محاسن التاویل وغیرہ) سو جب پوری مخلوق اپنی قبروں سے نکل کر حشر کے اس کھلے میدان میں جمع ہوگی جس کی کوئی نظیر ومثال اس دنیا میں ممکن ہی نہیں ہو سکتی، تو اس وقت یہ چیلے اپنے بڑوں سے یوں کہیں گے جس کے جواب میں ان کے بڑے اور گرو کہیں گے کہ ہم جب خود ہدایت پر نہیں تھے تو تم کو کیا بتاتے، سو اس طرح وہ اپنی گمراہی کا صاف وصریح طور پر اقرار واعتراف کریں گے،

اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ

جو کہ بڑے بنے ہوئے تھے ۳۸ (دنیا میں، کہ وہاں) ہم تمہارے تابع تھے، تو کیا (آج کے اس مشکل وقت میں) تم اللہ کے

عَنَّا مِنۡ عَذَابِ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ؕ قَالُوۡا لَوۡ هَدٰٮنَا

عذاب سے بچانے کے لئے کچھ بھی ہمارے کام آ سکتے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ نے (بچنے کی) کوئی راہ

اللّٰهُ لَهَدَيۡنٰكُمۡ‌ ؕ سَوَآءٌ عَلَيۡنَاۤ اَجَزِعۡنَاۤ اَمۡ صَبَرۡنَا مَا

ہمیں دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی وہ دکھا دیتے ۳۹ اب تو ہم سب کے لئے برابر ہے کہ خواہ ہم چیخیں چلائیں، یا صبر کریں،

۳۸ استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ محرومی وفساد کی جڑ بنیاد:۔ یعنی وہ بڑے تھے نہیں، بلکہ یونہی بڑے بنے ہوئے تھے اور خواہ مخواہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ اور زعم فاسد میں مبتلا تھے، اور اسی استکبار اور اپنی مزعومہ بڑائی کے گھمنڈ کی بناء پر وہ حق کے آگے جھکنے اور اسکو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے، اور ان کے اتباع اور چیلے بھی انہیں کے ڈگر پر چلتے تھے، سو استکبار و تکبر وہ جڑ بنیاد ہے خرابی و فساد کی جو انسان کو حق و ہدایت کے نور سے محروم کر دیتی ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ بہر کیف ان کفار و منکرین کے وہ گرو جو دنیا میں بڑے بنے ہوئے تھے، اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہونے کے باعث وہ حق بات کو سننے اور ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے تھے، جس کے نتیجے میں وہ نور حق و ہدایت سے محرومی کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہوئے، وہ اس روز اپنے ان پیروکاروں سے جن کو انہوں نے طرح طرح کے دھوکوں اور مغالطوں میں پھنسا کر اپنے پیچھے لگا رکھا تھا، اس روز وہ ان کو یہ ٹکا سا جواب دے کر مایوسی کے ہولناک گڑھے میں ڈال دیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم بھی تمہیں ہدایت دیتے لیکن جب اللہ نے ہمیں گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیا تو ہم تمہیں کیا ہدایت دیتے؟

۳۹ منکرین کا اپنے پیروؤں کو جواب کہ اگر ہم ہدایت پر ہوتے تو تم کو بھی ہدایت دیتے:۔ لیکن جب ہم اپنی بدنصیبی اور بدکرداری کی وجہ سے نور حق و ہدایت سے خود ہی محروم تھے، تو تمہیں کیا راہ دکھاتے، اور اب تمہارے کس طرح کچھ کام آ سکتے ہیں، سو اس میں جہاں ان کی طرف سے اپنی محرومی کا برملا اعلان ہوگا، وہاں اس میں شدید حسرت و ندامت کا اظہار بھی ہوگا، اور ان کے اس جواب سے ان کے ان اتباع واذناب اور چیلوں چانٹوں کی حسرت اور ان کے افسوس میں اور اضافہ ہوگا، سو حضرت حق جل مجدہٗ نے یہ سب کچھ اس دنیا میں پیشگی بتا دیا تا کہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے خبر نہ تھی اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَ نَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ اس کتاب حکیم کو نازل فرما کر رب ذوالجلال نے اپنے بندوں پر کس قدر بڑا، اور کتنا عظیم الشان احسان فرمایا ہے کہ یہ علم اس کتاب برحق کے سوا پوری کائنات میں اور کہیں نہیں مل سکتا فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِیْن بہر کیف قرآن حکیم نے کفار و مشرکین وغیرہ اہل باطل کا میدان حشر کا یہ مکالمہ اور ان کی یہ تو تکار اس صراحت و وضاحت سے بیان فرما دی تا کہ جس نے بچنا ہو بچ جائے ورنہ اپنے اس ہولناک انجام کیلئے تیار ہو جائے، اور کل قیامت کے یوم حساب میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا۔

لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾ ع وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ

ہمارے بچنے کی بہر حال اب کوئی صورت نہیں ۴۰ اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا ۴۱ تو شیطان (اپنے پیروکاروں سے صاف)

الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

کہے گا کہ بے شک اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا بالکل سچا وعدہ ۴۲ اور میں نے تم سے جو (طرح طرح) کے

فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ

وعدے کئے تھے ان میں میں نے تم لوگوں سے قطعی طور پر جھوٹ بولا تھا ۴۳ مگر میرا تم پر کسی طرح کا کوئی زور نہیں تھا ۴۴ سوائے

اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا

اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا، اور تم نے (برضاء ورغبت) میری بات مان لی ۴۵ لہٰذا اب تم مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ

اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ

خود اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، ۴۶ نہ میں تمہاری کوئی فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری، میں

۴۰ **دنیاوی زندگی کی عظمت شان کا ایک خاص پہلو:** ۔ روایات میں ہے کہ دوزخی آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اہل جنت نے اپنے رونے دھونے اور آہ وبکاء سے جنت کی نعمتوں سے سرفرازی حاصل کر لی' تو آؤ ہم بھی ایسے ہی کریں، چنانچہ وہ اس کے لئے خوب روئیں گے، اور چیخیں چلائیں گے، کہ اللہ ہمیں دوزخ کے اس عذاب سے نجات دے دے' پھر کتنا وہ روئیں گے اور کس قدر چیخیں چلائیں گے، اس کا کچھ اندازہ مقاتل کی اس روایت سے کیا جا سکتا ہے جس میں بتایا گیا کہ وہ پانچ سو سال تک روتے رہیں گے، مگر کچھ حاصل نہ ہو سکے گا' پھر کہیں گے کہ اہل جنت نے زندگی بھر، صبر و استقامت سے کام لیا، تو جنت میں داخل ہو گئے' آؤ تو ہم بھی ایسے ہی کریں' پھر وہ پانچ سو برس تک صبر کریں گے، مگر اس سے بھی جب کچھ فائدہ نہ ہو سکے گا' تو اس وقت وہ کہیں گے کہ ہمارے لئے برابر ہے کہ ہم چیخیں چلائیں، یا صبر و برداشت سے کام لیں' ہمارے بچنے اور نجات پانے کی بہر حال اب کوئی صورت نہیں' (طبری' روح' ابن کثیر' زاد المسیر' جامع البیان' صفوۃ التفاسیر اور فتح القدیر وغیرہ وغیرہ) وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ' سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیاوی زندگی کی یہ فرصت جو آج ہمیں نصیب ہے کتنی عظیم دولت ہے' جس سے قدرت نے ہمیں نوازا ہے کہ اس میں ایک لمحہ بھی اللہ کے خوف سے رونا کام دے گا، جب کہ آخرت میں صدہا صد سال کی گریہ وزاری سے بھی کچھ نہیں بن سکے گا' نیز اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنے محروم اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جو دنیاوی زندگی کی اس متاع گرانمایہ کو بے کار اور لایعنی کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں' اور اس سے بڑھ کر یہ کہ متاع عمر کی اس عظیم الشان دولت کو وہ گناہوں اور خدائے پاک کی ناراضگی کے

کاموں میں صرف کرتے ہیں اور وہ بھی اس طور پر ان کو اپنے اس ہولناک خسارے کا شعور و احساس ہی نہیں، وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

۴۱ دوزخ میں شیطان کا خطاب اپنے پیروکاروں سے:۔ جب فیصلہ چکا دیا جائے گا یعنی عملی اور آخری طور پر، کہ جنتی جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہو جائیں گے (جعلنا اللہ منھم) اور دوزخیوں کو دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ میں جھونک دیا جائے گا، جس کا یہاں تصور بھی ممکن نہیں وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم، تو اس وقت شیطان دوزخ میں پڑے اپنے ان اشقیاء اور بد بخت ساتھیوں، دوستوں کو خطاب کر کے یہ زوردار تقریر سنائے گا جس سے ان کے باطن اور بھی جلیں گے، وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم روایات میں وارد ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں شیطان کو کوسیں گے اور اس کو برا بھلا کہیں گے کہ اسی نے ہمیں اس ہولناک انجام سے دوچار کیا تو اس وقت شیطان آگے کے ایک پتھر پر کھڑا ہو کر یہ تقریر کرے گا، (قرطبی، معارف ابن کثیر وغیرہ) سو اس طرح ابلیس کے پیروکاروں کے دلوں پر جو گزرے گی اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۴۲ اللہ کا وعدہ بہر حال سچا سبحانہٗ وتعالیٰ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس اس وقت اپنے پیروکاروں سے کہے گا کہ یقیناً اللہ نے تم سے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے جو وعدہ کیا تھا وہ بالکل سچا وعدہ ہے، کہ نجات ان پر ایمان لانے، ان کی اتباع و پیروی، اور ان ہی کی پیش کردہ تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے میں ہے، اور یہ کہ جنہوں نے صدق و اخلاص کے ساتھ انبیاء و رسل کی پیروی کی ان کیلئے جنت کی سدا بہار نعمتیں ہیں اور جنہوں نے ان کا انکار کیا، اور انکی تعلیمات و ہدایت سے روگردانی اور سرکشی برتی ان کیلئے دوزخ کا عذاب ہے۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ) تو پھر تم لوگوں نے اللہ کے وعدے سے منہ موڑ کر میری پیروی کیوں کی تھی؟

۴۳ ابلیس کا ہر وعدہ قطعی طور پر جھوٹا، والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس اس موقع پر اپنے پیروکاروں کی تذلیل اور تقبیح مزید کیلئے ان سے کہے گا اور صاف و صریح طور پر کہے گا کہ میں نے تم لوگوں سے جھوٹے وعدے کیے تھے۔ کہ یہ آخرت واخرت کچھ نہیں، جنت دوزخ وغیرہ ایسے ہی خیالی اور ہوائی باتیں ہیں، بس یہ دنیا ہی دنیا اور اسی کے مزے ہیں اور بس، چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات، اور اگر بالفرض آخرت اور اس کا حساب کتاب ہوا بھی، تو وہاں بھی کامیابی تمہاری ہی ہوگی کہ تم کو یہ دنیا جو ملی ہوئی ہے اور یہ کہ تمہارے یہ ساختہ پرداختہ طرح طرح کے معبود اور قسما قسم کی سرکاریں تمہارا کام بنانے کیلئے کافی ہیں، پس تم ان کا دامن

تھام لو، کسی کا لڑ پکڑ لو، اور پھر مزے کرو، کسی کی پرواہ مت کرو، وغیرہ وغیرہ وَ الْعِيَاذُ بِاللّٰہِ۔

۲۴ ابلیس کے پیروں کاروں کی ایک اور تذلیل:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس اس موقع پر اپنے پیروکاروں سے مزید کہے گا کہ میرا تم لوگوں پر کسی طرح کا کوئی زور نہیں تھا، نہ حکومت و سلطنت کے اعتبار سے، نہ دلیل و برہان کے لحاظ سے، نہ میرے پاس کوئی فوج تمہیں رام کرنے کیلئے موجود تھی، اور نہ کسی طرح کی کوئی پولیس، بس ایک دعوت اور ترغیب تھی جس سے میں نے کام لیا، اور تم لوگوں نے خود آگے بڑھ کر اس کو اپنایا اور قبول کیا، جبکہ حضرات انبیاء و رسل کی دعوت جو تم لوگوں کو وہ اللہ کی عبادت اور اسکی توحید کیلئے دے رہے تھے، وہ ٹھوس دلائل اور براہین پر مبنی تھی مگر تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کر اور اس سے منہ موڑ کر میری دعوت کو اپنایا، جو تم لوگ حق و صداقت کی دعوت کو قبول کرنے والے تھے ہی نہیں، تم تو اپنی نفسانی خواہشات کے پیرو تھے تو قصور تم لوگوں کا خود اپنا تھا نہ کہ میرا، تو پھر تم مجھے ملامت کیوں اور کیسے کرتے ہو؟

۲۵ ابلیس کے پیروکاروں کے جرم کی نشاندہی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس اپنے پیروکاروں سے اس موقع پر مزید کہے گا کہ تم لوگوں نے برضاء و رغبت میری بات مان لی، آخر کیوں؟ تم نے ایسے کیوں کیا؟ اور اللہ کے احکام و فرامین کو پس پشت ڈال کر، اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کو بھول کر میری باتوں کو مانا کیوں؟ میرا تم پر کیا زور تھا اور تمہارے لیے اس میں مجبوری کیا تھی؟ میں نے محض تم لوگوں کو صرف دعوت دی اور بس، اور اپنے القاءِ شیطانی اور وسوسہ اندازی کے سوا تم پر میرا کوئی زور نہیں تھا۔ تو پھر تم لوگوں نے آخر میری بات مانی کیوں؟ اور میری پیروی کیوں کی جبکہ اصل صورت یہ تھی کہ اللہ نے تم لوگوں سے سچے وعدے کیے تھے اور اسکے برعکس میرے سب وعدے جھوٹے تھے، اور میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا، تو پھر اس سب کے باوجود تم نے میری پیروی کیوں کی؟ سو اس سے ابلیس کے پیروکاروں کے جرم کی تصریح اور اسکی نشاندہی کر دی گئی کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کے پرستار اور ابلیس کے پیروکار تھے اسلئے نور حق و ہدایت سے محروم رہے تھے، وَ الْعِيَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِيْم۔

۲۶ ابلیس کے پیروکار خود ملامت کے مستحق:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس اس موقع پر اپنے پیروکاروں سے مزید کہے گا کہ تم میری ملامت اور برائی مت کرو بلکہ تم لوگ خود اپنے ہی کو ملامت کرو کہ قصور میرا نہیں، تمہارا اپنا ہے، تم نے جو کیا، اپنی رضاء و رغبت، اور اپنی خوشی و اختیار سے کیا، اپنے رب کے اوامر و ارشادات سے منہ موڑا اور حضرات انبیاء و رسل کی پاکیزہ ہستیوں کی سچی دعوت کو قبول نہ کیا، اور ان کی ہدایات و تعلیمات سے منہ موڑ کر تم نے میری پیروی کی اور راہِ حق و ہدایت کو چھوڑ کر تم نے میرے طریقے کو کیوں اپنایا۔ پس تم اپنے کئے کرائے کا بھگتان بھگتو، کہ یہ سب کچھ خود تمہارے کیے کرائے کا نتیجہ ہے وَ الْعِيَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَ عَلا۔

كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

خود تمہارے اس کردارِ بد کا قطعی طور پر منکر ہوں کہ تم نے اس سے قبل مجھے (خدا کی خدائی میں) شریک بنائے رکھا تھا ۴۷ بیشک

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ایسے ظالموں کے لئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے، اور (اس کے برعکس) داخل کر دیا گیا ہو گا ان لوگوں کو جو

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

(صدقِ دل سے) ایمان لائے ہوں گے، اور انہوں نے کام بھی نیک کئے ہوں گے ۴۸ ایسی عظیم الشان جنتوں میں

فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ اَلَمْ تَرَ

جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی نہریں، جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہو گا ۴۹ اپنے رب (رحیم و کریم) کے

۴۷ ابلیس کا مشرکین کے شرک سے قطعی اور صریح طور پر انکار:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس اس روز اپنے پیروکاروں سے مزید کہے گا کہ میں قطعی طور پر منکر ہوں اس شرک کا جو تم نے مجھے شریک ٹھہرا کر کیا اور حق کے مقابلے میں۔ میری بات مان کر کیا، سو اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ پاک کے احکام کے خلاف، اور بلا چون و چراں اور بغیر کسی سند و دلیل کے کسی کی بات ماننا، اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا، دراصل اس کو اللہ پاک کے حقِ اطاعت و بندگی میں شریک ٹھہرانا ہے۔ اگرچہ وہ اس کو برا کہتا بلکہ لعنت بھی بھیجتا ہو، اسی لئے اس کو شیطان کی بندگی قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (یٰسین: ۶۰)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور ان کے شرک سے اس انکار کا مطلب ان سے اظہارِ بیزاری ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا، (تفسیر المراغی وغیرہ)

۴۸ مدارِ نجات ایمان صادق اور عملِ صالح:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ داخل کر دیا گیا ہو گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہونگے اور انہوں نے کام بھی نیک کئے ہونگے، ایسی عظیم الشان جنتوں میں جن کے نیچے طرح طرح کی عظیم الشان نہریں بہہ رہی ہونگی۔ سو اس سے اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ مدارِ نجات دراصل یہی دو چیزیں ہیں، ایمانِ صادق اور عملِ صالح، اور بس، خواہ ایسا شخص کوئی بھی ہو، قوم یا رنگ و نسل، وغیرہ کا اس میں کوئی دخل اور سوال نہیں، کیونکہ یہ چیزیں انسان کے بس اور اسکے اختیار میں نہیں، اور غیر اختیاری چیزیں معیار و مدارِ فضیلت نہیں بن سکتی، پس معیارِ فضیلت اور مدارِ نجات دو ہی چیزیں ہیں جو کہ انسان کے اپنے ارادہ و اختیار پر مبنی و موقوف ہیں، یعنی ایمان صادق اور عمل صالح اللہ نصیب فرمائے اور ایسا کہ جو اسکو پسند ہو اور جس سے وہ راضی ہو جائے، سبحانہ وتعالیٰ

۴۹ خلود و دوام جنت کی ایک خاص اور امتیازی نعمت:۔ سو خلود و دوام اور ہمیشہ رہنے کی یہ نعمت اللہ پاک کی ایک خاص عنایت ہو گی جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، نہ تو ان کو وہاں سے کبھی نکالا جائے گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر: ۴۸) اور نہ ہی کبھی اہل جنت خود وہاں سے نکلنا چاہیں گے، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (الکہف: ۱۰۸) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ جبکہ اس دنیا میں ایسا نہ ہے نہ ہو سکتا ہے کہ یہاں کا رہنے والا یہ انسان بھی فانی اور اسکی ہر نعمت و عیش بھی عارضی اور فانی، سو اصل زندگی اور اصل عیش آخرت ہی کی ہے، اللہ نصیب فرمائے۔

كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ

حکم سے، وہاں ان کے ملتے وقت کی باہمی دعاء سلام ہو گی ف۵۰ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کیسی عظیم الشان مثال بیان فرمائی

طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

کلمہ طیبہ کی کہ وہ ایک ایسے پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہو، اور اس کی شاخیں آسمان میں

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ

پہنچی ہوئی ہوں، ف۵۱ اور وہ ہر وقت پھل دیتا ہو اپنے رب کے حکم سے، ف۵۲ اور اللہ (ایسے ہی عظیم الشان)

الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ

مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں (کی فہمائش) کے لئے، تا کہ وہ سبق لیں، ف۵۳ اور مثال

كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ

کلمہ خبیثہ کی ایک ایسے خبیث درخت کی سی ہے جسے زمین کے

فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ

اوپر سے ہی اکھاڑ پھینکا گیا ہو، اس کے لئے کچھ بھی ٹھہراؤ نہ ہو، ف۵۴ اللہ ثبات (وقرار) سے نوازتا ہے ایمان والوں کو، قولِ

۵۰ جنت میں اہلِ جنت کی باہمی دعا "سلام" ہوگی:۔ یعنی وہ جب اس میں ایک دوسرے سے ملیں گے تو سلام کہکر اور سلامتی کی دعاء دے کر ملیں گے، جیسا کہ آج دنیا میں بھی ایسے ہی ہے کہ مسلمان باہم ملتے وقت ایک دوسرے کو سلام کہہ کر ملتے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ وہاں پر ملتے وقت ان کی باہمی دعاء سلام ہوگی، آپس میں ایک دوسرے کی طرف سے بھی، فرشتوں کی طرف سے بھی، اور رب غفور ورحیم کی طرف سے بھی، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمِ کہ وہ جگہ ہی امن وسلامتی کی جگہ ہوگی اور اس کا نام ہی دار السلام ہوگا، اور جب وہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو فرشتے ان کا استقبال کرتے ہوئے ان کو سلام کہیں گے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ، جنت میں فرشتے ان پر ہر طرف سے سلام کرتے ہوئے داخل ہونگے ،وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ يَدْخُلُوْنَ

عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ اللہ نصیب فرمائے

۵۱ پاکیزہ کلمے کی عظیم الشان مثال کا ذکر و بیان:- یعنی کلمۂ توحید و ایمان کی، جس کی جڑیں مومن صادق کے دل کے اندر اتری ہوئی ہوتی ہیں اور ایسی گہری اور اس قدر مضبوط اور پختہ کہ جب تک دل باقی ہے کوئی ان کو اس سے نکال نہیں سکتا، سو توحید خداوندی اور ایمان و یقین کی دولت کا عکاس و علمبردار یہ پاکیزہ کلمہ جو مومنِ صادق کے قلبِ طاہر کی ارضِ طیبہ میں جاگزین ہوتا ہے، مومن کو ایسا پاکیزہ انسان بنا دیتا ہے کہ اس کا دل پاک، اسکی زبان پاک، اس کا جسم پاک، اس کا لباس پاک، اس کا رہن سہن پاک، اور اس کا کھانا پینا پاک، سبحان اللہ کیسا عظیم الشان کلمہ ہے یہ، سو اس عظیم الشان اور انقلاب آفریں کلمہ کی عظمتِ شان کو واضح کرنے کیلئے جو عظیم الشان مثال دی گئی اس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ کی کیسی عظیم الشان مثال بیان فرمائی، کہ اسکی مثال ایک ایسے پاکیزہ درخت کی سی ہے جسکی جڑیں زمین کے اندر اُتری ہوئی ہوں، اور اسکی شاخیں آسمان میں پہنچی ہوئی ہوں، اور وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہو۔ سو یہی مثال ہے کلمہ طیبہ کے بے مثال درخت کی جسکے پاکیزہ پھلوں سے بندۂ مومن ہر وقت مستفید و متمتع ہوتا رہتا ہے اور پاکیزہ کمائی کرتا رہتا ہے، والحمدُ للہ جَلَّ وعلا۔

۵۲ شجرۂ طیبہ کی عظمتِ شان کا ذکر و بیان:- سو اس سے شجرۂ طیبہ یعنی پاکیزہ درخت کی تمثیل بیان فرمائی گئی ہے کہ کلمۂ توحید کی مثال ایک ایسے عظیم الشان اور پاکیزہ درخت کی سی ہے جس کی جڑیں زمین کے اندر گہری اُتری ہوئی ہوں اور اسکی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہوں۔ جو اسکی انتہائی عظمت کی بھی دلیل ہے، اور اس کی انتہائی قوت کی بھی، اور اس کی بھی کہ اس کا پھل ہر قسم کے قاذورات اوران کے شوائب واثرات سے بھی پاک، صاف اور محفوظ ہوتا ہے، اور ایسے درخت کا پھل نہایت لذیز بھی ہوتا ہے، اور انتہائی پاکیزہ اور معیاری بھی، سو شجرۂ ایمان کا ثمرہ اور اس کا پھل بھی ایسی ہی بے مثال اور پاکیزہ خصال واوصاف کا حامل و جامع ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ الْإِيْمَانِ وَالْيَقِيْنِ سو عقلمند کو چاہیے کہ وہ ایسے پاکیزہ درخت (شجرۂ طیبۃ) سے سرفرازی اور اسکی آبیاری کیلئے ہر ممکن اور بھرپور کوشش کرے، اور پھر اس کی حفاظت اور آبیاری کا بھی ہمیشہ خیال رکھے، کہ یہ ایسی عظیم الشان دولت ہے جس جیسی دوسری کوئی دولت ہو ہی نہیں سکتی، کہ یہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی واحد دولت ہے۔

۵۳ شجرہ طیبۃ کی بار آوری و پھلداری متواتر ولگاتار:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ہر وقت پھل دیتا ہے اپنے رب کے اذن وحکم سے۔ سو یہی شان ہے شجرۂ توحید وایمان کی کہ اس کی برکتیں ہمیشہ جاری رہتی ہیں۔ کبھی ختم نہیں ہوتی، مومن صادق ہر وقت اس کی لذتوں سے شادکام بھی ہوتا رہتا ہے، اور آخرت کے لئے کمائی بھی کرتا رہتا ہے، اس کے اعمال صالحہ

آسمان کی طرف چڑھتے رہتے ہیں، اور اس کے سبب سے اس پر ادھر سے برکتوں پر برکتیں بھی نازل ہوتی رہتی ہیں، بخلاف کافر و مشرک کے، کہ اس کا نہ کوئی عمل اوپر چڑھتا اور شرف قبولیت پاتا ہے، اور نہ کوئی خیر و برکت اس کے لئے وہاں سے نازل ہوتی ہے، سو کلمۂ طیبۃ یعنی کلمۂ ایمان دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ وضامن اور تمام خوبیوں اور خصائل حمیدہ کی اصلِ اصیل اور اساسِ متین ہے، اور مومن صادق اس کی خیرات و برکات سے ہمیشہ متمتع و مستفید اور اس کی لذتوں سے شاد کام ہوتا رہتا ہے، بقول شاعر ہر لحظہ مومن کی نئی شان نئی آن، عام طور پر حضرات مفسرین کرام شجرۂ طیبہ کا مشبّہ بہ تلاش کرنے کے سلسلہ میں طرح طرح کے درختوں کا ذکر کرتے ہیں مثلاً کھجور کا درخت وغیرہ، اور پھر اس مثال کو اس پر منطبق کرنے کیلئے ایسے حضرات طرح طرح کے تکلّفات سے کام لیتے ہیں، حالانکہ بات سیدھی اور صاف ہے کہ کلمۂ طیبہ کے جس شجرۂ طیبہ کے مثال یہاں بیان فرمائی گئی ہے اسکی دوسری کوئی مثال سرے سے ہے ہی نہیں، بلکہ وہ اپنی مثال آپ اور ایک ہی منفرد و بے مثال درخت ہے، سو آیت کریمہ میں یہ نہیں ارشاد فرمایا گیا کہ خارج میں اس طرح کا اور اس شان کا حامل کوئی درخت موجود ہے، بلکہ یہ فرمایا گیا کہ اس طرح اور اس شان کا ایک درخت ہو، اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی کوئی درخت ہے ہی نہیں سوائے شجرۂ توحید کے، اس لئے خارج میں اس طرح کا کوئی درخت تلاش کرنے اور اسکو مشبّہ بہ قرار دینے کی ضرورت ہی نہیں، ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے ترجمہ میں اسکی رعایت رکھی ہے، والحمد للہ بہر کیف ایمان و یقین اور توحیدِ خداوندی کا عکاس وآئینہ دار یہ کلمہ طیبۃ ایک ایسا پاکیزہ اور بے مثال درخت ہے جو ہر موسم میں اور ہر حال میں پھل دیتا ہے، جبکہ دنیا کے دوسرے درختوں کا حال یہ ہے کہ ان کے پھل خاص خاص موسموں میں پائے جاتے ہیں اور بس، جبکہ کلمہ طیبۃ وایمان کا شجرہ طیبۃ ہر موسم میں ہر حال میں اور ہر وقت پاکیزہ پھل دیتا ہے اور مؤمن صادق اس سے برابر مستفید ہوتا رہتا ہے۔

۵۲ شجرۂ خبیثہ کی تمثیل کا ذکر و بیان:۔ سو توحید کے شجرۂ طیبہ یعنی پاکیزہ درخت کی تمثیل کے بعد اس کے کفر و شرک کے کلمۂ خبیثہ کی تمثیل پیش فرمائی گئی ہے، جس کی اس اہم حقیقت کو واضح فرمادیا گیا ہے۔ کفر و شرک کے شجرۂ خبیثہ کیلئے کوئی ٹھہراؤ نہیں ہوسکتا۔ کہ کفر و باطل کے شجرۂ خبیثہ کا وجود و کیان کسی حجت و برہان پر نہیں محض اوہام وظنون پر قائم ہوتا ہے، جو کہ حق کی چوٹ پڑتے اور ضرت لگتے ہی۔ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہوجاتا ہے، اور کلمۂ خبیثہ چونکہ کلمۂ طیبہ کے بالمقابل اور اس کی ضد ہے، اس لئے یہ کفر و باطل کی ہر شکل وصورت کو عام وشامل ہے، خواہ وہ کفر و شرک ہو، یا دہریت و لامذہبیت، یا الحاد و زندقہ، یا کوئی ایسا خود ساختہ طریقہ و تخیل، یا نظامِ عمل، جو دین حق اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقے کے خلاف ہو وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہر کیف کفر و باطل کے شجرۂ خبیثہ کی کوئی جڑ بنیاد نہیں ہوسکتی اور اسی سے یہ اندازہ بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اہل کفر و باطل جو اس کلمۂ خبیثہ کے علمبردار ہوتے ہیں وہ کتنے بے وزن اور بے حقیقت ہوتے ہیں۔ ایسوں کو دلوں کا کوئی سکون و قرار نہ ملتا ہے نہ مل سکتا ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

ثابت کی بناء پر، دنیا کی اس (عارضی) زندگی میں بھی ۵۵ اور آخرت (کے اس ابدی جہاں) ۵۶ میں بھی، اور اللہ (جل شانہ)

الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا

گمراہی (کے گڑھے) میں ڈال دیتا ہے ظالموں کو ۵۷ اور اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) کرتا ہے جو چاہتا ہے ۵۸ کیا تم نے ان لوگوں کو

يَشَآءُ ۝۲۷ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا

نہیں دیکھا جنہوں نے بدل دیا اللہ کی نعمت کو کفر (وناشکری) سے، اور انہوں نے اتار دیا اپنی قوم کو ہلاکت (وتباہی) کے

۵۵ **اہل ایمان کے کیلئے دنیا میں بھی ثابت قدمی:-** کہ وہ راہ حق وصواب پر قائم اور ثابت قدم رہتے ہیں، اور زیغ و ضلال کے جھگڑوں سے محفوظ رہتے ہیں، اور ہر فیصلہ کن مرحلے پر اس ایمان کی برکت اور اپنے رب کی عنایت وتوفیق سے وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں، اور ان کا رب ان کے ایمان کی برکت سے انکی صحیح راہنمائی فرماتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (یونس:۹) یعنی بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے ان کا رب انکی راہنمائی فرمائے گا ان کے ایمان کی برکت سے، اور اسکے نتیجے میں، یہانتک کہ وہ نعمتوں بھری ان جنتوں سے سرفراز ہو جائینگے جن کے نیچے سے طرح طرح کی عظیم الشان نہریں بہہ رہی ہونگی، سو نور ایمان ویقین دارین کی سعادت وسرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے، اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے، والعیاذ باللہ۔

۵۶ **اور ان کیلئے آخرت میں بھی ثابت قدمی:-** جس کا سب سے پہلا اور اہم مرحلہ برزخ کا مرحلہ ہے، جہاں منکر ونکیر کے سوالات کے جواب میں وہ صحیح جواب دے گا، اور ثابت قدم رہے گا، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم وغیرہ کی احادیث میں اس کی تصریح وتفصیل موجود ہے، (بخاری کتاب التفسیر، سورۃ ابراہیم، اور مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واھلہا)

۵۷ **ظالموں کیلئے محرومی اور ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ:-** چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ گمراہی (کے ہولناک گڑھے) میں ڈال دیتا ہے ظالموں کو، ان کے ظلم وعدوان کی بناء پر، کہ وہ حق سے منہ موڑ کر ظلم کرتے ہیں، اپنے خالق ومالک کے حق میں، کہ وہ اس کی عبودیت وبندگی سے منہ موڑ کر بغاوت وسرکشی کی راہ کو اپناتے ہیں، نیز وہ ظلم کرتے ہیں اس کائنات کے حق میں جس میں وہ رہتے بستے ہیں، کہ اس کی بے شمار نعمتوں سے لگاتار اور طرح طرح مستفید ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود اس واہب مطلق کے حضور جھکنے اور اس کا حق شکر ادا کرنے کی بجائے کفر وانکار کا طریقہ اپناتے ہیں، جس نے ان کو محض اپنے فضل وکرم سے ان نعمتوں سے نوازا ہے، نیز وہ ظلم کرتے ہیں خود اپنی جانوں پر، کہ ایک تو وہ اس طرح اپنی فطرت کو بدلتے اور مسخ کرتے ہیں، اور دوسری طرف راہ حق کے مقابلے میں کفر وباطل کو اپنا کر وہ خود اپنے لئے آتش دوزخ کا سامان کرتے ہیں وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۵۸ **اللہ جو چاہے کرے، سبحانہ وتعالیٰ:-** چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کہ وہ خالق بھی ہے، اور مالک ومختار بھی، اور اپنی کائنات میں بلاشرکت غیرے حاکم ومتصرف بھی، پس وہ جو چاہے کرے، لیکن چونکہ وہ حکیم وعلیم بھی ہے، اس لئے اس کا ہر حکم کامل علم اور نہایت حکمت پر مبنی ہوتا ہے اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان اور صفت ہے کہ وہ عزیز وقہار ہونے کے ساتھ ساتھ رحمٰن ورحیم اور حلیم وکریم بھی ہے، سبحانہ وتعالیٰ سو اس کائنات میں اسی کی مشیّت ومرضی چلتی ہے وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، کوئی نہیں جو اسکی مشیّت میں رکاوٹ بن سکے اور اسکے آگے دم مار سکے، سبحانہ وتعالیٰ۔ پس مشیت اسی وحدہٗ لاشریک کی مشیت ہے۔

وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ

گھر میں ۵۹ یعنی جہنم میں، جس میں داخل ہونا ہوگا ان سب کو، اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے ۶۰ وہ، اور (بیان اس کا یہ ہے کہ) ان

وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ

لوگوں نے ٹھہرا لئے اللہ کے لئے طرح طرح کے شریک ۶۱ تا کہ (اس طرح یہ دوسرے لوگوں کو بھی) بہکا کر ہٹا دیں ۶۲ اللہ کی

سَبِيْلِهٖ ۖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾ قُلْ

راہ سے، (ان سے) کہو کہ اچھا تم لوگ کچھ مزے اڑا لو ۶۳ (پر یاد رکھو کہ) آخر کار تمہیں جانا بہرحال (دوزخ کی) اس

۵۹ کفرانِ نعمت کے ظلم کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا انہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا۔ یعنی توحید اور حق و ہدایت کی اس عظیم الشان نعمت کو جس جیسی دوسری کوئی نعمت ہو ہی نہیں سکتی، اور جس سے حضرت حق جل مجدہٗ نے نبی رحمت کی بعثت کے ذریعے ان کو نوازا، مگر انہوں نے اس کو اپنا کر اور اس کی قدر کر کے دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور رہنے کی بجائے الٹا اس کا کفر و انکار کیا اور اس طرح انہوں نے دارین کے اس خسران کو اپنایا، جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ان ظالموں نے اللہ پاک کی اس عظیم الشان نعمت کو جو ان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرور و ہمکنار کرنیوالی تھی، اس سے منہ موڑ کر اور اس کا انکار کر کے انہوں نے اپنے دارین کی ہلاکت و تباہی کا سامان کیا، سو یہ کتنی بڑی شقاوت و بدبختی ہے کہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے منہ موڑ کر دنیا و آخرت کی ہلاکت و تباہی کو گلے لگایا جائے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۶۰ دوزخ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا اور بڑا ہی بُرا ٹھکانہ ہے وہ، اتنا بُرا اور اس قدر ہولناک کہ اس جہاں میں اس کا کوئی تصور بھی کسی کیلئے ممکن نہیں، اور اس میں محض داخل ہونا ہی ناقابلِ برداشت عذاب ہے، پھر کیا حال ہوگا ان کا جنہوں نے اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ، سو کس قدر خسارے اور نقصان کے طریقے کو ان لوگوں نے اپنایا، کہ دینِ حق کی جو نعمت ان کو دارین کی سعادتوں اور حقیقی فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے آئی تھی، اس سے منہ موڑ کر اور اس کے ساتھ کفر و ناشکری کا برتاؤ کر کے انہوں نے اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کے اس ہولناک گڑھے میں ہمیشہ کے لئے ڈال دیا، اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہوسکتا ہے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح اپنی حفاظت میں رکھے، آمین ثم آمین۔

۶۱ مشرکوں کے شرک کا ذکر و بیان:- یعنی توحید کی اس عظمتِ شان کے باوجود لوگوں نے اللہ وحدہٗ لاشریک کے طرح طرح کے شریک ٹھہرا لیے، کہ فلاں سے فلاں ہماری حاجت پوری ہوتی ہے، فلاں سے فلاں کام بنتا ہے، وغیرہ وغیرہ چنانچہ مشرکین مکہ نے بیت اللہ شریف کے اندر تین سو ساٹھ بت بنا رکھے تھے، تا کہ ہر کام کے الگ معبود ہو، اور ہر روز ایک نئے معبود کے سامنے جھکیں، اور آج کلمہ گو مشرک نے بھی طرح طرح کی سرکاریں گھڑ رکھی ہیں، کانواں والی سرکار،

بلیوں والی سرکار، اور کمبل والی سرکار وغیرہ وغیرہ اور یہ کہ کہیں نوکری ملتی ہے، کہیں اولاد ملتی ہے، کہیں باؤلے کتے کے کاٹے کا علاج ہوتا ہے، اور کہیں پیٹ کے درد کا، کہیں خارش کا، اور کہیں کسی بیماری کا، وغیرہ وغیرہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ کوئی پوچھے کہ آخرتم لوگوں کے پاس اسکی سند اور دلیل کیا ہے؟ تو یہ آئیں بائیں شائیں کرکے رہ جاتے ہیں، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۶۲ شرک کا نتیجہ وانجام راہِ حق وہدایت سے محرومی۔ والعیاذ باللہ:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اللہ پاک کیلئے طرح طرح کے شریک گھڑ لئے تاکہ اس طرح یہ گمراہ کریں اللہ کی راہ سے، سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ خود ساختہ معبودوں کا نتیجہ وانجام دنیا کو اللہ کی راہ سے بہکانا ہے، والعیاذ باللہ۔ یہ لام عاقبت وانجام کیلئے ہے، یعنی اس شرک اور ان کے ساختہ پرداختہ من گھڑت معبودوں اور طرح طرح کی خود ساختہ سرکاروں کا نتیجہ وانجام یہی ہوتا ہے، کہ لوگ اللہ کے راستے سے ہٹ کر اور بھٹک کر جگہ جگہ گرتے، اور طرح طرح ذلیل ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب ان کے زعم فاسد اور خیال باطل کی بناء پر ان کے کام اس طرح کی ان خود ساختہ معبودوں اور فرضی سرکاروں سے بنتے ہیں، تو پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اسکے حضور جھکنے کی ضرورت ہی کیا ہے، چنانچہ آج بھی آپ کو جاہل مسلمانوں کے اندر کتنے ہی ایسے نمونے ملیں گے، جو صاف طور پر کہتے ہیں کہ ہم نے تو فلاں سرکار کا لڑ پکڑ رکھا ہے، اور ہم اسی سے وابستہ اور ان کے دامن گرفتہ ہیں، ہمیں کسی کی پرواہ نہیں، وہ ہمارے سب کام خود ہی بنادیں گے، اور اسی بناء پر ان میں کتنے ہی ایسے ہوتے ہیں جو نماز روزہ جیسے فرائض تک کی بھی پرواہ نہیں کرتے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ سو یہ لام ایسے ہی ہے جیسے لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ میں ہے، (المراغی، فتح القدیر، وغیرہ) یعنی تم لوگ جنم لو موت کیلئے اور تعمیر کرو ویرانی اور تباہی کیلئے، یعنی تمہاری زندگی کا نتیجہ وانجام موت ہے اور تمہاری تعمیر کا انجام تباہی اور ویرانی ہے، یعنی آخر کار ایسا بہر حال ہو کر رہے گا۔ اس سے کسی کیلئے کوئی مفر ممکن نہیں۔

۶۳ دنیاوی زندگی کے مزے محض چند روزہ:- چنانچہ متکبروں کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ کچھ مزے کرلو اور فائدے اٹھالو کہ آخر کار تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ پس دنیاوی زندگی کی چند روزہ فرصت میں کچھ فائدے اٹھالو۔ ان دنیاوی فوائد اور منافع سے جو شرک وبت پرستی کے اس کاروبار سے آج تمہیں حاصل ہو رہے ہیں، سو اس لوگوں کے کاروبار چلتے ہیں، نذرانے ملتے ہیں، لوگ جھک جھک کر ان کو سلام کرتے ہیں، بلکہ ان کے آگے سجدے تک کرتے ہیں وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مگر یہ سب کچھ آخر کب تک؟ یہ سب کچھ تو محض اس دنیاوی زندگی کی، چند روزہ فرصت کا سامان عیش ہے اور بس، اور جن بدنصیبوں کو اس چند روزہ عیش کے بعد دوزخ کی ہولناک آگ میں جلنا ہوگا ان سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہوسکتا ہے، سو اس ارشاد ربانی میں منکرین کے ضمیروں کو جھنجھوڑ دینے والی دستک ہے تاکہ وہ باز آجائیں اپنی غفلت بھری تباہ کن روش سے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہونا پڑے، جو کہ خساروں کا خسارہ ہے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔

لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنۡفِقُوۡا

(ہولناک) آگ ہی کی طرف ہے ۶۴ اور کہو میرے ان خاص بندوں و ۶۵ سے جو کہ (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں کہ وہ قائم کریں

مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ

نماز کو، اور خرچ کریں اس میں سے جو کہ ہم نے دیا ہے ان کو، پوشیدہ طور پر بھی، اور کھلم کھلا بھی و ۶۶ قبل اس سے کہ آپہنچے وہ ہولناک

یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ

دن جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی، اور نہ ہی کوئی دوست نوازی و ۶۷ اللہ وہی تو ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین (کی

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ

اس عظیم الشان کائنات) کو اور اس نے اتارا آسمان سے پانی (ایک نہایت ہی پرحکمت نظام کے تحت) پھر اس نے نکالیں اس (پانی)

بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ

کے ذریعے طرح طرح کی پیداواریں، تمہاری روزی کے لئے و ۶۸ اور اسی نے تمہارے لئے کام میں لگا دیا ان کشتیوں (اور طرح طرح

لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡھٰرَ ﴿۳۲﴾ ج

کے بحری جہازوں) کو، تاکہ وہ چلیں سمندر میں اس کے حکم سے اور اسی نے تمہارے لئے کام میں لگا دیا ان طرح طرح کے دریاؤں کو و ۶۹

۶۴ کفر وشرک کا لازمی نتیجہ وانجام دوزخ، والعیاذ باللہ:- جس کا مستحق تم لوگوں نے اپنے آپ کو خود بنا دیا ہے، سو تم چاہو یا نہ چاہو، بہرکیف تمہارا انجام یہی ہے اے منکرو! کہ جس کفر وشرک اور انکار وسرکشی میں تم لوگ مبتلا ہو اس کا انجام بہر حال یہی ہے، سو اس میں ان منکرین کیلئے بڑی سخت تنبیہ اور تذکیر ہے کہ تم لوگ ہوش میں آجاؤ اور اپنی روش کی اصلاح کر لو، ورنہ اس ہولناک عذاب کیلئے تیار ہو جاؤ، کہ دوزخ کا عذاب بڑا ہی سخت اور انتہائی ہولناک ہے، اور ایسا اور اس قدر کہ کفر وشرک والے کبھی اس سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا اِنَّ عَذَابَھَا کَانَ غَرَامًا ، سو کفر و انکار، اور شرک وبت پرستی کا انجام بڑا ہی برا اور انتہائی ہولناک ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ مِنۡ کُلِّ زَیۡغٍ وَّ ضَلَالٍ ۔

۶۵ ایماندار بندوں کیلئے خاص خطاب وہدایت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کہہ دو میرے خاص بندوں سے یعنی یہ اضافت و تشریف واختصاص کی ہے کہ جو خاص میرے بندے ہیں، نہ کہ وہ جو دنیا اور درہم ودینار کے بندے ہیں، وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ سو میرے ان خاص بندوں سے کہہ دو کہ وہ حیاتِ دنیا کی اس فرصت محدود میں یہ اور یہ کام کریں، تاکہ اس طرح عمرِ رواں کی اس فرصت محدود کو اس کے صحیح مصرف میں صرف کریں اور اس سے آخرت کی اپنی حیات ابدی کیلئے تیاری کر سکیں، سو یہ نماز قائم کریں جو کہ رب کی رضاء اور اسکے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری راہ میں خرچ کریں۔

۶۶ اللہ کے خاص بندوں کی صفتِ انفاق کا ذکر و بیان:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ وہ خرچ کریں ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری رضاء کیلئے کہ یہ مالی اور عملی شکر ہے ہماری بخشی ہوئی نعمتوں کا، سو خرچ کریں جتنا ہو سکے اور ہماری راہ میں ہماری رضا کیلئے خرچ کریں جب بھی موقع ملے، اور جہاں بھی، اور جیسے بھی موقع ملے، سو انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں کی ایک خاص صفت ہے، اور وہ اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ ہی کا دیا بخشا جانتے ہیں۔ اور اس میں دوسروں کا حق سمجھتے ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کی رضاء و خوشنودی کیلئے حسبِ موقع پوشیدہ طور پر بھی خرچ کرتے ہیں اور کھلم کھلا اور اعلانیہ طور پر بھی، اور اس طرح وہ اپنے مالوں کو دنیا و آخرت دونوں کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوۡفِیۡقُ لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیۡدُ وَ عَلٰی مَا یُحِبُّ و یرید ، بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ لْاَحْوَالِ ، وَفی کُلِّ مَوَاطِنٍ مِنَ الۡمَوَاطِنِ فِی الۡحَیَاۃِ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡوَهَّابُ

۶۷ آخرت کیلئے تیاری نزولِ موت سے قبل:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ وہ خرچ کرتے ہیں اس ہولناک دن کے آنے سے پہلے جس میں کچھ کام نہیں آسکے گا سوائے اپنے ایمان و عمل کے، سو اس ہولناک دن کے آنے سے پہلے جو کرنا ہے کرلو، جو کمانا ہے کمالو، کہ پھر اس کا موقع ملنے والا نہیں، اپنے کیے کرائے کے سوا کچھ بھی کام نہیں آسکے گا، کہ اس یوم عظیم میں نہ کسی طرح کی کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوست نوازی کام آئے گی، بس اپنا ہی ایمان و عمل کام آئے گا، اور بس۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید ، وعلی ما یحب و یرید بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

۶۸ اللہ کی نعمتوں کا تقاضا دل و جان سے اسکے آگے جھک جانا:- سو زمین و آسمان کی یہ پوری کائنات جہاں ایک طرف اس کے کمالِ قدرت کی دلیل ہے، وہاں دوسری طرف یہ اس کی بے پایاں رحمت کا ایک زندۂ جاوید ثبوت بھی ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس سے تم لوگ یہ اندازہ کر سکتے ہو کہ کس قدر قادر مطلق اور کتنا مہربان ہے تمہارا وہ رب ذوالجلال جس نے یہ سب کچھ تمہیں محض اپنے کرم اور احسان سے عطا فرمایا، اس کا تقاضا ہے کہ تم لوگ دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کے آگے جھک جاؤ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اس کے مطیع فرمان رہو، کہ یہ اس کا تم پر حق بھی ہے اور اسی میں تمہارا بھلا بھی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید ، وعلی ما یحب و یرید ، بکل حال من الاحوال ، وفی کل مَوۡطنٍ من المواطن فی الحیاۃ۔

۶۹ عبادت و بندگی اللہ تعالیٰ ہی کا حق:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو یہ سب کچھ اسی کی قدرت کاملہ اور رحمت شاملہ کا نتیجہ و ثمرہ ہے، جس میں دوسری کوئی بھی ہستی اس کی شریک و سہیم نہیں، تو پھر اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک و سہیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ سو عبادت و بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے، سو اسی وحدہٗ لاشریک نے انسان کیلئے زمین کا یہ عظیم الشان اور بے مثال بچھونا بچھایا، اور آسمان کی اس عظیم الشان اور بے مثال چھت کو ان کے سروں پر نہایت ہی پُر حکمت طریقے سے تن دیا، اور اُسی نے نہایت پُر حکمت طریقے سے پانی کے اس عظیم الشان اور بے مثال جوہر مابہ الحیاۃ کو اتارا، جس سے ہر جاندار کی زندگی وابستہ ہے، اور اسی نے پانی کے اس جوہر عظیم کے ذریعے طرح طرح کی پیداواریں نکالیں، اور ان میں سے کسی بھی چیز میں اور کسی کا کوئی عمل دخل نہیں، تو پھر اس کا طبعی تقاضا اور لازمی نتیجہ ہے کہ عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ

اور اسی نے تمہارے لئے کام میں لگا دیا سورج اور چاند (کے ان دو عظیم الشان کُرّوں) کو، جو کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں، **وکے** اور اسی

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ

نے کام میں لگا دیا تمہارے بھلے کے لئے رات اور دن (کے اس عظیم الشان نظام) کو اور اس نے عطاء فرمایا تم کو ہر اس چیز میں

تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ

سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا اور اگر تم گننے لگو اللہ کی نعمتوں کو، تو کبھی بھی گن کر پورا نہیں کر سکو گے (پھر اس قدر نعمتوں

كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ ع ۵ ۱۷

پر بھی اس کی ناشکری؟) واقعی انسان بڑا ہی بے انصاف، نہایت ناشکرا ہے **وا<** اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ)

اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ

جب ابراہیم نے (اپنے رب کے حضور) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار، بنا دے تو اس شہر کو امن کا گہوارہ، اور بچائے رکھنا

اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ

مجھے بھی اور میری اولاد کو بھی بت پرستی (کی نجاست ولعنت) سے **و۲<** میرے مالک ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈال دیا ہے **و۳<**

۷۰ تسخیر شمس وقمر اسی کی قدرت وحکمت کا نتیجہ، سبحانہٗ وتعالیٰ:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے تمہارے کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو تمہاری طرح طرح کی ضرورتوں کی تکمیل وتحصیل کیلئے، سو سورج وچاند کے یہ دونوں عظیم الشان کُرّے بھی تمہارے خادم ہیں، نہ کہ مخدوم ومعبود، سو پوجا وبندگی ان کی نہیں، بلکہ اس خدائے وحدہٗ لاشریک کا حق ہے جس نے ان کو پیدا فرما کر اس پر حکمت طریقے سے انسان کی خدمت میں لگا دیا ہے، اور جس کے حکم وارشاد کے نتیجے میں یہ اس قدر پابندی اسے اس انسان کی خدمت میں مسلسل ولگاتار مصروف عمل ہیں، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سو سورج وچاند کی اس انتہائی منظم آمدورفت میں جہاں اسکی قدرتِ کاملہ حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کا ثبوت ملتا ہے، وہیں اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ کس قدر بہکے بھٹکے اور کتنے گمراہ ہیں جو اس واہب مطلق کو بھول کر انہی مظاہر قدرت میں اٹک کر اور پھنس کر رہ گئے، یہاں تک کہ وہ انہی کی پوجا پاٹ میں لگ لئے، والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔

۷۱ انسان کی ہر ضرورت کی تکمیل کا سامان:۔ سو اس قادر مطلق ربّ ذوالجلال والاکرام نے انسان کی ہر اس ضرورت

کی تکمیل کا ازخود انتظام فرمایا جو اسکی زندگی کیلئے ناگزیر تھی، سو کتنی ہی ایسی نعمتیں ہیں جو انسان کی ذات اور اسکے جسم کے اندر موجود ہیں اور کتنی ہی ایسی ہیں جو اسکے جسم کے باہر اس پوری کائنات میں ہر طرف پھیلی بکھری ہیں، جن سے انسان طرح طرح سے اور ہمیشہ مستفید و فیضیاب ہوتا ہے، اور اس واہب مطلق جل جلالہ نے انسان کو یہ سب کچھ ازخود اور انسان کی طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر عطا فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ "اس نے تم کو عطا فرمایا وہ سب کچھ جس کا تم نے اس سے سوال کیا" اپنی زبان حال سے، چنانچہ انسان کو اس واہب مطلق نے اس کے جسم کے اندر، اور اسکے باہر ان بے حد و حساب اور عظیم الشان نعمتوں سے نوازا ہے، جن میں اس سے بڑھ کر ایک نعمت ہے، اور جن کا احاطہ بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، اور جو نعمتیں انسان اس سے اپنی زبان قال سے مانگتا ہے، ان میں بھی جو اس کے لائق ہوتی ہیں وہ بھی وہ اس کو عطا فرماتا ہے، اور انسان کے احاطۂ تصور و ادراک سے بھی کہیں بڑھ کر عطا فرماتا ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ سو ایسے رب رحمٰن و رحیم سے منہ موڑنا اور اسکے حق اور شرف و بندگی سے منہ موڑنا کس قدر ظلم اور کتنی بری ناانصافی ہے، واقعی انسان یعنی وہ انسان جو حق و ہدایت کی روشنی سے محروم ہے بڑا ہی ظالم اور سخت ناشکرا ہے، جو اس ربِّ ذوالجلال کے حق اطاعت و عبادت سے منہ موڑتا ہے، والعیاذ باللہ العظیم من کل شائبة من شوائب الظلم والکفر بکل حال من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاة۔

۷۴ حضرت ابراہیم کی دعاء بت پرستی سے بچاؤ کیلئے:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم نے اپنی دعاء میں اپنے رب سے مزید عرض کیا کہ اے میرے رب بچادے مجھے بھی اور میری اولاد کو بھی بت پرستی (کی نجاست ولعنت) سے، کہ تیری توفیق و عنایت کے بغیر کوئی بھی نہیں بچ سکتا، سبحان اللہ کیا شان ہے تفویض و رضاء کی، کہ ابوالانبیاء رئیس المُوَحِّدین حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، جنہوں نے بت شکنی کے سلسلہ میں بے مثال تاریخ رقم کی، وہ بھی اپنے رب سے بت پرستی سے بچنے کی اس طرح دعاء فرماتے ہیں، عَلَيْهِ وَ عَلٰى نَبِيِّنَآ اَطْيَبُ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيْم ۔سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل جیسے عظیم الشان پیغمبر کا بھی یہ حال ہے تو پھر ہما و شما کو اس بارے کس قدر فکر و احتیاط کی ضرورت ہے؟ وباللہ التوفیق اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین

۷۵ بت پرستی باعثِ ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ اے میرے رب ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈال دیا یعنی یہ ان کی گمراہی کا سبب بنے اسند الی السبب (جامع البیان، محاسن التاویل اور فتح القدیر وغیرہ) سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ محاورے میں کہا جاتا ہے کہ لوگوں کو دنیا نے فتنے اور دھوکے میں ڈال دیا، بہر کیف اس سے شرک کی بیماری کی خطرناکی اور اسکی ہولناکی کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ ایسی متعدی، مہلک اور خطرناک بیماری ہے کہ حضرت ابراہیم جیسے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر کو بھی اس سے بچاؤ کیلئے اپنے رب کے حضور اس طرح دعا کرنا پڑی، اور بت پرستی کی اس خطرناک اور متعدی بیماری نے کروڑہا کروڑ لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لیا، اور کتنی ہی دنیا ہے جو آج تک اس بیماری میں بُری طرح ملوث و مبتلا ہے، والعیاذُ باللہ جَلَّ و عَلاَ بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

پس جو کوئی میرے طریقے پر چلا وہ تو میرا ہے، و۴۴ک اور جس نے میرے خلاف طریقہ اختیار کیا تو (اس کا معاملہ تیرے حوالے

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ

ہے کہ) تو ہی ہے بڑا بخشنے والا، نہایت ہی مہربان و۴۵ک میرے پروردگار! (حالات کی ناسازگاری کے باوجود) میں نے لا بسایا اپنی کچھ

زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اولاد کو و۶ک ایک ایسی وادی میں جس میں کوئی کھیتی (باڑی) نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پاس و۷ک ہمارے پروردگار، (یہ اس لئے

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ

کیا کہ) تاکہ یہ نماز قائم کریں، پس تو (اے میرے مالک! اپنے کرم و عنایت سے) ایسا پھیر دے ان کی طرف کچھ لوگوں کے

مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا

دلوں کو کہ وہ ان کے گرویدہ ہو جائیں، اور ان کو روزی عطا فرما طرح طرح کی پیداواروں سے، تاکہ یہ شکر ادا کریں و۸ک ہمارے

نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

پروردگار! تو (ایک برابر) جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ ہم چھپا کر کرتے ہیں اور وہ سب کچھ جو کہ ہم دکھا کر کرتے ہیں، اور کوئی چیز

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

چھپی نہیں رہ سکتی اللہ پر، نہ زمین (کی پستیوں) میں، اور نہ آسمانوں (کی بلندیوں) میں و۹ک تمام تعریفیں اس اللہ ہی کو سزاوار ہیں جس نے

۴۴ پیغمبر سے تعلق کی بنیاد اطاعت و اتباع:۔ سو اس سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر سے تعلق کی اساس و بنیاد انکی اطاعت و اتباع ہی ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ جس نے میری پیروی کی وہ مجھ میں سے ہے، اور میرے زمرے میں داخل ہے، پس جس نے میری پیروی کی ایمان لاکر اور توحید کو اپنا کر، کہ یہ میرا طریقہ و راستہ ہے، اور میری ملت یعنی دین حنیف پر چلا تو وہ میرا پیروکار اور میرا ہے، اور وہ نجات اور رفع درجات میں میری معیت کا حقدار ہے۔ اور جس نے اس راہ سے منہ موڑا، وہ اس شرف سے محروم رہا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔

۴۵ مشرکین سے اظہار براءت و بیزاری کا درس:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب کے حضور مزید عرض کیا کہ جس نے میری نافرمانی کی اس کا معاملہ تیرے حوالے، میرا اس سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں اور میں اس کے کچھ کام نہیں آسکتا، یہاں سے بھی وہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ اصل کام آنے والی چیز انسان کا اپنا عقیدہ و عمل ہے، نہ کہ

محض کسی بڑی ہستی اور شخصیت سے ظاہری اور نسبی تعلق، جیسا کہ عام طور پر سمجھا اور مانا جاتا ہے، اور جب حضرت ابراہیمؑ جیسی منفرد و بے مثال شخصیت بھی کسی کے کام نہیں آسکتی تو پھر اور کون کسی کے کام آسکتا ہے، سو اس ارشاد سے مشرکین سے اظہار براءت و بیزاری کا درس دیا گیا ہے کہ اصل رشتہ و تعلق ایمانداری کا رشتہ و تعلق ہے۔ کہ یہی سب اصل اور سب سے بڑا رشتہ ہے۔

۷۶ وادیٔ غیر ذی زرع کی آبادی کے مقصد کا ذکر و بیان:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب کے حضور مزید عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے آب و گیاہ بستی یعنی وادی غیر زرع میں بسایا یعنی حضرت اسماعیلؑ کو، اور جو ان کی نسل میں آگے پیدا ہونگے ان کو (محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر اور مراغی وغیرہ) سو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اسی وادی غیر ذرع میں بیت اللہ کے پاس بسایا اور ان کے بارہ میں اپنے رب کے حضور اس طرح عرض کیا، تاکہ اس طرح اسکی آبادی کا سامان ہو، اور اس طرح ایک نئی دنیا کی داغ بیل پڑے جس طرح کہ فی الواقع بعد میں ہوا اور وہ وادی غیر ذی زرع یعنی بے آب و گیا بستی پورے عالم اسلام کا عظیم الشان اور بے مثال مرکز بن گئی جو آج تک قائم ہے اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت قائم رہے گا۔ والحمد اللہ الذی بیدہٖ تصریفُ الامور۔

۷۷ بیت الحرام اور اسکی حرمت کے تقاضے کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب کے حضور مزید عرض کیا کہ میں نے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی غیر ذی زرع (بے آب و گیاہ بستی میں) بسایا تاکہ یہ نماز قائم کریں اور اس طرح یہ تیری رضاء اور آخرت کی کامیابی کی سعادت سے بہرہ ور ہوسکیں، جو کہ حقیقی سعادت اور اصل کامیابی ہے، ورنہ اس بے آب و گیاہ وادی (وادی غیر ذی رزع) میں آنے اور رہنے کیلئے اور مستقل طور پر یہاں رہائش پذیر ہونے کیلئے دوسری کسی بھی کشش اور جاذبیت کا کوئی سامان نہیں، بلکہ محض تیرے حرمت والے گھر کا جوار و پڑوس، اور جہاں برسنے والی رحمتوں، عنایتوں اور برکتوں کی کشش ہے اور بس،

۷۸ مقصدِ شکر کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے مزید عرض کیا کہ میں نے اپنی اولاد میں سے کچھ کو تیرے اس حرمت والے گھر کے پاس بسایا تاکہ یہ نماز قائم کریں، پس تُو اے میرے مالک! لوگوں کے دلوں کو انکی طرف پھیر دے، اور ان کو ہر طرح کی پیداواروں سے روزی عطاء فرما۔ تاکہ یہ تیرا شکر ادا کریں، تیری ان عظیم الشان نعمتوں پر، اور اس طرح تیری طرف سے مزید از مزید نعمتوں اور عنایتوں سے سرفراز ہوسکیں، سو شکر نعمت ایک عظیم الشان شرف و سعادت ہے ایسی عظیم الشان سعادت جو کہ انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی سعادت ہے، وباللہ التوفیق، اللہ نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

۷۹ اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے مزید عرض کیا کہ بیشک تو اے ہمارے پروردگار ظاہر اور پوشیدہ کو ایک برابر جانتا ہے اس لئے ہمیں تیرے حضور اپنی حاجت پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں، کہ تو سب کچھ جانتا اور ہم سے بہتر جانتا ہے، اور تو ہم پر خود ہماری جانوں سے بھی بڑھ کر مہربان ہے، ہم تو یہ دعاء و درخواست بھی محض اپنی عبودیت کے اظہار اور تذلیل و افتقار کیلئے پیش کرتے ہیں (قالہ الزمخشری، تفسیر القاسمیؒ) سو یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر مختار کل نہیں ہوتا جیسا کہ اہل بدعت وغیرہ کا کہنا ہے کیونکہ جو مختار کل ہوتا ہے وہ دعاء نہیں کرتا، بلکہ حکم کرتا ہے اور اختیار کلّی میں باہم منافات ہے، اور جب ابوالانبیاء جدُّ الانبیاء حضرت ابراہیم بھی مختار کل نہیں بلکہ وہ بھی سراپا احتیاج بن کر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض و التجاء کرتے ہیں تو پھر اور کون ہوسکتا ہے جو اختیار کُلّی کا مالک ہوسکے؟ سو اس سے اہل بدعت وغیرہ کے بہت سے شرکیہ عقائد کی جڑ نکل جاتی ہے، والحمد اللہ رب العالمین۔

وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي

مجھے بڑھاپے ف۸۰ میں عطا فرمائے اسماعیل اور اسحٰق (جیسے بیٹے) ف۸۱ بے شک میرا رب بڑا ہی سننے والا ہے (ہر کسی کی) دعاء کو ف۸۲

لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٩﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن

میرے پروردگار، مجھے بنا دے قائم رکھنے والا نماز کا، اور میری اولاد میں سے بھی (کچھ ایسے لوگ پیدا فرما جو یہ کام کریں)

ذُرِّيَّتِي ۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَ

ہمارے پروردگار اور قبول فرمالے میری دعاء کو ف۸۳ اے ہمارے رب بخشش فرمادے میری بھی، اور میرے والدین کی بھی ف۸۴ اور

۸۰ حاجت روا و مشکل کُشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:- حضرات انبیاء ورُسل بھی اسی کے محتاج ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے ارشاد فرمایا کہ سب تعریفیں اور تمام شکر وسپاس اس اللہ ہی کیلئے ہے، جس نے مجھے بڑھاپے میں اولاد سے نوازا۔ جو کہ بچے ملنے کا وقت نہیں ہوتا، کہ بقول حضرت ابن عباسؓ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت آپ کی عمر ننانوے برس تھی، اور حضرت اسحاق کی پیدائش کے وقت ایک سو بارہ برس، سبحان اللہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی عظیم الشان ہستی جو ابو الانبیاء اور امام الموحدین کے لقب سے مشہور ومعروف ہے، اور جن جیسی امتیازی شان اور خصوصیات کی حامل دوسری کوئی بھی شخصیت پوری تاریخ انسانیت میں پیدا ہی نہیں ہوئی۔ وہ بھی حاجت روا و مشکل کُشا نہیں، اور وہ بھی اولاد جیسی نعمت کیلئے عمر بھر رب تعالیٰ کی عنایت ہی کی منتظر ومحتاج رہی، تو پھر کیا کہیے گا کہ ان کلمہ گو مشرکوں کے شرکا، جنہوں نے جگہ جگہ اور طرح طرح کے حاجت روا اور مشکل کُشا گھڑ رکھے ہیں، اور جو کہتے ہیں کہ ہمیں اولادیں انہیں سرکاروں اور انہیں فقیروں، اور ملنگوں سے ملتی ہیں، اور اسی بناء پر وہ ان آستانوں کے چکر لگاتے، وہاں سجدے تک کرتے ہیں، اور وہ اپنی اولادوں کے نام بھی حضور بخش، پیر بخش، علی بخش، حسین بخش، علی داد، پیراں دتہ، اور نیاز علی، وغیرہ وغیرہ جیسے شرکیہ نام رکھتے ہیں، ان میں سے جو جہالت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، ان کے شرک میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ بہرکیف حضرت ابراہیمؑ کے قصہ اور آپ کے اس ارشاد سے واضح ہوجاتا ہے کہ حاجت روا و مشکل کُشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے، اولاد دینا یا دوسری کسی بھی نعمت سے سرفراز فرمانا اللہ کی شان اور اسی وحدہٗ لاشریک کا اختصاص ہے، حضرات انبیاء ورسل جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستیاں بھی اسی کی محتاج اور اسی کے حضور سب دعاء وسوال دراز کرنے والی ہیں۔

۸۱ حضرت اسماعیلؑ اور اسحاقؑ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی بخشش وعطاء ہیں:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ سب شکر وسپاس اس اللہ کیلئے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے عظیم الشان بیٹوں سے نوازا۔ جن کی عظمت شان اور جلالت قدر کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام آپ کی نسل ہی سے تشریف لائے وہ سب کے سب انہی دو فرزندان گرامی کی اولاد میں آئے حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت اسماعیل کی نسل سے باقی سب حضرت اسحاقؑ کی نسل سے، سو اولاد کی نعمت اور وہ بھی بیٹوں کی صورت میں، اور بیٹے بھی حضرت اسماعیل اور اسحاقؑ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر بیٹے اور وہ بھی بڑھاپے کے اس دور میں جو کہ اولاد کے حصول کا دور نہیں ہوتا نعمت در نعمت کی

ایک عظیم الشان اور منفرد مثال ہے اسی لیے حضرت ابراہیمؑ اس منفرد نعمت کی یاد سے سراپا شکر وسپاس بن کر اپنے رب کی حمد وثناء سے رطب اللسان ہو جاتے ہیں اور یہی ہے صحیح طریقہ کہ بندہ شکر نعمت سے سرشار ہو کر اپنے رب کے حضور دل وجان سے جھک جائے، کہ یہ اس خالق ومالک کا اسکے بندے پر حق بھی اور اسی میں اس کا بھلا بھی ہے، دنیا وآخرت کے دونوں جہانوں میں، وباللہ التوفیق۔

۸۲ اللہ بڑا ہی سننے اور قبول کرنے والا ہے دعاؤں کو:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے مزید کہا کہ بیشک میرا رب بڑا ہی سننے والا ہے (ہر کسی کی) دعا کو اور اس ارشاد میں تاکید ملاحظہ ہو کہ حرف ''اِنَّ'' تاکید کیلئے، ''لام'' تاکید کیلئے، اور لفظ ''سمیع'' میں تاکید ومبالغہ الگ، اور پھر ''جملہ اسمیہ'' کی تاکید الگ، اس طرح تاکید در تاکید سے بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وعنایت سے سب کی دعاء سنتا اور قبول فرماتا ہے، مگر اس سب کے باوجود آج کا کلمہ گو مشرک کہتا ہے کہ وہ ہماری نہیں سنتا بلکہ ہماری ان کے آگے اور ان کی اُس کے آگے، وغیرہ وغیرہ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ سو اس ارشاد ربانی سے ایسے تمام مشرکانہ فلسفوں اور من گھڑت مفروضوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، والحمد لِلّٰہِ جَلَّ و عَلَا۔

۸۳ حضرت ابراہیم کی دعاء مغفرت وبخشش کا ذکر وبیان:- سو اس سے حضرت ابراہیمؑ کی دعاء مغفرت وبخشش کا ذکر وبیان فرمایا گیا ہے اپنے لئے بھی اور اپنی اولاد کیلئے بھی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب بخشش فرما دے میری بھی اور میری اولاد کی بھی کہ یہ سب عقیدہ وایمان کی دولت سے سرفراز ہو کر تیرے بن جائیں، کہ ایمان و عمل کی یہی پونجی وہ پونجی ہے، جو انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کی کفیل وضامن ہے اَللّٰھُمَّ فَشَرِّفْنَا بِہٖ وَ زِدْ نَا مِنْہُ بہر کیف حضرت ابراہیمؑ کی اس دعاء سے ایک بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نہ مختار کل ہوتا ہے نہ حاجت روا ومشکل کشا، جیسا کہ اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے بلکہ اس کا اصل کام دعاء کرنا اور اپنے خالق ومالک کے حضور میں دست سوال دراز کرنا ہوتا ہے اور بس، آگے دعاء کو قبول کرنا نہ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں اور اسی کی مشیت ومرضی پر موقوف ہوتا ہے، وہ جسکی دعاء چاہے اور جب چاہے قبول فرمالے اور جسکی چاہے نہ قبول کرے، جیسے بہت سے انبیاء کرام کی دعاؤں کو اس نے قبول نہیں فرمایا جس کی خود قرآن حکیم میں بہت سی مثالیں موجود ہیں، اور دوسری بات حضرت ابراہیمؑ کے عمل سے یہ ملتی ہے کہ انسان اپنی اولاد کیلئے بھی دعاء مانگے اور تیسری بات یہ کہ انسان پہلے اپنے لیے دعاء مانگے اور پھر دوسروں کے لئے، کہ وہ محض خود بھی دعاء کا بہر حال محتاج ہے

۸۴ حضرت ابراہیم کی دعاء اپنے والدین اور سارے اہل ایمان کیلئے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دعاء میں مزید عرض کیا کہ اے ہمارے رب بخشش فرما دے میرے والدین کی بھی اور تمام اہل ایمان کی، کہ میرے والدین کو ایمان کی دولت نصیب فرما کہ مشرک کی بخشش تو اس کے بغیر ممکن ہی نہیں، اس لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آپکی یہ دعاء اس وقت کی ہے جب کہ ابھی آپ کو ان کے ایمان سے مایوسی نہیں ہوئی تھی، اور جب آپ ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو آپ نے ان سے اعلان براءت وبیزاری فرما دیا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبۃ:۱۱۴) سو حضرت کی یہ دعاء اپنے والد کی زندگی میں تھی جبکہ اسکے ایمان لانے کی امید اور توقع تھی نہ کہ اسکی موت کے بعد، (ابن کثیر، محاسن التاویل، معارف القرآن اور مراغی وغیرہ) سو حضرتِ ابراہیم کی یہ دعا بڑی عظیم الشان اور نہایت جامع دعاء ہے اسلئے ہر مومن اپنی ہر نماز میں اس کو پڑھتا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ۔

لِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾ ع وَلَا

سب ایمان والوں کی بھی، اس دن جب کہ حساب قائم ہوگا ف۸۵ اور کبھی تم غافل (و بے خبر) نہ سمجھنا اللہ کو (اے مخاطب!) ان

تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ۥ اِنَّمَا

کاموں سے جو ظالم لوگ کر رہے ہیں، وہ تو محض ان کو ڈھیل دے رہا ہے، ایک ایسے ہولناک دن کے لئے جس میں پھٹی

يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ لا مُهْطِعِيْنَ

کی پھٹی رہ جائیں گی ان کی نگاہیں ف۸۶ وہ سر اٹھائے ایسے بے تحاشا دوڑے چلے جا رہے ہوں گے کہ ان کی نگاہیں ان کی طرف

مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ج وَ

لوٹ کر بھی نہ آسکیں گی اور ان کے دل اڑے جا رہے ہوں گے ف۸۷ اور خبردار کرتے رہو تم لوگوں کو اس (ہولناک) دن سے جب کہ

اَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿٤٣﴾ ط وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ

آپہنچے گا ان پر وہ عذاب ف۸۸ پھر وہ لوگ جو (زندگی بھر) اڑے رہے ہوں گے ظلم پر ف۸۹ (سراپا عجز و نیاز بن کر) کہیں گے، کہ اے ہمارے

الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ

رب ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دے، تاکہ ہم قبول کرلیں تیری دعوت کو، اور ہم پیروی کریں (تیرے بھیجے ہوئے) رسولوں کی ف۹۰

قَرِيْبٍ لا نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ط اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا

(مگر انہیں جواب ملے گا کہ) کیا تم وہی لوگ نہیں ہو ف۹۱ جو اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ تمہیں (اس دنیا اور

اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ لا وَّسَكَنْتُمْ فِيْ

اس کے مزوں سے) ہٹ کر کہیں جانا ہی نہیں، حالانکہ تم انہی لوگوں کی جگہوں (اور بستیوں) میں رہتے بستے تھے جنہوں نے (اپنی

مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ

زندگیوں میں) ظلم ڈھائے تھے خود اپنی جانوں پر ف۹۲ اور تمہارے سامنے اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے کیا سلوک کیا ان کے ساتھ

۸۵ یوم حساب کی تذکیر و یاد دہانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تو ہماری اور سارے اہل ایمان کی بخشش فرما دے اس دن جس دن کہ حساب قائم ہوگا۔ کہ وہ بڑا ہی سخت اور انتہائی ہولناک دن ہوگا اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آسکے گا اور

اس دن ہم تیری بخشش و عنایت اور لطف و کرم کے سب سے زیادہ محتاج ہونگے ، اسکے علاوہ اور کوئی بھی سہارا وہاں موجود نہیں ہوگا اور تیری مغفرت و بخشش اور کرم و عطاء کے سوا کچھ بھی کام نہیں آسکے گا، اس دن تو اے ہمارے خالق و مالک سب سے حساب لے گا اور ہر کسی کو اسکے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ عنایت فرمائے گا، خیر کا خیر اور شر کا شر، (ابن کثیر، مراغی وغیرہ) یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس دعاء میں سات مرتبہ رَبِّ یا رَبَّنا کا ذکر آیا ہے، جس سے دراصل یہ درس دیا گیا ہے کہ یہ چیز دعاء کی خصوصیات، بلکہ اسکے لوازم میں سے ہے، کیونکہ اس میں تضرع وزاری، اور استغاثہ والتجاء کی کیفیت پائی جاتی ہے، اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے والی ہے، سو بندہ جب اپنے خالق و مالک کو رَبّی کہہ کر خطاب کرتا ہے تو وہ اصل میں اس کے اس لطف و کرم کو اپنی دعاء کے حق میں سفارشی بناتا ہے جس کا تجربہ اس کو خود ہوتا ہے اور جب وہ اسکو رَبَّنا کہہ کر خطاب کرتا ہے تو وہ اسکے اس کرم عام کو بھی اپنی دعاؤں کے حق میں سفارشی بناتا ہے جس کا تجربہ اور مشاہدہ مخلوق کو ہوتا ہے، سبحان اللہ! کیا کیا لطافتیں اور باریکیاں ہیں اس کلام حکمت نظام میں، والحمد للہ جل وعلا۔

۸۶ ظالموں کی ڈھیل اور مہلت کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا اور انّما کے کلمۂ حصر کے ساتھ واضح فرما دیا گیا کہ ظالموں کو ڈھیل دی جارہی ہے ایک بڑے ہی ہولناک دن کیلئے یعنی یوم حساب کیلئے کہ فیصلہ کا دن وہی ہے، جس میں ہر شخص اپنے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ پائے گا، جب کہ یہ دنیا بدلے کی نہیں عمل کی جگہ ہے، کہ یہ دار العمل ہے نہ کہ دار الجزاء، یہاں عمل ہے اور وہاں اس کا صلہ و بدلہ، اس لئے اس دنیا میں اگر ظالموں کو ڈھیل مل رہی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ ایسے لوگ یونہی چھوٹ جائیں گے نہیں اور ہرگز نہیں۔

۸۷ یوم حساب کی بدحواسی کے منظر کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز یہ لوگ سر اٹھائے اس طرح دوڑے چلے جارہے ہونگے کہ انکی نگاہیں انکی طرف پلٹ بھی نہیں سکیں گی، شدتِ ہول کی بناء پر، کہ وہ بڑا ہی شدید اور انتہائی ہولناک دن ہوگا، اور اس روز لوگوں کے دل و دماغ، عقل و فہم اور فکر و ادراک سے خالی و عاری ہو کر اڑے جارہے ہوں گے (مراغی، روح، معارف وغیرہ) وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم لوگ قبروں سے نکل نکل کر دوڑے جارہے ہونگے، سر اٹھائے ہوئے ہونگے اور ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا۔

۸۸ لوگوں کے انذار کا حکم و ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ خبردار کرتے رہو تم لوگوں کو اس دن سے جس دن کہ پہنچ کر رہے گا ان پر وہ عذاب جس سے ان کو ڈرایا جاتا ہے اور جس جیسا دوسرا کوئی عذاب نہیں ہوگا، اس سے ان لوگوں کو خبردار کرتے رہو، تاکہ یہ اس سے بچنے کی فکر و کوشش کریں، قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود و معدود تمام ہوجائے، اور اس کا موقع ہاتھ سے نکل جائے، کہ پھر اس کے ملنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ اور جن لوگوں نے اس دن اور اس میں آنے والے اس عذاب سے بے فکر و لاپراہ ہو کر زندگی گزاری ہوگی، تو وہ ایسے ہولناک خسارے میں پڑ جائیں گے جس کی تلافی کی پھر کوئی صورت ممکن نہ ہوگی، سو وہ خسارہ انتہائی ہولناک اور خساروں کا خسارہ ہوگا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۸۹ ظالموں کی فریاد و التجاء کا ذکر و بیان:- سو اس یومِ عظیم میں وہ لوگ جو اڑے رہے ہونگے اپنے ظلم و سرکشی پر اپنے

خالق و مالک کی مقرر فرمودہ حدود کو توڑ کر، اور کفر و شرک اور عدوان و سرکشی کا ارتکاب کر کے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ سو ایسے ظالم اور سرکش لوگ اس روز رہ رہ کر افسوس کریں گے اور سراپا عجز و نیاز بن کر اپنے خالق و مالک سے مہلت کی دعاء اور درخواست کریں گے کہ ان کا معاملہ مؤخر کیا جائے ایک اجلِ قریب تک، مگر کہاں اور کیونکر؟ اس کا موقع تو بہر حال ہاتھ سے نکل چکا ہوگا اور اس کا وقت بہر کیف گزر چکا ہوگا، اب نہ گزرا ہوا وقت واپس آئے گا اور نہ ہی ان کو کسی طرح کی کوئی مہلت دی جائیگی۔

۹۰ منکرین کی طرف سے قبول حق اور اتباعِ رُسل کے وعدے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز منکرین حق رہ رہ کر کہیں گے اور وعدے کرینگے کہ ہمیں قریب کی ایک مدت تک مہلت دی جائے تاکہ ہم تیری دعوت کو قبول کریں اور تیرے رسولوں کی پیروی کریں اور اس طرح ایک نئی زندگی گزار کر، آخرت کی سدا بہار کامیابی حاصل کر سکیں۔ لیکن اب اس کا موقع کہاں وَاَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ ؟ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کو اس ہولناک دن اور اس کے عذاب سے خبردار کرتے رہو تاکہ یہ اس انتہائی یاس و حسرت سے بچ سکیں، مگر ظالم اور بے انصاف دنیا ہے کہ پھر بھی دعوتِ حق و ہدایت پر کان نہیں دھرتی۔

۹۱ منکرین کی ہلاکت و تباہی کا سبب ان کی غفلت و لاپرواہی، والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر ان منکرین کی عرض و التجاء کے جواب میں ان سے کہا جائے گا کہ تم لوگ انہی تباہ شدہ بستیوں اور ہلاک ہونے والی قوموں کے ٹھکانوں میں رہتے بستے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے تمہیں ان قوموں کے سبق آموز اور عبرتناک حالات و واقعات بھی سنائے تاکہ تم سبق لو اور عبرت پکڑو مگر سبق لینے اور عبرت پکڑنے کی بجائے تم لوگ قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہمیں یہاں سے ہٹ کر کہیں جانا ہی نہیں، بلکہ ہمیشہ یہیں اور انہی مزوں کے اندر رہنا ہے، اور قیامت، آخرت، حساب کتاب، اور جزا و سزا کی باتیں یونہی مولویوں اور واعظوں وغیرہ کی باتیں ہیں، اور بس، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ اور اہل حق کی دعوت و تذکیر کے جواب میں تم لوگ پختہ قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ نے مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ نہیں اٹھانا، سو تم نے حضرات انبیاء و رسل کی دعوت کو سن کے نہ دیا، اور تم اس کو ماننے کیلئے تیار ہی نہ ہوئے، یہاں تک کہ تم اپنے اس ہولناک انجام سے دوچار ہو کر رہے، سو اب تم اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگتو اور بھگتتے ہی رہو، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا۔

۹۲ دعوتِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا ظلم۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم انہی لوگوں کی جگہوں اور انکی بستیوں میں رہتے تھے۔ جنہوں نے ظلم ڈھائے تھے اپنی جانوں پر، نبیوں کی دعوت کا انکار کر کے، انکا مذاق اڑا کر، دین حق سے منہ موڑ کر، اور اللہ کی حدوں کو توڑ کر، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ، سو تم لوگ انہی ظالموں کی جگہوں اور انہی کے مقامات میں رہے بسے مگر تم نے انکے کھنڈرات سے کوئی سبق نہ لیا اور تم لوگ ظلم و فساد اور طغیان و سرکشی کے اُنہی طور پر چلتے رہے جن پر وہ لوگ چل کر اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے ہے، سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دعوتِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا، اور اس سے اعراض و روگردانی برتنا سراسر ظلم ہے، سو یہ ظلم ہے حضرت خالقِ حکیم جَلَّ مجدہٗ کے حق میں، اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کے حق میں، اس کی اتاری ہوئی کتابوں کے حق میں، اس کی پیدا کی ہوئی اس کائنات کے حق میں، اور یہ ظلم ہے خود منکروں کی اپنی جانوں کے حق میں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا مِنْ کُلِّ شَائِبَۃٍ مِّنْ شَوَائِبِ الظُّلْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا

اور ہم نے بیان کردی تھیں تمہارے لئے طرح طرح کی (عبرتناک) مثالیں ۹۳ ان لوگوں نے پورے زور سے چلیں اپنی چالیں ۹۴

مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ

(حق اور اہل حق کے خلاف) اور اللہ ہی کے پاس تھیں ان کی چالیں اور (ان کا جواب اور توڑ ۹۵ ورنہ) ان کی چالیں تو (واقعۃً) ایسی

۹۳ تاریخ سے سبق نہ لینا باعث محرومی۔ والعیاذ باللہ:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر ان لوگوں سے مزید کہا جائے گا کہ تمہارے سامنے اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ کیا برتاؤ کیا تھا ہم نے ان ظالموں کے ساتھ، کہ ان کو اپنے کئے کرائے کا بھگتان دنیا کی اسی زندگی میں بھگتنا پڑا، مگر تم لوگوں نے اپنی غفلت اور لاپرواہی کے باعث ان کے اس انجام سے کوئی سبق نہ لیا، یہاں تک کہ تم لوگ اپنے اس آخری انجام کو پہنچ کر رہے، تو اب تم مہلت کیسے مانگتے ہو اور تمہیں ایسی مہلت آخر کیونکر دی جاسکتی ہے؟ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّشَرٍّ فِى الْعَقِيْدَةِ وَالْعَمَلِ ۔ بہرکیف اس سے یہ اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ سے سبق نہ لینے کا نتیجہ وانجام محرومی ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ

۹۴ حق اور اہل حق کے خلاف منکرین کی چالوں کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ماضی کے ان لوگوں نے پورے زور سے چلیں اپنی چالیں، یعنی حق اور اہل حق کے خلاف تاکہ اس طرح وہ حق کے نور کو مٹا دیں، لیکن ان کے لئے یہ کہاں اور کیسے ممکن ہو سکتا تھا، جب کہ حق کا محافظ و نگہبان اللہ تعالیٰ خود ہے، يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (الصف: ۸) سو اس طرح وہ لوگ حق کا تو کچھ نہ بگاڑ سکے کہ سورج کسی کے مونہوں کی پھونکوں سے بھلا تھوڑا ہی بجھ سکتا ہے، لیکن اپنے اس طرز عمل اور اپنے خبث باطن کی بناء پر انہوں نے اپنے آپ کو دائمی ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں ضرور ڈال دیا، اور وہ منکر اور حق دشمن لوگ اپنے آخری اور انتہائی ہولناک انجام سے دوچار ہو کر رہے مگر تم لوگوں نے اس سے بھی کوئی سبق نہ لیا اور تم نے آنکھیں نہ کھولیں، یہاں تک کہ تم لوگ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہے۔

۹۵ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی اور سب پر حاوی:۔ سو ماضی کی ان منکر اور حق دشمن قوموں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اگرچہ حق اور اہل حق کے خلاف ایسی سخت اور خوفناک چالیں چلیں تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے کھسک جائیں، مگر ان کی وہ چالیں حق کا کچھ نہ بگاڑ سکیں، کیونکہ اللہ ہی کے پاس تھیں ان سب کی چالیں۔ کہ وہ گھیرے میں لئے ہوئے ہے اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے، ان کو بھی، اور ان کے سب مکر و فریب کو بھی، پھر اس کے مقابلے میں ان لوگوں کی کسی چال کی کامیابی کا کیا سوال؟ اور ان کی ایسی تمام چالوں کا ریکارڈ بھی اس وحدہٗ لاشریک کے پاس موجود ہے، جس کے مطابق ان لوگوں نے اپنے کیے کرائے کا صلہ و بدلہ بھی بہرحال پانا ہے، سو اہل کفر و باطل حق کے خلاف اپنی کافرانہ اور باغیانہ چالوں سے حق کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے، البتہ اپنے جرم بغاوت اور سرکشی کو اور پکا کرتے ہیں۔

لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ

تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں، ۹۶ پس تم (اے مخاطب) اللہ کے بارے میں کبھی یہ گمان بھی نہ کرنا کہ وہ اپنے ان وعدوں کی

وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ یَوْمَ

خلاف ورزی کرنے والا ہے، ۹۷ جو اس نے اپنے رسولوں سے فرمائے ہیں، بے شک اللہ بڑا ہی زبردست پورا بدلہ لینے والا ہے، ۹۸

تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا

جس روز کہ بدل دیا جائے گا اس زمین کو ایک دوسری زمین سے، اور ان آسمانوں کو بھی اور سب لوگ نکل کھڑے ہوں گے

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ

(اپنے کیے کا بدلہ پانے کے لئے،) اس اللہ کے سامنے جو کہ یکتا اور سب پر غالب ہے، ۹۹ اس روز تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ (نہایت

۹۶ منکرین کی سازشوں کی ہولناکی کا ذکر و بیان:- سو ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کی چالیں ایسی تھیں کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں، ان کی قوت و تاثیر کی بناء پر، اور ان کے اسباب و وسائل کے اعتبار سے، مگر اس کے باوجود اللہ پاک کے حفظ و عنایت کی بناء پر، اہل باطل کی یہ چالیں حق اور اہل حق کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں، یہ اس آیت کریمہ کا ایک مطلب ہوا، جب کہ دوسرا مطلب اس آیت کریمہ کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ حق اور حقیقت کے پہاڑوں جیسے قوی اور مضبوط دلائل کو ہلا دیں، یعنی "وَاِنْ کَانَ" میں واقع کلمہ "اِنْ" وصلیہ نہیں نافیہ ہے (روح، ابن کثیر، ابوالسعود، محاسن التاویل، المراغی وغیرہ وغیرہ) سو آیت کریمہ کے یہ دونوں مطلب بن سکتے ہیں اور دونوں ہی صحیح اور نہایت ہی وقیع ہیں اور اِنْ کَانَ کے کلمات کریمہ میں یہ دونوں احتمال موجود ہیں، بہرکیف غلبہ حق ہی کا ہے اور حفظ و امان اللہ ہی کا ہے، سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی، فَاِیَّاهُ نَسْاَلُ اَنْ یُّشَرِّفَنَا بِهٖ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیَاةِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْوَهَّابُ۔

۹۷ اللہ تعالیٰ کا وعدۂ نصرت و امداد قطعی طور پر حق اور صدق:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی نصرت و امداد کا جو وعدہ فرما رکھا ہے وہ قطعی طور پر حق اور صدق ہے۔ پس تم کبھی یہ گمان بھی نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے کیے گئے وعدوں کی خلاف ورزی کرنے والا ہے۔ یعنی دنیا میں ان کی نصرت و امداد کے وعدوں، اور آخرت میں انہیں درجات عالیہ سے نوازنے کے وعدوں کے، نیز ان کے اعداء کے دنیا میں ذلیل و خوار ہونے کے، اور آخرت میں واصل بجہنم ہونے کے وعدوں کے، سو اس کے سب ہی وعدے بہرحال پورے ہونگے، کسی بھی وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہوگی، بیچ میں جو ابتلاء و آزمائش کے دور آتے ہیں وہ سب عارضی اور اسکی حکمت کا تقاضا ہیں، جن کا احاطہ وہی وحدہٗ لاشریک کر سکتا ہے البتہ ایک بڑی حکمت اس سے یہ وابستہ ہوتی ہے کہ اس سے کھرے کھوٹے میں تمیز ہو جاتی ہے، نیز اہل ایمان کے درجات بلند ہوتے ہیں وغیرہ، بہرکیف انجام کار غلبہ حق اور اہل حق ہی کا ہوگا، سو اس میں اہل ایمان کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے، (المراغی وغیرہ) اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ

وَ الْعَمَلِ بِکُلِّ حَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ ، وَفِیْ کُلِّ موطنٍ مِّن المواطن فی الحیاۃ ، وانتَ اتقویُّ المتعال ۔

۹۸ اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے تنبیہ وتحذیر:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ اِنَّ کی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلا شبہ اللہ بڑا ہی زبردست، پورا انتقام لینے والا ہے۔ سو وہ بدلہ لیتا ہے اپنے پیاروں کا اپنے دشمنوں سے، نیز اپنے احکام وفرامین کے توڑنے کا انتقام، اس جرم کے مرتکب باغیوں اور سرکشوں سے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ اور چونکہ وہ عزیز وغالب ہے اس لئے کوئی اس کی گرفت و پکڑ سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا، جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں کے یہاں ہوتا ہے، سو وہ بدلہ لے گا تاکہ مجرم اپنے کیفرکردار کو پہنچ سکے اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں، پس اس کی شانِ امہال وتاخیر سے کبھی کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے، کہ اس نے بدلہ وانتقام بہرحال لینا ہے اور ظالموں سے مظلوموں کی دادرسی ضرور کرنی چاہیے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس کافروں کو جو ڈھیل مل رہی ہے اس کے بارے میں وہ کبھی یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کیلئے بہتر ہے بلکہ یہ تو حقیقت میں ان کے گلوں میں پھندا کسا جا رہا ہے، ان کیلئے بہرحال بڑا رسواکن عذاب ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ ج اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ج وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ (ال عمران:۱۷۸) نیز ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ کبھی یہ نہ سوچیں کہ وہ ہماری گرفت وپکڑ سے نکل گئے وہ اس بل بوتے کے مالک نہیں ہو سکتے کہ کبھی بھی ہمیں اپنی گرفت وپکڑ سے عاجز کر دیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس امر کی اس طرح تصریح فرمادی گئی وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا اِنَّھُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ (الانفال:۵۹) وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۹۹ یوم حساب کی تذکیر ویاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یاد کرو اس ہولناک دن کو جس روز تبدیل کر دیا جائے گا آسمانوں اور زمین کو اور سب لوگ نکل کھڑے ہوں گے اس اللہ کے سامنے جو کہ یکتا اور سب پر غالب ہے، سو اس روز اس طرح ایک اور جہان کو نئے قوانین اور نوامیس کے تحت وجود میں لایا جائے گا، جس کے آسمان وزمین دائمی ہوں گے، اور جہاں کی نعمتیں بھی ابدی ہوں گی، اور وہاں کے عذاب بھی دائمی، تاکہ ہر کوئی زندگی بھر کے اپنے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ پا سکے، نیکی کا بدلہ جنت کی سدابہار نعمتوں کی شکل میں، جَعَلَنَا اللّٰہُ مِنْ اَھْلِھَا اور برائی کا بدلہ دوزخ کے ہولناک عذابوں کی صورت میں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ سو ایسا بہرحال ہو کر رہے گا، تاکہ اس طرح ہر کوئی زندگی بھر کے اپنے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ وبدلہ پا سکے، اور عدل وانصاف کے تقاضے اپنی بھرپور، آخری، اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں، واضح رہے کہ تبدیلی کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک اصل اور ذات کی تبدیلی، جیسے کہ ایک مکان توڑ کر دوسرا مکان بنا دیا جائے اور دوسرے صفات کی تبدیلی، جیسے مکان تو باقی رہے پر اس کی مرمت وغیرہ کے ذریعے اسکے ڈھانچے میں تبدیلی کر دی جائے، یہاں چونکہ تبدل کا لفظ فرمایا گیا ہے اس لیے اس میں ان دونوں ہی صورتوں کا احتمال موجود ہے، ایک یہ کہ زمین وآسمان کی موجودہ شکل اور ہیئت کو بدل کر ان کو ایک نیا وجود دے دیا جائے گا، اور دوسرے یہ کہ ان کو یکسر ختم کر کے نئے سرے سے پیدا کیا جائیگا، حضرات صحابہ کرامؓ سے دونوں ہی قول مروی ہیں اور آثار وروایات میں بھی دونوں کا احتمال موجود ہے، (ابن جریر، ابن کثیر، معارف القرآن اور فتح القدیر، وغیرہ) اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَاَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا ، وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الْاٰخِرَۃِ، اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْقَرِیْبُ الْمُجِیْبُ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ۔

مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ

بری طرح) جکڑے ہوئے ہوں گے (ہولناک) بیڑیوں میں، ان کے لباس تارکول کے ہوں گے، اور آگ کے شعلے چھائے

وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِىَ اللّٰهُ كُلَّ

جارہے ہوں گے ان کے چہروں پر ف۱۰۰ (یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ) تاکہ اللہ پورا بدلہ دے ہر کسی کو اس کے (زندگی بھر کے)

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

کیے (کرائے) کا، بے شک اللہ بڑا ہی جلد حساب لینے والا ہے ف۱۰۱ یہ ایک عظیم الشان پیغام ہے سب لوگوں کے لئے (تاکہ وہ اس پر

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

ایمان لائیں) اور تاکہ اس کے ذریعہ ان کو خبردار کردیا جائے (ان کے مآل وانجام ف۱۰۲ سے) اور تاکہ وہ یقین جان لیں کہ

هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع

ع ۱۹/۱۱

معبود برحق وہی ایک ہے، ف۱۰۳ اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقل خالص رکھنے والے، ف۱۰۴

۱۰۰ دوزخیوں کے لباس تارکول کے۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لباس تارکول کے ہونگے جس سے دوزخ کی آگ ان کو لپک پکڑے گی، اور یہ تارکول دراصل ان کے اپنے اسی کفر وشرک اور دوسرے جرائم کی ظاہری اور حسی شکل میں ہوگی جسے انہوں نے دنیا کی زندگی میں اپنائے رکھا تھا، کہ یہ دنیا دراصل عالمِ مجاہدہ ہے، اور آخرت عالمِ مشاہدہ۔ آج اس دنیا میں نیک وبد جو بھی اعمال کئے جارہے ہیں ان کی اپنی خاص شکلیں اور اثرات ہیں، آج تو بتقاضاء ابتلاء واختبار مخفی ومستور ہیں، لیکن کل قیامت کے اس یومِ عظیم میں جو کہ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کا دن ہوگا، اس میں یہ سب اپنی اصل شکل میں ظاہر ہوکر سب کے سامنے آجائینگے، سو ان کے کفر وشرک کا وہ باطنی اور معنوی لباس جو انہوں نے خود اپنائے رکھا تھا وہ تارکول کی شکل میں انکے جسموں پر تن جائے گا جس سے نکلنے اور خلاصی پانے کی پھر ان کیلئے کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ۔

۱۰۱ قیامِ قیامت تقاضاء عدل وانصاف:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ ہر کسی کو اسکی زندگی بھر کی کمائی کا صلہ وبدلہ ملے۔ تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہوسکیں، کہ پورا بدلہ انسان کو اپنے کیے کرائے کا آخرت کے اس لامحدود جہاں ہی میں مل سکے گا کہ دنیا میں اتنی گنجائش ہی نہیں۔ یہاں اگرچہ انسان کو اپنے نیک و بدعمل کا بدلہ کبھی کبھی اور کچھ نہ کچھ مختلف شکلوں میں ملتا رہتا ہے، لیکن وہ نہایت محدود اور ضمنی نوعیت کا ہوتا ہے، اصل اور پورا بدلہ انسان کو بہرحال وہیں ملے گا، نیکی کا بھی اور برائی کا بھی وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ تعالیٰ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّ شَرٍّ ایک تو اس لئے

کہ دنیا میں اتنی گنجائش ہے ہی نہیں کہ اس میں انسان کو اپنے کیے کرائے کا پورا بدلہ مل سکے، اور دوسرے اس لئے کہ دنیا اصل میں دار الجزاء نہیں دار العمل ہے۔ یہاں پر انسان کو عمل کی آزادی ملی ہوئی ہے کہ وہ اپنے ارادہ واختیار سے جو چاہے اور جیسا چاہے کرے اس کا صلہ وبدلہ اسکو آخرت کے اس یوم جزاء ہی میں ملے گا اور وہیں مل سکے گا جو اس دنیا کے بعد آئے گا پس اسی یوم عظیم کے تقاضوں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے وَبِاللّٰہِ التوفیق لمایُحبُّ و یُرید و علی ما یُحِبُّ و یرید۔

۱۰۲ قرآن حکیم کا اولیں مقصد انذار:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ اس کے ذریعے لوگوں کو خبردار کیا جائے، یعنی تا کہ ان کو خبردار کیا جائے ان کے مآل اور انجام سے، تا کہ اس طرح وہ اس کی روشنی میں اپنے انجام کی فکر کر سکیں، اور بُرے انجام سے بچ سکیں، اور حیات دنیا کی اس محدود و مختصر فرصت کو ضائع نہ ہونے دیں وَبِاللّٰہِ التَّوفِیقِ لِمَایُحِبُّ وَیَرضٰی سو اس کتاب حکیم کے ذریعے لوگوں کو ان کے مآل وانجام سے خبردار کرنا قدرت کا وہ عظیم الشان احسان ہے جس جیسا دوسرا کوئی احسان ہو سکتا ہی نہیں، کہ اس علم وآگہی کے بغیر انسان اپنے مقصد حیات سے بے خبر طرح طرح کے اندھیروں میں محو ومستغرق اور خسارہ درخسارہ کا شکار رہتا ہے۔ اور وہ نرا حیوان بن کر رہ جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر گمراہ ہو جاتا ہے، اور سب نیچوں سے نیچ (اسفل السافلین) بن کر رہ جاتا ہے، وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ العَظِیمِ سو قرآن حکیم اپنے نور مبین کے ذریعے اس کو حق وہدایت کی روشنی سے سرفراز وفیضیاب کرتا ہے اور اسکے دل ودماغ کو منور کر کے، اور اسکو حیوانیت محضہ کے قعر مذلت سے نکال کر ان عظمتوں اور رفعتوں سے ہمکنار وبہرہ ور کرتا ہے جن سے سرفرازی کے بعد یہ ساری خلائق کا مسجود ومطاع بن جاتا ہے، اور اس کو حق وہدایت کی اس شاہراہ پر ڈال دیتا ہے جس پر چل کر یہ دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا اہل اور مستحق ہو جاتا ہے، اور اس کا وجود ہدایت اور خیر کا وجود بن جاتا ہے۔

۱۰۳ قرآن حکیم کی اساسی تعلیم توحید خداوندی:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ وہ یقین سے جان لیں کہ معبود برحق یک ہی ہے۔ یعنی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک سو یہ ہے وہ اہم اور بنیادی نکتہ جس پر مدار وانحصار ہے سب معاملے کا، یعنی اس انسان کے اندر یہ ایمان ویقین راسخ ہو جائے کہ عبادت وبندگی اور اس کی ہر شکل صرف اور صرف ایک اللہ ہی کیلئے ہو اور بس، کہ معبود برحق وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس توحید خداوندی اصل اور اساس ہے سارے دین حنیف کی اور اسی پر مدار وانحصار اسکی تمام تر تعلیمات مقدسہ کا۔ پس ہر قسم کی عبادت وبندگی اور اسکی ہر شکل وصورت اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اس میں کسی بھی اور کو کسی بھی طور پر اور کسی بھی درجے میں شریک وسہیم ماننا شرک ہے جو کہ ظلم عظیم ہے اور یہ بغاوت اور ناقابل معافی جرم ہے وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ العَظِیمِ بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الا حوال و فی کُلِّ مَوطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ۔

۱۰۴ درس عبرت لینا عقل خالص کا تقاضا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ سبق حاصل کریں عقلِ خالص رکھنے والے اور وہ سبق لیں کہ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کہاں جا رہے ہیں؟ ہمارا یہ آنا اور جانا کیوں ہے؟ ہمارا مقصد وجود کیا ہے؟ اور اس کو کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے؟ جس نے ہمیں پیدا کیا وہ کون ہے؟ اور اس کا ہم پر کیا حق ہے؟ اور جب ان تمام بنیادی سوالوں کا جواب قرآن حکیم کے سوا اور کہیں سے بھی نہیں مل سکتا، اور یقیناً نہیں مل سکتا، تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتابِ حکیم قدرت کا کتنا بڑا عظیم احسان ہے، پس صدق دل سے اسی کی طرف راہنمائی حاصل کریں، یہی تقاضا ہے

عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا، پس جو لوگ قرآنی ہدایت سے محروم ہیں، اور وہ اس سے منہ موڑتے اور اعراض برتتے ہیں، وہ عقل مند نہیں ہیں۔ خواہ دنیاوی اعتبار سے وہ کتنے ہی عروج پر کیوں نہ ہوں وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم ، وَاٰخِرُ دَعْوٰٓنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وبهذا القدر نكتفى من تفسير سورة ابراهيم ،و الحمد الله ربىّ العالمين الذى لاتتِمُّ الصّالحات الّا بِتوفيق مِنه جلا وعلا

----------------------------- ✪ ✪ ✪ ✪ ✪ ✪ -----------------------------

☆— وانا عبدہ العاصی ولرحمتہ الراجی محمد اسحاق خان (عفا اللہ عنہ و عافاہ) ۲۳ شوال ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۹۰ء بروز جمعہ گیارہ بجے دن، منطقہ اُمّ ھریر دبی، متحدہ عرب امارات بکُلّ حالٍ مّنَ الاحوال۔

☆— تکمیل نظر ثانی ۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۹۹۷ء بروز جمعہ بوقت ساڑھے دس بجے شب سطوہ، دبئی، متحدہ عرب امارات، والحمدالله رب العالمين .الذى لا تتمُّ الصالحات الا بتوفيق منه سبحانهٗ وتعالىٰ ۔

☆— تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۵ مارچ ۲۰۰۰ء بروز اتوار بوقت سوا تین بجے صبح (اذان فجر سے دو گھنٹے قبل) سطوہ، دبئی، والحمدالله رب العالمين بكل حال من الاحوال و فى كل موطن من المواطن فى الحياة

☆— تکمیل تھرڈ پروف ریڈنگ ۱۵ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق ۹ اپریل ۲۰۰۱ء بروز پیر، بوقت چھ بجے شام، سطوہ، دبئی، متحدہ عرب امارات، والحمد الله رب العالمين قبل كُل شئٍ و بعد كل شى ، فانّه هو المحمود اَزَ لاً و اَبَدًا ۔و بيده الخير و هوعلىٰ كُلّ شىءٍ قدير و بالاجابة جدير جَلّ جَلالُهٗ وعَمّ نوالُه،

آیاتہا ۹۹ | ۱۵ سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ ۵۴ | رکوعاتہا ۶

سورۃ الحجر مکی ہے، اس کی ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الرا - یہ آیتیں ہیں اس کتابِ الٰہی کی اور کھول کر بیان کر دینے والے عظیم الشان قرآن کی

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ②

جب کافر لوگ رہ رہ کر پچھتائیں گے، کہ کاش ہم مسلمان ہوتے

۱ قرآن حکیم کی عظمت شان کا ایک اہم پہلو: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں اس کتاب حکیم کی، یعنی یہ اس طرح کے جملے اور فقرے نہیں جو عام لوگوں کے کلام اور ان کی گفتگو میں پائے جاتے ہیں بلکہ ان میں سے ایک ایک ٹکڑا اور حصہ ایک آیت اور نشانی ہے ایسے عظیم الشان معانی اور حقائق کی جو انقلاب آفریں ہیں۔ اور جن سے انسانی زندگی اور معاشرے کے دھارے بدل جاتے ہیں۔ سو ان آیات کریمات کو اسی اعتبار سے دیکھا اور پڑھا جائے۔ سو یہ اس عظیم الشان کتاب حکیم کی آیتیں ہیں جو کہ اللہ کے رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم، پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں لوگوں کو۔ سو یہ کلام حکیم کوئی عام کلام نہیں بلکہ یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے جس کے حصے کوئی عام کلام کے حصے نہیں۔ بلکہ یہ معجزانہ شان رکھنے والے ٹکڑے ہیں۔ انکو جملے نہیں کہا جاتا جس طرح دوسرے مختلف کلاموں میں پائے جاتے ہیں بلکہ آیات ہیں جو کہ اس کی شان اعجاز کی نشانیاں اور اسکی مظہر ہیں۔ سو ان کو اسی اعتبار سے دیکھا اور پڑھا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بکل حالٍ من الاحوال۔

۲ قرآن حکیم ایک کامل کتاب، والحمد للہ: اسی بناء پر اسکو یہاں بھی اور دوسرے کئی مقامات پر بھی الکتاب کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا ہے، سو یہی وہ کتاب ہے جو کہ الکتاب کہلانے کے لائق ہے، اور جو بڑی ہی عظیم الشان کتاب ہے، اور ایسی عظیم الشان کہ اس کی دوسری کوئی نظیر ومثال نہ ہوگی، نہ ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ جو کہ رحمتوں بھری ایسی کامل اور عظیم الشان کتاب ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسری کوئی کتاب کتاب کہلائے جانے کی مستحق ہی نہیں۔ اور جو کہ تمہارے لئے اے بنی نوع انسان ضامن وکفیل ہے دارین کی سعادت وسرخروئی اور فوز وفلاح کی۔ سو اس سے منہ موڑنا پرلے درجے کی حماقت اور سب سے بڑی محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اس کتاب حکیم کو صدق دل سے اپناؤ اور اس کی تعلیمات مقدسہ اور ہدایات عالیہ کے مطابق اپنی زندگی بناؤ تا کہ تم لوگ دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز وبہرہ ور ہو سکو اور ہمیشہ کے اس خسارے اور افسوس سے بچ سکو جو اس کے منکرین کا مقدر بن چکا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ پس اس کتاب عظیم کو اس کی

انہی عظمتوں کے مطابق دیکھا اور پڑھا جائے۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید وعلی مایحب ویرید

۳ قرآن حکیم کی عظمت اسکی صفت مبین کے اعتبار سے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والے اس قرآن عظیم کی، یعنی اس قرآن مجید کی جو کھول کر بیان کرتا ہے حق و باطل کو، صحیح اور غلط کو۔ جائز و ناجائز کو۔ سعادت و شقاوت اور کامیابی و ناکامی کو۔ اور اس بات کو بھی کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، کسی بشر کے بس ہی میں نہیں کہ وہ ایسا عظیم الشان کلام پیش کر سکے۔ سو یہ قرآن مبین اپنی مثال آپ ہے۔ اسی لئے اس کی تنوین تعظیم کی ہے۔ جیسا کہ الکتاب کی تعریف اس کی تعظیم کیلئے ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ ''مبین'' کے معنی واضح ہونے والے کے بھی ہیں اور واضح کرنے والے کے بھی۔ اور قران حکیم میں یہ دونوں معنٰی پائے جاتے ہیں اور بدرجہ تمام وکمال پائے جاتے ہیں۔ سو یہ کتاب حکیم اپنے معانی ومطالب کے اعتبار سے نہایت واضح ہے' اس میں کسی طرح کا کوئی ابہام نہیں پایا جاتا' نیز یہ کتاب حکیم آفتاب اور دلیل آفتاب کے مصداق اپنی صداقت وحقانیت پر خود گواہ ہے' اور ایسی اور اس طور پر کہ اسکے لئے کسی بیرونی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں' والحمد للہ جل وعلا۔

۴ کافروں کی حسرت اور ان کے افسوس کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے وقت اور مواقع آئیں گے کہ جب کافر لوگ رہ رہ کر پچھتائیں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے' سو ان کا یہ پچھتاوا ان کی موت کے وقت بھی ہوگا' جب کہ وہ جانکنی کی سختیوں سے دوچار ہونگے۔ نیز قیامت کے روز بھی جب وہاں کے احوال دیکھیں گے۔ جب کہ گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جایا جائے گا اور کافروں کو وہیں جلتا چھوڑ کر دوزخ کو ان پر موند دیا جائے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللہِ۔ سو ایسے تمام مواقع پر یہ کافر لوگ جو کہ آج اپنے کفر و باطل پر مست ومگن ہیں اور حق بات سننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے رہ رہ کر پچھتائیں گے اور حسرت وافسوس سے ہاتھ ملیں گے کہ کاش کہ ہم نے دنیا میں اسلام کو قبول کیا ہوتا اور راہ حق کو اپنایا ہوتا تو آج ہم بھی اسلام کی ان خیرات وبرکات سے فیضیاب ہوتے جن سے مسلمان فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اور ہم ان عواقب سے بچ جاتے جن سے آج ہمیں دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ (روح، ابن جریر، ابن کثیر، فتح القدیر، محاسن التاویل، مراغی اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ مگر اس وقت کے اس بے موقع پچھتاوے سے ان بدنصیبوں کو کچھ حاصل نہیں ہوگا سوائے حسرت وافسوس میں اضافے کے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللہِ الْعَظِیْمِ۔ سو قرآن حکیم نے کفار ومنکرین کو اس حقیقت سے پیشگی اور اس دنیا میں ہی خبردار کر دیا۔ اور اس قدر صراحت ووضاحت سے خبردار کر دیا۔ اور قدر صراحت وضاحت سے خبردار کر دیا تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے قبل اس سے کہ عمر رواں کی یہ فرصت محدود ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور انکو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللہ۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کا دنیا پر یہ کس قدر عظیم الشان اور بے مثال احسان ہے کہ ان غیبی حقائق کو اس نے اس طرح کھول کر بیان کر دیا جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ آج تو یہ لوگ اپنی رعونت اور غرور کی بنا پر دعوت حق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور اس کتاب حکیم کا انکار کر رہے ہیں۔ لیکن آگے ایسے وقت آئیں گے اور بار بار آئیں گے جب کہ یہ لوگ رہ رہ کر تمنا کریں گے کاش ہم ایمان لائے ہوتے اور ہم نے اسلام کو قبول کیا ہوتا تو ایسے عواقب ونتائج سے بچ جاتے۔ جیسا کہ اس سے پہلے سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر ۴۴ میں بھی گزر چکا ہے۔ مگر بے وقت کے اس افسوس سے ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ

چھوڑ دو ان کو ان کے حال پر، کہ کھاتے پیتے اور عیش کرتے رہیں، اور بھلاوے میں ڈالے رکھیں ان کو ان کی جھوٹی آرزوئیں

يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا

(اور امیدیں،) عنقریب ان کو (سب کچھ) خود ہی معلوم ہو جائے گا ۵ اور جس بستی کو بھی ہم نے ہلاک (اور برباد) کیا اس کے

كِتَابٌ مَعْلُومٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا

لئے ایک مقرر وقت رہا ہے لکھا ہوا، کوئی بھی قوم نہ تو اپنے مقرر وقت سے پہلے ہلاک ہوئی ہے اور نہ ہی

يَسْتَأْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ

اس سے پیچھے رہ سکی ہے، ۶ اور کہتے ہیں یہ لوگ (اللہ کے رسول سے) کہ اے وہ شخص جس پر اتارا گیا ہے

۵ منکروں اور غافلوں کا معاملہ ان کے انجام کے اعتبار سے:۔ سو ایسے غافلوں اور منکروں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو یہ کھاتے پیتے اور عیش کرتے رہیں اور ان کی من گھڑت اور جھوٹی آرزوئیں ان کو دھوکے میں ڈالے رکھیں، یہاں تک کہ یہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں، عنقریب ان کو خود معلوم ہو جائے گا، اس وقت یہ خود دیکھ لینگے کہ انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ جب حقائق کھل کر ان کے سامنے آجائیں گے کہ یہ جب دعوت حق کو سننے اور ماننے کیلئے تیار نہیں اس فانی دنیا کی ان حقیر لذتوں ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں تو ان کو انکے حال پر چھوڑ دو۔ اس کا بھگتان یہ خود بھگت لیں گے۔ اور وقت آنے پر ان کو سب کچھ خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ سو یہ معاند اور ہٹ دھرم لوگوں کیلئے آخری جواب ہوتا ہے کہ جب ایسے لوگ حق بات کو سننے ماننے لئے تیار ہی نہیں تو اس کے سوا چارہ کار ہی کیا ہو سکتا ہے کہ ان کو ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ یہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں اور اپنے بھگتان کو خود بھگتیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۶ ہر قوم اپنے مقررہ وقت پر اپنے انجام کو پہنچ کر رہی:۔ پس تاریخ کے اس حوالے سے موجودہ دور کے سرکش کفار کو سبق لینا چاہیئے۔ اور کچھ عرصہ اگر عذاب نہیں آتا تو اس سے دھوکے میں پڑنے اور مست ہونے کی بجائے ان کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ اور اپنی روش بدل لینی چاہیے۔ ورنہ وہ عذاب ان پر اپنے مقررہ وقت پر آکر رہے گا جس کے یہ مستحق ہیں۔ مگر اس وقت کے پچھتاوے سے انکو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے ایک ہے۔ پس جس انجام سے کل وہ باغی قومیں دوچار ہوئیں وہ ان کیلئے بھی آکر رہے گا۔ سو ان لوگوں پر جو ان کے کفر و انکار، تمرد و سرکشی اور مطالبہ عذاب کے باوجود عذاب نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان پر عذاب آئے گا ہی نہیں۔ اور یہ قابل مواخذہ ہی نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ عذاب کی یہ تاخیر دراصل اللہ تعالیٰ کی ایک سنت کی بناء پر ہے۔ اور وہ سنت الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم پر عذاب بھیجنے سے پہلے اس کو اتنی مہلت دیتا ہے کہ اس پر حجت تمام ہو جائے۔ اور اتمام حجت کے بعد بھی اگر وہ قوم باز نہیں آتی تو وہ لازماً اپنے آخری انجام سے دوچار ہو کر رہتی ہے۔ اور نوشتہ خداوندی کے مطابق جب ایسی قوم کی مدت مہلت پوری ہو جاتی ہے تو وہ اپنے ہولناک انجام سے دوچار ہو کر رہتی ہے۔ سرمو اس میں فرق واقع نہیں ہوتا۔ نہ اس میں کسی طرح کی تقدیم ہوتی ہے نہ تاخیر۔ پس منکرین و مکذبین کو تاخیر عذاب سے کسی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٦﴾ لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ

یہ ذکر، تو تو پرلے درجے کا دیوانہ ہے، ۵ کیوں نہیں لے آتا تو ہمارے پاس فرشتوں کو

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ

اگر واقعی تو سچا ہے (اپنے دعووں میں) ۶ (حالانکہ ہمارا دستور یہ ہے کہ) ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے

اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿٨﴾ اِنَّا نَحْنُ

مگر حق کے ساتھ، ۷ اور اس وقت ایسے منکروں کو کوئی مہلت بھی نہیں ملتی ۸،۹ اور بلاشبہ ہم ہی نے

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

اتارا ہے اس ذکر (قرآن حکیم) کو، اور بلاشبہ ہم خود ہی اس کے (محافظ و) نگہبان بھی ہیں ۱۲،۱۱ اور بلاشبہ ہم آپ سے پہلے بھی

مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ

(اے پیغمبر!) بہت سی اگلی امتوں میں رسول بھیج چکے ہیں، ان کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کا انہوں نے مذاق نہ

۷ کفار کے پیغمبروں سے مذاق واستہزاء کے ایک نمونے کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ کے رسول سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر یہ ذکر اتارا گیا ہے یقیناً تو پرلے درجے کا دیوانہ ہے، سو کفار نابکار کا حضرت محمد ﷺ سے ایسا کہنا مذاق واستہزاء کے طور پر تھا، والعیاذ باللہ العظیم، اس سے ان بدبختوں کے اس مزاح واستہزاء کا ایک نمونہ سامنے آتا ہے، جس کا ارتکاب وہ حضرت رسالتمآب ﷺ کی جناب اقدس واعلیٰ کے بارے میں کیا کرتے تھے' کیوں کہ ان لوگوں کا یہ کہنا ٹھٹھا اور مذاق کے طور پر تھا۔ یعنی اے وہ شخص جو اپنے اوپر قرآن کے اترنے کا دعویدار ہے۔ (صفوۃ، محاسن، جامع و مراغی وغیرہ)۔ اور اس طرح انہوں نے اپنی ذلت میں اضافے اور اپنی سیاہ بختی کو مزید پختہ کرنے کا سامان کیا کہ آسمان پر تھوکا جو خود تھوکنے والے انسان کے اپنے ہی منہ پر آ لگتا ہے اور حق اور داعی حق کی جناب میں گستاخی کا نتیجہ دولت حق وہدایت سے محرومی میں اضافہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ بہر کیف ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا طنز ومذاق کے طور پر تھا۔ کیونکہ وہ نہ تو اس ذکر کو مانتے تھے۔ سو ان کا یہ قول ویسے ہی تھا جیسا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کے بارے میں اپنے درباریوں سے کہا تھا ﴿اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ﴾ یعنی "تمہارے یہ صاحب جو اپنے تئیں رسول ہونے کے مدعی ہیں، پرلے درجے کے دیوانے ہیں" وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۸ کفار نابکار کا حضرت امام الانبیاء ﷺ کو مجنون قرار دینا والعیاذ باللہ:- اس استہزاء وتحقیر اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ان کی گستاخی اور اس کی تاکید ملاحظہ ہو کہ جملہ اسمیہ جو دوام استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ "اِنَّ" حرف تاکید اور پھر لام تاکید کا۔ اور اس سب گستاخی اور بے ہودگی کا ارتکاب ان ظالموں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب اقدس میں اس پیغام اور دعوت حق کی بناء پر کیا تھا جو کہ سراسر پیغام حق وصداقت ہے

۔اور جو خود انہی کے بھلے کے لئے تھی۔ مگر کفر و شرک کی نحوست کی ماری ہوئی ان کی کھوپڑیوں میں اس کی حقانیت بیٹھ ہی نہیں رہی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے ان بے شمار خود ساختی خداؤں کی نفی کر کے ایک ہی خدائے واحد پر ایمان کی بات کیسے مانی جائے۔ ﴿اَ جَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص:۵)۔ نیز یہ کہ اس دنیائے دوں کی ان حاضر و نقد لذتوں کو ہم آخرت کی ادھار اور ان دیکھی نعمتوں پر کیسے اور کیوں قربان کر دیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو یہاں سے یہ عظیم درس بھی ہمیں ملتا ہے کہ جب اللہ پاک کی مخلوق میں سے سب سے بڑی اور پاکیزہ ہستی کو بھی لوگوں نے معاف نہیں کیا۔ تو کون ہو سکتا ہے جس کو سب اچھا کہیں؟ سو ایسا نہ کبھی ہوا نہ ہو سکتا ہے کہ دعوتِ حق کا تقاضا اور اس کا خاصہ ہی یہ ہے کہ جب اس کو صاف و صریح انداز میں پیش کیا جائے تو اہل باطل اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے لاؤ لشکر سمیت اس کے مقابلے میں نکل جائیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ جَلَّ وَ عَلَا ۔ اور جب حضرت امام الانبیا۔علیه و علیهم الصلوٰة و السلام۔ کو بھی ابنائے کفر و باطل نے معاف نہیں کیا اور ان کے حق میں بھی اس حد تک غلیظ اور ناروا جملے استعمال کئے گئے تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو حق بھی بیان کرے اور حق کی بات بلا کسی لاگ لپیٹ کے کہے۔ اور ابنائے کفر و باطل اور اہل زیغ و ضلال اس کے خلاف کچھ بولیں بھی نہ؟ اس لئے داعی حق کے دل میں یہ بات کبھی آنی ہی نہیں چاہیے کہ سب لوگ مجھے اچھا کہیں۔ بلکہ اس کو فکر و دھن صرف اس بات کی ہونی چاہئے کہ میرا معاملہ میرے رب سے صحیح ہو۔ اور وہ مجھ سے راضی رہے اور بس۔ اس کے بعد دنیا کیا کہتی ہے اس کی کوئی فکر و پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔ و باللہ التوفیق۔ بہر کیف کفار نانہجار نے حضرت امام الانبیاء ﷺ کو مجنون قرار دے کر اپنی سیاہ بختی کو اور گہرا اور پکا کر دیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ وَسُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ۔

۹ منکرین کی طرف سے فرشتے لانے کا مطالبہ:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے پیغمبر سے کہا کہ کیوں نہیں لے آتا تو ہمارے پاس فرشتے اگر تو سچا ہے اپنے دعووں میں، یعنی ایسے فرشتے جو تمہارے ساتھ رہیں اور جو اس بات کی گواہی دیں کہ واقعی تم اللہ کے رسول ہو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لَوْ لَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا﴾۔ (الفرقان:۷) نیز دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿فَلَوْ لَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ﴾۔ (الزخرف:۵۳)۔ سو ان لوگوں کا پیغمبر سے کہنا تھا کہ اگر اپنے دعویٰ رسالت میں سچے ہیں تو اس طرح فرشتے کیوں نہیں آتے۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے معاند لوگوں کے عناد و ہٹ دھرمی اور ان کی حجت بازیوں کا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ بہر کیف ان کا کہنا تھا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ تمہارے پاس فرشتہ آتا ہے اور وہ آسمانی وحی لاتا ہے تو تم ان فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں لاتے۔ تا کہ ہم بھی ان کو دیکھیں اور سنیں کہ وہ کیسے ہوتے ہیں اور کیا کہتے ہیں۔ آخر تم ہی کو سرخاب کے ایسے کون سے پر لگے ہوئے ہیں کہ وہ تمہارے پاس آتے ہیں اور اللہ کا کلام تم کو پہنچاتے ہیں اور ہمارے پاس نہیں آسکتے۔ اور ہم سے بول نہیں سکتے۔ آخر کیوں؟ سو یہ لوگوں کی حماقت اور مت ماری کا نمونہ تھا۔ جس سے انکی محرومی ہی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ والعیاذ باللہ

۱۰ فرشتوں کا آنا حق کے ساتھ:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر حق کے ساتھ یعنی اس حکمت الٰہیہ کے مطابق جو کہ سنت اور دستورِ خداوندی کا مقتضی ہے اور اس کی رو سے فرشتے اس وقت اترتے ہیں جب کہ کسی

قوم کی مدت مہلت ختم ہو جاتی ہے اور اس کے عذاب کا وقت آ پہنچتا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيم۔ اور یہ اس لئے کہ دستور خداوندی یہی ہے کہ فرمائشی معجزوں کے اتارنے کے بعد بھی جو قوم نہیں مانتی اس کو ہلاک کر دیا جاتا ہے کہ معاند اور ہٹ دھرم لوگوں کا مآل و انجام یہی ہوتا ہے۔ سو فرشتوں کے اتارنے کا تمہارا مطالبہ جو پورا نہیں کیا جاتا تو یہ خود تمہارے ہی بھلے اور فائدے کیلئے ہے۔ سو اس ارشاد سے ان لوگوں کے مذکورہ بالا مطالبے کا جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مشیت و مرضی یہ ہے کہ لوگ آفاق و انفس میں پائے جانے والے گوناگوں اور عظیم الشان دلائل و شواہد میں غور و فکر کر کے از خود اور اپنی مرضی سے ایمان لے آئیں۔ تاکہ ان کو راہ حق و ہدایت نصیب ہو، اور وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہو سکیں۔۔ اور ایمان لانے کے لئے فرشتوں کا مطالبہ نہ کریں۔ کیونکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی وقت بھیجا جاتا ہے جب کہ لوگ ایسے اندھے بہرے بن جاتے ہیں کہ ان کے لئے کوڑائے عذاب کے سوا کوئی اور چارہ باقی نہیں رہ جاتا۔ تب فرشتے خدا تعالیٰ کے فیصلہ عذاب کے ساتھ اترتے ہیں اور اس قوم کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ اپنے کفر و انکار اور عناد و ہٹ دھرمی کے نتیجے میں اللہ کی دھرتی پر ایک ناروا اور ناقابل برداشت بوجھ بن کر رہ جاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيم۔

۱۱ فرمائشی معجزے کے اظہار کے بعد منکرین کو مہلت نہیں ملتی:- سو اس وقت ایسے منکروں کو کوئی مہلت نہیں مل سکتی۔ کیونکہ ہمارا دستور اور قانون یہی ہے کہ جس قوم کیلئے اس کی فرمائش کے مطابق اس طرح کے کسی خرق عادت امر اور معجزے کا اظہار کر دیا جائے اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس طرح اس پر حجت تمام کر دی جاتی ہے اور اس کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا کہ ان کیلئے غیب ایک درجے میں شہود بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے مختلف امتوں اور قوموں کے ساتھ اس طرح ہو چکا ہے۔ سو تمہارے فرمائشی معجزے پورے نہ کرنے میں خود تمہارا ہی بھلا ہے اے لوگو! کہ اس طرح تم عذاب استیصال سے بچے ہوئے ہو۔ (قرطبی، مراغی، صفوۃ، روح اور جامع وغیرہ)۔ بہر کیف فرشتوں کا آنا ایسے لوگوں کے لئے خدا کی طرف سے آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں گزرا۔

۱۲ قرانِ حکیم کا محافظ خود اللہ تعالیٰ:- اسی لئے یہ کتاب حکیم آج تک جوں کی توں محفوظ ہے، اور قیامت تک انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح محفوظ رہے گی، بخلاف پہلے والی آسمانی کتابوں کے، کہ ان کی حفاظت کی ذمہ خود ان کے حاملین پر ڈالی گئی تھی، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ﴾ الآیۃ (المائدۃ:۴۴) یعنی ''ان سابقہ کتابوں کا محافظ ان کے محافظین ہی کو بنایا گیا تھا'' اس لئے ان کتابوں کو بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیا گیا ہے یہاں تک کہ موجودہ بائبل کے نام سے پائی جانے والی تورات و انجیل کی کتابیں ان کے حاملین کی تحریف و تلبیس اور دست برد سے آسمانی اور الہامی کی بجائے جنس (Sex) کی کتابیں بن کر رہ گئی ہیں۔۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيم۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس ذکر کو ہم ہی نے اتارا ہے اور اس کے محافظ بھی خود ہم ہی ہیں۔ اور یہ منکرین و مکذبین اگر انکار و اعراض ہی پر اڑے رہیں گے تو یہ اس کا کچھ نہیں بگاڑیں گے بلکہ اس طرح اپنی ہی محرومی اور روسیاہی کو پکا کریں گے۔ اور یہ اگر اس کی دعوت اور حفاظت سے منہ موڑیں گے تو اللہ اس کام کے لئے دوسرے ایسے لوگوں کو کھڑا کر دے گا جو اس کا انکار نہیں کریں گے بلکہ اس کے لئے ہر قربانی کو اپنی سعادت سمجھیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾۔ (الانعام:۸۹) سو کفر و انکار محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ

اڑایا ہو، (پس آپ ان کی تکذیب سے غمزدہ وافسردہ نہ ہوں،) وا۱۳ اسی طرح اتار دیتے ہیں ہم اس (تکذیب واستہزاء) کو

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ

مجرموں کے دلوں میں وا۱۴ یہ اس پر ایمان نہیں لاتے، اور یہی طریقہ (ودستور)

۱۳ پیغمبر کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان:- کہ تکذیب واستہزاء کا یہ سلوک کوئی نئی چیز نہیں۔ بلکہ یہ اس سے پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ پس اس میں آنحضرت ﷺ کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے۔ (ابن کثیر، محاسن، صفوۃ اور جامع وغیرہ) پہلے انبیاء و رسل کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی اور ان کو بھی اسی طرح ستایا گیا جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ما يقال لك الا ما قد قيل للرسل من قبلك﴾۔ (حٰم السجدہ: ۴۳)۔ یعنی ''آپ کو بھی اے پیغمبر وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے کے رسولوں کو کہا گیا''۔ لہٰذا آپ بھی اسی طرح صبر و برداشت سے کام لیں جس طرح کہ انہوں نے لیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لهم﴾۔ (الاحقاف: ۳۵) اور اسی میں درس عبرت وبصیرت ہے ہر داعیٔ حق کے لئے کہ جب حضرات انبیائے کرام کی قدسی صفات ہستیوں کو بھی لوگوں نے نہیں بخشا تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو اعدائے حق کے طعن وتشنیع سے بچ سکے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

۱۴ ﴿نَسْلُكُهٗ﴾ کی ضمیر منصوب کے مرجع میں دو قول واحتمال: اسی طرح ہم اتار دیتے ہیں اس۔ تکذیب و استہزاء۔ کو مجرموں کے دلوں میں۔ یعنی ﴿نَسْلُكُهٗ﴾ میں ضمیر منصوب کا مرجع تکذیب واستہزاء ہے۔ یعنی ان بدبخت لوگوں نے جب حق کو قبول کرنے کی بجائے اس کی تکذیب اور اسکے استہزاء ہی کو اپنایا تو ہم نے ان کے اس اختیار کے مطابق اسی چیز کو ان کے دلوں میں اتار دیا۔ کیونکہ ہمارا قانون ودستور یہی ہے کہ انسان جدھر جانا چاہے ہم اس کو ادھر ہی چلتا کر دیتے ہیں۔ ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ بہرکیف یہ ایک قول واحتمال ہے جس کو مفسرین کرام کے ایک گروہ نے اختیار کیا۔ (ابن کثیر، جامع البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ) جب کہ دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع ذکر ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن حکیم ایمان والوں کے دلوں کیلئے تو ٹھنڈک اور انکے سرور وسکون کا ذریعہ بنتا ہے ان کے ایمان ویقین کی بناء پر۔ لیکن مجرموں اور کفار ومشرکین کے دلوں میں یہ لوہے کی سلاخ بن کر گزرتا ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں ایمان ویقین کی برودت وٹھنڈک کی بجائے کفر وبغاوت اور حسد وعداوت کی آگ بھڑکتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ (المراغی، ابوالسعود، فتح القدیر وغیرہ) اور صاحب فتح القدیر علامہ شوکانیؒ نے پہلے قول کو بعید قرار دیا ہے۔ بہرکیف قرآن حکیم کی باران رحمت اہل ایمان کیلئے رحمت ہی رحمت اور سکون ہی سکون ہے۔ اور اہل کفر کے لئے عذاب در عذاب۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور یہ نتیجہ ہے ہر کسی کے اپنے اختیار کا۔ اہل خیر کو ان کے حسن اختیار کے نتیجے میں خیر ہی نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے ہر کسی کے اپنے اختیار کا۔ اہل خیر کو ان کے حسنِ اختیار کے نتیجے میں خیر ہی نصیب ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اور اہل شر کو انکے اپنے سوء اختیار کی بناء پر جلنا اور کڑھنا ہی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ وَّسُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ۔

سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ

رہا ہے پہلے لوگوں کا، اور (ان کے عناد اور ہٹ دھرمی کا عالم یہ ہے کہ) اگر ہم ان پر آسمان میں کوئی دروازہ بھی کھول دیں،

فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ

پھر یہ اس سے خود اوپر چڑھنے بھی لگ جائیں تب بھی یہ (ماننے کی بجائے الٹا) یوں کہنے لگیں گے کہ ہماری تو نظر

اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ

بندی کردی گئی ہے، بلکہ ہم لوگوں پر تو بالکل جادو ہی کر دیا گیا ہے ۱۵ اور بلاشبہ ہم ہی نے رکھ دیئے آسمان میں عظیم الشان

جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ

برج ۱۶ اور ہم ہی نے ان کو مزین کردیا دیکھنے والوں کے لئے ۱۷ اور ہم ہی نے ان کی حفاظت کا سامان کیا ہر شیطن مردود

حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ

(کی دست درازی) سے، مگر یہ کہ کوئی چوری چھپے کچھ سن گن لے، تو اس کا پیچھا کرتا ہے ایک شعلہ روشن، اور زمین (کے

السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا

اس عظیم الشان کرے) کو بھی ہم ہی نے (بچھایا) پھیلایا (اپنے کمال قدرت و حکمت سے،) ۱۸ اور ہم ہی نے ڈال دیئے

۱۵ منکرین کی ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ و مظہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم ان لوگوں پر آسمان سے کوئی دروازہ بھی کھول دیں، جس سے یہ اوپر چڑھنے بھی لگ جائیں تو بھی انہوں نے ماننے کی بجائے الٹا یوں کہنا ہے کہ ہماری تو نگاہیں بند کردی گئیں، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا، جس سے ہماری عقلیں حقیقت کے فہم وادراک سے عاجز آگئیں اور محض خیالی چیزیں ہم کو حقیقت کی صورت میں نظر آنے لگی ہیں۔ اور یہ کہ یہ جادو ہم پر محمد نے کیا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، مدارک التنزیل، صفوۃ التفاسیر، جامع، خازن وغیرہ)۔ سو ایسے ہٹ دھرم لوگوں سے قبول حق کی کوئی امید کس طرح قائم کی جاسکتی ہے؟ پس ایسے ہٹ دھرموں کے عناد اور انکی ہٹ دھرمی سے اہل حق نہ کبھی افسردہ و دلگیر ہوں اور نہ کبھی راہ حق میں سست روی دکھائیں سو اس سے ان کے عناد اور ہٹ دھرمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فرشتوں کا اتارا جانا تو الگ رہا ان کے لئے اگر آسمان میں کوئی ایسا دروازہ بھی کھول دیا جائے جس سے یہ اوپر چڑھنے لگ جائیں تب بھی یہ ماننے کی بجائے یوں کہنے لگیں کہ ہماری آنکھیں بند کردی گئیں اور ہم پر جادو کردیا گیا۔ سو ایسے ہٹ دھرموں سے ایمان لانے کی کوئی امید کس طرح کی جاسکتی ہے۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۶ آسمان کے بروج سے مقصود و مراد؟ "برج" کے معنی عربی زبان میں بڑے محل، قلعے اور مضبوط و مستحکم عمارت کے آتے ہیں۔ یہاں پر بروج سے مراد کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد بڑے کواکب اور سیارات ہیں۔ اور بعض نے کہا اس سے مراد وہ مختلف منازل ہیں جن میں سورج و چاند کے یہ عظیم الشان کرّے گردش کرتے ہیں۔ سو ان میں سے جو بھی صورت ہو یہ قدرت کی عظیم الشان نشانیوں میں سے ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو یہ عظیم الشان نشان ہائے قدرت اپنی زبان حال سے پکار پکار کر انسان کو دعوت غور و فکر دے رہے ہیں کہ ذرا سوچو اور غور کرو کہ وہ کون ہے جس نے ایسی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے ان برجوں کو آسمان میں رکھ دیا؟ اس کے ہم پر کس قدر احسانات ہیں اور اس کا حق شکر ہم کس طرح اداء کر سکتے ہیں۔ پس عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے کہ انسان ہمیشہ اسی کے آگے جھکا رہے۔

۱۷ دیکھنے والوں کے ذوق جمال کی تسکین کا سامان:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو مزین اور خوشنما بنا دیا دیکھنے والوں کے لئے تا کہ اس سے ان کے ذوق جمال کی تسکین کا سامان ہو سکے۔ سو یہ کواکب و سیارات انسان کے معبود نہیں، اس کے خدام ہیں۔ پس عبادت و بندگی کے حقدار یہ نہیں بلکہ وہ ذات اقدس واعلیٰ ہے جس نے ان کو پیدا فرما کر اس پر حکمت نظام کے تحت اپنے بندوں کی خیر اور بھلائی کیلئے کام میں لگا دیا۔ سو کس قدر بہکے بھٹکے اور غلط کار ہیں وہ لوگ جو خالق سے منہ موڑ کر اس طرح کی عاجز و بے اختیار مخلوق کی پوجا پاٹ میں لگ گئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيم۔ سو آسمان کے لئے زیب و زینت بننے والے یہ جھلمل جھلمل کرتے ستارے سیارے اور سورج و چاند کے چمکتے دمکتے یہ عظیم الشان کرّے اپنی زبان حال سے پکار پکار کر دعوت غور و فکر دے رہے ہیں کہ لوگو ذرا سوچو اور غور کرو کہ آخر یہ سب کچھ کس کی قدرت و حکمت اور رحمت و عنایت کا نتیجہ و ثمرہ ہے؟ اور ان عظیم الشان مظاہر قدرت و حکمت کے پیچھے کارفرما اس دست قدرت اور قادر مطلق کا تم پر کیا حق ہے؟ اور وہ حق ادا کرنے کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ اور یہ کہ جو لوگ اس قادر مطلق اور مہربان مطلق سے غافل اور اس کے حق واجب سے لاپرواہ و بے فکر ہیں وہ کس قدر بے انصاف اور کتنے بڑے ناشکرے ہیں۔ اور جو اس سے بھی بڑھ کر اس واہب مطلق کی بخشی ہوئی ان نعمتوں کو ان دوسری ہستیوں کی طرف منسوب کرتے اور ان کو اس وحدہ لاشریک کا شریک و سہیم جانتے ہیں وہ کیسے ناشکرے اور کتنے بڑے ظالم ہیں؟ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيم۔

۱۸ بچھونۂ ارضی میں سامان غور و فکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ زمین کے اس عظیم الشان کرّے کو بھی ہم ہی نے بچھایا و پھیلایا ہے اس پر حکمت طریقے سے، تا کہ یہ ہماری مخلوق اور خاص کر ہمارے بندوں کی بود و باش کے لئے موزوں ہو سکے جو کہ اس کائنات کے مخدوم و مطاع ہیں۔ سو زمین کے اس عظیم الشان کرّے کو اس قدر پر حکمت نظام کے تحت بچھا اور پھیلا دینا کس قدر عظیم الشان کارنامہ ہے اس وحدہٗ لاشریک کا؟۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پھر بھی اس کی اطاعت اور اس کی عبادت و بندگی سے منہ موڑنا کس قدر ظلم اور کتنی بڑی ناانصافی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيم۔ سو یہ زمین اور اس کے اندر پائی جانے والی طرح طرح کی مخلوق میں سے کوئی بھی چیز انسان کی معبود و مسجود نہیں بلکہ اس کی خادم ہے۔ اور بندے کا کام اور اس کیلئے حق و ہدایت کی راہ یہ ہے کہ وہ اس زمین سے اور اس میں پائی جانے والی نعمتوں اور طرح طرح کی مخلوق سے فائدے اٹھا کر اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کرے اور دل و جان سے ان کے حضور سجدہ ریز ہو جائے تا کہ اس طرح وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور ہو سکے۔ و باللہ التوفیق۔ سو زمین و آسمان کی یہ عظیم الشان کائنات حضرت حق۔ جل مجدہٗ۔ کی قدرت مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور رحمت شاملہ کے دلائل و شواہد سے مملو معمور ہے۔ لیکن بُرا ہو غفلت و لاپرواہی کا کہ اس نے انسان پر اپنے پنجے اس قدر شدت و سختی سے گاڑ رکھے ہیں کہ انسان ان کی طرف نگاہ عبرت اٹھاتا ہی نہیں۔ اور وہ خواہشات نفس کے پیچھے لگ کر بطن و فرج کا بندہ بن کر رہ گیا ہے اور انسانیت کے منصب شرف سے گر کر حیوان محض بلکہ اس سے بھی نیچے گر کر بدترین مخلوق "شر البریہ" بن گیا۔ جو کہ خساروں کا خسارہ اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيم۔

وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ

اس میں (پہاڑوں کے) عظیم الشان لنگر ف۱۹ اور اگائی ہم نے اس میں ہر چیز نپی تلی مقدار کے مطابق، اور ہم ہی نے رکھ

مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَ مَنْ

دیئے اس میں طرح طرح کے سامانِ زیست ف۲۰ تمہارے لئے بھی اور ان سب کے لئے بھی جن کے روزی رساں (ظاہری

۱۹ زمین کے لنگروں میں سامان غور و فکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور ہم ہی نے زمین میں ڈال دیئے (پہاڑوں کے) عظیم الشان لنگر، تا کہ یہ زمین تمہیں لے کر ڈولنے نہ لگے اور تا کہ تمہارے لئے راحت و سکون کا سامان ہو سکے۔ اس طرح یہ جہاں اس قادر مطلق کی بے پایاں قدرت و حکمت کی نشانی ہے وہاں یہ اس کی لامحدود رحمت و عنایت کا بھی ایک زندہ جاوید ثبوت ہے۔ پس اس کا انکار کرنا یا اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ماننا سب سے بڑی نمک حرامی اور سخت ترین ظلم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ سو فلک بوس پہاڑوں کے یہ عظیم الشان سلسلے بھی اپنی گردنیں اٹھا اٹھا کر ان کو دعوت غور و فکر دے رہے ہیں کہ جھک جاؤ تم سب اپنے اس خالق و مالک کے حضور کہ یہ اس وحدہٗ لاشریک کا حق واجب ہے تم سب پر۔ جو اس کی ان طرح طرح کی عظیم الشان نعمتوں کے عوض تم پر عائد ہوتا ہے۔ اور اس میں بھلا اور فائدہ ہے خود تمہارا اپنا اے لوگو۔ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں اور حقیقی زندگی میں بھی۔ جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے، وباللہ التوفیق لما یحب و یریدھو الھادی الیٰ سواء السبیل فَعَلَیْهِ نَتَوَكَّل وبِهٖ نَسْتَعِیْن۔

۲۰ سامانہائے زیست کے بارے میں دعوتِ غور و فکر:- سو آسمان و زمین کی نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد اس ارشاد سے انسان کے سامانِ زندگی اور اللہ پاک کے حکمتوں بھرے نظام ربوبیت کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا "اور ہم ہی نے رکھ دیئے زمین میں طرح طرح کے سامانہائے زیست" کھانے کے، پینے کے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے اور علاج معالجہ وغیری وغیرہ کے طرح طرح کے وہ سامان جن سے تم لوگ دن رات فائدہ اٹھاتے اور طرح طرح سے مستفید ہوتے ہو۔ اور دن رات کے پورے دورانیے میں اور لگاتار مستفید ہوتے ہو۔ سو ذرا سوچو تو سہی کہ کس قدر قادر مطلق اور کیسا مہربان اور وہاب و کریم ہے تمہارا وہ رب جس نے تمہارے لئے یہ سب کچھ پیدا فرمایا اور تمہاری طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر۔ سو ذرا سوچو کہ زمین سے اگنے والی طرح طرح کی پیداواریں اور غلے اس میں پائی جانے والی قسما قسم کی کانیں اور عظیم الشان خزانے جن سے تم لوگ دن رات فائدہ اٹھاتے اور طرح طرح سے مستفید ہوتے ہو آخر یہ سب کچھ کس کی بخشش و عطاء ہے؟ اور اس کا تم پر کیا حق عائد ہوتا ہے؟ سو وہی اللہ وحدہٗ لاشریک خالق و مالک حقیقی ہے، جو کہ معبود برحق ہے، اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اَللّٰهُمَّ فَخُذْنَا بِنَوَاصِیْنَا اِلٰی مَافِیْهِ حُبُّكَ وَالرِّضَا، بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوالُ و فی كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ۔

لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا

طور پر بھی) تم نہیں ہو ۲۱ اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ہمارے پاس (خزانوں کے) خزانے نہ ہوں ۲۲ اور جس چیز کو بھی ہم

خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱ وَاَرْسَلْنَا

اتارتے ہیں ایک مقرر مقدار ہی میں اتارتے ہیں ۲۳ اور ہم ہی بھیجتے ہیں ہواؤں کو بار آور بنا کر، پھر ہم ہی اتارتے ہیں

الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ

آسمان سے پانی (ایک نہایت ہی پُر حکمت نظام کے تحت،) سو (اس طرح اپنی رحمت وعنایت سے) ہم تمہاری سیرابی کا

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝۲۲ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ

سامان کرتے ہیں، ورنہ تم ایسے نہیں کہ (اپنے طور پر اس طرح) اس کو سٹور کر سکو ۲۴ اور بلاشبہ یہ بھی ایک قطعی حقیقت ہے

نُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۲۳ وَلَقَدْ عَلِمْنَا

کہ زندگی بھی ہم ہی بخشتے ہیں، اور موت بھی ہمارے ہی قبضہ میں ہے ۲۵ اور ہم ہی ہیں سب کے وارث ۲۶ اور بلاشبہ ہم خوب

الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝۲۴

جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی، ۲۷ اور ہم خوب جانتے ہیں پیچھے رہنے والوں کو بھی،

۲۱ روزی رساں سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اسکے اندر طرح طرح کے سامانہائے زیست رکھ دیئے، تمہارے لئے بھی، اور ان سب کے لئے بھی، جن کے روزی رساں تم نہیں ہو یعنی ظاہری اسباب و وسائط کے درجے میں بھی تمہارا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ ورنہ حقیقت میں تو روزی رساں سب کا اللہ ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ تمہارا بھی اور ان دوسروں کا بھی۔ (فتح القدیر وغیرہ)۔ سو تم سوچو کہ جس نے تمارے لئے ظاہر اور مادی رزق کی بہم رسانی اور فراوانی کا اس طرح انتظام فرمایا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی غذا کا انتظام نہ فرمائے؟ جبکہ اصل چیز روح ہی ہے۔ سو اس نے تمہاری روحانی غذا کیلئے وحی کا انتظام فرمایا جو اب قرآن حکیم کی صورت میں تمہارے سامنے موجود ہے۔ پس تم لوگ اس کو صدق دل سے اپناؤ تاکہ تمہارا اپنا بھلا ہو، اور غور کرو کہ اس مہربان مطلق نے صرف تمہارے ہی لئے ان غذاؤں اور سامان زیست کا بھی انتظام نہیں فرمایا (بلکہ اس بیشمار مخلوق کی غذا اور ان کیلئے درکار قسما قسم کے سامانہائے زیست کا بھی انتظام فرمایا جو خود تمہارے ہی کام آتی ہے)۔ آخر سمندر میں تیرنے والی ان بے شمار ولا تعداد مچھلیوں کی پرورش اور ان کی خوراک اور ان کے لوازمِ زندگی کا انتظام کس نے کیا؟ جو تمہارے لئے ﴿لَحْمًا طَرِيًّا﴾ "تازہ گوشت" کے طور پر ہر وقت اور ہر جگہ موجود

ہے۔ جن سے تم لوگ طرح طرح کے کاروبار کرتے۔ روپیہ پیسہ کماتے اور قسما قسم کے فائدے اٹھاتے ہو۔ اور یہ فضاؤں میں اڑنے والے بے حدوحساب پرندے اور جنگلوں میں چرنے پھرنے والے ان گنت ولاتعداد جانور جن سے تم لوگ طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو آخران سب کی پرورش اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کون کرتا ہے؟ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۲ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانوں کے خزانے' سبحانہ وتعالیٰ:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ہمارے پاس خزانوں کے خزانے نہ ہوں' جو کہ نتیجہ وثمرہ ہے ہماری لامحدود قدرت وعنایت کا۔ اور یہ خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ اور حدیث شریف کے مطابق اس کے خزانے تو اس کے اقوال وارشادات ہیں۔ جو چاہا ہو گیا۔ جو فرمایا وجود میں آ گیا۔ (جامع البیان وغیرہ) سو ہمارے خزانوں میں کسی نقص وکمی کا کوئی سوال نہیں لیکن ہم ان میں سے اتارتے اتنا ہی ہیں جتنا کہ اس دنیا کی بقاء کا تقاضا ہوتا ہے۔ سو اللہ پاک کی اس کائنات میں ہر چیز کا تناسب اور اس کی ایک خاص حد ہوتی ہے جس کے مطابق ہر چیز کو اتارا جاتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس بندے کا کام ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف متوجہ رہے اور ہر چیز اسی سے مانگے' کہ اس کے خزانے لامحدود ہیں' سبحانہ وتعالیٰ' وہاں کسی چیز کی کمی کا کوئی خدشہ واندیشہ نہیں' جیسا کہ فرمایا انفق یا بلال و لاتخش من ذی العرش اقلالا یعنی بلال تم خرچ کرو اور عرش والے سے کسی کمی کا اندیشہ نہ رکھو' سو اس کے خزانے اور اس کی عطاء وبخشش سب لامحدود ہیں' سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۳ ہر چیز کی تنزیل ایک مناسب مقدار میں:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حَصر وقَصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک مقرر مقدار میں' یعنی جتنا کہ حکمت اور مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ یہی دیکھ لیجئے کہ آج کے مشینی دور میں پٹرول کی جو اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن آج سے ڈیڑھ دو ہزار برس یا ڈیڑھ دو صدی قبل اسکی سرے سے ضرورت ہی نہیں تھی۔ اور آج کے اس دور میں جونہی اس کی ضرورت بنی نوع انسان کو پیش آئی تو قدرت کی طرف سے جگہ جگہ اس کے عظیم الشان چشمے اُبل پڑے۔ جس سے دنیا دن رات لگاتار کام لے رہی ہے اور طرح طرح سے اس سے مستفید وفیضیاب ہو رہی ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ مِنْ خَالِقٍ مَالِکٍ قَادِرٍ قَیُوْم ، اِلٰہٍ خَبِیْرٍ، بِعِبَادِہٖ وَ مَا یَحْتَاجُوْنَ اِلَیْہِ فِیْ کُلِّ زَمَانٍ وَ مَکَانٍ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ. سو تمہیں جو کچھ مانگنا ہو اسی قادر مطلق سے مانگو کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سو اس کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کا دیا بخشا ہے۔ تمہاری خود ساختہ دیویوں اور دیوتاؤں اور من گھڑت وفرضی ''سرکاروں'' کے کسی دخل کا کوئی سوال نہیں۔

۲۴ پانی کی عظیم الشان نعمت میں سامانِ غور وفکر:۔ سو مخلوق کے لئے پانی کو اتارنا اور محفوظ رکھنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت وحکمت کا نتیجہ وثمرہ ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آسمان سے پانی اُتارا اور ہم نے تمہاری سیرابی کا سامان کیا' ورنہ تمہارے بس میں نہیں کہ تم اس کو سٹور کر سکو' سو ہم نے نہایت پُر حکمت طریقے سے تمہاری طرح طرح کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ایسا کیا ورنہ تم ایسے نہیں کہ اس کو اپنے طور پر سٹور کر سکو۔ یہاں تک کہ مادی ترقی کے اس محیر العقول دور میں بھی کوئی ایک حکومت تو کیا سب ترقی یافتہ اور متمدن حکومتیں مل کر بھی قدرت کے قائم کردہ اس عظیم الشان نظام کا کوئی متبادل پیش نہیں کر سکتیں۔ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ الَّذِیْ لَاحَدَّ لِقُدْرَتِہٖ وَلَانِہَایَۃَ لِرَحْمَتِہٖ جَلَّ وَ عَلَا. اور جب اس کی ان صفات وعنایات میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر اس کی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک کس طرح ہو سکتا ہے؟ سو پانی کے اس مابہ الحیات جوہر کو اتارنا اور پھر اس کو مختلف سمندروں، دریاؤں،

ندیوں، نالوں اور چشموں سوتوں وغیرہ کی صورت میں محفوظ اور سٹور کرنا بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی قدرت وحکمت وعنایت کا نتیجہ وثمرہ ہے۔ جس میں اسکی قدرت وحکمت اور اسکی رحمت وعنایت کے بڑے عظیم الشان اور چشم کشا پہلو پائے جاتے ہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

۲۵ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہءِ قدرت واختیار میں:- پس وہی جس کو چاہے زندگی بخشے اور جس کو چاہے، موت دے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ زندگی بھی ہم ہی بخشتے ہیں اور موت بھی ہمارے ہی قبضہ قدرت واختیار میں ہے۔ پس ہمارے سوا نہ کوئی مار سکتا ہے، نہ جلا سکتا ہے، نہ زندگی بخش سکتا ہے، نہ موت سے ہمکنار کرسکتا ہے۔ سو جھوٹ کہتے ہیں اور ضلال اور اضلال کی بات کرتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ پیر صاحب نے بارہ سال سے ڈوبی ہوئی کشتی کو نکال کر اس میں مرنے والے تمام لوگوں کو زندہ کردیا تھا۔ یا یہ کہ جس نے گیارہویں نہ دی پیر صاحب اس کی بھینس کو ماردیں گے وغیرہ وغیرہ کہ زندگی وموت اور مارنا جلانا سب اللہ پاک ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی مارسکتا ہے نہ جلا سکتا ہے۔ سو جو لوگ اس طرح کی باتیں کہتے اور مانتے ہیں اور وہ اسباب ووسائل کے بغیر احیاء واماتت کی صفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور مخلوق میں مانتے ہیں وہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جو کہ صریح نص قرآنی کے مطابق ظلم عظیم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۲۶ سب کچھ اللہ ہی کا اور اسی کے لئے رہ جانے والا ہے:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور ہم ہی ہیں سب کے وارث، آسمان وزمین کی اس کائنات میں جو کچھ ہے سب کے خالق ومالک بھی ہم ہی ہے اور لوگوں کو اپنی رحمت وعنایت سے ہم نے جو کچھ دیا بخشا ہے وہ بھی بالآخر ہمارے ہی پاس واپس پہنچے گا یہ سب مرمٹ کر ختم ہوجائیں گے۔ تو یہ سب کچھ جو آج ان کے قبضے میں ہے یہیں دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ اور ہمارے ہی حوالہ واختیار میں ہوگا۔ اور ہم جس کو چاہیں اس کا وارث بنادیں۔ ﴿فَكُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾ سو اس زمین کے اور اسکے اوپر جو بھی کچھ ہے اس سب کے وارث ہم ہی ہونگے۔ اور آج جو اس کے مختلف حصوں اور ٹکڑوں کے وارث بنے ہوئے ہیں ان سب نے بہر حال ہمارے ہی حضور حاضر ہونا ہے۔ جہاں ان کو اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا جواب دینا ہوگا جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ﴾ ۔ (مریم:۴۰) سو ہر کسی کی زندگی وموت بھی ہمارے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے اور ہر چیز کے مالک اور وارث بھی ہم ہی ہیں۔ کسی اور کا اس میں سے کسی میں بھی نہ کوئی حصہ اور نہ کوئی عمل دخل ہے۔ پس مَاوٰی و مرجع سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے اگر کسی نے کسی اور سے امیدیں باندھ رکھی ہیں تو یہ سب کچھ محض دھوکہ اور وہم ہے۔ جس کی نہ کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۲۷ اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ایک برابر اور خوب جانتے ہیں آگے بڑھنے والوں کو بھی اور پیچھے رہنے والوں کو بھی وجود وموت کے اعتبار سے۔ نیز نماز کی صف اول میں اور صفِ جہاد میں آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے والوں کو وغیرہ وغیرہ۔ مختلف اقوال ہیں اور یہ سب ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ ان میں کوئی تعارض نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ان سب ہی مفاہیم ومطالب کو شامل اور عام ہے۔ الفاظ کا عموم بھی ان سب کو شامل ہے اور یہی بات دراصل یہاں بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر لحاظ سے کامل اور اس کی سب ہی مخلوق کو شامل ہے۔ کوئی بھی چیز اس کے علم کے باہر نہیں ہوتی، (ابن جریر، ابن کثیر، مراغی، جلالین اور معارف وغیرہ)۔ سو جو پہلے پیدا ہوئے اور جو بعد میں جن کی موت پہلے آئی اور جن کی بعد اور جو عبادات وغیرہ امورِ خیر میں آگے رہے اور جو پیچھے، اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک برابر جانتا ہے۔ اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی صفت وشان ہے، دوسرا کوئی اس میں نہ اس کا شریک وسہیم ہے، نہ ہوسکتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع وَلَقَدْ ع ۲ ۲

اور بلاشبہ تمہارا رب اکٹھا کرلائے گا ان سب کو (میدانِ حشر میں،) بے شک وہ بڑا ہی حکمت والا، نہایت ہی علم والا ہے، ۷ اور

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ ج

بلاشبہ ہم ہی نے پیدا کیا انسان کو سڑے ہوئے گارے کی (ٹھیکرے کی طرح) بجتی مٹی سے، ۲۸

وَالْجَاۗنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ

اور جنوں کو بھی ہم ہی نے پیدا کیا، اس سے پہلے آگ کی لو (اور لپٹ) سے، اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ

تمہارے رب نے فرمایا فرشتوں سے کہ بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں ایک انسان کو سڑے ہوئے

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ

گارے کی (ٹھیکرے کی طرح) بجتی مٹی سے، پس جب میں اس کو پورا بنا چکوں، اور اس میں پھونک دوں

فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ

اپنی روح ۲۹ سے، تو تم سب اس کے آگے سجدہ ریز ہو جانا ۳۰ سو (جب ایسا ہو گیا تو حسبِ ہدایت) فرشتے سجدہ ریز ہو گئے

۲۸ انسان کی تخلیق کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا اور ہم ہی نے پیدا کیا انسان کو گارے کی بجتی مٹی سے، جو کہ ایک عظیم الشان دلیل ہے ہماری بے پایاں قدرت اور لامحدود رحمت وعنایت کی۔ سو کہاں سڑے ہوئے گارے کی بجتی مٹی اور کہاں اس سے وجود میں آنے والا پوری کائنات کا مخدوم ومطاع یہ انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے۔ سو یہ سب ہماری ہی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا ایک عظیم الشان کرشمہ ہے۔ پس تم لوگ اگر ہماری قدرت کے اسی ایک مظہر کو دیکھو اور خود اپنی ذوات ونفوس کے بارے میں ہی غور وفکر سے کام لو تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں اور راہِ حق وصواب تمہارے سامنے روشن اور پوری طرح واضح ہو جائے۔ مگر مشکل اور مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ تم لوگ سوچتے نہیں ہو۔ اور تم غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔ اور غفلت ولاپرواہی نے تمہاری آنکھوں کو بند کر رکھا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو جس انسان کو حضرت خالق۔ جل مجدہٗ۔ نے سڑے ہوئے گارے کی بجتی مٹی سے پیدا فرما کر اس عروج تک پہنچایا وہ اگر اسی کے سامنے اکڑے اور اس کے اس کرمِ بے پایاں کو بھول جائے تو اس سے بڑھ کو بے انصاف اور ناشکرا اور کون ہو سکتا ہے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۲۹ نفخ روح فیض الٰہی سے سرفرازی کا ذریعہ:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ جب میں پھونک دوں اس میں اپنی روح سے تو تم اس کے لئے سجدہ ریز ہو جانا' سو ﴿ روحی ﴾ میں اضافت تعظیم و تشریف کی ہے جیسا کہ "بیت اللہ" اور ناقۃ اللہ" وغیرہ میں ہے۔ (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو روح ایک عظیم الشان لطیفہ ربانی ہے جس سے پتلہ خالی انسان جیسی عظیم الشان مخلوق بن جاتا ہے۔ اور وہ ایسی عظمت شان کا حامل ہو جاتا ہے کہ فرشتوں جیسی پاکیزہ اور مقدس نوری مخلوق کو بھی اس کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی لئے روح کی اضافت حضرت حق۔ جل مجدہ' کی طرف کر کے روحی فرمایا گیا سبحانہ' و تعالیٰ۔ سو ان آیات کریمات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم تخلیق آدم سے پہلے ہی دیا تھا۔ اور دوسری بات ان سے یہ معلوم ہوئی کہ ان کو سجدہ کے اس حکم کے ساتھ یہ وضاحت بھی فرمادی گئی تھی کہ یہ سجدہ آدم کو اس وقت کیا جائے جبکہ ان کا تسویہ کر لیا جائے کہ ان کو میں تمام قوتوں سے آراستہ و پیراستہ کر کے ان کے اندر اپنی روح پھونک دوں۔ سو اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو جو کچھ فضل و شرف حاصل ہوا ہے وہ تمام تر اس کی ان قوتوں صلاحیتوں اور نفخ روح یزدانی کی بدولت ہی ہوا ہے۔ سو انسان اگر ان کی حفاظت کرے اور ان کو ترقی دے تو مسجود ملائک ہے۔ اور اگر وہ ان کو ضائع کر دے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیم۔ تو یہ ایک حیوان بلکہ اس سے بھی فروتر مخلوق ہے۔ اور یہ "خیر البریہ" کے مقام بلند سے گر کر "شر البریہ" کے ہاویے میں جا گرتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیم۔

۳۰ آدم کیلئے سجدہ ریزی کا حکم و ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب میں اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو تم اسکے لئے سجدہ ریز ہو جانا۔ اس کی تعظیم و تکریم کے لئے۔ سو یہ حضرت آدم کی شریعت کا حکم نہیں تھا کہ ابھی تو آپ کو شریعت ملی ہی نہیں تھی۔ اور اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا کسی بھی شریعت میں جائز نہیں رہا۔ اور سجود آدم کا یہ حکم ایک طرح کا استثنائی حکم ہے جو صرف حضرتِ آدم کی تعظیم و توقیر کے لئے حضرتِ حق، جل مجدہ' کی طرف سے فرمایا گیا تھا۔ جس میں ایک طرف تو آنجناب علیہ السلام کی فضیلت اور خلافت و نیابت کا اعلان و اظہار تھا اور دوسری طرف اس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ فرشتے تکوینی امور میں حضرت آدم کی معاونت و مساعدت کریں۔ تاکہ خلافتِ ارضی کا مقصد پورا ہو سکے۔ پس اس سے سجدۂ تعظیمی کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں۔ جیسا کہ بعض زائغین کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اہل بدعت کے بعض بڑوں کو بھی اپنی معروف شرک و بدعت نواز طبیعت اور ذہنی ساخت کے باوجود یہاں پر یہی لکھنا پڑا کہ اس سے سجدۂ تعظیمی کا جواز کشید کرنا درست نہیں۔ اور عام طور پر جو مفسرینِ کرام اس مقام پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ سجدۂ تعظیمی پہلی شریعتوں میں جائز تھا یہ بھی ایک غلط بات ہے جو کہ سہو و تسامح پر مبنی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیم۔ کیونکہ سجدہ جو کہ عجز و نیاز کی آخری اور کامل شکل ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ اس کے سوا کسی کے لئے بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ اس سے متعلق خاصی تفصیلی گفتگو ہم سورۂ یوسف کے آخر میں حاشیہ نمبر ۱۶۰ میں کر چکے ہیں جو الحمد للہ خاصی وقیع گفتگو ہے۔ (جو اللہ پاک کی توفیق و عنایت سے ہم نے وہاں کی ہے) اس کی طرف رجوع کر لیا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ سبحانہ' و تعالیٰ۔

كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٣٠﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَىٰ أَنْ يَكُونَ مَعَ

اس کے آگے، سب کے سب ایک ساتھ، بجز ابلیس کے، کہ اس نے انکار کر دیا اس بات سے کہ وہ شامل ہو

السّٰجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ يٰإِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ

سجدہ کرنے والوں کے ساتھ، پروردگار نے پوچھا اے ابلیس تجھے کیا ہوا؟ کہ تو شامل نہ ہوا

السّٰجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ

سجدہ کرنے والوں کے ساتھ، اس نے جواب میں کہا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں سجدہ کروں ایک ایسے بشر (اور انسان) کو

مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا

جسے تو نے پیدا کیا سڑے ہوئے گارے کی بجتی (اور کھنکھناتی) مٹی سے، و۳۱ ارشاد ہوا کہ پس تو نکل جا یہاں سے،

فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ

کہ تُو تو پکا مردود ہے، و۳۲ اور (اب) تجھ پر لعنت (اور پھٹکار) ہے قیامت کے دن تک و۳۳ اس

الدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾

نے کہا اے میرے رب، تو پھر تو مجھے مہلت دے دے اس دن تک جس دن کہ (دوبارہ) زندہ کر کے اٹھایا جائے گا لوگوں کو،

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٧﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ

فرمایا اچھا تجھے مہلت ہے، اس مقرر وقت کی

الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ

تاریخ تک و۳۴ کہنے لگا اے میرے رب بوجہ اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا، میں ان (کی گمراہی) کے لئے طرح طرح کی

۳۱ ابلیس کا سجدۂ آدم سے انکار اور ایک بدعتی مُلّاں کی ایک تحریف کا رد:۔ سو ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے متعلق حکم الٰہی کی تعمیل سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں جس کو تو نے سڑے ہوئے گارے کی بجتی اور کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جب کہ میں آگ کی لو سے پیدا کیا گیا ہوں، جو کہ مٹی سے افضل ہے۔ تو پھر میں افضل و اعلیٰ ہو کر مفضول و ادنیٰ کو سجدہ کیسے اور کیوں کروں؟ حالانکہ اس لعین کا یہ

جواب بناء الفاسد علی الفاسد تھا۔ کیونکہ نہ تو آگ مٹی سے افضل ہے اور نہ مٹی آگ سے ادنیٰ و مفضول ہے۔ اور نہ ہی یہ کوئی ضروری ہے کہ جو ادنیٰ سے تخلیق ہو وہ ادنی ہی رہے۔ اور جو اعلیٰ مادہ سے مخلوق ہو وہ اعلیٰ ہی قرار پائے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرتِ حق جل مجدہٗ۔ نے جب اس کا حکم وارشاد فرما دیا تھا تو پھر اس کے بعد کسی انکار یا اس طرح کی کسی منطق اور چون وچراں کی یا ایسی کسی قیاس آرائی کی کوئی گنجائش ہی کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ اہل بدعت کے ایک بڑے تحریف پسند کی اس موقع پر ایک تحریف ملاحظہ ہو۔ موصوف لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کو مخلوقات میں سب سے پہلے بشر کہنے والا شیطان ہے۔ اب جو کوئی نبی کو برابری کیلئے بشر کہے وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ دیکھا آپ نے کہ شرک و بدعت کی نحوست کیا کچھ گل کھلاتی ہے اور انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خاص کر حضرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان حق ترجمان سے بارہا اور بتاکید و تکرار یہ اعلان کروایا اسی حقیقت صادقہ کے ماننے کو یہ محرف بدعتی مُلّاں شیطان کی پیروی قرار دے رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟ فالی اللہ المشتکیٰ ۔ البتہ اس کے برعکس یہاں سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ بشر کو حقیر سمجھنے کا ارتکاب سب سے پہلے شیطان نے کیا تھا۔ پس جو لوگ بشر کو حقیر سمجھ کر بشریت انبیاء کا انکار کرتے ہیں وہی ہیں جو شیطان کی پیروی کرتے ہیں وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم. اور اس بدعتی تحریف پسند کی مزید تحریف ملاحظہ ہو کہ لکھتا ہے کہ ''جو کوئی نبی کو برابری کیلئے بشر کہے''۔ بھلا ایسا کون ہو سکتا ہے جو پیغمبر کو برابری کیلئے بشر کہتا ہو؟ بھلا جس پیغمبر پر ایمان لانا وہ ذریعۂ نجات سمجھتا ہو اس کو برابری کیلئے بشر کہنے کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے اور اس کی تک ہی کیا ہو سکتی ہے؟ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم.

۴۰ ابلیس کے اخراج کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر ابلیس سے کہا گیا کہ نکل جا یہاں سے کہ تُو مردود ہے' اور ایسے مردودوں اور متکبروں کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ پس تو یہاں سے نکل جا اس حال میں کہ تو ہر خیر و برکت سے محروم و مطرود ہے کہ تو نے اپنے رب کے صریح حکم کا مقابلہ و معارضہ کیا ہے۔ اور جو نصِ صریح کا معارضہ و مقابلہ کرتا ہے وہ مردود و مطرود ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ ''رجیم''، ''رجم'' سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ''سنگسار کرنے'' اور ''پتھر مارنے'' کے آتے ہیں۔ اور پتھر مارنا مطرود اور محروم ہونے کی تعبیر ہے۔ چونکہ جس کو دھتکارا جاتا ہے اس کو پتھر مار کر دور کیا جاتا ہے۔ نیز رجم کے معنیٰ میں بھی داخل ہے کہ شیطان مردود کو آگ کے شعلے مار کر بھگایا جاتا ہے۔ سو یہ ابلیس کے انکار اور اس کے ابلیسی شبہ کے جواب میں اس کے لئے وعید کے طور پر فرمایا گیا کہ جو نصِ شرعی کے مقابلے و معارضہ کے لئے قیاس سے کام لیتا ہے وہ مردود و رجیم ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم.

۴۱ ابلیس پر قیامت تک کیلئے لعنت و پھٹکار کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا کہ تجھ پر لعنت ہے قیامت کے دن تک' کہ قیامت تک تجھ پر ہر طرف سے لعنت و پھٹکار ہی پڑتی رہے گی۔ اور اس کے بعد تُو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں داخل ہو جائے گا جہاں تُو اپنے کئے کا بھگتان ہمیشہ کے لئے بھگتتا رہے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ سو تجھے نفخہ اُولیٰ تک مہلت دے دی گئی۔ اس کے بعد جب نفخۂ اُولیٰ سے سب مخلوق فنا ہو جائے گی تو ان کے ساتھ تُو بھی فنا ہو جائے گا۔ پھر چالیس سال تک جب تک نفخۂ ثانیہ پھونکا جائے گا تو بھی باقی مخلوق کے ساتھ موت کی آغوش میں رہے

گا۔ اس کے بعد نفخہ ثانیہ کے ذریعے سب مخلوق دوبارہ زندہ ہوگی تو بھی زندہ ہو کر اپنے آخری انجام کو پہنچے گا اور ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں جلتا رہے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اس ملعون کی یہ دعا تو قبول کر لی گئی کہ اس کو لمبی عمر دی جائے لیکن اس کی یہ دعا نہیں قبول کی گئی کہ اس نفخہ ثانیہ تک زندہ رہنے دیا جائے کہ اللہ پاک کی حکمت کا تقاضا یہی تھا۔ سو وہ ملعون بھی نفخہ اولیٰ کے موقعہ پر سب مخلوق کے ساتھ مر جائے گا اور نفخہ ثانیہ کے موقعہ پر سب کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا اور اپنے کیفر کردار کو پہنچے گا۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ) بہر کیف شیطان اپنے اس تمرد و سرکشی اور اپنی ابلیسی منطق اور بشر کو گھٹیا سمجھنے کے جرم کے نتیجے میں ملعون و مطرود قرار پا کر ہمیشہ کے لئے "رجیم" اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ یہاں پر ﴿فاخرج منھا﴾ کی ضمیر مجرور کے مرجع میں کئی احتمال ہیں۔ جنت یا آسمان یا وہ مرتبہ و مقام جو اس کو وہاں پر حاصل تھا یا زمرۂ ملائکہ جن کے درمیان وہ رہتا تھا۔ سو یہ سب ہی احتمال اس میں موجود ہیں اور سب ہی درست اور سب کا ہی معنیٰ صحیح بنتا ہے۔ یعنی اس کو حکم ہوا کہ تو نکل جا اس جنت اور ان آسمانوں سے اور اس مرتبہ و مقام سے جو اس سے پہلے تجھے حاصل تھا۔ اور ان فرشتوں کی جماعت اور ان کے زمرے سے جن کے اندر تو اس سے پہلے تھا۔ (مدارک التنزیل، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر اور جامع البیان وغیرہ)۔ سو اس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بندے کی عزت و عظمت اسی میں ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کا بندہ بن کر رہے۔ اور اس سے اعراض و روگردانی میں اس کی ذلت و رسوائی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور یہی ہے خساروں کا خسارہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللھم فھذہ نو اصینا بین یدیک فخذنا بھا الی ما فیہ حبک و رضاک بکل حال من الاحوالِ و فی کل لحظۃ من اللحظات فی الحیاۃ، یا من بیدہ ملکوت کل شیء و ھُوَ یُجِیرُ وَلَا یُجَارُ علیہ۔

۳۷ ابلیس کی مہلت کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس کے مہلت مانگنے کے جواب میں حق تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ جا تجھے مہلت ہے مقرر وقت کی تاریخ تک یعنی اس دن تک جس پر سب نے مر کر فنا ہو جانا ہے اور تو بھی انہیں کے ساتھ مر کر فنا ہو جائے گا۔ پس مراد اس وقت سے نفخۂ اولیٰ ہے کہ اس تک اس کو مہلت ملے گی۔ اس نے تو کہا تھا کہ یوم البعث یعنی دوبارہ اٹھنے کے وقت تک اس کو مہلت مل جائے تا کہ وہ موت سے بچ جائے۔ مگر ایسے نہ ہوا اور اس کی یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ البتہ نفخۂ اولیٰ تک اس کو لمبی مدت کی مہلت مل گئی تا کہ بنی آدم کے خلاف جو کچھ وہ کرنا چاہے کر لے، کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت اور بنی آدم کی ابتلاء و آزمائش کا تقاضا یہی تھا۔ پس اس کی ایک درخواست تو قبول ہو گئی اس کو لمبی مہلت مل گئی مگر دوسری قبول نہ ہوئی کہ وہ یوم البعث تک زندہ رہے۔ (قرطبی، معارف، صفوۃ، محاسن وغیرہ)۔ اہل بدعت کے شیخ التفسیر صاحب نے اس موقعہ پر اپنے معروف اجتہاد سے کام لیتے ہوئے یہ شگوفہ چھوڑا کہ جب اس خبیث کی درازی عمر کی دعا قبول کر لی گئی تو پھر نبی کی دعا کے کیا کہنے؟۔ شرم تو تم کو مگر نہیں آتی۔ سو حضرات انبیائے کرام کی شان اس طرح کے قیاسات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ بہر کیف ابلیس اس حکم اخراج اور لعنت سے متاثر یا مرعوب ہونے کی بجائے اور اکڑ گیا اور اپنے لئے قیامت تک مہلت مانگی تا کہ اولاد آدم کو گمراہ کر سکے۔ والعیاذ باللہ جل و علا۔

فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ

دلفریبیوں سے کام لوں گا تیری زمین میں، اور (اس کے نتیجے میں) میں ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا ف۳۵ سوائے تیرے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾

ان خاص بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے چن لیا ہو گا ف۳۶ فرمایا ہاں (ایمان و اطاعت کا) یہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ

پہنچتا ہے، بے شک میرے خاص بندوں پر تیرا کچھ بھی بس نہیں چل سکے گا، سوائے ان بہکے ہوئے لوگوں کے، جو خود ہی

اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ

تیرے پیچھے چل پڑیں گے، اور ان سب کا ٹھکانا یقینی طور پر جہنم ہے، ف۲ جس کے سات دروازے ہیں، ان میں ہر ایک

اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ

دروازے کے لئے ایک حصہ ہے طے شدہ ف۳۷، (اس کے برعکس) پرہیز گار لوگ یقینی طور پر عظیم الشان جنتوں اور چشموں میں

۳۵ ابلیس کی طرف سے اولادِ آدم کیخلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ:- یہ اس لعین کی طرف سے کھلم کھلا اعلان جنگ تھا اور ہے۔ جو اس بد بخت نے حضرت حق۔ جل مجدہٗ۔ کے حضور صاف طور پر کیا اور جس سے وہ "عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ"، "کھلم کھلا دشمن" قرار پایا تھا۔ اور اس نے کسی قسم کے جھوٹ یا تقیہ سے کام لے کر اپنی اس دشمنی پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنی دشمنی کا صاف صاف اور کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹا اور تقیہ باز انسان شیطان سے بھی بدتر ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ پھر کیا خیال ہے آپ کا ان لوگوں کے بارے میں نہ صرف یہ کہ تقیہ کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ اسکو کارِ ثواب قرار دیتے ہیں اور اسکے لئے وہ طرح طرح کے من گھڑت فضائل بیان کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف ابلیس لعین نے حضرتِ حق جل مجدہٗ۔ کی بارگاہ اقدس واعلیٰ میں اپنی کھلی عداوت و دشمنی اور اولادِ آدم کے بارے میں اپنی آئندہ پالیسی کے بارے میں صاف اور صریح طور پر اور قطعی وثوق کے ساتھ کہا اور یہ اعلان کیا کہ میں ان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس شرف و مرتبہ کے اہل نہیں جو ان کو بخشا گیا۔ اور یہ کہ آدم کے آگے سجدہ نہ کرنے کے سلسلے میں میں حق بجانب تھا۔ اور اپنے اس پروگرام کا اس لعین نے طریق کار بھی واضح کر دیا کہ میں ان کے لئے خواہشات نفس اور مرغوباتِ دنیا کو اس طرح مزین اور آراستہ و پیراستہ کر کے پیش کروں گا کہ یہ اس کے اندر پھنس کر اور الجھ کر رہ جائیں گے اور ایسے کہ انکو نہ اپنا مرتبہ و مقام اور شرف و منصب یاد رہے گا اور نہ ہی اپنے مقصد حیات اور اپنے مآل و انجام کا خیال رہے گا۔ یہاں تک کہ یہ بھی اس جہنم میں پہنچ کر رہیں گے جس میں مجھے جانا چاہیے۔ والعیاذ باللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو۔

۳۶ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے استثناء کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس نے اپنے چیلنج سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا استثناء کرتے ہوئے کہا' سوائے تیرے ان خاص بندوں کے جن کو تو نے چن لیا ہوگا' کہ ان پر میرا زور نہیں چل سکے۔ یہ ترجمہ ہے "مُخْلَصِیْن" کا یعنی لام کے زبر کے ساتھ۔ اور دوسری قراءت اس میں "مُخْلِصِیْن" کی بھی ہے۔ یعنی لام کی زیر کے ساتھ۔ جس کے معنی ہیں خالص کرنے والے۔ یعنی جو اپنے عقائد اور اعمال کو خالص کرنے والے ہوں گے ہر طرح کے شرک اور ریاء و نمود کے شوائب سے۔ اور یہ دونوں مطلب درست اور بنیادی نوعیت کے حامل ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے نظم قرآن کی جامعیت کے۔ سو صدق و اخلاص کی دولت ایسی عظیم الشان دولت ہے جو کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ایسی خاص عنایات کا مستحق بناتی ہے۔ جس سے وہ ابلیس کے وار سے اور اس کے اِغواء و اضلال سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات کے علاوہ یہاں پر بھی بعد کی آیت کریمہ میں اس کی اس طرح تصریح فرمادی گئی۔ یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا سوائے ان گمراہوں کے جو خود ہی تیرے پیچھے چل پڑیں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بہرکیف ابلیس لعین نے ﴿إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ کے اس استثناء سے اس حقیقت کو ظاہر اور واضح کر دیا کہ میری ان فتنہ سامانیوں سے تیرے ایسے خاص بندے محفوظ رہیں گے۔ ان پر ان کا کوئی اثر نہیں چلے گا اور ایسے خوش نصیب میرے اس ابلیسی جال میں پھنسنے سے بچے رہیں گے جن کو تو نے اپنی توحید اور یادِ آخرت پر قائم رہنے کے لیے خاص کر لیا ہوگا۔ ان کے علاوہ وہ تمام لوگ میرے اس جال میں پھنس کر اور الجھ کر رہیں گے جو تیری یاد اور فکر آخرت سے غافل ہو کر خواہشاتِ نفس اور ہوا و ہوس کے بندے بن کر رہیں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۳۷ جہنم کے ہر دروازے کیلئے ایک حصہ مقرر ہوگا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس کے پیروکاروں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا جس کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے کیلئے ایک حصہ ہوگا طے شدہ' ایسے لوگوں کا جنہوں نے اپنے اپنے عمل و کردار کے مطابق اس سے داخل ہونا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه۔ سو شیطان کے ایسے پیروکاروں نے اسکی پیروی میں ایسے دروازے سے بہر حال داخل ہونا ہوگا۔ اس سے بچنے کی ان کیلئے کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ (ابن کثیر، المراغی وغیرہ) اور جہنم کے ان دروازوں سے بعض نے اس کے مختلف طبقات مراد لیے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں جہنم پھر لظی پھر حطمہ پھر جحیم پھر ہاویہ۔ ان میں سے سب سے اوپر والا طبقہ گناہ گار اہل ایمان کیلئے ہوگا۔ دوسرا یہود کے لئے تیسرا نصاریٰ کیلئے۔ چوتھا صابئین کیلئے۔ پانچواں مجوس کیلئے۔ چھٹا مشرکین کیلئے اور ساتواں منافقین کیلئے۔ سو جہنم سب سے اوپر ہوگا۔ پھر بعد والے طبقات اس کے نیچے ہونگے۔ قالہ ابن جریج (المراغی، المعارف اور ع الفتح وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ یہی ابن عباس سے مروی ہے لیکن اس کی تائید و تصدیق میں کوئی مرفوع حدیث یا اثر موجود نہیں۔ جس کا اس طرح کے غیبی علوم و حقائق پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ غیبی حقائق کا علم اور اس تک رسائی نور وحی اور ارشاد الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ بہرکیف اس ارشاد سے شیطان کے پیروکاروں کے انجام کو واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر ابلیس کی راہ پر چلیں گے ان کے لئے دوزخ اور اس کے درجات ہیں۔ خواہ ایسے بدبختوں کا تعلق انسانوں سے ہو یا جنوں سے۔ اور خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ان سب کو بہر حال داخل ہونا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ ع

ہوں گے ان سے کہا ۳۸ جائے گا کہ داخل ہو جاؤ تم ان میں ہر طرح کی سلامتی اور پورے امن (وسکون) کے ساتھ ۳۹ اور نکال

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ

دیں گے ہم ان کے سینوں سے جو بھی کوئی کھوٹ (کھپٹ دنیاوی زندگی میں ان کے دلوں میں) رہا ہوگا ۴۰ وہ آپس میں

مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ

بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر (نہایت سکون واطمینان سے) بیٹھے ہوں گے ۴۱ انہیں نہ تو وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی

فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ

اور نہ ہی انہیں وہاں سے کبھی نکالا جائے گا ۴۲ خبر کردو (اے پیغمبر!) میرے بندوں کو، کہ بے شک میں بڑا ہی

۳۸ پرہیز گاروں کے حسنِ انجام کا ذکر و بیان:- سو دوزخیوں کا انجام بیان کرنے کے بعد اب یہاں سے پرہیز گاروں کا انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پرہیز گار لوگ یقینی طور پر عظیم الشان جنتوں میں ہونگے۔ یعنی وہ خوش نصیب جنہوں نے کفر و شرک اور معصیت وغیرہ ہر اس چیز سے پرہیز کیا ہوگا جو خداوند قدوس کی ناراضگی کا باعث بنتی ہے۔ و باللہ التوفیق۔ اور جن عظیم الشان جنتوں اور چشموں سے ان کو نوازا جائے گا وہ ایسے عظیم الشان ہونگے کہ اس دنیا میں اس کا تصور کرنا بھی کسی کیلئے ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ان سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۳۹ اہل جنت کے لئے دائمی امن وسلامتی کی خوشخبری:- سو ان سے فرمایا جائے گا کہ داخل ہو جاؤ تم ان میں ہر طرح کی سلامتی اور امن کے ساتھ کہ اب نہ تو تمہیں موت آئے گی اور نہ ہی یہ نعمتیں زائل ہونگی کہ یہ "دار الخلود" ہے۔ اور اس کی یہ نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہونگی۔ اور چونکہ یہ عطاء و بخشش اس ذات اقدس و اعلیٰ کی طرف سے ہوگی جو کہ اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْن اور وہاب مطلق ہے۔ جل و علاشانہ اس لئے وہ ان نعمتوں کو عطاء فرمانے کے بعد پھر کبھی چھینے گا نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس اب تم اے اہل جنت پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ ان سے متمتع و مستفید ہوتے رہو۔ اَللّٰهُمَّ شَرِّفْنَا بِهَا وَ اجْعَلْنَا مِنْ اَهْلِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَ كَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو تقویٰ و پرہیز گاری باعث نجات اور ذریعۂ فوز و فلاح ہے۔ اور جس کا تقویٰ جس قدر بلند ہوگا وہ اسی قدر رفائز المرام ہوگا۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۴۰ جنتیوں کے سینوں کی صفائی کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اہل جنت کے سینوں کو صاف کر دیا گیا ہوگا، چنانچہ ہر قسم کے غل و غش حقد و حسد اور کھوٹ کھپٹ سے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور صاف طور پر فرمایا گیا اور نکال دیں گے ہم جو بھی کوئی کھوٹ کھپٹ ان کے سینوں میں ہوگا۔ تاکہ وہاں ان کے سینوں میں کوئی ایسی کدورت باقی نہ رہ جائے جو ان

کے لئے کسی بھی طرح کی خلش کا باعث ہو۔ جیسا کہ جنگ جمل اور صفین میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان باہمی جنگ وجدال کی صورت میں بتقاضائے بشریت ہوگئی تھی۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ میں امید رکھتا ہو کہ میں اور عثمان اور طلحہ وزبیر انہیں لوگوں میں سے ہوں گے۔ (جامع البیان، ابن کثیر، مدارک التنزیل وغیرہ) اور حضرت ربعی بن خراش حضرت علی سے یہی بات نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں اس موقعہ پر بنو ہمدان کے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا '' اللہ اعدل من ذالک یا امیر المومنین ''یعنی ''امیر المومنین اللہ اس سے کہیں زیادہ عدل وانصاف والا ہے کہ وہ ایسا کرے'' تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ نے ایک ایسی زور کی چیخ ماری کہ مجھے یوں لگا کہ پورا محل اس سے ہل گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر ہم بھی اس کے مصداق نہیں تو پھر اور کون ہوگا؟ ''اذ الم نکن نحن فمن هم؟ (ابن کثیر، ابن جریر اور مراغی وغیرہ)۔ اور اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔

۲۱ جنت کے باسیوں کی باہمی بود وباش سچے بھائیوں کی طرح:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ وہ باہم بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہونگے' اور اس طرح وہ باہمی دید زیارت اور گفتگو سے اپنے سرور کو دوبالا کر رہے ہونگے۔ اور اس طرح باہم بیٹھنا ہی بڑے سرور وانبساط اور سکون واطمینان کا ثبوت ہوگا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ارحم الراحمین۔ روایات میں وارد ہے کہ ان کے وہ تختے ''سُرُر'' ایسے عظیم الشان اور بے مثال قسم کے ہونگے کہ یہ جدھر بھی پھرنا چاہیں گے وہ ان کو لے کر خود بخود ادھر ہی پھر جائیں گے اور آپس میں چلتے پھرتے باتیں اور ملاقاتیں کرتے یہ لوگ ایک دوسرے کی طرف پشت نہیں کریں گے۔ (المراغی وغیرہ) سبحان اللہ۔ کیا شان ہوگی ان کی۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے دلوں کو چونکہ ہر قسم کے کھوٹ کھپٹ سے پاک صاف کر دیا گیا ہوگا اس لئے وہ آپس میں بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے آمنے سامنے جنت کے عظیم الشان تختوں پر فروکش ہونگے۔ جن لوگوں کے دلوں میں نفسیاتی کدورتیں ہوتی ہیں وہ اگر کسی مجلس میں اکٹھے مل بھی جائیں تو بھی ایک دوسرے سے منہ پھیر کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن اللہ سے ڈرنے والوں کا معاملہ الگ اور ان کی صفت وشان اس سے مختلف ہوتی ہے کہ ان کی دلوں میں اول تو نفسیاتی کدورتیں پیدا ہی نہیں ہوتیں۔ اور اگر کبھی پیدا ہو بھی جائیں تو کشف حقائق کے بعد وہ دور ہو جائیں گی اللہ تعالیٰ ان کے اثرات سے بھی ان کے دلوں کو پاک صاف کر دے گا جس کے نتیجے میں وہ باہم شیر و شکر ہو کر ایک ہو جائیں گے۔ تاکہ کسی کے قلب وباطن میں کوئی خلش اور بوجھ باقی نہ رہے۔ والحمدُ اللّٰہ جلَّ وعلا،

۲۲ اہل جنت کے لئے دائمی سکون وقرار کی بشارت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو وہاں پر نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہی ان کو کبھی وہاں سے نکالا جائیگا۔ کہ وہاں اس کی نعمتیں دائمی اور وہاں کا قیام ابدی ہوگا۔ اور یہ سب لطف وکرم اور انعام و احسان ہوگا اس اکرم الاکرمین کی طرف سے جس کے کرم کی نہ کوئی حد ہوگی نہ انتہاء۔ سبحانہٗ وتعالیٰ اس لئے وہ اپنے ان خوش نصیب بندوں کو جنت کی ان سدا بہار نعمتوں سے نوازنے کے بعد کبھی محروم نہیں کرے گا۔ اور یہ خوش نصیب خلود ودوام کی اس نعمت اور اس کی لذت آفرینی کو ہمیشہ محسوس کریں گے۔ سو ان کیلئے وہاں خلود ہوگا بلا زوال۔ اور کمال ہوگا بلا نقصان۔ اور فوز وفلاح ہوگی بلا حرمان۔ اَللّٰھُمَّ شَرِّفْنَا بِھَا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَ کَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

اَنِّیٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ

درگزر کرنے والا، انتہائی مہربان ہوں اور یہ کہ بے شک میرا عذاب بھی بڑا ہی (سخت اور) دردناک

الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا

عذاب ہے، ۴۳ اور انہیں ذرا ابراہیمؑ کے مہمانوں کا قصہ بھی سنا دو ۴۴ جب کہ وہ ان کے

عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا

پاس آئے اور انہیں سلام کہا، تو ابراہیمؑ نے ان سے کہا کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگ رہا ہے ۴۵ انہوں نے جواب دیا

لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ

ڈریئے نہیں ہم تو آپ کو خوشخبری سنانے آئے ہیں ایک ایسے عظیم الشان لڑکے کی، جو کہ بڑا علم والا ہوگا، ۴۶ ابراہیمؑ نے کہا

عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا

کیا تم مجھے اس بڑھاپے میں یہ خوشخبری سنا رہے ہو؟ سو یہ کیسی خوشخبری تم مجھے سنا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے

بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ

تو آپ کو سچی خوشخبری سنادی ہے، لہٰذا آپ ناامید نہ ہوں ابراہیمؑ نے فرمایا (یہ تو محض تعجب کی

۴۳ خوف ورجاء دونوں کی ضرورت:۔ پس تم لوگ میری بخشش ورحمت کی امید بھی رکھو اور ہمیشہ رکھو۔ اور میری پکڑ اور عذاب کا خوف بھی، اور ہمیشہ کیلئے، کہ ایمان خوف ورجاء ہی کے درمیان ہے۔ پس اس کی رحمت وعنایت اور بخشش پر تکیہ کر کے عمل سے لاپرواہی برتنا بھی غلط ہے اور اسکی گرفت وپکڑ اور اسکے عذاب کا پورا خوف اور ڈر بھی۔ جیسا کہ اسلافِ کرام کا اسوہ تھا۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ سے متعلق تصور کی وضاحت فرمادی گئی کہ وہ بڑا ہی درگزر فرمانے والا انتہائی مہربان بھی ہے اور اس کا عذاب بھی بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ پس نہ تو کسی کو اسکی ڈھیل سے دھوکے میں پڑنا چاہیے اور نہ کبھی اس طرح کے کسی مغالطے میں مبتلا ہونا چاہیے کہ اس کے یہاں نیک وبد یکساں اور ایک برابر ہیں۔ اور نہ ہی اسکی گرفت وپکڑ اور اسکے عذاب سے بچنا اور بے فکر ہونا چاہیے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۴۴ حضرت ابراہیمؑ کے مہمانوں کا عبرتوں بھرا قصہ سنانے کا حکم وارشاد:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو ذرہ ابراہیم کے مہمانوں کا قصہ بھی سنا دو جو کہ تھے تو فرشتے مگر حضرت ابراہیم کے پاس وہ انسانی شکل میں آئے تھے۔ سو یہ قصہ بھی

سناؤ کہ اس میں بھی بڑے درس ہائے عبرت وبصیرت ہیں۔ اور یہ قصہ بھی ہماری شان رحمت وعنایت اور شان بخش وغضب دونوں کا ایک نمونہ تھا کہ وہ فرشتے حضرت ابراہیم کیلئے نور رحمت بن کر آئے تھے کہ انکو بیٹے کی خوشخبری دیں۔ لیکن قوم لوط کیلئے وہ ہولناک عذاب کا پیغام لیکر آئے تھے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سواوپر اللہ پاک کے بارے میں جس عظیم الشان حقیقت سے آگہی بخشی گئی تھی کہ وہ بڑا ہی درگزر فرمانے والا نہایت ہی مہربان بھی ہے لیکن اس کا عذاب بھی بڑا ہی سخت اور نہایت دردناک ہے۔ تو اب اس ارشاد سے اس حقیقت کی تائید کیلئے ایک تاریخی شہادت پیش فرمادی گئی ہے کہ وہی فرشتے جو حضرتِ ابراہیم کے پاس ایک بڑے ہی ذی علم بیٹے کی خوشخبری لے کر آئے تھے وہی فرشتے قوم لوط کے لئے صاعقۂ عذاب کا پیغام بھی لے کر آئے تھے۔ جس سے نعمت اور نقمۃ کے دونوں پہلو سامنے آگئے۔

۴۵ پیغمبرؑ نہ عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختار کل:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ابراہیم کے مہمان جب ان کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا' مگر ابراہیم ان سے ڈر گئے، سوابراہیم نے ان سے کہا کہ ہمیں تو آپ سے ڈر لگ رہا ہے کہ آپ لوگ بھی اوپرے چوپرے ہیں۔ اور آئے بھی ہیں بے وقوت اور بن پوچھے۔ ور پھر کھانا بھی نہیں کھاتے۔ پتہ نہیں کون ہیں کس لئے اور کس نیت سے آئے ہیں؟ سواس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر نہ عالم غیب ہوتا ہے نہ مختار کل۔ جیسا کہ اہل بدعت کا عقیدہ ہے۔ ورنہ ابوالانبیاء حضرتِ ابراہیم خلیل کو نہ تو ان فرشتوں سے گھبرانے کی کوئی ضرورت تھی اور نہ اس طرح کی بات کرنے کی۔ سواس قصے اور اس ارشاد ربانی سے اہل بدعت کے ایسے شرکیہ عقائد کی جڑ نکل جاتی ہے۔ والحمد اللہ۔ سواختیار کلی اور علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور اسی کا اختصاص ہے آمیں کوئی بھی اس کا شریک وسہیم نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۴۶ حضرت ابراہیم کیلئے خوشخبری درخوشخبری:- سوانہوں نے آنجناب کو بیٹے سے سرفرازی کی خوشخبری دی۔ اور وہ بھی ایسے عظیم الشان بیٹے سے سرفرازی کی جوعلیم ہوگا۔ اور وہ بھی اس پیرانہ سالی میں۔ سو کتنی بڑی خوشخبری ہے یہ جو کئی خوشخبریوں پر مشتمل ہے۔ سوانہوں نے کہا کہ یہی خوشخبری ہم آپ کو سنانے آئے ہیں۔ اہل بدعت کے ایک بڑے تحریف پسند نے اپنی تحریفانہ ذہنیت سے کام لیتے ہوئے یہاں یہ تکا چلایا ہے کہ "اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو رب نے علوم خمسہ دیئے ہیں کہ انہیں باعلام الٰہی معلوم تھا کہ حضرتِ ابراہیم کے یہاں بیٹا ہوگا" حالانکہ یہاں پر اس بارے نصوص صریحہ موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اسی کام کے لئے مامور فرمایا تھا۔ سواس پر قیاس کی عمارت کھڑی کر کے دوسروں کیلئے علوم خمسہ ثابت کرنے کی آخر کیا تک ہوسکتی ہے؟ اور پھر یہ تو ایک جزئی واقعہ ہے۔ اس سے کلی حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟ جب کہ کلی کے ایک فرد کے منتفی ہوجانے سے بھی کلیت کا انتفاء لازم آجاتا ہے۔ اور یہاں ایک نہیں کتنے ہی ایسے امور ہیں جو اس خیال و عقیدہ کی نفی کرتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان علوم خمسہ کی غیر اللہ سے نفی پر قرآن وسنت کی بیشمار اور صاف وصریح نصوص موجود ہیں۔ تو پھر ان کے کسی کیلئے ثابت ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بہر کیف ان فرشتوں کا یہ قصہ حضرت ابراہیم کیلئے حضرتِ حق جل مجدہٗ کی شانِ رحمت وعنایت کا ایک واضح ثبوت اور کھلا مظہر تھا کہ اس میں آنجناب کیلئے کئی خوشخبریاں یکجا تھیں۔ والحمدُ اللّٰہ جلّ و علا بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

يَقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا

بناء پر ہے، ورنہ) کون ہے جو ناامید ہو اپنے رب کی رحمت سے، بجز گمراہوں کے، ۴۷ پھر پوچھا

خَطۡبُكُمۡ اَيُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ

اچھا تو تمہاری اصل مہم کیا ہے، اے فرستادگانِ الٰہی؟ انہوں نے جواب دیا ہمیں تو دراصل بھیجا گیا ہے

اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّاۤ اٰلَ لُوۡطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوۡهُمۡ

ایک مجرم قوم کی طرف، ۴۸ بجز لوط والوں کے کہ ان سب کو ہم نے بچا لینا ۴۹

اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۶۰﴾

ہے سوائے ان کی بیوی کے کہ اس کے بارے میں ہم نے طے کر لیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی ۵۰

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۨالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ

پھر جب آپہنچے وہ فرشتے لوط والوں کے پاس، تو اسنے کہا کہ آپ لوگ تو بالکل اجنبی لگتے ہیں، ۵۱

مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ

انہوں نے جواب دیا (کہ نہیں ہم آدمی نہیں) بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ کچھ لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک

يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾

کرتے تھے، ۵۲ ہم تو آپ کے پاس سچا حکم لے کر آئے ہی، اور یقیناً ہم بالکل سچے ہیں،

۴۷ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا گمراہوں کا کام:- سو ابراہیم نے فرمایا کہ اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا اور کون مایوس ہوسکتا ہے۔ تو پھر میں اس واہبِ مطلق جل جلالہٗ کی رحمت و عنایت سے مایوس و ناامید کیسے ہوسکتا ہوں؟ سو میں اس کی قدرت و عنایت سے مایوس نہیں۔ بلکہ مجھے اسکی قدرت و عنایت پر پورا یقین و اعتماد ہے کہ وہ قادرِ مطلق جب ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کرنے پر قادر ہے تو پھر اس کے لئے بڑھاپے میں کسی کو اولاد سے نوازنا کیونکر اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ بلکہ میں تو صرف عالمِ اسباب کے اعتبار سے اپنے تعجب کا ذکر و اظہار کرتا ہوں۔ (المراغی اور البیضاوی وغیرہ)

سو حضرت ابراہیم جب اس بات سے مطمئن ہوگئے کہ بیٹے سے سرفرازی کی یہ بشارت من جانب اللہ ہے تو آپ کی زبان

مبارک سے بے ساختہ یہ کلمات نکلے جس سے اس جذبۂ شکر و سپاس کا بھی اظہار ہوتا ہے جو اس بشارت کے بارے میں اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد آپ کے اندر پیدا ہوا۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے اس بارے جو سوال کیا تھا وہ خدا تعالیٰ کے فضل اور اسکی رحمت سے مایوسی کی بناء پر نہیں تھا بلکہ وہ محض ظاہری اسباب کی نامساعدت کی بناء پر تھا۔ اور مزید برآں آپ نے یہ تصریح بھی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس وہی لوگ ہوتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

۴۸ فرشتوں کی اصل مہم کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کے سوال کے جواب میں کہا کہ ہمیں بھیجا گیا ہے ایک مجرم قوم کی طرف، یعنی قوم لوط کی طرف جس نے اپنے جرم کا پیمانہ لبریز کر دیا ہے۔ اور وہ ایسی مجرم قوم ہے کہ اب اس کا تعارف ہی اسی وصفِ جرم سے کرایا جاتا ہے۔ سو ہمیں دراصل اسی مجرم قوم کا کام تمام کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے کہ اب انکی مدتِ مہلت ختم ہو چکی ہے۔ بہر کیف حضرت ابراہیم جب بیٹے کی خوشخبری سے متعلق مطمئن ہو گئے تو آپ کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہوئی کہ محض ایک بیٹے کی خوشخبری کے لئے فرشتوں کی پوری ایک جماعت کے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے اصل مہم کوئی اور ہے۔ اس لئے آپ نے ان سے پوچھا کہ تمہاری اصل مہم کیا ہے اے فرستادگان خدا؟ تو اس کے جواب میں فرشتوں نے اپنے اصل مہم کے اظہار و بیان کے لئے کہا کہ ہمیں دراصل حضرت لوطؑ کی اس مجرم قوم کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا ہے جن کی خرمستی اب اپنی انتہاء کو پہنچ گئی ہے۔ انکی مدتِ مہلت اب ختم ہوگئی ہے اور ان کے آخری انجام کا وقت آ گیا ہے۔ جس کے انہوں نے اب ہمکنار ہو کر رہنا ہے۔ والعیاذ باللہ

۴۹ آل لوط سے مقصود و مراد؟:- جس میں آپ کے گھر والے بھی آجاتے ہیں اور آپ کے ایماندار پیروکار بھی (صفوۃ التفاسیر اور المراغی وغیرہ)۔ سو ان کو ہم اس عذاب سے بچا لیں گے کہ ہمیں ان کی نجات و حفاظت کے انتظام کا حکم ہوا ہے۔ سو پیغمبر کی اِطاعت و اِتباع ذریعۂ نجات ہے۔ اور انکا اِنکار و تکذیب باعثِ ہلاکت و تباہی۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو فرشتوں نے جب حضرتِ ابراہیم کے سامنے اصل حقیقت واضح کر دی کہ ہمیں دراصل قومِ لوط کے عذاب کے لئے بھیجا گیا ہے تو اس سے قدرتی طور پر حضرتِ ابراہیم کے دل میں یہ تشویش پیدا ہوئی کہ لوط اور ان کے آل و اَتباع کا کیا بنے گا؟ تو فرشتوں نے آنجناب کی اس تشویش کو دور کرنے کیلئے اسکی تصریح کر دی کہ ان سب کو ہم اس عذاب سے بچائیں گے کہ بچانے والے تو بہر حال ہم ہی ہیں، سب ہمارے ہی محتاج ہیں۔ سو حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۵۰ لوط کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں، والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتوں نے کہا کہ لوطؑ کے آل اور ان کے متعلقین سب کو ہم بچالینگے، بجز لوط کی بیوی کے، کہ وہ بھی انہی کے ساتھ ہلاک ہو کر اپنے کیفر کردار کو پہنچے گی کہ وہ بھی ایمان نہیں لائی تھی۔ معلوم ہوا کہ جب تک اپنا عقیدہ و ایمان درست نہ ہو تو پھر پیغمبر کے ساتھ تعلق داری بھی کچھ کام نہیں آسکتی۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر مختار کل نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ ہمارے دور اور ہمارے ملک کے کچھ کلمہ گو مشرکوں اور اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور نہ ہی ہدایت سے نواز کر راہِ راست پر لے آنا اور دلوں کو بدل دینا ان کے بس و اختیار

میں ہوتا ہے۔ ورنہ حضرت لوط کی بیوی کا یہ حال و مآل نہ ہوتا۔ اور وہ مرتے دم تک کفر پر قائم نہ رہتی۔ سو معاملہ سب کا سب اللہ پاک ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ وَالْاَمْرُ لِلّٰہِ سبحانہ و تعالیٰ۔ اور نورِ حق و ہدایت سے نوازنا اور سرفراز فرمانا اسی وحدہٗ لاشریک کی شان اور اُسی کا کام ہے کہ وہ جانتا ہے کہ کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے اور کون کس لائق ہے؟ اسی کے مطابق وہ معاملہ فرماتا ہے۔ اور یہ شان اسکے سوا کسی کی ہو ہی نہیں سکتی۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

۵۱ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ مختارِ کل:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ لوط نے ان فرشتوں سے کہا آپ بالکل اَنجانے سے لوگ ہیں کہ نہ کہیں دیکھا بھالا اور نہ کوئی جان پہچان۔ اور نہ ہی آپ لوگوں پر سفر وغیرہ کے کوئی آثار و نشانات ہیں۔ سو اس طرح ہماری پریشانی اور بڑھ جاتی ہے کہ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر نہ تو عالمِ غیب ہوتا ہے نہ مختارِ کل۔ جیسا کہ آج کل کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ ورنہ حضرتِ لوطؑ اس کیفیت سے دوچار نہ ہوتے۔ کس قدر صاف اور صریح معاملہ ہے مگر اہل بدعت ہیں کہ اسکے باوجود اندھے بنے ہوئے ہیں۔ اور اس قدر نصوصِ صریحہ اور دلائل قطعیہ کے باوجود وہ اس طرح کے خودساختہ اور شرکیہ عقائد کو گلے لگائے ہوئے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہر کیف حضرتِ لوط ان اجنبی مہمانوں کی وجہ سے سخت تشویس اور پریشانی میں مبتلا ہوگئے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کیوں اور کس غرض کے لئے آئے ہیں؟ ادھر قوم کے بدبختوں سے ان کی عزت کو بچانے کا مسئلہ الگ باعثِ پریشانی ہے۔ سو ان امور کی بناء پر حضرتِ لوطؑ کی پریشانی بہت سخت ہوگئی اور ان کا سینہ بہت تنگ ہوگیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿ولما جاءت رسلنا لوطا سیء بھم و ضاق بھم ذرعا و قال ھذا یوم عصیب﴾۔ (ہود: ۷۷ نیز سورۃ عنکبوت: ۳۳) پس حضرتِ لوطؑ اگر عالمِ غیب ہوتے تو اس تشویش اور پریشانی میں کبھی مبتلا نہ ہوتے۔ سو اس سے واضح ہوگیا کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ مختارِ کل۔ علیھم الصلوٰۃ والسلام۔

۵۲ فرشتوں کا حضرتِ لوط علیہ السلام سے اظہارِ حقیقت اور افشائے راز:- سو جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا تو فرشتوں نے حضرت لوطؑ کو تسلی دیتے ہوئے ان سے کہا کہ ہم انسان نہیں فرشتے ہیں۔ لہٰذا آپ ہماری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ یہ لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ہم تو آپ کے پاس وہ کچھ لے کر آئے ہیں جسکے بارے میں یہ لوگ شک کرتے تھے۔ اور جس کے لئے یہ جلدی مچایا کرتے تھے اور جس کو یہ لوگ ایسے ہی دھمکی قرار دیا کرتے تھے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اب اُس عذاب کا وقت آچکا ہے اور ہم ان لوگوں کیلئے اُسی عذاب کو واقع کرنے کیلئے آئے ہیں تاکہ یہ اپنے اس انجام کو پہنچ کر رہیں جس کا مستحق انہوں نے اپنے آپ کو بنایا ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف فرشتوں نے حضرتِ لوطؑ سے اپنی اصل حقیقت اور اصل مہم کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں۔ اور ہم وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس سے آپ اپنی قوم کو ڈراتے رہے ہیں لیکن وہ برابر شک ہی میں پڑے رہے۔ پس ہمیں بشر سمجھ کر کسی غلط فہمی میں نہیں پڑنا۔ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ قطعی طور پر حق اور صدق ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا

لہٰذا آپ نکل جائیں (یہاں سے) رات کا کچھ حصہ رہے، اپنے تعلقداروں کو ساتھ لے کر ۵۳ اور آپ خود ان کے پیچھے پیچھے چلیں ۵۴

يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾

تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے، اور چل نکلو تم سب جہاں جانے کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے، ۵۵

۵۳ **حضرت لوطؑ کو فرشتوں کی ہدایت:-** کہ اب چونکہ اس بد بخت قوم پر عذاب آیا چاہتا ہے۔ لہٰذا آپ اپنے متعلقین سمیت رات کے پچھلے حصے میں یہاں سے نکل جائیں۔ تا کہ آپ سب اس عذاب سے محفوظ رہیں اور یہ لوگ اپنے کئے کا پھل پائیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے پیاروں کا کسی قوم اور علاقے کے اندر موجود ہونا وہاں کے لوگوں کیلئے امن و سلامتی کا سبب ہوتا ہے۔ اور ان کا وہاں سے نکل جانا ان کیلئے نکال و وبال کا پیش خیمہ۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ خاص کر حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کہ ان کا وجود سراپا رحمت ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ جب کسی قوم کو مبتلائے عذاب کرنا چاہتے ہیں۔ تو اپنے ان پاکیزہ بندوں کو وہاں سے نکال لیتے ہیں۔ بہر کیف فرشتوں کی طرف سے حضرت لوط کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ آپ راتوں رات اپنے اہل وعیال اور دوسرے متعلقین سمیت یہاں سے نکل جائیں اور جہاں کیلئے آپ کو حکم کیا جاتا ہے آپ وہاں چلے جائیں کہ صبح ہوتے ہی اس بستی پر عذاب الٰہی آدھمکنے والا ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۵۴ **اپنے متعلقین کے پیچھے چلنے کی ہدایت:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے فرمایا کہ آپ ان کے پیچھے پیچھے چلیں، تا کہ اس طرح آپ ان کی حفاظت و نگرانی کر سکیں، اور ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہنے پائے اور حضرتِ امام الانبیاء علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بھی غزوات وغیرہ میں عموماً پیچھے ہی رہا کرتے تا کہ کمزوروں اور ضعیفوں کی خبر گیری کر سکیں۔ (ابن کثیر، وغیرہ)۔ بہر کیف آپ انکی خبر گیری کے لئے ان کے پیچھے پیچھے رہیں تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی کسی غرض کیلئے پیچھے رہ جائے اور وہ عذاب کی لپیٹ میں آجائے۔ (المراغی وغیرہ)۔ کہ عام قاعدہ اور ضابطہ یہی ہے کہ راعی اپنے گلے کے پیچھے پیچھے ہی چلا کرتا ہے تا کہ کوئی بھیڑ ریوڑ سے الگ ہو کر کسی بھیڑیے کا شکار نہ ہو جائے۔

۵۵ **حضرتِ لوطؑ کو خاص مقام تک چلنے کی ہدایت:-** چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے کہا کہ تم چلو جہاں جانے کیلئے تم کو حکم دیا جا رہا ہے یعنی ملک شام کی طرف، قالہ ابنُ عباس۔ (صفوۃ التفاسیر، جامع البیان، وغیرہ) یعنی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھنا کہ جس ملک پر رب کا عذاب آنے والا ہے اس کو کیا دیکھنا۔ اس لئے اب یہاں سے سیدھے ملکِ شام کی طرف چل پڑو۔ (تفسیر المراغی)۔ بہر کیف فرشتوں کی طرف سے حضرتِ لوط کو یہ ہدایت بھی فرمائی گئی کہ جدھر جانے کیلئے آپ لوگوں کو ہدایت کی جا رہی ہے اس کیلئے چل نکلو۔ اور آپ میں سے کوئی اس بستی کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھے جس سے نکلنے کا حکم ہوا ہے۔ یہ انسانی فطرت اور اس کی طبیعت کا ایک عام تقاضا ہے کہ انسان کسی جگہ سے نکلتے ہوئے اس کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتا ہے۔ جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس کو اس کے ساتھ طبعی اُنس اور لگاؤ ہے۔ سو ایسا اُنس ولگاؤ عام حالات میں تو ایک فطری اور طبعی چیز ہے لیکن جس بستی کے لئے اِتمام حجت کے بعد عذابِ الٰہی کا فیصلہ ہو چکا ہے اس کو کیا دیکھنا۔ اہل ایمان کو تو اس سے اس طرح دامن جھاڑ کر نکلنا چاہیے کہ دل کے لگاؤ کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ رہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ

اور ہم نے لوطؑ کو یہ بات قطعی طور پر واضح کر دی تھی کہ یقیناً جڑ کاٹ کر رکھ دی جائے گی ان

مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ

(بدبخت لوگوں) کی صبح ہوتے ہی، اور آ پہنچے اس دوران شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے ۵۶ لوط نے (بڑے درد بھرے

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾

انداز میں ان سے) کہا کہ (بھائیو) یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا تم (ان کو پریشان کر کے) مجھے بے آبرو نہ کرو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ

اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو، انہوں نے (پوری ڈھٹائی اور بدبختی سے) کہا، کیا ہم نے تمہیں روکا نہیں دنیا بھر کے لوگوں

۵۶ قوم لوط کے بدبختوں کے حال کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور آ پہنچے اسی دوران شہر کے لوگ خوشیاں مناتے بدنیتی اور بُرے ارادے سے کہ لوطؑ کے گھر میں خوبصورت نوجوان لڑکے آئے ہوئے ہیں۔ کہ وہ منحوس اور بدبخت قوم مِنْ حَيْثُ الْمَجْمُوْع اس خلاف وضعِ فطری فعل کی عادی مجرم تھی جس کو زبان پر لاتے ہوئے بھی ایک شریف الطبع انسان کو سخت گرانی ہوتی ہے۔ مگر اس کو کیا کہیے گا کہ اس خبیث عمل کو جس کو زبان پر لانا بھی ایک شریف الطبع انسان کو گوارا نہیں اس کو کچھ ہی عرصہ قبل بیسویں صدی عیسوی کے مادی ترقی کے چکا چوند کر دینے والے اس دور میں نام نہاد جمہوریت کی چیمپئن مانی جانے والی برطانوی سرکار نے اپنی پارلیمنٹ میں اس عمل خبیث کو قانونی جواز فراہم کرنے کیلئے باقاعدہ طور پر ایک بل پیش کیا۔ جس کو تالیوں کی گونج میں بھاری اکثریت سے پاس کرا لیا گیا۔ خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نورِ حق و ہدایت سے محرومی کے بعد انسان ذلت و تباہی کے کس قدر عمیق اور مہیب گڑھے میں گر جاتا ہے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بہرکیف یہ بدبخت قوم حضرت لوط کے مہمانوں کے بارے میں سن کر کہ ان کے یہاں ایسے خوبصورت نوجوان لڑکے آئے ہوئے ہیں دوڑتی ہوئی وہاں پہنچی۔ روایات کے مطابق اس کی خبر ان کو لوط کی بیوی نے دی تھی۔ (تفسیر المراغی وغیرہ) "مدینہ" سے یہاں پر مراد سدوم کی بستی ہے۔ یہ لوگ دوڑتے ہوئے حضرت لوط کے گھر پہنچ گئے اپنی بدنیتی اور خبث باطن کی بنا پر۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۰ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ

(کی مہمان نوازی کا دم بھرنے) سے وے ۵ لوطؑ نے کہا یہ میری (قومی) بیٹیاں (جو تمہارے گھروں میں) موجود ہیں، اگر

فٰعِلِيْنَ ۝۷۱ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۷۲

تمہیں کچھ کرنا ہے (تو ان سے جائز طریقے سے اپنا مطلب پورا کرلو) و ۵۸ (مگر) تمہاری عمر کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں بالکل مدہوش

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝۷۳ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا

ہوئے جا رہے تھے و ۵۹ آخر کار دن چڑھتے ہی آ پکڑا ان کو اس ہولناک آواز نے (جو انکی تباہی کیلئے مقدر ہو چکی تھی)، ف ۶۰ سو تلپٹ کر کے

سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۷۴

رکھدیا ہم نے اس (بستی) کو، اور برسا دی اس پر بارش کھنگر کے پتھروں کی،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝۷۵ وَاِنَّهَا

بے شک اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں (عقل و) فراست والوں کیلئے و ۶۱ بیشک یہ بستی واقع ہے ایک (کھلی اور)

۵۷ قوم لوط کے تمرد و سرکشی کی انتہاء اور اس کا عبرتناک انجام:- سو انہوں نے حضرت لوطؑ کی اس دلیل کے جواب میں کہا کہ کیا ہم نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا تھا مگر تم نے ہماری بات نہ مانی۔ اور آج پھر ان خوبصورت لڑکوں کو اپنے گھر مہمان بنا کر ٹھہرا لیا۔ سو اگر تم ہمارے کہنے کے مطابق اور ہمارے روکنے کے بعد ان مہمانوں کو اپنے یہاں نہ ٹھہراتے تو یہ نوبت نہ آتی اور آج تمہیں اپنے ان مہمانوں کی بناء پر اس طرح رسوائی اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ لہٰذا اس رسوائی اور فضیحت کا سبب تم خود ہو۔ سو اس سے اس منحوس قوم کے تمرد اور اسکی سرکشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جب کسی قوم کی تباہی کا وقت آ چکا ہوتا ہے تو اسکے لچھن اسی طرح کے ہو جاتے ہیں۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اس طرح ایسی قوم اپنے عمل و کردار سے واضح کر دیتی ہے کہ اب اس کا وجود ہر خیر سے عاری اور محروم ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب اس کے باقی رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا۔ سو ایسے میں اس طرح کی قوم کو ہمیشہ کیلئے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے اور وہ قصہ پارینہ اور دوسروں کے لئے ہمیشہ کیلئے درسِ عبرت بن جاتی ہے۔ جیسا کہ قوم لوط کیساتھ ہوا۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو قوموں کے عروج و زوال کا انحصار ان کے اخلاق و کردار پر ہوتا ہے۔ وہ اخلاقی برتری ہی سے ترقی اور عروج پاتی ہیں اور اخلاقی تنزلی ہی سے تباہ ہوتی ہیں۔

۵۸ ﴿هٰۤؤُلَاۤءِ بَنَاتِیۤ﴾ کا مطلب؟ اور حضرت لوط کی بے بسی کا عالم:- یعنی ﴿بناتی﴾ سے یہاں پر مراد آپ کی قومی بیٹیاں ہیں۔ کیونکہ نبی اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے اور قوم کے لوگ اسکی روحانی اولاد۔ آیت کریمہ کا یہ مفہوم سلف وخلف میں سے بہت سے حضرات اہل علم نے لیا ہے کہ آیت کریمہ میں وارد لفظ ﴿بَنَاتِیۤ﴾ سے مراد حضرت لوط کی قومی بیٹیاں تھیں۔ یعنی ان بدفطرت لوگوں کی وہ بیویاں جو کہ ان کے گھروں میں موجود تھیں، نہ کہ آپ کی حقیقی اور صلبی بیٹیاں۔ جبکہ دوسرا قول اس ضمن میں حضرات اہل علم کا یہ ہے کہ لفظ ﴿بَنَاتِیۤ﴾ کو اپنے ظاہر اور متبادر معنیٰ ومفہوم پر ہی رکھا جائے۔ اور اصل یہی ہے کہ قرآنی الفاظ وکلمات کو اپنے ظاہر پر ہی رکھا جائے۔ اِلّا یہ کہ کوئی صارف اور مانع پایا جائے۔ سو یہ کوئی پیشکش نہیں تھی جو حضرتِ لوطؑ کی طرف سے ان لوگوں کو کی گئی ہو۔ بلکہ یہ ان بدفطرت لوگوں کے ضمیر کو جھنجوڑنے کی آخری شکل تھی جو ممکن ہو سکتی تھی کہ اگر ان میں شرافت وانسانیت کی کوئی رمق بھی موجود ہوئی تو یہ ضرور اپنے بُرے ارادے سے باز آجائینگے۔ اسی لئے سورۂ ہود میں اسکے بعد فرمایا گیا۔ ﴿اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ؟﴾ ''کیا تم میں کوئی بھی بھلے مانس انسان موجود نہیں؟'' مگر اس پر بھی جب ان لوگوں کے دل نہ پسیجے اور انہوں نے اس پر بھی صاف طور پر کہہ دیا کہ ہمیں آپکی بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں اور یہ کہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ ﴿مَا لَنَا فِیْ بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَّ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ﴾۔ تو اس سے ظاہر اور واضح ہو گیا کہ یہ لوگ گندگی کے ایسے کیڑے بن گئے ہیں جن کو پاکیزگی سے اب کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں رہ گیا۔ اس لئے ان کے وجود کو مٹا کر صفحۂ ہستی کو ان کے غلاظت ونجاست سے پاک کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ ان کا جرم اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے۔ سو اس سے جہاں ایک طرف ان لوگوں کی خباثت ونجاستِ طبع آشکارا ہو جاتی ہے وہاں دوسری طرف اس سے حضرتِ لوطؑ کی عاجزی، تواضع، بیکسی، بے بسی اور شانِ مہمان نوازی بھی اسی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لئے حضراتِ محققین نے کہا ہے کہ یہ دوسرا قول واحتمال پہلے سے ابلغ ہے۔ سو اس اعتبار سے یہ قول ابلغ تو واقعی ہے لیکن کچھ دوسرے اعتبارات کی بناء پر ہمارے نزدیک راجح قول پہلا ہے یعنی یہ کہ ﴿بناتی﴾ سے مراد حضرتِ لوطؑ کی قومی بیٹیاں تھیں نہ کہ حقیقی اور صلبی بیٹیاں۔ اور اس کی وجہ ہم اس سے پہلے سورۂ ہود وغیرہ میں بیان کر چکے ہیں۔ سو اس کے لئے سورۂ ہود وغیرہ کے حواشی پر نظر ڈال لی جائی اور ان دونوں قولوں میں سے جو بھی مراد لیا جائے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نہ تو عالم غیب ہوتا ہے اور نہ مختارِ کل۔ جیسا کہ اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ حضرتِ لوطؑ کو اس حد تک پریشانی لاحق نہ ہوتی۔ سو اس سے اہل بدعت کے علمِ غیب کلی اور اختیارِ کلی جیسے شرکیہ عقائد کی جڑ نکل جاتی ہے۔ اللہ کرے اس سے ان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ راہِ حق پر آجائیں۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۵۹ اتمام حجت اور عذابِ الٰہی کا وقوع۔ والعیاذ باللہ العظیم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ حضرتِ لوطؑ کی اس دردوسوز بھری اپیل کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے۔ تو ان کے لئے عذابِ الٰہی کا فیصلہ ہو گیا۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ سو اس موقعہ پر حضرتِ خاتم الانبیاء کی عمر مبارک کی قسم کا آپ ﷺ کا ایک منفرد اکرام واعزاز ہے۔ جس سے آپ کو نوازا گیا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ''عُمُر'' اور ''عَمْر'' زبر اور

پیش کے ساتھ دونوں ایک معنیٰ و مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔ سو اس آیت کریمہ میں آنحضرت ﷺ کی عمر اور حیات طیبہ کی قسم کھائی گئی ہے جو کہ ایک ایسا عظیم الشان اور منفرد و امتیازی وصف ہے۔ جو کہ آپ ﷺ کے سوا پورے بنی نوع انسان میں اور کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حق بھی آنجناب ہی کا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو رحمت و فیض آپ ﷺ کے ذریعہ خلقِ خدا کو نصیب ہوا ہے وہ آپ ﷺ کے سوا کسی اور سے نہ کبھی ملا ہے نہ قیامت تک ملنا ممکن ہے۔ عَلَیه اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ و اَتَمُّ التَّسْلِیْمَاتِ. اسی لئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی نہ سنا، نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو سوائے آنحضرت کے (ابن کثیر، محاسن التاویل۔ فتح القدیر، صفوۃ التفاسیر اور اقسام القرآن لابن القیمؒ وغیرہ وغیرہ)۔ بہرکیف قسم کھا کر فرمایا گیا کہ وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے۔ سو اس کے نتیجے میں وہ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ اور اپنے مرگھٹ پر وہ خود پہنچ گئے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۶۰ بدبختوں پر نزولِ عذاب کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار دن چڑھتے ہی ان کو آ پکڑا اس ہولناک آواز نے جو انکے عذاب کے لئے مقرر ہوگئی تھی۔ کیونکہ "مشرقین" بنا ہے "اشراق" سے۔ جو کہ ماخوذ ہے "شرق الشمس" سے۔ جس کے معنیٰ سورج کے چڑھنے اور طلوع ہونے کے آتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد طلوعِ فجر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ان کا یہ عذاب طلوع فجر سے شروع ہو کر طلوع شمس تک ممتد ہو گیا تھا۔ سو اس قصے میں تنبیہ ہے کفارِ قریش اور دوسرے تمام کفار و مشرکین کے لئے کہ تکذیبِ حق کے جس جرم کی پاداش میں یہ لوگ اپنے اس ہولناک انجام کو پہنچے وہ دوسرے تمام منکرین و مکذبین کو بھی لاحق ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے ایک ہے۔ (ابنِ کثیر، ابنِ جریر، فتح القدیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر اور کشاف وغیرہ)۔ بہرکیف اس بدبخت قوم کو پہلے ہولناک آواز کے ذریعے ہلاکت کے گھاٹ اتارا گیا اور پھر ان کی اس بستی کو جس میں یہ رہتے بستے تھے ایسے تہ و بالا کر دیا کہ اس کا اوپر کا تختہ نیچے اور نیچے کا اوپر کر دیا گیا۔ اور ان پر پتھروں کی ہولناک بارش برسا دی گئی۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ (معارف اور المراغی وغیرہ)

۶۱ فہم و فراست رکھنے والوں کیلئے بڑی بھاری نشانیاں:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں عقل و فراست رکھنے والوں کیلئے یعنی ان کے لئے جو نگاہ عبرت و بصیرت سے کام لیتے ہیں اور ان آثار و نشانات کو دیکھ کر وہ حق اور حقیقت تک رسائی حاصل کرتے ہیں کہ ایسے لوگ غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور وہ صحیح نتائج اخذ کرنے کے لئے اپنی بصیرت اور بصارت دونوں سے صحیح کام لیتے ہیں۔ جب کہ دوسرے لوگوں کا دیکھنا محض حیوانی آنکھوں سے دیکھنا ہوتا ہے اور بس۔ اس لیے وہ صحیح نتائج کے اخذ و اعتبار سے عاری رہتے ہیں۔ اور متوسم یعنی صاحبِ فراست ایک طرف تو نورِ باطن سے سرفراز و سرشار ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت نبیِ معصوم نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ۔ (ترمذی، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اور دوسری طرف وہ صحیح غور و فکر سے کام لیتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ صحیح حق و حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اور مہالک و غوائل سے بچ کر حقیقی فوز و فلاح سے سرفرازی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے، وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید ، بِکُلِّ حال ٍمِّنَ الاحوال، و فی کل موطنٍ مِنّ المواطن فی الحیاۃ۔

لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾

عام گزرگاہ پر، ۶۲ بے شک اس (قصے) میں بڑی بھاری نشانی (اور سامان عبرت و بصیرت) ہے ایمان والوں کیلئے ۶۳

وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَانتَقَمْنَا

اور ایکہ والے (شعیب کی قوم کے لوگ) بھی بڑے ظالم تھے، سو ہم نے ان سے بھی (آخر کار)

مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ

انتقام لیا، اور یہ دونوں ہی قومیں (اور ان کے کھنڈرات) واقع ہیں ایک کھلی شاہراہ پر، اور حجر کے

أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا

لوگوں نے بھی جھٹلایا رسولوں کو، ۶۴ ہم نے ان کو بھی اپنی نشانیاں عطاء کی تھیں، ۶۵

فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ

مگر وہ ان سے روگردانی ہی کرتے گئے، وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿٨٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

اپنے گھر بنایا کرتے تھے، اور اپنے طور پر وہ بڑے بے خوف (اور مطمئن) تھے، آخر کار (تکذیب حق کی پاداش میں)

مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾

آ پکڑا ان کو صبح ہوتے ہی ایک ہولناک آواز نے ۶۶، سو (اس موقع پر) انکے کچھ بھی کام نہ آسکا وہ سب کچھ جو کہ وہ (زندگی

رکوع ۵ ۹ ۵

۶۲ مُعَذَّب قوموں سے درس عبرت لینے کی تحریک وترغیب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ یہ بستی کھلی شاہراہ پر واقع ہے اور اپنی زبانِ بے زبانی سے گزرنے والوں کو دعوتِ غور وفکر دے رہی ہے۔ مگر غفلت کی ماری دنیا ہے کہ وہ اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں کر رہی۔ اور وہ یہ نہیں سوچتی کہ یہ کون لوگ تھے جو اس طرح لقمۂ اجل بنے اور اس ہولناک انجام وتباہی سے دوچار ہوئے۔ ان کا یہ انجام کیوں ہوا اور اس میں ہمارے لیے کیا درس عبرت ہے اگر یہ لوگ ایسا سوچتے تو ان کو ایسے درس ہائے عبرت وبصیرت ملتے جس سے انکو نورِ حق وہدایت سے سرفرازی نصیب ہوتی۔ مگر غفلت نے ان کو اس سے محروم کر دیا۔ الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيم

۶۳ غور وفکر کی دعوت وترغیب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ایمان والوں کیلئے کہ اس سے فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جن کے دل ودماغ کی دنیا ایمان ویقین کے نور سے منور ومعمور ہوتی ہے۔ ورنہ عام لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایسی تباہ شدہ بستیوں کے آثار وکھنڈرات کو محض ظاہری آنکھوں سے اور حیوانوں کی طرح دیکھتے ہیں۔ بلکہ اس

سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہاں پر پکنک کرتے، خرمستیاں کرتے، فوٹو گرافی کرتے اور اس طرح سبق لینے کی بجائے الٹا مزید غفلت کا شکار ہوتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسے لوگ اس قسم کے واقعات کو یونہی قدرتی حوادث قرار دے کر نظر انداز کر دیتے ہیں اور اس کی وہ طرح طرح کی مادی توجیہات کرنے لگتے ہیں۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ سو ایمان و یقین سب خوبیوں کی اصل اور اساس ہے جبکہ اس سے محرومی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ ہر خیر سے محرومی ہے۔ نیز اس میں یمان والوں کے لئے یہ عظیم الشان نشانی بھی ہے کہ راہ حق میں آزمائشیں اگرچہ آتی ہیں لیکن بالآخر خداوند قدوس کی رحمت وعنایت کے سزاوار وہی ٹھہرتے ہیں جو راہِ حق وصواب پر مستقیم اور ثابت قدم رہتے ہیں اور ان کے دشمن آخرکار مٹ کر رہتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم

۶۴ حِجر والوں کے جرم انکار وتکذیب کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حجر والوں نے بھی جھٹلایا رسولوں کو کہ ایک رسول کی تکذیب سب کی تکذیب ہے کہ سب انبیائے کرام کی دعوت اپنی اصل اور بنیاد کے اعتبار سے ایک ہی تھی۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ "حجر" ایک بستی کا نام ہے جو کہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع تھی۔ اور آج کل اس کو مدائن صالح بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بستی قوم ثمود کا مسکن تھی جو اپنے دور کی بڑی تمدن اور ترقی یافتہ قوم تھی، اس کی طرف حضرت صالح کو معبوث فرمایا گیا تھا۔ مگر انہوں نے ان کی تکذیب ہی کی۔ جس کے نتیجے میں آخر کار اس قوم کو ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ العیاذ باللہ العظیم

۶۵ آیاتِ الٰہی سے اِعراض ورُوگردانی کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو بھی اپنی نشانیاں عطا کی تھیں، مگر وہ ان سے روگردانی ہی برتتے گئے، یہاں تک کہ وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے، ہم نے بہر حال ان کو حق کو واضح کرنے والی نشانیاں دی تھیں، مگر ان لوگوں نے اپنی سرکشی کی بناء پر حق کو مان کے نہ دیا اور وہ برابر روگردانی ہی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ پہنچ کر رہے اپنے آخری انجام کو۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اللہ پاک کی نشانیوں سے اعراض برتنے اور روگردانی کرنے کا آخری نتیجہ اور انجام ہولناک تباہی ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ "آیات" یعنی نشانیوں کے عموم میں عقلی وفطری دلائل بھی شامل اور داخل ہیں اور حسی معجزات بھی۔ اور حسی معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ اور نشانی ناقہ صالح بھی ہے جس کا ذکر خود قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کو اس کے علاوہ اور بھی مختلف معجزات دیے گئے ہوں لیکن قرآن حکیم میں ان کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے ان کی طرف صرف اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہاں پر مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان لوگوں کے عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر تمام معجزات ودلائل ان کے لئے بے سود اور بے اثر ہی رہے اور یہی نتیجہ وانجام ہوتا ہے عناد وہٹ دھرمی کا۔ العیاذ باللہ العظیم۔

۶۶ انکار وتکذیب حق کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرکار آ پکڑا ان کو ایک ہولناک عذاب نے صبح کے وقت، جبکہ یہ لوگ خواب خرگوش میں مست تھے۔ پس اللہ کی پکڑ اور اسکے عذاب سے کبھی بے فکر نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کبھی بھی اور کسی بھی شکل میں آ سکتا ہے۔ سو اس سے بے فکری اور بے خوفی بڑے ہی خسارے کا سودا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور ان لوگوں کو ان کی تکذیب اور تمرد وسرکشی کی بناء پر حضرت صالح نے خبردار فرما دیا تھا کہ تم لوگ تین دن تک رہ بس لو اور عیش کر لو۔ اس کے بعد تم آخری انجام کو بہر حال پہنچ کر رہو گے۔ اور یہ ایسا وعدہ ہے جس کی تکذیب کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿فقال تمتعوا فی دارکم ثلثة ایام ذلک وعد غیر مکذوب﴾۔ (ھود: ۶۵)۔ سو کفر و انکار اور حق کی تکذیب کا آخری انجام یقیناً اور بہر حال ہلاکت وتباہی ہے۔ ایسے لوگوں کو حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے جو مہلت اور ڈھیل ملتی ہے اس سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے کہ وہ ڈھیل تو دیتا ہے لیکن اس کے بعد جب وہ پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ بھی بڑی سخت اور نہایت ہی ہولناک ہوتی ہے۔ ﴿ان اخذہ الیم شدید﴾۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا

بھر) کماتے رہے تھے ف۶۷ اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان (کی اس عظیم الشان

بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ

کائنات) کو مگر حق کے ساتھ ف۶۸ اور (فیصلے کی) اس گھڑی نے (اپنے وقت پر) بہرحال آکر رہنا ہے، پس آپ (اے

الْجَمِيْلَ ۝۸۵ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝۸۶ وَلَقَدْ

پیغمبر! ﷺ) شریفانہ درگزر ہی سے کام لیتے رہیں (ان لوگوں کی بیہودگیوں پر) بے شک آپ کا رب ہی ہے، سب

اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝۸۷

کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ (پوری طرح) جاننے والا ف۶۹ اور بلاشبہ ہم ہی نے عطا کیں آپ کو (اے پیغمبر!) بار بار

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

دوہرائی جانے والی سات آیتیں ف۷۰ اور عظمتوں بھرا یہ قرآن، اور کبھی نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا ان چیزوں کی طرف جن سے

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۸

ہم نے نوازا ہے ان کے مختلف گروہوں کو (دنیائے فانی کی اس زندگی میں) ف۷۱ اور نہ کبھی غم کھانا ان کے حال پر، ف۷۲ اور

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝۸۹ ج كَمَآ اَنْزَلْنَا

جھکائے رکھنا اپنے بازوئے (شفقت و عنایت) کو ایمان والوں کے لئے ف۷۳ اور کہہ دو (ان منکروں سے) کہ میرا کام تو بس

۶۷ محض مادی ترقی عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتی: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے کچھ کام نہ آسکی ان کی زندگی بھر کی کمائی عذاب الٰہی اور اس کی گرفت سے چھڑانے کے سلسلے میں۔ پس مادی ترقی کو سب کچھ سمجھ لینا اور اسی پر مست و مگن ہو جانا دراصل پیش خیمہ ہوتا ہے بڑی ہولناک تباہی اور خوفناک انجام کا۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بلکہ اصل چیز جس پر سب دار و مدار ہے وہ ایمان و عقیدہ کی دولت اور عمل و کردار کی وہ پونجی ہے جس پر فرد و ملت سب کی صلاح و فلاح کا مدار و انحصار ہے۔ جو کہ موقوف و منحصر ہے نورِ وحی و ہدایت پر۔ بہرکیف اس بدبخت قوم پر اس کی تکذیب و انکار کے نتیجے میں آخر کار ہولناک اور تباہ کن عذاب آکر رہا جس سے ان کو ان کے پیغمبر نے خبردار کیا تھا۔ جس سے یہ لوگ ہمیشہ کے لئے مٹ مٹا گئے

اور قصہ پارینہ بن کر رہ گئے۔ اور اپنی جس صنائی کاریگری اور مادی ترقی پر ان کو ناز تھا وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آسکی۔ اور یہ صرف اسی بدبخت قوم کے ساتھ خاص یا اسی پر منحصر نہیں بلکہ ہمیشہ رہا اور آج تک موجود ہے۔ اور اس کے مختلف نمونے جگہ جگہ اور طرح طرح سے سامنے آتے ہیں۔ مگر ان سے عبرت کوئی نہیں پکڑتا۔ الا ماشاء اللہ۔

۲۸ کائنات کی تخلیق حق کے ساتھ:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حَصر وقَصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی اس کائنات کو مگر حق کیساتھ۔ اور بڑا اور بنیادی مقصد اس عظیم الشان کائنات کی تخلیق کا یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر اور اسمیں غور وفکر سے کام لیکر انسان اپنے خالق و مالک کو اور اسکی عظمت شان اور وسعتِ رحمت کو پہچانے۔ اور دل وجان سے اسکے حضور جھک جائے۔ اور حیات مستعار کی فرصتِ محدود کو اس کی عبادت و بندگی میں صرف کر کے اپنے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ہونے اور آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کی دائمی نعمتوں سے سرفراز ہونے کا سامان کرے۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید وعلی مایحب ویرید بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

۲۹ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق وعلم کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک تمہارا رب ہی سب کو پیدا کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے، پس آپ ان منکرین ومعاندین کا معاملہ اسی وحدہٗ لاشریک کے حوالے کر دیں۔ وہ ان کے حق میں جو بھی فیصلہ فرمائیگا وہی صحیح اور برحق ہوگا کہ اس کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ علم وحکمت پر مبنی ہوگا۔ نیز اس ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ اس خلّاق وعلیم کیلئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ (معارف وابن کثیر وغیرہ)۔ پس وہ اپنے وعدے کے مطابق سب کو دوبارہ پیدا فرمادے گا تاکہ ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا صلہ وبدلہ پا سکے۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے بھرپور طریقے سے پورے ہوسکیں۔ اور اُس حکمت کے تقاضے بھی پورے ہوسکیں جس کے لئے اس نے اس حکمتوں بھری کائنات کو وجود بخشا ہے۔ ورنہ یہ سب کچھ عبث قرار پائے گا۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا اور حَصر وقَصر کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارا رب ہی ہے خلّاق، جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اور وہ لگاتار پیدا فرماتا جارہا ہے کہ خلّاق وہی ہے اور اس کی صفت خلّاقیت کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ علیم بھی ہو یعنی وہ اپنی ہر مخلوق کے ظاہر و باطن، اس کے آغاز وانجام اور اس کی تمام ضرورتوں اور حاجتوں سے متعلق پورا علم رکھتا ہو کہ یہ اس کی صفت خلق کا طبعی اور لازمی تقاضا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ یعنی کیا وہی نہیں جانیگا جس نے پیدا فرمایا ہے اور وہ بڑا ہی باریک بیں اور نہایت ہی باخبر ہے اور اس وحدہٗ لاشریک کی انہی دوصفتوں کا تقاضا ہے کہ وہ قیامت کا یوم حساب لائے، تاکہ اس طرح ہر کسی کو اس کی زندگی کے کئے کرائے کا صلہ وبدلہ ملے اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں اور بدرجہ تمام وکمال پورے ہوں، کیونکہ قیامت کے اس یوم حساب کے وجود وقیام کے بغیر کمالِ عدل وانصاف کے تقاضوں کا پورا ہونا ممکن ہی نہیں، جیسا کہ ہم نے اس تفسیر کے مختلف مواقع میں اس حقیقت کو

طرح طرح سے واضح کر چکے ہیں، والحمد للہ۔ اور پھر جب اس وحدہٗ لاشریک کی ان صفات میں سے کسی صفت میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں تو پھر اس کے حق اطاعت و عبادت میں کوئی اس کا شریک و سہیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ سو اس طرح خلّاق اور علیم کی ان ہی دو صفتوں سے توحید، رسالت اور آخرت تینوں بنیادی عقیدوں کا اثبات ہو جاتا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۴۰ ﴿سبع مثانی﴾ سے مقصود و مراد؟- ایک قول کے مطابق ﴿سبع مثانی﴾ سے مراد ''سبع طوال'' یعنی ''سات بڑی سورتیں'' ہیں۔ یعنی بقرہ، ال عمران، نساء، مائدہ، اَنعام، اَعراف اور یونس۔ یہ قول ابنِ مسعود، ابن عمر، ابنِ عباس اور مجاہد وغیرہ کا ہے۔ پھر اس میں آگے ''سبع طوال'' کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے جس کے مطابق ساتویں سورت اس میں سورۂ توبہ ہے۔ اور انفال اس کے ساتھ شامل ہے۔ دوسرے قول کے مطابق اس میں توبہ کی بجائے سورۂ یونس شامل ہے۔ بہر کیف ﴿سبع مثانی﴾ سے مراد اس قول کے مطابق یہ سات سورتیں ہیں۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں جو نماز وغیرہ میں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ اور صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ سو اس سے اگرچہ یہ متعین اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے لیکن یہ حصر کے طور پر نہیں فرمایا گیا۔ پس اس سے اس بات کی نفی لازم نہیں آتی کہ ''سبع طوال'' بھی اس میں داخل ہوں۔ کیونکہ ''سبع مثانی'' کا جو معنیٰ سورۂ فاتحہ میں پایا جاتا ہے وہ ان مختلف سورتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ (ابن کثیر، ابنِ جریر، صفوۃ، معارف، محاسن التاویل اور جامع البیان وغیرہ)

۴۱ نعمتِ قرآن کے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ:- چنانچہ پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کبھی نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا ان چیزوں کی طرف جو ہم نے ان میں بعض گروہوں کو دی ہیں، کہ یہ سب کچھ بہر حال عارضی اور فانی ہے۔ اور حق و ہدایت کی اس نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ کبریٰ کے مقابلے میں ہیچ ہے جس سے آپ کو نوازا گیا ہے۔ (روح، ابنِ کثیر وغیرہ) اور جن لوگوں کو ایمان کی دولت سے محرومی کے باوجود ان چیزوں سے نوازا گیا ان کا انجام بہر حال بہت بُرا ہے کہ انہوں نے بالآخر دوزخ کی ہولناک آگ میں جلنا ہے۔ سو یہاں پر خطاب اگرچہ حضور ﷺ سے ہے کہ وحی کے اولین مخاطب بہر حال آپ ﷺ ہی ہیں لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے۔ (مراغی، مدارک، اور معارف وغیرہ) سو دین و ایمان سے محرومی کی صورت میں۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اگر ساری دنیا بھی مل جائے تو بھی ہیچ ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام بہت بُرا ہے۔ ہاں اگر دین و ایمان سے سرفرازی کے ساتھ دنیا مل جائے اور وہ دینی معلومات کے مطابق خیر کے کاموں میں صرف ہو جائے تو وہ یقیناً بڑی خیر اور سعادت ہے۔ کہ وہ سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ سو اصل دولت دین و ایمان کی دولت ہے۔ اسکے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ اور صفر ہے، والحمد للہ جلّ وعلا۔

۴۲ منکرین پر غم نہ کھانے کی ہدایت:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ کبھی ان کی محرومی اور ان کے حال پر غم نہیں کھانا، کہ

یہ لوگ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اسی کے لائق ہیں اور اپنی محرومی اور ہلاکت کے ذمہ دار یہ خود ہیں، آپ کے ذمے تبلیغ حق کی جو ذمہ داری تھی وہ آپ نے پوری کردی۔ اور بتمام وکمال پوری کردی۔ اور اب اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو اسکے ذمہ دار یہ خود ہیں۔ آپ پر اسکی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور نورِ حق ہدایت کی دولت سے بہرہ ور و سرفراز ہونا جب ان کو منظور ہی نہیں تو پھر حق و ہدایت کی دولت ان کو کیونکر نصیب ہوسکتی ہے؟ لہٰذا آپ انکے بارے میں کسی طرح کا کوئی غم اور فکر نہ کریں۔ ﴿فَلا تَذهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرَاتٍ﴾ یعنی ان پر غم اور افسوس کے نتیجے میں آپ اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں' سو اس سے پیغمبر کی اس شفقت اور رحمت ورأفت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جو آپ کے دل میں خلقِ خدا کی ہدایت واصلاح سے متعلق موجود وموجزن تھی کہ اسکی بناء پر آپ اپنی جان کو بھی ہلکان کئے دے رہے تھے۔ کہ کس طرح یہ لوگ راہِ حق وہدایت کو اپنا کر دائمی عذاب سے بچ جائیں۔ علیه الصلوٰة والسلام وما تبقی هذه الا حرف والکلمات۔

۴۳ ایمان والوں کے ساتھ رحمت وشفقت کے معاملے کی ہدایت:- سو ارشاد فرمایا گیا اور جھکائے رکھنا اپنا بازوئے شفقت ایمان والوں کیلئے تواضع اور نرمی کے ساتھ۔ اپنی رحمت وشفقت اور انکے ایمان واخلاص کی بناپر۔ تمام ثقہ مفسرین کرام آیتِ کریمہ کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ لغت وبیان کے اعتبار سے اس کا معنیٰ ومطلب یہی ہے۔ چنانچہ بالعموم اسکی توضیح وتشریح مفسرینِ کرام اسطرح کے الفاظ سے کرتے ہیں ''اَلِنْ جَانِبَکَ وَارْفُقْ بِمَنْ اٰمَنَ بِکَ وَاتَّبَعَکَ وَلَا تَجْفُ بِهِمْ وَلَا تَغْلُظْ عَلَیْهِمْ '' یا اسی کے ہم معنیٰ اور اس سے ملے جلتے دوسرے الفاظ سے۔ (بطور نمونہ ومثال ملاحظہ ہو روح المعانی، قرطبی، ابنِ جریر، ابنِ کثیر، المراغی، محاسن التاویل اور صفوة التفاسیر وغیرہ وغیرہ) سو اس ارشاد سے ایک طرف تو ایمان وعقیدہ کی عظمتِ شان واضح ہوجاتی ہے کہ اسی شرف اور رشتہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اہل ایمان کے ساتھ اسطرح رحمت وشفقت کا معاملہ کرنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ اللهم زدنا ایماناً ویقیناً وثبتنا علیه وکن لنا ولاتکن علینا۔ اور دوسری طرف اس سے خدائے رحمٰن ورحیم کی اپنے بندوں سے رحمت وعنایت کا پہلو بھی واضح ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے نبی رؤف ورحیم کو اہل ایمان کے ساتھ اسطرح رحمت وشفقت کا معاملہ کرنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اُدھر سے رحمتیں ہی رحمتیں اور عنایتیں ہی عنایتیں ہیں، ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اور اتنی اور اسقدر کہ ان کو گننا اور شمار کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں۔ جبکہ اسکے بالمقابل اِدھر سے کمزوریاں اور کوتاہیاں سب ہماری طرف سے ہوتی ہیں۔ والعیاذ بالله جلّ وعلا. اللهم فخذنا بنواصینا الی مافیه حبک والرضا بکل حالٍ من الاحوال، وفی کلِ موطنٍ من المواطن فی الحیاة، یا ذاالجلال والاکرام یا من بیده ملکوت کل شیء وهو یجیر ولایجار علیه.

عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾

خبردار کر دینا ہے کھول کر، ۷۴ (کہ ان منکروں پر بھی عذاب اسی طرح آ سکتا ہے) جس طرح کہ ہم اتار چکے ہیں ان حصے

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا

بخرے کرنے والوں پر ۷۵ جنہوں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اللہ کی کتاب کو، سو قسم ہے تمہارے رب کی ہم نے ضرور پوچھنا ہے ۷۶

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ

ان سب سے، ان کے ان کرتوتوں کے بارے میں، جو یہ لوگ کرتے رہے تھے ۷۷ پس آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کھول کر بیان کر دیں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾

اس (حق اور حقیقت) کو جس کا حکم دیا جاتا ہے آپ کو، اور منہ موڑ لو مشرکوں سے، بے شک ہم کافی ہیں آپ کو (اے

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

پیغمبر!) ان مذاق اڑانے والوں (کی خبر لینے) کو، جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود قرار دیتے ہیں، سو عنقریب انہیں

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾

خود معلوم ہو جائے گا ۷۸ اور اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ کا سینہ تنگ ہو رہا ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں ۷۹ سو

۷۴ پیغمبر کا کام اِنذار و تبلیغ اور بس:- چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ میرا کام تو صرف خبردار کر دینا ہے کھول کر حق اور حقیقت سے۔ اور وہ میں کر چکا۔ آگے اسکو منوا لینا اور تم کو راہ راست پر لے آنا نہ میرے ذمے ہے نہ میرے بس میں۔ یہ حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ سو پیغمبر کا کام اِنذار و تبلیغ ہوتا ہے۔ یعنی پیغام حق پہنچا دینا اور حق کو ان کے سامنے پوری طرح واضح کر دینا ہے۔ تاکہ جس نے ماننا ہو وہ مانے اور جو نہ مانے وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہے۔ سو دلوں کو پھیر دینا اور حق بات منوا لینا نہ پیغمبر کے بس میں ہوتا ہے اور نہ ہی یہ ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ تو اللہ پاک کی شان اور اسی کا کام ہے۔ کہ وہی جانتا ہے کہ کس کے دل کی کیفیت اور نیت کیا ہے، کون کس لائق ہے، سو وہ اپنے اسی کمالِ علم و حکمت اور مشیت مطلقہ کے تقاضوں کے مطابق ہر کسی سے معاملہ فرماتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ (المعارف، المراغی، وغیرہ)

۷۵ منکرین و مکذبین کیلئے بڑی تنبیہ:- سو اس میں یہ تنبیہ ہے کہ موجودہ دور کے منکرین پر بھی عذاب اسی طرح

آ سکتا ہے' جیسا کہ پہلوں پر آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے ایک ہے۔ اور جس جرم کا ارتکاب اُن لوگوں نے کیا تھا آج اسی کے مرتکب یہ لوگ ہو رہے ہیں۔ پس ان کو سنبھل جانا چاہیے اور اپنی روش بدل لینی چاہیے۔ یہ ﴿كَمَـآ اَنـزَلْنَـا﴾ کی تفسیر کا ایک احتمال ہے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ترجمہ کے اندر اسی کو اختیار فرمایا ہے' جب کہ اس میں دوسرا احتمال جس کو دوسرے بعض اہل علم نے اختیار کیا ہے یہ بھی ہے کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم اسی طرح عطا کیا جس طرح کہ ہم نے اس سے پہلے ان مقتسمین یعنی حصے بخرے کرنے والوں پر اپنا قرآن اتارا تھا' جنہوں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا' یعنی یہود' جنہوں نے اپنے قرآن یعنی تورات کو ورقے ورقے کر رکھا تھا' جیسا کہ سورۂ انعام میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا تجعلونه قراطيس تبدونها وتخفون كثيرا الآیہ (الانعام:۹۱) کہ تم لوگ اپنی مرضی اور منشا کے مطابق کچھ اوراق و اجزاء کو ظاہر کرتے اور بہت سوں کو چھپا دیتے ہیں، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض الآیہ (البقرۃ:۸۵) یعنی کیا تم لوگ کتاب کے بعض حصوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ اسی لئے اس میں یہ قول و احتمال بھی موجود ہے کہ یہ تنبیہہ جو آج تم لوگوں کو کی جا رہی ہے ویسی ہی تنبیہ ہے جو اس سے پہلے ان حصے بخرے کرنے والوں یعنی یہود کو کی جا چکی ہے' انہوں نے جو انجام دیکھا وہ تمہارے سامنے ہے' اب تم اپنے بارے میں خود سوچ اور دیکھ لو کہ تم کونسی راہ اپناتے ہو اور کس انجام کے مستحق بنتے ہو؟ سو اس میں ہر دور کے کفار و منکرین کے لئے بڑی تنبیہ و تہدید ہے کہ وہ باز آ جائیں۔ ورنہ ان کا بھی وہی حشر ہو سکتا ہے جو پہلوں کا ہو چکا ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

۴۷ ﴿الَّذِیْنَ جَعَلُو الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ﴾ سے مراد و مقصود؟:۔ یعنی قرآن سے یہاں پر سابقہ آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ اور ان سب پر قرآن کا اطلاق صحیح ہے۔ اور ﴿عضین﴾ جمع ہے "عضۃ" کی۔ جس کے معنی ٹکڑے اور جزء کے آتے ہیں۔ سو انہوں نے اللہ کی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ کر دیا۔ جو اپنی اَہواء و اَغراض کے مطابق ہوا اس کو مان لیا اور جو اس کے خلاف ہوا اس کا انکار کر دیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے ﴿اَفَتُؤْ مِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾۔ الآیہ (البقرہ:۸۵) نیز فرمایا گیا۔ ﴿تَجْعَلُوْ نَه قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْ نَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا﴾۔ الآیۃ (الانعام: ۹۱)۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں ﴿القران﴾ سے مراد یہ قرآن حکیم ہی ہو۔ جیسا کہ ظاہر و متبادر ہے اور ﴿الذین﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہوں کہ انہوں نے اس قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ جس کو اپنی کتابوں میں اور اپنی خواہشات کے مطابق پایا اس کو مان لیا اور جس کو اس کے خلاف پایا نہ مانا۔ (اخرجہ البخاری، المراغی وغیرہ)۔ اس کے علاوہ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی کئی اَقوال و احتمال ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ وَسَنَذْكُرُهَا فِي الْمُفَصَّلِ اِنْشَآءَ اللّٰهُ۔ (روح، قرطبی، ابوالسعود، ابن کثیر، جامع البیان، معارف القرآن، صفوۃ البیان، فتح القدیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ وغیرہ)۔ بہر کیف اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ایسے لوگوں کی پیروی اصل میں قرآن حکیم اور اسکی تعلیمات مقدسہ نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی تھی۔ اور

یہ لوگ ھُدیٰ کے نہیں ھَویٰ کے پیروکار تھے۔۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۴۷ سب کی باز پرس کی قطعیت کا ذکر و بیان:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حلف وقسم کی قطعیت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے رب کی قسم ہم نے ضرور پوچھنا ہے ان کے ان کاموں کے بارے میں جو یہ کرتے رہے تھے تاکہ یہ اپنے کئے کرائے کا صلہ وبدلہ پاسکیں۔ پس آپ ﷺ کو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان سے ہم خود نمٹ لیں گے اور صحیح طور پر نمٹ لیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ لوگ جلد ہی اپنے کیفرکردار کو پہنچ کر رہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ الْعِیَاذُ بِہٖ جَلَّ وَ عَلَا۔ ابوالعالیۃ سے اس آیتِ کریمہ کے بارے میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سب بندوں سے دو باتوں کے بارے میں ضرور پوچھے گا۔ ایک یہ کہ وہ کس کی عبادت وبندگی کرتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ (ابن کثیر، المراغی وغیرہ) سو اس طرح معاملہ پوری طرح واضح ہو جائیگا۔

۴۸ شرک کے گھناؤنے پن اور پیغمبر کیلئے تسکین وتسلیہ کا ذکر و بیان:۔ سو ان آیات میں نبی اکرم ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جس حق اور ہدایت سے آپ کو نوازا گیا ہے اس کو آپ بلا کم وکاست آگے پہنچادیں، اور مشرکین تمہارے خلاف جو جو بکواس کریں ان کا کوئی نوٹس نہ لیں، ان سے ہم خود نمٹ لینگے، عنقریب ان کو خود معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا پیغام سراسر حق اور سچ تھا اور کفر وانکار کی جس راہ پر یہ چل رہے ہیں اس کا نتیجہ وانجام سراسر ہلاکت وتباہی ہے، سو یہ لوگ جو اللہ کے سوا کسی اور کو بھی معبود قرار دیتے ہیں بڑے ہی خسارے اور ہلاکت وتباہی کی راہ پر چل رہے ہیں اور مزید یہ کہ یہ لوگ حق اور اہل حق کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اور اس طرح یہ جرم بالائے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اس میں حضور ﷺ کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ اُن لوگوں کی سرکشی صرف آپ ہی تک نہیں بلکہ یہ بدبخت تو حضرتِ حق جل مجدہٗ کی جنابِ اقدس واعلیٰ میں بھی سخت گستاخی کرتے ہیں۔ اور اسکے ساتھ یہ لوگ دوسرے خود ساختہ معبود ٹھہراتے ہیں۔ سو جو لوگ حضرتِ حق جل مجدہٗ کی شان اقدس واعلیٰ میں بھی اس طرح کی کوئی گستاخی سے نہیں چوکتے ان سے کسی خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال

۴۹ پیغمبر کے تسکین وتسلیہ کا سامان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اَدواتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپ کا سینہ تنگ ہو رہا ہے ان لوگوں کی باتوں سے جو یہ حق اور اہل حق کے خلاف بنا رہے ہیں کہ یہ انسانی فطرت وجبلت کا تقاضا ہے کہ جہاں ایک طرف سراسر نصیحت وخیر خواہی اور اِخلاص وللّٰہیت ہو اور دوسری طرف اس کے مقابلے میں انکار وبے قدری اور ناشکری وشرانگیزی اور فتنہ سامانی ہو۔ تو اس سے صدمہ اٹھانا اور دلگیر ہونا ایک طبعی امر ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ صبر وضبط ہی سے کام لیں، اور ان لوگوں کی دکھ دہ اور دل آزار باتوں کی بناء پر غمگین اور دلگیر نہ ہوں۔ اور ان کا معاملہ اپنے خالق ومالک ہی کے حوالے کردیں۔ وہ ان سے خود نمٹ لے گا۔ اور ایسے طور پر نمٹے گا کہ ہر ذی حق کو اس کا پورا حق مل جائے گا اور عدل وانصاف کے تقاضے بدرجۂ تمام وکمال پورے ہو جائیں گے۔ اور اسی سے حکمتوں بھری اس کائنات کی تخلیق کی حکمت پوری ہو سکے گی۔

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۝۹۸ وَاعۡبُدۡ

(اس کے علاج کے لئے) آپ تسبیح کرتے رہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ، اور شامل رہیں (اپنے رب کے حضور) سجدہ

رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَـقِيۡنُ ۝۹۹ ع ۶

کرنے والوں میں ف۸۰ اور بندگی کرتے رہیں اپنے رب کی یہاں تک کہ آ پہنچے آپ کو موت وا۸۱

۸۰ رب کی تسبیح وتحمید کا حکم وارشاد:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تسبیح کرتے رہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ' سو اپنے رب کی تسبیح وتحمید اور اس کے حضور سجدہ ریزی ہر غم کا علاج ہے، اسی لئے آنحضرت ﷺ کو اس کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس سے آپ کے سب غم غلط ہوجائیں گے اور سب تنگیاں دور ہوجائیں گی۔ اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو نماز کی طرف جلدی فرماتے "اِذَا حَزَبَہٗ اَمۡرٌ فَزِعَ اِلَی الصَّلٰوۃِ" (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، خازن، مدارک التنزیل وغیرہ)۔ بہر کیف اس ارشاد ربانی سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح اور اسکے حضور سجدہ ریزی ہر درد کی دوا اور ہر غم کا علاج ہے۔ لیکن افسوس کہ دنیا اس سے غافل و بے خبر ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ فَسُبۡحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمۡدِکَ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ اَسۡتَغۡفِرُکَ وَ اَتُوۡبُ اِلَیۡکَ۔

۸۱ یقین سے مراد موت:- یعنی ﴿یقین﴾ کے لفظ سے یہاں پر موت مراد ہے۔ جبکہ جمہور مفسرینِ کرام نے اسکی تصریح فرمائی ہے۔ اور امام بخاری۔ رحمۃ اللہ علیہ جیسے کبار محدثینِ کرام نے بھی ﴿یقین﴾ سے یہاں پر موت ہی مراد لی ہے۔ (ملاحظہ ہو ابنِ کثیر، ابنِ جریر محاسن التاویل، روح المعانی، جامع البیان، معارف القرآن، صفوۃ التفاسیر، قرطبی، صحیح بخاری وغیرہ) پس روافض وغیرہ اہلِ زیغ وضلال اس لفظ ﴿یقین﴾ سے جو اور معانی اور مطلب نکالتے اور بیان کرتے ہیں وہ غلط اور ان کی اپنی ذہنی اپج اور اختراع ہے کہ مردود ہے۔ اور موت کو یقین کے لفظ سے جو تعبیر فرمایا گیا وہ اس لئے کہ موت ایک ایسی اٹل اور یقینی حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ منکروں اور دہریوں کو بھی اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ فَاِیَّاکَ نَسۡأَلُ اللّٰھُمَّ حُسۡنَ الۡخِتَامِ وَ عَلٰی اَفۡضَلِ الۡکَلَامِ، وَ اَنۡ تُمِیۡتَنَا عَلٰی اَحۡسَنِ الۡاَحۡوَالِ، وَعَلٰی مَا تُحِبُّ وَ تَرۡضٰی مِنَ الۡاَقۡوَالِ وَ الۡاَفۡعَالِ۔ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡحَنَّانُ الۡمَنَّانُ، وَ ارۡحَمۡ بِنَا مِنَّا لَا نُفُسِنَا۔ وَ صَلِّ اللّٰھُمَّ وَ سَلِّمۡ عَلٰی حَبِیۡبِکَ الۡمُجۡتَبٰی وَ نَبِیِّکَ الۡمُصۡطَفٰی، اَلَّذِیۡ اَخۡرَجۡتَنَا بِہٖ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ۔ وَھَدَیۡتَنَا بِہٖ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ، وَعَلٰی اٰلِہِ الۡاَطۡھَارِ، وَ اَصۡحَابِہِ الۡکِرَامِ۔ وَاَنَا عَبۡدُکَ الۡعَاصِیۡ، وَلِرَحۡمَتِکَ الرَّاجِیۡ مُحَمَّدُ اِسۡحٰق خَان (عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُ وَ عَافَاہُ) السّاکن بِمَنۡطِقَۃِ اُمِّ ھُرَیۡر۔ دبی، متحدہ عرب امارات، والحمد للہ رب العالمین۔ اَلَّذِیۡ لَا تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوۡفِیۡقٍ مِّنۡہُ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

☆☆☆

☆— تکمیل نظر ثانی بتاریخ ۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۹۹۷ء الحمد لِلّٰہِ رَبِّ العالمین قبل کل شئی و بعد کل شئی

☆— تکمیل پروف ریڈنگ (دوسری مرتبہ) ۳۰ ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۶ مارچ ۲۰۰۰ بروز پیر، ساڑھے دس بجے شب، سطوہ، دبئی،

☆— تکمیل سیکنڈ پروف ریڈنگ ۱۹ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۲ اپریل ۲۰۰۱ بروز جمعرات بوقت ساڑھے آٹھ بجے شب سطوہ دبئی،

رُکُوعَاتُھَا ۱۶ — ۱۶ سُوْرَۃُ النَّحْلِ مَکِّیَّۃٌ ۷۰ — اٰیَاتُھَا ۱۲۸

سورۂ نحل مکی ہے اس کی ۱۲۸ آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی

آ گیا اللہ کا حکم ۱ پس تم لوگ جلدی مت مچاؤ اس کے لئے ۲ پاک ہے وہ (وحدہٗ لاشریک) اور بہت بلند (وبالا) ہے اس

عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ① یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ

شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں، وہ اتارتا ہے فرشتوں کو اپنے حکم سے ۳ اس (عظیم الشان) روح کے ساتھ، اپنے بندوں

۱ ﴿امر اللّٰہ﴾ ''اللہ کے حکم'' سے مقصود و مراد؟:- یعنی قیام قیامت اور عذاب منکرین۔ (جامع البیان، محاسن التاویل۔ ابن کثیر اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ) سو اس کو تم لوگ خواہ کتنا ہی دور اور بعید سمجھو وہ بہر حال قریب ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔ ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ وَھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾۔ (الانبیاء:۱)۔ نیز ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾۔ (القمر:۱) اور جب کہ ہر آدمی کی قیامت اس کی موت ہی ہے، جس کے بعد اس کے لئے تیاری وغیرہ کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ تو ہر شخص کی قیامت بہر حال اس کے قریب اور بہت ہی قریب ہے کہ کسی کو خبر نہیں کہ اسکی موت کب، کہاں اور کیسے آئے گی۔ نیز ﴿امر اللّٰہ﴾ ''اللہ کے حکم'' کے عموم میں وہ عذاب بھی داخل ہے جو کہ کفار و مشرکین وغیرہ نابکاروں کو ایک معمولی قسط کے طور پر اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ وہ بھی بہر حال ان کے قریب ہی ہے۔ کسی کو پتہ نہیں کہ وہ کب، کہاں سے، کس شکل میں آجائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ جیسا کہ بدر وغیرہ میں ہو چکا ہے۔ اور اب تک بھی بدستور جگہ جگہ اور طرح طرح سے ہوتا رہتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ پھر چونکہ یہ قیامت اللہ کے حکم سے اور اچانک آجائے گی، جیسا کہ فرمایا گیا ﴿لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً﴾ الاٰیۃ (الاعراف:۸۷) نیز فرمایا گیا ﴿وَلَیَاْتِیَنَّھُمْ بَغْتَۃً وَّ ھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ (العنکبوت:۵۳)۔ اس لئے اس کو یہاں پر ﴿امر اللّٰہ﴾ ''اللہ کے حکم'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ کہ اس کو بپا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کو کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ محض اسکے ایک اشارہ اور حکم و ارشاد سے فوری طور پر بپا ہو جائیگی۔ پس تم لوگ اسکو بعید نہ سمجھو بلکہ ہمیشہ اس کی فکر و تیاری میں رہو کہ پتہ نہیں وہ کب اور کس حال میں آجائے۔ اور اس وقت کفِ افسوس ملنے سے کچھ فائدہ نہ ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم جَلَّ وَعَلَا۔ بہر کیف اس ارشادِ ربانی میں لوگوں کیلئے تنبیہ و تذکیر ہے کہ وہ اپنے انجام اور اپنی موت کو یاد کر کے تیاری کریں اور غفلت میں عمر رواں کی فرصت محدود کو ضائع نہ کریں۔ کیونکہ یہ وہ دولت ہے جو ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر کبھی نہیں مل سکے گی۔

۲ عذاب کیلئے جلدی مچانے والوں کو تنبیہ:- سو ایسے لوگوں سے کہا گیا کہ تم جلدی مت مچاؤ اس لئے کہ اس نے اپنے وقت پر بہر حال آ کر رہنا ہے۔ پس تم لوگ اس کے لئے جلدی مچانے کی بجائے اسمیں ہونے والے عذاب سے بچنے اور محفوظ رہنے کی فکر کرو اور حیاتِ مستعار کی اس فرصت کو اس لئے غنیمت سمجھو کہ یہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر کبھی ملنے والی نہیں ہے۔ سو وہ لوگ بڑی بھول میں ہیں جو اس کیلئے فکر اور تیاری کرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اور اس طرح وہ ایک نہایت ہی ہولناک انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ایسے منکروں اور کافروں وغیرہ کو ایک دھوکہ یہ بھی لگتا ہے اور وہ اس طرح کے خبط میں مبتلا ہوتے ہیں کہ قیامت اور آخرت وغیرہ ہوئی بھی تو وہاں ہمارے لئے ہمارے فلاں ملاں شریک اور سفارشی ہمیں خدا کے عذاب سے بچالیں گے۔ اس لئے ہمیں کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ اور کچھ اسی طرح کی غلط فہمی اور ایسے ہی خبط میں وہ کلمہ گو مشرک بھی مبتلا ہیں جنہوں نے از خود طرح طرح کے ناموں سے مختلف ہستیاں اور خود ساختہ سرکاریں گھڑ رکھی ہیں کہ ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں خاص پہنچ ہے۔ انکا اسکے یہاں خاص درجہ و مرتبہ ہے۔ یہ جو چاہیں کرواسکتی ہیں۔ ''ہماری وہ سنتا نہیں اور ان کی رد نہیں کرتا''۔ پس ''ہماری ان کے آگے اور ان کی اس کے آگے'' اور اسی طرح کے مفروضوں کی بناء پر ایسے لوگ نماز روزہ وغیرہ فرائض اور احکامِ الٰہی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ سو شرک کے ان ماروں اور انکی ایسی شرکیات پر ضرب کاری لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ پاک اور کہیں بلند و بالا ہے ان چیزوں سے جن کو ایسے لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ پس ایسے لوگ جو اس طرح کے کسی خبط میں مبتلا ہیں وہ اپنی اصلاح کرلیں قبل اس سے کہ اصلاح کا موقع ان کے ہاتھ سے نکل جائے، ورنہ اپنے ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم

۳ روح اور قلب کی زندگی وحی الٰہی سے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی اتارتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے، اور روح سے یہاں پر مراد وحی الٰہی ہے اور اس کو روح سے اسلئے تعبیر فرمایا گیا کہ جس طرح جسم کی زندگی روح سے ہے' اسی طرح روح اور قلب کی زندگی وحی الٰہی سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کی جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے طرح طرح کی خوراکوں کا سامان وانتظام فرمایا' اسی طرح اس نے اس کے قلب و روح کی زندگی کیلئے وحی کا انتظام بھی فرمایا' کہ اسی پر اسکی معنوی اور روحانی زندگی موقوف ہے، اور اسی بات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ وہ وحی کے اس کلمہ سے جیتا ہے جو اس کو خداوند قدوس کیطرف سے عطاء کیا جاتا ہے۔ بہر کیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت و راہنمائی کیلئے اپنے فرشتوں کو اتارتا ہے۔ اور جس طرح اس نے اپنے بندوں کی جسمانی اور مادی ضروریات کی تکمیل کا سامان کیا اسی طرح اس نے انکی روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان بھی فرمایا ۔سبحانہ وتعالیٰ۔ اور ایسے فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم و ارشاد سے اسکے ان خاص اور چیدہ بندوں ہی پر اترتے ہیں جن کو وہ نبوت و رسالت اور اپنی پیغام رسانی کے لئے چنتا اور منتخب فرماتا ہے کہ وہی جانتا ہے کہ کون اس کا اہل ہے۔ ﴿اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ﴾۔ پس اہل کفر و باطل کا یہ کہنا کہ وہ فرشتے براہِ راست ہمارے پاس کیوں نہیں آتے انکی اپنی حماقت اور مت ماری کی دلیل ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ کیونکہ اللہ کے فرشتے نہ عام لوگوں کے ساتھ اتر سکتے ہیں اور نہ ہی عام لوگ فرشتوں کو دیکھنے کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ ان کا نزول حضراتِ انبیاء و رسل ہی پر ہوتا ہے۔ علیہم الصلوۃ والسلام۔

أَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا

میں سے جس پر چاہتا ہے وکے (اس بنیادی ہدایت کے ساتھ) کہ تم خبردار کر دو (میرے بندوں کو) کہ کوئی عبادت کے لائق

اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

نہیں سوائے میرے، پس تم سب مجھ ہی سے ڈرو وہ اسی نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین (کی اس حکمتوں بھری کائنات)

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ

کو حق کے ساتھ، وہ بہت بلند (وبالا) ہے اس شرک سے جو یہ لوگ (اس کی جنابِ اقدس کے بارے میں) کرتے ہیں وٹ

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴

اسی نے پیدا فرمایا (کائنات کے مخدوم ومطاع) اس انسان کو (قطرۂ منی کی) ایک حقیر بُوند سے وکے پھر یہی (ناشکرا انسان)

۴ نبوت ورسالت محض انتخابِ خداوندی:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اپنے حکم سے روح کے ساتھ اتارتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے' سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ نبوت ورسالت محض انتخابِ خداوندی ہوتا ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اس کیلئے چنتا اور منتخب فرماتا ہے، کیوں کہ وہی جانتا ہے کہ کون اس کا اہل ہے' جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا الله اعلم حيث يجعل رسالته، سو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس روح یعنی نورِ وحی کے ساتھ اترتے ہیں جس سے دلوں کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ روح سے جسموں کو زندگی ملتی ہے۔ (ابنِ کثیر، فتح القدیر، صفوۃ التفاسیر، معارف وغیرہ) پس جو لوگ ہدایت ووحی کے نور سے محروم ہیں وہ حقیقت میں مُردہ ہیں اگرچہ بظاہر زندہ اور چلتے پھرتے ہوں۔ اور دنیاوی اعتبار سے بڑے تیز طرّار اور ترقی یافتہ بھی ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ مُردہ اور بے روح ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَ الْحَمْدُ لَهٗ جَلَّ وَ عَلَا الَّذِىْ شَرَّفَنَا بِنُوْرِ الْاِيْمَانِ۔ اور نورِ وحی اب قیامت تک صرف قرآنِ حکیم کے مصدرِ فیض ہی سے مل سکتا ہے۔ پس جو لوگ اس کتابِ ہدایت اور اس پر ایمان کی نعمت سے محروم ہیں۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ وہ سراسر مُردہ اور اَموات غیر اَحیاء ہیں۔ اور طرح طرح کے گھمنڈ اور گھاٹوپ اندھیروں میں مبتلا ہیں اگرچہ وہ اپنے آپ کو بہت کچھ ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں اور ایسے ہی بلند وبانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۵ عقیدۂ توحید کی عظمت شان:- سو اس سے عقیدۂ توحید کی عظمت واہمیت واضح ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ وحیِ خداوندی کا مرکزی مضمون اور اسکی اوّلین دعوت یہی ہے کہ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ سو نورِ وحی کی اس مقدس روح کا خلاصہ اور اس کی اساس وبنیاد عقیدہ توحید ہے۔ پس توحید والے ہی دراصل زندہ ہیں اور شرک والے مُردہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنَ الشِّرْكِ وَشَوَآئِبِهٖ، فِىْ كُلِّ لَحْظَةٍ مِّنْ لَّحَظَاتِ الْحَيَاةِ۔ سو معبود برحق صرف اللہ ہے اور عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی وحدہ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ خواہ وہ کوئی بدنی عبادت ہو یا مالی۔ اور

کسی بھی طرح کی عبادت کو اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کیلئے بجالانا شرک ہوگا جو ظلم عظیم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی طرف سے ہر نبی و رسول کو اسی بات کی ہدایت فرمائی گئی کہ لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ و خبردار کرو کہ میرے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔ پس تم سب لوگ میری ہی عبادت و بندگی کرو اور خاص مجھ ہی سے ڈرو اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک مت ٹھہراؤ۔ سو اللہ تعالیٰ ہر لحاظ و اعتبار سے یکتا اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۶ کائنات کی تخلیق حق کے ساتھ:۔ کہ کائنات کی حکمتوں بھری اس کھلی کتاب کے مطالعے سے انسان اپنے خالق و مالک سبحانہٗ و تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عظمت کو پہچانے اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرے اور اس کی عبادت و بندگی بجالا کر اس کائنات میں پھیلی ہوئی اس کی بے حد و حساب نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ تاکہ اس طرح وہ دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکے۔ نیز اس سے وہ یہ بھی جان لے کہ حکمتوں بھری یہ کائنات بے مقصد اور بے کار نہیں ہو سکتی۔ اور وہ پکار اٹھے ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ نیز اس سے وہ یہ سبق بھی لے کہ جس نے اس عظیم الشان کائنات کو بلاشرکتِ غیرے اس طرح پیدا فرما دیا وہ اس کائنات کو اور اس کے مخدوم و مطاع اس انسان کو دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اس قادرِ مطلق کے لئے جب اس کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کرنا اور عدم سے وجود میں لانا کچھ مشکل نہیں تھا تو پھر اس کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے آخر کیونکر مشکل اور ناممکن ہو سکتا ہے۔ افسوس کہ آج مادی ترقی کے اس دور میں جب کہ انسان چاند پر کمندیں ڈالنے کی تگ و دو میں ہے بلکہ اس وقت جب کہ راقم السطور یہ سطور تحریر کر رہا ہے اس ضعیف البنیان انسان نے مریخ پر بھی اپنا سیارہ اتار دیا ہے جو وہاں سے اس کی تصویریں بھیج رہا ہے۔ اور اس پر دنیا ساری میں شور پڑا ہوا ہے اور سائنس دان اپنی کامیابی پر پھولے نہیں سما رہے۔ مگر اس سب کے باوجود اس دور میں اور اس قدر مادی ترقی کے باوجود یہ ایسا اندھا اور اوندھا بنا ہوا ہے کہ اتنا آگے نکلنے کے باوجود یہی انسان غور و فکر کے اس پہلو سے یکسر محروم ہے۔ اور وہ یہ نہیں سوچتا کہ آخر مریخ اور اس طرح کے ان دوسرے سیاروں کو بنایا کس نے؟ اور فضائے بسیط میں اس پُر حکمت نظام کے تحت ان کو معلق کس نے کیا؟ اور ان کو اس باریکی سے چلاتا کون ہے؟ اور ہماری یہ عقلیں جن سے ہم یہ کارنامے انجام دے رہے ہیں ہمیں بخشیں کس نے؟ اور اس کا ہم پر کیا حق ہے؟ سو وہی ہے اللہ۔ جَلَّ جَلَالُہٗ وَ عَمَّ نَوَالُہٗ۔ اگر انسان اس پہلو سے سوچنے اور غور کرنے لگے تو یہی سائنس اس کے لئے نورِ ایمان سے سرفرازی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید بکل حال من الاحوال۔

۷ انسان کی تخلیق ایک حقیر بُوند سے:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا (قطرۂ منی کی) ایک بُوند سے، پھر دیکھو کہاں وہ حقیر بوند اور کہاں سے اس وجود میں آنے والا یہ عظیم الشان انسان؟ حضرتِ قادرِ مطلق جل جلالہٗ نے اپنی قدرت و حکمتِ بے پایاں سے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۔ پھر بھی یہ اس وحدہٗ لاشریک کی ناشکری کرتا ہے؟ سو کتنا ناشکرا اور کس قدر بے انصاف ہے یہ انسان؟ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ سو انسان اگر اس کائنات کو چھوڑ کر خود اپنی ذات میں ہی غور و فکر کرے اور صحیح طور سے سوچے تو اس کو اپنے خالق و مالک کی قدرت و حکمت کے عجائب نظر آئیں گے۔ لیکن مُشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ یہ اس بارے سوچتا ہی نہیں۔ بلکہ اس نے اپنی عقل و فکر کی ساری قوتوں اور صلاحیتوں کو بطن و فرج کی خواہشات کی تکمیل میں لگا دیا۔ اور یہ انسانیت کے منصبِ شرف سے گر کر بدترین مخلوق "شر البریہ" بن کر رہ گیا جو کہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ

یکا یک ایک کھلم کھلا جھگڑالو بن جاتا ہے ۸ اور چوپایوں کو بھی اسی نے پیدا فرمایا تمہارے (طرح طرح کے فائدوں کے)

وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ

لئے، جن میں تمہارے لئے سردی سے بچاؤ کی پوشاک بھی ہے، اور دوسرے طرح طرح کے فائدے بھی ۹ اور انہیں میں سے تم لوگ

وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ

کھاتے بھی ہو ۱۰ اور تمہارے لئے ان میں رونق بھی ہے (خاص کر اس وقت) جب کہ تم شام کے وقت انہیں چرا کر گھر واپس لاتے ہو ۱۱

لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ

اور جب کہ تم (صبح کے وقت) ان کو چرانے کے لئے چھوڑتے ہو، اور وہ تمہارے قسما قسم کے بوجھ بھی اٹھا کر دور دراز کے ایسے

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ

مقامات تک لے جاتے ہیں، جہاں تم اپنی جانوں کو سخت مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے، واقعی تمہارا رب بڑا ہی

۸ ہدایت سے محروم انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہی انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر طرح طرح کے کمالات سے نوازا، یہی انسان کھلم کھلا جھگڑالو بن جاتا ہے، اور اپنی تخلیق کو بھول کر ہمارے لئے مثالیں پیش کرنے لگتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا وضرب لنا مثلا ونسی خلقه، سو یہ اپنے خالق و مالک کی عظمت وحدانیت کا انکار کرتا اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور کہتا ہے۔ ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾۔ کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟'' مگر یہ ناشکرا اور بے انصاف انسان خود اپنے بارے میں غور نہیں کرتا کہ جس نے مجھے عدم محض سے نکال کر خلعتِ وجود سے نوازا آخر وہ مجھے دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا؟ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو کس قدر بے انصاف اور ناشکرا ہے یہ انسان جو اپنے اسی خالق و مالک کی قدرت کا منکر ہو کر اور اسکے ان انعامات و احسانات کو بھول کر، جن میں وہ سرتاپا اور اول سے آخر تک ڈوبا ہوا ہے۔ یہ اپنے اسی رب کے احسانات کو بھول کر اس کے بارے میں ایک کھلم کھلا جھگڑالو بن جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۹ چوپایوں میں درسہائے عبرت وبصیرت:- سو تمہارے لیے تمہارے چوپایوں اور جانوروں میں طرح طرح کے فائدے اور عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ہیں کہ ان کے تم دودھ پیتے، گوشت کھاتے، ان کی اونوں، بالوں اور اونٹوں کی روؤں، ان کی کھالوں، ہڈیوں اور ان کی لید، گوبروں اور مینگنیوں وغیرہ سب سے تم لوگ کیسے طرح طرح

کے فائدے اٹھاتے اور منافع حاصل کرتے اور مال بٹورتے ہو۔ تو ذرا سوچو اور غور کرو کہ تمہارے لئے یہ سب کچھ آخر کس نے پیدا کیا؟ اور اس کثرت کے ساتھ اور اس پُرحکمت طریقے سے پیدا کیا جس سے تم لوگ دن رات اور نسل درنسل طرح طرح کے فائدے اٹھاتے اور گونا گوں منافع کماتے ہو۔ آخر تم سوچو اور غور کرو کہ آخر یہ سب کچھ کس کریم مطلق کا تم پر کرم واحسان ہے؟ اور اس کا تم پر کیا حق واجب ہوتا ہے؟ اور وہ حق تم کس طرح ادا کر سکتے ہو؟ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ لاشریک اور اس کے حقِ شکر کی ادائیگی کا طریقہ اس کی اطاعتِ مطلقہ اور اس کی عبادت و بندگی ہے جس کی ادائیگی کا طریقہ اسکے رسول ﷺ کی کامل اتباع و پیروی ہے۔ یہی تقاضا ہے عقل ونقل دونوں کا اور یہی ذریعہ ہے سعادت دارین سے سرفرازی کا۔ جبکہ اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۱۰ چوپایوں کے ذریعے انسان کے کھانے کا انتظام:- سو ارشاد فرمایا گیا اور انہی سے تم لوگ کھاتے بھی ہو، کہ ان کے گوشت سے تم قسما قسم کے کھانے بنا کر ان سے لطف اندوز ہوتے ہو۔ نیز ان کو اور ان کے مختلف اجزاء کو بیچ کر اپنی خوراک و پوشاک وغیرہ دوسری طرح طرح کی حوائج وضروریات کی تکمیل کا سامان کرتے ہو۔ کتنے لوگوں کا روزگار جانوروں کی خرید وفروخت سے وابستہ ہے۔ کتنے ان کے چمڑوں ان کی کھالوں کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتے ہیں۔ کتنے ان کے بالوں اور انکی اونوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ سو ذرا سوچو کہ تمہارے لئے جانوروں کی (اس نفع بخش مخلوق کو آخر کس نے پیدا کیا اور اس کا تم پر کیا حق ہے؟) اور یہ حق کس طرح اداء کیا جاسکتا ہے؟ نیز اسی سے تم لوگ یہ بھی سوچو کہ تمہارا رب کس قدر قادرِ مطلق اور کتنا وہّاب وکریم ہے جس نے تمہارے لئے جانوروں کی اس نفع بخش مخلوق کو اس طرح پھیلا دیا کہ لگاتار اور مسلسل استعمال کے باوجود یہ پھیلتے اور بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ اور انسان ان سے برابر لگاتار طرح طرح سے مستفید ہوتا ہے۔

۱۱ جانوروں میں ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان: چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور انہی میں تمہارے لئے اے لوگو! تمہارے ذوق جمال کی تسکین کا سامان بھی ہے۔ خاص کر اس وقت جب کہ تم ان کو چرا کر واپس لاتے ہو کہ اس وقت وہ اپنی بھری ہوئی کوکھوں سے قطار اندر قطار آتے ہوئے تمہارے لئے ایک خاص خوش کن اور دلرُبا منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ سو اس طرح اس نے تمہارے لئے ان جانوروں میں تمہارے ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان بھی مہیا فرما دیا مگر تم لوگ ہو کہ کبھی اس بارے میں سوچتے بھی نہیں ہو۔ حالانکہ اس میں تمہاری شان وشوکت اور دولت وعظمت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ اور اگر دیکھا جائے تو چوپایوں اور مویشیوں کی دولت ہی وہ اصل دولت ہے جو دیہاتیوں اور شہریوں سب کو براہِ راست کام آتی ہے۔ خاص کر نزول قرآن کے اس دور میں جبکہ لوگوں کی گزر بسر کا دارومدار ہی ان جانوروں اور مال مویشیوں پر تھا۔ سو انسان اگر ان مال مویشیوں ہی میں صحیح طور پر غور وفکر سے کام لے تو یہ اس کی جسمانی اور مادّی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اس کی ایمانی اور روحانی غذا کی تکمیل کا ذریعہ وسیلہ بھی بن جائیں۔ لیکن پیٹ کے پجاریوں اور مادہ پرست لوگوں کی اس طرف توجہ ہی نہیں۔ الا ماشاء اللہ و العیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ مِّنَ الاحوال۔

لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧ وَعَلَى

شفقت والا، نہایت ہی مہربان ہے ۱۲ اور گھوڑے، خچر، اور گدھے بھی، (اس نے تمہارے لئے پیدا فرمائے) تا کہ تم ان پر سواری

اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ

بھی کرو اور وہ تمہاری رونق بھی بنیں ۱۳ اور وہ اور بھی ایسی ایسی چیزیں پیدا فرماتا ہے (اور آئندہ پیدا فرمائے گا) جن کی تم لوگوں کو

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑨ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ع۹

خبر بھی نہیں ۱۴ اور اللہ ہی کے ذمے ہے (اس کے اپنے وعدۂ کرم کے مطابق) ۱۵ سیدھا راستہ دکھانا، جب کہ راستے ٹیڑھے بھی ہیں ۱۶

۱۲ جانوروں کے ذریعے بار برداری کی خدمت ونعمت کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ تمہارے قسما قسم کے بوجھ اٹھا کر دُور دراز کے ایسے علاقوں تک لے جاتے ہیں، جہاں تم اپنے آپ کو سخت مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ یہ جانور تمہارے ڈنڈے کھاتے ہوئے، سر جھکائے تمہارے حکم وارشاد کے مطابق چلے جاتے ہیں۔ نہ تم سے کسی اجرت ومزدوری کا کوئی سوال کرتے ہیں اور نہ تم پر کوئی احسان جتلاتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی مخلوق اور تم بھی مخلوق۔ پھر تم کیوں نہیں سوچتے اور غور کرتے اے بے انصاف اور ناشکرے لوگو! کہ کون ہے وہ ذاتِ اقدس جس نے ان کو اس طرح تمہارا تابعِ فرمان کر دیا؟ اور کیا حق ہے اس محسنِ حقیقی جل جلالہٗ کا تم لوگوں پر؟ اور تم کیوں غور نہیں کرتے کہ یہ جانور محض تمہارے بھُوسے اور چارے کے عوض تمہارے اس طرح تابع اور اس قدر فرمانبردار بنے ہوئے ہیں۔ تو تم پر یہ فریضہ کس شدت سے عائد ہوتا ہے کہ تم اپنے اس خالق ومالک کے حضور صدقِ دل سے جھک جاؤ اور ہمیشہ جھکے رہو۔ جس نے تمہیں وجود بخشا اور تمہیں اس قدر عظیم الشان نعمتوں سے سرفراز فرمایا کہ تمہارا وجود سر تا پا اسکی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے اور اسکے حضور جھکنا اس کا تم پر حق بھی ہے اور اس میں خود تمہارا ہی بھلا بھی ہے دنیا اور آخرت دونوں میں۔ اللهم فلک الحمد حتّٰی ترضٰی، ولک الحمد و الشکر بعد الرضا، والیٰ یوم العرض علیک واللقاء۔

۱۳ سواریوں کی نعمت کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے تمہارے لئے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے، تا کہ تم ان پر سواری بھی کر سکو اور یہ تمہارے لئے زیب وزینت کا ذریعہ بھی بنیں، سو تم لوگ ذرہ دیکھو تو سہی اور غور تو کرو کہ اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق نے تمہاری سواری اور بار برداری کے لئے کیسا حکمتوں بھرا انتظام فرمایا ہے۔ جس سے تم لوگ ہمیشہ اور طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہوتے ہو پھر بھی تم اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اور اس کا حقِ شکر نہیں ادا کرتے، یہ کیسی بے انصافی اور کس قدر ظلم وناشکری ہے؟ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ جن حضرات علماء وائمہ کرام کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا جائز نہیں انہوں نے آیتِ کریمہ سے بھی اس پر اس استدلال کیا ہے کہ اگر ان کا گوشت کھانا جائز ہوتا تو اس کا ذکر یہاں ضرور فرمایا جاتا، کہ وہ سب سے بڑا نفع ہے۔ پس اس کا ذکر نہ کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جائز

نہیں۔اس کے مقابلے میں دوسرے حضرات نے متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے جو کہ صحیحین وغیرہ میں وارد ہیں۔اور آیتِ کریمہ سے اس استدلال کے مختلف جوابات بھی دیئے ہیں۔ وَالتَّفصِیلُ فِی المُطَوَّلَات ، وَسَنَذکُرُہ، فِی التَّفسِیرِ المُفَصَّلِ اِنشَآءَ اللّٰہ۔ وَ رَزَقَنَا التَّوفِیقَ، فَھُوَ المُوَفِّقُ وَالمَسئُولُ لِکُلِّ خَیرٍ وَّ سَعَادَۃٍ۔بہر کیف یہ قدرت کے ایک اور انعام اور احسان کا ذکر ہے کہ اس نے تمہارے لیے طرح طرح کی سواریوں کا انتظام فرمایا۔تا کہ تم ان سے طرح طرح کے فائدے بھی اٹھاؤ اور یہ تمہارے لیے زیب وزینت کا سامان بھی بنیں۔سو کس قدر مہربان ہے تمہارا وہ رب جس نے تمہارے لیے اور تمہاری ضرورتوں کی تکمیل کیلئے ایسے ایسے عظیم الشان اور بے مثال انتظام فرمائے۔اور تمہاری طرف سے کسی طرح کی اپیل و درخواست کے بغیر فرمائے۔اور جن سے تم لوگ دن رات اور طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہوتے ہو۔تو پھر سوچو کہ اس رب رؤف ورحیم وغفور وکریم سے منہ موڑنا کس قدر ظلم اور کتنی بڑی ناانصافی ہے؟ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انسان اسکی بخشی ہوئی ان نعمتوں کو ان دوسروں سے منسوب کرے جن کا اس عطاء وبخشش میں سرے سے کوئی عمل دخل ہی نہیں۔اور اسکے باوجود ایسے لوگوں کو ڈھیل اور چھوٹ کا ملنا اس ربِّ غفور کا کتنا بڑا حلم وکرم ہے سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۱۲ مزید طرح طرح کی سواریوں کی طرف اشارہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ تمہارے لئے اور ایسی سواریاں بھی پیدا فرمائے گا جن کی تم کو خبر بھی نہیں۔جن سے تم لوگ قفار و بحار اور خشکی وتری میں مستفید ہوتے ہو۔اور جن کے ذریعے تم لوگ دن رات سفر کرتے اور طرح طرح سے فائدے اٹھاتے ہو۔چنانچہ آج تک تکثیر وسائل اور سہولتِ وصول کی بناء پر کتنی ہی نت نئی مخلوقات اور مصنوعات ایسی ہیں جو اس انسانِ محدود العلم والادراک کے علم ومشاہدہ میں آچکی ہیں۔اور کتنی ہی ایسی ہیں جن کو یہ اب تک نہیں جان سکا ہے۔جوں جوں اس کا علم ترقی کرتا جائے گا یہ ان سے آگہی حاصل کرتا جائے گا۔اور کتنی ہی وہ عجیب و غریب اور حیرت انگیز ایجادات اور نت نئے وسائل ہیں جو انسان اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت اور اسکے الہام ومعرفت سے آج تک خود منصۂ شہود و جود پر لا چکا ہے۔آخر یہ موٹریں اور گاڑیاں، ریلیں اور بحری وہوائی جہاز اور خلائی شٹل وغیرہ وغیرہ جو آج ہم چاروں طرف اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جن کے بارے میں اپنے کانوں سے سنتے ہیں نزولِ قرآن مجید کے وقت کہیں کسی کے تصور میں بھی آسکتی تھیں؟ تو پھر اس بارے میں قرآن حکیم کی اعجاز بیانی ملاحظہ ہو کہ۔﴿وَیَخلُقُ مَا لَا تَعلَمُونَ﴾ کے عموم و اجمال سے قیامت تک معرض وجود میں آنے والی ایسی سب چیزوں کا بالا جمال ذکر فرمادیا گیا ہے۔ورنہ اگر کہیں ان میں سے کچھ اشیاء کی نزولِ قرآن کے وقت نام لے کر تصریح فرمادی جاتی تو کتنے ہی لوگ ان عجائب کو ناممکن قرار دے کر ان کے منکر ہو جاتے۔اور اس کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیتے۔مگر قرآن پاک کی اس اعجاز بیانی کے مقابلے میں نہ اس وقت کوئی آواز اٹھا سکا اور نہ اب کسی کے لئے اس کی کوئی گنجائش ہے اور نہ آئندہ قیامت تک ہو سکے گی۔فالحمد للہ رب العالمین۔سو انسانی فکر وکاوش سے جو قسما قسم کی سواریاں اب تک منصۂ شہود وجود پر آچکی ہیں یا آئندہ قیامت تک آئیں گی وہ اس جملۂ کریمہ کے عموم میں داخل و شامل ہیں۔سو ان قسما قسم کی سواریوں سے انسان کی راحت وسہولت کی طرح طرح کی صورتیں بھی وابستہ ہیں۔اور یہ اس کے لئے زیب وزینت کے عظیم الشان سامان بھی ہیں۔سو اس سب کا تقاضا تھا کہ انسان اسکے نتیجے میں اس وحدہٗ لاشریک کے حضور دل وجان سے جھک جاتا اور دل وجان سے اس کا شکر ادا کر کے واجب شکر کی ادائیگی سے سبکدوش بھی ہوتا۔اور اپنے لیے سعادتِ دارین سے سرفرازی کا سامان بھی کرتا۔مگر وہ اس کے برعکس اس واہبِ مطلق اور اسکی عنایات کو بھول کر اپنی نمود ونمائش

اور دوسروں کی پوجا و بندگی میں لگ جاتا ہے۔ الا ماشاء اللّٰہ و العیاذ باللّٰہ العظیم بکلِ حالٍ مِّن الاحوال۔

۱۵ ہدایت وراہنمائی اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ ہی کے ذمے ہے سیدھا راستہ دکھانا'' "قصد" اور "قاصد" کے معنی اس سیدھے راستے کے ہیں جو انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ) اور یہ یعنی سیدھے راستے بیان کرنا اس رحمٰن ورحیم نے اپنی بے پایاں رحمت وعنایت کی بناء پر خود اپنے ذمے لیا ہے۔ ورنہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ مگر اس ربِّ مہربان نے اپنے کرم واحسان کی بنا پر اپنے ذمے لیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اس سیدھے راستے کی راہنمائی سے نوازے گا جو ان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کر سکے۔ اس لئے کہ ایسی سیدھی راہ سے اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی سرفراز کر سکتا ہی نہیں۔ اس لئے اس کو اس نے اپنے ذمے لیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ ﴿إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ﴾۔ (الّیل:۱۲) "بے شک ہمارے ذمّے ہے ہدایت وراہنمائی" اور اس نے اپنے اس وعدہ کو پورا فرمادیا اور باحسنِ وجوہ پورا فرمادیا طرح طرح سے اپنی توحید کے دلائل قائم فرما کر۔ اپنے رسول بھیج کر۔ اور اپنی کتابیں اتار کر۔ اب جو ہدایت سے محروم ہیں تو وہ خود اپنی بدبختی اور بدنیتی کی وجہ سے ہی محروم ہیں وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور خاص کر خاتم الانبیاء حضرتِ محمد ﷺ کی بعثت وتشریف آوری کے بعد آپ ﷺ کے ذریعے دنیا کو قرآنِ حکیم کے اس کامل ہدایت نامہ سے سرفراز فرمادیا گیا جو قیامت تک سب زمانوں اور جملہ انسانوں کے راہنمائی کے لئے کافی ووافی ہے۔ سو یہ وہ کتاب عزیز ہے۔ جس کو حضرتِ حق جل مجدہٗ نے۔ ﴿تبیانا لکلِّ شیءٍ﴾۔ یعنی "راہِ حق وہدایت میں ہر چیز کے لئے تبیان بنا کر بھیجا ہے تا کہ راہِ حق وہدایت سے متعلق ہر ضرورت کی تکمیل کا سامان ہو سکے۔ فالحمد لِلّٰہ جل و علا۔

۱۶ ہدایتِ خداوندی کی عظمت واہمیت کا ذکر وبیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بہت سے راستے ٹیڑھے بھی ہیں، جو اسلام کے خلاف متقضائے حق سے متصادم اور عقیدۂ توحید سے منحرف ہیں وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جیسے یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت وغیرہ وغیرہ۔ ایسے میں ہدایتِ خداوندی کی عظمت واہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے بغیر انسان راہِ حق سے سرفراز نہیں ہو سکتا۔ سو حق وہدایت کی راہ ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے۔ اور اسی کو یکسو ہو کر اپنانے اور اختیار کرنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فاقم و جھک للدّین حنیفا فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذالک الدّیْن القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون﴾ (الروم:۳۰)۔ اسی کو رب نے وہ صراطِ مستقیم قرار دیا جو اس تک پہنچنے اور پہنچانے والا ہے ارشاد ہوتا ہے ﴿قال ھٰذا صراط علی مستقیم﴾ (الحجر:۴۱) اور اس ایک راہ کے سوا باقی سب راستے ٹیڑھے ہیں جو اسکی راہ سے ہٹانے والے ہیں۔ اس لئے اسی ایک راستے کو اپنانے اور پیروی کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿و ان ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولاتتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ﴾ (الانعام:۱۵۳) سو راہِ حق اور صراطِ مستقیم ایک اور صرف ایک ہے جو کہ فطرت پر مبنی اور توحید ووحدانیتِ خداوندی کا راستہ ہے۔ جس کو حضرتِ حق جل مجدہٗ نے اپنے بندوں کیلئے خود بیان فرمایا ہے۔ اور اسی پر چل کر بندہ اپنے رب تک پہنچ سکتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ان ربی علیٰ صراط مستقیم﴾ یعنی "بے شک میرے رب تک رسائی سیدھی راہ پر چل کر ہی نصیب ہو سکتی ہے"۔

مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿١٠﴾

اور وہ اگر چاہتا تو (جبراً) تم سب ہی کو راہِ راست پر لے آتا ﴿۱۷﴾ وہ (اللہ) وہی تو ہے جو (ایک محیر العقول نظام کے ساتھ) آسمان سے

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَ

تمہارے لئے پانی اتارتا ہے، جس سے تم پیتے بھی ہو، اور اسی سے درخت بھی (پیدا) ہوتے ہیں، جن میں تم (اپنے مویشیوں کو)

الْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

چراتے بھی ہو ﴿۱۸﴾ وہ اس پانی کے ذریعے تمہارے لئے کھیتیاں بھی اگاتا ہے، اور زیتون، کھجور، انگور، اور قسم قسم کے دوسرے پھل بھی

۱۷ جبری ہدایت نہ مفید ہے نہ مطلوب:- کیونکہ ابتلاء و آزمائش اور ثواب و عذاب کا دار و مدار اسی ہدایت اور ایمان پر ہے جو اپنے ارادہ و اختیار سے ہو ورنہ جبری ہدایت اگر مطلوب ہو تو اسکے لئے محض ارادہ اور ایک اشارہ ہی کافی تھا، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ چاہتا ہے تو (جبراً) تم سب ہی کو راہ ہدایت پر لے آتا' لیکن یہ چونکہ مقتضائے امتحان و اختیار کے خلاف ہے اس لئے اس کی حکمتِ بالغہ نے ایسے نہیں چاہا جل جلالہ۔ ورنہ اس کے لئے تو اس قادرِ مطلق سبحانہ و تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے کی دیر تھی اور بس۔ جونہی اس کا ارادہ ہوتا سب ایمان لا چکے ہوتے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے ﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (الانعام:۱۵۰) نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾ الآیہ (یونس:۹۹)۔ نیز فرمایا گیا ﴿اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ﴾ (الشعراء:۴) وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ایسا جبری اور غیر اختیاری ایمان تو سرے سے مطلوب ہی نہیں۔ مطلوب وہ ایمان ہے جو انسان اپنے قصد و ارادہ اور اختیار سے لائے۔ جو کہ مقتضائے حکمت اور تقاضائے اختیار و ابتلاء ہے اور وہی مدار ہے اجر و ثواب کا۔ و باللّٰہ التوفیق لما یحبُّ و یرید، علٰی مایُحبُّ و یرید۔

۱۸ نعمتِ آب رسانی کی تذکیر و یاد دہانی:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اللہ وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی اتارا جس سے تم لوگ پیتے بھی ہو اور دوسرے طرح طرح کے فائدے بھی حاصل کرتے ہو۔ پس آب رسانی کا یہ محیر العقول نظام جہاں اس کی بے پایاں قدرت اور بے نہایت رحمت و حکمت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے وہاں یہ تمہاری اور تمام جانداروں کی زندگی اور اس دنیا کی رونق و چہل پہل کا بنیادی ذریعہ و سبب بھی ہے۔ فَسُبْحَانَهٗ مِنْ اِلٰهٍ قَادِرٍ قَيُّوْمٍ۔ نیز یہیں سے تم یہ بھی سوچو کہ جس نے تمہاری جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کا اس طرح انتظام فرمایا ہے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان نہ فرمائے جو کہ ان مادی اور جسمانی ضرورتوں سے کہیں بڑھ کر اہم ہیں؟ سو اسی ضرورت کی تکمیل کیلئے اس نے انبیائے کرام بھیجے وحی کا سلسلہ جاری فرمایا۔ کتابیں اتاریں اور اپنے محمد رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی بعثت و تشریف آوری کے ذریعے تکمیل فرما دی۔ اور آپ ﷺ خاتم الانبیاء قرار پائے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت خاتم الرسالات صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرار پائی۔ سو اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات میں ایک ہی خدائے قادر قیوم کی حکمرانی ہے۔ سبحانہ' و تعالیٰ۔

لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ۙ وَ

پیدا کرتا ہے ف۱۹ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں ف۲۰ اور اسی نے (اپنی بے پایاں حکمت

الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ

اور بے نہایت قدرت ورحمت سے) تمہارے کام میں لگا دیا رات اور دن (کے اس عظیم الشان سلسلے) کو، اور سورج وچاند (کے ان عظیم

۱۹ کھیتیوں اور پھلوں کے بارے میں دعوتِ غور وفکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر وہی تمہارے لئے اس پانی کے ذریعے طرح طرح کی کھیتیاں بھی اگاتا ہے، اور زیتون، کھجور، انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل بھی۔ سو دیکھو اس نے کس پُر حکمت طریقے سے تمہارے لئے طرح طرح کی کھیتیوں اور قسما قسم کے پھلوں کا انتظام فرمایا ہے۔ تاکہ تم لوگ ان سے طرح طرح کے فائدے اٹھا کر اس خالق و مالک کے حضور دل وجان سے جھک جاؤ جس نے یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا فرمایا اور تمہاری کسی اپیل و درخواست کے بغیر محض اپنے کرم سے پیدا فرمایا سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو اس سے تم لوگ اندازہ کر سکتے ہو کہ وہ کس قدر بے پایاں قدرت کا مالک، کتنی رحمتوں اور عنایتوں والا اور کس قدر حکمتوں والا ہے اور یہ صرف اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے۔ پس معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ اسکے سوا کسی کیلئے بھی عبادت کی کوئی بھی قسم بجالانا شرک اور ظلم عظیم ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ۔

۲۰ غور وفکر والوں کے لیے بڑی بھاری نشانی:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔ سو اس میں نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و یکتائی کی اور اس کی بے نہایت قدرت اور بے پایاں رحمت اور حکمت کی۔ مگر یہ سب کچھ ان لوگوں کے لئے ہے جو کہ ان چیزوں سے محض جانوروں کی طرح فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ وہ عقل وفکر سے کام لیتے ہیں۔ اور غور وفکر کرنے والے ان میں سے ایک ایک چیز سے عظیم الشان درس ہائے عبرت و بصیرت لیتے ہیں کہ کیسی عظمت و قدرت والی اور کتنی حکمتِ بے پایاں اور رحمتِ بے نہایت کی مالک ہے وہ ذات جس نے یہ سب کچھ ہمارے بھلے اور فائدے کے لیے پیدا فرمایا۔ اور ہماری کسی اپیل و درخواست کے بغیر اس نے ازخود یہ کرم فرمایا سبحانہٗ و تعالیٰ سو غور وفکر سے کام لینے والا بے غایت اور اسکی حکمتِ بے نہایت کے عجیب نمونے دیکھتا ہے کہ ایک ہی زمین ایک ہی پانی اور ایک ہوا لیکن اس سے آگے پیدا ہونے والی طرح طرح کی فصلوں اور قسما قسم کے میووں کے رنگ الگ الگ، ان کی شکلیں مختلف، ان کے ذائقے اور ٹیسٹ مختلف، اور ان کے خواص وفوائد اور اثرات جدا جدا۔ آخر یہ سب کچھ کس قادرِ مطلق کی قدرت اور حکمت کی کارستانی اور عنایت کا نتیجہ وثمرہ ہے؟ سو وہی اللہ وحدہٗ لاشریک معبودِ برحق ہے۔ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ۔ پس ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ

فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَکُمْ

الشان کُرّوں) کو ۲۱ اور (اسی طرح) یہ ستارے بھی (تمہاری) خدمت میں لگے ہوئے ہیں اس کے حکم سے، بے شک اس میں بڑی بھاری

فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں ۲۲ اور یہ طرح طرح کی رنگ برنگی (اور گوناگوں) چیزیں جو اس نے پھیلائیں

۲۱ نظام شمس وقمر میں دعوتِ غور وفکر: - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور اسی نے تمہارے لئے کام میں لگا دیا رات اور دن (کے عظیم الشان سلسلے) کو اور سورج اور چاند (کے ان عظیم الشان کُرّوں) کو۔ جس کے ساتھ تمہارے طرح طرح کے اور بے حد وحساب مفادات وابستہ ہیں کہ ان سے روز وشب کا یہ سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ موسم بدلتے ہیں۔ تمہارے پھل پکتے اور فصلیں تیار ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ کس قدر فضل وکرم اور رحمت وعنایت ہے۔ سو یہ کس قدر فضل وکرم اور رحمت وعنایت ہے جس سے وہ تم کو نوازتا ہے اور تمہاری طرف سے کسی طرح کی اپیل ودرخواست کے بغیر نوازتا ہے سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو ذرا سوچو تو سہی کہ رات اور دن کے ادلنے بدلنے کا یہ عظیم الشان سلسلہ کیسی حکمت اور کس قدر باریکی پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ تمہاری خدمت میں لگا ہوا ہے۔ اور سورج اور چاند کے یہ دونوں عظیم الشان کُرّے کس قدر پابندی اور باقاعدگی سے تمہارے لئے مسلسل ولگاتار گردش میں ہیں۔ سو ان میں سے کوئی بھی انسان کا معبود ومسجود نہیں بلکہ ہر ایک اس کا خادم ہے۔ اور عبادت وبندگی کے لائق اور اسکی مستحق وہ ذات اقدس واعلیٰ ہے جس نے ان کو اس طرح تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔ تو کس قدر بہکے بھٹکے اور گمراہ ہیں وہ لوگ جو اپنے اس خالق ومالک کو چھوڑ کر اپنے خادموں کے آگے جھکتے اور خود اپنی تذلیل وتحقیر اور ہلاکت وتباہی کا سامان کرتے ہیں وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

۲۲ عقلمندوں کیلئے بھاری نشانیاں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ان سب میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور اس طرح عظیم الشان اور پُرحکمت نظام کے ساتھ ہمارے لئے مسخر کر دیا اور ہمارے کام میں لگا دیا۔ اور کیا حق ہے اس کا ہم پر؟ سو ان سب میں دلائل اور نشانیاں ہیں اس قادرِ مطلق کی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ، رحمتِ شاملہ اور عنایتِ بے نہایت کی سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو عقولِ سلیمہ رکھنے والے ان چیزوں کے بارے میں صحیح طریقے پر غور وفکر سے کام لے کر اپنے خالق ومالک کی معرفت سے سرشار ہوتے اور اپنے قلب وباطن کی دنیا کو ایمان ویقین کے نور سے معمور ومنور کرنے کا سامان کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس کے نتیجے میں وہ حق وہدایت کی اس صحیح راہ کو اپناتے ہیں جو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی راہ ہے۔ جب کہ صحیح غور وفکر سے محروم لوگ انہی ظواہر ومظاہر میں الجھ کر اور پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ اور وہ انہی کو اپنا قبلہ مقصود بنا کر اپنے آپ کو ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں ڈال دیتے ہیں وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو جوہرِ عقل کا اصل کام اور مقصد یہ تھا اور یہ ہے کہ اسکے ذریعے صحیح طور پر غور وفکر سے کام لیکر نورِ معرفت سے سرفرازی حاصل کی جائے۔ لیکن افسوس کہ لوگوں نے عقل کے اس جوہرِ عظیم کو مادہ اور معدہ کا غلام بنا دیا، اور اسکو خواہشاتِ بطن وفرج کی تحصیل وتکمیل کے پیچھے لگا دیا۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

لِقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ

تمہاری نفع رسانی کے لئے اس زمین میں (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے)، بے شک اس میں بھی بڑی بھاری نشانی ہے

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ

ان لوگوں کے لئے جو سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں ۲۳ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے کام میں لگا دیا (اپنی رحمت وعنایت سے)

حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ

سمندر (کے اس عظیم الشان ذخیرۂ آب) کو ۲۴ تاکہ تم لوگ اس سے تروتازہ گوشت بھی کھاؤ ۲۵ اور اس سے زیب وزینت کی وہ مختلف چیزیں

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى

بھی نکالو جن کو تم لوگ پہنتے ہو ۲۶ اور تم دیکھتے ہو کہ (کس طرح) چلتی ہیں یہ کشتیاں (اور دیوہیکل جہاز) سمندر میں، اس کے سینے کو

۲۳ **ہر پتہ معرفتِ کردگار کا ایک دفتر:-** سو زمین میں طرح طرح کی رنگ برنگی اور ہر طرف پھیلی بکھری چیزوں میں بھی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو سبق لیتے ہیں کہ زمین ایک، پانی ایک، ہوا ایک۔ سورج ایک وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس کے باوجود ان مختلف اشیاء میں یہ رنگ بھرے کس نے؟ یہ قسما قسم ذائقے اور طرح طرح کے فوائد اور خواص ان کے اندر رکھے کس نے؟ یہ کس کی بے نہایت قدرت، لامحدود عنایت اور حیرت انگیز خلاقی وکرم گستری ہے؟ اور کیا حق ہے اس وحدہٗ لاشریک کا ہم پر جس نے ہمیں طرح طرح کی ان نعمتوں سے نوازا؟ سو اس سب میں بڑی بھاری نشانی ہے اس قادرِ مطلق کی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ، عنایتِ شاملہ اور وحدانیت ویکتائی کی ان لوگوں کے لے جو عبرت پکڑتے اور سبق لیتے ہیں۔ سو انسان اگر صحیح طور پر غور کرتے تو اس کو ایک ایک شے میں درسہائے عبرت وبصیرت ملیں گے اور اس کے سامنے یہ حقیقت کھلتی اور نکھرتی جائے گی کہ ہر پتہ معرفتِ کردگار کا ایک دفتر ہے۔ اور اس طرح اس کے ایمان ویقین کی قوت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور اس کا باطن منور سے منور ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن یہ سب اسی صورت میں ممکن ومیسر ہوسکتا ہے جبکہ انسان ایسا چاہے۔ اور اسکے لئے وہ صحیح طریقے سے غور وفکر سے کام لے۔ ورنہ کتنی دنیا ہے جو اس واہبِ مطلق کی بخشی ہوئی ان گوناگوں نعمتوں سے دن رات اور ہر وقت طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہو رہی ہے۔ مگر وہ حیوانوں کی طرح ان سے یہ فائدے اٹھاتی ہے اور کبھی ان کے بارے میں سوچتی بھی نہیں کہ یہ سب کس کا کرم واحسان ہے اِلا ماشاءاللہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۲۴ **سمندر کی تسخیر کی نعمت کا ذکر وبیان:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ (وہی) ہے جس نے کام میں لگا دیا سمندر کو جس کے نتیجے میں تم لوگ اس سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔ جس کا تقاضا یہ تھا کہ تم سراپا شکر وسپاس بن کر اس وحدہٗ لاشریک کے آگے دل وجان سے جھک جاتے کہ اس نے محض اپنی قدرت وعنایت اور رحمت وکرم سے سمندر جیسی اس عظیم

الشان مخلوق کو ہمارا خادم بنا دیا۔ مگر تم میں سے کتنے لوگوں نے اس کی بجائے اسی سمندر کو اس کے پانی کو اپنا معبود بنا دیا۔ اور انہوں نے جل پوجا کے نام سے اسکی پوجا شروع کر دی۔ سو تم لوگ کتنے ناشکرے اور کس قدر بے انصاف لوگ ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِـاللّٰہِ۔ سو اس نے اپنی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور عنایتِ شاملہ سے سمندر کے اس عظیم الشان ذخیرہ آب کو تمہارے لئے ایسا مسخر کر دیا کہ تم اس میں جہاز رانی کرتے، مال برداری کرتے، مچھلیاں پکڑتے اس سے موتی اور مونگے نکالتے ہو وغیرہ وغیرہ۔ سو سمندروں وغیرہ کی یہ تمام مخلوقات تمہاری خادم ہیں جن کو قدرت نے تمہارے کام میں لگا دیا۔ پس عقل اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان سے فائدہ اٹھا کر اپنے خالق و مالک کے حضور جھک جاؤ۔ اور جھکے ہی رہو۔

۲۵ تازہ گوشت کی نعمت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت بھی کھاؤ، یعنی مچھلی جو کہ بنا بنایا اور نفیس و لذیذ گوشت ہے۔ سمندر کے کھارے پانی کو بھی دیکھو اور مچھلی کے اس تازہ اور لذیذ گوشت کو بھی دیکھو جو طرح طرح کے فوائد پر مشتمل ہے۔ اور قسما قسم کی وٹامنز (Vitamins) سے بھرپور ہے۔ ایسے شور اور کھارے پانی سے ایسی نعمت کو نکالنا اور بھی اتنی بے حد و حساب مقدار میں کہ لاکھوں کروڑوں لوگ اس سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اور خدا ہی جانے کب سے اٹھاتے آ رہے ہیں۔ آخر یہ سب کچھ کس کی بے مثل قدرت اور رحمت و عنایت کا نتیجہ ہے؟ مچھلی کے اس تازہ گوشت سے تم دن رات کھاتے۔ لطف اندوز ہوتے اور اس سے اور اسکے مختلف اجزاء سے طرح طرح کے کاروبار کر کے روپیہ کماتے ہو۔ سو تم لوگوں میں سے کتنی بڑی تعداد میں لوگ مچھلیاں پکڑتے اور انکا شکار کرتے ہیں۔ اور حکومتوں کی حکومتیں سمندروں دریاؤں اور جھیلوں وغیرہ کے مختلف حصوں کو ماہی گیری وغیرہ کے لئے ٹھیکوں پر دیتی ہیں اور لاکھوں کروڑوں کی کمائی کرتے ہیں۔ سو تم لوگ ذرا سوچو تو سہی کہ ان بے حد و حساب خزانوں کو پیدا کس نے کیا؟ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ لاشریک خالق کل اور مالک مطلق سبحانہٗ و تعالیٰ جس نے اپنی قدرتِ بے پایاں اور عنایت و حکمتِ بے غایت سے تم لوگوں کے لئے یہ سب انتظام فرمائے۔ سو وہی ہے معبودِ برحق جو ہر قسم کی عبادت کا بلاشرکتِ غیرے حقدار ہے سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۲۶ سامانِ زیب و زینت کی فراہمی کا انتظام:- سو اسی نے خزانوں بھرے ان سمندروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ تم لوگ ان سے زیب و زینت کی طرح طرح چیزیں نکالو۔ مثلاً موتی، مونگے اور ہیرے و جواہر وغیرہ وغیرہ۔ جو تمہاری عورتیں پہن کر تمہارے لئے بناؤ سنگار کرتی اور تمہارے ذوق نظر کی تسکین کا ذریعہ بنتی ہیں۔ تم لوگ زیب و زینت کے ان طرح طرح کے سامانوں کو سمندروں سے نکال نکال کر اور خاص پیمانوں سے اور باریک حساب کے ساتھ ناپ تول کر بھاری بھاری رقمیں حاصل کرتے ہو اور دولت کماتے ہو۔ اور ان میں رتی ماشہ بھی تم لوگ چھوڑنے اور معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ لیکن کیا تم لوگوں نے کبھی یہ سوچا کہ آخر وہ کون ہے جو سمندر کی تہ میں ان کے پہاڑوں کے پہاڑ اور ذخیروں کے ذخیرے پیدا کرتا ہے۔ اس کو تو تم نے کیا دیا؟ سو اس کو بھول جانا کتنی بڑی بے انصافی ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو وہی اللہ ہے معبودِ برحق جو عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل کا حقدار ہے اور بلاشرکت غیرے حقدار ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا

چیرتے ہوئے (تاکہ تم اس سے طرح طرح کے فائدے حاصل کرسکو)، اور تاکہ تم (اس میں آمد ورفت کے ذریعے) تلاش کرسکو اس کا

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝١٥ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ

فضل، اور تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو (اس واہب مطلق کا) ف۲۷ اور اسی نے ڈال دیئے (اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے پہاڑوں کے) عظیم

يَهْتَدُونَ ۝١٦ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا

الشان لنگر زمین (کے اس کُرّے) میں، تاکہ یہ ڈگمگانے نہ لگے تم کو لیکر ف۲۸ اور اسی نے جاری کردیئے اس میں طرح طرح کے دریا ف۲۹

تَذَكَّرُونَ ۝١٧ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ

اور اس نے بنادیئے اس میں قسما قسم کے راستے تاکہ تم لوگ راہ پاسکو ف۳۰ اور (ان راستوں کی پہچان کے لئے) اس نے رکھ دیں (زمین میں)

إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝١٨ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ

طرح طرح کی نشانیاں ف۳۱ اور لوگ ستاروں سے بھی راہ پاتے ہیں ف۳۲ تو کیا وہ ذات جو (یہ سب کچھ) پیدا کرتی ہے ف۳۳ اس کے برابر ہوسکتی

وَمَا تُعْلِنُونَ ۝١٩ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

ہے جو (ان میں سے کچھ بھی) پیدا نہ کرسکے؟ کیا تم لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے؟ ف۳۴ اور (ان مذکورہ بالا نعمتوں ہی پر کیا منحصر، وہ تو اتنی ہیں کہ)

۲۷ شکر نعمت کے تقاضے کا ذکر و بیان:- چنانچہ ان مختلف نعمتوں کے ذکر کے بعد تقاضاءِ نعمت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ تم شکر ادا کرو اس واہب مطلق اور خالق و مالک کا جس نے محض اپنے فضل و کرم اور رحمت و عنایت سے ان عظیم الشان نعمتوں، بے مثال عنایتوں اور عدیم النظیر کرم گستریوں سے تم کو نوازا ہے۔ تبارک وَتعالیٰ۔ اور اس کا شکر ادا کرنا تم پر حق بھی ہے اور اس میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا بھی ہے کہ اس سے تمہاری ان نعمتوں میں برکت آئے گی اور ان میں دوام نصیب ہوگا۔ ورنہ اس غنی مطلق کو تمہارے شکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ سو تم لوگ سوچو کہ اس واہبِ مطلق سے منہ موڑنا اسکے حقِ شکر کی ادائیگی میں غفلت و لاپرواہی برتنا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اسکی بخشی ہوئی ان نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا اور ان کو کسی دیوی دیوتا یا کسی خود ساختہ سرکار اور بناوٹی ہستی کا کرم سمجھنا اور اس کی عنایت قرار دینا کس قدر بڑا ظلم ہے۔ اور کتنی بڑی ناشکری اور بے انصافی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ و ضلال، وسوءٍ وَّانحراف۔

۲۸ زمین میں گاڑے گئے عظیم الشان لنگروں میں دعوت غور و فکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور اسی نے زمین میں عظیم الشان لنگر ڈال دیئے تاکہ یہ تم کو لے کر ڈولنے نہ لگے۔ اور اس طرح تمہارا آرام و سکون اور امن و استقرار خراب نہ ہو جائے۔ سو دیکھو تو سہی اے لوگو کہ کیسی قدرت ہے اس قادرِ مطلق کی؟ اور کتنا مہربان ہے وہ اپنے بندوں پر کہ دیو ہیکل

پہاڑوں کے ان عظیم الشان سلسلوں کو اس نے قدر عمدگی، مضبوطی اور حیرت انگیز طریق سے اوتاد "میخیں" بنا کر پانی میں تیرتے زمین کے اس کرے میں گاڑ دیا۔ فَسُبْحَانَہٗ مِنْ اِلٰہٍ عَظِیْمٍ قَادِرٍ قَیُّوْمٍ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ جَلَّ وَعَلَا۔ سو تم لوگ ذرا غور تو کرو کہ ایسے خدائے رحمٰن سے منہ موڑنا کتنی بڑی ناانصافی ہے؟ تم لوگ کوہ پیمائی کے شوق میں بڑے بڑے خرچے کرتے ماؤنٹ ایورسٹ جیسی چوٹیوں کو سر کرنے کیلئے بڑے بڑے پاپڑ بیلتے اور بعض اوقات اس مقصد کیلئے اپنی جانوں تک کو داؤ میں لگا دیتے ہو مگر کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان عظیم الشان پہاڑی سلسلوں اور ان فلک بوس چوٹیوں کو وجود کس نے بخشا؟ ان کو باقی اور برقرار کس نے رکھا ہے، اس کا ان پر کیا حق واجب ہوتا ہے؟ اور اس کے حق کی ادائیگی کس طرح ممکن ہو سکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

۲۹ بہتے دریاؤں اور انکی فیض رسانی میں دعوتِ غور و فکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اسی نے جاری کر دیئے زمین میں طرح طرح کے دریا جن سے تم لوگ طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو اور قسما قسم کی ضرورتیں پوری کرتے ہو۔ سو ذرا تم سوچو کہ تم لوگ اگر کوئی چھوٹی موٹی نہر بناتے تو اس کیلئے تم لوگوں کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور کس قدر مشقت اٹھانا پڑتی ہے اور کتنے بڑے بڑے بھاری مصارف برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ تو آخر وہ کون ہے جس نے اس کرۂ ارض پر جگہ جگہ ہزاروں لاکھوں میل لمبے یہ دریا جاری کر دیئے؟ جن میں بہنے والا صاف ستھرا اور موجیں مارتا پانی جو زمانوں سے مسلسل اور لگاتار چلا آ رہا ہے آخر یہ کس کی قدرت، حکمت اور فیض رسانی کا نتیجہ ہے؟ سو وہی ہے اللہ وحدہ لاشریک، سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۳۰ زمین میں پائے جانے والے راستوں میں دعوتِ غور و فکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اسی نے قسما قسم کے راستے بنا دیئے تاکہ تم لوگ راہ پا سکو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی۔ اور اسی سے تم لوگ اس حقیقت تک رسائی بھی حاصل کر سکو کہ جس ذاتِ اقدس واعلیٰ نے تمہاری ان دنیاوی ضرورتوں اور ظاہری راستوں کے لئے ایسے ایسے انتظامات فرمائے، آخر کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ وہ تمہاری آخرت کی حقیقی اور دائمی منزل تک رسائی اور اس میں کامیابی سے سرفراز ہونے کیلئے راہنمائی کا انتظام نہ فرمائے؟ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اسی لئے اس نے کائنات کی اس کھلی کتاب کے علاوہ اپنے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے اور ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ مگر دنیا کی اکثریت ان سے منہ موڑ کر حیوانوں کی بلکہ اس سے بھی بدتر زندگی گزار رہی ہے۔ اور ان کے سامنے مادہ اور معدہ کی ضرورتوں کی تکمیل کے سوا کوئی مقصد نہیں۔

۳۱ زمین کی مختلف علامتوں اور نشانیوں میں دعوتِ غور و فکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اس نے رکھ دیں اس زمین میں طرح طرح کی علامتیں اور نشانیاں۔ درختوں، دریاؤں اور پہاڑوں وغیرہ کی۔ ورنہ ایک سپاٹ زمین میں تمہارے لئے اپنے راستوں کو پانا ممکن نہ ہوتا۔ اور صرف زمینی نشانات پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آسمان اور عالم بالا میں جھلمل جھلمل کرتے ستاروں کے نشانات بھی رکھ دیئے جن کو دیکھ کر لوگ راستے معلوم کرتے ہیں۔ سو اس سے ایک تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ تمہارا رب کتنا مہربان اور کس قدر قادر و قیوم ہے جو اپنے بندوں کی ضروتوں کی تکمیل کا اس پُر حکمت طریقے سے انتظام فرماتا ہے اور دوسری بڑی حقیقت اس سے یہ بھی واضح ہو جاتی ہے کہ زمین اور آسمان کی اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ایک ہی ہے۔ اور وہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور یہ اسی قادر مطلق اور حکیم مطلق کی قدرتِ مطلقہ وحکمتِ بالغہ کا نتیجہ وثمرہ ہے کہ زمین وآسمان کی اس حکمتوں بھری کائنات کے اندر کی یہ تمام چیزیں اس قدر پُر حکمت طریقے اور گہرے

توافق کے ساتھ انسان کے بھلے اور اسکی بہتری میں لگی ہوئی ہیں۔ سو متضاد اشیاء کے اندر پائی جانے والی یہ پُر حکمت اور محیر العقول سازگاری حضرتِ حق جل مجدہٗ کی وحدانیت و یکتائی کی واضح دلیل ہے۔ سو زمین کے اندر پائے جانے والے یہ عظیم الشان نشانات (Landmarks) طرح طرح سے تمہاری راہنمائی کرتے ہیں۔

۲۲ ستاروں سے اہتداء وراہنمائی کی نعمت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا اور لوگ ستاروں سے بھی راہ لیتے ہیں، یعنی صرف زمینی نشانیوں پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ان کے ساتھ ساتھ آسمان کی اس عظیم الشان چھت میں قسما قسم کے جگمگاتے ستاروں کی ان عظیم الشان اور بے مثل قندیلوں کا بھی انتظام فرما دیا تاکہ تم لوگ لق و دق صحراؤں اور وسیع و عریض سمندروں میں بھی ان کے ذریعے اپنی راہیں معلوم کر سکو اور پھر اس نے یہ سب کچھ از خود اپنی رحمت و عنایت اور اپنے کرم سے اور تمہاری طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر کیا۔ تو پھر تم لوگ سوچو تو سہی کہ کیسا عظیم اور کتنا رحیم و کریم ہے تمہارا وہ رب جل جلالہٗ۔ جس نے تمہاری رہنمائی کیلئے ایسے عظیم الشان انتظامات فرمائے اور کیا حق بنتا ہے اس کا تم پر؟ اور کتنا بڑا جرم اور کس قدر ظلم عظیم ہے کہ انسان اس وحدہٗ لاشریک خداوندِ قدوس سے منہ موڑ کر اوروں کے آگے جھکے؟ والعیاذ باللہ۔

۲۳ توحید خداوندی کی دلیل اس کی صفتِ خلق کے اعتبار سے:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور استفہام کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ کیا وہ ذات جو سب کچھ پیدا کرے وہ انکی طرح ہو سکتی ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکیں؟ یعنی اللہ پاک سبحانہٗ و تعالیٰ۔ کہ یہ سب کچھ اسی نے کیا اور وہی کرتا ہے۔ اور بلاشرکت غیرے کیا ہے اور کرتا ہے جل وعلا۔ کہ وہی خالق کل بھی اور مالکِ کل بھی۔ اور ہر چیز اسی کی پیدا فرمودہ ہے۔ تو بھلا جو ہر چیز کا خالق ہو اور خاص کر ان عظیم الشان مخلوقات و مصنوعات کا جن کا ذکر یہاں فرمایا گیا ہے۔ وہ خالق کل ان کے برابر ہو سکتا ہے جنہوں نے نہ کچھ پیدا کیا ہو اور نہ ہی وہ پیدا کر سکتے ہیں؟ نہیں! اور ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ مشرک لوگ ان بے حقیقت چیزوں کو اس خالق کل اور قادرِ مطلق کا شریک آخر کس طرح ٹھہراتے ہیں؟ ان کی عقلوں کو آخر کیا ہو گیا؟ اور یہ دوسری بے حقیقت چیزوں کے آگے کس طرح جھکتے ہیں؟ کوئی کسی خود ساختہ دیوی دیوتا کے آگے، کوئی کسی فرضی سرکار کسی خود ساختہ ہستی من گھڑت آستانے اور کسی بنی ٹھنی قبر اور اپنے ساختہ پرداختہ کسی جبے قبے کے آگے۔ آخر ان لوگوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ اور ان کی مت کہاں اور کیسے ماری گئی؟ اور یہ اس طرح اندھے اور اوندھے کیوں ہو گئے؟ ﴿انی یؤفکون﴾ والعیاذ باللہ جلّ وعلا،

۲۴ معبودانِ باطلہ کی نفی ایک لفظ سے:- کہ یہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے تو کیا وہ ذات جو سب کچھ پیدا کرے اس کی طرح ہو سکتی ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکتی ہو۔ یعنی تمہارے خود ساختہ معبودان باطلہ اور جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اور ہرگز و قطعاً برابر نہیں ہو سکتے، تو پھر تم لوگ اے مشرکو! ان کو اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں شریک کس طرح مانتے ہو؟ سو جب ان تمام عظیم الشان نعمتوں اور نشانِ قدرت کی تخلیق و ایجاد اور بخشش و عطاء میں اس وحدہٗ لاشریک کا کوئی بھی شریک و سہیم نہیں، تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا کسی بھی درجے میں شریک و سہیم آخر کس طرح ہو سکتا ہے؟ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ۔ سو قیام و رکوع، سجود و طواف، نذر و نیاز وغیرہ وغیرہ عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اور کسی بھی قسم کی عبادت اس کے سوا کسی اور کے لیے بجالانا شرک اور ظلم عظیم ہو گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور خالق اور معبود نہیں ہو سکتا۔ پس ایک لفظ وارشاد سے تمام معبودانِ باطلہ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ؕ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ

اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو تم کبھی بھی انکو شمار نہیں کرسکو گے ۳۵ (اسقدر نعمتوں پر بھی اس کی یہ ناشکری؟ اور پھر بھی اس کی

غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

طرف سے یہ چھوٹ، بخشش، اور رحمت؟) بے شک اللہ بڑا ہی درگزر کرنے والا، انتہائی مہربان ہے ۳۶ اور اللہ ایک برابر جانتا ہے ان

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

سب کاموں کو جو تم لوگ چھپا کر کرتے ہو، اور جو تم اعلانیہ کرتے ہو ۳۷ اور جن ہستیوں کو یہ لوگ (پوجتے) پکارتے ہیں اللہ کے سوا، وہ کچھ

قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ

بھی پیدا نہیں کرسکتیں، بلکہ وہ تو خود (ایک عاجز) مخلوق ہیں ۳۸ وہ تو مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور ان کو اس کی بھی کچھ خبر نہیں کہ لوگ کب

۳۵ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لامحدود و بے شمار:- ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو گننے لگے تو کبھی بھی گن کر پورا نہیں کرسکو گے۔ کہ تم خود اور تمہاری گنتی کے سب ذرائع وسائل محدود ہیں۔ جب کہ اُس کی نعمتیں لاتعداد و غیر محدود۔ تو پھر محدود سے لامحدود کا اِحصاء و اِحاطہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے؟ سبحانہ وتعالیٰ۔ تو پھر ایسے منعم حقیقی اور وہابِ مطلق کے حقِ بندگی اور اس کے شکر سے منہ موڑنا کتنی بے انصافی ہے۔ اور جن کو تم لوگ گن بھی نہیں سکتے اس نے محض اپنی شانِ کریمی و رحیمی سے دنیا کو نوازا ہے۔ اور لوگوں کیطرف سے کسی طرح کی اپیل و درخواست کے بغیر نوازا ہے جو کہ اس کا کرم بالائے کرم ہے سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو اس سب کا حق یہ تھا اور یہ ہے کہ انسان دل و جان سے اس کے آگے جھک جھک کر جائے اور ہمیشہ جھکا ہی رہے۔ کہ یہی تقاضاء شکر و احسان ہے۔ و باللہ التوفیق لما یحبّ ،ویرید وعلی ما یحب ویرید.

۳۶ اللہ تعالیٰ کی صفتِ مغفرت و بخشش کا حوالہ و ذکر:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور تاکید در تاکید کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک اللہ بڑا ہی بخشنے والا' نہایت ہی مہربان ہے' اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک کی امتیازی شان اور اسی کا حلم و کرم ہے کہ وہ انسان کی ایسی ناشکری پر بھی اس کو زندگی بھر بلکہ نسل در نسل ڈھیل دیے جاتا ہے سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی سے یہ ممکن ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ اس قدر عفو و درگزر سے کام لے۔ سو اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان دل و جان سے اسکے آگے جھک جائے۔ و باللہ التوفیق۔ بہر کیف وہ چونکہ بڑا ہی بخشنے والا اور انتہائی درگزر کرنے والا ہے اس لئے وہ تم کو فوراً پکڑتا نہیں بلکہ ڈھیل پہ ڈھیل دیے جا رہا ہے تاکہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر تم لوگ توبہ و استغفار کے ذریعے

اپنی اصلاح کرلو اور اس کے غضب اور اس کی گرفت و پکڑ سے بچ کر اس کی رحمت وعنایت کے مستحق وسزاوار بن سکو۔اس طرح خود تمہارا اپنا ہی بھلا اور فائدہ ہوسکے، دنیا وآخرت دونوں میں۔و باللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید، اللّٰھم فاغفرلی مغفرۃ من عندک و ارحمنی انک انت الغفور الرحیم فانی تبت الیک.

۳۷ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کی شان:- کہ وہ ایک برابر جانتا ہے تمہارے خفیہ اور ظاہری اعمال کو۔اس کے یہاں ظاہر وباطن دونوں ایک برابر ہیں۔اور وہی ہے جس کی شان وصفت ہے ’’عَـالِـمُ الْـغَیْـبِ وَ الشَّـهَـادَةَ ‘‘یعنی ’’نہاں وعیاں کو یکساں اور ایک برابر جاننے والا‘‘۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔سو یہ اس کے کمالِ علم کی شان اور اس کا مظہر ہے۔پس اس سے تمہاری کوئی بھی حالت اور کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔پس بندے کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس سے اپنا معاملہ درست رکھے و باللّٰہ التوفیق سو اس ارشاد میں ایک طرف تو منکرین ومکذبین کے یہ تہدید ووعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ورأفت کی بنا پر ڈھیل تو اگرچہ تم لوگوں کو دے رہا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی تمہارے سامنے واضح رہنی چاہیے کہ وہ تمہارے ظاہر وباطن اور تمہارے جملہ اعمال کو ایک برابر اور پوری طرح جانتا ہے۔سو تم سب کو آخرکار اس کا حساب دینا اور بھگتان بھگتنا ہوگا۔اور دوسری طرف اس میں اہل ایمان کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان بھی ہے تم لوگوں کی راہِ حق میں جانبازیاں اور جانفشانیاں اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔پس تم لوگ مطمئن رہو کہ وہ تمہیں ان کا صلہ وبدلہ ضرور دے گا کہ وہ بڑی ہی شانِ کرم اور عطاء وبخشش والا ہے سبحانہٗ و تعالیٰ پس ایمان والوں کا کام ہے کہ وہ اسکی رضا کے لئے کام کرتے رہیں۔وباللہ التوفیق۔

۳۸ معبودانِ باطلہ کی بے حقیقتی کا ذکروبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن کو یہ لوگ پوجتے پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے۔اور وہ خود مخلوق ہیں۔خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کے کوئی بے جان بت ہوں یا زندہ ومردہ انسانوں میں کوئی ہستی۔جس کی بھی پوجا کی گئی یا کی جاتی ہے اس کا حال بہرکیف یہی ہے کہ وہ عاجز مخلوق ہے۔اس میں خالقیت کی کوئی صفت نہ ہے نہ ہوسکتی ہے۔تو پھر تم لوگ انکو خداوندِ قدوس کی خدائی میں آخر کس طرح شریک ٹھہراتے ہو؟اے مشرکو﴿الذین﴾ کے کلمۂ کریمہ کا عموم ان سب ہی کو شامل ہے۔سو اس ارشادِ ربانی سے یہی عمومی ضابطہ مستفاد ہوا کہ جو مخلوق ہو وہ معبود اور حاجت روا ومشکل کشا نہیں ہوسکتی ہے؟ سو معبودِ برحق وہی ہے اور وہی ہوسکتا ہے جو سب کا خالق اور جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔اور وہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے جسکی صفت ہے ’’حی لا یموت ‘‘ وہی سب کا حاجت روا ومشکل کشا ہے۔کائنات کی ہر شئی اپنے وجود اور اپنی بقاء میں اسی کی محتاج ہے۔اور وہ غنی مطلق سب سے بے نیاز ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔اسکے سوا جس کو بھی لوگوں نے معبود قرار دیا وہ باطل ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی شکل میں ہو۔ایسے بے حقیقت معبودوں کے پجاریوں کیلئے بہرحال خسارہ ہی خسارہ ہے۔سو یہ ایسا خسارہ ہے کہ اس جیسا دوسرا کوئی خسارہ ہوسکتا ہی نہیں۔والعیاذ باللہ العظیم۔

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا

(دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے ۳۹ (پس ثابت ہوا کہ) معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے، مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے

يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۞۲۳ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ

آخرت پر، ان کے دل اڑے ہوئے ہیں (حق وصداقت کے) انکار پر، اور وہ مبتلا ہیں اپنی (جھوٹی) بڑائی کے گھمنڈ میں یقیناً

اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۞۲۴ لِيَحْمِلُوْٓا

اللہ ان کے وہ سب کرتوت بھی جانتا ہے جو یہ لوگ چھپا کر کرتے ہیں، اور وہ سب بھی جو یہ اعلانیہ کرتے ہیں، بے شک وہ

اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ

پسند نہیں فرماتا اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھنے والوں کو، ۴۰ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا اتارا تمہارے رب نے؟ ۴۱ تو یہ (پوری ڈھٹائی

۳۹ معبودانِ مِن دُونِ اللّٰہ کی بے علمی اور بے خبری کا ذکر وبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو کچھ خبر نہیں کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۔ نہ ان کو خود اپنے بارے میں کوئی علم ہے اور نہ دوسروں کے بارے میں کہ ان کو کب دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اگرچہ عام طور پر اس ارشادِ ربانی کو بتوں پر محمول کیا جاتا ہے لیکن لفظ ﴿ يُبْعَثُوْنَ ﴾ جو کہ ''بعث'' سے ماخوذ ہے اسکا مفہوم متبادر اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ ''بعث'' کے معنٰی دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ معنٰی اس ارشاد کو لکڑی پتھر کے بے جان اور بے حس بتوں پر محمول کرنے سے اِباء کرتا ہے۔ کیونکہ بتوں کے اندر پہلے کوئی زندگی تھی ہی نہیں کہ ان کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا سوال پیدا ہو۔ اس لئے ''بعث'' کا مفہوم اپنے ظاہر اور متبادر معنٰی کے اِعتبار سے اگر صادق آتا ہے تو حضراتِ انبیاء وصالحین کی اُن پاکیزہ ہستیوں پر صادق آتا ہے جن کو ان کے غالی معتقدین نے اپنے غلو کی بناء پر اور ان کی تعلیمات کے خلاف خدائی صفات سے موصوف مانا۔ اور اُن کو کہیں ''ابن اللہ'' قرار دیا اور کہیں انکو ''داتا گنج بخش''، ''غریب نواز'' وغیرہ وغیرہ جیسی خدائی صفات سے موصوف کیا۔ اور ان کو اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے پکارا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ مشرکین عرب کے یہاں ''وَدّ''، ''سُواع''، ''یَغُوث''، ''یعوق'' اور ''نَسر'' کے نام سے جو پانچ بت پائے اور پوجے جاتے تھے وہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق قوم نوح کے ان پانچ بزرگ ہستیوں کے نام پر بنائے گئے تھے جن کے غالی عقیدت مندوں نے اُن کی موت کے بعد اُنہی کے نام سے ان کو گھڑ لیا تھا۔ تاکہ اس طرح ان بتوں کے پاس بیٹھ کر وہ اپنے ان بزرگوں کی یاد تازہ کریں۔ اور بعد میں شیطان کی تلبیس وتحریک پر انہوں نے انہی کی پوجا شروع کر دی تھی (روح، تفسیر عثمانی، موضح القرآن، تفہیم القرآن وغیرہ)۔ حضرت عائشہ۔ رضی اللہ عنہا سے ایسی ہی روایت مروی ہے۔ اسی لئے حضرت شاہ عبدالقادر۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اپنے حاشیہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہ شاید ان کو فرمایا جو

مرے بزرگوں کو پوجتے ہیں بہر کیف اس ارشاد ربانی سے واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے فرضی اور وہمی معبودوں کو پوجنا پکارنا عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ اور یہ کھلا شرک ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۴۰ استکبار یعنی اپنی بڑائی کا زعم اور گھمنڈ باعثِ ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور انَّ کی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک اللہ مستکبرین کو پسند نہیں فرماتا یعنی ان کو جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض ہیں، والعیاذ باللہ۔ چنانچہ صاف وصریح طور پر اور اداۃ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھنے والوں کو کہ برائی فقط اُسی ذاتِ وحدہٗ لاشریک کو سزاوار ہے جو سب کی خالق ومالک ذات ہے۔ باقی تو سب عاجز مخلوق ہیں۔ وَهُوَ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالُ، اَكْبَرُ مِنْ كُلِّ كَبِيْرٍ جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَزَّ بُرْهَانُهٗ۔ سو استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھنا خرابی وفساد کی جڑ بنیاد ہے کیونکہ اسکی بناء پر انسان قبولِ حق وہدایت کی سعادت سے اور اسکے نتیجے میں حق تعالیٰ کی رحمت وعنایت سے محروم ہوجاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس ارشاد سے ان لوگوں کے کفر وانکار کے اصل سبب اور باطنی محرک کی نشاندہی فرمادی گئی کہ وہ ہے ان کا استکبار۔ یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ۔ اور ان کے دلوں میں بیٹھے استکبار کے اسی خنّاس نے انکی راہ کھوٹی کردی۔ اور اسی نے ان کو قبولِ حق وہدایت سے محروم کررکھا ہے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ حق کو حق جانتے ہوئے بھی جھٹلا رہے ہیں اور باطل سمجھتے ہوئے بھی انہوں نے اس کو اپنے سینوں سے لگا رکھا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ انکے ظاہری کفر وانکار اور اسکے اصل سبب وباطنی محرک کو ایک برابر جانتا ہے۔ سو ایسے مغروروں اور متکبروں کو وہ پسند نہیں فرماتا بلکہ یہ اسکے دشمن اور مبغوض ہیں۔

۴۱ مستکبرین کے استکبار کے ایک نمونہ اور مظہر کا ذکر وبیان:۔ سو اس سے مستکبرین کے استکبار کا ایک نمونہ سامنے آتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ کیا اتارا تمہارے رب نے؟ یعنی اس قرآن پاک کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے اتارا ہوا بتاتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں یہ لوگ یوں کہتے ہیں۔ یعنی قرآن مجید جو کہ اسلام کا معجزہ بلکہ معجزوں کا معجزہ ہے اور جو حضرت محمد ﷺ کی صداقت وحقانیت کا زندہ وجاوید ثبوت ہے اسکے بارے میں یہ لوگ اندھے اور بہرے بن کر اس طرح کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کی دعوتِ حق اور اسکے کلامِ معجز نظام نے جب لوگوں کو ہلا کر اور ان کے دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تو عوام الناس نے جاجا کر اپنے لیڈروں اور سرغنوں سے اس بارے پوچھنا اور دریافت کرنا شروع کردیا کہ اسکے بارے میں آپ لوگوں کی رائے کیا ہے؟ اور اسکی دعوت کے جواب میں ہمیں کیا کرنا چاہیے اور اس چیز کو ان لوگوں نے اپنی لیڈری کے لئے خطرہ کا الارم سمجھا۔ تو انہوں نے اپنے ان چیلوں اور عوام کالانعام کو اپنے قابو میں رکھنے اور ان کو اطمینان دلانے کے لئے قرآن حکیم کے بارے میں اس طرح کا فرانہ ریمارکس دے۔ تاکہ وہ کہیں ایمان لاکر ان کہ چنگل سے نہ نکل جائیں، باطل پرستوں کا حال کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے، آمین۔

الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

سے) کہتے ہیں کہ اجی! (بس قصے) کہانیاں پہلے لوگوں کی ۴۲ تا کہ اس کے نتیجے میں یہ لوگ پورے پورے اٹھائیں اپنے (گناہوں کے)

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ

بوجھ ۴۳ قیامت کے دن، اور ان لوگوں کے بوجھوں میں سے بھی، جن کو یہ گمراہ کرتے ہیں ۴۴ اپنی جہالت (و بدبختی) سے، خبردار! بڑا ہی برا ہے وہ بوجھ

مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ

جسے یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر لادنے کا سامان کر رہے ہیں ۴۵ (اور ان کے مکر و فریب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں کہ) بلاشبہ ان

اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ

سے پہلے کے (بہت سے) لوگوں نے بھی (حق کو نیچا دکھانے کے لئے طرح طرح کی) مکاریاں کیں ۴۶ مگر اللہ نے جڑ سے اکھاڑ

۴۲ کفار و منکرین کے ریمارکس قرآن حکیم کے بارے میں:- کہ یہ محض پہلی قوموں اور ماضی کے لوگوں کے قصے اور انکی کہانیاں ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا "اور یہ قصے کہانیاں ہیں پہلے لوگوں کی" جن کو یہ صاحب یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسروں سے لکھ لکھا کر پیش کر دیتے ہیں اور بس۔ ورنہ اللہ کی طرف سے اترنے اتارنے کی کوئی بات نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾۔ (الفرقان: ۵) مطلب یہ کہ یہ عاد اور ثمود وغیرہ قدیم قوموں کی قصے کہانی ہیں اور بس اس لیے ان سے متاثر اور مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگ ٹھیک ہیں، وغیرہ وغیرہ سو اسطرح ایسے لوگ اپنی سیاہ بختی اور محرومی میں اضافہ کرتے جاتے ہیں۔ مگر ان کو اپنی اس محرومی کا کوئی احساس و شعور ہی نہیں جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جل وعلا۔

۴۳ مستکبرین و منکرین کے ہولناک انجام کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ان مفسدین کی سعی نامراد کا نتیجہ و انجام یہ ہوگا کہ قیامت کے روز یہ لوگ پورے پورے بوجھ اٹھائیں گے اپنے کیے کرائے کے۔ خود گمراہ ہونے اور حق کے مقابلے میں باطل کو پنانے وغیرہ جیسے سنگین گناہوں کے بوجھ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کیونکہ جب قرآنِ مجید جیسے معجزہ کبریٰ کو بھی انہوں نے قصے کہانیاں قرار دے دیا تو پھر ان کیلئے نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی کی کوئی صورت باقی رہ ہی نہیں جاتی۔ اس لئے اس کے نتیجے میں ان کو اپنی گمراہی اور گمراہی پر اصرار کے بھاری بھرکم بوجھ بہرحال اٹھانا ہونگے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور جو شرکاء و سفارشی انہوں نے اپنے طور پر ٹھہرا رکھے ہیں وہ انکے کچھ بھی کام نہ آسکیں گے کہ انکی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں۔ وہ محض دھوکہ اور سراب ہے۔ جس کا پتہ ان کو اس روز چلے گا جس روز سب حقائق اپنی اصل میں کھل کر سامنے آجائینگے، تب ان کو پتہ چلے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۴۴ منکرین کیلئے دو ہولناک بوجھوں کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ منکرین کے لئے ضلال

اور اِضلال کے دوہرے بوجھ ہونگے جن کو وہ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہونگے، سو وہ بڑے ہی برے بوجھ ہوں گے۔ والعیاذُ باللہ۔
چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے روز یہ لوگ اپنے (گناہوں کے) بوجھ بھی پورے پورے اٹھائے ہوں اور ان لوگوں کے بوجھوں میں سے بھی جن کو یہ گمراہ کرتے رہے تھے بغیر علم کے کرتے ہیں تاکہ ان کو اپنے بوجھوں کے ساتھ ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اٹھانے پڑیں۔ ان کو گمراہ کرنے کے باعث یعنی ضلال اور اِضلال کے دونوں سنگین اور ناقابل معافی جرموں کے دوہرے بوجھ ان لوگوں کو اس روز اٹھانے ہوں گے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو قرآنِ حکیم پر ایمان لانے کی بجائے اسکو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں قرار دے کر یہ لوگ قرآن کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن اس طرح یہ اپنی سیاہ بختی کے داغ کو اور پکا کرتے ہیں اور اپنے لئے دوہرے بوجھ کا سامان کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ یہاں پر ﴿مِنْ اَوْزَارِ﴾ کے "مِنْ تبعیضیة" سے اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا کہ گمراہ لیڈر اور پیشوا اپنے ماتحتوں اور چیلوں کے سب بوجھ نہیں اٹھائیں گے جس سے وہ بالکل بری اور بے قصور ہو کر رہ جائیں۔ بلکہ یہ لوگ ان کے بوجھوں کا کچھ ہی حصہ اٹھائیں گے۔ باقی بوجھ خود انہی کے ذمے رہیں گے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۵ مستکبرین و متکبرین کیلئے بڑے ہی بُرے بوجھ، والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا اور الا کے حرفِ تنبیہ کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بڑے بُرے ہونگے وہ بوجھ جن کے اٹھانے کا یہ لوگ سامان کر رہے ہیں۔ یعنی کفر و انکار او گناہوں کے وہ بوجھ جو کہ ظاہری اور حسی بوجھوں سے کہیں بڑھ کر بھاری اور خطرناک ہونگے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ کیونکہ گناہوں کے وہ اور خاص کر ضلال اور اِضلال کے گناہوں کے بوجھ دوزخ میں لے جانے والے بوجھ ہیں۔ جب کہ دنیا کے دوسرے حسّی اور ظاہری بوجھوں میں سے کوئی بھی بوجھ ایسا نہیں جو انسان کو دوزخ میں لے جانے والا ہو۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ضلال اور اِضلال کے یہ بوجھ کس قدر ہولناک اور تباہ کن بوجھ ہیں۔ جن کے اٹھانے کا یہ لوگ اپنی غفلت اور لاپرواہی کی بناء پر سامان کر رہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو غفلت کے مارے ان لوگوں کو اپنے کفر و انکار ضلال و اِضلال اور معاصی و ذنوب کے یہ ہولناک بوجھ آج نظر نہیں آ رہے اس لئے یہ اپنے انجام سے نچنت اور بے فکر ہیں، لیکن کل جب حقائق آشکارا ہونگے تو پتہ چلے گا۔ اور وہ بھی اس طور پر نہ وہ بوجھ انکی پیٹھوں سے کسی طرح اتر سکیں گے اور نہ ہی کوئی اس ضمن میں ان کی کوئی مدد کر سکے گا سو یہی ہے سب سے بڑا خسارہ جو کہ خساروں کا خسارہ ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۶ اہل کفر و باطل کی مکاریوں کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی طرح طرح کی مکاریوں سے کام لیا یعنی حق اور اہل حق کے خلاف، سو اہل باطل نے اہل حق کیخلاف ہمیشہ ہر طرح کی مکاریاں کیں اُن کا راستہ روکنے کی غرض سے اور ان کی یہ مکاریاں بھی ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ہل جائیں اور اپنی جگہوں سے سرک جائیں، جیسا کہ دوسرے مقام ارشاد فرمایا گیا وان کان مکرھم لتزول منه الجبال (ابراہیم:۴۶) سو دشمنانِ حق کی حق اور اہل حق کیخلاف ایسی مکاریاں ہمیشہ سے ہی رہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ لیکن اس سب کے باوجود وہ حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ سو اس میں اہل حق کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ وہ دورِ حاضر کے اہلِ باطل کی فتنہ سامانیوں کی پرواہ کیے بغیر راہِ حق پر گامزن رہیں۔ بھروسہ ہمیشہ اللہ ہی پر رکھیں اور اس کے ساتھ اپنا ربط و تعلق درست رکھیں۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جس طرح آج قریش کے لیڈر اپنے مذموم اَغراض و مقاصد کیلئے پیغمبر اسلام اور اُن کی دعوتِ حق کے خلاف طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں اسی طرح ماضی کی کافر قوموں نے بھی اپنے مذموم اَغراض و مقاصد کیلئے اپنے دور کے انبیاء و رُسل کے خلاف اسی طرح کی چالیں چلیں جس کے نتیجے میں آخر کار وہ قومیں اپنے انجام کو پہنچ کر رہی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

پھینکا ان (کے مکر و فریب) کی عمارت کو ۴۷ پھر خود ان ہی پر آگری (ان کی اس عمارت کی) چھت ان کے اوپر سے ۴۸ اور آپہنچا ان پر (اللہ کا)

كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

عذاب ۴۹ جہاں سے ان کو (وہم و) گمان بھی نہ تھا ۵۰ (یہ حشر تو ان کے ساتھ دنیا میں ہوا) پھر قیامت کے روز اللہ انہیں (بطورِ خاص)

اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

رُسوا کرے گا ۵۱ اور ان سے کہے گا (کہ بتاؤ اب) کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم لوگ (اہل حق سے) جھگڑے کیا کرتے

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪

تھے؟ ۵۲ تب کہیں گے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا تھا کہ واقعی آج کے دن سخت رسوائی اور بڑی بدبختی ہے ان کافروں کے لئے ۵۳

فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى

جن کی فرشتے جان قبض کرتے ہیں، ایسی حالت میں کہ وہ (کفر و باطل پر اڑ کر برابر) ظلم کر رہے ہوتے ہیں خود اپنی جانوں کے حق

۴۷ اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت سب پر حاوی اور محیط:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے جڑ سے اکھاڑ پھینکا ان (کے مکر و فریب) کی عمارت کو۔ سو انکی مکاریاں اگرچہ بڑی ہولناک تھیں مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت سب پر حاوی اور محیط ہے اسکے سامنے ان کی ان مکاریوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی، اسنے اپنے قانونِ امہال کے مطابق جتنی ان کو مہلت دینا تھی وہ دی، مگر آخر کار اس نے جڑ سے اکھاڑ پھینکا ان (کے مکر و فریب) کی عمارت کو۔ سو اس طرح وہ حق اور اہل حق کا تو کچھ نہ بگاڑ سکے، مگر خود حق سے دور اور محروم سے محروم تر ہوگئے، اور شقاوت و بدبختی کی چھاپ ان پر اور پکی اور گہری ہوتی چلی گئی۔ جو کہ سب سے بڑا اور حقیقی و دائمی خسارہ ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ پس دار و مدار ان لوگوں کی چالبازیوں پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ پس اپنا تعلق اور معاملہ ہمیشہ اس قادرِ مطلق سے صحیح رکھا جائے کہ ہوگا وہی جو اسکو منظور ہوگا وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے رسولوں کے خلاف مکر و فریب کے جو جال بنے تھے ان میں وہ خود ہی الجھ کر اور پھنس کر فی النار والسقر ہوگئے۔ اور مکر و فریب کی جو عمارتیں انہوں نے حق اور اہل حق کے خلاف کھڑی کی تھی وہ خود انہی پر آگریں۔ اور ان کی سب سازشیں، مکاریاں اور چالیں اکارت گئیں اور وہ حق کا بول بالا ہی رہے۔ والحمدالله جل وعلا بكل حال من الاحوال، وفی كل مَوطِنٍ مِّن المواطن فی الحياة۔

۴۸ مکاروں کی مکاریاں خود انہی پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار انہی پر آگری انکے مکر و فریب کی چھت ان کے اوپر سے، جس کے نیچے یہ خود آکر اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ اور اس طرح دوسروں کے لئے کھودے جانے والے گڑھے میں وہ خود ہی گر کر اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو اس طرح وہ لوگ حق اور اہل حق کا تو کچھ نہ بگاڑ

سکے، البتہ خود ہلاکت وتباہی کے ہولناک گڑھے میں گر کر اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے اور نور حق کو مٹانے کی بجائے خود ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹ گئے۔ اور مکر وفریب کی جو عمارت انہوں نے حق اور اہل حق کیخلاف بنائی تھی اور جس کو وہ لوگ اپنے طور پر بڑی مضبوط اور نہایت سخت سمجھ رہے تھے وہ اپنی چھت سمیت اوپر سے خود انہی پر آ گری۔ اور یہ لوگ ''من حفر بئرا لاخیہ وقع فیہ'' کا مصداق بن کر ہمیشہ کیلئے قصہ پارینہ بن گئے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو بُری سازشوں کا نتیجہ خود سازشی عناصر کی ہلاکت وتباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّءُ اِلَّا بِاَھْلِهٖ﴾ یعنی بُری سازش نہیں گھیرتی مگر اسکے بُننے والے کو ہی۔ والعیاذ باللہ جل علا۔

۴۹ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بے پناہی کا ذکر و بیان والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آ پہنچا ان پر اللہ کا عذاب وہاں سے جہاں ان کو گمان بھی نہ تھا یعنی وہ عذاب جس کے یہ لوگ اپنے کئے کے باعث مستحق ہو چکے تھے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو حق اور اہل حق سے عداوت اور دشمنی کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت وتباہی ہے۔ اور اس ضمن میں ملنے والی ڈھیل سے کبھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ وہ ڈھیل بہرحال ایک ڈھیل ہوتی ہے۔ جس نے بہرحال ختم ہو کر رہنا ہوتا ہے۔ سو بڑے ہی خسارے میں ہوتے ہیں وہ لوگ جو اس مہلت اور ڈھیل پر مست و مگن ہو کر اللہ کے عذاب سے نچنت اور بے فکر ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾۔ (الاعراف:۹۹) یعنی اللہ کے عذاب سے نڈر اور بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا ہوتا ہے، سو یہ خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۵۰ اللہ تعالیٰ کا عذاب بے سان و گمان والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو عذاب وہاں سے آیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا، چنانچہ قوم عاد و ثمود کے لوگ ہوا اور زلزلے وغیرہ سے نیست و نابود ہو گئے۔ نمرود کا مچھر جیسی حقیر مخلوق کے ذریعے کام تمام کر دیا گیا۔ فَصَدَقَ اللّٰہُ الْقَائِلُ۔ ﴿وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ﴾ الآیۃ۔ (المدثر:۳۱) یعنی تمہارے رب کے لشکروں کو اسکے سوا نہ کوئی جانتا ہے اور نہ جان سکتا ہے۔ اور دور حاضر میں بھی اس کے طرح طرح کے مظاہر جگہ جگہ رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کہیں تباہ کن زلزلوں کی شکل میں۔ کہیں ہولناک آتش فشاں کی صورت میں اور کہیں کی ایٹمی تابکاری کے نتیجے میں وغیرہ۔ مگر غفلت کی ماری دنیا ہے کہ وہ کل کی طرح آج بھی اس سے کوئی سبق نہیں لیتی اور ایسے لوگ اس طرح کے واقعات کو کسی طبعی عمل کا نتیجہ قرار دے کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں۔ اور وہ اس سے درس عبرت لینے کی بجائے الٹا غفلت کی اور گہری نیند میں محو ہو جاتے ہیں جن کے نتیجے میں آ کر کار وہ ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۵۱ منکروں کے لئے اصل عذاب آخرت میں، والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ آخرت میں ان کیلئے ذلت و رسوائی کا عذاب ہوگا، یعنی اسی دنیاوی عذاب پر ہی بس نہیں بلکہ اصل عذاب تو آخرت کا ہے جو کہ بہت ہی بڑا نہایت ہی سنگین ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ (القلم:۳۳) یعنی آخرت کا عذاب یقینی طور پر بہت بڑا ہوگا۔ نیز فرمایا گیا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَشَقُّ وَمَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ وَّاقٍ﴾ (الرعد:۳۴) یعنی آخرت کا عذاب یقیناً بڑا ہی سخت ہوگا اور ان کے لئے اللہ کی پکڑ سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ سو نور حق و ہدایت سے محرومی اور راہ حق و صداقت سے روکنے اور منع کرنے کا جرم ایسا ہولناک اور اس قدر سنگین جرم جو انسان کو دارین کی سعادتوں سے محروم کر کے دائمی ہلاکت اور تباہی کے

ہولناک گڑھے میں ڈل دیتا ہے۔ مگر آخرت کا وہ عذاب چونکہ عالمِ غیب میں ہے اس لئے دنیا اس سے غافل ولا پرواہ ہے۔ کل قیامت میں جب کشفِ حقائق کا وہ جہاں سامنے آئے گا تب انکی یاس وحسرت کا کوئی کنارہ نہیں ہوگا مگر بے وقت کے اس افسوس سے ان کو کوئی فائدہ بہر حال نہیں ہوگا۔ سوائے ان کی آتشِ یاس وحسرت میں اضافے کے، تو پتہ چلے گا وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۵۲ قیامت کے روز مشرکین کی رسوائی کا ایک منظر:۔ مفسدین ومنکرین تمام تر فساد اور خرابی کا اصل باعث چونکہ ان کا کبر وغرور اور استکبار تھا۔ اور جزاء چونکہ جنسِ عمل سے ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو قیامت کے روز رسوا کیا جائے گا۔ اور ان کی رُسوائی کا ایک منظر یہ ہوگا کہ اس روز ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ خود ساختہ شریک جن کو تم لوگوں نے از خود گھڑ رکھا تھا؟ اور تم بڑے گھمنڈ اور زور کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ یہ بڑی قوت اور بہت پاور والے ہیں۔ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ہمیں جو کچھ ملا ہے انہی سے ملا ہے۔ ''ہماری ان کے آگے اور انکی اسکے آگے'' ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾۔ یعنی ''یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے سفارشی ہوں گے۔ اور ہمارے حاجت روا ومشکل کشا ہیں۔ یہ ہمارا ہر کام بناتے اور ہمیں ہر جگہ کام آتے ہیں۔ اور کل آخرت میں بھی یہی ہمارا کام بنائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ سو اس روز ان سے کہا جائے گا کہ اب کہاں گئے تمہارے وہ شرکاء اور اب وہ تمہارے کام کیوں نہیں آتے؟ سو یہ ان سے انکی تذلیل وتحقیر کیلئے کہا جائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور مشرکین کی اس رُسوائی کی کچھ مزید تفصیل آگے آیت نمبر ۸۶ میں بھی آرہی ہے۔ سو یہاں پر اس بارے میں توجہ کی ضرورت ہے کہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر بڑا اور کتنا عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے عالمِ آخرت اور غیب کے ان عظیم الشان حقائق کو اس قدر صراحت ووضاحت کے ساتھ بیان فرمایا جن کے جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ تا کہ جس نے اس سے بچنا ہو وہ بچ جائے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کو ہمیشہ کے لئے پچھتانا پڑے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۵۳ اہلِ علم کی عظمتِ شان اور قیامت کے روز ان کی مسرت کا سامان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ علم والے کہیں گے کہ بڑی رسوائی ہے آج کے دن کافروں کیلئے۔ اور وہ ایسا خوشی اور شماتت کے طور پر بھی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل وکرم سے اس ہولناک عذاب سے بچالیا جس سے آج یہ لوگ دوچار ہو رہے ہیں۔ اور ایسا یہ حضرات ان بدبختوں کی مزید از مزید تحقیر وتذلیل کی غرض سے کہیں گے۔ سو اس سے دولتِ علم کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ سو علم کی روشنی ہی وہ روشنی ہے جو انسان کو مہلکات سے بچاتی ہے اور اس کو راہِ حق وہدایت سے سرفراز کرتی ہے۔ اور علم سے مراد وحی اور دین کا علم ہے کہ شان صرف اسی علم کی ہے۔ بہر کیف اوپر ان مفسدین کا ذکر تھا جو لوگوں کو بغیر کسی علم کے گمراہ کرتے ہیں۔ اسکے مقابلے میں یہاں پر اُن خوش نصیبوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، جن کو حق وہدایت کے علم کی روشنی سے نوازا گیا۔ جس کے مطابق انہوں نے خود بھی اپنے قلب وباطن کو منور کیا اور دوسروں کو بھی حق وہدایت کی راہنمائی کی۔ سو ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے روز جب ایسے لوگ شرک کے علمبرداروں کی رسوائی کا یہ منظر دیکھیں گے تو خوشی سے پکار اٹھیں گے کہ یقیناً اب ذلت ورسوائی ان مشرکوں کیلئے ہے جنہوں نے شرک ہی کی حالت میں جان دی۔ اس لئے اب وہ ذلت ورسوائی کے اس عذاب سے کبھی ہی نہ نکل سکیں گے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنا ہی بنائے رکھے اور اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ ۲۸ فَادْخُلُوْٓا

میں، یہ (فوراً) صلح کا پیغام ڈالیں گے ۵۴ کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے تھے ۵۵ (اس پر فرشتے کہیں گے کہ ہاں) کیوں نہیں، بلاشبہ اللہ

۵۴ **ظالموں کی جان کنی کے وقت کا ہولناک منظر:-** سو اس وقت ایسے ظالم لوگ جان قبض کرنے والے فرشتوں سے صلح کی درخواست کریں گے اور سراپا تسلیم بن جائیں گے۔ اور ان کی وہ سب اکڑفوں فرشتوں کو دیکھتے ہی ہرن ہو جائے گی جس کی بناء پر یہ لوگ دنیا میں حق کا انکار کرتے اور اسکی راہیں روکا کرتے تھے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو جن لوگوں نے اپنی فطرت کو تبدیل کر کے اور دین حق سے اعراض و روگردانی کی روش کو اپنا کر اور اس سے منہ موڑ کر خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اُس روز وہ اپنی موت اور جانکنی کیوقت فرشتوں کو دیکھتے ہی صلح کا پیغام دیں گے اور حق کی مخالفت اور دشمنی کو ترک کر کے اپنی فرمانبرداری کا اعلان کریں گے۔ مگر کہاں؟ اور کیونکر؟ (محاسن التاویل و معارف وغیرہ)۔ سو ایسے لوگوں کا سارا غرور و تکبر اور گھمنڈ و طنطنہ اسی وقت تک ہے جب تک کہ ان کو موت کے فرشتوں سے واسطہ نہیں پڑتا۔ جونہی ان سے واسطہ پڑے گا ان کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔ تب سب کچھ کھل کر ان کے سامنے آجائیگا اور یہ رہ رہ کر افسوس کرینگے والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۵ **اہل کفر و باطل کا اپنے جرم سے انکار:-** سو جانکنی کے اس موقع پر اہل کفر و باطل اپنے کفر و باطل کا اِنکار کر دیں گے۔ سو یہ ان کے اسی پیغامِ صلح ڈالنے کا ایک مظہر ہوگا جو یہ جانکنی کے اس موقع پر سراپا عجز و نیاز بن کر ڈالیں گے۔ اور اس انتہائی ناکام و نامرادی ایک نمونہ، جس سے یہ وہاں پر دوچار ہوں گے جس کی بناء پر یہ لوگ اپنی زندگی بھر کی اس کارگزاری کا یکسر اور حلفیہ انکار کر دیں گے۔ جس پر دنیا میں وہ فخر جتایا کرتے تھے، جیسا کہ دوسری جگہ ان کا یہ قول نقل فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام: ۲۳) ''اللہ کی قسم جو کہ ہمارا رب ہے ہم مشرک تھے ہی نہیں'' سو اس سے کفار کی ناکامی و نامرادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اگرچہ دنیاوی زندگی میں وہ دنیا بھر کے خزانوں ہی کے مالک کیوں نہ رہے ہوں۔ اور انہوں نے برسہابرس تک دنیا میں حکومت بھی کیوں نہ کی ہو۔ پس کتنے نادان ہیں وہ مسلمان جوان کافروں کے دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جن کا مآل و انجام یہ ہونے والا ہے۔ سو نورِ حق و ہدایت سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ان کی جانکنی کے موقعہ پر جب فرشتے سامنے آئیں گے اور وہ انکی جان نکالنے کیلئے ان کے مونہوں اور انکی پیٹھوں پر اپنے بھاری بھرکم گرزوں سے ضربیں لگا رہے ہونگے جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ تو اس وقت انکی آنکھیں کھل جائیں گی اور انکو سب کچھ پوری طرح نظر آجائے گا۔ تو اس وقت یہ لوگ اپنے جرم و قصور کا انکار کرتے ہوئے نہایت عاجزی اور لجاجت کے ساتھ معافی اور بخشش کی دعائیں کریں گے اور اپنے جرم و قصور کی قسمیں کھا کھا کر انکار کریں گے تاکہ ان پر رحم کیا جائے۔ مگر کہاں اور کیونکر؟ اس کا وقت تو بہر حال گزر چکا ہوگا۔ ﴿وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ﴾ یعنی کیسے ممکن ہوگا اُن کیلئے ایمان کا پانا اتنی دور جگہ سے؟

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى

دروازوں (میں اس کے) سب دوزخ تم جاؤ داخل ہو سو اب ۵۶ تھے رہے کرتے (زندگی بھر) لوگ تم جو کچھ سب وہ ہے جانتا طرح پوری

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ

سے، اس حال میں کہ تمہارا اس میں ہمیشہ کا رہنا مقدر ہو چکا ہے ۵۷ سو بڑا ہی برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والے کا ۵۸ اور (اس کے برعکس) جب

۵۶ اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت ان سے کہا جائیگا کہ ہاں، کیوں نہیں بلاشبہ اللہ پوری طرح جانتا ہے ان تمام کاموں کو جو تم لوگ کرتے رہے تھے، سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سب اعمال کو پوری طرح جانتا ہے سبحانہٗ وتعالیٰ، سو ایسے منکرین کو فرشتوں کی طرف سے اس وقت یہ جواب دیا جائے گا۔ یعنی اللہ تمہارے اس کفر و انکار کو پوری طرح جانتا ہے جس سے تم زندگی بھر کام لیتے رہے۔ اور اس سے تمہاری کوئی حرکت مخفی نہیں۔ پس اب تمہارے اس انکار کا کوئی فائدہ نہیں کہ تمہارے کئے کرائے کا سب ریکارڈ حاضر و موجود ہے۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ بہرکیف ان کے انکار پر فرشتوں کی طرف سے انکو یہ جواب ملے گا کہ کیوں نہیں۔ یعنی تم برائی کیسے نہیں کر رہے تھے؟ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کرتوتوں سے پوری طرح واقف و آگاہ ہے۔

۵۷ منکروں کیلئے دوزخ میں داخلے کا حکم۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو حکم ہوگا کہ اب تم داخل ہو جاؤ دوزخ میں ہمیشہ کیلئے جس سے نہ کبھی نکل سکو گے اور نہ ہی وہاں کا عذاب ایسا ہوگا کہ کبھی ختم ہو سکے یا کسی قدر ہلکا ہو سکے۔ اور جب تم لوگ کفر و باطل پر ہی زندگی بھر اڑے رہے اور تم کفر ہی کی حالت میں جان دی تو اب تمہارے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ایسے بدبختوں کو اس طرح کی کسی اپیل و درخواست کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور انکو اسی وقت صاف طور پر کہہ دیا جاتا ہے کہ اب داخل ہو جاؤ تم جہنم کے دروازوں میں، اسی میں رہنا ہے تم کو ہمیشہ کیلئے سو یہ وہ خسارہ ہے جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ ممکن ہی نہیں، اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۵۸ متکبروں کا ٹھکانہ بڑا ہی برا۔ والعیاذ باللہ:- سو بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا کہ اسی تکبر کے باعث وہ حق سے محروم ہوئے۔ اور اسی کے نتیجے میں وہ اس انجام سے دوچار ہوئے۔ اور ایسے کہ اس سے نکلنے اور چھٹکارا پانے کی اب کوئی صورت بھی ان کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ سو تکبر یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ محرومیوں کی محرومی اور فساد کی جڑ بنیاد ہے کہ اس کے نتیجے میں انسان حق بات کو سننے اور ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ اور آخر کار ہلاکت اور تباہی کے دائمی اور انتہائی ہولناک گڑھے میں اور عذابِ دوزخ میں گر کر رہتا ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اسی لئے مشہور اور صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ جس شخص کے دل میں ذرا برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ''لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من الکبر'' اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے اور اپنی رضا کی راہوں پر ہی چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

پرہیز گارلوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا اتارا ہے تمہارے رب نے؟ تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ایک بہت ہی بڑی بھلائی و۵۹ جنہوں نے

حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ

اچھائی کی اس دنیا میں ان کے لئے بڑی عظیم الشان بھلائی ہے و۶۰ اور آخرت کا گھر تو یقیناً (ایسے لوگوں کے لئے) اس سے کہیں بڑھ کر اچھا

۵۹ قرآن حکیم سراسر خیر وخوبی:۔ سو اس سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ منکرین کے برعکس متقین کے نزدیک قرآن حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثال خیر اور بھلائی ہے۔ یعنی ﴿ خَيْرًا ﴾ کی تنوین تعظیم کی ہے۔ اور فی الواقع یہ بھلائی اتنی بڑی ہے کہ اس کی بھلائی اور خیر و برکت دنیا و آخرت کی سب خیر و برکت کو حاوی و محیط ہے۔ ایسی خیر اور بھلائی جو انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی اور حقیقی فوز و فلاح کی کفیل و ضامن ہے۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہی سوال جب متقی اور پرہیز گار لوگوں سے کیا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا اتارا؟ تو یہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ایک بہت ہی بڑی خیر اور عظیم الشان بھلائی کہ یہ سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ والحمد لله جل وعلا، بكلّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

۶۰ نیکو کاروں کیلئے دنیا و آخرت کی سعادت کی بشارت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جنہوں نے اچھائی کی ان کیلئے اس دنیا میں بھی بڑی بھلائی ہیکہ وہ دنیا میں بھی حقیقی عزت، سچی ناموری، پاکیزہ زندگی اور سکون و اطمینان کی دولت سے سرفراز ہوں گے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ یعنی جن لوگوں نے صدق و اخلاص سے دین حق کو اپنایا اور وہ سچے دل سے اسکی تعلیماتِ مقدسہ پر عمل پیرا ہوتے ہیں او صدقِ دل سے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ (المراغی، المحاسن او المعارف وغیرہ) سو ایسے خوش نصیبوں کو آخرت کی اصل حقیقی اور دائمی کامیابی سے پہلے اس دنیا میں بھی عظیم الشان سعادتوں سے نوازا جاتا ہے جس کی ایک عظیم الشان اور جامع تعبیر ہے "حیات طیبہ" یعنی پاکیزہ زندگی جو سب عمدہ اور پاکیزہ صفات کی جامع اور ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ جس عظمت اور لذت کو دولتِ ایمان سے محروم لوگوں کے لئے سمجھنا بھی ممکن نہیں۔ بہر کیف اس ارشاد سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ نیکو کاروں کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی بشارت ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿من عمل صالحا من ذكر او انثى و هو مؤمن فلنحيينه حيوة طيبة ولنجزينهم اجرهم باحسن ما كانوا يعملون﴾۔ (النحل: ۹۷) نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ﴾۔ (آلِ عمران: ۱۴۸) و بالله التوفيق لما يحب و يريد جل و علا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ

ہوگا و۶۱ اور یقیناً بڑا ہی عمدہ گھر ہوگا پرہیزگاروں کا و۶۲ یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے ایسی عظیم الشان جنتیں جن میں وہ (باعزت طور پر) داخل ہوں گے،

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ

بہہ رہی ہوں گی ان کے نیچے سے طرح طرح کی نہریں، (اور) ان کے لئے وہاں پر ہر وہ چیز موجود ہوگی جو یہ چاہیں گے، اسی طرح

يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

اللہ بدلہ دیتا ہے ان پرہیزگاروں کو و۶۳ جن کی فرشتے جان قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں (اپنے عقیدہ وعمل

طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا

کے اعتبار سے) و۶۴ فرشتے ان سے کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر، داخل ہو جاؤ تم اس جنت میں، اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

(زندگی بھر) کرتے رہے تھے و۶۵ تو کیا یہ لوگ (جو حق واضح ہونے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے) اسی انتظار میں ہیں کہ آ پہنچیں

۶۱ اصل صلہ وبدلہ تو آخرت ہی کا ہے:- سو فرمایا گیا اور آخرت کا گھر تو یقیناً اس سے کہیں بڑھ کر اچھا ہوگا۔ اور اتنا بڑھ کر کہ یہاں پر اس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کہ آخرت اور اسکی ہر چیز دنیا اور اسکی ہر چیز سے کہیں اعلیٰ وارفع ہوگی۔ اس لئے مومن کا اصل مقصد اور حقیقی نصب العین تو آخرت کا اجر وثواب ہی ہوتا ہے۔ اور وہی ہونا چاہیے۔ لیکن متقین کے ایمان وتقویٰ کی برکت سے ان کو آخرت سے پہلے اس دنیا کی نوازشیں بھی نصیب ہوتی ہیں۔ سو تقویٰ دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے، کہ اس کے نتیجے میں انسان کو دنیا میں حیات طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں جنت کی نعیم مقیم سے سرفرازی نصیب ہوگی، اور آخرت دنیا سے کہیں بڑھ کر بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی بھی جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى سو اس سے یہ اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں نے دنیاوی زندگی اور اس کے حطام زائل ہی کو اپنا اصلی مقصد بنایا ہوا ہے وہ کس قدر خسارے میں ہیں، والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنا ہی بنائے رکھے اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے اور ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر ہی گامزن رہنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین، ویا ارحم الراحمین۔

۶۲ پرہیزگاروں کیلئے بڑا ہی عمدہ گھر:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یقیناً پرہیزگاروں کا گھر بڑا ہی عمدہ ہوگا، یعنی ان پرہیزگاروں کیلئے جنہوں نے زندگی بھر کفر وشرک اور معصیت ونافرمانی اور ہر اس چیز سے پرہیز کیا ہوگا جو رب تعالیٰ کی ناراضگی اور اُس کے غضب کا باعث بنتی ہو۔ سو تقویٰ وپرہیزگاری دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ وسیلہ ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ اور پرہیزگاروں کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان کا گھر بہت ہی عمدہ ہوگا۔ سو جس طرح متکبروں کے ٹھکانے کی برائی کی کوئی حد اور انتہاء نہیں ہوگی اسی طرح متقیوں کے اس گھر کی خوبی وکمال کی بھی کوئی حد وانتہا نہیں ہوگی۔ سو اصل دولت جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرور سرفراز کرنے والی دولت ہے وہ ایمان وتقویٰ اور پرہیزگاری کی دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت سے سرفراز کرنیوالی واحد دولت ہے۔ جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی واحد دولت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور علی وجہ الکمال والتمام نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ یامَنْ م بیدہ ملکوت کل شیء و یامن ھو اکرم الاکرمین وارحم الراحمین۔

۶۳ **اہل جنت کیلئے ہر خواہش کی تعمیل کی بشارت وخوشخبری:۔** سواس سے واضح فرمادیا گیا کہ اہل جنت کی ہر خواہش پوری ہوگی چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو وہاں پر ہر وہ چیز ملیگی جس کی وہ خواہش کرینگے، سو یہ جنت کی ایک امتیازی شان اور عظیم نعمت ہوگی۔ کہ اہل جنت کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ اور اس طرح کہ بغیر کسی محنت ومشقت، تگ ودو اور انقطاع ومحرومی کے۔ سو یہ جنت کی وہ عظیم الشان اور منفرد نعمت ہے جو یہاں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔ پس متقی لوگوں نے اس دنیا میں جو رب چاہی زندگی گزاری ہوگی اس کا صلہ وبدلہ ان کو وہاں پر یہی ملے گا کہ وہاں پر یہ خوش نصیب من چاہی زندگی گزاریں گے۔ اور جب یہ صلہ اس اکرم الاکرمین کی طرف سے ہوگا جس کی ہر شان نرالی اور ہر عطا بے مثل ہے تو یہ صلہ بھی ایسا ہی بے مثل ہونا چاہیے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے اور زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۶۴ **حسنِ انجام اور خاتمہ بالخیر کی اہمیت:۔** سواس سے معلوم ہوا کہ اصل اعتبار خاتمے کا ہے۔ خاتمہ اگر بالخیر نصیب ہوگیا تو سب کام بن گیا۔ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ فَاِیَّاکَ نَسْاَلُ اللّٰهُمَّ حُسْنَ الْخِتَامِ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَـآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ سو ایسے خوش نصیب حضرات جن کے باطن ایمان ویقین کے نور سے منور ہونگے اور جو پاکیزہ ہونگے۔ اپنے عقائد اور اخلاق کے اعتبار سے بھی، اور اپنے اقوال وافعال کے لحاظ سے بھی اسی پر انہوں نے زندگی گزاری ہوگی اور اسی پر ان کو موت آئی ہوگی اور وہ حسنِ انجام اور خاتمہ بالخیر کے شرف سے مشرف ہوئے ہونگے ان کو فرشتے سلام کریں گے اور جنت میں داخلے کی بشارت سے سرفراز کریں گے۔ (المراغی وغیرہ) سواس سے خاتمہ بالخیر کی عظمت واہمیت واضح ہوجاتی ہے، اور یہ کہ ایسے لوگ کتنے خوش نصیب ہوں گے، اللہ ہمیں انہی میں سے کرے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۶۵ **متقیوں کے لیے جنت میں داخلے کا حکم وارارشاد:۔** سوارشاد فرمایا گیا کہ ان خوش نصیبوں سے کہا جائے گا کہ داخل ہوجاؤ تم جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم لوگ کرتے رہے تھے اپنی دنیاوی زندگی میں۔ اور یہ بھی اُس اکرم الاکرمین کے کرمِ بے پایاں کا ایک نمونہ ومظہر ہے کہ وہ جنت کی ان عظیم الشان اور لامحدود نعمتوں کو اہل جنت کے اعمال کا بدلہ قرار دے رہا ہے جو کہ بہر حال ناقص بھی ہیں اور محدود بھی۔ اسی لئے حضور فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے اعمال کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہوسکے گا یہاں تک کہ خود میں بھی نہیں جاسکوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے اپنی آغوش میں نہ لے لے۔ پھر کسی اور کے اپنے اعمال کے بدلے میں جنت حاصل کر لینے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اللہ پاک کا اپنے بندوں پر یہ فضل وکرم چونکہ ان کے اَعمالِ صالحہ کی بناء پر ہی ہوگا اس لئے ان کے یہ اَعمال دخولِ جنت کا سبب اور باعث تو قرار دیے جاسکتے ہیں لیکن جنت اور اس کی لازوال نعمتوں کو ان کا عوض اور بدلہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ مگر یہ اس اکرم الاکرمین کا کرم اور احسان ہے کہ وہ اس کے باوجود جنت اور اسکی نعمتوں کو اہل جنت کے اعمال کا بدلہ قرار دے رہا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ بہر کیف اِن خوش نصیبوں کو فرشتے جنت کی خوشخبری سے نوازیں گے کہ اب تک تو برزخ میں جنت کی نعمتوں سے متمتع ومستفید ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ اب قیامِ قیامت پر تم جنت میں داخل ہوجاؤ اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تمارے لئے یہ خوشخبری ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی اس وقت تمہارا جنت میں داخل ہونا مقدر ہوچکا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ

ان کے پاس فرشتے (موت کے) یا آ جائے حکم تمہارے رب کا؟ ۶۶ (عذاب مقدر، یا قیامت کی صورت میں،) اسی طرح (کی ضد بازی

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ

اور ہٹ دھرمی کا معاملہ) وہ لوگ کر چکے ہیں جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے، اور (انہوں نے اپنے کیے کا مزہ بھی پا لیا، تو کہیں) اللہ نے

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا

ان پر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے ۶۷ سو آخرکار، پہنچ کر رہے ان کو برے نتیجے ان کے اپنے ان

۶۶ آخر کا ہے کی انتظار میں ہیں یہ لوگ؟:- جو حق کے پوری طرح واضح ہو جانے کے باوجود اس پر ایمان نہیں لاتے؟ کیا یہ لوگ اب اسی کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس آ جائیں فرشتے یا پہنچ جائے اللہ کا حکم؟۔ یعنی بالکل آخری وقت آ جائے۔ کیونکہ اب اس کے سوا اور کوئی کسر باقی نہیں رہی۔ اور اس وقت تو یہ لوگ آپ سے آپ مانیں گے اور چیخ چیخ کر، چلا چلا کر اور خوب خوب مانیں گے۔ اور ایمان لے آئیں گے۔ مگر اس کا فائدہ کیا؟ کہ اس وقت وہ ایمان قابل قبول نہیں ہوگا۔ بہر کیف اب ان کے سامنے حق کے واضح ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی؟ اس کے باوجود اگر یہ نہیں مانتے تو اسکے معنی یہی ہیں کہ اب یہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے آ کر ان کی جان قبض کرلیں۔ یا وہ عذاب آ جائے جو ان کی جڑ نکال دے۔ یا قیامت کی وہ آخری اور ہولناک گھڑی ہی آ دھمکے جس کے بعد سنبھلنے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ سو اس ارشاد میں ان لوگوں کو ایمان لانے کیلئے ترغیب و تحریض ہے تاکہ ایسے لوگ اپنے ہولناک انجام سے بچ جائیں۔ (المراغی، المحاسن اور المعارف وغیرہ) اللہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر ہی گامزن رکھے اور زندگی کا ہر لمحہ اور لحظہ راہِ حق میں صرف کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

۶۷ حق سے منہ موڑنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے والعیاذ باللہ سو یہ لوگ اپنے کفر و باطل پر اڑے رہے تھے۔ جس کا بھگتان انہیں بھگتنا پڑا سو وہی انجام آج کے ان منکروں کا بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کیلئے یکساں اور بے لاگ ہے سبحانہٗ و تعالیٰ سو نورِ حق و ہدایت سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس میں دور حاضر کے منکرین کیلئے تاریخ کا درسِ عبرت ہے کہ اسی طرح کے لچھن جن گزشتہ قوموں کے تھے وہ بالآخر اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں۔ سو اس آئینے میں تم لوگ بھی اپنا مستقبل دیکھ لو اور اپنی روش کی اصلاح کرو۔ ورنہ اسی انجام کیلئے تیار ہو جاؤ جس سے ماضی کی وہ بد اطوار قومیں دوچار ہو چکی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں اور ایک برابر ہے، اسکی گرفت و پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنا ہی بنائے رکھے آمین ثم آمین۔

عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ

اعمال کے، جو وہ خود (زندگی بھر) کرتے رہے تھے۶۸ اور گھیر لیا ان کو اسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۶۹

قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ

اور مشرک لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی عبادت نہ کرتے، (نہ ہم) اور نہ ہی ہمارے باپ

۶۸ بُرے اَعمال کے بُرے نتیجے۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار پہنچ کر رہے ان لوگوں کو ان کے اَعمال کے برے نتائج۔ حق کا انکار کر کے اور اپنے کفر و باطل پر اڑ کر۔ سو کفر و باطل کی راہ بہر حال ہلاکت و تباہی کی راہ ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور برائی کا نتیجہ بہر حال برا ہے اور اس کے ظہور میں جو تاخیر ہوتی ہے اس سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑھنا چاہیے کہ قدرت نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ وہ اپنے وقت پر بہر حال ظاہر ہو کر رہے گی۔ پس ان بد بخت قوموں پر جو ہولناک اور تباہ کُن عذاب آئے وہ ان کے اپنے اعمال کا طبعی نتیجہ تھا۔ جس کو انہوں نے بہر حال بھگتنا تھا۔ اور بالآخر انہوں نے اس کو بھگتا۔ پس اس سے سبق لے لو اے دیدۂ بینا رکھنے والو! مگر دنیا میں نگاہِ عبرت ہی عنقاء ہے، الا ماشاء اللہ، والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۶۹ حق اور اہلِ حق کا مذاق اڑانے والوں کا انجام بُرا۔ والعیاذُ باللہ:- سو ایسے بدبختوں کو ڈھیل خواہ جتنی بھی ملے ان کا انجام بہر حال بہت بُرا ہوتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور گھیر لیا ان کو اسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ یعنی اس عذاب نے جس کے وہ مستحق تھے۔ اور جس سے انہیں خبردار کیا جاتا رہا تھا۔ مگر وہ ماننے اور اس عذاب سے بچنے کی فکر کرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ پہنچ کر رہے اپنے اس ہولناک انجام کو جس کا مستحق انہوں نے خود اپنے آپ کو بنا لیا تھا۔ سو حضرات انبیاء و رسل کی باتوں کی تکذیب اور ان کے مذاق اڑانے کا نتیجہ و انجام بڑا ہی برا اور نہایت ہی ہولناک ہوتا ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور ایسے لوگ اپنے دُنیوی عیش و عشرت او بطن و فرج کی شہوات و خواہشات کی تکمیل و تحصیل میں محو و منہمک ہو کر اپنے مخصوص کافرانہ اور باغیانہ انداز میں کہا کرتے تھے۔: "ارے کہاں کا عذاب و عقاب اور اَجر و ثواب؟ اور کہاں کی جنت دوزخ؟۔ والعیاذ باللہ۔ یہ تو ایسے ہی دل بہلانے کی اور خیالی باتیں ہیں اور بس۔ یہ دنیا اور اسکی عیش کوشیاں ہی سب کچھ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ سو وقت آنے پر غفلت کے ایسے ماروں سے کہا جائے گا۔ یہ ہے دوزخ کی وہ آگ جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِىْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ تب پتہ چلے گا وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر ہی چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ

دادا، اور نہ ہی ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ف۷ (سو ان کی یہ حجت بازی کوئی نئی چیز نہیں بلکہ) اسی

مِنْ شَیْءٍ ط كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ج فَهَلْ

طرح کیا ان لوگوں نے جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے ف۷۱ سو پیغمبروں (کا اس طرح کی باتوں سے کچھ نہیں بگڑا، کہ ان) کے

۷۰ مشرکین کے ایک مغالطے کی تردید:۔ یعنی یہ کہ وہ لوگ اپنے کفر و شرک اور اپنے شرکیہ اعمال کیلئے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے استدلال کرتے تھے، یعنی یہ کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ کسی چیز کو از خود حرام ٹھہراتے۔ یعنی "بحیرہ" و "سائبہ" وغیرہ جن چیزوں کو انہوں نے از خود حرام قرار دے رکھا تھا۔ مشرکین کے اس قول باطل کا مُدَّعا و مقصد یہ تھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے حکم و ارشاد اور اس کی رضاء اور مشیت سے کرتے ہیں۔ اور اس پر وہ راضی ہے۔ ورنہ ہم ایسا کیوں کرتے۔ اور وہ ہمیں اس کیلئے یہ چھوٹ کیوں دیتا؟ حالانکہ مشیتِ خداوندی اور چیز ہے اور رضائے خداوندی بالکل دوسری چیز۔ اسکی مشیت سے اس کی رضاء لازم نہیں آتی۔ وہ کفر و شرک اور معاصی و ذنوب پر کبھی راضی نہیں ہوسکتا سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس کا اپنا ارشاد اور قول فصل ہے۔ ﴿وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ الآیۃ (الزمر: ۷) سو مشرکین کا یہ قول محض ایک قولِ باطل، مغالطہ اور محض ایک عذرِ لنگ ہے۔ جس سے وہ اپنے باطن کی سیاہی کو اور گہرا اور پکا کرتے ہیں وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ مشرک لوگ کہتے ہیں کہ ہم جن خود ساختہ بتوں اور معبودوں کی پوجا پاٹ کرتے اور "بحیرہ" و "سائبہ" وغیرہ جن چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں تو یہ سب اللہ کی مرضی سے کرتے ہیں۔ ورنہ وہ ہمیں ایسا کیوں کرنے دیتا۔ ہمیں اپنی قدرت سے ان کاموں سے روک دیتا۔ سو یہ ان لوگوں کی محض کج بحثی اور کٹ حجتی ہے۔ جس کا حق اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ ابھی اوپر گزر چکا وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ، وَّزَیْغٍ وَّضَلَالٍ وَّانحراف۔

۷۱ موجودہ کفار و مشرکین اپنے پیشروؤں کے طریقے پر:۔ چنانچہ ان لوگوں کے اس مغالطے کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح کیا اُن سے پہلے کے لوگوں نے، سو ان کا ایسا کہنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ اسی طرح کیا ان سے پہلے کے اہل کفر و باطل نے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے کفر و باطل پر اڑے رہے۔ اور حق کے مقابلے میں طرح طرح کی حجت بازیوں اور خرمستیوں سے کام لیتے رہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ تو جب دونوں فریقوں کے جرائم ایک سے ہیں تو ان کے عذاب بھی ایک جیسے ہوں گے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو دورِ حاضر کے ان اہل کفر و باطل کو ان گزشتہ اقوام سے سبق لینا چاہیے اور ایسے ہولناک انجام سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔ قبل اس سے کہ یہ اسی انجام سے دوچار ہوں جس سے وہ لوگ دوچار ہو چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کیلئے ایک اور بے لاگ ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو فرصتِ عمر کے تمام ہونے سے پہلے ایسے لوگوں کے لئے تلافیِ مافات کا موقع موجود ہے مگر اس کے بعد اس کا کوئی موقع ممکن نہ ہوگا۔ بلکہ اسکے بعد ہمیشہ کیلئے اپنے کئے کرائے کا بھگتان بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔

عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا

ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے کھول کر ۴۲ (حق اور حقیقت کو، اور بس، اور یہ کام وہ کر چکے) اور بلاشبہ ہم نے ہر امت میں

فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا

(اس بات کی تعلیم کے لئے کوئی نہ کوئی) پیغام رساں ضرور بھیجا ہے، کہ تم لوگ بندگی کرو اللہ کی اور بچتے رہو

الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ

طاغوت سے ۴۳ پھر ان میں سے کسی کو اللہ نے نواز دیا (نورِ حق و) ہدایت سے ۴۴ اور کسی پر ٹھپہ لگ گیا گمراہی کا ۴۵ سو تم لوگ چل

حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

پھر کر دیکھو (اللہ کی) زمین میں، کہ کیسا ہوا انجام (حق کو) جھٹلانے والوں کا ۴۶ اگر آپ (اے پیغمبر!) ان کی ہدایت کی طمع

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ

بھی کریں تو (اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ہدایت تو اللہ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے اور) یقیناً اللہ کسی ایسے شخص

تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ

کو (نورِ حق و) ہدایت سے نہیں نوازتا جس کو وہ گمراہی (کی دلدل) میں ڈال دیتا ہے (اس کی ہٹ دھرمی کی بناء پر،)

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

اور ایسوں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا، ۴۷ اور انہوں نے اللہ کے نام کی کڑی قسمیں

۴۲ پیغمبروں کے ذمے صرف پیغام رسانی اور بس:- اس کے بعد انکی ذمہ داری ختم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پیغمبروں کے ذمے تو صرف پیغام حق کو پہنچا دینا ہے کھول کر اور بس۔ آگے منوانا نہ تو ان کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ بلکہ یہ امر تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے نورِ حق و ہدایت سے سرفراز فرمادے اور جس کو چاہے اس سے محروم کر دے کہ اس چیز کا مدار و انحصار اصل میں انسان کے اپنے باطن اور اسکی نیت و ارادہ پر ہے۔ سو جس میں طلبِ صادق اور نیتِ خالص موجود ہوگی اس کو وہ اپنے کرم سے نورِ حق و ہدایت سے نوازے گا۔ اور جو طلبِ صادق اور نیتِ خالص سے محروم ہوگا وہ نورِ حق و ہدایت سے بھی محروم رہے گا وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور لوگوں کے دلوں اور ان میں پوشیدہ نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں سبحانہ و تعالیٰ۔ وہی جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے کہ کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے اور کون کس کے لائق ہے؟ اس لئے عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اس خالق و مالک سے اپنے ظاہر و باطن کا معاملہ

صحیح رکھے کہ اس سے اس کی کوئی بھی حالت اور کیفیت کسی بھی طرح مخفی نہیں رہ سکتی۔ پس ہمیشہ اور ہر حال میں اس کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح رکھنے کی کوشش کرے وباللہ التوفیق۔ تبلیغ حق کے بعد قبولِ حق کی ذمہ داری خود لوگوں کے اپنے ذمے ہے۔ اس کے بعد لوگ اپنے کیے کرائے کے خود ہی ذمہ دار اور جوابدہ ہوں گے۔ اور انکے لئے کسی عذر ومعذرت کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

۴۳ طاغوت سے اجتناب کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ بندگی کرو ایک اللہ کی اور بچتے رہو طاغوت سے۔ کہ طاغوت سے تعلق اور اسکی بندگی سراسر ہلاکت وتباہی ہے۔ تو پھر مشرکین کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ اللہ ہمارے شرک سے راضی ہے؟ اور ''طاغوت''، ''طغیان'' سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ جس کے عموم میں ہر معبودِ من دون اللہ داخل ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو کہیں کا بھی ہو۔ (معالم، خازن، ابوالسعو دوغیرہ) لیکن جہاں بھی کسی نے شرک کیا اور غیر اللہ کی پوجا کے جرم کا ارتکاب کیا وہاں اس کے پیچھے شیطان ہی رہا۔ اور شیطان ہی کے اِغوا واِضلال سے ایسے لوگوں کے کفر وشرک وغیرہ جیسے سنگین اور ہولناک جرائم کا ارتکاب کیا۔ اس لئے طاغوت کا اصل اور سب سے بڑا مصداق شیطان ہی ہے وَالْعِیَاذُ بِـاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو ان لوگوں کا یہ کہنا کہ اللہ ہمارے کفر وشرک سے راضی ہے قطعی طور پر غلط اور خلاف واقع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ دنیا والوں کو یہی تعلیم وتلقین فرمائی کہ تم لوگ ایک اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ یہی تقاضا ہے عقل ونقل اور فطرتِ سلیمہ کا۔ اور اسی میں انسان کا بھلا ہے دنیا اور آخرت دونوں میں، وباللہ التوفیق۔

۴۴ طلب صادق، باعثِ سرفرازی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان میں سے کسی کو اللہ نے نورِ ہدایت سے نواز دیا۔ جو کہ اسکا اہل تھا اور اسکے باطن میں طلبِ صادق پائی جاتی تھی۔ اور وہ عناد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا نہیں تھا۔ کیونکہ جو عناد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ دولتِ حق وہدایت سے محروم ہوجاتے ہیں کہ ہدایت کی دولت جو کہ سب سے بڑی دولت ہے ملتی تو اس واہب مطلق کی طرف سے مفت اور بالکل مفت ہے لیکن اسکے لئے اولین تقاضا اور بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان کے اندر اس کے لئے طلبِ صادق پائی جاتی ہو۔ نہیں تو محرومی ہی محرومی ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو صدقِ نیت اور طلب صادق نورِ حق وہدایت سے سرفرازی کی اصل بنیاد اور اولین اساس ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اسکی نوازشوں کا مدار وانحصار اسی پر ہے۔ پس ہمیشہ اس چیز کو ہی اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لمایحب و یرید، وعلی ما یحب ویرید۔

۴۵ عناد وہٹ دھرمی باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور کسی پر ٹھپہ لگ گیا گمراہی کا والعیاذ باللہ۔ اس کی اپنی بدنیتی اور سوءِ اختیار کی وجہ سے وَالْعِیَـاذُ بِـاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ کہ جب وہ ہدایت چاہنے کی بجائے اس کے مقابلے میں عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے تو پھر اسکو اس دولتِ بے مثال سے کیونکر نوازا جاسکتا ہے؟ کہ یہ ایسی چیز ہی نہیں کہ اسکو نہ چاہنے کے باوجود کسی پر یونہی مڈھ دیا جائے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ﴾۔ (ہود:۲۸) یعنی ''کیا ہم اس کو تم پر چپکا دیں گے جبکہ تم اسکو نہ چاہتے ہو؟'' استفہام انکاری ہے۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا۔ سو حضراتِ انبیائے کرام کی بعثت وتشریف آوری کے بعد لوگ دو قسموں میں منقسم ہوگئے۔ ایک وہ جنہوں

نے صدقِ دل سے انکی دعوت پر لبیک کہا اور وہ حق وہدایت سے سرفراز ہو کر دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ مند ہوگئے۔ اور دوسرے وہ جنہوں نے ان کی دعوت کے جواب میں عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا اور اس کے نتیجے میں ان پر گمراہی کا ٹھپہ لگ گیا اور وہ دارین کے خسارے میں مبتلا ہوگئے اور یہ ہے سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ، جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ ہو سکتا ہی نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۷۶ اِنکار وتکذیبِ حق کا آخری انجام ہولناک تباہی۔ والعیاذ باللہ:۔ سو تم لوگ زمین میں چل کر پھر کر دیکھو کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا؟ اور کس طرح وہ بدبخت اپنے کفر وانکار اور عناد وہٹ دھرمی کے نتیجے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ مٹا کر ختم ہوگئے۔ پس زمین کی سیر وسیاحت اور اس میں چلنا پھرا اور آثارِ قدیمہ کا مطالعہ ومشاہدہ کرنا محمود ومطلوب شئی ہے جبکہ اس سے مقصود عبرت پزیری اور سبق لینا ہو۔ ورنہ عبث وبیکار ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو عبرت انگیز انجام ہو اُن لوگوں کا جنہوں نے حق کی دعوت کو جھٹلایا اور حضراتِ انبیائے کرام کی تکذیب کی جیسے قومِ نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط وغیرہ وغیرہ۔ سو حق کی تکذیب اور حضراتِ انبیاء ورُسُل کی دعوت وتبلیغ کے جواب میں اِعراض واستکبار سے کام لینے اور ان کی توہین وتکذیب کے ارتکاب کا آخری نتیجہ وانجام بہرحال ہلاکت وتباہی ہوتا ہے۔ اور اس سلسلے میں ملنے والی ڈھیل اور مہلت سے کبھی کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے کہ وہ بہرحال ایک ڈھیل اور مہلت ہی ہے جس سے حق تعالیٰ محض اپنی شانِ کرم وعنایت سے اور اِتمامِ حجت اور اِزالۂ عذر کیلئے نوازتا ہے اور بس سبحانہ وتعالیٰ۔ اور اس ڈھیل اور مہلت نے بہرحال ختم ہو کر اور اپنے آخری نتیجہ وانجام کو پہنچ کر رہنا ہے۔ اسکے بعد بہرحال محرومی اور ہلاکت وتباہی ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ

۷۷ پیغمبر کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کی ہدایت کی حرص اور طمع بھی کریں تو بھی انہوں نے ہدایت قبول نہیں کرنی کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جن کو وہ گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ پس اب یہ لوگ ہدایت لانے والے نہیں ہیں کہ یہ اپنے خُبثِ باطن اور سوءِ اختیار کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے قانونِ ضلالت کی زد میں آچکے ہیں۔ اب یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ پس آپ کو ان کی وجہ سے پریشان ہونے اور غم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس آپ ان بدبختوں کی محرومی اور پیغامِ حق وہدایت سے ان کے اِعراض واستکبار اور روگردانی پر افسوس نہ کریں کہ یہ اپنی ضد وعناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اس کے لائق ہیں ہی نہیں۔ سو قصور آپ کا نہیں ان کا اپنا ہے۔ ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ﴾۔ سو اس میں حضرت امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے جب یہ لوگ اپنے عناد وہٹ دھرمی کی بناء پر ایمان لانے والے نہیں ہیں تو آپ ﷺ انکی وجہ سے غمگین اور پریشان نہ ہوں۔ آپ کا کام تبلیغِ حق اور ادائے رسالت ہے۔ اور وہ آپ کر چکے اور بتمام وکمال کر چکے۔ پس آپ اپنی ذمہ داری سے فارغ وسبکدوش ہوگئے۔ اب ان کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ یہ اپنے حال ومآل اور نتیجہ وانجام کے خود ذمہ دار ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے حق اور ہدایت کی دعوت کے مقابلے میں عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

اَیۡمَانِہِمۡ ۙ لَا یَبۡعَثُ اللّٰہُ مَنۡ یَّمُوۡتُ ؕ بَلٰی وَعۡدًا

کھا کر کہا کہ جو کوئی مر جاتا ہے اللہ اسے دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا (اور قیامت نہیں آئے گی) کیوں نہیں ۷۸ اللہ

عَلَیۡہِ حَقًّا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۸﴾ ۙ

نے (دوبارہ زندہ کرنے کا) یہ وعدہ اپنے ذمے لازم کر رکھا ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ۷۹ اور (دوبارہ زندہ ہونا اس

لِیُبَیِّنَ لَہُمُ الَّذِیۡ یَخۡتَلِفُوۡنَ فِیۡہِ وَ لِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ

لئے بھی ضروری ہے) تاکہ اللہ ان کے سامنے کھول کر رکھ دے ان تمام حقائق کو جن کے بارے میں یہ لوگ اختلاف کیا

کَفَرُوۡۤا اَنَّہُمۡ کَانُوۡا کٰذِبِیۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ

کرتے تھے ۸۰ اور (اس لئے بھی) تاکہ کافر لوگ یقینی طور پر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے، (اور مر کھپ جانے کے بعد دوبارہ

اِذَاۤ اَرَدۡنٰہُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۴۰﴾ ع وَ الَّذِیۡنَ

زندہ ہونے کو ہماری قدرت کے سامنے کچھ مشکل نہ سمجھو، کیونکہ) ہماری شان یہ ہے کہ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو

ہَاجَرُوۡا فِی اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّہُمۡ

اس کے لئے ہمیں صرف اتنا کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے ۸۱ اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں اس کے

۷۸ کفار کا قسمیں کھا کر آخرت کا انکار کرنا:۔ سو اس سے کفار کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کا ایک اور نمونہ ومظہر سامنے آتا ہے کہ انہوں نے کڑی قسمیں کھا کر کہا کہ اللہ مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کیوں نہیں؟ یعنی ضرور اٹھائے گا کہ عدل وانصاف کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس کے اپنے وعدے وعید کا بھی جو کہ اس نے اپنے ارادہ واختیار اور کرم وعنایت سے اپنے ذمے لے رکھا ہے تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ عدل وانصاف کے تقاضے صحیح طور پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس کائنات کی تخلیق کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ سو وہ مرنے کے بعد دوبارہ ضرور اٹھائے گا سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہر کیف ان لوگوں نے تو اللہ تعالیٰ کے نام کی پکی قسمیں کھا کر کہا کہ اللہ مرنے کے بعد کسی کو بھی دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ لیکن اللہ نے سب کو دوبارہ اٹھانے کا حتمی وعدہ فرما رکھا ہے۔ اور وہ اپنے وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں فرمائے گا۔ پس قیامت ضرور بپا ہو کر رہے گی۔

۷۹ اکثر لوگ نورِ علم سے محروم والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں، سو اکثر جانتے نہیں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت، اس کے علمِ محیط، اس کی حکمتِ بالغہ وغیرہ، صفاتِ عالیہ کو۔ اور اس عظیم کائنات کے سرِّ وجود اور مقصدِ

تخلیق کو، جس سے وہ طرح طرح کی گمراہیوں کے گڑھے میں گرتے ہیں۔ سو حق وہدایت سے لاعلمی و بے خبری جڑ بنیاد ہے تمام شر و فساد کی۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ غیروں کو چھوڑ کر خود مسلمانوں ہی کو دیکھ لیا جائے کہ ان میں کتنے ایسے ہوں گے جو قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ کا علم رکھتے ہوں گے۔ جہالت اور بے خبری نے ان کا بیڑا غرق کر دیا اور اسی سے طرح طرح کے فتنے پھوٹتے اور فساد پیدا ہو رہے ہیں کہ مسلمان اپنے دین کو جانتا نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ جس کی وجہ سے وہ جہالت اور بے خبری کے طرح طرح کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے الا ماشاء اللہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۸۰ اختلافات کا آخری فیصلہ قیامت کے دن ہی ہوگا:۔ سو اختلافات کا آخری اور عملی فیصلہ قیامت کے یومِ فصل ہی میں ہو سکے گا۔ یعنی عملی طور پر اور ان کی آخری شکل میں۔ ورنہ علمی طور پر تو وہ حق اور حقیقت کو اس دنیا ہی میں آشکارا فرما چکا ہے۔ اور اپنے اس آخری اور ابدی کلام حق کو جو قولِ فصل بنا کر اتارا ہے تو اسکے بعد تو اس بارے کوئی خفاء وغموض باقی رہ ہی نہیں جاتا۔ حق وباطل سب کچھ پوری طرح واضح ہو کر اور نکھر کر سامنے آگیا ہے۔ لیکن کتنی دنیا ہے کہ حق کو پھر بھی نہیں مانتی اور اس کے بارے میں طرح طرح کی حجت بازیوں سے کام لیکر وہ اس سے گریز و فرار پر اڑی ہوئی ہے۔ سو اس سب کا فیصلہ آخری اور عملی طور پر قیامت کے اس یومِ فصل میں کر دیا جائے گا جبکہ ہر کوئی اپنے انجام کو پہنچ کر رہے گا۔ اور ایسا کہ اس کے بعد کسی کیلئے کسی شک وانکار اور حیل وحجت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی، وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔

۸۱ اللہ تعالیٰ کی شانِ کن فیکون کا حوالہ وذکر:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ حضرتِ حق جل مجدہ کی شان کن فیکون کی شان ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور اِنَّمَا کے کلمۂ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے ہمیں صرف اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا' پس وہ ہو جاتا ہے۔ کہ اہل دنیا کی طرح ہم کوئی اسباب ووسائل یا وقت اور مہلت کے محتاج نہیں۔ بلکہ ہماری شان تو کن فیکون کی شان ہے کہ جو چاہا ہو گیا۔ جس کے ہونے کا حکم فرمایا گیا وہ وجود میں آگیا۔ سو اسکی اسی شانِ اقدس واعلیٰ کے مطابق قیامت اسکے حکم وارشاد کے مطابق پل بھر میں واقع ہو جائیگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر﴾ "اور ہمارا معاملہ تو ایک کلمے کی طرح ہے جس نے پل بھر میں ہو کر رہنا ہوتا ہے" (القمر: ۵۰)۔ نیز ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فانما ھی زجرۃ واحدۃ فاذاھم بالساھرۃ﴾۔ یعنی "قیامت کو بپا کرنے کیلئے تو محض ایک ڈانٹ اور جھڑکی ہوگی جس کے نتیجے میں یہ سب کے سب حشر کے اس کھلے میدان میں موجود ہونگے" (النازعات: ۱۳-۱۴)۔ نیز فرمایا گیا۔ ﴿ماخلقکم و لا بعثکم الا کنفس واحدۃ ان اللہ سمیع بصیر﴾ یعنی "تم سب لوگوں کا دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ایک ہی شخص کے اٹھانے کی طرح ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے۔" سبحانہٗ وتعالیٰ۔ (لقمان: ۲۸) سو تمہارے نزدیک اے منکرو مرنے کی بعد دوبارہ اٹھایا جانا اگرچہ ایک انہونی اور ناممکن چیز ہے لیکن اللہ کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ اس قادر مطلق کے صرف ارادہ واشارہ کی دیر ہے اور بس۔ پس تم لوگ جو اس قادر مطلق کو اپنے اوپر قیاس کر کے ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر حقائق کا انکار کرتے ہو تو یہی دراصل باعث اور سبب ہے تمہاری محرومی کا۔ جس کا نتیجہ وانجام تم لوگوں کو بڑی ہولناک صورت میں بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

وقف لازم

فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً ؕ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ ۘ لَوْ کَانُوْا

بعد کہ ان پر ظلم ڈھائے گئے، ہم ان کو ضرور عمدہ ٹھکانا دیں گے اس دنیا میں بھی و۸۲ اور آخرت کا ثواب تو یقیناً اس سے کہیں

یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

بڑھ کر ہے، کاش کہ لوگ جان لیتے (اس حقیقت کو) و۸۳ (سو ان وعدوں کے مستحق وہ لوگ ہیں) جنہوں نے صبر سے کام لیا و۸۴

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ

اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں و۸۵ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (اے پیغمبر!) کسی کو بھی رسول

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾

بنا کر سوائے مَردوں کے و۸۶ جن کی طرف ہم وحی کرتے رہے سو تم لوگ (اے انکار کرنے، اور اچنبھا سمجھنے والو!) پوچھ لو

بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ

اہل ذکر سے، اگر تم خود نہیں جانتے و۸۷ روشن دلائل اور الہامی کتابوں کے ساتھ، اور ہم نے آپ کی طرف بھی اتارا اس ذکرِ (حکیم) کو،

۸۲ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کیلئے عمدہ ٹھکانے کا وعدہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، اسکے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا انکو ہم ضرور عمدہ ٹھکانا دینگے دنیا میں بھی اور آخرت کا اجر و ثواب تو یقیناً اس سے کہیں بڑھ کر ہے، سو اس میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کیلئے صاف اور صریح طور پر عمدہ ٹھکانے سے نوازنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور بالفعل ایسا ہوا بھی۔ جیسا کہ حضور کے صحابۂ کرام کو مدینہ طیبہ میں ٹھکانہ دیا۔ اور اس کے علاوہ دنیا میں آج تک بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے اس سے مظاہر نظر آتے ہیں۔ بشرطیکہ ہجرت دین کیوجہ سے اور دین کی خاطر اور خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے ہو۔ اور اگر کہیں اس کے خلاف نظر اائے تو وہاں یا تو ان شرائط میں کوئی قصور و خلل ہوگا یا ایسا کسی ابتلاء و آزمائش کے طور پر ہوگا۔ یا کچھ استثنائی واقعات کے طور پر کچھ دوسری حکمتوں کی وجہ سے جن کا احاطہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ صاف اور صریح طور پر اپنے عموم و شمول کے ساتھ ان سب ہی لوگوں کیلئے موجود ہے کہ جنہوں نے ظلم سہنے اور مظالم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی کہ ان کو ہم اس دنیا میں بھی عمدہ ٹھکانہ دیں گے۔ سو اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں اور گھر بار وغیرہ سب کچھ کی قربانیاں دینے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اجر و ثواب سے ضرور نوازے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سو اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے ہجرت ایک بڑا ہی مبارک عمل ہے۔

۸۳ علم حق کی عظمت و اہمیت کا ایک مظہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کاش کہ لوگ جان لیتے، یعنی جان لیتے اس حقیقت کو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کس قدر عظمت شان والا ہے اور اس طرح یہ لوگ سکون و اطمینان سے رہتے اور یہ کبھی پریشان نہ ہوتے

کہ اخلاص واستقامت کے نتیجے میں انسان کو اس دنیا میں بھی عمدہ ٹھکانا اور پاکیزہ زندگی ملے گی۔ اور دنیا کے بعد آخرت کے اس ابدی جہان میں بھی اسکو جنت کی وہ عظیم الشان ابدی اور سدا بہار نعمتیں نصیب ہوں گی جن کا یہاں پر کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ سو اگر لوگ اس حقیقت کو جان لیتے اور وہ اس کے بموجب عمل پیرا ہوجاتے تو ان کی زندگی کے طور طریقے یکسر مختلف ہوتے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ کاش کہ یہ لوگ جان لیتے اللہ کے وعدے کی قدر و قیمت اور آخرت کے اجر و ثواب کی عظمتِ شان کو۔ تو اس وقت ان کو اس حقیقت کا بخوبی احساس اور اندازہ ہوجاتا کہ جن لوگوں کو یہ لوگ محروم سمجھتے ہیں انہوں نے دنیا و آخرت دونوں کی کتنی بڑی بازی جیتی ہے۔ سو حق و حقیقت کے علم کی روشنی انسان کیلئے سعادتِ دارین کی راہیں روشن اور منور کرنے والی راہ ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

۸۴ صبر و استقامت وسیلۂ سرخروئی و سعادت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جنہوں نے صبر سے کام لیا راہِ حق و صواب پر اور اس راہ میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات پر اور انہوں نے اپنے ہی رب پر بھروسہ رکھا وہی مستحق ہیں ان وعدوں اور ان انعامات کے۔ سو صبر و استقامت اور اپنے رب پر بھروسہ و توکل شہ کلید ہے دارین کی سعادت و سرخروئی کی اگرچہ ہجرت کے یہ فضائل و برکات ہر زمانے کے مہاجرین کیلئے ہیں اور الفاظ کا عموم ان سب ہی کو شامل ہے۔ لیکن اس کے اولین اور سب سے اہم مصداق حضورؐ کے وہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے اپنے دین کیلئے اور اپنے رب کی رضاء کی خاطر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ (معارف القرآن للکاندھلویؒ) بہرکیف راہِ حق و ہدایت پر صبر و استقامت بڑی عظیم الشان اور دارین کی سعادت سے سرفراز کرنے والی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں راہ حق پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

۸۵ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم و تلقین:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں، نہ مخلوقات میں سے کسی عاجز اور فانی سہارے پر۔ جس طرح کہ عام ابنائے دنیا کا حال ہے۔ اور کلمہ گو مشرک تو ایسے شرکیہ اور خودساختہ سہاروں کے لئے قرآن وسنت کی نصوصِ مقدسہ میں تاویل و تحریف سے بھی نہیں چوکتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف ان مومنین صادقین اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی ایک اہم صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ مصائب و مشکلات کے ہر دور اور ہر حال میں اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ وہی خالق و مالک ہے سب کا۔ اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سو اس توکل اور اعتماد علی اللہ کی بدولت وہ ہمیشہ مطمئن رہتے ہیں کہ اللہ ان کو تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ ہر موڑ پر اور ہر مشکل کے موقعہ پر انکی مدد فرمائے گا۔ سو حالات خواہ کتنے ہی ناموافق اور نامساعد کیوں نہ ہوں ایسے بندگانِ صدق وصفا اپنے اس اعتماد اور توکل علی اللہ کی بناء پر مطمئن رہتے ہیں۔ اور یہی صبر و توکل راہِ حق میں اور خاص کر ہجرت الی اللہ کی راہ میں ان کیلئے اصل زادِ راہ ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، سبحانہ وتعالیٰ۔

۸۶ سب پیغمبر بشر اور مرد ہی ہوئے ہیں:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے آپ سے پہلے (اے پیغمبر!) کسی کو بھی رسول بنا کر نہیں بھیجا سوائے مردوں کے۔ کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے انسان ہی کا رسول بن کر آنا عقل وفطرت کا تقاضا ہے۔ پس ان مشرکین کا آپ کی بشریت کاملہ کی بناء پر آپ رسالتِ حقہ پر اعتراض کرنا سراسر ان کی جہالت وحماقت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ معلوم ہوا کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے بشر ہی رسول بن کر آئے ہیں۔ نہ کوئی فرشتہ آیا نہ جن۔ اور نہ ہی کبھی کسی عورت کو اس منصب پر سرفراز فرمایا گیا ہے کہ وہ فطرۃً مرد کے مقابلے میں کمزور مخلوق ہے۔ پس اہلِ بدعت کا بشریتِ پیغمبر سے بدکنا اور اس کا انکار کرنا ان لوگوں کی اپنی جہالت کا ثبوت ہے۔ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ ضحاک حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو مشرکین عرب نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ اللہ کی شان اس سے بہت بلند اور بالا ہے کہ اس کا رسول بشر اور انسان ہو۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ ﴿ اکان للناس عجبا ان اوحینا الیٰ رجل منهم ان انذر الناس ﴾ (یونس: ۲)۔ اور اسی بارے قرآن حکیم کی یہ آیت بھی نازل ہوئی۔ (المراغی، ابن کثیر وغیرہ) اور اس مضمون کی اور بھی مختلف آیاتِ کریمات مختلف مقامات میں وارد وارشاد ہوئی ہیں۔ مثلاً سورۂ انعام آیت ۸، سورۂ فرقان آیت ۷، سورۂ ابراہیم آیت ۱۰ اور آیت نمبر ۱۱، سورۃ الکہف آیت نمبر ۱۱۰، حٰم السجدہ ۶، التغابن ۶، المؤمنون ۲۴، الشعراء ۱۵۴-۱۸۶ اور سورۂ ہود ۲۷ وغیرہ وغیرہ۔ تعجب ہوتا ہے کہ ان بے شمار نصوص کے باوجود اہلِ بدعت بشریات انبیاء کا انکار کیسے اور کیوں کرتے ہیں؟

۸۷ اہلِ ذکر کیطرف رجوع کرنے کی تعلیم وتلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم پوچھ لو (اے منکرو) اہل ذکر سے اگر تم خود نہیں جانتے تو وہ تم کو یہی بتائیں گے کہ اس سے پہلے جو بھی نبی اور رسول آئے وہ سب کے سب مرد اور بشر وانسان ہی تھے۔ اور ان میں کوئی بھی فرشتہ یا کوئی اور مخلوق نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور ہمیشہ سے یہی رہا کہ اس نے انسانوں کی راہنمائی کیلئے ہمیشہ بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجا۔ اسی لئے منکرین کو ہمیشہ رسولوں کی رسالت پر اچنبھا اور اعتراض ہوا کہ کیا اللہ نے بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجنا تھا؟ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاء هم الهدیٰ الا ان قالوا ابعث الله بشرا رسولا ﴾ (بنی اسرائیل: ۹۴)۔ اسی لئے حضور ﷺ کو اس حقیقت کے اعلان و اظہار کا حکم فرمایا گیا کہ کہو میں تو صرف ایک بشر ہوں جس کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اور صاف وصریح طور پر اور کلماتِ حصر وتاکید کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا ﴾۔ (بنی اسرائیل: ۹۳) مگر اہل بدعت ہیں کہ اس سب کے باوجود پیغمبر کو بشر ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اور اسطرح کی صاف وصریح نصوص کریمہ میں یہ لوگ طرح طرح کی تاویلات وتحریفات سے کام لیتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

تا کہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لئے ان تمام چیزوں کو جن کو اتارا گیا ہے ان کی طرف، تا کہ وہ غور وفکر سے کام لیں ۸۸ تو کیا

اَفَاَمِنَ الَّذِيۡنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ يَّخۡسِفَ اللّٰهُ

وہ لوگ جو بری چالیں چلتے ہیں (حق اور اہلِ حق کے خلاف، کیا وہ نڈر اور) بے خوف ہو گئے اس بات سے کہ اللہ دھنسا دے ان کو

۸۸ پیغمبر کا کام حق کو کھول کر بیان کر دینا اور بس:۔ اور پیغمبر کا وہ بیان ہی حدیث کہلاتا ہے۔سو اس سے واضح ہو گیا کہ حدیثِ رسول قرآن کی سب سے پہلی اور سب سے اہم تفسیر ہے۔پس معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کی تعلیم و تبین کے بغیر قرآن پاک کو از خود نہیں سمجھا جا سکتا۔اور پیغمبر نے اس کتابِ حکیم کی جو تعلیم و تبیین فرمائی وہی حدیث رسول ہے۔خواہ وہ قول و عمل سے ہو یا تقریر و اثبات سے کہ یہ سب ہی حدیث کی مختلف قسمیں ہیں۔جیسا کہ حضرات اہل علم کے یہاں مشہور و معروف ہے۔سو حدیث رسول قرآن حکیم کی سب سے پہلی۔سب سے بڑی اور سب سے اہم اور یقینی تفسیر ہے۔اس لئے حدیثِ رسول قطعی طور پر حجت ہے۔پس جو لوگ استاد کے بغیر محض اپنے ذاتی مطالعہ (Self Study) سے قرآن پاک سمجھنا چاہتے ہیں اور اسی طرح وہ لوگ جو حدیث رسول کی حجیت کے منکر ہیں وہ راہ حق و صواب سے ہٹے ہوئے ہیں اور گمراہی کی راہ پر چلتے ہیں۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔اور جس سے آگے طرح طرح کے فتنے اور فساد جنم لیتے ہیں۔سو قرآن پاک اگر محض ذاتی مطالعہ سے پڑھنے اور سمجھ لینے کی کتاب ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے پورے تیئس سال کے طویل عرصے میں نازل کرنے کی بجائے ایک لکھی لکھائی کامل کتاب کی شکل میں اتار کر بیت اللہ میں رکھ دیا جاتا کہ لوگ خود پڑھ سیکھ لیے جو کہ فصیح و بلیغ عربی دان تھے۔اور قرآن پاک عربی مبین کی کھلی اور صاف زبان میں نازل ہوا تھا۔مگر ایسے نہیں ہوا۔بلکہ اس کے برعکس اس کتاب کو نازل کرنے سے پہلے اس پڑھانے اور سکھانے والے استاد کامل کو انتخاب فرمادیا گیا۔اور پھر ان ہی کے ذریعے لوگوں کو اس نسخۂ کیمیا کی تعلیم دی گئی۔اور اس کتابِ کامل کا استاذ کامل نے بذاتِ خود پڑھایا سو جب حضراتِ صحابہ کرام بھی خالص عرب ہونے کے باوجود اور عربی زبان و ادب میں امامت و پیشوائی کا درجہ و مقام رکھنے کے باوصف اور خیر القرون کے زمانہ خیر و برکت میں ہوتے ہوئے بھی قرآن حکیم کو از خود نہیں سمجھ سکے جب تک کہ استادِ کامل کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کئے اور سالہا سال تک اس کو باقاعدہ طور پر پڑھا نہیں تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو یہ کہے کہ میں استاد کی تعلیم و راہنمائی کے بغیر از خود محض ذاتی مطالعہ سے قرآن پاک کو سمجھ سکتا ہوں؟ خاص کر ایسا کوئی عجمی شخص جس کی اپنی زبان ہی عربی نہ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّ زَيْغٍ وَّانْحِرَافٍ ۔پس قرآن حکیم کو کسی ماہر اور مستند استاذ ہی سے پڑھا اور سیکھا جا سکتا ہے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا

زمین میں؟ ف۸۹ یا آ پہنچے ان پر عذاب جہاں سے اس کے آنے کا ان کو

يَشْعُرُونَ ﴿۴۵﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم

وہم وگمان بھی نہ ہو، ف۹۰ یا وہ پکڑ لے ان کو چلتے پھرتے ف۹۱ سو یہ ایسے نہیں کہ (اس کی گرفت و پکڑ سے نکل کر)

بِمُعْجِزِينَ ﴿۴۶﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ ؕ فَإِنَّ رَبَّكُمْ

عاجز کر دیں، ف۹۲ یا وہ ان کو پکڑ لے ایسے حال میں کہ یہ خوف پر خوف کھا رہے ہوں ف۹۳ سو بے شک تمہارا رب

۸۹ منکرین کے مطالبۂ عذاب پر اظہار تعجب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بُری چالیں چلنے والے لوگ نڈر اور بے خوف ہو گئے اس سے کہ اللہ ان کو دھنسا دے زمین میں۔ جیسا کہ اس نے دھنسا یا قارون کو اس کے خزانوں سمیت وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جلّ وعلا۔ اور اس کے علاوہ بھی مختلف قوموں کے ساتھ ایسے ہو چکا ہے۔ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی۔ سو ایسے لوگوں کو بھی اس طرح کے کسی عذاب میں پکڑا جا سکتا ہے کہ کفر و انکار اور حق اور اہل حق سے عداوت و دشمنی کے جس جرم میں وہ لوگ مبتلا تھے اسی میں یہ بھی مبتلا ہیں۔ سو جو انجام ان کا ہوا وہ انکا بھی ہو سکتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور زمین میں دھنسا دینے کے ایسے ہولناک عذاب جو پہلے کی ان بدبخت قوموں پر آئے ہیں اور ان کے بعد بھی آتے رہے اور اب تک جگہ جگہ اور طرح طرح سے آتے رہتے ہیں تو پھر یہ لوگ عذاب الٰہی سے اس طرح بے خوف اور اتنے لاپرواہ کیوں ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ لوگ اس کے لئے مطالبات کس طرح کرتے ہیں۔ سو اس سے ان لوگوں پر اظہار تعجب بھی ہے اور اظہار ملامت بھی کہ ان کا رویہ ہے ہی ایسا، مگر ان کو اس کا شعور و احساس ہی نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۹۰ عذاب بے گماں سے تحذیر و تنبیہ:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ نڈر اور بے خوف ہیں اس سے کہ آ پہنچے ان پر عذاب وہاں سے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو۔ جیسا کہ قوم لوط اور قوم عاد وغیرہ پر آیا۔ اور جیسا کہ آج بھی دنیا میں جگہ جگہ زلزلوں، سیلابوں اور دوسرے طرح طرح کے عذابوں کی شکل میں ہوتا رہتا ہے۔ اور ایسا کہ چند لمحوں اور سیکنڈوں میں شہروں کے شہر اجاڑ اور بیاباں ہو کر رہ جاتے ہیں وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ جیسے کچھ ہی عرصہ قبل امریکہ کی بعض ریاستوں میں ایسے زلزلے اور سیلاب آئے کہ کئی شہروں کو اجتماعی قبرستان قرار دے دیا گیا۔ اور جیسا کہ ترکی اور ایران میں آنے والے زلزلوں نے چند سیکنڈوں میں کئی شہروں کو اجاڑ کر رکھ دیا اور ہزاروں لوگ آناً فاناً لقمۂ اجل بن گئے۔ اور جیسا کہ چند ہی سال قبل روس میں چرنوبل کے ایٹمی پلانٹ کا حادثہ پیش آیا اور ایٹمی تابکاری اثرات پھیلنے سے ہزاروں انسان موت کے گھاٹ اتر گئے اور ہزاروں ہمیشہ کے لئے اپاہج اور معذور ہو گئے۔ اور جیسا کہ ہندوستان میں بھوپال کے شہر میں کارخانے سے زہریلی گیس لیک ہونے سے ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے اور ہزاروں ہمیشہ کے لئے معذور اور بیکار ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔

۹۱ اللہ تعالیٰ کا عذاب چلتے پھرتے، والعیاذ باللہ:- ارشاد فرمایا گیا کہ وہ پکڑ لے ان کو چلتے پھرتے جب کہ ان کو اس کا خواب و خیال بھی نہ ہو۔ اور عین اپنی غفلت اور خرمستی میں یہ دھر لئے جائیں وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو اس طرح کا کوئی بھی عذاب ایسے لوگوں

پر کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں آسکتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے کبھی بھی نڈر اور بے خوف نہیں ہونا چاہیے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور ایسا آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے ہوتا رہتا ہے۔ کبھی کوئی ہوائی جہاز کسی حادثے کا شکار ہوتا ہے تو اس میں سوار لوگوں کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں اور کبھی کوئی جہاز کسی شہری آبادی پر یا نیچے جمع شدہ لوگوں پر گرتا ہے تو نیچے کے یہ لوگ بھی اچانک اور یکایک شعلوں کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی کوئی دو ہفتے قبل سابق سوویت یونین کی ریاست یوکرائن میں ہوا۔ اور اس سے پہلے بھی کئی ملکوں میں ہوا یا جیسے کوئی بحری جہاز کسی گہرے سمندر میں ڈوبتا ہے تو اس کے اندر کے سب لوگ سمندر کی ہولناک موجوں کے حوالے ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ کچھ ہی عرصہ قبل ایک امریکی ریاست میں ایک ٹرین پل کے اوپر سے گزرتے ہوئے نیچے سمندر میں جا گری۔ اخبارات کے مطابق یہ سمندر دلدلی پانی پر مشتمل تھا جس میں بڑے خوفناک مگرمچھ ہوتے ہیں اور بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ سو اس طرح ڈیڑھ دو ہزار کے لگ بھگ اس ٹرین میں سوار یہ امریکی ان خوفناک مگرمچھوں کی خوراک بنے وغیرہ وغیرہ۔

۹۲ منکرین کی بے بسی کا حوالہ وذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور وہ ان کو پکڑنے اور قرار واقعی سزا دینے سے عاجز آ جائے۔ سو ایسے نہیں ہو سکتا کہ اس کی قدرت لامحدود، اس کا ملک واقتدار نہایت وسیع اور اس کا علم سب پر حاوی و محیط ہے سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس کی گرفت و پکڑ سے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کوئی بھی نکل اور بھاگ نہیں سکتا۔ پس اسکی ڈھیل سے کبھی بھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے کہ اسکی پکڑ بڑی ہی سخت ہے۔ اور حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا جاتا ہے یہاں تک کہ جب اس کو پکڑتا ہے تو پھر اس کیلئے نکل بھاگنے کی کوئی صورممکن نہیں رہتی۔ (ابن اکثیر، مراغی وغیرہ) سو اسکی پکڑ بڑی ہی سخت ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ ﴿اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۹۳ اللہ کا عذاب خوف درخوف کی حالت میں۔ والعیاذ باللہ:- یعنی اللہ اس طرح بھی پکڑ سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ یا وہ ان کو پکڑے ایسے حال میں کہ یہ خوف پر خوف کھا رہے ہیں عذاب کے آثار ونشانات دیکھ کر۔ یا ایک کے سامنے دوسری قوموں کو ہلاک کر کے کہ اس طرح عذاب کی شدت اور سختی کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل۔ صفوۃ التفاسیر اور المعارف وغیرہ)۔ یعنی اللہ کا عذاب کسی بھی صورت میں آسکتا ہے۔ بالکل اچانک بغیر کسی اثر ونشان کے جیسا کہ زلزلوں وغیرہ میں مختلف صورتوں میں اب تک ہوتا رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً اور جا بجا اسکے مختلف مظاہر اور نمونے سامنے آتے رہتے ہیں وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ چنانچہ اس وقت جب کہ راقم اثم ان سطور کی پروف ریڈنگ کر رہا ہے۔ روس چین، بھارت، نیپال اور یورپ کے ملکوں میں طوفانی بارشوں کے باعث ہولناک سیلابوں کا دور دورہ ہے جس سے شہروں کے شہر غرقاب ہو گئے ہیں۔ سینکڑوں مر گئے۔ لاکھوں بے گھر ہو گئے۔ اور اربوں کھربوں کے مالی نقصانات ہو گئے۔ لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے گاؤں کے گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ بلڈنگوں کی بلڈنگیں زمین بوس ہو گئیں۔ لاکھوں فوجی اور سویلین جگہ جگہ مصنوعی بند باندھنے اور پانی کو روکنے کی کوششوں میں مصروف ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ عذاب کے آثار ونشانات کے ظاہر ہونے اور انکے ذریعے وارننگ ملنے کے بعد آئے۔ جیسا کہ آتش فشانوں، سیلابوں اور طوفان کی شکل میں ہوتا ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اللہ پاک کے عذاب سے کبھی بھی اور کسی بھی طور پر نڈر اور بے خوف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیشہ اس سے بچنے کی کوشش میں رہنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ

بڑا ہی شفقت والا انتہائی مہربان ہے، ۹۴ کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی بھی چیز کو نہیں

يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ

دیکھتے؟ کہ (کس طرح) جھکتے ہیں اس کے سائے، دائیں اور بائیں سجدہ کرتے ہوئے اللہ کے حضور، سراپا

وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا

عجز (و نیاز) بن کر، ۹۵ اور اللہ ہی کے لئے سجدہ کرتی ہے ہر جاندار چیز خواہ وہ آسمان میں ہو،

۹۴ اللہ تعالیٰ کی رحمت ورأفت کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف اِنَّ کی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ جو اپنے بندوں کی طرح طرح کی نافرمانیوں اور ان کے ہولناک وسنگین جرائم کے باوجود ان کو فوری طور پر نہیں پکڑتا بلکہ انکو ڈھیل پر ڈھیل دیے جاتا ہے سبحانہٗ وتعالیٰ۔ صحیحین وغیرہ کی حدیث میں حضرت نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے بڑھ کر صبر والا کوئی ہوسکتا۔ ان تکلیف دہ باتوں پر جو اس کو سننا پڑتی ہیں۔ لوگوں نے اس کے لئے اولاد تجویز کرنے جیسے جرم کا بھی ارتکاب مگر وہ اس کے باوجود ان کو روزی بھی دے رہا ہے اور عافیت سے بھی نواز رہا ہے (ابن کثیر وغیرہ) سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور یہ بھی اس کی شفقتِ بے نہایت اور رحمت وعنایتِ بیکراں کا ایک نمونہ ومظہر ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مختلف قسم کے عذابوں سے اس طرح خبردار کرتا ہے کہ وہ ان سے بچنے کی فکر کرسکیں

۹۵ خلقِ خدا کے احوال میں غور وفکر کی دعوت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ سوچتے اور غور نہیں کرتے اللہ کی پیدا کردہ کسی بھی چیز کے بارے میں۔ اور اس بات میں کہ کس طرح ہر چیز کا سایہ بھی اللہ کے حضور جھکتا ہے؟ اور خود ان لوگوں کے اپنے سائے بھی جو کہ ان کے پاؤں میں زمین پر پڑے رہتے ہیں اور عاجزانہ طور پر اپنے رب کے حضور جھکے رہتے ہیں۔ تو جب اس کی قدرتِ کاملہ اور استحقاق عبودیت کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز اس کے حضور اس طرح سراپا عجز ونیاز بن کر جھکی ہوئی ہے تو یہ انسان ضعیف البنیان اپنے اختیار وارادہ سے اس کے آگے کیوں نہیں جھکتا؟ تاکہ اس سے ایک طرف تو اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت وبندگی کا حق ادا ہو سکے اور دوسری طرف یہ انسان اُس کے حضور سجدہ ریز ہو کر دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور وسرفراز ہو سکے۔ سو اس ارشادِ ربانی میں انسانی ضمیر کیلئے ایک دستک اور مہمیز ہے کہ وہ صدقِ دل سے اپنے رب کے حکم پر اسکے حضور جھک کر اپنے خالق ومالک کا حقِ بندگی ادا کرے اور اپنے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرے۔ و باللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی مایحب ویرید بکل حال من الاحوال۔

فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّةٍ وَّالۡمَلٰٓئِکَةُ وَهُمۡ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾

یا زمین میں ؎۹۶ اور سب فرشتے بھی، درآنحالیکہ وہ اپنی بڑائی کا کوئی گھمنڈ نہیں رکھتے ؎۹۷، وہ ڈرتے رہتے ہیں

یَخَافُوۡنَ رَبَّهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ السجدة ع ۱۰ ۱۲

اپنے رب سے، جو کہ ان کے اوپر ہے ؎۹۸ اور وہ (برضا ورغبت) بجالاتے ہیں ان احکام کو جو ان کو دیئے جاتے ہیں ؎۹۹

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اِلٰهَیۡنِ اثۡنَیۡنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ

اور فرمایا اللہ نے کہ تم نہیں بنانا دو معبود (اے انسانو! کہ) سوائے اس کے نہیں کہ وہ (معبودِ برحق) ایک ہی

وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ

معبود ہے، پس تم سب مجھ ہی سے ڈرو ؎۱۰۰ اور اسی (وحدہٗ لاشریک) کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین کے اندر (موجود)

۹۶ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ آسمان وزمین کی اس پوری کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کے حضور سجدہ ریز ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور اللہ ہی کیلئے سجدہ کرتی ہے ہر جاندار چیز۔ خواہ وہ آسمانوں میں یا زمین میں طبعی اور تکوینی طور پر۔ کہ خالق نے اس کو جس کام پر لگادیا ہے وہ بے چون و چرا اور بلا کسی تقصیر و کوتاہی کے اس کی بجا آوری میں مصروف ہے۔ اور وہ سرِ مو اس کی اطاعت و بندگی سے انحراف نہیں کرسکتی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو معبود برحق او مسجودِ خلائق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسکے سوا کسی بھی اور مخلوق کیلئے سجدہ کرنا اسکی حق تلفی اور ظلم عظیم ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ بھی اپنے ارادہ واختیار سے اسی کو وحدہٗ لاشریک کو سجدہ کرے کہ یہ اُس معبودِ برحق کا حق بھی ہے، اور اسی میں خود انسان کی بھلائی بھی ہے۔ وباللہ التوفیق وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۹۷ فرشتوں کی فروتنی اور فرمانبرداری کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اسی کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں سب فرشتے۔ اور وہ اپنی بڑائی کا کوئی گھمنڈ نہیں رکھتے۔ سو وہ نوری اور پاکیزہ مخلوق ہونے کے باوجود اور ہر وقت اپنے خالق و مالک کی عبادت و بندگی میں مشغول رہنے کے باوصف اس کے حضور اس طرح سجدہ ریزی اور اسکی اطاعت وفرمانبرداری میں مشغول ومنہمک رہتے ہیں تو پھر خاک کے پتلے اس انسانِ ضعیف البنیان کے لئے جو کہ طرح طرح کے معاصی وذنوب کی آلائشوں میں ملوث ومبتلا ہے کس طرح روا ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھے؟ اور اپنے خالق و مالک کی عبادت و بندگی سے منہ موڑے وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم .. فَخُذۡنِیۡ یَآ اللّٰهُ یَارَبِّیۡ بِنَاصِیَتِیۡ اِلٰی مَا تُحِبُّ وَتَرۡضٰی مِنَ الۡقَوۡلِ وَالۡعَمَلِ فِیۡ کُلِّ وَقۡتٍ مِّنَ الۡاَوۡقَاتِ وَبِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الۡاَحۡوَالِ۔ سو ہر قسم کا سجدہ اور ہر طرح کی عبادت و بندگی اسی وحدہٗ لاشریک کا اور صرف اسی کا حق ہے سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو نادان لوگ تو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں، اسکی خدائی میں

شریک سمجھتے اوران کو اسکے یہاں اپنے سفارشی مانتے اور وسیلہ قرار دیتے ہیں۔لیکن حقیقتِ واقعہ اوران کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ رب کی طاعت وفرمانبرداری، اسکی عبادت وبندگی اور اسن کے حضور سجدہ ریزی میں مشغول رہتے ہیں۔خدائی میں شرکت کا سوال ہی نہیں وہ تو اسکے حضور سراپا عبادت وبندگی میں محو رہتے ہیں۔اور یہی ان کا اصل مرتبہ اور مقام ہے۔

۹۸ فرشتوں کی شان خوف وخشیت کا ذکروبیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یعنی بایں ہمہ قرب واتصالِ خداوندِ قدوس کی بارگہِ اقدس واعلیٰ سے انکا مقام نیچے اور بہت نیچے ہے اور وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے جو کہ انکے اوپر ہے۔اپنی عظمتِ شان اور جلالت مکان، علمِ محیط اور قدرت کاملہ کے اعتبار سے۔نہ کہ حسّی اور ظاہری اعتبار سے کہ وہ مکان اور مکانیات اوراس طرح کی تمام حدود وقیود سے پاک ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ سواسکی یہ فوقیت اسکی قدرت اوراسکے اس غلبہ وقہر کے اعتبار سے ہے جواس کی شان اقدس واعلیٰ کے لائق ہے۔اور فرشتوں کا اس سے ڈرنا اس کے اعظام واجلال کی بناء پر ہے نہ کہ اِجرام کے لحاظ سے۔(ابنِ کثیر، محاسن التاویل، مراغی اور معارف وغیرہ)۔اور ظاہر ہے کہ فرشتوں سے بڑھ کر اسکی عظمتِ شان سے واقف اور کون ہوسکتا ہے؟ سو خداوندِ قدوس کی اس فوقیت سے مراد وہ فوقیت ہے جواس کی شانِ اقدس و اعلیٰ کے لائق ہے۔اسکی حقیقت اور کیفیت ہمارے علم وادراک سے باہر ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۹۹ فرشتوں کی شانِ اطاعت وامتثال کا ذکروبیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اللہ کے ہراس حکم کو بجالاتے ہیں، جو ان کو اسکی طرف سے دیا جاتا ہے کہ وہ حکم عدولی اور نافرمانی کے جملہ شوائب سے پاک وصاف ہیں۔اس لیے وہ پوری طرح بجالاتے ہیں ان اوامر واحکام کو جوان کو دیے جاتے ہیں کہ ان کی فطرت وجبلّت ہی اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا ہے سبحانہٗ وتعالیٰ۔سو وہ اسکی عبادت وبندگی اوراس کے حقوق کو پوری طرح بجالاتے ہیں۔سو وہ اپنی اس مسلسل و لگاتار اور بے مثال اطاعت وفرمانبرداری کی بناء پر کبھی کسی طرح کے ناز اور تدلّل کے فتنے میں مبتلا نہیں ہوتے اور اپنے رب کی طرف سے انکو جو بھی حکم ملتا ہے اس کو وہ بلا کسی چون وچراں اور پس وپیش کے فوراً بجالاتے ہیں۔جو کہ تقاضا ونتیجہ ہے کمالِ عبدیت وبندگی کا۔سو فرشتے کمالِ اطاعت کرنے والی مخلوق ہے اور بس۔

۱۰۰ معبود برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:۔ اس کے سوا دوسرا کوئی بھی معبود نہ ہے، نہ ہوسکتا ہے۔اس لئے اسنے صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا کہ تم سب مجھ ہی سے ڈرو اے لوگو! کہ سب کچھ میرے ہی قبضہ قدرت میں ہے۔پس تم میرے سوا اور کسی سے مت ڈرو۔اور امرِ واقع یہی ہے کہ جواس سے ڈرتا ہے وہ اور کسی سے نہیں ڈرتا خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کیسا بھی ہو اور کہیں بھی ہو۔اور اسکے برعکس جواس سے نہیں ڈرتا وہ ہر کسی سے حتیٰ کہ وہمی اور فرضی چیزوں سے بھی ڈرتا ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔سو اللہ سے ڈرنے والا انسان ایسا قوی القلب، مطمئن الضمیر اور مرتاح البال ہوجاتا ہے کہ اسکو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی وباللہ التوفیق۔بہرکیف اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل اور صحیفوں اور کتب کے ذریعے دنیا کو یہی پیغام دیا کہ معبود برحق اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی بھی نہیں۔لہذا سب کو عبادت وبندگی بھی اسی کی بجالانی چاہیے اور ڈرنا بھی اسی سے چاہیے۔کہ اطاعتِ مطلقہ اور عبادت وبندگی کی ہرقسم اوراسکی ہرشکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔

الْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا

ہے ۱۰۱ اور اسی کا حق ہے لازمی اطاعت (وفرمانبرداری) ۱۰۲ تو کیا پھر بھی تم لوگ اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو؟ ۱۰۳ اور جو بھی کوئی نعمت

۱۰۱ کائنات ساری اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ہے:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ خلق وملک اور حکم وتصرف کے اعتبار سے کہ سب کا خالق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے مالک بھی وہی۔ اور اس پر تصرف اور حکم بھی اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور جب یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کی ہے اور اس میں کوئی بھی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ پس عبادت کی ہر شکل اور اسکی ہر قسم اسی کا حق اور اس کا اختصاص ہے سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس سب کا خالق و مالک بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور ہر قسم کی عبادت وبندگی کا حقدار بھی وہی۔ سو عبادت وبندگی کی کوئی قسم کسی بھی شکل میں اس کا واحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کیلئے بجالانا شرک اور ظلم عظیم ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۰۲ اطاعت مطلقہ اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کا حق ہے لازمی اور دائمی اطاعت عبادت، کہ معبود برحق وہی اور صرف وہی ہے۔ اس کائنات اور اس کی ہر نعمت کا خالق و مالک بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ پس اطاعتِ مطلقہ بھی اسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ ''واصب'' کے معنی لازم کے بھی کیے گئے ہیں (محاسن التاویل) اور اسکے معنیٰ دائم کے بھی کیے گئے ہیں۔ (المراغی) سو ان دونوں معنوں کے ملانے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اسی کا حق ہے لازمی ودائمی اطاعت کہ معبودِ برحق اور مطاعِ مطلق بہرحال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور جب آسمانوں اور زمین کی اس ساری کائنات اور اس کی تمام نعمتوں کا خالق و مال بھی وہی ہے اور اس سب میں حکم وتصرف بھی اسی کا چلتا ہے تو اطاعت مطلقہ کا حقدار بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے۔

۱۰۳ منکرین ومنحرفین کے دلوں پر ایک دستک:- سو ارشاد فرمایا گیا اور منکرین ومنحرفین کے قلوب وضمائر پر ایک زوردار دستک کے طور پر بطور استفہام ارشاد فرمایا گیا کہ کیا پھر بھی تم لوگ غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟ یعنی جب تم یہ جان چکے کہ خالق و مالک اس پوری کائنات کا وہی وحدہ لاشریک ہے۔ اور عبادت وبندگی اور اطاعتِ مطلقہ بھی اسی کا حق ہے، اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ تو پھر بھی اوروں سے ڈرنے اور خوف کھانے کی آخر کیا تک اور کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ پس عقل ونقل کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ہمیشہ اور ہر حال میں اسی حدہٗ لاشریک سے ڈرے اور ہمیشہ اسی کی رضاء کے حصول کو اپنا مطمح نظر بنائے اور اپنے پیش نظر رکھے کہ وہ اگر راضی ہوجائے تو پھر کسی اور کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے؟ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف استفہام یہاں پر انکاری ہے کہ جب معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہر قسم کا نفع ونقصان بھی اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے تو ڈرنا بھی اسی سے چاہیے اور مغفرت وبخشش سے نوازنا بھی اسی کا کام اور اسی کے شان ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿هو اهل التقوىٰ واهل المغفرة﴾۔ (المدثر:۵۶)۔ یعنی ''وہی ہے جس سے ڈرا جائے اور وہی ہے بخشش فرمانے والا'' اور اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہر طرح کی عبادت وبندگی خالص اسی کا حق ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر:۳) یعنی آگاہ رہو کہ اللہ ہی کا حق ہے خالص دین اور عبادت، کہ معبودِ برحق اور مطاعِ مطلق بہرحال وہی اور صرف وہی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ

بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ

تمہیں حاصل ہے، (اے لوگو) یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے ۱۰۴ پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو تم سب اسی کی

فَإِلَيْهِ تَجْـَٔرُونَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا

طرف دوڑتے ہو چلاتے (اور فریاد کرتے) ہوئے ۱۰۵ مگر جب وہ دور کر دیتا ہے اس تکلیف کو تم سے (اپنے کرم سے) تو یکا یک

فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَآ

تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتا ہے (دوسروں کو) ۱۰۶ تا کہ (اس طرح) وہ ناشکری کریں ان

۱۰۴ ہر نعمت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور جو بھی کوئی نعمت تمہیں حاصل ہے (اے لوگو) وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ خواہ کوئی ظاہری نعمت ہو یا باطنی۔ حسی یا معنوی۔ چھوٹی ہو یا بڑی۔ تمہیں معلوم ہو یا نہ ہو کہ کتنی ہی نعمتیں اس کائنات میں اور خود ہمارے اپنے جسموں کے اندر ایسی ہیں جن کا انسان کو علم بھی نہیں تھا۔ اور جوں جوں اس کا علم و تجربہ ترقی کرتا گیا اس کو ان کا علم ہوتا گیا۔ سو کتنی ہی نعمتیں اور عظیم الشان نعمتیں ایسی ہیں جن کا علم و ادراک انسان کو ماضی میں نہیں تھا مگر آج وہ اُن کو اپنے علم و تجربے کی بناء پر جانتا اور ان سے طرح طرح متمتع و مستفید ہو رہا ہے۔ اور نت نئے انکشافات اور تجربات سے کام لے رہا ہے۔ اور جوں جوں اس کے علم و ادراک کا دائرہ بڑھتا اور وسیع ہوتا جائے گا توں توں اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا جائے گا اور اس کے انکشافات کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جائیگا۔ اور خدا ہی جانے کہ کتنی ہی نعمتیں ایسی ہیں جن سے انسان متمتع ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے مگر اس کو ان کا پتہ ابھی تک بھی نہیں۔ اور یہ سب کچھ قدرت نے انسان کی طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر از خود اپنے کرم بے پایاں اور رحمتِ بے نہایت سے کیا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس کے باوجود اس کی اطاعت و بندگی اور اس کے حقِ شکر سے منہ موڑنا اور غفلت برتنا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس واہبِ مطلق کی بخشش و عطاء میں ایسی دوسری ہستیوں اور خود ساختہ چیزوں کو شریک ماننا جن کا ان نعمتوں کے وجود اور انکی بخشش میں سرے سے کوئی دخل ہی نہیں کتنا بڑا ظلم اور کس قدر نا انصافی ہے؟ اور یہ سب کچھ سوائے توہم پرستی اور خود ساختہ تصورات و مفروضوں کے کسی بھی اساس و بنیاد پر نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کفر و شرک کی کوئی اساس و بنیاد ہو ہی کیا سکتی ہے۔؟ ﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾۔ سو ایسے میں اسطرح کہنا اور ماننا کہ یہ نعمتیں اللہ نے نہیں فلاں نے دی ہیں کس قدر زیادتی اور کتنا بڑا ظلم اور کتنی بڑی بے انصافی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ لِیْ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ بہرکیف نعمت تمہیں ملی ہے اے لوگو وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پس تم ہمیشہ اسی کا شکر ادا کرو، اسی کے حضور جھکو اور اسی کی عبادت و بندگی سے سرفراز و شاد کام رہو۔ وباللہ التوفیق۔ یہی ان نعمتوں کا حق اور اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ و باللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی مایحب ویرید بکل حال من الاحوال۔

۵۵ **مصیبت کے وقت اللہ ہی کیطرف رجوع میں درس عظیم:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر تکلیف پہنچنے پر تم لوگ اسی کی طرف فریاد کرتے ہو۔ چیختے چلاّتے ہو۔ اور وہ تمہیں اپنی رحمت وعنایت سے نوازتا ہے کہ وہی تمہارا آخری سہارا اور حقیقی آسرا ہے۔ سو تمہاری اس نفسیاتی کیفیت سے دو اہم اور بنیادی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارے تحت الشعور میں یہ حقیقت مرکوز و پیوست ہے کہ مشکل وقت میں کام آنے والی اور سب کی حاجت روا اور مشکل کشا ذات صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ذات ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور دوسری یہ کہ مشکل اور پریشانی کے ایسے وقت بھی تمہارا سہارا وہی وحدہٗ لاشریک ہوتا ہے۔ اور اسی کی مدد کی امید سے تمہیں سکون ملتا ہے اور تمہاری ڈھارس بندھتی ہے۔ اور تمہاری اس مصیبت کا بوجھ تم سے ہلکا ہو جاتا ہے۔ سو یہ بھی اس کی نعمت ہے جو تم لوگوں کو مشکل کے ایسے مواقع پر اس واہب مطلق کی طرف سے ملتی ہے ۔فلہ الحمد و لہٗ الشکر۔ ﴿تَجْئَرُوْنَ﴾ ۔''جارا'' اور ''جوارا'' سے مشتق و ماخوذ ہے۔ جس کے معنیٰ چیخنے چلانے اور فریاد کرنے کے آتے ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو یہ توحید کی ایک فطری اور انفسی دلیل ہے کہ ایسے موقعہ پر انسان اپنے سب خود ساختہ من گھڑت خداؤں اور حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں کو بھول کر اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو پکارتا ہے جو کہ معبودِ برحق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو عقیدۂ توحید انسانی فطرت کی صدا و پکار ہے۔

۵۶ **مشرک انسان کی احسان فراموشی اور بے انصافی کا ایک نمونہ ومظہر:-** کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور اسکی رحمت و عنایت سے چھٹکارا پاتے ہی شرک کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ پھر یکایک ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ جس کی بنا پر کوئی اس نعمت کو اپنی کسی دیوی دیوتا اور اپنے بتوں میں سے کسی بت کیطرف منسوب کرتا ہے۔ کوئی اسے اپنی کسی دوسری خود ساختہ سرکار کی کارستانی قرار دیتا ہے۔ کوئی اسے اور کسی درگاہ اور آستانے کا فیض بتاتا ہے اور کوئی اُسے اور کسی زندہ یا مردہ ہستی کی حاجت روائی ومشکل کشائی کا ثمرہ قرار دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر ایسے مشرک لوگ اپنے اس منعمِ حقیقی اور واہب مطلق ۔جل جلالہٗ ۔ کی بجائے اپنے ان ہی فرضی معبودوں اور من گھڑت دیویوں، دیوتاؤں اور خود ساختہ سرکاروں کی طرف رجوع کرتے اور انکو خوش کرنے کیلیے ان کے نام کی نذریں مانتے، نیازیں دیتے چڑھاوے چڑھاتے، دیگیں پکاتے اور جھوٹے من گھڑت اور بناوٹی قصے بناتے اور پھیلاتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود اس ربِّ غفور ورحیم نے اپنے حلم وکرم بے پایاں اور اپنی رحمتِ بے نہایت سے اس انسان کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ فسبحانہ و تعالیٰ اکرم الاکرمین و ارحم الراحمین ۔سو کس قدر بے انصاف، ظالم اور ناشکرا ہے یہ انسان جو کہ اپنے خالق و مالک سے منہ موڑ کر اس طرح کی فرضی اور وہمی چیزوں کے آگے جھکتا اور اپنی تذلیل و تحقیر کا سامان خود کرتا ہے۔ اور اپنے رب کے حق بندگی سے غفلت برتتا ہے۔ فَصَدَ قَ اللّٰہُ الْقَآئِل ﴿اِنَّ الْاِ نْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ﴾ یعنی بلاشبہ انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے، والعیاذ باللہ العظیم۔

اٰتَیْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَیَجْعَلُوْنَ

نعمتوں کی جو ہم نے انکو دی ہوتی ہیں، سو مزے کرلو تم لوگ کچھ عرصہ کیلئے ۔ آگے چل کر تمہیں خود معلوم ہو جائے گا ف۱۰۸ اور

لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔلُنَّ

یہ لوگ حصہ مقرر کرتے ہیں ان چیزوں کے لئے جن کے بارے میں یہ کچھ نہیں جانتے ف۱۰۹ ان نعمتوں میں سے جو ہم نے

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ

بخشی ہوتی ہیں ان کو (اپنے کرم سے،) ف۱۱۰ اللہ کی قسم تم سے ضرور پوچھ ہونی ہے (اے افتراء پردازو!)) ان تمام افتراء

سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ

پردازیوں کے بارے میں جو تم لوگ کرتے رہے تھے ف۱۱۱ اور یہ لوگ خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، سبحان اللہ!

بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۵۸﴾ ج

(کیسی بے ہودہ بات کا ارتکاب کرتے ہیں یہ لوگ) اور (اس پر طرہ یہ کہ) ان کے لئے وہ کچھ ہے جو یہ خود چاہیں ف۱۱۲ اور

یَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَیُمْسِكُهٗ

(ان کا اپنا حال یہ ہے کہ) جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور اس کا دم گھٹنے

عَلٰى هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا

لگتا ہے، وہ چھپتا پھرتا ہے اس خبر کی برائی سے جو اس کو دی گئی، (پھر سوچتا ہے کہ) کیا وہ اسے زندہ رکھے ذلت کے

۱۰۷ منکرین کیلئے ایک تنبیہ وتذکیر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور منکرین ومشرکین کو خطاب کرکے ان کی تنبیہ وتذکیر کیلئے ارشاد فرمایا گیا کہ یعنی دنیا کی اس چندروزہ زندگی میں جو کہ بہرحال عارضی اور فانی ہے۔ اور اصل اور حقیقی زندگی تو بہرحال آخرت ہی کی زندگی ہے۔ جس کو نہ فنا ہے نہ زوال اور جس کی نعمتیں دائمی اور ابدی ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں دنیائے دُوں کی یہ فانی زندگی کچھ بھی نہیں۔ خواہ یہ کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے آخرت کے مقابلے میں بہرحال قلیل اور اتنی قلیل ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ سو بڑے ہی خسارے میں ہیں وہ لوگ جو آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی کے مقابلے میں دنیائے فانی کی اس عارضی زندگی کو ہی اپنا مقصود اور نصب العین بنائے ہوئے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اس ارشاد سے مشرکوں کے شرک کا نتیجہ بیان فرمایا گیا ہے اس طرح ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئے نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرکے کفران نعمت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اپنے خود ساختہ مشکل کشاؤں اور من گھڑت حاجت رواؤں کی

کارستانیوں سے متعلق من گھڑت اور جھوٹے قصے سنا سنا کر اپنے کاروبار کفر و شرک کو اور بڑھاتے پھیلاتے ہیں۔ اپنی دوکانیں چمکاتے اور طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہیں۔ سو فرمایا گیا کہ تم لوگ یہ چند روزہ فائدے اٹھالو کہ حیات دنیا کی یہ فرصت خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں یہ ہیچ اور نہ ہونے کے برابر ہے عنقریب تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے ان کرتوتوں کا نتیجہ و انجام کیا نکلتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۰۸ منکرین کا معاملہ ان کے انجام کے حوالے:- سو منکرین و مشرکین سے فرمایا گیا کہ دنیا کی عارضی، فانی اور ناقص و بے حقیقت لذتوں اور شہوتوں کے پیچھے لگ کر اور آخرت کی حقیقی اور دائمی نعمتوں کو بھلا کر تم نے اپنا کس قدر نقصان کیا تھا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور اس طرح تم لوگوں نے کتنے بڑے خسارے کا سودا کیا تھا اور متاع زندگی کو تم نے کس قدر غلط اور ناقص مقصد میں لگایا تھا مگر اس وقت کے اس علم سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے آتش حسرت و افسوس میں اضافے کے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ علامہ جمال القاسمی الدمشقی فرماتے ہیں کہ اس ابہام میں بہت بڑی ہولنا کی مضمر ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ اور تعریض ہے کہ غیب میں پوشیدہ وہ انجام اتنا ہولناک ہوگا کہ الفاظ و کلمات اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ (محاسن التاویل)۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین۔

۱۰۹ مشرکوں کی مت ماری کا ایک نمونہ و مظہر:- سو اس سے مشرکوں کی مت ماری کا ایک نمونہ اور مظہر سامنے آتا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں میں غیروں کو شریک ٹھراتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے دیئے بخشے میں غیروں کو شریک ٹھہرانا حماقت بھی ہے اور کفران نعمت بھی والعیاذ باللہ العظیم۔ سو فرمایا گیا کہ یہ لوگ ہماری بخشی ہوئی نعمتوں میں حصہ مقرر کرتے ہیں ان چیزوں کیلئے جن کو بارے میں یہ نہیں جانتے۔ ''لِمَا'' میں کلمہ ''مَا'' عموم کا کلمہ ہے جو اپنے عموم کیساتھ ہر اس چیز کو شامل ہے جس کو شریک ٹھہرایا جاتا ہو ور جس کی پوجا کی جاتی ہو۔ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کا بت ہو یا کوئی زندہ و مردہ انسان یا کوئی ہستی یا آستانہ۔ پس اہل بدعت کا اس کے عموم کو صرف بتوں پر محمول کر کے اپنے لئے شرک و بدعت کے دروازوں کو کھلا رکھنے کی کوشش کرنا لفظ کو بلا وجہ اس کے عموم اور تبادر سے ہٹانے کی کوشش ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو اللہ کے سوا جس بھی کسی چیز کیلئے تقرب کی نیت سے کوئی حصہ مقرر کیا جائے گا وہ اسی زمرے میں آئے گا اور یہ شرک ہوگا۔ کیونکہ ایسا کرنا دراصل شیطان ہی کی تحریک و تسویل سے ہوتا ہے۔ اور وہ کبھی انسان کو کسی طرف لگا دیتا ہے اور کبھی کسی طرف کبھی کسی دیوی دیوتا اور بت کی طرف اور کبھی کسی قبر اور آستانے کی طرف وغیر وغیرہ۔ اس لیے حضرات مفسرین کرام ایسے موقع پر بالعموم بتوں یا شیطانوں ہی کا ذکر کر دیتے ہیں۔ (فتح القدیر وغیرہ)۔ سو یہ کتنی بڑی حماقت اور کیسی بے انصافی ہے کہ نعمتیں تو دی اور بخشی ہوں اللہ تعالیٰ نے لیکن یہ ان میں شریک ٹھہرائیں ان دوسری بے حقیقت چیزوں کو جن کے بارے میں ان کو کچھ علم نہ ہو۔ محض ظن و تخمین اور خود ساختہ ڈھکوسلوں اور مفروضوں کی بنا پر۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ موضح القرآن میں اس بارے میں لکھتے ہیں ''یہ ان کو فرمایا جو اپنے کھیتوں میں، مواشی میں، تجارت میں اللہ کے سوا کسی کی نیاز ٹھہراتے ہیں۔ مال سب اللہ کا ہے کسی اور کا اس میں حق نہیں۔ الخ''۔

۱۱۰ شرک اللہ پر افتراء اور بہتان۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں سے ان افتراء پردازیوں کے بارے میں ضرور پوچھ ہوگی جو تم لوگ دنیا میں کرتے رہے تھے کہ ہماری بخشی ہوئی نعمتوں میں سے ایسی چیزوں کے (تقرب

کے) لئے حصہ مقرر کرنا بڑا ظلم اور بے انصافی ہے۔ یعنی دیا ہوتا ہے ہم نے۔ نعمتیں بخشی ہوئی ہوتی ہیں ہماری۔ مگر یہ لوگ حصے مقرر کرتے ہیں ان کے لئے جن کا ان نعمتوں کی تخلیق اور انکی بخشش وعطاء میں سرے سے کوئی عمل دخل ہوتا ہی نہیں۔ سو یہ کیسی بے انصافی اور کس قدر ناشکری ہے کہ واہب حقیقی کو بھول کر یہ لوگ ان کے آگے جھکیں اور ان کے شکرگزار بنیں جن کا ان نعمتوں کی تخلیق و تقسیم میں سرے سے کسی طرح کا کوئی دخل و تعلق ہی نہیں سو ایسے ظالموں کو اپنے کئے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا اور بھرپور طریقے سے بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۱۱ مشرکوں کو انکی جوابدہی کی تذکیر و یاددہانی:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ مشرکوں سے ضرور پوچھ ہوگی ان کی افتراء پردازیوں کے بارے میں کہ شرک کے جس سنگین جرم کا ارتکاب انہوں نے کیا وہ درحقیقت بغاوت و سرکشی کا ایک ہولناک جرم ہے اور ان سے یہ پوچھ و پرسش انکی تحقیر و تذلیل کیلئے ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور قسمیہ الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی قسم تم سے ضرور پوچھ ہوگی تمہاری ان افتراء پردازیوں کے بارے میں۔ اور یہ پوچھ اور پرسش کوئی معلومات حاصل کرنے کیلئے نہ ہوگی بلکہ تمہاری تقبیح و تذلیل کیلئے ہوگی۔ اور اس لئے ہوگی تاکہ تم اپنا وہ بھگتان بھگت سکو جس کے تم اپنے ایسے ایسے کرتوتوں کی بناء پر مستحق ہو چکے ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ کیونکہ افتراء علی اللہ کے جس جرم کا ارتکاب تم لوگ کر رہے ہو۔ وہ بڑا ہی سنگین اور ہولناک جرم ہے۔ وہ اللہ کیلئے شریک ماننا بڑا اور سب سے بڑا افتراء ہے۔ اور اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں میں سے دوسری چیزوں اور خودساختہ ہستیوں اور سرکاروں کے تقرب اور خوشنودی کیلئے تم جو حصے مقرر کرتے ہو یہ بھی افتراء ہے۔ سو تم لوگوں سے اس طرح کے تمام افتراءات کے بارے میں ضرور پوچھ ہوگی جو تم لوگ کرتے ہو۔ اور ان کا بھگتان تم کو بہر حال بھگتنا ہوگا۔ سو تم لوگ اے مشرکو سوچ لو اپنے انجام کے بارے میں اور باز آجاؤ اپنے شرک اور ایسی تمام افتراء پردازیوں سے قبل اس سے کہ تم اپنے اس ہولناک انجام کو پہنچ کر ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو جاؤ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۱۲ مشرکوں کی مت ماری کا ایک اور نمونہ و مظہر:۔ سو اس سے مشرکوں کی مت ماری اور شرک کے گھناؤنے پن کے ایک اور مظہر و نمونہ کو پیش فرمایا گیا ہے۔ کہ یہ اللہ کے لئے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں مگر اپنے لئے یہ لوگ وہ کچھ مقرر کرتے ہیں جو خود چاہتے۔ یعنی لڑکے۔ سو اس طرح یہ لوگ بدتمیزی پر بدتمیزی کا ارتکاب کرتے ہیں کہ اول تو اس وحدہٗ لاشریک کیلئے کسی طرح کی اولاد تجویز کرنا ہی کفر و باطل ہے کہ وہ اس طرح کے ہر تصور سے پاک و بالا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ کہ اس کی شان ﴿لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ﴾ کی ہے۔ اور "اس کی نہ کوئی بیوی ہے نہ اولاد"۔ ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا﴾۔ اور پھر اس کے لئے اولاد بھی وہ تجویز کرتے ہیں جو انکو خود اپنے لئے گوارا نہیں۔ یعنی بیٹیاں۔ سو یہ کتنی بڑی حماقت اور کس قدر بڑی جہالت ہے ان لوگوں کی جس کا ارتکاب یہ لوگ اس لاپرواہی سے حضرت حق۔ جل جلالہٗ۔ کی ذات اقدس و اعلیٰ کے بارے میں کرتے ہیں۔ ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ، تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ سو یہ ان مشرکوں کی مت ماری اور ان کے کردار کے گھناؤنے پن کا ایک کھلا مظہر اور نمونہ ہے۔ سو کفر و شرک کی نحوست سے انسان کی مت ایسے ماری جاتی ہے کہ وہ اندھا اور اوندھا ہو کر رہ جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

ساتھ، یا اس کو گاڑ دے مٹی میں، آگاہ رہو کہ بڑے ہی بُرے ہیں وہ فیصلے جو یہ لوگ کرتے ہیں ف۱۱۳ بڑی بری مثال ہے ان

مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

لوگوں کی جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر ف۱۱۴ اور سب سے برتر مثال تو اللہ ہی کے شایانِ شان ہے ف۱۱۵ اور وہی ہے زبردست،

الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ ع وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا ع ۱۰/۱۲

نہایت حکمت والا، اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم (وزیادتی) پر فوری پکڑنے لگتا، تو زمین پر کسی حرکت کرنے والے

تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ

(جاندار) کو باقی نہ چھوڑتا، ف۱۱۶ لیکن وہ انہیں ڈھیل (پر ڈھیل) ہی دیئے جا رہا ہے،

۱۱۳ بُرے لوگوں کے بُرے فیصلے، والعیاذ باللہ العظیم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بڑے ہی بُرے ہیں وہ فیصلے جو یہ لوگ کرتے ہیں کہ بچی کی پیدائش کو اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت و بخشش سمجھنے کی بجائے اسے عذاب و مصیبت قرار دیتے ہیں۔ اور پھر جس کو یہ خود اپنے لئے گوارا نہیں کرتے اس کو خدائے پاک کے لئے تجویز کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ کہ اول تو اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد تجویز کرنا ہی بہت بُرا اور نہایت سنگین جرم ہے کہ وہ ایسے ہر تصور سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ پھر ظلم بالائے ظلم اور حماقت در حماقت کہ اس کیلئے یہ لوگ اولاد بھی وہ تجویز کرتے ہیں جسکو یہ خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ یعنی بیٹیاں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو کتنا بُرا اور کس قدر ظالمانہ فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۱۴ ایمان سے محروم لوگوں کے لئے بڑی بُری مثال:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بڑی بُری مثال ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر۔ سو ایمان بالآخرت سے محرومی شر و فساد کا وہ منبع و مصدر ہے جس سے آگے طرح طرح کی برائیاں پھوٹتی ہیں۔ جس کی ایک مثال ان کا یہی اعتقاد ہے کہ وہ اللہ پاک کے بارے میں بیٹیاں تجویز کرتے ہیں پس یہاں سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ آخرت سے محرومی ہر شر و فسا کی جڑ بنیاد اور اس کا اصل باعث و محرک ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کہ اس محرومی کے نتیجے میں انسان پٹڑی سے اتر جاتا ہے اور وہ راہ راست سے بھٹک کر طرح طرح کی پگڈنڈیوں میں دھکے کھانے اور ذلیل ہونے لگتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور خاص کر جب یہ لوگ آخرت کا انکار کر کے صرف دنیا ہی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں تو پھر ان میں کسی خوبی و کمال کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے؟ کیونکہ دنیا کے بارے میں فرمایا گیا "اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَّ طَالِبُهَا كِلَابٌ، کہ دنیا ایک مردار ہے اور اسکے طالب کتے" بلکہ یہ لوگ تو ان دنیاوی کتوں سے بھی کہیں بڑھ کر اور بدتر ہیں۔ کیونکہ دنیا کے معروف کتوں کو تو عقل کا جوہر نہیں بخشا گیا۔ اس لیے وہ حقیقی خیر و شر کے فہم و ادراک

سے قاصر ہیں۔ جبکہ بطن وفرج کی شہوات وخواہشات کے مارے ان ابنائے دنیا کو عقل وفکر کے اس گوہر نایاب سے نوازا گیا تا کہ یہ اس کو اسکے صحیح مصرف میں لگا کر اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کریں اور اس پر ایمان لا کر اور اسکی ہدایات و تعلیمات کو اپنا کر اپنے لئے سعادتِ دارین سے سرفرازی کا سامان کریں۔ لیکن انہوں نے اسکے برعکس عقل کے اس جوہر نایاب کو بھی بطن وفرج کی خواہشات کی تحصیل وتکمیل کے تقاضوں میں صرف کر کے اس کا بھی بیڑا غرق کر دیا۔ اور اس طرح یہ بد بخت انسان ایسا اندھا اور اس طرح اوندھا ہو گیا کہ اس نے اپنی فطرت کے نور کو بھی گل کر دیا اور یہ مہیب گھٹا ٹوپ اندھیروں میں (خسر الدنیا والاخرۃ) کا مصداق بن گیا جو کہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ دنیا کا معروف کتا تو اپنے مالک مجازی کو پہچانتا ہے اور اس کی وفاداری میں کبھی وہ اپنی جان تک کی بازی لگا دیتا ہے لیکن انسانی اشکال ولباس میں چھپے ہوئے یہ کتے تو اپنے خالق و مالکِ حقیقی کے بھی باغی وسرکش بن کر "شر البریہ" بد ترین مخلوق بن جاتے ہیں۔ سو اس سے بڑھ کر بُری مثال اور کیا ہو سکتی ہے جو ان منکرین آخرت پر چسپاں ہو رہی ہے؟ سو نورِ ایمان ویقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی اور انتہائی ہولناک محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۱۵ اور اللہ ہی کیلئے ہے سب سے عمدہ مثال:- کہ کمالِ مطلق اسی کے لئے ہے۔ اور وحدہٗ لاشریک ہی ہے جو ہر نقص وعیب سے پاک اور ہر خوبی وکمال سے متصف ہے۔ اور اس کون ومکان میں جو بھی اور جہاں بھی کوئی خوبی وکمال موجود ہے وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کے وجود باجود اور بخشش وعطا ہے سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی.. فَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ وہ اپنی ذات میں آپ محمود اور ہر تعریف کا حق دار ہے۔ سو ایسی حکمتوں بھری عظیم الشان کائنات کی تخلیق اور اتنی گوناں گوں اور بے حد وحساب مخلوق کو پیدا کرنا اسکے لوازماتِ زندگی کو اس کیلئے مہیا کرنا اور اس کثرت و بہتات سے مہیا کرنا کہ ہر چیز اپنے وجود کے تقاضوں کو بسہولت پورا کر سکے وغیر وغیرہ۔ سو یہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے کمالِ مطلق، قدرت کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ وغیرہ صفاتِ علیا اور اسماء حُسنٰی کے عظیم الشان مظاہر ہیں۔ جو حکمتوں بھری اس کائنات میں ہر چہار سو پھیلے بکھرے دعوتِ غور وفکر دے رہے ہیں۔ تو کیا اس کمالِ مطلق کا وجود کسی بھی درجے میں اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کے لئے ممکن ہو سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ قطعاً نہیں۔ فصدق اللہ القائل.. ﴿وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی﴾ سو وہی معبود برحق ہے۔ ﴿وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ﴾ سبحانہٗ وتعالٰی۔

۱۱۶ اللہ تعالٰی کی شانِ عفوٗ ودرگذر کا ایک نمونہ ومظہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ تعالٰی لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑنے لگتا تو زمین پر چلنے والے ایک جاندار کو بھی باقی نہ چھوڑتا۔ مگر وہ ایسے نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو ڈھیل پر ڈھیل دیئے جا رہا ہے جو محض اس کا کرم ہے۔ ورنہ ایسا کون ہے جو قصور وعیب سے پاک ومُبَرّا ہو؟ پس یہ اس کا کرم واحسان اور عفو وحلم ہے کہ اس نے سب کو چھوڑا ہوا ہے۔ سبحانہٗ وتعالٰی۔ سو یہ اس وحدہٗ لاشریک کی شانِ کرم اور عفو ودرگزر کا ایک عظیم الشان نمونہ ومظہر ہے۔ جس کے شکر میں بندوں کو دل وجان سے اس کے حضور جھک جانا چاہیے۔ اور ظالموں اور سرکشوں کو اسکے اقبال سے کبھی کسی غلط فہمی میں نہیں مبتلا ہونا چاہیے کہ ظلم اور سرکشی کا نتیجہ وانجام بہر حال بہت برا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ج فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا

ایک مقررہ وقت تک، پھر جب آ پہنچتا ہے ان کا وقت مقرر، تو

يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ

(وہ ان کو ایسے پکڑتا ہے کہ) یہ نہ اس سے پیچھے ہو سکتے ہیں ۱۱۷ اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور (ان کی گستاخی تو دیکھو کہ) یہ

لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ

لوگ اللہ کے لئے وہ چیزیں تجویز کرتے ہیں جو انہیں خود اپنے لئے ناپسند ہیں ۱۱۸ اور اس پر ان کی زبانیں یہ جھوٹ بھی الاپتی

لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ط لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ

ہیں کہ (آخرت کی) وہ بھلائی بھی انہی کے لئے مقرر ہے ۱۱۹ (ہرگز نہیں، وہاں تو) ان کے لئے لازمی طور پر دوزخ کی وہ

مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ

آگ ہی ہوگی، جس میں ان کو سب سے پہلے جھونکا جائے گا ۱۲۰ (اور ان کا یہ بغض و عناد کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں، بلکہ)

مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ

اللہ کی قسم، ہم آپ سے پہلے بھی کتنی ہی امتوں کی طرف رسول بھیج چکے ہیں، مگر شیطان نے ان کے لئے انکے اعمال کو

۱۱۷ اللہ تعالیٰ کی ڈھیل ایک مقررہ وقت تک کیلئے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ان کو ڈھیل پر ڈھیل دیئے جا رہا ہے کہ ایک مقررہ وقت تک کے لیے جو اسکی حکمت بے نہایت کا مقتضی ہے۔ لیکن ان کیلئے یہ ڈھیل بھی ایک خاص مدت تک کیلئے ہے جو کہ اس نے ان لوگوں کے انجام کیلئے مقرر فرما رکھی تھی۔ سو وہ جب ان کا وہ مقرر وقت آپہنچے گا تو یہ ایک لحہ کیلئے نہ اس سے آگے ہوسکیں گے اور نہ پیچھے رہ سکیں گے۔ سو وہ لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود ڈھیل پر ڈھیل دیے جا رہا ہے تا کہ جنہوں نے توبہ و استغفار سے اپنی اصلاح کرنی ہو وہ کرلیں اور جنہوں نے نہ کرنی ہو وہ اپنا پیمانہ بھر کر اپنے آخری انجام کیلئے تیار ہو جائیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

۱۱۸ مشرکوں کی حماقت و جہالت کا ایک اور نمونہ اور مظہر:- کہ یہ لوگ اللہ کیلئے وہ کچھ تجویز کرتے ہیں جو خود اپنے

لئے پسند نہیں کرتے۔ جیسے بیٹیاں اور طرح طرح کے شریک۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ جبکہ خود اپنے لئے یہ لوگ نہ بیٹیاں پسند کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی حکومت وریاست اور اپنی ملکیت میں دوسرے کسی کی شرکت گوارا کرتے ہیں۔ سو یہ ان لوگوں کی جہالت در جہالت اور حماقت پر حماقت ہے جس کا ارتکاب یہ اس طرح کرتے ہیں اور اپنی مت ماری کی بناء پر یہ نہیں سمجھ رہے کہ اس طرح یہ لوگ اپنے لئے کتنی بڑی ہلاکت وتباہی کا سامان کر رہے ہیں۔ اور اس کا بھگتان ان کو کس قدر ہولناک شکل میں بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین۔

۱۱۹ اہل باطل کا ایک دعوائے باطل:۔ سو یہ اہل باطل کا ایک باطل اور بیہودہ دعویٰ ہے کہ آخرت کی وہ بھلائی بھی ہمارے ہی لئے ہے جو کہ سب سے بڑی اور حقیقی بھلائی ہے کہ دنیاوی مال ودولت اور جاہ ومنصب وغیرہ بالعموم انہی کو ملا ہوا ہے۔ پس اگر وہ اللہ کے یہاں محبوب اور اسکے پیارے نہ ہوتے تو انکو یہ سب کچھ آخر کیوں ملتا؟ جیسا کہ ان کا کہنا تھا۔ ﴿وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی﴾۔ الآیۃ (حٰم السجدۃ: ۵۰)۔ سو اس طرح دنیاوی مال ودولت کا یہ پہلو انسان کیلئے سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہوتا ہے کہ اس سے وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھنے لگتا ہے اور اس طرح وہ راہِ حق وصواب سے اور دور اور بالآخر ہمیشہ کے لئے محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہلاکت وتباہی کے اس دائمی گڑھے میں جا گرتا ہے۔ جس سے نکلنے کی اسکے لئے پھر کوئی صورت ہی ممکن نہیں رہتی اور وہ دائمی خسارے میں مبتلا ہو کر رہتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۲۰ منکرین ومشرکین کیلئے عذابِ دوزخ لازم:۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ ایسوں کے لئے لازماً دوزخ ہے چنانچہ فرمایا گیا کہ ایسا نہیں جیسا کہ انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ ان کو لازماً سب سے پہلے دوزخ میں جھونکا جائے گا۔ یعنی ﴿مُفْرَطُوْنَ﴾ کا یہ لفظ ''فرط'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی آتے ہیں ''پانی کے گھاٹ پر پہلے پہنچنے والا'' (ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو یہ لوگ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ دنیاوی مال ودولت کا حاصل ہو جانا ان کے اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب اور مقبول ہونیکی دلیل ہے۔ اور اس بناء پر ان کو وہاں پر جنت کی نعمتیں ملیں گی۔ نہیں، بلکہ اسکے برعکس انکو وہاں سب سے پہلے اور لازماً دوزخ میں جانا ہوگا کہ جس طرح دنیا میں ایسے لوگ اپنے کفر وباطل میں پیش پیش اور سب سے آگے تھے اسی طرح وہاں پر بھی یہی سب سے آگے آگے دوزخ میں داخل ہونگے۔ جیسا کہ فرعون کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے روز اپنی قوم کے آگے آگے چلتا اور ان کی پیشوائی کرتا ہوا ان کو سیدھا لے جا کر دوزخ کے اس ہولناک گڑھے میں ڈالے گا جو سب سے ہولناک گڑھا اور بدترین گھاٹ ہوگا۔ ﴿یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴾ (ھود: ۹۸) سو بُروں کی پیشوائی بھی بُری اور انکی پیشوائی میں چلنا بھی بُرا اور ان کا نتیجہ وانجام بھی نہایت بُرا اور انتہائی ہولناک۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین

وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ

ایسا خوشنما بنا دیا واا۱۲ (کہ انہوں نے رسولوں کی بات کو مان کر نہ دیا،) سو وہی آج ان کا بھی دوست ہے، اور ان لوگوں کیلئے

اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي

بھی ایک بڑا ہی دردناک عذاب طے ہے اور ہم نے آپ پر (اے پیغمبر!) یہ کتاب تو صرف اس لئے اتاری ہے کہ آپ

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

ان کے سامنے کھول کر بیان کر دیں وہ سب باتیں جن کے بارے میں یہ لوگ اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں و۱۲۲ اور تا کہ

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

(اس عام فائدے کے علاوہ یہ کتاب بطور خاص) ان لوگوں کے لئے سراسر ہدایت، اور عین رحمت ہو، جو ایمان رکھتے

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

ہیں و۱۲۳ اور اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے (ایک بڑے ہی حکیمانہ نظام کے تحت) پھر اس کے ذریعے وہ زندہ کرتا ہے

۱۲۱ اہل کفر و باطل کے لئے شیطان کی تزیین وتسویل ذکر و بیان۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پہلی امتوں کو بھی انبیاءِ رسل کے ذریعے حق کی دعوت دی گئی مگر شیطان نے ایسا خوشنما بنا دیا ان کیلئے ان کے اعمال کو کہ وہ قبولِ حق کے لئے تیار نہ ہوئے۔ معلوم ہوا کہ بُرائی کو اچھائی کی شکل میں دکھانا شیطان کا کام اور اس کا پرانا اور معروف حربہ ہے۔ خواہ وہ جنوں میں ہوں یا انسانوں میں سے۔ سو اس سے ان اہلِ زیغ وضلال اور اصحابِ فتنہ وفساد کو اپنے بارے میں سوچنا اور غور کرنا چاہیے جو کہ طرح طرح کی بدعات وخرافات اور شرکیات کو دین ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی تحریفات و تلبیسات سے کام لیتے ہیں۔ اور انہوں نے سادہ لوح عوام کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے۔ ان کو اپنے بارے میں سوچنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں؟ کس راہ پر گامزن ہیں؟ اور انجام کار وہ کہاں پہنچنے والے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف لوگوں کی گمراہی کا ایک بڑا اور بنیادی سبب یہی رہا کہ شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کے لئے خوشنما بنا دیا۔ جس کی بناء پر اہل باطل اپنے آپ کو ٹھیک کہتا اور درست سمجھتا ہے۔ تو ایسے میں وہ اپنی بُرائی کو چھوڑے تو کیسے اور کیونکر؟ سو تزیینِ شیطان ضلالت وگمراہی کا ایک سبب رہا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اور اس کی بناء پر کتنے ہی لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ سو دعوتِ حق وہدایت سے منہ موڑنا' اور اِعراض وروگردانی برتنا خساروں کا خسارہ اور دائمی ہلاکت وتباہی کا پیش خیمہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۲۲ حدیثِ رسول کے توسّط کے بغیر قرآن حکیم کو سمجھنا ممکن نہیں: - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہا ہم نے اس قرآن کو آپ کی

طرف اس لئے اتارا، تا کہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کیلئے (اے پیغمبرؐ!) اسکی مراد گو کہ آپ کی تبیین وتعلیم کے بغیر قرآنی مطالب ومعانی تک رسائی کسی کیلئے ممکن نہیں۔ اور پیغمبر کی اس تعلیم وتلقین اور توضیح وتشریح کو حدیثِ رسول کہا جاتا ہے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ حدیث رسول حجت قطعی ہے۔ اس کے بغیر قرآن پاک کو صحیح طور پر سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ سو قطعی گمراہ ہیں وہ لوگ جو حدیث رسول کی حجیت کا انکار کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حدیث رسول کے توسط کے بغیر قرآن کو از خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور وہ لوگوں کو قرآن پاک پر اکتفاء کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ سو قطعی گمراہ ہیں وہ لوگ جو حدیث رسول کی حجیت کا انکار کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حدیث رسول کے توسط کے بغیر قرآن کو از خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور وہ لوگوں کو قرآن پاک پر اکتفاء کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اہل قرآن جیسے خوشنما اسماء والقاب کے ساتھ موسوم وموصوف کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہ اہل اسلام۔ بلکہ کھلے اہل کفر اور اصحابِ زیغ وضلال ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم صرف ذاتی مطالعہ (Self Study) سے سمجھنے کی کتاب نہیں بلکہ استاذ سے پڑھنے یا کم از کم استاذ کی نگرانی میں اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کا مطالعہ کرنے سے ہی انسان صحیح طور پر اس کتابِ حکیم سے مستفید اور فیضیاب ہو سکتا ہے۔ ورنہ اس کے بغیر اس کے نورِ ہدایت سے فیضیابی کے مقابلے میں گمراہی کے خطرات زیادہ ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ کیونکہ یہ کتابِ حکیم اگر خود پڑھنے اور ذاتی مطالعہ سے سمجھنے کی کتاب ہوتی تو اللہ کے رسول کو اپنی حیاتِ طیبہ میں اور نورِ نبوت سے سرفرازی کے بعد کے پورے تیئس سال اسکی تعلیم وتبیین میں صَرف کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ صلوات اللہ وسلامہ، علیہ۔ اس لیے حدیث رسول کی مدد وساطت اور استاذ کی تعلیم ونگرانی کے بغیر اس کتابِ حکیم کو سمجھنا اور اس سے صحیح معنوں میں استفادہ کرنا ممکن نہیں۔ جب حضراتِ صحابۂ کرام پڑھے اور سیکھے بغیر نہیں سمجھ سکے گا تو اور کون سمجھ سکتا ہے؟

۱۲۳ قرآنی ہدایت سے سرفرازی کے لیے اوّلین شرط ایمان ہے:- پس اسکے نورِ ہدایت سے سرفرازی انہیں لوگوں کو نصیب ہو سکتی ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہوں۔ یا کم از کم ان کے دلوں میں اس پر ایمان کے لئے طلبِ صادق اور تڑپ ہو۔ کیونکہ ﴿یُؤْمِنُوْن﴾ کا کلمۂ کریمۂ ایمان اور ارادہ ایمان دونوں کو عام اور انکو شامل ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ کتاب سراسر ہدایت اور عین رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ سو اس ارشاد ربانی سے معلوم ہوا کہ قرآنی ہدایت ورحمت سے فیضیاب ہونے کیلئے اوّلین شرط اس پر سچا پکا ایمان ہے۔ کم از کم ایمان کی نیت اور اس کا ارادہ موجود ہو۔ اور ایمان کی یہ دولت جس قدر پختہ ہوگی اسی قدر یہ کتابِ ہدایت ورحمت انسان کو نوازے گی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ بِمَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔ بہرکیف یہی کتابِ حکیم ہے جو لوگوں کے اختلافات کا صحیح فیصلہ کر سکتی ہے۔ اس پر ایمان سے بدایۂ ہدایت وراہنمائی نصیب ہوتی ہے اور راہِ حق پر آ جانے کے بعد اسکی رحمتیں اور عنایتیں انسان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہیں جو زندگی کے ہر مرحلے پر اس کو راہِ حق وہدایت پر قائم ومستقیم رکھتی ہیں اور آخرت میں اسکو جنت کی نعیم مقیم سے مشرف کر دے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿یَھْدِیْھِمْ رَبُّھُمْ بِاِیْمَانِھِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ﴾ (یونس:۹)۔ سو ایمان ویقین کی دولت دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے۔ جبکہ اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔

يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ط ۱۴

زمین کو اس کے مرچکنے کے بعد ۱۲۴ بے شک اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں ۱۲۵ اور تمہارے

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ

لئے (اے لوگو! تمہارے) مویشیوں میں بھی بڑا سامان عبرت ہے ۱۲۶ (ذرا دیکھو تو سہی کہ کس طرح) ہم ان کے پیٹوں

لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ

سے تمہارے پینے کے لئے گوبر اور خون کے (مادے کے عین) درمیان سے ایسا خالص دودھ پیدا کرتے ہیں، جو نہایت

النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ

(مفید اور) خوشگوار ہوتا ہے پینے والوں کے لئے ۱۲۷ اور (اسی طرح ہم) کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی (تمہارے لئے

۱۲۴ وہی زندہ کرتا ہے زمین کو اسکے مرجانے کے بعد:- سو اسی طرح وہ تمہیں بھی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ ﴿كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾۔ سو زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرنے کے اس عمل میں عظیم الشان دلائل ہیں اس کی قدرت وحکمت کے۔ سو تم لوگ ذرا سوچو اور غور کرو کہ کس طرح وہ بارش کے اس آبِ حیات کے ذریعے مُردہ پڑی ہوئی اس زمین کو حیاتِ تازہ سے نوازتا اور سرفراز کرتا ہے۔ جس سے آگے طرح طرح کی انگوریاں نکلتیں اور پیداواریں اُبھرتی ہیں۔ جن سے تم لوگ طرح طرح سے فیضیاب ومستفید ہوتے ہو۔ سو تم لوگ ذرا سوچو اور غور کرو کہ وہ کیسا قادرِ مطلق، حکیم مطلق اور کتنا وہاب وکریم ہے۔ اور جو اس سب کے باوجود اسکے آگے نہ جھکے وہ کس قدر ظالم اور کتنا بے انصاف ہے۔ والعیاذ باللہ۔ نیز اسی سے اس کی توحید اور وحدانیت ویکتائی اور حیات بعد الموت کے امکان اور اسکی ضرورت وقوع کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ نیز جب اس قادرِ مطلق نے تمہاری جسمانی، مادی اور ظاہری ضرورتوں کی تکمیل وتحصیل کے لیے اس قدر حکمتوں بھرا انتظام فرمایا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری ایمانی روحانی اور باطنی ضرورتوں کی تکمیل کا کوئی سامان نہ کرے؟ جب کہ وہ ان ظاہری اور مادی ضرورتوں سے کہیں بڑھ کر اہم ہیں۔ سو اسی کیلئے اس نے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے۔ ان پر اپنی کتابیں اتاریں۔ اور اس سلسلے کی تکمیل اس نے اب حضرت خاتم الرسل کی بعثت اور خاتم الکتب قرآنِ حکیم کو اتار کر فرما دی۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔

۱۲۵ سننے والوں کے لئے بڑی بھاری نشانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اس سب میں بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو سنتے ہیں گوشِ ہوش سے۔ نہ کہ محض ظاہری کانوں سے بہائم کی طرح۔ سو جس سننے میں غور وفکر اور عبرت پذیری کا جذبہ کارفرما نہ ہو وہ سننا بہائم کا سننا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ پس غور وفکر اور عبرت پذیری کے نقطۂ نگاہ سے سننے والوں کے لئے بڑی بھاری نشانی ہے اس کائنات کے خالق ومالک کے وجود باجود، اسکی وحدانیت ویکتائی اور اسکی قدرت

وحکمت کی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ سب کچھ انہی لوگوں کیلئے جو صحیح طریقے سے سنتے ہیں جو اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر خداوندِ قدوس کے قانون کی زد میں ہوتے ہیں۔ ان کے کانوں کو کوئی بھی چیز نہیں کھول سکتی اور وہ ﴿کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ کا مصداق بن چکے ہیں یعنی چوپایوں جیسے بلکہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر گمراہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۱۲۶ مویشیوں میں دعوتِ غور و فکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے لئے (اے لوگو!) تمہارے ان مویشیوں میں بھی بڑا سامانِ عبرت وبصیرت ہے۔ یعنی تمارے انہیں مویشیوں میں جو کہ تمہارے آگے پیچھے چرتے پھرتے ہیں۔ اور اس طرح غور و فکر کا یہ سامان ہر وقت تمہارے سامنے موجود ہوتا ہے مگر تم لوگ ہو کہ نہ اس طرف کوئی توجہ دیتے اور نہ اس سے کوئی سبق لینے کی کوشش کرتے ہو۔ ورنہ اگر تم لوگ صحیح معنوں میں ان میں غور و فکر سے کام لو جو کہ ہر وقت تمہارے سامنے ہوتے ہیں اور جن کو تم دن رات دیکھتے اور ان سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو تو تمہیں انہیں سے عظیم الشان درسہائے عبرت وبصیرت ملیں۔ اور ایسے کہ تمہاری کایا پلٹ ہو جائے۔ مگر بُرا ہو غفلت کا کہ اس کے باعث تم لوگ اندھے اور اوندھے ہوتے جاتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہارے ہی اندر ایسے لوگ بھی موجود جو ان ہی جانوروں کی پوجا تک کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو تم لوگ آنکھیں کھول کر ذرا دیکھو تو سہی کہ کس طرح یہ سرتاپا نفع و خیر بنے تمہارے کام آرہے ہیں۔ ان کے دودھ، ان کے گوشت، انکی کھالیں، انکے بال اور ان کی روئیں۔ انکی لید اور انکی گوبر اور مینگنیوں وغیرہ میں کونسی چیز ہے جو تمہارے کام نہ آتی ہو۔ اس سے تمہارے طرح طرح کے فوائد و منافع وابستہ نہ ہوں اور ان سے تمہارے طرح طرح کے کاروبار نہ چلتے ہوں؟ تو پھر تم لوگ سوچتے اور غور کیوں نہیں کرتے کہ اس پُر حکمت طریقے اور اس کثرت کے ساتھ کس نے پیدا کر کے تمہارے لیے مسخر کر دیا؟ اور اسکا تم پر کیا حق بنتا ہے؟ اور وہ حق کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔ سو وہی اللہ ہے جو تم سب کا خالق و مالک اور وہاب و کریم ہے اور اس کا حق جو تم لوگوں پر واجب ہوتا ہے وہ ہے اسکی اطاعتِ مطلقہ اور اسکی عبادت و بندگی خالصہ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۲۷ دودھ کی نعمت میں دعوتِ غور و فکر:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور انہی کے پیٹوں سے ہم تمہیں خالص اور خوشگوار دودھ کی نعمت سے نوازتے ہیں" اور ایسا عمدہ، خوشگوار اور اس قدر مفید و مزیدار کہ اپنی منفرد و ممتاز لذت و شیرینی اور طرح طرح کے وٹامنوں سے بھرپور و مالا مال۔ اور ایسا صاف ستھرا کہ گوبر اور خون کی ان دونوں نجاستوں کے کسی شائبے کی بھی اس میں کوئی آمیزش نہیں۔ سو یہ اس وحدہٗ لاشریک قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے سوا اور کس کی کارستانی ہو سکتی ہے؟ مگر پھر بھی اس انسان کی ناشکری اور بے انصافی ملاحظہ ہو کہ یہ اس کی اس عظیم الشان نعمت کو دوسروں کی طرف منسوب کرتا، اور اس طرح وہ اس کو شکر کے بجائے شرک و کفر کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ کوئی اس کو خود ساختہ اور بے حقیقت بتوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ کوئی اسکو کسی دیوی اور دیوتا کی کارستانی قرار دیتا ہے۔ کوئی کسی آستانے یا اپنی ساختہ پرداختہ کسی سرکار کی فیض رسانی سمجھتا ہے اور کوئی کسی زندہ یا مردہ پیر فقیر کی عنایت و مہربانی اور حاجت روائی و مشکل کشائی کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اور وہ انہی کو راضی کرنے کی فکر کرتا ہے اور ایسے لوگ ان کیلئے طرح طرح کے ناموں سے نذر و نیاز اور ڈالیاں پیش کرتے ہیں۔ اور گیارہویں، بارہویں دیتے اور انہی کے گُن گاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو ذرا سوچو کہ دیا کس نے اور نام کس کا لیا جا رہا ہے؟ لیکن اس پر بھی وہ ایسے بے انصافوں کو ڈھیل اور چھوٹ دیئے جا رہا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

کھانے اور پینے کا بندوبست کرتے ہیں، مگر) تم لوگ اس سے نشہ آور چیز بھی بناتے ہو، اور اچھی غذا بھی **و۱۲۸** بلاشبہ اس میں

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ

بھی بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں **و۱۲۹** اور (دیکھو کس طرح) تمہارے رب نے شہد کی مکھی

۱۲۸ **کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں دعوتِ غور و فکر:-** سو یہ دونوں عظیم المنافع اور کثیر الفوائد پھل بھی اسی وحدہٗ لاشریک نے پیدا فرمائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ انسانی برتاؤ کی دو صورتیں ہیں۔ جائز اور ناجائز۔ اور ان دونوں کا نتیجہ و انجام بھی مختلف ہے۔ یعنی ان عظیم الشان اور پاکیزہ نعمتوں کے استعمال کرنے کیلئے تمہارے سامنے دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ تم ان کو پاکیزہ روزی کے طور پر استعمال کر کے دل و جان سے اس واہبِ مطلق کا شکر بجالاتے۔ تو یہ نعمتیں تمہارے لئے نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن جاتیں۔ اور دوسری صورت ان کے استعمال کی یہ تھی کہ تم ان سے نشہ آور چیزیں بنا کر اپنی خواہشات اور نفس پرستی کا سامان کرتے۔ جس کے نتیجے میں یہ تمہارے لئے وبالِ عذاب بن جاتیں۔ اب یہ دونوں صورتیں تمہارے سامنے اور تمہارے اختیار میں تھیں اور ہیں۔ ایک جائز ہے اور ایک ناجائز۔ جس نے ان میں سے جس کو بھی اپنایا اور اختیار کیا اس کو اس کا صلہ و ثمر ملے گا۔ ان نعمتوں کو جائز اور صحیح طریقے سے استعمال کرنے والوں کیلئے اِنعام و اِکرام ہوگا۔ اور غلط اور ناجائز طریقوں سے برتنے والوں کو اس کا بھگتان بھگتنا پڑے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو ﴿رزقا حسنا﴾ کے کلماتِ کریمہ سے اللہ تعالیٰ کی دی بخشی ہوئی نعمتوں کو ان کے صحیح مصرف میں لگانے اور صحیح طور پر خرچ کرنے کا درس بھی ہے اور ان کو بُرے مصرف میں لگانے اور بُرے طریقے سے خرچ کرنے کی ممانعت بھی ہے کہ یہ سب کچھ رزقِ حسن کے تقاضوں کے خلاف حضراتِ واہبِ مطلق کی ناشکری اور اسکی بخشی ہوئی نعمتوں کی بےقدری ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۲۹ **عقل سے کام لینے والوں کیلئے بڑی بھاری نشانی:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ جو اپنی عقل سے صحیح کام لیکر سوچتے ہیں۔ اور اس بارے میں غور کرتے ہیں کہ مٹی سے ان عظیم الشان اور طرح طرح کی قوتوں اور وٹامنوں سے صحیح سے بھرپور ان نعمتوں کو ہمارے لئے پیدا کس نے کیا؟ اور یہ کہ کتنی عظیم اور کس قدر مہربان ہے وہ ذات جس نے ہمیں ان طرح طرح کی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا اور ہماری طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر از خود اور محض اپنی رحمت و عنایت سے نوازا۔ سو کس قدر مہربان اور کتنی وہاب و کریم ہے وہ ذات اور اس کا ہم پر کیا حق ہے اور اس کا یہ حق واجب کس طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔ نیز جب ان نعمتوں کی بخشش و عطاء میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا سہیم کس طرح ہو سکتا ہے۔؟ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو ان سب نعمتوں میں عظیم الشان نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے نورِ عقل و بصیرت سے صحیح طور پر کام لیتے ہیں۔ اور جو عقل سے کام لینے کی بجائے صرف جانوروں کی طرح اپنا پیٹ بھرتے ہیں ان کیلئے کسی درسِ عبرت کا کوئی سوال نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

کے جی میں یہ بات ڈال دی ف۱۳۰ کہ تو گھر (یعنی اپنے چھتے) بنا پہاڑوں میں بھی، درختوں میں بھی، اور ان چھتوں میں بھی، جو یہ لوگ

ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ

(اس غرض کے لئے) بناتے ہیں، پھر تو کھا ہر قسم کے پھلوں سے، (اور ان کے رس چوس) ف۱۳۱ پھر چل نکل اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں ف۱۳۲

رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

پر، (سو اس کے نتیجے میں) اس کے پیٹ سے پینے کی ایک ایسی (عظیم الشان) چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں ف۱۳۳

اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً

اور اس میں شفاء ہے لوگوں کے لئے ف۱۳۴ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں ف۱۳۵

لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىکُمْ ؕ۫

اور (تم لوگ خود اپنی حالت پر بھی تو غور کرو کہ کس طرح) اللہ ہی تمہیں پیدا فرماتا ہے ف۱۳۶ پھر وہی تمہیں موت بھی دیتا ہے ف۱۳۷

۱۳۰ شہد کی مکھی میں درس عبرت وبصیرت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو گھر بنا"۔ یعنی وحی کا لفظ یہاں پر اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی القاء اور الہام کے معنیٰ میں۔ نہ کہ اصلاحی معنوں میں۔ کہ وہ حضرات انبیاء ورسل کے ساتھ خاص ہے۔ اور نبوت ورسالت کی یہ معروف اور اصلاحی وحی حضرات انبیاء ورسل ہی کیلئے مختص ہے۔ وہ ان کے سوا کسی اور کو نہیں ہوسکتی۔ بہر کیف یہ امر بھی قدرت کے عجائبات میں سے ایک ہیکہ اس نے شہد کی مکھی کے اس چھوٹے سے وجود کے اندر یہ بات ڈال دی اور اس کو یہ امر القاء کر دیا کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی چھتوں میں اپنے ایسے عظیم الشان گھر بنائے جن سے انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بہر کیف وحی سے یہاں پر مراد وہ جبلی اور فطری وحی ہے جو ہر مخلوق کو اسکی طبعیت وفطرت میں ودیعت فرمودہ صلاحیتوں کو استعمال کرنے کے بارے میں فاطر فطرت وجبلت کی طرف سے فرمائی گئی ہے۔ جس میں بڑے درسہائے عبرت وبصیرت ہیں۔

۱۳۱ شہد کی مکھی کو ہر طرح کے پھلوں سے رس چوسنے کی ہدایت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اسکو حکم دیا کہ پھر تو کھا ہر قسم کے پھلوں سے (اور چوس ان کے رس)"۔ اور پھر اس کے چوسنے کا انداز بھی قابل غور ہے کہ وہ کس عجیب طریقے سے چوستی ہے کہ نہ پھول ٹوٹنے پائے نہ اس میں کوئی نقص وعیب ظاہر ہو۔ اہل دنیا اپنی ہزار ترقیوں کے باوجود شہد کی مکھی کی اس کاریگری تک اب تک نہیں پہنچ سکے۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ لَا حَدَّ لِعَظَمَتِهٖ وَلَانِهَایَةَ لِقُدْرَتِهٖ جَلَّ وَعَلَا۔ سو شہد کی یہ مکھی

قدرت کے اسی اِنعام و اِلہام کے نتیجے میں طرح طرح کے پھلوں سے کھاتی اور قسما قسم کے پھولوں سے رس چوستی ہے۔ جس سے آگے شہد جیسا بے مثال مشروب تیار ہوتا ہے۔ حضرتِ امام غزالی فرماتے ہیں کہ حضرتِ قادرِ مطلق جل وعلا شانہٗ۔ کی یہ قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ شہد کی مکھی کے لعاب سے ایک تو شمع نکلتی ہے دوسرا شہد جن میں سے ایک میں ضیاء (روشنی) ہے یعنی شمع میں اور دوسرے میں شفاء یعنی شہد میں (محاسن التاویل وغیرہ) فسبحان اللہ من قادر حکیم جل وعلا۔

۱۳۲ شہد کی مکھی کو اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں پر چلنے کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر تو چل نکل اپنے رب کی ہموار کردہ راہوں پر۔ چنانچہ شہد کی یہ چھوٹی سی ننھی منی مکھی ان ہوائی راستوں (Air Lines) پر دور دور تک ایسے چلی جاتی ہے کہ نہ جاتے ہوئے کہیں بھولتی بھٹکتی ہے۔ نہ آتے ہوئے۔ انسان نے تو بڑے زمانے کی محنت ومشقت اور دوڑ دھوپ کے بعد اب کہیں جا کر ان ہوائی راستوں (Air Ways) پر سفر کرنا شروع کیا ہے اور وہ بھی طرح طرح کے آلات کے ذریعے۔ اور قسما قسم کے اسباب ووسائل کی مدد سے۔ مگر شہد کی یہ چھوٹی سی مکھی ہے کہ خدا ہی جانے کتنے زمانوں سے اپنے ایسے حکمتوں بھرے سفروں پر رواں دواں ہے۔ نہ وہ اس طرح کے مادی اسباب وذرائع کی محتاج ہے، اور نہ کسی طرح کی راہنمائی کی اس کو کوئی ضرورت ہے۔ سو اس میں صحیح طور پر غور کرنے سے حضرت خالقِ حکیم جلّ جلالہ کی قدرتِ بے پایاں' اور اسکی حکمتِ بے نہایت کے عظیم الشان دلائل اور مظاہر سامنے آتے ہیں۔ سو اس میں صحیح طور پر غور کرنے سے حضرت خالقِ حکیم جل جلالہ کی قدرت بے پایاں' اور اسکی حکمت بے نہایت کے عظیم الشان دلائل اور مظاہر سامنے آتے ہیں۔۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ لَاحَدَّ لِقُدْرَتِهٖ وَلَا نِهَا یَةَ لِجُوْ دِهٖ وَ عَطَآ ئِهٖ وَاِحْسَانِهٖ جَلَّ وَعَلَا.

۱۳۳ شہد کے اندر سامانِ عبرت وبصیرت:- سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلنے والے عظیم الشان مشروب میں سامان عبرت وبصیرت ہے۔ ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان مکھیوں کے پیٹوں سے مختلف رنگوں کا ایک مشروب نکلتا ہے۔ سرخ، سفید اور زرد وغیرہ۔ پھولوں اور پھلوں کے اختلاف کے مطابق۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل اور معارف ومراغی وغیرہ وغیرہ) سو تم لوگ ذرا سوچو اور غور کرو کہ یہ قدرت کا کیسا کرشمہ ہے کہ شہد کی مکھی کے اس چھوٹے سے وجود سے ایسی عجیب وغریب اور مفید چیز نکلتی ہے جس سے تمہارے طرح طرح کے فائدے وابستہ ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ مومن کی مثال شہد کی مکھی کی سی ہے جو پاکیزہ چیز کھاتی ہے اور پاکیزہ چیز نکالتی ہے۔ اور پھول جیسی چیز پر بیٹھنے کے باوجود نہ اسکو توڑتی ہے اور نہ اس کو خراب کرتی ہے، بس اس سے رس چوستی ہے۔

۱۳۴ شہد کے اندر لوگوں کیلئے شفاء:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس میں شفاء ہے لوگوں کے لئے یعنی بہت سے لوگوں کے لئے اور بہت سی بیماریوں سے۔ نہ کہ سب لوگوں کیلئے اور ہر حال میں اور ہر بیماری سے۔ پس اس ارشاد ربانی پر اس طرح کا کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کہ شہد سے تو فلاں بیماری میں اور فلاں حالت میں نقصان پہنچتا ہے وغیرہ۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، الکبیر وغیرہ) کیونکہ یہاں شفاالناس یعنی سب لوگوں کیلئے شفاء نہیں فرمایا گیا بلکہ "شِفَـآءٌ لِّلنَّاس" فرمایا گیا ہے۔ یعنی اس میں ایک عظیم الشان شفاء ہے مختلف لوگوں کیلئے۔ بہر کیف شہد کی مکھی کے پیٹ سے نکلنے والا یہ مشروب یعنی شہد کی ایک عظیم

الشان مشروب ہے جو ایک بڑی مفید ولذیز غذاء بھی ہے اور دواء بھی۔ اس کا غذا ہونا تو بالکل واضح تھا اس لئے اس کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ لیکن اس کے دواء اور شفاء ہونے کا ایک پہلو چونکہ نسبتاً مخفی تھا اس لئے اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ شہد کے اندر چونکہ مختلف پھلوں اور پھولوں کا رس اور ان کا گلوکوز اپنی بہترین شکل میں موجود ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بعض بیماریوں میں بطورِ خاص مفید ہوتا ہے۔ اور مزید اس میں یہ خاصیت بھی پائی جاتی ہے کہ یہ خود بھی نہیں سڑتا اور دوسری جن چیزوں کے اندر اس کو شامل کیا جاتا ہے ان کو بھی ایک مدت تک یہ سڑاند اور فساد سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی لئے اطباء اس کو دواؤں کی حفاظت کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

۱۳۵ **غور وفکر کرنے والوں کیلئے بھاری نشانی:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں" اور وہ اس بارے سوچتے اور غور وفکر کرتے ہیں کہ شہد کی اس چھوٹی سی مکھی میں ایسی خصوصیات ودیعت کس نے فرمائیں؟ اور کس طرح اس کے پیٹ سے گندگی کی بجائے شہد جیسی لذیذ اور مفید چیز نکلتی ہے جبکہ یہ مکھی ایک زہریلی اور نیش دار چیز ہے۔ آخر یہ سب کچھ کس کی قدرت ہے؟ کتنی عظیم ہے وہ ذاتِ اقدس واعلیٰ؟ اور کیا حق ہے اس کا ہم پر؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں غور وفکر سے کام لینا چاہیے ایک مطلوب ومحمود امر ہے۔ نیز یہ بھی واضح فرما دیا کہ غور وفکر کا محل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے نہ کہ حضرتِ خالق کی ذاتِ اقدس واعلیٰ کہ وہ خالق اور دائرہ مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو وہی خالق کل اور مالک مطلق معبودِ برحق ہے۔ اور جب اسکی ان عنایات میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر اسکی عبادت میں کوئی اس کا شریک کس طرح ہوسکتا ہے؟ پس عبادت کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس میں کسی بھی اور کو شریک ماننا ظلم عظیم ہوگا"۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۳۶ **خالق سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:۔** سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ ہی نے پیدا فرمایا تم سب کو (اے لوگو)۔ اور تمہیں عدم کے اندھیروں سے نکال کر وجود کی روشنی سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور خلق وایجاد اسی کی صفت اور اسی کی شان ہے۔ اور جب اس کی اس صفت وشان میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکے حقِ عبودیت وبندگی میں کوئی اسکا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ پس وہ ہر شریک اور شرک کے ہر شائبے سے پاک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو تمہارا وجود خود دلیل ہے اسکی قدرتِ کاملہ، حکمت بالغہ اور عنایتِ شاملہ کا۔ تم اگر اسی میں صحیح طور پر غور کرلو تو سب کچھ واضح ہو جائے گا۔

وباللہ التوفیق۔ لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال۔

۱۳۷ **زندگی اور موت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی نے پیدا فرمایا تم سب کو پھر وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے اپنے وقت مقررہ پر۔ پس نہ زندگی دینا اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کے بس میں ہے اور نہ موت دینا۔ پس جھوٹ کہتے ہیں وہ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر پیر صاحب کے نام کی گیارہویں نہ دی تو تمہاری بھینس کو مار دیں گے وغیرہ۔ نہ پیر صاحب ایسا کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے کبھی اس طرح کی کوئی بات کہی۔ یہ سب کچھ بعد کے لوگوں نے از خود گھڑا اور اپنے پیٹ کی پوجا کیلئے گھڑا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو زندگی بخشنا اور موت دینا اسی کا کام ہے اور ﴿یحیی و یمیت﴾ اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسکے سوا کسی بھی اور ہستی میں یہ صفت ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ

اور تم میں سے کسی کو لوٹا دیا جاتا ہے بدترین عمر کی طرف، ف۱۳۸ تاکہ وہ کچھ نہ جانے

بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ ع ۹

سب کچھ جاننے کے بعد، بے شک اللہ سب کچھ جانتا، ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ف۱۳۹

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ

اور (دیکھو) اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت (وفوقیت) بخشی رزق (وروزی) میں، ف۱۴۰

فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ

پھر وہ لوگ جن کو یہ فضیلت دی گئی ہے ایسے نہیں کہ وہ پھیر دیں اپنے رزق (وروزی) کو اپنے غلاموں

اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

کی طرف، اس طور پر کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں، ف۱۴۱ تو کیا یہ لوگ پھر بھی اللہ کی نعمتوں کا

۱۳۸ اَرْذَلِ عمر کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جن کو لوٹا دیا جاتا ہے سب سے زیادہ نکمی اور بیکار عمر کیطرف، جس میں انسان کے اعضاء وقُویٰ سب جواب دے جاتے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والا اس عمر کو نہیں لوٹایا جاتا (زادالمسیر)۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے قرآن حکیم کی عظمتوں اور اسکی برکتوں کے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ شَرَّفَنَا بِهٖ وَبِالْاِشْتِغَالِ بِهٖ۔ بہرکیف تمہارا وجود خود ایک عظیم الشان مخزن ہے دلائل وبراہین قدرت کا اے لوگو۔ سو تمہارا وجود خود گواہی دے رہا ہے اس خالق ومالک کے وجود باجود کی۔ اور اسکی عظمت شان اور جلالتِ قدر کی اور اس بات کی کہ تم لوگ اول سے آخر تک اس کے محکوم اور اسکے حکم وارشاد کے پابند ہو۔ اپنی پیدائش میں۔ اپنی جوانی اور بڑھاپے میں۔ اپنی صحت ومرض میں۔ اور اپنی موت وانتقال میں۔ تو پھر اسکے آگے سرکشی کیسے اور کیونکر؟

۱۳۹ اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور اِنَّ کے حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ اس کی قدرت کاملہ ہی کا ایک مظہر ہے کہ وہ انسان پر اس طرح کے مختلف احوال طاری کرتا ہے۔ اور اس طور پر کہ انسان کے بس میں نہیں کہ وہ ان میں سے کسی کا بھی انکار کر سکے۔ نہ وہ پیدا ہونے سے انکار کر سکتا ہے نہ بچپن کی عمر سے۔ نہ لڑکپن کے دور سے نہ جوانی اور اس کی بہاروں کے ڈھلنے سے اور نہ ہی ادھیڑ عمر اور بڑھاپے کے آنے سے۔ اور نہ ہی اس آخری عمر میں پہنچنے سے جس میں وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ بھی نہیں

جان رہا ہوتا۔ اور نہ ہی مرنے اور قبر میں جانے سے۔ اسی طرح قبر سے اٹھ کر دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا بھی اس کے بس و اختیار میں نہیں ہوگا۔ سو کس قدر محروم اور بدنصیب ہے وہ انسان جو اس حقیقت سے غافل اور آخرت اور بعث بعد الموت کا منکر ہے اور اسکے لئے تیاری کرنے کی بجائے متاعِ عمر کو یونہی ضائع کر رہا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۴۰ رزق و روزی بھی خداوندِ قدوس ہی کا عطیہ و احسان ہے:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور اللہ ہی نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے روزی میں کسی کو امیر بنایا تو کسی کو فقیر، کسی کو بہت مالدار اور کسی کو کم۔ کسی کو آقا و مالک اور کسی کو غلام و مملوک وغیرہ وغیرہ۔ سو احوال و ظروف کا یہ اختلاف جہاں اس قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ وہاں یہ تمہارے لئے اے لوگو اسکی ایک عظیم الشان رحمت اور عنایت بھی ہے کہ اس سے تمہارے باہمی تعاون و ترابط کا سلسلہ بھی قائم ہے اور تمہیں ایک دوسرے کے کام آنے، خدمت کرنے اور خدمت لینے اور اجر و ثواب کمانے کا موقع بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً سُخْرِياً﴾۔ الآیۃ (الزخروف: ۳۲) سو اگر یہ سب لوگ ایک ہی برابر ہوتے تو ایسے کبھی نہ ہوسکتا۔ اور یہ درجہ بندی بھی اس قادرِ مطلق نے اس درجۂ کمال حکمت سے فرمائی کہ ہر کوئی اپنی جگہ خوش اور مست و مگن ہے۔ ورنہ وہ ایک ہی وقت میں دوسروں کے کام بھی آتا ہے اور اپنی طرح طرح کی چیزوں کی تکمیل کے سلسلے میں ان کا محتاج بھی ہے۔ فَسُبْحَانَهٗ مِنْ خَالِقٍ عَظِيْمٍ قَادِرٍ قَيُّوْمٍ جَلَّ وَعَلَا۔ بہر کیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ رزق و روزی بھی اللہ ہی کا عطیہ و احسان ہے۔ پس نہ تو انسان اسکو اپنے کمال کا نتیجہ سمجھے اور نہ ہی اس کو دوسروں کی طرف منسوب کر کے ناشکری اور کفرانِ نعمت کا ارتکاب کرے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر ہی چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۱۴۱ توحید کیلئے ایک فطری دلیل کیطرف راہنمائی:۔ سو اس سے انسانی فطرت میں موجود توحید کی ایک اہم دلیل کی طرف راہنمائی فرمائی گئی ہے چنانچہ انسانی فطرت میں موجود و مرکوز توحیدِ خداوندی کی ایک اہم دلیل کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا پھر یہ لوگ ایسے نہیں کہ روزی کو اپنے ماتحتوں پر اس طرح پھیر دیں کہ وہ سب برابر ہو جائیں حالانکہ تم سب آپس میں مخلوق اور انسان ہونے میں برابر ہو۔ تو جب اسکے باوجود تمہیں یہ شرکت گوارا نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے کسی کی شرکت کیسے گوارا کرتے ہو؟ اور کس طرح اس کے لئے طرح طرح کے شریک ٹھہراتے ہو۔ ﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ؟﴾ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مشرک لوگوں کی مت کیسی ماری جاتی ہے کہ وہ مالک کے غلاموں اور اسکے ماتحتوں کا اپنے مالک اور بڑے کے برابر اور اسکے مساوی ہونا گوارا نہیں کرتے۔ لیکن خداوندِ قدوس جو کہ سب کا خالق و مالک ہے اس کے ساتھ اسکی مخلوق کو شریک جانتے اور اسکی خدائی میں حصہ دار مانتے ہیں۔ سو کتنے اندھے اور کس قدر اوندھے ہو گئے یہ لوگ؟ بہر کیف اس ارشاد سے فطرتِ انسانی میں پیوست ایک اہم دلیل کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے تاکہ وہ سوچے اور غور و فکر سے کام لے کر شرک کے اندھیروں سے نکل کر نور اور حق و ہدایت کے طریقِ مستقیم کی طرف آسکے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

يَجْحَدُوْنَ ﴿٧١﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

انکار کرتے ہیں؟ ۱۴۲ اور اللہ (کے کرم واحسان کے بارے میں مزید سنو کہ اس) نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے بیویاں خود

اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ

تمہاری ہی جنس میں سے ۱۴۳ اور اسی (قادر مطلق) نے تمہاری بیویوں سے (تمہارے لئے) بیٹے بھی پیدا فرمائے اور پوتے ۱۴۴

حَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ

بھی، اور اسی نے تمہیں کھانے (پینے) کے لئے (طرح طرح کی اور عمدہ سے عمدہ) پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں، تو کیا پھر

يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٢﴾ لا وَ

بھی یہ لوگ باطل (اور بے حقیقت و بے بنیاد چیزوں) پر ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں؟ ۱۴۵ اور پوجا

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا

کرتے ہیں یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی (بے حقیقت) چیزوں کی جو نہ تو آسمانوں سے ان کے لئے کسی طرح کی روزی رسانی

۱۴۲ منکرین و مشرکین کے دلوں پر ایک دستک:۔ سو منکر اور مشرک انسانوں کے قلوب وضمائر پر ایک دستک کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور بطور استفہام ارشاد فرمایا گیا کہ بخشی تو یہ سب نعمتیں ان کو اللہ تعالیٰ نے ہیں اور محض اپنے کرم و احسان سے بخشی ہیں مگر یہ لوگ ان کو اوروں کی طرف منسوب کرکے انکو ان کی مہربانی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور انہی کے نام کی نذریں مانتے اور نیازیں دیتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ نیز حق صریح کے آجانے اور راہِ ہدایت کے واضح ہوجانے اور ایسے قطعی دلائل کے قائم ہوجانے کے بعد بھی تم لوگ راہِ حق کے خلاف گامزن ہو اور نعمتِ حق و ہدایت کی قدر نہیں کرتے۔ حالانکہ حق و ہدایت کی نعمت سب سے بڑھ کر عظیم الشان اور جلیل القدر نعمت ہے۔ جس جیسی دوسری کوئی بھی نعمت نہیں ہوسکتی۔ (محاسن التاویل)۔ سو اس سے امر کو واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی اور بخشی ہوئی نعمتوں میں کسی بھی اور کو شریک کرنا اور اس کو اس میں ساجھی اور حصے دار ماننا کھلا ہوا جو شرک اور صریح انکار ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۴۳ بیوی بچوں کی نعمت سے متعلق تذکیر و یاددہانی:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور اس نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا فرمائیں خود تمہاری ہی جنس سے۔ تاکہ تم انکے ذریعے سکون حاصل کرو اور پُر کیف زندگی گزارو۔ تاکہ تمہاری نسل چلے اور تمہارا نام باقی رہے۔ اور اس رشتۂ ازدواج کے ذریعے تمہیں طرح طرح کی مزید نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہو۔ سو تمہارے لئے تو تمہاری بیویوں کو پیدا کرنا اسکی ایک عظیم الشان نعمت ہے جس سے اس نے تمہیں اپنی خاص رحمت و عنایت سے نوازا ہے۔ پھر مزید کرم یہ فرمایا کہ اس نے تمہاری ان بیویوں کو خود تمہاری ہی جنس سے پیدا فرمایا ہے۔ تاکہ تمہارے

درمیان باہمی انس ومحبت کا تعلق قائم ہو۔ کیونکہ اگر تمہاری بیویاں کسی اور جنس سے ہوتیں تو تمہارے درمیان باہم انس ومحبت کا یہ تعلق اور رشتہ کس طرح پیدا ہو سکتا تھا؟ پھر اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے زوجین یعنی بیوی اور خاوند میں سے ہر ایک کو ایسا بنا دیا ہے کہ ان میں سے ایک کی تکمیل دوسرے پر موقوف ہے اور ایک کی سعادت اور اس کا سکون دوسرے سے وابستہ ہے۔ سو تم لوگ اگر اس سلسلے میں غور وفکر سے کام لو تو تمہیں زوجیت اور انکے باہمی رشتہ میں قدرت کے عظیم الشان دلائل نظر آئیں گے اور تم لوگ دل وجان سے پکار اٹھو گے للّٰہ الحمد رب العالمین۔

۱۲۴ اور اُسی نے تمہیں بیٹوں اور پوتوں سے نوازا:- سو بیٹوں پوتوں کی اس عظیم الشان نعمت سے نوازنا بھی حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ ہی کی شان اور اسی کا کام ہے۔ سو اسی نے انسان کو اس نعمت سے نوازا اور از خود نوازا۔ مگر اس انسان کی بے انصافی اور ناشکری ملاحظہ ہو کہ اس نے اس کی اس نعمت میں بھی شرک کا ارتکاب کیا۔ یہاں تک کہ کلمہ گو مشرک نے اپنی اولاد کو غیروں کی طرف منسوب کر کے ان کے نام بھی شرکیہ رکھ دیئے۔ جیسے "پیر بخش"، "علی بخش"، "امام بخش"، "نبی داد"، "علی داد"، "حضور بخش"، "رسول بخش"، "عبدالحسین"، "عبدالنبی"، "عبدالرسول" اور "پیراں دتہ" وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ سو جو لوگ جہالت اور نادانی سے ایسا کرتے ہیں وہ تو پھر بھی معذور ہو سکتے ہیں لیکن جو جان بوجھ کر ایسا کرتے اور ایسے نام رکھتے ہیں وہ شرک کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ اور پھر اس رحیم وکریم اور ستار وحلیم خدائے ذوالمنین کا کرم واحسان ملاحظہ ہو کہ اس طرح کی تمام شرکیات کے باوجود وہ ان لوگوں سے اپنی یہ نعمت چھینتا نہیں۔ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ بہر کیف بیٹوں اور پوتوں کی نعمت بھی ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ جس سے قدرت اپنے بندوں کو نوازتی ہے کہ بیٹوں اور پوتوں کے اس سلسلے سے اس کا نام اور اسکے وجود کا تسلسل باقی رہتا ہے۔ اور یہی وہ نعمت ہے جو انسان کو اسکی موت اور انتقال کے بعد بھی کام آتی ہے۔ اور انہی کی دعاؤں اور نیک اعمال کے نتیجے میں انسان کو مرنے کے بعد بھی اجر وثواب ملتا رہتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرتِ نبی معصومؐ سے وارد ومنقول ہے۔ سو اولاد کی یہ نعمت مرنے کے بعد بھی کام آتی ہے جبکہ یہ راہِ حق وہدایت پر قائم ہوں و باللّٰہ التوفیق لما یحب و یرید وھوا الھادی الیٰ سواء السبیل

۱۲۵ پھر بھی اللہ کی نعمتوں کا انکار؟:- یعنی اللہ پاک کی یہ اور نعمتیں جن سے یہ لوگ ہر وقت اور طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہوتے ہیں۔ تو کیا پھر بھی یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں؟ کہ یہ نعمتیں ان کو بخشی اسی وحدہٗ لاشریک نے ہیں۔ مگر یہ ان کو منسوب دوسروں کی طرف کرتے ہیں۔ (ابنِ کثیرؒ) ۔ کوئی لکڑی پتھر وغیرہ کے کسی خود ساختہ بتوں کی طرف، کوئی کسی زندہ یا مردہ ہستی کے آستانے اور قبر کی طرف اور کوئی کسی "بلیوں والی سرکار" اور "کانوں والی سرکار" وغیرہ کی طرف۔ سو یہ کتنا ظلم اور کس قدر بے انصافی ہے؟ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نے ایک حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا اور جن وانس کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ پیدا سب کو میں کرتا ہوں مگر یہ بندگی دوسروں کی کرتے ہیں۔ اور روزی سب کو میں دیتا ہوں مگر یہ شکر دوسروں کا بجالاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری) ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّ شِرْكٍ وَّ ضَلَالٍ ۔ سو اللہ پاک کی بخشی ہوئی نعمتوں کا انکار کرنا بڑا ظلم اور سخت بے انصافی ہے۔ اور اس کا نتیجہ وانجام بھی بہت برا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔

مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ شَیۡـًٔا وَّلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ﴿۷۳﴾ ج

کا اختیار رکھتی ہیں، اور نہ ہی زمین سے ف۱۴۶ اور نہ ہی وہ اس کی کچھ سکت رکھتے ہیں ف۱۴۷ پس تم لوگ از خود اللہ کے لئے مثالیں

فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ وَ

مت بیان کرو ف۱۴۸ بے شک اللہ جانتا ہے (سب کچھ) اور تم لوگ نہیں جانتے ف۱۴۹ اللہ (ابطالِ شرک کے لئے) ایک مثال بیان

اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبۡدًا

فرماتا ہے کہ (فرض کرو کہ) ایک غلام ہے جو دوسرے کا ایسا مملوک ہے کہ (اپنے مالک کی اجازت کے بغیر) وہ کچھ بھی

مَّمۡلُوۡکًا لَّا یَقۡدِرُ عَلٰی شَیۡءٍ وَّمَنۡ رَّزَقۡنٰہُ مِنَّا

نہیں کر سکتا، اور دوسرا وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے دے رکھی ہو عمدہ روزی، اور وہ اس میں سے (اپنی مرضی

رِزۡقًا حَسَنًا فَہُوَ یُنۡفِقُ مِنۡہُ سِرًّا وَّجَہۡرًا ؕ ہَلۡ

کے مطابق) پوشیدہ بھی خرچ کرتا ہو، اور ظاہراً بھی ف۱۵۰ تو کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہو سکتے ہیں؟ ف۱۵۱ (پس ثابت ہوا کہ

یَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

معبودِ حقیقی بھی اللہ ہی ہے اور) ہر تعریف کا حقدار بھی اللہ ہی ہے ف۱۵۲ مگر لوگوں کی اکثریت ہے کہ وہ جانتے نہیں (حق اور

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیۡنِ اَحَدُہُمَاۤ اَبۡکَمُ لَا

حقیقت کو)، اور اللہ (مزید توضیح کے لئے) ف۱۵۳ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے کہ (فرض کرو کہ) دو شخص ہوں، جن میں سے

۱۴۶ مشرکوں کی حماقت کا ایک اور نمونہ و مظہر:۔ کہ بخشا تو ان کو اور سب دنیا کو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی نے ہے، اور وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو سب کو دیتا اور سب کچھ بخشتا ہے۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ اس وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر جو وہاب مطلق ہے یہ اپنے خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں کی پوجا کرتے ہیں۔ جو نہ آسمان سے کسی طرح کی روزی کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین سے کوئی انگوری وغیرہ نکالنے کی۔ یعنی نہ تو وہ اس کا کوئی اختیار رکھتے ہیں کہ ان کے لئے آسمان سے بارش اتار سکیں جس سے زمین کو زندگی ملتی ہے۔ اور نہ ان میں اسکی کوئی ہمت اور سکت ہے کہ وہ بارش کے اتر جانے کے بعد زمین سے کوئی انگوری اور پیداوار نکال سکیں۔ تو پھر ایسوں کو معبود بنانا اور ان کے مراسم عبودیت بجالانا کس قدر حماقت ہے۔ اور اس واہب مطلق معبود برحق کی عبادت و بندگی

سے منہ موڑنا کس قدر ظلم ہے؟ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین۔

۱۲۷ معبودانِ باطلہ کے بس میں کچھ بھی نہیں:۔ سو وہ نہ کچھ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ اسکی کوئی سکت رکھتے ہیں: کہ وہ ہیں ہی عاجز و بے بس۔ پھر وہ کیا کر سکتے ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ یعنی کبھی ایسے ہوتا ہے کہ کوئی شخص کوئی کام کرتا تو نہیں لیکن اس کے اندر اس کیلئے ہمت اور طاقت تو موجود ہوتی ہے۔ مگر یہ اس سے بھی عاجز اور گئے گزرے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو بات صرف اتنی ہی نہیں کہ وہ کچھ کرتے نہیں بلکہ وہ کچھ کر سکتے ہی نہیں۔ وہ اگر چاہیں بھی اور اس کے لئے زور بھی لگائیں تو بھی کچھ نہیں کر سکتے کہ وہ بے حقیقت اور بے جان محض ہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو ایسوں کو اپنا معبود مان کر ان کے آگے مراسم عبودیت بجالاتے ہیں وہ کیا ہونگے ﴿ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴾۔ سو کفر و شرک ذلتوں کی ذلت اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۲۸ اللہ پاک کیلئے مثالیں بیان کرنے کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''پس تم لوگ اللہ کیلئے مثالیں مت بیان کرو'' کہ وہ نظیر و مثال سے پاک ہے ﴿لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ج وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾۔ پس نہ تم اللہ کیلئے کوئی مثل بناؤ اور نہ تم اسکو اسکی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دو کہ اسکی کوئی نظیر و مثال سرے سے ہے ہی نہیں۔ اور وہ اس طرح کے تمام تصوّرات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ سو اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنی طرف سے مثالیں بیان کرنے سے صاف اور صریح طور پر منع فرمادیا گیا۔ اور طرح طرح کے شرکیات کے ایک بڑے دروازے کو ہمیشہ کیلئے بند فرمادیا گیا۔ کیونکہ انسان اپنی عقل و فکر سے جو بھی کوئی مثال بیان کرے گا وہ مخلوق ہی سے متعلق اور اسی کے دائرے میں ہوگی۔ اس سے آگے وہ نکل سکتا ہی نہیں۔ کیونکہ اسکی کھوپڑی بہر حال مخلوق اور محدود ہے۔ جبکہ حضرتِ حق جل مجدہٗ مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس اس کو ویسے مانا جائے جیسے وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اس کا رسول بتائے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۱۲۹ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا بے شک اللہ (سب کچھ) جانتا ہے اور تم لوگ کچھ بھی نہیں جانتے۔ حق اور حقیقت کے بارے میں۔ مگر اتنا ہی جتنا کہ نورِ وحی سے معلوم ہو اور بس۔ سو تم جو بھی مثال بیان کرو گے وہ مخلوق کے دائرے ہی میں ہوگی کہ تم اور تمہاری کھوپڑی سب کچھ مخلوق و محدود ہے جبکہ اللہ تعالیٰ خالق اور دائرہ مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس طرح اس ارشادِ ربانی سے ایک ایسے دروازے کو بند کر دیا گیا جس سے طرح طرح کی گمراہیوں نے جنم لیا اور جنم لیتی ہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگوں نے اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے طرح طرح کی گمراہیوں کا ارتکاب کیا۔ پہلے بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اس لئے یہاں پر صاف اور صریح طور پر اس سے منع فرمادیا گیا ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی مثالیں مت بیان کیا کرو کہ وہ مخلوق کی مثالوں سے پاک اور وراء الوراء ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ تم اسکو ویسے ہی مانو جیسے وہ اپنے بارے میں خود بتائے اور جیسے اس کے بارے میں اسکے رسول بتائیں۔

۱۵۰ ابطال شرک کے لئے ایک مثال کا ذکر و بیان:- اور توحید کے بارے میں صحیح مثال وہی ہو سکتی ہے جو وہ خود بیان فرمائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ابطالِ شرک کیلئے ایک مثال بیان فرمائی۔ یعنی وہ آزاد شخص جب چاہے اور جیسے چاہے اور جہاں چاہے اور جس قدر چاہے خرچ کرتا ہے کہ وہ آزاد اور خود مختار ہے۔ تو ایسا شخص اور دوسرا وہ شخص جو عاجز ہو اور کچھ نہ کرسکتا ہو، کیا یہ دونوں شخص باہم ایک برابر ہو سکتے ہیں؟ اور جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم لوگ خداوندِ قدوس کے ساتھ اس کے مملوکوں کو برابر کس طرح مانتے ہو؟ جب وہ خالق کل اور مالکِ مطلق ہے۔ اور باقی سب اسکی مخلوق اور اس کے مملوک ہیں۔ آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا اور تم کہاں اور کیسے اندھے اور اوندھے ہو رہے ہو؟

۱۵۱ مشرکوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے والا سوال:- کہ کیا یہ دونوں شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں؟ جب نہیں اور یقیناً و ہرگز نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں بشر، انسان، اور مخلوق ہیں۔ تو پھر حضرتِ خالق۔ جل مجدہٗ۔ کے ساتھ کسی کی برابری کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ (مراغی، صفوۃ اور معارف وغیرہ)۔ جبکہ وہ خالق کل مالک مطلق دائرہ مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ تو پھر کیسے اندھے اور کس قدر اوندھے ہیں وہ لوگ جو اپنے خود ساختہ معبودوں کو اسکے برابر ٹھہراتے ہیں۔ ﴿لا یقدر علیٰ شیء﴾۔ کہ "کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو" کی صفتِ کاشفہ سے اس غلام کی بے اختیاری کو اور واضح کر دیا گیا۔ کیونکہ غلاموں میں ایک غلام وہ بھی ہوتا ہے جس کو کسی قدر تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔ جس کو "عبدِ ماذون" کہا جاتا ہے۔ اور ایک وہ ہوتا ہے جو "مکاتب" کہلاتا ہے۔ جسے مالک نے بقدرِ ضرورت و حاجت کمائی کیلئے اجازت دے رکھی ہوتی ہے۔ جو فقہ کی اصطلاح میں "بدل کتابت" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ مگر یہ غلام اس طرح کا کوئی اختیار بھی نہیں رکھتا۔ سو اس سوال سے مشرکوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑا گیا ہے تاکہ وہ باز آجائیں شرک کے گھناؤنے جرم سے۔ مگر کہاں؟ الا ماشاء اللہ

۱۵۲ سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں:- کہ وہی ہے جو ہر نقص و عیب سے پاک اور ہر خوبی و کمال سے متصف ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ وبحمدہٖ۔ اور وہی معبودِ برحق ہے اور ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے جبکہ تمہارے خود ساختہ معبودوں میں سے اے مشرکو! نہ کسی کے اختیار میں کچھ ہے۔ اور نہ ان کیلئے کسی طرح کی تعریف و توصیف کا کوئی حق ہے کہ وہ سب سراسر بے بنیاد ہیں۔ جبکہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور جسکو جو کچھ ملا، یا ملنا ہے یا آئندہ ملے گا، وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہے والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۵۳ جہالت باعثِ محرومی و ہلاکت:- اس لئے ارشاد فرمایا گیا کہ لوگوں کی اکثریت جانتی نہیں (حق اور حقیقت کو،) اس لئے وہ طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہوتے اور اندھیروں میں بھٹکتے ہیں۔ سو جہالت اور دینِ حق کی تعلیمات مقدسہ سے غفلت و بے خبری جڑ، بنیاد ہے تمام خرابیوں اور محرومی و ہلاکت کی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو یہاں سے یہ حقیقت پھر آشکارا ہو جاتی ہے کہ عوام الناس کی رائے کسی معاملے کے صحیح یا غلط ہونے کیلئے فیصلہ کن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عوام کی اکثریت بہر حال جاہل ہے۔ اور جاہل کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا

ایک ایسا گونگا (بہرا) ہے کہ کچھ بھی نہیں کرسکتا، وہ اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے، وہ اسے جدھر بھی

يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ

بھیجے اس سے کوئی بھلا کام نہ بن آئے، تو کیا یہ اور دوسرا وہ شخص برابر ہو سکتے ہیں

يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وَلِلّٰهِ

ع

جو انصاف کا حکم دیتا ہے، اور وہ خود بھی عین سیدھی راہ پر ہے؟ و۱۵۴ اور اللہ ہی کے لئے

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا

خاص ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا ۱۵۵ (یہ تو شان ہے اس کے کمالِ علم کی،) اور (اس کی صفتِ قدرت کے کمال کا

۱۵۴ ابطالِ شرک کیلئے ایک اور مثال کا ذکر و بیان :- سو حق کی توضیح مزید کیلئے ایک اور مثال کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور جب یہ دونوں باہم برابر نہیں ہو سکتے اور ہرگز نہیں ہو سکتے تو پھر معبودِ برحق۔ جل جلالہٗ۔ اور تمہارے خودساختہ معبودانِ باطلہ باہم برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ پس یہ مثال معبودِ برحق اور معبودانِ باطلہ کے درمیان فرق و تمیز کی توضیح و تشریح کے لئے بیان فرمائی گئی ہے۔ (صفوۃ، ابن کثیر، مراغی، جواہر اور معارف وغیرہ)۔ اور بعض حضراتِ مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ مثال کافر اور مومن کے درمیان فرق کی توضیح کیلئے ہے۔ سو کافر اندھے، بہرے اور گونگے غلام کی طرح ہے۔ وہ نہ حق کو دیکھتا ہے نہ سنتا ہے۔ اور وہ ایسا نکما اور اس قدر ناکارہ ہے کہ وہ جہاں بھی جائے اس سے خیر کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی۔ اور اسکے مقابلے میں مومن حق کو سنتا، مانتا اور وہ راہِ حق و ہدایت پر گامزن رہتا ہے۔ اس کا وجود خیر کا وجود ہے اور وہ اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی راہِ حق و ہدایت کی دعوت دیتا ہے۔ (معارف وغیرہ) والحمد للہ جلّ وعلا۔

۱۵۵ علمِ غیب خاصۂ خداوندی :- سو ارشاد فرمایا گیا اور اسلوبِ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا۔ ''اور اللہ ہی کیلئے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا'' پس وہی جانتا ہے کہ مشرکین و مکذبین پر عذاب کب آئے گا اور کس شکل میں آئے گا۔ اور یہ کہ قیامت کی وہ گھڑی کب بپا ہوگی۔ لہٰذا ان لوگوں کا اس بارے جلد بازی سے کام لینا اور اس کے لئے جلدی مچانا اور خواہ مخواہ کی حجت بازی اور قیل و قال کرنا ان کی اپنی حماقت کی دلیل ہے۔ پس پیغمبرؑ کیلئے عالمِ غیب اور مختارِ کل ہونے کا عقیدہ رکھنا جس طرح کہ آج کے کلمہ گو مشرک کا کہنا اور ماننا ہے اس طرح کی نصوصِ صریحہ کے خلاف اور باطل و مردود ہے۔ اور اللہ پاک کی صفاتِ مختصہ میں اس کی مخلوق کا شامل کرنا ہے جو کہ شرک اور ظلم عظیم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ ہی کیلئے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا۔ اور وہی جانتا ہے کہ منکرین و مکذبین پر عذاب کب اور کس شکل میں آئے گا۔ اور قیامت کی وہ ہولناک گھڑی کب آئے گی۔ اور عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کیلئے جلدی مچانے کی بجائے اس کے لئے تیاری کی جائے۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید و علی ما یُحبُّ و یرید۔

كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

عالم یہ ہے کہ اس کے یہاں) قیامت برپا کرنے کا معاملہ تو محض پلک جھپکنے کے برابر ہے، یا اس سے بھی قریب تر ١٥٦ ا

قَدِیْرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا

بلا شبہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، اور اللہ ہی نے باہر نکالا ہے تم سب کو (اے لوگو!) تمہاری ماؤں کے

تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

پیٹوں سے ١٥٧ اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے، پھر اس نے تم کو (نورِ علم سے نوازنے کے لئے) کان بخشے، آنکھیں

١٥٦ قیامت کا وقوع پل بھر میں یا اس سے بھی جلد تر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور قیامت کا معاملہ پل جھپکنے کے برابر یا اس اسے بھی قریب تر ہے کہ پل جھپکنا بھی زمانے کا محتاج ہے کہ یہ ایک زمانی چیز ہے۔ جبکہ اللہ جل جلالہٗ، ہر طرح کے احتیاج سے پاک و بے نیاز ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس کا کام اور اس کی شان تو ''کن فیکون'' کی ہے کہ جو کہا ہو گیا اور جس کا حکم دیا وہ وجود میں آ گیا۔ سو قیامت کا جو معاملہ منکر لوگوں کی نگاہوں میں بہت بڑی چیز ہے وہ اللہ پاک کے حکم وارشاد کے مطابق پَل بھر میں یا اس سے کہیں جلد وقوع پذیر ہو جائیگا کہ اس کیلئے محض اسکے حکم وارشاد کی دیر ہوگی اور بس۔ ورنہ وہ ایک ہی جھڑکی کا محتاج ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿ان هي الا زجرة واحدة فا ذاهم بالساهرة﴾ (النازعات :١٣-١٤) نیز ارشاد فرمایا گیا کہ تم سب لوگوں کا دوبارہ اٹھانا ایک شخص کے اٹھانے کی طرح ہوگا۔ سو ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ما خلقكم و لا بعثكم الا كنفس واحدة﴾۔ (لقمان:٢٩)۔ سو قیامت کو بپا کرنا لوگوں کے اعتبار سے اگرچہ بہت بڑی چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ بلکہ وہاں پر اس کیلئے صرف ایک حکم وارشاد کی دیر ہوگی۔ اور بس، سو اس کی شان اور اس کا معاملہ مخلوق سے یکسر مختلف ہے سبحانہ وتعالیٰ۔

١٥٧ دلائل انفسی میں غور وفکر کی دعوت:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور اللہ ہی نے تم سب کو نکالا تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے (اے لوگو!)''۔ جو ایک بڑا ثبوت ہے اس کے کمالِ قدرت اور بے نہایت رحمت وعنایت کا سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو نو ماہ تک تم لوگ اپنی ماؤں کے پیٹوں میں رہے جہاں حیض اور خون تمہاری غذا تھی۔ تو اس قادر مطلق نے اپنی قدرتِ بے پایاں اور رحمت وعنایت بے نہایت سے تم کو وہاں سے نکالا۔ جبکہ تم لوگ کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور جاننے کے قابل بھی نہیں تھے کہ تم محض گوشت کی بوٹی کی طرح تھے۔ تو اس نے تمہیں وسائل علم وادراک سے نوازا اور تم کو بتدریج اور آہستہ آہستہ کہاں سے کہاں پہنچایا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پھر اسکی قدرت وعنایت کو بھلا کر اس کا باغی بن جانا کس قدر ظلم اور کتنی بڑی بے انصافی ہے؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زیغ وضلال سے ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى

عطا فرمائیں ف۱۵۸ اور دل دیئے، تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو، ف۱۵۹ کیا یہ لوگ ان اڑتے پھرتے

الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا

پرندوں کو نہیں دیکھتے، جو کہ اسی وحدہٗ لاشریک کے حکم کے بندے فضائے آسمانی میں موجود ہیں، ان کو اس طرح کون

اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ

روک (اور تھام) سکتا ہے سوائے اللہ کے؟ ف۱۶۰ بے شک اس میں بھی بڑی بھاری نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ایمان

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ

رکھتے ہیں ف۱۶۱ اور اللہ ہی نے رکھ دیا تمہارے لئے تمہارے گھروں میں سکون (واطمینان) کا سامان ف۱۶۲ اور اسی نے تمہارے

۱۵۸ کانوں اور آنکھوں کی نعمت کے بارے میں غور وفکر کا سامان:- سو ارشاد فرمایا گیا اور اسی نے تمہیں کان بخشے اور آنکھیں عطا کیں۔ جو کہ عظیم الشان ذرائع ووسائل ہیں علم وادراک کے حصول کے۔ جن سے اس نے محض اپنے فضل و کرم سے تمہیں نوازا ہے۔ اور اس نے تمہاری طرف سے کسی طرح کی اپیل و درخواست کے بغیر تمہیں نوازا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو ان عنایات کا تقاضا تھا کہ تم لوگ ان ذرائع ووسائل علم وادراک سے صحیح طور پر کام لیکر نورِ علم ومعرفت سے سرشار ہوتے اور اپنے خالق و مالک کے حضور دل و جان سے جھک جاتے۔ اور اس طرح تم اس کا حقِ شکر ادا کرنے کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوتے اور خود اپنے لئے بھی سعادتِ دارین کی سرفرازی کا سامان کرتے۔ مگر تم لوگوں نے اسکے برعکس اسی وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کفر وشرک جیسے سنگین اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا۔ جو کہ دارین کی ہلاکت وتباہی اور ابدی اور ہولناک خسارے کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۵۹ نعمتِ دل کی عنایت اور اس کا تقاضا:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور اسی نے تمہیں دل دیئے تاکہ تم لوگ شکر ادا کرسکو"۔ پس اُس واہب مطلق کا جس نے تم کو ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازا اس کا شکر ادا کرو دل وجان سے۔ اس کے ان عظیم احسانات کو پہچان کر۔ اور ان کا احساس کر کے۔ اور اس طرح کہ تم ان نعمتوں کو اس کی اطاعت و بندگی اور رضاء و خوشنودی میں صرف کرو کہ یہ اس کا حق شکر بھی ہے جو تم لوگوں پر واجب ہے۔ اور اسی میں خود تمہارا بھلا ہے کہ اس سے ایک طرف تو تمہاری ان نعمتوں میں برکت آئے گی اور دوسری طرف تم اپنے خالق و مالک کی رضاء وخوشنودی سے سرفراز ہوسکو گے جو کہ اصل مقصود اور سب سے بڑا شرف وانعام ہے۔ وباللہ التوفیق۔ مگر تم لوگوں نے الٹا اس واہب مطلق کی بخشی ہوئی ان انمول اور عظیم الشان نعمتوں کو اس کی معصیت ونافرمانی میں صرف کیا۔ اور کفر وشرک جیسے جرائم کا ارتکاب کیا۔ وَالْعِيَاذُ

بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔

۱۶۵ فضاؤں میں اڑتے پھرتے پرندوں میں سامانِ عبرت وبصیرت :- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور کون ہو جو فضاء میں اڑتے ان پرندوں کو روک سکے سوائے اللہ کے؟'' کوئی بھی نہیں۔ بلکہ یہ اسی کی قدرت ہے جو ایسے ثقیل جسموں کو بغیر کسی ظاہری اور مادی سہارے کے فضاء میں اس طرح تھامے رکھتی ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو قدرت کا یہ نشان جو ہر وقت تمہارے سامنے رہتا ہے آخر تم لوگ اس کے بارے میں غور کیوں نہیں کرتے کہ نہ اس پرندوں کے نیچے کوئی سہارا ہے اور نہ ہی ان کو اوپر سے کوئی چیز پکڑنے والی ہے۔ تو ان کو اس طرح اس فضاء میں کون گرنے سے روک سکتا ہے سوائے اللہ کے۔ ان کو یہ اڑنا کس نے سکھایا؟ پھر فضاؤں میں اڑتے پھرتے ان گونا گوں پرندوں کی روزی کا انتظام کون اور کیسے کرتا ہے۔ ان سب کو اپنی مرضی اور مزاج کے مطابق روزی ملتی ہے۔ تو پھر تم لوگ اس سے یہ سبق کیوں نہیں لیتے کہ روزی رساں سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ تو پھر تم لوگ اپنی روزی روٹی کے پیچھے لگ کر طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہو یہاں تک کہ اپنے خالق و مالک اور اس کے حقِ عبادت وبندگی تک سے غافل ہو جاتے ہو، آخر کیوں؟ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۱۶۶ دولت ایمان ایک عظیم الشان اور بے مثال دولت ہے :- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ دولت ایمان و یقین دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ایمان والوں کیلئے کہ ایمان ویقین ہی کی دولت سے فکر وفہم کو صحیح سمت کی طرف راہنمائی ملتی ہے۔ اور اسی کے نتیجے میں انسان کو راہِ حق وصواب اور منزلِ مقصود ومراد سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ ورنہ وہ ٹوٹی ہوئی پتنگ کی طرح حیرانی وپشیمانی اور ضلالت وغوایت کی وادیوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو ایمان ویقین کی دولت انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور وسرفراز کرنے والی دولت ہے کہ اسی سے انسان کو اپنی منزلِ مقصود سے آگہی نصیب ہوتی ہے۔ اور وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوتا ہے۔ اور ایمان کی بدولت وہ آخرت کی اپنی حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے تیاری کرتا ہے اور ایک بامقصد فکرمند اور صحیح معنوں میں ذمہ دار شخص بن کر زندگی گزارتا ہے اور اس سعادت دارین سے سرفرازی کا سامان کرتا ہے۔ فالحمد اللہ الذی شرفنا بنعمة الایمان . اللھم فزد نا منه و ثبتنا علیه یاذالجلال والاکرام۔

۱۶۷ تمہارے گھروں میں سامانِ غور وفکر :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور اللہ ہی نے رکھ دیا تمہارے گھروں میں تمہارے لئے سکون (واطمینان) کا سامان۔ جس سے تم لوگ دن رات مستفید ہوتے رہتے ہو۔ مگر تم یہ نہیں سوچتے کہ یہ کس کا کرم ہے اور اس کا ہم پر کیا حق ہے؟ سو تمہارے رب نے تم پر کیسا کرم فرمایا کہ تم لوگ جب اپنے کام کاج سے تھکے ماندے واپس لوٹتے ہو تو تمہیں اپنے گھروں میں خاص راحت ملتی ہے اور تم آرام پاتے ہو۔ اور یہ گھر بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو مٹی پتھر اور سیمنٹ سریا وغیرہ کے مستقل گھر ہوتے ہیں۔ جو ایک ہی جگہ برقرار رہتے ہیں۔ اور دوسرے خیموں وغیرہ کے وہ گھر جن کو تم جہاں چاہو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سکون واطمینان کا عظیم الشان سامان رکھا ہے۔

مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ

لئے جانوروں کی کھالوں کے ایسے گھر بنا دیئے ف۱۶۳ جن کو تم لوگ ہلکا پاتے ہو اپنے سفر کے دوران بھی، اور اپنے ٹھہرنے

ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ

کے دوران بھی، ف۱۶۴ اور اس نے (ان جانوروں میں سے) بھیڑوں کی اون، اونٹوں کی روؤں، اور بکریوں کے بالوں، سے

اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

تمہارے لئے گھروں کے سامان اور (قسما قسم کے) فائدے کی دوسری چیزیں پیدا فرمائیں ف۱۶۵ ایک مدت مقررہ تک ف۱۶۶

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

اور اللہ نے اپنی پیدا کردہ بہت سی چیزوں سے تمہارے لئے طرح طرح کے سایوں کا بھی ف۱۶۷ بندوبست کر دیا، اور اسی نے

مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ

تمہارے لئے پہاڑوں سے (مضبوط) پناہ گاہیں بھی بنا دیں ف۱۶۸ اور تمہارے لئے ایسی پوشاکیں بھی مہیا فرما دیں، جو تمہیں

الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ

بچاتی ہیں گرمی (اور سردی) سے ف۱۶۹ اور ایسی پوشاکیں بھی، جو تمہاری آپس کی لڑائی کے دوران تمہاری حفاظت کرتی ہیں ف۱۷۰

۱۶۳ چوپایوں سے متعلق ایک نعمت کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے تمہارے لیے چوپایوں کے چمڑوں کے گھر بنائے، جو کہ قدرت کا تم پر ایک اور کرم و احسان ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور اسی نے تمہارے لیے چوپایوں کے چمڑوں سے بھی گھر بنا دیئے''۔ یعنی قسما قسم کے خیمے وغیرہ جن سے تم لوگ طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔ سو اپنے ان ہلکے پھلکے گھروں کو تم لوگ جہاں چاہو اٹھا کر لے جاتے ہو، اور جہاں چاہو خیمہ زن ہو جاتے ہو۔ سو تم لوگ اگر سوچو اور غور و فکر سے کام لو تو تم کو اپنے انہی مکانوں کے اندر عظیم الشان درس ہائے عبرت و بصیرت ملیں جنہوں نے تمہیں چاروں طرف سے آغوشِ مادر کی طرح اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے کہ یہ سب کچھ پیدا کس نے کیا؟ اور تم کو اس عقل و فکر اور علم و تجربہ سے کس نے نوازا؟ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ لاشریک جو کہ معبود برحق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ

۱۶۴ تمہارے لیے ہلکے پھلکے مکانوں کا انتظام:- یعنی قابلِ انتقال ایسے خاص مکان جن کو تم ہلکا پاتے ہو اپنے سفر و حضر میں۔ اور تمہیں ان کے اٹھانے اور نصب کرنے میں کوئی زیادہ مشقت اٹھانا پڑتی ہے اور نہ کوئی دقت و دشواری۔ سو یہ کتنی

بڑی نعمت ہے جس سے اس منعم حقیقی نے تم کو نوازا ہے۔ سو ایک طرف تمہارے وہ مستقل اور ثابت گھر ہیں جو ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور دوسری طرف تمہارے یہ عارضی اور قابل انتقال گھر ہیں جن کو تم جہاں چاہو لے جاسکتے ہو۔ سو اس طرح اس خدائے مہربان نے تمہارے سکون واطمینان کے کیسے کیسے سامان پیدا فرمائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو طرح طرح کے ان سامان ہائے زیست میں رہنا بسنا اور سکون وراحت کی دولت سے سرفراز ہوتے رہنے کے باوجود اس خالق ومالک کو بھول جانا کتنی بڑی ناشکری اور کس قدر ظلم وبے انصافی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ظلم اور ناشکری کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے آمین ثم آمین۔

۱۶۵ اثاثِ منزل میں سامانِ غور وفکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اسی نے تمہارے گھروں کیلئے طرح طرح کے سامان اور فائدے کی چیزیں پیدا فرمائیں جن سے تم لوگ طرح طرح سے متمتع اور مستفید ہوتے ہو۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ یہ کس کا کرم و احسان ہے؟ چنانچہ تم لوگ بھیڑوں کی اونوں، اونٹوں کی روؤں اور بکریوں کے بالوں وغیرہ سے زینت وزیست کے طرح طرح سامان بناتے اور قسم قسم کی تجارت اور کاروبار کرتے اور دولت کماتے ہو۔ مگر تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ قسما قسم کا یہ خام مال تمہارے لئے پیدا کس نے کیا؟ اور اس خدائے مہربان کا تم پر حق کیا ہے؟ اور اس کے اس حق کی ادائیگی کس طرح ہوتی ہے؟ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۶۶ یہ سب کچھ عارضی وفانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "یہ سب کچھ ایک مدتِ مقررہ تک کے لئے ہے اور بس"۔ یعنی موت تک۔ قالہ ابن عباس۔ یا اس وقت تک کہ یہ چیزیں فائدہ پہنچانے اور کام دینے کے قابل ہوتی ہیں (قالہ المجاہد، جواہر، ابن کثیر، محاسن التاویل، المراغی وغیرہ) الفاظ کا عموم ان دونوں کو شامل اور عام ہے۔ سو اس مدتِ محدود تک فائدہ اٹھانے کے باوجود اگر تم لوگ واہب مطلق کو بھول جاؤ تو یہ کتنی بڑی ناانصافی اور کس قدر ظلم ہوگا۔ بہر کیف یہ سب کچھ عارضی اور ایک خاص وقت تک کیلئے ہے اور بس۔ سو بڑی گمراہی اور حماقت میں مبتلا ہیں وہ لوگ جو اسی متاعِ فانی اور حطامِ زائل کو اصل مقصد قرار دے کر اسی کیلئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ وانجام بڑا ہی ہولناک خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ

۱۶۷ سایوں کی نعمت کا انتظام:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ نے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے تمہارے لیے طرح طرح کے سایوں کا بھی انتظام فرمایا۔ مکانوں، چھپروں، پہاڑوں، غاروں اور درختوں اور بادلوں وغیرہ کے ذریعے۔ تاکہ تم لوگ دھوپ کی تپش وتمازت سے بچ سکو اور طرح طرح کے ان سایوں کے اندر تم آرام کر سکو اور ٹھنڈی میٹھی نیند سو سکو۔ ورنہ تمہارا کیا حال ہوتا۔ تپتی دھوپ اور لو کے اندر تم جھلس کر رہ جاتے۔ سو اس گرمی اور لو سے بچنے کیلئے جب کسی ٹھنڈے، پرسکون سائے میں بیٹھو تو سوچو کہ اس ٹھنڈے پرسکون اور راحت بخش سائے کی اس نعمت سے ہمیں کس نے نوازا؟ وہ کیسی قدرت وحکمت اور رحمت وعنایت والی ذات ہے؟ اور اس کا ہم پر کیا حق ہے۔؟ اور اسکا وہ حق ہم کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟ سو وہی ہے اللہ خالق ومالک حقیقی اور معبودِ برحق۔ اور اس کا حق یہ ہے کہ اپنا چہرہ اس مالک کے آگے ڈال دیا جائے اور اپنے آپ کو اسکے حکم وارشاد اور اسکی رضاء وخوشنودی کے تابع کر دیا جائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ و باللّٰہ التوفیق و ھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔

۱۶۸ پہاڑی پناہ گاہوں میں سامان عبرت وبصیرت:۔ سو اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا اور اسی نے تمہارے لیے

پہاڑوں سے طرح طرح کی پناہ گاہیں بھی بنادیں۔ یعنی قسماقسم کی وہ غاریں جو تمہیں سردی و گرمی سے بھی بچاتی ہیں اور دشمن کے وار سے بھی۔ جیسا کہ آج جہاد افغانستان کی زندہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ نہتے مجاہدین نے انہی پہاڑوں اور غاروں کی مدد سے اور اپنی ناقابل شکست قوتِ ایمانی کی بناء پر دورِ حاضر کی سب سے بڑی شیطانی سپر پاور روس کو ذلیل وخوار کر کے اپنے ملک سے نکال باہر کیا اور اس پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کا وجود ہی ٹکڑے ٹکڑے اور پاش پاش ہو گیا۔ اور وہ دنیا کیلئے نشانِ عبرت بن گیا۔ والحمد للہ۔ سو تم لوگ سوچو کہ جگہ جگہ پائے جانے والے عظیم الشان پہاڑی سلسلوں میں پائی جانے والی قسماقسم کی مضبوط و مستحکم اور بے حد وحساب غاروں کو بنایا کس نے؟ جن سے تمہارے طرح طرح کے عظیم الشان فوائد و منافع وابستہ ہیں۔ سو وہ کیسی قادرِ مطلق اور حکیم مطلق ذات ہے جس کی نہ قدرت و حکمت کی کوئی حد و انتہا ہے اور نہ اس کی رحمت وعنایت کی کوئی غایت و نہایت۔ سو وہی ہے اللہ وحدہٗ لاشریک معبودِ برحق۔ اور وہی اس کا حق دار ہے کہ اپنی گردن اس کے آگے ڈال دی جائے۔ یہ اس کا حق بھی ہے اور اسی میں بندے کی بہتری بھی ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق

۱۶۹ تمہارے لباسوں میں سامان عبرت وبصیرت:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور طرح طرح کی ایسی پوشاکیں بھی جو تم کو گرمی سے بچاتی ہیں اس نے تم لوگوں کو بخشی ہیں'' جو تم لوگوں کو گرمی سے بھی بچاتی ہیں اور سردی سے بھی۔ کیونکہ جو پوشاک گرمی سے بچائے گی وہ سردی سے بھی بچائے گی۔ لیکن ذکر صرف گرمی کا فرمایا گیا کہ ضدین میں سے ایک کا ذکر دوسرے کو مستلزم ہوتا ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ عربوں کے یہاں جو کہ اس کتابِ حکیم کے اولین مخاطب تھے اور ہیں۔ ان کے یہاں اصل مسئلہ گرمی سے بچاؤ کا ہی تھا کہ سردی تو وہاں اتنی شدید ہوتی ہی نہیں۔ اِلَّا نَـادِرًا۔ (جامع۔ صفوۃ۔ محاسن، مراغی اور ابن کثیر وغیرہ)۔ بہرکیف طرح طرح کی پوشاکیں مہیا کرنے کی یہ نعمت ایک اور عظیم الشان نعمت ہے جس سے قدرت نے تمہیں نوزا ہے۔ ''سرابیل''، ''سربال'' کی جمع ہے۔ جس کے معنی قمیص کے بھی آتے ہیں اور مطلق لباس کے بھی۔ یہاں پر اس کے یہی معنیٰ مراد ہیں۔ سو لباس کی یہ نعمت بھی قدرت کی ایک عظیم الشان نعمت ہے والحمد للہ۔

۱۷۰ تمہاری زرہوں کے اندر بھی درسِ عبرت وبصیرت ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ایسی پوشاکیں بھی جو لڑائی کے دوران تمہاری حفاظت کرتی ہیں''۔ یعنی لوہے وغیرہ کی وہ زرہیں جو تم لوگ لڑائی میں پہنتے ہو۔ دشمن کے وار سے بچنے کیلئے۔ اور لوہے کے ان لباسوں یعنی زرہ وغیرہ کا استعمال قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ سو یہ قدرت کی کتنی عنایت ہے تم پر اے لوگو۔ سو زرہ سازی میں کام آنیوالے خام مواد کو بھی اسی خالقِ کل مالکِ مطلق نے پیدا فرمایا۔ اور اتنی بے حد و حساب مقدار میں پیدا فرمایا۔ اور جگہ جگہ اسکے ذخیروں کے ذخیرے رکھ دیے۔ اور تم کو عقل کے اس جوہر سے بھی اسی نے نوازا جس کے ذریعے تم لوگ یہ سب کام کرتے ہو۔ سو ان تمام نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کے آگے جھک جاؤ اور ہمیشہ جھکے ہی رہو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا

اللہ اسی طرح تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرتا ہے تاکہ تم لوگ فرمانبردار بن جاؤ ۱۷۱ پھر بھی اگر یہ لوگ (راہ حق سے) پھرے ہی

فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۸۲﴾ يَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ

رہیں، تو یقیناً (اس میں اے پیغمبر! آپ کا کوئی قصور نہیں کہ) آپ کے ذمے تو بس پہنچا دینا ہے (حق کو) کھول کر ۱۷۲ (اور

اللّٰهِ ثُمَّ يُنۡكِرُوۡنَهَا وَاَكۡثَرُهُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَيَوۡمَ

بس،) یہ لوگ پہچانتے ہیں اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو، پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں ۱۷۳ اور اکثر لوگ تو ہیں ہی کفر (اور

نَبۡعَثُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا ثُمَّ لَا يُؤۡذَنُ لِلَّذِيۡنَ

ناشکری) کا ارتکاب کرنے والے ۱۷۴ اور (وہ دن بھی یاد کرو، اے لوگو! جس دن کہ ہم ہر امت سے ایک گواہ کھڑا کریں گے ۱۷۵

۱۷۱ عطاء نعمت کا تقاضا قدر نعمت اور شکر منعم:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ان عظیم الشان نعمتوں کا تقاضا ہے کہ تم لوگ ان کی قدر کرو۔ منعم حقیقی کا شکر ادا کرو تاکہ تم لوگ فرمانبردار بن جاؤ اپنے خالق و مالک اور واہب مطلق کے۔ اور دل و جان سے اس وحدہٗ لاشریک کے حضور جھک جاؤ۔ اور اس طرح تم دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہو جاؤ۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ وَ هُوَ الْمُيَسِّرُ بِكُلِّ عَسِيْرٍ۔ بہرکیف اس خالق و مالک کی بخشی ہوئی طرح طرح کی ان نعمتوں کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ تم لوگ دل و جان سے جھک جاؤ اس واہبِ مطلق کے حضور کہ یہ اس کا حق بھی ہے جو اسکے بندوں پر واجب ہوتا ہے اور اسی میں ان کا بھلا بھی ہے۔ اس دنیا میں بھی آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی کہ اس سے ایک طرف تو ان نعمتوں میں خیر و برکت اور بڑھوتری نصیب ہو گی اور دوسری طرف اس سے آخرت کے اجر و ثواب کی دولت بھی ملے گی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، و علیٰ ما یحب و یرید بِکُلّ حَالٍ مِّن الاحوال۔

۱۷۲ پیغمبر کے ذمے پیغام حق پہنچا دینا ہے، اور بس:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور آپؐ کے ذمے تو اے پیغمبر پہنچا دینا ہے پیغام حق کو کھول کر اور بس"۔ اور یہ آپ ﷺ کر چکے اور باحسن وجوہ کر چکے۔ اس کے بعد یہ لوگ اگر نہیں مانتے اور اپنی عناد اور ہٹ دھرمی ہی پر اڑے ہوئے ہیں تو اس کا آپ ﷺ پر کوئی الزام نہیں۔ کیونکہ منوالینا نہ آپ کے بس اور اختیار میں ہے اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ۔ سو پیغمبر اور ہر داعیِ حق کی اصل ذمہ داری یہی ہوتی ہے کہ وہ پیغام حق و ہدایت کو بغیر کسی کم و کاست کے پورے کا پورا پہنچا دیں اور بس۔ سو اس ارشاد میں پیغمبر کے لئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے کفر و انکار پر اڑ گئے تو آپ نہ ان کی بناء پر پریشان ہوں اور نہ ان کے درپے ہوں۔ کیونکہ یہ بات نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ آپ کی ذمہ داری۔ اب انکو انکے حال پر چھوڑ دیں۔

۱۷۳ جانتے بوجھتے اللہ کی نعمتوں کا انکار۔ والعیاذ باللہ:۔ "چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں اور پھر بھی انکا انکار کرتے ہیں" اللہ کے سوا اوروں کی پوجا و پکار کے ذریعے۔ نیز یہ کہہ کر اور مان کر کہ یہ نعمتیں بخشی ہوئی تو اللہ ہی کی ہیں مگر ہمارے معبودوں اور اللہ کے پیاروں کی سفارش سے۔ (ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر، محاسن التاویل وغیرہ) گویا اللہ پاک از خود انعام نہیں فرماتا بلکہ دوسروں کی وساطت اور انکی سفارش سے کرتا ہے۔ جیسا کہ آج کا کلمہ گو مشرک بھی یہی فلسفہ بگھارتا ہے کہ یہ فلاں حضرت کا کرم، فلاں سرکار کی عنایت، فلاں آستانے کی بخشش اور فلاں ہستی کی حاجت روائی و مشکل کشائی کا نتیجہ وثمرہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی لئے وہ اللہ پاک کے حضور جھکنے اور وحدہٗ لاشریک سبحانہٗ وتعالیٰ کا حق شکر بجا لانے کی بجائے اپنی انہی خود ساختہ سرکاروں، ہستیوں اور آستانوں کو راضی کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے لئے قربانیاں پیش کرتے، نیازیں دیتے، چادریں چڑھاتے اور انکی حاجت روائیوں اور مشکل کشائیوں کے قسما قسم کے خود ساختہ اور من گھڑت قصے سناتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو یہ لوگ جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور اسکی بخشی ہوئی ہیں لیکن کہتے ہیں کہ یہ ان کے خود ساختہ معبودوں کی سفارش سے ملی ہیں۔ اسی لئے یہ لوگ اللہ کی عبادت و بندگی میں دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ (المراغی، جامع البیان وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۷۴ عوام کی اکثریت حق کی دلیل نہیں ہوسکتی:۔ کیونکہ عام لوگوں کی اکثریت ہمیشہ کافروں اور منکروں ہی کی رہی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ پس عوام کالانعام کی اکثریت کی تائید و تصدیق کو حق ہونے کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ جیسا کہ دورِ حاضر میں مغربی جمہوریت کے پُجاریوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور جیسا کہ عام جُہال کا کہنا اور ماننا ہے۔ کیونکہ عوام کی اکثریت جیسا کہ قرآن حکیم میں یہاں بھی اسکی تصریح فرمائی گئی ہے اور اس کے علاوہ دیگر مختلف مقامات پر بھی اسکی تصریح فرمائی گئی ہے ہمیشہ جاہلوں، فاسقوں، فاجروں، کافروں، ناشکروں اور اسی طرح کے دوسرے غلط کار لوگوں ہی کی رہی ہے۔ پہلے بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی پانچ ارب آبادی میں چار ارب کی تعداد کافروں اور منکروں کی ہے۔ مسلمان کتنے ہونگے؟ اور وہ بھی تھوڑے اور بہت تھوڑے ہیں جیسا کہ مغربی جمہوریت کے بت نو ساختہ کے پجاریوں کا کہنا ماننا ہے یا جس طرح کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ سو عوام کالانعام کی اکثریت کی رائے کو حجت ماننا، عقل ونقل کے دلائل کے خلاف اور نصوصِ قرآن کے منافی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۷۵ روزِ قیامت کی تذکیر و یاددہانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یاد کرو اس عظیم الشان اور ہولناک دن کو کہ جس دن ہم ہرامت سے ایک گواہ کھڑا کریں گے"۔ جو ان کے اعمال و کردار کے بارے میں گواہی دیگا تاکہ ہر کسی کو اس کے زندگی بھر کے کیے کرائے کا پورا پورا بدلہ مل سکے۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے اپنی آخری شکل میں اور کامل طور پر پورے ہوسکیں۔ اور گواہ سے مراد ہرامت کا پیغمبر ہے جو اپنی امت کے بارے میں یہ گواہی دے گا کہ دعوتِ حق کے جواب میں ان لوگوں کیا کیا اور کیا کہا تھا۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، جامع البیان اور مراغی ومعارف وغیرہ) سو اس ہولناک دن کو ہمیشہ یاد رکھواے لوگو اور اس کیلئے تیاری کرو کہ اس کیلئے تیاری کا موقع اور اسکی فرصت یہ دنیاوی زندگی ہے اور بس۔ اس کے بعد اس کیلئے تیاری کا پھر کوئی موقع نہیں ہوگا۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید و علٰی ما یُحِبُّ و یرید۔

كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

، پھر ان لوگوں کو جو کہ (زندگی بھر) اڑے رہے ہوں گے اپنے کفر (و باطل) پر، نہ انکو (کسی عذر و معذرت کی) کوئی

الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٥﴾

اجازت دی جائے گی ١٧٦ اور نہ ہی ان سے (اپنے رب کو) راضی کرنے کا کوئی مطالبہ کیا جائے گا ١٧٧ اور جب وہ لوگ جو کہ

١٧٦ قیامت کے روز کسی کے لئے کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ وہاں کسی کو کسی عذر و معذرت کی کوئی اجازت نہ ہوگی۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ''کافروں کو وہاں پر کسی عذر و معذرت کی کوئی اجازت نہیں دی جائے گی'' کہ ان کیلئے کسی عذر کی کوئی گنجائش ہوگی ہی نہیں۔ (جامع البیان وغیرہ) کیونکہ اللہ پاک ان کے سب کرتوتوں سے پوری طرح واقف و آگاہ ہوگا۔ اور حضراتِ انبیائے کرام کی گواہی ان کیلئے فیصلہ کن ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ﴾۔ (المرسلات:٣٥-٣٦)۔ سو یہ اس مالک کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے یہ سب کچھ پیشگی بتادیا تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے اس یومِ عظیم و رہیب میں ہر امت سے ان کے پیغمبر کو گواہ بنا کر اٹھایا جائے گا۔ جو اس امر کی گواہی دے گا کہ اس نے پیغامِ حق صاف طور پر اور بلاکم و کاست ان لوگوں تک پہنچادیا تھا اور انہوں نے اسکے جواب میں یہ اور یہ برتاؤ کیا تھا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾۔ (الاعراف:٦) یعنی ''ہم نے ضرور بالضرور پوچھنا ہے ان لوگوں سے جنکی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور ہم نے ضرور پوچھنا ہے رسولوں سے''۔ اور یہ مضمون اسکے علاوہ اور بھی کئی مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے۔

١٧٧ اور نہ ہی کسی سے راضی کرنے کو کہا جائے گا:- یعنی نہ ہی ان سے اپنے رب کو راضی کرنے کا کہا جائے گا۔ توبہ و استغفار وغیرہ کے ذریعے۔ جیسا کہ دنیا میں ان سے کہا جایا کرتا تھا کہ وہ جہان ''دار الجزاء'' ہوگا نہ کہ ''دار العمل''۔ یہ لفظ ''عتبیٰ'' سے ماخوذ و مشتق ہے۔ جس کے معنی رضا، رجوع کرنے اور لوٹنے کے آتے ہیں۔ اور ''استعتاب'' کے معنیٰ ہوں گے کسی سے راضی کرنے اور رجوع کا مطالبہ کرنا۔ یعنی یہ کہ جس ناراضگی اور دکھ دہی کا تم نے ارتکاب کیا اس سے رجوع کرو اور معافی مانگو۔ اور اس طرح اپنے رب کو راضی کرو۔ (محاسن، صفوۃ، مراغی وغیرہ)۔ سو قیامت کے روز اس کا کوئی موقع نہیں ہوگا۔ سو اس روز اس طرح کے کسی سوال اور مطالبے کا کوئی موقعہ نہیں ہوگا کہ اس سب کا موقعہ گزر چکا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ''فَمَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ وَلَا بَعْدَ الدُّنْيَا مِنْ دَارٍ اِلَّا الْجَنَّةُ وَالنَّارُ'' یعنی ''نہ موت کے بعد کسی کے لئے رب کو راضی کرنے کی کوئی صورت ممکن ہوگی اور نہ ہی دارِ دنیا کے بعد کسی کیلئے کوئی گھر ہوگا سوائے جنت کے یا دوزخ کی آگ کے''۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو آخرت کیلئے کمائی کا موقع اسی دنیاوی زندگی میں ہے اور بس۔

وَإِذَا رَأَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا

(دنیا میں) اپنے ظلم پر ہی کمربستہ رہے تھے ۱۷۸ اور دیکھ لیں گے (دوزخ کے اس ہولناک) عذاب کو، تو نہ وہ ان سے ہلکا کیا

هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ

جائے گا، اور نہ ہی ان کو (کوئی) مہلت دی جائے گی ۱۷۹ اور جب دیکھیں گے مشرک لوگ اپنے (خودساختہ) شریکوں کو، تو

فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا

وہ (چھوٹتے ہی) کہیں گے، اے ہمارے رب، یہی ہیں ہمارے وہ شریک جنہیں ہم (دنیا میں پوجا) پکارا کرتے تھے

إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا

تیرے سوا ۱۸۰ تو اس پر وہ (شرکاء) پھینک ماریں گے بات ان پر کہ تم لوگ سراسر جھوٹے ہو ۱۸۱ اور سب جھک جائیں گے اس

يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ

روز اللہ کے حضور، (اور ختم ہو جائے گی ان کی سب اکڑفوں) اور رفوچکر ہو جائیں گی ان کی وہ سب افتراء پردازیاں (اور حجت بازیاں)

۱۷۸ ظالموں کا ہولناک انجام۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور جو لوگ کمربستہ رہے دنیا میں اپنے ظلم پر'' یعنی اپنے کفر و شرک وغیرہ پر کہ وہ زندگی بھر اسی پر اڑے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے جان بھی اسی حالت پر دی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا اور کفر و باطل پر اڑے رہنا ظلم در ظلم ہے۔ اور اس کا انجام بہت ہولناک ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر کفر و شرک اور معاصی و ذنوب کا ارتکاب کرنے والے اپنے آپ کو خواہ کچھ بھی کہتے اور سمجھتے ہوں وہ بہر حال ظالم ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین۔

۱۷۹ ظالموں کے عذاب میں کوئی تخفیف نہ ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ:- سو فرمایا گیا کہ ''جب وہ دیکھ لیں گے دوزخ کے اس ہولناک عذاب کو تو نہ انکے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ انکو کوئی مہلت ملے گی'' یعنی جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کے نتیجے میں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ صحیح روایات کے مطابق دوزخ کی آگ ان کو میدانِ محشر ہی سے اچک لے گی (ابن کثیر وغیرہ) بہر کیف اس ہولناک عذاب کو دیکھ لینے اور اس میں داخل ہو جانے کے بعد نجات کی اور کوئی راہ اس سے بچ نکلنے اور کسی تخفیف کی کوئی صورت ایسے ظالم لوگوں کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۸۰ مشرکوں کا اس روز اپنے خودساختہ شریکوں پر اظہار غیظ وغضب:۔ سو مشرک لوگ اس روز چھوٹتے ہی اپنے خودساختہ شریکوں پر اس طرح حملہ کریں گے۔ سو اس روز وہ لوگ اپنے جرم کفر وشرک کا اقرار کرتے ہوئے جھٹ اس طرح کہیں گے کہ شاید اس طرح انکے عذاب میں کچھ کمی آجائے۔ مگر کہاں؟ ڈوبتے کو اس طرح تنکوں سے سہارا آخر کیونکر مل سکتا ہے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ مگر یہ لوگ چھوٹتے ہی ان پر اس طرح حملہ کریں گے اور اپنے جرم کی ذمہ داری انہی پر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار، یہی ہیں ہمارے وہ شریک جن کو ہم تیرے سوا پکارتے رہے تھے اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے۔ اپنے اس مفروضے کی بناء پر کہ یہی ہمارے حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ یہ ہمارے سب کام کرادیں گے۔ یہ ہمارے وسیلے اور واسطے ہیں ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان ﴿هٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "ہماری ان کے آگے اور انکی ہمارے رب کے آگے"۔ "ہمارا رب ہماری سنتا نہیں اور ان کی رد نہیں کرتا" وغیرہ۔ سو حیاتِ مستعار کی فرصت کو ہم نے اسی طرح تمام کردیا یہاں تک کہ ہم اس انجام کو پہنچ کر رہے۔

۱۸۱ شریکوں کا ان مشرکوں کو پرلے درجے کا جھوٹا قرار دینا:۔ سو شریکوں کے اس الزام اور حملے کی بناء پر ان شریکوں کا ان مشرکوں کو جواب ہوگا کہ تم لوگ پرلے درجے کے جھوٹے ہو اپنے اس الزام میں اور ہمیں اپنا معبود قرار دینے کے زعم اور گھمنڈ میں۔ اور اس الزام میں کہ ہم نے کبھی تم سے ایسا کہا تھا۔ سو اس طرح ان کے غم اور حسرت میں اور اضافہ ہوگا (ابن کثیر، صفوۃ البیان، محاسن التاویل وغیرہ) ﴿كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ﴾۔ سو اس روز ان کے آپس کے تمام رشتے اور تعلق کٹ جائیں گے۔ سو آج دنیا میں جن کی یہ مشرک لوگ پوجا کررہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ کل اس مشکل وقت میں یہ ان کے دشمن ہوجائیں گے۔ اور ان کیخلاف کھڑے ہوجائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ (مریم:۸۲)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، رسولوں اور ولیوں بزرگوں کو جن لوگوں حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجا پکارا اس میں ان پاکیزہ ہستیوں کا کوئی قصور نہیں۔ وہ اس سے ہر طرح سے بری و بے قصور ہیں۔ یہ سب نفس و شیطان کے چکر ہیں جن کی بناء پر ان لوگوں نے ان پاکیزہ ہستیوں کے نام پر طرح طرح کے شرکیہ کاروبار چلائے۔ سو اس روز ایسی پاکیزہ ہستیاں ایسے لوگوں کو پرلے درجے کا جھوٹا قرار دینگی۔ حضرت شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں جو لوگ پوجتے ہیں بزرگوں کو وہ بزرگ بے گناہ ہیں۔ ایک شیطان اپنا وہی نام رکھ کر اپنے کو پجواتا ہے۔ اس سے وہ انکو کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور ان بزرگ ہستیوں کے علاوہ وہ بت جن کی لوگ دنیا میں پوجا کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ اس روز ان کو بھی اللہ تعالیٰ قوت گویائی دیگا جس سے وہ بھی بولیں گے اور اپنے پجاریوں سے اس طرح کہیں گے (محاسن التاویل، المراغی، موضح القرآن، اور معارف، وغیرہ) اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبہ سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا

جن سے یہ لوگ (دنیا میں) کام لیا کرتے تھے و۱۸۲ جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا (دنیا میں) اور انہوں نے روکا ہوگا اللہ کی راہ

يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

سے و۱۸۳ انہیں ہم عذاب پر عذاب دیں گے و۱۸۴ اس فساد (اور فتنہ انگیزی) کے بدلے میں جو وہ (دنیا میں) برپا کرتے رہے

عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى

تھے و۱۸۵ اور (وہ ہولناک دن بہر حال یاد رکھنے کا ہے کہ) جس دن ہم اٹھا کھڑا کریں گے ہر امت میں ایک گواہ ان (کے

هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ

کئے کرائے) پر گواہی دینے کے لئے خود انہی میں سے و۱۸۶ اور ہم آپ کو (اے پیغمبر!) گواہ بنالائیں گے ان سب پر و۱۸۷ (گواہی

۱۸۲ اہل کفر و باطل کی تمام افتراء پردازیاں اس روز تتر بتر: - سو کشفِ حقائق کے اس یومِ عظیم میں اصل صورت سامنے آجائیگی۔ اور کھو جائیں گی انکی وہ سب افتراء پردازیاں جو یہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔ کہ یہ ہمارے حاجت روا ومشکل کشا ہیں۔ ہمیں کسی کی پرواہ نہیں کہ ہم فلاں فلاں ہستیوں کے نام لیوا اور پیروکار ہیں۔ ہم انکے در کے کتے ہیں اور اس بناء پر وہ فخریہ طور پر اپنے آپ کو "سگ درگاہ فلاں" کہا کرتے تھے۔ و ران کا کہنا ہوتا کہ یہ بڑی پہنچی ہوئی سرکاریں ہیں۔ یہ اَڑ کر بیٹھ جائینگی اور ہمارا کام بنا کر چھوڑ دیں گی وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ سو اس طرح مشرکوں کی تمام افتراء پردازیاں اس روز هَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہو کر رہ جائیگی۔ اور ان کے لئے کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔

۱۸۳ لیڈرانِ کفر و شرک کی حق دشمن کاروائیاں: - کہ یہ لوگ نورِ حق و ہدایت سے خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس سے روکتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا "جنہوں نے روکا ہوگا اللہ کی راہ سے" اپنے کفر و باطل کی ظاہری چمک دمک، جھوٹے ٹھاٹھ باٹھ، من گھڑت فلسفہ طرازیوں، بہتان بازیوں اور دھونس دھاندلی وغیرہ وغیرہ کے ذریعے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اور اس طرح دوسروں کو بھی راہِ حق و ہدایت سے روک کر یہ لوگ اپنی محرومی کے ساتھ ساتھ دوسروں کی محرومیوں کا باعث بنے ہونگے۔ اور اس طرح انہوں نے اپنی سیاہ بختی کے داغ کو اور پکا کیا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ اور ضلال کے ساتھ ساتھ اضلال کے دوہرے جرم کے مرتکب ہوئے

۱۸۴ پیشوایانِ کفر و باطل کے لئے عذاب پر عذاب۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم : - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کیلئے عذاب پر عذاب کی سزا ہوگی۔ والعیاذ باللہ۔ ایک گمراہ ہونے کا دوسرا گمراہ کرنے کا۔ اور اس طرح وہ جرم پر جرم کے ارتکاب کی پاداش میں عذاب پر عذاب پا کر رہیں گے تاکہ اپنی کمائی کا پورا پورا صلہ و بدلہ پاسکیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

الْعَظِیْمِ ۔سو آج تو ایسے لوگ اپنی اس طرح کی لیڈری پر خوش ہوتے اور اسکو اپنی چالا کی قرار دیتے ہیں لیکن یہ بد بخت نہیں سمجھتے کہ وہ ضلال اور اضلال دونوں کے مجرم قرار پا رہے ہیں جس پر انکو عذاب پر عذاب بھگتنا ہوگا ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ

۱۸۵ جرم اِفساد کی سنگینی وخطورت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو دوہرا عذاب ہوگا ان کے اِفساد کے باعث جس کا ارتکاب انہوں نے اپنے کفر وشرک کے ذریعے کیا ۔سو معلوم ہوا کہ کفر و انکار خرابی و فساد کی جڑ بنیاد ہے ۔۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔سو ایمان ویقین صلاح واصلاح کی اصل اور اساس ہے ۔اور کفر و انکار خرابی و فساد کی جڑ بنیاد ۔اگرچہ اسکے علمبردار اپنے طور پر بڑے بلند بانگ دعوے کرتے ہوں ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔سو اس سے اِفساد و بغاوت یعنی کفر وشرک کے جرم کی سنگینی اور خطورت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سے ان لوگوں کو عذاب پر عذاب بھگتنا ہوگا ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۸۶ روزِ قیامت کی تذکیر مکرر اور اسکی عظمتِ شان: سو روزِ قیامت کی تذکیر مکرر کے طور پر فرمایا گیا ''اور یاد کرو اس دن کو کہ جس دن ہم اٹھا کر کھڑا کر دیں گے ہر امت سے ایک گواہ خود انہی میں سے ''یعنی اس امت کے پیغمبر کو جو ان کے بارے میں گواہی دے گا کہ یہ لوگ ایمان لائے تھے یا نہیں ۔(ابنِ کثیر ،مراغی ،محاسن التاویل ،صفوۃ التفاسیر وغیرہ) ''اور آپ ﷺ کو اے پیغمبران لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے ''یعنی آپ ﷺ کی امت کے ان لوگوں پر کہ انہوں نے آپ ﷺ کو کیا جواب دیا تھا ۔(المراغی وغیرہ)۔سو اس ہولناک دن کیلئے تیاری کرو کہ اسکی تیاری کا موقع اسی دنیاوی زندگی میں ہے اور بس ۔سو اس ارشاد سے قیامت کے اس یومِ عظیم کے بارے میں دوبارہ اور مکرر تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی جس سے اسکی عظمتِ شان واضح ہو جاتی ہے ۔

۱۸۷ حضرتِ خاتم الانبیاء کی گواہی اپنی امت پر: سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم آپ ﷺ کو اے پیغمبر! گواہ بنا لائیں گے ان سب پر ''یعنی آپ ﷺ کی اپنی امت پر (ابنِ کثیر ،صفوۃ التفاسیر ، جامع البیان وغیرہ) ۔اور گواہ کیلئے جس چیز کی وہ گواہی دے اس کا علم ہونا ضروری ہوتا ہے نہ کہ وہاں موقع پر حاضر اور موجود ہونا ۔جیسا کہ ہم سب جنت اور دوزخ وغیرہ کی گواہی دیتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں ۔الحمد للہ ۔مگر نہ ہم نے ان کو دیکھا ہے نہ موت سے پہلے وہاں ہمارے جانے کا کوئی سوال ہے ۔پس اہلِ بدعت کا اس آیت کریمہ سے اپنے شرکیہ عقائد پر استدلال کرنا باطل و مردود ہے ۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد حق ترجمان سے اس کی مزید تشریح بھی اسی طرح فرما دی ہے ۔چنانچہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اس موقع پر میں وہی کچھ کہوں گا جو اللہ کے بندے حضرتِ عیسیٰ نے فرمایا تھا کہ ''اے اللہ میں جب تک ان لوگوں کے اندر موجود رہا ان کی نگرانی کرتا رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا ۔اور اب اگر انکو عذاب دیں تو بھی ٹھیک ہے ، کہ یہ تیرے بندے ہیں ۔اور اگر تو انکی بخشش فرما دے تو بھی بجا ، کہ تو سب پر غالب اور حکمت والا ہے تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں '' ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (المائدۃ:۱۱۷) ۔اس مسئلے کی مزید تفصیل کیلئے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳ کی تفسیر و تشریح کی طرف بھی رجوع کیا جاسکتا ہے کہ وہاں اس بارے کافی تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے ۔والحمد للہ ۔بہر کیف قیامت کے اس ہولناک دن میں ہر پیغمبر اپنی امت پر گواہ ہوگا کہ ان لوگوں نیان کو کیا جواب دیا تھا اور ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا ۔اور حضور ﷺ اپنی امت پر گواہ ہونگے ۔یہی مضمون بعینہٖ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۴۱ ،۴۲ میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے ۔

ع ١٢
٦
١٨

شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾ ع

دینے کے لئے ،) اور (یہ اس بناء پر، کہ) ہم نے اتارا آپ پر اس (عظیم الشان) کتاب کو ف۱۸۸ کامل بیان بنا کر (ضروریاتِ

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي

دین سے متعلق) ہر چیز کے لئے ف۱۸۹ اور سراسر ہدایت ف۱۹۰ عین رحمت، اور عظیم الشان خوشخبری کے طور پر ف۱۹۱ (اس کے حضور) سرِ تسلیم

الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج

خم کردینے والوں کے لئے ف۱۹۲ بیشک اللہ حکم فرماتا ہے عدل (وانصاف) کا ف۱۹۳ احسان کرنے کا ف۱۹۴ اور رشتہ داروں کو دینے کا ف۱۹۵ اور

۱۸۸ کتابِ الٰہی اِتمامِ حجت کا سب سے بڑا ذریعہ:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم ہی نے اتارا آپ ﷺ پر اے پیغمبر اس کتابِ عظیم کو"، یعنی قرآن حکیم کو۔ جس کی عظمتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ اور جو سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی محافظ اور نگہبان ہے۔ اور جس جیسی دوسری کوئی کتاب نہ دیکھی ہوئی ہے نہ قیامت تک کبھی ممکن ہو سکتی ہے۔ اور جو انسانوں کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل وضامن ہے۔ اور جس کی اتباع و پیروی کے بغیر نجات کی اور کوئی صورت اب ممکن نہیں۔ سو اس ارشاد سے اِتمام حجت کے ذریعے کی وضاحت فرمادی گئی کہ دنیا میں حق کی گواہی اور اِتمام حجت کا ذریعہ یہی کتاب عظیم ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کے اس فرض منصبی کے تقاضے کی تکمیل کیلئے ہم نے آپ پر اس کتابِ عظیم کو نازل کیا ہے کہ اسکے نزول اور اسکی تعلیم وتبلیغ کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں خبر نہیں تھی۔ ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ م بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٌ فَقَدْ جَآءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (المائدۃ:۱۰۹) سکے بعد ہر کسی کو اسکے کئے کا بھگتان ہر حال بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۸۹ ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ کا مطلب؟:- سو اس کتابِ عظیم کو ہر چیز کیلئے بیانِ شافی وکافی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یعنی دین وہدایت سے متعلق ہر چیز کیلئے کہ اس کتابِ حکیم کا اصل موضوع ہدایت وارشاد ہی ہے۔ اور ہر کتاب کا کمال یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے موضوع سے متعلق ہر چیز کو حاوی اور شامل ہو۔ اور موضوع سے غیر متعلق کوئی چیزوں کو اس میں ذکر کیا جائے۔ اسی لئے حضراتِ مفسرین کرام " عُمُوْمُ كُلِّ شَيْءٍ مَا يُنَاسِبُهٗ " "ہر چیز کو عموم وہی معتبر ہوتا ہے جو اس کے مناسب ہو" کے قاعدۂ کلیہ کے مطابق ایسی آیاتِ کریمہ کے عموم کو امورِ دین وہدایت ہی کے ساتھ مختص قرار دیتے ہیں۔ اور وہ اس کی تعبیر وادائیگی اس طرح کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ "اَيْ مَا يُحْتَاجُ اِلَيْهِ فِيْ اَمْرِ الدِّيْنِ " وغیرہ (ابن جریر، ابن کثیر، جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، قرطبی، معالم، روح المعانی، مدارک، ابوالسعود وغیرہ وغیرہ)۔ پس اہلِ بدعت اور انکے بعض بڑوں کا اس طرح کی آیاتِ کریمہ کے عموم سے اپنے شرکیہ عقائد کیلئے دلیل کشید کرنا باطل ومردود ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۹۰ قرآن حکیم سراسر ہدایت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ کتاب سراسر ہدایت ہے۔ یعنی صرف یہ کتاب ہدایت دینے والی ہے جس طرح کہ عام اردو تراجم میں مذکور ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں پر "ھادی" نہیں "ھدی" فرمایا گیا ہے جو کہ مصدر ہے۔ جس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ یہ کتاب سراسر ہدایت یا نری ہدایت ہے۔ ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی فرق کو واضح کرنیکی کوشش کی ہے۔ والحمدللہ۔ سو یہ کتاب ہدایت ایک ایسا عظیم الشان اور بے مثال منبع و مصدر ہے ہدایت و نور کا کہ اسکی طرف جو بھی اور جب بھی صدق دل سے رجوع کرے گا یہ اسکو ہدایت کی دولت سے نوازے گی۔ اور یہ ایسا مصدر فیض اور سرچشمۂ ہدایت ہے کہ انسان کو اس کی ایسی پاکیزہ اور عظیم الشان تعلیمات اور ہدایات سے نوازتی ہے کہ اسکی نظیر و مثال تو کیا اس کا عشر عشیر تک بھی دوسرے کسی بھی دین و مذہب اور نظام و قانون میں پایا جانا ممکن نہیں۔ سو کتنے محروم و بدبخت اور کس قدر ظالم و بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس کتاب حکیم کا انکار کرتے ہیں اور اس سے منہ موڑ کر وہ بطن و فرج کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ اور وہ انسانیت کے منصبِ شرف سے گر کر حیوان محض بلکہ شر البریہ بن گئے ہیں اور رھاویۃ جہنم کے مستحق بن کر رہ گئے ہیں جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین۔

۱۹۱ قرآن حکیم عین رحمت اور عظیم الشان خوشخبری:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ یہ کتاب عین رحمت اور عظیم الشان خوشخبری ہے۔ اور ایسی رحمت و خوشخبری کہ جس کی نہ اور کوئی نظیر ہوسکتی ہے نہ مثال۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِھٰذَا الْکِتَابِ الْعَظِیْمِ وَ بِالْاِیْمَانِ بِہٖ وَبِالْاِشْتِغَالِ بِہٖ۔ فَزِدْنَا اللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِہٖ وَ یَقِیْنًا وَ خِدْمَۃً وَّ اِشْتِغَالًا وَ حُسْنَ الْخِتَام۔ سو جو بھی صدقِ دل سے اسکی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنائے گا یہ کتابِ حکیم اسکو اپنی رحمتوں سے نوازے گی اور اس کے لئے عظیم الشان خوشخبری بنے گی کہ اسکو دنیا میں پاکیزہ زندگی "حیات طیبہ" کی سعادت نصیب ہوگی۔ اور آخرت میں جنت کی نعیم مقیم سے سرفرازی۔ وباللہ التوفیق۔ سو جو لوگ اس کتابِ حکیم پر صدق دل سے ایمان لا کر اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے رب کے حوالے کردیتے ہیں یہ کتاب ان کیلئے عینِ ہدایت اور سراسر رحمت و بشارت بن جاتی ہے۔ اور ان کو ہاتھ پکڑ کر صراطِ مستقیم کی اس بے مثال شاہراہ پر ڈال دیتی ہے جو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی واحد شاہراہ ہے۔

۱۹۲ قرآن حکیم سے استفادے کی اولین شرط انقیاد و تسلیم:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ قرآن حکیم کی رحمتوں سے سرفرازی کیلئے اولین شرط ہے انقیاد و تسلیم۔ سو یہ ایک اہم اور بنیادی خصوصیت ہے۔ کہ قرآن حکیم کی اس ہدایتِ کامل اور رحمتِ بیکراں سے مستفید ہونے کیلئے اولین شرط اس پر ایمان لانا اور اس کے حضور دل و جان سے جھک جانا ہے۔ سو اس کے ارشادات پر صدقِ دل سے ایمان لانا اور انکے احکام و فرامین کو اپنانا اور وظیفہ حیات بنانا ہی واحد راستہ ہے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا۔ اس کے برعکس جس نے اس سے منہ موڑا اور اعراض برتا، یہ کتابِ حکیم اس کے خلاف حجت بنے گی۔ جیسا کہ حضرت نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "اَلْقُرْاٰنُ حُجَّۃٌ لَّکَ اَوْ

عَلَيْکَ ''، ''قرآن حجت ہوگا تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف'' ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔اور یہ ایک طبعی امر ہے کہ دواخانے میں دوا تو ہر طرح کی اور ہر کسی کیلئے موجود ہوتی ہے لیکن فائدہ اسی کو ہوتا ہے جو دوا لیتا ہے۔اور ڈاکٹر وحکیم کی ہدایت کے مطابق اس کو استعمال کرتا ہے۔سو اکڑی ہوئی گردنوں، بگڑے ہوئے دماغوں اور پھرے ہوئے دلوں کیلئے محرومی وہلاکت کے سوا کچھ نہیں ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت میں رکھے آمین ۔

۱۹۳ عدل وانصاف کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تم لوگوں کو عدل (وانصاف) کا زندگی کے ہر موڑ پر اور ہر معاملہ سے متعلق کہ پورے اعتدال سے کام لیا جائے۔اور ہر صاحب کو اس کا پورا حق دیا جائے۔کسی کا حق نہ مارا جائے کہ یہ ظلم ہے۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔اور انسان پر سب سے پہلا اور سب سے بڑا حق دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنائے بغیر ممکن نہیں ۔سو جو لوگ اللہ کا حق ادا نہیں کرتے وہ عدل وانصاف کے قائم کرنے والے نہیں ہو سکتے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔سو عدل کا مفہوم ومطلب یہ ہے کہ جسکا جو حق واجب ہو وہ بلا کم وکاست کے پورے کا پورا ادا کر دیا جائے خواہ صاحبِ حق کوئی کمزور ہو یا طاقتور۔وہ آپ کا محبوب ہو یا مبغوض ۔چھوٹا یا بڑا۔امیر ہو یا غریب ۔اس طرح کے کسی فرق وامتیاز کا پاس ولحاظ کیے بغیر اس کا جو اور جس قدر حق بنتا ہو وہ ادا کیا جائے اور پورے کا پورا اس کو دیا جائے کہ یہ تقاضا ہے عدل وانصاف کا ۔

۱۹۴ احسان کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا اور وہ حکم دیتا ہے احسان کا کہ ہر صاحب حق کا حق اسکو اچھی طرح سے دیا جائے۔اور اسکے حق سے بڑھ کر دیا جائے۔سو احسان، عدل سے بڑھ کر اور اس سے اوپر کا درجہ ہے۔مثال کے طور پر ایک آدمی کا اگر حق سو روپیہ بنتا ہے تو اسکو سو سے کم دینا ظلم ہوگا۔اور پورا سو دینا عدل وانصاف ۔اور سو سے دس بیس اوپر دینا احسان ہوگا۔سو دین حنیف صرف عدل وانصاف ہی کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ احسان اور فضل کا حکم دیتا ہے۔جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی تصریح فرمائی گئی کہ آپس میں فضل واحسان کا معاملہ کرنا مت بھولو۔(البقرۃ:۲۳۷)۔سو احسان اور حسنِ معاملہ کی اس تعلیمِ عالی میں یہ درس دیا گیا ہے کہ ہمارا معاملہ صرف ادائیگی حق ہی تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہونا چاہیے کہ دوسروں کے ساتھ ہمارا معاملہ کریمانہ اور فیاضانہ ہو۔وباللہ التوفیق لمایحب ویرید۔

۱۹۵ رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا حکم:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور وہ حکم دیتا ہے رشتہ داروں کو دینے کا'' سو یہ احسان سے بھی ایک زائد شے ہے کہ رشتہ داروں کا حق عمومی احسان اور عام لوگوں سے بھی بڑھ کر ہے ان کے رشتہ دار اور قرابت کی بناء پر۔اور احسان کا معاملہ انسان بعض وجوہ کی بناء پر دوسروں سے بھی کر لیتا ہے۔اس لئے رشتہ داروں کا حق اور انکو دینے کے حکم کو الگ کر کے بیان فرمایا گیا ہے کہ قرابت ورشتہ داری کی بناء پر اچھائی ایک مستقل نیکی ہے۔سو یہ احسان کی ایک نہایت اہم فرع ہے۔لہٰذا اقرابت دار عمومی احسان کے علاوہ اپنی قرابت ورشتہ داری کی بناء پر مزید اور خصوصی انفاق کے بھی مستحق ہیں۔اس لئے ہر صاحب مال کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں پر فیاضی سے خرچ کرنا چاہیے۔وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

بِعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا

وہ روکتا ہے بے حیائی ۱۹۶ برائی ۱۹۷ اور زیادتی سے ۱۹۸ وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں تاکہ تم لوگ سبق لو، اور پورا کرو تم لوگ اللہ کے عہد

۱۹۶ بے حیائی کی ممانعت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا اور وہ روکتا ہے۔ بے حیائی سے جس کی بُرائی عقل سلیم کے نزدیک مُسلّم ہو۔ اور انسان محض اپنی نفسانی خواہشات اور حیوانی جذبات کی بناء پر اس کا ارتکاب کرتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ جیسے زنا اور لواطت وغیرہ۔ (معارف و محاسن وغیرہ)۔ سو ایسی کھلی ہوئی بے حیائی و بدکاری عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کے نزدیک بھی ممنوع و محذور ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو ایسی ہر چیز سے بندۂ مومن کے دامن کا پاک ہونا ضروری ہے۔

۱۹۷ برائی کی ممانعت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا اور وہ روکتا ہے برائی سے جس سے شریعت روکتی اور اسکا انکار کرتی ہو۔ اور انسان کی قوتِ غضبیہ سے صادر ہوں۔ جیسے کسی کو قتل کرنا اور کسی کا مال لوٹنا وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ (محاسن التاویل اور معارف القرآن وغیرہ)۔ سو "منکر" "معروف" کی ضد ہے۔ ہر اچھی بات کو "معروف" کہا جاتا ہے۔ اور اسکے مقابلے ہر بری بات کو "منکر"۔ سو معروف و منکر کے ان دو لفظوں میں بھی بڑے درس ہیں۔ کیونکہ معروف عقلِ سلیم فطرتِ مستقیم اور دینِ متین کے نزدیک ایک جانی پہچانی چیز ہوتی ہے۔ اور اس کے برعکس منکر وہ چیز ہوتی ہے جو ان سب کے نزدیک بری اور ناقابل قبول ہو۔ اسی لئے دین حنیف نے معروف کو اپنانے کی اور منکر یعنی برائی سے بچنے کی تعلیم و تلقین فرمائی ہے۔

۱۹۸ ظلم و زیادتی سے ممانعت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور وہ روکتا ہے ظلم و زیادتی سے" جس سے دوسروں کے حقوق پر زد پڑتی ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سبحان اللہ، محاسنِ اخلاق کو کس عمدگی اور کتنی جامعیت کے ساتھ قرآن پاک کی اس مختصر سی آیت کریمہ کے اندر سمو دیا گیا ہے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسکو اخلاقیات کے لئے جامع ترین آیت قرار دیا ہے۔ (محاسن لتاویل، صفوۃ التفاسیر، مراغی اور معارف وغیرہ) اور حضرت قاضی بیضاویؒ نے کیا خوب فرمایا کہ "اگر قرآن پاک کی اس ایک آیت کریمہ کے سوا کوئی آیت بھی نہ اتری ہوتی تو یہ اس کے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہونے کیلئے کافی تھی" (جامع البیان وغیرہ)۔ اسی لیے حضرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ جب رجب ۹۹ ھ میں خلیفہ بنے تو آپؒ نے حکم دیا کہ اس آیتِ کریمہ کو خطبہ کے آخر میں شامل کر دیا جائے۔ سو آپ کے حکم و ارشاد کے مطابق اس کو خطبہ میں شامل کر دیا گیا۔ جو اب تک جاری و ساری ہے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قائم فرمودہ یہ سنتِ حسنہ آج تک موجود ہے۔ بہر کیف یہ آیت کریمہ خیر و شر کے بیان کے سلسلہ میں جامع ترین آیت ہے۔ (معارف، محاسن وغیرہ) والحمد اللہ جل وعلا۔ آج امت اگر اسی ایک آیت پر پوری طرح عمل کر لے تو اسکی بگڑی بڑی حد تک بن سکتی ہے۔

عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ

کو ف۱۹۹ جب کہ تم آپس میں کوئی عہد کرو، اور اپنی قسموں کو توڑنا نہیں، ان کو پکا کرنے کے بعد، ف۲۰۰

قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

درآنحالیکہ تم لوگ خود اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو، بے شک اللہ خوب جانتا ہے وہ سب کچھ

۱۹۹ اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا حکم وارشاد:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور پورا کرو تم لوگ اللہ کے عہد کو" جس میں سب سے پہلے ازل کا وہ عہد آتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں سے اپنی توحید و ربوبیت کا عہد لیا۔ اور فرمایا تھا۔ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" تو سب نے بیک زبان کہا تھا۔ ﴿بَلٰى﴾۔ "ہاں کیوں نہیں" یعنی ہاں آپ ضرور اور یقیناً ہمارے رب ہیں اور فطرت کے اسی عہد کی تجدید و تاکید کیلئے اس خدائے رحمٰن و رحیم نے اپنے انبیائے و مرسلین کو مبعوث فرمایا۔ ان کی دعوت پر لبیک کہہ کر جنہوں نے اسلام قبول کیا اور اس طرح انہوں نے جو دوبارہ اسلامی احکام و فرامین کی ادائیگی کا عہد کیا وہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔ پھر ہر وہ عہد جو اللہ تعالیٰ کے نام پر کیا گیا ہو وہ بھی اس میں داخل ہے خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے کہ وہ سب اس اس حکم ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾۔ کے عموم میں داخل ہے۔ اور اس امر وارشادِ ربانی جل وعلا۔ کا عموم و شمول ان سب ہی پر حاوی و محیط ہے۔ اور ان سب عہدوں کو پورا کرنا اور ان کو بجالانا ماموروِ مطلوب ہے۔ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ وَ هُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ۔ علامہ مراغی کہتے ہیں کہ اس میں ہر وہ عہد و پیمان داخل ہے جس کی پابندی کا التزام و اقرار انسان اپنی مرضی واختیار سے کرتا ہے۔ اور اسی بناء پر حضرتِ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ جس سے تم نے کوئی عہد و پیمان کیا ہو اسکو پورا کرو۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، کیونکہ عہد تو اللہ کیلئے اور اسی کے نام کا ہوتا ہے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ) سو اپنے عہد کو بہرحال پورا کرنا مطلوب و مامون ہے۔

۲۰۰ اپنی قسموں کو توڑنے کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور تم توڑنا نہیں اپنی قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد" اللہ تعالیٰ کے اسم عالی کے ذریعے کہ اللہ پاک کا پاک نام و ذکر کرنے سے کلام میں تاکید آجاتی ہے۔ سو اللہ پاک کے ان نام پر کیے گئے اپنے عہد اور وعدے اور اپنی قسموں کو توڑنا روا نہیں۔ سو آج تم لوگوں نے اللہ پاک کے نام کو اپنی قسموں میں ذکر کر کے اس کو اپنے اوپر کفیل و ضامن اور رقیب و نگہبان بنا دیا ہے تو اب تمہارے لیے اپنی قسموں کو توڑنا کس طرح روا ہو سکتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ حضرت جابر وغیرہ سے مروی ہے کہ جب کوئی اسلام قبول کرتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیعت لیتے کہ تم نے اسلام کے اَحکام پر عمل کرنا ہے۔ تو اس بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ "تم لوگ اپنی قسموں کو توڑنا نہیں ان کو پکا کرنے کے بعد" محض اس بناء پر کہ اسلام کے نام لیواؤں کی تعداد تھوڑی ہے اور اہل کفر و باطل کی تعداد زیادہ۔ (ابن جریر، ابن کثیر، محاسن التاویل اور مراغی وغیرہ) بہرکیف اپنی قسموں کی حفاظت بہرحال اور بہر طور مطلوب و مامور ہے۔

تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا

جو تم لوگ کرتے ہو، ۲۰۱ اور مت ہو جانا تم اس عورت کی طرح جو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی تھی اپنے سوت کو،

مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ

مضبوط کاتنے کے بعد، ۲۰۲ کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد (اور مکر وفریب) کا

بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ

ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ بڑھ جائے دوسرے گروہ سے ۲۰۳ بات صرف یہ ہے کہ اللہ اس طرح

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ

آزمائش میں ڈالتا ہے تم سب کو ۲۰۴ اور اللہ ضرور بالضرور کھول کر بیان کردے گا تمہارے لئے قیامت کے روز ان سب

۲۰۱ اللہ سے اپنا معاملہ صاف رکھنے کی تعلیم وتلقین: سو ارشاد فرمایا گیا ''اور اللہ خوب جانتا ہے ان تمام کاموں کو جو تم لوگ کر رہے ہو''۔ کہ اس سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہوسکتی۔ سو اسی کے مطابق اس کے یہاں سے تمہیں اپنے کئے کا بدلہ ملے گا اور بھرپور طریقے سے ملے گا۔ پس تم ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھو کہ اس کے ساتھ تمہارا معاملہ کیسا ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک علیم بذات الصدور سے تمہاری کوئی بات چھپ نہیں سکتی۔ سو دینِ متین کے احکام وارشاد کا معاملہ عام دنیاوی قوانین کی طرح نہیں کہ محض ظاہرداری سے کام لیا جائے اور بس۔ جیسا کہ دنیاوی قوانین میں ہوتا ہے۔ بلکہ ان قوانین واحکام میں ظاہر و باطن دونوں بلکہ ظاہر سے بھی پہلے باطن کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اسلام کے یہ مقدس قوانین اس خالق ومالک کیطرف سے ہیں جو تمہارے سب کاموں کو ظاہر و باطن دونوں کے اعتبار سے اور پوری طرح جانتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسلئے ہمیشہ کوشش اسی کی ہو کہ اس سے ہمارا معاملہ صحیح رہے۔ وباللہ التوفیق لما یُحبُّ و یرید۔

۲۰۲ اپنے کیے پر پانی نہیں پھیرنا: سو ارشاد فرمایا گیا ''اور تم لوگ اپنے کیے کرائے کو خود اپنے ہاتھوں برباد نہیں کرنا''۔ بعض حضراتِ مفسرین کا کہنا ہے مکہ مکرمہ میں ایک ایسی عورت تھی جو کہ دن بھر سوت کاتتی رہتی اور اپنی لڑکیوں سے کتواتی۔ مگر شام کو وہ اس سب کو خود توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔ اور اس طرح اپنی محنت کو اپنے ہاتھوں خود ضائع کر دیتی۔ اور لوگ اس کو کہتے ''مَا اَحْمَقُ هٰذِهٖ'' کس قدر بے وقوف عورت ہے یہ؟''۔ سو اس بناء پر یہ ایک ایسی ضرب المثال ہوگی جو کہ ہر اس شخص اور ایسے موقع پر چسپاں ہوتی ہے جہاں کوئی اپنے کئے کرائے کو اپنے ہاتھوں خود ضائع کردے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ محض ایک تمثیل ہے کہ تم لوگ اپنی قسموں کو خود توڑ کر ایسی بیوقوف عورت کی طرح نہیں

ہو جانا جو ایسا عمل کرتی ہو۔ ابنِ کثیر، روح، قرطبی، صفوہ، معارف وغیرہ)۔ جو بھی ہو عرف اور محاورے کی زبان میں یہ اپنے عمل کو ضائع کرنے کی ممانعت کیلئے ایک مؤثر و بلیغ تعبیر ہے کہ لوگ اپنے کیے کرائے پر پانی نہیں پھیرنا اور اپنی کمائی کو خود اپنے ہاتھوں برباد نہیں کرنا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین۔

۲۰۳ عہد شکنی کے اصل محرک کی نشاندہی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ محض اس بناء پر کہ ایک گروہ بڑھ جائے دوسرے گروہ سے مال و دولت یا نفری و تعداد میں۔ عربوں کا طریقہ تھا یہ قسم اٹھا کر ایک قوم یا قبیلے کا ساتھ دیتے۔ مگر جب دوسری قوم کا پلہ بھاری دیکھتے تو پہلی قسم کو توڑ کر دوسری قوم کے ساتھ معاہدہ کر لیتے جو کھلم کھلا دھوکہ بازی اور موقع پرستی تھی۔ اس لئے قرآن حکیم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (روح، قرطبی، ابنِ کثیر، مراغی، محاسن اور معارف وغیرہ) مگر آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ مغرب و مشرق کی مادہ پرست قوموں کی اکثریت اسی پر عمل کرتی اور اسی ڈگر پر گھومتی ہے کہ جہاں اور جیسے اپنے مفاد کی تکمیل و تحصیل نظر آئے یہ لوگ ادھر ہی پھر گئے۔ اور اسی طرف کے ہو رہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ نام نہاد جمہوریت کے اس دور میں مادی مفادات کے عوض ضمیروں کی خرید و فروخت کا کام کھلے عام ہو رہا ہے۔ اور ہماری پارلیمینٹوں میں آج کل کس کاروبار کو ہارس ٹریڈنگ (گھوڑوں کی خرید و فروخت) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو دینِ حنیف نے اس پر پندرہ سو برس قبل اس طرح پابندی لگا دی اور اس کا راستہ بند کر دیا کہ یہ ابن الوقتی اور موقع پرستی ہے جو مکارمِ اخلاق اور دینِ حنیف کی تعلیمات مقدسہ سے میل نہیں کھا سکتی۔ پس اس طرح دینِ حنیف نے مفاد پرستی اور ضمیر فروشی کے ایسے تمام مداخل بند کر دیے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین یا ربّ العالمین۔

۲۰۴ اختلافِ درجات ذریعۂ آزمائش و ابتلاء:- سو ارشاد فرمایا گیا "اللہ آزماتا ہے اس کے ذریعے تم لوگوں کو" کہ کون اپنے عہد اور ضمیر کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے قول و قرار پر پکا رہتا ہے اور کون مفاد پرستی کے پیچھے لگ کر پہلو بدل لیتا ہے۔ (محاسن، معارف، ابنِ کثیر، وغیرہ) سو ایک طرف اللہ کے نام پر کیے گئے عہد و پیمان کی وفاداری و پاسداری کا معاملہ ہے اور دوسری طرف وقتی مفادات و منافع کی بات ہے۔ اب پتہ چلے گا کہ اس آزمائش میں کون پورا اترتا ہے۔ سو کسی قوم قبیلے اور گروہ وغیرہ کا عددی اعتبار سے یا دنیاوی مال و دولت وغیرہ کے لحاظ سے کم یا زیادہ ہونا تم لوگوں کیلئے ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ ہے کہ کون اصول و قوانین کا پاس و لحاظ کرتا، اور اپنے عہد و پیمان اور قول پر پکا رہتا ہے، اور کون وقتی فوائد و مصالح اور عارضی منافع کی بناء پر اپنے قول و قرار سے پھر جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو درجات و مراتب اور احوال و ظروف کا یہ اختلاف تمہارے لیے اے لوگو ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً﴾ الآیۃ (الفرقان: ۲۰) یعنی ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کیلئے آزمائش کا ذریعہ بنایا۔

الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

چیزوں کو جن (کے بارے) میں تم لوگ باہم اختلاف کیا کرتے تھے ۲۰۵ اور اگر اللہ چاہتا (کہ تمہارے اندر کوئی اختلاف

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ

ہو ہی نہ،) تو وہ یقیناً (بڑی آسانی سے) تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا ۲۰۶ مگر وہ (اپنے دستور عدل و حکمت کے مطابق)

۲۰۵ اصل اور آخری فیصلہ قیامت کے دن ہوگا:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور قیامت کے دن اللہ کھول کر بیان کر دے گا ان تمام باتوں کو جن میں تم لوگ اختلاف کرتے رہے تھے''۔ اس وقت تمہارا سب کچھا چٹھا تمہارے سامنے آجائے گا اور تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ دنیاوی مفاد کے پیش نظر عہد شکنی دراصل عزت کا سودا اور کامیابی کا ذریعہ نہیں۔ بلکہ ذلت و رسوائی کا سامان تھا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس وقت تمہیں اپنے ایسے تمام کرتوتوں کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا۔ پس اب ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ لے کہ وہ کس راہ پر چل رہا ہے اور فیصلے کے اس دن میں وہ کس نتیجہ وانجام کی توقع وامید رکھتا ہے۔ و باللّٰه التوفیق لما یحب و یرید۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ قیامت کے اس یوم الفصل میں اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو تمہارے لیے کھول کر بیان فرمادے گا جن کے بارے میں تم لوگ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔ تب اصل حقیقت پوری طرح کھل کر اور بے نقاب ہو کر تمہارے سامنے آجائے گی۔ اور جن جن پردہ پوشیوں اور منطق بازیوں سے تم لوگوں نے دنیا میں کام لیا تھا کشفِ حقائق کے اس یوم عظیم میں وہ سب هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گی۔ کیونکہ اس جہاں میں حق اور صدق کی دولت ہی کام آسکی گی و باللّٰه التوفیق لما یُحِبُّ و یرید۔

۲۰۶ جبر و اکراہ کا ایمان مطلوب نہیں:- ورنہ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ جبراً و قہراً۔ اس طرح کہ تمہیں اس کے حکم سے سرتابی کی گنجائش اور قوت ہی نہیں رہتی۔ جیسا کہ یہ پوری کائنات اس قادرِ مطلق کے حکمِ مطلق کے تابع ہے۔ ﴿كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ﴾۔ اور ایسا کرنا اس قادرِ مطلق کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ بلکہ محض اسکے ایک اشارہ وارادہ کی دیر تھی اور بس۔ لیکن ایسی جبری ہدایت سے امتحان واختیار کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اس وحدہٗ لاشریک نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ تمہارا معاملہ خود تمہارے اپنے ارادہ واختیار پر چھوڑ دیا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ خیر وشر اور ہلاکت وفلاح کے دونوں راستے تمہارے سامنے واضح کرنے کے بعد معاملہ تمہارے اختیار پر چھوڑ دیا تا کہ اس طرح انسان اپنے کیے کرائے پر اجر و ثواب یا عتاب وعذاب کا مستحق قرار پائے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو مطلوب ومقصود وہ ایمان ہے جو انسان اپنے ارادہ و اختیار سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم وارشاد کے مطابق لائے۔ ورنہ جبر و اکراہ والا ایمان نہ مطلوب ہے نہ مفید۔ کیونکہ اس سے نہ ابتلاء وآزمائش کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اجر وثواب کا استحقاق ثابت ہو سکتا ہے۔

يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ہدایت (کی دولت) سے نواز دیتا ہے ف ٢٠٧ اور (یاد رکھنا کہ تمہیں یونہی چھٹی

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ

نہیں مل رہے گی، بلکہ) تم سب سے ضرور باز پرس ہونی ہے، ان سب کاموں کے بارے میں جو تم لوگ کرتے رہے تھے

بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ

(اپنی زندگیوں میں ف ٢٠٨) اور اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ نہ بنا لینا کہ کہیں اس سے کوئی قدم ڈگمگا جائے اس کے جمنے

٢٠٧ انسان کے معاملے کا مدار و انحصار اسکی اپنی نیت و ارادہ پر:- اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اسی کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نواز دیتا ہے" کہ وہ ہر ایک کی نیت اور اس کے باطن سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اور جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے۔ اور اسکی کے مطابق وہ تمہارے ساتھ معاملہ فرماتا ہے۔ سو اصل مدار و معیار انسان کا اپنا ضمیر و باطن ہے۔ ہر کوئی اپنے باطن کو خود جھانک کر دیکھ لے اور اسی کے مطابق وہ اسکے یہاں صلہ و ثمرہ کی توقع رکھے۔ فَوَفِّقْنَا اللّٰهُمَّ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى ۔ سو ہدایت کا مدار و انحصار انسان کے اپنے باطن اور اسکے ارادہ و نیت پر ہے۔ اور نیت کا حال انسان خود جانتا ہے یا اس کا خالق و مالک جو کہ انسان کے دل کے نیتوں اور اس کے ارادوں سے واقف و آگاہ ہے۔ اور وہ اسکے ظاہر و باطن کو ایک برابر جانتا ہے۔ اور اس سے انسان کی کوئی حالت و کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

٢٠٨ یوم حساب کی باز پرس کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور تم لوگوں سے ضرور پوچھ ہوگی تمہارے کاموں کی"۔ اپنے کیے کا بھگتان تمہیں بہرحال بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ سُوْٓءٍ وَّ شَرٍّ ۔ سو یوم حساب کے اس یوم عظیم میں سب لوگوں کی باز پرس بہرحال ہوگی کہ تم نے زندگی کس راہ پر گزاری تھی۔ اپنے خالق و مالک کی اطاعت و بندگی کی راہ پر یا اس کی بغاوت و سرکشی کی راہ پر۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اور اسی کے مطابق وہاں فیصلہ ہوگا۔ سعادت مند اور نیک بخت لوگ اپنے ایمان و عمل کے نتیجے میں جنت کی سدابہار نعمتوں سے سرفراز و سرشار ہونگے اور اسکے مقابلے میں بغاوت و سرکشی کی راہ پر چلنے والوں کو دوزخ کے ہولناک عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو ہدایت و ضلالت کے درمیان فرق و تمیز کیلئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نور عقل و فطرت سے بھی نواز دیا اور اپنے انبیاء و رسل اور وحی و کتاب کی روشنی سے بھی تمہیں سرفراز فرما دیا اور راہ حق و ہدایت کو پوری طرح واضح کر دیا۔ اب آگے معاملہ تمہارے ارادہ و اختیار پر ہے۔ تم جونسی راہ چاہو اختیار کرو لیکن یہ بات یاد رکھو کہ تم سے تمہارے ان تمام کاموں کے بارے میں ضرور پوچھ ہوگی جو تم زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ سو اب تم اپنے بھلے بُرے کے بارے میں خود دیکھ لو اور سوچ لو۔ اور اس کے مطابق اپنا راستہ خود منتخب کرلو۔ مگر یاد رکھو کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ فَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لما يحب ويريد و هو الهادى الى سواء السبيل۔

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا

کے بعدؔ ۲۰۹ اور اس کے نتیجے میں تمہیں بھگتنا پڑے برا انجام، اس بناء پر کہ تم نے روکا اللہ کی راہ سے، اور (اس طرح

بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ

آخر کار) تمہارے لئے ایک بہت بڑا عذاب قرار پا جائے، اور (یاد رکھنا کہ) کہیں تم لوگ اللہ کے عہد کے بدلے میں

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ

(دنیائے دوں کا) کوئی گھٹیا مول نہ اپنا لیناؔ ۲۱۰ بے شک جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ تمہارے لئے کہیں بہتر ہے اگر تم جانوؔ ۲۱۱

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا

جو کچھ تمہارے پاس ہے (اے لوگو) وہ بہرحال (ایک نہ ایک دن) ختم ہو کر رہیگاؔ ۲۱۲ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (ہمیشہ) باقی

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ

رہنے والا ہے، اور جو لوگ (راہِ حق پر) ثابت قدم رہے ہم انکو ضرور بالضرور بدلہ دینگے ان کے ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ

صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ

کرتے رہے تھےؔ ۲۱۳ جو بھی کوئی نیک کام کریگا خواہ وہ کوئی مرد ہو، یا عورت، بشرطیکہ وہ ایمان رکھتا ہو، تو ہم اسے (دنیا میں) ضرور ایک

۲۰۹ اپنی قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اپنی قسموں کو فساد کا ذریعہ نہ بنا لینا کہ اس سے کوئی قدم ڈگمگا جائے اس کے جمنے کے بعد۔ کہ کافر جب یہ دیکھے گا کہ مسلمان بھی اس طرح بدعہدی کرتا ہے تو اس کا دین پر اعتماد اٹھ جائے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ (ابن کثیر، معارف للکاندھلوی وغیرہ)۔ اور اس طرح تم لوگ اپنے عمل اور اپنی عہد شکنی سے راہِ حق وہدایت سے دوسروں کو روکنے اور محروم کرنے کا باعث بن جاؤ گے جو کہ ایک سنگین جرم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو اس سے ایک اصولی ہدایت مل گئی کہ مومن کی زندگی عملی طور پر اسلامی تعلیمات کا ایک نمونہ اور مثال ہونی چاہیے۔ تاکہ اس طرح وہ دوسروں کے لئے دینِ حق کی طرف کشش کا ذریعہ بنے۔ نہ کہ وہ اس سے تنفر کرنے اور دوری کا سبب بنے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر موقعہ پر غلط سوچ وفکر اور غلط قول وعمل سے محفوظ رکھے۔ اللّٰهم فخذنا بنو اصيننا الى ما فيه حبك و الرضا بكلِ حال من الاحوال، و في كل موطن من المواطن في الحياة يا ذالجلال والاكرام۔

۲۱۰ اللہ تعالیٰ کے عہد کے بدلے میں ثمنِ قلیل کو اپنانے کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور خبردار تم لوگ اللہ کے

عہد کے بدلے میں کوئی گھٹیا مول نہ اپنالینا"۔ کہ حق وہدایت کی دولت ایسی عظیم الشان دولت ہے کہ دنیا کی ساری دولت بھی اسکے مقابلے میں ہیچ ہے۔ تو پھر اس کے مقابلے میں ان کچھ ٹکوں کی حیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے جو انسان حق فروشی کے بدلے اپنائے؟ ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔فَثَبِّتْنَا اللّٰهُمَّ عَلٰى صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ دَآئِمًا وَّ اَبَدًا۔ سو اس ارشادِ ربانی کا مطلب یہ ہوا کہ حق کے مقابلے اور اللہ کے عہد کے بدلے میں کوئی بھی مول کبھی نہ لینا کہ یہ سب کچھ ہیچ فانی اور ثمنِ قلیل ہی ہے ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ

۲۱۱ اللہ تعالیٰ کے اجر وثواب کی عظمتِ شان کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لیے کہیں بہتر ہے اس دنیائے دوں کی متاعِ قلیل اور مفادِ ضئیل سے۔ جو تمہیں اس کی رحمت ورضاء اور اسکی جنت وعطاء وغیرہ ان عظیم الشان نعمتوں کی شکل میں جن کی عظمت کا تصور واحاطہ کسی بھی بشر کے لئے ممکن نہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو یہ سب کچھ کہیں بہتر ہے اس دنیاوی مال ومتاع سے جس کیلئے ابنائے دنیا مرتے ہیں کہ دنیا کا یہ سب مال و اسباب بہرحال فانی اور عارضی ہے۔ اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ کہیں بہتر ہے اور وہ دائمی و ابدی ہے۔ سو کس قدر خسارے اور دھوکے میں ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ملنے والے اس عظیم الشان اور بے مثال اجر وثواب اور صلہ وعطاء سے منہ موڑ کر اسی دنیائے دوں کے متاعِ قلیل و فانی اور حطامِ زائل ہی کو مقصدِ حیات اور اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں۔ اور وہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ ۔

۲۱۲ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب فانی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بہرحال ختم ہو جائے گا"۔ کہ وہ بہرحال فانی ہے۔ یعنی دنیاوی مال دولت اور عزو جاہ وغیرہ کہ کلمہ "ما" کا عموم ان سب ہی کو شامل اور محیط ہے۔ سو یہ سب کچھ بہرحال فانی اور عارضی ہے اور اس نے بہرحال ایک نہ ایک دن ختم ہو کر رہنا ہے۔ اور کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائمی اور ابدی ہے۔ تو فانی کا ابدی اور دائمی سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو آخرت کی اس ابدی زندگی اور اس کی دائمی نعمتوں کو بھول کر اور اسکے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر اسی فانی دنیا اور اسکے عارضی اور وقتی فائدے کیلئے جیتے اور مرتے ہیں اور وہ اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اور اسکے برعکس بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو آخرت کی حقیقی زندگی اور وہاں کی ابدی نعمتوں کو ہی اپنا نصیب العین اور مقصدِ حیات بنائے ہوئے ہیں اور ہر مصیبت اور مشکل کے باوجود وہ راہِ حق وہدایت پر مستقیم وثابت قدم رہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لمایحب ویرید

۲۱۳ صبر واستقامت والوں کیلئے بشارت:- سو صبر کرنے والوں کیلئے ان کے اعمال پر بہترین بدلے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ سو یہ بھی اس کی رحمتِ بے پایاں اور عنایت بے نہایت کا ایک عظیم الشان اور منفرد نمونہ ومظہر ہے کہ اپنے بندوں کو وہ جس اجر وثواب سے نوازتا ہے وہ ان کے بہترین اعمال کے مطابق ہوگا نہ کہ کمزور اور ناقص اعمال کے مطابق۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ۔ سو راہِ حق پر صبر کرنے والوں کیلئے یہ ایک عظیم الشان وعدہ ہے۔ پس اس سے راہِ حق پر صبر واستقامت کی عظمتِ شان بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے نتیجے میں ایسے خوش نصیبوں کو انکے کیے کرائے کے بہترین اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ج وَلَنَجۡزِیَنَّھُمۡ اَجۡرَھُمۡ بِاَحۡسَنِ

پاکیزہ زندگی سے نوازینگے ۲۱۴ اور (قیامت کے روز) ہم ایسے لوگوں کو ضرور ان کا اجر عطا کریں گے ان کے ان بہترین اعمال

مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ

کے مطابق جو وہ (زندگی بھر) کرتے رہے تھے ۲۱۵ پس جب تم قرآن پڑھنے لگو ۲۱۶ تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو

بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّہٗ لَیۡسَ لَہٗ

شیطان مردود (اور اسکے شر) سے، ۲۱۷ (کیونکہ) اس کا

سُلۡطٰنٌ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰی رَبِّھِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۹۹﴾

ان لوگوں پر کوئی زور نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں، اور وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں ۲۱۸

اِنَّمَا سُلۡطٰنُہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ یَتَوَلَّوۡنَہٗ وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ

اس کا زور تو بس انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا دوست بناتے ہیں، اور وہ اسکے (بہکانے کے)

بِہٖ مُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ ع وَاِذَا بَدَّلۡنَاۤ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ ۱۳ ع ۱۱ ۱۹

باعث ۲۱۹ شرک کرتے ہیں، اور جب ہم کسی آیت کی جگہ اس کے بدلے میں کوئی دوسری آیت اتارتے ہیں،

وَّاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُفۡتَرٍ ط

اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ اتارتا ہے، تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ سوائے اسکے نہیں کہ تم خود ہی گھڑ کر لے آتے ہو ۲۲۰

۲۱۴ مدارِ نجات ایمان و عمل ہے اور بس:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مدارِ نجات ایمانِ صادق اور عملِ صالح ہے اور بس۔ پس عقیدہ و ایمان شرطِ اول ہے قبولیت عند اللہ کیلئے۔ اس کے بغیر کسی عمل کا اللہ تعالیٰ کے یہاں اور آخرت میں نہ کوئی اجر ہے نہ وزن۔ ﴿فَلَا نُقِیۡمُ لَھُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا﴾۔ سو مدارِ نجات اور ذریعۂ سعادت و سرفرازی ایمانِ صادق و عملِ صالح ہے۔ خواہ وہ شخص کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ اور یہ چیز اگر نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اس ارشاد میں "ذکر" اور "انثیٰ" یعنی مرد اور عورت دونوں کا ایک ساتھ فرمایا گیا ہے۔ جس سے عورت کی عظمتِ شان کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ ایمان و عمل اور اجر و ثواب کے سلسلے میں وہ مرد کے برابر ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مدارِ نجات سب کیلئے ایک اور یکساں ہے۔ یعنی ایمانِ صادق اور عملِ صالح اور بس۔

۲۱۵ ایمانِ صادق کی عظمتِ شان کا ایک اہم مظہر:- کہ یہ مومنِ صادق کیلئے سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے کہ اس سے مومنِ صادق کیلئے دنیا میں حیاتِ طیبہ سے سرفرازی کا وعدہ ہے۔ جس سے اس کو سکون واطمینان قلب کی دولت نصیب ہوگی۔ وہ قناعت اور رزقِ حلال سے شاداں و مالا مال ہوگا اور نیک اعمال کی توفیق وسعادت سے بہرہ ور ہوگا۔ وہ قناعت اور رزق حلال سے شاداں و مالا مال ہوگا اور نیک اعمال کی توفیق وسعادت سے بہرہ ور ہوگا۔ مصیبتیں تو اسے آسکتی ہیں اور آتی رہتی ہیں لیکن وہ اس کیلئے پریشانی اور خسارے کا باعث نہیں بنتیں کہ اس کا ایمان ویقین یہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے خالق و مالک کی طرف سے ہے جو حاکم وحکیم بھی ہے اور رحمٰن ورحیم بھی۔ اور جو کہ ہم پر ہماری جانوں سے بھی بڑھ کر مہربان ہے۔ لہذا اس کی طرف سے آنے والی ان مصیبتوں میں بھی ہمارے لیے یقیناً کوئی نہ کوئی خیر اور بہتری ہوگی۔ یا اس سے ہمارے گناہوں کی معافی کا سامان ہوگا یا درجات بلند ہونگے۔ یا کچھ دوسرے کوئی فوائد ومنافع حاصل ہونگے جن کا اِدراک و اِحاطہ بھی حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ اور اس طرح ایسے ایمانداروں کی مصیبتیں بھی ان کیلئے خیر بن جائینگی اور وہ اجر وثواب سے سرفراز اور مالا مال ہونگے۔ سو مصیبت اصل میں ان لوگوں کیلئے مصیبت ہوتی ہے جو ایمان ویقین کی دولت سے محروم ہوتے ہیں۔۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے "اِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَاب" کہ مصیبت والا تو وہ ہے جس کو ثواب نہ ملے۔ سو جس کو مصیبت پر ثواب ملے اسکی مصیبت اسکے لئے مصیبت ہے ہی نہیں۔ اور یہ انعام واِکرام تو ان خوش نصیب لوگوں کو اس دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں ملے گا۔ مگر ان کو اپنے ایمان ویقین اور اَعمال صالحہ کا اصل صلہ وبدلہ آخرت کے اس جہاں میں ملے گا جہاں کی نعمتیں ابدی اور دائمی ہوں گی۔ جہاں زندگی ہوگی موت نہیں۔ صحت ہوگی بیماری کبھی نہیں آئے گی۔ دولت ہوگی محتاجی کبھی نہیں ہوگی۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ سو ایمان ویقین کی دولت انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے۔ فالحمد للّٰہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان اللّٰھم فزدنا منہ و ثبتنا علیہ۔

۲۱۶ تلاوتِ قرآن سے متعلق ایک اہم ادب:- سو اس ارشاد سے تلاوتِ قرآن سے متعلق ایک اہم ادب کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے کہ اس موقعہ پر شیطان مردود اور اس کے فتنوں سے اللہ پاک کی پناہ مانگی جائے۔ یعنی قرآت کا فعل یہاں پر ارادۂ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ (ابنِ کثیر، فتح القدیر، صفوۃ وغیرہ) پس جب تم لوگ قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اس لیے کہ یہ لعین وہ دشمن ہے جس پر کوئی ظاہری ہتھیار اور اسلحہ کارگر نہیں ہوسکتا۔ اس سے بچنے اور اسکے شر سے محفوظ رہنے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم اس لعین کے شر سے بچنے کیلئے اس ذاتِ اقدس واعلیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو جس کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہر چیز کی باگ دوڑ ہے کہ اسکے شر سے وہی ذات تم کو بچاسکتی ہے۔ فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اللعین بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال۔

۲۱۷ شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے موقعہ پر تم پناہ مانگ لیا کرو اللہ کی شیطان مردود سے کہ وہ ہمیں اسکے شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔ کہ تمہارا سب سے بڑا، خطرناک اور کھلا دشمن وہی ہے جس نے رب تعالیٰ کے حضور قسم کھا کر تمہیں گمراہ کرنے کا اعلان کردیا تھا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ نیز یہ وہ دشمن ہے جو تمہیں دیکھتا ہے مگر تم اسکو

نہیں دیکھ سکتے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس سے متعلق ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ (الاعراف:۲۷)۔ نیز یہ وہ دشمن ہے جو تمہاری سب سے بڑی دولت پر ہاتھ ڈالتا ہے یعنی ایمان پر۔ جس جیسی دوسری کوئی دولت نہیں ہو سکتی۔ اور جس کے بغیر انسان کچرا اور دوزخ کا ایندھن ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین۔

۲۱۸ اللہ پر بھروسہ شیطان اور اسکے شر سے بچنے کا ذریعہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں پر شیطان کا کوئی زور نہیں چلتا۔ پس ایمان اور توکل علی اللہ اس لعین اور اسکے شر سے بچنے کا اصل ذریعہ ہے۔ مگر افسوس کہ حفاظت اور بچاؤ کے اس اصل اور حقیقی سامان سے دنیا کی اکثریت آج غافل و محروم ہے۔ اکثریت بے ایمانوں کی ہے۔ یا پھر برائے نام ایمان رکھنے والوں کی۔ اور بھروسہ بھی ان کا اللہ پاک کی بجائے اور طرح طرح کی ضعیف و بے جان مخلوق بلکہ وہمی اور فرضی حیلوں، حوالوں اور بے حقیقت چیزوں پر ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ نے صاف اور صریح طور پر بتا دیا کہ جو لوگ ایمان رکھتے اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا کوئی زور نہیں چل سکتا۔ سو مومنِ صادق کا کام اور اسکی شان یہ ہے کہ وہ دل کا بھروسہ ہمیشہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی پر رکھے۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید۔

۲۱۹ شیطان کا زور اس کے دوستوں پر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ شیطان کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں۔ یعنی "بِہٖ" کی ضمیرِ مجرور کا مرجع شیطان ہے۔ اور "باء" سببیہ ہے۔ یعنی یہ لوگ شیطان کے اِغواء و اِضلال کی بناء پر اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ (ابنِ کثیر، معارف القرآن، صفوة التفاسیر اور مراغی وغیرہ)۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ بھی کہ ضمیر کا مرجع اللہ ہو۔ یعنی جو لوگ اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ شرک کرتے ہیں وہی ابلیس لعین کے پھندے میں پھنستے ہیں۔ (ابنِ کثیر، مدارک اور فتح وغیرہ)۔ پس انسان جب کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی کی گندگیوں میں گرتا ہے تو شیطان کا دوست بن جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو کفر و شرک مہالک میں ڈالنے والی چیزیں ہیں اور ایمان و یقین کی روشنی ان سے نکالنے اور بچانے والی چیز ہے۔ والحمد للّٰہ جَلَّ وَعَلَا بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

۲۲۰ اَحکام شریعت کی تبدیلی پر دشمنوں کے اعتراض کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور جب ہم کسی آیت کے بدلے میں کوئی دوسری آیت لے آتے ہیں" کہ حکمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے اور مکلّفین کی بہتری اسی میں مضمر ہوتی ہے۔ جیسے ایک ڈاکٹر مریض کی حالت میں تبدیلی کے مطابق اس کی دوا تبدیل کرتا ہے کہ وہ مریض کی حالت کو اس سے بہتر جانتا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر اور مریض دونوں انسان اور مخلوق ہونے میں ایک برابر ہیں تو پھر کیا کہنے حضرتِ خالق۔ جل مجدہٗ۔ کی عنایت اور اس کے علم اور اسکی حکمت کے۔ جو کہ سب کا خالق و مالک اور دائرہ مخلوق سے وراء الوراء اور مخلوق کی مشابہت اور اسکے ہر شائبے سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لیے وہ اپنے علمِ محیط اور حکمت بالغہ کے تقاضوں کے مطابق اپنے بندوں کی بہتری کیلئے اپنے اَحکام و ارشادات میں تبدیلی فرماتا رہتا ہے۔ تاکہ اس کے بندوں کا بھلا ہو۔ سو یہ احکام شریعت کی تبدیلی پر دشمنوں اور خاص کر یہودِ بے بہبود کے اعتراض اور انکی وسوسہ اندازی کا جواب ہے جو وہ اس بارے میں پھیلاتے تھے اور کہتے تھے یہ صاحب اس کلام کو خود گھڑ کر لائے ہیں۔ اور اسطرح وہ اپنی حرمان نصیبی کو اور پکا کرتے تھے والعیاذ باللہ۔

الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پاکیزہ روح تمہارے رب کی جانب سے حق کے ساتھ ۲۲۲ تاکہ وہ ثابت قدم رکھے (اسکے ذریعے) ایمان والوں کو،

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ

اور تاکہ یہ ایک عظیم الشان ہدایت اور خوشخبری ہو فرمانبرداروں کے لیے ۲۲۳ اور ہمیں خوب معلوم ہے

اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ

کہ یہ لوگ (آپ کے بارے میں) کہتے ہیں کہ سوائے اسکے نہیں کہ اس شخص کو سکھاتا ہے ایک انسان، حالانکہ جس

يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ

شخص کی طرف یہ لوگ اس بات کی نسبت کرتے ہیں اسکی زبان (ہی عربی نہیں، بلکہ وہ) عجمی ہے، جبکہ یہ (قرآن حکیم)

مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ

کھلی عربی زبان میں ہے، ۲۲۴ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے اللہ کی آیتوں پر،

۲۲۱ منکرین کے اعتراض کا جواب:- سو اس اعتراض کے جواب میں فرمایا گیا "اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اتارتا ہے" کہ اس میں کیا کیا فائدے اور کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اور بندوں کی ضرورتوں کی تکمیل کس سے اور کیسے ہوتی ہے کہ وہ خالق و مالک بھی ہے اور رحمن و رحیم بھی۔ اس لیے وہی جان سکتا ہے کہ اسکے بندوں کیلئے بہتر کیا ہے۔ اپنے اتارے ہوئے کلام کی حکمت و مصلحت اور اپنے بندوں کی حاجت و ضرورت اور وقت کے حالات اور تقاضوں کو وہ خوب جانتا ہے۔ اس لیے وہ وہی کچھ نازل فرماتا ہے جس میں سرتاسر اس کے بندوں کی بہتری اور بھلائی ہوتی ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت نہ حق اور حقیقت کو جانتی ہے اور نہ جاننا چاہتی ہے۔ اس لیے وہ ایسے جاتے رہتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۲۲۲ قرآن حکیم کی عظمت شان کا ذکر و بیان:- سو فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ یہ میرا من گھڑت کلام نہیں بلکہ اس کو تو روح القدس لے کر آتے ہیں۔ یعنی جبریل امین علیہ السلام جو کہ اللہ کی طرف سے وحی کی وہ نعمت لے کر آتے ہیں جس سے بواطن اور روحوں کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ سو اس سے ایک بات تو واضح فرما دی گئی کہ یہ کتاب حکیم ایسی عظیم الشان کتاب ہے جو خالص اتاری ہوئی کتاب ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ اس میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ اسکو لانے والے روح القدس ہیں۔ یعنی ایسی پاکیزہ روح جو کہ اس میں مداخلت کے ہر شائبہ سے پاک ہے۔ اور تیسری

بات یہ کہ جو لوگ قرآن حکیم کی اس روح سے محروم ہیں وہ درحقیقت مردہ ہیں۔ بہرکیف اس سے پیغمبر کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ جو آپ کو مفتری کہتے ہیں ان افتراء پردازوں سے کہو کہ یہ میرا اپنا من گھڑت کلام نہیں بلکہ یہ حضرتِ حق جل مجدہٗ کا کلام ہے۔ جس کو خداوندِ قدوس نے اپنے مقرب فرشتے جبریلِ امین کے ذریعے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ یہ سراسر حق وصدق ہے۔ جس میں شیاطین ومفسدین کی کسی آمیزش وملاوٹ کا کوئی سوال ہے اور نہ ہی یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی کسی ملاوٹ کا کوئی امکان۔ بلکہ یہ خالص کلام حق وصدق ہے جو رب العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔

۲۲۳ قرآن حکیم ثابت قدمی کا ذریعہ و وسیلہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قرآن حکیم اہل ایمان کیلئے ثابت قدمی اور پختگی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ اپنی عظیم الشان برکات اور عقل وفکر کو جلا بخشنے والے ان دلائل و براہین کے ذریعے جو وحی کی اس نور کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ اور خیر و برکت کے اس سامان کے باعث جو اس میں پایا جاتا ہے۔ سو اس سے اہل ایمان کے دلوں کو قوت ملتی ہے اور اس کتابِ حکیم میں ذکر فرمائے گئے اَدلّۂ قاطعہ اور براہین ساطعہ سے اہلِ ایمان کا ایمان اس کائنات کے خالق و مالک کی وحدانیت و یکتائی اور اسکی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے بارے میں ایمان ویقین میں مزید قوت آتی اور پختگی نصیب ہوتی ہے۔ اور اس طرح یہ کتابِ حکیم اہلِ ایمان کیلئے پختگی اور ثابت قدمی میں اضافے کا ذریعہ وسیلہ بنتی ہے۔ اور جو لوگ اپنی گردنیں اسکے آگے ڈال دیتے ہیں انکے لئے یہ سراسر ہدایت ورحمت اور عظیم الشان و بے مثال بشارت ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهٗ۔

۲۲۴ منکرین کے ایک اور اعتراض کا جواب:- سو اس سے قرآنِ حکیم کے بارے میں منکرین ومعاندین کے ایک بیہودہ اعتراض کا رد فرمایا گیا کہ اس کتابِ حکیم کو اس عربی مبین میں اتارا گیا ہے جس کے مقابلے سے تم سب لوگ اپنی ضرب المثل فصاحت وبلاغت کے باوجود عاجز ہو۔ تو پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک ایسا شخص جس کی زبان ہی سرے سے عربی نہ ہو وہ ایک ایسا کلام معجز نظام بنا کر لائے جس کے مقابلے سے تم لوگ اپنی تمام تر فصاحت و بلاغت کے باوجود عاجز ہو۔ اور تم سب مل کر بھی اور اس کے صاف وصریح اور نہایت زوردار چیلنج کے ہوتے ہوئے بھی اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی بھی کوئی نظیر ومثال نہیں لاسکتے۔ پھر یہ بھی کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے کہنے کے مطابق ایسا کلام معجز نظام سکھاتا ہے۔ مگر وہ خود نہ تو کسی نبوت کا کوئی دعویٰ کرتا ہے اور نہ کسی کو یہ خبر تک دیتا ہے کہ یہ کلام دراصل میری کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو اس طرح یہ الزام لگا کر تم لوگ خود اپنی حماقت اور عناد وہٹ دھرمی کا کس قدر واضح اور کھلا ثبوت پیش کرتے ہو۔ اور تم لوگ کس قدر ڈھیٹ اور کتنے بے شرم ہو کہ اتنا بڑا جھوٹ بولنے اور دروغِ بے فروغ پھیلانے اور قدرِ بے بنیاد اور بیہودہ الزام لگانے میں کوئی حیا اور عار محسوس نہیں کرتے۔ سو اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نورِ حق وہدایت سے محروم ہونے کے بعد انسان کس قدر ڈھیٹ اور کتنا بے شرم ہوجاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ من كل زيغ و ضلال و سوءٍ و انحراف ۔

لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾

اللہ ان کو ہدایت (کی دولت) سے نہیں نوازتا اور ان کے لیے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے، ۲۲۵

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

(پیغمبر کبھی جھوٹ نہیں گھڑتا بلکہ) جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے

بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾ مَن

اللہ کی آیتوں پر، اور ایسے لوگ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں، ۲۲۶ جو کوئی

كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ

اللہ کے ساتھ کفر کرے گا اپنے ایمان کے بعد، مگر جس کو مجبور کر دیا جائے

قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ

بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو اس پر کوئی گناہ نہیں،) ۲۲۷ لیکن جس نے دل

بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَلَهُمْ

کھول کر کفر کا ارتکاب کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا ایک بھاری غضب بھی ہوگا، اور ان کے لیے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ

ایک بہت بڑا عذاب بھی ہے، ۲۲۸ یہ اس لیے کہ انہوں نے پسند کیا دنیا کی (اس فانی)

۲۲۵ بدنیتوں کیلئے محرومی ہی محرومی۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے اور ایمان نہیں لانا چاہتے اللہ کی آیتوں پر اللہ ان کو نورِ ہدایت سے نہیں نوازتا ان کی اپنی بدنیتی اور بدباطنی کی وجہ سے۔ کہ ہدایت کیلئے طلبِ صادق شرطِ اولین ہے۔ اور کس کے دل میں کیا ہے یہ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے۔ اس لئے وہ ایسے بدباطنوں کو حق و ہدایت کے نور سے سرفراز نہیں فرماتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اپنی محرومی کا باعث یہ لوگ خود ہیں کہ یہ ہدایت چاہتے ہی نہیں۔ اور چاہت کے بغیر جب دنیا کی ایک عام اور معمولی چیز بھی نہیں مل سکتی تو پھر ہدایت جیسی دولت بغیر طلب و جستجو کے کس طرح مل سکتی ہے۔ تو یہی مطلب ہے اس ارشادِ ربانی کا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نورِ حق و ہدایت سے نہیں نوازتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو انسان کی صلاح و فلاح اور اسکے فساد و بگاڑ کا تعلق اصل میں انسان کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ پس بدنیتوں کیلئے محرومی ہی محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۲۶ جھوٹ گھڑنا بے ایمانوں کا کام۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور "اِنّما" کے کلمۂ حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے اللہ کی آیتوں پر کہ انکو نہ خدا کا خوف ہے نہ آخرت کا ڈر۔ پس ایسے بے ایمانوں کا اصل کام جھوٹ بولنا ہے۔ اور سچ اگر یہ لوگ بولیں گے بھی تو وہ عارضی اور وقتی فوائد کے اعتبار سے اور کسی دنیوی مفاد و مصلحت کے پیش نظر کہ ان کے نزدیک اصل چیز متاع دنیا اور اس کا حُطام فانی و زائل ہی ہے۔ جس کو دوسرے مقام پر ﴿یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ﴾ کے ارشاد سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ابنائے دنیا کا حال کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ متاعِ دنیا ہی ان کا اصل مقصود اور کل کائنات ہے۔ یہاں تک کہ دانایانِ غرب اور دانشورانِ فرنگ کا تو صاف و صریح طور پر کہنا ہے کہ دیانت داری ایک بہترین پالیسی ہے (Honesty is the Best Policy) اور ظاہر ہے کہ انسانی پالیسیاں اپنے اپنے مفادات کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔ آج کچھ کل کچھ۔ آج کا حلال کل کا حرام اور آج کا ناجائز کل کا جائز وغیرہ وغیرہ۔ سو جہاں اور جیسے فائدہ دیکھا ادھر ہی مڑ گئے اور اسی طرح ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ دینِ حق کا کہنا اور بتانا یہ ہے کہ گناہ بذات خود برائی اور قابل نفرت چیز ہے۔ اسے ہر حال میں چھوڑنا ہے اور اس سے بچنا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَه﴾ (الانعام:۱۲۱) "اور چھوڑ دو تم گناہ کو خواہ وہ ظاہری ہو یا پوشیدہ" مگر افسوس کہ جاہل مسلمان جو کہ اپنے دینِ مبین کی تعلیماتِ مقدسہ سے غافل و بے بہرہ ہے وہ اس سب کے باوجود اپنے دینِ متین کی تعلیماتِ مقدسہ کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر ان مادہ پرست دنیا داروں ہی پر اعتماد کرتا اور ان سے تعلق و دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اور اسی بناء پر آج مسلمان مختلف گروہوں، گروپوں اور بلاکوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اور طرح طرح سے ذلت و ادبار کا شکار ہیں۔ جس کے آثار و مظاہر آج جگہ جگہ اور طرح طرح سے دیکھے اور سنے جاتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اَلَّذِیْ لَآ اِلٰهَ غَیْرُہ۔ بہرکیف اوپر آیت نمبر ۱۰۱ میں دشمنانِ حق کے پیغمبر اسلام کے بارے میں جو ان کا قول نقل فرمایا گیا تھا کہ یہ لوگ پیغمبر سے کہتے ﴿انما انت مفتر﴾ کہ "تم تو محض ایک مُفتری انسان ہو"۔ تو اس کے رد میں یہاں ارشاد فرمایا گیا کہ مُفتری پیغمبر نہیں بلکہ وہ بد بخت لوگ ہیں جو ایمان نہیں رکھتے اللہ کی آیتوں پر۔ جو کہ ہدایت سے سرفرازی کا واحد ذریعہ ہے۔ سو اللہ کی آیتوں کے انکار کے بعد ان لوگوں کے پاس جھوٹ اور افتراء پردازی کے سوا اور رہ ہی کیا جاتا ہے؟ سوائے جھوٹ اور افتراء پردازی کے پلندوں کے؟ اسکے بعد یہ لوگ اپنے خالق و مالک اور معبودِ حق کے بارے میں جھوٹ بولتے اور اسکے دین اور کتاب وغیرہ سب کے لئے جھوٹ ہی بولتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو اللہ کی آیتوں کے انکار کے بعد انسان ایسا اندھا اور اس قدر محروم اور بے بہرہ ہو کر رہ جاتا ہے کہ اس کے پاس جھوٹ، افتراء پردازی اور من گھڑت افسانوں، بے بنیاد مفروضوں اور فرضی و خیالی باتوں کے پلندوں کے سوا اور کچھ رہ ہی نہیں جاتا۔ سو ایمان سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۲۲۷ مجبور و لاچار شخص کے استثناء کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ مگر جس نے بامرِ مجبوری کفر کا اظہار کیا اور اس نے بحالتِ مجبوری اور اپنی جان بچانے کیلئے ایسا کیا، نہ کہ اپنے دل اور اختیار سے تو یہ کوئی جرم اور گناہ نہیں بلکہ جرم و گناہ وہ ہوتا ہے جو بحالت اختیار اور اپنے قصد و ارادہ سے کیا جائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ جب کہ ایسے شخص نے اپنے قصد

وارادہ کے بغیر بحالتِ مجبوری ایسے کیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ جیسا کہ حضرتِ عمار بن یاسرؓ نے کیا کہ کفار کے مجبور کرنے پر آپؓ نے زبان سے کلمۂ کفر کہہ دیا۔ جس پر مشہور کر دیا گیا کہ عمار کافر ہو گئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بات جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں ایسے نہیں ہو سکتا کہ عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے پُر ہے۔ اور اس کا ایمان اسکے گوشت پوست اور رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ پھر حضرتِ عمارؓ جب روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے اس سے پوچھا کہ عمار بتاؤ تمہارے دل کی کیفیت کیا ہے؟ ''کَیْفَ تَجِدُ قَلْبَکَ؟'' انہوں نے جواب دیا ''مُطْمَئِنًّا بِالْاِیْمَان'' یعنی میرا دل تو الحمد للہ ایمان پر قائم و مطمئن ہے۔ تو حضور نے فرمایا اگر وہ لوگ آئندہ بھی ایسا کریں تو تم ان کو یہی کہنا ''اِنْ عَادُوْ افَعُدْ'' (روح، طبری، قرطبی، فتح القدیر، ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر، محاسن التاویل، الکبیر، المعارف وغیر وغیرہ)۔ مگر واضح رہے کہ کلمہ کفر کہنے کا یہ مقام رخصت و اجازت کا مقام ہے۔ اصل اور عزیمت یہ ہے کہ مومن ایسے موقع پر بھی اپنے ایمان و یقین پر قائم اور ثابت قدم رہے اور کلمۂ کفر منہ پر نہ لائے۔ اگرچہ اس میں جان بھی چلی جائے۔ جیسا حضرت بلال بن رباحؓ نے کفارِ قریش کے مقابلے میں کیا۔ اور جیسا کہ حبیب بن زید نے مسیلمہ کذاب کے سامنے کیا۔ اور جیسا کہ کہ عبداللہ بن حذافہ السہمی نے رومیوں کی قید و بند کے دوران کیا۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، جامع البیان، فتح القدیر، قرطبی، مظہری، معارف وغیرہ)۔ بہر کیف حضراتِ صحابہ کرام میں رخصت و عزیمت کے یہ دونوں نمونے پائے جاتے ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَاَرْضَاھُمْ وَعَنَّا مَعَھُمْ۔ سو اس سے واضح ہو گیا کہ حالتِ مجبوری میں محض زبان سے کلمہ کفر کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

٢٢٨ ارتداد کے جرم کی سنگینی اور اسکی ہولناک سزا۔ والعیاذ باللہ:- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ مرتد کیلئے اللہ کا بھاری غضب اور بہت بڑا عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جس نے دل کھول کر کفر کیا اور وہ دینِ حق سے پھر گیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ تو اس نے بڑے ہی سنگین جرم اور انتہائی ہولناک گناہ کا ارتکاب کیا۔ جس سے اس کا کیا کرایا سب اکارت چلا گیا۔ اور اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ اور وہ اللہ کے بھاری غضب اور بہت بڑے عذاب کا مستحق بن گیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور یہ اس لیے کہ اس نے آخرت اور نعمتِ ہدایت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی اور اسکے متاعِ فانی کو ترجیح دی جو بیماریوں کی بیماری اور خرابیوں کی خرابی ہے۔ جس سے آگے طرح طرح کی خرابیاں نمودار ہوتی اور قسما قسم کے مفاسد پھوٹتے ہیں۔ سو متاعِ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ایسی ہولناک بیماری اور سنگین بیماری ہے جو بالآخر انسان کو حق و ہدایت کی دولت سے محروم کر دیتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس بات کی اجازت و گنجائش تو ہے کہ انسان اپنے ایمان و یقین میں پکا اور ثابت قدم رہتے ہوئے محض زبان سے کوئی کلمۂ کفر نکال دے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ مگر اسکی بہر حال نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ اسکی اجازت ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص اس مجبوری اور اضطرار کو بہانہ بنا کر اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو جس کسی نے ایسی کسی حرکت کا ارتکاب کیا اس کیلئے اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اور بڑا بھاری عذاب ہے۔ سو ارتداد عن الدین کا جرم بڑا بھاری اور انتہائی سنگین جرم ہے اور اس کا عذاب و سزا بھی بہت سخت اور انتہائی ہولناک ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم

الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

زندگی کو آخرت کے مقابلے میں ف۲۲۹ اور (اس لیے کہ) یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ ہدایت (کی دولت) سے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى

نہیں نوازتا ایسے کافر لوگوں کو ف۲۳۰ یہ وہ لوگ ہیں کہ مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر، (اور اس نے ڈاٹ رکھدئے) ان کے

۲۲۹ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا محرومی وفساد کی جڑ، بنیاد۔ والعیاذ باللہ:- اس سے اس بات کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب اور اتنا بڑا عذاب کیوں ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی۔ اور اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے بے فکر و لاپرواہ ہو کر انہوں نے اپنے آپ کو کفر کے حوالے کر دیا۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ محض دنیا کی محبت مذموم وممنوع نہیں۔ جبکہ وہ جائز حدود کے اندر ہو۔ بلکہ ممنوع اور مذموم دراصل دنیا کی وہ محبت ہے جو آخرت کے مقابلے میں اور اس کی قیمت پر ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ ورنہ جو دنیا بقدر ضرورت اور دین وایمان کے تقاضوں کے مطابق اور دینی خوشنودی کا حصول ہو وہ ممنوع نہیں۔ بلکہ وہ تو ایک حد تک مطلوب ومحمود ہے کہ وہ درحقیقت آخرت کی کمائی کا ذریعہ ہے اور وصول الی المقصود کا سامان ہے۔ اس لئے وہ حقیقت میں دنیا نہیں آخرت ہی ہے۔ کہ وہ آخرت کا ذریعۂ ووسیلہ ہے۔ دنیا کی مذمت اس صورت میں ہے جبکہ وہ آخرت سے غفلت کا باعث بنے۔ جیسا کہ فرمایا گیا۔ چیست دنیا از خدا غافل بودن۔نے نقرۂ و فرزند و زن ۔ یعنی دنیا سونے چاندی کا نام نہیں بلکہ دنیا تو اصل میں خدا تعالیٰ سے غفلت کا نام ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حالٍ من الا حوال،

۲۳۰ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا:- سو یہ اللہ تعالیٰ کا دستور اور اسکی سنت ہے کہ اللہ ہدایت کی دولت سے نہیں نوازتا ایسے کافروں کو کہ ایسے کافر اور منکر وناشکرے لوگ حق وہدایت کا نور چاہتے ہی نہیں۔ تو ایسوں کو ہدایت وایمان کی دولت ملے تو کیسے اور کیونکر؟ جب کہ دولتِ ہدایت سے سرفرازی وفیضیابی کیلئے اولین شرط طلبِ صادق ہے۔ سو ایسے کافر ومنکر جو اپنے کفر وباطل پر اڑے ہوئے ہوں، وہ حق وہدایت کی دولت سے سرفراز نہیں ہو سکتے۔ اور وہ ہمیشہ کفر وباطل کے اندھیروں میں ہی غلطاں وپیچاں رہتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اور اپنی اس محرومی کا سبب اور باعث ایسے لوگ خود ہیں کہ انہوں نے دیدہ دانستہ راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت وتباہی کے ہولناک گڑھے میں ڈالا۔ سو طلب صادق وسیلۂ سرفرازی اور ذریعۂ نجات ہے اور اس سے محرومی محرومیوں کی محرومی ہے، والعیاذ باللہ۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے بناؤ وبگاڑ کا اصل تعلق اسکے اپنے قلب وباطن کی دنیا سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی مایحب ویریدبکلِّ حالٍ مِنَ الاحوال۔

قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کانوں میں، اور (پردے ڈال دئے) ان کی آنکھوں پر ۲۳۱ (انکی اپنی بدنیتی اور سوء اختیار کی بناء پر،) اور یہی لوگ ہیں بے خبر (و بے

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

فکر، اپنی آخرت اور انجام سے ۲۳۲) لازمی بات ہے کہ یہ لوگ آخرت میں سراسر خسارہ اٹھانے والے ہیں ۲۳۳ پھر بے شک تمہارا رب (بڑا ہی

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ

بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے ۲۳۴ خاص کر) ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ہجرت کی (اس کی راہ میں،) اس کے بعد کہ ان

۲۳۱ **ہٹ دھرمی باعث محرومی۔ والعیاذ باللہ:۔** سو اس طرح ہٹ دھرموں کے دل و دماغ پر قدرت کی مہر جباریت لگ جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جس سے ان کے دل و دماغ ماؤف اور انکے کان و آنکھ وغیرہ بند ہو گئے۔ پس نہ یہ حق بات سن سکتے ہیں نہ حق کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی حق بات ان کو سمجھ آ سکتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس طرح یہ لوگ محرومی در محرومی کا شکار اور خسارے پر خسارے میں مبتلا ہیں۔ مگر یہ بدبخت ہیں کہ ان کو اس کا احساس تک نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ایسے لوگ جو ایمان کی روشنی دیکھ لینے کے بعد محض دینوی مفادات کی خاطر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اس لیے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون اور اسکی سنت کی زد میں آجاتے ہیں۔ ان کے کانوں، آنکھوں اور دلوں، پر ایسی مہر کر دی جاتی ہے کہ ایسے لوگ ہدایت کی توفیق سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں۔ اور اسکے نتیجے میں وہ اس ہولناک خسارے میں واقع ہو جاتے ہیں جو سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۳۲ **غفلت و لاپرواہی محرومی کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ:۔** سو ارشاد فرمایا گیا یہی لوگ ہیں جو غافل و بے خبر ہیں اپنے حال و مآل سے۔ اور اس طرح یہ لوگ اس دائمی ناکامی اور ابدی خسارے کی طرف رواں دواں ہیں جس کے خاتمہ اور اس سے نجات و رہائی کی پھر کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہیں رہتی کہ اس کا موقع دینوی زندگی کی اس فرصت محدود ہی میں تھا۔ جس کو انہوں نے ضائع کر دیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو غفلت و بے خبری اور اپنے انجام اور آخرت سے بے فکری و لاپرواہی، بیماریوں کی بیماری اور دائمی ہلاکت و تباہی کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو غفلت و لاپرواہی محرومی کی جڑ بنیاد ہے کہ ایسے لوگ نہ خود حق اور حقیقت کے بارے میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کی بات پر توجہ کرتے ہیں۔

۲۳۳ **غفلت و لاپرواہی باعث محرومی، والعیاذ باللہ:۔** سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ آخرت سے غفلت برتنے والے سب سے بڑے خسارے میں پڑے ہوئے ہیں، والعیاذ باللہ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور کلمات حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سراسر خسارے میں ہونگے۔ والعیاذ باللہ۔ کیونکہ انسان کی مثال اس دنیا میں دراصل اس تاجر کی سی

ہے جو نفع کمانے کے لئے شہر اور بازار کا رُخ کرتا ہے اور اپنا مال کاروبار میں لگاتا ہے۔ اگر صحیح تجارت کا موقع مل گیا اور صحیح طریقے سے کام کیا تو نفع کما کر لائے گا اور ایک کے بدلے میں کئی گُنا حاصل کرے گا۔ ورنہ وہ خسارے سے دوچار ہوگا اور اپنا اصل سرمایہ بھی گنوا بیٹھے گا۔ والعیاذ باللہ۔ سو انسان اس دنیا میں متاعِ عمر کی پونجی لے کر آتا ہے اور اس کو تجارت میں لگاتا ہے۔ اگر اس کو اپنے خالق و مالک کی اطاعت و بندگی میں صرف کرنے کی توفیق و سعادت سے بہرہ ور ہو گیا تو آخرت کی اصل اور حقیقی کامیابی سے سرفراز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایسا ہی بننے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائے آمین۔ اور اگر اسکے برعکس وہ دنیوی لذت و مفادات ہی کو مقصدِ حیات بنا بیٹھا اور اپنی آخرت اور انجام سے غافل ہو گیا۔ والعیاذ باللہ۔ یہاں تک کہ عمرِ رواں کی فرصتِ محدود اس کے ہاتھ سے نکل گئی تو وہ ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو گیا۔ اور یہ ایسا ہولناک اور سنگین خسارہ ہے کہ اس سے نکلنے کی اور اسکی تلافی و تدارک کی پھر کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہیں ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو جو لوگ آخرت کی زندگی اور اسکے تقاضوں سے منہ موڑ کر صرف دنیائے دوں کے وقتی فائدوں اور اسکی عارضی لذتوں کو ہی اپنا مقصود بنا لیتے ہیں اور وہ انہی کیلئے جیتے اور انہی کیلئے مرتے ہیں وہی ہیں جو آخرت کے اس ہولناک خسارے میں واقع ہونگے جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ اور جس کے تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔ خسارے میں تو ایسے لوگ آج بھی پڑے ہیں لیکن آج اس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور یہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ تو بڑے کامیاب اور ایسے عیش کر رہے ہیں۔ لیکن کل اس جہان میں جب سب پردے ہٹ جائیں گے اور حقائق اپنی اصلی شکل میں سامنے آجائیں گے تب ایسوں کا وہ ہولناک خسارہ انکے سامنے آشکارا ہو جائے گا۔ مگر اس وقت اس سے بچنے کی پھر کوئی صورت انکے لئے ممکن نہ ہوگی۔ والعیاذ باللہ جلّ وعلا۔

۲۴۱ اللہ تعالیٰ کی مغفرت وعنایت بے نہایت کا مژدۂ جانفزا:۔ سو اللہ تعالیٰ کی مغفرت وبخشش بے نہایت اور اسکی رحمت وعنایت بے غایت کا مژدہ جانفزا سنانے کے لئے کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک تمہارا رب بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔ اتنا بخشنہار اور اس قدر مہربان کہ نہ اسکی مغفرت وبخشش کا کوئی کنارہ ہے اور نہ اسکی رحمت و عنایت کا کوئی ٹھکانہ۔ ایسا غفور وغفار کہ زندگی بھر کے گناہوں کے انباروں کو وہ سچی توبہ پر فوراً معاف فرما دیتا ہے۔ اور ایسا معاف فرما دیتا ہے کہ ان کا نشان بھی مٹا دیتا ہے۔ اگرچہ گناہوں کے وہ انبار آسمان کی بلندیوں ہی کو کیوں نہ چھوتے ہوں۔ اور ایسا رحیم وکریم کہ اس کا ایک ایک بندہ اور اسکی ایک ایک مخلوق سر کی چوٹی سے لیکر پاؤں کے تلوؤں تک اسکی رحمتوں اور عنایتوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ فَاغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ يَا غَفُوْرُ وَ يَا رَحِيْمُ فَمَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَ رَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ.. اِغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِاَسَاتِذَتِيْ وَ مَشَائِخِي الْكِرَامِ وَلِزَوْجَتِيْ الْوَفِيَّةِ وَاَوْلَادِي الْاَحِبَّةِ وَلِسَآئِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَآءِ وَالْاَمْوَاتِ اِنَّكَ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ مُجِيْبُ الدَّعْوَاتِ۔ پس بندے کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اور دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کی طرف رجوع رہے۔ وباللہ التوفیق لمایحب و یرید وعلی مایحب ویرید بکل حالٍ من الاحوال.

مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

کو فتنہ (و آزمائش) میں مبتلا کیا گیا، پھر انہوں نے (راہِ حق میں) ف٢٣٥ جہاد کیا، اور صبر سے کام لیا، بے شک تمہارا رب اس کے

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ

بعد ف٢٣٦ بڑا ہی بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے، (اور یاد کرو، اے لوگو، اس ہولناک دن کو، کہ)

٢٣٥ **ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر وعدۂ بخشش و رحمت:-** بزدلوں اور پست ہمتوں کا انجام بیان کرنے کے بعد اب یہ ان جانبازوں اور سرفروشوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنہوں نے اپنے دین کی خاطر دشمنانِ حق کی طرف سے ہر قسم کے مصائب برداشت کیے مگر اپنے پائے استقامت میں لغزش نہیں آنے دی۔ اور انہوں نے نورِ حق و ہدایت سے دستبردار ہونے کی بجائے انکی خاطر ہر قسم کی قربانی دی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا۔ راہِ حق میں ہجرت کی اور جہاد اور صبر سے کام لیا۔ سو ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا مرتبہ و مقام ہے۔ اللہ کی رضاء کے حصول اور کلمۂ حق کی سربلندی کیلئے۔ یعنی انہوں نے نہ صرف ہجرت پر ہی اکتفا کیا بلکہ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا۔ اپنے مالوں سے بھی اور اپنی جانوں سے بھی کہ ایسوں کا آپ کے رب کے یہاں بڑا اجر و ثواب اور مرتبہ و مقام ہے۔ سو ایسوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بخشش اور رحمت کی بشارت ہے کہ بے شک آپ کا رب انکی لغزشوں اور فروگزاشتوں سے درگزر بھی فرمائے گا اور ان کو اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے بھی نوازے گا۔ اس ارشادِ ربانی کا اصل اور اولین مصداق اگرچہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی لیکن الفاظ و کلمات کے عموم کے ساتھ یہ ایسے تمام حضرات کو شامل ہے جس کے اندر یہ صفات پائی جائیں۔ سو ایسے سب ہی حضرات اس بشارت کے اہل اور مستحق ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ و یرید۔

٢٣٦ **اَعمال صالحہ کی عظمتِ شان:-** سو اس کے بعد ان اَعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے بعد، جن کا ذکر فرمایا گیا، یعنی اللہ کی رضاء کیلئے اور دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر، انہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں اور اپنے اہل و عیال کو خیر باد کہا۔ اور اللہ کی راہ میں اور اس کے دین کی سربلندی کی خاطر اپنی ہمت و بساط کے مطابق انہوں نے صبر و برداشت سے کام لیا۔ اور وہ راہِ حق پر مستقیم و ثابت رہے۔ ان کیلئے تمہارے رب کی خاص رحمتیں اور عنایتیں متوجہ ہونگی کہ بلاشبہ تمہارا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ سو ایسے صادق الایمان لوگوں کیلئے یہ خوش خبری ہے کہ ان کا رب انکی لغزشوں اور فروگذاشتوں سے درگزر فرمائے گا کہ وہ بڑا ہی بخشنہار اور انتہائی مہربان ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور جب ان بندگان صدق و صفا نے اپنے اعمال و اخلاق اور صبر و استقامت سے اپنے اپنے ایمان و یقین کے دعووں کا عملی ثبوت پیش کر دیا تو یہ رب کی خاص عنایات کے اہل اور مستحق ہو گئے۔ سو اس سے اعمال صالحہ کی عظمت و اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

نَفۡسٍ تُجَادِلُ عَنۡ نَّفۡسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ

جس دن ہر شخص اپنے ہی لئے جھگڑتا ہوا آئے گا، ۲۳۷ ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ۲۳۸

۲۳۷ روزِ قیامت کی ہولناکی کی تذکیر و یاددہانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "جس دن کہ ہر شخص اپنے ہی لیے جھگڑتا ہوا آئے گا" کہ اُس روز ہر کسی کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آسکے گا کہ وہ بڑا ہی ہولناک دن ہوگا۔ ایسا ہولناک کہ کسی کو دوسروں کا، یہاں تک کہ اپنے کسی قریبی سے قریبی رشتہ دار کا بھی کوئی ہوش نہیں رہے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (عبس: ۳۷) اور یہ ہوشربا پریشانی ایسی اور اس حد تک ہوگی کہ انسان اپنے بہن بھائیوں اپنے ماں باپ اور اپنے بیوی بچوں تک سے دور بھاگے گا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں صاف اور صریح طور پر فرمادیا گیا ﴿یوم یفر المرء من اخیه امه و ابیه و صاحبته و بنیه﴾ (عبس: ۳۴-۳۶)۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس روز مجرم شخص یہ چاہے گا کہ اس روز کے عذاب کے بدلے اس کے بیٹوں، اسکی بیوی، اسکی بھائیوں بہنوں اور اسکے خاندان کو جو اس کو پناہ دیا کرتا تھا اور روئے زمین کے تمام لوگوں کو اسکے بدلے میں لے لیا جائے اور اسکو چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ سورۂ معارج کی آیت نمبر ۱۱ سے آیت ۱۴ تک میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ سو اس سے اس دن کی شدت اور اسکی ہولناکی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پس اس دن کو ہمیشہ یاد رکھو اور یاد کراؤ تاکہ آج اسکے لئے تیاری کر سکیں۔ قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود ہاتھ سے نکل جائے اور ہمیشہ کیلئے پچھتانا اور افسوس کرنا پڑے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ بہرکیف اس سے روز قیامت کی ہولناکی کی تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی ہے تاکہ غافل انسان اپنی غفلت سے چونک کر اس یومِ عظیم اور اسکے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھے اور اسکے لئے تیاری کرے۔ وباللہ التوفیق لما یحبُّ و یرید۔

۲۳۸ انسان کو اپنے اعمال کا پورا بدلہ قیامت کے روز ہی مل سکے گا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز ہر شخص کو اسکے کیے کرائے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ خیر کا بھی اور شر کا بھی۔ خیر کا جنت کی سدابہار نعمتوں کی شکل میں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہی انجام خیر نصیب فرمائے۔ جبکہ برائی کا بدلہ دوزخ کے طرح طرح کے ہولناک عذابوں کی صورت میں ملے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ جَلَّ وَعَلَا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ سو انسان کو اسکی کمائی کا پورا بدلہ آخرت کے اس یوم جزا ہی میں مل سکے گا۔ ایک اس لیے کہ "دارالجزا" وہی ہے جبکہ یہ دنیا "دارالعمل" ہے۔ اور دوسرے اس لیے کہ اس دنیا میں کسی کو اسکے کیے کرائے کا پورا بدلہ ملنا ممکن نہیں۔ جسکی وضاحت ہم کئی جگہ کر چکے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں کسی کو اسکے کیے کرائے کا پورا بدلہ تو اگرچہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ اچھے اعمال کا اچھا اور برے کا برا۔ والعیاذ باللہ۔ لیکن اس کو اسکے اعمال کا بدلہ آخرت کے اس یوم جزاء ہی میں مل سکے گا جس کی وسعتیں لامحدود ہیں اور جو ہے ہی "دارالجزاء" اور جہاں انسان کو اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ ملے گا۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلٰی ما یُحبُّ و یرید۔

مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ

دیا جائے گا، اور ان پر (ذرہ برابر) کوئی ظلم نہ ہونے پائے گا ۲۳۹ اور اللہ نے مثال بیان

مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا

فرمائی ایک ایسی بستی کی، جو ہر طرح سے امن وچین میں تھی، اسے اس کی

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ

روزی ہر جگہ سے بفراغت چلی آرہی تھی ۲۴۰ مگر اس (کے باشندوں) نے کفر کیا

اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا

اللہ کی نعمتوں کے ساتھ ۲۴۱ جس کے نتیجے میں اللہ نے چکھایا ان کو لباس ۲۴۲ بھوک، اور خوف کا، بوجہ (ان لوگوں کے) ان کاموں کے

كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ

جو یہ کرتے رہے تھے ۲۴۳ اور بلاشبہ آچکے ان کے پاس ایک عظیم الشان رسول ۲۴۴ خود انہی میں سے، پھر انہوں نے (اس کو غنیمت

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾

جان کر اس پر ایمان لانے کی بجائے الٹا) ان کو جھٹلایا، تو آخر کار آ پکڑا ان کو اس عذاب نے (جس کے وہ مستحق ہو چکے تھے،)

۲۳۹ قیامت کے روز پورا پورا عدل وانصاف ہوگا: سو ارشاد فرمایا گیا "اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا" نہ کسی کے ثواب میں کوئی کمی ہوگی اور نہ بلاوجہ کسی کے عذاب میں کوئی اضافہ ہوگا کہ وہ دن عدل وانصاف اور پورے، کامل اور حقیقی عدل وانصاف کا دن ہوگا۔ اور ہر کسی کو اسکے زندگی بھر کے کیے کرائے کا عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق پورا بدلہ دیا جائے گا۔ کسی کمی بیشی کا کوئی سوال نہیں ہوگا۔ پس اس دن کو ہمیشہ یاد رکھو۔ وباللہ التوفیق۔ سو قیامت کے روز پورا پورا عدل وانصاف ہوگا۔ کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی، نہ کسی کی کوئی نیکی کم کی جائیگی اور نہ کسی کے کھاتے میں کوئی ناکردہ گناہ ڈالا جائیگا۔

۲۴۰ امن ورزق کی دو عظیم الشان نعمتوں کا ذکر وبیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ امن وسکون اور بافراغت رزق قدرت کی دو عظیم الشان نعمتیں ہیں کہ یہی دو چیزیں کسی کامیاب اور پرسکون معاشرے کی اساس وبنیاد ہوتی ہیں۔ کہ اسے ضروریاتِ زندگی بھی سہولت وفراغت کیساتھ میسر ہوں اور امن وسکون کی دولت بھی نصیب ہو۔ آج اگر ان کی قیمت معلوم کرنی ہو تو اندرونِ ملک کراچی، حیدر آباد وغیرہ کے فسادات کے علاوہ بیرونِ ملک لبنان، فسلطین اور افغانستان،

ہندوستان، بوسنیا اور کوسوو وغیرہ وغیرہ ملکوں کے حالات کو دیکھ لیا جائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ شَرٍّ وَّ فَسَاد۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے باشندوں کو امن و امان اور کشائش رزق کی نعمتوں سے نوازا مگر انہوں نے شکرِ نعمت کی بجائے کفران ہی سے کام لیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین۔

۲۲۱ شکر کی بجائے کفران نعمت کا ارتکاب۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسکے باشندوں نے کفر کیا اللہ کی نعمتوں کے ساتھ۔ سو اس بستی کو یہ دونوں عظیم الشان نعمتیں میسر تھی مگر انہوں نے شکر کی بجائے ناشکری کی کفر و معصیت کا ارتکاب کر کے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو کفر و انکار اور معاصی وذنوب کفرانِ نعمت ہے۔ اور کفرانِ نعمت کا عذاب بڑا سخت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ اس بستی سے جس کی مثال یہاں بیان فرمائی گئی ہے کونسی بستی مراد ہے؟ اس سے متعلق حضراتِ اہل علم کی دو مختلف آراء ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد کوئی خاص بستی نہیں بلکہ اس سے محض تمثیل مراد ہے۔ جبکہ دوسرا قول اور رائے اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں کے باشندوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا کے نتیجے میں سات سال تک ہولناک قحط پڑا تھا۔ جس میں یہ لوگ مردار، چمڑے اور مرے ہوئے کتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ (المعارف، المحاسن، الکبیر، المراغی اور ابنِ کثیر وغیرہ)۔ جیسا مختلف روایات میں اسکی تفصیل مذکور ہے۔ جبکہ تیسرا قول اور رائے اس بارے میں یہ ہے کہ اس بستی سے مراد قوم سبا کی بستی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا تھا لیکن انہوں نے انکار اور کفران نعمت سے کام لیا۔ جس کے نتیجے میں بالآخر وہ لوگ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ اور بالآخر ہمیشہ کیلئے مٹ مٹا کر قصہ پارینہ بن گئے۔ آیتِ کریمہ کے الفاظ وکلماتِ کریمہ کا عموم ان تینوں ہی آراء و اقوال کو شامل ہے۔ اور عبرت وتذکیر کے اعتبار سے ان میں کا ہر قول درست ہے۔ اور اگر علیٰ سبیل البدل یہ سب ہی مراد ہوں تو اس میں بھی کوئی حرج اور استبعاد نہیں۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔ بہر کیف کفران نعمت باعث ہلاکت وتباہی ہے والعیاذ باللہ۔

۲۲۲ کفرانِ نعمت کا نتیجہ بھوک اور خوف کا تسلط۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو کفران نعمت کے نتیجے میں ان پر ہولناک عذاب مسلط کر دیا گیا اور بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے اس طرح گھیر لیا تھا جس طرح انسان کو اس کا لباس ہر طرف سے گھیرے میں لئے ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ان کے کفرانِ نعمت اور ان کی ناشکری کی بناء پر قدرت کی طرف سے ان پر بھوک اور خوف کا ایسا ہولناک عذاب مسلط کر دیا گیا جس نے اس کو ہر طرف سے اپنی گرفت اور گھیرے میں لے لیا۔ والعیاذ باللہ۔ واضح رہے کہ ﴿اَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ﴾۔ کی ترکیب ''علفتها تبنا و ماءً باردًا'' کے قبیل سے ہے۔ جو کہ عربی زبان کا ایک معروف اور بلیغ اسلوب ہے۔ سو اس اعتبار سے اگر یہاں پر محذوفات کو کھول دیا جائے تو پوری بات اس طرح ہوگی ''فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ طَعْمَ الْجُوْعِ وَاَلْبَسَهَا لِبَاسَ الْخَوْفِ'' یعنی ان

لوگوں کے کفرانِ نعمت کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بھوک کا مزہ چکھایا اور ان کو خوف و خطرے کا لباس پہنایا ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۲۲۳ انسان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں بھی:۔ سو انسان کے اعمال کا پورا بدلہ تو اگرچہ اس کو آخرت ہی میں ملے گا لیکن انکا کچھ بدلہ اس کو آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔پس اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے کئے کرائے کا صلہ و بدلہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔نیکی اور نیک اعمال کا بدلہ امن و سکون و خوشحالی و فارغ البالی کی شکل میں اور بُرے اعمال کا عذاب و وبال، مصائب و نکال کی شکل میں ملتا ہے۔جبکہ ان کے اعمال کا اصل، کامل اور پورا بدلہ ان کو آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں ہی ملے گا جو کہ بدلے اور جزاء کا جہان ہے اور بستی کے بارے میں جیسا کہ اوپر گزرا کہ مفسرین کرام کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں کے لوگوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے باعث سات سال تک ایسا شدید قحط مسلط رہا کہ وہ مردار اور ہڈیاں تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں کسی خاص بستی کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام حکم ہے۔(ابن کثیر، فتح القدیر، محاسن التاویل، معارف وغیرہ)۔اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قومِ سبا ہے جس کا ذکر سورۂ سبا میں آیات ۱۵ تا ۲۰ میں فرمایا گیا ہے۔بہرکیف اس سے یہ واضح ہو گیا کہ انسان کے اعمال کا بدلہ کسی نہ کسی حد تک آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔نیک اعمال کا بدلہ امن و سکون اور راحت اطمینان جیسی نعمتوں کی صورت میں اور بُرے اعمال کا صلہ و بدلہ بھوک قحط اور طرح طرح کی بیماریوں وغیرہ کی شکل میں۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔اللہ تعالیٰ شکرِ نعمت کی توفیق سے نوازے اور ہمیشہ راہِ حق و ہدایت اور طریقِ صدق و صواب پر چلنا نصیب فرمائے۔اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

۲۲۴ بعثتِ رسول کی نعمتِ عظمیٰ اور اس کا تقاضا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور بلاشبہ آچکے ان کے پاس ایک عظیم الشان رسول خود انہی میں سے''۔ایسے عظیم الشان کہ ان کی عظمتوں جیسی عظمتیں خداوندِ قدوس کی ساری مخلوق میں اور کسی کو نہ کبھی ملی اور نہ قیامت تک کبھی ملنا ممکن ہیں۔صَلَوٰاتُ اللّٰہِ وَ سَلَامُہٗ وَعَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَ مَنِ اھْتَدٰی بِھَدْیِہٖ وَدَعَا بِدَعْوَتِہٖ اِلٰی یَوْمَ الدِّیْنَ۔اور مزید کرم یہ کہ وہ رسول خود انہی میں سے ہیں۔یعنی قریشی مکی ہاشمی اور بشر و انسان۔تاکہ ان کو انکی اپنی زبان میں اور ان کی ضروریات و طبائع کے مطابق پیغامِ حق سمجھا سکیں اور زندگی کے ہر دائرے میں انکی صحیح راہنمائی کرسکیں۔اس حقیقت کی تاکید و تشریح دوسرے مختلف مقامات کی طرح یہاں پر بھی ﴿منھم﴾ کے کلمۂ کریمہ سے فرمائی گئی ہے۔مگر اس کے باوجود بدعتی ملاں آپکو بشر ماننے کیلئے تیار نہیں۔بہرکیف رسول کی بعثت و تشریف آوری ایک عظیم الشان نعمت ہے۔جس سے حضرت حق جل مجدہٗ کی طرف سے اسکے بندوں کو نوازا جاتا ہے۔اور اس کا تقاضا ہے ان پر سچا پکا ایمان اور انکی اطاعت و اتباع۔کہ یہی طریقہ ہے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا۔وباللہ التوفیق

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوا

درآنحالیکہ وہ کمربستہ تھے اپنے ظلم پر ۲۴۵ پس کھاؤ (پیو) تم لوگ ان چیزوں میں سے جو بخشی ہیں تم کو اللہ نے حلال ۲۴۶ پاکیزہ، اور

نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا

شکر (ادا) کرو تم اللہ کی نعمتوں کا ۲۴۷ اگر واقعی تم لوگ اسی (وحدہٗ لاشریک) کی بندگی کرتے ہو، سوائے اس کے نہیں ۲۴۸ کہ اس نے حرام فرمایا

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ

تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت، اور اس (نذرونیاز) کو جس پر نام لیا گیا ۲۴۹ ہو اللہ کے سوا کسی اور کا، پھر جو کوئی مجبور ہو گیا (بھوک

اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا

وغیرہ کی وجہ سے، اور اس نے ان چیزوں میں سے کچھ کھا لیا) بشرطیکہ نہ تو وہ طالب لذت ہو، اور نہ ہی حد ضرورت سے

عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا

بڑھنے والا، تو (اس پر کوئی گناہ نہیں کہ) بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ۲۵۰ اور مت کہو تم لوگ

لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ

ان چیزوں کے بارے میں جن کو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور

هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

یہ حرام، ۲۵۱ تاکہ اس طرح تم افتراء باندھو اللہ پر جھوٹا،

۲۴۵ انکار و تکذیبِ حق کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار آ پکڑا عذاب نے ان لوگوں کو جو اڑے ہوئے تھے اپنے ظلم پر پیغام حق و ہدایت سے منہ موڑ کر۔ یہاں تک کہ انہوں نے جان بھی اسی حالت میں دے دی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو ظلم و انکار کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ اس سلسلے میں ڈھیل اور مہلت جتنی بھی ملے آخر کار ایسے منکروں کا انجام ہلاکت و تباہی ہے۔ اور یہ کوئی ظلم نہیں تھا جو ان پر یونہی بلاوجہ کر دیا گیا ہو۔ بلکہ یہ خود ان کے اپنے اختیار کردہ اس ظلم کا منطقی انجام و طبعی نتیجہ تھا جو بالآخر ان لوگوں کو بھگتنا پڑا۔ سو اس سے دو اہم اور اصولی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ حق کا انکار اور اس کی تکذیب ظلم ہے اور دوسری یہ کہ ظالموں کو ان کے ظلم کا انجام بہرحال بھگتنا ہو گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔

۲۲۶ اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے استفادے کا حکم وارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا۔ پس تم کھاؤ پیو ان چیزوں سے جو تم کو اللہ نے بخشی ہیں۔ اور محض اپنے کرم سے اور بلا شرکت غیرے بخشی ہیں۔ اس لئے شکر بھی تنہا اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اور جب یہ سب بخشی ہوئی اسی وحدہٗ لاشریک کی ہیں تو ان میں سے کسی بھی چیز کو از خود حرام قرار دینے کا حق بھی کسی کو نہیں ہوسکتا۔ بلکہ حلال وہی ہے جس کو وہ حلال بتائے اور حرام وہ ہے جس کو وہ حرام فرمائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس سے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے استفادے کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ۔ ایک یہ کہ وہ حلال ہو حرام نہ ہو۔ پس "میتہ"، "دم مسفوح" وغیرہ جیسی کسی چیز سے استفادہ جائز نہیں کہ یہ حرام ہے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ چیز طیب اور پاکیزہ ہو۔ کوئی خبیث اور ناپاک چیز نہ ہو۔ جیسے سود جوا اور چوری وغیرہ جیسے کسی حرام ذریعے سے حاصل کی جانے والی کوئی چیز کہ ایسی ہر چیز خبیث اور ناپاک ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۲۷ شکرِ منعم کی تعلیم وتلقین: سو ارشاد فرمایا گیا "اور شکر بجالاؤ تم لوگ اللہ کا اگر تم واقعی اسی کی بندگی کرتے ہو" دل و جان سے۔ نیز ان نعمتوں کو اس کی تعلیمات وہدایات کے مطابق استعمال کر کے کہ اس طرح اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی کے تقاضے بھی پورے ہوں گے اور ان نعمتوں میں اضافہ بھی ہوگا اور برکت بھی نصیب ہوگی کہ شکرِ منعم سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور برکت ملتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے میں صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ﴾ (ابراہیم: ۷)۔ یعنی اگر تم لوگ شکر ادا کرو گے تو یقیناً میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ سو شکرِ نعمت ایک عظیم الشان سعادت ہے۔ ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ سو اس ارشاد ربانی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ پاک کی عبادت وبندگی کا تقاضا یہ ہے کہ اسکی بخشی ہوئی نعمتوں پر اسی وحدہٗ لاشریک کا شکر ادا کیا جائے اور اسکے خلاف کرنا مقتضائے عبادت کیخلاف ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ مشرکین مکہ اپنے بتوں کے لئے نذریں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے۔ جس طرح آج بھی بہت سے جاہل مسلمان کرتے ہیں۔ مگر اس سب کے باوجود ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم اللہ ہی کی بندگی کرتے ہیں۔ اور یہ بت اور آستانے وغیرہ ہمارے واسطے اور وسیلے ہیں اللہ تک پہنچنے کے لیے۔ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰہِ زُلْفٰی﴾ (الزمر: ۳) سو ایسے لوگوں کی ان فلسفہ طرازیوں کے جواب میں اور ان کے اس طرح کے مغالطوں کی تردید کے لئے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ واقعی اللہ کی عبادت وبندگی کرتے ہو تو اسکی بخشی ہوئی نعمتوں پر اسی کا شکر ادا کرو۔ ان میں کسی اور کو اس کا شریک مت ٹھہراؤ۔

۲۲۸ تحریماتِ الٰہیہ کا ذکر وبیان: یعنی اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر صرف یہ چیزیں حرام فرمائی ہیں جن کو ﴿اِنَّمَا﴾ کے کلمۂ حصر سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سو وہی حرام ہیں نہ کہ "بحیرۃ"، "سائبۃ" وغیرہ وہ چیزیں جن کو تم لوگوں نے از خود حرام قرار دے رکھا ہے۔ سو یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی۔ کہ محرمات تو ان چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت ہیں۔ سو اس میں ان محرمات کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کا تعلق کھانے پینے کی ان اشیاء اور مویشی جانوروں سے ہے جن کو ان لوگوں نے از خود حرام ٹھہرا رکھا تھا۔ نہ کہ تمام اشیاء سے۔ سو تحریم و تحلیل اللہ تعالیٰ ہی کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ اس نے اپنے بندوں کیلئے "طیبات" یعنی پاکیزہ چیزوں کو حلال ٹھہرایا اور

''خبائث''یعنی خبیث اور گندی چیزوں کوحرام قرار دے دیا۔اور وہی جانتا ہے کہ اسکے بندوں کے لئے طیب اور پاکیزہ چیزیں کیا ہیں اور ناپاک اور خبیث کیا۔اسکے سوا یہ شان اور کسی میں بھی نہیں ہو سکتی۔اس لیے تحلیل وتحریم اسی کا حق ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۴۹ غیر اللہ کی طرف منسوب چیز کی حرمت کا ذکر وبیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور ہر چیز جس پر نام لیا گیا ہو اللہ کے سوا کسی اور کا اسکے تقرب کی نیت سے۔خواہ اس کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو یا کسی اور کا۔کیونکہ وہ چیز غیر اللہ کے لئے نامزد کر دینے کے باعث حرام قرار پا گئی۔پس اہل بدعت جو اس کے ترجمہ میں کہتے ہیں کہ جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس طرح وہ اپنی شرکیات کیلئے جو چور دروازہ نکالنا چاہتے ہیں وہ سب باطل ومردود ہے۔کہ یہاں نص قرآنی میں ﴿اُهِلَّ﴾ کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے۔جس کا معنیٰ باتفاق اہل لغت رفع الصوت ہے۔یعنی آواز اٹھانا اور نامزد کرنا نہ کہ ذبح کرنا۔اور جن حضرات مفسرین نے اس موقع پر ذبح کا ذکر فرمایا ہے تو وہ محض ایک کثیر الوقوع صورت کے ذکر کے طور پر کیا ہے نہ کہ حصر کیلئے۔نیز اس لئے کہ اس کی حرمت اتفاقی اور اجماعی ہے۔ورنہ ﴿اهل﴾ کا اصل معنیٰ ذبح ہے ہی نہیں۔بہرکیف جس چیز کو غیر اللہ کے تقرب کیلئے مخصوص کیا گیا اور اس پر اسی کا نام لیا گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔اور اسکی شدت حرمت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ یہاں پر اس کا ذکر خنزیر کے گوشت پر معطوف کر کے فرمایا گیا ہے۔مفسر احمد مصطفیٰ مراغی مرحوم اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ غیر اللہ سے مراد عام ہے خواہ کوئی جن ہو یا انسان۔جیسے کوئی نبی یا ولی۔زندہ ہو یا مردہ۔اللہ تعالیٰ کے سوا جس کسی کی طرف بھی اس کو منسوب کیا گیا ہو وہ حرام ہے۔کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے''ملعون من ذبح لغير الله''یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر کے کسی چیز کو ذبح کیا وہ ملعون یعنی لعنتی ہے۔خواہ ایسے شخص نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔سو جس نے سید بدوی یا ابراہیم دسوقی یا سیدہ زینب وغیرہ کسی بھی نام سے کوئی جانور ذبح کیا وہ حرام ہے۔اس کا کھانا جائز نہیں۔(تفسیر المراغی جلد ۱۴ صفحہ ۱۵۳ طبع بیروت لبنان)

۲۵۰ مضطر کیلئے اکل حرام کی مشروط اجازت:۔ سو ﴿غير باغ ولا عاد﴾ کی ان دو قیدوں سے واضح فرمادیا گیا کہ نہ تو حرام کو لذت وشوق کی بناء پر کھائے اور نہ حدِ ضرورت سے زیادہ۔بلکہ اس قدر کھائے جس سے اس کی جان بچ سکتی ہو اور بس۔مثلاً ایک لقمے سے جان بچ سکتی ہو تو دوسرا نہ کھائے وغیرہ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔سو مضطر ولاچار شخص بقدرِ ضرورت اور بمقدار سدّ رمق کھا سکتا ہے اور بس اور اس سے زیادہ اس کے لئے جائز نہیں۔

۲۵۱ تحلیل وتحریم اللہ تعالیٰ ہی کی صفت وشان:۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ خود اور اپنے طور پر کسی چیز کو حلال اور حرام مت قرار دو۔اس لئے کہ تحلیل وتحریم اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے کہ خالق ومالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔پس جو کوئی از خود کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے وہ دراصل اللہ پاک کی طرف یہ بات منسوب کرتا ہے کہ یہ تحلیل وتحریم اللہ کی طرف سے ہے۔جبکہ واقعتاً ایسے ہے نہیں۔اس لئے یہ ظلم اور افتراء علی اللہ ہے۔یا ایسا شخص در پردہ اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بھی تحلیل وتحریم کا اختیار رکھتا ہے جو کہ دراصل اپنی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔سو دونوں صورتوں میں یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء قرار پاتا ہے۔اور افتراء علی اللہ ایک بڑا ہی سنگین جرم اور ہولناک گناہ ہے۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔سو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بغیر کسی سند کے محض اپنے مزعومات اور مفروضات کی بناء پر از خود کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں

لَا يُفْلِحُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ

وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتے ۲۵۲ (ان کے لئے دنیوی زندگی میں) فائدے کا تھوڑا سا سامان ہے، اور (آخرت میں)

أَلِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا

ان کے لئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے ۲۵۳ اور ان لوگوں پر جو کہ یہودی بن گئے، ہم نے حرام کر دیا تھا ان

قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ

سب چیزوں کو جن کا ذکر ہم آپ سے کر چکے ہیں اس سے پہلے ۲۵۴ اور ہم نے ان پر (کسی طرح کا) کوئی ظلم نہیں کیا تھا

كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ

مگر وہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے، ۲۵۵ پھر آپ کا رب یقینی طور پر ان

لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ

لوگوں کے لئے جنہوں نے ارتکاب کر لیا برائی کا جہالت کی بناء پر، پھر انہوں نے

بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا

(صدقِ دل سے) توبہ کر لی ۲۵۶ اور اصلاح کر لی (اپنے فساد و بگاڑ کی،) بیشک تمہارا رب اس کے بعد

۲۵۲ افتراء پرداز کبھی فلاح نہیں پا سکتے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پر افتراء باندھنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ کیونکہ دنیا میں جو عارضی اور وقتی نوعیت کے نشے اور مزے ان کو حاصل ہوتے رہے ہیں وہ سب فانی اور آخرت کے مقابلے میں بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ﴾ (لقمٰن: ۲۴)۔ اور جب دنیاوی زندگی کی یہ مختصر اور محدود فرصت غفلت و بغاوت اور لاپرواہی میں گزار دی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ۔ تو پھر آخرت میں ایسوں کیلئے دردناک عذاب کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور اس طور پر کہ پھر ایسے لوگ اس سے کبھی نکلنے بھی نہ پائیں گے۔ سو ایسوں سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہو سکتا ہے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ۔

۲۵۳ افتراء پردازوں کیلئے چند روز دنیا کے فائدے اور بس :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کیلئے دنیا میں چند روزہ فائدے کا کچھ سامان ہے اور بس۔ جو تھوڑا اور اتنا تھوڑا اور اس قدر قلیل ہے کہ اس کی حیثیت ایک "ظلِ ظلیل" یعنی ڈھلتے اور مٹتے سائے کی سی ہے۔ اور جب اس کے بعد آخرت کی حیاتِ ابدی میں عذابِ الیم ملنے والا ہوتا پھر اس متاعِ دنیا کا وجود نہ ہونے کے برابر بلکہ اس سے بھی کہیں بُرا ہے کہ اس میں کھو کر اور مست ہو کر محروم انسان نے اتنے بُرے خسارے کا سودا کیا اور وہ اپنی آخرت اور انجام کو بھول کر اور اس کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر ہمیشہ کے خسارے کے انتہائی ہولناک گڑھے میں جا گرا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو اس سے ﴿لا یفلحون﴾ کی وضاحت فرما دی گئی۔ پس اصل دولت ایمان و یقین اور اطاعت و اتباع کی دولت ہے۔

۲۵۴ یہودیوں پر بعض پاکیزہ چیزوں کی حرمت :- سو فرمایا گیا کہ ان پر ان چیزوں کو حرام کیا گیا جن کا ذکر اس سے پہلے دوسرے مقامات پر کر چکے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا گیا۔ ﴿وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ﴾۔ (الانعام:۱۴۷) سو یہودیوں پر انکے ظلم وعُدوان اور انکے عناد و سرکشی کی بناء پر بعض ایسی پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام کر دیا گیا تھا جو کہ ان کیلئے حلال تھیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبات احلت لهم﴾۔ (النساء:۱۶۰) سو یہودیوں پر ان پاکیزہ چیزوں کی حرمت ان کی بغاوت و سرکشی کی بناء پر تھی۔ جیسا کہ اوپر ارشاد فرمایا گیا۔ جبکہ اہل ایمان پر انہی چیزوں کو حرام فرمایا گیا جن میں خباثت پائی جاتی تھی۔ اور یہود پر بھی اصل میں یہی چیزیں حرام تھیں جن کا ذکر اوپر آیت نمبر ۱۱۵ میں فرمایا گیا۔ لیکن انہوں نے جب اپنی بغاوت و سرکشی کی بناء پر کچھ چیزوں کو اپنے اوپر از خود حرام ٹھہرا لیا تو ان کی اس بغاوت و سرکشی کی سزا کے طور پر اُن پر ان چیزوں کو حرام ٹھہرا دیا گیا۔ سو اس طرح انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۵۵ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت و سرکشی ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا۔ "اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کر رہے تھے"۔ اپنی بغاوت و سرکشی کی بناء پر۔ جیسا کہ اسی ضمن میں مزید ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ذَالِکَ جَزَیْنَا هُمْ بِبَغْیِهِمْ وَ اِنَّا لَصَادِقُوْنَ﴾ (الانعام:۱۴۷)۔ سو حضرت حق جل مجدہٗ کے اَحکام و فرامین سے بغاوت و سرکشی سراسر ظلم ہے۔ اور دوسروں سے پہلے یہ خود اپنے آپ پر ظلم ہے۔ مگر ظالم لوگوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس سے رجوع اور توبہ کر سکیں اور اس طرح اپنی اصلاح کر سکیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۵۶ سچی توبہ باعثِ سرفرازی۔ وباللہ التوفیق :- سو ارشاد فرمایا گیا "اور انہوں نے صحیح معنوں میں توبہ کر لی" کہ انہوں نے اپنے جرم و گناہ کی روش کو ترک کر دیا اور آئندہ کبھی ایسا نہ کرنے کا پختہ عزم و ارادہ کر لیا۔ دل میں اپنے کئے پر نادم و پشیمان بھی ہوئے۔ اور جو کوئی حقوق ذمے تھے انکو بھی انہوں نے ادا کر دیا۔ تو ایسے شخص کی توبہ سچی توبہ ہوگی اور ایسے لوگوں کی توبہ صحیح معنوں میں توبہ قرار پائے گی۔ اور ایسے ہی لوگ سچی توبہ کے فوائد و ثمرات سے متمتع و مستفید ہونگے۔ سو اوپر کی تنبیہات کے بعد اب پیغمبر کو خطاب کر کے ایسے غلط کار لوگوں کے بارے میں ایک بشارت سے نوازا گیا ہے کہ جو لوگ آپ کی بعثت سے قبل کے تاریکی کے دور میں خداوندِ قدوس کی نافرمانیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا رہے ہیں انہوں نے اگر اس دعوتِ حق کے بعد سچی توبہ کر لی اور حق کی طرف رجوع کر کے انہوں نے اپنی اصلاح کر لی تو تمہارے رب کی مغفرت اور بخشش بھی ان کو اپنی آغوش میں لینے کیلئے تیار ہے کہ وہ بڑا ہی غفور اور انتہائی مہربان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو سچی توبہ اور رجوع الی الحق باعثِ سرفرازی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا

بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، ۲۵۷ بے شک ابراہیم اپنی ذات میں ایک پوری امت تھا ۲۵۸ اللہ کا

لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا

فرمانبردار، ویک سو، ۲۵۹ اور اس کا کوئی لگاؤ نہیں تھا مشرکوں سے، ۲۶۰ وہ شکر ادا کرنے والا تھا

لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

اپنے رب کی نعمتوں کا، اس کو اللہ نے چن لیا تھا، اور ڈال دیا تھا اسکو سیدھی راہ پر ۲۶۱

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ

اور ہم نے اسے دنیا میں بھی بھلائی دی تھی ۲۶۲ اور آخرت میں بھی وہ یقیناً (ہمارے قرب خاص کے)

۲۵۷ رب تعالیٰ کی عظیم الشان بخشش اور رحمت کا مژدۂ جانفزا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک تمہارا رب انکی ایسی سچی توبہ کے بعد بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ پس سچی توبہ پر وہ ایسے لوگوں کے گناہ بھی معاف فرماتا ہے اور انکو اپنی رحمت سے بھی نوازتا ہے کہ وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔ سو اس کے یہاں کسی کے لئے بھی کوئی محرومی اور مایوسی نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس اصل ضرورت سچے دل سے اس کی طرف انابت و رجوع کی ہے، ورنہ اسکے یہاں تو کرم ہی کرم اور عطاء ہی عطاء ہے۔ اور آیت کریمہ میں جہالت کے لفظ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جو بھی کوئی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ جہالت اور نادانی ہی کی بناء پر کرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ ورنہ وہ اگر اسکے عواقب و نتائج پر غور کرے اور ان کو سامنے رکھے تو کبھی اس کا ارتکاب نہ کرے۔ مگر وہ غلبۂ شہوت اور جوشِ جنون کی بناء پر ادھر توجہ ہی نہیں کرتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ (المراغی وغیرہ) سو اس ارشاد سے رب تعالیٰ کی عظیم الشان بخشش اور رحمت کے مژدۂ جانفزا سے بھی آگہی بخش دی گئی اور اس کے حصول اور اس سے سرفرازی کا طریقہ بھی تعلیم و تلقین فرما دیا گیا کہ وہ ہے سچی توبہ اور انابت و رجوع الی اللہ۔ جل و علا۔ وباللہ التوفیق۔ فاغفر لی وارحمنی یا ربی فانک انت الغفور الرحیم و انا عَبْدُکَ الْاَثِیْمُ۔

۲۵۸ ابراہیم ایک امت تھے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور کلمہ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک وہ اپنی ذات میں پوری ایک امت تھا۔ یعنی ایک امت کی مجموعی صفات تنہا ان کی ذات میں موجود تھیں۔ اور تن تنہا انہوں نے وہ کام کیا جو پوری ایک امت اور جماعت کرتی ہے۔ نیز "امة" امام کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں پیشوا و مقتداء۔ یعنی ابراہیم ایک عظیم الشان پیشوا و مقتداء تھے۔ کیونکہ ان کی امامت و پیشوائی پر سب متفق ہیں۔ مسلمان تو ہیں ہی ملتِ ابراہیمی پر، یہود و نصاریٰ بھی حضرت ابراہیم کو اپنا مقتداء و پیشوا مانتے ہیں۔ اور مشرکین عرب بھی فخریہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم ابراہیم کی

اولاد، انکی نسل، انکے وارث اوران ہی کے پیروکار ہیں۔ سوایسی دوسری کوئی ہستی نہیں ہوئی جس کواس طرح یہ تمام ہی بڑے مذہب وادیان اوراقوام وملل والے اپنا پیشواومقتداء مانتے ہوں سوائے حضرتِ ابراہیمؑ کے۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اورآپ کی امامت وپیشوائی ایسی عظیم الشان اور بے مثال کیوں نہ ہوتی جب کہ حضرتِ حق جل مجدہٗ نے آپ کو بطورِ خاص چُنا اوراس منصب جلیل کیلئے منتخب فرمایا تھا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ جس کے قبضۂ قدرت میں سب کے دلوں کی دنیا ہے اور جس نے اس کا اعلان واظہار اپنے کلامِ حق ترجمان میں صاف وصریح طور پر واضح وقطعی انداز میں اس طرح فرمایا ہے۔ ﴿اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (البقرہ:۱۲۴) یعنی ''میں آپ کواے ابراہیمؑ سب لوگوں کا امام یعنی پیشواومقتدا بنانے والا ہوں''۔ لہذا آپ کو امام اور پیشوا ماننے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ حضرتِ ابراہیم کی صحیح طور پر اور صدقِ دل سے اِتباع اور پیروی کریں۔ تاکہ اس طرح یہ ابراہیمی ہونے کے اپنے دعویٰ میں بھی سچے قرار پائیں اور خود انہی کا بھلا بھی ہو۔ ورنہ محض زبانی کلامی دعوؤں کے کچھ نہیں بنے گا ایسے دعوؤں سے انسان خود اپنے آپ ہی کو دھوکہ دیتا ہے، مگراس کواس کا شعور ہی نہیں ہوتا۔ والعیاذ باللہ۔

۲۵۹ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے فرمانبرداراور یکسو تھے:۔ ہر باطل سے کٹ کراور ہر طرف سے ہٹ کر خالص حق کے لئے ہوکررہ جانے والے۔ اور وہ باطل سے کٹ کراوراسکے طور طریقوں سے ہٹ کر صرف دینِ حق یعنی اسلام کے متبع اور پیرو بن گئے تھے۔ نہ اسکو کبھی چھوڑا نہ کبھی اسکی راہ سے ذرہ برابر ہٹے۔ بلکہ حق وہدایت کی اسی راہ پر ہمیشہ مستقیم اور ثابت قدم رہے اوراس استقامت کیلئے انہوں نے کبھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ بتوں کو توڑا۔ کفار سے لڑے اور رئیس الموحد قرار پائے۔ اپنے مشرک اور بت پرست باپ کو چھوڑا اورایسی بے مثال انفرادیت اورعزت وعظمت سے سرفراز ہوئے کہ ایسے باپ کے گھر میں جنم لینے کے باوجود جو کہ نہ صرف بت پرست تھا بلکہ بت گراور بت فروش بھی تھا، اس کے گھر میں جنم لینے اور ظلمتِ کفروشرک کے اس مہیب ماحول کے اندر آنکھ کھولنے کے باوجود آپ نے نہ صرف یہ کہ کفروشرک کے کسی داغ دھبے سے اپنے دامن کو آلودہ نہیں ہونے دیا بلکہ کفروشرک کے ان مہیب اندھیروں میں نورِ توحید کو پھیلانے اور مشرکین کے ساختہ پرداختہ بتوں اوران کے من گھڑت خداؤں کو پاش پاش کرنے میں وہ کارنامے انجام دیے جو قیامت تک دنیا کے لئے نشانِ راہ کے طور پر چمکتے دمکتے رہیں گے۔ سو یہ انفرادی اور عدیم النظیر شان حضرتِ ابراہیمؑ کے سوا اور کسی بھی ہستی کی پوری تاریخ انسانیت میں نہ ہوئی نہ قیامت تک کسی کیلئے ہونا ممکن ہے کہ انہوں نے راہِ حق میں بے مثال قربانیاں دی تھیں۔ فصلوات اللّٰہ و سلامہ علیہ وعلیٰ نبینا الیٰ یوم الدین ورزقنا اتباعھم والا قتداءَ بھم۔

۲۶۰ ابراہیمؑ کا مشرکوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا:۔ سوارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا کہ ان کا مشرکوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ پس مشرکین عرب کا آپ کو پیشواومقتداء بنانے کا دعویٰ جھوٹا اور باطل ہے۔ اور یہی حال یہود ونصاریٰ کا ہے کہ انہوں نے بھی طرح طرح سے اپنے آپ کو اہلِ کتاب ہونے کے باوجود شرک کی طرح طرح کی آلودگیوں

سے آلودہ اور ملوث کر دیا تھا۔ اور کر رکھا ہے۔ جبکہ حضرتِ ابراہیمؑ ہر طرح کے شرک اور اس کے ہر شائبہ سے پاک اور بری تھے۔ اور آپ کا مشرکوں سے کسی طرح کا کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا آپ کی اتباع کا دم بھرنا بالکل باطل ومردود، اور بے بنیاد ہے۔ آپ کے سچے پیروکار حضرت امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی امت ہے جو کہ ملتِ ابراہیمی پر قائم ہے۔ والحمدللہ جل جلالہ

۲۶۱ ابراہیم کو اللہ نے چُن لیا تھا:- اپنی خلت ورسالت کے لئے کہ آنجناب اپنے صدق واخلاص اور صفائے باطن کی بناء پر اسکے اہل تھے۔ اور حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو اس خاص شرف واعزاز سے نواز دیا تھا جو ان کے لائق تھا ۔جسکے نتیجے میں حضرتِ ابراہیمؑ اللہ پاک کی خلت کے اہل بن گئے تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ولقد اتینا ابراهیم رشده من قبل و کنابه عالمین﴾ (الانبیاء:۵۱)۔ بہرکیف یہ حضرتِ ابراہیم کی ایک امتیازی شان تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنا خلیل اور دوست بنالیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿واتخذ اللّٰہ ابراهیم خلیلا﴾۔ (النساء:۱۲۵) سو حضراتِ ابراہیم کی مزید تعریف وتوصیف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کے شکر گزار تھے۔ ان مشرکوں کی طرح نہیں تھے جو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کی اپنے طرح طرح کے خود ساختہ اور من گھڑت خداؤں، بناوٹی بتوں، فرضی و وہمی سرکاروں اور آستانوں وغیرہ کی طرف منسوب کر کے کفرانِ نعمت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور وہ انہیں کے آگے جھک کر اور ان کی پوجا پاٹ کر کے ظلم پر ظلم کا ارتکاب کرتے اور اپنی ہلاکت وتباہی کا سامان کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے صراطِ مستقیم پر قائم رکھے آمین ثم آمین۔

۲۶۲ ابراہیمؑ کے لئے دنیا میں بھی عظیم الشان انعام:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی ۔نیک نامی، سچی ناموری، امامت وپیشوائی اور نبوت ورسالت جیسے امتیازات سے نواز کر۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾۔ یعنی ہم نے انکو اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد سے بھی نوازا ان سب کو اپنی رحمت ونبوت سے بھی نوازا۔ اور ان کو سچی ناموری اور حقیقی سربلندی سے بھی سرفراز کیا۔ (سورۂ مریم:۵۰)۔ نیز فرمایا گیا ۔﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ، سَلَامٌ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ﴾ (صافات:۱۰۸-۱۰۹) وغیرہ۔ نیز یہ کہ آپ علیہ السلام کو اپنے بعد کے تمام انبیاء ورسل کے جدِّ امجد ہونے کے ساتھ ساتھ یہ امتیاز واعزاز بھی رکھتے ہیں کہ آپ کے بیٹے بھی نبی اور پوتے بھی نبی ورسول ہوئے ہیں۔ سو توحید اور شکرِ خداوندی کی نعمت پر انسان کے لیے ایسی ہی عظیم الشان سرفرازیاں نصیب ہوتی ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر حضراتِ ابراہیم کی ان سرفرازیوں کے ذکر کے بعد ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ۔(الصافات:۱۱۰) یعنی ''ہم نیکوکاروں کو اسی طرح نوازتے ہیں'' وہ جو بھی ہوں اور جہاں کے بھی ہوں پس صفت احسان سے سرشار وسرفراز ہوں۔ و باللہ التوفیق لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ، اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ وَعَلٰى مَا يَشَاءُ قَدِيْرٌ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ

لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ

سزاواروں میں سے ہوگا، ۲۶۳ (اور) پھر ہم نے آپ کی طرف بھی یہ وحی بھیجی (اے پیغمبر!) کہ آپ بھی

مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ‌ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾

پیروی کریں ابراہیم کی ملت کی ۲۶۴ جو کہ (ہر باطل سے) یکسو (اور بیزار) تھا، اور اس کو کوئی لگاؤ نہیں تھا مشرکوں سے،

۲۶۳ اور اصل انعام تو انکو آخرت میں ملے گا:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور آخرت میں وہ یقیناً (ہمارے قربِ خاص کے) سزاواروں میں سے ہونگے''۔ اور وہاں آپ جنت میں اپنے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے اور خود حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لئے اپنے رب سے اس کی دعا بھی فرمائی تھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿رَبِّ هَبۡ لِىۡ حُكۡمًا وَّاَلۡحِقۡنِىۡ بِالصّٰلِحِيۡنَ ، وَاجۡعَلۡ لِّىۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ﴾ (الشعراء:۸۳-۸۴) سو اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور آپ کو ان مراتب و درجات سے نوازا اور سرفراز فرمایا جو حضرتِ واہب مطلق جل وعلا۔ نے آپ کے لئے مختص فرمائے تھے۔ سو عقیدۂ توحید صدق و اخلاص اور شکرِ خداوندی کے اوصافِ حمیدہ اور صفاتِ جمیلہ کی دولت وہ عظیم الشان دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے اور علیٰ وجہ الکمال نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

۲۶۴ حضرت امام الانبیاء کو بھی ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور آپ بھی (اے پیغمبر!) پیروی کرو ملّتِ ابراہیم کی جو کہ یکسو تھا (ہر باطل سے)''۔ یعنی آپ کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کے باوجود آپ ﷺ کو بھی ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا جاتا ہے۔ سو اس طرح یہ حضرتِ ابراہیم کی عظمتِ شان کا ایک اور بڑا ثبوت ہے کہ حضرت امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی آنجناب کی ملت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ یہاں اتباع سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اصول وعقائد میں حضرت ابراہیمؑ کے دین کے ساتھ متفق ہے کہ بنیادی اصول دونوں کے ایک ہی ہیں۔ ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پورے دین میں حضرت ابراہیم کے پیروکار تھے۔ کیونکہ آپ حضرتِ ابراہیم کے امتی نہیں تھے۔ بلکہ مستقل دین وشریعت لے کر تشریف لائے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور آپ سب انبیاء ورسل سے افضل اور ان کے امام وپیشوا تھے۔ سو اس ارشاد سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ عرب اگرچہ ملّت ابراہیمی کی پیروی کے مدعی تو ہیں لیکن اپنے اس دعویٰ و ادعاء میں یہ لوگ قطعی طور پر جھوٹے ہیں۔ کہ یہ سب لوگ طرح طرح شرک میں ملوث اور اسکی غلاظت میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ ہاں آپ لوگ ملتِ ابراہیمی کے اصل پیروکار ہیں کہ ہم نے آپ کی طرف اے پیغمبر اسکی وحی کی ہے۔ والحمد للّٰہ جل جلالہ۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

سوائے اس کے نہیں کہ ہفتے کا دن تو انہی لوگوں پر مقرر کیا گیا تھا، جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا تھا ۲۶۵

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

اور یقیناً تمہارا رب (عملی اور آخری طور پر) فیصلہ فرمادے گا ان لوگوں کے درمیان ان تمام باتوں کا جن کے

۲۶۵ حکمِ سبت ملتِ ابراہیمی کا جزء نہیں تھا:- بلکہ یہ یہودیوں کی اپنی اختراع تھی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''سوائے اس کے نہیں کہ ہفتے کا دن تو انہی لوگوں پر مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اسکے بارے میں اختلاف کیا تھا''۔ یعنی یہود پر۔ جنہوں نے جمعہ کی بجائے ہفتہ کے دن کی تعظیم وتقدیس کا مطالبہ کیا۔ تو ان پر تغلیظ وتشدید کے طور پر اسی دن کی تعظیم لازم کر دی گئی۔ ورنہ ملتِ ابراہیمی میں تعظیم جمعہ کے دن ہی کی تھی۔ (روح۔ قرطبی، ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر، فتح القدیر وغیرہ) اور حضرتِ موسیٰ نے بھی ان پر اپنی امت کو جمعہ کے دن ہی کی تعظیم کا حکم دیا مگر یہود نے نہ مانا اور ہفتے کے دن کی تعظیم ہی پر اصرار کیا۔ تو ان پر ہفتے کے دن کی تعظیم کو مقرر اور لازم کر دیا گیا۔ اور مزید یہ کہ اس دن ان پر مچھلی کا شکار بھی منع کر دیا گیا۔ مگر ان لوگوں نے اس حکم وارشاد کی خلاف ورزی کی جس کے نتیجے میں ان پر لعنت وپھٹکار کر دی گئی اور ان کی شکلوں کو مسخ کر دیا گیا۔ (معارف والمراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے یہودِ بے بہبود کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ مسلمان یومِ سبت کا احترام کیوں نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم کرتے ہیں وغیرہ۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ''سبت'' یعنی ہفتے کے دن کی تعظیم کا حکم ملتِ ابراہیمی میں تھا ہی نہیں۔ بلکہ اس میں بھی جمعہ کی تعظیم ہی کا حکم تھا۔ اور حضرتِ موسیٰ نے بھی اپنی امت کو جمعہ کے دن کے بارے میں ہی فرمایا تھا۔ مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہفتے کے دن ہی اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا اس لیے ہم اسی دن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ کریں گے۔ سو ان پر اسی دن کی تعظیم فرض کر دی گئی۔ اور اس کے بعد حضرتِ عیسیٰ نے بھی اپنی امت کو جمعہ کے ہی دن کی تعلیم دی۔ مگر انہوں نے کہا کہ نہیں ہم تو اتوار کے دن کی تعظیم کریں گے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے کائنات کی خلقت کا آغاز فرمایا تھا۔ تو ان کیلئے اتوار کے دن ہی کو مقرر فرمادیا گیا۔ پھر امت محمدیہ کیلئے بھی جمعہ کے دن کو پیش فرمایا گیا تو انہوں نے بغیر کسی اختلاف کے اس کو قبول کر لیا اور اسی کو صحیحین وغیرہ کی حدیث میں حضرتِ ابوہریرہؓ کی روایت سے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہم لوگ سب سے آخر میں آئے لیکن قیامت کے روز سب سے پہلے اٹھیں گے۔ اور آپ نے مزید فرمایا کہ ہم نے جمعہ کے دن کو اپنایا اور یہود نے اس سے ایک دن بعد یعنی ہفتے۔ اور نصاریٰ نے اس سے بھی ایک دن بعد یعنی اتوار کو۔ سو یہ لوگ ہمارے تابع ہیں۔ یہود ایک دن پیچھے ہیں اور نصاریٰ دو دن۔ (المعارف للکاندھلوی، ابنِ کثیر، مدارک التنزیل اور روح وغیرہ) سو امت مسلمہ ہر لحاظ سے ملتِ ابراہیمی پر ہے والحمد للہ جَلَّ وَعَلا۔

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ

بارے میں یہ اختلاف میں پڑے ہوئے تھے، ۲۶۶	بلاتے رہو آپ اپنے رب کی راہ کی طرف،

بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ

دانش مندی، اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، ۲۶۷	اور (بوقت ضرورت) ان سے بحث کرو اس طریقے کے

۲۶۶ اختلافات کا آخری فیصلہ قیامت کے روز:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور یقیناً تمہارا رب فیصلہ فرمائے گا قیامت کے دن انکے تمام اختلافات کا"۔ یعنی علمی، قطعی اور آخری طور پر۔ اس طرح کہ ہر کسی کو اس کے اپنے اس ٹھکانے تک پہنچا دیا جائے گا جس کا وہ اپنے عقیدہ و عمل کی بناء پر مستحق ہوگا۔ ورنہ علمی طور پر تو فیصلہ اس دنیا میں ہی فرما دیا گیا ہے اور کتاب و سنت کی تعلیماتِ مقدسہ کے ذریعے پوری طرح واضح فرما دیا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا؟ لیکن نہ ماننے والے پھر بھی نہیں مانتے اور کتنے ہی ایسے ہیں جو اسکے باوجود اپنے کفر و باطل پر اڑے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں۔ سو قیامت کے اس یومِ فصل میں ایسے لوگوں کے تمام اختلافات کا آخری اور عملی فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور اس طور پر کہ اس کے بعد کسی کیلئے کسی طرح کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ سو اس یوم الفصل والتمیز میں پوری طرح واضح ہو جائے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون؟ صحیح کون تھا اور غلط کون؟ اور اس طور پر کہ کسی کیلئے بھی کسی شک و انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَ عَلَا

۲۶۷ دعوتِ حق کا حکم و ارشاد اور اسکے اہم آداب کی تعلیم و تلقین:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور بلاتے رہو آپ اے پیغمبر اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ"۔ جس میں نیت بھی خالص ہمدردی و اصلاح کی ہو اور تعبیر و اداء بھی درست اور معقول ہو کہ آپ کا کام اور منصب رب کے راستے کی طرف بلانا اور دعوت دینا ہے اور بس۔ اس سے آگے لوگوں کو راہِ راست پر لے آنا اور حق بات ان سے منوالینا نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ البتہ آپ کی یہ دعوت حکمت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ یعنی ایسے دلائل و براہین پر مبنی ہو جو کہ حق کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ دل کو لگنے والے اور عقل کو اپیل کرنے والے ہوں۔ اور یہ شان قرآن و سنت ہی کی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے ابن جریر کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن و سنت ہی ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ)۔ سو آپ ان کو قرآن و سنت کے ذریعے راہِ حق و ہدایت کی طرف بلاتے رہیں۔ البتہ کلام نرم ہی ہو۔ جیسا کہ حضرتِ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے سامنے دعوتِ حق پیش کرنے کے سلسلے میں ہدایت فرمائی گئی تھی اس سے نرم بات ہی کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل اور مراغی وغیرہ)۔ سو دعوتِ حق کے سلسلے میں یہ دونوں باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ ایک یہ کہ جو بات کہی جائے وہ دلیل اور برہان کی روشنی میں کہی جائے۔ اور دوسری یہ کہ انداز بھی سچے جذبہ خیر خواہی اور ہمدردی کا ہو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی مایحب ویرید بکل حالٍ من الاحوال۔

هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

ساتھ جو کہ سب سے اچھا ہو، بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو بھٹکا ہوا ہے اس (اللہ)

سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ

کی راہ سے، اور وہی خوب جانتا ہے ان سب کو بھی جو سیدھی راہ پر ہیں ۲۶۸ اور اگر تمہیں (حسب موقع)

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ

بدلہ لینا ہو (اے مسلمانو!) تو تم اسی قدر بدلہ لو جس قدر کہ تم پر زیادتی کی گئی ہو، ۲۶۹ لیکن اگر تم صبر سے کام لو

۲۶۸ اللہ اپنے بندوں کے ہر حال کو جانتا ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے اور کون ہدایت پر ہے''۔ اسی کے مطابق ہر ایک کو وہ بدلہ دے گا جس کا وہ مستحق ہوگا اپنے عقیدہ و عمل اور صدق و اخلاص کی بناء پر۔ سو ہدایت و غوایت اور ضلال و بدی کا معاملہ نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے اور اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے کہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے اور کون حق قبول کرنا چاہتا ہے اور کون نہیں چاہتا۔ آپ کا کام تو حق کی دعوت و تبلیغ ہے اور بس۔ اس سے آگے کا معاملہ آپ اللہ ہی کے حوالے کردیں۔ (ابن کثیر، مراغی اور محاسن وغیرہ)۔ نیز اس ارشاد سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ بندے کو ہمیشہ اپنے خالق و مالک سے اپنا معاملہ درست رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے اس کی کوئی کیفیت چھپی نہیں رہ سکتی کہ وہ بندے کے ظاہر و باطن کو ایک برابر اور پوری طرح جانتا ہے۔ سو اپنے ایمان و یقین اور تقویٰ و پرہیزگاری کے زبانی کلامی دعوے کرنے کی بجائے اس سے اپنا معاملہ درست رکھنا چاہیے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَاءِ السَّبِيْلِ عَلَيْهِ نَتَوَكَّلُ وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ فِیْ كُلِّ اٰنٍ وَّحِيْنٍ۔

۲۶۹ بدلہ لینے میں انصاف کی تعلیم و تلقین:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہے تو اتنا لو جتنی کہ تم پر زیادتی ہوئی ہے''۔ یعنی برابر سرابر۔ عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق۔ جتنی تم پر زیادتی ہوئی ہو اتنا ہی بدلہ لینا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کہ اس صورت میں تم معتدی یعنی ظلم و زیادتی کے مرتکب قرار پاؤ گے جو کہ منع ہے۔ اور بدلہ لینے کی یہ صرف اجازت ہے۔ ورنہ اصل اور بہتر یہی ہے کہ تم صبر و برداشت سے کام لو کہ یہی بات مکارمِ اخلاق کا تقاضا اور تمہارے شایانِ شان ہے۔ جیسا کہ اسکے متصل بعد ہی ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم صبر سے کام لو تو وہ یقیناً اس سے کہیں بہتر ہے۔ صبر کرنا ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کیلئے۔ بہر کیف اس سے بدلہ و انتقام کی صورت میں بھی برابری اور عدل و مساوات کا درس دیا گیا ہے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے والی بات اس کے خلاف ہے۔ کہ اس میں عدل و مساوات نہیں بلکہ ظلم و زیادتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا

تو یقیناً یہ بہت ہی اچھا ہے، صبر کرنے والوں کے لئے ف ۲۷۰ اور آپ (اے پیغمبر!) صبر ہی سے کام لیتے رہیں، اور آپ کا صبر

بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ

اللہ ہی کی توفیق سے ہے، اور کسی طرح کی تنگی میں نہیں پڑنا ان چالبازیوں کی بناء پر،

مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

جن سے یہ لوگ کام لے رہے ہیں ف ۲۷۱ بے شک اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو تقویٰ (و پرہیزگاری) کو اپنائے رکھتے ہیں

وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

ع ۹ ۲۲

اور جو نیکو کار ہیں، ف ۲۷۲

۲۷۰ صبر و برداشت سے کام لینا بہر حال بہتر ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور صبر و برداشت سے کام لینا زیادہ اچھا ہے صبر کرنے والوں کیلئے"۔ معلوم ہوا کہ بدلہ لینے کی بجائے صبر و برداشت سے کام لینا بہتر اور افضل ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ "صبر و برداشت سے کام لینا عزم و ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾۔ (الشوریٰ: ۴۳)۔ نیز صبر کرنے والوں کیلئے معیتِ خداوندی کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ان اللّٰہ مع الصابرین﴾ "بے شک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے"۔ اور جب معیتِ خداوندی سے سرفرازی نصیب ہو جائے تو پھر اور کیا چاہیے۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب و یرید و ھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔

۲۷۱ صبر کی تلقین اور حصول صبر کے ذریعے کی تعلیم: سو ارشاد فرمایا گیا "اور آپ تنگی میں نہ پڑیں ان چالبازیوں کی بناء پر جو یہ لوگ کر رہے ہیں"۔ کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی چالبازیاں اور شر انگیزیاں آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گی کہ آپ کا محافظ خود اللہ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور یہ جو آپ کو کبھی ساحر کہتے ہیں اور کبھی شاعر۔ کبھی کاہن اور کبھی مجنون وغیرہ۔ تو آپ اسکی پرواہ نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے کریں۔ وہ ان سے خود ہی نمٹ لے گا اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق نمٹے گا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ (مراغی اور معارف وغیرہ)۔ اور حصولِ صبر کے ذریعے کی تعلیم کے لئے ارشاد فرمایا گیا ﴿وما صبرک الا باللّٰہ﴾ یعنی "صبر حاصل نہیں ہو سکتا مگر اللہ کے ذریعے" یعنی اسکے تعلق سے۔ پس حصولِ صبر کے لئے انسان پر لازم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرے۔ اور اس تعلق کا ذریعہ ذکرِ خداوندی ہے۔ اور ذکرِ خداوندی کی سب سے کامل شکل اور اعلیٰ ذریعہ و وسیلہ نماز ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ (طٰہٰ: ۱۴) نیز اس کا ذریعہ ہے اشتغال بالقرآن۔ کیونکہ قرآن حکیم ہی اصل ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ

لَحٰفِظُوْنَ ﴾۔ (الحجر:۹) یعنی اس ذکر کو ہم نے اتارا ہے اور ہم خود ہی اسکے محافظ ہیں جو اسمیں مشغول رہیگا وہ اللہ تعالیٰ کے حفظ وامان سے سرشار و سرفراز ہوگا۔ اللہ نصیب فرمائے اور علی وجہ الکمال نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۲۷۴ معیتِ خداوندی کا مژدۂ جانفزاء اور اس سے سرفرازی کا ذریعہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو تقوی اور احسان کو اپنائے ہوئے ہیں اور وہ نیکوکار ہیں۔ یعنی معیتِ خاصہ جو کہ عبارت ہے اس قادرِ مطلق کی نصرت و امداد سے۔ ورنہ معیتِ عامہ جو کہ عبارت ہے اسکے علم اور قدرت سے وہ تو اس خالق و مالکِ مطلق کی ہر کسی کو حاصل ہے۔ کہ کوئی بھی چیز نہ اسکے علم سے باہر ہوسکتی ہے اور نہ ہی اسکے دائرہ قدرت سے سبحانہ وتعالیٰ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ﴾۔ اور اس معیتِ خاصہ اور نصرتِ خداوندی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ تقوی و پرہیزگاری اور صحتِ احسان و نیکوکاری ہے سو تقوی و پرہیزگاری اور احسان و نیکوکاری رحمت و عنایت خداوندی اور اسکی معیت و نصرت سے سرفرازی اور اس سے مشرف ہونے کے خاص ذرائع ہیں، اللہ نصیب فرمائے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَّقِيْنَ وَ الْمُحْسِنِيْنَ وَشَرِّفْنَا بِمَعِيَّتِكَ الْخَاصَّةِ. فَلَا حَوْلَ لَنَا وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَاَنَا عَبْدُكَ الْعَاصِيْ وَلِرَحْمَتِكَ الرَّاجِيْ.

* * * *

☆۔۔ محمد اسحٰق خان عفا اللہ عنہ و عافاہ۔ منطقۃ ام ھریر بردبی۔ متحدہ عرب امارات ۲۵ ذوالقعد ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۷ جون ۱۹۹۰ء بروز اتوار سات بجے شام، والحمدلله رب العالمين بِكُلِ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

☆۔۔ نظر ثانی ۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۹۷ء بروز ہفتہ بوقت ساڑھے چھ بجے شام، سطوہ، دبی، والحمد لله رب العالمين ، فَاِنَّهٗ لَاتَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوفِيْقٍ منه سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى۔

☆۔۔ تکمیل پروف ریڈنگ (دوسری مرتبہ) ۴ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱ مارچ ۲۰۰۰ء بروز جمعہ بوقت ساڑھے گیارہ بجے شب، سطوہ دبئی، متحدہ عرب امارات، والحمد لله رب العالمين، الذى بيده ازمة التوفيق والعناية۔

☆۔۔ تکمیل پروف ریڈنگ تیسری مرتبہ ۲۶ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۹ اپریل ۲۰۰۱ء بروز جمعرات بوقت گیارہ بجے شب سطوہ دبی، والحمد لله رب العالمين، الذى له الحمد فى الاذولٰى والا خرة وهو العزيز الحكيم

☆۔۔ تکمیل پروف ریڈنگ چوتھی اور آخری مرتبہ ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ بمطابق ۴۔ ستمبر ۲۰۰۲ بروز بدھ بوقت بارہ بجے شب (آدھی رات سے کچھ بعد) جبکہ دنیا غفلت کی نیند سو رہی ہے، یا دوسرے مختلف کاموں میں مصروف ہے۔ اور یہ بندہ ناچیز اپنے بند کمرے کے کونے میں اکیلا بیٹھا یہ سطور تحریر کر رہا ہے، جو کہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اسی کا انعام و احسان ہے۔ فللّٰه الحمد رب العالمين، مالک الملک! جس طرح تُو نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کارِ عظیم کی توفیق سے نوازا ہے اسی طرح اس کو قبول فرمالے اور جو کوئی شائبہ کھوٹ کا پایا جاتا ہو خواہ اس کا تعلق نیت و ارادہ سے ہو، یا عمل و اداء، سے اسکو اپنی قدرت و حکمت اور رحمت و عنایت سے جڑ سے نکال دے آمین ثم آمین یارب العالمین۔ یامن بيده ملكوت كل شيءٍ وهو يجير ولا يجار عليه

ایاتھا ۱۱۱ — ۱۷ سُورَۃُ بَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّۃٌ ۵۰ — رکوعاتھا ۱۲

سورۃ بنی اسرائیل مکی ہے اور اسکی ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡٓ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ

پاک ہے و۱ وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندۂ خاص و۲ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کے آس پاس کو ہم نے

اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ

نواز رکھا ہے طرح طرح (کی خیرات و) برکات سے و۳ تاکہ ہم دکھائیں اس کو اپنی نشانیوں میں سے (کچھ نشانیاں،) بے

۱ اللہ تعالیٰ کی پاکی اور عظمتِ شان کا ذکر و بیان:- سو فرمایا گیا ”پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنی بندے کو“۔ یعنی وہ پاک ہے ہر نقص و عیب اور ہر عجز سے۔ وہ جب چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ نہ اس کے لئے کوئی مشکل ہے نہ کوئی رکاوٹ۔ پس اس ایک لفظ ﴿سبحان﴾ سے ان تمام شکوک و شبہات کا خاتمہ و ازالہ فرما دیا گیا جو معجزۂ اسراء و معراج کے بارے میں پیش کئے جاتے ہیں یا پیش کئے جاسکتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا اور اس قدر عظیم الشان سفر ایک رات میں بلکہ رات کے بھی ایک مختصر سے حصے میں کیسے ہو گیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو ﴿سبحان﴾ کے اس کلمۂ کریمہ سے اس طرح کے تمام سوالات و اعتراضات اور شکوک و شبہات ھباءً منثوراً ہو جاتے ہیں کہ جب اس سفر پر لے جانے والی ذات اللہ پاک کی ذات اقدس و اعلیٰ ہے جو کہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ ہر نقص و عیب سے پاک اور بری ہے تو پھر اس میں اس طرح کے کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی کیا ہوسکتی ہے؟۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ جو کم سواد اس بارے میں اس طرح کے اعتراض کرتے اور شکوک و شبہات پیش کرتے ہیں وہ دراصل اپنی نگاہِ محدود اور اپنے عجز و قصور کے اعتبار سے کرتے ہیں۔ جبکہ معجزۂ اسراء و معراج اس خالق و مالک اور قادرِ مطلق کے قدرت مطلقہ اور حکمتِ بالغہ کا کرشمہ ہے جو۔ ﴿علی کل شیء قدیر﴾ ہے۔ جو ہر طرح کے عجز و قصور اور ہر شائبہ نقص و عیب اور محدودیت سے پاک و اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۲ پیغمبر کی شانِ عبدیت کا ذکر و بیان:- سو فرمایا گیا ”جو راتوں رات لے گیا اپنے بندۂ خاص کو“۔ یعنی یہ اضافت اختصاص و تعظیم کے لئے ہے۔ اور اس بندۂ خاص سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی یا دوسری صفات میں سے کسی صفت کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ عبدیت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی صفت اللہ پاک کو سب سے زیادہ پسند اور محبوب ہے اور

آنحضرت ﷺ عبدیتِ کاملہ کے عظیم الشان اور بے مثل مظہر تھے۔ مگر افسوس کہ آج کا بدعتی ملاں حضرتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی صفتِ بشریت وعبدیت کے انکار پر گویا ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ اور اس کے لئے وہ صاف وصریح نصوصِ کریمہ میں بھی طرح طرح کی تحریفات وتلبیسات سے کام لیتا ہے۔ اور اس کو وہ عشق ومحبتِ نبوی کا معیار قرار دیتا ہے۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔ اگرچہ اسراء کے معنٰی رات میں لیجانے ہی کے ہیں۔ لیکن ﴿لیلاً﴾ کی تصریح سے اس بات کو اور مؤکد کر دیا گیا کہ یہ سفر رات ہی کو بلکہ رات کے بھی کچھ حصے میں ہوا۔ اور ﴿بعبدہ﴾ کی تصریح سے اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا کہ آپکی شانِ عبدیت اس درجہ کی حامل تھی کہ گویا آپ کی ذاتِ اقدس اس کے سوا اور کسی تعریف وتعارف کی محتاج نہیں۔ اور عبدیتِ کاملہ کے اصل اور حقیقی مصداق آپ ہی ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

٣ مسجد اقصیٰ کی سرزمین کے مبارک وبابرکت ہونے کا ذکر وبیان:- سو مسجد اقصیٰ کے ماحول کو طرح طرح کی برکات سے نوازا گیا تھا۔ ظاہری اور حسّی طور پر بھی کہ اس میں طرح طرح کے پھول پھل اور قسما قسم کی پیداواریں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو شہد اور دودھ کی سرزمین ''اَرْضُ الْعَسَلِ وَ اللَّبَنِ'' کہا جاتا ہے۔ اور معنوی وروحانی طور پر بھی کہ وہ ارضِ مبارک کتنے ہی انبیائے کرام کا مستقر اور مہبط وحی رہی۔ بلکہ حضرتِ ابراہیم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرتِ عیسیٰ تک جتنے بھی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ تشریف لائے ان کی اکثریت بلکہ کم وبیش سب ہی کا تعلق اسی ارضِ مقدسہ سے تھا۔ سو اس طرح یہ سرزمین دین ودنیا کی خیرات وبرکات کی امین وپاسدار اور جامع رہی۔ اور اسراء ومعراج کے اس معجزہ کے موقع پر یہ سب حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ یہیں جمع ہوئے۔ اور ہمارے حضور ﷺ نے اسی مقام مبارک میں ان سب کی امامت فرمائی۔ تا کہ یہ امر واضح ہو جائے کہ آپ ﷺ ان سب قدسی صفت حضرات انبیائے کرام کے امام وپیشوا ہیں۔ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ اَفْضَلُ الصَّلَوٰتِ وَاَتَمُّ التَّسْلِیْمَاتِ۔ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اسراء کہلاتا ہے جس کا ذکر یہاں فرمایا گیا ہے۔ اور بیت المقدس سے عالمِ بالا کا سفر معراج کہلاتا ہے جس کا کچھ ذکر سورۂ نجم میں آتا ہے۔ اور تفصیلی ذکر صحیح احادیث میں وارد ہے۔ اور جمہور علماء ومفسرین کے نزدیک یہ معجزانہ سفر جسم وروح دونوں کے ساتھ ہوا تھا۔ کیونکہ لفظ ﴿عبد﴾ کا اطلاق جسم وروح کے مجموعے ہی پر ہوتا ہے۔ اور یہ سفر عالمِ بیداری میں ہوا تھا نہ کہ خواب میں۔ ورنہ مشرکینِ عرب کو اس پر شور مچانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ خواب میں تو ہر کوئی طرح طرح کے عجائب دیکھ سکتا ہے اور دیکھتا رہتا ہے مگر اس میں کسی کیلئے تعجب اور اچھنبے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ اسی لئے یہاں اس کا ذکر ﴿سبحان﴾ کے لفظ سے فرمایا گیا ہے۔ بہرکیف ﴿الذی بٰرکنا حولہٗ﴾ سے مراد وہ سرزمین ہے جس میں یہ مسجد واقع ہے جس کو یروشلم اور بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ اور جس کو جیسا کہ ابھی اوپر گزرا قدیم صحیفوں میں دودھ اور شہد کی سرزمین کہا گیا ہے۔ جو اسکی انتہائی زرخیزی اور مبارک ہونے کی تعبیر ہے۔ اور جتنے انبیائے کرام کے مَوْلِد اور مدفن ہونے کا شرف اس سرزمین کو حاصل ہوا ہے اتنا دوسرے کسی بھی خطہ زمین کو حاصل نہیں ہوسکا۔ سو یہ اس کی انفرادی شان ہے۔

اٰیٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ① وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ

شک وہ (اللہ) ہی ہے سننے والا، دیکھنے والا۴ اور (اس سے پہلے) ہم نے موسیٰ کو بھی وہ کتاب دی تھی۵ اور اسے ہم نے

۴ بیشک اللہ ہی سمیع اور بصیر ہے:- پس وہی ہے جو سنتا دیکھتا ہے اپنے بندوں کے اَحوال اور اَقوال کو۔ اور اسی کے مطابق وہ ہر ایک کو اس مقام وشرف سے سرفراز فرماتا ہے جس کا وہ اہل ہوتا ہے۔ اور اسی کے مطابق وہ ان کو سزا و جزا سے نوازے گا۔ یہی بات جملہ مفسرینِ کرام نے ذکر فرمائی ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو تفسیرِ طبری، قرطبی، جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، صفوۃ البیان، المراغی، ابن کثیر، خازن، فتح القدیر اور محاسن التاویل وغیرہ وغیرہ۔ پس اہلِ بدعت کے جن بڑوں نے اپنی تحریفانہ ذہنیت کے مطابق اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول گردانا ہے وہ سلف وخلفِ امت کے تمام ثقہ علماء ومفسرین کرام کے خلاف اور تحریف کے زمرے میں آتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ وہی وحدہٗ لاشریک سمیع وبصیر ہے جو ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔ اس سے انکی کوئی حرکت وسکون مخفی و مستور نہیں کہ اسکی شان "لاتخفی علیه خافیه" کی شان ہے۔ اور اس پر ذرہ برابر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس منکر لوگ وقت آنے پر اپنے کیے کرائے کا بدلہ پا کر رہیں گے۔ کبھی چھوٹ اور بچ نہیں سکیں گے۔ سو اس میں ایک طرف اہلِ کفر وباطل کیلئے تنبیہ وتہدید ہے اور دوسری طرف اہل حق کیلئے تسلیہ وتسکین۔ والحمد اللہ جَلَّ وَعَلَا۔

۵ حضرتِ موسیٰؑ کے اِکرام واعزاز کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم ہی نے موسیٰ کو دی تھی وہ کتاب"۔ یعنی تورات جو کہ اپنے دور میں ہدایت ونور کا منبع وماخذ تھی۔ مگر بعد میں اس کے حاملین ووارثین نے اس کو بدل کر کچھ کا کچھ کردیا۔ یہاں تک کہ اب اس کے اصل نسخے کا وجود بھی کہیں باقی نہیں رہا جس کے بارے میں کہا جاسکے کہ یہ سب یقینی طور پر اللہ کا کلام ہے۔ بہرکیف اصل تورات آسمانی اور الہامی کتاب ہی تھی جو حضرتِ موسیٰ کو عطاء فرمائی گئی تھی۔ اور اس کو سرچشمۂ ہدایت بنایا گیا تھا بنی اسرائیل کیلئے۔ سو پہلی آیتِ کریمہ میں اِکرامِ محمدی کا ذکر تھا جس سے معجزۂ اسراء و معراج کی صورت میں حضور ﷺ کو نوازا گیا تھا۔ اور اب یہ اکرامِ موسیٰ کا ذکر ہے جس سے حضرتِ موسیٰ کو عطائے تورات کی صورت میں سرفراز فرمایا گیا تھا۔ (المعارف، المحاسن، الکبیر اور المراغی وغیرہ) ۔ بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ حضرتِ موسیٰ بھی دوسرے انبیاء ورسل کی طرح اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ورسول تھے۔ جنکو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اور آپ پر نازل فرمائی جانے والے کتاب یعنی تورات بھی آسمانی اور الہامی کتاب تھی۔ جس کو بنی اسرائیل کی ہدایت وراہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا تھا جو کہ اپنے دور میں ہدایت وراہنمائی کا منبع ومصدر اور سرچشمہ تھی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسرے مختلف مقامات پر اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ

ذریعہ ہدایت بنایا تھا بنی اسرائیل کے لئے، (اس تاکید کے ساتھ) کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہیں قرار دینا ٦ اے

دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝٢ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

اولاد ان لوگوں کی، جن کو ہم نے اٹھایا تھا نوح کے ساتھ (ان کی کشتی میں، تم بھی اپنے اجداد کی پیروی میں شکر گزاری کو

عَبْدًا شَكُوْرًا ۝٣ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي

اپناؤ کہ) ٧ بلاشبہ وہ بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا، ٨ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے اس فیصلے سے اپنی کتاب میں آگاہ ٩

الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ

کر دیا تھا، کہ تم لوگ زمین میں بڑا سخت فساد پھیلاؤ گے ١٠ دو مرتبہ، اور سرکشی کرو گے بہت بڑی

٦ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز بنانا ممنوع:۔ سو اس میں صاف طور پر ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کو کارساز مت بنانا کہ کارساز سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اور یہی یہ وہ مرکزی مضمون اور بنیادی ہدایت و تعلیم ہے جو کہ جملہ آسمانی کتابوں اور اَدیان سماویہ میں ہمیشہ قدرِ مشترک کے طور پر موجود رہی ہے کہ وکیل و کارساز اور حاجت روا و مشکل کُشا سب کا اللہ اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ مگر افسوس کہ آج کا کلمہ گو مشرک طرح طرح کی تاویلات و تحریفات کا سہارا لے کر اسی بنیاد کے ہدم و بیخ کنی کے درپے ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اللہ پاک کی طرف سے صاف اور صریح طور پر تاکید فرما دی گئی کہ اللہ کے سوا کسی کو مافوق الاسباب طور پر کارساز اور مختارِ امور نہیں بنانا۔ کیونکہ وکیل اسی کو کہا جاتا ہے جس پر اپنے تمام امور پر بھروسہ کیا جائے اور اپنا معاملہ اسی پر چھوڑ دیا جائے۔ (قرطبی، کبیر اور مدارک وغیرہ)۔ سو عطائے کتاب کے ذکر کے فوری بعد توحید کی اس صریح تعلیم سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ چیز دینِ متین کی تمام تعلیمات کیلئے اصل و اساس اور مرکزِ ثقل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور دین و شریعت کی پوری عمارت اسی پر قائم ہے۔ اور اسی کے ساتھ وابستگی سے کوئی جماعت دین سے وابستہ رہ سکتی ہے۔ جہاں اس مرکزِ ثقل سے وابستگی میں ضعف آیا اور کمزوری واقع ہوئی وہیں ساری دینداری غارت ہو کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ اس کے بعد خالص توحید کا دین کھلے شرک کا کاروبار بن کر رہ گیا۔ جس کی ایک کھلی اور واضح مثال ہمارے سامنے مسیحیت محرّفہ کی شکل میں موجود ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نے جس دینِ توحید کو دنیا کے سامنے پیش فرمایا تھا اسی کو ان لوگوں نے نرا دینِ شرک بنا دیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

٧ شکر گزاری کی مؤثر اور بلیغ انداز میں تعلیم و تلقین:۔ کہ تم لوگ بھی اپنے جدِّ امجد حضرتِ نوح علیہ السلام کی طرح شکر گزار رہو اپنے رب کے کہ دل و جان سے یہ تسلیم کرو کہ ہر طرح کی نعمتیں بخشنے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ دل میں بھی اسی کا

احساس ویقین رکھو اور زبان سے بھی اسی کا اقرار و اعتراف کرو کہ سب کچھ اُسی کا اور صرف اسی کا دیا ہوا ہے۔ اور اسکے دئے کو اسی کے حکم وارشاد کے مطابق اور اسی کی رضاء، خوشنودی کی طلب وتلاش میں صرف وخرچ بھی کرو۔ اس طرح تم اپنے رب کا حق شکر بھی ادا کرسکو گے اور وہ تمام نعمتیں تمہارے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ بھی بن جائیں گی۔ سو شکرِ خداوندی دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اور اللہ پاک کی شکر گزاری عقیدۂ توحید کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ مشرف انسان جب اس دھوکے اور خبط میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کو جو کچھ ملا ہے اسکے بناوٹی خداؤں، من گھڑت معبودوں اور فرضی ووہمی سرکاروں سے ملا ہے تو وہ پھر خالق ومالکِ حقیقی کا شکر کیسے اور کیونکر ادا کرے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۸ حضرتِ نوح علیہ السلام کی صفتِ شکر کی تعریف وتوصیف:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "بلاشبہ وہ یعنی نوح بڑا ہی شکر گذار بندہ تھا"۔ کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا رہتا تھا۔ سو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شکرِ نعمت کے سبب ہی ان حضرات کو نجات ملی۔ (محاسن، فتح اور صفوۃ وغیرہ)۔ اور امام بیہقی اور حاکم رحمہما اللہ وغیرہ نے حضرتِ سلمان فارسیؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرتِ نوحؑ جب کوئی کپڑا پہنتے یا کھانا کھاتے تو اللہ پاک کا شکر بجالاتے۔ اس لئے ان کو "عبد الشکور" "بڑا شکر گذار بندہ" کے وصف سے نوازا گیا۔ (ابن کثیر، فتح القدیر اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بہر کیف اس میں حضرتِ نوح کی صفتِ شکر کی تعریف وتوصیف فرمائی گئی ہے اور اسی میں آپ کی ذریت اور آپ کے پیروکاروں کے لئے درسِ شکر کی تعلیم وتلقین بھی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۹ بنی اسرائیل کو ان کے ہولناک انجام سے آگہی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے بنی اسرائیل کو آگاہ کر دیا تھا اپنے فیصلے سے اس کتاب میں"۔ یعنی تورات میں۔ جس کو ان کے پیغمبر کے واسطے سے ان کی طرف نازل کر دیا گیا تھا۔ (ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان۔ فتح القدیر اور مراغی وغیرہ)۔ اور بعض نے کہا کہ اس کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ (محاسن التاویل، فتح القدیر وغیرہ)۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس فیصلے سے اپنی کتاب میں آگاہ کر دیا تھا تاکہ عبرت پکڑنے والے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ اللہ کی بغاوت وسرکشی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ پر اس دنیا میں بھی عذاب آتا ہے۔ اور اس طرح آتا ہے کہ دوسروں کو ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو خداوندِ قدوس کی توحید سے انحراف اور اسکی شریعت سے بغاوت ہولناک ہلاکت وتباہی اور عبرت ناک سزا کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۰ بنی اسرائیل کے دومرتبہ فساد پھیلانے کا ذکر وبیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم دومرتبہ فساد مچاؤ گے زمین میں" اپنے خالق ومالک کے اَحکام کو توڑ کر اور اس کی نازل کردہ تعلیماتِ مقدسہ کی خلاف ورزی اور بغاوت کا ارتکاب کرکے۔ (فتح القدیر، مراغی وغیرہ)۔ سو اللہ تعالیٰ کے اَحکام واَوامر کی خلاف ورزی اور ان سے سرتابی وسرکشی فساد ہے۔ خواہ کوئی اصلاح اور بہتری کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتا ہو۔ افسوس کہ آج امتِ مسلمہ کا ایک بڑا حصہ اسی فتنہ وفساد میں مبتلا اور اسی مرض کا شکار ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہر کیف بنی اسرائیل کو خبردار اور آگاہ کر دیا گیا تھا کہ وہ زمین میں دومرتبہ فساد پھیلائیں گے اور اس کے نتیجے میں سخت سزا بھگتیں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿۴﴾ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ

سرکشی ول۱ پھر جب ان دونوں میں سے پہلا موقع آپہنچے گا تو ہم تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیں گے جو بڑے سخت

عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ

جنگجو ہوں گے پھر وہ گھس (گھس) جائیں گے تمہارے گھروں میں، یہ (اللہ کا) ایک وعدہ ہے جس نے بہر حال پورا

وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ

ہو کر رہنا ہے ول۲ پھر (اس کے بعد تمہاری ندامت و توبہ پر) ہم تمہیں دوبارہ غلبہ عطا کر دیں گے ان پر، اور تمہاری مدد

۱۱ بنی اسرائیل کی بڑی سرکشی کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور تم بڑی سرکشی کا ارتکاب کرو گے"۔ حدود بندگی سے نکل کر۔ اور دوسروں پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کر کے۔ کیونکہ بندے کا کام اور اس کا مقام یہ ہے کہ وہ ان حدود کے اندر رہے جو اسکے خالق و مالک نے اس کیلئے مقرر فرمائی ہیں۔ اور ان حدود کو توڑنا اور ان سے نکل جانا طغیان و سرکشی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۔ سو یاد رکھو کہ تم دو مرتبہ اللہ کی زمین میں فتنہ و فساد مچاؤ گے اور بغاوت و سرکشی کا ارتکاب کرو گے۔ اور تم کو اس کا بھگتان بھگتنا ہوگا۔ اور جس طرح تمہاری یہ بغاوت و سرکشی سخت ہوگی اسی طرح اس کا نتیجہ و انجام بھی بڑا ہولناک ہوگا۔ سو تم کو پیشگی خبردار کر دیا گیا تا کہ جس نے بچنا ہو بچ جائے اور جس نے عبرت پکڑنی ہو وہ عبرت پکڑے۔ اور جو اس کے باوجود آنکھ نہ کھولے اور کوئی درسِ عبرت نہ لے اس کو اپنے آخری اور ہولناک انجام کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ

۱۲ اللہ کا وعدہ اٹل اور قطعی، سبحانہٗ وتعالیٰ:- سو اللہ کے وعدے نے بہر حال پورا ہو کر رہنا ہوتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور یہ ایسا وعدہ ہے جس نے بہر حال پورا ہو کر رہنا ہے۔ کیونکہ یہ وعدہ اَصْدَقُ الْقَائِلِيْن حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے تھا۔ اور اس کا ہر وعدہ بہر حال سچا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔ بابل کے بادشاہ بخت نصر نے چڑھائی کر کے ستر ہزار یہود کو تہِ تیغ کر دیا۔ ہزاروں قیدی بنا کر وہ اپنے ملک لے گیا۔ انکے اموال اُس نے لوٹ لیے۔ تورات جلا دی اور بیت المقدس کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہاں تک کہ تورات کا اصل نسخہ بھی ناپید ہو گیا (ابن کثیر، فتح القدیر، محاسن التاویل اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کے احکام سے بغاوت و سرکشی کی سزا آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی ملتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۔ سو ان دونوں میں سے پہلے وعدے کی تصویر پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان دونوں میں سے پہلے وعدے کا وقت آجائے گا تو ہم تم پر اپنے ایسے زور آور بندوں کو مسلط کر دیں گے جو تمہارے گھروں کے اندر گھس جائیں گے اور تمہاری عزت و ناموس ہر چیز کو تاراج کر کے رکھ دیں گے اور دشمن کا گھروں میں اس طرح گھس جانا انتہائی توہین و تذلیل کی تصویر ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۔

وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا ﴿۶﴾

کریں گے طرح طرح کے مالوں اور بیٹوں (کی کثرت) سے، اور بڑھا دیں گے ہم تمہاری (تعداد اور) نفری کو ۱۳

۱۳ بنی اسرائیل کیلئے دوبارہ غلبہ وعطاء کا وعدہ:- سوارشاد فرمایا گیا پھر ہم تمہیں دوبارہ غلبہ عطاء کریں گے اور جان و مال سے تمہاری مدد کریں گے جبکہ تم لوگ اپنی اصلاح اور درستی کی طرف متوجہ ہوؤ گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اس لٹی پٹی، اجڑی بکھری اور تہس نہس شدہ قوم کو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ شاملہ سے پھر اٹھایا۔ یہاں تک کہ یہ پھر اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی اور بابلیوں سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کے قابل ہوگئی۔ ان سے لڑ کر انہوں نے اپنے قیدیوں کو چھڑا لیا۔ اپنے لوٹے ہوئے مال ان سے واپس لے لئے اور ان کے مال واولاد میں خوب ترقی ہوئی۔ (المراغی، الفتح وغیرہ)۔ واضح رہے کہ یہ ذلیل اور ظالم قوم تاریخ میں ہمیشہ لٹتی پٹتی اور پستی رہی یہاں تک ہماری اسی صدی کے اواسط میں ہٹلر نے ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور اس کو ان یہودِ بے بہبود سے اتنی نفرت تھی کہ اس کا کہنا تھا کہ یہ جونکیں ہیں جنہوں نے میری قوم کا خون چوسا ہے۔ لہذا ان کو مار کر میرے ملک کی اس دھرتی میں اس طرح گاڑ دو اور ان کو اس ملک کی مٹی میں دفن کر کے اس طرح ملا دو کہ ان کا چوسا ہوا وہ خون واپس اس دھرتی اور اس مٹی میں مل جائے۔ چنانچہ اس نے انکو مارنے اور مٹانے کیلئے ایسی خصوصی مشینیں لگائیں اور (Special Plants) تیار کئے کہ ان میں ان کو ایک طرف سے ڈالا جاتا اور دوسری طرف سے ان کے وجود پس کر سیال مادے کی شکل میں بہہ نکلتے۔ اور اس طرح اُس نے ان کو چن چن کر مارا اور چھ ملین (ساٹھ لاکھ) کا اس نے صفایا کر دیا۔ جس پر یہ لوگ آج تک کوس رہے ہیں۔ اور ان دنوں میں بھی راقمِ آثم یہ سطور تحریر کر رہا ہے جرمنی کے ان یہودیوں کی دولت اور انکے اثاثوں کے بارے میں اخبارات وغیرہ میں کافی شور غوغا چل رہا ہے جب کہ مرے ہوئے پچاس سال سے بھی اوپر ہو رہے ہیں۔ اور یہ اس قوم کیلئے اللہ کا عذاب ہے جو کہ ہمیشہ ان پر مسلط رہا اور رہے گا۔ اور جس سے انکو خبردار بھی کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ اعراف میں اس بارے میں اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے۔ ﴿وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبۡعَثَنَّ عَلَيۡهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ﴾ ۔الآیۃ (اعراف:۱۶۷)۔ ''اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب تمہارے رب نے اعلان فرما دیا تھا کہ وہ ضرور بالضرور مسلط رکھے گا اُن پر قیامت تک کسی نہ کسی ایسے شخص کو جو ان کو سخت (اور بُرا) عذاب چکھاتا رہے گا''۔ اس لئے یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیتِ کریمہ میں اس قوم کی جن دو سرکشیوں اور ان پر ملنے والے جن دو عذابوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ان سے کون سے دو فساد اور کونسے دو عذاب مراد ہیں؟ سو اس کے جواب میں اس قوم کی عبرتناک تاریخ کے حوالے سے حضراتِ مفسرینِ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ ہم نے ان میں سے زیادہ مشہور قول کو لیا ہے کہ پہلے عذاب سے مراد بخت نصر والا عذاب ہے جو ان کو مجوسِ فارس کے ذریعے دیا گیا۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ باقی تفصیلات انشاء اللہ اپنی مفصل تفسیر میں عرض کریں گے اگر قدرت کو منظور ہوا اور اس کا موقع ملا۔ وَاللّٰہُ الۡمُوَفِّقُ لِکُلِّ خَیۡرٍ وَّ ھُوَ الۡمُسۡتَعَانُ لِکُلِّ عَسِیۡرٍ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ فَعَلَیۡہِ نَتَوَکَّل وبِہٖ نَسۡتَعِیۡن، سبحانہ و تعالٰی۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا

(سو) اگر تم نے اچھا کیا تو اپنے ہی لئے کرو گے ۱۴ اور اگر تم نے برائی کی تو اس کا وبال بھی خود تم ہی لوگوں پر ہوگا، پھر جب

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا

دوسرے وعدے کا وقت آئے گا (تو ہم تم پر دوبارہ اپنے ایسے بندے مسلط کر دیں گے) تا کہ وہ حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں

الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا

تمہارے چہروں کا، اور تا کہ وہ داخل ہو جائیں مسجد میں، جیسا کہ وہ اس میں داخل ہو گئے تھے پہلی مرتبہ، اور تا کہ وہ تہس

۱۴ انسان کی اچھائی اس کے خود اپنے ہی لئے: - سو اس اصولی کلیے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ "اگر تم نے اچھا کیا تو اپنے ہی لیے کرو گے"۔ کہ اس کا فائدہ اور صلہ وثمرہ خود تم ہی کو پہنچے گا نہ کہ حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ کو کہ وہ اس طرح کے ہر تصور سے پاک اور بے نیاز ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اگر تم نے اپنے رب کی اطاعت کا راستہ اپنایا، اسکے اوامر و ارشادات کی اِطاعت و اِتباع کی اور اس کے نواہی و مناہی سے بچتے رہے تو اس سے تمہیں اس دنیا میں عزت و غلبہ اور خیر و برکت نصیب ہوگی۔ تمہارا رب تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت فرمائے گا اور آخرت مین اسکی بناء پر تمہیں ان عظیم الشان جنتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی جن کے نیچے سے طرح طرح کی عظیم الشان نہریں بہہ رہی ہونگی۔ اور تم لوگ اللہ کی رضاء وخوشنودی کے شرف سے مشرف ہوگے جو کہ سب سے بڑی روحانی اور معنوی نعمت ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾۔ (التوبہ:۷۲) اور اسکے برعکس اگر تم نے برائی کا راستہ اپنایا تو اس کا وبال بھی خود تم ہی کو بھگتنا ہوگا۔ دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب کی صورت میں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اس اصولی ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ انسان کی اچھائی اور بھلائی خود اس کے اپنے لیے ہے۔ اور اسکی برائی کا وبال بھی خود اسی پر پڑے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آج مسلمانوں کا جو حال ہے اور پوری دنیا میں ان کو جس ذلت و ادبار کا سامنا ہے اور جن ہولناک اور لرزہ خیز مظالم کا ان کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اس کے بھی بڑی حد تک ذمہ دار یہ مسلمان خود ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی، کتنے ہی صاف وصریح احکام کی، علی الاعلان مخالفت کر رہے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کتنے ہی نام نہاد مسلمان اور خاص کر حکمران طبقے کے لوگ ایسے ہیں جو کہ حق گو علمائے کرام کو حق گوئی سے روکتے ہیں۔ ان کی زبان بندی کیلئے طرح طرح کے ظالمانہ کالے قوانین بناتے اور ان پر نت نئی پابندیاں لگاتے ہیں۔ ﴿فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ اللّٰهم اٰجُرْنَا فی ما اصابنا من المصائب و اخلف لنا خیرا منها. انتَ المستعان ، علیک التُّکلان، فی کل حینٍ وَّ اٰن۔

تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ

تہس نہس کر کے رکھ دیں، ہر اس چیز کو جس پر ان کا قابو چلے (اور ہاتھ پڑے ۱۵) ہو سکتا ہے تمہارا رب تم پر رحم فرما دے ۱۶ اور

۱۵ بنی اسرائیل کی دوسری سرکشی اور عذاب کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "پھر دوسری مرتبہ کے عذاب کا وقت آیا تو ہم نے تم پر دوسرے لوگ مسلط کر دیئے تا کہ وہ حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں تمہارے چہروں کا"۔ چنانچہ اس مرتبہ مجوسِ فارس نے ان پر چڑھائی کی اور انکو تہس نہس کر ڈالا (بیضاوی، مراغی، صفوۃ وغیرہ)۔ اور انہوں نے انکی سب تعمیر و ترقی کو خاک میں ملا دیا ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔سو ایک طویل عرصے کی غلامی اور تذلیل و تحقیر کے بعد تم لوگوں کو جس نجات اور از سرِ نو بحالی کی نعمت سے سرفراز کیا گیا اس میں یہ درس مضمر تھا کہ اگر تم بھلائی کی روش اختیار کرو گے تو خود تمہارا اپنا بھلا ہے۔ اور اسکے برعکس اگر تم لوگوں نے حسبِ سابق پھر سرکشی سے کام لیا تو ان کا انجام بھی تم کو پہلے کی طرح بھگتنا پڑے گا اور تمہیں اس سے تمہاری سرکوبی کیلئے اپنے دوسرے زور آور بندے تم پر مسلط کر دیے تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ کر رکھ دیں۔ اور تا کہ یہ بھی مسجد میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح کہ پہلے والے گھس گئے تھے۔ اور تا کہ یہ ہر اس چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیں جن پر ان کا زور چلے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین۔

۱۶ بنی اسرائیل سے آئندہ کیلئے رحمت کا وعدہ اور انکو حق کی دعوت:۔ ہو سکتا ہے تمہارا رب رحم فرما دے تم لوگوں پر اگر تم نے اپنی اصلاح کر لی اور اپنی روش کو درست رکھا تو" ﴿عَسٰى﴾ کا لفظ یہاں پر وعدہ و یقین کے معنیٰ میں ہے کہ یہ شاہانہ کلام کا ایک خاص اسلوب و انداز ہوتا ہے کہ وہاں پر وعدہ و یقین کو عام طور پر "عسیٰ" اور "لعل" جیسے الفاظ امید و ترجی سے ہی ادا کیا جاتا ہے۔ (کبیر، صفوۃ وغیرہ)۔ اور یہاں تو یہ بادشاہِ حقیقی اور احکم الحاکمین کے کلامِ صدق ترجمان میں ذکر ہوا ہے۔ تو پھر اسکے کہنے ہی کیا۔ سو اس میں بگڑے بھٹکے لوگوں کیلئے امید و رحمت کا پیغام ہے کہ تم لوگ اپنی اصلاح کر لو تو رحمتِ حق تم کو اب بھی اپنی آغوش میں لے لینے کو تیار ہے کہ اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کا کام اور اس کی شان ہی کرم کرنا اور رحمت فرمانا ہے۔ پس بندے کو ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کی طرف جھکے رہنا چاہیے۔ و باللہ التوفیق۔ بہر کیف یہ خطاب ان یہود سے ہے جو کہ ان آیاتِ کریمات کے نزول کے وقت موجود تھے اور وہ حق کا ساتھ دینے کی بجائے کفارِ قریش کے ہمنوا و پشت پناہ بنے ہوئے تھے۔ سو ان سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا وہ تم لوگوں کو سنا دیا گیا ہے۔ اب آئندہ کیلئے اگر تم لوگ اپنی خیریت چاہتے ہو تو نبی اُمّی کی دعوت پر لبیک کہو جس کے ذریعے اب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور ساری دنیا کیلئے نجات و سعادت اور دارین کی فوز و فلاح سے سرفرازی کی راہ کھولی ہے۔ سو تم لوگوں نے اگر توبہ اور اصلاح کی اس راہ کو اپنایا تو تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے سرفرازی نصیب ہو گی۔ ورنہ محروم کے محروم رہو گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ ۔

وقف لازم

عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِينَ حَصِيرًا ⑧ إِنَّ هٰذَا

اگر تم نے پھر وہی کچھ کیا (جو اس سے پہلے کیا تھا) تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے (جس کے تم مستحق ہو گے ف۱۷) اور ہم نے بنا

الْقُرْاٰنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

رکھا ہے جہنم کو کافروں کے لئے ایک بڑا ہی ہولناک قید خانہ ف۱۸ بے شک یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے اس راستے کی جو سب

الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ⑨

سے زیادہ سیدھا ہے ف۱۹ اور یہ خوشخبری سناتا ہے ان ایمانداروں کو جو نیک کام کرتے ہیں ف۲۰ کہ ان کے لئے ایک بڑا ہی عظیم

وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْاٰخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا

الشان اجر (وثواب) ہے ف۲۱ اور یہ کہ بے شک جو لوگ ایمان نہیں رکھتے آخرت پر، ان کے لئے ہم نے ایک بڑا ہی

۱۷ قانون مکافات کی تذکیر و یاد دہانی:- ارشاد فرمایا گیا کہ ''اگر تم نے پھر وہی کچھ کیا تو ہم بھی وہی کریں گے جس کے تم مستحق ہو گے''۔ پس تم لوگ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کہ قانونِ مکافات اور جزاء عمل کا تقاضا یہی ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اور ہمارا یہ قانون عام، بے لاگ اور سب کے لئے یکساں ہے۔ سو اگر تم نے بغاوت و سرکشی کی راہ کو اپنایا، میرے احکام و اوامر کی خلاف ورزی کی اور میرے رسولوں کے قتل جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا تو پھر ہم بھی تم کو قتل، قید اور ذلت وخواری کے گزشتہ عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ چنانچہ یہود نے ایسا ہی کیا۔ نبی آخر الزماں ﷺ کو جھٹلایا اور انکے قتل کی سازش کی۔ تو اللہ نے بھی اپنے قانونِ مکافات کے مطابق ان کو اسی عذاب میں پکڑا جس کے یہ مستحق تھے۔ بنو قریظہ کو قتل کر دیا گیا۔ بنو قینقاع اور بنو نظیر کو جلاوطن۔ اور دوسروں پر جزیہ عائد کیا گیا۔ بہرکیف ان کو خبردار کیا گیا کہ اگر تم نے اسی طرح کی حرکتیں کیں جیسے پہلے کرتے آئے تو ہم وہی کچھ کریں گے جو پہلوں کے ساتھ کیا گیا۔ کہ یہی تقاضا ہے قانونِ مکافات۔ والعیاذ باللہ۔

۱۸ کافروں کیلئے دوزخ کا انتہائی ہولناک قید خانہ:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور کافروں کیلئے ہم نے ایک بڑا ہی ہولناک قید خانہ تیار کر رکھا ہے''۔ اتنا بڑا اور اس قدر ہولناک کہ اس دنیا میں اس کا احاطہ و ادراک اور اس کا تصور کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ۔ پس جو لوگ اپنے کفر و باطل سے باز نہ آئے اور کفر ہی پر انہوں نے جان دے دی تو ان کو لازماً اس میں داخل ہونا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ۔ سو منکرین و مکذبین اور دشمنانِ حق و دین کو اس دنیا میں جس ذلت و رسوائی اور عذاب و نکال سے دوچار ہونا پڑتا ہے اسی پر بات ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ یہ تو ان کے عذاب کی ایک معمولی سی قسط ہے۔ اصل عذاب تو ایسے بدبختوں کو آخرت کے اس ''دارالجزاء'' ہی میں ہوگا اور وہاں ان کیلئے دوزخ کا وہ ہولناک قید خانہ

تیار ہے جس کا اس جہاں میں تصور کرنا بھی کسی کیلئے ممکن نہیں۔ اور جس سے پھر نکلنے کی کوئی صورت بھی ایسے بدبختوں کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ سو ان کے کفر و انکار کا اصل اور پورا بدلہ ان کو وہیں ملے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۹ قرآن کی راہنمائی سب سے زیادہ سیدھے راستے کی طرف:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک یہ قرآن اس راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا اور ہر لحاظ سے درست راستہ ہے۔ جس میں نہ کوئی کجی ہے نہ غموض۔ اور جو عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق اور دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح کا کفیل و ضامن ہے۔ اور جو عبارت ہے اس دینِ قیم اور ملتِ حنیفیہ سے۔ اور جو مقتضیٰ ہے عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا اور جو مفاد ہے قرآن و سنت کی تعلیماتِ مقدسہ کا۔ اور جس کا حاصل و نچوڑ اور خلاصہ ہے انابت و رجوع الی اللہ۔ اور یہ اعتقاد کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور ہر قسم کی عبادت اُسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو "اقوم" کے معنیٰ ہیں سیدھا اور مستقیم۔ یعنی وہ راستہ جو ٹھیک فطرتِ مستقیم اور عقلِ سلیم کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اور جو سیدھا خدا تک پہنچنے اور پہنچانے والا ہے۔ اس کے سوا باقی سب راستے ٹیڑھے، والعیاذ باللہ۔

۲۰ قرآن حکیم سے حقیقی استفادہ و فیضیابی کیلئے اولین شرط ایمانِ صادق:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور یہ خوشخبری سناتا ہے ان ایمانداروں کو جو نیک عمل کرتے ہیں"۔ اللہ اور اس کے رسول کی تعلیماتِ مقدسہ اور ارشاداتِ عالیہ کے مطابق۔ سو معلوم ہوا کہ قرآن پاک سے مستفید ہونیکی پہلی اور بنیادی شرط اس پر سچا پکا ایمان رکھنا ہے۔ ور دوسری شرط اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا۔ جتنی ان دونوں باتوں میں پختگی ہوگی اتنا ہی یہ نوازے گا اور نوازتا چلا جائے گا۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِیْقَ وَکَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔ پس انسان کی اصل قدر و قیمت اور اس کا شرف و مرتبہ اسکے ایمان و یقین اور عمل و کردار سے ہے اور بس۔ نہ کہ رنگ و نسل اور حسب و نسب وغیرہ جیسے دوسرے کسی عامل پر۔ سو اس ارشادِ ربانی میں ایک طرف اہلِ ایمان کے لئے خوشخبری اور ان کی عظمتِ شان کا بیان ہے اور دوسری طرف اس میں تمام منکرین اور اہلِ کفر و باطل کو دعوتِ ایمان ہے کہ اگر تم لوگ راہِ حق پر چلنا اور اپنے رب سے ملنا اور اس تک پہنچنا چاہتے ہو تو صدق دل سے اس کتابِ حکیم پر ایمان لے آؤ۔ ورنہ تمہارے لیے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال، وسُوْءٍ وَّ انحراف۔

۲۱ اہلِ ایمان کیلئے اجرِ کبیر کا مژدۂ جانفزا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان کیلئے ایک بڑا ہی عظیم الشان اجر و ثواب ہے"۔ اتنا بڑا اور اس قدر عظیم الشان کہ اسکی عظمت و سعت دارین کو محیط ہے کہ ایسے لوگ دنیا میں حیاتِ طیبہ "پاکیزہ زندگی" اور سچی ناموری کی دولت سے بہرہ ور ہوں گے۔ اور آخرت میں جنت کی نعیمِ مقیم سے سرفراز۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَ کَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ اور وہاں ان کیلئے وہ کچھ ہوگا جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ ہی کسی دل پر اس کا گزر ہی ہوا ہوگا۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ سو جو لوگ اس اجرِ کبیر اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و فیضاب ہونا چاہتے ہوں وہ صدق دل سے قرآنِ حکیم پر ایمان لا کر اسکی دروس و تعلیمات کو اپنائیں۔ کہ یہی راستہ ہے صحت و سلامتی کا۔ وباللہ التوفیق۔

اَلِیۡمًا ﴿۱۰﴾ ع وَیَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَہٗ بِالۡخَیۡرِ ؕ وَ ع ۱۰

(ہولناک اور) دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۲۲ اور انسان برائی اس طرح مانگتا ہے ۲۳ جس طرح کہ اسے بھلائی مانگنی چاہیئے،

۲۲ ایمان سے محروم لوگوں کیلئے بڑا دردناک عذاب، والعیاذ باللہ:- سو اس سے ایمان سے محروم لوگوں کے بڑی ہی دردناک عذاب کی تصریح فرما دی گئی، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ''اور یہ کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کیلئے ہم نے بڑا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''۔ اتنا بڑا اور اس قدر ہولناک کہ نہ تو یہاں اس کا ادراک کسی کے بس میں ہے اور نہ ہی الفاظ وتعبیرات سے اس کا احاطہ ممکن ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور یہ طبعی نتیجہ اور لازمی اثر ہوگا ایسے لوگوں نے اپنے ظاہر وباطن کو ملوث کر رکھا تھا۔ اور یہ زندگی بھر نور حق وہدایت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے تھے۔ جس کے باعث وہ کفر و باطل کی اس ہولناک میل میں لتھڑے ہوئے ہی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور کل قیامت کے اس عالم مشاہدہ میں کفر و باطل کی ان کی یہی معنوی اور غیر مرئی میل ان کے جسموں پر تارکول بن کر پھیل جائے گی۔ جس کو دوزخ کی وہ ہولناک آگ لپک کر پکڑلے گی اور ان کے چہروں تک پر چھا جائے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو صاف اور صریح طور پر اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ﴿سَرَابِیۡلُهُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ وَّ تَغۡشٰی وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ﴾۔ (ابراہیم:۵۰)۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور اس میں بھی اہل ایمان کیلئے بالواسطہ طور پر مسرت وشادمانی کا سامان ہے کہ انکے دشمن اس طرح کے ہولناک عذاب میں مبتلا ہونگے کہ دشمن کی مصیبت سے مسرت ایک طبعی چیز ہے۔ والعیاذ باللہ جَلَّ وعَلا۔

۲۳ ہدایت سے محروم انسان کی مَت ماری کا ایک نمونہ:- کہ وہ اپنے لیے بھلائی کی بجائے برائی مانگتا ہے۔ سو فرمایا گیا اور انسان بُرائی بھی اسی طرح مانگتا ہے جس طرح کہ اس کو بھلائی مانگنی چاہیے۔ یہاں تک کہ وہ بعض اوقات خود اپنے لئے یا اپنی اولاد وغیرہ کیلئے موت اور تباہی وغیرہ کی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ (ابن کثیر، قرطبی، مراغی وغیرہ)۔ اسی لئے نبی رحمت نے ایسی دعاؤں سے منع فرمایا ہے کہ ایسی کوئی بددعا مت کرو کہ ہوسکتا ہے کہ وہ گھڑی قبولیت کی گھڑی ہو اور تمہاری دعاء قبول ہوجائے تو پھر تم مارے جاؤ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ نیز یہ ناشکرا انسان اس کتاب کے نازل ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے لئے رحمت کا سوال کرتا اور اپنے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرتا، یہ اُلٹا اپنے لئے عذاب مانگتا ہے۔ جیسا کہ نضر بن الحارث وغیرہ نے کہا تھا۔ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ﴾۔ (الانفال:۳۲) یعنی ''اے اللہ اگر یہ قرآن حق اور سچ ہے اور تیری طرف سے ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسادے یا اور کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ سو یہ نور ہدایت سے محروم انسان کی مت ماری کا ایک نمونہ و مظہر ہے جو دلیل ہے ایسے انسان کے بدبخت، کوڑھ مغز اور تنگ ظرف ہونے کی۔ اور اس طرح وہ مصدر خیر اور منبع برکات سے مستفید ہونے کی بجائے اپنے لئے دعاء اور ایسی ہولناک دعاء مانگتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال۔

كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ

اور انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے ۲۴ اور ہم نے بنایا رات اور دن کو (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے) دو عظیم الشان

فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً

نشانیاں، ۲۵ پھر رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا (اور مدہم) ۲۶ رکھا، اور دن کی نشانی کو روشن بنا دیا ۲۷

۲۴ **انسان کی طبعی جلد بازی کا ذکر و بیان:-** سو ارشاد فرمایا گیا "اور انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے" سو اس ارشاد سے انسان کی ایک اہم اور بنیادی نفسیاتی کیفیت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔ اور اسی بناء پر وہ بسا اوقات حق اور ہدایت اور خیرِ کثیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس سے وہی لوگ محفوظ رہتے ہیں جو ایمان و عقیدہ کی پکی اور سچی دولت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ سو یہ انسان کی بدبختی کا ایک اور مظہر ہے کہ قرآنِ حکیم اس کو اس راستے کی راہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ صحیح، درست اور سیدھا راستہ ہے۔ اور جو اس کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا کفیل و ضامن ہے۔ لیکن یہ جلد باز انسان اسی کی بناء پر اور اسی کو سامنے رکھ کر اپنے لئے ہلاکت اور تباہی مانگتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ جیسا کہ سورۂ انفال کی آیت نمبر ۳۲ میں ایسے لوگوں کے اس طرزِ عمل کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو اس ارشادِ ربانی میں انسان کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن اس سے مراد وہی انسان ہے جو ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ایسا محروم انسان قرآنِ حکیم کی نعمتِ بے مثال سے روشنی حاصل کرنے اور حیاتِ دنیا کی اس محدود و مختصر مہلت کو سنوارنے اور اسکی اصلاح کی کوشش کرنیکی بجائے اپنے لئے ہلاکت اور عذاب کا مطالبہ کرتا ہے۔ سو اس سے بڑی حماقت اور محرومی اور کیا ہوسکتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۵ **رات و دن کی دو عظیم نشانیوں میں سامانِ عبرت و بصیرت:-** سو ارشاد فرمایا گیا "اور رات اور دن کو ہم نے دو عظیم الشان نشانیاں بنایا" اپنی قدرت و عنایت اور رحمت و حکمت کی۔ سو ذرا دیکھو تو سہی کہ ہماری قدرت کے یہ دونوں مظہر تمہارے لئے کتنے کتنے عظیم الشان فوائد و مصالح اپنے پہلو میں لئے ہوئے کس قدر باقاعدگی و باریکی اور کتنی عمدگی و پابندی سے آتے جاتے اور دنیا کو طرح طرح سے فیضیاب کرتے ہیں؟ پس کیا کہنے اس وحدہٗ لاشریک کی اس بے پایاں قدرت اور بے نہایت رحمت اور حکمت کے کہ اس نے ہماری طرف سے کسی اپیل اور درخواست کے بغیر محض اپنی رحمت و عنایت سے ادلتے بدلتے شب و روز کے اس حیرت انگیز سلسلے کو ہمارے کام میں لگا دیا۔ فَسُبْحَانَهٗ مِنْ اِلٰهٍ قَادِرٍ قَيُّوْمٍ رَّؤُفٍ رَّحِيْمٍ۔ مگر یہ انسان کی غفلت اور اسکی محرومی ہے کہ وہ قدرت کے ان عظیم الشان مظاہر اور رحمتوں بھرے نظام میں غور و فکر سے کام نہیں لیتا۔ وہ عقل و فکر سے محروم جانوروں کی طرح ان سے فائدے تو پوری طرح اٹھاتا ہے اور لگاتار و مسلسل اٹھاتا ہے لیکن اس بارے کبھی غور و فکر نہیں کرتا کہ یہ ایسا پُر حکمت نظام بنایا کس نے؟ اور اسکو اس باقاعدگی سے چلاتا کون ہے؟۔ اس کی اس رحمت و عنایت کا تقاضا اور حکیم و مہربان کا ہم پر حق کیا ہے؟ اور اسکے اس حق کی ادائیگی کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟ سو

یہی وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے جواب پر انسانی زندگی کے بناؤ بگاڑ کا سلسلہ موقوف ہے۔ اور ان سوالوں کا صحیح جواب قرآنِ حکیم کی اس کتابِ مقدس کے سوا اور کہیں سے ممکن نہیں۔ اور قرآن حکیم ایسے تمام سوالات کا ایسا صحیح جواب دیتا ہے جو سو فیصد حق و صدق اور عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اور جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرتا ہے۔ سو اس کے باوجود اس قرآنِ حکیم سے منہ موڑنا اور اس سے اِعراض و روگردانی برتنا کتنا بڑا ظلم اور کس قدر ہولناک محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔

۲۶ رات کی نشانی میں رحمتِ خداوندی کا ایک اور خاص پہلو: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا (اور مدھم) رکھا''۔ تاکہ اس میں اس کے بندے آرام و راحت سے پوری طرح بہرہ مند و فیضیاب ہو سکیں۔ اور دن بھر کی محنت و مشقت کی بناء پر انکی تحلیل اور ضائع شدہ انرجی پھر سے بحال ہو سکے۔ اور پھر تازہ دم ہو کر اٹھیں اور اندھیری رات کو ہم نے ایک ایسا عظیم الشان اور بے مثال لباس بنایا ہے کہ اسکی سیاہ چادر اپنے وقت پر سب دنیا پر تن جاتی ہے جس سے تمہارے طرح طرح کے مفادات وابستہ ہیں اے لوگو۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا﴾۔ (النباء: ۱۰)۔ سو تم لوگ آخر سوچتے کیوں نہیں؟ اور اس بارے غور و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے کہ آخر یہ کس قادرِ مطلق اور حکیمِ مطلق کی قدرت و عنایت اور حکمت و رحمت کی کارستانی ہے کہ رات کے آنے پر تمہارے لیے سکون و راحت کا ایسا عظیم الشان بستر بچھا دیا جاتا ہے۔ اور اوپر سیاہ رات کی اس قدر وسیع و عریض اور بے مثال چادر اوڑھ دی جاتی ہے جس میں ساری مخلوق پر سکون نیند اور بے مثال آرام اور راحت سے سرشار و فیضیاب ہوتی ہے۔ سو وہی ہے اللہ خالقِ کل و مالکِ مطلق جس کی رحمتوں، عنایتوں اور قدرت و حکمت کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہاء۔ سو وہی ہے معبود برحق جو اس بات کا حقدار ہے کہ انسان اپنی گردن اسکے آگے ڈال دے اور اپنے ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اسی کا ہو کر رہے۔ وباللہ التوفیق لمایحب و یرضی وَعَلیٰ سَبِیْلِ الدَّوَامِ وَالاِسْتِمْرَار۔

۲۷ دن کی نشانی کا ایک خاص اور امتیازی پہلو: - سو ارشاد فرمایا گیا ''اور دن کی نشانی کو ہم نے آنکھیں کھولنے والا بنایا سب لوگوں کے لئے''۔ تاکہ اس میں وہ اپنی روزی تلاش کر سکیں اور دوسرے طرح طرح کے فوائد و منافع حاصل کر سکیں۔ اور اسی سے تمہارے دلوں کی آنکھیں بھی کھلیں۔ اور تم لوگ سوچو کہ آخر وہ کون ہے جو اندھیری رات کے بعد اس طرح ہمارے لیے یہ روشن دن لاتا ہے اور رات اور دن کے اس عظیم الشان سلسلہ کو جس سے ہمارے طرح طرح کے مفادات وابستہ ہیں اس قدر پابندی اور پُر حکمت طریقے سے چلاتا ہے؟ وہ کیسا قادرِ مطلق کس قدر حکیمِ مطلق، رحمٰن و رحیم اور فیاض و کریم ہے۔ اور کیا حق ہے اس کا ہم پر؟ اور اس کا یہ حق واجب ہم کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو عذاب اور اسکی نشانیاں مانگنے والے آخر رات و دن کی ان عظیم الشان نشانیوں میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اور ان سے درسِ عبرت و بصیرت کیوں نہیں لیتے جو پوری پابندی کے ساتھ آتی جاتی۔ انکے دامنِ فکر کو جھنجھوڑتی اور اپنی حکمتوں بھری آمد و رفت سے ان کو دعوتِ غور و فکر دیتی رہتی ہیں۔ تاکہ غفلت کے مارے یہ لوگ آنکھیں کھولیں۔ اپنے مقام کو پہچانیں اور قرآنِ حکیم کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق اس سبیلِ اَقوم اور صراطِ مستقیم کو اپنائیں جو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی واحد راہ ہے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ

تا کہ تم لوگ تلاش کر سکو اپنے رب کا فضل، و۲۸ اور تا کہ تم لوگ معلوم کر سکو سالوں کی گنتی اور

الْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾ وَكُلَّ

حساب، اور ہر چیز کو ہم نے بیان کر دیا پوری تفصیل سے، و۲۹ اور ہم نے

۲۸ روزی محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ روزی محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہاں پر روزی کو "فضل" کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جس کے اصل اور لغوی معنیٰ مہربانی کے آتے ہیں۔ سو اس میں اشارہ ہے اس بات کیطرف کہ روزی کے لئے تم لوگ کوشش اور محنت تو اپنی طرف سے کرو اور پوری پوری کرو لیکن یہ تم کو ملے گی بہر حال اسی واہبِ مطلق کی عنایت و مہربانی سے۔ اور اس نے اپنے کرمِ بے پایاں، رحمتِ بے نہایت اور عنایتِ بے غایت سے ہر ایک کی روزی خود مقرر فرما دی ہے۔ اور ایسی اور اس طور پر کہ انسان کو اس کا مقررہ حصہ بہر حال مل کر رہے گا۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق انسان کی مقررہ روزی اس کا اسی طرح پیچھا کرتی ہے جس طرح اسکی موت اسکا پیچھا کرتی ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ پس روزی کے بارے نہ تو کوئی مایوس اور نہ کوئی اس پر مست اور مغرور ہو جائے کہ یہ سب کچھ میری لیاقت اور قابلیت کا نتیجہ ہے نہیں بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کا نتیجہ اور اس کے فضل و کرم کا ثمرہ و احسان ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۲۹ سلسلۂ شب و روز کے ایک اور فائدہ کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور تا کہ تمہیں معلوم ہو سالوں کی گنتی اور حساب"۔ جس سے تمہارے طرح طرح کے معاملات اور مفادات وابستہ ہیں۔ سو ذرا سوچو کہ اگر روز و شب کی آمد و رفت کا یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو تم لوگ ہفتوں، مہینوں اور سالوں کی گنتی اور ان سے متعلق وہ حساب کتاب کس طرح معلوم کرتے جن سے تمہارے طرح طرح کے مصالح اور مفادات وابستہ ہیں؟ فرض کہ اگر ہمیشہ دن ہی دن ہوتا اور تمہیں رات اور اس کا وہ سکون میسر نہ ہوتا جس میں تم آرام کی اور گہری نیند سوتے ہو تو تم کیا کرتے؟ اور تمہارا کیا حال ہوتا؟ اور اگر اسکے برعکس ہمیشہ رات ہی رات اور اس کا اندھیرا ہی ہوتا اور تمہیں دن کا وہ اجالا میسر نہ آتا جس سے تم طرح طرح سے مستفید ہو رہے ہو تو پھر تمہارا کیا حال ہوتا؟ اور تمہاری زندگی کتنی مصیبتوں اور کس قدر مشکلات میں ڈوب جاتی۔ تو سوچو کہ آخر کون ہے وہ ذاتِ اقدس و اعلیٰ جس نے نہایت پُر حکمت طریقے سے تمہارے لئے شب و روز کا یہ سلسلہ قائم فرما دیا جو نہایت ہی پابندی اور باریکی کے ساتھ چل رہا ہے؟۔ ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾۔ سو اس سے تم لوگ خود اندازہ کر لو کہ کس قدر ظالم، بے انصاف اور ناشکرے ہیں وہ لوگ جو اپنے اس خالق و مالک کا احسان مان کر دل و جان سے اسکے آگے نہیں جھکتے۔ والعیاذُ باللهِ۔ فكُنِ اللّٰهُمَّ لَنَا وَاجْعَلْنَا لَكَ وَخُذْ بِنَوَاصِيْنَا اِلٰى مَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِىْ كُلِّ لَحْظَةٍ مِّنَ اللَّحْظَاتِ۔ يَا مَنْ هُوَ اَرْحَمُ بِنَا مِنَّا لِاَنْفُسِنَا۔ سو رات اور دن کی اس پُر حکمت اور نہایت ہی منظم آمد و رفت میں عظیم الشان دلائل ہیں غور و فکر سے کام لینے والوں کیلئے۔ و باللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ

مڑھ دیا ہر انسان کے شگون کو اس کے گلے میں، ف۳۰ اور نکال دکھائیں گے ہم اس کو

الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى

قیامت کے روز ایک ایسی کتاب (اس کے کئے کرائے کی،) جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا ف۳۱ (اور اس سے کہا جائے گا

۳۰ ہر انسان کا شگون خود اُس کے اپنے گلے میں:- سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ ہر انسان کا شگون خود اس کے اپنے گلے میں ہے۔ پس ہر انسان کی سعادت یا نحوست دراصل اس کے اپنے عمل و کردار ہی سے وابستہ ہے نہ کہ اس خارج سے۔ اور وہ گلے کے ہار کی طرح اس سے لٹکی اور چمٹی رہے گی۔ یہاں تک کہ اس کو اپنے آخری انجام تک پہنچادے گی۔ پس انسان کو اپنا شگون باہر سے دیکھنے اور تلاش کرنے کی بجائے خود اپنے عمل میں دیکھنا چاہیے۔ (ابن کثیر، صفوۃ التفاسیر، المراغی اور محاسن وغیرہ)۔ اور اپنی مصیبت و مشکل کا الزام دوسروں کو دینے اور ان کا ذمہ دار انکو ٹھہرانے کی بجائے خود اپنے اوپر نظر رکھنی چاہیے۔ اور اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ ''طائر'' کے اصل معنٰی پرندے کے ہیں لیکن یہاں پر اس سے مراد انسان کا شگون اور اس کا حظ اور نصیب ہے۔ کیونکہ عرب کے لوگ پرندوں سے فال لیتے اور اپنی قسمت کا حال معلوم کیا کرتے تھے۔ اور آج بھی دنیا میں اور خود ہمارے ملک اور معاشرے میں اس طرح کے لوگ موجود ہیں جو ایسے ہی بے بنیاد اوراوہام وخرافات میں مبتلا ہیں۔ سو ایسے لوگ کوے کے دائیں طرف اڑنے کو سعادت کی نشانی قرار دیتے ہیں اور بائیں طرف اڑنے کو نحوست کی نشانی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ وَسُوْءٍ وَّ انحراف۔

۳۱ قیامت کے روز ہر انسان کا اعمال نامہ اسکے سامنے:- سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ قیامت کے روز ہر اُنسان کو اسکا نامۂ اعمال کھلا ہوا دیا جائے گا۔ جس میں وہ اپنا زندگی بھر کا کیا کرایا سب کچھ موجود پائے گا۔ ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ.. وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾۔ سو اس میں نہ کوئی کمی ہوگی نہ بیشی۔ نہ کسی طرح کا ظلم نہ زیادتی۔ نہ کسی کی کوئی نیکی کم کی جائے گی اور نہ کسی پر کسی ناکردہ گناہ کا بوجھ ڈالا جائے گا۔ بلکہ اسکے انہی اعمال کا ریکارڈ اس کو پیش کردیا جائے گا جو وہ زندگی بھر خود کرتا رہا تھا۔ سو جو لوگ اپنے کفر و انکار اور اپنے مزعومہ شُرکاء و شُفعاء اور اپنی خود ساختہ اور فرضی و وہمی سرکاروں ہستیوں اور آستانوں وغیرہ کے اعتماد پر نچنت اور بے فکر بیٹھے ہوئے ہیں انہیں یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ یہ سب کچھ بے حقیقت اور بے بنیاد ہے۔ اصل چیز انسان کا اپنا عقیدہ و ایمان اور اس کا عمل و کردار ہے۔ اور اسی بناء پر ہم نے ہر انسان کا نصیبہ اور اس کا شگون اسکے گلے میں لٹکا رکھا ہے۔ اور اس نے زندگی بھر جو کچھ کیا کرایا ہوگا اس کو قیامت کے روز ایک کھلی کتاب کی شکل میں اسکے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿١٤﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

کہ لے) خود پڑھ لے تو اپنے نامہ اعمال کو، آج تو اپنا حساب لینے کے لئے خود کافی ہے ۳۲ (پس) جو کوئی سیدھی راہ پر چلا تو

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ

وہ اپنے ہی لئے چلا، ۳۳ اور جو کوئی بھٹک گیا تو اس کا نقصان بھی خود اسی کو اٹھانا ہوگا،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ

اور کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ۳۴ اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے

حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً

جب تک ہم نہ بھیج دیں کسی رسول کو، ۳۵ اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو (پہلے) وہاں کے خوشحال

اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

لوگوں کو (ایمان و اطاعت) کا حکم دیتے ہیں ۳۶ پھر جب وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تو ان پر حجت تمام ہو جاتی

۳۲ قیامت کے روز ہر کسی کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا:- سو اس روز اسکے ان مزعومہ اور من گھڑت حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں میں سے کوئی بھی اسکے کام نہ آسکے گا۔ اور اسے کہا جائے گا کہ لے اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے اور اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کو خود دیکھ لے۔ آج تو کافی ہے اپنا حساب لینے کیلئے۔ پس تم خود ہی فیصلہ کرلو کہ ان اعمال کا صلہ و بدلہ کیا ہونا چاہیے۔ اور ایسے شخص کا آخری ٹھکانا کہاں اور کیسا ہونا چاہیے؟ اللہ نے تو تمہارے اعمال کو اس میں درج کر کے تم پر حجت قائم کردی ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ اسکی کوئی نیکی درج ہونے سے رہ گئی ہے یا کوئی ناکردہ گناہ اسکے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔ سو اب ایسی کوئی شکایت کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ ہر انسان کے سامنے اسکی زندگی بھر کا کیا کرایا سارا ریکارڈ پیش کردیا جائے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ (القیامہ:۱۳)۔ یعنی ''اس دن انسان کو ان تمام کاموں کی خبر کردی جائے گی جو اس نے پہلے کیے اور جو اس نے پیچھے کیے ہونگے''۔ سو اس روز انسان کے فیصلے کا دار و مدار خود اسکے اپنے ایمان و عقیدہ اور عمل و کردار پر ہوگا۔ کسی اور کی دخل اندازی کی نہ کوئی گنجائش ہوگی نہ اجازت۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۳۳ سیدھی راہ کو اپنانے کا فائدہ خود انسان کے اپنے ہی لیے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جو کوئی سیدھی راہ پر چلا تو وہ اپنے ہی لیے چلا'' کہ اس کا فائدہ خود اسی کو پہنچے گا۔ اور اسکے نتیجے میں وہ خود کامیابی اور فائز المرامی سے سرشار ہوگا کہ اس

سے اس کو دنیا میں حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی کی سعادت نصیب ہوگی اور اسکے بعد آخرت کے اس ابدی جہان میں جنت کی نعیم مقیم سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ سو اس ارشاد سے اوپر والے مضمون کی مزید توضیح و تاکید فرمادی گئی کہ سیدھی راہ پر چلنے کا فائدہ خود انسان کو ہوگا اور اس سے محرومی کا وبال بھی خود اسی پر ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے، اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں میں گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔

۳۴ ہر کسی کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا "اس روز کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔ بلکہ ہر کسی کو اپنے کیے کی سزا خود ہی بھگتنا ہوگی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ پس صکوکِ غفران یعنی بخشش کے پروانے اور اوراقِ حرمان یعنی محرومی کے فرمان جاری کرنے والوں کا فریب و فراڈ اس روز پوری طرح عیاں ہو جائے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اور یہ حقیقت سب کے سامنے پوری طرح آشکارا ہو جائے گی کہ ہر کسی کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان خود ہی بھگتنا ہوگا۔ اور ایسے ظالموں کا ظلم اور ان کا مکر و فریب کھل کر سامنے آجائے گا جو اپنے چیلوں کو دھوکہ دینے کیلئے کہا کرتے تھے کہ تم ہمارے پیچھے چلو تو تمہارے سب گناہوں کا بوجھ خود اٹھا لیں گے۔ ﴿اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰکُمْ﴾۔ (العنکبوت: ۱۲) حالانکہ وہ انکی خطاؤں میں سے کچھ بھی نہیں اٹھا سکتے چنانچہ اسی آیت کریمہ میں ان کے اس دعوے کی تردید میں ارشاد فرمایا گیا "وَمَا ھُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰھُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ"۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ وَسُوْءٍ وَّ انحراف۔

۳۵ اِتمامِ حجت سے متعلق دستورِ الٰہی کا ذکر و بیان:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ اپنا رسول بھیج دیں، سو اس سے اس حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ اِتمامِ حجت کے بغیر کسی قوم کو سزا نہیں دی جاتی۔ سو اسکے مطابق ہم رسول بھیجتے ہیں تا کہ وہ انکو پیغامِ حق و ہدایت سے آگاہ کردے کہ اسکے بعد حق واضح ہو جاتا ہے اور حجت تمام ہو جاتی ہے اور انصاف کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ سو اتمامِ حجت کے بغیر کسی قوم کو سزا نہیں دی جاتی کہ یہ چیز حضرتِ حق جل مجدہٗ کی شانِ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہوتی۔ سو اس دورِ حاضر کے ان منکرین و مکذبین کیلئے درسِ عبرت ہے جو عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے کہ اب بعثتِ رسول اور اِنزالِ کتاب سے تم پر عذاب بہرحال آکر رہے گا۔ تمہیں اس کیلئے جلدی کرنے کی بجائے اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اور تم تکذیب اور انکارِ حق کی بجائے راہِ حق و صواب کو صدق دل سے اپناؤ تا کہ خود تمہارا اپنا بھلا ہو سکے۔

۳۶ عیش پرستی ہولناک انجام کا پیش خیمہ۔ والعیاذ باللہ:- سو اس سے اس حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ خوشحال و عیش پرست لوگوں کی خرمستیاں انکی ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ پس خوش حال لوگوں کا اطاعت و فرمانبرداری کے حکم سے منہ موڑنا انکی ہلاکت و تباہی کا آغاز و پیش خیمہ ہوتا ہے۔ سو انبیاء و رسل اور اُن کے اَتباع و پیروکاروں کے ذریعے ان کو دعوتِ حق دی جاتی ہے لیکن ایسے لوگ اعراض و انکار سے کام لیتے ہیں۔ جس سے یہ اپنے اس انجام کے مستحق ہو جاتے ہیں جن سے ان کو دوچار کیا جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو خوشحال لوگوں کیلئے اطاعت و فرمانبرداری کا ایسا حکم و ارشاد اور انکی اس سے سرتابی و سرکشی انکی ہلاکت و تباہی کا آغاز و پیش خیمہ ہوتا ہے مگر اپنی غفلت و سرکشی کے باعث ایسے لوگ ہوش کے ناخن لینے کو تیار نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ

ہے، تب ہم اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں ۳۷ اور (اسی قانون کے مطابق) ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا

مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ

نوح کے بعد، اور کافی ہے تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے والا،

بَصِيْرًا ﴿١٧﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ

دیکھنے والا ۳۸ جو کوئی (صرف) دنیا ہی چاہتا ہے، ہم اس کو یہیں دے دیتے ہیں

۳۷ اعراض و سرکشی کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ جب عیش پرست لوگ اپنی خرمستی میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں ان پر عذاب کی بات پکی ہو جاتی ہے تو ہم ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کہ ہماری حکمت اور قانونِ عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ ایسے فاسد مواد کی جڑ کاٹ دی جائے۔ سو پیغامِ حق و ہدایت سے اعراض و سرکشی کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور نجات و امان اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ وسیلہ صرف یہ ہے کہ دعوتِ حق پر صدقِ دل سے لبیک کہا جائے اور حضرتِ حق جل مجدہٗ کی طرف سے ارشاد فرمودہ ہدایت و تعلیمات کو صحیح طور پر اور پوری طرح اپنایا جائے۔ اس صراطِ مستقیم کے سوا باقی ہر راستہ گمراہی اور ہلاکت و تباہی کا راستہ ہے۔ اور اس سے محروم لوگ سراسر اندھیروں میں مستغرق ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زیغ و ضلال اور انحراف سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین

۳۸ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم و آگہی کا حوالہ و ذکر:- سو اس سے حقیقت کی تصریح فرما دی گئی کہ حضرتِ حق جل مجدہٗ اپنے بندوں کے ہر حال سے پوری طرح واقف و آگاہ ہے۔ اس سے کسی کا کوئی بھی حال اور عمل کسی طرح مخفی نہیں رہ سکتا۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور تمہارا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے والا دیکھنے والا"۔ پس تم لوگ طرح طرح کی چالبازیوں اور ملمع سازیوں سے کام لینے کی بجائے اپنے اس خبیر و بصیر رب کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح اور صاف رکھو جس سے تمہاری کوئی بھی بات چھپی نہیں رہ سکتی کہ سلامتی کی راہ یہی اور صرف یہی ہے کہ رب راضی رہے۔ فَاِيَّاكَ نَسْاَلُ رِضَاكَ وَ تُقَاكَ يَا رَبَّنَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو انسان اپنی چالاکیوں اور چالبازیوں سے دنیا کی نگاہوں سے تو چھپ سکتا ہے اور اپنے کرتوتوں کو چھپا سکتا ہے اور چھپا لیتا ہے، مگر اُس خبیر و بصیر رب قدیر سے چھپنا چھپانا کسی بھی طرح ممکن نہیں جسکی شان ہے۔ ﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾۔ (المومن: ۱۹) یعنی "وہ آنکھوں کی چوری اور دلوں کے چھپے رازوں کو بھی جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے"۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

فِيهَا مَا نَشَآءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ ۚ

جو کچھ کہ ہمیں دینا ہوتا ہے، جس کو دینا ہوتا ہے، ۳۹ پھر جہنم ہی کو اس کا مقسوم بنا دیتے ہیں،

يَصْلٰىهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ

جس میں اسے داخل ہونا ہوگا بدحال اور خوار ہو کر ۴۰ اور (اس کے برعکس) جو کوئی آخرت کا طلب گار ہوگا، اور اس کے

سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ

لئے وہ ایسی کوشش بھی کرے گا جیسی کوشش کہ اس کے لئے کرنی چاہیئے، بشرطیکہ وہ ایماندار بھی ہو، تو ایسے لوگوں کی کوشش

۳۹ طالب دنیا کے لئے صرف دنیا اور وہ بھی مقدر کے مطابق:۔ سو طالب دنیا کو بھی اتنا ہی ملتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے اور بس۔ پس طالبِ دنیا کو بھی دنیا اتنی نہیں ملتی جتنی کہ وہ چاہتا ہے۔ بلکہ صرف اسی قدر ملتی ہے جتنا کہ ہم چاہتے ہیں۔ اور اسکو وہی کچھ ملتا ہے اور اُسی قدر ملتا ہے جتنا اور جس قدر ہمیں دینا منظور ہوتا ہے اپنی حکمتِ بے پایاں کے تقاضوں کے مطابق۔ سو ابنائے دنیا کی یہ بڑی غلط فہمی اور گمراہ کن غلط فہمی ہے کہ ہم جو کچھ چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اس ارشادِ ربانی میں ﴿عاجلہ﴾ کا لفظ آخرت کے بالمقابل استعمال فرمایا گیا ہے۔ سو اس سے مراد یہ دنیائے فانی اور اس کا نفعِ عاجل ہے۔ سو اس ارشاد سے اِمہال کے بارے میں سنتِ الٰہی کو بیان فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ آخرت اور اسکے تقاضوں کو نظر انداز کر کے صرف دنیاوی زندگی اور اسکے فانی اور عارضی نفع ہی کے طلب گار بن جاتے ہیں ان کو اسی دنیا کا عارضی اور فانی بدلہ دیا جاتا ہے اور وہ بھی سب اور انکی طلب وخواہش کے مطابق نہیں بلکہ ہماری مشیت ومرضی کے مطابق۔ سو ﴿مَا نَشَآءُ اور لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ کی دو قیدوں سے واضح فرما دیا گیا کہ معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے' نہ کہ اُن لوگوں کی چاہت اور مرضی پر۔

۴۰ ایسوں کیلئے آخرت میں دوزخ ہی ہوگا۔ والعیاذ باللہ:۔ سو جو لوگ دنیا ہی کو مقصود بنا کر آخرت سے منہ موڑ لیتے ہیں وہ بڑے ہی بدبخت اور محروم ہیں اور آخرت میں ایسوں کا مقسوم دوزخ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کیونکہ جنت یا آخرت کی کامیابی ایسوں کو سرے سے مطلوب ہی نہیں تھی۔ اس لئے اپنے اس ہولناک انجام اور ابدی خساری کے ذمہ دار ایسے لوگ بذاتِ خود ہونگے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی نگاہوں میں انکے نزدیک دنیا ہی سب کچھ ہوتی تھی اور ہے۔ وہ اسی کے طالب اور اسی کے پجاری ہوتے ہیں اور اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ یہاں تک وہ آخرت کے اس ابدی اور ہولناک خسارے میں پڑ جاتے ہیں۔ سو آخرت کو بھول کر اور اسکے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر دنیا ہی کو مقصد بنا لینا اور اسی کیلئے جینا اور مرنا خسارہ در خسارہ اور ہولناک ابدی تباہی اور محرومی کا پیش خیمہ ہے۔ مگر دنیا ہے کہ اسکو یہ حقیقت سمجھ نہیں آتی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کیلئے دوزخ ہی ہوگا جس میں ان کو ذلیل وخوار اور بدحال ہو کر داخل ہونا ہوگا۔

مَشْكُورًا ﴿١٩﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ

مقبول ہوگی وا۴۱ (رہی دنیا تو اس میں) ہم (اپنی پروردگاری اور بخشش سے) ہر فریق کو مدد دئے جا رہے ہیں، ان کو بھی

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴿٢٠﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا

اور اُن کو بھی وا۴۲ اور تمہارے رب کی بخشش (ان دونوں میں سے کسی فریق پر بھی) بند نہیں وا۴۳ دیکھو (دنیا میں) ہم نے ان میں

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ

سے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے وا۴۴ اور آخرت تو یقیناً اپنے درجات کے اعتبار سے بھی اس سے

۴۱ فوزِ آخرت کی سرفرازی کیلئے تین بنیادی شرطیں:- پس آخرت کی کامیابی کیلئے بنیادی شرطیں تین ہوگئیں۔ ایمان، اخلاص اور عملِ صالح۔ فَاِيَّاكَ نَسْأَلُ اللّٰهُمَّ التَّوْفِيْقَ وَالسَّدَادَ لِذَالِكَ وَالثَّبَاتَ وَالْاِسْتِقَامَةَ وَالدَّوَامَ عَلَيْهِ۔ پس مومنِ صادق کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اعمالِ صالحہ کی پونجی کمانے اور جمع کرنے میں لگا رہے۔ اور جو بھی کچھ کرے وہ خالص اللہ کی رضاء و خوشنودی کیلئے کرے۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آخرت کی فوز و فلاح صرف خالی خولی تمناؤں اور آرزوؤں سے مل جانے کی چیز نہیں بلکہ اس سے سرفرازی کیلئے اس کے شایانِ شان ﴿سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا﴾ کوشش بھی مطلوب ہے۔ اور ساتھ ہی وہ ایمانِ خالص بھی جو شرک کے ہر شائبہ سے پاک ہو۔ جب تک کہ یہ دونوں چیزیں طلبِ آخرت کے ساتھ شامل نہیں ہونگی اس وقت تک یہ تمنا بے سود اور لاحاصل ہی رہے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۴۲ اللہ تعالیٰ کی دنیاوی عطاء و بخشش سب کے لئے عام:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ "تمہارے رب کی دنیاوی عطاء و بخشش سب ہی کیلئے ہے"۔ یعنی ایمان والوں کو بھی اور کفر والوں کو بھی۔ فرماں برداروں کو بھی اور نافرمانوں کو بھی۔ اطاعت شعاروں کو بھی اور باغیوں اور سرکشوں کو بھی۔ کہ دنیا کے اس دارِ فانی کے دار الامتحان ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کے اس دارِ غرور میں دنیائے فانی کے متاعِ قلیل کا حصہ ہر کسی کو اسکی محنت و مشقت کے مطابق ملتا رہے۔ کہ وہ ربِّ غفور و رحیم سب ہی کا خالق و مالک اور رب العالمین ہے۔ اور اسکی ربوبیتِ عامہ کا تقاضا یہی ہے کہ ضروریاتِ زندگی مومن و کافر سب ہی کو ملتی اور برابر ملتی رہیں۔ سو زمین کا فرش اور آسمان کی چھت سب کیلئے۔ ہوا و پانی سب کیلئے۔ سورج کی گرمی اور چاند کی روشنی سب ہی کیلئے ہے۔ تاکہ اس طرح ہر کوئی اپنی ضروریاتِ زندگی سے فائدہ اٹھائے اور اس پر حجت قائم ہو جائے۔ سو دنیاوی نعمتوں کا اصل دار و مدار چونکہ انعام و اکرام پر نہیں بلکہ اسکی اصل بنیاد ابتلاء و آزمائش پر ہے۔ اس لیے یہ مومن و کافر سب کیلئے یکساں اور ایک برابر ہے۔ جبکہ دارِ آخرت کی نعمتوں کی اصل اساس و بنیاد انعام و اکرام پر ہے۔ اس لیے وہ اہلِ ایمان و تقویٰ ہی کیلئے ہونگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾۔ (الاعراف: ۳۲)۔ اللہ محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۴۳ رب کی عطاء و بخشش کسی کیلئے بند نہیں :- سو ارشاد فرمایا گیا ''تمہارے رب کی عطاء و بخشش کسی پر بھی بند نہیں''۔ چنانچہ یہاں پر کافر بھی حصہ پا رہا ہے اور مومن بھی۔ عاصی بھی بہرہ ور ہو رہا ہے اور مطیع بھی۔ کیونکہ ایک تو یہ دنیا ''دارالجزاء'' نہیں ''دارالعمل'' اور ''دارالامتحان'' ہے۔ اور دوسرے اس لئے کہ دنیا کی آخرت کے مقابلے میں کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ اور جب اس دنیا کی ساری دولت کی حیثیت بھی آخرت کے مقابلے میں پر کاہ کے برابر بھی نہیں تو پھر اس میں سے اگر کچھ کروڑ یا کچھ ارب یا کچھ کھرب بھی کسی کو مل گئے تو بھی اسے کیا ملا؟ اور اس کی آخرت کے مقابلے میں کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ پھر یہ فیصلہ آخرت کے اس جہاں میں ہوگا جہاں آخرت سے منہ موڑ کر زندگی بسر کرنے والے ایسے طالبانِ دنیا کیلئے عذابِ جحیم اور ہمیشہ کا خسارہ ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور طالبانِ آخرت کیلئے جنت کی نعیمِ مقیم اور وہاں کی حقیقی اور ابدی سعادت سے سرفرازی اور بہرمندی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ بے پایاں اور کرمِ بے نہایت سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ کی عطاء تو کسی کیلئے بند نہیں سب کے لئے عام ہے لیکن آگے لوگ ہر دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جو صرف دنیا ہی چاہتے ہیں اور بس۔ سو ایسوں کے دنیا میں سے جو کچھ ملنا ہوا مل جائے گا لیکن آخرت میں ان کیلئے دوزخ کی آتشِ سوزاں کے سوا کچھ نہیں انکے اپنے ارادہ و اختیار کی بناء پر۔ اور دوسری قسم ان خوش نصیب لوگوں کی ہے جو آخرت کی سچی اور حقیقی طلب اور تڑپ رکھتے ہیں۔ سو ایسوں کو بقدرِ کفایت دنیا بھی ملے گی اور پھر ان کو آخرت کے اس ابدی جہاں اور وہاں کی حقیقی زندگی میں سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی بھی نصیب ہوگی۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۴۴ دنیا میں لوگوں کیلئے ایک دوسرے پر فضیلت و فوقیت :- سو دنیا میں بعض کو بعض پر فوقیت و فضیلت بخشی گئی اور اس میں عظیم الشان درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔ کوئی غریب تر۔ اور کوئی امیر۔ کوئی امیر تر۔ اور کوئی محروم۔ اور کوئی محروم تر وغیرہ وغیرہ۔ سو انسان قادرِ مطلق اور مختارِ کل نہیں کہ جو چاہے کرے۔ ہم جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے۔ اور جیسے چاہتے ہیں ویسے ہی ہوتا ہے۔ اور ہماری یہ مشیت نہایت حکمت اور رحمت و عنایت پر مبنی ہوتی ہے۔ سو اس تفاوتِ درجات سے تمہارے درمیان باہمی روابط و تعاون کی طرح طرح کی صورتیں نکلتی ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کے کام آتے اور کام لیتے ہو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾۔ (الزخرف: ۳۲)۔ نیز اس میں تمہارے لیے یہ درسِ عظیم بھی ہے کہ تم خود مختار نہیں ہو بلکہ تم میں سے ہر کوئی ان حدود و قیود میں جکڑا اور بندھا ہوا ہے جس میں ہم نے اسکو پابند کیا ہے۔ پس تم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اپنی ان خلقی حدود اور فطری قیود کو بدل سکے اور ان کے حصار سے نکل سکے۔ نہ کوئی اپنے پیدائشی رنگ کو بدل سکتا ہے نہ اپنے قد کو چھوٹا یا بڑا کر سکتا ہے نہ اپنے اعضاء و جوارح کو گھٹا یا بڑھا سکتا ہے اور نہ ہی اپنی عمر اور اسکے مختلف مراحل میں سے کسی مرحلے کی مدت کو کم یا زیادہ کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر کتنے احمق ہیں وہ لوگ جنکے دماغوں میں یہ ہوا بھر جاتی ہے کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں اور اس طرح وہ راہِ حق و ہدایت سے بھٹک کر کہیں سے کہیں جا پہنچتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

تَفۡضِيۡلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا

کہیں بڑی ہے، اور اس کی فضیلت بھی اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوگی ۴۵ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنانا کہ اس کے

مَّخۡذُوۡلًا ﴿۲۲﴾ ع وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ ع ۲ ۱۲

نتیجے میں تمہیں بیٹھنا پڑے بدحال اور بے یار و مددگار ہو کر ۴۶ اور تمہارا رب یہ فیصلہ کر چکا کہ تم نے بندگی نہیں کرنی مگر اسی

اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا

کی ۴۷ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے ۴۸ اگر تمہارے سامنے ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے، یا

فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا

دونوں، تو تم انہیں اُف بھی نہ کہنا، اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں، اور ان سے بات بھی پورے احترام سے کرنا ۴۹ اور جھکائے

۴۵ اور آخرت کے درجات تو یقیناً اس سے کہیں بڑھ کر ہونگے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ مؤکد کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آخرت کے درجات اس سے کہیں بڑھ کر مختلف ہونگے کہ اس کی نعمتیں حقیقی بھی ہیں اور دائمی و ابدی بھی۔ اور وہاں پر حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ نے اپنے بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر اس کا گزر ہی ہوا۔ اللہ محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین۔ پس اصل چیز آخرت کے ان درجات و مراتب ہی کو اپنے پیش نظر رکھنا اور انہی کے حصول کیلئے فکر و کوشش کرنا ہے نہ کہ دنیائے فانی کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل کیلئے۔ سو یہی عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا تقاضا ہے اور یہی دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کا مفاد و مدّعا ہے۔ و باللہ التوفیق لمایحب و یرید و علی ما یُحِبُّ ویرید۔

۴۶ فوزِ آخرت سے سرفرازی کی اساس عقیدۂ توحید:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور (خبردار!) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود کبھی نہ بنانا"۔ کیونکہ معبودِ برحق اور کارسازِ حقیقی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اس سے جب منہ موڑ لیا۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ تو پھر بدحالی اور بے کسی کے سوا اور رہ ہی کیا جاتا ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو جس کسی نے بھی اللہ کے ساتھ کوئی اور فرضی اور خود ساختہ معبود ٹھہرا لیا اس نے بڑے ہی سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب کیا۔ والعیاذ باللہ۔ سو قرآنِ کریم جس طریقِ اقوام اور صراطِ مستقیم کی دعوت دیتا ہے اسکی اولین اساس اور بنیادی دفعہ یہ ہے کہ خداوندِ قدوس کے ساتھ اور کسی کو بھی شریک اور معبود نہ ٹھہرایا جائے۔ اور جب خالق و مالک حاکم و متصرف اور رازق وہی وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر اسکے حقوق و اختیارات میں کسی اور کو شریک ٹھہرانا بڑا ظلم ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں شرک کو صریح طور پر اور تاکیدی الفاظ کے ساتھ ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ﴾۔ (لقمان: ۱۳)

۲۷ عبادت و بندگی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کا حق :- سوارشاد فرمایا گیا اور قطعی طور پر صاف اور صریح انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''تمہارے رب نے فیصلہ فرمادیا کہ بندگی اس کے سوا اور کسی کی نہیں کرنی'' کہ معبودِ برحق وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور عبادت کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی کا حق ہے۔ پس قیام، رکوع، سجدہ، نذر و نیاز اور طوائف وغیرہ عبادت کی ہر قسم اُسی کا حق ہے۔ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۔ پس عبادت و بندگی کی کوئی بھی شکل اور قسم کسی اور کیلئے بجالانا شرک ہوگا جو کہ ظلم عظیم ہے۔ مگر افسوس کہ شرک کے اس ظلمِ عظیم کا ارتکاب ہمیشہ کیا گیا اور علی الاعلان اور کھلم کھلا کیا گیا اور آج تک کیا جارہا ہے۔ اور خود مسلمانوں کے اندر کیا جارہا ہے۔ اور جگہ جگہ اور طرح طرح سے کیا جارہا ہے۔ غیر اللہ کو حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے پکارا جارہا ہے۔ جگہ جگہ غیر اللہ کے لئے سجدے کیے جارہے ہیں نذریں مانی جارہی ہیں۔ نیازیں دی جارہی ہیں اور دیگیں پکائی جارہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ فالی اللہ المشتکی۔

۲۸ اللہ کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا :- سوارشاد فرمایا گیا اور اللہ تعالیٰ کے حق بندگی کے ذکر کے متصل بعد ارشاد فرمایا گیا ''اور اچھا سلوک کرنا اپنے ماں باپ کے ساتھ''۔ سو اس آیت کریمہ میں اور اسی طرح کی اور بھی کئی آیات کریمات میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے حق کو اپنے حق کے متصل بعد ذکر فرمایا ہے۔ سو اس سے حقوق الوالدین کی اہمیت اور انکی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انسان کے ماں باپ خداوندِ قدوس کی صفاتِ خلق و ایجاد، رحمت و عنایت اور پرورش و تربیت کے اولین اور عظیم الشان مظہر ہوتے ہیں۔ (محاسن التاویل اور معارف القرآن وغیرہ) مگر اس کے باوجود ان کا بھی حق یہ نہیں کہ انکو خداوندِ قدوس کے حقِ عبادت و بندگی میں شریک ٹھہرایا جائے بلکہ اس کی تصریح فرمادی گئی کہ ان کا حق صرف احسان یعنی حسنِ سلوک ہے اور بس۔ تو پھر اور کسی کا یہ حق کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۲۹ والدین کو اُف کہنے کی بھی اجازت نہیں :- سوارشاد فرمایا گیا کہ ''اگر تمہیں وہ دونوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی بڑھاپے میں مل جائے تو بڑھاپے کے اس دور میں انکو اُف بھی نہ کہنا''۔ کہ بڑھاپے کے اُس دور میں وہ تمہاری خدمت کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو ادب و احترام کے الفاظ کے ساتھ خطاب کرنا اور ان سے ایسی کوئی بات نہ کرنا جو ان کیلئے دکھ کا باعث ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی رضا ماں باپ کی رضا میں ہے اور اسکی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو جن ماں باپ کے سامنے اُف کرنے کی بھی اجازت نہیں ان کے حق کی عظمتِ شان اور اہمیت کے کیا کہنے۔ وباللہ التوفیق۔ اُف کا کلمہ دل کی بیزاری کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ اور ''نھر'' کے معنی جھڑکنے ڈانٹنے کے ہوتے ہیں۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ بڑھاپے کے اس دور میں خاص کر جبکہ وہ جسمانی طور پر کمزور اور دوسروں کے سہارے اور مدد کے سب سے زیادہ محتاج ہوتے ہیں تم نہ تو اپنے دل میں ان کے بارے میں کوئی بیزاری اور ناگواری پیدا ہونے دینا اور نہ اپنی زبان سے سوءِ ادب اور دلآزاری کا کوئی کلمہ کہنا۔ بلکہ جب بھی ان سے بات کرنے کا موقعہ پیش آئے تم ان سے شریفانہ اور سعادت مندانہ انداز میں اور حسنِ ادب کے ساتھ بات کرنا۔ اور اس طور پر کہ ان کی تسلی اور دلداری ہوسکے۔ سو اس سے اس احسان کی وضاحت فرمادی گئی جس کا حکم وارشاد ابھی اوپر فرمایا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

رکھنا اس کے سامنے عاجزی کے بازو نیاز مندی کی بناء پر، اور (ان کے حق میں) یہ دعاء بھی کرتے رہنا ف۵۰ کہ اے میرے

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ

رب، رحم فرما ان دونوں پر، جیسا کہ انہوں نے مجھے پالا پوسا بچپن میں ف۵۱ تمہارا رب جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ تمہارے

بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ

دلوں کے اندر (موجود) ہے، اگر تم نیک کردار ہوئے تو (بتقاضائے بشریت سرزد ہو جانے والی کسی ناشدنی سے مایوس

لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ

نہیں ہو جانا کہ) بے شک وہ سچی توبہ کرنے والوں کے لئے بڑا ہی بخشنے والا ہے ف۵۲ اور رشتہ دار کو اس کا حق دے دیا کرو، اور

۵۰ والدین کے لئے تقاضائے ادب کی رعایت اور دعائے خیر کی تعلیم و تلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم ان کے سامنے نیاز مندی کی بناء پر عاجزی کے بازو بچھائے رکھنا اور انکے حق میں دعائے خیر بھی کرتے رہنا"۔ کیونکہ تم اپنے طور پر انکا حق پوری طرح ادا نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان کیلئے دُعا کرتے رہو کہ اللہ پاک انکو اپنی رحمت وعنایت سے نوازے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہؒ اور مسند احمدؒ وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کیا میرے ماں باپ کے کام آنیوالی کوئی ایسی نیکی بھی ہے جو میں انکے لئے انکے مرنے کے بعد بھی کر سکوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔ ان کیلئے دعا کرنا۔ ان کے لیے حق تعالیٰ سے بخشش مانگنا۔ ان کے کئے گئے عہد کو پورا کرنا۔ ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور اس رشتہ داری کو نبھانا جو انکے توسط سے تمہیں حاصل ہو۔ (ابن کثیر، المراغی وغیرہ)۔ یہ پیغمبر کی تعلیم ہے کہ ماں باپ کی وفات کے بعد اولاد ان طریقوں سے ان کے ساتھ بھلائی کر سکتی ہے مگر اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسند ہیں کہ وہ قرآن وسنت کی ان تعلیماتِ مقدسہ کی بجائے اپنے حواریوں کو ان بدعات کی تلقین کرتے ہیں جو کہ اہلِ بدعت نے از خود مختلف ناموں سے برصغیر کے مختلف ملکوں میں رائج کر رکھی ہیں۔ جن کا نہ قرآن وسنت میں کہیں کوئی ذکر و ثبوت ہے نہ عہدِ صحابہ و تابعین میں کوئی اتہ پتہ اور نام ونشان ہے۔ بلکہ برصغیر کے اہلِ بدعت نے انکو از خود ایجاد کیا ہے۔ اور جن کے ذریعے یہ لوگ لذتِ کام ودہن اور شکم سیری کے طرح طرح کے سامان کرتے ہیں۔ ورنہ دینِ حق میں ان بدعات کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ وجود۔ نہ قرآنِ حکیم میں نہ سنتِ رسول میں اور نہ ہی خیر القرون میں۔ بلکہ ان بدعات کے یہ نام اور یہ الفاظ ہی سرے سے عربی الفاظ نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ اردو کے الفاظ اور ہندوستانی بدعتیوں کی ایجاد ہے۔ عرب ملکوں میں آج بھی ان کا کوئی وجود اور نشان کہیں نہیں۔ اور بدعت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کا صاف وصریح ارشاد ہے کہ وہ مردود ہے۔ اور اسکو بدعتی کے منہ پر مارا جائے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ کا متفق علیہ حدیث میں حضرت نبی معصوم ﷺ کا ارشاد اس طرح مروی ومنقول ہے۔ ''مَن احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منه فھو رد۔ یعنی ''جس کسی نے دین میں کسی ایسی نئی بات کو داخل کیا جو اس میں ثابت نہیں وہ مردود ہے''۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس بدعتی شخص کے منہ پر واپس مارا جائے گا۔ (بخاری ومسلم وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین۔

۵۱ والدین کے حق تربیت کی تذکیر و یاددہانی:- سو ان کے حق تربیت کی تذکیر و یاددہانی کراتے ہوئے ان کے لئے اس طرح دعاء کی تلقین فرمائی گئی کہ ''اے میرے رب میرے والدین پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے پالا پوسا بچپن میں''۔ جب کہ میں سراپا احتیاج تھا۔ نہ مجھے کسی چیز کا کوئی اتہ پتہ تھا اور نہ کوئی طاقت وقدرت۔ اس دور میں انہوں نے پوری محبت اور شفقت سے میری پرورش کی اور مجھے پالا پوسا۔ یہاں تک کہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا اور اپنے بچپن اور لڑکپن کے ادوار سے گزر کر میں اپنی جوانی کی بھرپور توتوں کو پہنچ گیا۔ سو اولاد سے صرف یہی مطلوب نہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور بس۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ان کے لیے اپنے رب سے حضور رحمت وعنایت کی دعائیں بھی مانگے۔ سبحان اللہ۔ کہاں حقوق والدین سے متعلق دین حنیف کی یہ تعلیمات مقدسہ اور کہاں آج کی اولاد کا وہ رویہ وسلوک جو وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہیں۔ جسکے مختلف افسوسناک اور دلدوز واقعات اخبارات وغیرہ ذرائع ورسائل وابلاغ کے ذریعے یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے سننے اور دیکھنے کو ملتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِيْمِ۔ اور اگر دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ اس فساد و بگاڑ اور ظلم وانحراف میں خود ماں باپ کا بھی بڑا حصہ ہے۔ اور اسکی ذمہ داری بڑی حد تک خود ان ہی پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اسکی روٹی اور اس کے پیٹ کے دھندے کیلئے تو بڑے جتن کریں گے اور بڑے پاپڑ بیلیں گے۔ مگر اسکی دینی تعلیم وتربیت اور اخلاقی اصلاح کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔ یہاں تک کہ کتنے ہی ماں باپ ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو کلمہ ونماز تک سے متعلق بنیادی تعلیم بھی نہیں دیتے۔ اور وہ ان کو جننے اور پالنے پوسنے کے بعد جانوروں کی طرح گلیوں بازاروں وغیرہ میں آوارہ پھرنے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِيْمِ۔

۵۲ سچی توبہ کرنے والوں کیلئے بخشش کا مژدۂ جانفزا:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف انّ کی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ''بیشک تمہارا رب سچی توبہ کرنے والوں کے کیلئے بڑا ہی بخشنے والا ہے''۔ سو گناہ جتنے اور جیسے بھی ہوں سچی توبہ پر وہ اپنے کرم سے سب بخش دے گا۔ پس راستہ صحیح ہو اور نیت درست ہو تو پھر اس کی طرف سے رحمت وعنایت اور مغفرت وبخشش ہی کی توقع رکھی جائے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں صدق دل سے اسکی طرف رجوع کیا جائے۔ پس معصیت وسرکشی کی راہ کو ترک کرکے توبہ وانابت الی اللہ کی راہ کو اپنانے والوں کیلئے رحمت ہی رحمت ہے۔ سو جو صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں گے اور اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہیں گے اللہ ان کو معاف فرما دے گا کہ وہ بڑا ہی غفور اور رحیم ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بس توبہ صحیح معنوں میں توبہ ہونی چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یُحبّ ویرید۔

وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ

مسکین اور مسافر کو بھی، پر بے جا خرچ نہیں کرنا، ۵۳ کہ بے جا خرچ کرنے والے یقینی طور پر

كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾

شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے،

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا

اور اگر کبھی تمہیں ان (اہلِ حقوق) سے پہلوتہی کرنا پڑے، اپنے رب کی کسی ایسی رحمت کی تلاش میں جس کی تمہیں امید

فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً

ہو، تو تم ان سے نرم (اور آسان) بات کہہ دیا کرو، ۵۴ اور نہ تو تم اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ رکھو، ۵۵

اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا

اور نہ ہی اسے اس طرح پورا کھول دو، ۵۶ کہ اس کے نتیجے میں تم الزام خوردہ اور تنگ دست

مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ

ہو کر رہ جاؤ، بے شک تمہارا رب روزی کشادہ کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے، اور تنگ فرماتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے)،

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿٣٠﴾ ع وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ

بے شک وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر بھی ہے، اور سب کچھ دیکھتا (سنتا) بھی، ۵۷ اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرنا

خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ

تنگ دستی کے خوف سے، کہ روزی ہم ہی دیتے ہیں ان کو بھی، اور تم کو بھی، بلاشبہ ان (بے گناہوں) کا قتل

۵۳ **بے جا خرچ کرنے کی ممانعت:-** سو ارشاد فرمایا گیا "اور بے جا خرچ نہیں کرنا"۔ یعنی مال کو اس کی معصیت و نافرمانی میں نہیں صرف کرنا کہ یہ اسراف ہے جبکہ نیکی میں جتنا بھی خرچ کیا جائے وہ اسراف نہیں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تبذیر و اسراف ناحق میں خرچ کرنا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنا سارا مال بھی راہِ حق میں خرچ کرلے تو وہ اسراف نہیں کہلائے گا۔ اور اگر غیرِ حق میں ایک مد بھی خرچ کرے گا تو وہ اسراف اور تبذیر کہلائے گا۔

(ابن کثیر وغیرہ)۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔سو رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دینے کی تعلیم وتلقین کے ساتھ اسکی بھی ہدایت فرمادی گئی کہ مال کا بے جا مت خرچ کرنا۔اور فرمایا گیا کہ اِسراف وفضول خرچی سے کام لینے والے شیطان کے بھائی ہیں۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔اللہ تعالیٰ اسراف اور تبذیر سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

۵۴ اہل حقوق سے نرم بات کہنے کی ہدایت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور تم ان سے نرم بات کہہ دیا کرو''۔جس سے انکی دلجوئی ہوجایا کرے۔مثلاً آئندہ کیلئے کوئی اچھا وعدہ کرلیا وغیرہ۔سو جب مانگنے والے کو دینے کیلئے اپنے پاس کچھ موجود نہ ہوتو اچھی بات کے ذریعے اسکی دلجوئی ہی کرلیا کرو۔بہرکیف اس ارشادِ ربانی میں یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اگر کسی وقت انسان کے پاس اس بات کی گنجائش نہ ہو کہ وہ مذکورہ بالا اہلِ حقوق میں سے کسی کا حق اداء کرسکے اور اس بناء پر اس کو مجبوراً اس سے اِعراض کرنا پڑے لیکن اس کو مستقبل میں حالات کی بہتری اور کشادہ دستی کی امید ہوتو وہ اس سے دلداری اور ہمدردی کی بات کرے۔اور آئندہ کیلئے اچھے وعدے کی امید کے ساتھ اسکو رخصت کرے۔ و باللّٰہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید و ھو الھادی الی سواء السبیل جل جلالہ و عم نوالہ۔سبحانہٗ وتعالیٰ

۵۵ بخل اور کنجوسی سے ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور تم اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ کر نہیں رکھنا''۔یعنی ایسے بخیل اور کنجوس نہیں بن جانا کہ ضروری امور میں بھی خرچ نہ کرو۔کہ ضرورت مند اور سائل کو کچھ بھی نہ دو کہ ایسا کرنا برا اور مکارمِ اخلاق کے تقاضوں کے خلاف ہے۔اور نہایتِ خِسّت ودناءت کی نشانی ہے جو کہ مومنِ صادق کے شایانِ شان نہیں ہوسکتا۔کیونکہ مومنِ صادق مکارمِ اخلاق کا اعلیٰ اور عمدہ نمونہ ہوتا ہے اور انسان کی اصل قدر و قیمت اسکے مکارمِ اخلاق ہی سے ہے۔جتنے کسی کے اخلاق صحیح اور اونچے ہونگے اتنا ہی انسان اونچا اور سر بلند ہوگا۔وباللہ التوفیق لما یحبُّ ویرید۔

۵۶ فضول خرچی سے ممانعت اور توسط واعتدال کی تعلیم وتلقین:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور نہ ہی اپنے ہاتھ کو پورے کا پورا کھول دینا''۔اور یہ تعبیر ہے فضول خرچی کی پس ارشاد فرمایا گیا کہ تم ایسا نہیں کرنا کہ ایسا کرنا فضول خرچی کے زمرے میں آتا ہے۔پس اس قدر اِسراف اور فضول خرچی سے بھی کام نہیں لینا کہ خالی ہاتھ اور تنگدست ہوکر رہ جائے۔بلکہ توسط اور اعتدال کی راہ کو اپنایا کرو۔پس نہ کنجوس اور بخیل بن جائے اور نہ ہی مسرف اور فضول خرچ۔بلکہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان توسط واعتدال کی راہ کو اپناؤ۔اور اسی کو اپنا شعار بناؤ۔وباللہ التوفیق۔پس اپنی جائز ضروریات میں بھی خرچ کرو اور دوسروں کے حقوق بھی ادا کرو۔اور اعتدال وکفایت شعاری کی روش کو اپناؤ۔کہ یہی تقاضا ہے عقل ونقل دونوں کا اور یہی راہ ہے صحت وسلامتی کی

۵۷ روزی کی تنگی وکشادگی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں:۔ سو اس سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ روزی کی تنگی اور کشادگی کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ اِنَّ کی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک تمہارا رب روزی کشادہ کرتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر بھی ہے۔اور سب کچھ دیکھتا جانتا بھی ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔اس لیے وہ اپنے بندوں کے حالات سے پوری طرح باخبر بھی ہے اور ان کو سنتا دیکھتا بھی ہے۔اور اسکا ہر حکم وفیصلہ حق وصدق اور اسکے بندوں کے لئے ہر لحاظ سے بہتر ہوتا ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔پس اسی کے حکم کی پابندی کرو۔ و باللّٰہ التوفیق لما یحب و یرید ،و علی ما یحب و یرید ، وعلی ما یحب و یرید بکُلّ حالٍ مِّنَ الاحوال، وَ فی کُلِّ مَوطن مِّنَ المواطن فی الحیاۃ۔

كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط

کرنا بڑا بھاری گناہ ہے ف۵۸ اور (خبردار!) زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا ف۵۹ بے شک وہ ایک بڑی بے حیائی

وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ

اور بہت ہی بری راہ ہے، ف۶۰ اور قتل نہیں کرنا کسی ایسی جان کو جسے اللہ نے حرام کر رکھا ہو،

اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ

مگر حق کے ساتھ، ف۶۱ اور جس کو قتل کیا گیا ظلم (و زیادتی) کے ساتھ، تو اس کے وارث کو ہم نے

سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

ایک بڑا زور (اور غلبہ) دیا ہے ف۶۲ پس وہ قتل میں حد سے نہ گزرے، یقیناً اس کی مدد کی جائے گی ف۶۳

۵۸ ہر کسی کی روزی اللہ تعالیٰ ہی کے ذمے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "روزی سب کو ہم ہی دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی" کہ روزی رساں سب کے ہم ہی ہیں۔ اور جب روزی سب کی ہمارے ذمے ہے تو پھر تمہارے لئے اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ پس تم لوگ اپنی جہالت کی بناء پر اور شیطان کی اکساہٹ کے نتیجے میں کبھی بھی اپنی اولاد کے قتل کرنے کے اس ہولناک اور وحشیانہ جرم کا ارتکاب نہ کرنا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ کہ اپنے بچوں کو خود قتل کرنا اور اس قسم کے اوہام کی بناء پر قتل کرنا بڑا ہی وحشیانہ اور سنگدلانہ فعل اور ہولناک گناہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۵۹ زنا کے قریب پھٹکنے کی بھی ممانعت:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور (خبردار) کبھی زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کہ یہ بڑی سخت بے حیائی اور کھلی برائی ہے"۔ پس تم لوگ ان اسباب و وسائل اور دواعی محرکات سے بھی بچنا اور دور رہنا جو زنا کے اس سنگین جرم کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ جیسا کہ غیر محرموں سے آزادانہ میل جول رکھنا۔ اجنبی عورتوں کو دیکھنا۔ ایسی کسی عورت کو ہاتھ لگانا یا تنہائی میں اس کے پاس بیٹھنا اور آمد و رفت رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ کہ یہ سب ہی امور ممنوع اور اس بے حیائی میں مبتلا کرنیوالے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور اس حکم و ارشاد کے مخاطب افراد بھی ہیں اور پورا معاشرہ اور حکومت کے ذمہ دار لوگ بھی۔ اس لیے ان کی حسب مراتب و درجات یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ہر اس سوراخ کو بند کر دیں جس سے یہ ناسور پھوٹ سکتا ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین۔

۶۰ زنا کاری کھلی بے حیائی اور بہت بُری راہ ہے۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ بڑی بے حیائی اور بہت بُری راہ ہے"۔ کہ اس سے نسب خراب ہوتے ہیں۔ عزتیں تباہ ہوتی ہیں۔ قتل و خونریزیاں ہوتی ہیں۔ امن برباد ہوتا اور آبادیاں اجڑتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور حدیث صحیح میں

وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک شرک کے بعد اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اپنا نطفہ کسی ایسے رحم میں رکھے جو اسکے لیے حلال نہ ہو۔ (ابن کثیر وغیرہ)۔ سوزنا ایسی مہلک اور ہولناک برائی ہے جو صالح معاشرے کی جڑ بنیاد کو کاٹ کر رکھ دینے والی ہے۔ کیونکہ صالح معاشرے کی اساس و بنیاد صالح خاندان پر ہے۔ اور صالح خاندان کی صحیح فطری جذبات کے ساتھ صرف اسی صورت میں وجود پذیر ہو سکتا ہے جبکہ والدین کے ساتھ اولاد کا تعلق صحیح خون، صحیح نسب اور پاکیزہ رحمی رشتہ پر استوار ہو۔ اگر یہ چیز مفقود ہو جائے تو پھر وہ خاندان انسانوں کا خاندان نہیں بلکہ فطرتی اور روحانی عواطف سے عاری و محروم حیوانات کا ایک گلہ بن جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی گر کر وہ ''شر البریہ'' یعنی بدترین مخلوق کا ایک درندہ صفت انبوہ بن کر رہ جاتا ہے۔ پھر کسی صالح معاشرے کے قیام و وجود کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟

۶۱ قتل ناحق کی ممانعت:۔ سو فرمایا گیا ''اور قتل نہ کرنا کسی حرمت والی جان کو مگر حق کے ساتھ''۔ حق کے ساتھ قتل کرنے کی صحیح حدیث کے مطابق بنیادی طور پر تین صورتیں ہیں۔ احصان کے بعد زنا کرنا۔ یا ناحق کسی کو قتل کرنا یا مرتد ہو جانا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ یعنی اگر کسی نے جریمہ زنا کا ارتکاب کیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ جبکہ وہ محصن ہو تو اسکو سنگسار کیا جائے گا۔ یا اگر کسی نے کسی حرمت والی جان کو قتل کیا تو اسکے بدلے میں اسکو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ یا اگر کوئی دین حق سے پھر گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ تو اسکے نتیجے میں اسکو قتل کیا جائے گا۔ کہ ایسے میں اس شخص کی جان محترم نہیں رہتی مباح الدم ہو جاتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو ایسے کسی سبب کے بغیر کسی جان کو قتل کرنا ان بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے جن کو لسان نبوت کے فرمان حق ترجمان میں سبع موبقات یعنی سات تباہ کن گناہوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔ مگر اسکے باوجود قتل ناحق کے اس کبیرہ گناہ کا ارتکاب اعلانیہ کیا جا رہا ہے اور جگہ جگہ اور طرح طرح سے کیا جا رہا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ

۶۲ اولیائے مقتول کیلئے پورا اختیار:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم نے مقتول کے وارث کو بڑا زور اور پورا اختیار دیا ہے''۔ سو اس کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو قاتل سے قصاص لے، یا دیت پر راضی ہو جائے۔ یا اس کو یونہی معاف کر دے۔ جو بھی کرے اس کا اس کو پورا حق و اختیار ہے۔ (ابن کثیر، فتح القدیر، المراغی، صفوۃ اور جامع وغیرہ)۔ اور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو مقتول کے وارثوں کو دو میں سے ایک کا اختیار ہے۔ اگر وہ چاہیں تو قاتل کو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو دیت قبول کر لیں۔ (تفسیر المراغی وغیرہ) سو اس طرح سارا زور اور اختیار مقتول کے ولی اور وارث کو دے دیا گیا۔ اور جس کا کوئی وارث موجود نہ ہوگا یہ اختیار حاکم کو دیا جائے گا۔ جو کہ مقتول کے وارث کے قائم مقام ہوگا۔ (المعارف اور المراغی وغیرہ)

۶۳ ولئ مقتول کو حد سے بڑھنے کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''پس وہ قتل میں حد سے نہ گزرے'' یعنی جب ہم نے اسکو ایک زور اور غلبہ دیا ہے تو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے۔ کہ قاتل کے سوا اور کسی کے قتل کے درپے ہو جائے۔ یا ایک کے بدلے دو کو یا زیادہ کو قتل کر دے۔ جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا اور آج بھی کئی جگہوں پر ایسا ہوتا ہے جہاں لوگ قانون سے آزاد قبائلی ماحول میں رہتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سو جب اللہ نے ولئ مقتول کیلئے غلبہ رکھا ہے اور اسکو منصور بنایا ہے کہ اس کیلئے قصاص یا دیت کا حق مقرر فرمایا گیا اور اُمراء و حُکام کو اس کا حق اسکو دلانے کا حکم دیا ہے، اس لیے اسکو قتل میں زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ ظالم اور معتدی قرار پائے گا۔ پس اس کو حد کے اندر رہنا چاہیے۔ (المعارف اور المحاسن وغیرہ)

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکنا، مگر اس طریقے سے جو کہ سب سے اچھا ہو، یہاں تک

يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ‌ ۖ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ ۖ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ

کہ وہ پہنچ جائے اپنی (جوانی کی) قوتوں کو ف۶۴ اور پورا کیا کرو تم لوگ اپنے عہد کو، بے شک عہد کی

مَسۡـُٔوۡلًا ۝۳۴ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ

باز پرس ہوگی ف۶۵ اور جب تم ناپو تو پورا ناپو، اور (جب تولو تو) ٹھیک

۶۴ مال یتیم کی حفاظت کی تعلیم وتلقین:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکنا مگر اسی طریقے سے جو کہ سب سے اچھا ہو''۔ جس سے اس کا مال محفوظ رہے اور اس میں کمی کی بجائے اضافہ اور بڑھوتری ہو۔ (المراغی وغیرہ) پس یتیم کے مال میں تصرف اسی طریقے سے کرے جس میں اسی کا فائدہ اور بھلا ہو۔ لہذا نیت اصلاح اور بہتری کی ہو نہ خورد برد اور ظلم وزیادتی کی۔ اور نیتوں کا معاملہ اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ پس یتیم کے مال میں اسکے ولی کا وہی تصرف درست ہوسکتا ہے جس میں اسکے مال کی حفاظت ترقی اور اسکی نشوونما پیش نظر ہو۔ اور جس تصرف اور مداخلت میں خیانت اور خورد برد کا خوف وخدشہ ہو وہ درست نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور یتیم کے ولیوں کو بھی اسکے مال میں اس مداخلت اور تصرف کا حق اور اختیار صرف اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ بالغ ہوکر اپنی قوتوں۔ اشد۔ کو نہیں پہنچتا۔ سو جب وہ بالغ ہوکر اپنے فہم وادراک کی ان قوتوں کو پہنچ جائے گا تو پھر اس کے مال میں مداخلت کا حق کسی کو نہیں۔ بلکہ وہ اپنے مال اور اس میں حقِ تصرف کا مالک خود ہوگا۔ کسی اور کو اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں رہے گا۔

۶۵ اپنے عہد وپیمان کو پورا کرنے کا حکم:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور پورا کیا کرو تم اپنے عہد کو''۔ خواہ وہ عہد تم نے اپنے خالق ومالک سے کر رکھا ہو، جس میں اللہ پاک کے سب اُوامر احکام آگئے اور خواہ وہ عہد تم نے آپس میں باہم دگر کر رکھے ہوں۔ ان سب کی پابندی کرو۔ (المراغی، الفتح وغیرہ)۔ سو عہد کو بہر کیف پورا کرو کہ عہد کی پوچھ بہر حال ہوگی۔ جس میں عہدِ الست بھی آتا ہے۔ جو انسان سے قدرت نے عالمِ ازل میں لیا تھا۔ پھر عہدِ ایمان بھی اسی میں داخل ہے۔ جس سے انسان اپنے خالق ومالک سے یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اسکے اَحکام واَوامر کی پابندی کرے گا۔ اور وہ سب عہد جو تم لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کیے ہوں ان سب ہی کو پورا کرنا تم پر لازم آتا ہے۔ اور یہ سب ہی اس حکمِ اِیفاء کے عموم میں داخل ہیں۔ اور ان سب کے بارے میں تم سے پوچھ ہوگی۔ (المعارف وغیرہ)۔ وباللّٰہ التوفیق لما یحب و یرید علی مایحب و یرید۔

الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ

ترازو سے تولو، کہ یہ (فی نفسہ بھی) اچھی بات ہے ۶۶ اور اس کا انجام بھی اچھا ہے و ۶۷ اور ایسی بات کے

۶۶ ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''جب تم ناپو تو پورا ناپو اور جب تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو''۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ اس سے معاشرے کی اِصلاح بھی ہوگی اور خود تمہاری اپنی نیک نامی اور اچھی شہرت بھی ۔اور سب کے حقوق محفوظ ہونگے ۔ کیونکہ اگر تم دوسروں کا خیال رکھو گے اور ان کے حقوق پورے طور پر ادا کرو گے اور ناپ تول میں کمی نہیں کرو گے تو دوسرے بھی تمہارا خیال رکھیں گے ۔اور تمہارے حقوق پورے طور پر ادا کریں گے ۔ اور وہ بھی باہمی ہمدردی کی ایک ایسی فضاء قائم ہوگی جس میں امن وسکون اور احترام والفت کا دور دورہ ہوگا ۔اس کے برعکس جو ڈنڈی مارے اور دوسروں کے حقوق میں کمی اور کوتاہی کرنے کے طریقے کو اپناتے ہیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ اپنے چند ٹکوں کی اس ناجائز اور منحوس کمائی سے وہ عدل وانصاف اور حق وصداقت کی اس بنیاد کو ڈھانے میں مصروف ہیں جس پر صالح معاشرہ اور متوازن معیشت کا مدار وانحصار ہے ۔سو اس اعتبار سے ناپ تول میں کمی کی خطورت وبُرائی کہیں بڑھ جاتی ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔اللہ تعالیٰ ہر طرح کی زیادتی اور حق تلفی سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ۔

۶۷ ناپ تول کو پورا کرنے میں دنیا وآخرت کی بہتری اور بھلائی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ناپ تول کو پورا کرنے کا انجام بھی بہت اچھا ہے'' ۔ کہ اس سے دنیاوی بہتری کے ساتھ ساتھ تمہیں آخرت کا اجر وثواب بھی ملے گا ۔ (المراغی ، ابنِ کثیر وغیرہ) ۔ کسی کا حق اس کے ذمے نہیں ہوگا جس کے بارے میں اس سے کوئی پوچھ اور پرسش ہو ۔ اور اس سے پہلے اس دنیا میں ایسے لوگوں کیلئے جب انکی امانتداری کی شہرت ہوگی اور لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ یہ شخص کسی کا حق نہیں مارتا تو لوگوں کا اس پر اعتماد قائم ہوگا جو کہ تجارت اور کاروبار میں کامیابی کی ایک اہم بنیاد ہے ۔ اور اس طرح لوگ اس پر اعتماد کریں گے وہ سب اسکی طرف کو متوجہ ہوں گے جس سے اس طرح کے امانتدار لوگوں کا کاروبار ایسا چمکے گا کہ وہ دنیاوی اعتبار سے بھی بہت دولت منداور مالدار ہو جائیں گے ۔ (المراغی ، المحاسن وغیرہ) ۔سو ناپ تول میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے اور دوسروں کے حقوق کیلئے عدل وانصاف کو اپنانے کے فوائد وثمرات سے انسان آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی متمتع ہوتا ہے ۔ پس ناپ تول کو پورا کرنا ایک عظیم الشان عمل اور مبارک طریقہ ہے جو انسان کیلئے دنیا وآخرت کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے ۔اور اس میں ہر کسی کے حقوق کی حفاظت ہے ۔ جو یہ امن وامان کی ایک اہم بنیاد ہے ۔ وبـالـلّٰه التوفیق لما یحب و یرید علی مایحب و یرید بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال ، و فی کُلِّ موطنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ ۔

مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ

پیچھے نہ پڑا کرو جس کا تمہیں علم نہ ہو، ف۶۸ کہ بلاشبہ کان، آنکھ، اور دل،

كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡئُوۡلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمۡشِ فِی

سب ہی کے بارے میں باز پرس ہوگی، ف۶۹ اور اکڑ کر نہیں چلنا (اللہ کی)

الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَلَنۡ تَبۡلُغَ

زمین میں، بے شک نہ تو تم پھاڑ سکتے ہو اس زمین کو (ایڑیاں مار مار کر،) اور نہ ہی تم پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کی بلندی کو (اپنی

الۡجِبَالَ طُوۡلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنۡدَ رَبِّكَ

گردن کو تان کر) ف۷۰ ان سب باتوں میں سے ہر ایک کا برا پہلو تمہارے رب کے یہاں ناپسندیدہ ہے، یہ سب باتیں ہیں

مَكۡرُوۡهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤی اِلَیۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ ؕ

اس حکمت (لازوال) کی، جس کی وحی فرمائی ہے تمہاری طرف تمہارے رب نے ف۷۱ (اپنے کرم سے) اور مت ٹھہرانا اللہ کے

وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰی فِیۡ جَهَنَّمَ مَلُوۡمًا

ساتھ کوئی اور معبود ف۷۲ کہ اس کے نتیجے میں تم کو پھینک دیا جائے جہنم میں ملامت زدہ اور راندہ (ومحروم کر کے،) ف۷۳ تو کیا

مَّدۡحُوۡرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصۡفٰىكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ

تمہارے رب نے تمہیں تو چن لیا بیٹوں کے ساتھ، اور خود اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنا دیا؟ یقیناً تم لوگ ایک بڑی

۶۸ بغیر علم کے کسی چیز کے پیچھے لگنے کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم کسی ایسی بات کے پیچھے مت پڑا کرو جس کا تمہیں علم نہ ہو"۔ پس کسی ایسی چیز کے بارے میں جو تم نے دیکھی نہیں مت کہو کہ میں نے دیکھی ہے۔ اور جو سنی نہ ہو اس کے بارے میں مت کہو میں نے سنی ہے۔ قالہ قتادہ۔ (ابن کثیر، المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ پس جس چیز کے بارے میں تم کو تحقیق نہ ہو ایسے مت کہا کرو وہ اس طرح ہے۔ اور جس چیز کے بارے میں تم کو صحیح علم نہ ہو اسکی گواہی مت دیا کرو۔ (المعارف وغیرہ)۔ سو علم کے بغیر یونہی محض ظن وگمان کی بناء پر کسی کے پیچھے لگنا اور اس بناء پر کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم کر لینا یا حکم لگا دینا سخت برا اور گناہ کا کام ہے۔ اسی لیے دوسرے مقام پر صاف اور صریح طور پر تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے ظن وگمان گناہ ہوتے ہیں۔ سو ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ﴾۔ (الحجرات:۱۲)۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ

الْعَظِيمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۶۹ آخرت کی بازپرس کی تذکیر و یاددہانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ''بیشک کان، آنکھ اور دل کے بارے میں پوچھ ہوگی''۔ کہ ان کو تم نے کہاں کہاں استعمال کیا تھا اور ان سے کیا کام لیا تھا ؟۔ وَلِلّٰهِ الْعِصْمَةُ۔ نیز خود ان اعضاء و جوارح سے بھی پوچھ ہوگی کہ تم نے کیا سنا اور کیوں سنا تھا؟ کیا دیکھا اور کیوں دیکھا تھا؟ اور دل سے بھی پوچھ ہوگی کہ تو نے کیا سوچا اور کیوں سوچا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ (المعارف۔ المحاسن وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جو اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ اور بے بنیاد باتیں کرتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایک ایسا روزِ حساب آنے والا ہے جس میں ان سے ان کے کان، آنکھ اور دل کے بارے میں پوچھ ہوگی۔ سو اس بازپرس کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھا جائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید علی مایحب و یرید۔ سبحانہٗ وتعالیٰ

۷۰ زمین پر اکڑ کر چلنے کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''تم اکڑ کر مت چلو اللہ کی زمین میں''۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کے مقابلے میں اس قدر عاجز اور کمزور ہو تو پھر یہ اکڑ اور یہ تکبر کس لئے ؟ اور کاہے کا ؟ (ابنِ کثیر، المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تم زمین پر متکبر اور مغرور لوگوں کی طرح ایڑیاں مار کر اور اکڑ کر نہ چلا کرو بلکہ اللہ کے عاجز اور فرماں بردار بندوں کی طرح چلا کرو۔ جس سے اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ سے تمہارے پاؤں کے نیچے زمین کے اس عظیم الشان فرش کو بچھا دیا اس پر تو تمہاری حیثیت ایک چیونٹی اور بھنگے کی بھی نہیں ہے۔ اور جن عظیم الشان پہاڑوں کو اس نے اپنی اس زمین میں گاڑ دیا ان کے سامنے تم ایک گلہری کے برابر بھی نہیں ہو۔ تو پھر یہ اکڑ اور اس قدر تکبر آخر کیوں؟ اور کیا تم زور سے ایڑیاں مار کر زمین کو پھاڑ دو گے؟ اور کیا تم اکڑ کر اور سینہ تان کر ان فلک بوس پہاڑوں کے برابر پہنچ جاؤ گے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر یہ اکڑفوں آخر کیوں؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین۔

۷۱ یہ نصیحتیں قطعی طور پر حق اور صدق ہیں:۔ جن میں کسی خطاء اور تقصیر کا کوئی احتمال نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ سب باتیں وحی کی حکمت میں سے ہیں۔ جن میں ان عظیم الشان آداب و حکمت کی تعلیم دی گئی ہے۔ سو جب یہ باتیں سراسر صدق اور حکمت کی ہیں تو ان کو صدقِ دل سے اپناؤ اور جب یہ حکمت بھی اس وحی کی بناء پر ہے جو آپ کے رب نے آپ کی طرف فرمائی ہے تو ان کو اور بھی جزم و یقین اور صدق و اخلاص سے اپناؤ کہ ان میں کسی غلطی اور کسی طرح کی خطاء و قصور کا کوئی خدشہ و امکان نہیں ہے۔ سو ایسے میں یہ باتیں وہ عظیم الشان باتیں ہیں جو تمہارے لیے اور پورے انسانی معاشرے کیلئے خیر و برکت کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ اور ان کی کوئی نظیر و مثال اور کوئی متبادل ممکن نہیں۔ اور یہ سراسر خیر و برکت ہیں۔ پس ان کی پوری پابندی کی جائے۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ و یرید، وعلیٰ مایُحبُّ و یرید۔

۷۲ عقیدۂ توحید ہر خیر کی اساس و بنیاد:۔ سو اس سے اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ عقیدۂ توحید حکمت اور ہر خیر کی اساس و بنیاد ہے اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرمی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پس عقیدۂ توحید سارے دین کی

اصل اور اساس و بنیاد ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور تم مت ٹھہرانا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود"۔ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کے کسی بے جان بُت کی شکل میں ہو یا کسی زندہ و مردہ انسان کی شکل میں۔ (صفوۃ وغیرہ)۔ یا کسی اور فرضی اور وہمی شیٔ کی صورت میں کہ ﴿اِلٰهًا﴾ کی تنکیر و تعمیم ان سب ہی صورتوں کو محیط اور شامل ہے۔ سو اللہ کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی معبود ٹھہرانا جائز نہیں کہ یہ شرک اور ظلم عظیم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اٹھارہ آیات اَلواحِ تورات میں مذکور و مندرج تھیں جن کا آغاز بھی عقیدۂ توحید سے فرمایا گیا ہے اور ان کا خاتمہ بھی اسی پر فرمایا گیا ہے۔ سو عقیدۂ توحید حکمت کی اساس و بنیاد ہے اور اس سے محرومی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ ہر خیر سے محرومی ہے۔ اور اس سے محرومی کے بعد۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ انسان کے اندر کسی حکیم کی کوئی حکمت اثر نہیں کر سکتی۔ (مدارک التنزیل وغیرہ)

۷۲ شرک کا انجام سیدھا جہنم۔ والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں بنانا کہ تم کو پھینک دیا جائے جہنم میں" کیونکہ شرک سب سے بڑا گناہ اور ایسا سنگین جرم ہے جو کہ ناقابل معافی جرم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اسی لئے یہاں پر ان احکام کا آغاز بھی اسی تنبیہ سے فرمایا گیا اور اختتام بھی اسی پر فرمایا گیا۔ سو اس سے عقیدۂ توحید کی عظمت و اہمیت واضح فرمادی گئی کہ اَب اَحکام و اَوامر کا نقطہ آغاز بھی یہی ہے اور انتہائے مقصود بھی یہی۔ (ابن کثیر، المراغی، الفتح وغیرہ)۔ مزید یہ کہ پہلے موقعہ پر شرک کے ان برے نتائج کو ذکر فرمایا گیا ہے جو اس پر اس دنیا میں مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ تم اسکے نتیجے میں بدحال اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ جاؤ۔ سو شرک سے ایک طرف تو انسان بدحال، ذلیل و خوار اور رسوا ہو کر رہ جاتا ہے اور دوسری طرف وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و عنایت سے محروم و مطرود ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور یہاں پر شرک کا اُخروی انجام ذکر فرمایا گیا کہ ایسے میں تم کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا بدحال اور دھتکارا ہوا کر کے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ پھر یہاں پر دنیا میں چونکہ معاملہ انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے اس لئے وہاں ﴿تَقْعُدَ﴾ معروف کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ جبکہ آخرت کا معاملہ چونکہ انسان کے اپنے بس میں نہیں ہوگا اس لئے وہاں ﴿تُلْقٰی﴾ مجہول کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے قرآنِ حکیم کی ان بلاغتوں اور باریکیوں کے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رب العالمین۔ سو ان آیاتِ کریمات سے ایک طرف تو عقیدۂ توحید کی عظمتِ شان کو واضح فرمادیا گیا کہ یہ عقیدۂ جلیلہ تمام اَحکام کی اساس و بنیاد ہے جس پر پورے دین کی عمارت قائم ہے۔ اور یہی عقیدۂ دینِ متین اور اس کے اَحکامِ جلیلہ کیلئے حصار اور شہر پناہ بھی ہے۔ سو جس طرح اساس اور مضبوط و متین اساس و بنیاد کے بغیر کوئی عمارت قائم نہیں ہو سکتی اسی طرح دینِ متین کی عمارتِ مقدسہ بھی عقیدہ توحید کی اساس کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔ اور جس طرح مضبوط حصار کے بغیر کوئی عمارت قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح عقیدۂ توحید میں خلل اور رخنہ اندازی کے بعد۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ حکمت کی یہ ساری باتیں بھی رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے ناپید ہو جائیں گی۔ سو عقیدۂ توحید ہی سے ان احکام کا آغاز اور اسی پر ان کا اختتام فرما کر عقیدہ توحید کی عظمت و اہمیت کو واضح فرمادیا گیا اور اس حقیقت کی تصریح بھی فرمادی گئی کہ شرک کا نتیجہ و انجام سیدھا جہنم ہے۔ سو جس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اس کو ذلیل و خوار کر کے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ

بھاری بات منہ سے نکالتے ہو۴۴ اور یقیناً ہم نے طرح طرح سے بیان کیا ہے اس قرآن میں (حق اور حقیقت کو،) تاکہ

صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا

لوگ سمجھیں، مگر اس سے ان (بدبخت ہٹ دھرموں) کی نفرت (اور محرومی) ہی میں اضافہ ہوتا گیا۴۵ (ان سے) کہو کہ

نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا

اگر اس (وحدہٗ لاشریک) کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے، جیسا کہ ان کا کہنا ہے، تو یقیناً انہوں نے عرش والے تک پہنچنے

۴۴ **فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے کے شرک کا ذکر و بیان:**۔ سو یہ مشرکوں کے اندھے اور اوندھے پن کا ایک نمونہ و مظہر ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا۔ سو ان کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے کیلئے ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا تمہارے رب نے تمہیں تو بیٹوں کے ساتھ چن لیا اور خود اپنے لیے بیٹیاں پسند کیں؟" یعنی تم لوگوں نے اے مشرکو اپنے رب سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کے حق میں ڈبل جرم کا ارتکاب کیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ کہ اول تو تم نے اس کے لئے اولاد تجویز کی۔ جبکہ وہ اولاد اور اس کے جملہ شوائب و متعلقات سے پاک اور وراء الوراء ہے کہ اس کی صفت وشان ہے۔ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور پھر تم نے اس کیلئے اولاد بھی وہ تجویز کی جو تم لوگ خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ یہ کتنی ٹیڑھی اور کس قدر اوندھی تقسیم ہے؟ اپنے خالق و مالک اور رب و رازق کے بارے میں یہ جسارت؟ سو تم لوگ کس قدر بیباک، کتنے اندھے اوندھے اور کس قدر ڈھیٹ ہوگئے ہو۔ اور تمہاری مت کس قدر ماری گئی ہے؟ یہ ایک بڑی بھاری بات ہے جو تم لوگ اپنے مونہوں سے نکالتے ہو مگر تمہیں اسکی خطورت اور سنگینی کا شعور و احساس نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۴۵ **عناد و ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ:**۔ سو اسی لیے قرآن حکیم کے بیان حق ترجمان سے حق کو سمجھنے اور اپنانے کی بجائے کفار و مشرکین کی نفرت و محرومی ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کیونکہ ان کے دل ٹیڑھے اور عقلیں مسخ ہوچکی ہیں۔ اور ان کی نیتیں بُری اور ارادے فاسد ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو ایسے میں قرآن حکیم کے ارشادات کریمہ سے انکی ہدایت کی بجائے انکی ضلالت و گمراہی میں اور بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ ایک طبعی امر اور منطقی نتیجہ ہے۔ کیونکہ کسی کا معدہ جب خراب ہوجائے تو اچھی اور مقوی غذا سے اسکی صحت قوت کی بجائے اسکی بیماری ہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یقیناً ہم نے اس قرآن میں انداز اور اسلوب بدل بدل کر حق اور حقیقت کو اور خاص کر عقیدۂ توحید کو پوری طرح واضح کردیا ہے۔ اور اس کو اس قدر نکھار دیا ہے اور ایسا اجاگر کردیا ہے کہ کسی طرح کا کوئی خفاء غموض باقی نہیں رہ گیا۔ اور غبی سے غبی انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن منکرین و مکذبین کی ہٹ دھرمی سے انکی نفرت ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ سو عناد و ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ سُبْحَانَهُ وَ

کے لئے ضرور کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا۷۶ پاک ہے وہ (اللہ) اور بہت ہی بلند اور بالا، ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ اس

تَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٤٣﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ

(کی شانِ اقدس) کے بارے میں بنا رہے ہیں۷۷ اسی کی پاکی بیان کرتے (اور اس کی عظمت کے گن گاتے) ہیں یہ ساتوں

۷۶ تردیدِ شرک کے لئے ایک ٹھوس عقلی دلیل:۔ سو اس سے شرک کی تردید کیلئے ایک ٹھوس دلیل کو پیش فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہارے کہنے کے مطابق بالفرض اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہوتے تو وہ ضرور صاحب عرش تک پہنچنے کیلئے کوئی راستہ ڈھونڈ لیتے اس پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے۔ جیسا کہ بادشاہوں کا حال ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں آسمان و زمین کا یہ سارا نظام کبھی کا درہم برہم ہو گیا ہوتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ الآیۃ (الانبیاء:۲۲)۔ یہ جمہور کا قول ہے اور اسی کو ابوالسعود، صاحبِ کشاف وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ اور یہی بعد والی آیتِ کریمہ کے مناسب ہے کہ وہ اس انکار میں صریح ہے۔ (ابوالسعود، کشاف، معارف، محاسن وغیرہ)۔ جبکہ دوسرا قول اسکی تفسیر میں یہ ہے کہ اگر بالفرض اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور بھی کوئی معبود ہوتے تو وہ بھی یقیناً عرش والے کا قرب ڈھونڈتے اور اسکی رضاء جوئی کی کوشش کرتے۔ کہ معبودِ برحق تو بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ یہ قول ابن جریر اور ابنِ کثیر وغیرہ حضرات کا ہے۔ لیکن پہلا قول انسب اور اظہر ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ بہر کیف دونوں صورتوں میں یہ شرک کی تردید کیلئے ایک ٹھوس عقلی دلیل ہے جس سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ معبودِ برحق ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ نظامِ کائنات اس کا شاہدِ عدل ہے۔

۷۷ اللہ تعالیٰ کی شان تنزیہ کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اللہ پاک ہے ایسی تمام باتوں اور اس طرح کی تمام مثالوں سے جو یہ لوگ اس کے بارے میں بناتے ہیں"۔ مثلاً یہ کہ اس کا کوئی شریک ہے یا اسکے سوا اور کسی میں بھی کوئی خدائی صفت پائی جاتی ہے۔ یا اس کی کوئی اولاد ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو اس طرح کی تمام باتوں سے پاک اور بالا ہے۔ نہ اسکا کوئی شریک ہے نہ سہیم۔ نہ اس کی ذات و صفات میں اور نہ اسکے حقوق و اختیارات میں۔ وہ یکتا ہے اور بے مثل و بے مثال ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس طرح کی تمام باتیں جو یہ لوگ اپنے طور پر بناتے اور اپنی عقلوں سے گھڑتے ہیں مخلوق کے شایانِ شان اور اسی کے لائق ہیں کہ ان کی کھوپڑیاں مخلوق اور انکی عقلوں کی دسترس محدود اور صرف مخلوق تک ہے اور بس۔ جبکہ وہ وحدہٗ لاشریک دائرہ مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ وہ اس طرح کی تمام خرافات اور ایسے تمام ظنون و اوہام سے پاک اور ان سے کہیں اعلیٰ و بالا ہے۔ اس کے بارے میں صحیح مثال اور صحیح بات وہی ہو سکتی ہے جو وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اسکے وہ رسول بتائیں جن کے پاس اسکی طرف سے وحی آتی ہے اور بس۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ

آسمان اور زمین، اور ان کے اندر کی سب مخلوق، (خواہ زبانِ حال سے خواہ زبانِ قال سے،) اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو

بِحَمۡدِهٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ کَانَ

تسبیح نہ کرتی ہو، اس کی حمد (وثناء) کے ساتھ و٧٨ مگر تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے و٧٩ یقیناً وہ نہایت ہی بردبار، بڑا ہی بخشنے والا و٨٠

حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ جَعَلۡنَا بَیۡنَكَ

ہے اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو کہ ایمان نہیں رکھتے آخرت پر، ایک مخفی

وَبَیۡنَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسۡتُوۡرًا ﴿۴۵﴾ وَّ

پردہ حائل کر دیتے ہیں و٨١ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے (ان کی اپنی بدنیتی کی بناء پر) اس بات سے کہ وہ

جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّةً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ وَفِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ

اسے سمجھیں اور ان کے کانوں میں بھاری ڈاٹ رکھ دیے (اس سے کہ یہ اسے سنیں و٨٢) اور جب تم قرآن میں صرف

٧٨ ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے"، یعنی وہ "سبحان اللہ وبحمدہ" کہتی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ ہم کھانا کھا رہے ہوتے تھے اور اس سے تسبیح کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ﴿کُنَّا نَسۡمَعُ تَسۡبِیۡحَ الطَّعَامِ وَهُوَ یُؤۡکَلُ﴾ یعنی جب کھانا کھایا جاتا تو ہم اسکی تسبیح سنا کرتے۔ (ابن کثیر، جامع البیان، معارف، محاسن وغیرہ)۔ سو تم لوگوں کو اس خالق و مالک نے ایک محدود دائرہ کے اندر جو اختیار بخشا ہے اسکی بناء پر اور اس سے غلط فائدہ اٹھا کر تم جو خود ساختہ اور ناروا باتیں چاہو اس کی طرف منسوب کرو لیکن ساتوں آسمان اور زمین اور ان کے اندر کی ساری مخلوق اسکی تسبیح کرتی ہے اپنی زبانِ حال سے بھی، اور اپنی زبانِ قال سے بھی۔ لیکن تم لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ فسبحان اللہ وبحمدہ و سبحان اللہ العظیم ما تتعاقب الیل والنہار۔

٧٩ اللہ تعالیٰ کی صفتِ حلم اور مغفرت کا حوالہ و ذکر:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ اِنَّ کی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ وہ بڑا ہی بُردبار اور انتہائی بخشنہار ہے۔ سو اس کی تصریح فرما دی گئی کہ وہ بڑا ہی حلیم و بردبار اور غفور و غفار ہے۔ اسی لیے وہ اپنے بندوں کو ان کے کفر و معاصی پر فوراً نہیں پکڑتا۔ بلکہ ان کو ڈھیل پر ڈھیل دیے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ عمروں کی عمریں گزر جاتی ہیں۔ سو اسکے حلم اور کرم کی بناء پر دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے بلکہ ہمیشہ اور دل و جان سے اسکے آگے جھکے رہا کرو۔ اور اس کی ناراضگی اور اس کی گرفت و پکڑ سے بچنے کی فکر و کوشش میں رہنا چاہیے کہ جہاں اس کا حلم و کرم بہت بڑا ہے وہاں اس کی گرفت و پکڑ بھی بہت سخت ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ۔ (معارف للکاندھلوی وغیرہ)۔ حضرت عبداللہ بن

عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرتِ نوحؑ کی موت کا وقت آیا تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں سے فرمایا کہ میں تمہیں "سبحان اللہ وبحمدہٖ" کی تسبیح کی تاکید کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ ہر چیز کی عبادت ہے اور اسی سے ہر چیز کو روزی ملتی ہے۔ اخرجہ احمد وابن مردویہ۔ (المراغی وابنِ کثیر وغیرہ) والحمدُ للہ جلّ وعلا،

۸۰ ایک عظیم الشان تسبیح کی تعلیم وتلقین:۔ سو اللہ تعالیٰ کے حلم وکرم کے ساتھ اسکی مغفرت وبخشش کا بھی ذکر فرمادیا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ بڑا بخشنے والا ہے"۔ پس جو بھی کوئی سچے دل سے اور صحیح طور پر توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرے گا وہ اس کی بخشش فرمادے گا خواہ اس کے گناہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ اس کی رحمت وبخشش کا کوئی کنارہ نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس اس کے حضور توبہ اور رجوع صدق دل سے اور صحیح طور پر کیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرتِ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرتِ نوح نے اپنی وفات کے وقت اپنے دونوں بیٹوں سے فرمایا کہ میں تم دونوں کو "سبحان اللہ وبحمدہٖ" کی تسبیح کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ یہی کائنات کی ہر چیز کی نماز ہے اور اسی سے ہر چیز کو روزی ملتی ہے۔ (ابنِ کثیر، المراغی وغیرہ)۔ سو جیسا کہ اوپر کے حاشیے میں بھی گزرا یہ ایک بڑی عظیم الشان تسبیح ہے۔ اس لئے اسکو حرزِ جان بنائے رکھنا چاہیے۔ کہ یہ سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۸۱ عناد اور ہٹ دھرمی محرومی وفساد کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم قرآن پڑھنے لگتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ اور یہ پردہ ایسا مخفی ومستور ہوتا ہے کہ ظاہر میں نظر بھی نہیں آسکتا لیکن ہوتا ایسا سخت ہے کہ ظاہری اور حسی پردوں سے بھی کہیں بڑھ کر رکاوٹ بنتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ان لوگوں کے اپنے زیغ وضلال اور کج طبعی وبدنیتی کے باعث ہوتا ہے جس کے نتیجے میں یہ لوگ حق کو سننے اور سمجھنے سے محروم رہتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔سو اس ارشاد ربانی سے اس سنتِ الٰہیہ اور دستورِ خداوندی کو بیان فرمایا گیا ہے کہ ضد وعناد اور ہٹ دھرمی والے لوگ نورِ حق وہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ سو عناد وہٹ دھرمی محرومی وفساد کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۸۲ ہٹ دھرموں کے کان بند، اور انکے دل ماؤف۔ والعیاذ باللہ:۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اس سے کہ یہ اسکو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ رکھ دیے اس سے کہ یہ اس کو سنیں۔ اور ان کے ساتھ یہ معاملہ ان کے اپنے خبثِ باطن اور سوءِ اختیاری کی بنیاد پر کیا گیا، سو اس کے نتیجے میں ان کے دل ماؤف، اور کان بند ہو گئے۔ جس سے یہ لوگ قولِ حق کے سننے اور سمجھنے سے محروم ہو گئے اور یہ اسلئے کہ ہماری سنت اور ہمارا دستور یہی ہے کہ جس کا باطن ٹیڑھا ہو اور وہ خود نورِ حق وہدایت کی روشنی چاہتا ہی نہ ہو وہ حق سے محروم ہی رہتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔سو ایسے لوگ جو اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر حق بات سننے ماننے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے، سو ان کی اس ہٹ دھرمی کے نتیجے میں انکے دلوں پر ایسے پردے ڈال دئے جاتے ہیں کہ انکے فہم وادراک کی اہلیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے اسی اوپر والے مضمون کی مزید وضاحت اور تاکید فرمادی گئی ہے کہ ایسے ہٹ دھرم لوگوں کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیئے ہیں کہ یہ لوگ نہ اس کو سن سکیں اور نہ سمجھ سکیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین ثم آمین یارَبَّ العالمین، ویا ارحم الرحمین۔

وَقْرًاؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی

اپنے رب ہی کا ذکر کرتے ہو ۸۳ تو یہ لوگ نفرت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں ۸۴ ہمیں خوب معلوم ہے وہ غرض

اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ

جس کے لئے یہ لوگ کان لگا کر سنتے ہیں، جب کہ یہ تمہاری طرف کان لگائے ہوتے ہیں ۸۵ اور جب یہ آپس میں

یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ

سرگوشیاں کر رہے ہوتے ہیں، جب کہ یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو محض ایک جادو زدہ شخص کی پیروی

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا

کرتے ہو، دیکھو تو سہی (عقل کے دشمن اور نصیب کے کھوٹے) یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی مثالیں

لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ وَ

بیان کرتے ہیں، سو یہ ایسے بھٹکے کہ اب انہیں کوئی راہ دکھائی ہی نہیں دیتی ۸۶ اور کہتے

۸۳ مشرکوں کی توحید سے نفرت و ناگواری کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اور جب تم قرآن میں اپنے رب ہی کا ذکر کرتے ہو جو کہ خالق و مالکِ حقیقی اور معبودِ برحق ہے۔ اور اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ ان کے ان معبودانِ باطلہ کا کوئی ذکر تذکرہ نہیں کرتے اور اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے خودساختہ حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں میں سے کسی کا کوئی ذکر نہیں کرتے تو ان کے دل بگڑ اور ان کے تیور بدل جاتے ہیں۔ اور ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوتا ہے کہ شرک کا روگ ان کے دلوں میں رچ بس گیا ہے۔ اور اسکی سیاہی ان کے دلوں پر جم گئی ہے۔ (محاسن التاویل، مدارک التنزیل اور ابنِ کثیر وغیرہ)۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔ سو اس سے مشرکوں کی توحید سے چڑ اور نفرت کو واضح فرمادیا گیا ہے کہ یہ لوگ قرآن میں توحید کا ذکر سنتے ہی اس سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ اور ان کی اس نفرت اور چڑ کا ذکر دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ﴾۔ (الزمر: ۴۵) یعنی "جب صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل سکڑ جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب اللہ کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ خوشی سے کھل کھلا کر اٹھتے ہیں"۔ اور کچھ یہی حال آج کے کلمہ گو مشرکوں کا ہے کہ جب خالص توحید کا ذکر کیا جائے تو یہ لوگ منہ بسورنے اور تیوریاں چڑھانے لگتے ہیں۔ لیکن جب کوئی من گھڑت شرکیہ قصہ سنایا جائے یا کسی خودساختہ سرکار کا ذکر کیا جائے تو یہ لوگ طرح طرح کے خودساختہ نعروں کے ڈونگرے برسانے لگتے ہیں۔ سو مرض بھی ایک اور مریض بھی ایک جیسے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ

۸۴ مشرکوں کے ذکرِ توحید سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا ذکر:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ مشرک لوگ توحید کا ذکر سنتے ہی نفرت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو اصل نفرت اور بغض عقیدۂ توحید ہی سے ہے۔ کل کے مشرک کا حال بھی یہی تھا اور آج کے مشرک کا حال بھی یہی ہے۔ اگر خالص توحید بیان کی جائے تو ان کے دل سکڑ تے، تیور بدلتے اور ان کے چہرے بگڑتے ہیں اور اگر اس میں ان کی خود ساختہ ہستیوں اور بناوٹی سرکاروں کو بھی شامل کرلیا جائے تو پھر یہ کھل کھلا اٹھتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں اس حقیقت کو کئی جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ زمر میں ارشاد ہوتا ہے: واذا ذکر اللّٰـه وحده اشمازت قلوب الذین لا یؤمنون بالاٰخرۃِ واذا ذکر الذین من دونه اذا هم یستبشرون. (الزمر:۴۵) یعنی ''جب اکیلے اللہ رب العزت کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل سکڑ جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب اسکے ساتھ دوسروں کا ذکر کیا جائے تو یہ لوگ خوشی سے کھل کھلا اٹھتے ہیں''۔ اور اسی حقیقت کو سورۂ مومن کی آیت نمبر ۱۲ میں بھی اسی صراحت و وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ وہاں ارشاد ہوتا ہے کہ قیامت کے روز مشرکوں سے کہا جائے گا کہ تمہارا یہ ہولناک انجام اسی لیے ہوا کہ دنیا میں تمہارا حال یہ تھا کہ جب اللہ وحدہٗ لاشریک کی دعوت دی جاتی تو تم لوگ انکار کرتے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم ایمان لے آتے۔ سو اب حکم اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے جو کہ نہایت بلند بہت بڑا ہے۔ ذلـکم اذا دعی اللّٰـه وحده کفرتم وان یشرک به تومنوا فالحکم للّٰه العلی الکبیر. (المومن:۱۲)۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۸۵ بدنیتی کا سننا باعث محرومی والعیاذ باللہ:۔ سو اس سے اس اہم حقیقت کو واضح فرمادیا گیا کہ بدنیتی کا سننا باعث محرومی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ''اور ہمیں خوب معلوم ہے جس غرض کیلئے یہ سنتے ہیں''۔ کہ ان کے دلوں کی کیفیات لوگوں سے تو چھپ سکتی ہیں لیکن ہم سے کسی بھی طرح نہیں چھپ سکتیں۔ ہمیں سب کچھ معلوم ہے اور نہاں و عیاں ہمارے یہاں ایک برابر ہے۔ سو ہم جانتے ہیں کہ ان کا سننا استہزاء اور مذاق اڑانے کیلئے ہوتا ہے اور حق کو جھٹلانے کی غرض سے، اور یہ بھی کہ یہ لوگ آپکو انہیں مجلسوں میں ساحر، مجنوں اور کاہن وغیرہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ سو ان کا سننا اور سننے کیلئے کان لگانا نیک نیتی سے اور ماننے کیلئے کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ عیب جوئی اور نکتہ چینی کیلئے ہوتا ہے تاکہ اس طرح اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کا سامان کرسکیں۔ ان کا یہ سننا بھی باعث محرومی ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۸۶ انکارِ حق کا نتیجہ مت ماری اور حواس باختگی والعیاذ باللہ:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ یہ لوگ ایسے بھٹک گئے کہ ان کو کوئی راستہ مل ہی نہیں رہا۔ سو اظہارِ تعجب اور حیرت و حسرت کے انداز میں ارشاد فرمایا گیا ''سو دیکھو تو سہی کہ یہ لوگ آپ کیلئے کیسی کیسی عجیب مثالیں بیان کرتے ہیں''، جن کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق اور جوڑ نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے بلکہ یہ ایسی مثالیں بیان کرتے ہیں جو خود باہم متصادم و معارض اور ایک دوسرے کی تردید کررہی ہوتی ہیں۔ مثلاً کبھی آپ ﷺ کو ساحر کہتے ہیں اور کبھی مسحور۔ کبھی شاعر اور کبھی مجنون۔ سو اس سے خود ان کی اپنی سخافتِ عقل اور ان کے اندھے اور اوندھے پن کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس طرح ان لوگوں کی مت ماردی جاتی ہے اور ان کو راہِ حق و صواب سے سرفرازی نصیب نہیں ہوسکتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ بلکہ اپنی اس طرح کی حرکتوں سے یہ لوگ راہِ حق و ہدایت سے مزید دور ہوتے اور بھٹکتے جاتے ہیں اور ان کی محرومی اور پھٹکار میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جو منہ میں آیا وہی بک دیتے ہیں اور اس طرح اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سو ایسوں کے جواب میں صبر و برداشت ہی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ

ہیں کہ کیا جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے، تو کیا پھر ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟ و۸۷ کہو کہ

خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ

(ہڈیاں اور چورا تو کیا) تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ، یا اور کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا زندہ ہونا تمہارے خیال میں بہت مشکل بات ہو،

خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ

(پھر بھی تم نے اٹھ کر رہنا ہے) و۸۸ اس پر یہ کہیں گے کہ (اچھا تو) وہ کون ہے جو ہمیں (اس حالت پر بھی) دوبارہ زندہ کر دے گا؟

قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ

کہو، وہ وہی ہے جس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا، (جب کہ تمہارا کوئی نام و نشان تک بھی نہ تھا و۸۹) اس پر یہ لوگ سر ہلاتے

رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ

ہوئے یہ سوال کریں گے کہ (اچھا تو) یہ کب ہوگا؟ جواب دو کہ کیا عجب کہ وہ وقت تمہارے قریب ہی آ گیا ہو و۹۰ جس روز

قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ

وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی پکار پر (بلا کسی چوں و چرا کے فوراً) چلے آؤ گے اس کی حمد (ثناء) کرتے ہوئے و۹۱ اور (آج

۸۷ منکرین کا بعث بعد الموت پر اچنبھا:- یعنی ان کے خیال میں یہ بڑی انہونی اور ناممکن بات ہے۔ اسی لئے یہ لوگ تعجب اور استہزاء کے طور پر اس طرح کہتے ہیں کہ ''جب ہم مر کر ہڈیاں اور چورہ بن جائیں گے تو کیا پھر بھی ہمیں زندہ کر کے اٹھایا جائیگا''، یعنی یہ تو ایک انہونی بات ہے۔ سو ان کی کھوپڑیوں کے مطابق اور انسانی طاقت کے اعتبار سے واقعی ایسے ہی ہے۔ لیکن جس قادر مطلق نے انکو پہلی مرتبہ پیدا کیا اسکی طاقت کے اعتبار سے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ بلکہ صرف ایک حکم اور اشارے کی دیر ہے اور بس۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ. (النازعات: ۱۳-۱۴) یعنی ''وہ تو محض ایک ڈانٹ اور جھڑکی ہوگی جس کے نتیجے میں یہ سب کے سب ایک بڑے کھلے میدان میں آموجود ہونگے۔'' ان کیلئے کسی انکار یا تسویف کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

۸۸ تم لوگوں کو بہر حال دوبارہ اٹھنا ہے:- تا کہ حساب کتاب ہو اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ اور تم کو اٹھانا اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے لئے جو قادر مطلق ہے، کچھ بھی مشکل نہیں اور اس کیلئے کوئی بھی چیز ناممکن اور مشکل نہیں ہو سکتی کہ اس کی صفت و شان ہے۔ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. کہ ''وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔'' جو

چاہے اور جیسا اور جب چاہے کرسکتا ہے۔ اور اس کیلئے اسکو صرف حکم دینا اور ارشاد فرمانا ہوتا ہے اور بس کہ اسکی شان ''کُنْ فَیَکُوْن'' کی شان ہے جو صرف اسی وحدہ لاشریک کی شان ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۹۸ منکرینِ بعث کیلئے مختصر اور بھرپور جواب:- جس کے بعد انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''تم کو دوبارہ وہی اٹھائے گا جس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا ہے۔'' یعنی اپنے اس سوال کے جواب کے لئے تمہیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ اسکے لئے تم لوگ خود اپنی ذات اور اپنے اس وجود ہی میں غور کرلو کہ جس نے تم لوگوں کو یہ وجود بخشا اور تمہیں نیست سے ہست کیا ہے۔ اس کیلئے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا آخر کیوں نکر اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ سبحانہ تعالیٰ۔ سو آج سے ایک زمانہ پہلے جب تمہارا کوئی نام ونشان تک نہ تھا اس نے تمہیں پیدا کر کے یہ وجود بخشا۔ تو پھر اس کیلئے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا آخر کیوں اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟۔

۹۰ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے:- سو منکرین کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہوسکتا ہے کہ اس کا وقت قریب ہی آلگا ہو'' کیونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے کہ اس نے بہرحال آکر ہی رہنا ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے ''کُلُّ مَا هُوَ اٰتٍ فَهُوَ قَرِيْبٌ'' یعنی ''جس چیز نے آنا ہوتا ہے وہ بہرحال قریب ہی ہوتی ہے۔'' (المراغی، الصفوۃ، ابنِ کثیر وغیرہ) پس عقلمند وہ ہے جو آنے والی اس حقیقتِ کبریٰ کیلئے تیاری کرے قبل اس سے کہ فرصتِ عمل جو کہ عبارت ہے اسکی حیاتِ محدود ومستعار سے وہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ. اور ہر انسان کی قیامت تو اسکی اپنی موت سے ہی قائم ہوجاتی ہے۔ کیونکہ موت کے آنے کے بعد پھر تمہارے لئے اس دنیا میں واپس آنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ اور تمہاری موت کبھی بھی آسکتی ہے۔ (معارف القرآن وغیرہ) سو اس ارشاد سے کہ ''کہو کہ ہوسکتا ہے کہ اس کا وقت قریب ہی آلگا ہو'' اس اہم اور بنیادی حقیقت کو آشکارا فرمادیا گیا ہے کہ جہاں تک وقوعِ قیامت کا تعلق ہے وہ تو ایک قطعی حقیقت اور ہونی شُدنی چیز ہے۔ اس نے اپنے وقت پر بہرحال آکر اور واقع ہو کر رہنا ہے۔ لیکن جہاں تک اسکے وقتِ وقوع کا تعلق ہے اس کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو بھی نہیں۔ یہاں تک کہ پیغمبر کو بھی اس کا علم نہیں۔ اس کو اپنے وقت پر اللہ ہی ظاہر کرے گا۔ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ. (الاعراف:۱۷۸) لیکن اس بناء پر انکار کرنا کہ اسکے وقوع کا وقت معلوم نہیں ہوسکتا تو کیا محض اس بناء پر کہ اس کا وقت معلوم نہیں کسی کیلئے اس کا انکار درست ہوسکتا ہے؟ سو قیامت نے آنا تو بہرحال ہے لیکن اس وقوع کے وقت کا اللہ کے سوا کسی کو بھی علم نہیں۔

۹۱ قیامت کے روز منکرین کا حال:- سو منکرین کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ''اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز تم سب اپنے رب کی حمد وثناء کرتے ہوئے اسکے حضور پیش ہونگے۔'' تمہاری یہ سب اکڑفوں اس روز ختم ہوجائے گی اور تم چیخ چیخ کر مانو گے۔ مگر اس وقت کی وہ تعریف وتوصیف اور حمد وثناء تمہیں کچھ کام نہ دے گی۔ کیونکہ اس کا وقت گزر چکا ہوگا۔ کیونکہ اس کا موقعہ دنیاوی زندگی کی فرصتِ محدود میں تھا جبکہ تمہارے لئے ایمان بالغیب سے مشرف ہونے کا موقعہ موجود تھا۔ اور وہ موقعہ تمہارے ہاتھ سے اس وقت بہرحال نکل چکا ہوگا۔ تمہاری آنکھیں پوری طرح کھل جائیں گی۔ اور تم اپنے رب کی تسبیح کرتے ہوئے اسکے حضور حاضر ہوؤ گے۔

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٥٢﴾ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ

جلدی مچانے والے منکرو، اس روز) تم یہ خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم (مدت اس دنیا میں) رہے تھے ۹۲ اور کہو میرے

هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

بندوں سے (اے پیغمبر!) کہ وہ بات ہمیشہ وہی کریں جو ہر لحاظ سے اچھی ہو ۹۳ کہ شیطان (ناروا باتوں کے ذریعے) ان کے

۹۲ اُس روز دنیا کی زندگی تم کو بہت تھوڑی لگے گی:- سو ان کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا گیا کہ "اس روز تم لوگ گمان کرو گے کہ تم دنیا میں بہت ہی تھوڑا رہے ہو" اور حیاتِ دنیا کی جس فرصت اور مہلت کو آج تم لوگ بہت لمبی سمجھتے ہو اس روز وہ تمہیں کچھ بھی معلوم نہ ہوگی اور تم رہ رہ کر افسوس کرو گے کہ کاش ہم نے ایمان لایا ہوتا اور حیاتِ دنیا کی اس فرصتِ محدود کو آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے کمائی میں صَرف کیا ہوتا۔ مگر اس وقت کی اس حسرت اور افسوس کا تمہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا سوائے تمہارے اپنے عذاب میں اضافے کے اور اس طرح تم دوزخ کی ظاہری آگ کے ساتھ ساتھ یاس و حسرت کی اس اندرونی آگ میں بھی جلو گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو کشفِ حقائق کے اس روز جبکہ غیب کے تمام مخفی حقائق اپنی اصل شکل میں کھل کر تمہارے سامنے آجائیں گے اور تم سب کچھ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لو گے تو اس روز تمہیں یوں لگے گا کہ تم دنیا میں صرف ایک صبح یا شام ٹھہرے تھے اور بس۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا. (النازعات:۴۶)۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ہوگا کہ اُس روز مجرم لوگ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں گھڑی بھر سے زیادہ ٹھہرے ہی نہیں تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ. (الروم:۵۵) مگر بے وقت کے اس اعتراف واقرار کا ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوگا۔ کہ کمائی کا وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔

۹۳ مسلمانوں کو حسنِ تخاطب کی تعلیم و تلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "میرے بندوں سے کہو کہ وہ ہمیشہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو"۔ جس میں حق کا بیان واظہار ہو اور جو حق کیلئے اور حق کے ذریعے کہی جائے اور اس سے مقصود نصیحت وخیر خواہی ہو۔ فَاِيَّاكَ نَسْئَلُ اللّٰهُمَّ التَّوْفِيْقَ لِذٰلِكَ وَالسَّدَادَ وَالثُّبَاتَ عَلَيْهِ. بہرکیف بھلی بات کہنے کی تعلیم ایک بڑی اہم اور بنیادی تعلیم ہے جس سے بسا اوقات بڑے بڑے فساد ٹل جاتے ہیں اور حالات کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ جبکہ غلط بات سے آگ لگ جاتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اس لئے حکم وارشاد فرمایا گیا کہ "میرے بندوں سے کہو کہ وہ ہمیشہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو"۔ مخالفین کی بیہودہ باتوں سے متاثر ہو کر اور اشتعال میں آکر انہی کی زبان میں ان کا جواب نہ دیں بلکہ صحیح اور سچی بات کہنے اور پہنچانے ہی کو اپنا شیوہ اور طریقہ بنائیں۔ سو حسن تخاطب اور ملاطفت کا نتیجہ وانجام بہرحال بہت اچھا اور عمدہ ہوتا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ، و فی کل موطنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ،

كَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِكُمۡ ؕ

درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش میں رہتا ہے ۹۴ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے ۹۵ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے

اِنۡ يَّشَاۡ يَرۡحَمۡكُمۡ اَوۡ اِنۡ يَّشَاۡ يُعَذِّبۡكُمۡ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ

(کہ تم میں سے کون کس قابل ہے، پس) وہ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمادے ۹۶ اور اگر چاہے تو تم کو عذاب میں ڈال دے ۹۷ اور

عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَ

ہم نے آپ کو (اے پیغمبر!) ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ۹۸ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے ان سب کو جو کہ آسمانوں اور

۹۴ شیطان کے شر اور فساد سے محتاط رہنے کی ضرورت:- سو اس اہم حقیقت سے خبردار کرنے اور آگہی بخشنے کیلئے ارشاد فرمایا گیا کہ ''بیشک شیطان تمہارے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔'' اور اس کیلئے وہ لعین ایسے مواقع کی تاڑ اور تاک میں رہتا ہے۔ والعیاذ باللّٰہ. اس لئے تمہیں اے مسلمانوں اسکی شر انگیزی سے ہمیشہ محتاط رہنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور ایسی ہر بات سے گریز کرنا چاہئے جو فتنے اور فساد کا باعث بن سکتی ہو۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم ۔ سو تمہیں ہمیشہ محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تمہارا وہ کھلا دشمن ایسے کسی موقع سے فائدہ اٹھا کر فتنہ وفساد برپا کر دے اور تمہارے سارے کام کو بگاڑ کر رکھ دے کہ وہ اسطرح کے مواقع کی تاک میں رہتا ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ مِنَ الشَّیۡطَانِ وَمَکۡرِهٖ وَشَرِّهٖ فی کُلِّ مَوۡطِنٍ المواطن فی الحیاۃ.

۹۵ شیطان انسان کا کھلا دشمن۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم:- سو ارشاد فرمایا گیا اور کلمۂ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ ''بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' اور اپنی اس دشمنی کا اعلان وہ حضرتِ حق۔ جل مجدہ کے سامنے کر چکا ہے کہ ''میں جہاں تک میرا بس چلا آدم کی اولاد کو گمراہ کر کے اور دوزخ کی راہ پر ڈال کر چھوڑوں گا''۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم ۔ سو اس سے تم لوگ اندازہ کر سکتے ہو کہ وہ تم سے کس قدر دشمنی رکھتا ہے اور کس طرح تمہارے تعاقب میں رہتا ہے۔ لہٰذا تمہیں ہمیشہ اور ہر موقع پر اسکے مکر وفریب سے محتاط اور چوکنا رہنا ہوگا۔ وہ ہمیشہ اور ہر موقعہ پر تمہیں نقصان پہنچانے کی تاک میں رہے گا۔ حضرتِ ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے ہتھیار کے ذریعے دوسرے کی طرف اشارہ نہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار چھین کر اگلے کو نقصان پہنچا دے اور اسکے نتیجے میں یہ سیدھا جا کر دوزخ کے گڑھے میں جا گرے۔ (صحیح بخاری ومسلم وغیرہ)۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡم ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربّ العالمین۔

۹۶ رب اگر چاہے تو تم پر رحم فرمادے:- سو فرمایا گیا کہ ''تمہارا رب تمہیں اور تمہارے ظاہر وباطن کو پوری طرح

اور ایک برابر جانتا ہے۔ پس وہ اگر چاہے تو تم پر رحم فرمادے۔'' اور تم کو ہدایت و ایمان کی دولت سے نواز دے جبکہ تمہارے دلوں میں اس کیلئے طلبِ صادق پائی جائے اور تمہارے دلوں کا حال دنیا سے تو پوشیدہ اور مخفی رہ سکتا ہے لیکن تمہارے اس خالق و مالک سے مخفی و مستور نہیں رہ سکتا جو کہ دلوں کے حال کو پوری طرح جاننے والا اور عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اس لئے تمہیں ہمیشہ اسی کی فکر و کوشش میں رہنا چاہئے کہ اس کے ساتھ ہمارا معاملہ اور تعلق صحیح اور درست رہے کہ اسکی رضاء و خوشنودی اگر مل گئی تو پھر سب کچھ مل گیا اور اسکے بغیر اگر دنیا ساری بھی مل گئی تو بھی کچھ نہیں ملا۔ وباللہ التوفیق۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ تم سب کو جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے کہ کون اسکی رحمت وعنایت اور ہدایت کا مستحق ہے اور کون محرومی اور اسکے عذاب کے لائق ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۹۷ اور وہ اگر چاہے تو تم کو عذاب میں ڈال دے:۔ نورِ ایمان و یقین سے محروم و بے بہرہ رکھ کر۔ جب کہ تمہارے اندر اس کیلئے طلبِ صادق موجود نہ ہو کیونکہ اس کے یہاں فیصلہ دراصل دل کی کیفیت ہی پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ وہ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ پوری طرح جانتا ہے کہ کس کے دل کی کیفیت کیا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ اسی کے مطابق وہ فیصلہ فرماتا ہے کہ فیصلے کا اختیار اُسی وَحْدَہٗ لَاشَرِیک کو ہے اور اسی کا فیصلہ ہر حق اور عدل و انصاف اور حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو پیغمبر اور اسکے پیروکاروں کا کام اور ان کی اصل ذمہ داری تبلیغِ حق ہے اور بس۔ آگے منوالینا نہ ان کے بس میں ہے اور نہ انکی ذمہ داری۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے کہ دلوں کا مالک وہی وحدہ لاشریک ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے اپنے علم و حکمت کے مطابق نورِ ایمان و یقین سے نوازتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کے خبث باطن اور سوءِ اختیار کے نتیجے میں عذاب دیتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین!

۹۸ پیغمبر کی اصل ذمہ داری تبلیغِ حق ہے اور بس:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم نے آپ کو (اے پیغمبر!) ان لوگوں پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا'' کہ آپ ان کو راہِ حق پر لا کر چھوڑیں۔ آپ کا کام تو حق کو پہنچا اور بتلا دینا ہے اور بس۔ اس کے بعد حساب لینا اور ہر کسی کو اس کے کیے کرائے کا بھرپور بدلہ دینا ہمارے ذمے ہے۔ اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلَاغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ. سو آپ کی ذمہ داری تبلیغِ حق اور انذار و تبشیر ہے اور بس۔ اس سے آگے بڑھ کر حق کو منوالینا نہ آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے اور نہ ہی یہ آپ ﷺ کے بس میں ہے۔ پس آپ لوگوں کے عناد اور انکی ہٹ دھرمی سے خواہ مخواہ غمگین اور پریشان نہ ہوں۔ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرَاتٍ. (فاطر:۸) سو ماننے نہ ماننے کی ذمہ داری خود ان ہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ اور اس کی پوچھ خود انہی سے ہوگی نہ کہ آپ سے۔ لست علیهم بمصیطر. ''آپ کوئی ان پر داروغے نہیں ہیں''۔ پس منوالینا اور راہِ حق پر ڈال دینا نہ پیغمبر کی ذمہ داری ہے اور نہ اسکے بس میں۔ ان کا کام تو صرف تبلیغِ حق ہے اور بس، اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا البلاغ وعَلَیْنَا الحساب،

الْاَرْضِ ط وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ

زمین (کی اس وسیع کائنات) میں موجود ہیں ۹۹ اور بلاشبہ ہم نے فضیلت بخشی بعض نبیوں کو بعض پر، اور ہم ہی نے داؤد کو زبور عطا

اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ

کی تھی ۱۰۰ (ان سے) کہو کہ تم لوگ پکار دیکھو اپنے ان (خودساختہ) معبودوں کو جن کا تم گھمنڈ رکھتے ہو ۱۰۱ اس (معبودِ برحق) کے سوا،

دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

وہ نہ تو تمہاری تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں، اور نہ ہی اس کو کچھ پھیر سکتے ہیں، وہ ہستیاں جن کو یہ لوگ (اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی،

۹۹ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا "تمہارا رب خوب جانتا ہے ان سب کو جو کہ آسمانوں اور زمین (کی اس وسیع کائنات) میں موجود ہیں۔" اور اپنے اسی علم محیط کی بناء پر اور اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق وہ ہر کسی سے وہی معاملہ کرتا ہے جس کا وہ اہل اور مستحق ہوتا ہے۔ لہٰذا اسکے کسی حکم و فیصلہ کا کوئی بدل ممکن ہی نہیں ہو سکتا اور اس پر اعتراض کرنا اعتراض کرنے والے کی اپنی ہی دماغی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ. اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ. لہٰذا ان لوگوں کا یہ کہنا کہ عبداللہ کا یتیم کیسے نبی بن سکتا ہے یا یہ کہ اس قرآن کو مکہ اور طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہیں اتارا گیا یا یہ کہ بلال، صہیب اور خباب وغیرہ جیسے فقراء صحابہ قریش کے سرداروں سے کیسے بڑھ گئے وغیرہ وغیرہ۔ تو ان لوگوں کے ایسے تمام اقوال اور سوالات و اعتراضات باطل و مردود اور بے حقیقت ہیں کہ اللہ جو بھی کرتا ہے بہتر کرتا ہے اور جس کو جس شرف و اعزاز سے نوازتا ہے درست ہی نوازتا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی اس وسیع کائنات میں سب رہنے والوں کو خوب اور اچھی طرح جانتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ (المراغی اور المحاسن وغیرہ)۔

۱۰۰ حضرتِ داؤد علیہ السلام کا اصل شرف عطاءِ زبور تھا:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم ہی نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔" کیونکہ ہمارے علمِ ازلی اور کامل و محیط کی بناء پر وہ اُس کے اہل تھے اور ان کا اصل اعزاز وہ بادشاہی نہیں تھی جو ان کو بخشی گئی تھی بلکہ زبور کی وہ کتابِ ہدایت تھی جس سے ان کو سرفراز فرمایا گیا تھا اور جس میں مذکور تھا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہوں گے۔ اور ان کی امت خیر الامم ہوگی۔ اسی لئے یہاں پر آنجناب کا بطورِ خاص ذکر فرمایا گیا۔ (المراغی وغیرہ) سو زبور ہی اصل میں حضرتِ داؤد کے شرف اور آپکی فضیلت کا ذریعہ بنی جو کہ حکمت اور فصلِ خطاب پر مشتمل تھی۔ حالانکہ حضرتِ داؤد علیہ السلام اپنے بھائیوں میں سب سے پستہ قد اور عام لوگوں کی نظر میں حقیر و فقیر تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسکے باوجود آپ کو نبوت اور بادشاہت دونوں کے شرف سے نوازا اور مشرف فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیارِ فضیلت ظاہری شکل و صورت یا دنیاوی مال و دولت نہیں بلکہ باطنی کمالات اور فطری و جبلی خصائل و شمائل ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ پوری طرح جانتا ہے۔ اور انہی کی بناء پر وہ نوازتا ہے۔ پس اگر یتیم عبداللہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو

اللہ تعالیٰ نے شرفِ نبوت و رسالت سے نوازا اور قرآنِ حکیم کی دولت بے مثال کو آپ ﷺ ہی پر اتارا تو اس میں کسی کو کوئی سوال و اعتراض کیسے اور کیونکر ہوسکتا ہے؟ وغیرہ۔ (معارف از کاندھلویؒ)

۱۰۱ ابطالِ شرک کیلئے مشرکوں سے خطاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان سے کہو کہ پکار دیکھو تم لوگ (اے مشرکو!) اپنے ان خود ساختہ معبودوں کو جن کا تم گھمنڈ رکھتے ہو۔" یعنی ان کے بارے میں تم یہ زعم اور گھمنڈ رکھتے ہو کہ یہ اللہ کے پیارے ہیں اسکی صفات کے اوتار اور مظہر ہیں۔ انکو خاص اختیارات حاصل ہیں۔ اس لئے یہ ہماری بگڑی بنادیں گے اور ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ سو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ مقبول اور پیارے بندے ہیں جن کو ایسے مشرک لوگوں نے از خود حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر پوجا پکارا۔ جیسے حضرتِ عزیر، اور حضرتِ مریم وغیرہ۔ جملہ ثقہ اور معتبر مفسرینِ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو۔ روح المعانی مدارک، قرطبی، صفوۃ التفاسیر، محاسن التاویل، جامع البیان اور تفسیر المراغی وغیرہ وغیرہ۔ اور جیسا کہ آیاتِ کریمہ کا سیاق وسباق بھی اس پر صریح دلالت کر رہا ہے اور خود اہلِ بدعت کے بعض بڑوں نے بھی یہاں پر اس آیتِ کریمہ اولٰئک الذین یدعون. کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں" اور اگر کسی تفسیر میں اس موقع پر بت وغیرہ کا ذکر کیا بھی گیا ہے تو وہ بھی اس لئے کہ ان مشرک لوگوں نے اپنے ایسے ہی مشرکانہ تصورات اور فلسفوں کی بناء پر ان پاکیزہ ہستیوں کے ناموں پر ان کے مجسمے اور ان کی مورتیاں بنا کر اپنے عبادت خانوں میں رکھ دی تھیں۔ جیسا کہ آج تک ان کے گرجاؤں وغیرہ میں جابجا ایسا موجود ہے۔ سو مِنْ دُوْنِ اللّٰه اور مِنْ دُوْنِهٖ کے کلمات کا عموم ہر معبود من دون اللہ کو شامل ہے۔ پس اس سب سے واضح ہوگیا کہ اہلِ بدعت کے بعض بڑے تحریف پسندوں کا آیتِ کریمہ کا مصداق صرف بتوں کو قرار دینا حقیقت کے خلاف اور ان لوگوں کی اپنی جہالت یا تجاہلِ عارفانہ کا غماز و آئینہ دار ہے تا کہ اس طرح کلمہ گو مشرکوں کیلئے اس طرح کی شرکیات کا دروازہ کھلا رہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰه. سو اللہ وحدہ لاشریک کے سوا نہ کوئی ہستی مافوق الاسباب طور پر حاجت روا و مشکل کشا ہوسکتی ہے اور نہ ہی کسی کو حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر اس طرح غائبانہ طور پر یا اس کی موت کے بعد اس کو پکارنا جائز ہے۔ ایسی پاکیزہ ہستیوں میں سے کسی سے زندگی بھر میں ایسی کوئی بات ثابت نہیں جس سے ان کے حاجت روا و مشکل کشا ہونے کا عندیہ ملتا ہو۔ بلکہ یہ سب کچھ بعد کے لوگوں کے مشرکانہ خیالات کی فتنہ سامانیاں ہیں۔ والعیاذ باللّٰہ. ورنہ یہ تمام ہستیاں زندگی بھر خود اپنی مشکلوں اور مصیبتوں میں اللہ وحدہ لاشریک ہی کو اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے نہ پکارتی رہتیں۔ جیسا کہ ظاہر اور واضح ہے کہ یہ سب حضرات اپنی نمازوں میں دست بستہ کھڑے ہو کر اپنے رب کے حضور اس طرح عرض کرتے تھے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین. اور یہ حضرات اگر حاجت روا و مشکل کشا ہوتے تو خود بیماریوں وغیرہ مشکلات اور پریشانیوں میں کبھی نہ پھنستے کہ مشکل کشا وہی ہوتا ہے جو خود کبھی کسی مشکل میں نہ پھنسے اور حاجت روا وہی ہوسکتا ہے جس کو خود کبھی کوئی حاجت پیش نہ آئے اور وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے اور اگر یہ ہستیاں حاجت روا و مشکل کشا ہوتیں تو خود موت کے ہاتھوں میں عاجز آ کر اس دنیا سے رخصت نہ ہوتیں۔ سو غلط کہتے اور شرکیہ بات کرتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں "یا علی مدد" "یا حسین" اور "یا پیر دستگیر" وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ

اور وسیلہ جوئی کے لئے) پکارتے ہیں ۱۰۲ وہ (ان کے کام کیا آتے وہ تو) خود اپنے رب کے حضور پہنچنے کے لئے (نیکیوں کے ذریعے)

الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ

قرب ۱۰۳ ڈھونڈنے میں لگے رہتے ہیں، کہ کون اس کا زیادہ مقرب بنتا ہے وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے

عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ

ڈرتے رہتے ہیں ۱۰۴ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کی چیز، اور کوئی بستی ایسی نہیں، جسے ہم ہلاک (اور تباہ و

۱۰۲ یہ پاکیزہ ہستیاں خود اللہ کا قرب ڈھونڈتی ہیں:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ پاکیزہ ہستیاں جن کو مشرک لوگ اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے پکارتے ہیں۔ یہ خود ہمیشہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈنے میں سرگرم رہتی تھیں۔ اور اسکی رحمت کی امید اور اسکے عذاب کا خوف رکھتی تھیں۔ یعنی حضراتِ انبیائے کرام اور صلحائے عظام وغیرہ خداوندِ تعالیٰ کے وہ مقبول بندے جن کو بعد کے لوگوں نے انکی تعلیمات و ہدایات کیخلاف از خود پوجا پکارا ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر والے حاشیے میں بھی گزرا۔ یعنی تم لوگ اے مشرکو اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں اور پاکیزہ ہستیوں کو از خود حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر پکارتے ہو۔ ان کا خود اپنا حال یہ ہے کہ ان میں سے جو بھی ہستی جس قدر اسکی اطاعت و بندگی میں زیادہ کوشاں ہوتی ہے۔ سو ان کے کمالِ عبدیت اور شانِ بندگی کا عالم تو یہ تھا مگر تم ہو کہ انہی کو خدا کی خدائی میں شریک مانتے ہو۔ تم لوگ کس قدر اندھے اور کتنے اوندھے ہوگئے ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو الذین سے یہاں پر مراد اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں۔ یعنی ملائکہ و انبیائے کرام۔ (القرطبی، البحر، المدارک اور روح وغیرہ) اور جب ان حضرات میں سے کوئی بھی حاجت روا و مشکل کشا نہیں ہوسکتا تو پھر کس قدر گمراہ ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عام نیک بندوں کو از خود حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر انکو پوجتے پکارتے ہیں کوئی کہتا ہے ''یا علی مدد'' کوئی ''یا پیر دستگیر'' وغیرہ۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم. اللہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین، ویا ارحم الرحمین

۱۰۳ لفظِ ''وسیلہ'' کا معنی اور اس سے مراد؟:۔ یعنی وسیلہ کے معنی قرب کے ہیں اور قربِ خداوندی حاصل کرنے کا ذریعہ اور اس کا طریقہ اس کی اطاعت و بندگی ہے۔ اس لئے جمہور مفسرینِ کرام بالعموم اس کی تشریح میں فرماتے ہیں ''اے بِطَاعَتِهٖ وَعِبَادَتِهٖ'' (روح، ابوالسعود، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ پس اس سے اہلِ بدعت کے اس شرکیہ وسیلے کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے جو ایسے لوگ لفظ ''وسیلہ'' کو اردو کے معروف و متعارف معنی میں لے کر کرتے ہیں اور وسیلہ بالذوات کا خود تراشیدہ فلسفہ

بگھارتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسکو یہ لوگ ارتکابِ شرک تک پہنچادیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ حالانکہ قرآن و سنت کی نصوصِ صحیحہ وصریحہ میں صرف وسیلہ بِالاَعمالِ الصَّالحۃ کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیاً یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَآ فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا. (آل عمران:۱۹۳) یا جیسا کہ فرمایا گیا۔ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشَّاھِدِیْنَ. (آل عمران:۵۳) یا جیسا سورۂ مومنون میں ارشاد فرمایا گیا۔ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ. (المومنون:۱۰۹) یا جیسا کہ حدیثِ غار کے نام سے موسوم صحیح اور مشہور حدیث میں تین آدمیوں کے بارے میں ذکر فرمایا گیا کہ انہوں نے غار میں پھنس جانے کے بعد اپنے اپنے نیک اعمال کو یاد کرکے ان کے وسیلے سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرما دی۔ اور اس ضمن میں اہلِ بدعت اپنے معتقدات کیلئے جن روایات سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے بعض تو سرے سے موضوع (من گھڑت) ہیں۔ جن کو پیغمبر کی طرف منسوب کرنا ہی ایک سنگین جرم اور سخت گناہ ہے۔ کیونکہ آپؐ نے صاف وصریح طور پر اپنی مشہور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جان بوجھ کر کوئی جھوٹ بات میری طرف منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ ''مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّداً فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ'' ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ اور کچھ ان میں سے اس قدر ضعیف ہیں جو استدلال کے قابل نہیں اور کچھ کا تعلق پیغمبر کی حیاتِ طیبہ سے ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کی دعا کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ جسمیں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ والتفصیل فی المفصل ان شآء اللہ. اور مزید بحث کیلئے تفسیر روح المعانی، ابوالسعود اور مدارک التنزیل وغیرہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ یہاں اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ جَلَّ وَ عَلَا،

۱۰۲ ان پاکیزہ ہستیوں کی شانِ عبدیت وبندگی:- سو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں، اسکے ولیوں، بزرگوں، نبیوں اور اسکے فرشتوں کو جن کو ایسے مشرک لوگوں نے اللہ کا شریک قرار دے کر پوجا پکارا ہے اور اب تک پوجتے پکارتے ہیں ان کی اپنی شانِ عبدیت و بندگی اور انابت و رجوع الی اللہ کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتے اور اسکے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ تو جب ان پاکیزہ ہستیوں کا اپنا حال یہ ہے تو پھر وہ تمہارے لئے حاجت روا و مشکل کُشا کیسے بن سکتی ہیں؟ اور خوف ورجا ہی دو بنیادی تقاضے اور اہم مظہر ہیں عبادت و بندگی کے کہ امید ورجاء سے عبادات کی کثرت نصیب ہوتی ہے اور خوف سے معاصی و ذنوب سے حفاظت۔ (المحاسن وغیرہ) بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ یہ پاکیزہ اور مقدس ہستیاں جن کو یہ لوگ خدا کا شریک اور حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر پوجتے پکارتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ ہر وقت خداوندِ قدوس کے قرب کی طلب میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتے اور اسکے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور ڈریں کیوں نہ کہ تمہارے رب کا عذاب ہے ہی ایسی چیز کہ اس سے ہر کوئی ڈرے۔ خواہ وہ کتنا ہی عالی مرتبہ کیوں نہ ہو۔ اور بندے کا کمال اور اسکی شان یہی ہے کہ وہ حدودِ عبدیت و بندگی کے اندر ہی رہے، والحمدللہ۔

قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا

برباد) نہ کردیں قیامت سے پہلے، یا اسے کوئی سخت عذاب نہ دے دیں ۱۰۵ یہ بات اس کتاب میں لکھی ہوئی ہے ۱۰۶ اور ہمیں

عَذَابًا شَدِيدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُورًا ﴿۵۸﴾

ایسی نشانیاں (یعنی فرمائشی معجزات) بھیجنے سے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ اس طرح کی نشانیوں کو جھٹلا چکے ہیں پہلے

۱۰۵ ظالموں نے اپنے ظلم کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہے:- کہ یہ مکافاتِ عمل کا لازمی اور طبعی تقاضا ہے۔ پس اس سلسلے میں ملنے والی ڈھیل سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ہر سرکش بستی کو عذاب بہرحال آنا ہے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ وعمل کو روکنے کی قدرت وطاقت کسی بھی ہستی میں نہیں اور تاکہ ہر کسی کو اسکے کیے کرائے کا پھل مل کر رہے اور اس طرح پاداشِ عمل کا ظہور ہو اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ اور یہ ان لوگوں کے اپنے کیے کرائے کا لازمی نتیجہ اور طبعی ثمرہ ہوتا ہے۔ ورنہ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہوتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. (النحل:۱۱۸) سوایسی بستیوں کو یعنی ان کے باشندوں کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا اور ان کا انجام بہت خسارے کا ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا. (الطلاق:۹) سو ظالموں کو اپنے ظلم کا انجام بہرحال بھگتنا ہوگا۔ کسی کو اس بارے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ سو اس سے کفار کے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے جو وہ لوگ مطالبہ عذاب کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ لے آؤ ہم پر وہ عذاب جس کی دھمکی تم ہمیں دے رہے ہو۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ہر سرکش بستی پر قیامت سے پہلے ہی عذاب لے آئیں گے۔ پھر یا تو اسے بالکل ہلاک کردیں گے یا اس کو سخت عذاب دیں گے مگر ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا. (الطلاق:۳) سو عقل وخرد کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب مانگنے کی بجائے اس سے بچنے کی فکر کی جائے اور ہمیشہ عافیت ہی مانگی جائے اور ہمیشہ عافیت ہی مانگی جائے۔

۱۰۶ نوشتۂ تقدیر کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ بات لکھی ہوئی ہے اس عظیم الشان کتاب میں۔" جو سب مقادیر کو حاوی، سب کی جامع اور عظیم الشان کتاب ہے۔ یعنی لوحِ محفوظ جو کہ دراصل کنایہ ہے اللہ پاک کے علم محیط و شامل سے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ پھر اس سے فرمایا لکھ" (اخرجہ الترمذیؒ)۔ سو نوشتہ تقدیر کے اس حوالے سے بتا دیا گیا کہ خداوند قدوس کے دفتر میں یہ سب کچھ مرقوم ومذکور ہے کہ فلاں قوم اپنے ارادہ واختیار سے ان اور ان جرائم کا ارتکاب کرے گی جس کے نتیجے میں اس کو اس اور اس طرح اسکے کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ پس ظالموں کو اس سلسلے میں جو ڈھیل مل رہی ہے اس سے کبھی کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ جل و علا.

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا

لوگ ف۱۰۷ چنانچہ (نمونے کے طور پر دیکھ لو کہ) ہم نے قومِ ثمود کو وہ اونٹنی بخشی آنکھیں کھول دینے والی ایک عظیم الشان نشانی

الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ

کے طور پر، مگر انہوں نے اس پر ظلم کیا، اور ہم اپنی نشانیاں نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کے لئے، اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ

نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے رب نے گھیر رکھا ہے، ان لوگوں کو (اپنے علم اور قدرت سے) ف۱۰۸ اور (ان عجائب قدرت

رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ

کا) وہ دیکھنا ف۱۰۹ جو کہ ہم نے آپ کو دکھایا تھا (اپنی قدرت وعنایت سے) اور اس درخت کو جس پر لعنت وارد ہوئی ہے قرآن میں ف۱۱۰

۱۰۷ فرمائشی معجزوں کے مطالبہ کو پورا نہ کرنے کی حکمت اور وجہ:- سو اس سے فرمائشی معجزوں کے مطالبے کو پورا نہ کرنے کی حکمت اور وجہ بیان فرمادی گئی کہ ایسے معجزوں کو پہلے لوگوں نے جھٹلا دیا جس کے نتیجے میں ان کو نیست و نابود کر دیا گیا اور امتِ محمدیہ کو چونکہ آخرت تک باقی رکھنا مقصود ہے اس لئے ان کو ایسے فرمائشی معجزات نہیں دکھائے گئے۔ تاکہ یہ اس ہولناک انجام سے محفوظ رہے جس سے وہ پہلی امتیں دوچار ہو چکی ہیں۔ سو اس طرح یہ معجزات نہ دکھانا خود ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو ان کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ روایات میں ہے کفارِ مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کئی خاص معجزات کا مطالبہ اور فرمائش کی کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ صفا و مروہ کے پہاڑوں کو سونے کے بنا دیں اور مکہ کی پہاڑیوں کو یہاں سے ہٹا دیں تاکہ ہم یہاں پر کھیتی باڑی کر سکیں وغیرہ۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں لیکن یاد رہے کہ اس کے بعد بھی اگر تم لوگوں نے نہ مانا تو پھر تم کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ اب بتاؤ تمہیں کیا منظور ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں ایسا نہیں کریں۔ ایسے ہی رہنے دیں وغیرہ۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح، قرطبی، ابن کثیر، محاسن، معارف اور مراغی وغیرہ) اور وجہ اسکی یہ ہے کہ فرمائشی معجزے کے ظہور کے بعد چونکہ اصل معاملہ پوری طرح منکشف اور واضح ہو جاتا ہے اس لئے اس کے بعد ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ پھر ہلاکت اور تباہی ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور پچھلی قوموں کی تکذیب کے سلسلے میں ایک مثال پیش فرمائی کہ ہم نے قومِ ثمود کو حضرتِ صالح کی اونٹنی کی شکل میں آنکھیں کھول دینے والی ایک عظیم الشان نشانی دکھائی مگر انہوں نے آنکھیں کھولنے کی بجائے الٹا اسکے ساتھ ظلم کیا جس کے نتیجے میں بالآخر وہ قوم اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۱۰۸ تنبیہی نشانیوں کے بارے میں کفارِ قریش کا رویہ:- کہ انہوں نے بھی ایسی نشانیوں کا مذاق اڑایا اور ان کی تکذیب کی۔ مثلاً جب ہم نے آپ کو خبر دی کہ بے شک آپ کے رب نے سب لوگوں کو گھیرے میں لے کر رکھا ہے اپنے علم و

قدرت کے اعتبار سے۔ سو یہ نہ تو اس کے علم محیط سے باہر ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی گرفت و پکڑ اور دائرۂ قدرت سے نکل سکتے ہیں اور نہ ہی یہ اس بل بوتے کے مالک ہو سکتے ہیں کہ حق کے غلبہ وانتظار کو روک سکیں۔ سو یہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ لہٰذا آپ ان کی پرواہ کیے بغیر حق کی تبلیغ کیے جائیں۔ یہ اب تک آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے نہ آئندہ بگاڑ سکیں گے۔ اور یہ ایک بڑا ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کی تائید ونصرت آپ کے ساتھ ہے۔ (المعارف وغیرہ) سو جب ان لوگوں کو اس حقیقت کی خبر دی گئی تو بجائے اسکے کہ یہ اس سے متنبہ ہوتے اور اپنے کفر و بغاوت کو ترک کرتے الٹا انہوں نے اس کا مذاق اڑایا اور اپنے کفر وعناد کی بناء پر کہا کہ یہ یونہی خواہ مخواہ کی ہوائی باتیں ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۰۹ معجزۂ معراج اور منکرین کی فتنہ سامانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور آپ کا وہ دیکھنا (عجائبِ قدرت کا) بھی ان لوگوں کے لئے فتنہ و آزمائش کا ذریعہ بن گیا''۔ یعنی معجزۂ اسراء و معراج کے موقع پر عجائبِ قدرت کا دیکھنا جو کہ بیداری میں اور جسم وروح کے ساتھ ہوا۔ اور رویہ بھی اصل لغت میں رویت (بحالتِ بیداری دیکھنا) کے معنی میں آتا ہے۔ (المعارف، المحاسن اور المراغی وغیرہ) اس لئے یہاں پر اس سے مراد اسراء و معراج کا دیکھنا ہے۔ (ابن کثیر، محاسن اور معارف وغیرہ) سو سفرِ اسراء و معراج میں آپ کا وہ دیکھنا جو ہم نے آپ کو دکھایا یا جس کا ذکر سنہری کلمات کریمہ سے اس سورۂ کریمہ کے شروع میں ہو چکا ہے۔ سو وہ دیکھنا جہاں آپ کیلئے قدرت کی طرف سے ایک بڑا انعام واکرام تھا وہیں وہ ان لوگوں کیلئے ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ بن گیا۔ سو کچھ نے تصدیق کر کے اپنے ایمان ویقین کی تقویت کا سامان کیا جبکہ کچھ دوسروں نے اسکی تکذیب کر کے اپنی محرومی اور بدبختی میں اور اضافہ کیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ (المعارف، المحاسن اور المراغی وغیرہ) سو ان منکرین و مکذبین نے اس کو مان کر اپنے لئے ایمان ویقین کی دولت سے سرفرازی کا ذریعہ بنانے کی بجائے اس کا انکار کر کے اور اس کا مذاق اڑا کر اپنی حرمان نصیبی کو اور پکا کیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۱۰ شجرۂ ملعونہ سے مراد اور اسکی وجہ ابتلاء؟:۔ یعنی ''زقوم'' جو کہ دوزخیوں کا کھانا ہوگا۔ والعیاذ باللہ. سو یہ دونوں امور یعنی رؤیاءِ معراج اور شجرۂ زقوم بھی ابتلاء و آزمائش کیلئے عظیم الشان سبب اور ذریعے بن گئے تھے۔ لوگوں کی جانچ اور تمیز کیلئے کہ اس سے اہلِ ایمان اور اصحابِ صدق وصفا کے ایمان ویقین میں اضافہ ہوا اور اہلِ باطل کے کفر وضلال میں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ چنانچہ معجزۂ اسراء و معراج کی طرف کفار نے شجرۂ زقوم کا بھی مذاق اڑایا۔ چنانچہ روایات کے مطابق جب شجرۂ زقوم کے بارے میں یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ انا جعلنا ھا فتنہ للظالمین انھا شجرۃ تخرج فی اصل الجحیم طلعھا کانہ رء وس الشیاطین. (الصافات: ۶۲ تا ۶۶) تو اس پر کفار نے اس کا مذاق اڑایا اور ابوجہل اینڈ کمپنی نے کہا کہ لو جی یہ کہتا ہے کہ ''زقوم'' کا درخت دوزخ کے بیچوں بیچ اُگے گا۔ بھلا آگ میں کسی درخت کے اُگنے کا کیا سوال؟ تو یہ محمد کی اپنی گھڑت نہیں تو اور کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو اس طرح شجرۂ ''زقوم کے بارے میں قرآنِ حکیم کے اس ارشاد سے اہلِ ایمان ویقین میں اضافہ ہوا اور اس میں مزید قوت آئی اور اہلِ کفر و باطل کے انکار میں اضافہ ہوا اور ان کے کفر وانکار اور ضد وعناد کی سیاہی مزید گہری اور گاڑی ہوگئی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ (معارف القرآن، روح المعانی اور ابنِ کثیر وغیرہ)

اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ

(نہیں بنایا ہم نے اس سب کو) مگر آزمائش کا سامان لوگوں کے لئے، اور ہم انہیں برابر ڈراتے (اور تنبیہ کرتے) رہتے ہیں و۱۱۱

وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع وَاِذْ قُلْنَا

(تاکہ یہ لوگ باز آجائیں،) مگر اس سب سے ان کی اس بڑی سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے و۱۱۲ اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم

۱۱۱ قدرت کی طرف سے تخویف وتنبیہ کی عنایت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور ہم ان کو برابر ڈراتے اور خبردار کرتے رہتے ہیں'' تاکہ یہ سنبھل جائیں اور باز آجائیں اور ہولناک تباہی اور خوفناک انجام سے جس کی طرف یہ بڑھے جارہے ہیں۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ نہ کوئی سبق لیتے ہیں نہ اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ سو قدرت کی طرف سے تنبیہ وتخویف کی یہ عنایت ایک عظیم الشان عنایت ہے تاکہ غافل انسان نومِ غفلت سے چونک کر اپنے اس ہولناک انجام سے بچنے کی فکر وکوشش کرے جس کی طرف وہ اپنی غفلت ولاپرواہی اور اپنے کفر وعناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر بڑھے چلا جارہا ہے اور ہاویہ دوزخ کے اس ہولناک گڑھے سے بچنے کا سامان کرلے جس کی گہرائی گیرائی اور ہولناکی کا اس دنیا میں تصور کرنا بھی کسی کیلئے ممکن نہیں۔ اور وہ آنکھیں کھول لے قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اسکے ہاتھ سے نکل جائے۔ وباللہ التوفیق والحمد للہ جلّ و علا۔

۱۱۲ منکرین کی طغیانی اور سرکشی ہی میں اضافہ والعیاذ باللہ العظیم:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''اس سے ان لوگوں کی طغیانی اور سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔'' ان کی اپنی قساوتِ قلبی اور بدباطنی کی وجہ سے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ایسے میں اگر ان کے فرمائشی معجزے پورے کردیئے جاتے تو انہوں نے ان کو بھی نہیں ماننا تھا تو پھر ان کا بھی انجام وہی ہوتا جو پہلی قوموں کا ہوچکا ہے کہ ان کو بھی اسی طرح ہلاک اور برباد کردیا جاتا جیسا کہ ان کو کیا گیا ہے۔ (المعارف، المراغی وغیرہ)۔ سو ایسے میں انکے فرمائشی معجزے نہ دکھانا خود ان کیلئے بہتری اور بھلے کی چیز ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ ہم تو برابر ان کی تخویف وتنبیہ کا انتظام کرتے ہیں مگر یہ ایسے بدبخت ہیں کہ سبق لینے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اور بھی بگڑتے اور بہکتے جارہے ہیں۔ اور انکی طغیانی اور سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور یہ آخرت کے اس عالمِ غیب ومشاہدہ کو دنیا کے اس عالمِ حضور ومجاہدہ پر قیاس کرکے ان غیبی حقائق کا مذاق اڑاتے ہیں جن سے ان کو بذریعہ وحی آگاہ وخبردار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس دنیا میں بھی کتنے ہی ایسے حقائق ہیں جو عام قاعدہ وضابطہ کے خلاف ہیں۔ مثلاً یہ کہ شترمرغ دہکتے انگارے کھاتا ہے مگر جلتا نہیں۔ اسی طرح سے ''مندیل'' نامی ایک چھوٹا سا جانور ہے جو بعض بلادِ ترک میں پایا جاتا ہے۔ اسکی اون جب میلی ہوجاتی ہے تو اس کو آگ میں ڈالتے ہیں جس سے اسکی میل جل جاتی ہے اور باقی مندیل رہ جاتا ہے۔ یعنی ''رومال''۔ سو اس کی اون سے رومال بنائے جاتے ہیں اور اسی بناء پر ان کو ''مندیل'' کہا جاتا ہے۔ (مدارک التنزیل وغیرہ) جبکہ آخرت کے اس جہانِ غیب کا تو معاملہ ہی الگ ہے۔

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ

نے فرشتوں سے کہا کہ تم سجدہ کرو آدم کے لئے، تو وہ سب سجدے میں گر پڑے بجز ابلیس کے ؀۱۱۳ (کہ اس نے سجدہ نہ کیا)، کہنے

ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ

لگا کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے پیدا کیا ہے مٹی سے؟ ؀۱۱۴ مزید کہا کہ بھلا دیکھ تو سہی، یہ جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی

كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ

ہے اگر تو نے مجھے مہلت دے دی قیامت کے دن تک، تو میں جڑ نکال کر رکھ دوں گا اس کی سب نسل کی، بجز تھوڑے سے

ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

لوگوں کے ؀۱۱۵ ارشاد ہوا کہ جا (اور جو کچھ تجھ سے ہو سکے کر گزر، پر یاد رکھنا کہ) ان میں سے جو بھی کوئی تیرے پیچھے چلا،

فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ

تو یقینی طور پر جہنم ہی بدلہ ہو گا تم سب کا پورا پورا بدلہ ؀۱۱۶ اور پھسلا لے تو

اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ

ان میں سے جس کو بھی پھسلا سکتا ہے، اپنی آواز (اور چیخ و پکار) سے، ؀۱۱۷ اور دوڑا لے ان پر اپنے سوار اور

۱۱۳ قصہ آدم کی تذکیر و یاددہانی برائے عبرت پذیری:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور وہ بھی یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کیلئے سجدہ کرو۔" کیونکہ آدم و ابلیس کے اس قصے میں بھی تمہارے لئے یہ بڑا اہم اور بنیادی درس ہے کہ ابلیسِ لعین تمہارا سب سے بڑا اور خطرناک دشمن ہے۔ پس اس کے دھوکے میں آکر کہیں تم راہِ حق سے پھسل نہیں جانا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ نیز یہ کہ تکبر اور سرکشی ابلیس کا کام ہے نہ کہ کسی بنی آدم کا۔ اور یہ کہ اسی تکبر اور سرکشی کی بناء پر ابلیس ہمیشہ کیلئے مردود ہو گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو جو لوگ حق کے آگے جھکنے اور اس کو قبول کرنے کی بجائے تمرد و سرکشی سے کام لیتے ہیں وہ دراصل ابلیس لعین کے پیرو اور اس کے دام تزویر کے اسیر ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۱۴ ابلیس کی متکبرانہ ابلیسی منطق اور اس کا انجام:۔ سو اس ملعون نے کہا کہ "میں آدم کو سجدہ کیسے کروں جبکہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں" جو کہ مٹی کے مقابلے میں افضل اور ایک جوہر لطیف ہے۔ اور آدم کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ تو پھر میں اس کو سجدہ کیسے کروں؟ سو یہ تھی اس لعین کی متکبرانہ ابلیسی منطق جو اس نے حضرتِ حق۔ جل مجدہ کی بارگاہِ اقدس میں

بگھاری۔ اور جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کیلئے مردود و مطرود ہو گیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو جو لوگ آج اپنے استکبار اور غرور و گھمنڈ کی بناء پر دعوتِ حق پر لبیک نہیں کہتے وہ دراصل اپنے اسی امام ابلیس کی پیروی کرتے اور اسی کی منطق اپناتے ہیں۔ اور اسطرح وہ خود اپنی محرومی کا سامان کرتے ہیں مگر ان کو اس کا شعور نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۱۵ ابلیس کا چیلنج حضرتِ حق جل مجدہ کے حضور:۔ سو اس ملعون نے کہا کہ ''اگر تو نے مجھے مہلت دی تو میں جڑ نکال دونگا اس کی سب نسل کی''۔ اور ان سب کو راہِ حق سے پھسلا کر دوزخ میں پہنچا کر چھوڑوں گا سوائے ان میں کے ان تھوڑے سے لوگوں کے جن پر میرا زور نہیں چل سکے گا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے خود بھی ارشاد فرمایا ان عبادی لیس لک علیہم سلطان الا من اتبعک من الغاوین. (الحجر:۴۲) کہ میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا سوائے ان بہکے بھٹکے ہوئے گمراہوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے اور انہوں نے اپنے کیے کرائے کا بھگتنان بھگتنا اور تیرے ساتھ دوزخ میں داخل ہونا ہے کہ یہی تقاضا ہے عدل و انصاف و مکافاتِ عمل کا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۱۶ شیطان کی پیروی کا انجام دوزخ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ شیطان کے پیچھے چلنے کا نتیجہ و انجام آتشِ دوزخ ہوگا والعیاذ باللہ اور شیطان کی اس پیروی کا نتیجہ و انجام دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم. سو ابلیس نے اولادِ آدم کو ورغلانے کے لئے قیامت تک کی جو مہلت مانگی تھی وہ اس کو دے دی گئی۔ اور اس کو فرمادیا گیا کہ جا تجھے جو کچھ کرنا ہے کر لے۔ تیرا اور تیری پیروی کرنے والوں سب کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ ایسا بھرپور بدلہ ہوگا کہ سب کسر ایک ہی ساتھ پوری ہو جائے گی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ پس عقل و نقل کا تقاضا ہے کہ انسان ہمیشہ محتاط اور چوکنا رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید،

۱۱۷ شیطان کو اسکے شیطانی ہتھکنڈوں کی کھلی چھوٹ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور پھسلا لے تو اُن میں سے جس کو بھی پھسلا سکتا ہے اپنی آواز سے''۔ یعنی باطل کی طرف بلا کر۔ جیسا کہ حضرتِ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جو آواز بھی معصیت اور گمراہی کی طرف لے جانے والی ہو وہ دراصل شیطان کی آواز ہے۔ نیز گانے بجانے کی وہ تمام آوازیں بھی اس میں داخل ہیں جو انسان کی بے راہ روی کا باعث بنتی ہیں۔ والعیاذ باللہ. افسوس کہ آج ہر طرف اسی شیطانی چیخ و پکار کا دور دورہ ہے۔ نسوانی آوازیں نت نئے وسائل و ذرائع کے توسط سے فضا میں ہر طرف گھومتی پھرتی ملتی ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ عورت ننگی ہو کر اور طرح طرح کے فتنہ سامان اور بھڑکیلے لباس پہن کر اپنے گانے بجانے کے ذریعے جذبات کو آگ لگانے کیلئے دن رات مصروفِ عمل ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم. اور گانے بجانے کی ایک اور صورت ایسی ہے جس پر ''شریف'' کے لفظ کا خول چڑھا کر اور بھی خطرناک طریقے سے رواج دیا جاتا ہے۔ اور ''قوالی شریف'' کے عنوان سے اس طرح گایا بجایا جاتا ہے کہ اسکو گناہ کی بجائے کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم. حالانکہ اس میں کئی دوسری خرابیوں کے علاوہ ایک خرابی مزید یہ ہوتی ہے کہ اس میں کئی شرکیہ اشعار ہوتے ہیں۔ اور اس طرح غیر محسوس طور پر سادہ لوح عوام کو شرک کے ٹیکے لگائے جاتے ہیں اور اس طرح انکی متاعِ ایمان و عقیدہ کو تباہ کیا جاتا ہے۔ مگر ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ والعیاذ باللہ العظیم.

رَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا

پیادہ (لشکر) اور ساجھا کرلے تو ان کے ساتھ ان کے مالوں میں بھی ف۱۱۸ اور ان کی اولادوں میں ف۱۱۹ اور پھانستا جا ف۱۲۰ ان کو

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۶۴ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ

اپنے (جھوٹے) وعدوں کے جال میں، اور شیطان کے وعدے کچھ نہیں ہوتے سوائے دھوکے کے سامان کے، ف۴ (پر واضح

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝۶۵ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ

رہے کہ) میرے خاص بندوں پر یقیناً تیرا کوئی زور نہیں چل سکے گا، اور کافی ہے تمہارا رب کارسازی کیلئے، تمہارا رب وہی

لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

تو ہے جو تمہارے (طرح طرح کے فائدوں کے) لئے کشتیاں (اور جہاز) چلاتا ہے سمندر میں، تاکہ تم لوگ تلاش کر سکو اس کا فضل،

بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۶۶ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ

(اور اس کی روزی)، بے شک وہ تم پر بڑا ہی مہربان ہے ف۱۲۱ اور جب تم لوگوں کو سمندر (کی ان ہولناک موجوں) میں کوئی تکلیف

تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ

پہنچتی ہے تو گم ہو جاتے ہیں (تمہارے وہ سب خود ساختہ حاجت روا و مشکل کشا) جن کو تم لوگ پکارا کرتے تھے ف۱۲۲ سوائے اس

۱۱۸ شیطانی اغواء واضلال کا ایک بڑا ہتھکنڈا مالوں میں شرک:- سو اس لعین کو حکم ہوا "اور ساجھا کرلے تو ان کے ساتھ ان کے مالوں میں"۔ ان کے مالوں میں شرکت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نذریں مانیں، نیازیں دیں، چڑھاوے چڑھائیں وغیرہ وغیرہ۔ نیز ان کو اس پر اکسا کہ مال کو حرام طریقوں سے کمائی اور حرام جگہوں پر خرچ کریں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس میں جواء، چوری، ڈاکہ، غصب وغیرہ سب ہی حرام اور ممنوع ذرائع آجاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اسی میں "بحیرہ"، "سائبہ" اور "وصیلہ" وغیرہ کے ناموں سے کی جانے والی مشرکین کی وہ جملہ تحریمات بھی آجاتی ہیں جو کسی بت یا آستانے یا قبر وغیرہ کے نام سے وہ لوگ کرتے تھے۔ اور آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے کرتے ہیں کہ اس کو فلاں بت یا قبر یا آستانے کی رضا کیلئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اس کو نہ کوئی دوسرا کھا سکتا ہے نہ چھیڑ سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (الروح، المراغی، الجامع اور المظہری وغیرہ) سو یہ سب مشرکانہ طور طریقے ہیں، والعیاذ باللہ العظیم

۱۱۹ اغوائے شیطانی کا ایک اور بڑا ہتھکنڈا اولاد میں شرک:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور تو ساجھا کرلے ان کی

اولادوں میں بھی''۔ اوران کی اوادوں میں شرکت یہ ہے کہ ان کو یہ غیر اللہ کی طرف منسوب کرلیں کہ یہ اولا دفلاں بت یا فلاں آستانے یا فلاں بزرگ نے بخشی ہے۔ نیز یہ کہ ان کے شرکیہ نام رکھے جیسے ''عبدالشمس''، ''عبدالعزی''، ''عبدالدار''، عبدالحارث''، ''عبد النبی''، ''عبد الرسول''، ''عبد الحسین''، ''پیراں دتہ''، پیر بخش''، ''علی بخش''، ''حضور بخش''، اور ''علی داد'' وغیرہ وغیرہ۔ والعیاذ باللہ ۔ جولوگ جہالت اور نادانی کی بناء پر ایسے نام رکھتے ہیں وہ تو پھر بھی کسی حد تک معذور قرار دیئے جاسکتے ہیں لیکن جو جان بوجھ کر اپنے قصدوارادہ سے ایسا کرتے ہیں انکے شرک میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سواللہ پاک کی دی اور بخشی ہوئی اولا دکو مخلوق میں سے کسی طرف منسوب کرنا شرک اور شیطانی تحریک وتحریض کا نتیجہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سواس طرح یہ لوگ اپنی اولادوں میں حصہ رکھیں گے یہاں تک کچھ بد بخت غیر اللہ کی رضا جوئی کیلئے اپنی اولادوں کو غیر اللہ کے نام پر ذبح بھی کریں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اسی طرح اولاد میں شرک اور شیطان کا حصہ رکھنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کو دین وایمان کی دولت سے محروم کر کے اور راہِ حق سے پھیر کر الحاد و بے دینی اور یہودیت ونصرانیت ومجوسیت وغیرہ کی کسی بھی راہِ کفر وضلال پر ڈال دیا جائے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ کہ ایسی ہر راہ انسان کو دوزخمیں ڈالنے والی ہے اور یہی شیطان کا اصل مسکن ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔

۱۲۰ شیطان کے وعدے دھوکے کے سوا کچھ نہیں، والعیاذ باللہ:۔ اور یہ دھوکہ وہ ملعون طرح طرح سے دیتا ہے۔ کبھی یہ کہتا ہے کہ یہ دنیا ہی دنیا ہے اسی کا عیش ونشاط اور لذت کوشی سب کچھ ہے اور بس۔ آخرت واخرت کچھ نہیں۔ چنانچہ مادہ پرست دنیا اسی دھوکے کا شکار رہی ہے۔ کل بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے اور وہ بطن وفرج کی شہوات و خواہشات سے آگے کسی اور بات کیلئے سوچنے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتے اور کبھی وہ لعین دھوکہ اس طرح دیتا ہے کہ آخرت اگر ہوئی بھی تو کوئی پرواہ نہیں کہ ہماری معافی تلافی کی ذمہ داری فلاں ہستی نے لے رکھی ہے۔ وہ ہمارا سب کام ٹھیک کرادے گی۔ پس انہی ہستیوں کو خوش رکھنے کی فکر وکوشش کرو اور بس۔ ''ہماری ان کے آگے اور ان کی اس کے آگے''۔ اسی لئے ایسے لوگ اپنی انہی خود ساختہ سرکاروں اور ہستیوں کو خوش کرنے اور ان کے گرد پھیرے لگانے کے چکر میں ہی محو ہوتے ہیں۔ اور کبھی وہ ملعون یہ دھوکہ اس طرح دیتا ہے کہ ہم صاحبزادے اور سید وغیرہ ہیں۔ جو چاہیں کریں ہماری کوئی پوچھ نہیں ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے اور اس طرح کے تمام شرور وفتن سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۲۱ دلائلِ توحید وعظمتِ خداوندی:۔ سوارشاد فرمایا گیا اور انسان کے قلب وضمیر اور عقل وفکر کو جھنجوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ ''تمہارا رب وہی ہے جو تمہارے لئے کشتیاں (اور طرح طرح کے جہاز) چلاتا ہے سمندر میں''۔ حالانکہ پانی کی طبیعت اور خاصیت یہ ہے کہ اس میں معمولی سا کنکر پتھر بھی اگر پھینکا جائے تو وہ ڈوب جاتا ہے مگر تمہارے فائدے کیلئے اس قادرِ مطلق نے اس کو تمہارے لئے ایسا مسخر کردیا کہ طرح طرح کی کشتیاں اور ہزاروں ٹن وزن کے یہ دیوہیکل جہاز اس پر اس سہولت اور آسانی سے تیرتے پھرتے ہیں اور تمہارے لئے طرح طرح کے فوائد اور قسما قسم کے منافع کا ذریعہ بنتے ہیں کہ انہی بحری ذرائع حمل ونقل سے تمہاری ضرورتوں کے سامان مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق اور شمال سے

جنوب اور جنوب سے شمال جاتے ہیں اور اسی سے تمہاری روزی کے بھی طرح طرح کے ذرائع ووسائل پیدا ہوتے ہیں۔ سو اس سے تم لوگ یہ اندازہ کر سکتے ہو کہ تمہارا وہ رب کتنا مہربان، کسقدر رقادر اور کیسی عظمتِ شان کا مالک ہے سبحانہ وتعالیٰ جس نے تمہاری طرح طرح کی ضرورتوں کی تکمیل اور انکی بہم رسانی کا اس قدر پرحکمت طریقہ سے انتظام فرمایا ہے سبحانہ وتعالیٰ پھر اسی سے تم لوگ خود سوچو کہ اس کا تم پر کیا حق ہے؟ اور اسکے اس حق کی ادائیگی کس طرح کی جا سکتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اور جب اسکی ان رحمتوں عنایتوں اور مظاہر قدرت کی تخلیق وابراز میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ سو صحیفۂ کائنات میں ہر طرف پھیلے بکھرے قدرت کے یہ عظیم الشان مظاہر اسکی قدرت و حکمت اور اسکی رحمت وعنایت اور اسکی توحید ووحدانیت وغیرہ صفاتِ عالیہ کے کھلے اور واضح دلائل ہیں لیکن ان کے لئے جو صحیح طور پر غور وفکر سے کام لیتے ہیں ورنہ جو حیوان بلکہ بدترین حیوان اور "شر البریہ" بن جائیں گے ان کے لئے حق وہدایت کے کسی درس کی کوئی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے؟ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۲ انسان کی فطرت میں دلیلِ توحید کا وجود:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور جب تمہیں سمندر میں کوئی مصیبت اور مشکل پیش آتی ہے تو تم اسی وحدہ لاشریک کو پکارتے ہو"۔ اور کھو جاتے ہیں تم سے تمہارے تمام وہ خود ساختہ معبود جن کو تم لوگ پکارتے ہو آگے پیچھے اور یسر وآسانی کے حالات میں۔ مگر تنگی کے اور مصیبت کے ایسے وقت میں تم ان سب کو بھول جاتے ہو سوائے اللہ وحدہ لاشریک کے اور تمہارے یہ خود ساختہ معبود خواہ لکڑی پتھر وغیرہ کے بت ہوں یا کوئی جن اور فرشتہ یا کوئی زندہ ومردہ انسان۔ (المراغی، الفتح وغیرہ) مگر افسوس کہ آج کا کلمہ گو اس وقت بھی اللہ کے سوا اسکی عاجز اور بے بس مخلوق ہی میں سے کسی کو پکارتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے "بہاء الحق بیڑا دھک"، "خواجہ اجمیری پار لگا دے کشتی میری"، "یا پیر دستگیر" وغیرہ وغیرہ۔ سو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج کا کلمہ گو مشرک کل کے اس کھلے مشرک سے بھی اپنے شرک میں کس قدر سخت اور کتنا پکا ہے کہ وہ ایسے مشکل مواقع میں اس طرح کے تمام سہاروں کو بھول کر اور ان کو پس پشت ڈال کر اللہ وحدہ لاشریک ہی کو پکارتا تھا جو کہ مالک حقیقی اور کارسازِ مطلق ہے۔ جیسا کہ حضرتِ عکرمہ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ اپنے زمانہ کفر و شرک میں مکہ مکرمہ سے بھاگ کر حبشہ کی طرف جا رہے تھے تو دورانِ سفر ان کا جہاز طوفان میں گھر گیا۔ تو اس وقت انہوں نے دیکھا کہ جہاز میں سوار سب ہی مشرک اپنی تمام معبودان باطلہ کو بھول کر اور ان کو پسِ پشت ڈال کر اللہ وحدہ لاشریک ہی کو پکارنے لگے تو اسی وقت یہ بات حضرتِ عکرمہ کے دل میں بیٹھ گئی کہ جو خدا اس مشکل وقت میں کام آنے الا ہے اور جس کو یہ سب لوگ ایسے وقت میں پکار رہے ہیں وہی ہے معبودِ برحق۔ باقی سب جھوٹ اور دھوکہ ہے۔ اس پر انہوں نے یہ ٹھان لی کہ اگر ہم اس طوفان سے بچ کر نکل گئے تو آئندہ اس خداوندِ قدوس پر ضرور ایمان لے آئیں گے جس پر ایمان لانے کی دعوت اسلام دے رہا ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق بعد میں وہ ایمان لا کر اسلام کے حظیرۂ قدس میں داخل ہو گئے۔ مگر افسوس کہ اس کے برعکس آج کا یہ مشرک ایسے مواقع پر بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عاجز مخلوق کو اور ان ہستیوں کو پکارتا ہے جو کہ خود اپنے آپ کو بھی موت سے نہ بچا سکیں اور وہ خود اپنی موت آپ مر گئیں۔ فالی اللہ المشتکی وھو المنعان،

كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ

(معبودِ برحق) کے، پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے، تو تم اس سے منہ موڑ لیتے ہو ۱۲۳ واقعی انسان بڑا ہی ناشکرا ہے و ۱۲۴

الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ

اچھا تو کیا تم لوگ نڈر (اور بے خوف) ہو گئے ہو اس بات سے کہ وہ کبھی تم کو خشکی کی جانب ہی زمین میں دھنسا دے و ۱۲۵ یا وہ

وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى

بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی کوئی آندھی، پھر تم نہ پا سکو اپنے لئے کوئی کارساز و ۱۲۶ کیا تم لوگ نڈر (اور بے خوف) ہو گئے

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ

اس سے کہ وہ کبھی تم کو پھر لے جائے سمندر میں، اور تم پر کوئی سخت طوفانی ہوا بھیج کر تم سب کو اس میں غرق کر دے، تمہارے

ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا

کفر (وناشکری) کی یاداش میں، پھر تم نہ پا سکو اپنے لئے ہم سے کوئی پوچھنے والا، و ۱۲۷ اور بلاشبہ ہم نے عزت بخشی

۱۲۳ انسان کی ناشکری اور بے انصافی کا ایک نمونہ ومظہر:- کہ اللہ تعالیٰ جب اس طرفان سے بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یہ اس کو بھول کر پھر شرک میں لگ جاتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا "مگر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ لیتے ہو"۔ اور پوری ڈھٹائی سے کہنے لگتے ہو کہ مجھے تو فلاں آستانے یا فلاں ہستی نے بچایا ہے۔ پھر اس کیلئے ایسے مشرک لوگ بکرے کاٹتے، دیگیں پکاتے، پھیرے لگانے لگے ہیں اور انکی خوشنودی کیلئے چادریں چڑھانے اور ڈالیاں پیش کرنے کے چکروں میں لگ جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ اور اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ ان کو پھر کبھی سمندر جانے اور ایسے مصائب میں پھنسنے کا موقع آسکتا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیتِ کریمہ میں اسکی یاد دہانی فرمائی گئی ہے۔ سو یہ انسان اور ایسے مشرک انسان کی بے انصافی اور ناشکری کا ایک کھلا مظہر اور نمونہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو سچ اور حق فرمایا حضرتِ حق جل مجدہ نے کہ "انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے"۔ ان الانسان لربہ لکنود.

۱۲۴ واقعی انسان بڑا ہی ناشکرا ہے، والعیاذ باللہ:- جو ایسے ایسے عظیم الشان اور کھلے احسانات پر بھی اپنے اس منعمِ حقیقی کو بھول کر اور اس سے منہ موڑ کر ایسے فرضی اور وہمی سہاروں کی طرف لوٹتا، ان کے آگے جھکتا اور اس طرح اپنی تحقیر و تذلیل کا سامان کرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اور پھر اسی سے تم لوگ اپنے رب کے اس کرم و احسان کا بھی اندازہ کر لو کہ وہ کتنا مہربان اور کس قدر کرم و احسان والا ہے کہ تمہاری طرف سے اس قدر ناشکری اور احسان فراموشی کے باوجود وہ تمہیں ڈھیل دیئے ہوئے ہے۔ نہ تمہیں فوری پکڑتا ہے نہ تمہارا دانہ پانی بند کرتا ہے اور نہ تمہاری زندگی ختم کرتا ہے۔ سو یہ اسی وحدہ

لاشریک کی شان ہو سکتی ہے اور بس۔ سبحانہ وتعالیٰ واقعی انسان بڑا ہی بے قدرا اور ناشکرا ہے جو اپنے خالق و مالک کی شانِ کرم واحسان کے یہ سب مظاہر دیکھتا ہے لیکن پھر بھی اس سے منہ موڑ کر ناشکری کرتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۲۵ خدا کے عذاب سے کبھی بھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے:۔ کیونکہ اس کا عذاب کہیں بھی اور کسی بھی شکل میں آسکتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''تو کیا تم لوگ اس بات سے نڈر اور بے خوف ہو گئے کہ وہ تمہیں زمین ہی میں کہیں دھنسا دے''۔ جیسا کہ اس نے قارون اور اس کے لاؤلشکر کے ساتھ کیا کہ اس کو اپنے لاؤلشکر اور ساز وسامان سمیت زمین میں دھنسا کر ہمیشہ کیلئے فِی النَّارِ وَالسَّقَرْ کر دیا۔ اور اسکے اس انجام کو رہتی دنیا تک کیلئے نشانِ عبرت بنا دیا۔ اور جیسا کہ زلزلوں، سیلابوں، طوفانوں، زمینی تودوں (Land Slides) کے گرنے کے ذریعے آج تک جگہ جگہ اور طرح طرح سے ہوتا رہتا ہے۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم۔ سو سمندر کی موجوں سے نکل آنے کے بعد تم لوگ کہیں اس کی دسترس اور اسکی گرفت و پکڑ کے دائرے سے باہر نہیں ہو گئے کہ اب تم نچنت اور بےفکر ہو کر بیٹھ جاؤ۔ وہ تمہیں کہیں بھی اور کسی بھی طرح پکڑ سکتا ہے۔ سُبحانہ وتعالیٰ۔ بس اس کے عذاب اور اسکی گرفت و پکڑ سے کبھی بھی بےفکر اور بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وعلٰی ما یُحِبُّ و یرید،

۱۲۶ اللہ کا عذاب پتھر برسانے والی ہوا کی شکل میں بھی آسکتا ہے۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''کیا تم لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی کوئی ہولناک آندھی''۔ جیسا کہ قومِ عاد اور قومِ لوط وغیرہ سے کیا گیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور آج تک اس کے نمونے جابجا اور طرح طرح سے سامنے آتے رہتے ہیں۔ سو کتنے کتنے ملکوں اور شہروں میں ایسے ہولناک طوفان آتے اور جھکڑ چلتے ہیں کہ پتھر تو پتھر رہے وہ بڑے بڑے درختوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکتے اور جگہ جگہ دے مارتے ہیں۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ قبل ہندوستانی ریاست اڑیسہ میں ایک ایسا ہولناک سمندری طوفان آیا کہ اس نے تھوڑی سی دیر میں کتنے بڑے علاقے کو ملیا میٹ کر دیا۔ اور صدیوں سے رہتے بستے لوگوں کو آناً فاناً صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اور اس سے کچھ ہی عرصہ قبل امریکی ریاست شکاگو میں اسی طرح کا ایک ایسا ہولناک طوفان آیا کہ اس نے گاڑیوں کو اٹھا اٹھا کر ستر ستر منزل بلڈنگوں پر دے مارا وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اس طرح کا کوئی بھی ہولناک عذاب کبھی بھی آسکتا ہے۔ تو پھر اس قادرِ مطلق کے عذاب اور اسکی گرفت و پکڑ سے بےفکری اور بے خوفی کس طرح روا ہو گئی ہے؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۲۷ اللہ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ:۔ کہ وہ ایسے تمام تصورات سے اعلیٰ و بالا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''پھر تم نہ پاسکو اپنے لئے ہمارے خلاف کوئی پوچھنے والا''۔ جو ہمارا پیچھا کر کے تمہارے لئے کسی بدلے کا مطالبہ کر سکے اور ہم سے کوئی باز پرس کر سکے۔ یعنی ان قسما قسم عذابوں میں سے کوئی بھی عذاب تم پر کبھی بھی اور کہیں بھی آسکتا ہے تو پھر اس قادرِ مطلق کی گرفت اور پکڑ سے بےفکری اور بے خوفی آخر کس طرح روا ہو سکتی ہے؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اسکی گرفت و پکڑ سے بےفکری اور لاپرواہی بڑے ہی ہولناک خسارے کا پیش خیمہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف وہ اس طرح کے کسی بھی عذاب کے ذریعے تمہیں تہس نہس کر سکتا ہے اور ایسے میں نہ کوئی تمہارا وکیل و کارساز ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا حامی اور مددگار جو ہم سے اس بارے کوئی باز پرس کر سکے۔ تو پھر تم لوگ اس طرح کے کسی بھی عذاب سے نچنت اور بےفکر کیسے ہو سکتے ہو؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ

بنی آدم کو، اوران کو طرح طرح کی سواریوں سے نوازا خشکی میں بھی اور تری میں بھی، اور ہم نے ان کی روزی کا سامان کیا

الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰی كَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا

طرح طرح کی پاکیزہ چیزوں سے، اوران کو اپنی بہت سی مخلوق پر طرح طرح کی فضیلت (وبزرگی) بخشی ١٢٨ (اوریاد کرو اس

تَفۡضِیۡلًا ﴿۷۰﴾ یَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ ۚ فَمَنۡ

ہولناک دن کو کہ) جس دن ہم بلائیں گے لوگوں کے ہرگروہ کو اس کے پیشوا کے ساتھ ١٢٩ پھر جن کو ان کا نامۂ اعمال ان کے

اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ یَقۡرَءُوۡنَ كِتٰبَهُمۡ وَلَا

دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (خوش ہو ہو کر) اپنے نامۂ اعمال کو پڑھیں گے، اوران پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں ہوگا ١٣٠ اور

١٢٨ بنی آدم کی تکریم و تفضیل اور اس کے مقتضی کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے بنی آدم کو تعظیم و تکریم سے نوازا اوران کو اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت و بزرگی بخشی"۔ ان کو حسنِ صورت اور عمدہ قامت کے علاوہ عقل کا وہ عظیم جوہر بخش کر جس سے ان کو اس پوری مخلوق پر فوقیت اور غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اوران کو مخدوم و مطاع بنا کر دوسری تمام مخلوق کو ان کے کام اور اس کی خدمت میں لگا دیا۔ پھر تم لوگ سوچو کہ یہ کتنا بڑا احسان ہے تمہارے خالق اور مالک کا تم پر۔ اور اسکی بناء پر کیا حق بنتا ہے اس کا تم لوگوں پر۔ پھر کتنا بڑا ظلم اور کس قدر بے انصافی ہے کہ یہ انسان اپنے اسی خالق و مالک کو بھول جائے اور اس سے منہ موڑ لے۔ اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ کہ یہ اپنے اس خالق و مالک کو بھول کر اور اس سے منہ موڑ کر اپنے ہی جیسے کسی دوسرے انسان یا اس سے بھی کسی کمتر مخلوق کے آگے جھک جائے اور اس کیلئے مراسمِ عبودیت و بندگی ادا کرنے لگے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ۔ سو اس ارشاد سے انسان کو اسکی ذمہ داری یاد دلائی گئی ہے کہ جس خالق و مالک نے اس کو ایسی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا ہے کہ اس کو خاص تعظیم و تکریم سے سرفراز فرمایا۔ خشکی اور تری دونوں میں اس کیلئے سواری کا انتظام فرمایا۔ اس کو پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی۔ اور اس کو اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت و بزرگی عطا کی، تو اس کے ذمہ یہ فرض بنتا ہے کہ یہ اس واہبِ مطلق کی ان عظیم الشان نعمتوں کا حق پہچانے، اور دل و جان سے اسکے آگے جھک جائے۔ اور نعمتوں کی بناء پر اکڑنے کے ابلیسی طریقہ سے بچے۔ ورنہ اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو اس ملعون کا ہو چکا ہے۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے ذکر و شکر سے سرفراز رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین!

١٢٩ قیامت کے روز ہر گروہ کی حاضری اس کے پیشوا کے ساتھ:- سو اہلِ ایمان و توحید کی حاضری ان کے انبیاء و

رسل کے ساتھ ہوگی اور اہلِ کفر وشرک کی حاضری ان کے اپنے سرداروں اور پیشواؤں کے ساتھ۔ بہر کیف ہر گروہ کی حاضری اس کے اپنے پیشوا و امام کے ساتھ ہوگی۔ اگر وہ امام ہدایت پر ہوگا تو اس کے پیروؤں کو اس کے ساتھ بلایا جائے گا اور اگر وہ امام ضلالت وغوایت پر ہوگا تو اس کے پیروؤں کو اس کے ساتھ۔ والعیاذ باللہ۔ اسی لئے بعض حضرات نے یہاں امام سے مراد ہر قوم کا نبی لیا ہے۔ مگر بعض اہلِ علم کے نزدیک راجح قول دوسرا ہے۔ یعنی یہ کہ یہاں پر امام سے مراد ہر ایک کا اپنا نامۂ اعمال ہے۔ کیونکہ دوسری نصوص اور قرائن سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ یٰسین میں فرمایا گیا۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ. (یٰسین:۱۲)۔ اور سورۂ جاثیہ میں فرمایا گیا۔ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتَابِهَا. (الجاثیہ:۲۸) اور حافظ بزاز نے اس بارے آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے اور یہ قول کہ امام سے مراد یہاں پر ان کا نامۂ اعمال ہے حضرتِ ابنِ عباس کا اختیار ہے اور اسی کو ابنِ کثیر وغیرہ نے ترجیح دی ہے۔ لفظ کا عموم اور اس کی تنکیر بہر کیف ان تمام مفاہیم کو عام اور سب کو شامل ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، مراغی، صفوہ اور معارف وغیرہ) سو اس روز ہر کوئی اپنا نامۂ اعمال تھامے اپنے لیڈر اور پیشوا کے پیچھے پیچھے چلا آئے گا۔ لہٰذا ہر کوئی اپنے بارے میں خود دیکھ لے اور سوچ لے کہ اس دن کیلئے اس نے کیا تیاری کی۔ اور یہ کہ اس کا امام اور پیشوا کون ہے؟ نیک ہے یا بد؟ صحیح ہے یا غلط؟ اسی کی پیشوائی میں اس کو وہاں حاضر ہونا ہوگا۔ سو اس یومِ عظیم کی تذکیر و یاددہانی سے انسان کو دعوتِ غور وفکر دی گئی ہے کہ وہ دیکھ لے کہ اس کا امام کون ہے اور وہ کس لیڈر اور پیشوا کے پیچھے چل رہا ہے اور وہ دیکھ لے کہ اپنے نامۂ اعمال کیلئے وہ کیا سامان کر رہا ہے؟ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ. اور وہ وہاں پر کس نتیجے کی توقع رکھتا ہے سو وہ اپنی بہتری اور اس حقیقی کامیابی اور فائز المرامی کیلئے کوشش کرے۔ قبل اس سے کہ متاعِ زندگی کی یہ فرصتِ محدود اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور پھر اسکے لئے اس کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔ وَالعِيَاذُ بِاللّٰه.

۱۱۸ اصحابِ یمین اور انکی عظمتِ شان:- سو ایسے لوگ اپنے نامۂ اعمال کو خوش ہو کر بلکہ دوسروں سے بھی پڑھنے کو کہیں گے۔ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ. تا کہ اس طرح ان کا سرور دوبالا ہو۔ یہ ہوں گے سعداء اتقیاء. اللّٰھم اجعلنا منھم. سو اصحابِ یمین یعنی ان خوش نصیب حضرات کی شان بہت بڑی ہوگی جن کو ان کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے کہ یہ انکی فائز المرامی کی نشانی اور علامت ہوگی۔ اور ان کی مسرت وشادمانی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا کہ ان کی زندگی بھر کی محنت ٹھکانے لگ گئی۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین! بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اصحابِ یمین کو ان کے اعمال نامے انکے داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے جن کو وہ خوش ہو کر پڑھیں گے۔ کہ یہ وہ کامیابی ہوگی جس میں دوسری کوئی کامیابی ہو ہی نہیں سکتی، اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي

جو کوئی اندھا بن کر رہا ہو گا ۱۳۱ اس (دنیا کی زندگی) میں تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا ۱۳۲ بلکہ اس سے بھی زیادہ

الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ

گمراہ ۱۳۳ اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے اپنی اس ۱۳۴ کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی کہ آپ کو فتنے میں ڈال کر پھیر دیں

عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ

اس وحی سے جو ہم نے بھیجی ہے آپ کی طرف، تاکہ آپ اس کے خلاف ہماری طرف کسی اور بات کی نسبت کر دیں، اور

۱۳۱ نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑنے والے اندھے اور اوندھے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور جو کوئی اندھا بن کر رہا ہو گا دنیا میں" حق کے دیکھنے اور اس کے ماننے اور قبول کرنے سے اور اس نے اپنی زندگی کی پونجی اپنے پیٹ کو بھرنے اور خواہشاتِ نفس کی تکمیل ہی میں صرف کر دی ہو گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس طرح اس نے اپنے آپ کو انسانیت کے منصبِ شرف و امتیاز سے گرا کر حیوانیت کے قعرِ مذلت میں ڈال دیا ہو گا۔ جسکے نتیجہ میں وہ بڑے ہی ہولناک خسارے میں مبتلا ہو گیا ہو گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑنے والے اندھے اور اوندھے ہیں اگرچہ وہ چاند پر کمندیں ڈالنے والے ہوں۔ کیونکہ وہ نہ اپنے انجام اور حقیقی منزل سے آگاہ ہیں اور نہ ان کو اپنے مقصدِ زندگی کا پتہ اور نہ راہِ حق و ہدایت سے کوئی آگہی۔ سو ایسے بدنصیب اور محروم لوگ انسانیت کے منصبِ شرف سے گر کر حیوانِ محض بلکہ بدترین حیوان اور "شر البریہ" بن کر رہ جاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۱۳۲ نورِ حق و ہدایت سے محروموں کیلئے دنیا و آخرت کی دائمی محرومی، والعیاذ باللہ:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ نورِ حق و ہدایت سے محروم ایسا بدبخت انسان آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔ سو وہ محروم رہے گا راہِ جنت اور شرفِ نجات سے کہ ایسوں کے زندگی بھر کے کیے کرائے کا طبعی اور لازمی نتیجہ یہی تھا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "وَمَا الثَّمَرُ اِلَّا بِحَسْبِ الشَّجَرِ" یعنی پھل ویسے ہی ملے گا جیسا کہ درخت ہو گا۔ سو دنیا کی اس کھیتی میں انہوں نے جو کاشت کی ہو گی اُسی کا پھل ان کو وہاں اس صورت میں ملے گا۔ والعیاذ باللہ۔ پس جو لوگ ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہیں اور وہ آخرت کو بھول کر صرف دنیا ہی کیلئے جی رہے ہیں وہ یقیناً اندھے اوندھے اور پرلے درجے کے محروم ہیں اگرچہ دنیاوی اعتبار سے وہ کتنے ہی تیز کیوں نہ ہوں اور دنیا ان کو کیا کچھ کہتی اور مانتی کیوں نہ ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس ارشاد سے اصحاب الیمین کے بالمقابل اصحاب الشمال کا حال اور ان کا انجام و مآل بیان فرما دیا گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ تاکہ اسکی روشنی میں انسان اپنے ارادہ و اختیار سے راہِ حق و صواب کو اپنائے۔

۱۳۱ منکرین ومکذبین کی آخرت کی محرومی و بدحالی بدرجہا زیادہ ہوگی:- سو اس روز انکی یہ محرومی اتنی بڑی اور اس قدر ہولناک ہوگی کہ اس کے بیان کا احاطہ و ادراک بھی کسی کے لئے ممکن نہیں۔ سو فرمایا گیا کہ اس سے بھی کہیں زیادہ گمراہ ہونگے۔ کیونکہ اس کے بعد ایسوں کیلئے راہِ نجات اور دولت ہدایت پانے کا سرے سے کوئی موقع اور کوئی امکان ہی نہیں ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ حیاتِ دنیا کی جو فرصت محدود انکو ملی تھی وہ ان کے ہاتھ سے جا چکی ہوگی۔ روح ان سے نکل چکی ہوگی۔ اب جو کچھ دنیا میں کمایا تھا وہ ہی ان کا سرمایہ ہوگا۔ خیر ہوگا تو بھی اور شر ہوگا تو بھی۔ اب ایسے کسی شخص کیلئے نہ کسی نیکی کے اضافے کا کوئی موقعہ اور نہ توبہ و استغفار وغیرہ سے کسی گناہ کے مٹانے اور معاف کرانے کی کوئی گنجائش۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑنے والے ان بدبخت اور محروم لوگوں کی اپنی اصل اور حقیقی منزل سے جو دوری آج ہے اس روز ان کی یہ دوری اس کی نسبت کہیں زیادہ ہوگی کہ آخرت کے اس جہانِ غیب کے ظہور و بُروز کے بعد ان کیلئے صراطِ مستقیم کی طرف لوٹنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہے گا۔ اس آیتِ کریمہ سے واضح فرما دیا گیا کہ اصحابِ شمال کی وہ محرومی ان کے اپنے عمل و کردار کی بناء پر ہوگی کہ وہ دنیا میں اندھے بن کر رہے تھے۔ اس لیے اس روز اندھے ہی اٹھیں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس کے مقابلے میں اصحاب الیمین کی یہ سعادت مندی اور سرفرازی ان کے اپنے عمل و کردار کی بناء پر ہوگی کہ انہوں نے نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی کیلئے اپنی آنکھوں کو کھلا رکھا۔ اور راہِ حق کو روشن کرنے کیلئے قدرت کی قائم فرمودہ ایک ایک نشانی کو انہوں نے صحیح طور پر دیکھا اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور اسطرح وہ سعادتِ دارین سے سرفراز و سرخرو ہوئے، والحمدللہ جل وعلا۔

۱۳۲ پیغمبر کیلئے خاص حفاظت وحمایت خداوندی کا ذکر و بیان:- چنانچہ پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اگرچہ ان لوگوں نے اپنی اس کوشش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی کہ آپ کو فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے آپکی طرف کی ہے تاکہ اسطرح آپ ہمارے خلاف ہماری طرف کسی اور بات کی نسبت کریں، لیکن اللہ کیطرف سے آپ کیلئے جو خاص حفاظت وحمایت ہے، اسکی وجہ سے آپ محفوظ رہے، اور یہ لوگ اپنی ایسی شرانگیزیوں میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ سو اس سے پیغمبرِ حق کو اور ان کے توسط سے ہر داعیِ حق کو یہ درس دیا گیا ہے کہ کفار و اشرار کی طرف سے آپ کو راہِ حق سے پھیرنے کی کتنی ہی کوشش کی جائے آپ ان کے علی الرغم حق پر قائم اور ثابت قدم رہیں۔ سو یہ لوگ ایسا کریں گے۔ کئی طرح کی سودا بازیوں اور تنازلات کی پیشکش کر کے۔ جیسا کہ روایات میں اس کی مختلف شکلیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو روح، ابن کثیر، محاسن التاویل وغیرہ۔ سو ان روایات کے مطابق ابوجہل اور قریش کے کچھ دوسرے سرداروں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ آکر ہمارے بتوں پر ہاتھ پھیر دیں تو ہم آپؐ کے دین میں داخل ہو جائیں گے اور آپؐ چونکہ اپنی شفقت کی بناء پر یہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ کسی طرح دینِ حق میں داخل ہو کر دوزخ سے بچ جائیں اس لیے آپؐ کے دل میں ان کیلئے کچھ نرمی پیدا ہوگئی۔ تو اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ مخالفین نے آپ کو راہِ حق سے پھیرنے کیلئے بہت کچھ زور لگایا تھا مگر آپ ہمارے فضل و کرم کی بناء پر اس سے محفوظ رہے۔

وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ

اگر ایسا ہو جاتا تو یہ لوگ یقیناً آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے ۱۳۵ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا، تو بلا شبہ آپ کسی

كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ

قدر ان کی طرف جھکنے کے قریب ہو جاتے ۱۳۶ اور اگر ایسے ہو جاتا تو ہم یقیناً آپ کو دوہرا عذاب چکھاتے، دنیاوی زندگی

الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

میں بھی، اور موت کے بعد بھی، پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پا سکتے ۱۳۷ اور انہوں نے اس میں بھی کوئی کسر اٹھا

وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ

نہیں رکھی کہ آپ کے قدم اکھاڑ دیں اس سرزمین سے ۱۳۸ تاکہ آپ کو اس سے نکال باہر کر دیں، (خواہ جبر سے خواہ مکر

مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ

سے،) اور اگر ایسا ہو جاتا تو یہ لوگ بھی آپ کے بعد یہاں نہ ٹھہر سکتے مگر بہت کم ۱۳۹ اپنے اس دستور کے مطابق جو ہمارے

مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

ان تمام رسولوں کے بارے میں رہا ہے جن کو ہم آپ سے پہلے بھیج چکے ہیں، اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی

۱۳۵ کفار و مشرکین کی اصل دشمنی حق کے ساتھ :- سو اس سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ مشرکین کی اصل دشمنی حق کے ساتھ ہے اور اہل حق یہاں تک کہ حضرت امام الانبیاء سے انکی دوستی و تعلق بھی راہِ حق سے پھرنے کی قیمت پر ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اگر آپ ان کی باتوں میں آجاتے تو ایسی صورت میں یہ لوگ یقیناً آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے"۔ اور یہ لوگوں سے کہتے کہ انہوں نے ہماری بات مان لی ہے اور ہمارا ان سے سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم نے ان کو دوست بنا لیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ حق اور باطل کے درمیان کسی اشتراک اور سمجھوتے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ حق بہر حال حق ہے۔ اس میں کسی طرح کے شرک اور کسی قسم کی آمیزش و ملاوٹ کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا اور خوب کہا۔ باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے۔ شریک میانہ حق و باطل نہ کر قبول۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر بالفرض ایسے ہو جاتا تو یہ لوگ تو آپ کو اے پیغمبر اپنا دوست بنا لیتے۔ مگر اس صورت میں آپ ہماری دوستی اور ولایت سے محروم ہو جاتے۔ مگر اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت و عنایت سے آپ کو اس طرح کے ہر

شائبہ سے محفوظ رکھا۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ. سواس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کفر وشرک کی میل کے جم جانے کے بعد آدمی کس قدر سیاہ بخت اور کتنا محروم ہو جاتا ہے کہ وہ نورِ حق و ہدایت کو اپنانے اور اس سے سرفراز و فیضیاب ہونے کی بجائے الٹا خود داعی حق کو بھی اپنی طرف مائل کرنے کی تگ و دو میں لگ جاتا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسکے لئے حضرتِ امام الانبیا علیہ السلام پر بھی ڈورے ڈالنے کی جسارت سے گریز نہیں کرتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ اللہ پاک سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اپنی خاص ہدایت وعنایت سے نواز کر ایسے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ سواس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ابنائے کفر و باطل اہلِ حق میں سے کسی کو اسی صورت میں اپنا دوست بنا سکتے ہیں جبکہ وہ راہِ حق و ہدایت سے پھر کر انہی کے طریقے کو اپنا لے اور انہی کی راہ پر چلنے لگے۔ لیکن خدانخواستہ اگر کوئی ایسا کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت اور اسکی تائید وحمایت سے محروم ہو جائے گا جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ۔ (روایات میں وارد و منقول ہے کہ ان آیاتِ کریمات کے نزول کے بعد آنحضرت علیہ السلام ہمیشہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ "اللهم لاتكلني الى نفسي طرفة عين". یعنی "اے اللہ مجھے کبھی پل بھر کیلئے بھی اپنی ذات کے حوالے نہیں کرنا"۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویا اکرم الاکرمین۔

۱۲۱ پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص کرم واحسان کا ذکر و بیان:- سوارشاد فرمایا گیا کہ مگر چونکہ ہم نے آپ علیہ السلام کو ثابت قدم رکھا اور آپ براہِ راست ہماری نگرانی اور حفاظت میں تھے۔ اس لئے آپؐ سے ایسی کسی بھی بات کا کوئی صدور و وقوع نہیں ہوا۔ ورنہ آپ ضرور کسی قدر ان کی طرف جھک جاتے۔ اسی لئے روایات میں ہے کہ اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد آپؐ یہ دعا فرمایا کرتے تھے "اللهم لاتكني الى نفسي طرفة عين" کہ "اے میرے اللہ مجھے کبھی لمحہ بھر کیلئے بھی اپنے نفس کے حوالے نہیں کرنا"۔ (المراغی، المحاسن، المعارف وغیرہ) سبحان اللہ جب حضرت امام الانبیاء صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم کا حال یہ ہے تو پھر ہما وشما اس طرح کی دعاؤں کی کس قدر محتاج ہیں۔ اللہ ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین! اَللّٰهُمَّ كُنْ لَنَا وَلَا تَكِلْنَا اِلٰى نُفُوسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ. سو حفاظت اللہ ہی کی حفاظت ہے۔ وہی قادرِ مطلق وحدہ لاشریک جس کو محفوظ رکھے وہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ ورنہ انسان از خود کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین!

۱۲۲ راہِ حق سے پھرنے کا انجام بڑا ہی ہولناک۔ والعیاذ باللہ العظیم:- سوارشاد فرمایا گیا کہ "اگر کہیں ایسے ہو جاتا تو ہم یقیناً آپ کو دوہرا عذاب چکھاتے، زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی"۔ اس عظیم الشان اور بے مثال مرتبہ و مقام کے باعث جو آپ علیہ السلام کو ہمارے یہاں حاصل ہے کا قاعدہ اور ضابطہ عام یہی ہے کہ جتنا مرتبہ و مقام بڑا ہوتا ہے اتنا ہی خدشہ وخطرہ بھی سخت اور بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور یہ ارشاد ایسے ہی ہے جیسا کہ سورۂ احزاب میں ازواجِ مطہرات کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ. الاية (الاحزاب: ۳۰)۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت وعنایت سے آپ علیہ السلام اس طرح کے ہر شائبہ سے محفوظ رہے صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ۔ بہر کیف اس سے ایک طرف تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جن کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اسی قدر انکی مشکل

بھی بلند ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بھی بے لاگ اور سب کیلئے یکساں ہوتا ہے اور تیسری طرف اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتے جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ اختیارِ کُلّی اللہ تعالیٰ ہی کی صفت وشان ہے وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، سُبحانَهُ وَ تعالیٰ فاِیَّا هُ نَعْبُدُ وَ بِهٖ نَسْتَعِین۔

۱۲۸ اہلِ کفر و باطل کی عداوت و دشمنی کی انتہا:۔ سو اس سے کفار و مشرکین کی حق اور اہلِ حق سے عداوت و دشمنی کی انتہا واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے منحوس اور بدبخت لوگ، اہلِ حق یہاں تک کہ حضرت امام الانبیاء کا وجود بھی اپنے درمیان برداشت نہیں کرتے۔ سو کفارِ مکہ نے پیغمبر کو اپنی سرزمین سے نکالنے کی پوری کوشش کی۔ یعنی مکہ مکرمہ سے جو کہ آپ کا مولد و مسکن تھا۔ اور جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ پیارا و عزیز تھا۔ لیکن ان ظالموں کو آپ ﷺ کا اس میں رہنا برداشت اور گوارہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ کو وہاں سے نکالنے کی ٹھان لی۔ لیکن یہ ایسا کر نہیں سکے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے رب نے خود وہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ ورنہ یہ لوگ اگر اپنے منصوبے کے مطابق آپ ﷺ کو وہاں سے نکال دیتے تو اسکے بعد یہ بھی وہاں رہنے نہ پاتے بجز تھوڑے سے عرصے کے (الکبیر، الصفوۃ اور المعارف وغیرہ)۔ اور جب انہوں نے اپنی طرح طرح کی ایذاء رسانیوں سے آپ کو وہاں سے نکال دیا تو اسکے سال ڈیڑھ سال بعد ہی یہ لوگ آپ کے مقابلے میں بدر میں پہنچ کر فی النار والسقر ہوئے۔ انکی جڑ کٹ گئی اور اس کے کچھ ہی عرصے بعد سرزمین مکہ سے بھی ان کا ہمیشہ کیلئے صفایا ہو گیا۔ والحمد للّٰہ رب العالمین.

۱۲۹ پیغمبر کا وجود باعثِ رحمت و امان:۔ سو اس سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کا وجود رحمت وعنایتِ خداوندی اور امن و امان کا ذریعہ و وسیلہ ہوتا ہے۔ پس پیغمبر کا کسی بستی سے نکل جانا وہاں کے باشندوں کیلئے عذاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ یعنی اللہ کا عذاب کسی نہ کسی شکل میں ان کو آ پکڑتا اور یہ آپؐ کے بعد کچھ زیادہ وہاں ٹھہرنے نہ پاتے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد بھی جب وہ لوگ اپنی ایذاء رسانیوں اور شرانگیزیوں سے باز نہ آئے تو ہجرت کے ٹھیک اٹھارہ ماہ بعد بدر میں فرقان وفیصلے کے دن ان کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی۔ ان کے بڑے بڑے صنادید اور متکبرین میں سے بہت سے قتل ہوئے اور بہت سے قید اور ذلیل وخوار اور اگر نبی کا وجودِ رحمت وہاں موجود نہ ہوتا تو ان کی کبھی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جاتی۔ فصدق اللّٰہ القائل. وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. الاٰیۃ (الانفال:۳۳)۔ سو پیغمبر کی کسی بستی سے ہجرت وہاں کے باشندوں کیلئے عذاب کا باعث اور اس کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو پیغمبر کا وجود باعثِ رحمت اور ذریعہ امان ہوتا ہے اور جب قوم کی روش سے تنگ آ کر وہ وہاں سے ہجرت کر لیتا ہے تو وہ قوم بالکل ایک جسدِ بے روح ہو کر رہ جاتی ہے اور ان کیلئے اِتمامِ حجت کا مرحلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یا تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی کوڑا برستا ہے جو اس بدبخت قوم کے ناپاک وجود سے اللہ کی دھرتی کو پاک کر دیتا ہے یا پھر اہلِ ایمان کی تلواران کیلئے بے نیام ہو جاتی ہے اور اس کے ذریعے ان کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے۔ اہلِ مکہ کے کفار، اشرار کیلئے یہی دوسری صورت پیش آئی۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم بکل حال من الاحوال وفی کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ.

تَحۡوِيۡلًا ۝۷۷ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ ع

نہیں پائیں گے، ف۱۴۰ نماز قائم رکھو ف۱۴۱ سورج ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک ف۱۴۲

۱۴۰ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی:- سوارشاد فرمایا گیا اور صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ''آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے''۔ سو پیغمبروں کے بارے اللہ تعالیٰ کے اس دستور میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ کہ ان کی قوموں نے جب ان کو اپنے یہاں سے نکالا تو اسکے بعد اللہ کے عذاب نے بالآخران کو آ پکڑا اور وہ لوگ اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ والعیاذ باللہ. سو یہ ہماری سنت اور ہمارا دستور رہا ہے کہ جس کسی قوم نے بھی اپنے رسول کو ہلاک کیا یا اسکو اپنی بستی سے نکالا اس پر ہمارا عذاب آ کر رہا اور ہماری اس سنت و دستور میں آپ کو اے پیغمبر یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو اس کے بعد یہ بھی یہاں ٹکنے نہیں پائیں گے۔ آپ سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے ان کے بارے میں ہماری سنت اور ہمارا دستور یہی رہا۔ سو ان رسولوں کی ہجرت کے بعد جو حشر انکی قوموں کا ہوا وہی ان کا ہوگا کہ ہمارا دستور اور ہماری سنت سب کیلئے یکساں اور ایک برابر ہے۔ اس میں کسی کیلئے کوئی رُورعایت نہیں۔

۱۴۱ اقامتِ صلوٰۃ نصرتِ خداوندی سے سرفرازی کا ذریعہ:- سو اقامتِ صلوٰۃ کے اس حکم وارشاد سے یہ درس دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے سرفرازی کا سب سے اہم ذریعہ نماز ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے حصول اور دشمنوں کے شرور وفتن سے بچنے کا سب سے اہم اور بنیادی ذریعہ ووسیلہ ہے کہ اس عبادتِ مقدسہ میں انسان اپنے ظاہر و باطن، قلب وقالب اور اعضاء وجوارح سب کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی میں مشغول ہوتا ہے۔ اور اس میں وہ نہایت عاجزی کے ساتھ اس قادرِ مطلق خدائے مہربان سے مدد کی درخواست ودعاء کرتا ہے۔ اس لئے حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی دشواری پیش آتی تو فوری طور پر نماز کی طرف رجوع کرتے۔ سو راہِ حق میں جو سخت مراحل ابتلاء وآزمائش کے پیش آتے ہیں ان میں صبر واستقامت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور استقامت وثابت قدمی اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت اور اُس کی نصرت ومعیّت کے بغیر ممکن نہیں اور اسکی معیّت اور نصرت وعنایت سے سرفرازی کا سب سے بڑا ذریعہ نماز اور خاص کر تہجد کی نماز ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید،

۱۴۲ پنجگانہ نمازوں اور اُن کے اوقات کی طرف اشارہ:- سو لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ. یعنی ''سورج ڈھلنے سے لے کر'' رت کے اندھیرے تک میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی چاروں نمازیں آگئیں۔ اور قرآن الفجر میں صبح کی نماز کی طرف اشارہ ہوگیا۔ اس طرح اس آیتِ کریمہ میں اجمالی طور پر پانچوں نمازوں کا ذکر آ گیا۔ لیکن ان کی تفصیلی صورت و کیفیت کو نبیؐ نے اپنے قول وفعل سے واضح فرمایا۔ سو پیغمبرؐ کی سنت اور آپ ﷺ کا عمل قرآنِ پاک کی سب سے اہم تفسیر اور تشریح ہے۔ اس کے بغیر قرآنِ پاک کو سمجھنا ممکن نہیں۔ آج پوری امت اور شرق وغرب کے تمام مسلمان جس طرح اپنی پنجگانہ نمازیں ادا کرتے ہیں اس سب کا علم سنت ہی سے ہوا ہے۔ جیسا کہ ظاہر اور واضح ہے۔

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَ

اور خاص کر فجر کے قرآن پڑھنے کو، بلاشبہ فجر کے قرآن پڑھنے کا وقت حضوری کا وقت ہوتا ہے، و۱۴۳ اور

مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ

رات کے کچھ حصے میں تہجد بھی پڑھا کرو، جو کہ آپ کے لئے ایک زائد عبادت ہے، بعید نہیں کہ آپ کا رب آپ کو

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ

سرفراز فرما دے مقام محمود سے و۱۴۴ اور یہ دعاء کرتے رہا کرو کہ اے میرے رب! مجھے (جہاں بھی لے جانا ہو)

۱۴۳ نمازِ فجر کی خصوصی اہمیت اور عظمتِ شان:۔ سو نمازِ فجر خاص اہمیت اور اُس کی عظمتِ شان کی بناء پر اس کیلئے خاص طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ "بلاشبہ صبح کی نماز کا وقت حضوری واجتماع کا وقت ہوتا ہے" سو یہ خاص حضور واجتماع کا وقت ہے۔ یعنی رات اور دن کے فرشتوں کے حضوری واجتماع کا کہ یہ آرہے ہیں اور وہ جارہے ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرتِ ابوہریرۃؓ کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، المراغی وغیرہ) پھر فجر کی نماز کا وقت چونکہ نیند سے اٹھنے کے باعث نفس پر گراں اور کافی مشکل وقت ہوتا ہے اس لئے اس کا ذکر علیحدہ طور پر فرمایا گیا۔ نیز اس کو صلوٰۃ کے معروف لفظ کی بجائے قرآن الفجر سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں قرآنِ پاک زیادہ پڑھا جائے اور اسکی قرأت لمبی ہو۔ (معارف وغیرہ) اور ملائکہ کی حضوری واجتماع کے علاوہ اس میں قلب ودماغ کی حضوری کی ایک خاص کیفیت بھی نمازی کو نصیب ہوتی ہے جس سے امام اور مقتدی سب ہی سرشار ہوتے ہیں اور ان کو ایک خاص کیفیت وسرور نصیب ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی مایحب ویرید.

۱۴۴ مقامِ محمود سے مقصود ومراد؟:۔ جو کہ عبارت ہے اُس شفاعتِ کبریٰ سے جو آپ ﷺ کو قیامت کے روز نصیب ہوگی اور جس پر اگلے پچھلے سب آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف کریں گے۔ اور خود حضرتِ حق جل مجدہ بھی آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف فرمائیں گے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، المعارف، المراغی اور الصفوۃ وغیرہ) گویا اُس وقت شانِ محمدی کا پورا ظہور ہوگا۔ صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ. اور حضور ﷺ نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس نے اذان کے بعد میرے لئے اللہ سے اس وسیلہ کی دعاء ودرخواست کی اس کیلئے قیامت کے روز میری شفاعت ثابت ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے خود اسکی تعریف وتعیین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ جنت میں ایک خاص مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک ہی بندے کو نصیب ہوگا اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ خاص بندہ میں ہی ہونگا۔ سو اس میں پیغمبر کیلئے تسلیہ وتسکین کا عظیم الشان سامان ہے کہ آج تو یہ دشمن اپنی بدبختی کی بناء پر آپ کی ایذاء رسانیوں کے طرح طرح کے سامان کررہے ہیں لیکن آپ انکی پرواہ کیے بغیر اپنے موقف پر ثابت ومستقیم رہیں۔ اور نمازوں اور خاص کر تہجد کی نماز کا اہتمام کریں۔ وہ وقت آئے گا جبکہ آپ کا رب آپ کو اس مقامِ محمود سے سرفراز فرمائے گا کہ ایک دنیا کی دنیا آپ کی حمد اور تعریف وتوصف کے ترانے گائے گی اور اپنے رب کے یہاں بھی آپ کی جملہ مساعی محمود ومشکور ہونگی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ

سچائی کے ساتھ لے جانا، اور (جہاں سے بھی نکالنا ہو) سچائی کے ساتھ نکالنا و ۱۴۵ اور مجھے اپنی طرف سے

لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ

ایسا غلبہ عطا فرما جس کے ساتھ (تیری دائمی) نصرت شامل ہو و ۱۴۶ اور اعلان کر دو (اے پیغمبر!) کہ حق آ گیا و ۱۴۷ اور باطل

الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ

مٹ گیا، اور بلاشبہ باطل ہے ہی مٹنے کی چیز و ۱۴۸ اور ہم اس قرآن کے

۱۴۵ پیغمبر کو ایک خاص دعاء کی تعلیم وتلقین:۔ سو اس سے پیغمبر کو ہجرت سے قبل ایک خاص دعاء کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے کہ "اے میرے رب مجھے سچائی کے ساتھ لے جانا اور سچائی کے ساتھ نکالنا"۔ خواہ وہ مکہ مکرمہ سے خروج اور مدینہ طیبہ کا دخول ہو یا قبر کا دخول اور حشر کا خروج وقیام وغیرہ کہ کلماتِ کریمہ کا عموم وشمول ان سب ہی کو حاوی ومحیط ہے۔ اگرچہ یہ دعاء حضرتِ حق جل مجدہ کی طرف سے آپ ﷺ کو ہجرت سے قبل تعلیم وتلقین فرمائی گئی تھی اس لئے اس کا اولین مصداق تو ہجرت مدینہ ہی ہے مگر الفاظ کا عموم ایسے تمام ہی مواقع کو عام اور شامل ہے اور حضور کے توسط سے آپ ﷺ کی امت کے ہر شخص کیلئے بھی یہ تعلیم وتلقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتا رہا کرے وباللہ التوفیق بہرکیف جب آنحضرت ﷺ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت ناگزیر ہوگئی لیکن اللہ کا رسول اللہ کے اذن کے بغیر ہجرت نہیں کرتا اس لئے آپ سب مشکلات اور اہلِ کفرو باطل کی جملہ فتنہ سامانیوں اور ایذاء رسانیوں کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہے تا آنکہ آپ کو اپنے رب کی طرف سے اس دعاء کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی جس میں نہ صرف یہ کہ ہجرت کی طرف اشارہ تھا بلکہ یہ بشارت بھی مضمر تھی کہ آپ کے اپنے وطنِ مالوف سے نکلنے سے پہلے ہی آپ کے داخل ہونے کا انتظام کر لیا اور یہ کہ آپ کا نکلنا اور داخل ہونا دونوں ہی عزت ووقار اور رسوخ واستحکام کے ساتھ ہونگے جیسا کہ بعد میں بالفعل ہوا، مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی حکومت قائم ہوئی، مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کا نور چار دانگ پھیلا، اور ظلمتِ شرک کا وہاں سے ہمیشہ ہمیش کیلئے خاتمہ ہو گیا، والحمد للہ جل وعلا۔

۱۴۶ اللہ تعالیٰ کے حضور نصرت والے غلبے کی دعا ودرخواست:۔ سو اس ارشاد سے آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے نصرت والے غلبے کی دعا ودرخواست تعلیم وتلقین فرمائی گئی۔ یعنی "ایسا غلبہ عطا فرما جو حق اور اہلِ حق کے غلبے اور ان کی عزت وعظمت کا باعث بنے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اللہ پاک کی نصرت وعنایت سے اسلام کو جملہ ادیان پر غلبہ نصیب ہوا اور مسلمانوں کی عزت وعظمت کو استحکام ملا۔ فالحمد للہ رب العالمین. سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر مختارِ کل نہیں ہوتا کیونکہ اختیارِ کلی اور دعا کے درمیان منافات ہے۔ جو مختارِ کل ہوتا ہے وہ کسی سے مانگتا نہیں ہے اور جو

دوسرے سے مانگتا اور دعا کرتا ہے وہ مختارِ کل نہیں ہوسکتا۔ پس پیغمبر کا کام ہے اپنے خالق و مالک سے مانگنا اور بس۔ آگے اسکی دعا کو قبول کرنا یا نہ کرنا اس مالکِ مختار کے حوالے اسکی مشیت و مرضی پر موقوف اور اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ جو چاہے اور جب چاہے قبول فرمائے۔ جیسا کہ اسکے مختلف نمونے خود قرآنِ پاک کے اندر موجود ہیں اور نہ چاہے تو نہ قبول فرمائے جیسا کہ حضرتِ ابراہیمؑ کی دعا ان کے والدین کیلئے۔ حضرتِ نوحؑ کی دعا ان کے بیٹے کیلئے اور خود سرکارِ دو عالم کی دعا اپنے چچا ابو طالب کیلئے قبول نہیں فرمائی گئی۔ جیسا کہ قرآن و سنت کی مختلف نصوصِ کریمہ میں اس کی پوری صراحت و وضاحت موجود مذکور ہے۔ بہرکیف پیغمبر کو ہجرتِ مدینہ سے پہلے اس خاص دعا کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی جس میں ایک عظیم الشان بشارت بھی مضمر تھی جو بعد میں سفرِ ہجرت کے دوران حرف بحرف پوری ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ اسی نصرتِ خداوندی کا نتیجہ تھا جس کی تعلیم و تلقین آنحضرت ﷺ کو فرمائی گئی تھی۔

۱۲۷ اعلانِ حق کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور کہو اور اعلان کردو (اے پیغمبر!) کہ حق آ گیا'' یعنی دینِ حق اسلام جو کہ سراسر حق وصدق ہے۔ اور جس کا نہ کوئی بدل ممکن ہوسکتا ہے نہ مقابل۔ پس اب تمہارے لئے اے مشرکو اور منکرو ایک ہی صورت ہے کہ تم صدقِ دل سے حق کو قبول کر کے اہلِ حق کے زمرے میں شامل ہو جاؤ اور اس طرح اپنے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرلو۔ ورنہ ابدی ہلاکت اور دائمی تباہی و بربادی کیلئے تیار ہو جاؤ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دینِ حق وہی اور صرف وہی ہے جو قرآنِ حکیم کی صورت میں اللہ رب العالمین کی طرف سے دنیا کی ہدایت و راہنمائی کیلئے نازل فرمایا گیا ہے تا کہ دنیا کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لایا جائے اور یہ اس لئے آیا ہے تا کہ سب دینوں پر غالب ہوکر رہے۔ اگر چہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار گزرے۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. سو غلبہ حق ہی کا حق اور اسی کا مقدر ہے والحمد للہ جل وعلا۔

۱۲۸ باطل ہے ہی مٹ کر رہنے والی چیز:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور باطل مٹ گیا اور یقیناً باطل ہے ہی مٹ کر رہنے والی چیز''۔ یعنی کفر و شرک جو کہ ہے ہی مٹنے والی چیز کہ اسکی نہ کوئی اساس ہے نہ بنیاد۔ صحیح روایات میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے موقعہ پر بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور مشرکین نے اس کے اندر جو تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے ان کو توڑا اور آپ ﷺ یہی آیتِ کریمہ پڑھتے ہوئے اپنی چھڑی سے ان کو ٹھوکر لگاتے جا رہے تھے جس سے وہ اوندھے منہ گرتے جا رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو ٹکڑے کروا کر اللہ کے گھر کو ان کے وجود سے ہمیشہ کیلئے پاک کر دیا ﷺ سو باطل کی مثال پانی کے اوپر اٹھنے والی جھاگ کی سی ہے۔ جس طرح وہ عارضی ہوتی ہے اسی طرح باطل کا ابھار بھی عارضی اور وقتی ہوتا ہے یا اسکی مثال ان خودرو جھاڑیوں کی سی ہے جن کا وجود اور پھیلاؤ اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ ان کو صاف کرنے والے ہاتھ سامنے نہ آئیں۔ جب ایسے ہاتھ سامنے آجاتے ہیں تو وہ ان کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ کیونکہ باطل کی انسان فطرت میں کوئی اساس و بنیاد نہیں ہوتی۔ اسلئے اسکے ثبات وقرار کیلئے کوئی اساس و بنیاد نہیں ہوسکتی۔

الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ

ذریعے وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو سراسر شفاء ۱۴۹ اور عینِ رحمت ہے ایمانداروں کے لئے، مگر ظالموں کے لئے

الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ

اس سے خسارے کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا، ۱۵۰ اور جب ہم انسان پر کوئی انعام کرتے ہیں

۱۴۹ قرآنِ حکیم سراسر شفاء:- اور شفاء کی تنوین تعظیم کیلئے ہے۔ یعنی یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال شفاء ہے دل اور روح کی بیماریوں کیلئے۔ یعنی کفر و شرک اور ہر طرح کے زیغ و ضلال سے شفاء بخشنے والی کتابِ عظیم۔ نیز جسمانی بیماریوں کیلئے بھی۔ جبکہ اس سے صحیح طریقہ سے استفادہ کیا جائے جیسا کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اور امام ابن القیمؒ نے اپنی کتاب زاد المعاد اور اغاثۃ اللھفان میں اس کی تصریح اور تفصیل بیان فرمائی ہے۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ البیان، المراغی اور المعارف وغیرہ) عام طور پر مترجمین حضرات جو شفاء کا ترجمہ شفاء دینے والی یا اسطرح کے دوسرے الفاظ سے کرتے ہیں وہ اس لفظ کا پورا ترجمہ نہیں بنتا۔ کیونکہ شفاء دینے والی جیسے الفاظ دراصل ترجمہ ہیں شافی کا۔ جبکہ یہاں پر شافی نہیں شفاء فرمایا گیا ہے جو کہ مصدر ہے۔ جس میں زیادہ زور اور بلاغت ہے۔ ہم نے اپنے ترجمہ کے اندر اسی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے والحمدللہ سو اس میں منکرین و مکذبین کی محرومی اور شامت زدگی پر اظہارِ افسوس بھی ہے اور ان کی ملامت بھی کہ قرآنِ حکیم تو ان کیلئے ان کے خالق و مالک کی طرف سے ان کے قلب و روح کی بیماریوں کیلئے ایک عظیم الشان اور بے مثال نسخہ کیمیا کی صورت میں آیا تھا مگر انہوں نے اپنے اعراض و انکار سے اس کو اپنے لئے باعثِ محرومی بنا دیا۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم۔

۱۵۰ ظالموں کیلئے خسارہ در خسارہ والعیاذ باللّٰہ:- ان کی اپنی بدنیتی اور کور باطنی کے سبب جیسا کہ آسمان سے اترنے والی بارانِ رحمت سے پاکیزہ اور زرخیز زمین میں تو طرح طرح کی عمدہ اور مفید انگوریاں اُگتی اور فصلیں پیدا ہوتی ہیں لیکن گندی اور بیکار جگہ میں گندی اور بے کار بلکہ مضر اور نقصان دہ جڑی بوٹیاں سر نکالتی ہیں۔ والعیاذ باللّٰہ۔ سو اسی طرح قرآنِ حکیم کی بارانِ رحمت سے اہلِ ایمان کے دلوں کو تو زندگی، قوت اور شفاء نصیب ہوتی ہے لیکن کافروں اور منکروں کیلئے ان کی محرومی میں اضافہ ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اس ارشاد سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی ہدایت سے منہ موڑنا اور اسکے انکار و تکذیب سے کام لینا ظلم اور سراسر ظلم ہے اور یہ ظلم اللہ تعالیٰ کے حق میں ہے کہ اسکے بندے اور اسکی مخلوق ہونے کے باوجود اسکی ہدایت سے منہ موڑا اور یہ ظلم اسکے کلامِ مجید اور خود اپنی جانوں کے حق میں ہے کہ اس طرح اپنے آپ کو دنیا و آخرت کی سعادت و سرخروئی سے محروم کر کے دائمی محرومی اور نارِ جحیم کا مستحق بنایا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور دوسری طرف اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس طرح کے اعراض و انکار سے انسان حق کا کچھ بھی نہیں بگاڑتا بلکہ خود اپنی ہی ہلاکت و تباہی کا سامان کرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا ﴿۸۳﴾

تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اور پیٹھ پھیر لیتا ہے، اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے، ۱۵۱

قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ

(ان سے) کہو کہ ہر کوئی اپنے طریقے پر کام کیے جا رہا ہے، پر آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون

هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ﴿۸۴﴾ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ

سب سے زیادہ سیدھی راہ پر ہے، اور پوچھتے ہیں آپ سے (اے پیغمبر) روح کے بارے میں، ۱۵۲ تو انہیں

الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۸۵﴾

بتا دو کہ روح تو میرے رب کے حکم سے ہے، ۱۵۳ اور تمہیں جو کچھ بھی علم دیا گیا ہے (اے لوگو) بہت ہی تھوڑا ہے، ۱۵۴

وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا

اور اگر ہم چاہیں تو چھین لیں آپ سے (اے پیغمبر!) وہ سب کچھ جو ہم نے آپ کو بذریعہ وحی عطا کیا ہے ۱۵۵ پھر آپ کو

۱۵۱ تھڑ حوصلہ اور تنگ ظرف انسان کا حال: کہ کوئی نعمت ملی تو منہ موڑ لیا اور کوئی تکلیف پہنچی۔ والعیاذ باللہ۔ تو مایوس ہو گیا۔ جو علامت اور دلیل ہے اس کے تنگ ظرف اور تھڑ حوصلہ ہونے کی۔ بجز ان لوگوں کے جو سچے ایمان اور پکے عقیدے کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں کہ ان کی شان ان کے مالک کے فضل و کرم سے اس سے مختلف اور بہت بلند و بالا ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک تو اس دنیائے دوں کی ساری دولت کی حیثیت بھی پر کاہ کے برابر نہیں ہوتی۔ فَیَا عَجَبًا لِعَظَمَةِ الایمان وَخَشْیَةِ الْكُفْرِ وَالْحِرْمَانِ۔ سو مومن صادق اس کے برعکس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اس کیلئے خیر بن جاتی ہے اور تکلیف و مصیبت پر صبر کرتا ہے تو وہ بھی اس کیلئے خیر بن جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف منکر اور محروم انسان کی تنگ ظرفی اور اس کی حرمان نصیبی پر اظہار افسوس و ملامت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے انسان کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے کہ جب ہم اس پر کوئی انعام و احسان کرتے ہیں تو یہ اکڑنے اور سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اور جب ہم اس کے اپنے اعمال کی پاداش میں کسی مصیبت میں گرفتار کرتے ہیں تو یہ دل شکستہ اور مایوس ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کیلئے صحیح طریقہ یہ تھا کہ یہ نعمت سے سرفرازی پر ہمارا شکر ادا کرتا اور مصیبت پر صبر سے کام لیتا تا کہ اس طرح اسکی ہر حالت اس کیلئے خیر ہی خیر بن جاتی۔ مگر دین و ایمان اور عقیدہ و یقین سے محرومی کے بعد اس کا موقعہ کہاں اور کیسے؟ سو ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ وسیلہ ہے جبکہ اس سے محرومی دنیا و آخرت کی ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۱۵۲ منکرین ومخالفین کے روح کے بارے میں سوال کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا ''اور پوچھتے ہیں آپ سے (اے پیغمبر!) روح کے بارے میں''۔ کہ روح کیا ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ جمہور علماء کے نزدیک یہ سوال اسی روح کے بارے میں تھا جس سے ہر ذی روح کی زندگی قائم ہے۔ جبکہ بعض حضرات اہل علم کے نزدیک ان لوگوں کا یہ سوال حضرت جبریل امین یا قرآن حکیم کے بارے میں تھا۔ کیونکہ ان دونوں کو بھی روح فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ذریعۂ حصول و وصول ہیں اس علم وحی وتنزیل کا جو کہ غذا ہے روحوں کی۔ چنانچہ اسی بناء پر حضرت جبریلؑ امین کو قرآن پاک میں روح الامین اور روح القدس فرمایا گیا ہے۔ اور قرآن حکیم کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے۔ وکذالک اوحینآ الیک روحا من امرنا. الاٰیۃ (الشوریٰ:۵۲) نیز سورۂ مومن میں ارشاد ہوتا ہے۔ یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشآء من عبادہٖ لینذر یوم التلاق. (المومن:۱۵) اسی طرح سورۂ نحل میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے۔ سلف میں سے یہ قول ابن عباسؓ، قتادہؒ اور حسن بصریؒ نے اختیار فرمایا ہے جبکہ جمہور کا قول وہی پہلا اور مشہور قول ہے۔ (ابن کثیر، روح المعانی، محاسن التاویل، جامع البیان وغیرہ) ولکل وجھۃ ھو مولیھا. والعلم عند اللہ والتفصیل فی المفصل ان شآء اللہ تعالیٰ. بہر کیف جو بھی صورت ہو ارشاد فرمایا گیا کہ ''یہ لوگ آپؐ سے اے پیغمبر! روح کے بارے میں پوچھتے اور سوال کرتے ہیں''۔ پس آپ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیں جیسا کہ اگلے حاشیے میں آرہا ہے۔

۱۵۳ روح کا تعلق عالم امر سے:۔ سو روح سے متعلق سوال کے جواب کیلئے آنحضرت ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ روح تو میرے رب کے حکم سے ہے یعنی ان کا تعلق عالم خلق سے نہیں عالم امر سے ہے۔ پس اس کی کنہ اور حقیقت اور اِدراک اور اس کا علم و احاطہ تمہارے بس کی چیز نہیں بلکہ یہ حضرت حق جل مجدہ ہی کے علم کے ساتھ خاص ہے ''ای استَأثَرَ اللّٰہُ بِعِلمِہٖ'' (جامع البیان، مدارک التنزل، خازن وغیرہ)۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن بریدہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت سے نہ کسی ملک مقرب کو مطلع فرمایا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو اور پھر آپؐ نے اسی آیت کریمہ کو استدلال و استشہاد میں پیش فرمایا۔ (صفوۃ البیان، ابن کثیر وغیرہ) اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ روح کی حقیقت کا علم آپ ﷺ کو حاصل نہ ہوا ''مضی وما یعلم الروح'' (مدارک التنزل) اور یہی بات جمہور مفسرین کرام نے ارشاد فرمائی ہے کہ روح کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص رکھا ہے۔ کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں فرمائی۔ نمونہ کیلئے ملاحظہ ہو تفسیر قرطبی، مدارک، خازن، ابوالسعود، روح المعانی، محاسن التاویل، المراغی اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ وغیرہ۔ اور اب دیکھئے کہ جمہور علماء و مفسرین کرام کیا کہتے ہیں اور اہل بدعت کے بعض ٹیڑھی منطق رکھنے والے تحریف پسند اس بارے کیا گوہر افشانی کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس موقعہ پر اپنے حواشی تفسیریہ (بلکہ تحریفیہ) میں ارشاد فرماتے ہیں کہ روح تو خود حضور کے نور ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کی خبر آپ ﷺ کو کیسے نہ ہو۔ سو یہ ہے بدعت اور تحریف کی نحوست کا نتیجہ و ثمرہ کہ پوری امت کے اہل علم اور اصحاب فضل و کمال کیا کہتے ہیں اور اسکے برعکس ان لوگوں کا کہنا اور ماننا کیا ہے؟ فَالَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ وَالْعِیَاذُ بِہٖ جَلَّ وَعَلَا. بہر کیف محولہ بالا آیات کریمات میں

وارد (من امر ربی)، (من امرہ) اور (من امرنا) کے کلماتِ کریمہ سے اس حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ یہ روح امورِ الٰہیہ میں سے ہے جن کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ اس کے سوا کوئی اس کو نہیں جان سکتا۔ جیسا کہ اوپر اس بارے حضراتِ اہلِ علم کے کچھ اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ فالعلم عند اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ و ھو الھادی الیٰ سواء السبیل.

۱۵۴ انسان کا علم تھوڑا اور بہت تھوڑا ہے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور تمہیں اے لوگو! بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے"۔ اور اتنا تھوڑا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ لامحدود و غیر متناہی کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ تمہارا علم تابع ہے حواس کے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ جس کی کوئی حس گئی اس کا علم گیا "من فقد حسا فقد علما" اور حواس کا دائرہ بہرحال محدود اور بہت ہی محدود ہے۔ (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ اور پھر تم لوگ خود محدود در محدود، علم و ادراک بھی محدود، عمر بھی محدود، ذرائع و وسائل بھی محدود، تو پھر تم روح کی حقیقت کا ادراک کیسے اور کیونکر کر سکتے ہو؟ اور تمہارا علم تھوڑا اور اس قدر محدود ہے کہ تم لوگ دنیا کی کچھ چیزوں ہی کو جان سکتے ہو اور وہ بھی ان کے ظاہری اور مادی پہلو سے اور بس۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ایسوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِراً مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ. (الروم:۷) کہ یہ لوگ دنیاوی زندگی کے صرف ظاہری اور مادی پہلو ہی کو جانتے ہیں اور بس۔ اور یہ آخرت اور اپنے انجام سے بالکل غافل اور بے خبر ہیں اور مادی پہلو کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے بلکہ اس کے بھی کتنے ہی گوشے ایسے ہیں جن سے یہ لوگ بالکل ناواقف و بے خبر ہیں بلکہ خود ان کے اپنے وجود کے اندر کے ہی کتنے ایسے حقائق ہیں جن کے علم سے یہ واقف و آگاہ نہیں۔ مثلاً بصر و بصارت، فہم و فراست، حافظہ و ذکاء، علم و حکم اور نوم و راحت وغیرہ حقائق سے مستفید ہونے کے باوجود ان کی اصل حقیقت کے فہم و ادراک اور اسکے احاطہ و علم سے یہ آج تک محروم ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۱۵۵ وحی ربانی محض انعام و احسانِ خداوندی:۔ جس میں پیغمبر کا نہ کوئی اختیار ہوتا ہے اور نہ عمل دخل۔ سو ارشاد فرمایا گیا "اور اگر ہم چاہیں تو چھین لیں آپ سے اے پیغمبر وہ سب کچھ جو ہم نے آپ کو بذریعہ وحی عطا کیا ہے"۔ یعنی قرآنِ حکیم کو آپ ﷺ کے سینے سے اٹھا دیں کہ یہ ہماری ہی ایک عظیم الشان بخشش اور عطیہ و احسان ہے۔ اور ہم جس طرح اس کے دینے پر قادر ہیں اسی طرح اس کے اٹھا دینے اور سینوں سے مٹا دینے پر بھی پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اسی لئے حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ قرآن کا اٹھانا اور لے جانا یہ ہے کہ سینوں اور سفینوں سے ایسا محو کر دیا جائے کہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ (المراغی والمعارف وغیرہ) سو اس کا نہ اٹھایا جانا اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر ایک عظیم الشان احسان ہے۔ لہٰذا اس کی قدر کرو کہ اس نے آپ کو قرآن کی اس عظیم الشان نعمت سے نوازا اور اسکو آپ کے سینے میں محفوظ بھی رکھا۔ (محاسن وغیرہ)۔ پس اس میں ان علمائے کرام کیلئے بھی ایک درسِ عظیم ہے جن کو قدرت نے اپنی فیاضیوں سے قرآنِ حکیم کے علوم و معارف سے سرفراز فرمایا ہو کہ وہ دل و جان سے اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کریں۔ ورنہ ناقدری کرنے کی صورت میں یہ نعمت ان سے چھن سکتی ہے کہ ناشکری کا نتیجہ و انجام سخت عذاب ہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللّٰھم ارزقنا التوفیق والسداد لماتُحِبُّ وَتَرْضٰی وَخُذْنَا بِنَوَاصِيْنَا اِلٰى ماتُحِبُّ وَتَرْضٰى وَلاَ تَكِلْنَاۤ اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ. یا ذالجلال والاکرام.

تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿٨٦﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ

ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی بھی نہ مل سکے، ۱۵۶ مگر (یہ صرف) آپ کے رب کی مہربانی ہے

رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿٨٧﴾ قُلْ لَّئِنِ

(کہ ایسے نہیں ہوا) ۱۵۷ بے شک اس کی عنایت آپ پر بہت ہی بڑی ہے ۱۵۸ (اور عظمت قرآن کے

اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا

اظہار و بیان کے لئے) کہو کہ اگر سارے انسان اور جن مل کر بھی اس قرآن جیسا کوئی کلام لانا

الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

چاہیں، تو (ہرگز ہرگز) نہیں لا سکیں گے، اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کے

ظَهِيْرًا ﴿٨٨﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

مددگار بھی بن جائیں ۱۵۹ اور بلاشبہ ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر عمدہ مضمون کو

۱۵۶ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کا کوئی کارساز نہیں ہوسکتا:- جو اس کا کام بنا سکے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم بالفرض آپ سے اس وحی کو سلب کرلیں تو پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی اور کارساز نہ پا سکیں جو ہمارے ارادے میں آڑے آسکے یا چھینی ہوئی نعمت آپ ﷺ کو واپس دلا سکے۔ اس میں خطاب اگرچہ آنحضرت ﷺ کو ہے لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے (صفوۃ، مراغی اور معارف وغیرہ)۔ سو معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ وہ جو چاہے کرے۔ نہ کوئی اس کے ارادے میں حائل ہوسکتا ہے اور نہ کوئی اس سے بازپرس کرسکتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ کہ وہ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ بھی ہے اور اس کی شان لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (الانبیاء: ۲۳) کی شان ہے۔ یعنی وہ "جو کرے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا لیکن لوگوں سے بہرحال پوچھ ہوگی"۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی مایحب ویرید بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

۱۵۷ پیغمبر پر رب کا خاص فضل و کرم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "آپ کے رب کی مہربانی سے ایسا نہیں ہوا" اور قرآنِ حکیم کے اس مصدرِ فیض وشفاء اور منبعِ رشد وہدایت کو نہیں اٹھایا گیا جو کہ اس کی رحمتِ بےپایاں کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ اسی سے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کا علم اور اس کا حفظ اللہ پاک کا دوہرا کرم ہے۔ فالحمدللہ۔ امام رازی کہتے ہیں اس میں علماء پر دوہرے کرم واحسان کا بیان ہے کہ ایک تو ان کو قرآنِ حکیم کے علم سے نوازا گیا اور دوسرا

اسکوان کے سینوں میں محفوظ رکھا گیا۔ (تفسیر المراغی المحاسن وغیرہ) سواول تو آپ کو نزول قرآن کے شرف سے نوازا پھر اس کو آپ کے سینے اور صحیفوں میں رکھا۔ اور آپ کے بعد آپ کی امت کیلئے بھی اس کو ان کے سینوں اور سفینوں میں محفوظ رکھنے کا انتظام فرمایا۔ ورنہ ہم اگر چاہتے تو اس طرح اٹھا دیتے کہ اس کا کوئی اثر اور نشان باقی نہ رہنے دیتے۔ نہ سینوں میں اور نہ اوراق ومصاحف میں۔ اور تم پھر اسی پہلی حالت میں پہنچ جاتے کہ نہ ایمان کا پتہ ہوتا اور نہ کتاب کا۔ یعنی مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَا الْاِیْمَانُ. والی حالت میں۔ مگر اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ایسے نہیں کیا۔ (المراغی وغیرہ) سو معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۵۸ پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف ان کی تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے آپ ﷺ کو نبوت ورسالت کے عظیم منصب پر فائز فرمایا۔ قرآنِ حکیم کی اس عظیم الشان نعمت کو آپ ﷺ پر نازل فرمایا۔ ختمِ نبوت کا تاج آپ ﷺ کے سر پر رکھا۔ پوری اولادِ آدم کا آپ کو سردار بنایا۔ مقامِ محمود اور شفاعتِ کبریٰ کے شرف وامتیاز سے آپ ﷺ کو نوازا۔ رفعِ ذکر کے اعزاز سے سرفراز فرمایا۔ جملہ انبیاء ورسل کی امامت وپیشوائی کا شرف بخشا۔ آپ ﷺ کی دعوت اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو قیامِ قیامت تک خلود ودوام بخشا۔ اور آپ ﷺ کو "اجرِ غیرِ ممنون" یعنی "کبھی نہ ختم ہونے والے اجر" کے شرف سے مشرف فرمایا۔ اس لئے اس نے قرآنِ حکیم اور اپنی وحی کے شرف سے آپ ﷺ کو مشرف فرمانے کے بعد آپ ﷺ سے اس کو سلب نہیں فرمایا بلکہ اس کو قیامت تک باقی رکھا اور اس کی حفاظت کو خود اپنے ذمے لیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون. (الحجر:۹) یعنی "اس ذکر کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور یقیناً اسکے محافظ بھی خود ہم ہی ہیں"۔ والحمدُ للّٰہ جلّ وعلا،

۱۵۹ قرآن حکیم ایک زندۂ جاوید اور بے مثال معجزہ:- ایسا بڑا معجزہ کہ تمام انسان اور جن مل کر بھی اس جیسا کلام بنا کر نہیں لاسکتے اگرچہ وہ سب مل کر بھی اس کیلئے کوشش کریں۔ اور سب ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ جس میں ان کے تمام بڑے بڑے فُصَحاء وبُلَغاء سب موجود ہوں۔ مگر اس کے باوجود اگر یہ سب اس کی نظیر لانے سے عاجز اور قاصر ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر اور کون سا معجزہ تم لوگوں کو چاہئے؟ سو معجزۂ قرآن ایک بے مثال اور زندۂ جاوید معجزہ ہے اور یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہوسکتا ہے بلکہ یہ خالقِ بشر کا کلام ہے جس کی شان اور صفت ہے "عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃُ" یعنی نہاں وعیاں کو ایک برابر جاننے والا سبحانہ وتعالیٰ اور یہ امتیازی اور اعجازی شان اس کتابِ حکیم کے سوا دنیا بھر کی کسی بھی دوسری کتاب کو نہ آج تک کبھی نصیب ہوئی ہے اور نہ قیامت تک کبھی نصیب ہوسکتی ہے اور اس کتاب حکیم کے سوا دنیا کی دوسری کوئی بھی ایسی کتاب نہ آج تک کبھی ہوئی ہے اور نہ قیامت تک کسی دوسری ایسی کتاب کا پایا جانا کبھی ممکن ہوسکتا ہے جس نے پوری دنیا کو اس قدر صاف وصریح اور اتنا زوردار اور واضح چیلنج کیا ہو۔ خواہ وہ کوئی آسمانی اور الہامی کتاب ہو یا کوئی انسانی اور زمینی۔ مگر اس کے باوجود دنیا ساری اس چیلنج کے سامنے آج تک عاجز ہے اور قیامت تک عاجز رہے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ سو اس سے بڑھ کر معجزہ اور کیا ہوسکتا ہے جس سے نبی اُمّی کو نوازا گیا؟ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ سو یہ سب سے بڑا اور تا قیامِ قیامت زندہ جاوید رہنے والا معجزہ ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾

طرح طرح سے بیان کیا، ف۱۶۰ مگر لوگوں کی اکثریت (پھر بھی) انکار ہی پر کمربستہ رہی، ف۱۶۱

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ

اور (قرآنِ حکیم کے اس عظیم معجزے کے باوجود) یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ

۱۶۰ قرآنِ مجید میں ہر عمدہ مضمون کا نہایت عمدگی سے بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور یقیناً بلاشبہ ہم نے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر عمدہ مضمون کو طرح طرح سے بیان کیا ہے''۔ تا کہ حق اور حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیا جائے اور لوگ حق کو اپنا کر اپنے لئے سعادتِ دارین کا سامان کر سکیں۔ سو اس قرآنِ حکیم میں امثال و عبر، ترغیب و ترہیب، اوامر و نواہی، دلائل و براہین، توحید و رسالت، جنت و دوزخ اور بعث بعد الموت کو طرح طرح سے اور جا بجا بیان کیا گیا تا کہ لوگ حق اور حقیقت کو پورے طور پر اور صحیح طریقے سے سمجھ کر راہِ حق و صواب کو اپنا سکیں تا کہ خود ان کا بھلا ہو اور یہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور و سرفراز ہو سکیں۔ صَرَّفْنَا ''تصریف'' سے بنا ہے۔ اور تصریف کے معنی پھیرنے بدلنے اور الٹنے پلٹنے کے ہیں۔ سو مطلب یہ ہوا کہ حق و ہدایت سے متعلق ہر ضروری اور عمدہ مضمون کو اس کتابِ حکیم میں پھیر پھیر کر طرح طرح سے اور انداز و اسلوب بدل بدل کر بیان فرمایا گیا ہے تا کہ راہِ حق و ہدایت پوری طرح واضح ہو جائے۔ پوری طرح اتمام حجت ہو جائے اور کسی طرح کا کوئی خفاء و غموض باقی نہ رہ جائے۔ سو اس کی ہر بات پوری طرح واضح اور مبرھن ہے، والحمد للہ۔

۱۶۱ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ منکروں اور ناشکروں کی رہی والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''حق کو پوری طرح واضح کرنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت نے انکار ہی سے کام لیا''۔ اور انہوں نے حق کو مان کر نہ دیا جو کھلی دلیل ہے ان لوگوں کی بے قدری و ناشکری، انکے عناد و ہٹ دھرمی اور حق سے ان کی دوری و محرومی کی۔ والعیاذ باللہ. سو یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ عوام کی اکثریت کی تائید کسی امر کے حق ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ مغربی جمہوریت کے بت نو ساختہ کے پجاریوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ اور جیسا کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے کہ عوام کا لانعام کی اکثریت جس بات کی تائید کرے گی وہ حق ہو گی۔ سو ایسا کہنا اور ماننا عقل و نقل دونوں کیخلاف اور نصوصِ قرآن و سنت کی بناء پر غلط ہے۔ کیونکہ عوام کی اکثریت ہمیشہ غلط کاروں ہی کی رہی۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اس لئے اسکو حق و باطل کا معیار و مقیاس قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ حق وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کی روشنی میں حق قرار پائے۔ اور باطل وہ ہے جو اللہ اور اسکے رسول کے ارشادات کی روشنی میں باطل قرار پائے یہی ہے اصل معیار۔

يَنْبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ

آپ پہاڑ نکالیں ہمارے لئے (مکہ کی) اس زمین سے ایک عظیم الشان چشمہ، ۱۶۲ یا خود آپ کے لئے ایک عظیم الشان باغ ہو، ۱۶۳

فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ

کھجوروں اور انگوروں کا، ۱۶۴ پھر آپ جاری کر دیں اس میں طرح طرح کی نہریں، ۱۶۵ یا گرا دیں آپ ہم پر آسمان کو

۱۶۲ **منکرین کے فرمائشی معجزوں کا ذکر و بیان:** سو اس سے کفارِ قریش کی معجزات سے متعلق فرمائشوں کے چند نمونے پیش فرمائے گئے ہیں کہ آپ ہمارے لئے مکہ کے ان کالے پہاڑوں سے ایک عظیم الشان چشمہ جاری کر دیں۔ یعنی ایسا چشمہ جس سے صاف ستھرا اور میٹھا پانی بہہ رہا ہو۔ اور وہ کبھی ختم نہ ہو۔ سو یہ لوگ جب معجزۂ قرآن کے سامنے عاجز آ گئے تو انہوں نے ایسی فرمائشیں شروع کر دیں۔ سو ان کی ان فرمائشوں سے جہاں ایک طرف ان لوگوں کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کا پتہ چلتا ہے وہیں دوسری طرف اس سے ان کی مادہ پرستانہ ذہنیت بھی آشکارا ہو جاتی ہے۔ اور مادہ پرست دنیا کا ہمیشہ یہی حال رہا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ انکی فکر و سوچ اور کوشش و کاوش کا محور دنیائے دوں کا متاعِ فانی اور اس کا حطامِ زائل ہی ہوتا ہے۔

۱۶۳ **ایک عظیم الشان باغ کی فرمائش:** یعنی اگر آپ ایسا عظیم الشان چشمہ جاری نہیں کر سکتے تو کم از کم آپ کیلئے ایک عظیم الشان باغ ہو۔ ایسا عظیم الشان باغ جو کہ مکہ کی اس بے آب و گیاہ وادی میں بلادِ شام و عراق کے سرسبز باغوں کا نمونہ پیش کرے۔ تب تو کوئی بات ہو اور ہم یہ یقین کر سکیں کہ واقعی آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ ورنہ موجودہ صورتحال میں ہم کیسے مان لیں۔ سو اہلِ دنیا کا یہی حال کل تھا اور یہی آج ہے کہ ان کے سامنے دنیا فانی اور اس کا حطام زائل ہی سب کچھ ہے تو اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا۔

۱۶۴ **باغ بھی خاص قسم کا:۔** یعنی کھجوروں اور انگوروں کا ایسا باغ جس میں کھجوروں اور انگوروں کے ان خاص درختوں اور پھلوں کی فراوانی ہو جن سے ہماری طرح طرح کی ضرورتیں بھی پوری ہوں اور آپ کی آن بان اور ٹھاٹھ باٹھ بھی ظاہر ہو۔ کھجوروں اور انگوروں کا ذکر ان کی اہمیت اور عظمت کی بناء پر ہے ورنہ اصل مقصد مطلقاً ایک باغ کا ہونا ہے جس میں سب ہی قسم کے اچھے اور عمدہ پھل موجود ہوں۔ یعنی آپ کے پاس ایک ایسا عظیم الشان باغ ہو جس میں کھجوروں کے درخت اور انگوروں کی بیلیں ہوں۔ جس سے آپ کے ٹھاٹھ باٹھ قائم ہوں اور ملک و قوم کے معاشی حالات درست ہوں۔ سو یہ بعینہ وہی منطق ہے جو دورِ حاضر کے مادہ پرست لوگ کہتے ہیں کہ ان کا سارا زور مادہ اور معدہ کے تقاضوں کی تکمیل پر مرکوز ہوتا ہے اور بس۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے کہ ان کے نزدیک اصل چیز مادیت ہی ہے، والعیاذ باللہ۔

۱۶۵ **نہریں چلا دینے کا مطالبہ:** یعنی صرف ایسے باغ ہی پر بس نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کہ پھر آپ اس میں جاری کر دیں طرح طرح کی نہریں۔ جو اس میں رواں دواں ہوں اور اس کو سیراب کرتی ہوں۔ جس سے عمدہ منظر بھی قائم ہو اور باغ کے پھلوں اور اس کے میوہ جات میں اضافہ اور بڑھوتری ہو۔ تب ہم مانیں۔ سو کوئی ایسا عظیم الشان باغ ہو جس کے بیچوں بیچ ایسی عظیم الشان نہریں چل رہی ہوں جن سے مکہ کی یہ بے آب و گیاہ وادی "وادی غیر ذی زرع" لہلہا اٹھے۔ اور ہر طرف سرسبزی اور شادابی کا منظر ہو۔ تو تب پتہ چلے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور آپ ایسی کوئی مافوق الفطرت طاقت اور قوت رکھتے ہیں۔

كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

ٹکڑے ٹکڑے کر کے، جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے، ۱۶۶ یا ہمارے سامنے لے آئیں آپ اللہ اور اس کے

قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى

فرشتوں کو، ۱۶۷ یا آپ کے لئے ایک عظیم الشان گھر ہو سونے کا، ۱۶۸ یا آپ چڑھ جائیں

۱۶۶ آسمان کے ٹکڑے گرا دینے کا مطالبہ:- سو انہوں نے کہا یا گرا دو ہم پر آسمان کے ٹکڑے جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ قیامت آئے گی جس میں آسمان پھٹ پڑے گا اور ایسے اور ایسے ہوگا۔ اور اس سے آپ ہمیں ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ وہ احمق اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ قیامت کا وہ حادثہ اور اس کا وہ منظر اس دنیا میں اور اس طرح نہیں آئے گا کہ یہ زندہ سلامت بیٹھے دیکھتے رہیں، اور اوپر سے آسمان کے ٹکڑے گر پڑیں اور بس۔ نہیں بلکہ وہ تو اس وقت ہوگا جب یہ سارا عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ جسکے بعد کسب واکتساب کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا۔

۱۶۷ اللہ اور اسکے فرشتوں کو سامنے لا کھڑا کرنے کا مطالبہ:- سو ان بدبختوں نے اپنے مطالبات اور فرمائشی معجزات کے سلسلے میں ترقی کرتے ہوئے اس سے بھی آگے بڑھ کر کہا کہ یا آپ ہمارے سامنے لے آئیں اللہ اور اسکے فرشتوں کو۔ جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اور وہ آپ ﷺ کی صداقت وحقانیت کی گواہی دیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کے اس مطالبے کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا۔ (الفرقان:۲۱) یعنی "جو لوگ ہماری ملاقات اور ہمارے یہاں حاضر اور پیش کی امید اور توقع نہیں رکھتے انکا کہنا ہے کہ ہم پر فرشتوں کو کیوں نہیں اتار دیا جاتا یا ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہم لوگ اپنے رب کو خود دیکھ لیتے"۔ سو اسکے جواب میں وہاں ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھتے ہیں جو ایسی باتوں کا مطالبہ کرتے ہیں"۔ سو ارشاد فرمایا گیا۔ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا۔ یعنی "انہوں نے اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھا اور انہوں نے بہت بڑی سرکشی کا ارتکاب کیا" والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے،

۱۶۸ سونے کے گھر کا مطالبہ:- سو انہوں نے اپنے فرمائشی معجزوں کے بارے میں مزید ترقی کرتے ہوئے کہا "یا آپ کیلئے ایک گھر ہو سونے کا"۔ جس پر آپ ﷺ کیلئے دنیاوی بادشاہوں کے سے ٹھاٹھ باٹھ ظاہر ہوں۔ جس کے چکا چوند سے دنیا مرعوب ہو جائے اور ہم بھی مانیں کہ واقعی آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ سو بلی کے خواب چھیچھڑے کی ضرب المثل کے مطابق ابنائے دنیا کی رسائی انہی مادّیات تک ہے اور بس۔ حالانکہ یہ سب کچھ محض چند روزہ متاعِ دنیا ہے جبکہ اصل چیز آخرت ہے جس کی نوازشات وعنایات تقویٰ و پرہیزگاری کی اساس و بنیاد پر ہونگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (الزخرف:۳۵) یعنی یہ سب کچھ تو محض دنیاوی زندگی کا چند روزہ سامان ہے۔

فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا

آسمان پر، ۱۶۹ اور آپ کے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہیں کریں گے، یہاں تک کہ آپ اتار دیں ہم پر

كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا

ایک کتاب، جس کو ہم خود پڑھیں ۱۷۰ سو آپ (اے پیغمبر! اس کے جواب میں) کہو کہ پاک ہے میرا رب ۱۷۱ میں تو صرف

۱۶۹ آسمان پر چڑھنے کا مطالبہ:- سومت کے مارے ان بختوں نے فرمائشی معجزات سے متعلق اپنی مطالبات میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا "یا آپ چڑھ جائیں آسمان میں سیڑھی لگا کر ہمارے دیکھتے دیکھتے"۔ یعنی آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم دیکھ کر یقین کر لیں کہ یہ وہ کام ہے جو آپ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ تب ہم مانیں گے کہ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں جو اس طرح آسمان پر چڑھ گئے۔ سو شعبدہ بازی کے شائقین کا کل بھی یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۷۰ آسمان سے کتاب اتار لانے کا مطالبہ:- سو انہوں نے مزید کہا کہ صرف اتنی بات کافی نہیں کہ آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور بس۔ بلکہ ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک کہ آپ ہم پر ایک ایسی کتاب بھی نہ اتار دیں جس کو ہم پڑھیں۔ جو ہم میں سے ہر ایک کے نام ہو اور اس میں آپ ﷺ پر ایمان لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہو۔ کما قال تعالیٰ. بل یرید کُلُّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّؤْتٰی مُنَشَّرَةً. سو آسمان پر چڑھ کر ہمارے نام ایسا مکتوب لے آئیں جس میں سرداران قریش میں سے ہر ایک کے نام صاف اور صریح طور پر اس طرح لکھا ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے فلاں فلاں سرداروں کے نام خط ہے کہ محمدؐ واقعی میرے رسول ہیں۔ لہٰذا تم ان پر ایمان لے آؤ۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو کتاب سے مراد مکتوب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان بدبختوں میں سے ہر ایک کے نام ہو۔ قاله مجاهد وغيره. (ابن کثیر وغیرہ)۔

۱۷۱ منکرین کے ان مطالبوں کا مختصر اور جامع جواب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان سے کہو کہ پاک ہے میرا رب"۔ ہر نقص و عیب سے اور اس امر سے کہ اس کا کوئی شریک و سہیم ہو۔ یعنی اس طرح کے سب امور کا تعلق تو خداوندِ قدوس کی قدرت و اختیار سے ہے اور میں نے خدائی کا ایسا کوئی دعویٰ کیا ہی کب ہے جو تم مجھ سے اس طرح کے مطالبات کرنے کا حق رکھو؟ ان امور کا تعلق تو خدائی اختیارات سے ہے اور میں اس طرح کے ہر دعوے اور اسکے ہر شائبے سے بری ہوں۔ میں تو تم لوگوں سے صرف یہ کہتا ہوں کہ اس مالک الملک نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس نے اپنی رحمت سے میرے ذریعے تمہارے لئے حق اور ہدایت کا پیغام بھیجا ہے تاکہ اسکو اپنا کر تم لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہو سکو اور اپنے بُرے انجام اور ہولناک تباہی سے بچ سکو اور بس۔ اس سے آگے نہ میرا کوئی دعویٰ ہے نہ مطالبہ۔ اب اگر تم لوگ اس پیغام کو اپناؤ گے تو تمہارا اپنا بھلا۔ نہیں تو تمہارا ہی نقصان۔ والعیاذ باللہ العظیم. تو پھر اس طرح کے مطالبات اور ایسی فرمائشوں کا مجھ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے جو خدائی اختیارات سے متعلق ہوں؟

رَسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ

ایک بشر (اور انسان) ہوں بھیجا ہوا؟ ۱۷۲ اور لوگوں کے پاس جب بھی ہدایت آئی تو ان کو اس پر ایمان لانے سے اس

الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ

بات کے سوا اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ کیا اللہ نے ایک بشر (اور انسان) ہی کو رسول بنا کر بھیجنا تھا؟ ۱۷۳ (ان سے) کہو کہ اگر

۱۷۲ پیغمبر کا اپنی بشریت کے بارے میں صاف وصریح اعلان:۔ سو آپ نے اپنی بشریت کا صاف اور صریح طور پر اور کلماتِ حصر کے ساتھ اعلان فرمایا کہ "میں تو صرف ایک بشر (ایک انسان) ہوں جس کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے"۔ یعنی میرا منصب اور میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ میں ایک انسان ہوں جسے خداوندِ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کیلئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور بس اور یہ فریضہ میں بہر طور انجام دے رہا ہوں۔ اس کے ساتھ اس طرح کے مطالبات کا تعلق ہی کیا ہوسکتا ہے جو تم لوگ مجھ سے کر رہے ہو؟ ان سب کا تعلق تو خدائی حقوق واختیارات سے ہے۔ اب دیکھئے کہ یہاں کس قدر صراحت ووضاحت اور حصر وتاکید کے ساتھ پیغمبر اپنی عبدیت اور بشریت کا اعلان واظہار فرما رہے ہیں مگر اس کے باوجود اہلِ بدعت ہیں کہ پیغمبر کی بشریت کے انکار پر گویا ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور اس طرح کی نصوصِ صریحہ میں وہ طرح طرح کی تاویلات بلکہ تحریفات کر کے علمِ غیبِ کلی، اختیارِ کلی اور "نور من نور اللہ" جیسے شرکیہ عقائد کو اپنائے ہوئے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف قرآن وسنت کی نصوصِ کریمہ جا بجا اور طرح طرح سے اس حقیقت کا اظہار واعلان کرتے ہیں کہ پیغمبر بشر ہی ہوتے ہیں جن کو اللہ پاک اپنے احکام کی تبلیغ اور اپنی رسالت کی ادائیگی کیلئے چنتا اور منتخب فرماتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۷۳ منکرین کے انکار کے سبب کی نشاندہی:۔ چنانچہ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر اور ادواتِ حصر وقصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ لوگوں کو ہدایت سے نہیں روکا مگر ان کے اس اچنبھے نے کہ کیا اللہ نے بشر ہی کو رسول بنا کر بھیجنا تھا؟ یعنی ان کے نزدیک نبوت اور بشریت میں تضاد تھا کہ یہ دونوں صفتیں یکجا نہیں ہوسکتیں۔ سو یہی غلط فہمی کل کے ان مشرکوں کو تھی اور یہی غلطی فہمی آج کے کلمہ گو مشرکوں کو ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے اس بناء پر پیغمبر کی بشریت پر نظر کر کے ان کی نبوت ورسالت کا انکار کر دیا کہ چونکہ یہ بشر ہیں۔ لہٰذا ہم ان کو رسول نہیں مان سکتے۔ اور آج کے مشرکوں نے اس کے برعکس نبوت کے ماننے کا دعویٰ کر کے آنحضرت ﷺ کی بشریتِ طاہرہ کا انکار کر دیا کہ پیغمبر بشر نہیں نور ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر بیک وقت نبی ورسول بھی ہوتا ہے اور بشر وانسان بھی۔ اسی لئے کلمۂ شہادت میں ہمیں "عبدہ ورسولہ" کے الفاظ سے دونوں کو یکجا ماننے کی تلقین وتعلیم فرمائی گئی ہے۔ اس مسئلہ کی مزید بحث ہماری کتاب "تحفہ علم وحکمت"، میں بھی دیکھی جاسکتی ہے جو اب سے کوئی پچیس سال قبل چھپ کر منظرِ عام پر آچکی ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ

زمین میں (انسانوں کی بجائے) فرشتے ہوتے جو یہاں اطمینان سے (رہتے بستے اور) چل پھر رہے ہوتے، تو ہم ضرور

لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى

ان پر آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیج دیتے ۱۷۴ (اور ان سے آخری بات کے طور پر) کہہ دو کہ کافی ہے

بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کو، بے شک وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر اور

خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ

سب کچھ دیکھتا ہے ۱۷۵ جسے اللہ ہدایت بخشے وہی ہے ہدایت پانے والا ۱۷۶ اور جسے وہ گمراہی میں ڈال ۱۷۷ دے تو آپ ایسوں

۱۷۴ بشریت رُسل تقاضاءِ عقل وفطرت:- سو اس سے کہ انسانوں کیلئے انسانوں ہی میں کسی کو رسول بنا کر بھیجنا عین تقاضاءِ عقل وفطرت ہے، سو اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا۔ اس ارشاد سے کسی نوری فرشتے کو رسول بنا کر نہ بھیجنے کی وجہ اور حکمت کو ظاہر فرما دیا گیا۔ یعنی اگر زمین پر انسانوں کی بجائے نوری فرشتے رہتے بستے ہوتے تو ان کیلئے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ لیکن جب ایسا نہیں کہ زمین پر بسنے والے فرشتے نہیں انسان ہیں۔ اور عقل ونقل اور حق وحقیقت کا تقاضا یہی تھا اور یہی ہے کہ انسانوں کی ہدایت وراہنمائی کیلئے انسانوں ہی کو نبی ورسول بنا کر بھیجا جائے تاکہ لوگ زندگی کے ہر معاملہ میں اس کی اتباع و پیروی کر سکیں اس لئے ہم نے ہمیشہ بشر اور انسان ہی کو نبی ورسول بنا کر بھیجا ہے اور کسی نوری فرشتے کو لوگوں کیلئے نبی اور رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ کیونکہ بشر کیلئے نوری کی اتباع وپیروی ممکن نہیں تھی۔ جیسا کہ ظاہر اور واضح ہے۔ سو حضرات انبیاء ورسل کا انسانوں میں سے اور انسان اور بشر ہونا عین تقاضائے حکمت ہے۔ لیکن کتنے ہی بدبخت اور کوڑھ مغز ایسے ہیں جو اس سب کے باوجود بشریت رسول کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور اس کیلئے وہ طرح طرح کی تحریفات وتلبیسات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم

۱۷۵ اللہ کی گواہی کافی اور سب پر حاوی:- سو پیغمبر کو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ان سے کہہ دو کہ کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کو''۔ اور ایسا کافی کہ اس کے بعد کسی اور کی گواہی کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی کہ اس خالق ومالک کی گواہی سب سے بڑی گواہی اور سب پر حاوی ہے اور وہ طرح طرح سے میری نبوت ورسالت کی گواہی دے چکا ہے جن میں سب سے بڑا ذریعہ گواہی کا یہ قرآن حکیم ہے۔ جو کہ سب سے بڑا اور زندۂ جاوید معجزہ ہے اور جو

اس نے محض اپنی رحمت وعنایت سے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ جس کے مقابلے سے دنیا ساری عاجز ہے اور جس جیسی دوسری کوئی کتاب نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ قیامت تک ممکن ہے۔ اور جو انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا کفیل ہے۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ نے میری صداقت وحقانیت کی گواہی طرح طرح سے دے دی۔ اس کے باوجود تم لوگ اگر نہیں مانتے تو تمہارا اور ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے اور اسی کے سپرد ہے۔ وہ اپنے بندوں کے ظاہر و باطن سب کو پوری طرح دیکھتا اور جانتا ہے۔ اور وہی وقت آنے پر تمہارے اور ہمارے درمیان عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق فیصلہ فرمادے گا کہ اس خبیر وبصیر سے کسی کے ظاہر و باطن کی کوئی بھی کیفیت کسی بھی طور پر اور کسی بھی درجے میں مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اسلئے بندوں کے بارے میں اس کا ہر فیصلہ ہر طرح سے صحیح اور درست ہوتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس بندے کا کام اسی کے حضور سر تسلیم خم کردینا ہے۔

۱۸۶ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ''اور جس کو اللہ ہدایت بخشے'' اس کے صفائے باطن اور اس کی طلبِ صادق کی بناء پر کہ اسکے یہاں کے فیصلے محض ظاہر پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ حقائق اور بواطن پر مبنی ہوتے ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور وہ ہر کسی کے دل کو اور اس میں مخفی ومستور اسکی نیتوں اور ارادوں کو جانتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس کا باطن کیسا ہے اور کون کس کے لائق ہے۔ وہ اسی کے مطابق اس سے معاملہ فرماتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو دولتِ ہدایت سے سرفرازی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے کہ اس کا دارومدار انسان کے قلب وباطن پر ہے۔ اور قلوب وبواطن کا علم اللہ وحدہ لاشریک ہی کو ہے۔ پس بندے کو چاہیے کہ وہ اپنا معاملہ اپنے اس رَبِّ عَلِیْمٌ وَ خَبِیْرٌ سے صحیح اور صاف رکھے کہ وہ اگر راضی ہوگیا تو سب کچھ بن گیا ورنہ کچھ بھی نہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی مایحب ویرید بِکُلِ مِنَ الاحوال ، وفی کُلّ مَوْطنٍ مِنَ المواطن فی الحیاۃ.

۱۸۷ مشیت اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت ہے، سبحانہ وتعالیٰ:- سو اسی بناء پر ارشاد فرمایا گیا ''اور جس کو وہ گمراہی میں ڈال دے تم اس کیلئے کوئی یار ومددگار نہیں پاسکو گے''۔ سو گمراہ کی اپنی بدنیتی اور کور باطنی کی وجہ سے والعیاذ باللہ العظیم. سو ایسے لوگ اپنی محرومی کے ذمہ دار خود ہیں کہ یہ ہدایت چاہتے ہی نہیں۔ جبکہ ہدایت سے سرفرازی کیلئے اولین اساس وبنیاد طلبِ صادق ہے اور جو ہدایت کی روشنی چاہتا ہی نہ ہو اسکو زبردستی ہدایت سے نوازے، کیسے ممکن ہے؟ اور جس کو وہ گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے اس کے اپنے زیغِ باطن اور سوءِ اختیار کی بناء پر اس کیلئے تم کوئی حامی اور مددگار نہیں پاسکو گے جو اس کو دولتِ ہدایت سے سرفراز کردے۔ پس ہدایت وغوایت کا اصل دارومدار انسان کے قلب وباطن پر ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین۔

يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ

کے لئے کوئی حمایتی (اور مددگار) نہیں پا سکیں گے ف ۱۷۸ اس (وحدہٗ لاشریک) کے سوا، اور ایسے لوگوں کو ہم قیامت کے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ

روز ان کے مونہوں کے بل کھینچ لائیں گے ف ۱۷۹ اندھے، گونگے، اور بہرے کر کے ف ۱۸۰ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جب کبھی

۱۷۸ منکروں اور محروموں کیلئے کوئی مددگار نہیں ہوسکتا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کیلئے آپ کوئی حمایتی اور (مددگار) نہیں پاسکیں گے''۔ جو ان کو ہدایت کی دولت سے نواز سکے۔ کیونکہ اصل مالک اور ولی و کارسازِ حقیقی تو اللہ پاک ہی ہے۔ اس سے انہوں نے منہ موڑ دیا اور حق کا انکار کر کے انہوں نے محرومی کی راہ کو اپنا لیا اور جو موہوم اور جھوٹے سہارے انہوں نے اپنا رکھے ہیں ان کی کوئی اصل اور حقیقت ہے ہی نہیں۔ تو پھر ان کا کوئی ولی کیسے اور کہاں سے ہوسکتا ہے؟ سو انکارِ حق محرومیوں کی محرومی اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے اور ایسے لوگ اندھے بہرے اور گونگے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۷۹ منکرین کا حشر ان کے مونہوں کے بل، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''ایسوں کو ہم قیامت کے روز ان کے مونہوں کے بل کھینچ کر لائیں گے''۔ یہ ایک اور ذلت اور ہولناک ذلت ہوگی جس سے اہلِ دوزخ دوچار ہوں گے۔ والعیاذ باللہ۔ صحیحین وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ وہ چہروں کے بل کیسے چلیں گے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا جس نے ان کو پاؤں پر چلایا وہ ان کو چہروں کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ اَلَّذِىْ اَمْشَاهُمْ عَلٰى اَرْجُلِهِمْ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّمْشِيَهُمْ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ''۔ سو نورِ حق و ہدایت سے محروم منکروں کو ایسے ہولناک اور رسوا کن انجام سے دوچار ہونا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۸۰ منکرینِ حق اندھے بہرے اور گونگے۔ والعیاذ باللہ العظیم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''قیامت کے روز ایسوں کو ان کے چہروں کے بل گھسیٹا جائے گا اندھے، بہرے اور گونگے کر کے''۔ ان کے اپنے اس کردار و عمل کے باعث جس کی وجہ سے وہ دنیا میں حق کے دیکھنے اور سننے اور کہنے سے اندھے بہرے اور گونگے بنے ہوئے تھے۔ سو اس روز وہ سب کچھ ظاہر ہو جائے گا جو دنیا میں مخفی و مستور تھا اور مشاہدہ اور کشفِ حقائق کے اس جہاں میں کفر و باطل کی وہ تمام سیاہی اور اس کے آثار و نتائج جو دنیا میں وہ اپنائے رہے تھے ان کے چہروں مہروں پر عیاں و ہویدا ہو جائیں گے۔ اور سب کے سامنے ان کی ذلت و رسوائی کا باعث بنیں گے۔ والعیاذ باللہ۔ پھر بعد میں ان کو یہ حواس و ادراکات لوٹا دیئے جائیں گے تاکہ وہ جہنم کے زفیر و شہیق وغیرہ کا احساس و ادراک کر سکیں اور دوزخ کے طرح طرح کے عذابوں کے مزے چکھ سکیں۔ (ابنِ کثیر، المراغی، الصفوۃ وغیرہ) تاکہ اس طرح وہ اپنے کیے کرائے کا پورا بدلہ وہاں کے ہولناک عذابوں کی شکل میں پاسکیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو جو لوگ دنیا میں حق کو سننے ماننے اور اپنانے و اختیار کرنے سے اندھے بہرے اور گونگے بنے ہوئے تھے ان کو وہاں اس طرح محشور کیا جائے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ

اس کی آگ بجھنے لگے گی تو ہم اسے اور بھڑکا دیں گے، ۱۸۱ ان کی یہ سزا اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے کفر (وانکار) کا

بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا

ارتکاب کیا تھا ہماری آیتوں کے ساتھ، ۱۸۲ اور یہ کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور خاک ہو کر رہ جائیں گے

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ

تو ہمیں نئے سرے سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ جس اللہ نے

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسے انسانوں کے دوبارہ پیدا کر دینے پر بھی

۱۸۱ جہنم کی آگ کبھی بجھنے نہ پائے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ :۔ سو ارشاد فرمایا گیا "جہنم کی آگ جونہی بجھنے لگے گی ہم اسکو اور بڑھکا دیں گے"۔ اور جونہی ان کی کھالیں جل کر بھسم ہو جائیں گی ان کو نئی کھالیں دی جائیں گی تاکہ وہ ہمیشہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَا هُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ. (النساء:۵۶)۔ سو نہ تو وہ آگ بجھنے پائے گی اور نہ ان کے جسم ختم ہونے پائیں گے کہ جان چھوٹ جائے۔ بلکہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے اور ایسی زندگی کاٹیں گے جن میں نہ جینا ہوگا نہ مرنا۔ یعنی لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰ والی ہولناک زندگی گزارنا ہوگی جو کبھی ختم نہ ہونے پائے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین، یارب العالمین، ویا ارحم الراحمین۔

۱۸۲ انکارِ حق جرموں کا جرم والعیاذ باللہ : سو ارشاد فرمایا گیا کہ "یہ ان لوگوں کی جزا اور بدلہ ہوگا اس بات کا کہ انہوں نے کفر کیا تھا ہماری آیتوں سے"۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب اور ان کا انکار تمام جرائم کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اس سے آگے طرح طرح کے مفاسد جنم لیتے اور فساد ابھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب و انکار کا آخری انجام بہر حال دوزخ ہے اور وہ بھی ہمیشہ کیلئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور یہ اس لئے کہ انہوں نے قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور حیات بعد الموت کی نشانیاں دیکھنے کے بوجود اس کا انکار کیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ وَّسُوْءٍ وَّانحراف۔

مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ

یقیناً قدرت رکھتا ہے، ۱۸۳ اور اس نے ان کے لئے ایک ایسی مدت مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں، مگر ظالم پھر بھی

اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْۤ

انکار ہی کئے جا رہے ہیں ۱۸۴ (ان سے) کہو کہ اگر کہیں تم لوگ مالک ہو گئے ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے،

اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع

تو یقیناً تم ان کو روک رکھتے خرچ ہو جانے کے اندیشے سے، واقعی انسان بڑا ہی تنگ دل ہے ۱۸۵ اور بلا شبہ ہم نے موسیٰ کو عطا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ

کی تھیں نو کھلی نشانیاں ۱۸۶ پس تم پوچھ لو بنی اسرائیل سے کہ جب موسیٰ ان کے پاس آیا تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے

۱۸۳ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بعث بعد الموت پر استدلال:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا وہ یقیناً انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے'' یعنی آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کو پیدا کرنے والے قادرِ مطلق کیلئے ان کو دوبارہ پیدا کر دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کی حکمتوں بھری اس عظیم الشان کائنات کو پیدا فرما دیا بھلا اس کیلئے یہ امر آخر کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے؟ سُبحانہ وتعالیٰ۔ سو آسمانوں اور زمین کے اس حکمتوں بھری کائنات کو اس نے پیدا فرما دیا اور بغیر کسی نمونہ اور مثال کے پیدا فرما دیا اور یہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور تم کھلی آنکھوں اس کو دیکھتے ہو اور جب اس سب کو اس نے اس طرح پیدا فرما دیا تو پھر انسان کو دوبارہ پیدا کرنا آخر اس کیلئے کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ اسی حقیقت کو قرآنِ حکیم میں دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمادیا گیا۔ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (المومن: ۵۷)

۱۸۴ بعث بعد الموت کیلئے ایک وقت مقرر ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور اس نے ان کیلئے ایک ایسی مدت مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں''۔ یعنی ان کی موت اور ان کے دوبارہ اٹھانے کیلئے۔ پس اپنے وقت پر یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔ مگر اس وقت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ لہٰذا تم لوگ عمر رواں کی اس محدود فرصت و مہلت کو اس طرح کے بے مقصد سوالات اور لا یعنی شکوک و شبہات میں ضائع کرنے کی بجائے اسکو آخرت کی کمائی کی فکر و کوشش میں خرچ کرو کہ یہ لمحہ بہ لمحہ تمہارے ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے۔ اور ایک دفعہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر اسکے ملنے اور حاصل ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔

۱۸۵ انسان کی تنگ ظرفی کا ایک نمونہ ومظہر:- اگر تم لوگ رب کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو روک اور بند کر کے رکھتے اور ایسے میں تم لوگ کسی کو دینے اور بلاعوض دینے کا نام تک نہ لیتے۔ اور خود بھی رک رک کر خرچ کرتے کہ یہ خزانے کہیں خرچ اور ختم نہ ہو جائیں۔ مگر یہ اُس واہبِ مطلق جل جلالہ۔ کا ایک عظیم الشان کرم واحسان ہے کہ اس نے ان خزانوں کو اپنے ہی قبضۂ قدرت واختیار میں رکھا اور ان کو اپنی مخلوق پر اس بے مثال فیاضی اور بے نہایت کرم کے ساتھ تقسیم فرمایا اور لگاتار تقسیم فرما رہا ہے اور اس قدر کہ اس کا علم واحاطہ بھی اس وحدہ لاشریک کے سوا اور کسی کے بس میں نہیں۔ فَلَکَ الْحَمْدُ یَا رَبِّی حَمْداً یَلِیْقُ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ. سو یہ انسان کی تنگ ظرفی کا ایک مظہر ونمونہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسے تنگ ظرف انسان کو نبوت ورسالت کے شرف سے آخر کس طرح نوازا جا سکتا تھا؟ سو اس میں ان کفار ومشرکین پر رد ہے جو کہا کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن اور یہ دین اللہ کی طرف سے ہے تو اس کو ہم میں سے کسی بڑے سردار پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اسکو عبداللہ کے یتیم پر ہی کیوں اتارا گیا۔ لَوْ لَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ. سو اس کے جواب میں اور ان لوگوں کی تردید کیلئے ارشاد فرمایا گیا کہ تم جیسے کوتاہ نظر اور تنگ ظرف اس کے اہل کہاں اور کیسے ہو سکتے تھے۔ تم دنیا کے جن خزف ریزوں کے حق دار تھے وہ تم کو دے دیئے گئے۔ جبکہ قرآن اور دین کی نعمت سے سرفرازی کے جو اصل حقدار تھے ان کو اس سے نوازا گیا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کے شرف سے کس کو نوازے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ.

۱۸۶ ایمان وہدایت سے سرفرازی کی اصل بنیاد طلب صادق ہے:- سو اس سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ ایمان وہدایت سے سرفرازی کا ذریعہ معجزات نہیں بلکہ طلب صادق ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا "اور بلاشبہ ہم ہی نے موسیٰ کو عطا کی تھیں نو کھلی نشانیاں"۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی نشانیوں اور عظیم معجزات سے نوازا تھا۔ تفسیرِ مراغی وغیرہ میں اس موقع پر سولہ بڑی بڑی نشانیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس لئے ان نو نشانیوں کی تعیین وتخصیص میں حضراتِ علماء ومفسرینِ کرام کے اقوال مختلف ہیں۔ ابنِ جریر اور ابنِ منذر وغیرہ نے حضرتِ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ نو نشانیاں یہ ہیں۔ عصا، ید بیضا، طوفان، جراد، قمل، ضفادع، دم، سنین اور نقصِ ثمرات۔ (روح، ابنِ کثیر، مراغی اور صفوہ وغیرہ)۔ مگر اس قدر کھلی نشانیوں کے باوجود فرعون اور اسکے اعوان و انصار حضرتِ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے اور الٹا فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ میں تم کو ایک جادو کا مارا ہوا شخص سمجھتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ غرقِ دریا ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فی النار والسقر ہو گئے۔ اسی طرح تم لوگوں کی فرمائش کے مطابق حضرتِ محمدؐ کے ہاتھ تمہارے فرمائشی معجزے ظاہر کر دیئے جائیں تو تم نے بھی نہیں ماننا۔ جسکے نتیجے میں تم نے بھی تباہی کے اسی گھاٹ پر اترنا ہے۔ جس پر فرعون اور اسکی جماعت اتر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں ہے سبحانہ وتعالیٰ۔ سو ایمان وہدایت سے سرفرازی کا ذریعہ معجزات نہیں بلکہ طلبِ صادق ہے۔

اِذۡ جَآءَهُمۡ فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰمُوۡسٰی

موسیٰ میں تو تجھے یقینی طور پر ایک جادو کا مارا ہوا انسان سمجھتا ہوں ف۱۸۷ موسیٰ نے جواب میں کہا کہ تجھے اچھی طرح معلوم ہے

مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ

کہ ان بصیرت افروز نشانیوں کو آسمانوں اور زمین کے مالک کے سوا اور کسی نے نہیں اتارا ف۱۸۸ اور میں تجھے اے فرعون،

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰفِرۡعَوۡنُ

قطعی طور پر ایک ہلاک ہونے والا انسان سمجھتا ہوں ف۱۸۹ سو فرعون نے چاہا تھا کہ اکھاڑ پھینکے ان سب کو اس سرزمین سے ف۱۹۰ مگر

مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَ

اس کے نتیجے میں ہم نے غرق کر دیا خود فرعون کو اور ان سب کو جو اس کے ساتھ تھے یکجا طور پر ف۱۹۱ اور اس کے بعد ہم نے بنی

۱۸۷ فرعون کا فرعونیت بھرا جواب:۔ سو فرعون نے حضرتِ موسیٰ کو فرعونیت بھرا جواب دیا اور نہایت متکبرانہ اور گستاخانہ اندازِ تخاطب سے خطاب کیا۔ یعنی اس قدر عظیم الشان معجزات اور نشانیاں دیکھنے کے باوجود اُس لعین نے حضرتِ موسیٰ کو یہ جواب دیا تھا۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایمان کثرتِ معجزات سے نہیں ملتا بلکہ اس کی اصل اساس و بنیاد طلبِ صادق ہے۔ سو طلبِ صادق اگر آدمی کے اندر موجود نہ ہو تو کتنے ہی معجزات پیش کر دیئے جائیں ہٹ دھرم لوگ پھر بھی نہیں مانتے۔ سو انسان کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اسکے قلب و باطن سے ہے۔ فَبِاللّٰهِ التَّوفِيقُ لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيدُ۔

۱۸۸ حضرتِ موسیٰ کا خطاب فرعون سے:۔ سو حضرتِ موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ان نشانیوں کو ربِ کائنات ہی نے اتارا ہے۔ مگر بدبخت نے پھر بھی انکار کیا ظلم و تکبر کی بناء پر۔ سو ظلم و تکبر اور عناد و ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور ہلاکت و تباہی کی جڑ بنیاد ہے۔ سو معلوم ہوا کہ فرعون ان نشانیوں کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھا۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر وہ ان کا انکار کر رہا تھا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ وَ جَحَدُوۡا بِهَا وَ اسۡتَيۡقَنَتۡهَآ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّ عُلُوًّا۔ الآیۃ (النمل:۱۴) سو تکبر و ظلم اور عناد و ہٹ دھرمی انسان کو حق سے محروم کر کے اس کو دائمی ہلاکت کے ہولناک گڑھے میں ڈال دیتے ہیں۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ سو ظلم و تکبر اور عناد و ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور ہلاکت و تباہی کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ، ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین!

۱۸۹ حضرتِ موسیٰ کا مبنی برحق و حقیقت جواب:۔ سو فرعون کے اس گستاخانہ اور متکبرانہ قول کے جواب میں حضرتِ موسیٰ نے حق اور حقیقت پر مبنی اپنے جواب میں فرعون سے کہا کہ "میں تو تجھے ہلاکت زدہ شخص سمجھتا ہوں"۔ کیونکہ تو حق کا منکر اور ہٹ دھرمی و ضدی شخص ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ تو ایسے انجام سے دوچار ہو۔ حضرتِ موسیٰ نے یہ ارشاد اپنے اس

تجربے کی بناء پر فرمایا جو مدتوں کی محنت کے نتیجہ میں فرعون کے بارے میں آپؑ کو حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اہلِ بدعت کے بعض بڑے تحریف پسندوں نے جو اس سے اپنے شرکیہ عقائد پر دلیل کشید کرنے کی کوشش کی وہ ان کی اپنی ذہنی اپج اور تحریفانہ ذہنیت کی عکاس وآئینہ دار ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ نے فرعون کی اس بیہودہ اور اشتعال انگیز بات کے جواب میں بغیر کسی قسم کے اشتعال اور کسی طرح کی جذباتیت کے ٹھوس اور حقیقت پسندانہ جواب دیا کہ فرعون میں تجھے یقیناً ایک ہلاک اور تباہ ہونے والا انسان سمجھتا ہوں۔ کیونکہ کفر وانکار کی جس راہ پر تُو چل رہا ہے اس کا آخری انجام یقینی طور پر یہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ، ہر حال میں، اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین!

۱۹۰ فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کو اکھاڑ پھینکنے کا منصوبہ:۔ سو اس کے بعد فرعون نے چاہا کہ اکھاڑ پھینکے ان سب کو اس سرزمین سے۔ یعنی سرزمین مصر سے طرح طرح کے مظالم ڈھا کر اور قسما قسم کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے کام لے کر تا کہ اس طرح اس کیخلاف کہیں سے کوئی آواز نہ اٹھنے پائے۔ مگر اسکی ان سازشوں اور مکر وکید کا وبال الٹا اسی پر پڑا اور وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت غرقِ قلزم ہو کر فی النار والسقر ہو گیا۔ اور ایسا کہ اس کا نام ونشان بھی ہمیشہ کیلئے مٹ گیا۔ سو سب پر غالب قوتِ قاہرہ اللہ وحدہ لاشریک ہی کی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ نے جب اپنے ترکی بہ ترکی جواب سے فرعون کے سامنے اس بات کو واضح کر دیا کہ آسمانوں اور زمین کے رب کی طرف سے اتاری گئی ان عظیم الشان نشانیوں سے بھی اگر تیری آنکھیں نہیں کھلتیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تجھ پر اللہ کی حجت تمام ہو گئی اور میں سمجھتا ہوں کہ اب تیری ہلاکت کا وقت اے فرعون آپہنچا ہے تو اس کے بعد اس ملعون نے اپنا پورا زور اس پر لگا دیا کہ حضرتِ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کے قدم سرزمینِ مصر سے اکھاڑ پھینکے اور ان کا وہاں سے خاتمہ کر دے۔ مگر وہ خود ہی فِی النَّارِ وَالسَّقَر ہو کر رہا،

۱۹۱ فرعون کا آخری انجام اور اسکی غرقابی:۔ سو اپنے اس مکروہ پروگرام اور مذموم منصوبہ بندی سے فرعون نے خود اپنی ہی ہلاکت اور تباہی کا سامان کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ''ہم نے غرق کر دیا فرعون کو اور اسکے ساتھیوں سب کو''۔ پس ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اور بس۔ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے اور اسکی طرف سے باغیوں اور سرکشوں کو جو ڈھیل ملتی ہے اس سے کبھی بھی کسی کو غلط فہمی اور غفلت میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ بہر حال ایک مہلت اور ڈھیل ہی ہوتی ہے جس نے اپنے وقت پر بہر حال ختم ہو جانا ہوتا ہے۔ پھر اسکی پکڑ بڑی ہی سخت اور انتہائی ہولناک ہوتی ہے۔ اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ. (ہود:۱۰۲) سو فرعون نے حضرتِ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو نکالنے کا پروگرام بنایا تھا لیکن اس کے نتیجے میں وہ خود ہی غرقاب ہو کر ہمیشہ کیلئے مٹ گیا۔ سو بُری چال اپنے چلنے والوں ہی کو اپنی گرفت میں لے کر رہتی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ. (فاطر:۴۳) یعنی بری سازش اسکے گھڑنے اور بُننے والے ہی کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔ والعیاذ باللّٰہ جَلَّ وعلا بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال.

مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اسرائیل سے کہا کہ اب تم لوگ رہو بسو ۱۹۲ اس زمین میں، پھر جب آ پہنچے گا آخرت کے وعدے کا وقت، تو ہم لے

اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾

آئیں گے تم سب کو اکٹھا کر کے ۱۹۳ اور حق ہی کے ساتھ اتارا ہے ہم نے اس (قرآن حکیم) کو اور حق ہی کے ساتھ نازل

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا

ہوا ہے ۱۹۴ یہ اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے پیغمبر!) مگر خوشخبری سنانے والا، اور خبردار کرنے والا بنا کر ۱۹۵ اور ہم نے

وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰي

قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا، تاکہ آپ اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سنائیں، اور ہم نے اسے (موقع بموقع)

۱۹۲ فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کیلئے انعام کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور اسکے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ رہو بسو تم اس سرزمین میں''۔ جس کو ہم نے ظاہری اور باطنی طرح طرح کی برکتوں سے نوازا ہے اور جو کہ ارضِ مقدسہ اور ارضِ مبارکہ کہلاتی ہے۔ یعنی ارضِ شام و فلسطین۔ (مراغی ومحاسن وغیرہ)۔ سو اس طرح اس ارشادِ ربانی سے فتح مکہ کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا کہ جس طرح فرعون نے حضرتِ موسیٰ اور انکی قوم کو سرزمینِ مصر سے نکالنے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن اسکے نتیجے میں وہ اپنی قوم سمیت خود ہی غرقاب ہو کر فی النار والسقر ہو گیا اسی طرح مشرکینِ مکہ نے بھی حضرتِ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کو سرزمینِ مکہ سے نکال باہر کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔ مگر اسکے برعکس خود انہی کے اقتدار کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ سو اس کے کچھ ہی عرصہ بعد فتح مکہ کے ذریعے ایسے ہی ہوا۔ والحمد للہ۔ سو جو الفاظ حضرتِ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو ارضِ مصر سے نکالنے کے بارے میں ارشاد فرمائے گئے تھے وہی آنحضرت ﷺ سے متعلق مشرکینِ مکہ کے بارے میں بھی ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ جیسا کہ اسی سورۂ کریمہ کی آیت نمبر ۷۶ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا۔ چنانچہ اس کے بموجب سرزمین مکہ کو مشرکین کے ناپاک قدموں سے ایسا پاک اور صاف کر دیا گیا کہ ان کا ناپاک وجود وہاں سے ہمیشہ ہمیش کیلئے مٹ گیا اور توحید کا ہمیشہ کیلئے بول بالا ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین.

۱۹۳ بنی اسرائیل کیلئے دوسرے وعدے کا ذکر اور اس سے مقصود و مراد؟:- سو ان سے ارشاد فرمایا گیا کہ پھر دوسری مرتبہ ہم پھر تم سب کو اکٹھا کر کے لائیں گے (اے یہودیو!)''۔ ارضِ محشر کی طرف جہاں تم اپنے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ پاؤ گے۔ (روح، ابنِ کثیر، مراغی وغیرہ)۔ یہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک قول و احتمال ہے اور یہی قول زیادہ مشہور بھی ہے۔

جبکہ دوسرا قول واحتمال اس بارے میں یہ بھی ہے کہ اس حشر سے مراد بنی اسرائیل کا ارضِ فلسطین ہی میں دوبارہ جمع ہونا ہے۔ جیسا کہ آج کل ہے کہ ارضِ فلسطین میں یہود تمام اطراف اور اکناف عالم سے کھنچ کھنچ کر جمع ہو رہے ہیں۔ جہاں ان پر دوسرا عذاب واقع ہوگا۔ رہ گئی یہ بات کہ وہ کب؟ کس شکل میں؟ کس طرح؟ اور کن کے ہاتھوں ہوگا؟ تو ان سب امور کا علم اللہ پاک ہی کو ہے۔ البتہ اتنی بات بطور اصولِ موضوعہ کے یاد رکھنے کی ہے کہ قوموں کے فیصلے دنوں اور مہینوں میں نہیں، صدیوں سالوں میں بدلا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیمانے اور اس کا حساب بندوں کے پیمانوں سے بہت مختلف ہے۔ بندوں کی گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک دن کے برابر ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں اسکی تصریح موجود ہے۔ وِاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. (الحج:۴۷)۔ ۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ میں جو عربوں کو نہایت ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا اور بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر یہود کے قبضے میں چلا گیا اور اب تک ان ہی کے ناپاک قبضے میں ہے۔ اور اس موقع پر اور اس بناء پر پورا عالم اسلام غم وغصہ میں ڈوب کر رہ گیا تھا، اس وقت یعنی آج سے کوئی تیس بتیس سال پہلے راقمِ آثم نے اس بارے میں مضمون لکھا تھا جو کہ مختلف اخبارات وغیرہ میں بھی شائع ہوا تھا۔ اس میں راقمِ آثم نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی تھی کہ اس حشر سے مراد بنی اسرائیل کا وہی حشر ہے جو اسی دنیا میں ارضِ فلسطین میں ہوگا اور وقت آئے گا کہ یہ ارضِ فلسطین۔ انشاء اللہ العزیز۔ یہود بے بہود کا اجتماعی قبرستان بنے گی۔ کیونکہ حشر کا جمع ہونا تو کوئی بنی اسرائیل کیلئے خاص نہیں بلکہ عام اور سب ہی کو شامل ہے کہ اس روز تو تمام اقوامِ عالم جمع ہونگی۔ نہ کہ صرف یہود۔ سو یہ ہماری رائے ہے۔ والعلم عند اللہ سبحانہ و تعالی وھو اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب.

۱۹۴ قرآن حکیم کو حق ہی کے ساتھ اتارا گیا:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم نے حق کے ساتھ اتارا اس (قرآنِ حکیم) کو" کہ اس میں جو کچھ فرمایا گیا وہ بھی سب حق وصدق ہے اور جس غرض کیلئے اسکو اتارا گیا وہ بھی حق وصدق ہے۔ یعنی مخلوق کو طریقِ حق وصواب کی ہدایت وراہنمائی کرنا۔ سو یہ کلام مبارک اول تا آخر حق اور صدق ہے۔ جن عقائد و اخلاق کی تعلیم وتلقین اس میں فرمائی گئی ہے اور جو احکام وارشادات اس میں اتارے گئے ہیں وہ سب کے سب حق اور صدق ہیں۔ اس کے سوا اور کہیں حق ہے ہی نہیں۔ پس جو لوگ اس کتابِ حکیم پر ایمان ویقین کی دولت سے محروم ہیں وہ یقیناً حق وہدایت کی دولت سے محروم ہیں۔ والعیاذ باللہ جَلَّ و علا، بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الا حوال،

۱۹۵ اور یہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا:- کہ اس حقِ صریح میں کسی طرح کی کوئی آمیزش نہیں ہوئی۔ بلکہ جس طرح اس کو حق نے اتارا اسی طرح یہ آگے پہنچا اور اسی طرح یہ اب تک محفوظ ہے نہ اس میں کوئی کمی ہوئی نہ بیشی اور یہی ایک کتاب ہے جو اس طرح اور اس شان سے باقی اور محفوظ ہے۔ کیونکہ اسکی حفاظت کا ذمہ اسکے اتارنے والے اُس خالق ومالک نے خود لیا ہے جو کہ قادرِ مطلق ہے۔ اور اس کا صاف وصریح طور پر اپنا ارشاد ہے کہ "اسکو ہم ہی نے اتارا ہے اور اسکے محافظ بھی خود ہم ہی ہیں"۔ (الحجر:۹) اور یہی وہ کتابِ حکیم ہے جو "خالصتاً اتاری ہوئی کتاب ہے خدائے حکیم وحمید کی طرف سے اور جس پر باطل نہ اسکے آگے سے حملہ کرسکتا ہے نہ پیچھے سے"۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ (حٰمٓ السجدۃ:۴۱-۴۲)

مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ

ایک خاص تدریج سے اتارا ہے، ۱۹۶ کہو کہ تم لوگ اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (اے لوگو! یہ بہرحال حق ہے) ۱۹۷

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

بلاشبہ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب یہ انہیں سنایا جاتا ہے،

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ

تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں، ۱۹۸ اور وہ پکار اٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب،

۱۹۶ قرآنِ حکیم کا نزول تدریج کے ساتھ:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور ہم ہی نے اس کو خاص تدریج کے ساتھ اتارا ہے"۔ تیئس سال کے طویل عرصے میں حالات و واقعات اور حوادث و نوازل کے مطابق۔ تاکہ یہ دلوں میں اترتا اور ذہنوں میں بیٹھتا چلا جائے اور لوگ اس کے معانی و مطالب کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اسکے احکام کو صحیح طور پر اپنا لیں۔ سو اس کے تدریجی نزول پر اعتراض کرتے ہیں یہ انکی اپنی حماقت اور کوڑھ مغزی کا ثبوت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۱۹۷ قرآنِ حکیم بہرحال حق اور صدق:- کوئی اس پر ایمان لائے یا نہ لائے اس سے اسکی عظمت شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سو فرمایا گیا کہ "ان سے کہو کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ" (تمہاری مرضی)۔ تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے اس میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کا تعلق دراصل تمہارے اپنے ہی نفع و نقصان سے ہے۔ ایمان لاؤ گے تو اس سے خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہوگا۔ نہیں تو خود تمہارا ہی نقصان۔ حق بہرحال حق ہے وہ کسی کی تصدیق کا محتاج نہیں۔ اگر کوئی اس پر ایمان لائے گا تو اس سے خداوند قدوس کے خزانوں میں کوئی اضافہ نہیں ہو جائے گا۔ اور جو اس سے منہ موڑیں گے، تو اس سے اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں واقع ہوگی۔ بلکہ ایسی سب باتوں کا تعلق انسان کے اپنے بھلے برے سے ہے اور بس۔ قرآنِ حکیم کی عظمت شان میں اس سے کوئی فرق نہیں واقع ہو سکتا۔ بلکہ منکر لوگ خود اپنی ہی ہلاکت و تباہی کا سامان کریں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ

۱۹۸ قرآنِ حکیم کی قدر و قیمت اور عظمتِ شان اہلِ ایمان کے یہاں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "علم والے اسکو سن کر ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان نعمت کے شکریے میں۔ اور اس کی قدردانی کرتے ہوئے۔ کیونکہ وہ اپنے علم کی بناء پر جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا وعدہ اس سے پہلے فرمایا گیا تھا۔ سو اگر منکرین اس کا انکار کرتے ہیں تو اس سے اس کتابِ حکیم کی عظمتِ شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ وہ علماء جو گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے ہیں اور اس کے بارے میں پیشگوئیوں کی بنا پر اسکے انتظار میں تھے۔ اس لیے اس کے نزول پر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے شکریے کے طور پر سجدے میں گر جاتے ہیں۔ تو ایسے میں اگر یہ منکر نہ مانیں تو اس سے کیا فرق پڑے گا سوائے ان کی اپنی محرومی اور بدبختی کے۔ والعیاذ باللہ العظیم مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ،

إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ

بے شک ہمارے رب کے وعدے نے بہر حال پورا ہو کر ہی رہنا تھا، ف۱۹۹ اور وہ گر جاتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل

يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾ السجدة قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ

روتے ہوئے اور اس سے ان کے خشوع (اور عاجزی) میں اور اضافہ ہو جاتا ہے ف۲۰۰ کہو کہ تم (اے لوگو! اپنے رب کو)

ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ

اللہ کہہ کر پکارو، یا رحمن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو (خیر ہی خیر ہے کہ یہ) سب اچھے نام اسی (وحدہٗ لاشریک) کے ہیں ف۲۰۱

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ

اور اپنی نماز میں نہ تو تم بہت بلند آواز سے پڑھو ف۲۰۲ اور نہ بالکل پست آواز سے، ف۲۰۳ بلکہ ان دونوں

ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ

کے درمیان کا راستہ اختیار کرو ف۲۰۴ اور کہو سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لئے ہیں جس کی نہ کوئی

وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن

اولاد ہے، نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک، اور نہ ہی اس کا کوئی

لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾ ع ۱۲

حمایتی (و مددگار) ہے عاجزی (اور کمزوری) کی بنا پر، اور اسی کی بڑائی بیان کرو، کمال درجے کی بڑائی، ف۲۰۵

۱۹۹ قرآنِ حکیم کا نزول عہدِ خداوندی کا ایفاء:۔ سو اہلِ علم نزولِ قرآن سے خوش ہو کر کہتے ہیں کہ "بیشک ہمارے رب کے وعدے نے پورا ہو کر رہنا تھا"۔ جو اس نے اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں فرمایا تھا کہ وہ نبی آخر الزمان کو مبعوث فرمائے گا اور اس پر اپنا آخری کلام نازل فرمائے گا۔ (المحاسن، المراغی، المعارف وغیرہ)۔ سو یہ پیغمبر وہی پیغمبر ہیں اور یہ کتاب وہی کتاب ہے جس کے بارے میں ایسی پیشینگوئیاں پہلی آسمانی کتابوں میں موجود و مذکور تھیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدے نے بہر حال پورا ہونا تھا سو وہ پورا ہو گیا اور جس آخری اور کامل کتاب نے نازل ہونا تھا وہ نازل ہو گئی۔ جس کی ہدایت و راہنمائی قیامت تک کے تمام زمانوں اور جملہ انسانوں کیلئے ہے اور اب راہِ نجات اسی میں منحصر ہے۔ جو لوگ اس پر ایمان سے محروم ہیں وہ نورِ حق و ہدایت اور ہر خیر سے محروم ہیں۔ اور وہ حق و ہدایت کے نور سے محروم ہو کر جہالت و ضلالت

کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال۔

۲۰۰ عظمتِ قرآن کیلئے رونا ایک عظیم الشان سعادت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں روتے ہوئے"۔ جو کہ علامت ہے انتہائی عاجزی اور انتہائی تاثر کی۔ اسی لئے اسکی تلقین و تعلیم فرمائی گئی ہے۔ یعنی تلاوتِ قرآن پر رونے کی۔ چنانچہ ابنِ ماجہ وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تم لوگ قرآن پڑھتے ہوئے رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل ہی بنالیا کرو"۔ "اُتْلُوا الْقُرْاٰنَ وَابْکُوا فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا"۔ (ابنِ ماجہ، تاب الاقامۃ، باب فی حسن الصوت بالقرآن) سو رونا اور عاجزی کرنا بندے کی شان ہے اور اسکی یہی شان عبدیت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ وباللہ التوفیق اور سننِ ترمذی وغیرہ میں حضرتِ ابنِ عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں "ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روتی ہے اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتی ہے"۔ (المراغی، ابنِ کثیر وغیرہ)۔

۲۰۱ رحمان بھی اللہ تعالیٰ ہی کا نام ہے سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی:- اس لئے اس بارے ہدایت فرمائی گئی کہ "ان سے کہو کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر دونوں میں خیر ہی خیر ہے"۔ اور یہ دونوں اسمائے گرامی حضرتِ حق جل مجدہ کے انہی اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ نہ جیسا کہ مشرکین اپنی کوڑمغزی سے سمجھ رہے ہیں کہ یہ دو الگ الگ ہستیاں ہوگئیں۔ مکحول روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ ایک مرتبہ سجدے میں فرما رہے تھے "یا رحمن یا رحیم" تو اس پر ایک مشرک نے کہا ان کو دیکھو دعویٰ تو کرتے ہیں ایک خدا کو پکارنے کا مگر پکارتے دو کو ہیں۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (ابنِ کثیر، المراغی وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی بہرحال بہت سے ہیں۔ کیونکہ اس وحدہ لاشریک کی عظمتِ شان کا کوئی کنارہ نہیں اور ہر نام اسکی عظمتِ شان کے ایک اہم پہلو کو روشن اور واضح کرتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۲۰۲ نماز میں آواز کو زیادہ بلند کرنے کی ممانعت:- سو ارشاد فرمایا کہ "اپنی نماز میں بہت اونچی آواز سے مت پڑھو"۔ جو نہ دوسروں کے اِزعاج اور تکلیف کا باعث بنے اور نہ مشرکین کے تمسخر و استہزا کا۔ اور وہ سنکر قرآن کو اور قرآن کے اتارنے والے کو گالیاں دینے لگیں۔ والعیاذ باللہ۔ (المراغی اور المعارف وغیرہ)۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرتِ ابنِ عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ مکرمہ مخفی طور پر نماز ادا فرمایا کرتے تھے تو جب آپ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے وقت اونچی آواز سے قرأت فرماتے تو مشرک لوگ قرآن، قرآن نازل کرنے والے اور قرآن لانے والے سب کو گالیاں دیتے۔ والعیاذ باللہ العظیم. تو اس پر آنحضرت ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ قرآن زیادہ اونچی آواز سے نہ پڑھا کرو (تفسیر المراغی وغیرہ) سو اس سے حالات کے تقاضوں کی مراعات کا درس ملتا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۲۰۳ زیادہ پست آواز سے پڑھنے کی بھی ممانعت:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور نہ بالکل پست آواز میں پڑھو"۔ کہ جس سے آپؐ کے پیچھے والے بھی نہ سن سکیں۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ جب مکہ مکرمہ میں چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے تو اس دور میں جب آپ اونچی آواز سے پڑھتے تو مشرکینِ مکہ سنکر قرآن کو، قرآن اتارنے والے کو اور قرآن لانیوالے کو گالیاں دیتے تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور اس میں توسط اور اعتدال کی تعلیم دی گئی۔ (ابنِ کثیر،

مراغی، محاسن التاویل اور معارف القرآن وغیرہ) سو جہاں اونچی آواز میں پڑھنے سے اس طرح کا کوئی مفسدہ لازم آتا ہو، یا کسی کے آرام یا اس کے کام میں خلل واقع ہوتا ہو تو اونچی آواز میں پڑھنے سے منع فرمایا گیا، اسی طرح بالکل پست آواز سے بھی منع فرمایا گیا۔

۲۰۴ توسط واعتدال کی تعلیم:۔ جو کہ توسط واعتدال کی راہ ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرتِ صدیق اکبرؓ بہت آہستہ اور پست آواز سے پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "میں اپنے اس رب کو پکارتا ہوں جو میری حاجت کو اس سے پہلے ہی جانتا ہے"۔ اُنَا جِیُ رَبِّی وَقَدْ عَلِمَ حَاجَتِیُ. جبکہ حضرتِ عمر فاروقؓ بہت اونچی آواز سے پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "میں شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوئے ہوؤں کو جگاتا ہوں"۔ "اَطْرُدُ الشَّیْطَانَ واوقظ الوَسْنَانَ" پھر جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرتِ صدیقِ اکبرؓ سے فرمایا کہ "آپ تھوڑا سا اپنی آواز کو اور اونچا کر دو"۔ اور حضرتِ عمرؓ سے فرمایا کہ "آپ تھوڑا سا اپنی آواز کو پست کر دو" (المراغی، ابن کثیر وغیرہ) بہر کیف اس سے توسط واعتدال کی تعلیم دی گئی ہے۔

۲۰۵ رب کی حمد وثناء اور اُسی کی تعظیم وتکبیر کی تعلیم وتلقین:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کہو سب تعریف اور حمد وثنا اللہ تعالیٰ ہی کی ہے" کہ وہی وحدہ لاشریک اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور رب ہے۔ اور اسی کی بڑائی بیان کرو کمال درجے کی بڑائی۔ یعنی مصدر یہاں پر تاکید کیلئے ہے۔ اور اپنے رب کی یہ بڑائی، قول واقرار، اعلان واظہار اور اطاعت وبندگی ہر طرح سے کرو کہ بڑائی کا حقدار وسزاوار وہی وحدہ لاشریک ہے۔ وہ ہر نقص وعیب اور ہر شائبہ شرک سے پاک اور ہر خوبی وکمال سے موصوف ومتصف ہے۔ اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم ومتصرف ہے اور اس کائنات میں جو بھی کوئی خوبی و کمال ہے وہ سب اسی وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ واٰخرد عوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین.

☆☆☆

☆--- ۸ صفر ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۹۰ء بروز بدھ ساڑھے چھ بجے شام، بوقت اذان مغرب، منطقہ ام ہریر دبی متحدہ عرب امارات۔ والحمدُ لِلّٰہ ربِّ العالمین الذی شَرَّفَنِیُ بخدمة کتابه العزیز،

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ (دوسری مرتبہ) ۶ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ ۱۲ مارچ ۲۰۰۰ء بروز جمعرات بوقت چار بجے صبح (وقت سحر) سطوہ، دبی متحدہ عرب امارات والحمد للہ رب العالمین۔ الذی لاتتمُّ الصالحات الا بتوفیقٍ منه سبحانه تعالیٰ۔

☆--- نظر ثانی ۸ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۹۷ء بروز پیر، بوقت ساڑھے چھ بجے صبح سطوہ دبی والحمد للہ رب العالمین۔ الذی بیده ازمة التوفیق والهدایة، والرحمة والعنایة، جل وعلا فایاه نسالُ المزید،

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ (تیسری مرتبہ) ۲ صفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۶ اپریل ۲۰۰۱ بروز جمعرات بوقت چار بجے صبح (وقت سحر) سطوہ، دبی متحدہ عرب امارات۔ والحمد لله رب العالمین، الذی منه الصدق والصواب والیه المرجع والماٰب. وهو الهادی الی سواءِ الصّراط، سبحانهٗ وتعالیٰ۔

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ (چوتھی اور آخری مرتبہ) اور آخری ریڈنگ ۱۱۔ رجب ۱۴۲۳ ہجری بمطابق ۱۷ ستمبر ۲۰۰۲ء بروز منگل بوقت سوا بارہ بجے شب، سطوہ، دبی، والحمد للہ رب العالمین۔ الذی له الحمد فی الاولی والأخرة فعلیه نتوکّل و بهٖ نستعین فی کُلّ اٰنٍ وَّ حِین.

آیاتها ۱۱۰ — ۱۸ سُورَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ۶۹ — رکوعاتها ۱۲

سورۃ الکھف مکی ہے اور اسکی ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے (پاک) نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان، نہایت ہی رحم فرمانے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ

سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے اتارا اپنے بندۂ خاص پر اس (عظیم الشان) کتاب کو ف۱ اور اس میں اس نے کسی طرح کی

يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ

کوئی کجی (اور ٹیڑھ) نہیں رکھی ف۲ ٹھیک ٹھیک سیدھی بات کہنے والی ف۳ تاکہ وہ خبردار کرے (لوگوں کو) اپنی طرف سے ہونے والے

لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ

ایک بڑے ہی سخت عذاب سے، اور تاکہ خوشخبری دے ان ایمانوں والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں

اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳ وَّ

کہ ان کے لئے ایک بہت بڑا اجر ہے، ف۴ جس میں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا، اور

۱ نعمتِ قرآن اور اُس کی عظمتِ شان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ سب تعریفیں اس اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے پر اس کتاب کو نازل فرمایا۔ یعنی قرآن حکیم کو جو کہ ایک ایسی کامل اور بے مثال کتاب ہے۔ جس کے مقابلے میں کوئی بھی کتاب درحقیقت کتاب کہلانے کا حق ہی نہیں رکھتی اور یہ ایسی عظیم الشان اور بے مثال نعمت ہے۔ جس کے مقابلے میں اور کوئی نعمت نعمت ہی نہیں کہ یہ انسان کو طرح طرح کی گمراہیوں کے اتھاہ اندھیروں سے نکال کر ایمان و ہدایت کی روشنی اور عظیم دولت سے نوازتی اور سرفراز کرتی ہے اور اس کو دارین کی سعادتوں اور حقیقی کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ پس ہر طرح کی تعریف اور حمد و ثناء اسی ذات وحدہ لاشریک کیلئے ہے جس نے اپنے بندوں کیلئے اس عظیم الشان کتابِ ہدایت اور بے مثال نعمت کو اپنے فضل و کرم سے اتارا تا کہ وہ دارین کی سعادت اور حقیقی فوز و فلاح سے سرفراز ہو سکیں۔ سو اس نعمتِ عظمیٰ اور منتِ کبریٰ کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ بندے دل و جان سے اس کو اپنائیں اور صدقِ دل سے اسکے حضور جھک جائیں۔ اور زندگی بھر اور اسکے ہر موڑ پر اسکے حضور جھکے ہی رہیں کہ اسی میں ان کا بھلا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی مایحب ویرید۔

۲ قرآن حکیم میں کسی طرح کی کوئی کجی نہیں: سو اس کے اس امر کی تصریح فرما دی گئی کہ نہ اس کے الفاظ و کلمات میں اور نہ ان کے معانی و مدلولات اور اسکے مفاہیم و مطالب میں۔ بلکہ یہ کتابِ حکیم اپنے ظاہر و باطن ہر اعتبار سے محکم اور اپنے معانی و مطالب کے لحاظ سے ظاہر و بَیّن ہے۔ سو جو اس میں کسی طرح کی کجی اور ٹیڑھ تلاش کریں گے یہ خود ان کے اپنے زیغ و ضلال اور عوج و انحراف کا ثبوت ہوگا اور اس طرح اس نعمتِ بے مثال کی بے قدری اور ناشکری کا ارتکاب کر کے ایسے لوگ خود اپنی محرومی کا سامان کریں گے اور دارین کے خسارہ میں مبتلا ہونگے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم. سو اس کی زبان عربی مبین ہے اور اس کی راہنمائی اس صراطِ مستقیم کی طرف ہے جو عقل سلیم اور فطرت مستقیم کا تقاضا ہے اور جس کے دلائل اس کائنات میں چہار سُو پھیلے بکھرے ہیں۔ اور جو انسان کی سعادتِ دارین سے سرفراز کرنے والی واحد راہ ہے۔

۳ قَیِّم کا معنی و مطلب؟:۔ قیم کے معنی ہیں سیدھی و مستقیم اور قائم و باقی رکھنے والی۔ سو یہ کتابِ حکیم صحیح، درست اور مستقیم تعلیمات کی حامل اور بندوں کو دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور کرنے والی کتاب ہے۔ نیز یہ بندوں کیلئے دنیا و آخرت کے فوائد و مصالح کو بیان کرنے والی اور سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کی حامل اور جامع اور ان کی امین و پاسدار کتاب ہے۔ (فتح القدیر، محاسن التاویل اور صفوۃ البیان وغیرہ) سو گزشتہ آسمانی کتابوں کی جن تعلیمات کو مسخ کر کے اور بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیا گیا تھا اس کتابِ حکیم نے ان کے اس اعوجاج اور ٹیڑھے پن کو دور کر کے اور ان کی اصل اور حقیقی تعلیمات کو ان کے اصل اور حقیقی رنگ میں نکھار کر پیش کیا اور ان کو ہمیشہ ہمیش محفوظ کر لیا۔ سو یہ اس کتابِ حکیم کا سابقہ کتابوں ان کے ماننے والوں اور پوری دنیا پر وہ احسانِ عظیم ہے جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال ممکن ہی نہیں۔ اسی لئے اس کی ایک کیفیت ہے مہیمن یعنی یہ گزشتہ تمام آسمانی کتابوں کے اصل اور حقیقی احکام و مضامین کو سمیٹ کر اپنے اندر محفوظ کرنے والی واحد کتابِ مبین ہے۔

۴ اس کتابِ حکیم کے دو بنیادی مقصد اِنذار اور تبشیر:۔ یعنی اس کتابِ حکیم کے اصل اور بنیادی مقصد دو ہیں۔ ایک انذار یعنی خبردار کرنا۔ یہ ان لوگوں کیلئے ہے جو اس کی تعلیماتِ مقدسہ سے منہ موڑیں اور اس کی تکذیب اور کفر و انکار سے کام لیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ. سو یہ ان کو خبردار کرتی ہے کہ وہ اپنی اس روش سے باز آ جائیں ورنہ ان کیلئے ایک بڑا ہی سخت اور ہولناک عذاب تیار ہے ان کے رب کی طرف سے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم. اور دوسرا بنیادی مقصد اس کتابِ حکیم کا یہ ہے کہ یہ خوشخبری سناتی ہے ان پاکیزہ اور خوش نصیب انسانوں کیلئے جو صدقِ دل سے اس پر ایمان لائیں گے اور اس کی ہدایات و تعلیمات کے مطابق وہ نیک عمل بھی کریں گے کہ ان کیلئے ایک بڑا ہی عظیم الشان اجر ہے۔ یعنی جنت کی سدا بہار نعمتیں جن میں انکو ہمیشہ ہمیش رہنا نصیب ہوگا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین! سو یہ کتابِ حکیم منکرین و مکذبین کو ان کے ہولناک انجام سے خبرداری کرتی ہے۔ تاکہ وہ باز آ جائیں اور اپنی روش کی اصلاح کر لیں قبل اس سے کہ فرصتِ حیات ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ کے خسارے میں مبتلاء ہونا پڑے۔ اور دوسری طرف یہ کتابِ حکیم ان سچے اہلِ ایمان کو سعادتِ دارین کی خوشخبری سناتی ہے جو اس پر ایمان لا کر صدقِ دل سے اس کی تعلیمات کو اپناتے ہیں۔

يُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ

تا کہ (خاص طور پر) وہ خبردار کرے ان لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ اللہ کی کوئی اولاد ہے، ۵ (حالانکہ) ان کے پاس

مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ

اس کا کوئی علم نہیں، نہ ان کے پاس ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادا کے پاس تھا ۶ بڑی ہی بھاری بات ہے یہ جو ان لوگوں کے

۵ مشرکوں کیلئے بطورِ خاص انذار:- سو ارشاد فرمایا گیا اور خاص کر اس میں انذار ہے ان لوگوں کیلئے جنہوں نے کہا خدا کی اولاد ہے۔ خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں۔ جنہوں نے حضرتِ عزیر اور حضرتِ عیسیٰ کو خداوند تعالیٰ کی اولاد قرار دیا یا مشرکینِ عرب وغیرہ جنہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا۔ یا وہ کلمہ گو مشرک جنہوں نے اپنے خود ساختہ فلسفوں، من گھڑت مفروضوں اور ڈھکوسلوں کی بناء پر اللہ کے کچھ بندوں کو خدائی حقوق و اختیار میں شریک قرار دیا اور ان کو خدا کے لاڈلے اور محبوب کہہ کر اور ان کو حاجت روا و مشکل کشا مان کر پوجنا پکارنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغۃ (ج ا۔۴۴) میں اس کی تشریح و تفصیل بیان فرمائی ہے۔ **والعیاذ باللّٰہ العظیم.** سو یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے کہ پہلے عام لوگوں کے بارے میں انذار کا ذکر فرمایا گیا اور اس کے بعد یہ خاص انذار ان لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ماننے کے جرم کا ارتکاب کیا کہ یہ جرم بطورِ خاص زیادہ سنگین اور انتہائی ہولناک جرم ہے اور اتنا سنگین اور اس قدر ہولناک کہ اس سے آسمان پھٹ پڑے۔ زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں آیت نمبر ۸۸ سے آیت نمبر ۹۲ تک میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبہ سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا ارحم الراحمین۔

۶ نورِ علم وہدایت سے محرومی ہلاکتوں کی ہلاکت۔ والعیاذ باللّٰہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ایسی بڑی بات کہتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس بارے نہ کوئی علم ہے نہ دلیل۔ اور اللہ پاک کا جب کوئی شریک یا اس کی کسی طرح کی کوئی اولاد ہے ہی نہیں تو پھر اس کیلئے کوئی علم یا کوئی دلیل و برہان ہو ہی کیسے سکتی ہے؟ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ الآية (المومنون: ۱۱۷) سو اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی اولاد تجویز کرنا یا اسکے کوئی شریک ماننا بڑا ہی سنگین اور ہولناک جرم ہے، والعیاذ باللہ العظیم. مگر یہ لوگ ہیں کہ اپنی جہالت کی بناء پر اتنی بڑی حماقت اور اس قدر ہولناک جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سو نورِ علم و ہدایت سے محروم محرومیوں کی محرومی اور باعث ہلاکت و تباہی ہے کہ اسکے بعد انسان طرح طرح کے ہولناک اندھیروں میں ڈوب کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ

مونہوں سے نکلتی ہے، یہ لوگ بالکل ہی نرا جھوٹ بک رہے ہیں ۝ تو کیا آپ (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے

نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ

پیچھے غم کے مارے اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے؟ اگر یہ لوگ اس کلام (معجز نظام) پر ایمان

اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا

نہیں لائے؟ ۸ بے شک ہم نے اس سب کچھ کو جو کہ اس زمین پر موجود ہے اس کے لئے اس کی زینت کا سامان بنایا ہے،

لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا

تا کہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے، ۹ اور بلاشبہ ہم نے وہ سب کچھ جو کہ اس (زمین) پر

عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ

ہے (ایک دن بالکل مٹا کر) اسے ایک چٹیل میدان بنا دینا ہے، ۱۰ کیا تم نے (اے مخاطب) یہ سمجھ رکھا ہے کہ غار

الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى

اور رقیم والے ہماری (قدرت کی) نشانیوں میں سے کچھ زیادہ تعجب کی چیز تھے؟ ۱۱ جب کہ ان ۱۲

۷ اللہ کیلئے اولاد تجویز کرنا بڑا ہولناک جرم، والعیاذ باللہ :- سو اس بارے ارشاد فرمایا گیا کہ بڑی ہی بھاری بات ہے جو ایسے لوگوں کے مونہوں سے نکلتی ہے۔ اتنی بڑی اور اس قدر بھاری کہ آسمان اس سے پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائیں اور پہاڑ گر پڑیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر اور کلمات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا (۸۹) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (۹۰) اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (۹۱) وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (۹۲) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (۹۳) (مریم ۸۸-۹۳) سو اللہ پاک سبحانہ وتعالیٰ ایسے تمام علائق اور تصورات سے پاک اور اعلیٰ وبالا ہے، اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کسی طرح کی کوئی اولاد، اسکی شان ہے، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. (الاخلاص: ۳-۴) یعنی نہ اسکی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے وہ ایسے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ وبالا ہے، سبحانہ تعالیٰ۔ سو اس کیلئے اولاد تجویز کرنا بڑا ہی سنگین جرم اور ہولناک جسارت وگستاخی ہے اور جب اس کی کوئی بیوی ہی ممکن نہیں تو پھر اس کی کوئی اولاد کس طرح ممکن ہو سکتی ہے؟ جیسا

کہ دوسرے مقام پرارشادفرمایا گیا۔ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدًا وَلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (الانعام:۱۰۲) لہٰذا اسے ویسا مانا جائے جیسا کہ وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا جیسا اسکے بارے میں اس کے رسول بتائیں جن کے پاس وحی آتی ہے۔ علیہ الصّلوٰۃ والسلام

۸ پیغمبر کی بے مثال شفقت ورحمت کا ایک نمونہ ومظہر:- سو آپ ﷺ کی بے مثال رحمت وشفقت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی تسکین کیلئے اللہ آپ کو فرماتے ہیں تو کیا آپ (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کو ہلاک کردیں گے؟ کہ یہ لوگ اس کلام حق پر ایمان نہیں لائے؟۔ اپنی اس بے پایاں رحمت وشفقت کی بناء پر جو کہ خلق خدا کے بارے میں آپ ﷺ کے قلب منور میں موجود وموجزن ہے، جس کی بناء پر آپ یہ تڑپ رکھتے ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ راہ حق وہدایت کو اپنا کر دوزخ کی آگ سے بچ جائیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۔(الشعراء:۳) نیز ارشاد فرمایا گیا فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (۸)(الفاطر:۸) نیز فرمایا گیا وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَکُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ. (النحل:۱۲۷) نیز سورۂ النمل کی آیت نمبر ۷۰ میں فرمایا گیا وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَکُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ (۷۰) سو اس طرح کی ان تمام آیات کریمہ میں حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپؐ ان لوگوں کے بارے میں اس قدر فکر وافسوس میں مبتلا نہ ہوں کہ راہ ہدایت پر لے آنا نہ آپؐ کے بس میں ہے، اور نہ ہی یہ آپ کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ فرمایا گیا لَیْسَ عَلَیْکَ هُدٰهُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ الآیة (البقرة:۲۷۲) بہر کیف ان آیات کریمہ سے ایک طرف تو اس رحمت وشفقت کا پتہ چلتا ہے جو حضرت امام الانبیاء علیہم السلام کو اپنی امت سے تھی، اور دوسری طرف اس حقیقت کا بھی کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے، وہ جس کو چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے نوازے، کہ وہی جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے، اور کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے، اور یہ کہ کس کے اندر طلب صادق پائی جاتی ہے، سو اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ عالم غیب ہوتے ہیں اور نہ ہی مختار کل، جس طرح کہ دور حاضر کے کچھ اہل زیغ وضلال کا کہنا اور ماننا ہے، والعیاذ باللہ من کل سوءٍ وانحرافٍ. بہر کیف، ان ارشادات عالیہ سے آنحضرت ﷺ کو یہ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کے پیچھے اپنے آپ کو اس طرح تکلیف میں نہ ڈالیں کہ آپ کا کام حق کو منوا لینا نہیں، بلکہ آپ کا کام صرف تبلیغ وانذار ہے اور بس، اور وہ آپ کر چکے، اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ اس کے بعد جو مانیں گے وہ اپنا ہی بھلا کریں گے اور جو اعراض وانکار اور کفر وتکذیب سے کام لیں گے وہ اپنی ہی محرومی اور ہلاکت وتباہی کا سامان کریں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم.

۹ متاعِ دنیا ذریعۂ آزمائش وابتلاء والعیاذ باللہ العظیم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ زمین پر موجود سب سامان ذریعہ ابتلاء وآزمائش ہے۔ تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ کون اس دنیا کی اس چکا چوند اور اس کی چمک دمک میں کھو کر اپنے خالق ومالک کو، اپنی زندگی کے مقصد، اور اپنے انجام کو بھول جاتا ہے، والعیاذ باللہ. اور کون اس کارخانہ ہست وبود کے پیچھے کارفرما اصل حقیقت کو پا کر صحیح راہ حق وہدایت پر آجاتا ہے، اور وہ وحی کی تعلیمات حقہ کی روشنی میں اپنی خالق ومالک حقیقی

کو پہچان لیتا ہے، اور اس کے احکام وفرامین کے مطابق زندگی کی راہیں سنوارتا اور اپنی دنیا وآخرت بناتا ہے، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید. وھو الھادی اِلٰی سواءِ السَّبِیْلُ سو یہ دنیا اور اسکی یہ ساری چمک دمک اور زیب وزینت ابتلاء وآزمائش کا سامان ہے اور ظاہر ہے کہ امتحان میں شریک ہونے والے سب ہی لوگ کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ لہٰذا آپؐ اے پیغمبران پر اس طرح غم نہ کھائیں، بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ جس میں یہ دیکھا جارہا ہے کہ کون اپنی عقل وتمیز سے کام لے کر آخرت کا طالب بنتا ہے اور کون خواہشات کے پیچھے لگ کر اسی دنیا کا پرستار بن کر رہ جاتا ہے اور اسی امتحان کے تقاضے کے بنا پر دنیا کے چہرے پر حُسن وزیبائی کا ایک پُرفریب غازہ مل دیا گیا ہے۔ اس کے مال واولاد اسکے کھیتوں کھلیانوں اسکے باغوں چمنوں اسکی کاروں کوٹھیوں اسکے محلوں ایوانوں اور اس کی صدارتوں وزارتوں میں بڑی کشش اور دلفریبی ہے۔ اسکی لذتیں نقد اور فوری ہیں اور اسکی تلخیاں اور ضرر رسانیاں پس پردہ اور آجل ہیں جبکہ اسکے مقابلے میں آخرت کی کامرانیاں ادھار اور پس پردہ ہیں اور اس کے طالبوں کو اس کی خاطر بے شمار اور طرح طرح کی مشکلات اور مصیبتیں اسی دنیا میں اور نقدا نقد جھیلنی پڑتی ہیں۔ سو یہ امتحان بڑا سخت اور نہایت کڑا امتحان ہے۔ اس میں پورا اترنا ہر کسی کا کام نہیں۔ اس کے لئے پختہ ایمان ویقین بڑے حوصلے اور صبر واستقامت عزم واستقلال اور اس سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی خاص توفیق وعنایت کی ضرورت ہے وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ.

۱۰ دنیا کا انجام فنا وزوال:- سو ارشاد فرمایا گیا اور یقیناً ہم نے اسکو پھر ایک چٹیل میدان بنا دینا ہے۔ تب اس کی یہ سب زیب وزینت اور چہل پہل ختم ہو جائے گی کہ یہ سب کچھ بہرحال فانی ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامُ تو پھر ایسی فانی اور عارضی چمک دمک پر لٹو ہو کر اپنی حقیقت اور اپنے انجام سے غافل ہو جانا کسی بھی عقل مند کو کیسے زیب دے سکتا ہے؟ سو اس دنیائے فانی کی اس چمک دمک پر لٹو اور فریفتہ ہو کر آخرت کو فراموش کر دینا حماقت بھی ہے اور بڑے ہی خسارے کا سودا بھی کہ یہ بہرحال فانی ہے۔ اور اس نے بہرحال آخر کار مٹ کر رہنا ہے۔

۱۱ رقیم کا معنی ومطلب؟:- رقیم کے بارے میں علماء کرام کے کئی اقوال ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد وہ تختی ہے جس میں اصحاب کہف کے نام کندہ تھے (ابن کثیر، فتح القدیر، زادالمسیر وغیرہ) سو رقیم اصل میں رقم سے ماخوذ ہے جسکے معنی لکھنے کے ہوتے ہیں اور ان لوگوں نے چونکہ ان کے نام ایک تختی میں کندا کرا کر اسکو اس غار کے دروازے پر آویزاں کر دیا تھا، اس لئے ان کو اصحاب رقیم یعنی تختی والے بھی کہا گیا ہے اور اصحاب کہف بھی، (المعارف، المراغی وغیرہ) اور بعض حضرات اہل علم کے نزدیک رقیم اسی بستی کا نام ہے۔ جس سے نکل کر اصحاب کہف نے اس غار میں پناہ لی تھی۔ یہ قول عکرمہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

۱۲ یہ کائنات عجائب سے بھری پڑی ہے:- اس میں صرف اصحاب کہف کا قصہ ہی کوئی عجیب قصہ نہیں سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اصحاب کہف کا قصہ ہماری نشانیوں میں کوئی زیادہ عجیب چیز ہے: یعنی ایسے نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ ہماری یہ وسیع وعریض کائنات ایسے عجائب سے بھری پڑی ہے، جو اصحاب کہف کے اس قصے سے بھی کہیں بڑھ کر عجیب وغریب ہیں، کیا یہ کرہ ارضی جس پر یہ انسان رہتا بستا ہے اور جو ہزار میل فی گھنٹہ کے حساب سے محو گردش ہے، اور یہ سورج اور چاند کے عظیم الشان کرّے جو اسی طرح نہایت پابندی کے ساتھ رواں دواں ہیں، کیا یہ ہماری قدرت کی کوئی کم تعجب خیز نشانیاں ہیں؟ خطاب اگرچہ حضورؐ سے ہے لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے۔ (المراغی وغیرہ)

الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ

چند نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی، ۱۳ اور انہوں نے دعاء کی کہ اے ہمارے رب، ہمیں نواز دے اپنی خاص

رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا

رحمت سے، اور ہمارے لئے ہمارے معاملے میں درستی کا سامان مہیا فرما دے، سو ہم نے

عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ

ان کے کانوں پر تھپکی دے کر ان کو اسی غار میں سلا دیا برسہا برس کے لئے، ۱۴ پھر

بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا

ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم دیکھیں کہ ان کے دونوں گروہوں میں سے کون اس مدت کو زیادہ ٹھیک بتا تا ہے جو انہوں نے

۱۳ اصحاب کہف کے قصے کا خلاصہ واجمال:- سو ارشاد فرمایا گیا جبکہ ان چند نوجوانوں نے جا کر غار میں پناہ لی: اپنے دین وایمان کو بچانے کیلئے، اپنے وقت کے جابر وظالم حکمران سے بھاگ کر اور اس طرح انہوں نے اپنے عمل و کردار سے دنیا کو یہ درس دیا کہ اپنے دین وایمان کی دولت کو بچانا سب سے اہم اور جملہ تقاضوں پر مقدم ہے، اس لئے اسکی خاطر اگر اپنے گھر بار، اور قوم قبیلہ کو بھی چھوڑنا پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کرو خواہ اس کیلئے آبادی کو چھوڑ کر کسی غار ہی میں پناہ لینی پڑے، اور پھر انہوں نے غار میں پناہ لینے ہی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی جو کہ مومن کا اصل ہتھیار ہے۔ سو اس سے انہوں نے واضح کر دیا کہ ان کے اندر صرف جوانی کا جوش ہی نہیں تھا بلکہ اللہ کی بخشی ہوئی حکمت و فراست کا نور بھی تھا جس کی بناء پر انہوں نے اپنے مقدور کی حد تک اسباب بھی اختیار کیے اور دعا کا سہارا بھی لیا۔ اور یہی شان ہے مومن صادق کی اور یہی طریقہ ہے اسباب اور توکل کے درمیان توازن کا۔ بہر کیف اس سے اس قصے کا اجمال و خلاصہ پیش فرمایا دیا گیا۔ آگے اس کی پوری تفصیل آرہی ہے۔ اور اجمال کے بعد تفصیل کا یہ طریقہ اوقع فی النفس ہے۔

۱۴ اصحاب کہف کیلئے قدرت کی غیبی امداد کا ایک نمونہ ومنظر:- سو اس سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اصحاب کہف کی حفاظت کیلئے قدرت کیطرف سے خاص انتظام فرما دیا گیا، چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کے کانوں پر تھپکی دے کر ان کو برسہا برس تک اسی غار میں سلا دیا، تا کہ زمانہ دراز کی ان کی اس نیند میں کوئی آواز وغیرہ خلل انداز نہ ہو سکے، اور وہ سکون اور آرام سے وہاں رہ سکیں، سو اس سے دنیا کو یہ عظیم درس دیا گیا کہ جو کوئی صدق دل سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اسکی راہ میں نکلتا ہے، اور اسکی رضا کیلئے اور اسکے دین کی خاطر تکلیف اٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نصرت و امداد کیلئے اسی طرح غیب سے اسباب پیدا کرتا اور وسائل مہیا فرماتا ہے، سبحانہ وتعالیٰ بشرطیکہ اس سے تعلق صحیح اور اس پر توکل واعتماد پختہ اور مضبوط ہو، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

أَمَدًا ﴿١٢﴾ ع نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ

وہاں گزاری تھی، ۱۴ (اس اجمالی تذکرے کے بعد اب) ہم آپ کو ان کا قصہ ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں، وہ چند نوجوان تھے

فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾ وَرَبَطْنَا

جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے ان کو ہدایت میں اور ترقی بخش دی تھی ۱۵ اور ہم نے اس وقت ان کے دل

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ

مضبوط کر دیئے ۱۶ جب کہ انہوں نے (آپس میں یا بادشاہِ وقت کے سامنے) کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دیا ۱۷ کہ ہمارا رب تو

وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا ۖ لَّقَدْ قُلْنَا

وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا اور کسی بھی معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے ۱۸ ورنہ ہم یقیناً ایک بڑی

إِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾ هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ

ہی بے جا بات کا ارتکاب کریں گے، یہ جو ہماری قوم ہے انہوں نے اس (وحدہٗ لاشریک) کے سوا طرح طرح کے معبود

آلِهَةً ۖ لَّوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ

بنا رکھے ہیں، یہ لوگ کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی واضح دلیل ۱۹ سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ

۱۵ اہل ایمان کیلئے ہدایت میں اضافے کا ذکر و بیان:- چنانچہ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کی ہدایت میں اور ترقی دے دی تھی تاکہ وہ راہ حق میں صبر و استقامت سے کام لے سکیں۔ سو انکی قوت ایمانی میں اضافہ کیا گیا۔ انکے اخلاص و استقامت اور صفاء باطن کی بناء پر، جس کے نتیجے میں ان کو راہ حق و ہدایت میں ثابت قدمی نصیب ہوئی، صحیح فیصلہ کرنے اور عمل صالح، اور صحیح راہ کو اپنانے کی توفیق ملی اور زہد فی الدنیا سے مشرف ہوئے اور سب سے کٹ کر ایک اللہ کے بن جانے کی سعادت سے سرفراز ہوئے، سو اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو اپنی عنایات سے اسی طرح نوازتا ہے، کہ اس کی شان ہی نوازنا ہے اور مسلسل ولگاتار اور ہمیشہ نوازنا ہے، سبحانہ وتعالیٰ بہرکیف اصحاب کہف کو ان کے صدق واخلاص کے نتیجے میں ایمان ویقین اور ہدایت وبصیرت میں اضافے اور افزونی سے نوازا گیا اور فِتْيَةٌ کے لفظ سے اس حقیقت کو بھی واضح فرما دیا گیا کہ راہ حق کے سلسلے میں نوجوانوں کو انکے سرگزشت سے سبق لینا چاہیے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۶ اصحاب کہف کیلئے قدرت کی طرف سے دلوں کی مضبوطی کا انتظام:- سو ارشاد فرمایا گیا اور ہم نے مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو تاکہ وہ حق پر پکے اور ثابت قدم رہیں، اور اس طرح ان کے دل نور ایمان ویقین سے منور ہو گئے اور ان

کے قلوب و بواطن اس سے مطمئن ہو گئے کہ حق و ہدایت کی جس راہ کو انہوں نے اپنایا ہے وہی حق وصواب ہے اور اس کیلئے انہوں نے جو بھی قربانی دی وہ عظیم الشان سعادت ہے، سو جب وہ اللہ کی راہ میں اور اس کی توحید کی خاطر اور اسکی رضا کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت و دستور کے مطابق انکے دلوں کو قوت و عزیمت بخشی اور ان کو مضبوط کر دیا۔ جس سے وہ راہِ حق پر ثابت قدم رہے۔ والحمد للہ جلّ وعلا بکُلِّ حالٍ مِّن الاحوال،

۱۷ اصحابِ کہف کے اعلان توحید کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب انہوں نے کھڑے ہو کر توحید کا اعلان کر دیا بغیر کسی خوف اور ڈر کے، اپنی ایمانی قوت کی بناء پر حالانکہ کفر و شرک اور ظلم و جبر کے اس دور میں جبکہ ہر چہار سو اندھیرے ہی اندھیرے تھے، توحید خداوندی کا اس طرح برملا اظہار و اعلان کر دینا کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ یہ جان جوکھوں میں ڈالنے اور موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، لیکن جب ایمان و یقین راسخ ہو جاتا ہے اور نور ایمان سے دلوں کی دنیا منور ہو جاتی ہے تو پھر انسان کو نہ کسی کا کوئی خوف و ڈر ہوتا ہے اور نہ کسی کی کوئی پرواہ، سبحان اللہ کیسی عظیم الشان و انقلاب آفریں قوت ہے یہ ایمان و یقین کی قوت، جو انسان کو اس طرح بدل دیتی ہے اور اس کو کچھ کا کچھ بنا دیتی ہے۔ اور کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ سو انہوں نے کہا ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کی اس ساری کائنات کا رب ہے۔ اس کے سوا ہم اور کسی بھی معبود کو کبھی بھی اور کسی بھی قیمت پر نہیں پکاریں گے۔ اور اگر خدانخواستہ ہم نے کبھی ایسے کر لیا تو یقیناً ہم بڑی بے جا اور حق سے ہٹی ہوئی بات کا ارتکاب کریں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم.

۱۸ معبود برحق اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے:۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ ہم معبود برحق (اللہ وحدہ لاشریک) کے سوا کسی کو بھی نہیں پکاریں گے، اپنی عبادت بندگی میں، اور اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے، کہ اس وحدہ لاشریک کے سوا نہ کوئی معبود ہے، اور نہ حاجت روا و مشکل کشا، سبحانہ وتعالیٰ عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہ لاشریک کا حق و اسی کا اختصاص ہے، اور جو اسکے سوا اوروں کو پوجتے پکارتے اور ان کو حاجت روا و مشکل کشا جانتے مانتے ہیں وہ شرک اور ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں، والعیاذ باللہ . اس لئے عقیدۂ توحید سے سرشاران مخلصوں اصحاب کہف نے کہا کہ ہم اس وحدہ لاشریک کے سوا اور کسی کو بھی کسی بھی قیمت پر نہیں پکاریں گے۔ کہ معبودِ برحق بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔

۱۹ مشرکوں سے دلیل کا مطالبہ:۔ سو انہوں نے کہا یہ لوگ اپنے خود ساختہ معبودوں کیلئے کوئی دلیل کیوں نہیں لاتے؟ جس سے ان کے دعوے کی تصدیق ہو سکے اور جب یہ اس کیلئے کوئی دلیل نہیں لا سکتے تو پھر انہوں نے ایسے خود ساختہ معبود آخر کیوں گھڑ رکھے ہیں؟ اور انکی پوجا یہ لوگ کیوں کرتے ہیں؟ تو پھر اور ایسوں سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟ جو معبود برحق یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے سوا ایسے خود ساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ کرے، اور انکو حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے پکارے، اور جب ان لوگوں کے پاس ان کے ان معبودان باطلہ کیلئے نہ کوئی دلیل ہے نہ ہو سکتی ہے تو پھر یہ لوگ ان کی پوجا پاٹ کر کے اپنی تذلیل و تحقیر اور ہلاکت و بربادی کا سامان کیوں کرتے ہیں۔ اور غیروں کے آگے جھکنے کی ذلت کیوں اٹھاتے ہیں؟ مگر شرک سے جب کسی کی مَت ماری جاتی ہے تو اس کا حال یہی ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم.

اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ﴿۱۵﴾ وَاِذِ

پر جھوٹ باندھے؟ اور اب جب کہ تم الگ ہو گئے ف۲۰ ہو ان سے بھی، اور ان کے ان (باطل) معبودوں سے بھی،

اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡكَهۡفِ

جن کو یہ لوگ پوجتے (اور پکارتے) ہیں اللہ کے سوا، تو اب تم (سیدھے) چل کر پناہ لے لو فلاں غار میں، ف۲۱

يَنۡشُرۡ لَكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَيُهَيِّئۡ لَكُمۡ مِّنۡ

تمہارا رب پھیلا دے گا تم پر اپنی رحمت (کی چادر،) اور مہیا فرما دے گا تمہارے معاملے میں آسانی

اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ

(اور کامیابی) کا سامان، ف۲۲ اور تم (اگر انہیں غار میں دیکھتے تو) سورج کو دیکھتے کہ جب وہ نکلتا ہے

عَنۡ كَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَاِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ

تو کنی کترا جاتا ہے ان کے غار سے داہنی طرف کو اور جب ڈوبتا ہے تو ان کی بائیں جانب سے کنی کتراتا ہوا

ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمۡ فِىۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ

گزر جاتا ہے ف۲۳، جب کہ وہ اس غار کے اندر ایک کھلی جگہ میں پڑے تھے، ف۲۴ یہ

۲۰ اہلِ کفر و شرک سے علیحدگی کا اعلان:۔ سو انہوں نے آپس میں کہا کہ اب جبکہ تم ان لوگوں سے الگ ہو گئے ہو ذہنی اور فکری طور پر۔ اپنے عقیدہ و ایمان کی بناء پر، اور اپنے دین و ایمان کا برملا اظہار و اعلان کر کے، اور تمہارا ان لوگوں سے کوئی رشتہ اور تعلق باقی نہیں رہ گیا، کہ تم ایمان و یقین اور توحید والے اور یہ کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں، تو اب تم ظاہری اور جسمانی طور پر اور جگہ اور مکان کے اعتبار سے بھی ان سے الگ ہو جاؤ کہ اب ایسے لوگوں کے ساتھ رہنا اور ان سے خلط ملط رکھنا جائز نہیں جس سے ہمارے دین و ایمان کی دولت کو خطرہ ہو کیونکہ دین و ایمان کی حفاظت سب سے اہم اور سب پر مقدم ہے۔

۲۱ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی فکر و کوشش کا درس:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اب تم سیدھے چل کر فلاں غار میں پناہ لے لو۔ جس کو انہوں نے اس غرض کیلئے طے کر لیا تھا، تاکہ جس طرح تم ان سے اپنے دین و ایمان کے اعتبار سے الگ ہو گئے ہو، اسی طرح اپنے ابدان و اجسام کے لحاظ سے، اور اپنی بود و باش کے اعتبار سے بھی ان سے الگ اور کنارہ کش ہو جاؤ، اور کفر و شرک کے مارے ان لوگوں سے تمہارا کوئی تعلق اور واسطہ باقی نہ

رہے، اور اس گندے ماحول اور اسکے اثرات سے تم الگ ہو جاؤ، سو اپنے اس عمل وقرار سے ان بندگان صدق وصفا نے دنیا کو یہ درس دیا کہ اپنے دین وایمان کی حفاظت کی فکر وکوشش لازم اور سب سے اہم اور مقدم ہے۔ اور اس غرض کیلئے اگر اپنے گھر بار قوم قبیلہ اور اعزہ واقارب کو چھوڑنا پڑے تو بھی چھوڑ دو اور اپنے بسے بسائے آرام دہ گھروں اور وہاں کے آرام وراحت کو قربان کر کے پہاڑوں اور غاروں میں رہنا پڑے تو بھی ایسا کرو کہ اصل چیز تو بہر حال دین وایمان ہی ہے جو کہ سب سے بڑی دولت ہے۔

۲۲ اللہ ہی پر بھروسہ واعتماد کا درس:- سو اس سے انہوں نے اپنے رب پر بھروسہ واعتماد اور اسی کی رحمت کی امید رکھنے کا درس دیتے ہوئے کہا کہ اور تمہارا رب تمہارے لئے رحمت اور آسانی کا سامان مہیا فرمادے گا۔ کہ وہ بڑا ہی کرم والا اور انتہائی مہربان بھی ہے، اور قادر مطلق بھی، پس تم اسی کے بھروسہ واعتماد پر اس مشرک معاشرے اور ان مشرک لوگوں سے الگ ہو کر فلاں غار میں پناہ لے لو، سو اس طرح ان بندگان صدق وصفا نے اپنے عمل وکردار سے دنیا کو یہ درس عظیم بھی دے دیا کہ بھروسہ واعتماد ہمیشہ اسی وحدہ لاشریک پر رکھا جائے کہ حاجت روا ومشکل کشا سب کا وہی وحدہ لاشریک ہے، اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں، مگر آج کا کلمہ گو مشرک ہے کہ وہ ایسے مشکل وقتوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت پر بھروسہ و اعتماد کرنے اور اس کی مشکل کشائی اور حاجت روائی پر یقین اور توکل کرنے کی بجائے کسی ایری غیری مخلوق اور کسی فرضی وہمی سرکار پر بھروسہ کرنے کا درس دیتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم.

۲۳ اللہ پر بھروسہ غیبی امداد سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ:- سو اس سے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسے اور اسی پر اعتماد کا درس دیا گیا ہے سو اس بھروسے اور اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا کہ غار میں انکے لئے قدرت کی طرف سے خاص انتظام فرمایا گیا کہ سورج اپنے طلوع وغروب میں ان سے کنی کتراتا ہوا گزر جاتا ہے اور اس طرح یہ نوجوان سورج کی تمازت وگرمی اور اس کے مضر اثرات سے محفوظ ومصون رہتے تھے، جو کہ قدرت کی عنایت کا ایک کھلا اور عظیم الشان مظہر تھا، سو اس سے یہ ظاہر اور واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ صدق دل سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انکو اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے اسی طرح نوازتا اور انکی غائبانہ مدد فرماتا ہے، سبحانہ و تعالیٰ، وباللہ التوفیق لمایحب ویرید.

۲۴ غار میں انکی حفاظت کا خاص قدرتی انتظام:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اس غار کے کھلے حصے میں پڑے تھے۔ سو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس غار کا دھانہ اس طرح واقع تھا کہ سورج جب طلوع ہوتا تو اس غار کے دائیں کو بچتا ہوا طلوع ہوتا اور جب ڈوبتا تو اس غار سے بائیں طرف کو کتراتا ہوا ڈوبتا جبکہ وہ اس غار کے ایک کھلے حصے میں محو آرام وراحت تھے۔ سو اس سے ان کو ہوا روشنی اور حرارت وغیرہ جو زندگی کی اہم ضروریات میں سے ہیں برابر پہنچتی رہیں۔ اور سورج کی حدت وتمازت کے مضر اثرات سے محفوظ رہیں۔ والحمد للہ جل وعلا۔ تاکہ اس طرح ان کو صاف اور تازہ ہوا، اور حسب ضرورت اس کی خنکی و برودت پہنچتی رہے، سو اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں اور اپنے پیاروں کو اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے اسی طرح نوازتا ہے، سبحانہ وتعالیٰ بس ضرورت اس امر کی ہے کہ بندے کا تعلق ظاہر وباطن ہر اعتبار سے اپنے خالق ومالک کے ساتھ صحیح رہے۔ وباللہ التوفیق۔

اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے، جسے اللہ ہدایت دے وہی ہے ہدایت پانے والا، ٢٥ اور جسے وہ گمراہ کر دے، ٢٦

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ ع وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا

تو تم اس کے لئے نہیں پاسکو گے کوئی حمایتی راہ دکھانے والا، ٢٧ اور تم (اگر دیکھتے تو) ان کو جاگتا ہوا خیال کرتے ٢٨

وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ

حالانکہ وہ سوئے پڑے تھے ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ دلواتے

الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ

رہتے تھے، ٢٩ اور ان کا کتا غار کے دھانے پر اپنے بازو پھیلائے بیٹھا تھا ٣٠ اگر تم کہیں جھانک کر

١٢٥ ہدایت کی دولت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں:- چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاسکتا ہے۔ اس کے صفاء باطن، طلب صادق، اور صدق نیت کی بناء پر، سو اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور عنایت کی بناء پر ایسے لوگ معجزات اور کرامات کو مانتے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھتے ہیں، اور وہ عدل وانصاف اور حق وصداقت پر مبنی صحیح راہ کو اپناتے ہیں اور معجزہ اور کرامت سب کچھ اسی وحدہ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہوتا ہے، اور وہ اپنی مشیئت اور مرضی کے مطابق جسکو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے نور حق وہدایت سے نوازتا ہے، معجزہ پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور وہ اسکی صداقت وحقانیت کا ثبوت اور اسکی دلیل ہوتا ہے، جبکہ کرامت بزرگ اور ولی کے ہاتھ پہ ظاہر ہوتی ہے اور یہ اسکے اکرام کی نشانی ہوتی ہے، (معارف وغیرہ) اللہ ہمیشہ راہ حق پر قائم رکھے۔ آمین!

١٢٦ اللہ تعالیٰ کے کسی کو گمراہ کرنے کا مطلب؟:- یعنی اللہ تعالیٰ کا قانون اور اسکی سنت ودستور یہ ہے کہ جب کوئی حق وہدایت کی طلب وتلاش سچے دل سے رکھتا ہے تو اس کو وہ دولت حق وہدایت سے نوازتا ہے اور جو اس سے منہ موڑتا اور اعراض کرتا ہے اس کو وہ محروم کر دیتا ہے۔ سو اسی کو فرمایا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کور باطنی، کج فہمی سوء اختیار اور بدنیتی کی وجہ سے، والعیاذ باللہ تو پھر ایسوں کو حق اور ہدایت کی دولت سے سرفرازی نصیب ہو تو کیسے اور کیونکر؟ اور نور حق وہدایت سے اسی محرومی کی بناء پر ایسے لوگ معجزہ اور کرامت کے بارے میں افراط وتفریط کی پگڈنڈیوں میں پڑ کر راہ حق وصواب سے محروم ہو جاتے ہیں، والعیاذ باللہ سو اسکے نتیجے میں کچھ تو معجزات اور کرامات کا سرے سے ہی انکار کر دیتے ہیں اور کچھ اسکے برعکس انہی معجزات و کرامات کی بناء پر اللہ کے ایسے نیک اور پاکیزہ بندوں کو خدا بنا دیتے ہیں، والعیاذ باللہ جل وعلا من کل زَیغٍ وَّضلال.

١٢٧ محروموں کے لئے ہدایت ممکن نہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کیلئے تم کوئی راہ دکھانے والا حمایتی نہ پاسکو

گے۔ جواسے ایمان ویقین کی دولت سے بہرہ ور کر سکے، پس اگر یہ کفار ومشرکین ایمان نہیں لاتے، تو آپ (اے پیغمبر!) اس پر غمگین نہ ہوں، کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا ایمان منظور ہی نہیں، کیونکہ انہوں نے اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اپنے باطن کو بگاڑ لیا ہے اور اپنی فطری استعداد کو ضائع کر دیا ہے، اور ایسا اور اس حد تک کہ اب یہ لوگ نورحق و ہدایت سے سرفرازی کے قابل ہی نہیں رہے، والعیاذ باللہ۔ بہرکیف اس سے واضح فرمایا گیا کہ جہاں تک نشانیوں کا تعلق ہے ان میں کوئی کمی نہیں۔ یہ پوری کائنات ان سے بھری پڑی ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر نشانی موجود ہے۔ لیکن نشانیوں سے صحیح طور پر فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جن کے باطن کا معاملہ درست ہوتا ہے اور وہ اللہ پاک کی توفیق سے سرشار ہوتے ہیں اور جو اس سے محروم ہوتے ہیں ان کیلئے پھر دوسرا کوئی ولی اور کارساز نہیں ہو سکتا

۲۸ اصحابِ کہف کی حفاظت کیلئے قدرت کی طرف سے خاص انتظام:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم ان (اصحاب کہف) کو دیکھتے تو ان کو جاگتا محسوس کرتے۔ کیونکہ ان کی آنکھیں جاگتے انسانوں کی طرح کھلی ہوئی تھیں، سو یہ بھی ان کی حفاظت کیلئے قدرتی انتظام تھا تاکہ اس طرح کوئی ان کے قریب نہ آسکے اور ان کے آرام میں خلل کا باعث نہ بن سکے، سو یہ اس خاص انتظام کا حصہ تھا جس سے قدرت کی طرف سے ان کو نوازا گیا تھا کہ اسکے باوجود کہ وہ اس غار میں محوِخواب تھے۔ صورتحال ایسی تھی کہ اگر اتفاق سے کوئی ان کو دیکھتا تو یہ گمان نہ کرتا کہ وہ سو رہے ہیں بلکہ وہ یہی سمجھتا کہ یہ جاگ رہے ہیں۔ پس کوئی ان کو سوتا اور بے خبر سمجھ کر ان کو نقصان پہنچانے جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

۲۹ اصحابِ کہف کی کروٹیں بدلنے کا انتظام بھی قدرت کی طرف سے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کی کروٹیں بھی ان کے دائیں بائیں ہم ہی بدلتے رہے تاکہ زمین ان کے جسموں کو کھا نہ سکے، سبحان اللہ جو اللہ کا ہو جائے اللہ کس کس طرح اسکو رحمتوں اور عنایتوں سے نوازتا ہے، سبحانہ تعالیٰ اللّٰھم فکن لنا واجعلنا لک وخذبنوا اصینا الٰی ماتحب وترضی من القول والعمل بکل حالٍ من الاحوال بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس طویل نیند کے دوران ان کو دائیں بائیں کروٹیں بھی ہم ہی دلاتے رہے، ورنہ اگر یہ حضرات اتنی طویل مدت تک ایک ہی کروٹ پر پڑے رہتے تو زمین ان کو کھا جاتی۔ سو جس طرح ماں اپنے چھوٹے بچے کی کروٹیں بدلتی رہتی ہے اس طرح قدرت ان کی کروٹیں بھی بدلتی رہی۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اس رب رحمٰن ورحیم کی شان رحمت کے۔

۳۰ اصحابِ کہف کی حفاظت ان کے کتے کے ذریعے:- سو ارشاد فرمایا گیا ان کا کتا اس غار کے دہانے پر اپنے بازو پھیلائے بیٹھا رہا جس سے وہ دیکھنے میں ایسا لگ رہا تھا کہ گویا کہ وہ ان کی حفاظت کر رہا ہو، سو یہ ایک مظہر ہے اسکی رحمت وعنایت کا جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے، سبحانہ وتعالیٰ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ کتا ان میں سے کسی کا شکاری کتا تھا اور اس کا نام مطمر تھا، کہتے ہیں کہ وہ کتا بھی بہشت میں جائے گا، (معارف از کاندھلویؒ) سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت بھی کیسی عظیم الشان چیز ہے کہ اس کی تاثیر سے کتا بھی جنت میں جانے کے لائق ہو گیا، حضرت شیخ سعدیؒ نے اسی کے متعلق فرمایا اور کیا خوب فرمایا، سگِ اصحاب کہف روزے چند پیئے نیگاں گرفت مردم شد، یعنی اصحاب کہف کا کتا بھی نیکوں کی صحبت کی بناء پر اس درجے کا ہو گیا۔

عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾ وَ

انہیں دیکھتے تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے، اور تم پر ان کی ایک دہشت چھا جاتی، ۳۱ اور

كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ

(جس عجیب طریقے سے ہم نے انہیں سلا دیا تھا) اسی طرح ہم نے انہیں اٹھا بٹھایا، تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے

مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ

سے پوچھ گچھ کریں ۳۲ (چنانچہ) ان میں سے ایک نے پوچھا کہ تم کتنی دیر اس حال میں رہے ہو؟ تو دوسروں نے جواب دیا

قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ

دن بھر، یا اس سے بھی کچھ کم ہی رہے ہوں گے ۳۳ پھر انہوں نے کہا (اس بحث سے کیا فائدہ؟) تمہارا رب ہی خوب جانتا

بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى

ہے کہ تم کتنا عرصہ رہے ہو۔ پس اب تم اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو تا کہ وہ (وہاں جا کر سب سے پہلے تو

طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا

یہ) دیکھے کہ سب سے پاکیزہ (اور ستھرا) کھانا ۳۴ کہاں ملتا ہے، پھر وہ وہاں سے تمہارے کھانے کو کچھ لے آئے، اور وہ بڑی خوش

يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ

اسلوبی سے کام لے کہ تمہارے بارے میں کسی کو خبر تک نہ ہونے پائے ۳۵ کیونکہ اگر کہیں ان لوگوں نے تم پر قابو پا لیا تو وہ تمہیں سنگسار

۳۱ قدرت کی طرف سے ان کے رعب و ہیبت کا سامان:- کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور اپنے کرم بے نہایت سے ان پر ہیبت و رعب کی گویا ایک ایسی چادر تان دی تھی جس سے کسی کو ان کو ہاتھ لگانا تو درکنار کسی کیلئے ان کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہ تھا، فسبحان اللّٰہ من قدرتہ وعنایتہ جل وعلا سو یہ انکی حفاظت کیلئے ایک عظیم الشان غیبی انتظام تھا جو قدرت کے دست غیب نے ان کیلئے کیا تھا، وللّٰہ الحمد و الشکر بِکُلِّ حالٍ مِّنَ الاحوال۔

۳۲ اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا:- اور اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے، جس سے بالآخر وہ خداوند قدوس کی قدرت کاملہ اور رحمت بے پایاں کے اس عظیم مظہر سے آگاہ ہو سکیں، اور اس سے ان کے ایمان میں مزید قوت آئے، یقین میں اور پختگی اور اضافہ نصیب ہو، اور وہ مزید از مزید اس کے اطاعت گزار اور شکر گزار بن کر اپنے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکیں، بہر کیف ان کو ہم نے انکی اس طویل اور معجزانہ نیند کے بعد زندہ کر کے اٹھایا اور اس طور پر

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف [illegible]

کہ نہ ان کے جسموں پر اس کا کوئی اثر اور نشان تھا، اور نہ ان کے کپڑے بوسیدہ ہوئے نہ ان کے بال بڑھے نہ ناخن، تا کہ اس طرح وہ ہماری قدرت کاملہ اور بعث بعد الموت کے نشان بن جائیں، بہر کیف اتنی طویل نیند کے بعد ہم نے ان کو اس طرح اٹھایا تا کہ وہ اس میں اس بارہ باہم سوال کریں اور پوچھیں تا کہ یہ عظیم الشان حقائق ان کے سامنے منکشف ہو جائیں اور اس طرح ان کا یہ سونا اور جاگنا دنیا کیلئے درسہائے عبرت وبصیرت کا ذریعہ بن جائے۔ والحمدُ للہ جَلّ وعلا۔

۳۳ اللہ کے ولی غیب داں نہیں ہوتے:۔ سو اس کے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے ولی نیند میں بھی نہیں جان سکتے کہ ان کے سونے کے بعد کیا کچھ ہوتا رہا ہے، تو پھر موت کے بعد کیسے جان سکتے ہیں؟ پس اس سے اہل بدعت کی شرکیہ خرافات سے چنی ہوئی پوری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر کسی کو شرک کے ہر طرح کے جراثیم سے بچائے آمین ثم آمین! سو یہاں پر دیکھئے کہ وہ حضرات صدیوں کی اس طویل اور عمیق نیند سے بیدار ہو کر جب آپس میں ایک دوسرے سے اس بارہ پوچھتے ہیں کہ تم اس حال میں کتنا عرصہ رہے ہو؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ، حالانکہ نصِ قرآنی کے مطابق تین سو سال سے بھی زیادہ عرصہ اس طرح رہے تھے اور جب ان کو اپنی نیند کے حال کا بھی پتہ نہیں، تو پھر موت کے بعد اس بارہ کیسے کچھ معلوم ہو سکتا ہے؟ سو اس سے اہل بدعت کی بہت سی شرکیات کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ والحمد لله جل وعلا بكل حال من الاحول و فى كُلّ مَوْطِنٍ مِنَ المواطن فى الحياة.

۳۴ پاکیزہ کھانے کی طلب وتلاش:۔ جو حلال وطیب ہو اور غیر اللہ کی نذر و نیاز وغیرہ اس میں شامل نہ ہو۔ کیونکہ وہاں ایسے عموماً ہوتا تھا، جیسا کہ روایت میں وارد ہے، اس لئے ان حضرات نے اس سے بچنے اور پرہیز کرنے کی اس طرح تاکید کی کہ اکل حلال کو تقویٰ و پرہیز گاری میں بنیادی اہمیت وحیثیت حاصل ہے، مگر افسوس کہ آج بزرگی کا دعویٰ کرنے والوں کے یہاں بھی اس کا کوئی پاس واحساس نہیں ہے الا ماشاء اللہ تعالیٰ، غیر اللہ کی نذر و نیاز کا کاروبار اپنے عروج پر ہے، مال جمع کرنا ہی ایسے لوگوں کا اصل مقصد بن گیا ہے۔ جس طرح بھی ہو حلال وحرام کی پرواہ تک نہیں، پھر جمع کردہ مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا کسی کو خیال تک نہیں، الا ماشاء اللہ ابھی کچھ ہی عرصہ قبل اخبارات میں یہ خبر چھپی تھیں کہ سندھ کی ایک درگاہ کے مجاوروں کے درمیان ان کے یہاں جمع شدہ اٹھائیس کلو سونے کی ملکیت اور اس کی تقسیم پر جھگڑا ہوا، دونوں گروپوں کے درمیان فائرنگ تک نوبت پہنچ گئی جس سے کچھ لوگ مر گئے اور کچھ زخمی ہو گئے، حالانکہ قرآن حکیم کی صحیح نصص کے مطابق جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے کل قیامت کے دن ان کے اس سونے چاندی کو پگھلا کر اس سے ان کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے، والعیاذ باللہ (سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۴ اور ۳۵)

۳۵ ولی غیب داں نہیں ہوتے:۔ یعنی تم میں سے کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اہل شہر کو ہمارا پتہ لگ جائے اور پھر حکومت ہمیں گرفتار کر لے، اور اس طرح ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں، کیونکہ وہ ابھی تک اپنے اسی پرانے خیال میں تھے کہ وہ مشرک حکومت جس کے خوف سے بھاگ کر وہ غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے کہیں ان کو گرفتار نہ کر لے، حالانکہ تین سو سال کی اس طویل مدت میں وہاں کتنی ہی حکومتیں ختم ہو گئی تھیں اور کتنی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں، اور حالات بدل کر کہیں سے کہیں جا پہنچے تھے، مگر ان حضرات کو اس کا کوئی احساس تک نہیں تھا، سو اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اللہ کے ولی غیب داں نہیں ہوتے جس طرح کہ اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ والعیاذُ باللہ جَلّ وعلا،

يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا

کر دیں گے، یا پھر وہ تم کو اپنے دین میں لوٹا لیں گے، اور اس صورت میں تم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکو گے ۳۶ اور (جس عجیب

اَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ

طریقے سے ہم نے انہیں سلایا، جگایا،) اسی طرح ہم نے ان لوگوں کو ان کے حال پر مطلع کر دیا ۳۷ تا کہ وہ یقین جان لیں کہ اللہ کا

۳۶ دینِ حق سے انحراف باعث ہلاکت وتباہی، والعیاذُ باللہ ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر تم اپنے دین سے پھر کران کے مذہب میں داخل گئے تو تم کبھی فلاح نہیں پاسکو گے کیونکہ شرک والے مذہب میں جانے کے بعد کوئی فلاح نہیں پاسکتا مگر ان کو کیا پتہ کہ انکی اس نیند کے دوران ایک زمانہ دراز گزر چکا ہے اور اب اس شہر اور ملک کی اس عرصے میں تو کایا ہی پلٹ چکی ہے، اب وہاں مشرک بادشاہ کی بجائے ایک موحد حکمران کا راج اور اقتدار ہے، سو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ولی نہ عالم غیب ہوتے ہیں، نہ حاضر وناظر اور نہ مختار کل، پس جھوٹ ہے وہ سب کچھ جو کہ اہل بدعت کہتے ہیں، اور اللہ کے ایسے عاجز بندوں کو وہ حاجت روا ومشکل کشا قرار دیتے ہیں، اور شاید اسی بناء پر اصحاب کہف کے نام سے اہل بدعت کے یہاں خاص ختم بھی پڑھے جاتے ہیں، جس میں سات آدمیوں اور ایک کتے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور کہیں ان کے نام کی سات روٹیاں تقسیم کی جاتی ہیں، اور اہل بدعت کے بعض بڑوں نے اس موقع پر اپنے تفسیری (بلکہ تحریفی) حواشی میں ان حضرات کے ناموں کے خاص فوائد بھی لکھے ہیں کہ ان سے آفتیں ٹلتی، مصیبتیں دور ہوتی، اور یہ فائدے اور منافع حاصل ہوتے ہیں وغیرہ، مگر یہ سب کچھ خود ساختہ اور من گھڑت ہے، جس کی پشت پر کسی سند اور ثبوت کا کوئی سہارا نہیں، نہ قرآن پاک سے، نہ احادیث رسول سے، نہ خیر القرون کے عہد خیر وبرکت سے، اور نہ فقہ کی کسی بھی معتبر کتاب سے مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ، یعنی اللہ تعالیٰ نے اسی چیزوں کے بارے میں کوئی سند اور دلیل نہیں اتاری۔ یہ سب ایسے لوگوں کی اپنی اختراعات ہیں دین متین کی تعلیمات مقدسہ میں، ان کا کوئی ثبوت نہیں اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ، وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى یعنی یہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر ظن وگمان اور خواہشات نفس کی، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

۳۷ اصحابِ کہف کی بیداری کے متعلق خاص اہتمام کا ذکر وبیان:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ جسطرح ہم نے اصحاب کہف کو خاص طور پر اور عجیب وغریب طریقے سے سلایا جگایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال پر مطلع کیا یعنی ان لوگوں کو جو کہ حشر ونشر اور بعث بعد الموت کے بارہ میں اختلاف میں پڑے ہوئے تھے، سو ان لوگوں کو ان حضرات کے حال پر مطلع کر دیا تا کہ ان کی آنکھیں کھل جائیں اور یہ یقین کر لیں کہ جس قادر مطلق نے ان لوگوں کو اس قدر طویل مدت نیند میں گزارنے کے باوجود اس طرح صحیح وسالم اٹھادیا کہ نہ ان کے جسموں میں کچھ فرق آیا نہ انکی جوانیوں میں، اور نہ ان کے کپڑوں میں وہ قادر مطلق مرنے کے بعد بھی لوگوں کو ان کی اصل حالت پر دوبارہ اٹھا سکتا ہے، سبحانہ وتعالیٰ۔ یہ تو محض ایک معمولی سا نمونہ دکھایا گیا۔ ورنہ اس قادرِ مطلق کی قدرت بے پایاں اور اسکی حکمت بے نہایت کا معاملہ ہی الگ ہے کہ وہ کُنْ فَيَكُوْنُ کی شان کا مالک ومختار ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ، اللّٰهم فكن لنا ولا تكن علينا وخذنا بنوا صيننا الى ما فيه حُبُّكَ والرِّضا، بكل حالٍ من الاحوال، وفي كل موطنٍ من المواطن في الحياة.

اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ

وعدہ واقعی سچا ہے ۳۸ اور یہ کہ قیامت کا آنا اس قدر یقینی ہے کہ اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں ۳۹ (اور وہ بھی ان کو سناؤ

بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ

کہ) جب وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے ان کے معاملے میں، سوانہوں نے کہا کہ ان (کے غار) پر کوئی عمارت بنوا

اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ

دو، ان کا رب ان (کے معاملے) کو خوب جانتا ہے، (بالآخر) ان لوگوں نے جو ان کے معاملے پر غالب تھے ۴۰ انہوں

عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ

نے کہا کہ ہم تو ان پر ایک مسجد بنائیں گے، ۴۱ اب کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے، چوتھا ان کا

۳۸ اللہ کے وعدے کی قطعیت کا ثبوت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جسطرح ہم نے ان کے سلانے کی اپنی وہ شان دکھلائی تھی اسی طرح ان کے جگا اٹھانے کی یہ شان بھی لوگوں کو دکھائی تا کہ یہ لوگ یقین جان لیں کہ اللہ کا وعدہ قطعی طور پر حق ہے یعنی اس کا یہ وعدہ کہ سب نے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہے، اور اپنے کیے کا بدلہ پانا ہے، تا کہ عدل وانصاف کے تقاضے کامل طور پر پورے ہوں، اور اس کائنات کی تخلیق کا مقصد پورا ہو سکے۔ سو وقوع اور قیام قیامت کا وعدہ الٰہی قطعی طور پر سچا اور برحق ہے۔ جس نے اپنے وقت پر بہر حال پورا ہو کر رہنا ہے۔ اسلئے اسکے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۳۹ وقوع قیامت لاریب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ لوگ اس حقیقت کو جان لیں کہ قیامت کے آنے کے بارہ میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی خبر اللہ پاک نے دی ہے، اپنے انبیاء ورسل کے واسطے سے، جو کہ اصدق القائلین اور سچا اور سچوں کا خالق ومالک ہے، سبحانہ وتعالیٰ، اس سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے؟ ومن اصدق من اللہ حدیثا اور ان کے اس استبعاد کو دور کرنے کیلئے یہ واقعہ کافی ووافی ہے، کہ یہ لوگ صدیوں کی اس طویل اور گہری نیند کے بعد اس طرح صحیح وسالم دوبارہ اٹھ گئے اور لوگوں نے ان کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پس وقوع قیامت سے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ شدنی ہے۔ جس کے ظہور میں کسی شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں اس نے اپنے وقتِ مقرر پر بہر حال واقع ہو کر رہنا ہے۔

۴۰ انقلاب احوال کے ایک نمونے اور مظہر کا ذکر وبیان:- سو اس سے اس انقلابِ احوال کے نمونے اور مظہر کو واضح فرمایا گیا جو ان بندگانِ صدق وصفا (اصحاب کہف) کی وفات کے بعد رونما ہوا کہ ایک وقت تو وہ تھا کہ جب ان اللہ والوں کی حق گوئی کی پاداش میں سنگسار کیے جانے کی دھمکی دی گئی تھی جس سے یہ لوگ جا کر غار میں روپوش ہو گئے تھے جہاں قدرت کیطرف سے ان پر ایک طویل نیند طاری کر دی گئی اور انہوں نے صدیاں اسی حال میں اور اس غار کے اندر گزاریں، اور اب ایک وقت وہ آ گیا تھا جبکہ لوگ ان کے ساتھ اپنے تعلق اور انتساب پر فخر کر رہے تھے اور ان پر یادگار قائم کرنے کیلئے باہم جھگڑ رہے تھے،

سو ارشاد فرمایا گیا کہ غالب رائے رکھنے والوں کا کہنا تھا کہ ہم ان پر ایک مسجد بنائیں گے جس میں اللہ وحدہ لاشریک کی توحید کی تعلیم و تبلیغ کا اہتمام ہو، اور اسکی عبادت کی جائے، اہل بدعت ان کے اس قول و عمل کو اپنی شرکیہ قبہ سازی کیلئے دلیل قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ان کے بڑوں نے اپنی معروف مشرکانہ اور تحریفی ذہنیت کے مطابق اس موقع پر اپنی حسب منشا اس طرح کی حاشیہ آرائی کی ہے، لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ یہ عمل عیسائیوں کا تھا، اور یہی بڑی حد تک ان کے شرک کا ذریعہ بنا، جیسا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اس کی تصریح فرمائی ہے جیسا کہ شیخین اور نسائی وغیرہ کی روایت میں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے یہاں جب کوئی نیک شخص مرجاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنادیتے اور اس میں ان حضرات کی تصویریں رکھ دیتے، یہ لوگ قیامت کے روز بدترین مخلوق (شرار الخلق) ہوں گے، اور احمد و طبرانی کی روایت میں ہے کہ بدترین لوگ وہ ہیں جو قیام قیامت کے وقت زندہ ہوں گے اور وہ جو قبروں کو مسجدیں بنائیں گے، اور صحیحین ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنادیا (بخاری کتاب الصلوٰۃ) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے دروازوں کو بند کرنے کیلئے اپنی امت کو خود اپنے بارہ میں اس طرح کے غلو سے پوری شدت اور سختی کے ساتھ اور پوری صراحت و وضاحت سے روکا ہے، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق آپؐ نے اپنی امت کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ خبردار! میرے بارے میں اس طرح کے غلو سے کام نہ لینا جس طرح کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے بارہ میں کیا، سوائے اس کے نہیں کہ میں اللہ کا ایک بندہ اور اس کا رسول ہوں، پس تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا، فقولوا عبداللہ و رسولہ. (بخاری کتاب الحدود) اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں (زائرات القبور) اور ان پر مسجدیں بنانے اور دیے جلانے والے مردوں المتخذین علیھا المساجد والسرج. کو لعنت فرمائی ہے (ابوداؤد، ترمذی، وغیرہ) اسی لئے اسلام کے صدر اول میں ایسے ہر نشان کو مٹادیا جاتا تھا جس سے شرک کا خدشہ پیدا ہوسکتا ہو، چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب عراق میں حضرت دانیالؑ کی قبر کا پتہ چلا، تو اس کو فوراً زمین کے برابر کرادیا، اور اس کے ساتھ جو ایک خاص تبرک ان لوگوں نے رکھا ہوا تھا، جس میں جنگوں وغیرہ کے کچھ حالات تھے، تو اس کو آپؓ نے دفن کردینے کا حکم دیا (ابن کثیر، المراغی، محاسن التاویل، وغیرہ) سبحان اللہ! کہاں دینی تعلیمات وارشادات میں قبروں پر عمارتیں اور مسجدیں بنانے کی ممانعت اس شدت سے وارد ہے، اور حضرت عمرؓ حضرت دانیالؑ پیغمبر کی قبر کو بھی مٹادینے کا حکم صادر فرماتے ہیں، اور کہاں آج کے جاہل مسلمان کا حال ہے کہ وہ لسوڑے شاہ، گھوڑے شاہ، کھٹے شاہ، اور میٹھے شاہ، وغیرہ جیسے مہمل اور فرضی ناموں سے قبریں اور جبے قبے بنا بنا اور سجا سجا کر شرک کا کاروبار چلائے جارہا ہے، اور اس طرح وہ اپنے لئے اور دوسروں کیلئے دوزخ کا سامان کئے جارہا ہے، اور کتنے ہی اصحاب جبہ و دستار ہیں جو ایسے جاہلوں کی پیٹھ ٹھونکے جارہے ہیں، اور ان کیلئے دلائل کے نام سے طرح طرح کے ڈھکوسلے جمع کرتے اور نصوص قرآن وسنت تک میں طرح طرح کی تاویلات بلکہ تحریفات سے کام لیتے ہیں، فالی اللہ المشتکی والعیاذ باللہ جل و علا. یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ اگر کسی جگہ کسی جبہ قبہ اور شرکیہ نشان کو مٹا کر اس کی جگہ پر اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت و بندگی کیلئے کوئی مسجد بنا دی جائے تو اس کا معاملہ الگ ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، کہ وہاں تو کسی قبر یا کسی طرح کے شرک یا بت پرستی کا کوئی شائبہ نہیں، بلکہ وہاں تو نشان شرک کو مٹا کر اسکی جگہ معبود برحق کی عبادت و بندگی کا اہتمام وانتظام کیا گیا ہے، جو کہ ایک مطلوب اور محمود امر ہے، اور اسکی تاریخ میں مختلف مثالیں موجود ہیں، بہر کیف ان لوگوں نے کہا کہ ہم ان لوگوں کی اس غار پر ایک مسجد بنائیں گے جس میں لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کریں گے اور یہی لوگ دوسروں پر غالب رہے، (المراغی، المعارف وغیرہ)

كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ

کتا تھا، اور کچھ دوسرے کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا،

رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ

یہ سب بن دیکھے تیر پھینک رہے ہیں، اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا،

قُلْ رَّبِّىٓ أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ

(ان سے) کہو کہ میرا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنے تھے ۴۲ (لوگوں میں سے) ان کا صحیح حال کوئی نہیں جانتا مگر بہت تھوڑے،

فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۖ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم

پس تم ان کے بارے میں ان (اہلِ کتاب وغیرہ) میں سے کسی سے بھی کوئی بحث مت کرو مگر سرسری طور پر، اور ان کے بارے میں

ع ۳ ۵ ۱۵ مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَا۟ىْءٍ إِنِّى فَاعِلٌ

ان میں سے کسی سے بھی کچھ مت پوچھو، ۴۳ اور کسی بھی چیز کے بارے میں یوں مت کہو کہ میں اسے

ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ۚ وَٱذْكُر رَّبَّكَ

کل کر دوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے، ۴۴ اور جب بھول جاؤ تو (یاد آنے پر)

إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰٓ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّى لِأَقْرَبَ

اپنے رب کا ذکر کر لیا کرو، ۴۵ اور یوں کہو کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ رشد کے قریب تر

۴۲ اصحابِ کہف کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں:۔ چنانچہ حضرت امام الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ کہو میرا رب خوب جانتا ہے کہ وہ کتنے تھے یعنی ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ اور جب اس نے ان حضرات کی تعداد نہیں بتائی، تو ہمیں خواہ مخواہ اسکے درپے نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگر اس تعداد کو جاننا ہمارے لئے ضروری ہوتا، تو وہ ہمیں اس سے ضرور مطلع فرما دیتا، سو ایسے میں اس طرح کے ہر موقع پر سب سے اچھا اور عمدہ طریقہ یہ ہے کہ معاملہ کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے، اور بغیر کسی دلیل اور سند کے خواہ مخواہ بحثیں نہیں کرنی چاہئیں، (المراغی وغیرہ) سو اس سے یہ اہم اور بنیادی درس ملتا ہے کہ بے مقصد اور لایعنی سوالات میں نہیں الجھنا چاہئے کہ یہ تضییع وقت اور دوسری کئی طرح کی خرابیوں کا سبب اور باعث بنتا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے بے مقصد اور لایعنی باتوں سے بچنے کو ایمان کا تقاضا قرار دیا، چنانچہ صحیحین کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا من کان یؤمن باللہ والیوم

الآخر فليقل خيراً او ليصمت. یعنی جس کا اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو وہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔ سبحان اللہ! دینِ حنیف کی تعلیمات مقدسہ کا کہنا کیا ہے اور آج کے جاہل مسلمان کا حال کیا ہے؟ والعياذ بالله العظيم.

۴۳ غیر ضروری سوالات سے ممانعت:۔ سو اس بارہ ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے بارہ میں ان لوگوں میں سے کسی سے بھی کچھ مت پوچھو کیونکہ اس بارہ کوئی صحیح علم ان میں سے کسی کے پاس ہے نہیں، سوائے ظن تخمین کے، اور ظن وتخمین سے اٹکل کے تیر چلانے کا کوئی فائدہ نہیں، اس قصہ سے متعلق جو ضروری باتیں تھیں وہ آپ کو بتادی گئیں، اور جو ضروری نہیں تھیں اور جن پر دین ودنیا کا کوئی خاص فائدہ موقوف نہیں تھا وہ نہیں بتائیں، اس لئے اس بارہ کسی سے بحث کرنے اور ایسے لوگوں سے اس بارہ پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں جن کے پاس اس سے متعلق کوئی علم نہ ہو، سو اس سے یہ اصولی اور بنیادی درس ملتا ہے کہ غیر ضروری اور بے مقصد سوالات سے احتراز اور اجتناب کیا جائے کیونکہ یہ طریقہ تضیعِ وقت کا سبب اور باعث ہے۔ والعياذ بالله. اسی لئے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا من حسن اسلام المرءِ تركه مالا يَعْنِيه یعنی انسان کے اسلام اور اسکے دین وایمان کی خوبی میں سے یہ بات ہے کہ وہ لایعنی اور بے مقصد باتوں کو ترک کردے، وبالله التوفيق لما يحب ويريد.

۴۴ اِنْ شَاءَ اللّٰہ کہنے کی تعلیم وتلقین:۔ کہ سب کچھ اسی وحدہ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے، پس ہر معاملہ اسی کی مشیئت کے حوالے کیا کرو، اور اس کیلئے ان شاء اللہ کہہ دیا کرو، روایات میں ہے کہ جب قریش نے آپ ؑ سے اصحاب کہف وغیرہ کے بارہ میں پوچھا تو آپ ؑ نے فرمایا اس کا جواب میں تم کو کل دوں گا، مگر آپ ؑ اس موقع پر انشاء اللہ کہنا بھول گئے، جس پر وحی کا آنا بند ہو گیا اور پندرہ دن تک وحی رکی رہی، جس سے کفار قریش کو آپ ﷺ کی تکذیب واستہزاء کا ایک موقع ہاتھ آ گیا، اور آپ ﷺ کو اس سے بہت تکلیف اٹھانا پڑی، تب یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور ان میں آپ ﷺ کو یہ تعلیم وتلقین فرمایا گیا کہ آئندہ کے بارہ میں جس بھی کام کے کرنے کا وعدہ فرمایا کریں تو اس کیلئے ان شاء اللہ ضرور کہا کریں، یعنی اگر اللہ پاک کو منظور ہوا تو میں ایسا کروں گا، کیونکہ معاملہ سب کا سب اللہ پاک ہی کے حوالے اور اسی وحدہ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے، معلوم ہوا کہ پیغمبر نہ تو عالم غیب ہوتے ہیں، نہ ہی مختار کل، اور نہ ہی ہر جگہ حاضر وناظر، جیسا کہ اہل بدعت کا کہنا اور ماننا ہے، ورنہ نہ تو اللہ کے نبی کو معاملہ کل پر ٹالنے کی ضرورت ہوتی، نہ وحی کا انتظار کرنا پڑتا، نہ وحی کی بندش کی نوبت آتی اور نہ ہی آپ ﷺ کو اس کیلئے اتنی پریشانی اٹھانا پڑتی سو اس ارشاد ربانی سے ان لوگوں کے ایسے تمام شرکیہ عقائد کی جڑ کٹ جاتی ہے، اور یہ امر واضح فرما دیا گیا کہ سب کچھ اللہ پاک ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے، کہ جو اس کو منظور ہوگا وہی ہوگا، اور جیسے وہ چاہے گا ویسے ہی ہوگا کہ اس کائنات میں مشیت اسی وحدہ لاشریک کی کارفرما ہے، اس میں نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کی مشیت میں مزاحم ہو سکتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۴۵ بھول جانے سے متعلق ہدایت وارشاد:۔ یعنی جب تم ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو (یاد آنے پر) اپنے رب کو یاد کر لیا کرو تاکہ اس کے ذکر پاک اور اسکی یاد دلشاد سے، نسیان اور ترک ذکر کا تدارک اور اس کی تلافی ہو سکے، کیونکہ غفلت ونسیان کا سبب ومنشا، شیطان مردود ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا وَمَا اَنْسَانِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اس لئے حضرت حق جل مجدہ کے ذکر سے وہ مردود مطرود ہو کر بھاگ جائے گا (ابن کثیر، مراغی وغیرہ) نیز رب کے ذکر اور اسکی یاد دلشاد سے اللہ کی معیت کا شرف بھی حاصل ہوگا اور اسکی نصرت وامداد سے بہرہ مندی وسرفرازی بھی، جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا گیا، یعنی میرا بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے تو میں اسکے ساتھ ہوتا ہوں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ

بات کی راہنمائی سے نوازے گا، ف۴۶ اور وہ لوگ اپنی غار میں رہے تین سو

سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

برس، اور نو برس مزید برآں، ف۴۷ (ان سے) کہو کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ

لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَ

کتنی مدت رہے ف۴۸ اسی کے لئے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا ف۴۹ کیا ہی خوب دیکھنے والا اور سننے والا ہے وہ (اپنی مخلوق کے

اَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ

احوال کو) ف۵۰ ان کے لئے اسکے سوا نہ کوئی حمایتی (وکارساز) ہے ف۵۱ اور نہ ہی وہ اپنے حکم میں شریک کرتا ہے کسی کو ف۵۲ اور پڑھتے

۴۶ اس سے ہمیشہ بہتری کی امید کی تعلیم وتلقین:- سو اس کے ذریعے رب سے اس سے بہتر راہ کی امید رکھنے کی تعلیم وتلقین یعنی اسی منسی اور بھولی ہوئی بات سے بھی بہتر راہ دکھادے ورمزید روشنی اور ہدایت سے نواز دے، یا اصحاب کہف سے بھی بڑھ کر آیات بینات سے نواز دے، یعنی بھروسہ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ وحدہ لاشریک ہی پر ہونا چاہئے، اور اس سے توقع ہمیشہ بہتر سے بہتر ہی کی رکھنی چاہیے کہ اس واہب مطلق کی تو شان ہی نوازنا، کرم فرمانا، اور بخشش فرمانا ہے، اور اس کی عطاؤ بخشش کے خزانے غیر فانی اور لامحدود ہیں، سبحانہ وتعالیٰ، پس نہ تو کبھی اس سے مایوس ہوؤ، اور نہ کبھی اس کی یاد سے غافل، (روح، کبیر، ابن کثیر، مدارک، خازن اور مراغی وغیرہ وغیرہ) وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ و یرید،

۴۷ غار میں بقاء کی مدت کے بارے میں ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ لوگ اس غار میں تین سو برس رہے اور نو مزید برآں یعنی شمسی حساب سے یہ مدت پورے تین سو سال بنتی تھی، اور قمری حساب سے تین سو نو سال، سو یہ فرق شمسی اور قمری حساب کے فرق پر مبنی ہے، کیونکہ عربوں کے یہاں قمری حساب کا رواج تھا، جب کہ یہود کے یہاں شمسی حساب کا، جو کہ اصل میں آنحضرت ﷺ سے اس سوال کے محرک تھے، اور قمری حساب سے ہر سو سال شمسی سال کے مقابلے میں تین سال زیادہ بنتا ہے، اور اس طرح اس فرق کا اظہار و بیان آنحضرت ﷺ کا ایک معجزہ قرار پاتا ہے، کہ آپ ﷺ نے صدیوں پہلے کے اس واقعہ کو اس باریکی سے بیان فرمادیا، حالانکہ آپ نے نہ کبھی کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا، اور نہ کبھی کسی کتاب کا مطالعہ فرمایا تھا، بلکہ آپ ﷺ کی صفت ہی نبی امی تھی اور ہے، کہ آپؐ نے زندگی بھر کبھی کسی سے کچھ سیکھا پڑھا نہیں تھا، مگر اس کے باوجود آپؐ نے دنیا کو علوم و معارف کے ان خزانوں سے نوازا جن کی کوئی نظیر و مثال ممکن نہیں، نہ اس سے پہلے اور نہ اسکے بعد قیامت تک، تو اس طرح اصحاب کہف کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ بیان بھی ایک مستقل معجزہ قرار پاتا ہے، جیسا کہ تفسیر المراغی میں لکھا ہے، جب کہ علامۂ شام علامہ جمال الدین القاسمی وغیرہ حضرات کا کہنا ہے کہ یہ فرق شمسی اور قمری حساب کا نہیں، بلکہ یہ مطلق بیان ہے ان کی مدت لبث ورقاد کا، اور یہ اسلوب بیان فواصل اور رؤس آیات کی بناء پر اختیار فرمایا گیا

ہے۔ (تفسیر القاسمی) بہر کیف ان دونوں صورتوں میں یہ تفسیر اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ایک ہی احتمال کا بیان ہے کہ، تین سونو سال کی یہ مدت حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے بیان فرمائی گئی ہے، یہی ابن جریر وغیرہ کا اختیار اور جمہور کا قول ہے، جب کہ دوسرا قول اس ضمن میں قتادہ وغیرہ حضرات کا ہے کہ یہ بیان دراصل حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے نہیں بلکہ یہ منجلہ اقوال اہل کتاب کے ہے، اسی قول کو ہمارے دور کے بعض حضرات نے اپنی تفسیر میں پیش کیا ہے لیکن اس کو پیش انہوں نے اس طرح کیا ہے کہ گویا کہ یہ انہی کا قول ہے، ان سے پہلے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا، تاکہ اس سے انکی انفرادیت کا تاثر ملے، حالانکہ یہ قول سلف سے بھی منقول ہے، بہرکیف اس میں سلف کے یہ اقوال پائے جاتے ہیں، (ابن جریر، ابن کثیر، الصفوہ، وغیرہ) والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ.

۴۸ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت اس غار میں رہے:- کہ وہی وحدہ لاشریک ایسے تمام امور کو پوری طرح جانتا اور سب کچھ دیکھتا ہے، اور اسی کی یہ شان ہے کہ ماضی حال مستقبل اس کے علم میں سب ایک برابر ہیں، سبحانہ وتعالیٰ پس قیاسات کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے تم اسی کے علم واختیار پر اعتماد کرو، کہ وہی وحدہٗ لاشریک بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا عرصہ ٹھہرے، پس علم کے بغیر کسی بات کے پیچھے مت پڑا کرو، اور اگر کوئی اس بارہ پوچھے تو اس سے کہو کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اس غار میں کتنا عرصے ٹھہرے رہے۔

۴۹ اسی کیلئے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا:- وہی سب کچھ جانتا ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، سو کیسا صاف وصریح اور واضح اعلان وارشاد ہے جو حصر کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ علم غیب صرف اسی وحدہ لاشریک کا خاصہ ہے اس کے سوا زمین وآسمان کی اس پوری کائنات میں دوسری کوئی بھی ہستی غیب کا علم نہیں رکھتی، جیسا کہ اس نے دوسرے مقام پر اپنے پیغمبر کو اس حقیقت صادقہ کے اظہار واعلان کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا قُل لَّا یَعۡلَمُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَیۡبَ اِلَّا اللّٰہُ. (النمل:۲۵) مگر اس کے باوجود آج کتنے ہی اہل زیغ وضلال ایسے ہیں جو اس سب کے باوجود اور ایسی صاف وصریح نصوص کے باوصف کہتے ہیں کہ پیغمبر سب غیب جانتا ہے، اور یہاں تک کہ وہ اس کیلئے قرآن وسنت کی صریح نصوص تک میں طرح طرح کی تحریفات سے کام لیتے ہیں، والعِیاذُ باللّٰہِ فَالی اللّٰہِ الۡمُشۡتکیٰ.

۵۰ کیا ہی خوب دیکھنے اور سننے والا ہے وہ:- پس کائنات کا ذرہ برابر کوئی چیز نہ اس کے علم سے غائب ہو سکتی ہے اور نہ اس کی نظروں سے اوجھل، سبحانہ وتعالیٰ سو اگر کسی امر کا تعلق غیب سے ہے تو بھی اللہ ہی اسکو بہتر جانتا ہے کہ غیب کا سب علم اسی وحدہ لاشریک کے ساتھ مختص ہے اور اگر کوئی چیز مسموعات میں سے ہے تو اسکو بھی وہی زیادہ بہتر اور پورے طور پر جانتا ہے، اور اگر اس کا تعلق مبصرات سے ہے تو بھی اس کو سب سے بہتر اور سب سے کامل طور پر وہی جانتا ہے کہ اسی وحدہ لاشریک کی صفت اور شان ہے کہ وہ کیا ہی خوب سنتا اور جانتا ہے، سبحانہ وتعالیٰ۔

۵۱ ان کیلئے اس کے سوا کوئی حمایتی اور کارساز نہیں:- جو ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکے، کہ حاجت روا ومشکل کشا اور کارساز وکارفرما اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں، سو جھوٹے ہیں وہ تمام سہارے جو لوگوں نے مختلف اوہام وظنون اور مفروضوں کی بناء پر از خود گھڑ رکھے ہیں، پس مومن صادق کا کام اور اسکی شان یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں بھروسہ اور اعتماد اللہ وحدہ لاشریک ہی پر رکھے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے، سبحانہ وتعالیٰ۔

۵۲ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا:- بلکہ وہ تنہا حاکم ومتصرف ہے، اپنی اس پوری کائنات میں، اور وہ غنی وبے نیاز اور پاک وبالا ہے ہر قسم کے شرک واشتراک اور کسی طرح کی حاجت وضرورت کے شوائب سے، اور کسی میں یہ اہلیت اور ہمت ہی نہیں کہ وہ اس کی کسی بھی صفت وشان میں اس کا شریک وسہیم بن سکے، سبحانہ وتعالیٰ اس کا نہ کوئی وزیر ہے نہ نصیر، نہ سہیم نہ شریک، وہ واحد اور یکتا ہے۔ سو جس طرح اسکی صفت خلق میں اس کا شریک نہیں، اسی طرح صفت امر میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں، سبحانہ وتعالیٰ۔

فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ

(اور سناتے) جاؤ (اے پیغمبر!) اس وحی کو جو بھیجی گئی ہے آپ کی طرف' آپ کے رب کی جانب سے، کوئی نہیں جو

كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ

بدل سکے اس کے فرمودات کو، اور (اگر آپ نے کسی کی خاطر اس میں کوئی کمی وبیشی کردی تو) آپ اس کے سوا ہرگز کوئی

دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ

پناہ گاہ نہیں پاسکو گے، اور روکے رکھو اپنے آپ کو ان (بندگان صدق وصفا) کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و

يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ

شام، اس کی رضا چاہتے ہوئے ۵۳ اور ہٹنے نہ پائیں آپ کی نگاہیں ان سے دنیاوی زندگی کی زینت چاہتے ہوئے، اور

وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ

کبھی کان نہ دھرنا کسی ایسے شخص کی (چکنی چپڑی) باتوں پر جس کے دل کو ہم نے غافل کردیا ہو اپنی یاد (دلشاد) سے،

الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا

(اس کے سوءِ اختیار اور نیت بد کی بناء پر،) اور وہ پیچھے لگ گیا ہو اپنی خواہشات کے، اور اس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہو ۵۴

۵۳ اپنے آپ کو اہل صدق وصفا کے ساتھ روکے رکھنے کی ہدایت:- کہ تمہارے رب کے یہاں اصل قدر وقیمت اس ایمان ویقین اور صدق واخلاص ہی کی ہے جس سے یہ فقراء ومساکین بہرہ ور ہیں، اور اس دنیاوی مال ومتاع اور اس کی چمک دمک کی اس کے یہاں کوئی حقیقت وحیثیت ہی نہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو ہمیشہ ایسے مخلص اور فقراء صحابہ کرامؓ کے ساتھ روکے رکھا، حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ تشریف فرما تھے جبکہ ایک آدمی سورۂ حجر اور سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا تو آپ ﷺ خاموش ہوگئے، پھر فرمایا کہ ایسے ہی لوگوں کی مجلس کے بارہ میں مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے آپ کو ان کے ساتھ روکے رکھوں، (ابن کثیر، فتح القدیر اور مراغی وغیرہ)

۵۴ ذکر خداوندی سے محروم لوگوں کی اطاعت وفرمانبرداری سے ممانعت، اور ابناء دنیا کی دنیا پرستی کے کچھ نمونے: اس کی اپنی بدنیتی اور خبث باطنی کی وجہ سے روایت میں ہے کہ کفار قریظ کے کچھ سرداروں نے آنحضرت ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے خاص مجلس رکھی جائے جس میں حضرت عمارؓ، حضرت صہیبؓ اور بلالؓ جیسے فقراء صحابہ نہ بیٹھا کریں، کہ ان

مساکین وفقراء کے ساتھ مل کر بیٹھنا ہماری شان کیخلاف ہے، تو رحمت عالم کے قلب طاہر وتقی میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس طرح کرنے سے یہ صنادید قریش اسلام کے حلقہ میں داخل ہو کر نار جحیم سے بچ جاتے ہیں، اور دعوت حق کو بھی اسطرح تقویت مل جاتی ہے تو اس میں کیا حرج ہے کہ ان کے اس مطالبے کو مان لیا جائے، تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور آپ ﷺ کو اس سے منع فرمادیا گیا (ابن جریر، ابن کثیر، محاسن التاویل، روح، قرطبی، مراغی اور فتح القدیر وغیرہ) اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس بارے خود اپنا قصہ سناتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ہم چھ آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، میں، ابن مسعود، بلال، ایک آدمی بنو ہذیل کا اور دو شخص جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے، تو مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ان لوگوں کو اپنے سے دور کر دو تا کہ یہ ہمارے مقابلے میں بیٹھنے کی جرأت نہ کر سکیں، تو اس سے آنحضرت ﷺ کے دل میں جو خیال پیدا ہونا تھا وہ پیدا ہوا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس میں آپ ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی گئی، (مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ) (ابن کثیر، محاسن التاویل، المراغی، المعارف، وغیرہ) سو اس قصہ سے چند اہم حقائق واضح ہو جاتے ہیں اور عظیم الشان درس ملتے ہیں، پہلا یہ کہ اَبناء دنیا کے یہاں اصل چیز یہی دنیا اور اس کا متاعِ فانی ہے، اور ان کی نظروں میں اصل قدر و قیمت اسی متاعِ غرور کی ہے اور بس، سو جس کے پاس دنیاوی مال و دولت کی چکا چوند ہوگی، وہی ان کے یہاں سب کچھ ہے، اگرچہ اپنے باطن اور حقیقت کے اعتبار سے، ایسے لوگ کفر و باطل اور ضلالت و گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہی ڈوبے ہوئے کیوں نہ ہوں، کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے، جیسا کہ مشرکینِ مکہ کے اس کافرانہ مطالبہ سے ظاہر و واضح ہے، اور جیسا کہ اس سے بھی ہزاروں برس قبل حضرت نوحؑ کی قوم کے کفار ناہنجار نے آپؑ سے یہی مطالبہ کیا تھا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ. (الشعراء:۱۱۱) (کیا ہم آپ کی بات مان لیں جب کہ تمہاری پیروی کرنے والے سب سے رزیل اور گھٹیا لوگ ہیں) اور آج بھی عامۃ الناس کا یہ حال ہے کہ ایک رقاص و مغنی اور ڈانسر کی ان کے یہاں جو پذیرائی اور تعظیم و تکریم ہوگی وہ ایک بڑے سے بڑے عالم دین کی بھی نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اس ضمن میں ان کے یہاں دین و ایمانی قدر و قیمت بھی ثانوی درجے کی ہو کر رہ جائے گی، والعِیَاذُ بِاللّٰہِ العَظِیْم. سو اس کی تازہ مثال انگلستان کی لیڈی ڈایانا، اور ہندوستان کی مدر ٹریسا کی موت کی صورت میں آج ہمارے سامنے موجود ہے، ان دونوں کی موت اسی ہفتہ عشرہ میں ہوئی جب کہ راقم آثم یہ سطور تحریر کر رہا ہے، کہ آج دنیا ساری میں ان دونوں کی موت اور ان کی زندگی کا چرچا ہے، جس میں مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ دوسرے غیر مسلموں کے برابر، بلکہ بعض جگہوں میں ان سے بھی بڑھ کر سوگ منا رہے ہیں، حالانکہ یہ دونوں دو غیر مسلم عورتیں تھیں، اور ایمان سے محرومی ہی کی حالت میں ان کی موت آئی، اور مزید یہ کہ ان میں سے پہلی خاتون کی موت تو فرانس کے ایک بڑے اونچے درجے کے پُر تعیش ہوٹل میں اپنے بعض دوستوں کے ساتھ رات گزارنے کے بعد اور اسی کے نتیجے میں ایک حادثے کے ذریعے ہوئی، اور اس طور پر ہوئی کہ اگر کسی غیرت مند شخص کی کسی عزیزہ کی موت اس طرح ہو جاتی تو وہ اپنی غیرت کے باعث اور شرم کے مارے کسی کے سامنے سر نہ اٹھا سکتا۔

مگر یہاں اسکے برعکس اس فاحشہ عورت کو اس قدر تپاک سے رخصت کیا گیا جس طرح کسی قومی ہیرو کو بھی نہیں کیا جاتا، جب کہ ان میں سے دوسری عورت باقاعدہ طور پر کلیسا کی پجارن اور مشنیری خدمت گار کارکن اور عیسائیوں کی راہبہ اور عیسائیت کی بڑی مؤثر پرچارک تھی، مگر ایک دنیا ہے اور خود مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہے کہ ان سب باتوں کو بھول کر اور ان کو پس پشت ڈال کر وہ ان دونوں عورتوں کے سوگ میں شریک ہے کہ ان سب کے یہاں اصل چیز دنیا اور اس کے مادی منافع اور مظاہر ہیں اور بس، والعیاذ باللہ . سو قرآن حکیم نے اپنے اس ارشاد حق وصدق سے یہ بتا کر واضح کر دیا کہ اصل چیز یہ مادی فوائد ومنافع اور حطام دنیا نہیں، بلکہ ایمان ویقین کا وہ نور ہے جو انسان کے باطن کو روشن کرتا ہے اور اسے جلا بخشتا ہے، اور اصل چیز حق وہدایت اور صدق واخلاص کی وہ دولت ہے جو انسان کو عظیم مرتبہ اور شان بخشتی اور اسے حضرت خالق جل مجدہ، اور اس کی مخلوق کے یہاں محبوب بناتی ہے، دوسری اہم بات جو اس آیت کریمہ سے ثابت اور واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر مختار کل نہیں ہوتے کہ جو چاہیں اور جیسا چاہیں کریں، ورنہ آنحضرت ﷺ کو اپنے اس ارادہ کو روبعمل لانے سے اس طرح منع نہ فرمایا جاتا، سو پیغمبر مختار کل نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس وحی کا تابع اور پیرو و پابند ہوتا ہے جو اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے بھیجی جاتی ہے، اور قرآن حکیم میں اس حقیقت کی جا بجا توضیح وتصریح فرمائی گئی ہے، اور پیغمبر کو اس حقیقت کے اعلان واظہار کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے، کہ کہو کہ میرا کام تو صرف پیروی کرنا ہے اس وحی کی جو میری طرف میرے رب کی جانب سے بھیجی جاتی ہے، اور بس قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَايُوْحٰٓى اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ الآیۃ. (الاعراف:۲۰۳) نیز ملاحظہ ہو سورۂ انعام آیت نمبر ۵۰ اور نمبر ۵۶، یونس آیت نمبر ۱۰ اور الاحقاف آیت نمبر ۹۹، کہ ان تمام آیات کریمہ میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ پیغمبر کا کام صرف پیروی کرنا ہوتا ہے، اس وحی کی جو انکی طرف ان کے رب کی طرف سے بھیجی جاتی ہے اور بس، مگر اس سب کے باوجود اہل بدعت اور ان کے بڑوں کا کہنا ہے کہ نہیں! پیغمبر مختار کل ہوتا ہے جو چاہے کرے، وغیرہ وغیرہ۔ والعیاذ باللہ فالی اللہ المشتکی وھو المستعان. تیسری بات یہاں سے یہ معلوم ہوئی کہ دنیاوی مال ومنال اور جاہ وجلال بالعموم انسان کیلئے نور حق وہدایت سے محرومی کا باعث بن جاتا ہے، والعیاذ باللہ . کیونکہ اس سے تنگ ظرف انسان کے اندر تکبر پیدا ہوتا ہے جس سے وہ حق کے آگے جھکنے کیلئے تیار نہیں ہوتا، اور اسکو وہ اپنے لئے کسر شان سمجھتا ہے، اور اس طرح وہ نور حق و ہدایت سے محروم ہو کر دنیا وآخرت کے اس خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے، جو کہ خسران مبین ہے والعیاذ باللہ العظیم.

اس لئے دین حنیف نے تواضع اور عاجزی کی تعلیم دی، حضرت نبی معصوم علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنے لئے مسکینی کی دعاء کرتے ہوئے فرمایا اے اللہ! مجھے زندگی دے مسکینوں والی اور موت دے مسکینوں والی اور موت دے مسکینی کی حالت میں اور میرا حشر فرما مسکینوں کے زُمرے میں اللّٰھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین صلوات اللہ وسلامہ علیہ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کیلئے تواضع اور عاجزی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اسکو رفعت وبلندی سے نواز دیا۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ. سو تواضع اور عاجزی ہی بندے کے لائق ہے اور اسی میں اسکی عظمت شان اور رفعت مقام ہے، عظمت وکبریائی اللہ پاک ہی کے لائق اور اسی کے شایانِ شان ہے، سبحانہ وتعالیٰ۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ

اور (ان سے صاف) کہہ دو کہ حق تمہارے رب ہی کی طرف سے ہے ۵۵ سو جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی

رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ لا

چاہے کفر کرے (ہمارا نہ کوئی نفع نہ نقصان، پر یہ واضح رہے کہ) ہم نے یقیناً تیار کر رکھی ہے ظالموں کے لئے ایک ایسی

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط

ہولناک آگ، جس کی لپٹوں نے ان کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے ۵۶ اور اگر یہ (پیاس کے مارے) پانی مانگیں گے تو ان کی

۵۵ حق رب ہی کی طرف سے مل سکتا ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "ان سے کہو کہ حق تمہارے رب ہی کی طرف سے ہے اور بس"۔ اور جو ہمارے ذریعے تمہارے پاس پہنچ چکا ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے اسکی مرضی، لیکن حق بہر کیف یہی اور صرف یہی ہے، جس سے محرومی ہر محرومی سے بڑی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کیونکہ نورِ حق کی اس عظیم الشان روشنی سے محرومی کے بعد اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس طرح ان لوگوں کو آخری جواب دے دیا گیا کہ حق تمہارے رب کی طرف سے آ گیا اور تم لوگوں کو پہنچا بھی دیا گیا۔ اب کسی کے کفر و ایمان کی ذمہ داری ہم پر نہیں۔ اب جس کا جی چاہے ایمان لا کر اپنے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرے اور جس کا جی چاہے کفر و انکار کی راہ کو اپنا کر اپنے آپ کو دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ کا مستحق بنا لے۔ والعیاذ باللہ جلّ وعلا،

۵۶ کافر و منکر لوگ آتشِ دوزخ کے گھیرے میں۔ والعیاذ باللہ العظیم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے ظالموں کیلئے ہم نے ایسی ہولناک آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتوں اور لپٹوں نے انکو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ جیسا کہ دیواریں اپنے اندر والوں کو گھیرے میں لئے ہوتی ہیں۔ سو اسی طرح کفر و شرک کے مارے ان بدبختوں کو دوزخ کی ہولناک آگ کے شعلوں اور اس کی لپٹوں نے اپنے احاطے اور گھیرے میں لے رکھا ہے۔ مگر دنیوی زندگی کی اس امتحان گاہ میں ایسے حقائق پر جو پردہ پڑا ہوا ہے اس کی بناء پر آج ان کو یہ آگ اور اس کی یہ لپٹیں نظر نہیں آ رہیں۔ مشاہدہ اور کشفِ حقائق کے اس جہان میں کل جب ایسے تمام حقائق ننگے ہو کر اپنی اصل شکل میں ان کے سامنے آ جائیں گے تو تب ان کو سب کچھ خود معلوم ہو جائے گا اور اپنے مآل و انجام کا پتہ انکو خود لگ جائے گا۔ اس وقت مارے افسوس کے یہ لوگ اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائیں گے مگر بے وقت کے اس افسوس کا ان کو کوئی فائدہ بہر حال نہیں ہوگا سوائے حسرت و افسوس میں اضافہ کے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے عالمِ غیب سے تعلق رکھنے والے ان حقائق کو ان کے سامنے اس طرح آشکارا فرما دیا تاکہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی فرصتِ محدود اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور ان کو ہمیشہ کیلئے پچھتانا اور کفِ افسوس ملنا پڑ جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ

تو واضع ایک ایسے پانی سے کی جائے گی جو (بدشکلی میں تو) تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا (مگر کھولتا ہوا گرم اس قدر ہوگا کہ) بھون

بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

کر رکھ دے گا ان کے چہروں کو، کیسا برا پانی ہوگا وہ، اور کیسی بری رہائش گاہ ہوگی وہ، ۵۷ (اس کے برعکس) بے شک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ

ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کئے ہوں گے (ان کے لئے بڑا ہی عمدہ اجر ہے کہ) بے شک ہم کسی بھی ایسے

عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ج اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ

شخص کا اجر ضائع نہیں کرتے جس نے اچھی طرح کام کیا ہوگا ۵۸ ایسے (خوش نصیب) لوگوں کیلئے سدا بہار جنتیں ہوں گی

۵۷ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہوگا دوزخیوں کا، والعیاذ باللہ العظیم ۔سو ارشاد فرمایا گیا ''بڑی ہی بری ہوگی دوزخ کی وہ رہائش گاہ جس میں ان لوگوں کو رہنا ہوگا''۔والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اور اتنی بری کہ الفاظ کے احاطہ سے باہر ہے۔پس کتنے ہی محروم اور کیسے ہی بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی آخرت اور اپنے انجام کو بھول کر اور حق سے منہ موڑ کر اسی دنیائے دوں کو اور اس کے عارضی متاع اور فانی فائدوں کو مقصدِ حیات بنائے ہوئے ہیں اور وہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔والعیاذ باللہ ۔اور وہ کفر والحاد اور شرک و بے دینی کے مُہیب اندھیروں میں ڈوبے اسی ہولناک انجام کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔والعیاذ باللہ العظیم۔ ''مھل'' پگھلے ہوئے تانبے کو کہتے ہیں۔یہاں اس لفظ کے استعمال سے اس پانی کی حدت اور شدت کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔سو وہ نہایت ہی کھولتا ہوا پانی ہوگا۔والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۸ اللہ پاک کسی نیکوکار کے اجر کو ضائع نہیں کرتا:۔ یعنی کسی ایسے مومن شخص کے عمل کو جس کی نیت و ارادہ بھی نیک اور درست ہو کہ وہ جو کچھ کرے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے کرے۔اور طریقہ بھی صحیح ہو کہ اس کا عمل اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات و فرمودات کے مطابق ہو۔اللہ توفیق بخشے۔آمین! سو ایسے خوش نصیبوں کو وہ ربّ غفور و شکور ان کے پورے پورے اجر و ثواب سے نوازے گا۔انکی کسی طرح کی کوئی حق تلفی نہیں ہوگی۔بلکہ وہ انکو اپنے فضل و کرم سے نوازے گا۔سو منکرین و مکذبین کے انجام کو بیان کرنے کے بعد اب اس ارشاد سے ان خوش نصیبوں کے انجام کو بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے قرآنِ حکیم کی دعوت پر لبیک کہا اور وہ صدقِ دل سے ایمان لانے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ابنائے دنیا تو ایسے مخلصوں کو ان کی مفلوک الحالی کی بناء پر کچھ نہیں سمجھتے اور ان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ حضرات ایسی عظمتِ شان کے مالک ہیں کہ ان کے ایمان و اخلاص کے مطابق ان کو آخرت کے اس ابدی جہاں اور وہاں کی حقیقی اور دائمی زندگی میں ان خوش نصیبوں کو ایسے ایسے عظیم الشان اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔وباللہ التوفیق ولہ الحمد والشکر جل وعلا۔

تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

ان کے نیچے سے بہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان) نہریں، ان کو وہاں پر پہنائے جائیں گے کنگن سونے

وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ

کے، اور سبز رنگ کے لباس باریک اور دبیز ریشم کے ۵۹ (نہایت سکون واطمینان سے) تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے یہ وہاں

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ

پر اونچی (اور عالی شان) مسندوں پر ۶۰ کیا ہی خوب بدلہ ہوگا وہ، اور کیسی ہی عمدہ آرام گاہ ہوگی وہ ۶۱ اور بیان کرو ان

مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا

(کی عبرت پذیری) کے لئے ایک مثال، کہ دو شخص تھے جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ دیئے تھے انگوروں کے، اور

لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ

گھیر دیا تھا ہم نے ان دونوں کو کھجوروں کی ایک عمدہ باڑ سے ۶۲ اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیتی (کے قابل زمین)

۵۹ اہلِ جنت کو ملنے والے شاہانہ انعامات میں سے کچھ کا تذکرہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کیلئے ایسی سدابہار جنتیں ہونگی جن کے نیچے سے بہہ رہی ہونگی طرح طرح کی عظیم الشان نہریں۔ ان کو وہاں پر کنگن پہنائے جائینگے، سونے کے اور وہ سبز رنگ کے لباس پہنے ہونگے باریک اور دبیز ریشم کے، جو علامت ہوگی بڑے اعزاز واکرام کی کہ دنیا میں یہ چیز بڑے بڑے بادشاہوں کیلئے خاص ہوا کرتی تھی۔ سو جنت کے باسیوں کو ایسی شاہانہ زندگی نصیب ہوگی کہ اسکے سامنے دنیاوی بادشاہوں کی بادشاہتیں بھی ہیچ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین! سو ابنائے دنیا تو اپنے مال ودولت اور دُنیائے دُوں کے ظاہری ٹھاٹھ باٹھ اور اپنے فانی سامانِ عیش وعشرت کی بناء پر مست ومغرور ہیں اور اپنے کبر وغرور کی بناء پر ایسے بندگانِ صدق وصفا کو ان کی غربت وافلاس کی بناء پر کچھ نہیں سمجھتے لیکن ایمان ویقین اور صدق و اخلاص کی جس متاعِ گراں مایہ سے یہ فقراء ومساکین متمتع ومالا مال ہیں اسکی بناء پر اور اس کے نتیجے میں ان کو آخرت کے اس ابدی جہاں اور وہاں کی حقیقی زندگی میں ایسی ایسی عظیم الشان اور بے مثال نعمتوں سے نوازا جائے گا جن کے سامنے اس دنیائے دوں کے بادشاہوں کی بادشاہتیں بھی ہیچ ہیں۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین!

۶۰ اہلِ جنت کے سکون واطمینان اور آرام وراحت کا نقشہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ تکیے لگائے بیٹھے ہونگے اونچی اور عالیشان مسندوں پر"۔ جو نشانی ہوگی ان کے سکون واطمینان کی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا سکون واطمینان اور کہیں اور کسی

اور صورت میں ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین! یا رب العالمین۔ سو جنہوں نے دنیا کی یہ عارضی فانی اور مختصر ومحدود زندگی اپنے رب کی رضا وخوشنودی کی طلب وتلاش میں گزاری ہوگی انکو وہاں پر ایسی ابدی بادشاہی نصیب ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔ سو اصل دولت وہ نہیں جس پر ابنائے دنیا مست ومغرور ہیں بلکہ اصل دولت ایمان ویقین کی وہ مقدس دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے اور جس کے نتیجے میں وہ سدا بہار جنتوں اور وہاں کی ایسی عظیم الشان نعمتوں سے سرفراز ہونگے۔ اللہ نصیب فرمائے، آمین

۶۱ کیا ہی خوب بدلہ اور کیسی عمدہ آرام گاہ ہوگی وہ؟:- وہ جس سے اِن اصحاب ایمان ویقین کو سرفراز کیا جائے گا اور جس کے سامنے دنیائے فانی کی سب لذتیں اور نعمتیں ہیچ ہیں۔ اللّٰھم اجعلنا من اھلھا بمحض منک وکرمک یا ارحم الراحمین. بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ اہلِ جنت کے اعمال کا پورا بدلہ اور ثواب ہوگا جس سے حق تعالیٰ شانہ اپنے کرمِ بے پایاں سے ان کو نوازے گا۔ سو جنت ہوگی تو خاص اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت لیکن اس کا سبب انسان کا اپنا ایمان وعمل ہی ہوگا۔ واضح رہے کہ جنت اور دوزخ سے متعلق یہ احوال ان غیبی حقائق میں سے ہیں جن کو اس جہانِ رنگ و بو میں اور محسوسات تک ہی رسائی رکھنے والی عقل وخرد کیلئے پوری طرح سمجھنا ناممکن نہیں کہ ان کا تعلق ان متشابہات سے ہے جو عقلِ نارسا کی حدود سے باہر اور وراء الوراء ہیں۔ قرآنِ حکیم اپنی تمثیلات وتشبیہات کے ذریعے اس عالمِ نادیدہ کے ان عظیم الشان احوال کو انسانی عقل اور اسکے فہم وادراک کے قریب لانا چاہتا ہے اور ان تمثیلات وتشبیہات میں بھی قرآنِ حکیم بنیادی طور پر اہلِ عرب کی معلومات اور ان ہی کے ذوق کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اسکے اولین مخاطب وہی لوگ تھے اور ہیں اور تشبیہ وتمثیل میں مؤثر وہی چیزیں ہوسکتی ہیں جن سے مخاطَب واقف اور مانوس ہوں۔ سو ان تمثیلات وتشبیہات سے مقصود اصل میں تقریب الی الافہام ہے اور بس۔ رہ گئے ان کے اصل مفاہیم ومصادیق تو ان کو پوری طرح اس دنیا میں سمجھنا کسی کیلئے ممکن نہیں۔ سو دوزخ کے "مھل" یا جنت کے کنگن اور وہاں سندس واستبرق کی اصل حقیقت کو اس دنیا میں سمجھنا کسی کے لئے ممکن ہی نہیں۔ اللہ نصیب فرمائے اور محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے۔ آمین!

۶۲ عمدہ باغ کی تصویر:- سو ان دونوں باغوں کو کھجور کے درختوں کی ایک عمدہ باڑھ سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ تاکہ اس سے ان کے حسن وجمال میں بھی اضافہ ہو اور سورج ودھوپ کی تپش سے ان کی حفاظت بھی ہو۔ اور عربوں کے یہاں عمدہ باغ کی تعریف یہی تھی کہ انگوروں وغیرہ پھلدار درختوں کا باغ ہو اور اسکے اردگرد کھجور کے درختوں کی باڑھ لگی ہو۔ سو یہ عمدہ باغ کی تصویر کشی ہے۔ سو اس تمثیل سے ابنائے دنیا اور خاص کر کفارِ قریش ومشرکینِ مکہ کے سامنے آئینہ رکھ دیا گیا کہ وہ اس میں اپنے حال اور مآل کو دیکھ لیں اور اس سے درسِ عبرت وبصیرت لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وہدایت پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا اکرم الاکرمین۔

جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ

بھی رکھ دی تھی ف۶۳ یہ دونوں باغ خوب پھلے پھولے، اور پھل لانے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ف۶۴ اور ہم نے

اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا

ان دونوں کے درمیان ایک نہر بھی جاری کر دی تھی ف۶۵ اور اس کا کچھ اور بھی مال تھا ف۶۶ تو (ایک مرتبہ ترنگ میں آ کر) وہ

نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ

اپنے ساتھی سے بات کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی بہت زیادہ ہوں، اور جتھے کے اعتبار سے بھی

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ

تجھ سے کہیں زیادہ طاقتور ہوں ف۶۷ اور (ایک مرتبہ اسی نشے میں چور) وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اس حال میں کہ وہ

وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ

(کبر و غرور سے) خود اپنے ہی اوپر ظلم کر رہا تھا، اور اس نے (تکبر بھرے انداز میں) کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ بھی

اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ

کبھی برباد ہو جائے گا اور نہ ہی میں یہ ماننے کو تیار ہوں کہ قیامت قائم ہونے والی ہے، اور اگر (بالفرض) میں اپنے

۶۳ ان دونوں باغوں کی خوبیٔ مزید کا ذکر و بیان:- سو ان دونوں باغوں کی خوبی مزید کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اور ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی موجود تھی جس سے اس شخص کو ڈبل فائدہ حاصل ہو رہا تھا۔ ایک طرف تو اس کو ان دونوں عمدہ باغوں سے بہترین پھل مل رہے تھے اور دوسری طرف ان کے درمیان سے اسکو طرح طرح کی دوسری مختلف پیداواریں بھی حاصل ہو رہی تھیں کہ ان دونوں باغوں کے درمیان مختلف قسم کے چھوٹے زرعی قطعات بھی موجود تھے۔ اور اس طرح وہ باغ نعمت بالائے نعمت کے مصداق بنے ہوئے تھے جس کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے رب کا شکر بھی دوگنا ادا کرتے اور اسطرح کی ان پہ نعمت انکے لئے ذریعہ خیر بن جاتی۔

۶۴ ان باغوں کی عظمتِ شان کے کچھ مزید پہلو:- کہ انکی سینچائی اور سیرابی کیلئے ان کے درمیان ایک نہر بھی رواں دواں تھی اور مزید یہ کہ ان دونوں باغوں کے پھلوں میں کبھی کمی نہیں آتی تھی کہ نہ پھلوں میں کمی ہوتی اور نہ وہ گرتے اور خراب ہوتے۔ جو ان دونوں باغوں کی عظمتِ شان کی ایک اور بڑی دلیل تھی۔ ورنہ عام طور پر پھلدار

باغوں کی بارآوری میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ کبھی کسی باغ میں پھل کم آتے ہیں اور کبھی زیادہ۔ مگران دونوں باغوں کا معاملہ اس سے مختلف تھا کہ ان میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔ (معارف اور المراغی وغیرہ)۔

۶۵ ان کے درمیان نہر بھی موجود تھی:- جو ایسے باغوں کی عظمتِ شان کا ایک اور خاص پہلو تھا۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور ان دونوں کے درمیان ہم نے ایک عظیم الشان نہر بھی چلادی تھی تاکہ وہ ان کو سینچتی بھی رہے اور ان کے حسن و جمال کو بھی دوبالا کرتی رہے۔ اس کا پانی بھی کبھی ختم نہیں ہوتا تھا اور اس سے آگے مختلف نالیوں کے ذریعے ان دونوں باغوں کے تمام درختوں اور پودوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ سو اس شان کا باغ اگر ایک بھی ہو تو کتنی بڑی بات ہے چہ جائیکہ ایک چھوڑ دو باغ موجود ہوں۔ تو پھر ایسے شخص کو اور کیا چاہیے اور ایسے شخص کو تو اپنے خالق و مالک کیلئے سراسر شکر و سپاس بن جانا چاہیے کہ اس نے اسکو اسطرح نعمت پہ نعمت سے سرفراز فرمایا۔

۶۶ اور اس کیلئے اور مال بھی تھا:- یعنی اس شخص کے پاس ان دو باغوں کے علاوہ اور بھی کئی طرح کا مال تھا اور ثمر کا اطلاق مال پر بھی ہوتا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس انگوروں اور کھجوروں کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے پھل تھے۔ حضراتِ مفسرین کرام نے دونوں مطلب بیان کئے ہیں۔ (روح، ابن کثیر، مراغی، محاسن، وغیرہ)۔ بہرکیف اپنے اس مال و دولت کی کثرت کی بناء پر اس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تم سے کہیں بہتر ہوں۔ سو رب تعالیٰ کی ایسی نعمتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایسا شخص اپنے رب کے حضور سراپا شکر و سپاس بن جاتا اور اپنے ہر بُنِ مُو سے اُس واہبِ مطلق کا شکر ادا کرتا۔ اور اس طرح وہ نعمت اسکے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ اور وسیلہ بن جاتی۔ مگر اس نے کفر و انکار اور ناسپاسی کا ارتکاب کر کے اس کو اپنے لئے باعثِ وبال بنادیا اور اس طرح فوز دارین کی راہ سے منہ موڑ کر اس نے مہالک کے راستے کو اپنایا۔ والعیاذ باللہ العظیم. اللہ تعالیٰ ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین!

۶۷ دنیادار شخص کے کبر وغرور کا حال:- سو اس منکر و متکبر شخص نے اپنے مومن ساتھی کے مقابلے میں اظہارِ تکبر کرتے ہوئے کہا کہ میں تم سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے کے لحاظ سے بھی۔ لہٰذا میں تم سے بہتر ہوں کہ تم مال میں بھی مجھ سے کم ہو اور جتھا اور پارٹی کے اعتبار سے بھی میرے مقابلے میں کمزور ہو۔ اور روایات کے مطابق اور فحویٰ کلامِ الٰہی کے بموجب اس کے مومن ساتھی نے جب اسکو از راہِ نصیحت و خیر خواہی دین و ایمان کی بات کی۔ اس کو کفرانِ نعمت اور ناشکری کے انجام سے خبردار کیا۔ اور اسکو آخرت اور وہاں کی باز پرس کی یاددہانی کرائی تو اُس نے اسکے جواب میں اپنی ترنگ اور تکبر میں اسکو اس طرح جواب دیا اور حق و ہدایت کی بات ماننے اور کلمۂ نصیحت و خیر خواہی قبول کرنے کی بجائے اس نے اس سے بحث شروع کردی کہ تم مجھے کیا نصیحت کرسکتے ہو۔ جبکہ تم میرے برابر کے بھی نہیں ہو کہ میرے پاس مال و دولت بھی تم سے زیادہ ہے اور میں جتھا اور پارٹی کے لحاظ سے بھی تم سے کہیں بڑھ کر عزت و عظمت رکھتا ہوں۔ سو میں صحیح راستے پر اور بالکل ٹھیک جارہا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اور یہی حال اَبناءِ دنیا کا کل تھا، اور یہی حال انکا آج بھی ہے، الا ماشاءاللہ۔

اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ

رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میں (وہاں پر) اس سے بھی کہیں بڑھ کر اچھی جگہ پاؤں گا ۶۸ اس کے ساتھی نے اس

لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ

سے باتیں کرتے ہوئے (فہمائش اور تنبیہ کے طور پر) اس سے کہا کہ کیا تو اسی ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے

خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ

پیدا فرمایا مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر تجھے بنا کھڑا کیا ایک صحیح و سالم

رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّىْٓ

انسان کے طور پر؟ ۶۹ (تو پھر بھی اگر کفر ہی کرتا ہے تو کیا کر باقی) رہا میں، تو میرا رب تو بہر حال وہی اللہ ہے، اور میں اس کے

اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا

ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا (کسی بھی حال میں) ۷۰ اور ایسے کیوں نہ ہوا کہ جب تو داخل ہوا تھا اپنے باغ میں تو تُو (دل

۶۸ منکرین کے لئے انکا مال و دولت باعثِ محرومی وخرابی، والعیاذ باللہ العظیم: سو دنیاوی مال و دولت کا یہ سب سے خطرناک اور نقصان دہ پہلو ہے کہ منکر شخص اس کو اپنی حقانیت کی دلیل سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دنیا میں جو مجھے یہ سب کچھ ملا ہوا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں اس کا اہل اور مستحق ہوں۔ اور میں ہی صحیح طریقے پر ہوں۔ لہٰذا آخرت اگر ہوئی بھی تو وہاں بھی کامیابی میری ہی ہوگی۔ سو دنیاوی مال و دولت کا یہ پہلو سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ پہلو ہوتا ہے کہ بگڑا ہوا انسان اس کی بناء پر باطل پر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حق پر سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس بناء پر وہ حق بات سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔ اور اس طرح وہ راہِ حق و ہدایت سے دور اور محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ. حالانکہ اللہ پاک کے یہاں جب اس ساری دنیا کی بھی کوئی حیثیت نہیں تو پھر اس میں سے کسی کو کچھ مل جانے کو حق کی علامت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ والعیاذ باللہ . سو دنیا میں جو بھی کچھ کسی کو ملتا ہے اسکی اصل حیثیت انعام و اکرام کی نہیں ہوتی بلکہ ابتلاء و آزمائش کی ہوتی ہے کہ دنیا ہے ہی دار العمل و دار الابتلاء۔ جبکہ انعام و احسان اور صلہ و بدلہ کا اصل گھر آخرت ہی ہے مگر دنیا اس اہم بنیادی حقیقت کو سمجھتی نہیں۔ الا ما شاء اللہ سبحانہ و تعالیٰ والعیاذ باللہ العظیم. اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۶۹ انسان کا خود اپنا وجود توحید و وحدانیت خداوندی کا زندہ ثبوت:- سو اس مؤمن صادق نے اپنی دعوتِ حق سے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ انسان کا خود اپنا وجود حق تعالیٰ کے وجود اور اسکی وحدانیت کا سب سے بڑا اور کھلا ثبوت ہے۔ یعنی جب خود تیرا یہ اپنا وجود اُس واہبِ مطلق کی اتنی عظیم الشان نعمتوں اور اتنے اتنے احسانات کا مظہر و شاہکار ہے تو پھر تُو اس کا انکار اور کفرانِ نعمت کس طرح کرتا ہے؟ سو انسان اگر صحیح طور پر غور و فکر سے کام لے تو اس کا خود اپنا وجود ہی پکار پکار کر حضرتِ خالق و مالک کی قدرتِ مطلقہ، اسکی حکمتِ بالغہ اور عنایتِ شاملہ کی گواہی دے گا۔ اور اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر اس کو حضرتِ حق کے آگے جھکنے اور اسکے حضور سربسجود ہونے کی دعوت دے گا کہ کہاں اس سے وجود میں آنے والا عقل و خرد اور ادراک و شعور کا مالک یہ انسان؟ آخر یہ سب کچھ کس کی قدرتِ مطلقہ، حکمتِ بالغہ اور عنایتِ شاملہ کا نتیجہ و ثمر ہے؟ وہی تو اللہ وحدہ لاشریک ہے لیکن انسان جب حطامِ دنیا کے متاعِ فانی کی بناء پر مست ہو جاتا ہے تو وہ محض ایک حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ ان اہم اور بنیادی اُمور کے بارے میں سوچتا ہی نہیں۔ بلکہ وہ اس سے بھی نیچے گر جاتا ہے اور وہ عقل و خرد کی اسی روشنی کو جو حضرتِ حق جل مجدہ نے اس کو بخشی ہوتی ہے اس کو حق کے فہم و ادراک کی بجائے اس کو حق کیخلاف استعمال کرتا ہے اور عقل کی اسی روش پر وہ ایسی کافرانہ منطق بگھارنے لگتا ہے جس سے وہ اور نیچے گر کر اسفل السافلین تک پہنچ جاتا ہے اور خسر الدنیا والآخرۃ . کا مصداق بن کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم.

۷۰ مومنِ صادق کا شرک سے برأت و بیزاری کا اعلان:- سو اس مومنِ صادق نے اس منکر و متکبر شخص سے کہا کہ میں تو بہر حال کسی کو بھی اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا کہ اس کا کوئی شریک و سہیم ہے ہی نہیں۔ اس کے سوا نہ کوئی کچھ دے سکتا ہے نہ چھین سکتا ہے۔ اور وہ جس کو جو چاہے دے اور جیسے چاہے رکھے صحیح اور درست ہے کہ وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی۔ اور اس کی حکمتوں کا علم و احاطہ بھی خود اسی وحدہ لاشریک کو ہو سکتا ہے۔ تو تجھے اے منکر و متکبر شخص اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنی چاہیے تھی اور "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" کہنا چاہیے تھا۔ تا کہ اس کا حقِ شکر بھی ادا ہوتا اور تیرے باغ کی آفات و بلیات سے حفاظت بھی ہوتی۔ بہر کیف اس بندۂ مومن نے اس منکر و متکبر ساتھی کے سامنے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ ایمان کیلئے صرف خداوندِ قدوس کو مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے سامنے یہ بھی ضروری ہے کہ خدا ہی کو اپنا رب، پروردگار اور آقا و مالک مانا جائے۔ اگر کوئی شخص اللہ کا اقرار کرتا ہے لیکن وہ رب دوسروں کو بھی مانتا ہے تو وہ مشرک ہے اور یہ شرک بھی کفر ہے اور اگر کوئی شخص اپنی دولت وغیرہ پر مغرور ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ یہ اسکی اپنی لیاقت و قابلیت کا نتیجہ و ثمرہ ہے اور کوئی اس کو اس سے چھین نہیں سکتا تو یہ بھی شرک ہے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو خدائی میں شریک سمجھتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم. اللہ تعالیٰ شرک اور اسکے ہر شائبہ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین!

شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ

دجان سے) پکار اٹھتا "ما شاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" ۷۱ اور اگر تو مجھے اپنے سے کمتر دیکھتا ہے

مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۚ ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ

مال اور اولاد کے اعتبار سے، تو (یاد رکھ کہ) بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بھی

خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ

کہیں بڑھ کر اچھا باغ دے دے، ۷۲ اور تیرے اس باغ پر آسمان سے کوئی ایسی آفت بھیج

السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۙ ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا

دے کہ یہ چٹیل میدان بن کر رہ جائے، یا اس کا پانی ہی زمین میں ایسا

غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ

اتر جائے کہ تو اسے کسی بھی طرح تلاش کر کے نہ لا سکے، ۷۳ آخر کار گھیر لیا گیا اس کے سارے پھل کو

۷۱ "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" کہنے کی تعلیم وتلقین:- سو اس بندۂ مومن نے اس منکر و متکبر شخص سے کہا کہ اگر تم اکڑتے اور تکبر میں مبتلا ہوتے۔ بلکہ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم اپنے رب کے شکر گزار بنتے۔ اور جب تم میووں سے لدے لدائے اس ہرے بھرے باغ میں داخل ہوتے تو "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" کہتے۔ اور اس طرح اس بات کا اقرار واعتراف کرتے کہ یہ سب کچھ اس رب کریم کا عطیہ واحسان ہے۔ اس کے بغیر کسی کی یہ قوت وطاقت نہیں کہ وہ کچھ بنا یا بگاڑ سکے۔ سبحانہ وتعالیٰ پس ہر نعمت پر انسان کو یہی کہنا چاہیے "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" کہ اس میں حق اور حقیقت کا اقرار واعتراف اور ذکر واظہار بھی ہے جو کہ اس وحدہ لاشریک کا حق ہے اسکے بندوں پر۔ اور دوسری طرف اس سے نعمت سلب وتلف اور نظرِ بد سے بھی محفوظ رہتی ہے جیسا کہ حضرت انس ؓ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے (ابن کثیر وغیرہ)۔ کیونکہ اللہ پاک کی اس کائنات میں جو بھی کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہی ہوتا ہے۔ سو جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ سب اسی وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے اور جو کچھ باقی ہے وہ بھی اسی کی رحمت وعنایت سے ہے۔ سو "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" ایک عظیم الشان ورد ودعا ہے۔ اس میں بندہ اپنے رب کے حضور اپنی عبدیت وبندگی کا اظہار اور اپنے خالق ومالک کی رحمت وعنایت کا اقرار واعتراف کرتا ہے۔ اور یہی اصل اساس ہے فوز وفلاحِ دارین کی۔ اسی لئے صحیح حدیث میں اس کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ۔ "کنز من کنوز الجنة" قرار دیا گیا ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی

ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں میں سے کسی کو مال واولاد وغیرہ کی کسی نعمت سے نوازتا ہے اور وہ اس پر "ماشاء اللّٰہ لاقوۃ الا باللّٰہ" کہتا ہے تو اس کی اس نعمت پر کوئی آفت نہیں آسکتی سوائے موت کے اور یہ بات آنحضرت ﷺ نے اسی آیتِ کریمہ کا مطلب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمائی۔ (ابن کثیر وغیرہ) روایت میں ہے کہ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مکان کے دروازے پر "ما شاء اللّٰہ لاقوۃ الا باللّٰہ" لکھ رکھا تھا۔ کسی نے اسکی وجہ پوچھی تو آپ نے جواب میں اسی آیتِ کریمہ کا حوالہ دیا۔ (معارف القرآن للکاندھلوی)۔ الحمدللہ راقم آثم نے آج سے کئی سال پہلے اپنے اس عظیم الشان مکان (مدنی منزل، معمورہ المدنی آزاد کشمیر، پاکستان) کے چاروں کونوں پر یہ دعا لکھ کر لگائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے تعمیر کرنے کی توفیق عطا کی تھی۔ اور اب اپنے اسلام آباد والے اس مکان پر بھی لکھ کر لگانے کا ارادہ و پروگرام ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق وعنایت سے تعمیر و تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ والحمد للّٰہ جل و علا. اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین!

۴۲ رب کی رحمت کی امید کا درس:- سو اس مومنِ صادق نے اس منکر و متکبر شخص سے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بھی بڑھ کر کوئی باغ دے دے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں اور خواہ دنیا وآخرت دونوں میں کہ دینے اور بخشنے والا بہر حال وہی وحدہ لاشریک ہے اور وہی وحدہ لاشریک جانتا ہے کہ کس کو کس نعمت سے نوازا جائے اور کب اور کس طرح نوازا جائے۔ یہ سب کچھ وہی بہتر طور پر جانتا ہے اور میرا اسی پر بھروسہ واعتماد ہے۔ سو دینے والا بہر حال اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ اس کے ہاتھ بند نہیں ہوئے۔ بلکہ اسکی عطاء وبخشش برابر جاری وساری ہے اور ایسی اور اسقدر کے ہر ہر لمحہ اور لحظہ کے اندر اسکے جو خزانے تقسیم ہوتے ہیں ان کا حساب اور اندازہ کرنا بھی کسی کیلئے ممکن نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللّٰھم فکن لی وَاجعَلنی لک بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من الواطن فی الحیاۃ یاذا الجلال والاکرام.

۴۳ اندیشۂ عذاب کی تذکیر و یاددہانی:- سو اس بندۂ مومن نے اس منکر شخص کو اندیشۂ عذاب کی تذکیر و یاددہانی کراتے ہوئے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تیرے اس باغ کو کسی بھی طرح ختم کردے۔ پس تجھے اکڑنے اور اترانے کی بجائے اس کا شکر بجالانا اور اس کی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ تیرا یہ باغ جس پر تو اس قدر مست اور مغرور ہے کبھی بھی اور کسی بھی طرح ختم ہوسکتا ہے۔ سو ہوسکتا ہے کہ اس پر آسمان سے کوئی ایسی ناگہانی آفت آجائے جو اس کا صفایا کردے یا اس کو زندگی بخشنے والا پانی زمین کے اندر اس طرح اتر جائے کہ تیرا یہ باغ سوکھ سڑ کر ختم ہوجائے۔ سو اللہ کا عذاب کہیں سے بھی اور کسی بھی شکل میں آسکتا ہے۔ تو پھر اس کے عذاب اور اس کی گرفت و پکڑ سے اس طرح نچنت و بے فکر ہوکر مست ومغرور اور لاپرواہ ہوجانا کتنی بڑی حماقت وناشکری اور کس قدر خسارے اور افسوس کا سودا ہے۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم. اللہ تعالیٰ ہمیشہ، ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین!

فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ

(ایک ناگہانی آفت سے) وہ ۴۴ جس سے وہ اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا، اپنے اس خرچ پر جو اس نے اس باغ پر کیا تھا، جب کہ وہ

خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ

گرا پڑتا تھا اپنی چھتریوں پر، وہ ۴۵ اور وہ (مارے حسرت کے) کہہ رہا تھا کہ اے کاش میں نے

بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ

شریک نہ ٹھہرایا ہوتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو، وہ ۴۶ اور نہ کوئی جماعت ایسی تھی جو اس کی مدد کرتی

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ

اللہ کے سوا، اور نہ وہ خود بدلہ لینے کے قابل تھا وہ ۴۷ یہاں (سے واضح ہو گیا کہ کارسازی کا) سب اختیار خدائے برحق ہی کے

الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع

لئے ہے، اسی کا بخشا ہوا انعام بھی سب سے اچھا ہے، اور اسی کا دکھایا ہوا انجام بھی سب سے بہتر وہ ۴۸ اور ان (کی عبرت)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ

کے لئے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کر دو کہ جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، جس سے خوب گھنی ہو کر نکلی اس کی

۴۴ منکر انسان آخر کار پنجۂ عذاب کی گرفت میں، والعیاذ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخر کار گھیر لیا گیا اس کے باغ کو ایک ناگہانی آفت سے جس سے وہ تباہ و برباد اور كَانْ لَمْ يَكُنْ ہو کر رہ گیا، سو آخر کار وہی ہوا جس سے اس بندۂ مومن نے اس شخص کو خبردار کیا تھا اور جس سے وہ سب کچھ مٹ مٹا گیا۔ جس کا اس شخص کو بڑا گھمنڈ اور غرور تھا۔ اور جس کی بناء پر وہ حق بات سننے اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ اب اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ والعیاذ باللہ۔ سو جس باغ کے بارے میں اس شخص کا کہنا تھا کہ میں کبھی گمان بھی نہیں کرسکتا کہ یہ باغ بھی کبھی تباہ ہوسکتا ہے۔ ما اظن ان تبید هذه ابدا وہ اس طرح اجڑ کر نیست و نابود ہو چکا تھا۔ اور جس کی سرسبزی اور شادابی پر اس کو اس قدر گھمنڈ اور غرور تھا وہ اس طرح قصہ پارینہ بن کر رہ گئی تھی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ، ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین!

۴۵ باغ کی تباہی کی منظر کشی :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس عذاب کے نتیجے میں وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر، یعنی وہی باغ جس کے بارے میں اس متکبر اور مغرور شخص کا کہنا تھا کہ میں گمان بھی نہیں کرسکتا کہ یہ بھی کبھی تباہ ہوگا وہ آج اس طرح تباہ ہو چکا تھا اور اپنی زبانِ حال سے دیکھنے والوں کو درسِ عبرت سنا رہا تھا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کہ دنیا والو دیکھو مجھے جو

دیدۂ عبرت نگاہ ہو، میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو، اور دیکھ لو انجام ان لوگوں کا جو حطامِ دنیا پر پھول کر حق سے منہ موڑ لیتے ہیں اور حق کی تکذیب انکار کے جرم کا ارتکاب کر کے وہ دائمی خسارے میں مبتلا ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم. لیکن متاعِ دنیا کے چند ٹکوں پر پھول کر اپنے مال و انجام کو بھول جانے والے مغروروں اور متکبروں کا حال یہی ہوتا ہے۔ اپنے جن قلعوں کو وہ ناقابلِ شکست سمجھتے ہیں وہ قدرت کی طرف سے پہنچنے والی ایک ہی جنبش سے ڈھیر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس وقت انکی آنکھ کھلتی ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ جس چیز کو وہ اتنا بعید سمجھتے تھے وہ بالکل ان کے پاؤں کے نیچے سے برآمد ہو گئی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم.

۷۶ بعد از وقت کی ندامت بے فائدہ و لاحاصل:- سو وہ شخص مارے افسوس کے کہہ رہا تھا کہ ''کاش کہ میں شریک نہ ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو''۔ اور آج مجھے یہ انجام نہ دیکھنا پڑتا۔ مگر اب اس بے وقت کے پچھتاوے سے کیا حاصل اور اس کا کیا فائدہ؟ سوائے یاس و حسرت کی آگ میں اضافے اور تیزی کے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ شرک تباہی کا باعث اور تمام خرابیوں کی جڑ بنیاد ہے۔ اس لئے اس شخص نے یہاں پر اپنی خرابیوں اور کرتوتوں میں سے صرف شرک ہی کا ذکر کیا۔ والعیاذ باللہ من کل شائبۃ من شوائب الکفر والشرک. بہر کیف بعد از وقت کی ندامت اور پچھتاوا بے سود اور لاحاصل ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم.

۷۷ اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں چھڑا سکتا:- سو ارشاد فرمایا گیا ''اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو اسکی مدد کرتی اللہ کے مقابلے میں''۔ اور اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتی اور اسکو اپنے کفر و شرک کے اس ہولناک انجام سے بچا لیتی کہ حاجت روا و مشکل کشا تو وہی وحدہ لاشریک ہے۔ جل جلالہ وعز سلطانہ۔ سو اس مغرور و متکبر شخص کو جو اپنے جتھے اور پارٹی پر نازاں تھا اور جسکے بارے میں وہ فخریہ طور پر کہا کرتا تھا کہ میرا جتھا بہت مضبوط اور طاقتور ہے وہ اس وقت میں اس کے کچھ بھی کام نہ آسکا اور سب کے سامنے واضح ہو گیا کہ یہ سب مزاعمِ کاسدہ (دھوکے کے سامان) ہیں جن کی بناء پر مغرور انسان راہِ حق و ہدایت سے مڑ کر ہمیشہ کے اور سب سے ہولناک خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم. سو نہ تو اس موقعہ پر کوئی ایسی پارٹی اور گروپ وہاں پر موجود تھا جو اس کی کچھ مدد کر سکتا اور نہ ہی خود اس میں کوئی دم خم تھا کہ وہ خود کوئی انتقام لے سکے۔

۷۸ غلبہ و اختیار سب اللہ ہی کے لئے:- سو ارشاد فرمایا گیا اس موقعہ پر کہ ''اختیار سب اللہ ہی کے ہاتھ میں تھا'' اور اللہ کا بتایا ہوا انجام ہی سب سے بہتر ہے اُس سے ڈرنے والوں کیلئے اور صدقِ دل سے اُس کی اطاعت و بندگی کرنے والوں کیلئے اور اس قدر بہتر اور عمدہ اِنعام و انجام کہ اس کی عمدگی اور بہتری کا ادراک و احاطہ بھی کسی بشر کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے۔ تسلیم کرے یا نہ کرے۔ حق اور صدق بہر حال وہی اور صرف وہی ہے جو اللہ اور اس کا رسول بتائے۔ اور اللہ اور اسکے رسول کے ارشادات کیخلاف جو بھی کچھ ہوگا وہ سب باطل اور اس کا انجام نہایت ہی برا اور انتہائی ہولناک ہے۔ والعیاذ باللہ . اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو بہترین ثواب اور نہایت عمدہ انجام سے نوازتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ کہ اس کا کام اور اس کی شان نوازنا ہی نوازنا ہے۔ سب کو نوازنا اور ہمیشہ نوازنا اور اسکی نوازشوں کا سلسلہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ جاری و ساری رہتا ہے الا یہ کہ کوئی اپنی محرومی اور بدبختی کی بناء پر اس کی جنابِ اقدس و اعلیٰ سے منہ موڑ لے۔ والعیاذ باللہ العظیم. سو بندے کی بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کا بندہ بن کر رہے۔ حدودِ بندگی کے اندر اور اسکے حضور صدقِ دل سے سرِ تسلیم خم رہے۔

وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی مایحب ویرید جل وعلا.

مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ

انگوری ۷۹ پھر (چندے بعد) وہ اس طرح چورہ بن کر رہ گئی کہ اڑائے پھریں اس کو ہوائیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر

هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

پوری طرح قابو رکھنے والا ہے ۸۰ یہ مال واولاد تو دراصل زیب و زینت ہیں اس (چند روزہ) دنیاوی زندگی کی، (اور بس) ۸۱

۷۹ **دنیا کی مثال اسکی فنا اور بے ثباتی میں:-** پس جس طرح زمین اور اس کی لہلہاتی اور خوش منظر کھیتی کی بہار عارضی اور چند روزہ ہوتی ہے اس کے بعد وہ چورا چورا ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور مٹ مٹا جاتی ہے اسی طرح اس دنیائے فانی کی یہ زیب وزینت اور چکا چوند بھی چند روزہ اور عارضی و فانی ہے۔ اصل زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔ پس عقل وخرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی ہی کو اپنا مقصدِ حیات اور نصب العین بنائے اور اسی کیلئے اصل تیاری کرے۔ وباللہ التوفیق۔ سو جو لوگ اس دنیا ہی کو مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں اور وہ اسی کے عیش و تنعم، کھیل تماشوں، عیش و عشرت، لذتِ کام و دہن کے سامانوں، کاروں، کوٹھیوں، مادہ و معدہ کے تقاضوں کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ یہیں کے مال و جائیداد، روپیہ پیسہ، بینک بیلنس اور عہدوں اور مناصب کے حصول کیلئے کوشاں ہیں اور انہی کیلئے جیتے اور مرتے ہیں وہ سخت خسارے میں ہیں کہ یہ سب کچھ عارضی اور فانی ہے۔ جبکہ اصل زندگی آخرت کی زندگی اور اصل آرام وہیں کا آرام ہے۔ دنیاوی زندگی کا اصل مصرف اور اس کی اصل قدر و قیمت یہی ہے کہ اس میں آخرت کیلئے کمائی کی جائے۔ وباللہ التوفیق۔

۸۰ **اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے:-** پس وہ جس طرح عدم سے وجود میں لانے اور نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے اسی طرح فنا کرنے اور مٹا دینے پر بھی قادر ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ اور مٹا دینے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اور اسکو وجود بخشنا بھی اس کیلئے کچھ مشکل نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور جس طرح وہ بہار اور اُس کا سبزہ اور جوبن دکھاتا ہے اسی طرح اس پر خزاں بھی طاری کر دیتا ہے۔ سو یہی حال اس دنیا کا سمجھو کہ اسکی یہ سب چکا چوند بھی عارضی اور فانی ہے۔

۸۱ **مال واولاد محض دنیاوی زیب و زینت کا سامان:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "مال واولاد تو اصل میں اسی دنیاوی زندگی کی زیب وزینت کا سامان ہیں اور بس"۔ جبکہ ان سے مقصود دنیا ہی کا مفاد ہو۔ جیسا کہ ابنائے دنیا کا حال پہلے بھی رہا اور آج بھی ہے۔ ورنہ اگر ان چیزوں کو آخرت کی کمائی کا ذریعہ بنایا جائے تو پھر یہ سب کچھ دنیا نہیں دین بن جاتا ہے اور ان کے ذریعے آخرت کی وہ نیکیاں کمائی جاسکتی ہیں جو ان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ سو مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی یہ نعمتیں دو دھاری تلوار کی طرح ہیں کہ اگر خیر کے ذریعے مل گئیں اور خیر کی راہ پر لگ گئیں تو خیر در خیر ورنہ نرا عذاب۔ والعیاذ باللہ العظیم. سو بڑے خسارے میں ہیں وہ لوگ جو مال اور اولاد کے اس سامانِ زیب و زینت میں پھنس کر اور اُلجھ کر رہ جائیں اور ان کے عشق میں دیوانے ہو کر اپنے انجام اور آخرت کو بھول جائیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ تو محض دنیاوی زندگی کی چند روز فرصت کا سامان ہیں اور بس۔ اصل چیز تو آخرت اور وہاں کیلئے سعی و کوشش ہے۔ اسی کو اپنا اصل مقصد اور نصب العین بنانا چاہئے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وهو الهادی الی سواء السبیل.

مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج

اور (سدا) باقی رہنے والی نیکیاں ہی ہیں جو تمہارے رب کے یہاں ثواب کے لحاظ سے بھی سب سے اچھی ہیں، اور

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

امیدیں وابستہ کرنے کے اعتبار سے بھی سب سے عمدہ ۸۲ اور (یاد کرواے لوگو، اس دن کو کہ) جس دن چلادیں گے ہم

اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً لا

ان (بھاری بھرکم اور فلک بوس) پہاڑوں کو، اور تم بالکل کھلا (اور برہنہ) دیکھو گے اس زمین کو، (ایک چٹیل میدان کی

وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ ج وَعُرِضُوْا

شکل میں) ۸۳ اور اکٹھا کرلائیں گے ہم ان سب کو اس طور پر کہ ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے اور پیش کردیا

عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ط لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

جائے گا ان سب کو آپ کے رب کے حضور صف درصف (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آخر آگئے ناں تم لوگ ہمارے

اَوَّلَ مَرَّةٍ ز بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

پاس، جیسا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ ۸۴ مگر تم نے سمجھ رکھا تھا کہ ہم تمہارے (لوٹنے کے) لئے کوئی وقت ہی مقرر

۸۲ باقیاتِ صالحات کا مفہوم اور اس سے مراد؟:- سو باقیات صالحات سے مراد ہیں باقی رہنے والی نیکیاں۔ یعنی وہ نیک اعمال جو انسان کو آخرت میں کام دیں گے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات وغیرہ تمام اعمالِ خیر۔ طبرانی وغیرہ میں حضرتِ ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم". باقیات صالحات ہیں۔ یہ گناہوں کو ایسے گراتے ہیں جیسا کہ درخت اپنے پتے گراتا ہے اور یہ جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ سے مروی دوسری روایت میں ان کلماتِ کریمہ کو دوزخ کی آتشِ سوزاں سے بچانے والی ڈھال "جنتہ" قرار دیا ہے۔ اخرجہ النسائیؒ والبیہقیؒ و الطبرانیؒ عن ابی ہریرۃؓ۔ اور اسی لئے آپ ﷺ نے ان کے استکثار یعنی زیادہ پڑھنے کا حکم دیا۔ سو ان کلمات کریمہ کو بطور تمثیل باقیات صالحات کی تفسیر میں ذکر فرمایا گیا ہے ان کی عظمتِ شان کی بناء پر۔ ورنہ باقیات صالحات کے کلماتِ کریمہ اپنے عموم کے اعتبار سے سب ہی اعمالِ صالحہ کو شامل ہیں۔ (ابنِ جریر، محاسن التاویل، ابنِ کثیر، فتح القدیر،

المراغی، المعارف، روح وغیرہ)۔ فسبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا اله الا اللّٰه واللّٰه اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰه العلی العظیم۔ سو دنیائے فانی کے حطامِ زائل اور متاعِ فانی کو جوڑنے اور جمع کرنے کی بجائے ان باقیات صالحات کو جوڑنے اور جمع کرنے کی فکر و کوشش کرنی چاہیے جو آخرت کی اس حقیقی زندگی اور ابدی جہاں میں کام آسکیں۔ وباللّٰه التوفیق۔ لما یحب ویرید وعلی مایحب ویرید بکل حال من الاحوال۔

۸۳ قیامت کے روز اس زمین کا حال:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ قیامت کے روز یہ زمین ایک صفاچٹ میدان ہوگی چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ "اس روز زمین کو بالکل کھلا اور برہنہ ایک چٹیل میدان کی شکل میں دیکھو گے"۔ پس قیامت کے روز زمین کی یہ حالت قدرتِ خداوندی کا ایک اور عظیم الشان نمونہ و مظہر ہے۔ کیونکہ اس روز اس پر پائے جانے والے وہ تمام پردے جو آج حائل ہیں ہٹا دیئے جائیں گے۔ اور وہ تمام اوٹ وغیرہ یکسر ختم کر دیئے جائیں گے جو آج اس پر عظیم الشان پہاڑوں، وسیع و عریض گھنے جنگلوں، درختوں اور بڑی بڑی عمارتوں وغیرہ کی صورت میں موجود قائم ہیں جو کہ قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کا ایک اور عظیم الشان مظہر ہوگا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو یہ زمین اور اسکے اوپر جو کچھ ہے وہ اس روز سب کا سب ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ اسی سورۂ کریمہ کے شروع میں ارشاد فرمایا گیا۔ اس پر جو زیب و زینت اور رونق و خوشنمائی ہے اس سب کو اس روز مٹا کر اس زمین کو بالکل ایک چٹیل میدان بنا دیا جائیگا۔ اور ایسا چٹیل اور صفاچٹ میدان کہ اس روز تم اس میں نہ کوئی اونچ دیکھو گے نہ نیچ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس امر کی اسطرح تصریح فرمائی گئی۔ فیذرھا قاعا صفصفا لاتری فیھا عوجا ولا امتا۔ (طہٰ:۱۰۶-۱۰۷)

۸۴ سب کی اپنے رب کے حضور صف بستہ پیشی:- یہ پیشی بھی تنہا ہوگی اور ان سے کہا جائے گا کہ "اور آگئے تم ہمارے پاس اس طرح جس طرح کہ ہم نے تم کو پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ"۔ کہ تم بالکل تنہا، سراپا برہنہ اور عاجز و لاچار اس دنیا میں آئے تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ کما بدا کم تعودون۔ اور کھو گئے تم سے تمہارے وہ تمام مصنوعی اور خودساختہ سہارے جو تم نے طرح طرح کے ناموں سے گھڑ رکھے تھے۔ اور گم ہوگئے تم سے وہ تمام جتھے اور گروہ اور پارٹیاں اور جماعتیں جن کا تم لوگوں کو بڑا زعم اور گھمنڈ تھا اور تمہاری امارت و حکومت اور ریاست و قیادت وغیرہ کے وہ تمام مزاعم پادر ہوا ہوگئے جن کا تم کو دنیا میں بڑا گھمنڈ تھا۔ جن کی بناء پر تم لوگ اپنی اس رعونت و استکبار میں مبتلا تھے۔ اور تم حق بات کے سننے اور ماننے کیلئے آمادہ و تیار ہی نہیں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ دنیاوی زندگی کی وہ فرصتِ محدود تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی۔ تم آخرت کی اپنی اصل اور حقیقی زندگی کیلئے کچھ کمائے بغیر اور کچھ پونجی جمع کئے بدوں دنیا سے کوچ کر گئے۔ کسب و اکتساب کی وہ فرصتِ محدود تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی۔ اور تم خالی ہاتھ عاجز غلاموں کی طرح ہمارے حضور پہنچ گئے ہو۔ اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا بخشا تھا اور جس پر تم بہت نازاں تھے وہ سب تم نے وہیں چھوڑ دیا۔ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ۔ یعنی تم لوگوں نے وہ سب کچھ اپنے پیچھے چھوڑ دیا جو تم نے ہمیں دیا، بخشا تھا۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ

نہ کریں گے۸۵ اور (ان کے سامنے) رکھ دیا جائے گا نامہ اعمال کو، تب تم دیکھو گے مجرموں کو کہ وہ ڈر (کے مارے

مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ

کانپ) رہے ہوں گے، ان مندرجات سے جو اس کے اندر موجود ہوں گے، اور (مارے افسوس کے) وہ کہہ رہے

لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَ

ہوں گے کہ ہائے ہماری کمبختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑا اور نہ کسی بڑی بات کو، جس کو

وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ

درج نہ کیا ہو، اور وہ حاضر (وموجود) پائیں گے وہ سب کچھ جو انہوں نے (زندگی بھر) کیا ہوگا، اور آپ کا رب کسی پر

ع ۵/۶ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

ظلم نہیں کرتا۸۶ (اور وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم سجدہ کرو آدم کو،

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ

تو وہ سب کے سب (فوراً) سجدے میں گر پڑے، بجز ابلیس کے، وہ جنوں میں سے تھا، اس لئے اس نے

عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ

سرتابی کی اپنے رب کے حکم سے۸۷ تو کیا تم لوگ پھر بھی دوست بناتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو

مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ

مجھے چھوڑ کر؟۸۸ حالانکہ وہ تمہارے (اصلی اور پکے) دشمن بھی ہیں، کیا ہی برا بدل ملا

۸۵ انکارِ آخرت محرومیوں کی محرومی، اور ہلاکتوں کی ہلاکت، والعیاذ باللہ العظیم:۔ سوارشاد فرمایا گیا "اور تم نے سمجھ رکھا تھا کہ ہم تمہارے لوٹنے کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے"۔ اور تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیائے فانی اور اس کی عارضی و ناپائیدار لذتیں ہی سب کچھ ہیں۔ اسی لئے تم ان اہلِ ایمان کا مذاق اڑایا کرتے تھے جن کے پاس دنیاوی مال و دولت کچھ نہیں تھا۔ سو اب یہ وقت آگیا اور جس مال و دولت اور دنیاوی اسباب و وسائل پر تم لوگ

پھولے نہیں سماتے تھے وہ سب کچھ دنیا ہی میں رہ گیا اور تم کو خالی ہاتھ ہمارے حضور حاضر ہونا پڑا۔ سو انکارِ حق اور عقیدۂ آخرت سے محرومی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم. محرومیوں کی محرومی اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے اور اس سے انسان ایک بے مقصد اور لایعنی حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بدترین مخلوق "شَرُّ الْبَرِیَّة" بن جاتا ہے۔ اور وہ بے فکر اور بے پرواہ ہو کر اوندھا بہرا بن کر دوزخ کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اور ایسا اور اس حد تک کہ اسکو اس کا کوئی شعور و احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اسکی اصلاح کی طرف متوجہ ہو سکے، اور یہی ہے خساروں کا خسارہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم

۸۶ اور تمہارا رب کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتا:۔ کہ کسی کی کوئی نیکی کم کردی جائے یا کسی کو کسی ناکردہ برائی کی سزا دی جائے۔ اور ظلم کیا معنی کہ وہاں تو کرم ہی کرم ہے کہ برائی کا محض ارادہ کرنے پر برائی نہیں لکھی جاتی جبکہ نیکی کا ارادہ کرنے پر بھی نیکی لکھی جاتی ہے۔ پھر بُرائی کا ارتکاب کرنے پر۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ. ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور نیکی کا عمل کرنے پر ایک کے بدلے دس گنا، سو گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ مزید کرم یہ کہ سچی توبہ کرنے پر وہ عمر بھر کی سب برائیوں سے اس طرح پاک وصاف فرما دیتا ہے کہ گویا ایسے شخص نے گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے اس کرمِ لامتناہی اور اس شانِ بخشش وعطاء کے۔ اللّٰھم فخذ بنوا صینا الی مافیه حبک ورضاک.

۸۷ غرور و تکبر کی راہ ابلیس لعین کی راہ:۔ جس نے اپنے اس زعمِ فاسد میں مبتلا ہو کر اپنے رب کے حکم کے باوجود آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور اس بناء پر وہ ہمیشہ کیلئے مردود قرار پایا۔ والعیاذ باللّٰہ من کل سُوْءٍ وشَرٍّ. سو کبر و غرور اور اپنی بڑائی کا زعم و گھمنڈ ہلاکت و تباہی اور محرومی و خرابی کی جڑ بنیاد ہے۔ اور یہ ابلیس کا طریقہ ہے۔ جبکہ عجز وانکسار اور مسکنت و تواضع آدمؑ کا طریقہ ہے اور یہ سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی راہ ہے۔ پس جو لوگ دنیاوی مال و متاع اور منصب و جاہ کی بناء پر اکڑتے اور حق و ہدایت سے منہ موڑتے ہیں وہ ابلیسِ لعین کی راہ پر چل کر دائمی ہلاکت اور تباہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم. اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین!

۸۸ منکرین و مشرکین کے قلب و ضمیر پر ایک دستک:۔ سو منکرین و مکذبین اور مشرکوں کو جھنجوڑتے ہوئے اور ان کی قلب و ضمیر پر دستک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ "کیا پھر بھی تم لوگ ابلیس اور اسکی اولاد کو اپنا دوست بناتے ہو؟" اور ان کے کہنے پر چلتے اور میرے احکام و اوامر کو توڑتے ہو۔ والعیاذ باللّٰہ من کل شائبة من شوائب ھذا التجاہ. یعنی کیا تم لوگ ابلیسِ لعین کے ان قبائح اور اس کی تم سے اور تمہارے جدِ امجد حضرت آدم سے کھلی عداوت و دشمنی کے باوجود تم اسکو اپنا دوست بناتے ہو اپنے خالق و مالک کے مقابلے میں؟ اور اسکو چھوڑ کر جس کی نعمتوں میں تم سرتا پا ڈوبے ہوئے ہو؟ یعنی یہ کس قدر ظلم، بے انصافی اور کتنی حماقت کی بات ہے۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم. سو ایسا کرنا ظلم در ظلم اور حماقت بالائے حماقت ہے۔ اور یہ انسانی غیرت کا خون کرنے کے مترادف ہے کہ انسان ایسے جدی پشتی دشمن کو اپنا دوست بنالے اور وہ بھی اپنے خالق و مالک اور خدائے رحمان و رحیم کے مقابلے میں اور اس کو چھوڑ کر۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم.

بَدَلًا ﴿٥٠﴾ مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

ظالموں کو، وہ ۸۹ میں نے نہ تو انکو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا ۹۰

وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ ۪ وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ

اور نہ ہی خود ان کو پیدا کرتے وقت، اور نہ ہی یہ میری شان ہے کہ میں گمراہ کرنے والوں کو

عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَكَآءِىَ

دست و بازو (اور مددگار) بناؤں، اور (کیا حال ہوگا مشرکوں کا اس دن) جس دن کہ حق تعالیٰ (ان سے) فرمائے گا کہ پکارو تم

۸۹ کیا ہی برا بدل ملا ظالموں کو؟: کہ وہ خدائے رحمٰن کو چھوڑ کر شیطنِ لعین کے پیچھے لگ گئے اور اس کے پیرو بن گئے۔ والعیاذ باللہ۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ بدبخت انسان اس خدائے رحمٰن کو چھوڑ کر جسکی رحمتوں میں وہ سر سے پاؤں تک ڈوبا اور لپٹا ہوا ہے وہ اس کے برعکس اس ابلیسِ لعین کو اپنا دوست بنالے جو اس کا جدی پشتی دشمن اور عدوٌّ مُبِین ہے۔ اور اس طرح وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے محروم ہو کر ابدی ہلاکت وخسران کی راہ پر چل پڑے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡم۔ سو اس قدر ہولناک خسارے کا سودا اور سامان وہی کر سکتا ہے جس کی عقل کھوگئی ہو اور اس کی مت ماری گئی ہو اور اسکی محرومی اور بدبختی اس پر مسلط ہوگئی ہو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۰ اس وحدہ لاشریک کا کوئی بھی شریک نہیں: کسی بھی طرح اور کسی بھی درجے میں۔ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ کی ضمیرِ منصوب کا مرجع اکثر مفسرین کے نزدیک وہ شرکاء ہیں جن کو مشرک لوگوں نے طرح طرح کے ناموں سے گھڑ رکھا ہے۔ تو آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے ان خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں کو نہ تو میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق و پیدائش کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کو ایک دوسرے کی پیدائش کے وقت۔ تو پھر تم ان کو میرا شریک اور اپنا معبود کس طرح قرار دیتے ہو؟ (فتح القدیر، محاسن التاویل اور ابنِ کثیر وغیرہ) بلکہ خلق وتکوین کا یہ سارا کام میں نے بغیر کسی کی شرکت و اشتراک کے از خود کیا۔ پس نہ کوئی اس وحدہ لاشریک کی صفتِ خلق میں اس کا شریک ہے اور نہ ہی صفتِ امر میں۔ اس آیتِ کریمہ کا یہ اسلوب و انداز طنزیہ ہے۔ یعنی جب میں نے کسی کو اپنا شریک نہیں بنایا نہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور نہ خود ان لوگوں کی تخلیق و پیدائش میں۔ اور نہ ہی یہ میرے شان کے شایان ہوسکتا ہے کہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناؤں۔ تو پھر تم لوگوں نے ان کو اے مشرکو! میری خدائی میں آخر کس طرح شریک بنا رکھا ہے؟ اور تم لوگ کس طرح اس فیاضی سے ان کو خدائی منصب پر فائز کرتے ہو۔ ان کو طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ان کے ناموں کی طرح طرح کی مورتیاں اور تصاویر بناتے قسما قسم کے من گھڑت ناموں سے سرکاریں بناتے اور ان کے آگے جھکتے اور جھکاتے ہو۔ آخر کیوں؟ اور کس بنیاد پر؟ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ وضلال سے اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین!

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

لوگ میرے ان شریکوں کو جن کا تم گھمنڈ رکھتے تھے ۹۱ پھر وہ ان کو پکاریں گے بھی، مگر وہ ان کو اس کا کوئی جواب نہ دیں گے ۹۲

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ

اور ہم ان کے درمیان ہلاکت (وتباہی) کا ایک ہولناک گڑھا حائل کر دیں گے، ۹۳ اور مجرم لوگ آگ کو دیکھتے ہی

فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا

یقین کر لیں گے کہ انہیں قطعی طور پر اس میں گرنا ہے، اور وہ اس سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہ

مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ

پائیں گے، ۹۳ اور ہم نے تو لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے اس قرآن میں ہر عمدہ مضمون طرح طرح سے

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ

بیان کیا ہے، مگر انسان سب سے بڑھ کر جھگڑالو واقع ۹۴

۹۱ شرک کے ماروں کو روزِ قیامت کی تذکیر و یاددہانی: سو اس یوم عظیم کی تذکیر و یاددہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ''اور جس دن اللہ مشرکوں سے فرمائے گا کہ پکارو تم میرے ان خود ساختہ شریکوں کو جن کا تمہیں بڑا گھمنڈ تھا''۔ کہ یہ ہمارے حاجت روا و مشکل کشا ہیں اور یہ مشکل وقت میں ہمارے کام آئیں گے اور ہماری حاجت روائی کریں گے اور اس سے مراد صرف بت نہیں جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ بلکہ اس سے مراد ہر وہ معبود ہے جس کی اللہ کے سوا پوجا کی گئی ہو۔ ''كُلُّ مَا عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰه'' (المراغی، فتح القدیر وغیرہ)۔ سو اس حکم وارشاد سے اصل مقصود ان مشرکوں کی تخجیل اور انکی رسوائی ہوگا۔ سو قرآنِ حکیم نے اس بارے پیشگی بتا دیا اور اس قدر صراحت و وضاحت سے بتا دیا تا کہ جس نے بچنا ہو بچ جائے۔ قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور اسکو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے اور ایسے اور اس طور پر یہ کہ پھر اسکے لئے تدارک اور تلافی مافات کی کوئی صورت اور کوئی امکان باقی نہ رہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۹۲ مشرکوں کی تخجیل وتذلیل کا ایک منظر: سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اس بنا پر مشرک لوگ تو اپنے ایسے خود ساختہ معبودوں کو پکاریں گے جن کو وہ دنیا میں حاجت روا و مشکل کشا سمجھ کر پوجا پکارا کرتے تھے کہ وہ اس ہولناک وقت میں ان کے کچھ کام آسکیں۔ مگر وہ کیا کام آتے کہ ایسا کرنا ان میں سے کسی کے بس میں بھی نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ ان کی پکار کا جواب تک نہ دیں گے اور نہ دے سکیں گے۔ جس سے ان مشرکوں کی حسرت وافسوس کی آگ اور بھڑکے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو یہ

مشرکوں کی تخجیل اور تذلیل کا ایک اور مظہر ہوگا جو ان لوگوں کو وہاں پیش آئے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم. سو یہ مشرک لوگ ان خود ساختہ معبودوں کو پکاریں گے مگر وہ ان کو کوئی جواب نہ دیں گے کہ نفسا نفسی کے اس ہولناک دن میں ان کو اپنی پڑی ہوگی۔ نیز فرمایا گیا کہ ان کے درمیان ایک بڑا ہولناک گڑھا حائل کر دیا جائے گا جس سے نہ یہ ان کے باہر پہنچ سکیں گے اور نہ وہ انکے پاس۔

۹۳ مجرم لوگوں کی آتشِ دوزخ کے سامنے بے بسی کی ایک تصویر: سو اس یومِ مہیب میں مجرم لوگوں کو دوزخ کی آگ دیکھتے ہی یہ یقین ہو جائے گا کہ انہوں نے اس میں گر کر رہنا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم. کہ وہ ان کو ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لے چکی ہوگی۔ ان کے اپنے اس عمل و کردار کی وجہ سے جس کو انہوں نے اپنے خالق و مالک کے احکام واوامر سے منہ موڑ کر زندگی بھر اپنائے رکھا تھا۔ اور جنہوں نے حیاتِ دنیا کی فرصتِ عمل کو کفر و انکار اور بغاوت و سرکشی میں گزار دیا ہوگا۔ سو ان کیلئے اب اس سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ کافر چالیس برس اور دوسری روایت کے مطابق چار سو برس کی مسافت سے دوزخ کی آگ کو دیکھ کر یہ یقین کر لے گا کہ اس نے یقیناً اور بہر حال اس ہولناک دوزخ میں گرنا ہے۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ قیامت کے روز مجرم لوگ جب دوزخ کی دہکتی بھڑکتی اس ہولناک آگ کو دیکھیں گے تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ اب انہوں نے بہر حال اس میں گرنا ہے۔ اب ان کیلئے اس سے بچنے اور بھاگ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ سو اس میں ان بدبختوں کی بے بسی کی تصویر پیش فرمائی گئی ہے کہ وہ آنکھوں دیکھتے اس طرح دوزخ میں گریں گے۔ مگر قرآن حکیم کی ایسی تمام تصریحات اور توضیحات کے باوجود ایسے لوگوں کی نہ آنکھیں کھلتی ہیں اور نہ یہ حق کو سننے اور ماننے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم.

۹۴ انسان کا جھگڑالو پن باعثِ محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم: سو ارشاد فرمایا گیا کہ انسان سب سے بڑھ کر جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ اپنی عقل و فکر اور قوتِ کلام اور زورِ بیان کی ان قوتوں کی بناء پر جو حق تعالیٰ نے اس کو اپنے کرم سے بخشی تھیں تا کہ وہ انہیں صحیح طور پر استعمال کر کے حق کی خدمت میں صرف کرے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اونچا مقام حاصل کر لے اور دائمی و ابدی سعادتوں سے ہمکنار ہو جائے۔ مگر اس ناشکرے انسان نے ان کو الٹا اور غلط استعمال کر کے بغاوت و سرکشی کی راہ کو اپنایا اور اس طرح ایسے لوگوں نے اپنے آپ کو اپنے امتیازی منصب اور شرف سے گرا کر سب نیچوں سے نیچ بنا دیا۔ اور اس طرح وہ ذلت و رسوائی اور شقاوت و بدبختی کے ہاوئے میں پہنچ گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ. بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کیلئے ہر عمدہ مضمون کو طرح طرح سے اور اسالیب و انداز بدل بدل کر بیان کیا۔ مگر ناشکرے اور غافل انسان نے اپنے جھگڑالو پن سے ان کو ماننے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی بجائے کسی نہ کسی اعتراض اور حجت بازی کی راہ ہی کو اپنایا۔ سو انسان کا جھگڑالو پن اس کیلئے باعثِ محرومی بن گیا۔ پس صحت و سلامتی کی راہ سمع و طاعت کی راہ ہے، یعنی حق بات کو سننے اور ماننے کی راہ، جبکہ اس سے اعراض و روگردانی باعث محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم

جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ

ہوا ہے، اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آچکی تو انہیں ایمان ۹۵

الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ

لانے اور اپنے رب سے معافی چاہنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ ان کے ساتھ بھی

سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

وہی کچھ ہوا جو اگلوں کے ساتھ ہو چکا ہے، ۹۶ یا نمودار ہو جائے عذابِ الٰہی ان کے سامنے، ۹۷

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے، اور خبردار کرنے والے بنا کر،

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا

اور کافر لوگ لڑتے ہیں باطل کے (ہتھیاروں کے) ساتھ، تا کہ وہ نیچا دکھا سکیں اس کے

بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

ذریعے حق کو ۹۸ اور انہوں نے ٹھہرا رکھا ہے میری آیتوں اور ان تنبیہات کو جو ان کو کی گئیں (ٹھٹھا اور) مذاق ۹۹ اور اس

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ

شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے ۱۰۰ جس کو نصیحت کی جائے اس کے رب کی آیتوں کے ذریعے، مگر وہ ان سے منہ

۹۵ نورِ حق وہدایت کے پہنچنے کے باوجود محرومی، والعیاذ باللّٰہ العظیم: سو ارشاد فرمایا گیا "اور جب لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ گئی"۔ یعنی قرآنِ حکیم، جو کہ سراسر ہدایت اور عینِ رحمت ہے۔ یا اس سے مراد خود نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے کہ آپ ﷺ کی بھی یہی شان تھی کہ آپ ﷺ کا وجودِ باجود بھی سراسر ہدایت اور عینِ رحمت تھا۔ اور حقیقت میں ہدایت و نور کے یہ دونوں منابع آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ ان میں سے ایک کا ماننا دوسرے کے ماننے کو مستلزم ہے۔ اور ایک کا انکار دوسرے کے انکار کو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہر کیف جب لوگوں کے پاس نورِ حق وہدایت آگیا، حضرت امام الانبیاء تشریف لے آئے اور قرآنِ حکیم جیسی کامل اور بے مثال کتاب نازل ہوگئی، تو راہِ حق پوری طرح واضح ہوگئی۔ اور اس میں کسی طرح کا کوئی خفاء و غموض باقی نہیں رہ گیا۔ تو اب ان لوگوں کے انکار و اعراض کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ گئی سوائے لوگوں کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی

کے۔لیکن حیلہ جو اور جھگڑالو طبیعتیں اس کے بعد بھی انکار و اعراض اور گریز و فرار کیلئے کوئی نہ کوئی راہ ڈھونڈ لیتی ہیں۔

۹۶ عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی۔ والعیاذ باللہ:- یعنی حق پوری طرح واضح ہو گیا۔اب اس سے متعلق کوئی غموض و خفا باقی نہیں رہ گیا۔اب یہ منکر لوگ بس اسی کے منتظر ہیں کہ عذاب استیصال آکر ان کی جڑ بھی اس طرح نکال دے جس طرح کہ ان پہلے لوگوں کی نکال دی گئی تھی۔مگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تشریف آوری کے بعد اس طرح کے عذابوں کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و حکمت سے بند فرما دیا کہ اس امتِ مرحومہ نے قیامِ قیامت تک باقی رہنا ہے۔سو محرومی کی اصل اور بنیادی وجہ لوگوں کا عناد اور انکی ہٹ دھرمی ہے۔جس کی وجہ سے ایسے لوگ حق قبول کرنا چاہتے ہی نہیں۔اور یہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنے آخری انجام کے منتظر ہیں اور بس۔سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور فساد کی جڑ بنیاد ہے۔کیونکہ ہٹ دھرم انسان حق بات سننے اور ماننے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتا۔تو پھر وہ نورِ حق و ہدایت سے کس طرح سرفراز ہو سکتا ہے؟ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے،آمین۔

۹۷ کفار و منکرین کی طرف سے عذاب کا مطالبہ:- سو یہ چاہتے ہیں کہ آ جائے ان کے پاس عذاب ان کے سامنے"۔جس کو یہ لوگ اپنے آنکھوں سے خود دیکھ کر ایمان لائیں۔مگر اس طرح کا ایمان تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مطلوب و معتبر ہی نہیں کہ یہ ایمان ایمان بالمشاہدہ ہوگا۔جبکہ مطلوب و معتبر ایمان بالغیب ہے۔کیونکہ عذاب دیکھنے کے بعد کا ماننا جبر و مجبوری کا ماننا ہوتا ہے جو نہ معتبر ہے اور نہ مطلوب و مفید۔ایسا ایمان تو فرعون بھی اپنے عذاب کے وقت لایا تھا۔اور عذاب لے آنا نہ پیغمبر کے بس میں ہوتا ہے اور نہ ہی یہ ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ان کا کام تو انذار و تبشیر ہوتا ہے اور بس۔عذاب کا اتارنا یا نہ اتارنا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔وہ جب چاہے اور جیسے چاہے اتارے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ. بہر کیف ارشادِ ربانی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم نے تو لوگوں کو ہر طرح سے سمجھا دیا اور راہِ حق و ہدایت کو پوری طرح واضح فرما دیا اور ہر طرح کی تنبیہات ان کو سنا دیں۔لیکن جو لوگ ایمان لانا چاہتے ہی نہیں ان کو ان تنبیہات سے نہ کوئی سبق ملتا ہے اور نہ کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔﴿وما تغنى الآيات والنذر عن قوم لا يؤمنون﴾ سو ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لیتے ہیں اور محروم کے محروم ہی رہتے ہیں۔سو اب ان ہٹ دھرموں کا مطالبہ یہ ہے کہ یا تو ان پر اسی طرح کی تباہی آ جائے جس طرح کی تباہی پہلی قوموں پر آ چکی ہے اور جس سے قرآن ان کو خبردار کر رہا ہے یا وہ عذاب جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے وہ ان کے سامنے آ جائے اور اس کو یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔اس کے بغیر یہ ایمان لانے اور توبہ و استغفار کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔سو ان کی کوڑھ مغزی اور مت ماری ملاحظہ ہو کہ قرآن ان کے سامنے مائدہ آسمانی بچھا رہا ہے تاکہ یہ اسکی عظیم الشان نعمتوں سے متمتع و سرفراز ہوں اور یہ ہیں کہ اسکی بجائے قہرِ آسمانی کے طلبگار بن رہے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

۹۸ کافروں کی طرف سے حق کو نیچا دکھانے کی کوشش۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "کافر لوگ باطل کے ہتھیاروں سے لڑتے ہیں تاکہ اس طرح وہ حق کو نیچا دکھا سکیں"۔نت نئے قضیے کھڑے کر کے اور طرح طرح کے شکوک ڈال کر اور شبہات پیدا کر کے۔سو اس طرح یہ لوگ حق کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے البتہ اس پر خود اپنی ہلاکت و تباہی کا سامان ضرور کرتے ہیں کہ سورج پر تھوکنے سے اس کا تو کچھ نہیں بگڑتا مگر تھوکنے والے کی تحقیر و تذلیل کا سامان ضرور

ہوتا ہے۔ سو اس طرح یہ لوگ اپنے لئے ضلال اور اضلال کے دوہرے جرم کا ارتکاب اور ڈبل بوجھ کا سامان کرتے ہیں اور یہی ایسے لوگوں کی ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کا ایک کھلا ثبوت ہے جس کے باعث ایسے لوگ حق اور ہدایت کی دولت سے محروم ہوتے ہیں جو کہ سب سے بڑی محرومی ہے اور اسکے نتیجے میں دارین کی سعادت و سرخروئی سے محروم ہو کر ابدی ہلاکت میں گرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم سو رسولوں کا کام صرف انذار و تبشیر ہوتا ہے۔ ان سے عذاب لانے کا مطالبہ ایک بالکل بے تکی بات اور باطل کے ذریعے حق کو نیچا دکھانے کے ہم معنی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم

۹۹ حق سے مذاق واستہزاء کا کافرانہ جرم۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم :- اور حق کے مذاق اڑانے کے اس سنگین جرم کا ارتکاب یہ لوگ طرح طرح سے کرتے ہیں۔ تو پھر ان کو نورِ حق و ہدایت کی دولت سے سرفرازی و بہرہ مندی کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟ جبکہ اس کیلئے اولین شرط طلبِ صادق ہے۔ سو حق اور اہلِ حق سے استہزاء و تمسخر انسان کی محرومی کا سب سے بڑا سبب رہا ہے۔ جیسا کہ دوسرے کئی مقامات پر ارشاد فرمایا گیا۔ مثلاً سورۂ یٰسین میں حسرت کے لفظ کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا۔ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ. (یٰسین:۳۰)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم . اور مذاق و استہزا کے اس سنگین جرم کا ارتکاب ایسے لوگ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ قیامت اور اس کے عذاب کی اصل حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ورنہ ان کے ہوش ٹھکانے لگ جاتے۔ مگر اس کی حقیقت کو نہ جاننے کی وجہ سے ایسے لوگ لایعنی اور لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ اور اس بناء پر یہ ہماری آیات اور عذاب کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم

۱۰۰ حق سے منہ موڑنا سب سے بڑا ظلم۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم :- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حق سے منہ موڑنا اور اپنے انجام کو بھول جانا سب سے بڑا ظلم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم. استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی اس سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ یہ ظالم ہے اپنے خالق و مالک کے حق میں کہ اُس کی آیاتِ حق و صدق کا انکار کرتا ہے۔ یہ ظالم ہے اس پوری کائنات کے حق میں کہ اس سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتا ہے مگر اس کے بنانے اور پیدا کرنے والے کی آیتوں کا انکار کرتا ہے۔ اور اس سے بغاوت و سرکشی کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کو دعوت دے رہا ہے جو کہ اس کے ساتھ ساتھ اس کائنات کی بھی تباہی کا باعث بنے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم. نیز یہ ظالم ہے خود اپنی جان کے حق میں کہ اس کے پاس پیغامِ حق آیا تھا کہ یہ اس کو اپنا کر اپنے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرے مگر اس نے اس کے برعکس اس کے ساتھ کفر و انکار کا معاملہ کیا۔ اور اس طرح کفر و انکار کا راستہ اپنا کر اس نے اپنے لئے نارِ جحیم کا سامان کیا۔ نیز یہ ظالم ہے اپنے ان ماتحتوں اور پیروکاروں کے حق میں جو اس کی راہ پر چل کر اور اس کی بات کو مان کر نورِ حق و ہدایت سے محرومی کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس طرح ایسا منکر شخص اپنے اوپر اپنے سوا دوسروں کے بوجھ بھی لاد دیتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ. (النحل:۲۵) سو پیغامِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا اور اس سے اعراض و انکار کا معاملہ کرنا سب سے بڑی محرومی اور انتہائی ہولناک جرم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم

عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى

موڑے اور بھول جائے اپنے اس برے انجام کو جس کا سامان اسنے خود اپنے ہاتھوں کر رکھا ہو؟ ۱۰۱ بے شک ہم نے ایسے لوگوں

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اس سے کہ وہ سمجھیں اس (پیغام حق وصداقت) کو، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیئے

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۵۷

ہیں (اس سے کہ وہ اس کو سنیں) ۱۰۲ اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو ایسی صورت میں وہ کبھی بھی ہدایت نہیں پا سکیں گے ۱۰۳ اور

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا

(تاخیر عذاب سے کہیں دھوکہ میں نہیں پڑنا کہ) تمہارا رب بڑا ہی درگزر کرنے والا، انتہائی مہربان ہے، ۱۰۴ (ورنہ) وہ اگر ان کو

۱۰۱ غفلت ولاپرواہی باعثِ محرومی، والعیاذ باللہ:- سو اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ اپنے انجام سے غفلت برتنا بڑے ہی ہولناک خسارے کا موجب ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ پس جو اپنے انجام سے غفلت برتے اور وہ اپنے اس برے انجام سے بچنے کی فکر و پرواہ ہی نہ کرے بلکہ الٹا اپنے خیرخواہوں اور نصیحت کرنے والوں کا مذاق اڑائے۔ یہاں تک کہ حیاتِ مستعار کی فرصتِ محدود اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور اسکو ہمیشہ ہمیش کیلئے پچھتانا پڑے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم سو اپنے کیئے کرائے کے نتیجہ وانجام سے غفلت برتنا اور اپنی آخرت کو بھول جانا بڑے ہی ہولناک خسارے کا موجب ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ اس لئے اس ارشادِ ربانی میں ایسے بدبختوں کی حالت پر افسوس کا اظہار فرمایا گیا ہے کہ ان کو اللہ کی آیتوں کے ذریعے تذکیر و یاددہانی کی جاتی ہے لیکن یہ بدبخت ان سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ان سے منہ موڑتے اور عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اس حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں کہ یہ اپنے ہاتھوں سے جو کمائی کر رہے ہیں وہ خود ان کے لئے عذاب ہے جو ان کو اپنے وقت پر بہرحال بھگتنا ہوگا اور ان کو جو مہلت مل رہی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت سے مل رہی ہے اور وہ بہرحال ایک مہلت ہے جس نے اپنے وقت پر بالآخر ختم ہو کر رہنا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔

۱۰۲ ہٹ دھرموں کی آنکھوں پر پردے اور انکے کانوں میں ڈاٹ:- سو ایسے معاند اور ہٹ دھرم لوگوں کیلئے محرومی ہی محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ یعنی ہمارا ضابطہ اور قانون یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں کو حق کے سننے سمجھنے اور قبول کرنے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ان کے اپنے خبثِ باطن، بدنیتی اور سوءِ اختیار کی بناء پر کہ ہمارا قانون یہی ہے کہ جو کوئی حق سے پھر جاتا ہے اور اس سے منہ موڑ کر وہ کفر و باطل کی راہ پر اڑ جاتا ہے۔ ہم اس کو ادھر ہی موڑ دیتے ہیں جدھر کا رخ وہ خود کرتا ہے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۔ نیز جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ فَلَمَّا زَاغُوْ

اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ. یعنی جب انہوں نے ٹیڑھا پن اختیار کیا تو اللہ کی طرف سے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ. سو یہی مطلب ہے اس ارشاد کا کہ جو لوگ حق بات سننا ماننا چاہتے ہی نہیں وہ حق کے سننے اور ماننے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو راہِ راست چاہتا ہے تو ہم اس کو یونہی اندھا بہرا کر دیتے۔ ہرگز نہیں۔ سو معاند اور ہٹ دھرم لوگوں کیلئے محرومی ہی محرومی اور خسارہ ہی خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

۱۰۳ ہٹ دھرموں کیلئے محرومی ہی محرومی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ:- سو ایسے ہٹ دھرم لوگ کبھی راہ نہیں پا سکیں گے کہ جب انہوں نے حق کو سننے اور ماننے سے انکار کر دیا اور جب وہ اپنے سوءِ باطن کی بناء پر اندھے، بہرے اور گونگے بن گئے اور ان کے دلوں پر پردے پڑ گئے اور اُن کے کانوں میں ڈاٹ لگ گئے تو وہ حق کی طرف کس طرح اور کیونکر لوٹ سکتے ہیں؟ وہ تو اب صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ کا مصداق بن گئے۔ تو ایسے میں ان کو حق و ہدایت کی روشنی ملے تو کس طرح اور کیونکر ملے؟ والعیاذ باللہ العظیم. سو ایسے لوگوں کے دلوں کو انکی اپنی کمائی کی بناء پر زنگ لگ گیا۔ جیسا کہ فرمایا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (التطفیف: ۱۴) اور ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ. سو اس سے پیغمبر کیلئے اور آپ ﷺ کی امت کے ہر داعیِ حق کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ ایسے لوگوں کی ہٹ دھرمی سے آپ مایوس و دلگیر نہ ہوں کہ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ قصور سب کا سب ایسے ہٹ دھرموں کا خود اپنا ہے اور ان کی یہ محرومی باہر سے نہیں بلکہ ان کے اندر سے اور ان کے دلوں کی دنیا کی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ، وَسُوْءٍ و انحراف،

۱۰۴ رب تعالیٰ کی شانِ عفو و درگزر کا حوالہ و ذکر۔ سبحانہ و تعالیٰ:- سو ارشاد فرمایا گیا "اور تمہارا رب بڑا ہی درگزر کرنے والا انتہائی مہربان ہے"۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اس لئے وہ مجرموں کو فوراً نہیں پکڑتا کہ شاید یہ توبہ کر کے صحیح راستے پر آجائیں۔ اور ایسی صورت میں وہ غفور و رحیم ان کے تمام گناہ بھی انکی سچی توبہ پر معاف فرما دیتا ہے اور ایسا اور اس حد تک کہ ان کے گناہوں کے آثار و نشانات تک کو بھی مٹا دیتا ہے۔ سو اس کی رحمت و عنایت کا کوئی کنارہ نہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ مگر جو بدنصیب اس کی طرف رجوع ہی نہ کریں ان کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ والعیاذ باللہ. پس نہ تو کوئی اسکی مغفرت و بخشش اور رحمت و عنایت سے مایوس ہو اور نہ ہی کوئی اسکی طرف سے ملنے والی ڈھیل کی بناء پر کبھی مست و مغرور ہو جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم. بہرکیف اس ارشاد سے اس سبب کو بیان فرما دیا گیا جس کی بناء پر ایسے بدبختوں کو ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ جس سے اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ ایسے منکروں اور ہٹ دھرموں کو آخر اس زمین پر بوجھ بنائے رکھنے کا کیا فائدہ؟ ان پر عذاب بھیج کر ان کا صفایا کیوں نہیں کر دیا جاتا جس کا یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارا رب۔ سبحانہ و تعالیٰ نہایت ہی درگزر فرمانے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ اس لئے وہ مجرموں کو انتہائی حد تک مہلت دیتا ہے تاکہ یہ ہوش کے ناخن لیں اور اپنی روش کی اصلاح کر لیں۔ ورنہ اپنے ہولناک انجام کیلئے تیار ہو جائیں۔

كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ

ان کے کئے کرائے پر فوراً پکڑنے لگتا، تو ان کو کبھی کا عذاب دے چکا ہوتا ۱۰۵ مگر ان کے لئے وعدے کا ایک وقت مقرر ہے

لَّنْ يَّجِدُوا مِنْ دُونِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى

جس سے ورے یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکیں گے ۱۰۶ اور یہ بستیاں

۱۰۵ ظالموں کے لئے ڈھیل رحمت خداوندی کا ایک مظہر:- سو اللہ پاک اپنی رحمت وعنایت سے ظالموں کو ڈھیل دیئے جا رہا ہے ورنہ وہ اگر لوگوں کو انکی کمائی کی بناء پر فوراً پکڑتا تو ان کو کبھی کا عذاب دے چکا ہوتا کہ یہ اپنے اعمال اور اپنے کرتوتوں کی بناء پر اس عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ. مگر یہ اس کی رحمت اور اسکے حلم وکرم کی بناء پر اسکے عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ. مگر یہ اس کی رحمت اور اسکے حلم وکرم کی بناء پر اسکے عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ اور یہ اسی وحدہ لاشریک کی شان رحمت وعنایت ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے کفر وشرک اور بغاوت وسرکشی جیسے سنگین جرائم پر بھی ڈھیل پہ ڈھیل دیئے جا رہا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ ورنہ وہ اگر ان کو پکڑنا چاہے تو فوراً پکڑ لے۔ کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے۔ مگر وہ اپنی عظیم الشان رحمت وعنایت اور بے پایاں حلم وکرم کی بناء پر ان کو فوراً نہیں پکڑتا۔ اور اس نے ایسے ظالموں کے عذاب اور ان کی گرفت وپکڑ کیلئے ایک وقت مقرر فرما رکھا ہے۔ اور جب وہ وقت آ جائے گا تو ایسے لوگ نہ اسکی گرفت وپکڑ سے کسی طرح بھاگ سکیں گے اور نہ ہی اس کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے لئے کوئی پناہ گاہ پا سکیں گے۔ سو عقل وخرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کی گرفت وپکڑ اور اس کے سخط وغضب سے ہمیشہ بچنے کی فکر اور کوشش کرے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی مایحب ویرید بکل حال من الاحوال.

۱۰۶ منکرین کے عذاب کیلئے وقت مقرر ہے:- سو ایسے نہیں جیسا کہ منکرین نے سمجھ رکھا ہے کہ ان کی کوئی گرفت و پکڑ ہونی ہی نہیں۔ اور یہ ایسے ہی رہیں گے۔ نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان کیلئے وعدے کا ایک وقت مقرر ہے۔ جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ وہ کب آ پہنچے گا۔ مگر اپنے وقت پر اس نے آنا بہر حال ضرور ہے۔ اور اس وقت ان کو اپنے کئے کرائے کا اور پورا بدلہ بہر حال مل کر رہے گا اور بھرپور طریقے سے ملے گا تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ پس عذاب میں تاخیر سے کبھی کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے کہ اس قادر مطلق اور حکیم مطلق رب ذوالجلال نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر فرما رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا. (الطلاق:۳) اور یہ ایک ایسا ضابطہ واصول ہے جو اس مالک الملک کی حکمتوں بھری اس کائنات میں ہر جگہ کار فرما نظر آتا ہے اور اس کے آثار ومظاہر اس دنیا میں ہر طرف پھیلے بکھرے نظر آتے ہیں۔ سو جن لوگوں کو ان کے تمرد وسرکشی کے باوجود ڈھیل ملتی ہے وہ اس سے دھوکے میں نہ پڑیں کہ یہ بہر حال ایک ڈھیل ہے جو وقت آنے پر ختم ہو جائے گی۔ بس اس کا تقاضا ہے کہ ایسے لوگ اپنی آنکھیں کھولیں اور راہ حق وہدایت کو اپنا لیں ورنہ ان کیلئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم.

اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ

جن (کے باشندوں) کو ہم نے ہلاک کیا جب کہ انہوں نے ظلم ہی کو روا رکھا ف۱۰۷ اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے بھی

مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى

ایک وقت مقرر کر رکھا تھا ف۱۰۸ اور (ان کو وہ بھی سنا دو کہ) ف۱۰۹ جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا ف۱۱۰ کہ میں اپنا سفر ختم نہیں کروں گا

اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا

یہاں تک کہ میں پہنچ جاؤں دونوں دریاؤں کے سنگم پر ف۱۱۱ یا چلتا رہوں گا برسہا برس تک پھر جب وہ دونوں پہنچ گئے

مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ

ان دونوں دریاؤں کے سنگم پر، تو وہ بھول گئے اپنی مچھلی کو، ف۱۱۲ اور اس نے دریا میں ایک سرنگ کی

فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا

طرح کا راستہ بنا لیا، پھر جب وہ دونوں وہاں سے آگے چلے گئے، تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ لاؤ

۱۰۷ پاداشِ عمل کے ثبوت کیلئے تاریخی حوالہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ بستیاں یعنی قوم عاد و ثمود اور قوم لوط وغیرہ عذاب یافتہ قوموں کی بستیاں۔ جن کو ہلاک اور تباہ کیا گیا سب ایسی ہی تھیں کہ ان کے باشندے جب اپنے کفر و انکار اور تمرّد و سرکشی سے باز نہ آئے تو ان کو آخر کار اسی طرح مٹا کر پیوندِ خاک کر دیا گیا۔ والعیاذ باللہ مِنْ كُلِّ نَوْعٍ مِّنْ اَنْوَاعِ غَضَبِ الْجَبَّارِ وَعَذَابِهٖ۔ سو ان تمام بستیوں، یعنی ان بستیوں کے باشندوں کو ان کے کفر و عناد اور تکذیب و سرکشی پر ڈھیل ملتی گئی۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے حد کر دی اور وہ حق کی دعوت کو کسی بھی طرح ماننے کو تیار نہ ہوئے تو ہم نے انکو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر ہمیشہ ہمیش کیلئے ختم کر دیا۔ سو پاداشِ عمل اس سلسلہ خیر و شر میں بڑا سامانِ عبرت و بصیرت ہے۔ ہر اس شخص کیلئے جو آنکھیں کھولے اور سبق لینا چاہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی مایحب ویرید، وھو الھادی الی سواء السبیل، سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۰۸ ہلاک شدہ بستیوں سے درس عبرت لینے کی تعلیم و تلقین:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ان ہلاک شدہ بستیوں کیلئے بھی عذاب کا ایک وقت مقرر تھا جو ہم نے اپنے علم و حکمت اور اپنے دستور و سنت کے مطابق ان کیلئے مقرر کیا تھا اور جس پر وہ عذاب ان پر آ کر رہا۔ پس اسی طرح وہ عذاب دورِ حال کے ان کفار و منکرین اور مکذبین پر بھی آ سکتا ہے کہ یہ بھی اسی جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ یعنی حق و صداقت کی تکذیب اور انکار کے اس جرمِ عظیم کا ارتکاب جس کا ارتکاب اُن لوگوں

نے کیا تھا۔ بلکہ ان کا جرم ان کے جرم سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ ان کا یہ معاملہ ان پیغمبر اعظم ﷺ سے ہے جو کہ سب نبیوں کے امام و پیشوا ہیں۔ اور جن کا پیش کردہ دین باقی سب دینوں کا ناسخ اور ان سب کی اصولی تعلیمات کا جامع دین ہے۔ اور جو قیامت تک کی سب دنیا کی راہنمائی کیلئے آیا ہے اور انکی پیش فرمودہ کتاب حکیم یعنی قرآنِ مجید دوسری تمام آسمانی کتابوں کی اصولی تعلیمات کی جامع و ناسخ اور بذاتِ خود ایک زندۂ و جاوید معجزہ ہے۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور ان کے عذاب کیلئے ایک وقت مقرر تھا جس پر وہ ہلاک ہو کر رہیں اور اس طور پر کہ نہ ان میں سے کوئی قوم اپنے وقتِ مقرر سے پہلے ہلاک ہوئی اور نہ اس کے بعد باقی رہ سکی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ما تسبق من امة اجلها وما یستاخرون. (الحجر:۵)۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم.

۱۰۹ قصۂ موسیٰ و خضر کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھی سنو اور سناؤ جبکہ یہ قصہ پیش آیا۔ کیونکہ اس قصے میں بھی عبرت و بصیرت کے بڑے بڑے درس پنہاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ پیغمبر کیلئے سب ہی علوم کا جاننا نہ ضروری ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے منصب کا تقاضا۔ بلکہ پیغمبر کا منصب اور ان کا اصل امتیاز یہ ہوتا ہے کہ ہدایت سے متعلق علوم میں اسکو کمال حاصل ہو۔ رہ گئے وہ دوسرے علوم جن کا تعلق تکوینیات یا دوسرے تجرباتی امور سے ہوتا ہے ان میں غیر نبی کا علم نبی سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اس قصے سے ظاہر اور واضح ہے کہ حضرتِ موسیٰ نبی و رسول بلکہ اولوالعزم رسول ہونے کے باوجود حضرتِ خضر کے پاس حصولِ علم کیلئے اتنا طویل اور کٹھن سفر طے کر کے پہنچے ہیں۔ حالانکہ خضر نبی بھی نہیں تھے۔ اور مثلاً یہ کہ حصولِ علم کیلئے انسان کو ہمیشہ کوشاں رہنا چاہیئے۔ اگر حضرتِ موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے تو پھر اور کون ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اس حقیقت کا اظہار و بیان کہ انسان کے علم کی رسائی بہر حال محدود ہے۔ اس لئے خداوندِ قدوس کے ہر ارادے کی حکمت جاننا اور ہر بات کی تہہ تک پہنچنا اس کے بس میں نہیں۔ اس لئے اسکے لئے صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ اسکے ہر فیصلے پر صابر و شاکر اور مطمئن رہے اور اس کا یقین رکھے کہ آج کی ان تلخیوں میں جو کہ اس کو راہِ حق میں پیش آ رہی ہیں انہی کے اندر وہ حلاوت اور شیرینی مخفی و مستور ہے جو وقت آنے پر اس کیلئے فرحت و مسرت کا ذریعہ بنے گی۔ پس بندے کا کام ہے کہ وہ ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم اور ثابت قدم رہے، اور اللہ سے ہمیشہ خیر ہی کی امید رکھے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید،

۱۱۰ ''فتیٰ'' کا مفہوم اور اس سے مراد؟:- ''فتی'' کے معنیٰ ''جوان''، ''خادم'' اور ''شاگرد'' وغیرہ کے آتے ہیں۔ اور اس سے مراد ہیں حضرتِ یوشع بن نون۔ جو کہ بعد میں حضرتِ موسیٰ کے جانشین ہوئے۔ یہ حضرتِ موسیٰ کے خادم تھے۔ ''فتـــــی'' کے اصل معنیٰ ''نوجوان'' کے ہوتے ہیں۔ اور خادم چونکہ عام طور پر نوجوان ہی ہوتے ہیں کہ خدمت اصل میں نوجوان ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے عرب خادم کو ''فتی'' ہی کہتے ہیں۔ اسی طرح غلام کو بھی ''فتی'' کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنے مالک کی خدمت کرتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا کہ تم میں سے کوئی اپنے غلام کو ''عبدی'' اور اپنی باندی کو ''امتی'' نہ کہے۔ بلکہ ان کو ''فتای'' اور ''فتاتی'' کہا کرو۔ سو یہ محاسنِ آداب کی اعلیٰ تعلیم ہے جو اللہ کے نبی نے اپنی امت کو دی ہے۔ کیونکہ غلام اور بندہ تو ہر کوئی اللہ ہی کا ہے۔ البتہ خادم اور خادمہ ایک دوسرے کے ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ کیسی کیسی باریکیوں کا خیال رکھا گیا، والحمد للہ۔

۱۱۱ **"مجمع البحرین" سے کیا مراد؟:-** ایک قول واحتمام اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد خلیج عقبہ اور سویز کا وہ مقام اتصال ہے جہاں سے بعد میں حضرتِ موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ گزرے ہیں۔ اور ایک اور قول و احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد باب المندب کا وہ مقام ہے جہاں پر بحرِ ہند اور بحرِ احمر باہم ملتے ہیں۔ یا طنجہ کا وہ مقام جو مغرب میں واقع ہے۔ جہاں بحرِ ابیض متوسط اور محیط اٹلانٹی باہم ملتے ہیں۔ یا اس سے مراد سوڈان کے شہر خرطوم کے نزدیک کا وہ مقام ہے جہاں دریائے نیل کی دونوں شاخیں نیلِ ابیض اور نیلِ ازرق آپس میں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی اقوال تفاسیر میں پائے جاتے ہیں مگر مذکورہ بالا چند اقوال واحتمال زیادہ مشہور ہیں۔ پھر ان مذکورہ بالا اقوال و احتمالات میں سے طنجہ اور باب المندب کے دونوں قول بہت بعید لگتے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک یعنی باب المندب براعظم افریقہ کے مشرق میں واقع ہے۔ جبکہ دوسرا یعنی طنجہ اس براعظم کے بالکل مغرب میں واقع ہے۔ اور حضرتِ موسیٰ کے بارے میں اتنے دور دراز کے کسی سفر کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملتا۔ سو اس اعتبار سے ان میں سے پہلا اور تیسرا قول زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن ان میں سے تیسرے قول میں یہ مشکل ہے کہ آیتِ کریمہ میں "مجمع البحرین" کا ذکر ہے۔ جبکہ خرطوم کے پاس نیل کی جن دو شاخوں کے ملاپ کا ذکر ہے وہ "مجمع البحرین" نہیں "مجمع النھرین" ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں "بحر" سمندر کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ دریا کیلئے "نہر" کا لفظ بولا جاتا ہے۔ الا یہ کہ اس کو تجوز پر محمول قرار دیا جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس کو "ابھموا ما ابھمه القران" کے کلیئے کے مطابق مبہم ہی رہنے دیا جائے کہ وہ کوئی جگہ ایسی تھی جو دو سمندروں کے سنگم پر واقع تھی اور اس تعین و تخصیص کے پیچھے نہ پڑا جائے کہ وہ جگہ کون سی اور کہاں تھی۔ کیونکہ اس تعین پر کوئی خاص فائدہ اور مقصد موقوف نہیں اور اگر اس کا بیان ضروری ہوتا تو اللہ پاک اس کو خود بیان فرما دیتے اور اس کو یوں مبہم نہ رہنے دیتے۔ والعلم عنده سبحانه و تعالیٰ وهو اعلم باسرار کلامه جل وعلا فالیه نفوض امرنا هذا وامورنا کلها فی کل شان من شئون الحیاة ۔ بہر کیف یہ کوئی ایسا مقام تھا جو "مجمع البحرین" کا مصداق تھا اور جس تک پہنچنے کیلئے حضرتِ موسیٰ کو جانے اور وہاں اللہ کے ایک خاص بندے سے ملنے کا حکم دیا گیا تھا کہ اسمیں بڑے درسہائے عبرت وبصیرت مخفی و مستور تھے۔

۱۱۲ **مچھلی کو بھول جانے کا قصہ اور اس میں درسِ عبرت:-** سو حضرتِ موسیٰ اور ان کے خادم دونوں اس مچھلی کو بھول گئے جس کو وہ بھون کر علامت کے طور پر اپنے ساتھ لائے تھے کہ جس جگہ یہ زندہ ہو جائے گی اسی مقام پر وہ ہستی موجود ہو گی جس سے ملنے کیلئے آپ یہ سفر کر رہے تھے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر عالمِ غیب نہیں ہوتے۔ ورنہ نہ حضرتِ موسیٰ اور آپ کے ساتھی کو علامت کی ضرورت ہوتی اور نہ ہی بعد میں اسکے بھولنے کا سوال پیدا ہوتا۔ مگر افسوس کہ قرآن وسنت کی ایسی بیشمار صاف وصریح نصوص کے باوجود اہلِ بدعت کا کہنا ہے کہ پیغمبر عالم غیب ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ان لوگوں کا یہ بھی کہنا اور ماننا ہے کہ ان کے پیر فقیر حضرات بھی غیب جانتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ بہر کیف حضرتِ موسیٰ اور خضر کے اس قصہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل اور نہ ہر جگہ حاضر و ناظر۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، سبحانہ وتعالیٰ۔

غَدَآءَنَا ۡ لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

ہمارا ناشتہ، ہم تو اس سفر میں بری طرح تھک گئے ہیں، و۱۱۳

قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ

خادم نے عرض کیا (اوہو!) دیکھا آپ نے (حضرت، یہ کیا ہوا) کہ جب ہم ٹھہرے تھے اس چٹان کے پاس تو میں بھول گیا

الۡحُوۡتَ ۡ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ ۚ

مچھلی (کے معاملہ) کو، اور شیطان نے مجھے ایسا بھلا دیا کہ میں (آپ سے) اس کا ذکر بھی نہ کر سکا،

وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ

اور (قصہ اس کا یہ ہوا کہ) وہ (زندہ ہو کر) دریا میں چلی گئی ایک عجیب سا (سرنگ نما) راستہ بناتی ہوئی ، موسیٰ نے فرمایا کہ یہی تو

مَا كُنَّا نَبۡغِ ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

وہ جگہ تھی جس کی ہم تلاش میں تھے، چنانچہ وہ دونوں واپس لوٹے اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے و۱۱۴

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ

آخر کار انہوں نے (وہاں پہنچ کر) ہمارے بندوں میں سے ایک ایسے بندے کو پالیا و۱۱۵ جس کو ہم نے اپنی ایک خاص

۱۱۳ حضرتِ موسیٰ کی تھکاوٹ اور صورتِ حال سے اطلاع و آگہی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "موسیٰ نے کہا کہ ہم تو اپنے اس سفر میں سخت تھک گئے ہیں"۔ روایات میں وارد ہے کہ حضرتِ موسیٰ جب اس مقام پر آگے گذر گئے تو ان کو تکان محسوس ہونے لگی۔ اس سے پہلے ایسے نہیں تھا۔ تب آپ نے اس طرح فرمایا۔ اور یوں یہ سفر تھا بھی کافی لمبا اور مشقت طلب۔ کیونکہ "مجمع البحرین" کے اس مقامِ مقصود سے گزرنیکے بعد وہ دونوں بقیہ پورا دن چلتے رہے اور اگلی رات بھی۔ اور اگلے روز صبح کے وقت جب سورج کافی اوپر چلا گیا اور حضرتِ موسیٰ کو بھوک محسوس ہوئی اور آپ نے اپنے خادم سے کھانا لانے کو کہا تو تب ان کو یاد آیا کہ وہ مچھلی تو زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی تھی۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ سو اس سے یہ حقیقت مزید ظاہر اور واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ اور نہ ہر جگہ حاضر و ناظر۔ ورنہ حضرتِ موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کو یہ ساری صورتِ حال پیش نہ آتی۔

۱۱۴ **حضرتِ موسیٰ کا اپنے نشاناتِ قدم پر واپس لوٹنا:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "پھر وہ دونوں واپس لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے"۔ کہ وہ صحرائی علاقہ تھا جس میں قدموں کے نشانات ان کی راہنمائی کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر عالمِ غیب نہیں ہوتے جس طرح کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ ورنہ ان دونوں حضرات کو اس طرح قدموں کے نشانات دیکھنے کی اور ان کی مدد سے لوٹنے اور چلنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور نہ ہی پیغمبر ہر جگہ حاضر اور موجود ہوتے ہیں۔ سو اس واقعہ سے اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی، اختیارِ کلی اور حاضر و ناظر کے خود ساختہ شرکیہ عقیدوں کی جڑ نکل جاتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو نہ حضرتِ موسیٰ کو اتنا طویل سفر کرنے کی ضرورت ہوتی نہ مچھلی کی نشانی رکھنے کی۔ اور نہ وہ اس مقامِ مقصود سے آگے بڑھتے اور نہ نشانِ قدم دیکھتے ہوئے واپس آنے کی ضرورت ہوتی۔ اللہ کرے ان کھلے حقائق اور واضح نشانات سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں اور یہ ایسے خود ساختہ اور شرکیہ عقائد سے باز آجائیں۔ وبا للّٰہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی مایحب ویرید وھو الھادی الی السواء السبیل فعلیہ نتوکل و بہٖ نستعین۔

۱۱۵ **حضرتِ موسیٰ کی حضرتِ خضر سے ملاقات:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہاں پہنچ کر انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا"۔ جن کا نامِ نامی صحیح حدیث کے مطابق خضر تھا۔ جن کی نبوت کے بارے میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ اور راجح قول کے مطابق آپ نبی نہیں تھے۔ اور اگر ان کی نبوت تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر بھی آپ کا درجہ حضرتِ موسیٰ کے برابر نہیں پہنچتا۔ کیونکہ حضرتِ موسیٰ رسول تھے۔ اور رسول بھی اولوالعزم رسول۔ جن کے پاس نئی شریعت اور نئی کتاب تھی اور آپ ایک مستقل امت کے ہادی اور راہنما تھے۔ بخلاف حضرتِ خضر کے کہ ان کے پاس ان میں سے کوئی بھی چیز نہ تھی۔ پس حضرتِ موسیٰ کو آپ کے پاس جانے کا جو حکم ہوا تھا وہ دراصل ایک ابتلا و آزمائش تھی جس میں حضرتِ حق جل مجدہ کی طرف سے آنجناب کو ڈالا گیا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایات میں وارد ہے۔ حضرتِ موسیٰ نے ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے ایک مجمع میں ایک بڑا ہی پُر اثر وعظ فرمایا۔ تو حاضرین میں سے ایک شخص نے اس موقع پر متاثر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ حضرت! کیا اس وقت دنیا میں آپ سے بھی کوئی بڑا عالم موجود ہے؟ تو آپ نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا نہیں۔ یہ جواب اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست تھا کیونکہ نبی اپنے زمانے میں واقعتاً سب سے بڑا عالم ہوتا ہے۔ مگر یہ جواب چونکہ آپ کے اس مقامِ رفیع کے مناسب نہ تھا جو کہ حضرتِ حق جل مجدہ کی طرف سے آپ کو عطا فرمایا گیا تھا کہ اس میں ایک طرح سے اپنی بڑائی اور عُجب وخود پسندی کا اظہار تھا۔ جو کہ مقامِ عبدیت اور اس شانِ تواضع کے شایان نہ تھا جو کہ حضرتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتیازی شان ہوتی ہے۔ اور جس کے مطابق آپ کو "اللہ اعلم" یا اس طرح کا کوئی اور جواب دینا چاہیئے تھا۔ اس لئے اس پر حضرتِ حق جل مجدہ کی طرف سے آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ "مجمع البحرین" یعنی دونوں دریاؤں کے سنگم پر چل کر ہمارے ایک خاص بندہ سے ملیں۔ جس کو ہم نے اپنی طرف سے ایک خاص علم وفضل سے نواز رکھا ہے۔ ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرتِ موسیٰ کے علم میں نعوذ باللہ کوئی نقص تھا جس کو پورا کرنے اور سیکھنے کیلئے آپ حضرتِ خضر کے پاس گئے تھے۔ کیونکہ شریعت کے جس علم کا حامل آپ کو بنایا گیا تھا وہ بدرجہ اتم واکمل آپ کو دے دیا گیا تھا۔ اور یوں نبی کا علم اکتسابی ہوتا ہے بھی نہیں، کہ وہ مخلوق میں سے کسی سے علم سیکھ کر کارِ نبوت چلائے۔ بلکہ اس کا علم براہِ راست حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لئے پیغمبر دنیا میں کبھی انسان سے علم نہیں حاصل کرتے۔

عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ

رحمت سے نوازا تھا، اور اسے اپنے یہاں سے ایک خاص علم سے سرفراز فرمایا تھا، ف۱۱۶ موسیٰ نے (وہاں پہنچ کران سے)

مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا

عرض کیا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس بناء پر کہ آپ مجھے بھی سکھادیں کچھ (تکوینی) راہنمائی کے اس علم میں

عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ

سے جو کہ آپ کو دیا گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر

مَعِىَ صَبۡرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ

صبر نہ کرسکیں گے، اور اس چیز پر بھلا آپ صبر کر بھی کیسے کرسکتے ہیں جس کی آپ کو

۱۱۶ حضرتِ خضر کے علم کی نوعیت؟:- ارشاد فرمایا گیا "جس کو ہم نے اپنی طرف سے ایک خاص علم سے نوازا تھا" یعنی کونیات کے اسرار وحکم سے متعلق اس علم سے جو کہ اللہ تعالیٰ کسی تعلم واکتساب کے بغیر محض اپنے فضل وکرم سے اپنی کسی بندے کو بذریعہ الہام والقاء عطا فرمادیتا ہے۔ پھر جو علم وحی ونبوت کے ذریعے کسی کو ملتا ہے اس کو علم نبوی کہا جاتا ہے۔ اور یہ علم ظنی ہوتا ہے۔ (مدارک محاسن اور صفوۃ وغیرہ)۔ مگر یہ افضلیت کا مدار ومعیار نہیں ہوتا۔ بلکہ افضلیت کا اصل مدار ومعیار شریعت ووحی کا وہ علم ہوتا ہے جو انسان کو اپنے رب سے ملاتا ہے اور اس کو اپنے مقصدِ زندگی سے آگاہ کرتا ہے۔ اور وہ حضراتِ انبیائے کرام کو بدرجہ اَتم دیا گیا ہوتا ہے۔ رہ گئے دوسرے دنیاوی علوم تو یہ چونکہ معیارِ فضیلت نہیں ہوتے، اس لئے یہ اگر کسی غیر نبی کو نبی سے زیادہ دے دیئے جائیں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ "تابیر نخل" کے قصہ میں ہوا ہے جو کہ صحیح احادیث میں وارد ہے اور وہاں پر آنحضرت ﷺ نے خود ارشاد فرمایا "انتم اعلم بامور دنیا کم" کہ "اپنے دنیاوی امور کو تم لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہو" بہرکیف یہاں پر حضرتِ خضر سے متعلق ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو ایک خاص علم سے نوازا تھا۔ یعنی ایسے خاص علم سے جو کہ فکر ونظر اور کسب واکتساب سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اور جس کو جیسا کہ اوپر گزرا "علم لدنی" کہا جاتا ہے۔ اور جس سے سرفرازی میں ظاہری اسباب ووسائل کا دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء والہام کے ذریعے عطا فرمایا جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور بخشش وعنایت کا نتیجہ وثمرہ ہوتا ہے (محاسن التاویل، مدارک التنزیل، صفوۃ التفاسیر اور معارف القرآن وغیرہ)۔ سو اللہ تعالیٰ کی عطاء وبخشش کی صورتیں بے حد وحساب ہیں، سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۱۷ موسیٰ وخضر کی ابتدائی گفتگو کا ذکر وبیان:- سو علیک سلیک کے بعد حضرتِ موسیٰ نے حضرتِ خضر کی خدمت میں اپنا اصل مقصد پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟ تا کہ آپ سے اس علم میں سے کچھ

بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا

پوری واقفیت نہ ہو، ف۱۱۷ موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں کسی

وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ

معاملے میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا ف۱۱۸ اس نے کہا اچھا تو اگر آپ نے میرے ساتھ چلنا ہے تو پھر کسی بھی چیز کے

فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓي اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ

بارے میں مجھ سے اس وقت تک کچھ پوچھنا نہیں، یہاں تک کہ میں خود ہی اس کے بارے میں آپ سے کوئی ذکر نہ

ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ ع فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓي اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ

کروں، ف۲ چنانچہ (اس قرارداد کے بعد) وہ دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ وہ دونوں سوار ہو گئے ایک کشتی میں،

خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ

پھر (اس سے اترتے وقت) اس شخص نے اس میں شگاف ڈال دیا، اس پر موسیٰ نے اس سے کہا کیا آپ نے اس میں

جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ

شگاف ڈال دیا تاکہ آپ اس کے لوگوں کو غرق کر دیں، بلاشبہ آپ نے ایک بڑی ہی عجیب حرکت کا ارتکاب کیا ہے، ف۳ اس

تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا

نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟ موسیٰ نے کہا کہ جو میں بھول گیا

نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

اس پر آپ میری گرفت نہ کریں، اور میرے معاملے میں سختی سے کام نہ لیں، پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓي اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ

کہ ان کو ایک لڑکا ملا، تو اس شخص نے اس کو قتل کر دیا، تو اس پر موسیٰ (غضبناک اور مشتعل ہو کر) بول اٹھے کہ کیا آپ نے

نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے کے (یونہی ناحق) قتل کر دیا؟ بلاشبہ آپ نے ایک بہت ہی برا کام کر دیا،

حاصل کر سکوں جس سے قدرت نے آپ کو بطورِ خاص نوازا ہے؟ تو اس کے جواب میں حضرتِ خضر نے کہا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔ بھلا اس بات پر آپ کس طرح صبر کر سکیں گے جسکی آپ کو پوری واقفیت نہ ہو۔ اور ایسے کاموں کو جو ظاہری اعتبار سے شریعت کی تعلیماتِ مقدسہ کے خلاف ہوں گے انکو دیکھکر آپ صبر نہ کر سکیں گے۔ یہ حضرتِ خضر کا قیافہ تھا جو صحیح نکلا۔ پس اس سے اہلِ بدعت کے مختلف تحریف پسند جو اپنے شرکیہ عقائد کیلئے دلیل کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ ان کی خوش فہمی، ذہنی اپج یا قصداً مغالطہ انگیزی کے سوا کچھ نہیں۔ اسی لئے حضراتِ مفسرینِ کرام اسی ارشادِ ربانی کی تاویل اور تفسیر و توجیہ میں عام طور پر اس طرح کے ارشادات سے فرماتے ہیں "لِاَنَّکَ سَتَرٰی فِیْ صُحْبَتِیْ اُمُوْرًا ظَوَاهِرُهَا مَنَاكِيْرُ وَبَوَاطِنُهَا لَمْ يُحِطْ بِهَا عِلْمُكَ" یعنی "میرے ساتھ چلنے کی صورت میں آپ اے موسیٰ، یقیناً کچھ ایسے امور دیکھیں گے جن کا ظاہر قابلِ انکار ہوگا اور ان کے باطن کی خبر آپ کو ہوگی نہیں"۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو یہ ایک عام اور ظاہر و باہر حقیقت ہے جو کہ عقل و نقل اور فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ جب یہ امور اپنے ظاہر کے اعتبار سے منکر ہونگے تو لازماً آپ ان کا انکار کریں گے۔ کیونکہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اور "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" آپ کے اہم اور بنیادی فرائضِ منصبی میں سے ہیں اور ان کے بواطن کا علم چونکہ آپ کو ہوگا نہیں اس لئے آپ ان کو ظواہر کے اعتبار سے خلافِ شریعت سمجھ کر فوراً اور لازماً انکار کریں گے۔ اور یہی آپ کی شان کے لائق بھی ہے۔ اور آپ کے منصب کا تقاضا بھی۔ پس اس کا اہلِ بدعت وغیرہ کے شرکیہ عقائد سے نہ کوئی تعلق ہے نہ واسطہ۔ اور ان لوگوں کا اسکو اپنے من مانے معنی پہنانا محض مکابرہ اور سینہ زوری ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ. اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے آمین ثم آمین، بہر کیف حضرتِ خضر نے حضرتِ موسیٰ سے کہا کہ چونکہ آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے ایسی صورت میں ہماری یہ رفاقت چل نہیں سکے گی۔ کہ اسکے لئے صبر و برداشت بنیادی ضرورت ہے۔

۱۱۸ حضرتِ موسیٰ کی طرف سے صبر و برداشت کا وعدہ:- سو حضرتِ موسیٰ نے ان سے کہا کہ "آپ مجھے ان شاء اللہ صابر ہی پائیں گے"۔ اور میں بہر حال صبر ہی سے کام لونگا ان شاء اللہ۔ ہاں اگر کوئی بھول چوک ہو جائے تو معاف کر دینا۔ کیونکہ بھول چوک قابلِ گرفت چیز نہیں ہوتی بلکہ اس پر عفو و درگزر سے کام لیا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ اس طرح کی کسی بھول چوک پر میری گرفت نہیں فرمانا اور میرے بارے میں سختی سے کام نہیں لینا۔ میں بہر حال صبر ہی سے کام لونگا اور آپکی کوئی نافرمانی نہیں کرونگا۔ اور ایسے کاموں پر بھی کچھ نہیں کہوں گا جو بظاہر منکر ہونگے۔ کیونکہ مجھے یہ اطمینان اور یقین ہے کہ جب مجھے میرے ربّ نے آپ کی صحبت اور معیت کا حکم دیا ہے تو آپ ایسا کوئی کام بہر حال نہیں کرینگے جو مقتضائے شریعت کیخلاف ہو۔ (معارف وغیرہ)۔ حضرتِ موسیٰ کا یہ کلام دراصل جواب تھا حضرتِ خضر کی اس بات کا۔ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا. یعنی "آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے"۔ جو بظاہر اگرچہ بڑے سیدھے سادھے عام فہم الفاظ پر

مشتمل ہے لیکن اس میں بڑے اہم درسہائے عبرت وبصیرت ہیں۔مثلاً آنجناب کی تواضع کا یہ مظہر ونمونہ کہ آپ اتنے بڑے اولوالعزم رسول ہونے کے باوجود حضرتِ خضر کی اتباع اوران کے ساتھ رہنے کی اس طرح اجازت مانگتے ہیں جو ادب اور تواضع کا ایک اعلیٰ اور عمدہ نمونہ ہے۔نیز علی ان تعلمنی. کے کلماتِ کریمہ میں حضرتِ خضر کو عالم اور معلِم اور اپنے آپ کو متعلم قرار دینے کی درخواست کرتے ہیں۔اور مِمَّا عُلِّمْتَ کے کلمہ سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ کو جو علم ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔

الٰہی:-

انت ربی ، خلقتنی وأنا علی عھدک ووعدک ما استطعتُ ولا حول ولا قوۃ الا بک، علیک توکلت، والیک انیب، فاغفربی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیمُ انت المستعان وعلیک التکلاَن، فی کل حِیْنٍ وَّاٰنٍ، فخذنی بنا صیتی الٰی ما فیه حُبُّک والرضا بکل حال من الاحوال، وفی کلِّ موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ، یا ذاالجلال والاکرام، یا من رحمته وسعت کل شیءٍ وھو یجیر ولا یجارُ علیه. سبحانهٗ وتعالیٰ

۱۵شوال ۱۴۲۸ھ

۲۵ اکتوبر ۲۰۰۷ء دبئی،

متحدہ عرب امارات

والحمد للہ رب العالمین

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

عُمدة البيان في تفسير القرآن

المعروف تفسير المدني